

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا

# مَعَارِفُ الْفُرْقَانِ

ترجمہ: حقیقت سگامہ معاریپہ عاربانہ حضرت شاہ عبدالقادر بریلوی شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہما  
تفسیر: شیخ التفسیر مولانا محمد اذہر کاندھلوی رتبتہ



چہرام

تفسیر  
حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی برکت  
۱۳۰۵ھ - ۱۳۶۹ھ  
(سورۃ التباہ ۲۱ سورۃ النباء)

تفسیر  
شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی برکت  
۱۳۲۸ھ - ۱۳۶۹ھ  
(سورۃ النبا ۲۱ سورۃ النساء)

مکتبہ حیدریہ رشیدیہ



تِلْكَ الذِّبْقُ نَزَلَ الْفُرْقَانِ عَلَى عَنبِيٍّ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا

# مَعَارِفُ الْقُرْآنِ

ترجمہ: عرفان اللہ حضرت عرش شاہ القادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہما

تفسیر: شیخ التفسیر الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ

موضح فرقان معروف بہ

# تَفْسِيرُ

ترجمہ: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ

حقی کتب خانہ محمد معاذ خان

درس نقای کیلئے ایک مفید ترین  
ٹیکسٹ بک

علماء دیوبند کے علوم کا پاسان  
دینی و علمی کتابوں کا عظیم مرکز ٹیکسٹ بک چینل

تفسیر  
حضرت مولانا علامہ شہیر احمد عثمانی رحمہ اللہ  
۱۳۰۵ھ - ۱۳۶۹ھ  
(سورۃ التہکۃ تا سورۃ التکوین)

تفسیر  
شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ  
۱۳۶۸ھ - ۱۳۳۹ھ  
(سورۃ الفاتحۃ تا سورۃ النساء)

(جلد چہارم)

پارہ ۱۲ ۱۴ ۱۵

سُورَةُ يُوسُفَ تا سُورَةُ الْكَافِرِ

مکتبہ حنیفیہ رشیدیہ®

LG-29 طارق پور ٹریننگ سنٹر غزنی سڑک ڈوبلا لہو

042-37242117 - 0332-4377621

بِسْمِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ

**انتباہ** اس تفسیر کی تدوین و تصویب اور کتابت کسی بھی طریقہ سے کاپی کرنا کاپی رائٹ ایکٹ ۱۹۶۲ء کے تحت قابل تعزیر جرم ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والے کے خلاف بطور رجسٹرڈ کاپی رائٹ مالک قانونی کارروائی کی جائے گی۔

نام کتاب \_\_\_\_\_  
جلد \_\_\_\_\_  
سن اشاعت \_\_\_\_\_  
کمپوزنگ \_\_\_\_\_  
ناشر \_\_\_\_\_  
باہتمام \_\_\_\_\_  
اسٹاکسٹ \_\_\_\_\_  
مکتبہ حنبلیہ رشیدیہ (بمراہ)  
انیس احمد مظاہری  
مکتبہ المطاہرہ، جامعہ احسان القرآن لاہور  
0332-4377501

**کاوش** اللہ جل جلالہ و عم نوالہ کا احسان عظیم ہے کہ ہم تشکال علوم نبویہ کی خدمت میں تفسیر قرآن کی عظیم کتاب **تفسیر القرآن و تفسیر صحیحین** پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ شب و روز کی محنت شاقہ اس کے ظہور پذیر ہونے میں کار فرما رہی اس عظیم کام کو بحسن و خوبی سرانجام دینے میں یرید العلماء کے معزز اراکین نے حتی المقدور سعی کی۔ اس نسخے کی تیاری زر کثیر خرچ کر کے کروائی گئی ہے اور ہار ہار پروف ریڈنگ کروائی گئی تاکہ افلاط کا تناسب نہ ہونے کے برابر ہو، بہر کیف انسان خطا کا پتلا ہے اس کے ہاتھوں غلطی کا صدور ہر لمحہ ممکن ہے، ہمیں امید ہے کہ آپ ہمیں حسب سابق اصلاح کی طرف گامزن کرتے رہیں گے۔

**استدعا** اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم نے اپنی طاقت اور بساط کے مطابق کتاب کی تصحیح میں حتی الامکان محنت و کوشش کی ہے اس کے باوجود اگر طالبان حدیث رسول و قرآن کو کسی مقام پر کوئی قابل تصحیح عہارت نظر آئے تو وہ ہمیں ضرور اطلاع فرمائیں، ہم ان کے شکر گزار ہوں گے اور اس غلطی کی درنگلی کریں گے۔ آپ کے اس علمی تعاون کی بدولت اسی ہم اشاعت دین کے ساتھ ساتھ حفاظت دین کا فریضہ سرانجام دینے کے قابل ہوں گے۔

مکتبہ حنبلیہ رشیدیہ (بمراہ)

## فہرست مضامین

۶۲	قصہ ابراہیم علیہ السلام مشتمل بر بشارت ملائکہ کرام بولادت اسحاق علیہ السلام	۱۰	بارہواں پارہ
۶۳	لطائف و معارف	۱۱	بیان صفت ترزین و تخلیق
۶۳	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا علم اور ترجم	۱۳	ابطال قدامت مادہ
۶۷	قصہ لوط علیہ السلام و قوم او کہ تخرقہ قصہ سابقہ است	۱۴	بحث در بارہ بعث
۷۳	قصہ شعیب علیہ السلام	۱۶	بیان حال طبیعت انسانہ و راحت و کلفت
۷۵	قوم مردود کا جواب	۱۷	بیان نوع دیگر از طعنہ ہائے کفار تا ہنجار و تسلی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
۷۶	شعیب علیہ السلام کا قوم کو جواب با صواب	۱۹	دلائل اعجاز قرآن پر ایک اجمالی نظر
۷۶	ترہیب قوم از مخالفت و معاندت	۲۱	ابطال عترت اہل دنیا بر اعمال خود
۷۷	حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف سے قوم کی دھمکیوں کا جواب	۲۵	اہل دنیا اور اہل آخرت کا مقابلہ و نتائج اخروی کا بیان
۷۹	قصہ موسیٰ علیہ السلام با فرعون	۲۷	ظالموں کے حال اور مال کا بیان
۸۰	تذکیر عواقب دیوبہ امم ظالمہ برائے عبرت	۲۸	ذکر حال و مال اہل ایمان
۸۳	تذکیر عواقب اخرویہ کفر و تکذیب برائے موعظت و نصیحت	۲۸	مثال فریقین
۸۹	موعظت حسنہ	۲۸	ضمیمہ متعلقہ بہ تفسیر آیت
۹۱	تخذیر از اختلاف و افتراق و حکم استقامت بر احکام شریعت	۳۲	قصہ حضرت نوح علیہ السلام با قوم او
۹۵	ام سابقہ کی ہلاکت کے سبب قریب و سبب بعید کا بیان	۳۳	حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے جواب با صواب
۹۷	تنبیہ بر بعض حکمت ہائے حکایت قصص مذکورہ	۳۷	لطائف و معارف
۹۸	خاتمہ سورت مشتمل بر تہدید عدم قبول ذکرئی و موعظت	۴۱	تتمہ قصہ نوح علیہ السلام متعلق بہ طوفان
۱۰۰	سورۃ یونس	۴۵	قصہ فرود آمدن طوفان نوح علیہ السلام
۱۰۱	شان نزول	۴۷	بدعا نوح علیہ السلام برائے نجات پر خود جواب ہاری تعالیٰ
۱۰۲	حقانیت قرآن حکیم و تہدید قصہ	۴۹	ظلمتہ قصہ مشتمل بر بیان حکمت و ذکر استدلال بروحی نبوت
		۵۳	قصہ ہود علیہ السلام با قوم عاد
		۵۸	قصہ صالح علیہ السلام با قوم ثمود

۱۵۷	ظہور قحط عظیم در اطراف مصر و شام	۱۰۵	آغاز قصہ برویائے صالحہ و صادقہ
۱۶۳	بار دوم آمدن برادران یوسف علیہ السلام	۱۰۵	خواب کی حقیقت
۱۶۷	فائدہ جلیلہ در تحقیق مسئلہ جلیلہ	۱۰۶	تعبیر خواب
۱۷۱	بازگشتن برادران یوسف علیہ السلام از سفر دوم	۱۱۱	معاملہ برادران یوسف علیہ السلام
۱۷۶	بار سوم آمدن برادران یوسف علیہ السلام بحکم یعقوب علیہ السلام	۱۲۰	ذکر الطاف و عنایات خداوندی با یوسف علیہ السلام
۱۷۶	برائے تخصّص یوسف علیہ السلام و بنیامین	۱۲۸	حکایت
۱۷۸	بازگشتن برادران یوسف علیہ السلام از سفر سوم و بشارت بردن	۱۲۸	دعوائے یوسف علیہ السلام
۱۸۱	بار چہارم آمدن برادران یوسف علیہ السلام مع والدین و اہل خود	۱۲۸	اعتراف زلیخا عزیز مصر کا اعتراف
۱۸۳	خاتمہ بردعائے یوسف علیہ السلام برائے خاتمہ بالخیر	۱۲۸	شہادت شاہد
۱۸۷	خاتمہ سورت بر اثبات رسالت محمد یہو تہدید بر مکررین و بیان حقانیت کتاب مبین	۱۲۹	شہادت زنان مصر وغیرہ
۱۹۱	تفسیر اول آیت مذکورہ	۱۲۹	شہادت رب العالمین
۱۹۱	تفسیر دوم	۱۲۹	شہادت ابلیس لعین
۱۹۳	تفسیر سوم	۱۲۹	ذکر الطاف و عنایات خداوندی
۱۹۵	سُورَةُ الرَّحْمٰنِ	۱۲۹	ضمیمہ متعلقہ بہ تفسیر ﴿وَشَهِدَ شَٰهِدًا مِّنْ اٰہِلِہَا﴾
۱۹۶	حقانیت قرآن کریم	۱۳۲	قصہ دعوت زلیخا زنان مصر را مشتمل بر اعتراف عصمت و عفت یوسف علیہ السلام
۱۹۸	ذکر دلائل توحید و اثبات مبداء و معاد	۱۳۲	قصہ یوسف علیہ السلام با ساقی و خباز در جیل خانہ بر مشتمل تبلیغ و دعوت
۱۹۸	استدلال باحوال عالم علوی	۱۳۸	دعوت توحید
۱۹۹	استدلال بہ تنخیر شمس و قمر	۱۴۰	تعبیر خواب
۲۰۰	آسمانوں کے بارے میں فلسفہ جدیدہ کا نظریہ	۱۴۰	شاہ مصر کا خواب دیکھنا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا اس کی تعبیر بتانا
۲۰۰	استدلال باحوال عالم سلفی	۱۴۳	شاہ مصر کا یوسف علیہ السلام کو ملاقات کے لئے طلب کرنا
۲۰۱	استدلال دیگر	۱۴۶	تیرہواں پارہ
۲۰۳	مکررین نبوت کے شبہات اور ان کے جوابات	۱۴۹	مشتمل بر تحدیث نعمت و بیان حقیقت عصمت
۲۱۱	رجوع برائے مضمون توحید	۱۴۹	ذکر اختلاف مفسرین در تفسیر ایں آیت
۲۱۷	مثال حق و باطل	۱۵۱	یوسف علیہ السلام کی شاہ مصر سے ملاقات و تفویض اختیارات سلطنت
۲۲۱	ذکر حال و مال محققین و مہتممین	۱۵۲	
۲۲۲	صفات اہل عقل		

۲۷۱	خلاصہ تفسیر آیت مذکورہ		جواب از شہ عدم مبعوضیت کفار بنا بر وسعت رزق
۲۷۳	ذمت کفار و مشرکین و مدح مومنین صالحین	۲۲۳	دنیوی
۲۷۷	دعاء ابراہیمی کا ذکر		رجوع بہ بحث نبوت و بیان حال اہل سعادت و اہل
۲۸۲	تذکیر آخرت و تحذیر از غفلت	۲۲۷	شقاوت
۲۸۵	سُورَةُ الْحَجْرِ		تفہیم و تشہیح اہل باطل و سزائے معاندین و جزائے
۲۸۶	حقانیت قرآن کریم	۲۳۱	مطیعین
۲۸۶	چودھواں پارہ	۲۳۵	خطاب بہ اہل کتاب در بارہ نبوت
۲۸۷	بیان حسرت اہل غفلت در روز قیامت	۲۳۸	مسئلہ بدایہ کی مختصر تشریح
۲۸۷	ذکر اقوال کفار تا پنجار در بارہ بارگاہ رسالت	۲۳۹	بدایہ کی اقسام
۲۸۹	لطائف و معارف بابت آیت <b>هَٰذَا نَحْنُ نَزَّلْنَا</b>	۲۴۰	نسخ اور بدایہ فی الحکم میں فرق
۲۹۲	الذی کفر	۲۴۱	کفر کا زوال اور اسلام کا اقبال
۲۹۳	دلیل عقلی	۲۴۳	سُورَةُ الْاِنشُرَةِ
۲۹۳	دلیل نقلی	۲۴۵	آغاز سورت بہ بیان مقصد بعثت
۲۹۳	دلیل الزامی	۲۴۶	کفار کا ایک شبہ اور اس کا جواب
۲۹۶	حفاظت کا طریقہ	۲۴۶	فائدہ جلیلہ
۲۹۶	شینعوں کو قرآن کیوں یاد نہیں ہوتا	۲۴۸	ذکر موسیٰ علیہ السلام
۲۹۸	تاویلات شیعہ اور ان کا جواب	۲۵۳	تذکیر بایام اللہ
۲۹۹	اجماع امت بر محفوظیت قرآن از زیادت و نقصان	۲۵۳	منکرین کے شبہات اور رسولوں کے جوابات
۳۰۲	بیان توحید (بحث بروج)	۲۵۶	خداوند عالم کی طرف سے جواب
۳۰۸	ذکر پیدائش انس و جن و قصہ پیدائش آدم علیہ السلام	۲۵۸	مثال اعمال کفار
۳۱۲	ذکر نعمائے اہل جنت		قیامت کے دن کی باہم گفتگو اور پیشوایان کفر کی ذلت
۳۱۷	قصہ ابراہیم و لوط علیہ السلام	۲۵۹	اور نہ امت کا ذکر
۳۲۰	قصہ اصحاب ایکہ و اصحاب حجر	۲۶۱	جہنم میں شیطان کی تقریر
۳۲۳	تلقین صبر بر ایذاء و استہزاء و تمسخر	۲۶۳	اہل سعادت کے حال اور آل کا ذکر
۳۲۶	قول اول	۲۶۳	مثال کلمہ ایمان و کلمہ کفر، و سوال قبر
۳۲۷	قول ثانی	۲۶۶	خلاصہ کلام
۳۲۷	ترجیح راجح	۲۶۹	چند فوائد
۳۲۸		۲۶۹	ایک شبہ اور اس کا جواب

۳۷۳	کفار کے چند ناشائستہ اقوال و افعال کا ذکر	۳۳۰	نکتہ
۳۷۵	بیان علم خداوندی	۳۳۱	سُوْرَةُ النَّعْلِ
۳۷۶	فائدہ	۳۳۲	آغاز سورت بوعید و تہدید بر مکرین توحید
۳۷۷	تسلیہ نبی اکرم ﷺ	۳۳۰	ذکر دلائل توحید
۳۸۵	رجوع بسوئے دلائل توحید بتذکیر انعامات خداوند حمید	۳۳۰	دس قسم کے دلائل
	تفصیل دلائل قدرت و دلائل نعمت برائے اثبات	۳۳۱	نتیجہ دلائل
۳۸۷	الوہیت و وحدانیت	۳۳۱	تفصیل دلائل توحید قسم اول
۳۸۷	دلیل اول	۳۳۱	قسم دوم
۳۸۷	دلیل دوم	۳۳۲	قسم سوم
۳۸۸	دلیل سوم	۳۳۲	قسم چہارم
۳۸۸	دلیل چہارم	۳۳۲	جملہ معترضہ برائے بیان اثر دلائل مذکورہ
۳۹۰	دلیل پنجم	۳۳۳	قسم پنجم احوال نباتات سے استدلال
۳۹۰	دلیل ششم	۳۳۳	قسم ششم
۳۹۲	دلیل ہفتم	۳۳۳	قسم ہفتم قسم ہشتم
۳۹۳	مثال اول	۳۳۳	قسم نہم قسم دہم
۳۹۳	دوسری مثال	۳۳۵	تہدید بر اعراض از دلائل واضحہ
۳۹۳	دلیل ہشتم - کمال علم و کمال قدرت	۳۳۷	مکرین نبوت کے معاندانہ سوالات اور ان کے جوابات
۳۹۵	دلیل نہم	۳۳۷	پہلا شبہ
۳۹۵	دلیل دہم	۳۵۰	تہدید معاندین و وعید مستکبرین
۳۹۶	دلیل یازدہم	۳۵۳	دوسرا شبہ
۳۹۶	دلیل دوازدہم	۳۵۵	تیسرا شبہ
۳۹۶	دلیل سیزدہم	۳۶۱	چوتھا شبہ
۳۹۶	دلیل چہار دہم	۳۶۳	پانچواں شبہ
۳۹۷	اثقان بر اتمام احسان	۳۶۳	فائدہ اولیٰ
۳۹۹	ذکر قیامت	۳۶۵	فائدہ دوم
۴۰۶	تلقین مکارم اخلاق و محاسن اعمال و آداب	۳۶۷	تہدید اہل مکر بانواع و اقسام قہر
۴۰۹	ایفائے عہد کی تاکید اور غدر اور بد عہدی سے ممانعت و تہدید	۳۶۸	تذکیر آثار قدرت و تشبیہ بر غفلت
۴۱۲	تعلیم طریقہ حفاظت از شر شیطانی	۳۷۰	اثبات توحید و ابطال مجوسیت



۴۶۲	ذکر نعمائے دنیویہ	۴۱۵	مکرمین نبوت کے چند شبہات اور ان کے جوابات
۴۶۳	حکایت	۴۱۶	کافروں کا دوسرا اعتراض اور اس کا جواب
	بیان سعادت و شقاوت و ہدایت و ضلالت و ذکر طالبان	۴۱۸	حکم مرتد
۴۶۶	دنیا و طالبان آخرت	۴۲۰	ذکر جزائے آخرت
۴۷۰	فائدہ	۴۲۳	تہدید باقات دنیویہ بر معصیت و کفران نعمت
۴۷۱	لطائف و معارف	۴۲۳	نکتہ
۴۷۸	تفصیل احکام آخرت و احکام ہدایت		بیان حقیقت ملت ابراہیمیہ برائے ترغیب اتباع ملت
۴۷۹	حکم اول توحید	۴۲۷	محمدیہ
۴۷۹	حکم دوم: احترام و اکرام والدین	۴۳۱	ایک اشکال اور اس کے تین جواب
۴۸۱	ایک فلسفیانہ سو سے اور اس کا جواب	۴۳۱	جواب اول
۴۸۳	حکم سوم: اداء حقوق دیگر اہل حقوق	۴۳۲	جواب دوم
۴۸۵	حکم چہارم: ممانعت از اسراف	۴۳۳	جواب سوم
۴۸۵	حکم پنجم: مملطف در جواب سائل	۴۳۶	آداب دعوت و تبلیغ
۴۸۵	حکم ششم: اقتصاد و اعتدال و رانفاق مال	۴۳۷	اختتام سورہ نحل
۴۸۶	حکم ہفتم: ممانعت از قتل اولاد	۴۳۸	پندرہواں پارہ
۴۸۶	حکم ہشتم: ممانعت از زنا	۴۳۸	سورہ بی بی اسراء
۴۸۶	حکم نہم: ممانعت از قتل ناحق	۴۴۰	ذکر کرامت اسراء و معراج بہ نبی اکرم ﷺ
۴۸۷	حکم دہم: ممانعت از تصرف ناحق در مال یتیم	۴۴۲	فائدہ نمبر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷
۴۸۷	حکم یازدہم: ایفاء عہد	۴۴۵	سوال و جواب
۴۸۷	حکم دوازدہم: ایفاء کیل	۴۴۸	ایک شبہ اور اس کا جواب
۴۸۷	حکم سیزدہم: ایفاء وزن	۴۵۰	معراج آسمانی اور مرزائے آنجہانی
۴۸۷	حکم چہارم دہم: عدم جواز عمل بر امر نامعلوم	۴۵۲	قصہ اسراء و معراج
۴۸۸	حکم پانزدہم: ممانعت از رفتار تکبر و تجتر		ذکر کرامت موسیٰ علیہ السلام و شرف تکلم و
۴۸۹	خاتمہ کلام بر تاکید احکام و توحید خداوندانام	۴۵۴	مناجات
۴۹۲	تاکید توحید و بیان حال مکرمین نبوت	۴۵۷	ذکر انجام مخالفت و معصیت برائے ترہیب و عبرت
۴۹۶	اثبات معاد	۴۵۷	نکتہ
۵۰۱	تلقین حسن خطاب با اہل کتاب و جوابات شبہات مشرکین	۴۶۰	ذکر فضیلت قرآن کریم
۵۰۳	رجوع بسوئے ابطال شرک	۴۶۱	انسان کی جلد بازی اور ناعاقبت اندیشی

۵۳۵	نویں معرفت روح اور نفس میں فرق	۵۰۵	ترہیب کفار از قہر خداوند قہار
۵۳۷	دسویں معرفت روح اور نفس کی نوعیت	۵۰۵	فرمانی معجزات کے اظہار سے انکار
۵۳۸	اعجاز قرآن و اثبات رسالت محمدیہ ﷺ	۵۰۸	نکتہ
۵۵۱	معاندین کے سوالات اور ان کے جوابات	۵۱۲	ذکر عداوت شیطان با بنی نوع انسان
۵۵۲	جواب استعجاب کفار بر رسالت بشر	۵۱۳	رجوع بسوئے مضمون توحید
۵۵۳	جواب اخیر مشتمل بر وعید سعیر	۵۱۶	لطائف و معارف
۵۵۷	ذکر معجزات موسویہ برائے تحقیق رسالت محمدیہ ﷺ	۵۱۷	کرامت روحانیہ اور اس کا خاصہ
۵۵۷	قول اول	۵۱۷	کرامت اور فضیلت میں فرق
۵۵۸	قول دوم	۵۲۰	بیان فرق مراتب در روز قیامت
۵۶۲	خاتمہ سورت بر توحید و تہمید		ذکر عداوت کفار با سید الابرار، در امور دینیہ و دنیویہ
۵۶۳	اختتام سورۃ اسراء	۵۲۲	و وعدہ عصمت و حفاظت
۵۶۳	سورۃ الکہف		حکم بہ مشغولی عبادت رب معبود و بشارت مقام محمود
۵۶۳	ربط اور مناسبت	۵۲۶	تلقین دعاء ہجرت و اشارہ بسوئے قیام آسمانی بادشاہت
۵۶۶	فائدہ	۵۲۷	نکتہ
	آغاز سورت تہمید بر انزال کتاب ہدایت برائے اثبات توحید ایلخ	۵۲۸	تلقین دعاء ہجرت و بشارت قیام حکومت
۵۶۸	ذکر اجمالی قصہ اصحاب کہف	۵۳۳	ظالموں کے ایک معاندانہ سوال کا جواب
۵۷۱	اصحاب کہف در قیم	۵۳۷	فائدہ جلیلہ
۵۷۲	اصحاب کہف کا قصہ	۵۳۷	اقوال حکماء و علماء در بارہ روح
۵۷۳	تفصیل قصہ اصحاب کہف	۵۳۹	لطائف و معارف
۵۸۷	بقیہ قصہ مذکورہ	۵۳۹	پہلی معرفت
۵۹۰	ذکر قول دیگر در تفسیر آیت مذکورہ	۵۴۱	دوسری معرفت
۵۹۲	ذکر اختلاف اہل کتاب در بارہ شمار اصحاب کہف	۵۴۲	تیسری معرفت
۵۹۳	مقام اصحاب کہف	۵۴۲	چوتھی معرفت
۵۹۸	حکم تلاوت قرآن و مدارات در ویشان و خرقہ پوشان	۵۴۲	پانچویں معرفت
۶۰۰	مسئلہ	۵۴۲	لفظ "خلق" اور لفظ "امر" کی تشریح اور ان کا باہمی فرق
۶۰۳	بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کی مثال	۵۴۳	چھٹی معرفت
۶۰۶	فائدہ	۵۴۳	ساتویں معرفت
		۵۴۵	آٹھویں معرفت روح نظر کیوں نہیں آتی؟

۶۱۵	غرور اور تکبر کا حال اور مآل	۶۰۶	حکایت
۶۲۱	قصہ حضرت موسیٰ باخضر علیہ السلام	۶۰۷	فائدہ
		۶۰۹	دنیا کے فناء و زوال کی ایک مثال

وَمَا مِنْ كَائِدٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَيَّ اللَّهُ رِزْقُهَا وَنَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلِّ

اور کوئی نہیں چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے اس کی روزی قی اور جاتا ہے جہاں وہ ٹھہرتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے قی سب کچھ موجود ہے اور کوئی نہیں پاؤں چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے اس کی روزی، اور جاتا ہے جہاں ٹھہرتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے۔ سب موجود ہے

فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ① وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ

کلی کتاب میں قی اور وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں قی اور تھا اس کا تخت کلی کتاب میں۔ اور وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں، اور تھا تخت اس کا

عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۗ

پانی پر قی تاکہ آزمائے تم کو کون تم میں اچھا کرتا ہے کام قی

پانی پر، کہ تم کو آزمائے، کون تم میں اچھا کرتا ہے کام۔

قی پہلے علم الہی کی وسعت بیان ہوتی تھی یہ اسی مضمون کا مکمل ہے۔ یعنی زمین پر چلنے والا ہر جاندار جسے رزق کی احتیاج لاحق ہو، اس کو روزی پہنچانا خدا نے محض اپنے فضل سے اپنے ذمہ لازم کر لیا ہے۔ جس قدر روزی جس کے لیے مقدر ہے یقیناً پہنچ کر رہے گی۔ جو مسائل و اسباب بندہ اختیار کرتا ہے، وہ روزی پہنچنے کے دروازے ہیں۔ اگر آدمی کی نظر اسباب و تدابیر اختیار کرتے وقت سبب الاسباب پر ہو تو یہ توکل کے منافی نہیں البتہ خدا کی قدرت کو ان اسباب عادیہ میں محصور و مقید نہ سمجھا جائے۔ وہ گاہ بگاہ سلسلہ اسباب کو چھوڑ کر بھی روزی پہنچاتا یا اور کوئی کام کر دیتا ہے بہر حال جب تمام جانداروں کی حسب استعداد غذا اور معاش مہیا کرنا حق تعالیٰ کا کام ہے تو ضروری ہے کہ اس کا علم ان سب پر محیط ہو ورنہ ان کی روزی کی خبر گیری کیسے کر سکے گا۔

قی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں "مستقر" (جہاں ٹھہرتا ہے) بہشت و دوزخ اور مستودع (جہاں سونپا جاتا ہے) اس کی قبر ہے۔ ﴿وَمَا مِنْ كَائِدٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَيَّ اللَّهُ رِزْقُهَا وَنَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلِّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾ میں دنیاوی زندگی کا بیان تھا۔ یہاں برزخ اور آخرت کا بیان ہوا۔ مطلب یہ ہوا کہ خدا ابتداء سے انتہاء تک تمہاری ہستی کے تمام درجات کا علم رکھتا ہے۔ "مستقر" و "مستودع" کی تعین میں مفسرین کے بہت اقوال ہیں پہلے سورہ "انعام" میں بھی ہم کچھ لکھ چکے ہیں۔ ابن کثیر نے کہا کہ زمین میں جہاں تک پہلے پھرے اس کی منتہائے سیر کو مستقر اور پھر پھر کر جس ٹھکانے پر آئے اسے "مستودع" کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس زندگی میں جہاں رہے وہ "مستقر" اور موت کے بعد جہاں دفن کیا جائے وہ "مستودع" ہے، مجاہد نے "مستقر" سے رحم مادر اور "مستودع" سے صلب پدر مراد لی ہے۔ عطاء نے اس کے عکس کا دعویٰ کیا بعض متفلسفین کا خیال ہے کہ زمین میں حیوانات کا جو مسکن بالفعل ہے اسے "مستقر" اور وجود فعلی سے پہلے جن مواد و مقار میں رہ کر آئے انہیں "مستودع" کہا گیا ہے یعنی حق تعالیٰ ان تمام مختلف مواد اور اطوار و ادوار کا عالم ہے جن میں سے کوئی حیوان گزر کر اپنی موجودہ جنت کذائی تک پہنچا ہے۔ وہ ہی اپنے علم مجید سے ہر مرتبہ وجود میں اس کی استعداد کے مناسب وجود و کمالات وجود فائض کرتا ہے۔

قی یعنی لوح محفوظ میں جو محفوظ علم الہی ہے۔ پھر علم الہی میں ہر چیز کیسے موجود ہوگی۔

قی یہ علم کے بعد قدرت کا بیان ہے۔ اس کی تفسیر سورہ "اعراف" کے ساتویں رکوع میں گزر چکی۔

قی یعنی آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے پانی مخلوق ہوا جو آئندہ اشیاء کا مادہ حیات بننے والا تھا۔ ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ اس وقت عرش خداوندی اسی کے اوپر تھا جیسے اب سموات کے اوپر ہے۔ گویا یہ ایک صورت تھی جو اس حقیقت کو ظاہر کر رہی تھی کہ کائنات کا مادہ اور ذریعہ حیات بالکل رب العرش کے تسلط و تصرف اور قیومت مطلقہ کے ماتحت ہے۔ واللہ اعلم۔

قی یعنی اس سارے نظام کی تخلیق و ترتیب نے مقصود تمہارا یہاں بسانا اور امتحان کرنا ہے کہ کہاں تک اس عجیب و غریب نظام اور سلسلہ مصنوعات میں غور کر کے غائب و مائل کی صحیح معرفت حاصل کرتے اور مخلوقات ارضی و سماوی سے منتفع ہو کر ممکن شامی اور سپاس گزاری کا فطری فرض سمجھالاتے جو۔ یہ مقام تمہاری سخت آزمائش کا ہے۔ مالک حقیقی دیکھتا ہے کہ تم میں سے کونسا نظام صدق و اخلاص اور سلیقہ مندی سے اچھا کام کرتا اور فرائض بندگی انجام دیتا ہے۔

## بیان صفت ترزیق و صفت تخلیق

كَالْبَحَائِكِ: ﴿وَمَا مِنْ ذَاتَةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا...﴾ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ﴿﴾

ربط: ..... او پر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا عالم الغیب ہونا بیان کیا کہ اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے اب ان آیات میں صفت ترزیق اور صفت تخلیق کو بیان کرتے ہیں کہ وہی سب کا رازق ہے اور وہی سب کا خالق ہے اور مخلوق رزق کی محتاج ہے اس لیے اس نے اپنے فضل سے مخلوق کا رزق اپنے ذمہ کر لیا ہے جب تک خالق کو کسی جان دار کا زندہ رکھنا مقصود ہے اس وقت تک اس کو رزق پہنچتا رہے گا۔ اور جو حیوان بھوک سے مر جائے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کمی آگئی ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے زندہ رکھنے کا نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے جس حیوان کا جتنا رزق مقرر کر دیا ہے وہ اس سے غافل نہیں اور زمین کے تمام جانداروں کا رزق اس کے ذمہ ہونا اسکی دلیل ہے کہ اسکا علم تمام کائنات کو محیط ہے اگر اس کو تمام اشیاء کا علم نہ ہوتا تو اس قدر بیشمار مخلوقات کو رزق کیسے دیتا۔

نیز یہ بھی ناممکن ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا علم نہ ہو۔ ﴿إِلَّا يَخْلُقُ مَنْ يَخْلُقُ﴾ پس اس کا خالق اور رازق ہونا اس کے کمال علم اور کمال قدرت کی دلیل ہے چنانچہ ارشاد ہے اور نہیں ہے کوئی جاندار جو زمین پر چلتا ہو اور رزق کھانے والا ہو مگر اللہ کے ذمہ ہے اس کا رزق جو اس نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جس جاندار کا جو اور جتنا رزق مقرر کر دیا اسکا پہنچانا خدا کے ذمے ہے، رِزْقُهَا کی اضافت عہد اور تعین پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی قضاء و قدر میں جو رزق اسکا مقدر اور معین ہو چکا ہے وہ اس کو پہنچتا رہے گا۔ خدا کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں پس اگر کوئی بھوک اور فاقہ سے مر جائے تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ خدا کے خزانے میں رزق نہیں رہا بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کو اب اسکا زندہ رکھنا ہی مقصود نہیں۔ وہ کسی کو فاقہ سے مارتا ہے اور کسی کو بیماری سے، مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کے رزق کا کفیل ہے اس کے سوا کوئی رازق نہیں۔ بندوں کو چاہئے کہ اس پر بھروسہ کریں اور چونکہ رزق رسانی کے لیے علم کامل کی ضرورت ہے اس لیے وہ خداوند رزاق ہر حیوان کی جائے قرار کو جانتا ہے۔ مستقر سے وہ جائے قرار مراد ہے، جہاں حیوان اپنی زندگی میں اپنے اختیار سے ٹھہرے جیسے اپنے مکان اور رہنے کی جگہ اور مُسْتَوْدِعٌ یعنی جائے ودیعت سے وہ جگہ مراد ہے جہاں ٹھہرنا اختیار سے نہ ہو۔ جیسے پشت پدر اور رحم مادر اور جائے قبر۔ شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں۔ مترجم گوید مستودع جائست کہ بغیر اختیار اور آجناگاہ داشتہ بودند مانند صلب و رحم و مستقر جائست کہ با اختیار خودی مانند مثل خانہ“ (فتح الرحمن) اور یہی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے (دیکھو تفسیر قرطبی: ۸/۹) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی مخلوق زمین میں پیدا کی ہے وہ سب کی روزی پہنچاتا ہے اور وہ ہر مخلوق کی قرار اور رہائش کی جگہ کو جانتا ہے کہ کس جگہ اس کی بود و باش ہے اور کس جگہ اس کی موت ہوگی اور یہ سب باتیں اگرچہ اس کے علم ازلی میں ہیں مگر ساتھ ساتھ لوح محفوظ میں بھی لکھی ہیں اور تم اس کی کفالت رزق کا کیسے انکار کر سکتے ہو کیونکہ خداوند رزاق وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن کی مقدار میں پیدا کیا آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین سے روزی نکلتی ہے اور آفتاب کی گرمی سے وہ کھیتیاں بکتی ہیں اور آسمان اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے اس کا عرش عظیم پانی

پر تھا جس پر زندگی کا دار و مدار ہے کما قال تعالیٰ ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾۔ غرض یہ کہ آسمان اور زمین اور عرش اور پانی کے پیدا کرنے کے بعد تم کو پیدا کیا تا کہ تم کو آزمائے کہ کون تم میں اچھے عمل کرتا ہے یہ کون و مکان اور یہ زمین و آسمان اور رزق کا یہ سامان اس لیے پیدا کیا کہ دیکھیں کہ ان نعمتوں کو دیکھ کر کون اپنے منعم اور محسن تک پہنچتا ہے۔ اور کون ان نعمتوں میں مست ہو کر منعم اور رزاق کا منکر ہوتا ہے عاقل اور دانا نے اس عجیب و غریب نظام کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ یہ دار فانی امتحان گاہ ہے اور آئندہ چل کر ایک وقت آنے والا ہے جس میں اس امتحان کے نتیجہ کا اعلان ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے اس نے اپنی قدرت سے آسمان اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس سے پہلے اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے پانی کو پیدا کیا اور پھر عرش کو پیدا کیا۔ پھر قلم کو پھر لوح محفوظ کو اور پھر پچاس ہزار سال بعد آسمان اور زمین پیدا کئے اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ ”کان اللہ ولم یکن شیء غیرہ“۔ یعنی ایک وقت ایسا تھا کہ صرف اللہ کی ذات پاک تھی۔ اور اس کے سوا کوئی چیز نہ تھی اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ﴿يَدْبَعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو بلا مادہ اور بلا کسی اصل کے محض اپنی قدرت سے پیدا کیا تا کہ بندوں کا امتحان کرے کہ وہ خدا کے آثار قدرت کو دیکھ کر اس کو مانتے ہیں یا نہیں۔ اس قسم کی آیات اور احادیث اس امر کی صریح دلیل ہیں کہ دیگر کائنات کی طرح مادہ بھی مخلوق اور حادث ہے اللہ ہر چیز کا خالق ہے مادہ ہو یا صورت سب اس کی مخلوق ہے۔ فلاسفہ اور دہریہ کہتے ہیں کہ مادہ قدیم اور غیر مخلوق ہے یہ گروہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا قائل نہیں ان کا قول یہ ہے کہ دنیا کے تمام کام مادہ قدیمہ کی حرکت سے اور موجودات کی باہمی کششوں اور طبعی خواص سے چل رہے ہیں اور یہ لوگ اپنے اس قول کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے کسی چیز کو معدوم محض ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اور نہ کسی چیز کو نیست سے ہست ہوتے دیکھا صرف صورتوں کا اختلاف دیکھا۔ لکڑی اور مٹی کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں مگر مادہ بحالہ باقی رہتا ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ ہماری قدرت میں صرف اتنا ہے کہ صورت تبدیل کر سکتے ہیں۔ ایجاد محض یا اعدام محض نہیں کر سکتے۔

جواب یہ ہے کہ آپ کی اس دلیل سے یہ کہاں سے لازم آیا کہ واقع میں ایسا ناممکن اور محال ہے بے شک ایک چیز آپ نے نہیں دیکھی اور آپ کی قدرت سے باہر ہے مگر آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ امر کسی کی بھی قدرت میں نہیں۔

بلکہ اپنے متعلق بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ آئندہ چل کر مجھے اس پر قدرت نہ ہوگی۔ ممکن ہے کہ یہ امر آج آپ کی قدرت سے خارج ہو اور آئندہ چل کر آپ اس پر قادر ہو جائیں۔ جیسے گراموفون اور ٹیلی فون اور تار برقی کی ایجادات دو سو سال پیشتر قدرت انسانی سے خارج تھیں اور اب ہر وقت نظروں کے سامنے ہیں غرض یہ کہ کسی چیز کو عدم تجربہ اور نہ دیکھنے پر محال کہنا سراسر غلط ہے سورج کو مشرق یا مغرب سے نکالنا آپ کی قدرت میں نہیں تو اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ یہ امر کسی کی بھی قدرت میں نہیں۔ بے شک یہ امر آپ کی قدرت سے خارج ہے مگر جس قادر مطلق نے اس کو جو عطا کیا ہے اس کو قدرت ہے کہ چاہے مشرق سے نکالے یا مغرب سے نکالے اس کی قدرت کے اعتبار سے مشرق اور مغرب سب برابر ہیں اگر کوئی شخص کسی فقیر یا مزدور سے جو دن بھر میں کمال مشقت و محنت سے ایک ایک روپیہ کماتا ہو، یہ کہے کہ تجھ کو دس ارب روپیہ مل جائے گا

تو وہ اس کو ناممکن اور محال سمجھے گا۔ اور عجب نہیں کہ اس کے محال ہونے پر کوئی طویل و عریض لیکچر بھی دیدے۔

لیکن عاقل اور دانا یہ سمجھتا ہے کہ یہ امر عقلاً محال اور ناممکن نہیں بلکہ مستبعد اور اچنبھا ہے یعنی عجیب معلوم ہوتا ہے دائرہ امکان سے باہر نہیں ”محال“ وہ ہے کہ جس کا باطل ہونا دلیل عقلی سے ثابت ہو جیسے اجتماع نقیضین اور ارتفاع نقیضین اور ”مستبعد“ وہ ہے کہ جو ظاہر کے لحاظ سے عجیب و غریب نظر آئے۔

آج کل کے سائنسدان محال اور مستبعد میں فرق نہیں کرتے حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے بہر حال عدم محض سے کسی چیز کا وجود میں آنا نیست سے ہونا قطعاً محال نہیں ہو اور ہم نے کبھی ایسا نہیں دیکھا آپ ذرا ہوش میں آئیے اور بتلایئے کہ آپ کے نہ دیکھنے سے یا نہ کر سکنے سے کسی چیز کا محال ہونا کیسے ثابت ہوا۔ اس قسم کی باتوں سے کسی چیز کا ناممکن اور محال ہونا ثابت نہیں ہوتا البتہ ان باتوں سے آپ کا گھمنڈ ثابت ہو جاتا ہے۔

ابطال قدامت مادہ:..... اے علمبرداران فلسفہ و سائنس آپ اگرچہ مادہ کو قدیم اور اس کے ذرات بسیط کی حرکت کو قدیم مانتے ہیں لیکن تبدیلی صورت کے تو قائل ہیں کہ صورتیں بدلتی رہتی ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ صورتوں کے حادثات ہونے کے قائل اور معترف ہیں اور صورت کی تبدیلی کا مطلب یہ ہے کہ پہلی صورت تو معدوم اور زائل ہو گئی اور جدید صورت موجود ہو کر مادہ کو لاحق ہو گئی تو اب سوال یہ ہے کہ جب اجسام مادہ میں صورت و شکل کی تبدیلی واقع ہوتی ہے تو آپ یہ بتلائیں کہ اس ادل بدل کے وقت اور دوسری صورت کے آنے کے وقت پہلی صورت اور شکل بھی اس جسم میں باقی رہی یا بالکل زائل اور معدوم اور فنا ہو گئی یا کسی دوسرے جسم کی طرف منتقل ہو گئی۔ پہلی شق بدلتی باطل ہے اس لیے کہ ایک محل میں ایک ہی وقت میں دو متضاد شکلوں کا جمع ہونا عقلاً محال ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ موم کے گولہ کو ایک شمع بنا لیا جائے تو اس میں باوجود مستطیل ہونے کے شکل مستدیری ہی باقی رہے اور علیٰ ہذا تیسری شق بھی بدلتی باطل ہے ہم بدلتی جانتے ہیں کہ اس جسم کی پہلی صورت زائل ہو کر کسی دوسرے جسم کو جا کر نہیں لگ گئی۔ اب دوسری صورت متعین ہو گئی کہ تبدیلی کے وقت پہلی صورت و شکل بالکل زائل اور معدوم ہو گئی۔ اور عدم میں چلی گئی۔ لہذا اب دوسری شکل و صورت کے متعلق تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ عدم محض سے وجود میں آئی یعنی پہلے نیست تھی اب ہست ہو گئی۔ پس ہر لمحہ صورتوں کی تبدیلی سے نیست سے ہست ہونے کا آپ نے مشاہدہ کر لیا۔ یہ تو آپ کی قدرت کا حال ہوا کہ آپ صورتوں اور شکلوں میں نیست سے ہست کرنے پر قادر ہیں تو سمجھ لو کہ خداوند قدیر آسمان دزمین اور شمس و قمر جیسے اجسام کو نیست سے ہست کرنے پر قادر ہے<sup>۱</sup> اور خداوند عالم اپنی قدرت کاملہ سے ہر جوہر و عرض کو نیست سے ہست کرنے پر قادر ہے پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ صورت حادث ہے اور نیست سے ہست ہوتی ہے تو اس سے مادہ کا حادث ہونا ثابت ہو گیا۔ کیونکہ صورت مادہ کیلئے لازم ہے مادہ بغیر صورت کے موجود نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ امر عقلاً محال ہے کہ مادہ کو موجود ہو اور اس کی صورت اور شکل نہ ہو کیونکہ عقل اس تصور سے قاصر ہے کہ مادہ پر کوئی زمانہ ایسا گزرا ہے کہ مادہ بغیر صورت کے موجود تھا۔ اور اس کو کوئی صورت اور شکل حاصل نہ تھی اور جب مادہ بلا صورت کے موجود نہیں ہو سکتا تو مادہ کا قدیم ہونا باطل ہو گیا کیونکہ جس چیز کا وجود کسی حادث پر موقوف ہو گا وہ قدیم نہیں ہو سکتی بلکہ بلاشبہ حادث

● آپ کی ناقص اور نامتو قدرت اپنے دائرہ عمل میں نیست سے ہست کرنے پر قادر ہے۔

ہوگی بلکہ وہ تو حادث در حادث ہوگی۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ مادہ بغیر صورت کے موجود ہو سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ وجود بالقوہ ہوگا۔ اور وجود بالفعل نہ ہوگا اور وجود بالقوہ من وجہ عدم ہے اور من وجہ وجود ہے یعنی ناقص و ناتمام وجود ہے اور جس چیز کا وجود ناقص اور ناتمام ہو وہ کبھی قدیم نہیں ہو سکتی۔ اور بالفاظ دیگر وجود بالقوہ ایک استعداد اور قابلیت اور صلاحیت کا نام ہے جو ایک قسم کا فرضی وجود ہے حقیقی وجود نہیں لہذا ایسی فرضی اور موہوم حقیقت کا قدیم ہونا عقلاً محال ہے۔

وَلَيْنَ قُلْتُمْ مَبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا

اور اگر تو کہے کہ تم اٹھو گے مرنے کے بعد تو البتہ کافر کہنے لگیں یہ کچھ نہیں مگر اور اگر تو کہے کہ تم اٹھو گے مرنے کے بعد، تو البتہ کافر کہنے لگیں یہ کچھ نہیں مگر

بِسَخَرٍ مُبِينٍ ۝ وَلَيْنَ أَخْرَجْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ لَيَقُولَنَّ مَا يَجْحَدُ بِآلَاءِ

جادو ہے کھلا ہوا اور اگر ہم روکے نہیں ان سے عذاب کو ایک مدت معلوم تک تو کہنے لگیں کس چیز نے روک دیا عذاب کو، سنا ہے جس جادو ہے مرتج۔ اور اگر ہم دیر لگاویں ان سے عذاب کو ایک مدت مئی تک تو کہنے لگیں، کیا روک رہا ہے اس کو؟ سنا ہے!

يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝

دن آئے گا ان پر نہ پھیرا جائے گا ان سے اور کھیر لے گی ان کو وہ چیز جس پر ٹھٹھے کیا کرتے تھے دن آئے گا ان پر، نہ پھیرا جاوے گا ان سے اور الٹ پڑے گا ان پر جس پر ٹھٹھے کرتے تھے۔

### بحث در بارہ بعث

قَالَ غزالی: ﴿وَلَيْنَ قُلْتُمْ مَبْعُوثُونَ...﴾ الی... وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿

رہطہ:..... گزشتہ آیت میں تکوین عالم اور اس کی غرض و غایت کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو تمہاری آزمائش کے لیے پیدا کیا کہ کون اچھا عمل کرتا ہے اب اس آیت میں بعث بعد الموت۔ اور عمل کی جزا و سزا کو بیان کرتے ہیں کیونکہ مکلفین کے اجلاء و امتحان کے لیے جزا اور سزا ضروری ہے اور جزا اور سزا کے لیے حشر و نشر ضروری ہے لہذا اگر کسی حکمت کی وجہ سے عذاب میں تاخیر ہو جائے تو انسان کو یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ عذاب کا وعدہ غلط ہے۔ عذاب ضرور آئے گا مگر اپنے وقت پر آئے گا اور جب عذاب آئے گا تو اس سے کچھ بچ نہیں سکے گا اور ان کے مسخرہ پن کی سزا ان کو مل جائے گی اور اے نبی ﷺ!

فلجب یہ دنیا امتحان و آزمائش کی جگہ ہے تو ضرور ہے کہ اس کے بعد مجازات انعام و انقام کا سلسلہ ہو جاوے گا کہ ان کو اپنے اپنے کئے کا پھل ملے۔ اسی لیے یہاں بعث بعد الموت کا ذکر کیا گیا۔ یعنی کفار مکہ کو یقین نہیں آتا کہ موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ اور اپنے جرائم کی سزا بھگتیں گے۔ جب وہ قرآن میں با حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بعث بعد الموت کا نہایت موثر بیان سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیان کھلا ہوا جادو ہے جس نے بہت سے لوگوں کو مرعوب و مسحور کر لیا۔ مگر یاد رکھیے ہم یہ جادو چلنے والا نہیں۔ (ابن کثیر)

۲۱ یعنی جب ان کی ضرارتوں پر عذاب الہی سے ڈرایا جاتا ہے مگر مذاتی حکمت ایک مدت معین تک عذاب کو روک رکھتی ہے تو تکذیب و استہزاء کے طور پر کہتے ہیں کہ وہ عذاب کہاں ہے؟ آخر آتا کیوں نہیں؟ کس چیز نے اسے پکڑ رکھا ہے؟ لڑماتے ہیں کیا مذاق کرتے ہو، وقت معین پر جب عذاب آئے گا کس کے نالے ملنے گا اور ہر طرف سے گھیر کر تباہ و برباد کر کے چھوڑے گا۔



اگر آپ ﷺ ان منکرین حساب و کتاب سے یہ کہیں کہ تم مرنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے تو جو کافر ہیں اور حشر نثر کے منکر ہیں تو ضرور بالضرور جواب میں یہ کہیں گے کہ نہیں ہے یہ حشر و نثر کی بات مگر کھلا جادو۔ یعنی دوبارہ زندگی کی بات مثل جادو کے دھوکے اور فریب سے جس کی حقیقت کچھ نہیں مطلب یہ ہے کہ اس قرآن میں جادو کی باتیں ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ مرنے کے بعد زندہ ہونگے اور اگر ہم ان منکروں سے اس عذاب اور مواخذہ میں کچھ دیر لگا دیں جس کا ہم نے اس سے وعدہ کیا ہے اور ایک وقت مقررہ تک اس عذاب موعود کو کسی حکمت اور مصلحت کی بنا پر ملتوی رکھیں تو یہ لوگ اذراہ تسخیر یہ کہیں گے کہ کس چیز نے اس عذاب موعود کو نازل اور واقع ہونے سے روک رکھا ہے جس عذاب کے ہم آپ کے نزدیک مستحق ہیں یعنی محمد ﷺ جس عذاب کی ہم کو دھمکیاں دیتے ہیں وہ سب جھوٹی ہیں اگر سچا ہے تو عذاب ہم پر نازل کیوں نہیں ہو جاتا۔ حق تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں آگاہ ہو جاؤ اور کان کھول کر سن لو۔ جس دن وہ عذاب موعود ان پر آ جائے گا تو پھر وہ کسی طرح ان سے ہٹایا نہیں جائے گا۔ وہ لامحالہ ان پر واقع ہو کے رہے گا اور وہی عذاب ان کو آ کر گھیرے گا جس کا یہ ٹھٹھا اڑاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ عذاب کے مستحق ہیں کسی حکمت سے اس میں تاخیر ہو رہی ہے۔ جب عذاب اپنے وقت معین پر نازل ہوگا تو ساری کسر نکل جائے گی اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت سے اس عذاب کے نزول کا وقت نہیں بتلایا۔

وَلَيْنَ آذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَكَيْفُوسٌ كَفُورٌ ﴿۱۰﴾ وَلَيْنَ آذَقْنَاهُ

اور اگر ہم پکھاویں آدمی کو اپنی طرف سے رحمت پھر وہ چھین لیں اس سے تو وہ ناامید نا شکر ہوتا ہے ﴿۱۰﴾ اور اگر ہم پکھاویں اور اگر ہم پکھاویں آدمی کو اپنی طرف سے مہر، پھر وہ چھین لیں اس سے تو وہ ناامید اور نا شکر ہو۔ اور اگر ہم پکھاویں

نَعْمَاءَ بَعْدَ ظَرَأٍ مَّسَّهُ لَيَقُولُنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَلَيْنَا ۖ إِنَّهُ لَفَرِيحٌ فَخُورٌ ﴿۱۱﴾ إِلَّا الَّذِينَ

اس کو آرام بعد تکلیف کے جو پہلی تھی اس کو تو بول اٹھے دور ہوئیں برائیاں مجھ سے وہ تو اترالے والا یعنی خورا ہے ﴿۱۱﴾ مگر جو لوگ اس کو آرام بعد تکلیف کے جو پہلی اس کو تو کہنے لگے، گئیں برائیاں مجھ سے۔ تو وہ خوشیاں کرے بڑائیاں کرتا۔ مگر جو لوگ

صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۖ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿۱۱﴾

صابر ہیں اور کرتے ہیں نیکیاں ان کے واسطے بخشش ہے اور ثواب بڑا ﴿۱۱﴾ ثابت ہیں اور کرتے ہیں نیکیاں۔ ان کو بخشش ہے اور ثواب بڑا۔

﴿۱۱﴾ یعنی اب تو کہتے ہیں مذاب کہاں ہے، کیوں نہیں آتا لیکن آدمی بود اور تھرد لانا ہے کہ اگر خدا چند روز اپنی مہربانی سے پیش و آرام میں رکھنے کے بعد تکلیف میں مبتلا کر دے تو پہلی مہربانیاں بھی بھلا دیتا ہے اور ناامید ہو کر آئندہ کے لیے اس کو تڑپھٹتا ہے۔ گزشتہ پر نا شکر اور آئندہ سے مایوسی، یہی اس کی زندگی کا ماحول ہے۔

﴿۱۱﴾ یعنی مصیبت کے بعد اگر خدا آرام و آسائش نصیب کرے تو سمجھتا ہے کہ گویا اب ہیولہ کے لیے مصائب و تکالیف کا فائدہ ہو گا، پہلی کیفیت بھی لوٹ کر آنے والی نہیں اس وقت فائل و مطرور ہو کر ٹھہراں مارتا اور اتراتا پھرتا ہے حالانکہ ماہی ہے تھا کہ پہلی حالت یاد کر کے خدا کا شکر ادا کرتا اور اس کے احسان کے سامنے جھک جاتا۔ ﴿۱۱﴾ یعنی جو مال اور مہر و مالوں کا جان ہوا، اس سے اللہ کے وہ بندے مستحق ہیں جو تکلیف و مصیبت کا مقابلہ مہر و استقامت سے کرتے اور اس ورامت کے =

## بیان حال طبیعتِ انسانیہ و راحت و کلفت

قَالَ تَحَالُفٌ: ﴿وَلَيْبِنَ أَدَقْنَا الْإِنْسَانَ مِثْقَالَ حَمَّةٍ... إِلَى... لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ﴾

ربط: ..... گزشتہ آیت میں یہ بیان فرمایا کہ آنحضرت ﷺ جب عذاب الہی سے ڈراتے تو کفار نہایت بے باکی سے یہ کہہ دیتے کہ وہ عذاب کیوں نہیں آتا اب اس آیت میں طبیعت انسانی کا حال بیان کرتے ہیں کہ وہ اکثر و بیشتر ایک حال پر نہیں رہتی اگر عیش و آرام کے بعد ذرا تکلیف میں مبتلا ہو تو ناامید ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور اگر مصیبت کے بعد راحت پہنچتی ہے تو اترانے لگتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر ہم انسان کو اپنی طرف سے کسی رحمت اور نعمت کا مزہ چکھائیں اور پھر اس سے وہ اپنی نعمت چھین لیں تو وہ بے صبری کی وجہ سے آئندہ ہمارے لطف و کرم سے ناامید ہو جاتا ہے اور گزشتہ نعمت کو بھی بھول جاتا ہے اور جو نعمتیں فی الحال اس کو حاصل ہیں ان کے شکر سے بھی غافل ہو جاتا ہے اور اگر ہم اس کو کسی نعمت کا مزہ چکھائیں جیسے تندرستی اور مالداری بعد اس سختی کے جو اسے پہنچتی ہو جیسے بیماری اور محتاجی تو یہ کہنے لگتا ہے کہ اب تو مجھ سے برائیاں گئیں یعنی مصیبتیں اور سختیاں مجھ سے دور ہوئیں اب آئندہ کی مجھے پرواہ نہیں تحقیق یہ نادان انسان بڑا اترانے والا ہے نعمت کو دیکھ کر پھول جاتا ہے اور بڑا شغی خورہ ہے نعمت دیکھ کر فخر کرنے لگتا ہے۔ اور شکر سے غافل ہو جاتا ہے۔ اکثر انسانوں کی یہی حالت ہے کہ مصیبت میں بے صبرے اور نعمت میں ناشکرے اور ناقدرے مگر جو لوگ صابر اور نیک عمل ہیں ان کا یہ حال نہیں وہ مصیبت اور زوال نعمت کے وقت صبر سے کام لیتے ہیں اور عطائے نعمت کے وقت شکر سے کام لیتے ہیں غرض یہ کہ سراء اور ضراء کسی حال میں خدا سے غافل نہیں ایسے ہی لوگوں کے لیے جو صبر و شکر سے موصوف ہوں گناہوں کی بخشش ہے اور بڑا اجر ہے صبر اور شکر کی برکت سے گناہوں کی بخشش بھی ہوئی اور وہم و گمان سے بڑھ کر اجر اور ثواب بھی ملے گا۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضُ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ

سو کہیں تو چھوڑ بیٹھے گا کچھ چیز اس میں سے جو وحی آئی تیری طرف اور تنگ ہو گا اس سے تیرا جی اس بات پر کہ وہ کہتے ہیں کیوں نہ اتر اس پر سو کہیں تو چھوڑ بیٹھے گا کوئی چیز، جو وحی آئی تیری طرف، اور خفا ہو گا اس سے تیرا جی، اس پر کہ وہ کہتے ہیں، کیوں نہ اتر اس پر

كُنُزٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ ۖ إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿۱۲﴾ أَمْ يَقُولُونَ

خزانہ یا کیوں نہ آیا اس کے ساتھ فرشتہ تو تو ڈرانے والا ہے اور اللہ ہے ہر چیز کا ذمہ دار فل کیا کہتے ہیں کہ خزانہ یا آتا اس کے ساتھ فرشتہ؟ تو تو ڈرانے والا ہے، اور اللہ ہے ہر چیز پر ذمہ رکھنے والا۔ کیا کہتے ہیں

= وقت ضروری کے ساتھ عمل صالح میں مستعدی دکھاتے ہیں۔ ایسے اولوالعزم و فاداروں کی جماعت ہی عظیم الشان بخشش و انعام کی مستحق ہے۔

فل مشرکین مکہ شرک و بت پرستی کی تردید سے بہت غیظ کھاتے تھے مشرکانہ خرافات پر جس قدر ان کی تمہین و تمجیل کی جاتی اسی قدر ان کے غم کی آگ بھڑکتی تھی۔ تمہی کو شکر کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاملہ میں ذرا ڈھکیا کر دیں اور اس سب سے بڑے اور بنیادی مسئلہ کی تبلیغ میں نرمی اور تسامح برتنے پر آمادہ کریں جب ادھر سے مایوس ہوتے تو شخص دق کرنے کو عجیب یہودہ فرمائش کرنے لگتے مثلاً یہ کہتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں اور منصب رسالت پر مامور ہو کر آئے ہیں تو آپ کے ساتھ خدا کے یہاں سے مال و دولت کا بڑا خزانہ آنا چاہیے تھا۔ یا آسمان سے ایک فرشتہ آتا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تصدیق کے لیے ہر طرف باجا کرتا۔ ﴿لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ كُنُزٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ﴾ ہو گیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی بات منوانے کے لیے نہ =

اَفْتَرَاهُ قُلْ فَاتُوا بَعْشِرَ سُورٍ مِّثْلِهِ مَفْتَرِيَّتٍ وَاَدْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ

بنا لایا ہے تو قرآن کو کہہ دے تم بھی لے آؤ ایک دس سورتیں ایسی بنا کر اور بلا لو جس کو بلا سکو اللہ کے سوا  
باندھ لایا ہے اس کو؟ تو کہہ، تم لے آؤ ایک دس سورتیں ایسی باندھ کر، اور پکارو جسکو پکار سکو اللہ کے سوا،

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَاَلَمْ يَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فَاَعْلَمُوْا اِنَّمَّا اَنْزَلْنَا بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَا

اگر ہو تم سچے پھر اگر نہ پورا کریں تمہارا کہنا تو جان لو کہ قرآن تو اترا ہے اللہ کی وحی سے اور یہ کہ کوئی حاکم نہیں  
اگر ہو تم سچے۔ پھر اگر نہ کریں تمہارا کہنا، تو جان لو کہ یہ اترا ہے اللہ کی خبر سے، اور کوئی حاکم نہیں

اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۲﴾

اس کے سوا پھر اب تم حکم مانتے ہو؟

سوال اس کے، پھر اب تم حکم مانتے ہو؟

بیان نوع دیگر از طعنہ ہائے کفارناہنجار و تسلی نبی اکرم ﷺ

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ... اِلَى... فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾

= مادی طاقت ساتھ ہے نہ روحانی، پھر ہم کس طرح تسلیم کر سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان بیہودہ شبہات اور فرمائشوں سے سخت مغموم اور دلگیر ہوتے تھے۔ ممکن  
ہے۔ کبھی ایسا خیال بھی دل میں گزرتا ہو کہ ان کے معبودوں کے معاملہ میں اگر خدا کی جانب سے اس قدر سختی اختیار کرنے کا حکم نہ رہے تو دید کی جائے مگر فی الحال  
قدر سے نرمی اور رواداری کے ساتھ تو شاید زیادہ موثر اور مفید ہو، یا جو فرمائشیں یہ لوگ کرتے ہیں ان کی یہ ضد بھی کسی حد تک پوری کر دی جائے تو کیا عجب ہے مسلمان  
ہو جائیں بہر حال وہ ایسا نازک اور پرخطر وقت تھا کہ تمام دنیا باطل پرستی کے شور سے گونج رہی تھی صرف ایک مقدس ہستی تھی جس کے مطلق سے حق کی آواز نکل کر  
باطل کے قلعوں میں زلزلہ ڈالتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاروں طرف سے موذی دشمنوں کے زہر میں گھر رہے تھے۔ کوئی جھٹلاتا کوئی طعن کرتا کوئی مذاق اڑاتا  
تھا۔ اس ماحول کا تصور کرو اور اس مبلغِ اعظم کی قوت قلب اور ہمت مردانہ کا اندازہ لگاؤ، جس کا تمام تر اعتماد و اتکال ظاہری اسباب سے ہٹ کر خداوند قدوس کے  
وعدوں پر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب محزون و دل گیر ہوتے تو صرف اپنے پروردگار کی آواز سے ہی تسلی پاتے اور دنیا کے مقابلہ میں تازہ دم ہو کر کھڑے  
ہو جاتے تھے اس سلسلہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی بیہودہ خرافات اور فرمائشوں کی وجہ سے اس قدر فکر مند اور  
غمگین نہ ہوں نہ اپنے دل میں ان لوگوں کی مراعات کا خیال لائیں کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ وحی الہی نے جو چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلائی ہیں اور جس بے خوف  
و خطر تبلیغ کا حکم دیا ہے اس کے بعض حصہ کو ان لوگوں کی خرافات سے تنگ دل ہو کر چھوڑ دینا چاہیے۔ کیونکہ پیغمبرانہ عصمت اور اولوالعزمی مانع ہے تو  
تھکد ل ہونے سے کیا فائدہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف بھلے برے سے آگاہ کر دینا ہے ان کی ہدایت کی اذممداری آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں۔ خدا تعالیٰ جس  
کے سپرد ہر چیز ہے، ان کا معاملہ بھی اسی کے سپرد کیجئے اور صبر و استقامت کے ساتھ فرائض تبلیغ کی انجام دہی میں ثابت قدم رہیے۔

فَاِلٰہِی فَرْمٰشِی مَجْرُوئے طلب کرتے ہیں، جن کا دیا جانا مصلحت نہیں۔ اور جو سب سے بڑا معجزہ (قرآن) ان کے سامنے ہے، اسے ماننے نہیں، کہتے ہیں یہ تو  
(معاذ اللہ) تمہاری بنائی ہوئی گھڑت ہے۔ اس کا جواب دیا کہ تم بھی آخر عرب ہو، فصاحت و بلاغت کا دعویٰ رکھتے ہو، سب مل کر ایسی ہی دس سورتیں گھڑ کر پیش  
کر دو اور اس کام میں مدد دینے کے لیے تمام مخلوق کو بلکہ اپنے ان معبودوں کو بھی بلا لاد، جنہیں خدا کی کا شریک سمجھتے ہو اگر نہ کر سکو اور کبھی نہ کر سکو گے تو سمجھ لو کہ  
ایسا کلام فائق ہی کا ہو سکتا ہے جس کا مثل لانے سے تمام مخلوق عاجز رہ جائے۔ تو یقیناً یہ وہ کلام ہے جو خدا نے اپنے علم کامل سے پیغمبر پر اتارا ہے۔ بیشک جس  
کے کلام کا مثل نہیں ہو سکتا اس کی ذات و صفات میں کون شریک ہو سکتا ہے۔ ایسا بے مثال کلام اسی بے مثال خدا کا ہے جس کا کوئی شریک نہیں کیا اسے واضح  
دلائل کے بعد بھی مسلمان ہونے اور خدا کا حکم بردار بننے میں کسی چیز کا انکار ہے (تنبیہ) اعجاز قرآن کی کچھ تفصیل سورۃ "یونس" میں گزر چکی ہے۔ ابتداء میں  
پورے قرآن سے حمدی کی گئی تھی۔ پھر دس سورتوں سے ہوئی۔ پھر ایک سورت سے بیساکہ "بقرہ" اور "یونس" میں گزرا۔ گویا ان کا عجز بتدریج نمایاں کیا گیا۔

رابطہ:..... اس سورت کا آغاز قرآن کریم کے ذکر سے فرمایا جس کے ساتھ ساتھ یہ بتلایا کہ قرآن کا موضوع دعوت توحید ہے اور آنحضرت ﷺ خدائے تعالیٰ کی جانب سے بشیر و نذیر ہیں۔ اس لیے بھیجے گئے ہیں کہ تم ناشائستہ اعمال سے توبہ کرو۔ مگر وہ لوگ قرآن کو سحر اور آپ ﷺ کو ساحر بتلاتے تھے اب ان آیات میں ان کی دوسری ناشائستہ اور طعن آمیز باتوں کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ آپ ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ ﷺ کا استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں اور احکام الہی کو سن کر ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور آپ ﷺ سے بیہودہ سوالات کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ فرشتوں کو ہمارے سامنے لاؤ کہ وہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی شہادت دیں کبھی کہتے ہیں کہ جبل احد کو سونا بناؤ کبھی کہتے ہیں کہ قرآن سے ہمارے بتوں کی مذمت نکال دو اس قسم کی بیہودہ باتوں سے آپ ﷺ تنگدل اور رنجیدہ ہوتے اور خیال آتا کہ ایسے مسخروں کو کلام الہی سنانا اور وعظ و نصیحت کرنا بے سود ہے حق جل شانہ نے اس آیت میں آپ ﷺ کو تسلی دی کہ آپ ﷺ ان کی بیہودہ باتوں پر دل میں میل نہ لائیں اور ان کے تعنت و عناد اور طعن و تشنیع سے تنگ دل ہو کر کسی حکم الہی کے بیان کو ترک نہ کریں بے شک انسان کا یہ امر طبعی ہے کہ جو اس کی بات کو نہ سنے بلکہ اس کا مذاق اڑائے تو اس کے سامنے کیا کہے حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ ان کی طرف نظر نہ کریں ہماری طرف نظر کریں اور نہایت کشادہ دلی سے کلام خداوندی کی آیتیں ان کو سناتے رہیں اور اگر ان کا یہ گمان ہے کہ یہ قرآن آپ ﷺ کا افتراء کیا ہوا ہے تو آپ ﷺ ان سے کہہ دیں کہ تم بھی اس جیسی دس سورتیں افتراء کر لاؤ جب نہ بنا کر لائیں تو سمجھ لیں کہ یہ کلام بشر کا نہیں۔

(بالفاظ دیگر) گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان تھا۔ اب اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کی ایک عظیم دلیل کا بیان ہے یعنی یہ قرآن آپ ﷺ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ جب تمام فصحاء اور بلغاء اس کے مثل لانے سے عاجز ہو جائیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کلام بشر نہیں بلکہ کلام خداوندی اور وحی ربانی ہے اور جس پر اللہ کی وحی نازل ہو وہ اللہ کا نبی اور رسول ہے اور یہ کلام معجز نظام اس کی نبوت و رسالت کی دلیل ہے اور اس معجزہ کے بعد کسی اور معجزہ کی ضرورت نہیں لہذا آپ ﷺ ان کی ہرزہ سرائیوں کی طرف التفات نہ کریں صبر اور استقامت کے ساتھ فرائض تبلیغ انجام دیتے رہیے۔

مشرکین مکہ نے قرآن کریم کو مشکوک بنانے کے لیے یہ شبہ نکالا کہ یہ قرآن سحر اور جادو ہے مگر وہ لوگ چونکہ اہل فصاحت و بلاغت تھے اور اہل زبان تھے اس لیے یہ شبہ ان پر کارگر نہ ہوا تو اب یہ بہانہ نکالا یہ قرآن اللہ کی وحی نہیں بلکہ محمد (ﷺ) کا بنایا ہوا کلام ہے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تمہارا یہ زعم ہے کہ یہ قرآن پاک آپ ﷺ کا بنایا ہوا ہے تو تم بھی تو اہل زبان ہو اور ایسے کلام کے بنانے پر قادر ہو بنالوا و چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس شاید آپ ﷺ ان کافروں کے تعنت اور عناد اور تمسخر کو دیکھ کر بعض ان چیزوں کا جو بذریعہ وحی آپ ﷺ کی طرف بھیجی گئی ہیں اور ان مشرکین کو ناگوار ہیں جیسے بت پرستی کی مذمت۔ تو کیا آپ ﷺ ان کی ناگواری کی بنا پر ایسی باتوں کا بیان کرنا چھوڑ دیں گے کہ یہ نادان ان باتوں کا مذاق اڑائیں گے۔ ان کے سامنے ایسی باتیں بیان کرنا بے سود ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ﴿فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ﴾ کا استفہام، استفہام انکاری ہے جس سے مقصود نفی اور ممانعت ہے یعنی ان کے عناد کی وجہ سے ان باتوں کو ترک نہ کریں اور ان

کی اس تکذیب اور عناد کی وجہ سے آپ ﷺ کا سینہ تنگ ہوتا ہے اور آپ ﷺ کا دل گھٹتا ہے اس سبب سے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ نبی ہیں تو ان پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا کہ غیب سے ان کو خزانہ ملتا۔ اور وہ لوگوں پر تقسیم کرتے اور لوگ انکا اتباع کرتے یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا جو ان کی نبوت کی گواہی دیتا تو اے ہمارے نبی! آپ ﷺ ان کی بے ہودہ باتوں سے تنگ دل ہو کر دعوت و تبلیغ میں کوئی کمی نہ کیجئے۔ جزا میں نیست آپ ﷺ صرف ڈرانے والے ہیں۔ آپ ﷺ کے ذمہ تو صرف ڈرانا اور احکام خداوندی کا پہنچانا ہے ان کی بدزبانی کی طرف التفات نہ کیجئے۔

در شب مہتاب مہ را بر سماک

از سگان و دع ایشاں چہ باک

اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے وہ بغیر خزانہ اور بغیر فرشتہ ہی کے آپ ﷺ کے دین کو بلند کرے گا یا یہ معنی ہیں کہ اللہ کا رساز ہے وہی ہر کام بنانے والا ہے۔ آپ ﷺ اپنا کام اس کے سپرد کر دیجئے جو شخص اپنا کام اللہ پر چھوڑ دیتا ہے، اللہ اس کا نام بناتا ہے اور جو اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دے اس کی حفاظت کرتا ہے کیا یہ کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن آپ ﷺ نے کوود بنا لیا ہے آپ ﷺ اس کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ اچھا تم بھی قرآن جیسی دس سورتیں اپنی طرف سے بنائی ہوئی لے آؤ اور سوائے خدا کے جس کو چاہے اپنی مدد کے لیے بلا لو اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ قرآن آپ ﷺ کا بنا یا ہوا کلام ہے پس اگر وہ اس کے مثل بنا کر نہ لاسکیں تو آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ اب تو یقین کر لو کہ یہ اللہ ہی کے علم سے نازل کیا گیا ہے جو علوم معاش اور معاد پر مشتمل ہے جس کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو بتلاؤ اب بھی مسلمان ہوتے ہو یا نہیں؟

ف:..... کسی جگہ دس سورتوں کی تحدی کا ذکر ہے اور کسی جگہ ایک سورت کی تحدی کا ذکر ہے تاکہ طرح طرح سے قرآن کا اعجاز ظاہر ہو جائے۔

### دلائل اعجاز قرآن پر ایک اجمالی نظر

اعجاز قرآن پر دلائل تو بیشمار ہیں جس پر علماء دین نے مستقل کتابیں لکھی ہیں اس وقت اجمالی اور اختصار کے ساتھ چند حرف ہدیہ ناظرین ہیں۔

(۱) قرآن کریم۔ اصول دین یعنی توحید اور رسالت اور قیامت کی ایسی تفصیل اور تحقیق پر مشتمل ہے کہ توریت، انجیل اور زبور میں اس کا عشر عشر بھی نہیں۔

(۲) پھر یہ کہ قرآن کریم اثبات الوہیت و وحدانیت اور اثبات نبوت و رسالت اور اثبات قیامت کے ایسے دلائل عقلیہ اور براہین قطعہ پر مشتمل ہے کہ جس کے جواب سے روئے زمین کے فلاسفہ عاجز اور در ماندہ ہیں اور بڑے بڑے دہری اور مادہ پرست ان دلائل کے سامنے لا جواب ہیں۔

(۳) حرام و حلال کی تفصیل کرتا ہے۔

(۴) قرآن کریم، انبیاء سابقین کی نصیحتوں اور ان کے کلمات و مواعظت کا جامع ہے۔

(۵) عقل معاش اور عقل معاد دین اور دنیا کی رہنمائی کرتا ہے۔

(۶) گزشتہ امتوں کے عبرت آمیز واقعات بیان کرتا ہے اور آئندہ کے لیے اہل ایمان کو بشارت دیتا ہے کہ اللہ

تعالیٰ تم کو کافروں کے مقابلہ میں غلبہ عطاء فرمائے گا۔

(۷) اور قیامت تک آنے والے حوادث کلیہ کی تم کو خبر دیتا ہے کہ زمانہ کس رفتار سے جائے گا اور کس حال میں اس

کی بساط پلٹی جائے گی اور کس طرح قیامت قائم ہوگی یہ تو قرآن کریم کے معنوی اعجاز کے چند وجوہ ہیں اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اس کے دلائل اعجاز اور اسرار بلاغت کی کوئی حد نہیں۔

آج دنیا میں مقامات حریری اور مقامات بدیعی اور مقامات زنجشری۔ بشری فصاحت و بلاغت کا شاہکار دنیا کے سامنے موجود ہیں مگر قرآن کریم کے ساتھ ان کتابوں کو کوئی نسبت نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مقامات بدیعی اور مقامات حریری میں عجیب طریقہ سے لغات فریدہ کو جمع اور قافیہ کے رنگ میں جمع کیا ہے مگر قرآن کریم بلکہ کلام نبوی ﷺ کے ساتھ ان کو وہ نسبت نہیں کہ جو زرہ بے مقدار کو آفتاب سے ہے۔ باتفاق اہل لسان مقامات حریری اور بدیعی معجزہ نہیں۔

مگر قادیان کے ایک دہقان کی دیدہ دلیری کو دیکھو کہ وہ اپنے ہذیان اور تک بندیوں کے متعلق یہ کہتا ہے کہ یہ میری وحی بھی قرآن کی طرح معجزہ ہے آیات قرآنیہ کا سرقہ کرتا ہے اور اس میں ایک دو لفظ کا رد و بدل کر کے بے حیائی سے کہتا ہے کہ یہ میری وحی ہے قرآن کی طرح اس پر بھی ایمان لانا فرض ہے۔ لا حول ولا قوہ الا باللہ اے مسلمانو! ذرا غور تو کرو کہ جب اہل لسان کے نزدیک مقامات حریری اور مقامات بدیعی معجزہ نہیں تو قادیان کے ایک دہقان کا ہذیان کہاں سے معجزہ ہو جائے گا۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا

جو کوئی چاہے دنیا کی زندگانی اور اس کی زینت بھگتا دیں گے ہم ان کو ان کے عمل دنیا میں اور ان کو اس میں جو کوئی ہو چاہتا دنیا کا جینا اور اس کی رونق، بھر دیں ہم ان کو ان کے عمل اسی میں، اور ان کو اس میں

يُبْخَسُونَ ﴿۱۵﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۗ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا

کچھ نقصان نہیں فلا یہی ہیں جن کے واسطے کچھ نہیں آخرت میں آگ کے سوا فلا اور برباد ہوا جو کچھ کیا تھا یہاں نقصان نہیں۔ وہی ہیں جن کو کچھ نہیں بچھلے گھر میں، سوا آگ۔ اور مٹ گیا جو کیا تھا اس جگہ،

فلا یعنی ایسے واضح ثبوت کے بعد جو شخص قرآن پر ایمان نہیں لاتا، یا اس کے بتلائے ہوئے راستے پر نہیں چلتا بلکہ دنیا کی چند روزہ زندگی اور فانی میپ ناپی کو قبل مقصود ٹھہرا کر عملی مدد و جہد کرتا ہے۔ اگر بظاہر کوئی نیک کام مثلاً خیرات وغیرہ کرتا ہے تو اس سے بھی آخرت کی بہتری اور خدا کو خوشنودی مقصود نہیں ہوتی محض دنیاوی فوائد کا حاصل کر لینا پیش نظر ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی بابت خواہ وہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین یا منافقین یا دنیا پرست ریاکار مسلمان بتلا دیا کہ دنیا ہی میں ان کا جگہاں کر دیا جائے گا۔ جو اعمال اور کوششیں وہ حصول دنیا کے لیے کریں گے ان کے کم و کیف کو ملحوظ رکھتے ہوئے خدا تعالیٰ اپنے علم و حکمت سے جس قدر مناسب جانے گا اور دینا چاہے گا۔ ایسے عطا فرما دے گا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو خیرات وغیرہ کے کام کرے اس کی یہ فانی اور صوری حسنت جو =

## وَبَطِلْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱﴾

اور خراب کیا جو کیا تھا نا

اور خراب ہوا جو کما تے تھے۔

### ابطالِ غرہ اہل دنیا بر اعمال خود

قَالَ تَبٰرَكَ: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا... اِلَى... وَبَطِلْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

ربط:..... جب گزشتہ آیات میں منکرین قرآن اور منکرین توحید اور منکرین رسالت کے وعید اور عذاب کا بیان ہوا تو اب اس آیت میں اہل دنیا کے وہم فاسد اور زعم کا سد کا ابطال فرماتے ہیں اہل دنیا کو جب عذاب آخرت کی وعید سنائی جاتی تو یہ کہتے کہ اگر بالفرض والتقدیر قیامت حق ہے تو ہم بڑے بڑے نیک کام کرتے ہیں۔ غریب پروری اور صلہ رحمی اور مہمان نوازی وغیرہ وغیرہ تو ہم کو قیامت کے دن ان نیک اعمال کا ثواب ملے گا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ہے، ﴿وَلٰٓئِن زُجِعْتُمْ اِلٰی رَبِّیْ اِنْ لِّیْ عِنْدَہٗ لَلْخُسْفٰی﴾

اس لیے اس آیت میں اس غرہ اور زعم کا ابطال کرتے ہیں کہ تم اس گمان میں نہ رہنا کہ تم ان اعمال پر اجر اور ثواب کے مستحق ہو ان اعمال کی صورت اگرچہ نیکی کی ہے مگر ایمان اور اخلاص کی روح سے خالی ہیں اور ظاہری اعمال حسنہ سے تمہارا مقصود صرف دنیا تھی اس لیے اس کا صلہ تم کو دنیا ہی میں مل گیا اب تمہارے لیے آخرت میں سوائے آتش دوزخ کے کچھ نہیں۔ ربط دیگر:..... کہ پہلی آیت میں اسلام کی حقانیت اور قرآن کریم کا منزل من اللہ ہونا بیان کیا۔ اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ کفار جو اس قرآن کریم کی تکذیب کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی لذات و شہوات پر مفتون ہیں اور اسلام اور قرآن ان کو آخرت کی دعوت دیتا ہے جس کو اپنی لذات و شہوات میں حارج اور مزاحم سمجھتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں جو پست ہمت اپنے اعمال خیر کا صلہ محض دنیاوی زندگی اور آرائش چاہے یعنی نیک کام کرے فقط دنیا کا فائدہ چاہے۔ اور آخرت پر نظر نہ کرے محض دنیا کی شہرت اور نیک نامی اس کا مقصود ہو ثواب آخرت اس کا مقصود نہ ہو تو ہم ان لوگوں کے اعمال کی جزاء دنیا ہی میں پوری پوری دیتے ہیں یعنی دنیا میں ان کو مال و دولت اور عزت و وجاہت اور صحت و اولاد کی کثرت عنایت کر دیتے ہیں اور = روح ایمان سے یکسر خالی ہیں، دنیا میں رائیگاں نہیں جاتیں ان کے بدلہ میں خدا تعالیٰ تدرستی، مال، اولاد، عزت و حکومت وغیرہ دے کر سب کھاتا ہے باقی کر دیتا ہے۔ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں کوئی چیز اس کے کام آنے والی نہیں جس کا فر کے لیے جس درجہ کی سزا تجویز ہو چکی ہے وہ کبھی اس سے ٹٹنے یا کم ہونے والی نہیں۔ ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعٰجِلَةَ جَلَٰئِلًا وَّہِیَا مَا نَشَآءُ لٰسَ لَہٗ اَنْ یُّرٰدَ ثُمَّ جَعَلْنَا لَہٗ جَہَنَّمَ مَیْضًا مَّا قَدَّحُوْا﴾ ربیاء کار اور دنیا پرست عالم متصدق اور مجاہد کے حق میں جو وعید آئی ہے، اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ ان سے محشر میں کہا جائے گا کہ جس عرض کے لیے تو نے علم کھلایا، صدقہ و جہاد کیا وہ دنیا میں حاصل ہو چکی اب ہمارے پاس تیرے لیے کچھ نہیں۔ فرشتوں کو حکم ہو گا کہ اسے جہنم میں لے جاؤ (اعاذا اللہ منها)

۱۲ یعنی ان اعمال پر دوزخ کے سوا اور کسی چیز کے مستحق نہیں بخلاف ابدی طور پر ربیاء کار مسلمان محدود مدت کے لیے۔ ہاں خدا تعالیٰ بعض مومنین کو محض اپنے فضل و کرم سے معاف فرمادے، وہ الگ بات ہے۔

۱۳ یعنی دنیا میں جو کام دنیاوی اغراض کے لیے کیے تھے، آخرت میں پہنچ کر ظاہر ہو گا کہ وہ سب برباد ہوئے اور ربیاء کاری یا دنیا پرستی کے سلسلہ میں بظاہر جو نیکیاں کرائی تھیں سب بونہی خراب گئیں یہاں کوئی کام نہ آئیں۔

دنیا میں ان کے عوض میں کوئی کمی نہیں کی جاتی ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں سوائے دوزخ کے کچھ نہیں اور انہوں نے جو دنیا میں عمل کیا تھا وہ آخرت میں جا کر سب تباہ اور برباد ہوا اور سارا کیا کر آیا اکارت گیا اور آخرت میں کچھ کام نہ آیا اور دنیا میں جو کچھ کر رہے ہیں وہ فی نفسہ اور فی حد ذاتہ بھی نیست اور نابود ہیں کیونکہ جو عمل خالص اللہ کے لیے نہ ہو وہ فی حد ذاتہ ہیچ ہے۔

### ع- الاکل شیء ما خلا اللہ باطل

کافروں نے دنیا میں جو ایسے عمل کیے کہ جو ظاہر صورت کے اعتبار سے صالح تھے مثلاً کسی کو نفع یا فائدہ پہنچانا۔ ایسے اعمال کے متعلق ”حبط ما صنعوا“ فرمایا۔ جن اعمال کی صورت نیکی کی تھی وہ قیامت کے دن حبط ہو جائیں گے۔ ان پر کوئی اجر اور ثواب مرتب نہ ہوگا۔ باقی حقیقت کے اعتبار سے ان کے تمام اعمال باطل اور نابود تھے فی نفسہ ان کے تمام اعمال باطل کسی شمار میں نہ تھے۔ کیونکہ ایمان و اخلاص سے عاری تھے اور عجب نہیں ﴿مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ سے ان کے اعمال کفریہ اور شرکیہ مراد ہوں تو ایسے اعمال کا صورت اور حقیقت کے اعتبار سے باطل اور لغو ہونا ظاہر و باہر ہے ایسے اعمال کے متعلق فرمایا۔ ﴿وَبَطَّلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ اور گزشتہ آیت یعنی ﴿وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا﴾ میں وہ اعمال مراد ہیں جو بظاہر خیر اور بھلائی کے ہیں جیسے صدقہ اور صلہ رحمی اور مہمان نوازی کافروں کے۔ ایسے اعمال قیامت کے دن حبط ہو جائیں گے۔ یعنی ان پر کوئی آخری ثواب نہ ملے گا البتہ یہ ممکن ہے کہ ان اعمال حسنہ کی بنا پر کافروں کے عذاب دوزخ میں تخفیف کر دی جائے جیسے ابوطالب کے حق میں آیا ہے کہ جہنم میں سب سے خفیف عذاب ابوطالب کو ہوگا۔ ثواب ملنا اور چیز ہے اور عذاب میں تخفیف ہو جانا اور چیز ہے۔

شان نزول: ..... اس آیت کے نشان نزول میں مختلف روایتیں آئی ہیں کہ یہ آیت کافروں اور مشرکوں کے بارے میں ہے یا یہود و نصاریٰ کے بارے میں یا منافقوں کے بارے میں یا اہل ریاء کے بارے میں ہے صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے جو سب کو شامل ہے اور مطلب یہ ہے کہ کافر ہو یا منافق یا ریاء کار جو بظاہر نیک عمل کرتے ہیں اس کا بدلہ ان کو دنیا ہی میں دے دیا جائے گا۔ اور آخرت میں سوائے نار کے اور کچھ نہیں ملے گا لہذا ان کو چاہئے کہ اپنی اس دنیاوی نیکی کے بھروسہ پر نہ رہیں اور یہ خیال نہ کریں کہ آخرت میں بھی ہماری یہ نیکیاں کام آئیں گی۔ آخرت میں سوائے اخلاص کے کچھ کام نہ آئے گا۔

أَمَّن كَانَ عَلَىٰ بَيْنَتِهِ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا

بھلا ایک شخص جو ہے صاف رستہ پر اپنے رب کے اور اس کے ساتھ ساتھ ہے ایک گواہ اللہ کی طرف سے اور اس سے پہلے گواہی موسیٰ کی کتاب رستہ بتلاتی بھلا ایک شخص جو ہے، نظر آتی راہ پر اپنے رب کی اور پہنچتی ہے اس کو گواہی اس سے، اور پہلے اس سے کتاب موسیٰ کی، راہ ذاتی،

وَرَحْمَةً ۖ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ ۖ مِنَ الْأَحْزَابِ ۖ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ ۖ فَلَا

اور بخشوائی (اوروں کی برابر ہے) ایسی لوگ مانتے ہیں قرآن کو اور جو کوئی منکر ہو اس سے سب فرقوں میں سے دوزخ ہے ٹھکانا اس کا فرق سو تو مت اور مہربانی۔ وہی لوگ مانتے ہیں اس کو۔ اور جو کوئی منکر ہو اس سے سب فرقوں میں، سو آگ ہے وعدہ اس کا۔ سو تو مت فل یعنی شخص اور وہ راہ کار دنیا پرست جن کا ذکر پہلے ہوا کیا رہ سکتے ہیں ہرگز نہیں۔ ”بیتنة“ (صاف راستہ) سے مراد وہ راستہ ہے جس پر انسان اپنی =





الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ۚ يُضَعِفُ لَهُمْ الْعَذَابَ ۗ مَا كَانُوا

زمین میں بھاگ کر اور نہیں ان کے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی فی دنیا ہے ان کے لیے عذاب قہر نہ طاقت رکھتے تھے

زمین میں بھاگ کر اور نہیں ان کو اللہ کے سوا حمایتی، دنیا ہے ان کو عذاب۔ نہ سکتے تھے

يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿۱۰﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ

سننے کی اور نہ دیکھتے تھے قہر وہی ہیں جو کھو بیٹھے اپنی جان اور گم ہو گیا

سنا اور نہ تھے دیکھتے۔ وہی ہیں جو ہار بیٹھے اپنی جان اور گم ہو گیا

عَنَّهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۱﴾ لَا جَرَمَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمْ الْآخَسِرُونَ ﴿۱۲﴾ إِنَّ الَّذِينَ

ان سے جو جھوٹ باندھا تھا قہر اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ آخرت میں یہی ہیں سب سے زیادہ نقصان میں البتہ جو

ان سے جو جھوٹ باندھتے تھے۔ آپ ہوا کہ یہ لوگ آخرت میں یہی ہیں سب سے خراب۔ البتہ جو

أَمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ ۗ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۗ هُمْ فِيهَا

لوگ ایمان لائے، اور کام کیے نیک اور عاجزی کی اپنے رب کے سامنے وہ ہیں جنت کے رہنے والے وہ اسی میں

یقین لائے اور کہیں نیکیاں اور عاجزی کی اپنے رب کی طرف، وہ ہیں جنت کے لوگ۔ وہ اس میں

خَالِدُونَ ﴿۱۳﴾ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصْمَىٰ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۗ هَلْ يَسْتَوِينَ

رہا کریں گے قہر مثال ان دونوں فرقوں کی جیسے ایک تو اندھا اور بہرا اور دوسرا دیکھتا اور سنتا کیا برابر ہے دونوں

رہا کریں۔ مثال دونوں فرقوں کی، جیسے ایک اندھا اور بہرا اور دیکھتا اور سنتا۔ کیا برابر ہے دونوں

مَثَلًا ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۱۴﴾

کا حال پھر کیا تم غور نہیں کرتے قہر

کا حال؟ پھر کیا تم دھیان نہیں کرتے؟

= سے روکتے ہیں اور اس تلاش میں رہتے ہیں کہ یہ ہے کوئی نیک ثابت کریں۔ ایسے ظالموں پر خدا کی خصوصی لعنت ہے۔

فی یعنی اتنی وسیع زمین میں نہ کہیں بھاگ کر خدا سے چھپ سکتے ہیں اور نہ کوئی مددگار اور حمایتی مل سکتا ہے جو خدا کے عذاب سے بچا دے۔

فی کیونکہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا۔

فی یعنی دنیا میں ایسے اندھے بہرے بنے کہ حقیقت بات سننے کی تاب تھی خدا کے نشانوں کو دیکھتے تھے جنہیں دیکھ کر ممکن تھا راہ ہدایت پالیتے۔ حضرت شاہ صاحب

نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ اللہ پر جھوٹ بولا ہے اصل اور غلط باتیں اس کی طرف منسوب کیں۔ کہاں سے لائے؟ غیب سے کن نہ آتے تھے غیب کو دیکھتے نہ

تھے پھر ان کا ماخذ کیا ہے۔

فی جان کا کھو بیٹھنا۔ یہی کہ ابھی عذاب میں گرفتار ہوئے اور سب جھوٹے دعوے وہاں پہنچ کر گم ہو گئے۔

فی منکرین کی بد انجامی کے بالمقابل مومنین کا انجام نیک بیان فرمایا۔ ان کی عاجزی خدا کو پسند آئی اس لیے اپنی دائمی خوشنودی کا مقام عطا فرمایا۔

فی یعنی منکرین تو اندھے بہرے ہیں جیسا کہ دو تین آیت پہلے فرمایا تھا۔ ﴿مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ﴾ پھر جسے خود نظر آئے نہ =

## اہل دنیا اور اہل آخرت کا مقابلہ اور موازنہ اور فریقین کے نتائج اخروی کا بیان

قَالَ تَزَكَّىٰ: ﴿اٰمَنَ كَانَ عَلٰی بَيْتِهِۦ مِنْ رَبِّهِۦ... اِلٰی... هَلْ يَسْتَوِيْنَ مَفْلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾

رابطہ:..... گزشتہ آیت میں اہل دنیا کا بیان تھا اب ان آیات میں اہل دنیا اور اہل آخرت کا موازنہ اور مقابلہ ہے اور فریقین کے نتائج اخروی کا بیان اور پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کی مثال بیان کی کہ کافر تو مثل اندھے اور گونگے کے ہیں اور ایماندار مثل بینا اور شنوا کے ہیں دونوں کے اعمال اور افعال میں اور دونوں کے حال اور مال میں زمین و آسمان کا فرق ہے اسی طرح سمجھو کہ اہل دنیا اور اہل آخرت برابر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر قائم ہو جو اس کو راہ حق دکھلا دے بینہ سے صاف راستہ اور سیدھی سڑک مراد ہے جس پر چل کر آدمی سیدھا خدا تک پہنچ جائے۔ اس کا مصداق دین اسلام ہے جو عین عقل اور فطرت کے مطابق ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے جب تک بولنا سیکھتا ہے اس وقت تک اسی عہد الست یعنی توحید اور اقرار ربوبیت پر قائم رہتا ہے اور ہوشیار ہونے کے بعد ماں باپ کے ساتھ مل جاتا ہے اور علاوہ ازیں اس روشن دلیل کے پیچھے پیچھے اللہ کی طرف سے ایک گواہ بھی آئے یعنی قرآن آئے جو اس دلیل عقلی و فطری کی صحت پر گواہی دے بینہ سے مراد دین حق ہے جو دلیل عقلی و فطری اور براہین قاطعہ سے ثابت ہے اور شاہد ربانی (گواہ) سے قرآن مجید مراد ہے یعنی قرآن کریم کا اعجاز اور اسکے بے مثال علوم و معارف۔ دین اسلام کی حقانیت کے گواہ ہیں پس کیا ایسا شخص جو دلیل عقلی اور دلیل نقلی پر قائم ہو یعنی ایسے صاف اور روشن راہ پر گامزن ہو جس کا صاف اور روشن پونادلیل وجدانی سے ثابت ہو اور پھر اس کے بعد دلیل ربانی یعنی وحی آسمانی بھی اس کی صحت کا شاہد اور گواہ ہو تو کیا ایسا شخص ❶ اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے کہ جس کی ہمت فقط حیات دنیا اور اس کی زینت پر مقصور ہو۔ ہرگز ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔

اور اس روشن دلیل کا ایک شاہد قرآن سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہے یعنی توریت ہے درآئیں لیکہ وہ کتاب موسیٰ علیہ السلام اپنے زمانہ میں اہل دین کی مقتداء اور پیشوا تھی تمام انبیاء علیہم السلام بنی اسرائیل اس کا اتباع کرتے تھے اس کے موافق حکم دیتے تھے اور درآئیں لیکہ وہ کتاب موسیٰ علیہ السلام اہل ایمان کے لیے سامان رحمت تھی کہ اس کے اتباع کی برکت سے رحمت نازل ہوتی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ توریت اپنے زمانہ میں امام اور رحمت تھی اور توریت کے بعد اب یہ کتاب یعنی یہ قرآن امام اور رحمت ہے اس کے اتباع اور اقتداء سے اللہ کی رحمت ملے گی۔ مقصود یہ ہے کہ دین اسلام ایک طریق مستقیم ہے جس کا مستحکم ہونا دلیل عقلی اور فطری سے ثابت ہے پھر اس کی صحت پر قرآن کریم شاہد ہے اور قرآن سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی عظیم الشان کتاب توریت بھی اس کی شاہد ہے پس بجانب اللہ تعالیٰ اس دین اسلام کے صراط مستقیم ہونے کا ایک شاہد قرآن کریم ہے اور

❷ دوسرے کی سن سکے، اس کا آغاز و انجام کیسے ان روشن ضمیر ایمانداروں کے برابر ہو سکتا ہے جو بصیرت کی آنکھوں سے حق و باطل اور بھلے برے میں تیز کرتے اور اپنے ہادیوں کی باتیں بگوش ہوش سنتے ہیں۔ غور کرو کہ دونوں کا انجام یکساں کس طرح ہو سکتا ہے؟ آگے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا قصہ اسی مضمون کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔

❸ اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿اٰمَنَ كَانَ﴾ کی خبر مفرد ہے جو یہ ہے۔

دوسرا شاہد موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہے۔ جس نے نزول قرآن کی خبر دی اور آنحضرت ﷺ کی بعثت کی خبر دی اور آپ ﷺ کی نبوت عامہ اور ختم نبوت کی شہادت دی نزول قرآن اور نبی امی ﷺ کے ظہور کی بشارت اس میں موجود ہے اور پھر توریت کے بعد زیور اور انجیل میں بھی آنحضرت ﷺ کی خبر دی جس کو علماء بنی اسرائیل توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (دیکھو تفسیر قرطبی ۱: ۱۷۹)

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں۔ اس آیت میں شاہد سے آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات مراد ہے اس لیے آپ ﷺ کی صورت اور آپ ﷺ کی سیرت اس بات کی گواہ ہے کہ یہ دین حق ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ شاہد سے آنحضرت ﷺ کا چہرہ انور مراد ہے۔

در دل ہر امتی کز حق مزہ است  
روے و آواز پیبر معجز است

آپ ﷺ کے اخلاق و عادات اور معجزات اور آپ ﷺ کا چہرہ انور سب اس بات کے شاہد اور گواہ ہیں کہ جو دین آپ ﷺ لیکر آئے ہیں وہ بالکل سچا ہے اس لیے کہ یہ چہرہ انور سچے کا چہرہ ہے چھوٹے کا چہرہ نہیں شاہ عبدالقادر مہدی فرماتے ہیں کہ گواہی پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اس دین کا نور اور مزہ پاتا ہے اور قرآن کی حلاوت آہ۔

خلاصہ کلام یہ کہ بینہ سے روشن دلیل اور صاف راستہ اور سیدھی سڑک مراد ہے یا بالفاظ دیگر اس سے دین صحیح یعنی دین اسلام مراد ہے جس کی صحت دلائل عقلیہ اور فطریہ سے ثابت ہے اور اس کی صحت و صداقت پر دو شاہد عدل موجود ہیں ایک قرآن کریم دوسرے توریت و انجیل پس ایسے دین کے حسن و جمال میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اور ﴿مَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ﴾ سے وہ مومنین مخلصین مراد ہیں جو اس دین حق پر قائم ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ دین اسلام ایک نور عقل اور نور فطرت اور نور بصیرت ہے عجیب قسم کا ایک نور ہے اور دو نور غیبی اس کے شاہد اور مؤید ہیں ایک نور قرآن اور ایک نور تورات اس طرح یہ دین نور علی نور کا مصداق بن گیا۔ دین اسلام کیا ہے ایک مجموعہ انوار ہے تو کیا جو شخص ایسے منور اور روشن دین پر قائم ہو وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو ﴿ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ﴾ میں گھرا ہوا ہو اور اسے کوئی صحیح راستہ نظر نہ آتا ہو یعنی جو شخص دنیاوی لذات اور شہوات کا غلام بنا ہوا ہو اور سعادت اخرویہ سے محروم ہو وہ اہل نور اور اہل بصیرت کے مماثل اور مشابہہ کہاں ہو سکتا ہے۔ دونوں میں بعد المشرقین ہے ایسے ہی لوگ یعنی جو لوگ اصحاب بینہ ہیں مراد یہ ہے کہ جو لوگ عقل اور نقل اور نور برہانی اور نور یزدانی کے جامع ہیں اور توریت اور انجیل کے عالم اور فاضل ہیں اس قرآن پر یا اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور دواجر کے مستحق ہوتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ: ﴿أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنٍ﴾۔ یہ لوگ اصحاب بینہ ہیں اور عقل اور فطرت کے پیرو ہیں اور اہل بصیرت ہیں اس لیے کہ حق کو قبول کرتے ہیں اور جو شخص دوسرے فرقوں میں سے اس قرآن کے منزل من اللہ ہونے کا یا اس نبی کے مرسل من اللہ ہونے کا انکار کرے تو دوزخ اس کے وعدہ کی جگہ ہے جو طرح طرح کے

① قال ابواسحاق الزجاج والمعنى ويتلوه من قبله كتاب موسى لان النبى صلى الله عليه وسلم موصوف فى كتاب موسى يجدونه مكتوبا عندهم فى التوراة والانجيل اهـ۔

عذابوں سے بھر پور ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا کا کوئی فرقہ اور کوئی گروہ خواہ یہود و نصاریٰ یا بت پرست اور مجوس ہوں وغیرہ وغیرہ جب تک اس قرآن اور اس نبی کو نہ مانیں گے۔ نجات نہیں پاسکتے سوائے مخاطب! تو اس قرآن کی طرف سے شک میں مت پڑ بلاشبہ یہ کتاب حق ہے تیرے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے کسی کی بنائی ہوئی نہیں لیکن باوجود ان دلائل کے اکثر لوگ عناد کی وجہ سے اس پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ جس چیز کی صداقت دلائل قطعیہ سے واضح ہو چکی ہو اس کو نہ ماننا حماقت ہے اور اپنی جانوں پر صریح ظلم کرنا ہے۔

## ظالموں کے حال اور مال کا بیان

اس لیے اب آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ ظالموں اور افتراء پردازوں کا حال اور مال بیان فرماتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ظالموں کی دس حالتوں اور ذلتوں کو بیان فرمایا ہے۔

(۱) افتراء علی اللہ۔ (۲) مقام ذلت میں ان کو کھڑا کیا جائے گا۔ ﴿أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ﴾۔ (۳) خدائی گواہ، گواہی دیں گے کہ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ پر جھوٹ بولا۔ (۴) یہ ظالم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملعون ہیں۔ (۵) لوگوں کو حق سے روکتے ہیں۔ (۶) دین میں شبہ نکالتے ہیں۔ (۷) آخرت کے منکر ہیں۔ (۸) خدا سے بھاگ نہیں سکتے۔ (۹) ان کا کوئی مددگار نہیں۔ (۱۰) ان کا عذاب دو چند ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۴۹/۵)

چنانچہ فرماتے ہیں اور اس شخص سے بڑھ کو کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے کہ اس کی وحی کا یا اس کی وحدانیت کا انکار کرے یا اس کے لیے کوئی شریک ثابت کرے۔ یہی افتراء کرنے والے قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے مجرمانہ حیثیت سے پیش کیے جائیں گے اور گواہ یعنی کرانا کا تین اور انبیاء و مرسلین علیہم السلام ان کے اعضاء اور جوارج علی الاعلان یہ کہیں گے کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ازراہ عناد اپنے پروردگار پر جھوٹ بولا اور خدا کی طرف غلط باتیں منسوب کیں آگاہ ہو جاؤ کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے جو اپنے کفر اور ظلم کے ساتھ دوسروں کو بھی خدا کی راہ سے روکتے ہیں اور راہ خدا یعنی دین اسلام میں کجی یعنی شکوک اور شبہات ڈھونڈتے رہتے ہیں تاکہ لوگوں کو خدا کی راہ سے ڈگمگادیں جیسے آج کل ملحدین طرح طرح کے رسالے نکال رہے ہیں جن میں اسلام پر طرح طرح کی نکتہ چینیاں کرتے ہیں اور یہ لوگ آخرت کے بھی منکر ہیں ان کا مقصود فقط دنیا ہے دنیا کی شہوتوں اور لذتوں پر فریفتہ ہیں۔ دین اسلام میں کوئی عیب نہیں مگر یہ کہ وہ شہوت پرستی کا مخالف ہے اس لیے یہ کافر اور منافق اور نام کے مسلمان اس میں عیب تلاش کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس کی طرف سے شبہ ڈال دیں۔ یہاں تک تو فرشتوں کے اعلان کا مضمون تھا اب آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے یہ لوگ زمین میں کہیں چھپ کر یا بھاگ کر خدا تعالیٰ کو پکڑنے سے عاجز نہیں کر سکتے۔ کوئی اس کے پنجہ گرفت سے چھوٹ نہیں سکتا اور گرفتاری کے بعد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کا مددگار نہیں جو ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑالے۔ ایسوں کو تو دوہری مار دی جائے گی۔ ایک اپنی گمراہی کی اور ایک دوسروں کو گمراہ کرنے کی اور یہ لوگ حق سے اس درجہ نفور اور بیزار تھے کہ حق کے سننے کی تاب نہیں رکھتے تھے اور نہ اس کو دیکھ سکتے تھے یہ وہ گروہ ہے جنہوں نے آخرت کے معاملے میں اپنی جانوں کو نقصان

پہنچایا اور جو افتراء وہ دنیا میں کرتے تھے آخرت میں سب جاتا رہا۔ ان کا یہ کہنا کہ فرشتے اور بت اور مسیح علیہ السلام اور دیوی اور دیوتا ہماری شفاعت کریں گے سب غلط نکلا۔ پس لازمی نتیجہ اس کا یہ ہے کہ یہ جماعت آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والی رہی۔ اس لیے کہ ان لوگوں نے آخرت کو فروخت کر کے جہنم کو خرید لیا تھا۔

مایہ دیں رابد نیا وادن از دوں ہمتی است  
 زان کہ دنیا جملگی رنج است و دیں آسائش است  
 نعمت فانی ستانی دولت باقی دہی  
 اندریں سود اخرد داند کہغبین فاحش است

### ذکر حال و مال اہل ایمان

اب اہل ایمان اور اہل طاعت کا حال اور مال بیان کرتے ہیں۔ تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور خشوع اور خضوع اور تواضع کے ساتھ بالکل اپنے پروردگار کی طرف مائل اور متوجہ ہوں گے ایسے ہی لوگ جنتی ہیں ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ اب آگے دونوں فریق کی مثال بیان کرتے ہیں۔

### مثال فریقین

ان ہر دو فریق یعنی مومن اور کافر کی مثال اندھے اور بہرے اور بینا اور شنوا کی ہے۔ کافر اندھا اور بہرا ہے نہ حق کو دیکھتا ہے اور نہ سنتا ہے اور مومن بینا اور شنوا ہے حق کو دیکھتا ہے اور سنتا ہے کیا یہ دونوں فریق یعنی اندھا اور بہرا۔ اور سننے والا اور دیکھنے والا۔ حال اور مثال میں برابر ہو سکتے ہیں یعنی ہرگز نہیں اسی طرح مومن کافر بھی برابر نہیں ہو سکتے تو کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے یعنی دل کے پینا بن جاؤ تا کہ آخرت کی تجارت کر سکو اور اگر خود پینا نہیں تو کسی پینا کی سنو اور اس پر چلو اصل پینا وہ ہے جو حق کو حق اور باطل کو باطل دیکھے اور حق کی پیروی کرے اور باطل سے بچے اور جو حق کو نہ دیکھتا ہو اور نہ سنتا ہو وہ نابینا اور بہرا ہے۔

ضمیمہ متعلقہ بہ تفسیر آیت: ..... ﴿اَفْتَنَ كَانَ عَلٰی بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهِ﴾ الایۃ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت (یعنی) ﴿اَفْتَنَ كَانَ عَلٰی بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهِ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كِتٰبٌ مُّؤْتٰى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً﴾ اولیٰك يَوْمَئِذٍ يُّؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ کی تفسیر میں غور و فکر کے بعد میرے نزدیک جو تحقیق ہے وہ درج کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ بعض افراد نے بعثت نبوی سے قبل قلب سلیم کی شہادت اور ذکاوت سے کچھ اصول شریعت کو پہچان لیا تھا کہ وہ بت پرستی اور شراب خوری اور زنا کاری کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور خواب اور رویائے صادقہ اور منامات صالحہ کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو بھی جانتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے منتظر تھے اس اجمالی علم کو جو ان کے قلوب میں مرکوز تھا اس کو حق تعالیٰ نے بینہ اور دلیل سے تعبیر فرمایا ہے۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اپنی آنکھوں سے اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھ لی اور اپنے اس علم اجمالی کی شہادت کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تو ان کا علم اجمالی۔ علم تفصیلی سے اور ظن و گمان، یقین اور مشاہدہ سے تبدیل ہو گیا۔ اسی علم تفصیلی اور مشاہدہ کو حق تعالیٰ نے شاہد سے تعبیر فرمایا۔ ﴿شَاهِدٌ مِّنْهُ﴾ اور نزول قرآن سے پہلے توریت۔ اہل دین و ملت کے پیشوا اور رہنما تھے اور اب ان کا امام اور پیشوا قرآن ہو گیا ہے صحابہ

کرام و کائنات میں ایک ایک اعلیٰ جماعت ان اوصاف سے جو اوپر مذکور ہوئے موصوف تھی جن کے سردتر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے اور باطنی مناسبت اور قلبی ذکاوت اور سلامت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول اسلام میں کوئی تامل نہیں ہوا بلکہ تامل اور بدون طلب معجزہ ایمان لے آئے اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔ (ازالۃ الخفاء)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ دَاعِيًا لِّقَوْمِهِ رَبِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۰﴾ أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۗ رَبِّي

اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف کہ میں تم کو ڈر کی بات سناتا ہوں کھول کر ۱۰ کہ نہ پرستش کرو اللہ کے سوا ۱۱ میں اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف کہ میں تم کو ڈر سناتا ہوں کھول کر۔ کہ نہ پوجو سوا اللہ کے۔ میں

أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمِ الْيَوْمِ ﴿۱۱﴾ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا تَرَكُ

ڈرتا ہوں تم پر دردناک دن کے عذاب سے ۱۱ پھر بولے سردار جو کافر تھے اس کی قوم کے ہم کو تو تو نظر نہیں آتا ڈرتا ہوں تم پر عذاب سے ایک دکھ والے دن کے۔ پھر بولے سردار جو منکر تھے اس کی قوم کے، ہم دیکھتے نہیں تجھ کو

إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا تَرَكُ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا بِادِّئِ الرَّأْيِ ۗ وَمَا تَرَىٰ

مگر ایک آدمی ہم جیسا اور دیکھتے نہیں کوئی تابع ہوا ہو تیرا، مگر جو ہم میں بیچ قوم میں بلا تامل اور ہم نہیں دیکھتے مگر آدمی، جیسے ہم، اور دیکھتے نہیں کوئی تابع ہوا تیرا، مگر جو ہم میں بیچ قوم ہیں، اوپر کی عقل سے۔ اور دیکھتے نہیں

لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ ۗ بَلْ نُنظِّكُمْ كُذِّبِينَ ﴿۱۲﴾ قَالَ يَقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ

تم کو اور پر اپنے کچھ بڑائی بلکہ ہم کو تو خیال ہے کہ تم سب جھوٹے ہو ۱۲ بولا اے قوم دیکھو تو اگر میں ہوں تم کو اپنے اوپر کچھ بڑائی بلکہ ہم کو خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو۔ بولا، اے قوم! دیکھو تو! اگر میں ہوا نظر آتی ۱۳ فلا یعنی نہایت وضاحت کے ساتھ وہ چیزیں جلاتا ہوں جن کے ارتکاب پر مہلک عذاب نازل ہونے کا اندیشہ ہے۔ یا جو اس عذاب سے محفوظ رہنے کے ذرائع ہیں۔

۱۰ یعنی ذوق، یغوث، یعوق، نسر کی جن کا ذکر سورۃ نوح میں آئے گا۔

۱۱ یعنی غیر اللہ کی پرستش سے باز نہ آنے کی صورت میں سخت عذاب آنے کا ڈر ہے۔ "دردناک دن" سے وہ دن مراد ہے جس میں المناک اور درد انگیز حوادث کا وقوع ہو۔ مثلاً قیامت کا دن یا وہ دن جس میں قوم نوح غرق کی گئی۔

۱۲ یعنی رسول کو تمام قوم کے مقابلہ میں کوئی نمایاں امتیاز ہونا چاہیے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہماری طرح جنس بشر سے ہیں، آسمان کے فرشتے نہیں۔ جس کے سامنے خواہ مخواہ انسانوں کی گردنیں جھک جائیں پھر بشر بھی ایسے نہیں جسے کوئی خاص تفوق اور بڑائی ہم پر حاصل ہوتی مثلاً بڑے دولت مند یا جاہ و حکمت کے مالک ہوتے، جو لوگ تمہارے پیرو ہوتے وہ بھی ماشاء اللہ سب کے سب مفلس، روزیل، پست اور ادنیٰ طبقہ کے لوگ ہیں جن کے ساتھ بیٹھنا بھی ہم جیسے شریلوں کے لیے ننگ و مار کا موجب ہے تو کیا ساری خدائی میں سے تم ہی ملے تھے جنہیں خدا نے اپنے منصب کی سفارت پر مامور فرمایا۔ آخر ہم تم سے حسب نسب، مال و دولت، خلق و خلق کس بات سے کم تھے؟ جو ہمارا انتخاب اس عہدہ کے لیے نہ ہو گیا ہم از کم آپ علیہ السلام کا اتباع کرنے والے ہی کوئی معزز اور بڑے آدمی ہوتے۔ بھلا ان مومنین اور جماعوں کا تابع ہونا آپ علیہ السلام کے لیے کیا موجب فضل و شرف ہو سکتا ہے؟ اور کس طرح صداقت کی دلیل بن سکتی ہے؟ ایسے سلی لوگوں کا جن کی پستی اور ردالت بالکل عیاں ہے بے سوچے سمجھے اور بدون غور و تامل کے ظاہری اور سرسری طور پر ایمان لے آنا آپ علیہ السلام کا کونسا کمال ہے؟ بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تم اور تمہارے ساتھی سب جھوٹے ہو۔ تم نے ایک بات بنائی اور چند بیوقوفوں نے ہاں میں ہاں ملا دی تاکہ اس طرح ایک نئی تحریک اٹھا کر کوئی امتیاز اور بزرگی حاصل کر لیں۔ یہ ان ملعونوں کی تقریر کا حاصل تھا نوح علیہ السلام نے جو جواب دیا آگے آتا ہے۔

بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّي وَآتَيْنِي رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهِ فَعَبَّيْتُ عَلَيْكُمْ ۖ أَنْزَلْتُ مَكْتُوبَهَا وَأَنْتُمْ لَهَا

صاف راستہ پر اپنے رب کے اور اس نے مجھی مجھ پر رحمت اپنے پاس سے، پھر اس کو تمہاری آنکھ سے مخفی رکھا تو کیا تم کو مجبور کر سکتے ہیں اس پر اور تم اس سے راہ پر اپنے رب کی، اور اس نے دی مجھ کو مہر اپنے پاس سے، پھر وہ تمہاری آنکھ سے چھپا رکھی۔ کیا ہم لگاویں وہ تم کو اور تم اس سے

كِرْهُونَ ۝۱۸ وَيَقَوْمٍ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۖ إِنْ أَجْرِي إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا أَنَا بِطَارِدٍ

بیزار ہوؤں اور اے میری قوم! میں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ مال میری مزدوری نہیں مگر اللہ پر اور میں نہیں ہانکنے والا بیزار ہو۔ اور اے قوم! میں نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ مال۔ میری مزدوری نہیں مگر اللہ پر، اور میں نہیں ہانکنے والا

الَّذِينَ آمَنُوا ۖ إِنَّهُمْ مُّلْقُوا رَبَّهُمْ وَلَكِنَّ آيَاتِنَا لَتَجْهَلُونَ ۝۱۹ وَيَقَوْمٍ مِّن

ایمان والوں کو ان کو ملتا ہے اپنے رب سے ۱۹ لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ جاہل ہو ۱۹ اور اے قوم ایمان والوں کو۔ ان کو ملتا ہے اپنے رب سے، لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ جاہل ہو۔ اور اے قوم!

يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ طَرَدْتَهُمْ ۖ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝۲۰ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ

کون چھڑائے مجھ کو اللہ سے اگر ان کو ہانک دوں کیا تم دھیان نہیں کرتے ۲۰ اور میں نہیں کہتا تم کو کہ میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے کون چھڑاؤے مجھ کو اللہ سے اگر ان کو ہانک دوں۔ کیا تم دھیان نہیں کرتے ہو؟ اور میں نہیں کہتا تم کو میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے،

۱۹ یعنی یہ صحیح ہے کہ پیغمبر کو عام انسانوں سے بالکل ممتاز ہونا چاہیے لیکن وہ امتیاز مال و دولت ملک و حکومت اور دنیا کی ٹیپ ٹاپ میں نہیں، بلکہ اعلیٰ اخلاق، بہترین ملکات، تقویٰ، خدا ترسی، حق پرستی، درمندی، خلاق اور ان صریح آیات و نشانات پیش کرنے سے ان کو امتیاز حاصل ہوتا ہے جو حق تعالیٰ بطور اتمام حجت و اكمال نعمت ان کے اندر قائم کرتا یا ان کے ذریعہ سے ظاہر فرماتا ہے۔ وہ وحی الہی اور ربانی دلائل و براہین کی روشنی میں صاف راستہ پر چلتے ہیں اور دن رات خدا کی خصوصی رحمتیں ان پر بارش کی طرح برستی ہیں۔ نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر یہ سب چیزیں مجھ میں کھلے طور پر موجود ہوں اور یقیناً موجود ہیں۔ لیکن جس طرح اندھے کو سورج کی روشنی نظر نہیں آتی، تمہاری آنکھیں بھی اس نور الہی کے دیکھنے سے قاصر ہیں، تو کیا ہم زبردستی مجبور کر کے تم سے اس نور اور رحمت کا اقرار کر سکتے ہیں جس سے تم اس قدر نور و بیزار ہو کہ آنکھ کھول کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ غلام یہ ہوا کہ میری بزرگی و برتری جو تم کو نظر نہیں آتی، یہ اس لیے ہے کہ تمہارے دل کی آنکھیں اندھی ہیں یا بند ہیں۔

۲۰ یعنی میں تبلیغ کے کام کی کوئی تنخواہ تم سے نہیں مانگتا، جو مالی خود غرضی کا شہ ہے۔ میں اپنے پروردگار کا نوا کر ہوں اسی کے یہاں سے مزدوری ملے گی، بحمد اللہ مجھے تمہارے مال کی طلب ہے نہ ضرورت، پھر غریبوں کو چھوڑ کر مالداروں کی طرف کیوں جھکوں۔ اگر تم میرے اتنا ع کو محض ان کی افلاس یا پیشہ کی وجہ سے حقیر و ذلیل سمجھتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ میں وہ نہیں جو دولت ایمان کے سرمایہ داروں کو ظاہری خستہ حالی کی بناء پر جانوروں کی طرح دھکے دے کر نکال دوں انہیں ایک روز اپنے پروردگار سے ملنا ہے۔ وہ میری شکایت اس کے دربار میں کریں گے کہ آپ کے پیغمبر نے معبر دنیا داروں کی خاطر ہم غریب و فاداروں کو نکال دیا تھا۔ میں ظاہر مال کے خلاف یہ کیونکر سمجھ لوں کہ ان کا ایمان محض ظاہری اور سرسری ہے۔ دلوں کو چیر کر دیکھنا میرا کام نہیں۔ یہ پروردگار کے یہاں پتہ چلے گا کہ ان کے دلوں کی کیا حالت تھی۔

۲۱ یعنی جاہل و حماقت سے انہماں پر نظر نہیں کرتے، صرف ان کی ظاہری شکستگی دیکھ کر حقیر سمجھتے ہو۔ اور ایسی مہمل درخواست کرتے ہو کہ ان کو بنا دیا جائے تو ہم تمہارے پاس آئیں۔ کیا غریت اور کسب حلال کوئی عیب ہے؟ یہ ہی چیز تو ہے جو حق کے قبول کرنے میں مزاحم نہیں ہوتی۔ عمر ماؤ دولت و جاہ کا نشہ انسان کو قبول حق سے محروم رکھتا ہے اسی لیے ہر قل کی مدیث میں آیا کہ انبیاء کے متبعین ضعیف ہوتے ہیں بہر حال تم نہیں جانتے کہ سب کو خدا کے پاس جمع ہونا ہے، وہاں پہنچ کر ظاہر ہوگا کہ اپنے کو ان سے بہتر سمجھنا تمہارا مالانہ ضرور تھا۔

۲۲ یعنی میں تمہارے بگرو و فرود اور جہالت سے متاثر ہو کر اپنا نقصان کیسے کروں، اگر تمہاری رعایت سے میں نے خدا کے مخلص بندوں کو دھکے دے دیسے تو =



وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدِرِي أَعْيُنُكُمْ لَنْ

اور نہ میں خبر رکھوں غیب کی اور نہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ کہوں گا کہ جو لوگ تمہاری آنکھ میں حقیر ہیں نہ اور نہ میں خبر رکھوں غیب کی، اور نہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں، اور نہ کہوں گا کہ جو تمہاری آنکھ میں حقیر ہیں، نہ

يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا ۗ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنْفُسِهِمْ ۗ إِنِّي إِذَا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۱﴾ قَالُوا

دے گا ان کو اللہ بھلائی اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے جی میں ہے یہ کہوں تو میں بے انصاف ہوں فل بولے دے گا ان کو اللہ بھلائی۔ اللہ بہتر جانے جو ان کے جی میں ہے۔ یہ کہوں تو بے انصاف ہوں۔ بولے،

يُنُوحُ قَدْ جَدَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۳۲﴾

اے نوح تو نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑ چکا اب لے آ جو تو وعدہ کرتا ہے ہم سے اگر تو سچا ہے فل اے نوح! تو ہم سے جھگڑا اور بہت جھگڑ چکا، اب لے آ جو وعدہ دیتا ہے ہم کو، اگر تو سچا ہے۔

قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيكُمْ بِهِ اللَّهُ إِنْ شَاءَ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ

کہا کہ لائے گا تو اس کو اللہ ہی اگر چاہے گا اور تم نہ تھکا سکو گے بھاگ کر فرس اور نہ کارگر ہوگی تم کو میری نصیحت، جو چاہوں کہ تم کو نصیحت کروں اگر کہا لائے گا تو اس کو اللہ ہی اگر چاہے گا، اور تم نہ تھکاؤ گے بھاگ کر۔ اور نہ کام کرے گی تم کو میری نصیحت، جو میں چاہوں تم کو نصیحت کروں، اگر

= اس کی سزا اور گرفت سے مجھ کو کون بچا سکے گا۔

فل کفار نے نوح علیہ السلام کو کہا تھا کہ تم ہمارے جیسے بشر ہو، جتنے اور دولت کے اعتبار سے بھی کچھ امتیاز نہیں رکھتے، اس کا جواب نہایت متانت و انصاف کے ساتھ دیتے ہیں کہ بیشک جیسا امتیاز تم دیکھنا چاہتے ہو اس کا ہم دعویٰ نہیں رکھتے، بلاشبہ میں ایک بشر ہوں، فرشتہ نہیں۔ نہ خدا نے اپنے سارے خزانے میرے تصرف و اختیار میں دے دیے ہیں، نہ تمام غیب کی باتوں پر مطلع کیا گیا ہوں، لیکن ان تمام باتوں کے اعتراف کے ساتھ تمہاری طرح یہ بھی نہ کہوں گا کہ جو لوگ تمہاری نگاہ میں معیوب و حقیر ہیں (یعنی میں اور میرے رفقاء) ان کو خدا ہرگز کوئی خیر (بھلائی) نہیں دے سکتا۔ مثلاً ان میں سے کسی کو نبوت و حکمت عطا فرمادے اور باقیوں کو ایمان و عرفان کی دولت سے بہرہ ور کرے۔ خوب سمجھ لو حق تعالیٰ ان کے دلوں کی استعدادات و کیفیات کو پوری طرح جانتا ہے ہر ایک کی استعداد کے مناسب فیض پہنچاتا اور باطنی احوال و کیفیات کے موافق برتاؤ کرتا ہے اس نے جو خاص مہربانی مجھ پر یا میرے ساتھیوں پر کی ہے، وہ تمہاری آنکھ سے پوشیدہ ہے۔ اگر میں یہ کہنے لگوں کہ جو تمہیں بظاہر شکستہ حال اور حقیر دکھائی دیتے ہیں، خدا تعالیٰ نے بھی جو بواطن کا جاننے والا ہے انہیں کوئی عورت و شرف نہیں بخشتا تو نہایت بے اصولی اور ناانصافی کی بات ہوگی۔

(تفسیر) اس آیت کے ابتدائی تین جملے سورۃ "انعام" میں گزر چکے۔ وہاں کے فوائد دیکھ لیے جائیں۔

فل حضرت نوح قبل از طوفان ساڑھے نو سو برس ان میں رہے۔ شب و روز سرا و علانیۃ انہیں نصیحت کرتے، ہر شبہ کا جواب دیتے، تبلیغ و تقسیم اور بحث و مناظرہ کا سلسلہ ہماری رہتا۔ اسی جھگڑے میں صدیاں گزریں۔ کفار نے ان کی حقانی بحثوں اور شب و روز کی روک ٹوک سے عاجز ہو کر کہا کہ اب یہ سلسلہ بند کیجئے۔ بس اگر آپ علیہ السلام سچے ہیں تو عذاب کی دھمکیاں دیتے رہے ہو، فوراً لے آؤ تاکہ یہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو۔

فل یعنی یہ چیز میرے قبضہ میں نہیں۔ خدا جس وقت اپنی حکمت کے موافق چاہے گا عذاب نازل کر دے گا۔ ہمارا فرض صرف آگاہ کر دینا تھا۔ ہاتی عذاب تو ایسی ہولناک اور عظیم الشان چیز ہے، جس کا لے آنا اور دفع کر دینا دونوں پہلو قوائے بشریہ کے دائرہ سے خارج ہیں۔ جب مشیت الہی ہوگی تو ہمیں بھاگ کر پناہ نہ لے سکو گے۔ ایسا کون ہے جو خدا کو (معاذ اللہ) تھکا کر عاجز کر سکے۔

أَرَدْتُ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۴۳﴾

اللہ چاہتا ہوگا کہ تم کو گمراہ کرے وہی ہے رب تمہارا اور اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے فلا کیا کہتے ہیں کہ بنا لایا قرآن کو فلا  
اللہ چاہتا ہوگا کہ تم کو بے راہ چلاوے۔ وہی ہے رب تمہارا۔ اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔ کیا کہتے ہیں بنا لایا قرآن کو۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ إِنْ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَىٰ إِجْرَائِي وَأَنَا بِرَبِّي مِنكُمْ مُّجْرِمُونَ ﴿۴۴﴾

کہہ دے اگر میں بنا لایا ہوں تو مجھ پر ہے میرا گناہ اور میرا ذمہ نہیں جو تم گناہ کرتے ہو فلا  
تو کہہ اگر بنا لایا ہوں، تو مجھ پر ہے میرا گناہ اور میرا ذمہ نہیں جو تم گناہ کرتے ہو۔

### قصہ نوح علیہ السلام با قوم او

قَالَ الْبَنَاتُ: «وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ... أَلَمْ يَأْتِ بِمِثْلِ مَا جَاءَ نُونًا»

ربط:..... گزشتہ آیات میں یہ بیان کیا کہ اہل حق اور اہل باطل کا برابر ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کہ مینا اور نایبنا اور شنوا اور  
بہرے کا برابر ہونا ناممکن ہے۔ پس غور کر لو کہ ان دو مختلف اور متضاد فریقین کا انجام کیسے یکساں ہو سکتا ہے۔

اب آگے اسی مضمون کی تائید اور تاکید کے لیے چند عبرتناک واقعات بیان کرتے ہیں جن میں اول قصہ حضرت  
نوح علیہ السلام کی قوم کا ہے کہ جو صد ہا سال کی نصیحت کے بعد بھی راہ راست پر نہ آئے بالآخر غرق ہوئے یہ قصہ اگرچہ سورۃ یونس  
میں مذکور ہو چکا ہے مگر یہاں کچھ زائد حالات کا ذکر ہے جن سے جدید فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے  
روایت ہے کہ جب نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی ساڑھے نو سو برس قوم کو نصیحت کرتے رہے اس کے بعد طوفان  
آیا۔ طوفان کے ساٹھ برس بعد تک زندہ رہے اس قسم کے واقعات سے کفار کو تشبیہ ہے اور آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے کہ  
آپ ﷺ کفار کی تکذیب سے دلگیر نہ ہوں اطمینان اور صبر کے ساتھ دعوت اور تبلیغ میں لگے رہیں۔

فلا یعنی کفر پر اس قدر اصرار و ضد اور انتہائی شوخ چٹمی سے زول و عذاب کی استدعا پتہ دیتی ہے کہ خدا کا ارادہ یہی ہے کہ تم کو گمراہی میں پڑا رہنے دے اور  
آخر کار ہلاک کر دے۔ پس اگر تمہاری بد کرداری کے سبب سے خدا نے یہی چاہا تو میں کتنا ہی نصیحت و خیر خواہی کر کے تم کو نفع پہنچانا چاہوں، کچھ نافع اور موثر نہ  
ہوگا تمہارا رب وہی ہے جس کے ملک و تصرف میں ہر چیز ہے جیسا جس کے ساتھ معاملہ کرے کوئی روک نہیں سکتا۔ سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہی  
سب کے اعمال کی جزاء و سزا دینے والا ہے (ربلا) حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یہاں تک جتنے سوالات و اعتراضات اس قوم کے تھے، وہی تھے  
حضرت کی قوم کے جو یا یہ سب جواب ان کو ملے۔ ایک ان کا نیا دعویٰ تھا، اسے آگے قصہ کے درمیان میں بیان فرماتے ہیں۔

فلا یہ گفتگو کفار مکہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی کہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بنا لائے ہیں۔ خدا کا کلام نہیں ہے۔ حضرت نوح کتاب نہ لائے تھے جو  
ان کی قوم یہ بات کہتی۔ (کذا فی الموضع) لیکن بعض مفسرین نے اس آیت کو بھی نوح علیہ السلام کے قصہ کا جزو بتلایا ہے۔ یعنی ان کی قوم نے کہا کہ جن  
باتوں کو نوح علیہ السلام خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ خود ان کی گھڑت ہیں۔ بعض نے کہا کہ گفتگو تو اہل مکہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر اس کا تعلق  
خاص نوح علیہ السلام کے قصہ سے تھا گو یادہ کہتے تھے کہ یہ داستان آپ علیہ السلام نے جھوٹ بنالی ہے۔ واقعہ میں ان قصوں کی کوئی اصل نہیں۔

فلا قرآن کو "مفتویٰ" کہنے کا حقیقی جواب اسی سورت میں ایک رکوع پہلے گزر چکا۔ یہاں آخری بات فرمائی یعنی قرآن کا کلام الہی ہونا نہایت واضح و محکم  
دلائل سے بار بار ثابت کیا جا چکا ہے ایسی روشن چیز کی تکذیب کر کے جو گناہ تم سمیٹ رہے ہو اس کا وبال تم پر ہی پڑے گا۔ اس کی فکر کرو اس کا میں ذمہ دار نہیں۔  
ہاں بے فرض محال اگر میں نے انہما کیا ہو تو اس کا گناہ مجھ پر پڑ سکتا ہے۔ سو محمد اللہ ایسا ہوا نہیں۔

نکتہ:..... سورۃ یونس میں نوح علیہ السلام کا قصہ استعجال عذاب کے جواب میں ذکر کیا اور یہاں کفار کی ایذا رسانی اور ان کے تمسخر کے جواب میں ذکر کیا کہ نوح علیہ السلام نے ان کے ایذا اور تمسخر پر صبر کیا اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو نجات دی اور ان مسخروں کو ہلاک کیا۔ (تفسیر کبیر: ۶۸/۵)۔

اور البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف جو حق کے بارے میں اندھے اور بہرے بنے ہوئے تھے۔ رسول بنا کر بھیجا نوح علیہ السلام نے ان سے یہ کہا کہ تحقیق میں تمہارے لیے کھول کر ڈرانے والا ہوں یعنی اسباب عذاب اور وجوہ خلاص کو بیان کرنے والا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ تحقیق میں تم کو ایک بڑے دردناک دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔

### قوم کا جواب

پس ان کی قوم کے جو لوگ کافر تھے ان کے سردار جواب میں یہ کہنے لگے کہ اے نوح علیہ السلام! اول تو ہم تم کو اپنے جیسا ہی آدمی دیکھتے ہیں یعنی تم میں کوئی خاص فضیلت اور خصوصیت اور امتیاز نہیں پاتے جس کی بناء پر ہم آپ ﷺ کو نبی مانیں جیسے انسان تم ہو ایسے ہی انسان ہم بھی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم پر وحی آئے اور ہم پر نہ آئے اور دوم یہ کہ ہم نہیں دیکھتے کہ تیری پیروی کی ہو کسی نے سوائے ان لوگوں کے جو ہم میں سے رذیل اور کمینہ ہیں اور یہ پیروی بھی انہوں نے بے سوچے سرسری نظر سے کر لی ہے اگر وہ غور و فکر کرتے تو وہ بھی آپ ﷺ کی پیروی نہ کرتے ان بے سمجھ لوگوں نے سادہ لوحی سے آپ ﷺ کے سحر کو معجزہ اور آپ ﷺ کے شبہات کو دلائل اور براہین سمجھ لیا ہے مطلب یہ ہے کہ نہ آپ ﷺ میں کوئی شان امتیازی ہے اور نہ آپ ﷺ کے پیروؤں میں کوئی خاص خصوصیت ہے بلکہ وہ رذیل اور بے عقل اور جاہل لوگ ہیں جن کے ساتھ بیٹھنا بھی ہم جیسے معززین کے لیے باعث عار اور ننگ ہے اور آج کل بھی ایسا طبقہ موجود ہے کہ جو اہل ایمان کو عموماً اور علماء کو خصوصاً حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے اور ان کو بیوقوف سمجھتا ہے اس لیے کہ یہ طبقہ دنیاوی مال و جاہ میں ان سے کم ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک شرف و عزت کا دار و مدار مال و دولت پر ہے جس کے پاس مال نہیں وہ ان کے نزدیک رذیل ہے اگرچہ عقل و فہم میں ان سے کہیں بلند ہو اور ہم آپ لوگوں سے کس بات میں کم ہیں۔ ہم تمہارے لیے اپنے اوپر کسی قسم کی برتری نہیں دیکھتے تم ہم سے نہ مال و دولت میں زیادہ ہو اور نہ عزت و وجاہت میں ہم سے بڑھ کر ہو پھر کیوں آپ ﷺ کے تابع اور پیرو بنیں۔ بلکہ ہمارا گمان تو یہ ہے کہ تم سب جھوٹے ہو تم نے ایک بات بنالی ہے اور چند بیوقوفوں نے بے سوچے سمجھے ہاں میں ہاں ملا دی ہے ایسے حقیر اور فقیر اور بے عقل اور جاہلوں کا اتہاع آپ ﷺ کی صداقت کی دلیل کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ ان ملعونین اور مغرورین و متکبرین کی جہالت آئینہ تقریر تھی جو ختم ہوئی اب آئندہ آیت میں نوح علیہ السلام کا جواب ماصواب آتا ہے اب اس کو سنئے اور خوب کان لگا کر سنئے۔

### حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے جواب باصواب

نوح علیہ السلام نے ان کے جواب میں یہ کہا کہ اے میری قوم تمہارا میری بشری اور ظاہری صورت کو دیکھ کر یہ کہنا کہ

میں اور تم برابر ہیں یہ تمہاری جہالت اور حماقت ہے صورت بشریہ میں سب انسان شریک ہیں مگر باطنی فضائل و کمالات میں مختلف ہیں۔ بے شک انسان ہونے میں اور تم برابر ہیں مگر انسان اور بشر ہونا نبوت و رسالت کے منافی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ظاہری صورت کے اعتبار سے اگرچہ مجھ کو تمہاری ہی جیسی صورت عطاء کی ہے مگر باطنی فضائل و کمالات کے اعتبار سے مجھ کو تم سے جدا اور ممتاز بنایا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنی نبوت و رسالت کے روشن دلائل لیکر آیا ہوں میں تمہارے مثل کیسے ہو سکتا ہوں صورت بشریہ کے اعتبار سے اگرچہ تمہارے مثل ہوں مگر فضائل و کمالات اور آیات و بینات کے اعتبار سے تم سے ممتاز اور بالکل جدا ہوں۔ بتلاؤ تو سہی کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں جو میری صداقت پر گواہ ہو اور جس سے میری نبوت ثابت ہوتی ہو اور دی ہو اس نے اپنے پاس سے مجھے اپنی خاص رحمت یعنی نبوت و ہدایت کا ملہ اور طہارت فاضلہ جس کو دیکھ کر ایک نظر میں صاحب بصر سمجھ جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کوئی بنائی ہوئی بات نہیں پھر یہ روشن حقیقت تمہاری آنکھ بند کر لینے کی وجہ سے تم پر پوشیدہ اور مخفی کر دی گئی تکبر اور غرور نے تم کو اندھا بنا دیا اس لیے تم کو میری نبوت نظر نہیں آتی تو بتلاؤ ایسی صورت میں میں کیا کروں مجبور ہوں کیا اس رحمت اور ہدایت کو ہم زبردستی تمہارے سر لگا دیں درآنحالیکہ تم اس سے بیزار اور متنفر ہو اور اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی تم کو گوارا نہیں۔ مشعل ہدایت تمہارے سامنے کر دی ہے اب دیکھنا اور نہ دیکھنا تمہارا کام ہے باقی کسی کو ہدایت یا بگردینا یہ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے نبی اور ولی کے اختیار میں نہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ میری نبوت تو دلائل اور براہین سے روز روشن کی طرح واضح ہے مگر تم کو اس لیے نظر نہیں آتی کہ تم دل کے اندھے ہو یا آنکھیں بند کیے ہوئے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے میری ذلیعے جو تم کو رحمت دی تم نے اس کی قدر نہ جانی بلکہ تکذیب کے درپے ہو تو کیا میں باوجود تمہاری اس کراہت اور نفرت کے اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رحمت کو تمہارے گلے باندھ دوں۔ یہاں تک کافروں کے پہلے شبہ اور اعتراض کا جواب ہوا کہ تم ہم جیسے بشر ہو اب ان کے دوسرے شبہ اور اعتراض کا جواب دیتے ہیں۔ دوسرا شبہ انکا یہ تھا کہ آپ ﷺ کے اتباع کرنے والے حقیر اور ذلیل لوگ ہیں سو یہ اعتراض بھی جہالت اور حماقت پر مبنی ہے عزت اور ذلت کا دار و مدار مال و دولت پر مبنی نہیں بلکہ اتباع پر ہے جس غریب و فقیر نے دولت حق اور باطل کے فرق کو سمجھ کر حق کا اتباع کیا وہ عزت والا ہو گیا اور جس دولت مند نے حق سے منہ موڑا وہ ذلیل و خوار ہوا لہذا معلوم ہوا کہ ارذل اور ضعفاء اور فقراء کا اتباع نبوت اور صداقت میں قاصر نہیں پھر یہ کہ ارذل صورت بشریہ میں تمہارے مثل ہیں پس تم جیسے اہل عقل اور اہل فہم کا نبوت کو قبول کرنا تم پر رحمت ہے یہ غرباء اور فقراء اگر مال و دولت میں تم سے کم ہیں تو عقل اور فہم میں تم سے بڑھ کر ہیں اور اگر برابر بھی ہوں تو ان کی آنکھوں پر کوئی پردہ نہیں اور تمہاری آنکھوں پر تکبر اور غرور کا پردہ پڑا ہوا ہے اس لیے تم کو یہ روشن حقیقت نظر نہیں آتی جو ان فقراء اور ضعفاء کو نظر آرہی ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ فرمایا اے میری قوم میں تم سے تبلیغ و رسالت پر کوئی مال نہیں مانگتا جس کا دینا تم پر شاق ہو اور نہ دینا مجھے ناگوار ہو۔ جزا میں نیست کہ میرا بروتو اللہ کے ذمہ ہے جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے اور جس کا اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا مقصود تو نصیحت اور تبلیغ رسالت ہے میری نظر صرف اللہ تعالیٰ پر ہے مال و دولت پر میری نظر نہیں۔ اس لیے میری نظر میں امیر و فقیر اور دولت مند اور حاجت مند سب برابر ہیں ظاہری صورت کے اعتبار سے بے شک میں بشر ہوں مگر حقیقت باطنہ کے لحاظ سے فرشتہ بلکہ فرشتہ

سے بڑھ کر ہوں حرص اور طمع سے بالکل پاک اور منزہ ہوں اور ظاہر ہے کہ جو طمع اور غرض سے پاک ہو وہ کیوں جھوٹ بولے گا۔ تم درہم و دینار کے بندے ہو اور میں خالص خدا کا بندہ ہوں۔ میری نظر صرف خدا پر ہے مجھ میں اور تم میں یہ فرق ہے اگر عقل رکھتے ہو تو سمجھ لو اور تم میرے قبیحین کی ظاہری شکستگی اور تنگدستی کو دیکھ کر انہیں رذیل کہتے اور حقیر سمجھتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ میں ان کو اپنے پاس سے نکال دوں تب تم میرے پاس بیٹھو۔ اور میری بات سنو تو خوب سمجھ لو کہ میں اہل ایمان کو اپنی مجلس اور صحبت سے ہانک دینے والا نہیں میں تمہاری درخواست کی بناء پر ضعیف مومنین اور فقراء مسلمین کو اپنی مجلس سے نہیں ہٹا سکتا۔ تحقیق یہ درویشان اسلام عزت و کرامت کے ساتھ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں قیامت کے دن ان کے ایمان اور اعمال صالحہ سے ان کی کرامت ظاہر ہوگی اور مومن کو دنیا و مافیہا سے دس گنا زیادہ دولت ملے گی۔ اور یہ دولت مند کافر چھڑ کے ایک پر کے برابر بھی نہ ہوں گے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک جاہل قوم ہو کہ اپنے مال و دولت اور موثر بنگلہ کو عزت سمجھتے ہو اور اہل ایمان جو خدا تعالیٰ کے نزدیک معزز اور مقرب ہیں دل سے ان کو حقیر و ذلیل اور زبان سے ان کو کمینہ اور رذیل کہتے ہو تم ایسی جاہل قوم ہو کہ تمہیں عزت و ذلت کے معنی بھی معلوم نہیں۔ خداوند ذوالجلال سے صحیح تعلق (ایمان) کا نام عزت ہے اور خداوند تعالیٰ سے بغاوت اور قطع تعلق (کفر) کا نام ذلت ہے۔ ﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾

خاکساران جہاں را بحقارت مگر . توجہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

اور اے میری قوم! اگر بالفرض والتقدیر تمہاری رعایت سے ان غرباء اور فقراء کو اپنی مجلس سے علیحدہ کر دوں تو بتلاؤ کون مجھ کو اللہ کے عذاب سے چھڑائے گا۔ غریب طالب حق کو دولت مند کی رعایت سے مجلس سے نہیں ہٹایا جاسکتا یہ بے انصافی اور ظلم ہے میں تمہاری رعایت سے خدا کے مخلص بندوں کے ساتھ بے انصافی نہیں کر سکتا اگر خدا نخواستہ ایسا کروں تو مجھے خدا کی گرفت سے کون بچا سکے گا کیا بھلا تم غور نہیں کرتے کہ ایمان اور اطاعت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت ملتی ہے۔ محض دنیاوی مال و دولت سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو نبوت و رسالت کا منصب عطا کیا اور ان فقراء مومنین کو ولایت با کرامت کی عزت سے سرفراز فرمایا۔

بعد ازاں نوح علیہ السلام نے کافروں کے اور بعض اقوال کا جواب ارشاد فرمایا اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں یعنی بے شک میرے پاس وہ چیز نہیں ہے جس کے ہونے کو تم عزت جانتے ہو یعنی مال و دولت کے خزانے اور جس کے نہ ہونے کو خست اور رذالت سمجھتے ہو اور مال و دولت کے نہ ہونے کو کاذب ہونے کی دلیل قرار دیتے ہو اور یہ کہتے ہو کہ ﴿هَلْ نَحْنُ كَالْإِنْسَانِ﴾ خوب سمجھ لو کہ رسول کے لیے یہ شرط نہیں کہ وہ خزانوں کا مالک میرے نزدیک مال و دولت کا وجود اور عدم سب برابر ہے۔ میرے نزدیک عزت کا دار و مدار ایمان اور اطاعت پر ہے اور مال و دولت کا نہ ہونا کاذب ہونے کی دلیل نہیں کیا فقیر، کاذب اور مال دار صادق ہوتا ہے اور نہ میں غیب دان ہوں کہ لوگوں کے باطن کی خبر دوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں یعنی تم جو یہ کہتے ہو کہ ہم تم کو اپنے ہی جیسا بشر دیکھتے ہیں تو میرا یہ دعویٰ کب ہے کہ میں فرشتہ ہوں مگر تمہاری یہ جہالت ہے کہ تم بشریت کو نبوت کے منافی خیال کرتے ہو فرشتوں کا رتبہ تو انبیاء سے کم ہی ہے البتہ

میں بشر ہوں مگر مؤید بہ معجزات ہوں تم عجیب نادان ہو کہ شجر اور حجر کو تو خدا اور معبود سمجھتے ہو اور بشر کے نبی ہونے کے منکر ہو صورت بشریہ میں تمہارے مثل ہوں لیکن کمالات بشریہ اور فضائل انسانیہ میں تم سے ممتاز اور جدا ہوں یہ تو اپنے متعلق ارشاد فرمایا اب آگے اپنے مقبوعین کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں اور جن لوگوں کو تمہاری آنکھیں حقارت سے دیکھتی ہیں میں ان کی نسبت یہ نہیں کہتا کہ یہ لوگ دل سے ایمان نہیں لائے اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز کوئی بھلائی نہیں دے گا اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے اگر یہ لوگ مثل ظاہر کے باطن میں بھی مومن بنیں تو ان کو بہتر جزا ملے گی جو تمام روئے زمین کی سلطنت اور اس کے خزانوں سے بہتر ہوگی چونکہ یہ لوگ ظاہر میں مسلمان ہیں اس لیے میں اس کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کرتا ہوں باطن کی خبر تو اللہ تعالیٰ جانے اگر میں ان کو نکال دوں تو بلاشبہ میں ظالموں سے ہوں گا کہ محض شبہ اور گمان کی بناء پر ان کو نکال دیا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ کا یہ حکم ہے کہ ظاہر کے مطابق معاملہ کریں۔

الغرض تمہارے یہ تمام شبہات اور اعتراضات سب لایعنی اور مہمل ہیں اور جو میں کہتا ہوں وہ حق اور صحیح ہے اور دلیل اور برہان سے ثابت ہے۔ جب کفار نوح علیہ السلام کے جوابات سے لا جواب ہوئے تو یہ کہنے لگے کہ اے نوح علیہ السلام تو نے ہمارے ساتھ مباحثہ اور مجادلہ کیا اور بحث کو بہت بڑھایا اور طول دیا۔ خیر اب بحث تو چھوڑو۔ پس اگر آپ علیہ السلام سچوں میں سے ہیں تو آپ علیہ السلام وہ عذاب لے آئیں جس سے آپ علیہ السلام ہم کو ڈراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تم مجھ پر ایمان نہ لاؤ گے۔ اور مجھے رسول نہ مانو گے تو تم پر عذاب آئیگا۔ اب آپ علیہ السلام بحث کو چھوڑیے اور عذاب لائیے تو نوح علیہ السلام نے ان کو جواب میں کہا میرے اختیار میں دعوت و نصیحت تھی وہ کر چکا۔ باقی عذاب کا لانا وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جزا میں نیست کہ اللہ تعالیٰ ہی عذاب لائے گا جب اس کو منظور ہوگا۔ دیر میں آئے یا سویر میں اور پھر تم اس عذاب سے بچ نہیں سکتے مجھے جو نصیحت کرنی تھی وہ میں نے تم کو کر دی۔ اب آخری بات یہ ہے جس پر میں اپنے کلام کو ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ میری نصیحت تم کو سود مند نہ ہوگی اگر میں چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں تو میرے ارادے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ازل میں تمہارے گمراہ کرنے کا ارادہ فرمایا ہے اور رسول میں یہ قدرت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو بدل سکے۔ وہی تمہارا مربی اور محسن ہے اس نے تمہاری ہدایت کے لیے پیغمبر بھیجے تم کو چاہئے تھا کہ اس کے حکموں پر چلتے مگر انراہ عناد تم مجرم بنے اور ایک دن تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور اپنے اعمال کی جزا پاؤ گے۔ کیا کافر یہ کہتے ہیں کہ نوح علیہ السلام نے یہ پیغام اپنی طرف سے بنا لیا ہے یعنی از خود گھڑ لیا ہے۔ اے نوح علیہ السلام آپ علیہ السلام جواب میں کہہ دیجئے کہ اگر یہ پیغام میں نے خود گھڑ لیا ہے تو میرے جرم کا وبال مجھ پر ہوگا اور میں بری ہوں اس جرم سے جس کے تم مرتکب ہو مفسرین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ آیت نوح علیہ السلام کے قصہ کا تمہ ہے اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ یہ گفتگو کفار مکہ کی آنحضرت ﷺ سے تھی کہ یہ قرآن آپ ﷺ خود بنا لائے ہیں۔ خدا کا کلام نہیں ہے حضرت نوح علیہ السلام کوئی کتاب نہ لائے تھے جو ان کی قوم یہ بات کہتی۔ اس لیے یہ آیت آنحضرت ﷺ سے متعلق ہے بطور جملہ معترضہ کفار مکہ کے کلام کو درمیان قصہ نوح علیہ السلام ذکر فرمایا یہاں تک جتنے سوالات اور جوابات ذکر کیے وہ سب قوم نوح کے متعلق تھے مگر کفار مکہ بھی یہی کہتے تھے اس لیے درمیان قصہ بطور جملہ معترضہ کفار مکہ کا کلام ذکر کر دیا گیا۔ اب آگے پھر نوح علیہ السلام کا باقی قصہ ذکر ہوتا ہے۔

## لطائف و معارف

عارف رومی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں:

اشقیاء را دیدہ پینا نبود نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود  
بد بخت لوگ دل کی آنکھوں سے محروم تھے۔ اس لیے ان کی نظر میں نیک و بد یکساں دکھائی دیتے تھے۔

ہمسری با انبیاء برداشتند

اولیاء را چہو خود پنداشتند

انبیاء کرام علیہم السلام کے ہمسری کے مدعی تھے اور اولیاء علیہم السلام کو اپنے برابر سمجھتے تھے۔

گفتہ ایک ما بشر ایساں بشر ماؤ ایساں بسئ خوانیم و خود  
اور یہ کہتے تھے کہ ہم بھی انسان ہیں اور انبیاء علیہم السلام بھی انسان ہیں کھانے اور سونے کے دونوں پابند ہیں، پھر ہم میں  
اور ان میں فرق کیا رہا۔

ایں ندانستند ایساں از عمی ہست فرقی در میاں بے منتہی

اور کور باطنی سے یہ سمجھا کہ دونوں میں بے انتہا فرق ہے۔

ہر دو گوں ز زبور خود دند از محل لیک شد زان نیش و ذاں دیگر عمل  
دونوں قسم کے زبور (بھڑ) ایک ہی جگہ سے پھلوں کا رس چوستی ہیں مگر ایک زبور سے ڈنگ پیدا ہوتا ہے اور  
دوسرے زبور سے شہد پیدا ہوتا ہے۔

ہر دو گوں آ ہو گیا خور دند آب زیں یکے سرگیں شد زان مشکاب

اس شعر میں ایک دوسری مثال ذکر کرتے ہیں کہ دونوں قسم کے ہرن ایک ہی قسم کی گھاس چرتے ہیں اور ایک ہی  
گھاٹ سے پانی پیتے ہیں لیکن ایک سے تو میٹگنیاں بنتی ہیں اور دوسرے سے خالص مشک نکلتی ہے۔

ہر دو نے خورد نذاز یک آب خورد آں یکے خالی و آں پر از شکر

یہ تیسری مثال ہے کہ دونوں قسم کی نے ایک ہی گھاٹ سے سیراب ہوتے ہیں لیکن ایک کھوکھلی ہے اور دوسری شکر

اور رس سے پر ہے۔

صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ ہیں فرق شاں ہفتاد سالہ راہ ہیں

اس قسم کی سو ہزار نظریں دیکھو گے ان میں ستر سال کا فرق پاؤ گے۔

ایں خورد گر دو پلیدی زوجدا واں خورد گردد ہم نور خدا

خدا کا نافرمان غذا کھاتا ہے تو اس سے نجاست نکلتی ہے اور خدا کا فرمانبردار کھاتا ہے تو اس سے نور خدا یعنی معرفت

اور محبت خداوندی پیدا ہوتی ہے۔

ایں خورد زاید ہمہ بخل و حسد وال خورد زاید ہمہ نور احد یہ کھاتا ہے تو سر اسر بخل و حسد پیدا ہوتا ہے اور وہ کھاتا ہے تو اس سے نور خدا پیدا ہوتا ہے۔

ہر دو صورت گر بہم مانند رواست آب تلخ و آب شیریں واصفا است سعید اور شقی کا صورت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مشابہہ ہونا ممکن ہے جیسا کہ آب تلخ اور آب شیریں ظاہر کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مشابہہ ہیں۔ دونوں میں صفائی موجود ہے مگر حقیقت مختلف ہے۔ جس کا فرق چکھنے ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ کفار نے محض ظاہری مشابہت کی بنا پر انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنے ہمسرا اور برابر جانا یہی ان کی کور باطنی اور بے عقلی کی دلیل ہے رہبر کا کام راستہ بتانا ہے۔ اگر کسی گم گشتہ راہ کو لوق و دوق میدان میں کوئی رہنما مل جائے جو راستہ سے بخوبی واقف ہو اور وہ اس کو راستہ بتلائے اور یہ شخص جواب میں یہ کہے کہ تم تو مجھ جیسے انسان ہو میں تم کو ہادی کیسے مانوں اور تمہارے کہنے پر کیسے چلوں تو یہی جواب اس کی نادانی اور حماقت کی دلیل ہے بلاشبہ وہ ہادی طریق صورت و شکل میں تم ہی جیسا انسان ہے مگر وہ منزل مقصود کی راہ سے بخوبی واقف ہے اور تم بے خبر ہو۔

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید

کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

وَأُوْحِيْ اِلَيْ نُوْحٍ اِنَّهٗ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا

اور حکم ہوا طرف نوح کی کہ اب ایمان نہ لائے گا تیری قوم میں مگر جو ایمان لا چکا سو غمگین نہ رہ ان کاموں پر اور حکم ہوا طرف نوح کے، کہ اب ایمان نہ لاوے گا تیری قوم میں، مگر جو ایمان لا چکا، سو غمگین نہ رہے ان کاموں پر،

يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَاَصْنَعُ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَّوْحِيْنَا وَلَا تُخَاطِبُنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ اِنَّهُمْ

جو کر رہے ہیں فلا اور بنا کشتی روبرو ہمارے اور ہمارے حکم سے اور نہ بات کر مجھ سے ظالموں کے حق میں یہ بیشک جو کر رہے ہیں۔ اور بنا کشتی روبرو ہمارے، اور ہمارے حکم سے اور نہ بول مجھ سے ظالموں کے واسطے۔ یہ البتہ

مُغْرَقُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأْ مِنْ قَوْمِهِ سَخِرُوْا مِنْهُ ط قَالَ اِنْ

غرق ہوں گے فلا اور وہ کشتی بناتا تھا فلا اور جب گزرتے اس پر سردار اس کی قوم کے ہنسی کرتے اس سے فلا بولا اگر غرق ہوں گے۔ اور وہ کشتی بناتا تھا۔ اور جب گزرتے اس پر سردار اس کی قوم کے، ہنسی کرتے اس سے۔ بولا اگر

فلا جب قوم کی ایذا میں مد سے گزر گئیں تو نوح علیہ السلام نے سیکڑوں برس ظالموں کی زہرہ گداز جفائیں تھیلنے کے بعد خدا کے آگے شکوہ کیا ﴿وَقَدْ عَازَبْتَهُ اَنْىٰ مَغْلُوْبًا فَاَنْقَضُوْهُ﴾ کہ میں مغلوب و ضعیف ہوں۔ آپ ان سے بدلہ لیجئے۔ ارشاد ہوا کہ جن گئے چنے افراد کی قسمت میں ایمان لانا تھا لا چکے۔ آئندہ ان میں کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے۔ لہذا اب آپ ان کی عداوت تکذیب اور ایذا رسانی سے زیادہ غمگین نہ رہیں۔ عنقریب خدا کی شمشیر انتقام بے نیام ہونے والی ہے جو سب شرارتوں اور شریروں کا خاتمہ کر ڈالے گی۔

فلا حق تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ ایک کشتی ہمارے روبرو (یعنی ہماری حفاظت و بھڑائی میں) ہمارے حکم اور تعلیم و الہام کے موافق تیار کرو۔





وَمَا أَمِنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿۱۵﴾ وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ جَرَّبَهَا وَمُرْسَسَهَا ۚ إِنَّ رَبِّي

اور ایمان نہ لائے تھے اس کے ساتھ مگر تھوڑے فی اور بولا سوار ہو جاؤ اس میں اللہ کے نام سے ہے اس کا پہنا اور ٹھہرنا حقیق میرا رب ہے اور ایمان نہ لائے تھے اس کے ساتھ مگر تھوڑے۔ اور بولا، سوار ہو اس میں، اللہ کے نام سے ہے اس کا پہنا اور ٹھہرنا۔ حقیق میرا رب ہے

لَعَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۶﴾ وَهِيَ كَجَرَّتِي بِهَمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۖ وَتَأَذَى نُوْحٌ اِبْنَهُ وَكَانَ فِي

بخشے والا مہربان فی اور وہ لیے جا رہی تھی ان کو لہروں میں جیسے پہاڑ اور پکارا نوح نے اپنے بیٹے کو اور وہ ہو رہا تھا بخشے والا مہربان۔ اور وہ لے بہتی ان کو لہروں میں جیسے پہاڑ۔ اور پکارا نوح نے اپنے بیٹے کو، اور وہ ہو رہا تھا

مَعْرِيلَ يُبْتَغَىٰ اِرْكَبُ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ سَاوِمِي اِلَىٰ جَبَلٍ يَّغْصِبُنِي

کنارے اسے بیٹے سوار ہو جا ساتھ ہمارے اور مت رہ ساتھ کافروں کے فی بولا جاگلوں گا کسی پہاڑ کو جو بھالے گا مجھ کو کنارے، اسے بیٹے سوار ہو ساتھ ہمارے اور مت رہ ساتھ مکروں کے۔ کہا میں لگ رہوں گا کسی پہاڑ کو، کہ بھالے گا مجھ کو

مِنَ الْمَاءِ ۚ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَزَحَهُ ۚ وَحَالٌ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ

پانی سے فی کہا کوئی بھالے والا نہیں آج اللہ کے حکم سے مگر جس پر وہی رحم کرے اور حامل ہوگی دونوں میں موج پانی سے۔ بولا، کوئی بھالنے والا نہیں آج اللہ کے حکم سے، مگر جس پر وہ مہر کرے، اور بچ آ پڑی دونوں میں موج،

### فَكَانَ مِنَ الْمَغْرُقِيْنَ ﴿۱۸﴾

پھر ہو گیا ڈوبنے والوں میں ۱۸

سورہ گیا ڈوبنے والوں میں۔

۱۵ = یعنی مقدر ہو چکا ہے کہ وہ ظالموں کے زمرہ میں داخل ہونے کی وجہ سے غرق کئے جائیں گے ﴿وَلَا تَحْطِطُنِي فِي الْاٰلِئِنَّ ظَلَمْتُوْۤا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ﴾ اس سے مراد ہے نوح کا بیٹا "یام" جس کا لقب کنعان تھا اور کنعان کی والدہ "داملہ" گھر والوں میں سے یہ دونوں ٹھہر رہے اور غرق ہوئے۔ فی یعنی اسی مرد یا کم و بیش۔

۱۶ نوح علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا کہ بنام خدا اٹھی پر سوار ہو جاؤ، کچھ لگومت کرو اس کا پہنا اور ٹھہرنا سب خدا کے اذن و حکم اور اس کے نام کی برکت سے ہے۔ غرقابی کا کوئی اندیشہ نہیں۔ میرا پروردگار مومنین کی کوتاہیوں کو معاف کرنے والا اور ان پر بے حد مہربان ہے۔ وہ اپنے فضل سے ہم کو صحیح سلامت اتارے گا۔ اس آیت سے لگتا ہے کہ نوحی وغیرہ پر سوار ہوتے وقت "بِسْمِ اللّٰهِ" کہنا چاہیے۔

۱۷ یعنی نوحی پہاڑ جیسی موجوں کو چیرتی پہاڑی بے خوف و خطر بلی جا رہی تھی۔ سوار ہونے کے بعد نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے "یام" (کنعان) کو جو اپنے بھائی وغیرہ سارے کنبہ سے کنارے ہو کر کالروں کی صحبت میں تھا، آواز دی کہ ان بد بخت کافروں کی معیت چھوڑ کر ہمارے ساتھ سوار ہو جا! تاکہ اس مصیبت نوحی سے نجات پاسکے۔

(تفسیر) یا تو نوح علیہ السلام اسے مومن خیال کرتے تھے، اس لیے آواز دی خواہ واقعہ میں مومن نہ ہو یا کافر جانتے ہوں مگر یہ توقع ہوگی کہ ان ہولناک فطانات کو دیکھ کر مسلمان ہو جائے گا۔ "یا" واهلك کے معنی میں داخل سمجھ کر شفقت پداری کے جوش سے ایسا کیا ہو، اور "الامن سبق علیہ القول" کو جمل ہونے کی وجہ سے اس پر منطبق نہ سمجھتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

۱۸ وہ اپنے جہل و طہات سے ابھی یہ خیال کر رہا تھا کہ جس طرح معمولی سیلابوں میں بعض اوقات کسی بلندی پر چڑھ کر آدمی جان بھالیتا ہے، میں بھی کسی =

## تمہ قصہ نوح علیہ السلام متعلق بہ طوفان

﴿وَأَوْحِي إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ...﴾... فَكَانَ مِنَ الْمُسْرِئِينَ ﴿

رہلہ:..... جب کفار اپنے شبہات اور اعتراضات کا کافی اور شافی جواب سن چکے اور حضرت نوح علیہ السلام کے جوابات قاہری کی تاب نہ لا سکے تو دوسرا رنگ اختیار کیا ظلم اور تعدی اور ایذا رسانی اور دشنام طرازی پر اتر آئے۔

چو حجت نماند جفا جوئے را بہ پر خاش برہم کھد روئے را  
کبھی ان کو دیوانہ اور مجنون کہتے اور کبھی ان کو زمین پر لٹا کر ان کا گلہ گھونٹتے یہاں تک کہ وہ بیہوش ہو جاتے جب  
نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو نوح علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں شکایت کی۔ ﴿وَقَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ۚ إِنِّي لَا تَكْتُمُ عَلَيَّ الْآيَاتِ وَمِنَ الْكٰفِرِينَ ۙ ذٰلِكَ اِنْ شَاءَ رَبِّي لَآيَةً ۙ اَلَا تَرٰ اَنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ۙ﴾ اس پر نوح علیہ السلام کی تسلی کے لیے یہ وحی نازل ہوئی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب نوح علیہ السلام کو عطف و نصیحت کرتے ایک زمانہ دراز گزر گیا اور ان پر کچھ اثر نہ

ہوا تو نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی گئی کہ اب تیری قوم میں سے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور کوئی نیا شخص ایمان نہیں لایگا۔ پس وہ جو کچھ ظلم و ستم کر رہے ہیں آپ اس سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوئے۔ اور ان کی مخالفت اور عداوت کی پرواہ نہ کیجئے جس عذاب کا یہ لوگ مذاق اڑا رہے ہیں۔ اس کا وقت نزدیک آ گیا ہے جو ان شریروں کا اور ان کی شرارتوں کا ایک لخت خاتمہ کر دینا دعوت اور حجت کا وقت اب ختم ہوا اور نزول عقوبت اور سزا کا وقت قریب آ گیا اور اے نوح علیہ السلام! اب کمر ہمت باندھ لیجئے اور ہماری نظروں کے سامنے ہمارے حکم کے مطابق کشتی بناؤ ہم تم کو بتلائیں گے کہ کشتی کس طرح بنائی جاتی ہے کیونکہ اس سے قبل کشتی کا وجود ہی نہ تھا اور ﴿يٰۤاٰتِيۤنَا﴾ کا مطلب یہ ہے کہ بے فکر ہو کر کشتی تیار کرو ہماری نظر ہائے عنایت و حفاظت ہر طرف سے تم کو اور تمہاری کشتی کو محیط ہوں گی جس کے ذریعے سے تم اور تمہارے قبیعین طوفان سے محفوظ رہیں گے۔

طوفان کے وقت اصل محافظ ہماری نظر عنایت ہوگی۔ لہذا جب کشتی تیار ہو جائے تو تم ہمارا نام لیکر اس میں سوار ہو جانا اور ہماری نظر عنایت پر نظر رکھنا کشتی پر اعتماد نہ کرنا۔ ہماری حفاظت اور نظر عنایت کے بغیر کشتی بذات خود کسی کو نہیں بچا سکتی اور یہ سن لو کہ ان ظالموں کے بارے میں بمقتضائے شفقت و مرحمت عذاب دفع ہونے کی مجھ سے کوئی درخواست نہ کرنا بلاشبہ یہ غرق کیے جائیں گے۔ ان کی غرقابی کا حکم قطعی ہے اور آپ علیہ السلام کی بھی یہی دعا اور التجا تھی۔ ﴿وَرَبِّ لَا تَذَرُنِي ۙ عَلَي ۙ الْاَرْضِ مِنۢ بَعْدِ ۙ اَلْكَافِرِيۡنَ ۙ ذٰلِكَ اِنْ شَاءَ رَبِّي ۙ لَآيَةً ۙ﴾ لہذا نزول عذاب کے وقت بمقتضائے شفقت و رحمت کوئی دعا اور التجا کے خلاف ہو۔ ہماری بارگاہ سے ان ظالموں کی غرقابی کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نجا نہیں تھے اور کشتی بنانا نہیں جانتے تھے۔ اس لیے عرض کیا کہ اے خدا میں کس طرح کشتی

اے بے پناہ پر چڑھ کر ہاں نکالوں گا۔

۵۵ یعنی کس جگہ میں بڑا ہے۔ یہ معمولی سیلاب نہیں۔ عذاب الہی کا طوفان ہے۔ پہاڑ کی کما حقیقت کوئی چیز آج مذاب سے نہیں بھا سکتی ہاں خدا ہی کسی بدرم کرے تو بچ سکتا ہے مگر اس بلا کا دار و گیر اور مقام انعام میں کلمہ جرموں بدرم کیسا؟ ہاپ بیٹے کی نظر پوری نہ ہوئی تھی کہ ہانی کی ایک موج نے درمیان میں مال ہو کر مہلہ کے لیے دونوں کو ہٹا کر دیا۔

بناؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم بنوادیں گے۔ پس بحکم خداوندی تیشہ لے کر لکڑی تراشنا شروع کی تو برابر ٹھیک بنتی چلی جاتی تھی۔ اور اس طرح وہ کشتی بناتے تھے اور ان کی قوم کے سرداروں میں کوئی جماعت جب ان پر گزرتی تو ان کے ساتھ تمسخر کرتی۔ اور یہ کہتی کہ اے نوح علیہ السلام پہلے تو تم پیغمبر تھے اور اب بڑھئی ہو گئے اور دریا سے دور خشک بیابان میں کشتی تیار کر رہے ہو۔ اتنی بڑی کشتی خشکی سے کھینچ کر دریا میں کیسے لے جاؤ گے۔ تم جنون ہو گئے ہو نیز خشکی میں کشتی کی ضرورت کیا۔ بلا ضرورت کس لیے کشتی بناتے ہو جہاں دور دور پانی کا نام و نشان نہ ہو وہاں کشتی بنانا بالکل عبث ہے۔ ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس سے پہلے لوگوں نے کشتی دیکھی بھی نہ تھی۔ اور نہ اس کے استعمال کے طریقے سے واقف تھے اس لیے تعجب کرتے اور قہقہے لگاتے اور کہتے کہ اے نوح علیہ السلام تم اس کو کیا کرو گے نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو ہم بھی تم پر تمسخر کریں گے جیسا کہ تم ہم پر ہنتے ہو وہ ہنتے تھے اس بات پر کہ خشکی پر کشتی بنائی جا رہی ہے کیا یہ کشتی خشکی پر چلے گی اور نوح علیہ السلام اس بات پر ہنتے تھے کہ یہ لوگ اپنے انجام سے بے خبر ہیں موت ان کے سر پر کھڑی ہے۔ ان کو معلوم نہیں کہ کس طرح زمین سے پانی اہل پڑے گا اور یہی خشکی تری بن جائے گی۔ اور ان کو غرق کر ڈالے گی۔ سو عن قریب جانا لو گے کہ وہ کون ہے کہ جس پر دنیا میں ایسا عذاب آیا جا چاہتا ہے جو اس کو رسوا کرے گا۔ یعنی غرق ہوگا جسے دیکھ کر لوگ ہنسیں گے اور اس دنیاوی عذاب کے علاوہ آخرت میں اس پر ایک دائمی عذاب نازل ہوگا۔ جو کبھی اس سے دور نہ ہوگا۔ غرض یہ کہ اسی طرح سوال و جواب اور تمسخر کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ جب عذاب کے متعلق ہمارا حکم آپہنچا اور اس کی ابتداء اس طرح سے ہوئی کہ روٹی پکانے کا تنور جوش مارنے لگا۔ یعنی اس میں سے پانی ابلنے لگا جو مقدمہ طوفان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو عذاب آنے کی یہ نشانی بتادی تھی کہ جب اس تنور میں سے پانی پھوٹنے لگے تو ہم اہل ایمان کو لیکر کشتی پر سوار ہو جانا و ہذا قول الحسن رحمہ اللہ وقالہ مجاہد و عطیہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ (دیکھو تفسیر قرطبی، ص: ۳۳)

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محققین کا قول یہی ہے کہ تنور سے یہی روٹی پکانے کا تنور مراد ہے جس سے خلاف عادت پانی ابلنے لگا اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ تنور سے صبح مراد ہے مگر اکثر مفسرین کے نزدیک مختار یہی ہے کہ تنور سے ظاہری معنی مراد ہیں اس لیے کہ تنور کے یہ معنی حقیقی اور معروف و متبادر ہیں۔ اور دوسرے معنی مجازی ہیں اور جب لفظ حقیقت اور مجاز کے درمیان دائرہ ہو تو بالا جماع اس کو حقیقت پر محمول کرنا اولیٰ ہے حق تعالیٰ جل شانہ نے حضرت نوح علیہ السلام سے یہ فرما دیا تھا۔ کہ جب تنور سے پانی ابلتے دیکھو تو کشتی میں سوار ہو جانا یہ علامت تھی طوفان شروع ہونے کی۔

چنانچہ جب عذاب کی علامت ظاہر ہوئی کہ تنور ابلنا شروع ہوا اور زمین کے چشمے رواں کر دیئے گئے اور آسمان سے شدت پانی برسنا شروع ہوا۔ کما قال تعالیٰ: ﴿فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّثَمَرٍ ۖ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا﴾۔ تو ہم نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ ہر قسم کے جانوروں میں سے جو انسان کے لیے کارآمد ہیں اور پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے دو وعدہ جوڑا یعنی ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ کشتی میں اپنے ساتھ لاد لو اور اپنے اہل و عیال کو جو ایمان والے ہیں ان کو بھی کشتی میں سوار کر لو مگر ان لوگوں کو مت سوار کرنا جن کی غرقابی اور ہلاکت کے متعلق قضا و قدر جاری ہو سکتی ہے۔ اور اہل و عیال کے علاوہ ان لوگوں کو بھی سوار کر لیجئے جو ایمان لائے ہیں اور نہیں ایمان لائے تھے ان کے ساتھ مگر تھوڑے اشخاص جن کی تعداد

اسی تھی پس حضرت نوح علیہ السلام نے حسب الحکم ان کو کشتی میں سوار کیا اور فرمایا کہ سوار ہو جاؤ اس کشتی میں اور غرق کا اندیشہ مت کرو کیونکہ اس کا چلنا اور ٹھہرنا سب اللہ ہی کے نام کی برکت سے ہے۔ بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا سب اس کی رحمت اور اس کے نام کی برکت سے ہے نجات کا دار و مدار اس کی رحمت پر ہے۔ یہ کشتی اس کا ظاہری سبب ہے۔ لہذا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھو نہ کہ کشتی پر اور بعض علماء تفسیر یہ فرماتے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰهِ مَتَجْرَہَا وَ مَرْسَہَا۔ مستقل جملہ نہیں بلکہ ماقبل سے حال واقع ہے اور مطلب یہ ہے کہ کشتی میں بسم اللہ پڑھتے ہوئے سوار ہو۔ چنانچہ وہ لوگ مع ضروری جانوروں کے اس کشتی میں سوار ہو گئے اور اس اثناء میں پانی بہت بڑھ گیا۔ اب وہ کشتی ان کو لے کر پہاڑ جیسی موجوں میں چل رہی تھی یعنی پانی اس قدر کثیر تھا کہ اس کی موجیں اور لہریں پہاڑ کی مانند بلند تھیں مقصود یہ ہے کہ طوفان نہایت شدید تھا مگر یہ کشتی انہی موجوں میں اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت اور نظر رحمت کے ساتھ اہل ایمان کو سکون، اطمینان کے ساتھ لیکر چل رہی تھی جس میں کسی قسم کا اضطراب نہ تھا پانی اور ہوا کے تھپڑوں کا کشتی پر کوئی اثر نہ تھا اور اسی اثناء میں کشتی چلے سے پہلے نوح علیہ السلام نے اپنے سگے یا سوتیلے بیٹے کو آواز دی جس کا نام کنعان تھا اور وہ کشتی سے علیحدہ تھا۔

اور اس وقت کشتی رواں تھی اور پانی چڑھا آتا تو بمقتضائے شفقت پدری آواز دی اور یہ کہا اے میرے چھوٹے بیٹے خدا را ایمان لے آ اور کشتی میں ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت رہ یعنی ان بد بخت کافروں کی معیت کو چھوڑ اور ہمارے ساتھ سوار ہو جاتا کہ اس مصیبت عظمیٰ سے تو نجات پاسکے۔ شفقت پدری کی بناء پر نصیحت فرمائی کہ یہ آخری وقت ہے اگر اس وقت بھی ایمان لے آیا تو غرق سے بچ جائے گا۔ بیٹا بولا کہ مجھے کشتی کی ضرورت نہیں میں عنقریب کسی بلند پہاڑ پر ٹھکانا لوں گا۔ جو مجھ کو پانی میں غرق ہونے سے بچالے گا یہ وقت ابتداء طوفان کا تھا پانی پہاڑوں پر نہیں پہنچتا تھا اس لیے اس نے یہ کہا۔ نوح علیہ السلام کو گمان یہ تھا کہ شاید اس قہر عام کو دیکھ کر بیٹا ہوش میں آ جائے دنیا کی پریشانی اور میرا سکون اور اطمینان اس کی نظروں کے سامنے ہے فرق کو دیکھ لے اور سمجھ لے مگر غفلت کا پردہ اتنا سخت تھا بیٹا ہوش میں نہ آیا اور خیال کیا کہ پہاڑ کی چوٹی مجھ کو غرق ہونے سے بچالے گی۔ نوح علیہ السلام نے کہا کہ اس خیال کو دماغ سے نکال دے یہ کوئی معمولی سیلاب نہیں یہ اللہ کا قہر ہے جس میں اسباب عادیہ اور تدابیر مادیہ کارگر نہ ہوں گی۔ آج کے دن اللہ کے قہر سے کوئی چیز بچانے والی نہیں مگر جس پر خدا رحم کرے وہی بچ سکتا ہے پہاڑ بھی تو اللہ ہی کے حکم کے تابع ہے وہ بغیر حکم خداوندی کسی کو کیسے پناہ دے سکتا ہے اللہ کی تقدیر پر محکم جاری ہو چکی ہے کہ اس عذاب سے بچے گا کوئی نہیں۔

غرض یہ کہ یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ پانی کا روز اس کی طرف بھی بڑھ گیا اور ان دونوں باپ اور بیٹے کے درمیان موج حائل ہو گئی اور اس طرح ان کی گفتگو ختم ہوئی۔ پس ہو گیا وہ بیٹا غرق ہونے والوں میں سے اور کافروں کے ساتھ بیٹا بھی غرق ہوا۔

جمہور علماء اسلام اور اہل کتاب کا قول یہ ہے کہ طوفان عام تھا جہاں پر آیا اور اس کی بعد دنیا میں صرف نوح علیہ السلام کی نسل جاری ہوئی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

۱- ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ﴾ یعنی طوفان نوح کے بعد ہم نے صرف نوح علیہ السلام کی اولاد کو باقی رکھا۔ اور

باقی سب کو غرق کر دیا اور جو لوگ نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے صرف انہوں نے نجات پائی اور آئندہ کو جو نسل چلی وہ نوح علیہ السلام کی اولاد سے چلی اس وجہ سے نوح علیہ السلام کو آدم ثانی علیہ السلام کہتے ہیں۔

۲- اور حضرت نوح علیہ السلام کی یہ دعا ﴿وَرَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا ۙ وَلَا تَكُنْ لِي كَالْعَصِيِّ ذَلَّالًا﴾۔ یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ طوفان تمام اہل زمین کے لیے تھا اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ طوفان صرف نوح علیہ السلام کی قوم کے حق میں تھا۔ کیونکہ ان کی بعثت صرف اپنی قوم کے لیے تھی اس لیے یہ طوفان اس خطہ تک محدود تھا جہاں ان کی قوم آباد تھی، عام نہ تھا۔ بعض شہر اس طوفان سے بچ گئے تھے یہ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا انقلاب نہیں آیا جس سے از سر نو دنیا کی آبادی کی ضرورت ہوئی ہو۔

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ سلف اور خلف میں سے کسی کا یہ قول نہیں کہ طوفان صرف حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے حق میں تھا اور یہود کے باطل اقوال کا اعتبار نہیں اور نوح علیہ السلام کی بعثت اگرچہ عام نہ تھی صرف اپنی قوم کے ساتھ مخصوص تھی مگر اس وقت ان کی قوم اور ان کی امت ہی کل اہل زمین اور اہل جہان کا مصداق تھی اور ان کی امت ہی سارا جہان اور ساری دنیا تھی موجودہ دنیا کی طرح ساری زمین آباد نہ تھی جیسے آدم علیہ السلام کی ذریت تھی وہی ان کی امت تھی۔ اس طرح تمام اہل زمین حضرت نوح علیہ السلام کی قوم تھی مطلب یہ ہوا کہ اس زمانہ میں جہاں تک دنیا آباد تھی وہاں تک طوفان آیا جو سب کو عام اور شامل تھا۔ جس سے سوائے نوح علیہ السلام کے اور اہل ایمان کے کوئی نہیں بچا غرض کہ تمام زمین کی چیزیں غرق ہو گئیں اور صرف نوح علیہ السلام اور وہ لوگ جو کشتی میں ان کے ساتھ سوار تھے زندہ رہے اور طوفان کے بعد دنیا از سر نو آباد ہوئی۔ آج کل کے مدعیان تحقیق یہ کہتے ہیں کہ اسی آدمیوں سے دنیا کا آباد ہونا محال نظر آتا ہے ان نادانوں کو یہ خبر نہیں کہ یہ ساری دنیا صرف حضرت آدم علیہ السلام اور حوا سے آباد ہوئی ہے۔ کبھی یہ کہتے ہیں کہ ایسے عظیم انقلاب کا دنیا کی تاریخوں میں ذکر نہیں۔ ان نادانوں کو یہ معلوم نہیں کہ تاریخ میں جن واقعات کا ذکر ہے وہ نہایت قلیل ہیں اور جو واقعات پیش آئے وہ لاکھوں اور کروڑوں ہیں جن کے ذکر سے تاریخ خالی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ نوح علیہ السلام کی بعثت عام تھی اور تمام اہل زمین کے لیے تھی تو جاننا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت تمام اہل زمین کے لیے ہر زمانہ میں ہے اور قیامت تک رہے گی اور حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اسلام سب اہل زمین کے لیے صرف ان کے زمانہ تک محدود تھی بعد میں باقی نہ رہی اور ہمارے نبی اکرم ﷺ کی نبوت اور بعثت اور دعوت تمام اہل زمین کے لیے ہے ہر زبان میں ہر مکان میں اور اسی طرح تا قیامت باقی رہے گی۔ (عزیزی: ۳۷۳)

الغرض جمہور مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہ طوفان عام اور عالمگیر تھا۔ سوائے اہل کشتی کے کوئی متنفس اس جانناہ عذاب سے جانبر نہیں ہوا۔ اور قرآن مجید کی آیات اور اشارات سے بھی یہی معلوم اور مفہوم ہوتا ہے کہ وہ طوفان عام تھا اور تمام جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا کاشتی میں سوار کرنا یہ بھی اسی طرف اشارہ کر رہا ہے کیونکہ اگر طوفان عام نہ ہوتا تو جانوروں کے سوار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ دوسرے مقامات پر تو جانور موجود ہی تھے جو لوگ طوفان کے عام ہونے کے منکر ہیں کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ واقعہ طوفان قانون فطرت کے خلاف ہے اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ قانون طبیعت کے خلاف ہے۔ خوب

سمجھ لو کہ یہ سب منکرانہ دعوے ہیں جن پر کوئی دلیل نہیں اور اس قسم کی باتوں سے کسی چیز کا محال ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

وَقِيلَ يَا اَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَسْبَأْ اَقْلَبِي وَغِيضَ الْمَاءِ وَقُصِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ

اور حکم آیا اے زمین نکل جا اپنا پانی اور اے آسمان تم جا اور سکھا دیا مچھ پانی اور ہو چکا کام اور کشتی ٹھہری اور حکم آیا، اے زمین! نکل جا اپنا پانی، اور اے آسمان! تم جا، اور سکھا دیا پانی، اور ہو چکا کام! اور کشتی ٹھہری

عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۱۳﴾

جودی پہاڑ پر اور حکم ہوا کہ دور ہو قوم ظالم فی!

جودی پہاڑ پر، اور حکم ہوا دور ہوں قوم بے انصاف۔

### قصہ فرو شدن طوفان

قَالَ تَعَالَى: ﴿وَقِيلَ يَا اَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ... اِلَى... بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾

ربط: ..... یہاں تک اس طوفان کی آمد کا بیان تھا۔ اب اس کے خاتمہ کا بیان ہے کہ کفار نابخوار غرق ہوئے اور اہل ایمان صحیح سالم رہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جب اصحاب سفینہ کے سوا تمام لوگ جن کے حق میں نوح علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ ﴿وَرَبِّ لَا تَذَرْنَا عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ كَذَابًا﴾ وہ سب غرق ہو گئے اور کافروں میں زمین پر بسنے والا کوئی باقی نہ رہا۔ تو خداوند قدوس کی طرف سے زمین کو حکم دیا گیا کہ اے زمین تو اپنا پانی نکل جا اور آسمان کو یہ حکم دیا کہ اے آسمان تو پانی برسانے سے رک جا پھر کیا مجال تھی کہ آسمان اور زمین اس کے حکم کی تعمیل میں ایک لمحے کی تاخیر کرتے۔ چنانچہ زمین نے اپنے اوپر کا تمام پانی چوس لیا اور آسمان نے پانی برسانا بند کر دیا اور پانی کم کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ خشک کر دیا گیا۔ اور قوم نوح کا قصہ تمام ہوا۔ اور جو کافر اور منکر تھے ان میں سے کوئی ایک دیار بھی باقی نہ رہا۔ اور اہل ایمان نے نجات پائی اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا اور کشتی صحیح سلامت جودی پہاڑ پر جا کر ٹھہر گئی۔ جو موصل کے قریب واقع ہے اور یہ محرم کی دسویں تاریخ تھی۔ نوح علیہ السلام نے اللہ کے شکر میں اس دن کا روزہ رکھا کہ اس مبارک دن میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نجات دی اور کفار نابخوار کو از اول تا آخر غرق کیا اور

فی ایک مدت تک اس قدر پانی برسا گیا آسمان کے دہانے نکل گئے اور زمین کے ہر دے بھٹ گئے۔ درخت اور پہاڑیاں تک پانی میں چھپ گئیں۔ اصحاب سفینہ کے سوا تمام لوگ جن کے حق میں نوح علیہ السلام نے دعا کی تھی ﴿وَرَبِّ لَا تَذَرْنَا عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ كَذَابًا﴾ غرق ہو گئے۔ اس وقت خداوند قدوس نے زمین کو حکم دیا کہ اپنا پانی نکل جا اور بادل کو فرمایا کہ تم جا پھر کیا مجال تھی کہ دونوں اس کے امتثال حکم میں ایک لمحے کی تاخیر کرتے۔ چنانچہ پانی خشک ہوا شروع ہو گیا کشتی "جودی" پہاڑ پر جا لگی جو بعض کے نزدیک موصل میں تھا۔ اور جو کام خدا نے چاہا (یعنی جبرئیل کو سزا دینا) وہ پورا ہو چکا۔ ظالموں کے حق میں کہہ دیا گیا کہ خدا کی رحمت سے دور ہو کر ہمیشہ کے لیے مصیبت و ملامت کے غار میں پڑے رہو۔

(تنبیہ) اس میں اختلاف ہے کہ "طوفان نوح" تمام دنیا میں آیا یا خاص ملکوں میں۔ اس کے فیصلہ کا یہاں موقع نہیں۔ مگر یاد رہے کہ "داڑی المعارف" میں بعض محققین یورپ کے ایسے اقوال و دلائل نقل کیے ہیں جو عموم طوفان کی تائید کرتے ہیں۔ جو لوگ عام طوفان کے قائل ہیں، ان میں سے اکثر کے نزدیک موجودہ دنیا کے کل انسان نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں "سام"، "عام"، "یاث" کی اولاد ہیں۔ ﴿وَوَجَعَلْنَا لِكُلِّ بَلَدٍ لِّغَةً﴾ طوفان سے جو بچے اور حیوانات ہلاک ہوئے، ان کا مالک بطور تعذیب نہ تھا بلکہ جیسے خدا دوسرے اسباب طبعیہ کے ذریعہ سے ان پر موت وارد کرتا ہے اور وہ قلم نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہاں ان کی موت اس ذریعہ سے واقع ہوئی آخر اب بھی جو سیلاب اور طوفان آتے ہیں ان میں کتنے جانور اور بچے ہلاک ہو جاتے ہیں۔

منادی کر دی گئی کہ لعنت اور پھٹکار ہو ظالم قوم کے لئے جنہوں نے حق اور اہل حق کے ساتھ بے انصافی کی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو نیست و نابود کیا اور اپنی رحمت سے دور کیا۔

علماء تفسیر رحمۃ اللہ علیہم نے لکھا ہے کہ یہ آیت عجیب اسرار بلاغت اور دلائل اعجاز پر مشتمل ہے جس کی تفصیل کتب تفسیر میں ہے چونکہ اہل علم اور اہل فن ہی ان اسرار و لطائف کو سمجھ سکتے ہیں اس لیے ہم نے ان کے بیان سے پہلو تہی کی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ف

در بیان و در فصاحت کے بود یکساں سخن  
گرچہ گویندہ بود چوں حافظ و چوں اصمعی  
در کلام ایزد بے چوں کہ وحی منزل است  
کے بود تبت یداء ماند یا ارض ابلعی !

وَكَأذَى نُّوحٍ رَبُّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ

اور پکارا نوح نے اپنے رب کو کہا اے رب میرا بیٹا ہے میرے گھر والوں میں اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو اور پکارا نوح نے اپنے رب کو، بولا، اے رب! میرا بیٹا ہے میرے گھر والوں میں، اور تیرا وعدہ سچ ہے، اور تیرا حکم

الْحَكِيمِينَ ﴿۱۵﴾ قَالَ يُنُوْحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۖ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا

سب سے بڑا حاکم ہے فرمایا اے نوح وہ نہیں تیرے گھر والوں میں اس کے کام میں خراب سو مت پوچھ مجھ سے جو سب سے بہتر۔ فرمایا، اے نوح! وہ نہیں تیرے گھر والوں میں۔ اس کے کام میں ناکارہ۔ سو مت پوچھ مجھ سے جو

لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۗ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ

تجھ کو معلوم نہیں میں نصیحت کرتا ہوں تجھ کو کہ نہ ہو جائے تو جاہلوں میں ۱۶ بولا اے رب میں پناہ لیتا ہوں تیری اس سے کہ تجھ کو معلوم نہیں۔ میں نصیحت کرتا ہوں تجھ کو، کہ ہو جاوے تو جاہلوں میں۔ بولا، اے رب! میں پناہ لیتا ہوں تیری اس سے کہ

۱۵ نوح علیہ السلام نے یہ کس وقت عرض کیا، کنعان کے غرق ہونے سے پہلے یا غرق ہونے کے بعد، دونوں احتمال ہیں۔ نیز کنعان کو اس کی منافقانہ او سماع و اطوار دیکھ کر غلامی سے مومن کبھ رہے تھے یا کافر سمجھتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں یہ گزارش کی۔ دونوں باتوں کا امکان ہے۔ اگر مومن کبھ کر غرقابی سے پہلے عرض کیا تھا تو مقصود اپنی اضطرابی کیفیت کا اظہار اور خدا سے کہہ کر اس کے بچاؤ کا انتقام کرنا تھا۔ اگر غرقابی کے بعد یہ گفتگو ہوئی تو محض معاملہ کی اصل حقیقت معلوم کرنے کی عرض سے اپنا غم یا اشکال پیش کیا۔ یعنی خداوند! تو نے میرے گھر والوں کو بچانے کا وعدہ کیا تھا۔ اور کنعان مومن ہونے کی وجہ سے هٰذَا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ کے استثناء میں بظاہر داخل نہیں۔ پھر اس کی غرقابی کا راز کیا ہے؟ بلاشبہ آپ کا وعدہ سچا ہے۔ کسی کو یہ خیال نہیں گزر سکتا کہ معاذ اللہ وعدہ غلامی کی ہو۔ آپ احکم الحاکمین اور شہنشاہ مطلق ہیں۔ کبھ میں آئے یا نہ آئے کسی کو حق نہیں کہ آپ کے فیصلہ کے سامنے دم مار سکے، یا آپ کو وعدہ غلامی پر مجبور کر سکے۔ فقط غلامی المینان کے لیے بطریق استعلاء و استفسار اس واقعہ کا راز معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ جواب ملایا ان گھر والوں میں سے نہیں جن کے بچانے کا وعدہ تھا۔ بلکہ هٰذَا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ میں شامل ہے۔ کیونکہ اس کے عمل خراب ہیں۔ تم کو اس کے کفر و شرک کی خبر نہیں۔ مقام تعجب ہے کہ پیغمبرانہ فرست کی روشنی میں سرخ آٹا کافر کے ہاں جو ایک کافر کا مال مشتبہ ہے۔ جس شخص کا واقعی مال تمہیں معلوم نہیں اس کے بارے میں ہم سے ایسی نامناسب رعایت یا اس طرح کی کیفیت مت طلب کرو۔ مقررین کو لائق نہیں کہ وہ بے سوچے سمجھے ادب ناشاس جاہلوں کی ہی باتیں کرنے لگیں۔ آیت کی یہ تقریر اس صورت =



أَسْأَلُكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَلَا تَغْفِرَ لِي وَتَرْحَمَنِي أَكُنْ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴿۴۰﴾

پوچھوں تجھ سے جو معلوم نہ ہو مجھ کو فی اور اگر تو نہ بخشے مجھ کو اور رحم نہ کرے تو میں ہوں نقصان والوں میں ﴿۴۰﴾  
پوچھوں تجھ سے جو معلوم نہ ہو مجھ کو۔ اور اگر تو نہ بخشے مجھ کو اور رحم نہ کرے، تو میں ہوں خرابی والوں میں۔

دعا نوح علیہ السلام کے لئے نجات پسرخود و جواب باری تعالیٰ

قَالَ تَبَّالَّذِينَ هُوَ كَاذِبٌ تُوخَّ رَبُّهُ... اَلِ... أَكُنْ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴿۴۰﴾

اور نوح علیہ السلام نے بیٹے کے غرق ہونے سے پہلے حسرت و لجاجت کے ساتھ اپنے پروردگار کو پکارا کہ شاید اس کی شان ربوبیت سے بیٹے کی نجات کی کوئی صورت نکل آئے پس عرض کیا کہ اے میرے رب تحقیق یہ میرا بیٹا جو ہلاکت کے کنارے پر کھڑا ہے میرے اہل و عیال اور گھر والوں میں سے ہے جن کی نجات کا تو نے وعدہ کیا ہے اور بلاشبہ تیرا وعدہ حق اور صدق ہے۔ پس آپ میرے بیٹے کو غرق ہونے سے بچا لیجئے اور آپ تو سب سے بڑے حاکم ہیں۔ آپ کے حکم کو کون توڑ سکتا ہے یا ٹلا سکتا ہے۔

اللہ جل شانہ نے فرمایا اے نوح علیہ السلام بے شک ہمارا وعدہ حق ہے مگر تیرا بیٹا حقیقت میں تیرے اہل میں سے نہیں ہے جن کے بچانے کا ہم نے وعدہ کیا ہے کیونکہ تحقیق وہ ناشائستہ اور سرتاپا ناپاکارہ ہے یعنی کافر ہے اور ﴿وَالَّذِينَ سَبَقُوا الْقَوْلَ﴾ میں داخل ہے اور ہمارے یہاں اہلیت کا دار و مدار قرابت دین پر ہے نہ کہ قرابت نسبی پر، اور ہم نے شروع ہی میں تم سے یہ کہا تھا کہ ﴿وَالَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ اِنَّهُمْ مُنْكَرُونَ ﴿۴۰﴾ وہ اشارہ اسی کی طرف تھا۔ حکم چونکہ مجمل اور عام تھا لیکن بمقتضائے شفقت پوری تم کو اس کے عموم سے ذہول اور نسیان ہوا اس لیے تم بھولے سے یہ سوال کر بیٹھے پس آئندہ سے تم مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کرنا جس کا تم کو علم نہ ہو۔ تحقیق میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ نادانوں میں سے نہ ہو جانا ایسی دعا مانگنی نادانی کی بات ہے اللہ کی مرضی اور منشاء کو دیکھ کر سوال کرنا چاہیے نوح علیہ السلام نے ظاہری اور نسبی قرابت کی بناء پر یہ خیال کیا

میں ہے کہ نوح علیہ السلام کنعان کو مومن سمجھتے ہوں اور اگر کافر سمجھتے تھے تو شاید اس درخواست یا سوال کا منشاء یہ ہو کہ "انجاء" کے ذکر میں "اہل" ہو چونکہ امام مومنین سے الگ کر کے بیان فرمایا تھا، اس سے نوح علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ میرے اہل کو اس دنیاوی مذاہب سے محفوظ رکھنے کے لیے ایمان شرط نہیں اور ﴿وَالَّذِينَ سَبَقُوا الْقَوْلَ﴾ مجمل تھا۔ اس لیے اس کے مصداق کی تعیین نہیں کر سکے۔ بناء علیہ شفقت پوری کے جوش میں عرض کیا کہ اَللّٰهُمَّ اَمِّرَا بِنَا بِنَا قِنَا مِیْرَةَ اہل میں داخل ہے جس کے بھالے کا آپ وعدہ فرما چکے ہیں پھر یہ کیوں غرق کیا جا رہا ہے یا غرق کر دیا گیا۔ جواب ملا کہ تمہارا پہلا مقدمہ ﴿وَالَّذِينَ سَبَقُوا الْقَوْلَ﴾ لہذا ہے۔ جس اہل کے بھالے کا وعدہ تھا اس میں یہ داخل نہیں۔ کیونکہ اس کے کثرت بہت خراب ہیں نیز ﴿وَالَّذِينَ سَبَقُوا الْقَوْلَ﴾ کے مصداق کا تم کو کچھ علم نہیں کہ وہ کون لوگ ہیں۔ پھر جس چیز کا علم تم نہیں رکھتے اس کی نسبت ایسے مجاہد کے رنگ میں سوال یا درخواست کرنا تمہارے لیے لہیا نہیں۔

۱۔ حضرت ثناء صاحب رحمہ اللہ سمجھتے ہیں کہ آدمی وہی پوچھتا ہے جو معلوم نہ ہو۔ لیکن مرضی معلوم ہوتی ہے۔ یہ کام ہاہل کا ہے کہ بڑے کی مرضی پوچھنے کی نہ دیکھے، پھر پوچھے۔ "مرضی میں وہی ہے؟" اسے ہم لاءہ گزشتہ میں بیان کر چکے ہیں۔

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام مالپ لھے اور توہ کی لیکن یہ نہ کہا کہ پھر ایمان کروں گا کہ اس میں دعویٰ لکھا ہے۔ بندہ کو کیا مقدمہ ہے۔ چاہیے اس کی پناہ مانگنے کہ مجھ سے پھر دو اور دل میں عزم نہ کر لے گا کہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام و میرہ کی توہ کے جو الفاظ قرآن میں نقل ہوئے ہیں ان میں یہی ادب ملحوظ رہا ہے۔

کہ میرا بیٹا بھی میرے اہل میں سے ہے اس لیے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے مطلع کر دیا کہ وہ آپ کے اہل سے نہیں نبی کے اصل اہل وہ لوگ ہیں جو نبی پر ایمان لائے اور ایمان لا کر اس کی پیروی کی۔ اس بارگاہ میں جسمانی نسبت کا اعتبار نہیں بلکہ ایمانی نسبت کا اعتبار ہے۔

امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے کافر ہونے کی خبر نہ تھی۔ خبر ہوتی تو وہ یہ سوال نہ کرتے۔

امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ پسر نوح علیہ السلام کے بارے میں علماء کے تین قول ہیں۔

(قول اول) وہ منافق تھا مگر نوح علیہ السلام کو اس کے نفاق کا علم نہ تھا۔ ظاہر کے اعتبار سے اس کو مومن سمجھ کر آواز دی کہ کافروں کا ساتھ چھوڑ دے اور ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جاؤ ﴿لَبِئْسَ الَّذِي كَفَرَ﴾ کا یہ مطلب ہے کہ جب تو کافر نہیں تو پھر ان کے ساتھ کیوں ہے۔ (تفسیر کبیر: ۵/۶۲) اور اسی کو امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۹/۳۵)

(قول دوم) نوح علیہ السلام کو معلوم تھا کہ کنعان کافر تھا مگر غرق ہونے سے پہلے اس کو اس لیے آواز دی کہ شاید ہولناک نشانات کو دیکھ کر ہوش میں آجائے اور ایمان لے آئے اور حق جل شانہ سے اس عرض و معروض ﴿وَرَبِّ اِنَّ اِيْتِي مِنْ اٰهْلِكَ﴾ ابلغ کا منشاء بھی یہی ہو کہ اے پروردگار یہ میرا بیٹا اگرچہ بوجہ عدم ایمان کے مستحق نجات نہیں۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو آپ اس کو مومن کر سکتے ہیں تاکہ یہ بھی اس وعدہ حقہ کا مورد اور مستحق بن سکے اور نجات پا جائے۔ (تفسیر کبیر: ۵/۶۲)

(قول سوم) شفقت پداری نے اس سوال اور استدعاء پر آمادہ کیا ہو اور یہ گمان کیا کہ اللہ نے میرے گھر والوں کے بچانے کا وعدہ فرمایا ہے جن میں بظاہر بیٹا داخل ہے اور ﴿اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ﴾ کا استثناء مجمل اور مبہم ہے۔ ممکن ہے کہ بیٹا اس میں داخل نہ ہو۔ (تفسیر کبیر: ۵/۶۲)

بہر حال نوح علیہ السلام کا یہ سوال شفقت پداری کی بناء پر تھا اور دعا کرتے وقت بیٹے کے کفر کا صحیح حال معلوم نہ تھا۔ جیسا کہ ﴿فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ اس پر دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ وہ ﴿اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ﴾ میں داخل ہے اور نصیحت فرمادی کہ مقررین کے شایان شان نہیں کہ وہ بے سوچے سمجھے ادب ناشناس جیسے بے ادب جاہلوں کی سی باتیں کرنے لگیں۔

موسیا	آداب	داناں	دیگر	اند
سوختہ	جاناں	روانا	دیگر	اند

نوح علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار تحقیق میں تجھ سے پناہ پکڑتا ہوں کہ آئندہ تجھ سے ایسی بات کا سوال

● قال الامام القرطبي قوله ولا تكن مع الكافرين اي لا تكن ممن لست منهم لانه كان عنده مؤمنافي ظنه ولم يك نوح يقول رب انا ابني من اهلي الا وذلك اذ محال ان يسال هلاك الكفار ثم يسال في انجاء بعضهم وكان ابنه يسير الكفر ويظهر الايمان فاخبر الله تعالى نوحا بما هو منفرد به من علم الغيوب اي علمت من حال ابنك ما لم تعلم انت وقال الحسن كان منافقا ولذا استحل نوح ان يناديه۔ (تفسیر قرطبی: ۹/۳۵)

کروں جس کا مجھ کو علم نہ ہو۔ نوح علیہ السلام کو یہ ڈر ہوا کہ لاعلمی میں ایسی بات کا سوال نہ کر بیٹھوں کہ جو تقدیر ازلی اور علم الہی اور منشاء خداوندی کے خلاف ہو اس لیے توبہ استغفار کی۔ اور اے پروردگار اگر تو نے مجھے یہ ترک ادب نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں ٹوٹا اٹھانے والوں میں ہو جاؤں گا یہ شان نبوت تھی کہ لاعلمی میں جو درخواست کر گزرے تھے۔ اس پر عتاب آیا تو کانپ اٹھے اور گڑ گڑانے لگے۔ اور توبہ اور استغفار کرنے لگے۔ مقررہاں راجعاً بود حیرانی۔

قِيلَ يَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ مِّمَّنْ مَعَكَ ۗ وَأُمَّمٌ

حکم ہوا اے نوح! اترا سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ تجھ پر اور ان فرقوں پر جو تیرے ساتھ ہیں اور دوسرے فرقے ہیں کہ حکم ہوا اے نوح! اترا سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ تجھ پر اور کچھ فرقوں پر تیرے ساتھ والوں میں۔ اور کچھ فرقوں کو

سَنُنَبِّئُهُمُ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۸﴾ تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا

فانہ دیں گے ان کو پھر پہنچے گا ان کو ہماری طرف سے عذاب دردناک فل یہ باتیں منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں کہ ہم بھیجتے ہیں فانہ دیں گے۔ پھر پہنچے گی ان کو ہماری طرف سے دکھ کی مار۔ یہ بعضی خبریں ہیں غیب کی، کہ ہم بھیجتے ہیں

إِلَيْكَ ۗ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا ۚ فَاصْبِرْ ۚ إِنَّ الْعَاقِبَةَ

تیری طرف نہ تھی نہ تجھ کو ان کی خبر تھی اور نہ تیری قوم کو اس سے پہلے فل سو تو صبر کر البتہ انجام بھلا ہے تیری طرف۔ ان کو جانتا نہ تھا تو، نہ تیری قوم اس سے پہلے۔ سو تو ٹھہرا رہ۔ البتہ آخر بھلا ہے

لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۹﴾

ڈرنے والوں کا

ڈر والوں کا۔

خاتمہ قصہ مشتمل بر بیان حکمت و ذکر استدلال بروحی نبوت

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿قِيلَ يَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِنَّا...﴾

ربط: ..... جب کشتی جو دی پہاڑ پر جا کر ٹھہر گئی اور پانی بھی اتر گیا تو اس وقت حکم ہوا کہ اے نوح اب کشتی سے اترو ہماری طرف سے سلام اور سلامتی کے ساتھ اور برکتوں کے ساتھ اور یہ سلامتی اور برکتیں تجھ پر مبدول ہوں گی اور ان لوگوں پر

فل یعنی کشتی سے "جو دی" پر۔ پھر "جو دی" سے زمین پر اترے۔ برکتیں اور سلامتی آئندہ ہم پر اور ان اقوام پر ہے گی جو تمہارے ساتھیوں سے پیدا ہونے والی ہیں۔ نبی الامان جو زمین طوفان سے بالکل اجوگئی ہے خدا دوبارہ آباد کر دے گا اور اس کی رونق و برکت پھر عود کر آئے گی۔ "سلامت" کے لفظ سے گویا حق تعالیٰ نے کئی فرمادی کہ پھر ہماری نوح انسانی پر قیامت سے پہلے ایسی ملامت نہ آئے گی، بلکہ بعضے فرقے ہلاک ہوں گے۔

فل یعنی یہ دلائل نبوت میں سے ہے کہ ایک امی کی زبان سے ام ساقہ کے ایسے مستند و مفصل واقعات سنوائے جائیں۔

فل جیسے نوح اور ان کے رفقاء کا انجام بھلا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کا مستقبل بھی نہایت تابناک اور کامیاب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نوح اور ان کے رفقاء کا انجام بھلا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کا مستقبل بھی نہایت تابناک اور کامیاب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نوح اور ان کے رفقاء کا انجام بھلا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کا مستقبل بھی نہایت تابناک اور کامیاب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نوح اور ان کے رفقاء کا انجام بھلا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کا مستقبل بھی نہایت تابناک اور کامیاب ہے۔

مبذول ہوں گی جو تیرے ہمراہیوں سے پیدا ہونگے یعنی تیرے ہمراہیوں کی مسلمان اولاد پر بھی ہماری سلامتی اور برکتیں مبذول ہونگی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ہمراہیوں کی مسلمان نسل کا بھی اس سلامتی اور برکت میں سے حصہ ملے گا۔ اور آئندہ نسلوں میں کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم ان کو دنیا میں چند روزہ بہرہ مند کریں گے۔ یعنی موت کے وقت تک دنیا میں ان کو رسائیں بسائیں گے۔ پھر آخرت میں ان کو ہماری طرف سے دوزخ کا دردناک عذاب پہنچے گا۔ ﴿وَأُمَّمُ سُنَّتِي عَلَيْهِمْ﴾ سے کافر امتیں مراد ہیں کہ ان کو دنیا میں عیش و آرام دیں گے اور پھر آخرت میں کفر و شرک کی وجہ سے عذاب میں پکڑے جائیں گے اور آخرت میں صرف ایمان اور عمل صالح نفع دے گا نسب کام نہ دے گا جیسا کہ کنعان کو بغیر ایمان اور عمل صالح کے نسب سے کوئی نفع نہ ہوا قریش مکہ کان کھول کر سن لیں۔

یہاں تک نوح ﷺ کا قصہ تمام ہوا اب اس قصہ کو ختم کر کے اس کے دو فائدے بیان کرتے ہیں ایک تو یہ کہ ایک امی کی زبان سے ام سابقہ کے ایسے مفصل اور مستند واقعات کا بیان اس کی نبوت کی دلیل ہے۔ دوم یہ کہ اس کی تسلی مقصود ہے کہ نوح ﷺ کی طرح آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے رفقاء کا انجام بہتر ہوگا۔

یہ قصہ نوح ﷺ مجملہ غیب کی خبروں کی ایک خبر ہے جس کو ہم بذریعہ وحی کے تجھ پر القاء کرتے ہیں اس قصہ کو ہمارے بتلانے سے پہلے نہ آپ ﷺ جانتے تھے نہ آپ ﷺ کی قوم جانتی تھی۔ اور کسی امر غیبی کی بذریعہ وحی اطلاع دینا یہ دلیل نبوت ہے۔ اور اگر اس واضح دلیل کے بعد بھی آپ ﷺ کو نبی نہ مانیں تو آپ ﷺ ان کی ایذا اور تکلیف دہ باتوں پر صبر کیجئے۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ نیک انجام خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہے۔ جیسا کہ نوح ﷺ اور ان کے اصحاب کو صبر کی برکت سے نیک انجام نصیب ہوا۔ اسی طرح آپ ﷺ بھی کافروں کی ایذاؤں پر صبر کریں۔ آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے رفقاء کا انجام بھی بہتر ہوگا۔

وَالِی عَادِ أَخَاهُمْ هُودًا ۖ قَالَ یَقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ ۗ اِنۡ اَنْتُمْ اِلَّا

اور عاد کی طرف ہم نے بیہا ان کے بھائی ہود کو بولا اے قوم ہندگی کرد اللہ کی کوئی تمہارا ماکم نہیں سوائے اس کے تم سب اور عاد کی طرف ہم نے بیہا ان کا بھائی ہود، بولا، اے قوم ا ہندگی کرد اللہ کی، کوئی تمہارا حاکم نہیں سوا اس کے۔ تم سب

مُفْتَرُونَ ﴿۱۰﴾ یَقَوْمِ لَا اَسْأَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ۗ اِنۡ اَجْرِیْ اِلَّا عَلٰی الَّذِیْ فَطَرَنِی ۗ اَفَلَا

جھوٹ کہتے ہو اے قوم میں تم سے نہیں مانگتا اس پر مزدوری میری مزدوری اسی پر ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا ۲ پھر کیا تم نہیں جھوٹ کہتے ہو۔ اے قوم ا میں تم سے نہیں مانگتا اس پر مزدوری۔ میری مزدوری اسی پر ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا۔ پھر کیا تم نہیں

تَعْمَلُونَ ﴿۱۱﴾ وَیَقَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوبُوا اِلَیْهِ یُرِیْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ

کہتے ۳ اور اے قوم گناہ بخشو اپنے رب سے پھر رجوع کرو اسی کی طرف ۴ چھوڑے گا تم پر آسمان سے بونجے۔ اور اے قوم ا گناہ بخشو اپنے رب سے، پھر رجوع لاؤ اس کی طرف، چھوڑ دے تم پر آسمان کی

۱ کہ ہجر کے بت "بھی ہا اظہار ماکم بلکہ مہود میں۔ سورہ "اعراف" میں "تم ہود" کا قصہ گزر چکا۔

مِّدَادًا وَيَزِدُّكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ﴿۵۶﴾ قَالُوا يَهُودُ مَا جِئْتَنَا

دھاریں فی اور زیادہ دے گا تم کو زور پر زور اور روگردانی نہ کرو گناہ گار ہو کر فی بولے اے ہود تو ہمارے پاس کوئی سند لے کر دھاریں، اور زیادہ دے تم کو زور پر زور، اور نہ پھرے جاؤ گنہگار ہو کر۔ بولے، اے ہود! تو ہم پاس کچھ سند سے

بَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۵۷﴾ اِنْ تَقُولُ اِلَّا

نہیں آیا اور ہم نہیں چھوڑنے والے اپنے ٹھا کروں (معبودوں) کو تیرے کہنے سے اور ہم نہیں تجھ کو ماننے والے فی ہم تو یہی کہتے ہیں کہ نہیں آیا، اور ہم نہیں چھوڑنے والے اپنے ٹھا کروں کو، تیرے کہے سے، اور ہم نہیں تجھ کو ماننے والے۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ

اِعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۗ قَالَ اِنِّىۤ اِنۡشَدُ اللّٰهَ وَاَشْهَدُوْا اِنِّىۤ اِنۡىۤ بَرِّىۤ ۗ رَبَّنَا

تجھ کو آسب پہنچایا ہے کسی ہمارے ٹھا کروں (معبودوں) نے بری طرح فی بولا، میں گواہ کرتا ہوں اللہ کو اور تم گواہ رہو کہ میں بیزار ہوں ان سے جن کو تجھ کو جھٹ لیا ہے کسی ہمارے ٹھا کروں نے بری طرح۔ بولا، میں گواہ کرتا ہوں اللہ کو، اور تم گواہ رہو کہ میں بیزار ہوں ان سے جن کو

تُنۡفِرُ كُوۡنَ ﴿۵۸﴾ مِنْ دُوۡنِهِۦ فَيَكۡيۡدُوۡنِىۡۤ اَبۡجِمَاعًا ثُمَّ لَا تَنْظِرُوۡنِ ﴿۵۹﴾ اِنِّىۤ اَتَوَكَّلُ عَلٰى اللّٰهِ رَبِّىۤ

تم شریک کرتے ہو اس کے سوا، سو برائی کرو میرے حق میں تم سب مل کر پھر مجھ کو مہلت نہ دو میں نے بھروسہ کیا اللہ پر جو رب ہے میرا شریک کرتے ہو۔ اس کے سوا، سو بدی کرو میرے حق میں سب مل کر، پھر مجھ کو فرصت نہ دو۔ میں نے بھروسہ کیا اللہ پر جو رب ہے میرا

فی یعنی تمہارے مال کی مجھے ضرورت نہیں۔ میرا پیداکر لے والا ہی تمام دیوادی ضروریات اور اخروی اجر و ثواب کا کلیل ہے یہ بات ہر ایک پیغمبر نے اپنی قوم سے کہی تاکہ نصیحت بے لوث اور موثر ہو۔ لوگ ان کی محنت کو دنیاوی طمع پر محمول نہ کریں۔

فی یعنی اس قدر طبیعت ہو، اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے کہ ایک شخص بے طمع بے غرض، غرض درد مندی اور غیر ظاہری سے تمہاری صلاح داریں کی بات کہتا ہے۔ تم اسے دشمن اور بدخواہ سمجھ کر دست درگیاں ہوتے ہو۔

فی اسی سورت کے شروع میں اسی جملہ کی تفسیر کر چکی۔

فی یعنی موقع بہ موقع طوب ہا پیش دے گا۔ وہ قوم چوکے گیتی، ہا لے لے سے بڑی دلچسپی رکھتی تھی اس لیے ایمان لانے کے ظاہری لوازم و برکات وہ بیان کیے جو ان کے حق میں خصوصی طور پر موجب ترغیب ہوں۔ لگتے ہیں کہ وہ لوگ تین سال سے خشک مالی اور اسماک ہاراں کی مصیبت میں گرفتار تھے۔ جو غلبہ السلام لے دے، کیا کہ ایمان لا کر خدا کی طرف رجوع کرو گے تو یہ مصیبت دور ہو جائے گی۔

فی یعنی مالی اور بدنی قوت بڑھائے گا، اولاد میں برکت دے گا۔ خوشحالی میں ترقی ہوگی، اور مادی قوت کے ساتھ روحانی و ایمانی قوت کا اعلا کر دیا جائے گا۔ بشریکہ مدد تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر اس کی اطاعت سے ہر مومن کی طرح روگردانی نہ کرو۔

فی یہ ان کی نگلی ہٹ دھری تھی جو کہتے تھے کہ آپ کوئی داعی خدا اور دلیل اپنی صداقت کی نہیں لائے۔ مدد اے پیغمبر ہی کے عہدہ پر لاء کرے، ضرور ہے کہ اس کو تکرر کی سند اور پرداد مقرر مانے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جو نبی مبعوث ہوا اس کے ساتھ ایسے داعی لٹان بھیجے گئے جس پر آدمی ایمان لانا چاہیں تو لاسکتے ہیں۔ اس لیے بالیقین کہا جاسکتا ہے کہ جو غلبہ السلام لے لٹان پیش کیے ہوں گے، مگر وہ لوگ ہٹ دھری اور بے حیائی سے یہی کہتے رہے کہ آپ کوئی کھلا ہوا

لٹان نہیں لائے (شاہد یہ مراد ہو کہ ایسا لٹان ملامتے جو سب کی گردنیں چوک کر ایمان لانے پر مجبور کر دے) بہر حال، ہم غرض تیرے کہنے سے اپنے مہمودوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ مذہبی تہری رسالت پر ایمان لاسکتے ہیں۔

فی یہ جو تم بھی بھیجی گئی تھیں کرتے ہو اور ہمارے جہان کو بیوقوف بنا کر اپنا دشمن بنا رہے ہو۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہمارے دیوتاؤں میں سے کسی نے آسب پہنچا کر تمہیں مجنون اور پاگل کر دیا ہے (العیاذ باللہ) تم جو ان کی عبادت سے روکتے اور برا بھلا کہتے تھے، انہوں نے اس گستاخی کی سزا دی کہ اب تم ہا کل دیوتاؤں کی

وَرَبِّكُمْ ۚ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۗ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۵۱﴾ فَإِنْ

اور تمہارا، کوئی نہیں زمین پر پاؤں دھرنے والا مگر اللہ کے ہاتھ میں ہے جوئی اس کی بیٹک میرا رب ہے سیدھی راہ پر فلا پھر اگر اور تمہارا۔ کوئی نہیں پاؤں دھرنے والا، مگر اس کے ہاتھ میں ہے جوئی اس کی۔ بے ٹک میرا رب ہے سیدھی راہ پر۔ پھر اگر

تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۗ وَلَا

تم منہ پھیرو گے تو میں پہنچا چکا تم کو جو میرے ہاتھ بھیجا تھا تمہاری طرف اور قائم مقام کرے گا میرا رب اور لوگ اور نہ تم پھر جاؤ گے تو میں پہنچا چکا جو میرے ہاتھ بھیجا تھا تم کو۔ اور قائم مقام تمہارے کرے گا میرا رب کئی اور لوگ۔ اور نہ

تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿۵۲﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ

بگاڑ سکو گے اللہ کا کچھ تحقیق میرا رب ہے ہر چیز پر نگہبان فلا اور جب پہنچا ہمارا حکم بچا دیا ہم نے ہود کو اور جو بگاڑ سکو گے اس کا کچھ۔ تحقیق میرا رب ہے ہر چیز پر نگہبان۔ اور جب پہنچا ہمارا حکم، بچا دیا ہم نے ہود کو، اور جو

أَمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا ۗ وَنَجَّيْنَاهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿۵۳﴾ وَتِلْكَ آيَاتُ الْبَآئِتِ

لوگ ایمان لائے تھے اس کے ساتھ اپنی رحمت سے اور بچا دیا ان کو ایک بھاری عذاب سے فلا اور یہ تھے عاد کہ منکر ہوئے اپنے رب کی یقین لائے تھے اس کے ساتھ اپنی مہر سے۔ اور بچا دیا ان کو ایک گاڑھی مار سے۔ اور یہ تھے عاد، منکر ہوئے اپنے رب کی

سی باتیں کرنے لگے۔

فلا یعنی وہ بے چاری پھری مورتیں تو مجھے کیا گزند پہنچا سکتیں، تم سب جو بڑے شذوڑ، تو مند اور طاقتور نظر آتے ہو اپنے دیوتاؤں کی فوج میں بھرتی ہو کر اور مجھ جیسے یکدہ تہا پر پوری قوت سے بیک وقت ناگہاں حملہ کر کے بھی میرا بال بیک نہیں کر سکتے۔ سنو میں خدا کو گواہ بنا کر اعلان کرتا ہوں اور تم سب بھی اس پر گواہ رہو کہ میں تمہارے جھوٹے دیوتاؤں سے قطعاً بیزار ہوں۔ تم سب جمع ہو کر جو برائی مجھے پہنچا سکتے ہو پہنچاؤ نہ ذرا کوتاہی کرو نہ ایک منٹ کی مجھے ہمت دو۔ اور خوب سمجھ لو کہ میرا بھروسہ خدا سے وعدہ لا شریک لہ ہے جو میرا رب ہے اور وہی تمہارا بھی مالک و حاکم ہے۔ گو بد فہمی سے تم نہیں سمجھتے۔ نہ صرف میں اور تم بلکہ ہر چھوٹی بڑی چیز جو زمین پر چلتی ہے خالص اس کے قبضہ اور تصرف میں ہے گویا ان کے سر کے بال اس کے ہاتھ میں ہیں۔ جدھر چاہے پکڑ کر کھینچے اور پھیر دے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے قبضہ اختیار سے نکل کر بھاگ جائے۔ نہ ظالم اس کی گرفت سے چھوٹ سکتے ہیں نہ سچے اس کی پناہ میں رہ کر سوا ہو سکتے ہیں۔ بلاشبہ میرا پروردگار عدل و انصاف کی سیدھی راہ پر ہے اس کے ہاں نہ ظلم ہے نہ بے موقع انعام، اپنے بندوں کو نیکی اور خیر کی جو سیدھی راہ اس نے بتلائی، بیٹک اس پر چلنے سے وہ ملتا ہے اور اس پر چلنے والوں کی حفاظت کرنے کے لیے خود ہر وقت وہاں موجود ہے۔

فلا یعنی ایسی صاف اور کھری کھری باتیں کن کر بھی نہ سناؤ گے تو اب میرا کچھ نقصان نہیں۔ میں فرض تبلیغ پوری طرح ادا کر چکا۔ تم اپنی لکڑی لکڑی ضرور ہے کہ اس قسم کی مٹ دھری اور تصعب و عناد پر آسمان سے عذاب آئے جو تم کو لاک کر ڈالے۔ خدا کی زمین تمہاری تباہی سے ویران نہ ہوگی۔ وہ دوسرے لوگوں کو تمہارے اموال و خیرہ کا وارث بنا دے گا۔ تمہارا قصہ ختم کر دینے سے یاد رکھو خدا کا یا اس کے پیغمبروں کا کچھ نہیں بگوانا۔ اس کا ملک خراب ہوتا ہے۔ جب وہ ہر چیز کا مخالف و گنہگار ہے تو ہر قابل حفاظت چیز کی حفاظت اور اس کے سامان کی حفاظت اپنی قدرت کا ملکہ سے کر دے گا۔

فلا یعنی سات رات اور آٹھ دن مسلسل آندھی کا طوفان آیا جیسا کہ سورۃ "اعراف" میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ مکان گر گئے چھتیس اڑ گئیں، درخت جو سے اکھڑ کر کہیں کے کہیں جا پڑے۔ ہو ایسی موسم تھی کہ آدمیوں کی ناک میں داخل ہو کر بچے سے نکل جاتی اور جسم کو پارہ پارہ کر ڈالتی تھی۔ اس ہولناک عذاب سے ہم نے ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو جو آخر میں چار ہزار تک پہنچ گئے تھے بالکل محفوظ رکھا اور ایمان و عمل صالح کی بدولت آخرت کے بھاری عذاب سے بھی ان کو نجات دے دی۔

رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿۱۰﴾ وَاتَّبَعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً

باتوں سے اور نہ مانا اس کے رسولوں کو اور مانا حکم ان کا جو سرکش تھے مخالف فی اور پیچھے سے آئی ان کو اس دنیا میں پھٹکار  
باتوں سے، اور نہ مانے اس کے رسول، اور مانا حکم ان کا جو سرکش تھے مخالف۔ اور پیچھے پائی اس دنیا میں پھٹکار،

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا إِنْ عَادَا كَفَرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا بُعْدًا لِعَادِ قَوْمِ هُودٍ ﴿۱۱﴾

اور قیامت کے دن بھی فی سن لو ماد مکر ہوئے اپنے رب سے سن لو پھٹکار ہے ماد کو جو قوم تھی ہود کی فی سن  
اور قیامت کے دن، سن رکھو! عاد مکر ہوئے اپنے رب سے، سن لو! پھٹکار ہے عاد کو جو قوم تھی ہود کی۔

### قصہ ہود علیہ السلام با قوم عاد

قَالَ تَعَالَى: ﴿وَالِی عَادِ أَخَاهُمْ هُودًا... اِلَى... لَا بُعْدًا لِعَادِ قَوْمِ هُودٍ﴾

ربط: ..... نوح علیہ السلام کے قصہ کے بعد دوسرا قصہ ہود علیہ السلام اور ان کی قوم "عاد" کا ہے جس میں قوم عاد کی ضلالت اور عذاب کا حال  
بیان فرمایا ہے یہ لوگ شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھے اور دولت و ثروت کی وجہ سے مغرور تھے۔ اور انبیاء علیہم السلام اور ان کے  
تبعین کا حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو دو خصوصیتیں عطا فرمائی تھیں  
ایک قوت و توانائی کما قال تعالیٰ: ﴿وَقَالُوا مَنْ آتَانَا مِنَّا قُوَّةٌ﴾۔ دوم یہ کہ ان کے بلاد نہایت سرسبز اور شاداب تھے  
یمن ان کا مسکن تھا۔ صاحب زراعت اور صاحب عمارت تھے۔

اس قصہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ قوم عاد، ہود علیہ السلام کی قریبی رشتہ دار تھی اور ہود علیہ السلام اسی قبیلے کے ایک فرد تھے مگر  
آخرت کے معاملہ میں قرابت نسبی کچھ کام نہ آئی۔ صرف ایمان کام آیا جیسے نوح علیہ السلام کے بیٹے کو نسب کام نہ آیا۔ چنانچہ فرماتے  
ہیں اور جس طرح ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اسی طرح ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے برادری کے بھائی  
ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا جو باعتبار نسب اور قرابت کے ان کے بھائی تھے اور قوم نوح علیہ السلام کی طرح قوم عاد بھی بت پرستی میں  
بتلا تھی۔ اور قوم نوح علیہ السلام کا انجام سن چکے تھے ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم صرف اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا  
کوئی تمہارا معبود نہیں مگر تم نے محض اپنے گمان سے ان بتوں کو خدا کا شریک ٹھہرا لیا اور ان کو معبود بنا لیا ہے۔ نہیں ہو تم اس

فی یعنی ان کے کھنڈرات کو چشم عبرت سے دیکھو کہ یہ وہ قوم "عاد" تھی جن کے بڑوں نے بہت طعرات سے اپنے پروردگار کی باتوں کا مقابلہ کیا اور اس کے  
پیغمبروں کی نافرمانی کی۔ اور چھوٹوں نے بڑے شیطانوں کی پیروی کی۔ آخر دونوں تباہ و برباد ہوئے۔ (تنبیہ) "رسالہ" شاید اس لیے فرمایا کہ ایک کی  
تکذیب سب پیغمبروں کی تکذیب ہے۔ کیونکہ توحید وغیرہ اصول دین میں سب متفق اور ایک دوسرے کے مصدق ہیں۔

فی یعنی خدا کی لعنت (پھٹکار) دنیا میں ان کے پیچھے لادی گئی کہ جہاں جائیں ساتھ جائے اور قیامت تک جہاں ان کا ذکر ہو لعنت کے ساتھ ہو، بلکہ قیامت کے  
بعد بھی وہ ان کا چھجھان چھوڑے گی۔ لعنت کا طوق ہمیشہ ان کے گلے میں بڑا رہے گا۔

فی بعض مفسرین نے کہا کہ قیامت کے دن یوں پکارا جائے گا۔ ﴿الْآلِی عَادَا كَفَرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا بُعْدًا لِعَادِ قَوْمِ هُودٍ﴾

(تنبیہ) "عاد" کے ساتھ "قوم ہود" کا لفظ یا تو اس لیے بڑھایا کہ دونوں کا تصور سننے والے کے دماغ میں ساتھ ساتھ آئے۔ یعنی "ہود" کا کیا  
مال تھا، اور یہ اسی کی قوم تھی جس کا مشرک ہوا۔ اور ممکن ہے اس پر تنبیہ کرنا ہو کہ "عاد" دو ہیں "اولی" اور "اخری"۔ اسی لیے ایک جگہ فرمایا ﴿وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادَا  
الْأُولَى﴾ یہاں "عاد اولی" مراد ہے جس کی طرف "ہود" مبعوث ہوئے تھے۔ واللہ اعلم۔

شرک اور بت پرستی کے خیال میں مگر نراجھوٹ بولنے والے یعنی یہ شرک اور بت پرستی تمہاری بنائی ہوئی بات ہے جس پر کوئی دلیل نہیں اے میری قوم میں تم سے اس تبلیغ و دعوت اور مخلصانہ نصیحت پر کوئی اجرت اور معاوضہ نہیں چاہتا۔ کسی پیغمبر نے اپنی قوم سے کوئی اجرت نہیں مانگی تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ نصیحت دنیوی غرض سے پاک ہے۔ میری مزدوری تو اللہ پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا وہی مجھ کو دنیا میں روزی دیتا ہے اور وہی آخرت میں ثواب دے گا جو اس کے جو دو کرم کے لائق ہے کیا تمہیں عقل نہیں کہ صادق اور کاذب اور حق اور باطل کے فرق کو سمجھ سکو۔ تم اس قدر غبی ہو کہ ایک بے غرض شخص کو جو تمہاری ہمدردی اور خیر خواہی میں تم کو فلاح دارین کی طرف بلاتا ہے اس کو تم اپنا دشمن سمجھ کر اس سے دست و گریبان بنے ہوئے ہو اے میری قوم میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے دلوں سے کفر اور معصیت کی ظلمت دور کرنے کے لیے اپنے پروردگار کے سامنے استغفار کرو یعنی ایمان لاؤ۔ اور کفر اور شرک سے معافی مانگو پھر اللہ کی اطاعت اور عبادت کی طرف رجوع کرو اور اس استغفار اور توبہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تم پر برسنے والا بادل بھیجے گا یعنی بارش برسائے گا جس سے تمہارا قحط دور ہوگا۔ قوم عاد کا ملک نہایت سرسبز اور شاداب تھا۔ کھیتی اور باغوں اور مویشی کی کثرت تھی قوم عاد نے جب ہود علیہ السلام کی دعوت کو رد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو قحط میں مبتلا کیا اور تین سال ان سے بارش کو روک لیا۔ ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم کفر اور شرک سے توبہ کرو تو خدا تعالیٰ تم پر بارش نازل کرے گا اور تمہاری شادابی کو پھر لوٹا دے گا۔ اور تم کو قوت پر قوت دے گا یعنی تمہاری موجودہ قوت میں اور اضافہ کرے گا۔ یہ لوگ بڑے قوی تھے اس لیے اور زیادہ قوت کا وعدہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مالی اور بدنی قوت بڑھا دے گا۔ اور مال اور اولاد میں برکت دے گا اور مجرم اور ہٹ دھرم بن کر پیغام الہی سے انحراف نہ کرو بالفرض اگر مجرم پر کوئی عذاب بھی نہ آئے تو فوائد اور منافع سے محرومی تو یقینی ہے وہ بد بخت بولے اے ہود علیہ السلام تم ہمارے پاس کوئی روشن دلیل نہیں لائے جو تمہارے دعوے کی صحت پر دلالت کرے انکا یہ کہنا صریح جھوٹ اور عناد تھا ہود علیہ السلام براہین قاطعہ اور آیات مبینات لے کر آئے مگر عناد کی بنا پر ان معجزات کو شمار میں نہ لائے اور کہنے لگے کہ ہم تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور ہم تو کسی طرح تیری بات ماننے والے نہیں۔ ہم تیرے بارے میں کچھ نہیں کہتے مگر یہ کہ ہمارے بعض خداؤں نے تجھ کو کسی برائی اور خرابی میں مبتلا کر دیا ہے۔ یعنی ہمارے کسی خدا نے تجھ کو مجنون اور دیوانہ بنا دیا ہے جس سے تو خلاف عقل باتیں کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی کی پھشکار تجھ پر پڑ گئی ہے اس وجہ سے تو یہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے تیرا اس قسم کی بہکی ہوئی باتیں کرنا ہمارے بتوں کی شان میں گستاخی کی سزا ہے ہود علیہ السلام نے ان کے جواب میں کہا کہ تم ان بتوں کو نفع اور ضرر دینے والا خیال کرتے ہو تحقیق میں گواہ بنانا ہوں اللہ کو اور تم بھی گواہ ہو کہ میں بری اور بیزار ہوں سوائے خدا کے ان سے جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ یعنی خدا کے سوا سب سے بیزار ہوں۔ پس اگر تم ان بتوں کو نفع اور ضرر دینے والا خیال کرتے ہو تو سب مل کر میرے ہلاک کرنے کی تدبیر کر لو۔ پھر مجھ کو مہلت بھی نہ دو۔ معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے خداؤں میں کتنی قوت اور طاقت ہے اور جب تم سب مل کر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو یہ پتھر کے بت میرا کیا بگاڑ سکیں گے لہذا تمہارا یہ کہنا کہ تم پر ان بتوں نے کچھ کر دیا۔ یہ خود تمہارے دیوانہ پن کی دلیل ہے ہود علیہ السلام کا یہ کہنا بھی ایک معجزہ تھا کسی شان و شوکت والی قوم کے سامنے ایسا کلمہ منہ سے نکالنا بغیر تائید خداوندی ناممکن ہے چونکہ ہود علیہ السلام کو خدا نے تعالیٰ پر کامل بھروسہ تھا اس لیے



فرمایا تحقیق میں نے بھروسہ کیا اللہ تعالیٰ پر جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے اس لیے میں نے اپنا کام اسی پر چھوڑ دیا تم سب اسی کے تصرف میں ہو۔ روئے زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی پیشانی اس کے ہاتھ میں نہ ہو پیشانی کے بال پکڑنا یہ کمال قدرت و تصرف کی تمثیل ہے یعنی ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے بغیر اس کے مشیت کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ تحقیق میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے جو اس پر بھروسہ کرتا ہے اس کو سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ پس اگر اس بیان واضح کے بعد بھی تم صراط مستقیم سے اعراض کرو تو تمہارے اس اعراض سے مجھے اپنے حق میں کوئی ڈر نہیں کیونکہ تحقیق میں نے تم کو یہ پیغام پہنچا دیا ہے جو دیکر تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ میں بری الذمہ ہو گیا اور تم پر رحمت پوری ہو گئی اب اگر تم حق کو نہیں مانو گے تو اللہ تم کو ہلاک کر دے گا اور تمہارا قصہ ختم کر دے گا اور میرا پروردگار دوسری قوم کو تمہاری جگہ آباد کرے گا جو تمہارے دیار اور اموال کے مالک بنیں گے۔ اور تم اس کفر اور اعراض سے خدا کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکو گے۔ اپنا ہی کچھ بگاڑو گے۔ بے شک میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے ہر چیز اس کے حفظ اور علم میں ہے جو جس کے لائق ہو وہی اس کو پہنچاتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ وہ اپنے دوستوں کی دشمنوں سے حفاظت کرتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ حفاظت اللہ کا کام ہے اور یہ بت تو اپنی بھی حفاظت نہیں کر سکتے۔ اس ارشاد سراپا اشارہ سے اشارہ اس طرف تھا کہ اب عذاب کا وقت آ پہنچا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب ہمارا حکم عذاب آ پہنچا تو ہم نے ہود علیہ السلام اور ان لوگوں کو جو ان کے ہمراہ ایمان لائے تھے باصرصر کے عذاب سے بچالیا اور یہ نجات دینا محض ہماری رحمت اور مہربانی کے سبب سے تھا اور وہ ایمان جو اس نجات کا ظاہری سبب بنا وہ بھی ہماری توفیق اور عنایت سے تھا لہذا کسی کو اپنے نیک عمل پر گھمنڈ نہ کرنا چاہئے اور ہم نے ان کو سخت عذاب سخت آندھی سے بچالیا۔ قوم عاد پر آٹھ دن اور سات رات متواتر آندھی چلی جس نے ان کے اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہود علیہ السلام کے ساتھ جو اخیر میں چار ہزار تک پہنچے تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے اس عذاب سے محفوظ رکھا۔

تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عذاب دنیوی ہو یا اخروی کو بغیر ایمان کے اس نے نجات نہیں ملتی اور ایمان کیا ہے؟

پنجنبر خدا کی پیروی اور اس کی کفش برداری۔

یہاں تک قوم عاد کا قصہ بیان ہوا۔ اب آگے اہل عرب کو خطاب کرتے ہیں تاکہ عبرت پکڑیں اور یہ قوم جس پر عذاب نازل ہوا قوم عاد تھی۔ اور یہ ان کے اجڑے ہوئے مکان اور ان کی تباہی اور بربادی کے نشان اور کھنڈر تمہارے سامنے ہیں۔ اس قوم نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش اور عناد کرنے والے کے حکم کی پیروی کی خدا کے رسولوں کی اتباع اور پیروی کو اپنے لیے عار سمجھا اور ظالموں اور سرکشوں کی پیروی کو اپنے لیے عزت جانا۔ ان لوگوں نے اگرچہ صرف ہود علیہ السلام کا انکار کیا مگر وہ درحقیقت تمام رسولوں کا انکار تھا۔ کیونکہ تمام رسول رسالت میں باہم یکساں ہیں۔ اور توحید وغیرہ اور اصول دین میں سب متفق ہیں۔ اس لیے ایک پنجنبر کی نافرمانی سب پنجنبروں کی نافرمانی کو مستلزم ہے۔ اور ان کے ان افعال کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی لعنت ان کے پیچھے پیچھے ہوگی۔

مطلب یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں لعنت کبھی ان سے جدا ہوگی۔ پس اے اہل عرب! تم ان کے حال سے عبرت

پکڑو۔ خبردار ہو جاؤ کہ قوم عاد نے اپنے رب کا کفر کیا۔ سن لو کہ پھٹکار ہے قوم عاد کو جو ہود کی قوم تھی۔ عاد و قوموں کا نام ہے (اول) وہ کہ جن کی طرف ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ یہ لوگ بت پرست تھے اور نہایت قوی اور مہیب ڈیل ڈول کے مغرور آدمی تھے۔ اس قوم کو عاد اولی کہتے ہیں۔ (دوم) وہ عاد جن کی طرف صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے اور شداد، مردود و مطرود، اور لقمان علیہ السلام مقرب و مقبول وغیرہ اسی قوم میں سے تھے اس قوم کو عاد ثانیہ کہتے ہیں۔ یہ قصہ عاد اولی کا تھا۔ اب آئندہ رکوع میں عاد ثانیہ کا بیان کرتے ہیں۔

وَالِی مُؤَدَّ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ یَقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهِ غَیْرُوْهُ ۗ

اور ثمود کی طرف بھیجا ان کا بھائی صالح فل بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی حاکم نہیں تمہارا اس کے سوا اور ہمود کی طرف بھیجا ان کا بھائی صالح۔ بولا، اے قوم! بندگی کرو اللہ کی، کوئی حاکم نہیں تمہارا اس کے سوا۔

هُوَ الَّذِیْ بَنٰی لَکُم مِّنْ اَرْضٍ وَّاسْتَعْمَرَ کُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تَوْبُوْا اِلَیْهِ ۗ اِنَّ رَّبِّیْ

اسی نے بنایا تم کو زمین سے فل اور بسایا تم کو اس میں سو گناہ بخشواد اس سے اور رجوع کرو اس کی طرف تحقیق میرا رب اسی نے بنایا تم کو زمین سے، اور بسایا تم کو اس میں، سو بخشواد اس سے، اور اس کی طرف آؤ۔ تحقیق میرا رب

قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ﴿۱۱﴾ قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا اَتَنْهٰنَا اَنْ نَّعْبُدَ مَا

زدیک ہے قبول کرنے والا فل بولے اے صالح تجھ سے تو ہم کو امید تھی اس سے پہلے کیا تو ہم کو منع کرتا ہے کہ پرستش کریں جن کی زدیک ہے، قبول کرنے والا۔ بولے، اے صالح! تجھ پر ہم کو امید تھی اس سے پہلے، تو ہم کو منع کرتا ہے کہ پوجیں جن کو

یَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا وَاِنَّا لَفِیْ شَکٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ مُرِیْبٌ ﴿۱۲﴾ قَالَ یَقَوْمِ اَرَاۤءَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ

پرستش کرتے رہے ہمارے باپ دادے، اور ہم کو شبہ ہے اس میں جس کی طرف تو بلا تا ہے ایسا کہ دل نہیں مانتا فل بولا اے قوم بھلا دیکھو تو اگر پوجتے رہے ہمارے باپ دادے، اور ہم کو شبہ ہے اس میں جس طرف بلاتا ہے، ایسا کہ دل نہیں ٹھہرتا۔ بولا، اے قوم! بھلا دیکھو تو، اگر

فل ان کا قصہ "اعراف" میں گزر چکا۔

فل یعنی اول آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر زمین سے فدا میں پیدا کیں جن سے نطفہ وغیرہ بنتا ہے جو مادہ ہے آدمی کی پیدائش کا۔

فل یعنی پیدا کر کے باقی رکھا۔ بقاء کا سامان کیا۔ زمین کے آباد کرنے کی ترکیبیں بتلا میں۔ تدابیر الہام فرمائیں، جب وہ ایسا منعم و محن ہے تو چاہیے آدمی اسی کی طرف ایمان و طاعت کے ساتھ رجوع کرے اور کفر و شرک وغیرہ جو گناہ کر چکا ہے ان کی معافی چاہے، وہ ہم سے بالکل زدیک ہے، ہر بات خود سنتا ہے اور جو توہ اور استغفار صدق دل سے کیا جائے اسے سن کر قبول کرتا ہے۔

فل یعنی تم سے امید تھی کہ آگے مل کر بڑا فاضل اور نیک مرد ہو گا جس کو معزز بزرگوں کا ہائیں سمجھ کر قوم سر پر بٹھائے گی۔ تیری بیٹائی سے رشد و صلاح کے آثار ہو یاد تھے۔ سب کو توقع تھی، کہ مستقبل قریب میں بڑا فائدہ تجھ سے ملے گا۔ راستے و تدبیر، صلاح و مشورہ سے اپنے قوی بھائیوں کی راہنمائی اور نہایت قوت قلب کے ساتھ آہائی مذہب کی حمایت و تائید کرے گا۔ یہ درست ہے کہ ابتداء سے تم کو بت پرستی بغض تھی اور عام قوی مذہب سے الگ تھلک رہتا تھا، تاہم تیری سمجھ اور فطری قابلیت پر اعتماد کر کے ہم کو امید رہی کہ آگے مل کر عقل و جرہ کی عقلی کے بعد یہ روش ندر ہے گی۔ لیکن افسوس یک ایک تو ایسی باتیں کرنے لگا جس نے تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ تو نے ہمارے آہاد و اجداد کے قدیم مذہب کے خلاف علانیہ جہاد شروع کر کے سب توقعات خاک میں ملادیں۔ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ ہم ایک خدا کو لے کر سارے پرانے دیوتاؤں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک بزرگوں کی روش کے خلاف ایسا مسلک اختیار کرنا سخت شہ کی چیز ہے جسے =

عَلَىٰ بَيْتِهِ مِن رَّبِّي وَأَتَنَّبِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ فَمَا

مجھ کو مجھ مل گئی اپنے رب کی طرف سے اور اس نے مجھ کو دی رحمت اپنی طرف سے پھر کون بھائے مجھ کو اس سے اگر اس کی نافرمانی کروں فی سوتم  
مجھ کو سو جمل گئی اپنے رب سے، اور اس نے مجھ کو دی مہر اپنی طرف سے، پھر کون میری مدد کرے اللہ کے سامنے، اگر اس کی ہے حکمی کروں۔ سوتم

تَرِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ۝ وَيَقَوْمِ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ

کچھ نہیں بڑھاتے میرا سوائے نقصان کے فی اور اے قوم یہ اونٹنی ہے اللہ کی تمہارے لیے نشانی سو چھوڑ دو اس کو کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں  
کچھ نہیں بڑھاتے میرا، سوائے نقصان۔ اور اے قوم! یہ اونٹنی ہے اللہ کی تم کو نشانی۔ سو چھوڑ دو اس کو، کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں،

وَلَا تَمْسُوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ۝ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ مَمْتَعُوا فِي دَارِكُمْ

اور مت ہاتھ لگاؤ اس کو بری طرح پھر تو آپکڑے گا تم کو عذاب بہت جلد پھر اس کے پاؤں کاٹے تب کہا فائدہ اٹھا لو اپنے گھروں میں  
اور نہ چھیڑو اس کو بری طرح، تو پکڑے گا تم کو عذاب نزدیک کا۔ پھر اس کے پاؤں کاٹے، تب کہا، برت لو اپنے گھروں میں

ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۚ ذٰلِكَ وَعَدُّ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ۝ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا

تین دن یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہ ہوگا فی پھر جب پہنچا حکم ہمارا بچا دیا ہم نے صالح کو اور جو ایمان لائے  
تین دن۔ یہ وعدہ ہے جھوٹا نہ ہوگا۔ پھر جب پہنچا حکم ہمارا، بچا دیا ہم نے صالح کو، اور جو یقین لائے

مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَمِن خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝ وَأَخَذَ الَّذِينَ

اس کے ساتھ اپنی رحمت سے اور اس دن کی رسوائی سے فی بیک تیرا رب وہی ہے زور والا زبردست فی اور پکڑ لیا ان  
اس کے ساتھ، اپنی مہر کر کر، اور اس دن کی رسوائی سے۔ تحقیق تیرا رب وہی ہے زور آور زبردست۔ اور پکڑا ان

ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جُوعِينَ ۚ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۚ آلَا إِنَّ ثَمُودًا

ظالموں کو ہولناک آواز نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے بڑے ہوئے جیسے کبھی رہے ہی نہ تھے وہاں فی سن لو ثمود  
ظالموں کو چنگھاڑنے، پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے بڑے۔ جیسے کبھی رہے نہ تھے ان میں۔ سن لو! ثمود

= ہمارا دل کسی طرح نہیں مانتا۔ "موضح القرآن" میں ہے۔ "یعنی ہونہار لگتا تھا کہ باپ دادے کی راہ روشن کرے گا تو لگتا مٹانے۔"

فی یعنی تمہارے ملک دشمنی اور جہ سے میں ایک صاف راستہ کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ خدا نے مجھ کو مجھ کو دی اور اپنی رحمت عظیمہ سے منصب پیغمبری عطا کیا۔ اب اگر  
فرض کیجئے میں اس کی نافرمانی کرنے لوگوں اور جن چیزوں کے پہنچانے کا حکم ہے نہ پہنچاؤں تو مجھ کو اس کی سزا سے کون بھالے گا۔

فی یعنی بھائے اس کے کہ اپنے بچے خیر خواہ اور دشمن کی قدر کرتے مجھے لراض و دعوت و تبلیغ سے رک جانے کا مشورہ دے کر ناقابل حلانی نقصان پہنچانا چاہتے  
ہو۔ بعض سلت نے اس جملہ کا مطلب یہ لیا ہے کہ تمہاری لنگو سے مجھ میں کوئی چیز نہیں بڑھتی بجز اس یقین کے کہ تم اپنا سخت نقصان کر رہے ہو۔ مگر سیاق کے  
مناسب پہلے معنی میں۔

فی حضرت صالح علیہ السلام سے قوم نے معجزہ طلب کیا تھا۔ وہ انہیں دکھلا دیا۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل اور الفاظ کی تشریح سورۃ "اعراف" میں آنے لگی ہے۔  
کے حکم پر گزر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

فی یعنی جب حکم عذاب پہنچا تو ہم نے صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو بھادیا۔ اور کہا ہے سے بھادیا؟ اس دن کی رسوائی سے؟ (وَمِن خِزْيِ يَوْمِئِذٍ) =

## كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ اَلَا بُعْدًا لِّلشُّمُودِ ﴿۱۱﴾

منکر ہوئے اپنے رب سے سن لو! پھٹکار ہے شموذ کو!

منکر ہوئے اپنے رب سے۔ سن لو! پھٹکار ہے شموذ کو۔

### قصہ صالح علیہ السلام با قوم شموذ

قَالَ تَعَالَى: ﴿وَالِیُّ شُّمُودَ اٰخَاهُمْ صَالِحًا... اِلٰی... اَلَا بُعْدًا لِّلشُّمُودِ﴾

رابطہ:..... اب یہ تیسرا قصہ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم شموذ کا ہے اور حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کے درمیان سو برس کا فاصلہ ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام کی امت کو عباد اولیٰ کہتے ہیں اور حضرت صالح علیہ السلام کی امت کو عباد ثانیہ کہتے ہیں۔ جس کا نام شموذ ہے اور حجر میں جو شام اور مدینہ منورہ کے درمیان ہے ریا کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور قوم شموذ کی طرف ہم نے اس کے نسبی اور خاندانی بھائی صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ صالح کو انکا بھائی اس لحاظ سے کہا کہ وہ اسی خاندان اور قبیلہ کے ایک فرد تھے۔ قرابت <sup>۱</sup> نسبی کے اعتبار سے ان کو بھائی کہا انہوں نے اپنی قوم سے یہ فرمایا اے میری قوم تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا۔ کیونکہ آدم علیہ السلام کا جسم زمین سے بنایا پھر آدم علیہ السلام سے سب آدمی پیدا ہوئے اس لفظ سے حق تعالیٰ کی کمال قدرت کو بیان فرمایا اور اس لفظ میں اجمالی اشارہ اس طرف تھا کہ جس طرح ایک انسان کامٹی سے پیدا ہونا ممکن ہے اسی طرح ایک حیوان (یعنی ناقہ) کا ایک پتھر سے پیدا ہونا بھی ممکن ہے اور زمین سے پیدا کرنے کے بعد تم کو زمین میں آباد کیا یا یہ معنی ہیں کہ تمہاری عمریں دراز کیں حاصل یہ کہ حق تعالیٰ نے کمال قدرت سے تم کو جو عطا فرمایا اور تمہاری حیات اور بقاء کا سامان پیدا کیا پس اس منعم حقیقی سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرو یعنی ایمان لاؤ پھر ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ تحقیق میرا پروردگار اہل توبہ اور اہل استغفار سے قریب ہے اور ان کی توبہ و استغفار کا قبول کرنے والا ہے۔ قوم کے لوگ بولے اے صالح! تو اس دعوائے نبوت اور دعوائے توحید سے پہلے ہونہار معلوم ہوتا تھا۔ امید لگا یا گیا تھا یعنی تیری فراست اور متانت کو دیکھ کر یہ امیدیں لگی ہوئی تھیں کہ تو قوم کا ماویٰ اور بچا بنے گا مگر تیری ان باتوں نے ہماری امیدوں پر پانی پھیر دیا تو نے ہمارے آباء و اجداد کے قدیم مذہب کے خلاف علم جہاد بلند کر دیا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ موضع القرآن میں لکھتے ہیں "یعنی ہونہار لگتا تھا کہ باپ دادا کی راہ روشن کریگا، تو لگا مٹانے"۔ بھلا

"تَجَبُّنَا" کی شرح و تفصیل ہے؟

۱۱ یعنی جسے چاہے ہلاک کر دے اور جسے چاہے بچا دے۔

۱۲ یعنی بے نام و نشان ہو گئے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں ان بد مذہب آیا اس طرح کہ رات کو بڑے سوتے تھے فرشتے نے چنگھاڑ ماری سب کے جگر پھٹ گئے بعض آیات میں "رَجْفَةً" کا لفظ آیا ہے۔ یعنی "زلزلہ" یا "کھجی" سے ہلاک ہوئے۔ سورہ "اعراف" میں ہم اس کے متعلق تطبیق کی صورت لکھ چکے ہیں۔  
۱۳ یعنی جو اپنے پروردگار کی آیات و احکام سے منکر ہو اس کی یہ گت بنتی ہے اور ایسی پھٹکار بڑتی ہے کہ کن کر عبرت حاصل کر دے۔

① معاذ اللہ یہ مطلب نہیں کہ حضرت صالح علیہ السلام قوم شموذ کے قوی اور وطنی بھائی تھے۔ اور قومیت متحدہ کے قائل تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت اس خاص قوم کی طرف تھی۔ اور وہ اسی قبیلہ کے تھے ان کو توحید کی دعوت دینے کے لیے مبعوث کیا۔ جو ان پر ایمان لایا اس نے فلاح پائی اور جو ان پر ایمان نہیں لایا وہ عذاب الہی سے تباہ و برباد ہوا۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

اے صالح! تو ہم کو ان چیزوں کی پرستش سے منع کرتا ہے جن کی ہمارے آباء و اجداد پرستش کیا کرتے تھے۔ کیا تیرا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے قدیم اور آبائی مذہب کو چھوڑ دیں اور جس دین کی طرف تو ہم کو بلاتا ہے تحقیق ہم اس کے بارے میں بڑے شک میں پڑ گئے ہیں۔ جس نے ہم کو تردد اور اضطراب میں رکھا ہے۔ ”سبحان اللہ“ توحید میں تو اضطراب اور خلجان لاحق ہو گیا اور شرک کو اطمینان ہوتا ہے اور حق و ہدایت میں ان کو بے چینی اور بے اطمینانی ہوتی ہے ایسوں کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ صالح علیہ السلام نے ان کے جواب میں کہا اے قوم! بتلاؤ تو سہی کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن اور واضح حجت پر ہوں اور خدا نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت یعنی نبوت عطاء کی ہو تو میں خدا تعالیٰ کے روشن دلائل کو چھوڑ کر تمہارے شکوک اور اوہام کا پیرو کیسے ہو سکتا ہوں۔ پس اگر اس حالت میں خدا کی نافرمانی کروں اور تبلیغ احکام میں کوتاہی کروں تو بتاؤ کون ہے کہ جو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کرے گا اور عذاب الہی سے مجھ کو بچائے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی معصیت خسران مبین ہے پس تم نافرمانی کا مشورہ دیکر سوائے خسارہ اور نقصان کے میرے حق میں کوئی زیادتی نہیں کرتے۔ اس بحث اور مجادلہ کے بعد قوم نے صالح علیہ السلام سے ثبوت رسالت کے لیے معجزہ طلب کیا کہ پتھر سے اونٹنی نکال کر دکھائیں حضرت صالح علیہ السلام نیت خدا تعالیٰ سے دعا کی۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے پتھر میں سے اونٹنی پیدا ہوئی۔ جیسا کہ مفصل قصہ سورۃ اعراف میں گزر چکا اور جب وہ ناقہ پتھر سے نکلی تو صالح علیہ السلام نے اونٹنی کے بارے میں نصیحت شروع کی اور فرمایا اے میری قوم یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے نبوت کی نشانی ہے کہ دفعۃً پتھر سے نمودار ہوئی ہے اور بغیر کسی زر کے حاملہ ہے اور بغیر پیدائش کے پتھر سے نکلی ہے اور بیٹھا رو دھ دیتی ہے یہ خدا کی قدرت کی نشانی ہے اور میری نبوت و رسالت کی بھی نشانی ہے کہ تمہاری فرمائش کے مطابق میری صداقت ظاہر کرنے کے لیے بحکم خداوندی بلا سبب ظاہری کے یکدم پتھر سے نکلی ہے اور یہ میری نبوت کا معجزہ ہے۔ (تفسیر کبیر: ۵/۷۲)

غرض یہ کہ یہ اونٹنی اس وقت میری نبوت کی نشانی ہے، اور یہی اونٹنی آئندہ چل کر تمہاری ہلاکت اور عذاب کا پیش خیمہ بنے گی اور چونکہ یہ اونٹنی خاص طور پر منجانب اللہ بطور خرق عادت پیدا ہوئی ہے اس لیے اس ناقہ اللہ کے کچھ حقوق ہیں پس تم اللہ کی اونٹنی کو کھلا چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں جہاں چاہے چرتی اور کھاتی پھرے اور اسی طرح پانی کے بارے میں جتنا چاہے پانی پئے۔ اللہ کی اونٹنی کا حق سب پر مقدم ہے وہ اللہ کی اونٹنی ہے اللہ کی زمین سے کھائے گی تم پر اس کا دانہ اور چارہ نہیں وہ اونٹنی اس قدر فریہ اور دراز تھی کہ دوسرے جانور اس کی صورت دیکھ کر بھاگ جاتے تھے لہذا اے میری قوم تم اس اونٹنی کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور برائی کے ارادہ سے اس کو ہاتھ بھی نہ لگاؤ کیونکہ یہ ناقہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔ ورنہ پھر تم کو فوری عذاب آ پکڑے گا۔ یعنی اگر تم نے اس ناقہ کو پکڑا تو تم پر فوری عذاب نازل ہوگا۔ اور تم کو مہلت نہ ملے گی۔ سو انہوں نے باوجود اس نصیحت اور مواعظت بلیغہ کے اس اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے تو صالح علیہ السلام نے فرمایا اچھا تین دن اپنے گھروں میں آرام و راحت کے گزار لو یعنی بدھ اور جمعرات اور جمعہ اور گزار لو۔ اس کے بعد شنبہ کے روز تم پر عذاب آئے گا۔ یہ خدا کی طرف سے وعدہ ہے جس میں جھوٹ کا کوئی شائبہ نہیں تین دن کے بعد تم غارت ہو جاؤ گے۔ چنانچہ بدھ کے دن ان کے چہرے زرد ہو گئے۔ اور جمعرات کو سرخ اور جمعہ کے روز سیاہ اور ہفتہ کے دن عذاب نازل ہوا۔ پس حسب وعدہ تین دن

گزرنے کے بعد جب ہمارے عذاب کا حکم آ پہنچا تو ہم نے صالح علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنے فضل اور رحمت سے ان کو عذاب سے بچالیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی بچالیا۔ بے شک تیرا پروردگار تو غالب ہے اپنے دوستوں کو عزت دیتا ہے اور دشمنوں کو ذلیل و خوار کرتا ہے اور جو لوگ ظالم تھے ان کو ایک چنگھاڑنے آ پکڑا۔ سو وہ صبح کو اپنے گھٹنوں کے بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے یعنی سب کے سب ایک چنگھاڑ سے مر گئے گویا وہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔

تین دن کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے ایک چیخ ماری جس سے سب کا دم نکل گیا۔ چیخ سے دل پھٹ گئے اور گھٹنوں کے بل مرے رہ گئے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ قوم ثمود نے اپنے پروردگار کا کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح ہلاک کیا۔ آگاہ ہو جاؤ اور خوب سن لو کہ کفر کا خمیازہ ایسا ہوتا ہے کہ قوم ثمود اللہ کی رحمت سے دور پھینک دی گئی۔ اور ایسی ہلاک اور برباد ہوئی کہ نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ یہ قصہ سورہ اعراف میں بھی گزر چکا ہے وہاں ان کا عذاب رجفہ یعنی زلزلہ بیان کیا گیا ہے۔ وجہ تطبیق وہاں گزر چکی ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا اِبْرٰهٖمَ بِالْبَشْرِى قَالُوْا سَلٰمًا قَال سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَاءَ

اور البتہ آچکے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر بولے سلام وہ بولا سلام ہے پھر دیر نہ کی کہ لے آیا اور آچکے ہیں ہمارے بھیجے ابراہیم پاس، خوشخبری لے کر، بولے سلام، وہ بولا، سلام ہے۔ پھر دیر نہ کی کہ لے آیا

بِعَجَلٍ حٰنِيْدٍ ﴿۱۹﴾ فَلَمَّا رَاْ اٰيٰدِيْهِمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۗ

ایک بھڑا تلا ہوا فل پھر جب دیکھا ان کے ہاتھ نہیں آتے کھانے پر تو کھٹکا اور دل میں ان سے ڈرا فل ایک بھڑا تلا ہوا۔ پھر جب دیکھا، ان کے ہاتھ نہیں آتے کھانے پر، اوپری سمجھا، اور دل میں ان سے ڈرا۔

فل اس سورت کے قصص کی ترتیب "اعراف" کی ترتیب کے موافق ہے۔ صرف قوم لوط کے قصہ سے پہلے یہاں ابراہیم علیہ السلام کا قصہ اس قصہ بیان فرمایا ہے۔ مگر تعبیر ایسی لگی جو ظاہر کرتی ہے کہ مقصود اصلی لوط علیہ السلام کا قصہ بیان کرنا ہے چونکہ اس میں اور ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں کئی طرح کی مناسبت اور تعلق پایا جاتا تھا اس لیے بطور تہئید و توطیہ ابراہیم علیہ السلام کا قصہ مذکور ہوا۔ لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی ہیں جو آپ علیہ السلام کے ہمراہ عراق سے ہجرت کر کے آئے۔ ایک ہی جماعت فرشتوں کی دونوں کے پاس بھیجی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم لوط کی ملاکت کے مسئلہ میں فرشتوں سے بحث کی جو آگے آتی ہے یہ فرشتے نہایت حسین و جمیل نوجوانوں کی شکل میں لوط علیہ السلام کی طرف جاتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری لے کر آئے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیل بنایا ہے اور اس بڑھاپے میں حضرت "سارہ" کے بطن سے بیٹا عطا کرنے والا ہے۔ نیز یہ کہ قوم لوط کے بد معاشوں اور ظالموں کے وجود سے عنقریب دنیا پاک کر دی جائے گی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت لوط علیہ السلام کے متبعین کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچے گا۔ فرشتوں نے ابراہیم علیہ السلام کو سلام کیا آپ علیہ السلام نے جواب دیا مگر اول دلد میں پہچان نہ سکے۔ جیسے ابتداء حضرت لوط علیہ السلام نے بھی ان کو نہیں پہچانا۔ (بلکہ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ جبرائیل علیہ السلام آدی کی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال و جواب کرتے رہے، جب اٹھ کر چلے گئے تب آپ علیہ السلام کو بتایا گیا کہ یہ جبرائیل علیہ السلام تھے) گویا متنبہ کر دیا کہ نبی کو بھی لڑتے وغیرہ کا علم ضروری خدا کے دینے سے ہوتا ہے۔ وہ کسی وقت مخفی رکھنا چاہے تو کسی کی قدرت نہیں کہ معلوم کر سکے۔ بہر حال ابراہیم علیہ السلام انھیں آدی کچھ کر ہمان نوازی کے لیے اٹھے اور نہایت لرزہ بھرا بھون گل کرنا منے حاضر کیا۔

فل کہ آخر یہ کون ہیں، کس عرض سے آتے ہیں؟ ہم کھانا پیش کرتے ہیں، یہ اسے ہاتھ نہیں لگاتے۔ اس وقت کے دستور کے موافق جو ہمان کھانے سے انکار کرتا، سمجھا جاتا تھا کہ یہ کسی اچھے خیال سے نہیں آیا۔ ابراہیم علیہ السلام گھبراتے کہ اگر آدی ہیں تو کھانے سے انکار کرنا ضرور کچھ معنی رکھتا ہے اور فرشتے میں تو نہ معلوم کس مطلب کے لیے بھیجے گئے ہیں، آیا ہم سے کوئی لٹلی ہوئی یا میری قوم کے حق میں کوئی ناخوشگوار چیز لے کر آئے۔ اسی جیص دیکھیں میں زبان سے اظہار بھی =

قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ۗ وَامْرَأَتُهُ قَابِيَةٌ فَضَحِكَتْ فَلَبَسَ رِثًا

دو بولے مت ڈر ہم بھیجے ہوئے آئے ہیں طرف قوم لوط کی فل اور اس کی عورت کھڑی تھی تب وہ ہنس پڑی پھر ہم نے خوشخبری دی اس کو  
وہ بولے، مت ڈر ہم بھیجے آئے ہیں طرف قوم لوط کے۔ اور اس کی عورت کھڑی تھی، تب وہ ہنس پڑی، پھر ہم نے خوشخبری دی اس کو

يَأْسُخَىٰ ۖ وَمِنْ وَّرَآءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبُ ۗ قَالَتْ يَوَيْلَ لِيَءِ الْاِذِّ وَآنَا عَجُوزٌ وَهَذَا بَعْلِي

اسحاق کے پیدا ہونے کی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی فل بولی اے خرابی کیا میں بچہ جنوں کی، اور میں بڑھیا ہوں، اور یہ خاوند میرا ہے  
اسحق کی، اور اسحق کے پیچھے یعقوب کی۔ بولی، اے خرابی! کیا میں جنوں کی؟ اور میں بڑھیا ہوں، اور یہ خاوند میرا

شَيْخًا ۗ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ۗ قَالُوا اتَّعَجِبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

بڑھا فل یہ تو ایک عجیب بات ہے فل وہ بولے کیا تو تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم سے اللہ کی رحمت ہے اور برکتیں  
بڑھا۔ یہ تو ایک عجیب چیز ہے۔ وہ بولے، کیا تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم سے؟ اللہ کی مہر ہے اور برکتیں

عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ ۗ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ۗ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنِ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ

تم پر اے گھر والو تحقیق اللہ ہے تعریف کیا گیا بڑائیوں والا فل پھر جب جاتا رہا ابراہیم سے ڈر اور آئی اس کو  
تم پر، اے گھر والو؟ وہ ہے سراہا بڑائیوں والا۔ پھر جب گیا ابراہیم سے ڈر اور آئی اس کو

کریا۔ ﴿اَلَا مَنكُمۡ وَّجَلۡوٰنٌ﴾ یعنی ہم کو تم سے اندیشہ ہے۔ عموماً مفسرین نے ابراہیم علیہ السلام کے خوف کی یہی توجیہات کی ہیں۔ مگر حضرت شاہ صاحب  
رحمہ اللہ نے میرے نزدیک نہایت لطیف توجیہ کی۔ ”کہ فرشتوں کے ساتھ جو جذاب الہی تھا اور شان غضب و انتقام کے مظہر بن کر قوم لوط کی طرف جا رہے تھے اس  
کا طبعی اثر یہ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر ایک طرح کے خوف و خشیت کی کیفیت طاری ہوئی جس کا اظہار انہوں نے ﴿اَلَا مَنكُمۡ وَّجَلۡوٰنٌ﴾ کہہ کر کیا۔ یعنی  
ہم کو تم سے ڈر رہتا ہے۔ واللہ اعلم۔

فل یعنی ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہم فرشتے ہیں، جو قوم لوط کو تباہ کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ آپ کچھ اندیشہ ضرور کا نہ کیجئے۔

فل یعنی حضرت سارہ جو مہمانوں کی خدمت گزاری یا اور کسی کام کے لیے وہاں کھڑی تھیں اس ڈر کے رفع ہونے سے خوش ہو کر ہنس پڑیں۔ حق تعالیٰ نے خوشی پر  
اور خوشیاں سنائیں کہ تم کو اس عمر میں بیٹا ملے گا۔ (اسحاق علیہ السلام) اور اس کی نسل سے ایک پوتا یعقوب عطا ہو گا۔ جس سے ایک بڑی بھاری قوم بنی اسرائیل  
اٹھنے والی ہے یہ بشارت حضرت سارہ کو شاید اس لیے سنائی گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹا (اسماعیل علیہ السلام) حضرت ہاجرہ کے بطن سے پہلے ہی  
موجود تھا۔ سارہ کو تنہا ہی کہ مجھے بھی بیٹا ملے۔ مگر بوزھی ہو کر مایوس ہو چکی تھی۔ اس وقت یہ بشارت ملی۔ بعض علماء نے بیان کیا۔ علماء نے ﴿وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ  
يَعْقُوبُ﴾ سے استدلال کیا ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ”ذبیح“ نہ تھے۔ اسماعیل علیہ السلام تھے۔ (راجع ابن کثیر)

فل یہاں ”یا یویلتی“ کا لفظ ایسا ہے جیسے ہمارا عمارت میں عورتیں کہہ دیتی ہیں کہ میں ”نگوڑی“ کیا اس بڑھاپے میں اولاد جنوں کی۔ حضرت سارہ کی عمر کہتے  
ہیں اس وقت نانوے سال تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سو سال یا اس سے بھی متجاوز تھے۔

فل یعنی ایسا ہوتا بالکل انوکھی اور عجیب و غریب بات ہوگی۔

فل یعنی جس گھرانے پر خدا کی اس قدر رحمتیں اور برکتیں نازل رہی ہیں اور جنہیں ہمیشہ معجزات و خوارق دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہا، ایمان کے لیے یہ کوئی تعجب کا  
مقام ہے؟ ان کا تعجب کرنا خود قابل تعجب ہے۔ انہیں لائق ہے کہ بشارت سن کر تعجب کی بلکہ خدا کی حمد و تجید کریں کہ سب بڑائیاں اور خوبیاں اسی کی ذات میں  
جمع ہیں۔

(تذیہ) بعض محققین نے لکھا ہے کہ نمازوں میں جو درود شریف پڑھتے ہیں اس کے الفاظ میں اس آیت سے اقتباس کیا گیا ہے۔

الْبُشْرَىٰ مُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ۗ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ ﴿۱۱﴾ يَا إِبْرَاهِيمُ

خوشخبری، جھگڑنے کا ہم سے قوم لوط کے حق میں البتہ ابراہیم تحمل والا نرم دل ہے رجوع رہنے والا اے ابراہیم خوشخبری، جھگڑنے کا ہم سے قوم لوط کے حق میں۔ البتہ ابراہیم تحمل والا نرم دل تھا، رجوع رہنے والا۔ اے ابراہیم

أَعْرِضْ عَنْ هَذَا ۖ إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَإِنَّهُمْ لَاتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ﴿۱۲﴾

چھوڑ یہ خیال وہ تو آچکا حکم تیرے رب کا اور ان پر آتا ہے عذاب جو لوٹایا نہیں جاتا فلا چھوڑ یہ خیال وہ تو آچکا حکم تیرے رب کا۔ اور ان پر آتا ہے عذاب، جو پھیرا نہیں جاتا۔

قصہ ابراہیم علیہ السلام مشتمل بر بشارت ملائکہ کرام بولادت اسحاق علیہ السلام

قَالَ النَّبِيُّ: «وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ... أَلِي... عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ»

رہط:..... اب ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں جس میں فرشتوں کی تولد فرزند کی بشارت کا ذکر ہے کہ تمہارے یہاں ایک بیٹا ہوگا جس کا نام اسحاق علیہ السلام ہوگا پھر اس بیٹے کے ایک بیٹا ہوگا جس کا نام یعقوب علیہ السلام ہوگا۔ اس بشارت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی اور حضرت سارہ علیہا السلام کی عمر نوے یا بانوے سال کی تھی حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے حضرت اسمعیل علیہ السلام پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ سارہ علیہا السلام کو تمنا تھی کہ ان کے بھی کوئی بیٹا ہو لیکن کبر سنی کی وجہ سے ناامید ہو چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبانی یہ بشارت بھیجی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بشارت دینے کے لیے تین فرشتے آئے تھے۔ جبرائیل اور میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام اور بعض کہتے ہیں کہ آٹھ یا نو فرشتے آئے تھے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۹/۶۲ و زاد المسیر لابن الجوزی: ۳/۱۲۷)

الغرض یہ قصہ من جملہ قصص مذکور کا چوتھا قصہ ہے جو لوط علیہ السلام کے قصہ کی تمہید ہے اسی وجہ سے ما قبل کی طرح "ارسلنا ابراہیم الی کذا۔" نہیں فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں اور جب ہمارے وہ فرشتے کن کو ہم نے قوم لوط پر عذاب کے لیے بھیجا تھا۔ پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس بیٹے اور پوتے کے پیدا ہونے کی بشارت لیکر آئے تو بولے کہ ہم تم کو سلام کرتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا وعلیکم السلام چونکہ یہ فرشتے خوبصورت آدمیوں کی شکل میں تھے اس لیے ابراہیم علیہ السلام ان کو مہمان سمجھے اور خوش ہو کر ضیافت کا سامان کیا۔ پس ابراہیم علیہ السلام نے دیر نہ کی کہ ان کے کھانے کے لیے ایک ہینا ہوا موٹا تازہ پھنڑا لے آئے جس سے چربی نکلتی تھی۔ قنادہ مٹا دیا کہتے ہیں کہ ان کا اکثر مال یہی گائیں تھیں آپ ﷺ بڑے مہمان نواز تھے۔ پندرہ

روایاتی اور مرے مطلق ہوئے تو لوط اور قوم لوط کے مسئلہ میں فرشتوں سے بحث شروع کر دی۔ جس کا خلاصہ سورہ "مکعبت" میں بیان فرمایا کہ فرشتوں نے ابراہیم کو مطلع کیا کہ ہم ان بتوں کو مٹا کر آئے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام بولے کہ ان میں تو خود لوط علیہ السلام موجود ہیں (پھر ایک پیلہبر کو ان میں موجود ہونے ہونے کیسے مٹا کر کیسے مٹا کر؟) فرشتوں نے کہا ہم سب کو مٹا دیتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں لوط اور اس کے متعلقین کو وہاں سے طہید کر کے مذاب نازل کیا جائے گا۔ تفاسیر میں اس بحث کی جو تفاسیر میں بیان ہوئی ہیں اللہ جانے کہاں تک صحیح ہیں۔ بہر حال اسی بحث کو مسالغۃ لفظ "مجادلنا" سے تعبیر فرمایا۔ جس سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی نظری شکیفہ، نرم طبعی اور رحم دلی سے اس قوم بدترس کھا کر حق تعالیٰ کی جناب میں کچھ سٹارش کرنا چاہتے تھے اسی کا جواب دیا کہ اس خیال کو چھوڑ ہے ان ظالموں کا بیجا لہرے ہو چکا ہے اب خدا کا حکم داپس نہیں ہو سکتا۔ مذاب آ کر ہے گا جو کسی سٹارش یا داماد و غیرہ سے نہیں مل سکتا۔



روز کے انتظار کے بعد یہ مہمان آئے تو بہت خوش ہوئے اور ان کے لیے کھانا لائے مگر وہ مہمان اپنی ہی قسم کے تھے وہ کس طرح کھا سکتے تھے۔ پس جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس بچھڑے کے کھانے کی طرف نہیں بڑھتے تو اس کو اوپر جانا اور دل میں ان کی طرف سے خوف زدہ ہوئے۔ کہ یہ کون لوگ ہیں اور کیوں آئے ہیں اگر مہمان ہیں تو کھانا کیوں نہیں کھاتے۔ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ خوف کی توجیہ میں یہ فرماتے ہیں کہ فرشتے عذاب الہی کو لیکر قوم لوط کی طرف جا رہے تھے اور اس وقت یہ فرشتے خدا کی شان غضب اور انتقام کے مظہر تھے اس کا طبعی اثر یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر خوف کی ایک کیفیت طاری ہو گئی بعد ازاں ابراہیم علیہ السلام نے اپنا خوف ان پر ظاہر کیا۔ کَمَا قَالَ تَعَالَى: اِنَّا وَمَنْكُفٌ وَجَلُوفٌ۔ تو بولے تم ڈرو مت ہم آدمی نہیں فرشتے ہیں۔ ہم تو قوم لوط کی طرف عذاب دیکر بھیجے گئے ہیں اور راستے میں آپ کو بشارت دینے کے لیے اتر گئے ہیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام کہیں کھڑی سن رہی تھیں۔ پس وہ ہنس پڑیں۔ آیت میں ہنسنے کی وجہ مذکور نہیں۔ بعض کہتے ہیں ان کا ہنسنا تعجب کی بنا پر تھا کہ عجب بات ہے کہ اتنے دنوں کے بعد تو مہمان ملے جن کی ضیافت کا سامان کیا پھر وہ فرشتے نکلے۔ یا اس بات پر تعجب ہوا کہ فرشتے آدمی کی صورت میں مہمان بن کر آئے کیا بات ہے یا اس بات پر تعجب ہوا کہ اس قدر خدم اور چشم ہوتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام تین چار آدمیوں سے ڈر گئے۔ یا قوم لوط کی ہلاکت کی خبر سن کر خوش ہوئیں کہ یہ خبیثین اور مفسدین کا گروہ اب ہلاک ہوگا۔ اس قوم نے عورتوں کو خراب کیا اور لڑکوں کو بے حیا اور بدکار بنایا اس لیے ان کا عذاب سن کر خوش ہوئیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب فرشتوں نے یہ خبر سنائی کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں سارہ علیہا السلام کے بطن سے بیٹا عطا کرنے والا ہے تو یہ خبر سن کر حضرت سارہ علیہا السلام ہنس پڑیں۔ پس ہم نے فرشتوں کی زبانی سارہ علیہا السلام کو ایک فرزند کے پیدا ہونے کی بشارت دی جو اسحاق نام کے ساتھ موسوم ہوگا اور اسحاق کے علاوہ یعقوب کی بھی بشارت دی یعنی ایک بشارت تو یہ دی کہ اس سن میں تمہارے ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام اسحاق علیہ السلام ہے پھر دوسری بشارت یہ دی کہ تمہارے پوتا بھی ہوگا جس کا نام یعقوب علیہ السلام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بیٹے کے بعد پوتا بھی دیکھو گی۔ اشارہ اس طرف تھا کہ وہ بیٹا زندہ رہے گا۔ اور وہ بیٹا بھی صاحب اولاد ہوگا۔ جس سے تمہاری نسل چلے گی۔ سارہ بولی ہائے میری کبھی کیا میں اب بچہ جنوں گی۔ حالانکہ میں بوڑھی ہوں اس وقت میری عمر نانوے سال کی ہے اور میرا خاوند ہے بہت بوڑھا جس کی عمر اس وقت ایک سو بیس برس کی ہے۔ حضرت سارہ علیہا السلام کو یہ بشارت اس لیے سنائی گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹا اسمعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ حضرت سارہ کو تمنا تھی کہ مجھے بھی بیٹا ملے۔ لیکن فرزند نہ عطا ہوا۔ یہاں تک کہ جب بڑھیا ہو گئیں اور ماہوں ہو گئیں اس وقت یہ بشارت دی گئی تو تعجب میں پڑ گئیں اور کہنے لگیں تحقیق یہ بات تو بہت ہی عجیب ہے کبھی دیکھنے اور سننے میں نہیں آئی۔ فرشتوں نے حضرت سارہ علیہا السلام سے کہا۔ کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تعجب کرتی ہے۔ تعجب کی کیا بات ہے خدا ہر امر پر قادر ہے خدا نے صنعت کے لیے کسی آلہ کی اور اس کی فضل کے لیے کسی علت کی ضرورت نہیں۔ دو بوڑھوں سے لڑکا پیدا کرنا کوئی عجیب نہیں اس کی قدرت کے سامنے بوڑھا اور جوان سب برابر ہے اے ابراہیم کے گھر والو! تم پر دن رات کی رحمتیں اور برکتیں برس رہی ہیں صبح و شام معجزات و کرامات اور خوارق عادات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہو تمہارا یہ تعجب بھی عجیب

ہے تمہارے حق میں یہ نشارت قابلِ تعجب نہیں بلکہ تمہارا تعجب قابلِ تعجب ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ قابلِ تعریف ہے اور بزرگی والا ہے اس کے جو دو کرم سے کوئی شے عجیب نہیں۔ تم بجائے تعجب کے اس کے حمد و شکر میں مشغول ہو جاؤ۔

### لطائف و معارف

۱۔ بعض علماء نے ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِكَ يَحْلُوتُ﴾ کے لفظ سے استدلال کیا ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ذبح نہ تھے بلکہ حضرت اسمعیل علیہ السلام ذبح تھے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر)

۲۔ یہ آیت اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ زوجہ رجل بھی اس کے اہلبیت میں سے ہے اس لیے کہ ﴿وَآتَتْهُمْ مِنْ زَوْجِ مَحْتَمٍ اللَّهُ وَبَرَ كُنْهُ عَلَيْهِمْ أَهْلَ الْبَيْتِ﴾۔ یہ خطاب حضرت سارہ علیہا السلام کو ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ تھیں اس طرح حق تعالیٰ کے اس ارشاد ﴿وَاللَّهُ يُدْأِ اللَّهُ لِيُنْذِرَ عَنْكُمْ إِلَيْتِ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيرًا﴾ کو سمجھو کہ یہ خطاب دراصل ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو ہے اس لیے کہ اوپر سے تمام سلسلہ کلام۔ نساء نبی کریم علیہ السلام یعنی ازواجِ مطہرات کے بارے میں چلا آ رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مقتضائے مشفقیت دیگر اہل خانہ کو بھی کسب اڑھا کر اس دعا میں شامل فرمایا۔ اور جس طرح اس آیت میں اہل بیت کے لیے جمع ذکر کا صیغہ رحمة اللہ وبرکاتہ علیکم۔ واحد مؤنث کے لیے بطور تعظیم و تکریم استعمال کیا گیا۔ اسی طرح آیت تطہیر میں یہی خطاب جمع ذکر کے صیغہ جمع مؤنث کے لیے بطور تعظیم و تکریم استعمال کیے گئے۔

۳۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ نمازوں میں جو درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ اس کے الفاظ اسی آیت سے ماخوذ اور مقتبس ہیں۔

### حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حلم اور ترحم

اب آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حلم اور ترحم کو بیان کرتے ہیں۔ پس جب ابراہیم علیہ السلام سے وہ خوف جاتا رہا جو فرشتوں کی طرف سے پیدا ہوا تھا اور ان کے پاس بیٹے اور پوتے کی پیدا ہونے کی خوشخبری پہنچ گئی۔ تو ادھر سے بے فکر ہو کر دوسری طرف متوجہ ہوئے اور ہم سے قوم لوط کے بارے میں بحث شروع کر دی جس کی تفصیل دوسری آیت میں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے مجادلہ یہ تھا کہ جب فرشتوں نے کہا کہ ہم قوم لوط کے ہلاک کرنے کے لیے آئے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اس بستی میں تو لوط علیہ السلام بھی ہے تم اس بستی کو کیسے ہلاک کر سکتے۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم سوائے ان کی بیوی کے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بچالیں گے۔ بے شک ابراہیم بڑے بردبار اور نرم دل اور خدا کی طرف بڑے رجوع کرنے والے تھے چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے نرم دل اور حلیم اور بردبار تھے۔ اس لیے خطا کاروں پر عقوبت میں جلدی نہیں چاہتے تھے مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی طبعی فرط رحمت اور زیادتی شفقت اس اصرار اور مجادلہ کا باعث بنی۔ خدا ترس بندوں کے دل بہت نرم ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ عذاب میں تاخیر ہو جائے شاید یہ لوگ ایمان لے آئیں اور اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں۔ لیکن آخر کار ملائکہ علیہم السلام نے ان کو حکم قضا و قدر سے آگاہ کر دیا اور کہا کہ اے ابراہیم علیہ السلام

آپ اس بحث کو چھوڑ دیجئے۔ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ تحقیق تیرے پروردگار کا حکم ان کے بارے میں آپہنچا ہے۔ اب وہ کسی طرح ٹل نہیں سکتا اور تحقیق ان پر ایسا عذاب آنے والا ہے جو ان سے ہٹایا نہیں جائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی فطری رحم دلی کی بناء پر تاخیر کے بارے میں جو اصرار اور الحاح فرمایا اس کو حق تعالیٰ نے بطور مبالغہ لفظ یُجَادِلُنَا سے تعبیر فرمایا۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ شفقت و رحمت کے محل نہیں رہے آپ علیہ السلام اس خیال کو دل سے نکال دیجئے۔ ان کے جرم کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور ان کے متعلق عذاب کا حکم جاری ہو چکا ہے۔ جو کسی طرح واپس نہیں ہو سکتا البتہ جو اہل ایمان ہیں اول ان کو علیحدہ کر دیا جائے گا اس کے بعد عذاب نازل ہوگا تا کہ اہل ایمان کو گزند نہ پہنچے۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِئَاءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ۝۱۰

اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے لوٹ کے پاس تمکین ہو ان کے آنے سے اور تنگ ہو دل میں اور بولا آج دن بڑا سخت ہے فل اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے لوٹ پاس، خفا ہوا ان کے آنے سے اور رک گیا جی میں، اور بولا، آج دن بڑا سخت ہے۔

وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ ۚ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۚ قَالَ يَاقَوْمِ هُوَ لَاءِ

اور آئی اس کے پاس قوم اس کی دوڑتی بے اختیار اور آگے سے کر رہے تھے برے کام فل بولا اے قوم اور آئی اس پاس قوم اس کی دوڑتی بے اختیار۔ اور آگے سے کر رہے تھے برے کام۔ بولا، اے قوم!

بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزَوْنَ فِي ضَيْفِي ۚ الْكَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ

یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں یہ پاک ہیں تم کو ان سے سو ڈرو تم اللہ سے اور مت رسوا کرو مجھ کو میرے مہمانوں میں کیا تم میں ایک مرد بھی نہیں یہ میری بیٹیاں ہیں حاضر ہیں، یہ پاک ہیں تم کو ان سے، سو ڈرو تم اللہ سے، اور مت رسوا کرو مجھ کو میرے مہمانوں میں۔ کیا تم میں ایک مرد بھی نہیں

رَّشِيدٌ ۝۱۱ قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا لَنَا فِي بَنَاتِكُمْ مِنْ حَقٍّ ۚ وَانْتَكَ لَتَعْلَمُنَّ مَا نُرِيدُ ۝۱۲ قَالَ

نیک چلن بولے تو تو جانتا ہے ہم کو تیری بیٹیوں سے کچھ عرض نہیں اور تجھ کو تو معلوم ہے جو ہم چاہتے ہیں فل کہنے لگا نیک راہ۔ بولے، تو تو جان چکا ہے، ہم کو تیری بیٹیوں سے دعویٰ نہیں۔ اور تجھ کو تو معلوم ہے جو چاہتے ہیں۔ کہنے لگا

فل فرشتے نہایت حسین و جمیل بے ریش و بروت نوجوانوں کی شکل میں تھے۔ ابتداً حضرت لوط علیہ السلام نے نہ پہچانا کہ فرشتے ہیں۔ معمولی مہمان سمجھے۔ ادھر اس قوم کی بے حیائی اور خوں بد معلوم تھی۔ سخت فکر مند اور تنگ دل ہوئے کہ یہ بد معاش اور مہمانوں کا بیچھا کر س کے۔ مہمانوں کو چھوڑنا بھی مشکل اور ان خبیثوں کے ہاتھوں سے چھڑانا بھی دشوار ہو گیا ساہی قوم سے لڑائی مول لینا ہے۔

فل یعنی اس قوم کو نامعقول حرکتوں اور خلاف فطرت فواحش کی جو عادت بڑی ہوئی تھی کہاں چین سے بیٹھنے دیتی، وہ ایسے خوبصورت لڑکوں کی خبر پاتے ہی نہایت بے حیائی کے ساتھ لوط علیہ السلام کے مکان پر اندھا دھند چڑھ دوڑے اور پوری قوت و شدت سے مطالبہ کیا کہ مہمان ان کے حوالے کر دیئے جائیں کیونکہ ہم پہلے ہی منع کر چکے ہیں کہ تم کسی مرد کو اپنا مہمان نہ بنایا کرو۔ یہاں آنے والے مہمان کو ہم بد چھوڑ دو ہم جو چاہیں کریں۔

فل حضرت لوط علیہ السلام نے مہمانوں کی آبرو بچانے کے لیے ہر قسم کی کوشش کی۔ آخری بات اس شہوت پرست قوم سے یہ کہی کہ ظالمو! یہ میری بیٹیاں تمہارے لیے حاضر ہیں۔ نکاح ہو جانے پر اس سے بطریق حلال متنع کر سکتے ہو جو نہایت پاکیزہ اور شائستہ طریقہ ہے۔ خدا سے ڈرنا چاہیے کہ پاک اور مشروع طریقہ کو چھوڑ کر ایسے خلاف فطرت گندے کاموں میں مبتلا ہوتے ہو کم از کم میری ہی رعایت کر دو میں ان مقدس مہمانوں کے سامنے شرمندہ اور روانہ ہوں۔ مہمان کی بے عزتی =

لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ﴿۱۰﴾ قَالُوا يَلُوْطُ إِتَارُ سُلِّ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوا

کاش مجھ کو تمہارے مقابلہ میں زور ہوتا، یا جا بیٹھتا کسی مستحکم پناہ میں فلا مہمان بولے اے لوط ہم بھیجے ہوئے ہیں تیرے رب کے کہیں سے مجھ کو تمہارے سامنے زور ہوتا یا جا بیٹھتا کسی مستحکم آسرنے میں۔ (مہمان) بولے، اے لوط! ہم بھیجے ہیں تیرے رب کے،

إِلَيْكَ فَاسْرِبْ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَمْرَاتُكَ ۗ إِنَّهُ

ہرگز نہ پہنچ سکیں گے تجھ تک فلا سولے نکل اپنے لوگوں کو کچھ رات سے اور مڑ کر نہ دیکھے تم میں کوئی مگر عورت تیری کہ اس کو ہرگز نہ پہنچ سکیں گے تجھ تک، سولے نکل اپنے گھر والوں کو کچھ رات سے، اور مڑ کر نہ دیکھے تم میں کوئی، مگر تیری عورت۔ یوں ہی ہے

مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ ۗ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۗ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّا جَاءَ

پہنچ کر رہے گا جو ان کو پہنچے گا فلا ان کے وعدہ کا وقت ہے صبح کیا صبح نہیں ہے نزدیک فلا پھر جب پہنچا کہ اس پر پڑنا ہے جو ان پر پڑے گا، ان کے وعدے کا وقت ہے صبح۔ کیا صبح نہیں نزدیک۔ پھر جب پہنچا

أَمْرًا جَعَلْنَا عَلَيْهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ ۗ لِّمَنْضُودٍ ﴿۱۲﴾ مُسَوِّمَةً

حکم ہمارا کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر نیچے اور برساتے ہم نے اس پر پتھر کنگر کے فلا تہہ بہ تہہ فلا نشان کیے ہوئے حکم ہمارا، کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر نیچے، اور برساتیں اس پر پتھریاں کھنگر کی، تہہ بہ تہہ۔ صاف بنا میں = میزبان کی بے عزتی ہے۔ بیاتم میں ایک شخص بھی نہیں جو میدھی میدھی باتوں کو سمجھ کر نیکی اور تقویٰ کی راہ اختیار کرے۔

(تفسیر) "هُؤُلَاءِ بَنَاتَانِ" سے مراد عام طور پر اس قوم کی لڑکیاں ہیں جن کو تجوزا" بیٹیاں" کہا گیا۔ کیونکہ پیغمبر امت کے حق میں روحانی باپ ہوتا ہے، اور ویسے بھی محاورات میں قوم کے بڑے بڑے بھروسے کی لڑکیوں کو اپنی "بیٹیاں" کہہ کر پکار سکتے ہیں۔ اور اگر خاص لوط علیہ السلام کی بیٹیاں مراد ہوں تو شاید ان میں سے بعض ممتاز لوگوں کے نکاح کے لیے پیش کی ہوں گی۔ اس وقت کافر کا نکاح مسلمان عورت سے جائز تھا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ لوط علیہ السلام کا مقصود اس قول سے نکاح وغیرہ کچھ نہ تھا، بلکہ ان کی زیادتیوں سے عاجز ہو کر مہمانوں کی آبرو بچانے کی ذمہ داری میں انتہائی تواضع سے یہ لفظ کہے۔ تاکہ ان میں غیرت و حیا کا کچھ شاہد اور آدھار ہو تو یہ لفظ سن کر تھینپ جائیں۔ اور زنی اختیار کر لیں، مگر وہ ایسے حیا دار کا ہے تو تھے؟ کان پر جوں بھی نہ رہی۔ پہلے سے زیادہ بے باک ہو کر بے غیرتی کا مظاہرہ کرنے لگے۔

فلا پھر اتنی جت و تکراریوں کر رہا ہے۔ ہم اپنا ناپاک ارادہ پورے کیے بدون نہ نہیں گے۔

فلا لوط علیہ السلام کی زبان سے انتہائی گہراہٹ اور پریشانی میں بے ساختہ الفاظ نکلے کہ کاش مجھ میں بذات خود تم سب سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کی طاقت ہوتی یا کوئی طاقتور اور مضبوط پناہ دینے والا ہوتا۔ یعنی میرا کنبہ اور جتھیا یہاں ہوتا حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "يُرْحَمُ اللَّهُ لَوْ طَالَ الْقَدُّ كَانَ يَأْوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ" خدا لوط پر رحم فرمائے، بیشک وہ مضبوط مستحکم پناہ حاصل کر رہے تھے۔ یعنی خداوند قدوس کی سگر اس وقت سخت گہراہٹ اور بے حد ضیق کی وجہ سے ادھر خیال نہ کیا۔ بے ساختہ ظاہری اسباب پر نظر گئی۔ لوط علیہ السلام کے بعد جو انبیاء مبعوث ہوئے سب بڑے جتھے اور قبیلے والے تھے۔

فلا جب لوط علیہ السلام کے اضطراب و قلق کی حد ہو گئی، تب مہمانوں نے کہا کہ حضرت آپ کس فکر میں ہیں مطلق پریشان نہ ہوں، ہم خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جو ان کو تباہ و ہلاک کرنے کے لیے آئے ہیں یہ نبییت ہمارا تو کیا گاڑ سکتے آپ تک بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ تقاسیر میں ہے کہ وہ شریروں کو دردناک توڑ کر یا دیوار پھانڈ کر اندر کھسے جاتے تھے تب جبرائیل علیہ السلام نے خدا سے اجازت لے کر لوط علیہ السلام کو علیحدہ، بٹھا دیا اور ایک ذرا باز دان ملعونوں کی طرف بلایا۔ جو سب کے سب نہت اندھے ہو گئے اور کہنے لگے کہ بھلا لوط کے مہمان تو بڑے جادوگر معلوم ہوتے ہیں۔

فلا یعنی صبح کو عذاب آنے والا ہے۔ تھوڑی رات رہے آپ اپنے متعلقین کو لے کر یہاں سے تشریف لے جائیے اور اپنے ہمراہیوں کو ہدایت کر دیجئے کہ =

## عِنْدَ رَبِّكَ ط وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴿۱۱﴾

تیرے رب کے پاس فلا اور نہیں ہے وہ بستی ان ظالموں سے کچھ دور فل

تیرے رب کے پاس۔ اور نہیں وہ بستی ان ظالموں سے کچھ دور۔

### قصہ لوط علیہ السلام و قوم او کہ تتمہ قصہ سابقہ است

قال تعالى: ﴿وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيقَىٰ إِلَىٰ آلِهِ... وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ﴾

ربط: ..... گزشتہ قصہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا اب اس کے بعد لوط علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور اہل سدوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہ بستی حمص کے قریب تھی اور اسکے پاس اور بھی کچھ گاؤں تھے جن کی مجموعی آبادی تقریباً چار لاکھ تھی سوائے اہل ایمان کے سب ہلاک ہو گئے۔ یہ قصہ کا تتمہ ہے یا یوں کہو کہ پہلا قصہ اس قصہ کی تمہید تھا۔ اور اصل مقصود قوم لوط کی ہلاکت کا قصہ بیان کرنا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے فارغ ہو کر لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو لوط علیہ السلام ان کے آنے سے رنجیدہ اور تنگ دل ہوئے کیونکہ وہ فرشتے حسین بے ریش لڑکوں کی شکل میں تھے لوط علیہ السلام ان کو مہمان سمجھے اور چونکہ لوط علیہ السلام کو اپنی قوم کے ناشائستہ افعال کا علم تھا کہ یہ لوگ خلاف فطرت فواحش کے عادی اور خوگر ہیں اس لیے وہ اس قسم کے مہمانوں کی آمد سے گھبرائے اور تنگ دل ہوئے اور کڑھے کہ میں ان بد کردار اور خبیث طینت والوں سے اپنے مہمانوں کی حفاظت کیسے کروں گا۔ اور اس قدر تنگ دل ہوئے کہ اپنی تنگ دلی کو چھپانہ سکے۔ اور زبان سے کہنے لگے کہ یہ دن تو بڑا کٹھن ہے۔ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی اس پریشانی کو دیکھ لیا مگر ابھی تک ان پر ظاہر نہ کیا تھا کہ ہم دراصل فرشتے ہیں اور اس ناہنجار اور بد کردار اور بد اطوار قوم کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجے گئے

= جلدی کریں اور کوئی بچھے مڑ بھی نہ دیکھے۔ ہاں تیری عورت جس کے وہ ساتھ نہ جائے گی یا بچھے پھر کر دیکھے گی اسی طرح اس عذاب کی لپیٹ میں آ جائے گی جو سب قوم کو پہنچنے والا ہے۔ کہتے ہیں اسی عورت نے قوم کو مہمانوں کی آمد سے مطلع کیا تھا۔

۱۱ یعنی خوش ہو جائیے اب ان ظالموں کے ہلاک ہونے میں کچھ دیر نہیں ہے سچ ہوتے ہی سب کا صفایا ہو جائے گا۔  
۱۲ جبرائیل علیہ السلام نے ان بستیوں کو اٹھا کر آسمان کے قریب ہے نیچے پٹک دیا۔ اس طرح سب بستیاں تہہ و بالا ہو گئیں۔ پھر ان کی نکایت اور ذلت و روانی کی پوری تکمیل کے لیے اوپر سے جھانوسے اور پتھر برساتے گئے۔ شہر کی آبادی سے الگ جو افراد اس قوم کے جس جگہ تھے وہیں پتھروں سے ہلاک کیے گئے (العیاذ باللہ)

(تنبیہ) جو سزا اس قوم کو ادا نہ نیچے کرنے کی ملی ان کی شرناک حرکت سے ظاہری مناسبت بھی رکھتی ہے۔

۱۱ "منضود" کے معنی مترجم محقق نے "تہہ بہ تہہ" کہے ہیں۔ بعض نے یہ معنی لیے کہ پتھر مسلسل یکے بعد دیگرے برس رہے تھے۔

۱۲ یعنی کوئی خاص علامت ان پر تھی جو عام پتھروں سے ممتاز کر کے ظاہر کرتی تھی کہ یہ عذاب الہی کے پتھر ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر پتھر پر اس کا نام درج تھا جس کی ہلاکت کا وہ سبب بنا۔ واللہ اعلم۔

۱۳ یعنی ہاتھ از ماند کے بھی قریب ہے کیونکہ "عاد" و "ثمود" اور قوم نوح وغیرہ کے بعد یہ واقعہ ہوا۔ اور باعتبار مکان کے بھی کیونکہ ان کی بستیاں مدینہ اور شام کے درمیان میں تھیں۔ گزرنے والے قافلے وہاں کنذرات مشاہدہ کرتے تھے۔ یا اس جملہ ﴿وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کا عذاب ایسے ظالموں سے اب بھی کچھ دور نہیں۔ ہمیشہ خدا کے غضب سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

(تنبیہ) اس قصہ کے بعض اجزاء "اعراف" میں گزر چکے ہیں وہاں ملاحظہ کیے جائیں۔

ہیں اور لوط علیہ السلام ان کو اپنا مہمان سمجھتے رہے اور پریشان رہے کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے اور ان کی قوم نے جب یہ خبر سنی کہ لوط علیہ السلام کے یہاں ایسے خوب صورت لڑکے مہمان آئے ہیں کہ اب تک ان سے زیادہ خوبصورت دیکھنے میں نہیں آئے تو یہ بد اطوار قوم لوط علیہ السلام کی طرف دوڑی ہوئی آئی اور اس سے پہلے یہ لوگ بد فعلیاں کیا کرتے تھے لواطت اور اغلام اس قوم کی طینت اور عادت بن چکی تھی اور حیاء اور شرم ان سے نکل چکی تھی۔ لوط علیہ السلام نے کہا اے میری قوم! یہ ہیں میری بیٹیاں یعنی یہ میری قوم کی بیٹیاں موجود ہیں۔ ان سے نکاح کر لو۔ یہ تمہارے لیے پاک ہیں نکاح پاک فعل ہے اور اغلام اور لواطت ناپاک اور گندہ فعل ہے۔ بیٹیوں سے قوم کی لڑکیاں مراد ہیں اس لیے کہ نبی امت کا باپ ہوتا ہے۔ اس لیے قوم کی لڑکیوں کو اپنی بیٹیاں کہا۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور اس بری خصلت سے باز آ جاؤ اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو۔ یہ لڑکے میرے مہمان ہیں تم ان کی بدکاری کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤ اس میں میری سخت رسوائی ہے کیا تم میں کوئی بھلا مانس شخص نہیں ہے جس میں کچھ بھی غیرت اور حیاء کا مادہ ہو وہ بولے اے لوط! تجھے تو خوب معلوم ہے کہ ہمیں تیری بیٹیوں میں کوئی خواہش اور حاجت نہیں اور تحقیق تو خوب جانتا ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ یعنی ہمارا لڑکوں کی طرف راغب ہونا بخوبی معلوم ہے۔ پس عورتوں کو ہم پر پیش کرنا فضول ہے۔ لوط علیہ السلام نے ان کے جواب میں کہا۔ کاش مجھ میں تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی تو میں خود تم کو دور کر دیتا۔ یا کوئی مضبوط قبیلہ اور کنبہ میرا مدد کرے اور لڑتا تو اس کی مدد سے تم کو دور کرتا کہ میرے مہمانوں پر زیادتی کر کے مجھے فضیحت نہ کرنے پاتے اور یہ قوم لوط علیہ السلام کی قرابت دار نہ تھی۔ کیونکہ لوط علیہ السلام پہلے عراق میں اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھے جب وہاں سے شام آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو موٹھکات پر پیغمبر کیا اور یہ چند بستیاں تھیں جن میں بڑی بستی سدوم تھی اور کل آبادی چار لاکھ کے قریب تھی اس لیے لوط علیہ السلام نے تمنا کی کہ کاش اس وقت میرے کنبہ والے باقوت و شوکت ہوتے تو تم مجھ پر ظلم نہ کر سکتے۔ غرض یہ کہ خوبصورت مہمانوں کی خبر سن کر اوباشوں نے ہجوم کیا۔ لوط علیہ السلام نے اندر سے دروازہ بند کر دیا۔ اور اندر ہی سے لوگوں کے ساتھ گفتگو کرتے رہے ان لوگوں نے چاہا کہ دروازہ توڑ ڈالیں اور اندر گھس آئیں تو لوط علیہ السلام نہایت مضطرب ہوئے۔ ملائکہ علیہم السلام نے جب ان کے اضطراب کو دیکھا اور یہ دیکھا کہ قوم کے لوگ ان پر چڑھ آئے ہیں اور انکی مدافعت سے عاجز ہیں تب انکو خبر دی کہ ہم فرشتے ہیں پھر یہ خوشخبری سنائی کہ یہ لوگ تجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

تو وہ فرشتے بولے اے لوط تم گھبراؤ نہیں ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں ان پر عذاب نازل کرنے کے لیے آئے ہیں تم اپنا دل قوی رکھو۔ یہ لوگ ہرگز تجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ جبرائیل علیہ السلام نے لوط علیہ السلام سے کہا دروازہ کھول دو۔ لوط علیہ السلام نے دروازہ کھول دیا۔ جبرائیل علیہ السلام باہر برآمد ہوئے اور ان کے منہ پر اپنا پر مارا جس سے ان کی آنکھیں پھوٹ گئیں اور سب اندھے ہو گئے اور یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ لوط کے مہمان جادوگر ہیں۔ بعد ازاں جبرائیل علیہ السلام نے لوط علیہ السلام سے کہا کہ تو رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو اپنے ساتھ لے کر راتوں رات یہاں سے نکل جا اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے مگر تیری بیوی جو کافرہ ہے اس سے نہیں رہا جائے گا وہ پیچھے مڑ کر ضرور دیکھے گی اور ہلاک ہوگی۔ بلاشبہ اس عورت کو

بھی وہی عذاب پہنچے گا جو اس قوم کو پہنچنے والا ہے یہ حال سن کر لوط علیہ السلام کا اضطراب رفع ہوا اور فرشتوں سے پوچھا کہ کب عذاب آئیگا۔ فرشتوں نے کہا تحقیق ان کے عذاب اور ہلاکت کے وعدہ کا وقت اس رات کی صبح ہے لوط علیہ السلام نے کہا کہ ابھی تو صبح میں دیر ہے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کیا صبح نزدیک نہیں ہے یہ رات بھر کی تاخیر اس لیے کہ گئی ہے تاکہ لوط علیہ السلام اطمینان کے ساتھ اس بستی سے نکل جائیں۔ ہلاکت کے لیے آخر شب کا وقت اس لیے مقرر کیا گیا کہ وہ وقت سکون اور اطمینان کا ہے سب لوگ اپنے گھروں میں جمع ہوتے ہیں اور اپنے کاموں کے لیے متفرق نہیں ہوتے۔ پس جب ہمارا حکم عذاب آپہنچا تو ہم نے اس بستی کو الٹ کر اس کی اوپر کی جانب کو نیچے کر دیا اور نچلی جانب کو اوپر کر دیا۔ جبریل علیہ السلام نے ان بستیوں کو جدا کر کے مثل تختہ کے اپنے بازو پر اٹھالیا۔ اور آسمان کی طرف اونچالے گئے وہاں جا کر انہیں پلٹ دیا اونچے کو نیچا اور نیچے کو اونچا کر دیا۔

غرض یہ کہ جبرائیل امین علیہ السلام کی صفت قرآن میں شدید القوی آئی ہے وہ ان بستیوں کو اٹھا کر آسمان کی طرف لے گئے اور پھر ان کو اوپر سے نیچے پٹک دیا پھر ان پر کھنگر یعنی جھانوے برسائے (جھانوہ اس اینٹ کو کہتے ہیں جو پڑاؤہ کی آگ سے پک کر سیاہ پتھر کی مانند ہو جائے) اور ایسے پتھر برسائے جو ایک کے بعد ایک متواتر گرتے تھے۔ یعنی پے در پے برس رہے تھے۔ وہ پتھر ایسے تھے کہ خدا کے یہاں سے نشان لگے ہوئے تھے۔ ہر پتھر پر مہربان نشان اور علامت تھی کہ اس پتھر کے لگنے سے فلاں کافر ہلاک ہوگا۔ یا ہر پتھر پر من جانب اللہ اس کافر کا نام لکھا ہوا تھا جس پر یہ پتھر گرے گا۔ وہ پتھر دنیا کے پتھروں سے بالکل جدا اور ممتاز تھے (دیکھو تفسیر قرطبی: ۸۳/۹ و تفسیر ابن کثیر: ۲/۵۵۵ و تفسیر زاد المسیر، ص: ۱۳۶)

اور اہل مکہ کو چاہئے کہ اس قصہ سے عبرت پکڑیں کیونکہ قوم لوط کی یہ بستیاں مکہ کے ان ظالموں سے کچھ دور نہیں ملک شام کو جاتے ہوئے ان بستیوں پر گزرتے ہیں اور ہلاکت اور بربادی کے آثار کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ان کو چاہئے کہ عبرت پکڑیں۔

تشبیہ:..... یہ قصہ سورۃ اعراف میں بھی گزر چکا ہے وہاں بھی دیکھ لیا جائے۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۗ وَلَا

اور مدین کی طرف بھیجا ان کے بھائی شعیب کو بولا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اس کے سوا اور نہ اور مدین کی طرف بھیجا ان کا بھائی شعیب۔ بولا، اے قوم! بندگی کرو اللہ کی، کوئی نہیں تمہارا حاکم اس کے سوا۔ اور نہ

تَنْقُضُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَكُمْ وَأَيْدِي آبَائِكُمْ عَلَيْكُمْ ۗ عَذَابٌ لَّيِّنٌ

گھناؤ ساپ اور تول کو فلا میں دیکھتا ہوں تم کو آسودہ حال اور ڈرتا ہوں تم پر عذاب سے ایک گھیر لینے والے گھناؤ ساپ اور تول، میں دیکھتا ہوں تم کو آسودہ، اور ڈرتا ہوں تم پر آفت سے، ایک گھیر لانے والے

فلا یہ قصہ بھی سورۃ اعراف میں گزر چکا۔

**مُحِيْطٌ ۝۳۷ وَيَقُوْمُ اَوْفُوا الْبِكْيَالَ وَالْبِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ**

دن کے فل اور اے قوم پورا کرو ماپ اور تول کو انصاف سے ۳۷ اور نہ گھٹا دو لوگوں کو ان کی چیزیں دن کی۔ اور اے قوم! پورا کرو ماپ اور تول انصاف سے، اور نہ گھٹا دو لوگوں کو ان کی چیزیں،

**وَلَا تَعْتَوُوا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۳۸ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۳۹ وَمَا**

اور مت مچاؤ زمین میں فساد ۳۸ جو بچ رہے اللہ کا دیا وہ بہتر ہے تم کو اگر ہو تم ایمان والے ۳۹ اور میں اور نہ مچاؤ زمین میں خرابی۔ جو بچ رہے اللہ کا دیا، وہ بہتر ہے تم کو، اگر ہو تم یقین رکھتے۔ اور میں

**اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝۴۰ قَالُوا اَيْشُعَيْبُ اَصْلُوْكَ تَأْمُرُكَ اَنْ تَتْرَكَ مَا يَعْبُدُ اَبَاؤُنَا اَوْ اَنْ**

نہیں ہوں تم پر نگہبان ۴۰ بولے اے شعیب کیا تیرے نماز پڑھنے نے تجھ کو یہ سکھایا کہ ہم چھوڑ دیں جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے، یا نہیں ہوں تم پر نگہبان۔ بولے، اے شعیب! تیرے نماز پڑھنے نے تجھ کو یہ سکھایا، کہ ہم چھوڑ دیں جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے، یا

**تَفْعَلْ فِيْ اَمْوَالِنَا مَا نَشَاۗءُ اِنَّكَ لَآتَى الْحَلِيْمِ الرَّشِيْدُ ۝۴۱ قَالَ يَقُوْمُ اَرَعَيْتُمْ اِنْ**

چھوڑ دیں کرنا جو کچھ کہتے ہیں اپنے مالوں میں تو ہی بڑا باوقار ہے نیک چلن والے بولا اے قوم دیکھو تو اگر چھوڑ دیں کرنا اپنے مالوں میں جو چاہیں۔ تو ہے بڑا باوقار نیک چال والا۔ بولا، اے قوم! دیکھو تو، اگر

فل یعنی خدا نے فراغت اور آسودگی عنایت کی تو ڈرتے رہو کہیں نافرمانی سے چھن نہ جائے اور آسائش و خوشحالی سلب ہو کر دنیاوی یا اخروی عذاب مسلط نہ کر دیا جائے۔

۳۷ یعنی اب تک جو ظلم و عدوان کا معیار و قانون تھا، اس کی اصلاح کرو۔

۳۸ یعنی صرف ماپ تول میں نہیں بلکہ کسی چیز میں بھی لوگوں کے حقوق تلف مت کرو۔

۳۹ یعنی شرک و کفر سے یا کم ناپ پینے تو نلنے سے یا دوسری طرح اکتاف حقوق اور ظلم و ستم کر کے زمین میں فساد مت مچاؤ۔ کہتے ہیں وہ لوگ ڈکیتی ڈالتے تھے اور امانت میں خیانت کرتے تھے۔

۴۰ ایک ایماندار کے لیے اللہ کا دیا ہوا جو ٹھیک ٹھیک حقوق ادا کر کے بچ رہے جو قلیل ہو، اس کثیر سے بہتر ہے جو حرام طریقہ سے حاصل کیا جائے یا جس میں لوگوں کے حقوق مارے جائیں۔ مال حلال میں جو ٹھیک ناپ تول کر لیا دیا جائے فی الحال برکت ہوتی ہے، اور خدا کے یہاں اجر ملتا ہے۔

۴۱ یعنی میں نے تم کو نصیحت کر دی۔ آگے اس کا ذکر نہیں کہ تم سے زبردستی عمل کرا کے چھوڑ دوں۔

۴۲ یہ بطور استہزاء و تمسخر کہہ رہے تھے، کہ بس زیادہ بزرگ نہ بننے۔ کیا ساری قوم میں ایک آپ ہی بڑے عقلمند، باوقار اور نیک چلن رہ گئے ہیں؟ ہاں! ہمارے بزرگ سب جاہل اور احمق ہی رہے؟ حضرت شعیب علیہ السلام نماز بہت کثرت سے پڑھتے تھے، کہنے لگے کہ شاید آپ کی نماز یہ حکم دیتی ہے کہ ہم سے باپ دادوں کا پورا دین چھڑوا دیں اور ہمارے اموال میں ہمارا مالکانہ اختیار نہ رہنے دیں۔ بس آپ اپنی نماز پڑھتے جائیے، ہمارے مذہبی و دنیاوی معاملات اور ناپ تول کے قصوں میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "جاہلوں کا دستور ہے کہ نیکوں کے کام آپ نہ کر سکیں تو انہیں کو چڑانے لگیں۔ یہی خصالت ہے کفر کی۔" بعض مفسرین نے "اِنَّكَ لَآتَى الْحَلِيْمِ الرَّشِيْدُ" کو استہزاء پر نہیں۔ واقعیت پر حمل کیا ہے۔ یعنی تو ایک کچھ دار، باوقار اور نیک چلن آدمی ہے۔ پھر ایسی بے موقع باتیں کیوں کرنے لگا۔ جیسے صالح علیہ السلام کو کہا تھا "قَدْ كُنْتَ فِيْهَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا اَتَنْهٰنَا

اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا وَاَنَّا لَمِنَ شِقَاقِهَا تَدْعُوْنَا اِلَيْهِ مُرِيْبًا



كُنْتُ عَلَىٰ بَيْنَةٍ مِّن رَّبِّي وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۖ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا

مجھ کو سمجھ آگئی اپنے رب کی طرف سے اور اس نے روزی دی مجھ کو نیک روزی فلا اور میں یہ نہیں چاہتا کہ بعد کو خود کروں وہ مجھ کو سوجھ ہوئی اپنے رب کی طرف سے، اور اس نے روزی دی مجھ کو نیک روزی۔ اور میں نہیں چاہتا کہ پیچھے آپ کروں، جو

أَهْلَكُمْ عَنْهُ ۚ إِنَّ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ ۚ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۗ عَلَيْهِ

کام جو تم سے چھڑاؤں فلا میں تو چاہتا ہوں سنوارنا جہاں تک ہو سکے اور بن آنا ہے اللہ کی مدد سے اسی پر میں نے کام تم سے چھڑاؤں، میں تو چاہتا ہوں یہی سنوارنا، جہاں تک ہو سکے۔ اور بن آتا ہے اللہ سے۔ اسی پر میں نے

تَوَكَّلْتُ ۖ وَالْيَهُ أَنِيبُ ﴿۱۰﴾ وَيَقَوْمٍ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِي ۚ أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلَ مَا أَصَابَ

بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے فلا اور اے قوم نہ کماؤ میری ضد کر کے یہ کہ پڑے تم پر جیسا کچھ کہ پڑ چکا بھروسہ کیا ہے، اور اسی کی طرف رجوع ہوں۔ اور اے قوم! نہ کماؤ میری ضد کر کے، یہ کہ پڑے تم پر جیسا کچھ پڑا

قَوْمٍ نُوحٍ ۚ أَوْ قَوْمِ هُودٍ ۚ أَوْ قَوْمِ صَالِحٍ ۚ وَمَا قَوْمٌ لُّوطٍ ۚ مِّنكُمْ بِبَعِيدٍ ﴿۱۱﴾ وَاسْتَغْفِرُوا

قوم نوح پر یا قوم ہود پر یا قوم صالح پر اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور ہی نہیں فلا اور گناہ بخشواؤ قوم نوح پر، یا قوم ہود پر، یا قوم صالح پر۔ اور قوم لوط تم سے دور نہیں۔ اور گناہ بخشواؤ

رَبِّكُمْ ثُمَّ تَوَبُّوا إِلَى اللَّهِ ۗ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ ﴿۱۲﴾ قَالُوا يُشْعِبُ مَا نَفَقَهُ كَثِيرًا ۗ هَٰذَا

اپنے رب سے اور رجوع کرو اس کی طرف البتہ میرا رب ہے مہربان محبت والا فلا بولے اے شعیب ہم نہیں سمجھتے بہت باتیں اپنے رب سے، اور اس کی طرف رجوع آؤ، البتہ میرا رب ہے مہربان ہے محبت والا۔ بولے، اے شعیب! ہم نہیں بوجھتے بہت باتیں

فلا یا تو ظاہری روزی مراد ہے۔ یعنی ناپ تول میں کمی بیشی کیے بدون حلال و طیب طریق سے روزی مرحمت فرمائی یا باطنی روزی یعنی علم و حکمت اور نبوت عطا کی، خلاصہ یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ نے مجھ کو فہم و بصیرت دے کر وہ صاف راستہ دکھلا دیا جو تم کو نظر نہیں آتا اور اس دولت سے مالا مال کیا جس سے تمہیں حصہ نہیں ملا۔ تو کیا اس کا حق یہ ہے کہ میں "معاذ اللہ" تمہاری طرح اندھا بن جاؤں اور خدا کے احکام سے روگردانی کرنے لگوں، یا تمہارے استہزاء و تمسخر سے گھبرا کر نصیحت کرنا اور کھانا چھوڑ دوں؟ ہرگز نہیں۔

فلا یعنی جن بری باتوں سے تم کو روکتا ہوں میری یہ خواہش نہیں کہ تم سے علیحدہ ہو کر خود ان کا ارتکاب کروں مثلاً تمہیں تارک الدنیا باؤں اور خود دنیا سمیت کرگھر میں بھڑوں، نہیں جو نصیحت تم کو کرتا ہوں میں تم سے پہلے اس کا پابند ہوں۔ تم یہ الزام مجھ پر نہیں رکھ سکتے کہ میری نصیحت کسی خود غرضی اور ہوا پرستی پر محمول ہے۔

فلا میری تمام تر کوشش یہ ہے کہ تمہاری دینی و دنیاوی حالت درست ہو جائے۔ موجودہ ردی حالت سے نکل کر بام ایمان و عرفان پر چڑھنے کی کوشش کرو۔ اس مقصد اصلاح کے سوا دوسرا مقصد نہیں، جسے میں اپنے مقدر و استطاعت کے موافق کسی حال نہیں چھوڑ سکتا، باقی یہ کہ میری بات بن آئے اور اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاؤں، یہ سب خداوند قدس کے قبضہ میں ہے۔ اسی کی امداد و توفیق سے سب کام انجام پا سکتے ہیں، میرا بھروسہ اسی پر ہے اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

فلا یعنی میری ضد اور عداوت کے جوش میں ایسی حرکتیں مت کرنا جو تم کو گزشتہ اقوام کی طرح سخت تباہ کن عذاب کا مستحق بنا دیں، نوح، ہود اور صالح علیہم السلام کی امتوں پر نکلے یہ عداوت کی بدولت جو عذاب آئے وہ پوشیدہ نہیں، اور لوط علیہ السلام کی قوم کا قصہ تو ان سب کے بعد ماضی قریب میں ہوا ہے اس کی یاد تمہارے حافظہ میں تازہ ہوگی ان نظائر کو فراموش مت کرو۔

**تَقُولُ وَاِنَّا لَلرَّايِك فِينَا ضَعِيفًا ، وَلَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ وَمَا اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ۝۱۱**

جو تو کہتا ہے فلا اور ہم تو دیکھتے ہیں کہ تو ہم میں کمزور ہے فلا اور اگر نہ ہوتے تیرے بھائی بندو تجھ کو ہم سنگسار کر ڈالتے اور ہماری نگاہ میں تیری کچھ عزت نہیں فلا جو تو کہتا ہے، اور ہم دیکھتے ہیں تو ہم میں کمزور ہے۔ اور اگر نہ ہوتے تیرے بھائی بندو، تو تجھ کو ہم پتھراؤ کرتے، اور تو ہم پر کچھ سردار نہیں۔

**قَالَ يَقَوْمِ اَرَهْطِيْ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَاَتَّخِذُ مَثْوًى وَّرَآءَكُمْ ظَهْرِيْٓ اِنَّ رَبِّيْٓ بِمَا**

بولتا ہے قوم کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ تم پر زیادہ ہے اللہ سے اور اس کو ڈال رکھا تم نے پیٹھ پیچھے بھلا کر تحقیق میرے رب کے قابو میں ہے بولا، اے قوم! کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ تم پر زیادہ ہے اللہ سے۔ اور اس کو ڈال رکھا ہے تم نے پیٹھ پیچھے فراموش۔ تحقیق میرے رب کے قابو میں

**تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝۱۲ وَيَقَوْمِ اَعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ط سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ لَا مَن**

جو کچھ کرتے ہو فلا اور اے میری قوم کام کئے جاؤ اپنی جگہ میں بھی کام کرتا ہوں آگے معلوم کر لو گے کس پر ہے جو کرتے ہو۔ اور اے قوم! کام کئے جاؤ اپنی جگہ، میں بھی کام کرتا ہوں۔ آگے معلوم کر دو گے، کس پر

**يَاْتِيْهِ عَذَابٌ يُجْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ط وَاَرْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝۱۳ وَلَمَّا جَاءَ اَمْرُنَا**

آتا ہے عذاب رسوا کرنے والا اور کون ہے جھوٹا اور تانتے رہو میں بھی تمہارے ساتھ تاک رہا ہوں فلا اور جب پہنچا ہمارا حکم آتا ہے عذاب، کہ اس کو رسوا کرے اور کون ہے جھوٹا۔ اور تانتے رہو، میں بھی تمہارے ساتھ ہوں تاکتا۔ اور جب پہنچا ہمارا حکم،

= فلا کیسا ہی پرانا اور کٹر مجرم ہو جب صدق دل سے اس کی بارگاہ میں رجوع ہو کر معافی چاہے وہ اپنی مہربانی سے معاف کر دیتا ہے۔ بلکہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔

فلا سمجھتے سب کچھ تھے لیکن عناد اور جی پوشی سے ایسا کہتے تھے کہ تیری بات کچھ نہیں سمجھتے، نہ معلوم کیا مجذوبوں کی بڑھانک رہا ہے (العیاذ باللہ) اور اگر واقعی وہ ایسی سیدھی اور صاف باتیں بے توجہی یا غبار کی وجہ سے سمجھتے نہ تھے تو یہ کلام اپنے ظاہر پر معمول ہوگا۔

فلا یعنی ایک کمزور اور بے حقیقت آدمی خواہ مخواہ سارے جہان کو اپنا دشمن بنا رہا ہے۔ اسے چاہیے اپنے مال پر رحم کھائے، بیٹھے بٹھائے اپنے کو موت کے منہ میں ڈالنے سے کیافائدہ ہے۔

(تنبیہ) بعض مفسرین نے "ضعیف" کے معنی "ضریر البصر" (ناہینا) کے منقول ہیں شاید کسی خاص وقت میں ماضی طور پر ظاہری بینائی جاتی رہی

ہو۔ جیسے یوسف علیہ السلام کے فراق میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا حال ہوا تھا۔ مفسرین نے بعض روایات نقل کی ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام روتے بہت تھے، حتیٰ کہ نگاہ جاتی رہی۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ شعیب! اس قدر کیوں روتا ہے؟ جنت کے شوق میں یا دوزخ کے ڈر سے؟ عرض کیا پروردگار! تیری لقاء کا خیال کر کے روتا ہوں کہ جس وقت آپ کا دیدار ہو گا نہ معلوم میرے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے؟ ارشاد ہوا تجھ کو ہماری لقاء (دیدار) مبارک ہو، اے شعیب! اسی لیے میں نے اپنے کلیم موسیٰ ابن عمران (علیہ السلام) کو تیری خدمت کے لیے کھڑا کر دیا ہے، کہتے ہیں خدا نے ان کی بینائی واپس کر دی۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِصِحْتِهِ۔

فلا یعنی تیرے کنبہ کے لوگ جو ہمارے ساتھ ہیں ان کا خیال آتا ہے ورنہ اب تک تجھے سنگسار کر ڈالتے۔

فلا یعنی افسوس اور تعجب ہے کہ خاندان کی وجہ سے میری رعایت کرتے ہو اس وجہ سے نہیں کرتے کہ میں خدا کا بھیجا ہوا ہوں اور صاف و صریح نشانات اپنی سچائی کے دکھلا رہا ہوں گویا تمہاری نگاہ میں میرے خاندان کی عورت اور اس کا دباؤ خداوند قدوس سے زیادہ ہے۔ خدا کی عظمت و جلال کو ایسا بھلا دیا کہ کبھی تمہیں تصور بھی نہیں آتا۔ جو قوم خدا تعالیٰ کو بھلا کر (معاذ اللہ) پس پشت ڈال دے اسے یاد رکھنا چاہیے۔ کہ اس کے تمامی افعال و اعمال خدا تعالیٰ کے علم و قدرت کے احاطہ میں ہیں۔ تم کوئی کام کر دو اور کسی حالت میں ہو، ایک آن کے لیے بھی اس کے قابو سے باہر نہیں۔

فلا یعنی اچھا تم اپنی خدا اور ہٹ پرستے رہو، میں خدا کی توفیق سے راہ ہدایت پر ثابت قدم ہوں عنقریب پتہ ہل جائے گا کہ ہم میں سے کس کو خدا کا عذاب فیضیت =

فَجَاءَنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ

بجایا ہم نے شعیب کو اور جو ایمان لائے تھے اس کے ساتھ اپنی مہربانی سے اور آپکڑا ان ظالموں کو کڑک نے  
بجایا ہم نے شعیب کو، اور جو یقین لائے تھے اس کے ساتھ، اپنی مہر سے۔ اور پکڑا ان ظالموں کو چنگھاڑ نے،

فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جُثِيثِينَ ﴿۱۳﴾ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا بُعْدًا لِّلْمَدِينِ كَمَا بَعَدَتْ

پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے گویا کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے فل سن لو پھٹکار ہے مدین کو جیسے پھٹکار ہوئی تھی  
پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے۔ جیسے کبھی نہ بسے تھے ان میں۔ سن لو! پھٹکار ہے مدین پر، جیسے پھٹکار پائی

### هُودٌ ﴿۱۳﴾

نمود کو فل

شمود نے۔

### قصہ شعیب علیہ السلام

قَالَ الْبَخَالِيُّ: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ شُعَيْبًا... أَلَا بُعْدًا لِّلْمَدِينِ كَمَا بَعَدَتْ هُودٌ﴾

ربط:..... یہ چھٹا قصہ شعیب علیہ السلام کا ہے جو خطیب الانبیاء کے لقب سے معروف ہیں اور مدین کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔  
یہ لوگ بڑے سرمایہ دار تھے انکا مذہب یہ تھا کہ ہم اپنے مالوں کے تصرف میں آزاد اور مختار ہیں (جیسا کہ آج کل کے سرمایہ  
دار کہتے ہیں) جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں حضرت شعیب علیہ السلام فرماتے تھے کہ یہ اموال اگرچہ تمہارے مملوک ہیں  
مگر تمہاری ملکیت مالک حقیقی کی ملکیت اور اس کے حکم کے ماتحت ہے۔ امانت اور دیانت کے ساتھ اور صحیح کیل اور وزن کے  
ساتھ تم اس میں تصرف کر سکتے ہو یہ قوم بت پرستی اور بدکاری کے علاوہ معاملات دنیاوی میں خیانت اور کم تولنے میں مبتلا تھی۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اصحاب مدین کو توحید کی دعوت دی اور شرک اور کم تولنے کی عادت سے توبہ اور استغفار کی  
نصیحت کی اور کہا کہ مجھ کو ڈر ہے کہ اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو تم پر اللہ کا عذاب آئے گا اور قوم نوح اور قوم عاد اور قوم شمود کی طرح

= کرتا ہے اور کون جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ اب ہم اور تم دونوں آسمانی فیصلہ کا انتظار کرتے ہیں

فل یہاں قوم شعیب کا کڑک (فرشتہ کی چیخ) سے ہلاک ہونا مذکور ہے اور "اعراف" میں "رجفہ" کا لفظ آیا ہے یعنی زلزلہ سے ہلاک ہوئے۔ اور سورہ شعراء  
میں "عَذَابٌ يُؤْمُ الظُّلَّةَ" آیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کے بادل سائبان کی طرح ان پر ٹپکا ہو گئے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ تینوں قسم کے عذاب  
اس قوم کے حق میں جمع کر دیئے گئے تھے، پھر ہر سورت میں وہاں کے سیاق کے مناسب عذاب کا ذکر کیا گیا۔ "اعراف" میں تھا کہ ان لوگوں نے شعیب علیہ  
السلام سے کہا کہ ہم تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو اپنی سرزمین سے نکال دیں گے۔ وہاں بتلا دیا کہ جس زمین سے نکالنا چاہتے تھے، اسی کے زلزلہ سے ہلاک  
ہوئے۔ یہاں ان کے سخت گستاخانہ مقالات کا ذکر تھا، اس لیے بالقابل آسمانی "صیحہ" (کڑک) کا ذکر فرمایا۔ گویا عذاب الہی کی ایک کڑک میں ان کی  
سب آوازیں گم ہو گئیں۔ سورہ شعراء میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ﴿وَمَا نُنَبِّئُكَ عَنْ ظُلْمَتِنَا كَيْفَ تُلَاقِي السَّمَاءَ بِأَنْ نُّكْسِفَ مِنَ الظُّلُمَاتِ أَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ رَحْمَةٌ﴾  
ہا آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دے۔ اس کے مقابلہ میں "عَذَابٌ يُؤْمُ الظُّلَّةَ" کا ذکر فرمایا۔

فل یعنی دونوں "صیحہ" سے ہلاک ہوئے۔

ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔

جب ان لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کا کہنا نہ مانا تو آخری درجہ میں یہ فرمایا **﴿اعْمَلُوا عَلٰی مَكَاتِبِكُمْ﴾** الخ کو خیر ہو تمہارا جی چاہے کرو۔ عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تم کو کیا رسوائی پہنچنے والی ہے آخروہی ہوا کہ تھوڑے دنوں میں عذاب آیا آگ برسی اور سب ہلاک ہو گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ہم نے مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا تا کہ یہ اندھے اور بہرے شاید اپنے بھائی کی کچھ سنیں اور دیکھیں۔ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام تھا پھر اس کی اولاد کا بھی یہی نام ہو گیا اور ان لوگوں نے ایک شہر آباد کیا اس کا نام بھی مدین رکھا۔ یہ شہر بحر قلزم کے کنارے پرتوک کے محاذی اس سے چھ مرحلہ دور واقع ہے اور تپوک سے بڑا ہے اور مدین وہی شہر ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اول مرتبہ مصر سے تنہا نکلے تو اس شہر کے کنوئیں پر ٹھہر کر شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ اب آگے شعیب علیہ السلام کی تعلیم و تلقین کا حال بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے قوم کو وہ بات بتائی جو سب سے اول اور مقدم فرض ہے۔ شعیب علیہ السلام نے ان سے یہ کہا اے میری قوم! تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ توحید اور عبادت یہ تو اللہ تعالیٰ کا حق ہوا۔ اب آگے مخلوق کا حق بتایا جو باہمی معاملات سے متعلق تھا اور نہ کمی کر دم پیمانے سے ناپنے کی چیزوں میں اور ترازو سے تولنے کی چیزوں میں۔ تحقیق میں تم کو اچھی حالت یعنی نعمت اور تو نگری میں دیکھتا ہوں یعنی تم مفلس اور محتاج نہیں کہ اس کی وجہ سے خیانت کرو بلکہ مالدار اور نعمت والے ہو اس کا حق تو یہ ہے کہ لوگ تم سے بہرہ مند ہوں نہ یہ کہ تم دوسروں کے حق میں سے کمی کرو۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر کرو۔ اگر زیادہ نہیں تولتے تو کم بھی نہ تولو اور تحقیق میں اس خیانت کی وجہ سے تمہاری نسبت ایسے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں جو تم سب کو گھیرے میں لیے ہوئے ہوگا۔ اس سے قیامت کا عذاب مراد ہے یاد دہانی عذاب ہلاکت مراد ہے۔ یہ تو ناپ تول میں کمی کی ممانعت ہوئی اب آئندہ آیت میں ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم اور اس میں تاکید اور مبالغہ ہے اور اے میری قوم انصاف کے ساتھ ماپ اور تول کو پورا کیا کرو۔ ماپ میں پیمانہ کو اوجھانہ بھرو اور تولنے میں ڈنڈی نہ مارو اور لوگوں کی چیزوں میں ذرہ برابر کمی نہ کرو۔ یعنی کیل اور وزن کی خصوصیت نہیں تمام چیزوں میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو خواہ کسی قسم کی کوئی چیز ہو اس میں کمی نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کے حق میں خیانت نہ کرو۔ ایک ہی بات کو تین مرتبہ دہرانے سے مقصود تاکید ہے مگر ہر مرتبہ نئی عبارت سے ادا کیا گیا ہے جس میں خاص بلاغت ہے اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو یعنی رہزنی نہ کرو۔ یہ لوگ رہزنی بھی کیا کرتے تھے۔ ناپ تول میں ہر حق دار کا حق ادا کرنے کے بعد اللہ کا دیا ہوا حلال مال جو تمہارے پاس باقی رہ جائے اس زیادہ مال سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو خیانت کر کے تم حاصل کرو۔ کیونکہ حلال مال میں گودہ قلیل ہو اس میں خیر و برکت ہے۔ اگر ہو تم یقین رکھنے والے تو سمجھ لو کہ برکت حلال میں ہے۔ حرام میں نہیں۔ میں تمہارا نگہبان نہیں کہ زبردستی تم کو منوا دوں اور نیک راہ پر چلا دوں ف

من آنچه شرط بلاغت ناقوی گویم تو خواہ از سختم پند گیر و خواہ ملال

حکایت کیا جاتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام دو قسم پر تھے ایک وہ کہ جن کو جہاد کا حکم ہوا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت

داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام اور بعضے وہ ہیں جن کو جہاد کا حکم نہیں ہوا۔ صرف تبلیغ رسالت ان کے ذمہ تھا۔ شعیب علیہ السلام ان ہی

میں تھے جن کو جہاد کا حکم نہیں تھا وہ دن بھر قوم کو نصیحت فرماتے اور رات بھر نماز پڑھتے (روح البیان: ۴/۱۷۴)

## قوم مردود کا جواب

قوم کے سردار بو کے اے شعیب علیہ السلام ہم نے تمہارا وعظ سن لیا۔ کیا تیری نماز اور عبادت تجھ کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے بڑے پوجتے تھے اور سب بتوں کو چھوڑ کر تیرے کہنے سے خالی ایک معبود کے ہو رہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام چونکہ کثیر الصلوٰۃ تھے۔ ان کی قوم ان کو نماز پڑھتا دیکھتی تو بطور تمسخران سے یہ کہتی۔ یا ہم اپنے مالوں میں سے حسب منشاء تصرف کرنا چھوڑ دیں۔ ہم اپنے مالوں کے مالک اور مختار ہیں جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں۔ تحقیق تو تو بڑا بردبار اور راہ یاب ہے تو ایسی باتیں کیوں کہتا ہے۔ یہ کہنا ان کا بطور استہزاء اور تمسخر تھا۔ جیسا کہ آج کل کے سرمایہ دارانہ نظام والے بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم اپنے سرمایہ کے مالک اور مختار ہیں اور اس کے کمانے اور خرچ کرنے میں آزاد ہیں۔ یہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تقسیم کیسی۔ مطلب یہ تھا کہ اب ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دیجئے اور دغا بازی سے بچنے کا وعظ نہ کہئے۔ شریعت یہ کہتی ہے کہ بے شک تم اپنے مالوں کے مالک ہو مگر ہم تمہارے وجود کے اور تمہارے مالوں کے مالک مطلق اور مالک حقیقی ہیں تم سب ہمارے بندے اور غلام ہو تم اپنی تجارت اور زراعت میں ہمارے نازل کردہ قانون کے پابند ہو جس طرح تمہارا وجود ہمارا عطیہ ہے اسی طرح تمہارے اموال ہمارے عطا کردہ ہیں ہمارے عطاء کردہ اعضاء اور جوارج سے اور ہمارے حکم کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں ہم نے اپنی رحمت اور مہربانی سے یہ کہہ دیا ہے کہ تم ان اموال کے مالک ہو مگر ہماری اس عنایت اور مرحمت کا یہ مطلب نہیں کہ تم ہمارے نازل کردہ قانون شریعت کی حدود و قیود اور امر و نہی سے آزاد ہو کہ خلاف قانون جو چاہو تصرف کرو شریعت شخصی اور انفرادی ملکیت کو برقرار رکھتی ہے۔ اشتراکیت کی طرح شریعت شخصی اور انفرادی ملکیت کی منکر نہیں البتہ اس کی آزادی اور مطلق العنانی کی منکر ہے جس طرح ایک مجازی غلام اور خادم کی تصرف اور تجارتی کاروبار مجازی آقا کے ماتحت ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ بندوں کے تمام مالی تصرفات مالک حقیقی اور خداوند حکم الحاکمین کے حکم اور قانون کے ماتحت ہیں۔ ملک کی رعایا، حکومت اور صدر مملکت اور وزرائے سلطنت کی مخلوق نہیں اور اپنی ذاتی قدرت اور اختیار میں اور تجارتی کاروبار میں حکومت کے محتاج نہیں مگر بائیں ہمہ ملک کی رعایا۔ قانون حکومت کے ماتحت تصرف کر سکتی ہے۔ اس کے خلاف تصرف نہیں کر سکتی۔ پس جبکہ مجازی اور قانونی حکومت میں رعایا کا تصرف قانون حکومت کے ماتحت ہونا تہذیب اور تمدن کے خلاف نہیں۔ تو خدا کی مخلوق کے تصرف کو خدا کے نازل کردہ قانون شریعت کے ماتحت قرار دینا کیسے خلاف تمدن ہو سکتا ہے۔ آج کل کے سرمایہ داروں کی طرح قوم شعیب علیہ السلام بھی یہی کہتی تھی کہ کیا آپ کی نماز ہم کو یہ حکم دیتی ہے۔ کہ ناپ تول میں کمی کرنا چھوڑ دیں اور اپنے مالوں میں حسب منشاء تصرف کرنا چھوڑ دیں۔ ان معزورین اور منکبرین کا جواب یہ ہے کہ ہاں نماز ایسی ہی باتوں کا حکم دیتی ہے۔ ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ (تحقیق نماز فحشاء اور منکرات سے روکتی ہے) اس لیے شعیب علیہ السلام کی نماز ان کو آمادہ کرتی تھی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔

## شعیب علیہ السلام کا قوم کو جواب با صواب

شعیب علیہ السلام نے جواب دیا اے میری قوم! مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے بصیرت اور روشن دلیل اور حجت پر ہوں۔ یعنی علم اور ہدایت پر ہوں جن کی بنا پر ہم کو نیکی کا حکم دیتا ہوں اور برائی سے منع کرتا ہوں اور مزید برآں اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے پاس سے اچھا رزق یعنی حلال و طیب اور فراخ دیا ہو تو کیا ایسی صورت میں تمہاری جاہلانہ اور احمقانہ باتوں کی وجہ سے حق کی دعوت اور تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دوں اور تم کو بت پرستی اور کیل اور وزن میں کمی کرنے سے منع نہ کروں جبکہ خدا تعالیٰ نے نبوت و رسالت اور حجت و اہمہ اور علم و حکمت کی دولت عطا کی جس سے مجھ کو بصیرت اور نور یقین حاصل ہے اور مال حلال و طیب بھی مجھ کو اتنا دیا کہ جس کے بعد مجھ کو مخلوق کی ضرورت نہیں۔ تو مجھ پر تم بیوقوفوں کی طعن آمیز باتوں کا کیا اثر ہو سکتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ رزق حسن سے نبوت کی نعمت مراد ہے اور میرا یہ ارادہ نہیں کہ جس بات سے تم کو منع کروں اسکے خلاف میں خود کروں۔ مطلب یہ کہ میں ایسا نہیں کہ جن باتوں اور خواہشوں سے تم کو منع کروں خود اس میں داخل ہو جاؤں۔ بلکہ تمہارے لیے وہی بات پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ جہاں تک مجھ سے ممکن ہے میں سوائے تمہاری اصلاح کے کچھ نہیں چاہتا۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے عقائد اور معاملات درست ہو جائیں اور تمہارے اعتقادات اور معاملات سے فسادات دور ہو جائیں۔ اور یہی کمال رشد اور کمال حلم ہے اور نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ کی قوت اور طاقت سے یعنی میں اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کرنا چاہتا ہوں مگر میری طاقت اللہ کی قوت اور اعانت سے ہے۔ اور اس کی مدد سے ہے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع ہوتا ہوں۔ حتیٰ کہ توکل اور اصلاح میں بھی اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ ہر کام میں نیت اسی کی کرتا ہوں۔

## ترہیب قوم از مخالفت و معاندت

اس مواظبت سراپا حکمت کے بعد شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو اپنی مخالفت پر عذاب سے ڈراتے ہیں اور اے میری قوم! تم کو میری دشمنی اور عداوت اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم میری نافرمانی کرو۔ اور پھر تم کو ویسا ہی عذاب پہنچے جیسا کہ قوم نوح کو طوفان پہنچا۔ یا قوم ہود کو ہوا کا طوفان پہنچا جس سے وہ پارہ پارہ ہوئے یا قوم صالح کو زلزلے نے تباہ اور برباد کیا تم ان قوموں کے تاریخی حالات سے بخوبی واقف ہو اگرچہ ان کو کچھ زمانہ گزر گیا ہے۔ تم کو چاہئے کہ ان سے عبرت پکڑو! اور قوم لوط تو تم سے دور نہیں۔ ان کو تباہ ہوئے کچھ زیادہ نہیں گزرا۔ دیکھ لو کہ پیغمبر کی مخالفت سے تمہارے روبرو کیسے ہلاک ہوئے مطلب یہ ہے کہ اگر گزشتہ امتوں کے حال سے عبرت نہیں پکڑتے تو قوم لوط سے عبرت پکڑو اس قوم کی بستیاں تم سے دور نہیں اور اپنے پروردگار سے اپنے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگو اور آئندہ کے لیے اس کی طرف رجوع کرو یعنی اس کے حکم پر چلو اور کفر و شرک سے توبہ کرو اور ناپ تول میں کمی کو چھوڑو بے شک میرا پروردگار بڑا مہربان ہے۔ استغفار کرنے والوں پر۔ اور بڑا محبت کرنے والا ہے۔ توبہ کرنے والوں سے استغفار سے اللہ کی رحمت اور عنایت نازل ہوتی ہے اور توبہ سے اللہ کی محبت اس پر نازل ہوتی ہے جس کا ثمرہ یہ ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

## قوم کا جواب

قوم کے لوگ جب شعیب علیہ السلام کی اس موعظت سراپا حکمت اور تقریر دل پذیر کے جواب سے لا جواب ہوئے تو ازراہ جہالت و عداوت یہ کہنے لگے اے شعیب تیری بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ یعنی تو جو کہتا ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور شرک اور بت پرستی کو چھوڑو۔ اور ناپ تول میں کمی کرنا چھوڑو۔ تیری یہ باتیں سب تیرے خیالات فاسدہ ہیں قابل توجہ نہیں اور ہم تو تجھے اپنے درمیان کمزور اور ناتواں دیکھتے ہیں تجھ میں کوئی قوت نہیں اور ہم اگر تجھ کو کوئی برائی پہنچانا چاہیں تو کوئی روک نہیں پایہ مطلب ہے کہ تو ہم میں ایک ذلیل آدمی ہے تیری کچھ عزت نہیں اور اگر تیرا کنبہ نہ ہوتا تو ہم تجھ کو سنگسار کر دیتے ہم کو تیرے خاندان اور قبیلہ کی عزت اور حرمت کا پاس ہے جو تجھ کو چھوڑ دیا اور تو ہماری نظروں میں کوئی عزت والا نہیں کہ تیری عزت سنگساری سے مانع بنے۔

## شعیب علیہ السلام کی طرف سے قوم کی دھمکیوں کا جواب

یہ تو قوم کی دھمکیوں کا ذکر ہوا اور یہ تو فون کا یہی دستور ہے کہ آیات ینات اور روشن دلائل کے مقابلہ میں دھمکیاں دیا کرتے ہیں۔ اب آگے ان دھمکیوں کے مقابلہ میں شعیب علیہ السلام کا جواب ذکر کرتے ہیں۔ جو ان نادانوں کی شفقت سے لبریز ہے۔ اور شعیب علیہ السلام کی قلبی سکون اور اطمینان کا آئینہ دار ہے کہ وہ قوم کی دھمکیوں سے ذرہ برابر مرعوب نہ تھے بلکہ وعدہ خداوندی پر مطمئن تھے۔ چنانچہ شعیب علیہ السلام نے ان کی دھمکیوں کے جواب میں کہا! اے میری قوم افسوس اور تعجب ہے کہ میری نبوت و رسالت تو میرے رجم سے مانع نہ ہوئی۔ بلکہ میرے قبیلہ اور خاندان کی قوت و شوکت میرے رجم سے تمہارے لئے مانع بنی کیا میری برادری اور میرا کینہ تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے زیادہ عزت والا ہے کہ خاندان کا تو پاس کیا اور جس خدا نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا اور سچائی کے نشان مجھے دیئے اس کا پاس نہیں کیا اور اللہ کو یعنی اس کے حکم کو تم نے پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا۔ مگر یاد رکھو کہ عنقریب تم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ کیونکہ تحقیق میرا پروردگار تمہارے اعمال کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ تمہارا کوئی عمل اس سے پوشیدہ نہیں تمہارے اعمال کے موافق تم کو جزا دے گا۔ بعد ازاں جب شعیب علیہ السلام قوم کی ہدایت سے ناامید ہوئے اور سمجھ گئے کہ ان لوگوں کو عذاب سے ڈرانا بیکار ہے۔ کوئی نصیحت ان پر کارگر نہ ہوئی کیونکہ ان لوگوں کو یقین ہے کہ عذاب کا وعدہ محض دھمکی ہی دھمکی ہے تو اخیر میں یہ فرمایا کہ اچھا اگر تم کو عذاب کا یقین نہیں تو اچھا تم جانو عنقریب پتہ چل جائے گا اور بالآخر ناامید ہو کر یہ کہا اے میری قوم تم اپنی جگہ میں اپنے کام کیے جاؤ میں بھی اپنا کام کرتا ہوں۔ عنقریب تم جان لو گے کہ وہ کون ہے جس پر ایسا عذاب آئے گا۔ جو اس کو ذلیل و خوار کرے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے جو جھوٹا ہے اس وقت طرفین کی عزت اور ذلت کا فیصلہ ہو جائے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ تم جھوٹے ہو یا میں جھوٹا ہوں اور آسمانی فیصلہ کا انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ جس عذاب سے میں تم کو ڈرا رہا ہوں وہ محض دھمکی نہیں بلکہ وہ اتنا قریب آ گیا کہ اس کی طرف نکلنے لگا کر انتظار میں بیٹھ جاؤ۔ پس حسب وعدہ چند روز کے بعد

عذاب کا سامان شروع ہوا اور جب ہمارا حکم عذاب کے لیے آپہنچا تو ہم نے فریقین میں سے شعیب علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی طرف سے ایک خاص رحمت کے ساتھ عذاب آسمانی سے نجات دی اور ان ظالموں کو جنہوں نے شرک اور معصیت سے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا تھا یکدم ایک سخت آواز نے آپکڑا جس سے یک لخت سب کے دل پھٹ گئے اور ایک دم سب مر گئے۔ جبریل امین علیہ السلام نے ایک چیخ ماری جس کی دہشت سے سب کافر مر گئے۔ پس یہ لوگ صبح کے وقت اپنے گھروں میں گھنٹوں کے بل مرے رہ گئے گویا کہ وہ کبھی ان گھروں میں بسے نہ تھے۔ آگاہ ہو جاؤ اور خوب سن لو کہ قوم مدین کو ہلاکت اور پھٹکار ایسی ہوئی جیسا کہ قوم ثمود کو ہوئی تھی۔ چونکہ قوم شعیب اور قوم صالح (یعنی قوم ثمود) ایک ہی عذاب سے ہلاک ہوئے اس لیے فرمایا کہ مدین کی ہلاکت ویسی ہی ہے جیسی ثمود کی ہلاکت ہے۔ تشبیہ اس بات میں ہے کہ دونوں قومیں عذاب صبیحہ سے ہلاک ہوئیں۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ قوم ثمود نے نیچے کی جانب سے صبیحہ (چنگھاڑ) سنی اور ہلاک ہوئی۔ اور قوم مدین نے اوپر کی جانب سے صبیحہ (چیخ) سنی اور ہلاک ہوئی۔ نیز مدین کو ثمود کے ساتھ اس لیے بھی ذکر کیا کہ دونوں قوموں کی بستیاں قریب تھیں اور کفر اور ہزنی میں ایک دوسرے کے مشابہ تھیں اور عذاب میں بھی ایک دوسرے کے مشابہ تھیں اور دونوں عرب میں تھے اس اعتبار سے تشبیہ معنوی ہو گئی۔

فائدہ:..... یہاں قوم شعیب کا صبیحہ (چیخ) سے ہلاک ہونا مذکور ہوا اور سورۃ اعراف میں رجفہ کا لفظ آیا ہے یعنی زلزلہ سے ہلاک ہوئے عجب نہیں کہ ابتداء میں زلزلہ آیا ہو اور پھر چیخ آئی ہو۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَأَرْسَلْنَا مُوسَىٰ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوا أَمْرًا

اور البتہ چیخ پکے ہیں ہم موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور واضح سند دے کر فی فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس پھر وہ چلے حکم پر اور بھیج چکے ہیں موسیٰ کو اپنی نشانوں سے، اور واضح سند سے۔ فرعون اور اس کے سرداروں پاس، پھر چلے کہے میں

فِرْعَوْنَ ۗ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ۖ يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ

فرعون کے اور نہیں بات فرعون کی کچھ کام کی ذمہ آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن پھر پہنچائے گا ان کو آگ پر فرعون کے۔ اور نہیں بات فرعون کی کچھ نیک چال رکھتی۔ آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن، پھر پہنچا دے گا ان کو آگ پر۔

وَبِئْسَ الْوَرْدُ الْمَوْرُودُ ۖ وَاتَّبِعُوا فِي هَذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ بِئْسَ الرَّفْدُ

اور برا گھاٹ ہے جس پر پہنچے ۛ اور پیچھے سے ملتی رہی اس جہان میں لعنت اور دن قیامت کے بھی برا انعام ہے اور برا گھاٹ ہے جس پر پہنچے۔ اور پیچھے سے ملی اس جہان میں لعنت، اور دن قیامت کے۔ برا انعام ہے

فی نشانوں سے غالباً معجزات اور وہ آئیں مراد میں جن کا ذکر ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِاٰیٰتِنَا﴾ میں ہوا ہے۔ ان میں سے معجزہ عصا کو جو نہایت ظاہر و قاہر معجزہ تھا شاید "سُلْطٰنٌ مُّبٰیِّنٌ" (واضح سند) فرمایا "سُلْطٰنٌ مُّبٰیِّنٌ" سے وہ روشن دلائل مراد ہوں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے خدا تعالیٰ کے وجود و توحید وغیرہ کے متعلق پیش کیے جن کا ذکر دوسرے مقامات میں آئے گا۔ اور ممکن ہے سُلْطٰنٌ مُّبٰیِّنٌ سے اس کے لغوی معنی (یعنی کھلا ہوا غلہ) مراد لیے گئے ہوں، کیونکہ فرعونوں کے مقابلہ پر بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نمایاں غلبہ اور فتح عین مائل ہوئی رہی۔

ۛ یعنی کٹے کٹے نشان دیکھ کر بھی فرعونوں نے پیغمبر خدا کی بات نہ مانی، اسی دشمن خدا کے حکم پر پلٹے رہے۔ حالانکہ اس کی کوئی بات ٹھکانے کی نہ تھی، جسے =



## الْمَرْفُودُ ﴿١٩﴾

جوان کو ملاقات

جو ملا۔

### قصہ موسیٰ علیہ السلام با فرعون

قَالَ النَّبِيُّ: «وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا... إِلَىٰ... بِئْسَ الرَّفِيقُ الْمَرْفُودُ»

رابطہ:..... اب یہ ساتواں قصہ موسیٰ علیہ السلام کا ہے اور یہ قصہ اس سورت کا آخری قصہ ہے۔ جس میں یہ بتلایا کہ خدا اور رسول کے مقابلہ میں سلطنت اور مال و دولت اور قوت و شوکت کچھ کام نہیں آئی۔ عزت کی اتباع میں ہے اور تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں اور کھلا غلبہ دیکر بھیجا یعنی معجزات قاہرہ و باہرہ مثل معجزہ عصا۔ اور معجزہ ید بیضا دیکر فرعون اور اس کے ملک کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ پس باوجود ان معجزات قاہری اور براہین باہری اور دلائل ظاہرہ کے ان سرکشوں نے پیغمبر خدا ﷺ کا اتباع نہ کیا بلکہ حکم فرعون کے تابع اور پیرو ہو گئے اور فرعون کا کام درست نہ تھا اور جس طرح فرعون دنیا میں ان گمراہوں کا پیشر و بنا اسی طرح وہ قیامت کے دن اپنی تمام قوم کا پیشوا ہوگا۔ اور اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا سوان کو آگ میں لے جا کر اتارے گا جیسا کہ وہ دنیا میں اس کے آگے تھا۔ اور بحر قلزم میں لے جا کر ان کو غرق کیا اسی طرح قیامت کے دن بھی ان کے آگے آگے ہوگا اور براگھاٹ ہے جس پر وہ اتارے گئے یعنی آتش دوزخ جس پر ان کو لایا گیا وہ بہت براگھاٹ ہے۔ اس لیے کہ آدمی گھاٹ پر اس امید پر اترتا ہے کہ وہاں پیاس اور دھوپ کی گرمی دور ہوگی اور آرام و آسائش ملے گی۔ مگر یہاں معاملہ برعکس ہوگا کہ وہاں پانی سے کلیجہ اور جل جائے گا اور پیاس زیادہ ہو جائے گی اور زبان چھاتی پر لٹک پڑے گی اور اس دنیا میں اس قوم کے پیچھے لعنت لگا دی گئی ایسے مغرورین اور متکبرین پر ہر شخص دنیا میں لعنت کرتا ہے اور قیامت کے دن بھی لعنت ان کے پیچھے لگی ہوگی تمام اہل محشر ان پر لعنت کریں گے۔ یہ کتنا برا عطیہ ہے جو ان کو عطاء کیا گیا کہ دنیا اور آخرت میں لعنت ان کے گلے کا ہار بنا دی گئی۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْقُرٰى نَقَّصْنٰهُ عَلَيْكَ مِنْهَا قَابِلٌ مِّنْهَا وَحٰصِيْدٌ ﴿١٩﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ

یہ تھوڑے سے حالات ہیں بستیوں کے کہ ہم سناتے ہیں تجھ کو بعض ان میں سے اب تک قائم ہیں اور بعض کی جو کٹ گئی ۱۹ اور ہم نے ان پر یہ تھوڑے احوال ہیں بستیوں کے، کہ ہم سناتے ہیں تجھ کو، کوئی ان میں قائم ہے اور کوئی کٹ گیا۔ اور ہم نے ان پر

= مان کر انسان بھائی حاصل کر سکتا۔

۱۹ جس طرح یہاں کفر و تکذیب میں ان کا امام تھا، قیامت کے دن بھی امام رہے گا۔ جو لوگ دنیا میں اس کی اندھی تقلید کر رہے تھے وہ اس کے پیچھے پیچھے آخری منزل (جہنم) تک پہنچ جائیں گے۔ یہی وہ گھاٹ ہے جہاں ٹھنڈے پانی کی جگہ بھسم کر دینے والی آگ ملے گی۔

۲۰ یعنی رہتی دنیا تک لوگ فرعون اور فرعونوں پر لعنت بھیجتے رہیں گے۔ پھر قیامت میں ملائکہ اللہ اور اہل موقت کی طرف سے لعنت پڑے گی۔ غرض لعنت کا سلسلہ تار ان کے ساتھ ساتھ پلتا رہے گا۔ گویا یہ انعام ہے جو ان کے کارناموں پر دیا گیا۔

۲۱ یعنی پچھلی قوموں کے قصے جو تم کو سنائے گئے کہ کس طرح انہوں نے پیغمبروں کی تکذیب اور گستاخیاں کیں، پھر کس طرح تباہ ہوئے، ان میں سے بعض کی =

ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ لَمَّا

علم نہیں کیا لیکن ظلم کر گئے وہی اپنی جان پر پھر کچھ کام نہ آئے ان کے ٹھاکر (معبود) جن کو پکارتے تھے سوائے اللہ کے کسی چیز میں جس وقت ظلم نہ کیا، لیکن ظلم کر گئے اپنی جان پر، پھر کچھ کام نہ آئے ان کو ٹھاکر، جن کو پکارتے تھے اللہ کے سوا کسی چیز میں، جب

جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَمَا زَاخُوهُمْ غَيْرَ تَتْبِيبٍ ۝۱۱ وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ

پہنچا حکم تیرے رب کا اور انہیں بڑھایا ان کے حق میں سوائے ہلاک کرنے کے ۱۱ اور ایسی ہی ہے پکڑ تیرے رب کی جب پکڑتا ہے بستیوں کو پہنچا حکم تیرے رب کا۔ اور کچھ نہ بڑھایا ان کے حق میں سوا ہلاک کرنا۔ اور ایسی ہے پکڑ تیرے رب کی، جب پکڑتا ہے بستیوں کو،

وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۖ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ ۝۱۲

اور وہ ظالم کرتے ہوتے ہیں بیشک اس کی پکڑ دردناک ہے شدت کی ۱۲

اور وہ ظلم کر رہے ہیں۔ بے شک اس کی پکڑ دکھ دیتی ہے۔

تذکیر عواقب دنیویہ امم ظالمہ برائے عبرت

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿كَذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْقُرَىٰ... إِلَى... إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾

رہطہ: ..... یہاں تک امم ظالمہ کے عبرتناک قصص کا بیان ہوا جن میں کفار کے شبہات اور انبیاء کرام علیہم السلام کے جوابات کا ذکر تھا اب ان واقعات کے ذکر کرنے کی حکمت بیان کرتے ہیں کہ دیکھ لو کہ کفر و تکذیب کا انجام باعتبار دنیا کے بھی برا ہے اور باعتبار آخرت کے بھی برا ہے جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ کیا۔ وہ دنیا میں ذلیل و خوار ہوئے اور ان کی بستیاں تباہ و برباد ہوئیں ان آیات میں کفر و تکذیب کے دنیوی انجام کو بیان کرتے ہیں تاکہ عبرت پکڑیں اور آئندہ آیت ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ﴾ میں کفر و تکذیب کے عذاب اخروی کو بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں اور سمجھیں کہ حق اور صداقت کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ اور اس قسم کے عجیب و غریب واقعات کا بلا تعلیم و تعلم بیان کرنا یہ آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ اس قسم کا علم بدون وحی الہی ناممکن اور محال ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں یہ سات = بستیاں ابھی آباد ہیں جیسے "مصر" جو فرعون کا مقام تھا اور بعض اجڑ گئیں۔ مگر ان کے کچھ کھنڈر باقی ہیں۔ جیسے قوم لوط کی بستیاں، اور بعض کا نشان بھی صفحہ ہستی پر باقی نہ رہا۔

۱۱ یعنی خدا نے کسی کو بے قصور نہیں پکڑا جس سے ظلم کا دم ہو سکے، جب وہ جرائم کے ارتکاب میں مدد سے آگے بچل گئے اور اس طرح اپنے کو ظلم کھلا سزا کا مستحق ٹھہرا دیا تب خدا کا عذاب آیا۔ پھر دیکھ لو جن معبودوں (دیوتاؤں) کا انہیں بڑا سہارا تھا اور جن سے بڑی بڑی توقعات قائم کر رکھی تھیں وہ ایسی سخت مصیبت کے وقت کچھ بھی کام نہ آئے۔

۱۲ باطل معبود کام کیا آتے؟ اٹنے ہلاکت کا سبب بنے۔ جب نصیحت نفع و ضرر کا مالک سمجھا، امیدیں قائم کیں، چڑھاوے چڑھائے تعظیم اور ڈنڈوت کی تو یہ روز بد دیکھنا پڑا۔ تکذیب انبیاء و غیرہ کا جو عذاب ہوتا شرک و بت پرستی کا عذاب اس پر مزید رہا۔

۱۳ یعنی ظالموں کو بڑی مدد تک ہمت دی جاتی ہے۔ جب کسی طرح باز نہیں آتے تو پکڑ کر گلابا دیا جاتا ہے۔ مجرم چاہے کہ تکلیف کم ہو، یا اس کی پکڑ سے چھوٹ کر بھاگ نکلے، اس خیال است و مجال است و جنوں۔

ہولناک اور عبرتناک قصے جو ہم نے اس سورت میں بیان کیے ہیں۔ ام سابقہ اور قرون ماضیہ کے بستیوں میں کے چند قصے ہیں جن کو ہم تمہارے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ آپ ﷺ لوگوں کو سنادیں اور لوگ سن کر عبرت پکڑیں۔ سو بعض بستیاں تو اب بھی ان میں کی باقی اور آباد ہیں۔ اور بعض اجزائیں اور ان بستیوں کو جو ہم نے جو عذاب نازل کر کے برباد کیا۔ سو ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ لیکن انہوں نے کفر کر کے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ کفر و شرک کر کے مستوجب عذاب ہوئے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا کہ ان کو بلا قصور ہلاک کر دیا ہو بلکہ اول ان کو نصیحت کی۔ اور نافرمانی کے بعد ان کو فوراً نہیں پکڑا بلکہ ان کو مہلت دی۔ جب ان لوگوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا اور پیغمبروں کے مقابلہ پر اتر آئے۔ اور کسی طرح اپنے کفر اور عناد سے باز نہ آئے تب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کیا۔ سو جب تیرے پروردگار کا حکم آپنچا تو ان کے معبودوں نے جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے ان کو کچھ نفع نہیں پہنچایا۔ یعنی ان کے معبود ان سے ہمارے عذاب کو نہ ہٹا سکے۔ اور ان کے معبودوں نے ان کے لیے سوائے ہلاکت کے اور کسی بات میں اضافہ نہ کیا۔ یعنی یہ معبود ہی ان کی ہلاکت اور تباہی کا باعث بنے۔ اور تیرے پروردگار کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے۔ جب وہ ظالم بستیوں کو ظلم اور معصیت کے جرم میں پکڑتا ہے۔ بے شک تیرے پروردگار کی پکڑ نہایت دردناک اور سخت ہے صحیحین میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب اس کو پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی، ﴿وَكَذٰلِكَ اَخَذْنَا الْقُرٰى وَهِيَ ظٰلِمَةٌ اِنَّا اَخَذْنٰہَا لَیْمًا شَدِیْدًا﴾۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیۃٍ لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۗ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لِّلّٰہِ النَّاسِ وَذٰلِكَ

اس بات میں نشانی ہے اس کو جو ڈرتا ہے آخرت کے عذاب سے فل وہ ایک دن ہے جس میں جمع ہوں گے سب لوگ اور وہ

اس بات میں نشانی ہے اس کو جو ڈرتا ہے آخرت کے عذاب سے۔ وہ دن یہی، جس دن میں جمع ہوں گے سب لوگ، اور وہ

یَوْمٌ مَّشْهُودٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا تُؤَخِّرٰہٗ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۳۵﴾ یَوْمَ یَاۡتِیْ لَا تَكَلُمُ نَفْسٌ اِلَّا

دن ہے سب کے پیش ہونے کا فل اور اس کو ہم دیر جو کرتے ہیں سو ایک وعدہ کے لیے جو مقرر ہے فل جس دن وہ آئے گا بات نہ کر سکے گا کوئی جاندار مگر اس کے

دن ہے دیکھنے کا۔ اور اس کو ہم دیر جو کرتے ہیں سو ایک وعدے کی گنتی تک۔ جس دن وہ آوے گا نہ بولے گا کوئی جاندار مگر اس کے

فل یعنی دنیا جو دار عمل ہے، جب اس میں شرک و کفر اور کذب انبیاء پر سزائیں ملتی ہیں اور اس قدر سخت ملتی ہیں تو یہ ایک نشان اس بات کے معلوم کرنے کا ہے کہ آخرت میں جو فالس "دار جزاء" ہے کیا کچھ سزا ان جرائم پر ملے گی؟ اور کیا صورت رستگاری کی ہوگی۔ عقلمند آدمی کے لیے جو اپنے انجام کو سوچ کر ڈرتا رہتا ہے۔ اس چیز میں بڑی عبرت و نصیحت ہے۔

فل یعنی تمام دنیا کا ایک وقت فیصلہ اسی دن ہوگا جب سارے اولین و آخرین اکٹھے کیے جائیں گے اور کوئی شخص غیر حاضر نہ رہ سکے گا۔ گویا نہ انی عدالت کی سب سے بڑی پیشی کا دن وہی ہوگا۔

فل یعنی اللہ کے علم میں جو سزا مقرر ہے وہ پوری ہو جائے گی تب وہ دن آئے گا۔ تاخیر سے یہ گمان مت کر دو کہ یہ محض فرضی اور دہی باتیں ہیں۔

بِأَذْنِهِ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ﴿۱۵﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ

حکم سے، سو ان میں بعضے بد بخت ہیں اور بعضے نیک بخت، فلا سو جو لوگ بد بخت ہیں وہ تو آگ میں ہیں ان کو وہاں چیخنا ہے حکم سے۔ سو ان میں کوئی بد بخت ہے اور کوئی نیک بخت۔ سو وہ لوگ جو بد بخت ہیں، سو آگ میں ہیں، ان کو وہاں چلانا ہے

وَسَهِيْقٌ ﴿۱۶﴾ خُلِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۗ اِنَّ رَبَّكَ

اور دھاڑنا ہمیشہ رہیں اس میں جب تک رہے آسمان اور زمین مگر جو چاہے تیرا رب بیشک تیرا رب اور دھاڑنا۔ رہا کریں اس میں جب تک رہے آسمان اور زمین، مگر جو چاہے تیرا رب۔ بے شک تیرا رب

فَعٰلٍ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۷﴾ وَاَمَّا الَّذِينَ سَعِدُوْا فِی الْجَنَّةِ خُلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ

کر ڈالتا ہے جو چاہے اور جو لوگ نیک بخت ہیں سو جنت میں ہیں ہمیشہ رہیں اس میں جب تک رہے آسمان کر ڈالتا ہے جو چاہے۔ اور وہ جو نیک بخت ہیں، سو جنت میں ہیں، رہا کریں اس میں، جب تک رہے آسمان

وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۗ عَطَاءٌ غَيْرٌ مَّجْدُوْدٍ ﴿۱۸﴾ فَلَا تَكُ فِیْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْْبُدُ هٰؤُلَاءِ ۗ

اور زمین مگر جو چاہے تیرا رب بخشش ہے بے انتہا فلا سو تو نہ رہ دھوکے میں ان چیزوں سے جن کو پوجتے ہیں و زمین، مگر جو چاہے تیرا رب۔ بخشش ہے بے انتہا۔ سو تو نہ رہ دھوکے میں ان چیزوں سے جن کو پوجتے ہیں۔

فلا یعنی کوئی شخص ایسی بات جو منقول و نافع ہو بدون حکم الہی کے نہ کر سکے گا اور محشر کے بعض مواقف میں تو مطلقاً ایک حرف بھی اذن و اجازت کے بدون منہ سے نہ نکال سکیں گے۔

فلا ان آیات کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جس قدر مدت آسمان و زمین دنیا میں باقی رہے اتنی مدت تک اشتیاء دوزخ میں اور سعادت جنت میں رہیں گے مگر جو اور زیادہ چاہے تیرا رب، وہ اسی کو معلوم ہے۔ کیونکہ ہم جب طویل سے طویل زمانہ کا تصور کرتے ہیں تو اپنے ماحول کے اعتبار سے بڑی مدت یہی خیال میں آتی ہے۔ اسی لیے ﴿مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ وغیرہ الفاظ محاورات عرب میں دوام کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے بولے جاتے ہیں۔ باقی دوام وادیت کا اعلیٰ مدلول جسے لامعروہ زمانہ کہنا چاہیے وہ حق تعالیٰ ہی کے علم غیر متناہی کے ساتھ مختص ہے۔ جس کو "ماشاء ربك" سے ادا کیا۔ دوسرے معنی آیت کے یہ ہو سکتے ہیں کہ لفظ ﴿مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ کو کنایہ دوام سے مانا جائے۔ یا آسمان و زمین سے آخرت کا زمین و آسمان مراد لیا جائے۔ جیسے فرمایا ﴿يَوْمَ تَمُوتُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ﴾ مطلب یہ ہوا کہ اشتیاء دوزخ اور سعادت جنت میں اس وقت تک رہیں گے جب تک آخرت کے زمین و آسمان باقی رہیں، یعنی ہمیشہ۔ مگر جو چاہے تیرا رب تو موقوف کر دے، وہاں ہمیشہ نہ رہنے دے۔ کیونکہ جنتیوں اور دوزخیوں کا خود بھی اسی کی مشیت و اقتدار سے ہے۔ لیکن وہ چاہ چکا کہ کفار و مشرکین کا عذاب اور اہل جنت کا ثواب بھی موقوف نہ ہو گا۔ چنانچہ فرمایا ﴿وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ مِنَ النَّارِ﴾ اور ﴿لَهُمْ فِيْهَا مِنْ النَّارِ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ مِنْهَا﴾ اور ﴿لَا يَخْفَىٰ عَلٰیكَ بِهٖمْ وَيَخْفَىٰ مَا تَخْفَىٰ مِنْ لَدُنْكَ﴾ اس پر تمام اہل اسلام کا اجماع رہا ہے اور ہمارے زمانہ کے بعض نام نہاد مفسرین نے جو کچھ اس کے خلاف چیزیں پیش کی ہیں وہ یا روایات ضعیفہ و مضمومہ ہیں یا اقوال مزیدہ ماولہ۔ یا بعض آیات و احادیث ہیں جن کا مطلب کو تاہ نظری یا باہمی سے ملنا سمجھ لیا گیا ہے۔ اگر خدا کی توفیق سے مستقل تفسیر لکھنے کی نوبت آتی، اس میں مفصل کلام کیا جائے گا۔ اختصار کی وجہ سے یہاں گمانش نہیں، رہا عصا و مومنین کا مسئلہ یعنی جو مسلمان گناہوں کی بدولت دوزخ میں ڈالے جائیں گے (العیاذ باللہ) ان کے مستحق احادیث صحیحہ نے ہم کو خدا کی مشیت پر مطلع کر دیا ہے کہ ایک دن ضرور ان کو نکال کر جنت میں پہنچائیں گے جہاں سے کسی جنتی کو کسی لکنا نہیں۔ شاید اسی لحاظ سے جنتیوں کے ذکر میں ﴿عَطَاءٌ غَيْرٌ مَّجْدُوْدٍ﴾ اور اشتیاء کے ذکر میں ﴿اِنَّ رَبَّكَ فَعٰلٍ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ ارشاد ہوا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ بعض اشتیاء دوزخ سے نکالے جائیں گے مگر سعید کوئی جنت سے خارج نہ کیا جائے گا۔

مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ آبَاؤُهُمْ مِنْ قَبْلُ ۗ وَإِنَّا لَمُوقِفُوهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ

یہ لوگ کچھ نہیں پوجتے مگر دیرہمی جیسا کہ پوجتے تھے ان کے باپ دادا سے پہلے اور ہم دینے والے ہیں ان کو ان کا حصہ یعنی عذاب سے بلا  
یہ لوگ کچھ نہیں پوجتے، مگر ویسا ہی جیسے پوجتے تھے ان کے باپ دادا سے پہلے۔ اور ہم دینے والے ہیں ان کو ان کا حصہ بن

### مَنْقُوصٌ ﴿۱۱﴾

نقصانِ ذی

گھٹایا۔

تذکیر عواقبِ اخرویہ کفر و تکذیب برائے موعظت و نصیحت

قَالَ تَتَلَوْنَ: هَٰذَا فِي ذٰلِكَ لَا يَمُنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ... اٰلِ ... وَاِنَّا لَمُوقِفُوهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ

مَنْقُوصٌ ﴿۱۱﴾

رہلہ: ..... گزشتہ آیت میں کفر و تکذیب کے دنیوی انجام اور دنیاوی ذلت اور رسوائی کی یاد دہانی تھی۔ اب اس آیت میں کفر و تکذیب کے اخروی انجام کا بیان ہے دنیوی ذلت و ہلاکت کے ذکر سے موعظت اور نصیحت مقصود ہے عقلمند کو چاہیے کہ پہلے سے اپنے انجام کو سوچ لے قیامت کا دن اللہ کی عدالت کا دن ہے جس میں سعادت اور اشیاء کی جزاء اور فیصلہ کا بیان ہے کہ اس دن سعادت فائز المرام ہونگے اور اشیاء خائب و خاسر ہونگے۔

جاننا چاہئے کہ ان آیات میں حق جل شانہ نے اہلِ محشر کی دو قسمیں ذکر فرمائیں ایک سعادت اور ایک اشیاء اور چونکہ مقامِ تذکیر ہے۔ اس لیے اشیاء کے ذکر کو سعادت کے ذکر پر مقدم فرمایا۔ اور یہاں ایک تیسری قسم اور بھی ہے جن کے ذکر سے حق جل شانہ نے سکوت فرمایا وہ وہ لوگ ہیں جن کی حسنات اور سیمات برابر ہوں گے یا وہ لوگ ہیں کہ جن کے پاس نہ حسنات ہوں گی اور نہ سیمات ہونگی جیسے مجانین اور اطفال و صبیان سو یہ تیسری قسم اللہ تعالیٰ کے زیرِ مشیت ہے۔ قیامت کے دن اللہ جو چاہے گا وہ ان کے درمیان حکم کریگا۔ چونکہ اس قسم کا حکم زیرِ مشیت خداوندی مستور ہے اس لیے آیت میں اس قسم کا ذکر نہیں فرمایا۔ دو قسم کے ذکر کرنے سے تیسری قسم کی نفی لازم نہیں آتی۔ دو قسموں کا حکم بتلا دیا۔ تیسری قسم کا حکم مخفی رکھا۔ تحقیق اللہ کی اس دردناک گرفت اور پکڑ میں یا ان قصص اور واقعات میں جو ہم نے بیان کیے ہیں۔ عظیم عبرت ہے اس شخص

﴿۱۱﴾ "الْاِمْتَا شَاوْنَ لٰذٰلِكَ" سے متنبہ فرمادیا کہ خدا کے ہمیشہ رہنے اور مخلوق کے ہمیشہ رہنے میں فرق ہے، کسی مخلوق کا ہمیشہ رہنا ہمہ وجہ خدا کی مشیت پر موقوف ہے۔ وہ جب چاہے لگا کر سکتا ہے۔ نیز یہ جملہ دیا کہ جزاء و سزا دینا اس کے اختیار و مشیت کے تابع ہے۔ "آر یہ سماج" وغیرہ کے عقیدہ کے موافق وہ اس پر مجبور نہیں۔

۱۔ یعنی اتنی مخلوق کا شرک و بت پرستی کے راستہ پر ہڈ لینا اور اب تک سزا یاب نہ ہونا کوئی ایسی چیز نہیں جس سے دھوکہ کھا کر آدمی شہ میں ہڈ ہائے۔ یہ لوگ اپنے باپ دادوں کی گوارا و تکیہ کر رہے ہیں۔ وہ جھوٹے معبودان کے کیا کام آئے، جو ان کے کام آئیں گے؟ یقیناً ان سب کو آخرت میں عذاب کا پورا حصہ ملے گا۔ جس میں کوئی کمی نہ ہوگی یا کبھی کم نہ کیا جائے گا گویا اللہ "غَيْرُ مَنقُوصٍ" ﴿۱۱﴾ کے مقابل ہوا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دنیا میں رزق غیرہ کا جو حصہ مقرر ہے وہ پورا ملے گا۔ پھر شرک کی پوری سزا بھگتیں گے۔

کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو کیونکہ جب وہ یہ دیکھے گا کہ دار ابتلاء میں حق تعالیٰ کی پکڑ اس قدر اہم اور شدید ہے تو دار جزاء میں اس کی پکڑ اور بھی زیادہ سخت ہوگی کیونکہ یہ آخرت کا دن وہ دن ہوگا جس میں اول دنیا سے لیکر آخر دنیا تک تمام لوگوں کو حساب و کتاب کے لیے جمع کیا جائے گا اور یہ وہ دن ہوگا جس میں سب حاضر ہوں گے۔ اس دن یہ ممکن نہیں کہ کوئی غائب ہو جائے اور حاضر نہ ہو۔ اس دن سب حاضر ہوں گے اور اس کی ہول کا مشاہدہ کریں گے۔ اور اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ آخر وہ دن کب آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ہم نہیں تاخیر کرتے۔ اس دن میں مگر ایک شمار کی ہوئی مدت کے گزر جانے کے لیے جس کا علم سوائے ہمارے کسی کو نہیں۔ جب وہ مدت پوری ہو جائے گی تو اچانک قیامت قائم ہو جائے گی۔ دنیا کی مدت بظاہر اگرچہ طویل ہے مگر آخرت کی مدت کے مقابلہ میں قلیل ہے اس لیے کہ دنیا کی مدت محدود اور متناہی ہے اور آخرت کی مدت غیر محدود اور غیر متناہی ہے اور محدود اور متناہی غیر محدود اور غیر متناہی کے مقابلہ میں بلاشبہ قلیل ہے جب وہ قیامت کا دن آ پینچے گا تو بغیر اجازت خداوندی کسی کو بولنے کی مجال نہ ہوگی۔ چہ جائیکہ کوئی سفارش کر سکے پس ان تمام جمع شدہ نفوس میں سے بعض تو توفیق یعنی بد بخت ہوں گے اور بعض سعید یعنی نیک بخت ہو چکے ہوں گے۔ کما قال تعالیٰ:

﴿فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ﴾۔ پس ان میں جو لوگ بد بخت ہو چکے ہیں وہ دوزخ میں جائیں گے اور دوزخ میں ان کی حالت یہ ہوگی کہ ان کے لیے گدھے کی اول آواز اور آخر آواز کی طرح چلانا اور دھاڑنا ہے۔ لغت میں ”زفیر“ گدھے کی شروع آواز کہتے ہیں جو سخت ہوتی ہے اور ”شہیق“ گدھے کی پچھلی آواز کہتے ہیں جو آہستہ اور کم ہوتی ہے مگر اس میں سانس بہت لمبا ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ شدت کرب و غم اور شدت رنج و الم سے اشقیاء کی جہنم میں یہ حالت ہوگی کہ گدھوں کے مشابہہ ہوں گے اور گدھوں کی طرح چیخیں گے اور چنگھاڑیں گے ان کی آواز کبھی زفیر ہوگی اور کبھی شہیق ہوگی۔ ہمیشہ اس حال میں رہیں گے جب تک رہیں آسمان اور زمین یہ کلام عرب کے محاورہ کے مطابق ہے کہ عرب جب کسی چیز کو دوام بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ﴿مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ﴾ یہ ہمیشہ رہے گا جب تک کہ آسمان اور زمین رہیں اور کہتے ہیں تو زندہ رہے ﴿مَا اخْتَلَفَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ﴾ جب تک دن رات ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہاں سموات والارض سے جنت کے آسمان اور زمین مراد ہیں۔ کما قال تعالیٰ: ﴿يَوْمَ تَبْدُلُ الْأَرْضَ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتِ﴾ اور آخرت کے آسمان و زمین کے لیے کبھی فنا نہیں۔ جنت کی طرح جنت کے آسمان و زمین بھی ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بہر حال مطلب یہ ہے کہ کافروں کا جہنم میں رہنا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے کبھی وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے اور نہ ان کو وہاں موت اور فنا ہے اور یہی تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے مگر جو چاہے تیرا پروردگار سو وہ اس کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے۔ بے شک تیرا پروردگار کرڈالتا ہے جو چاہتا ہے اس کے ارادہ اور مشیت کو کوئی روک نہیں سکتا۔ تمام سلف اور خلف کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ کفار ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اور جنت کی طرح دوزخ بھی کبھی فنا نہ ہوگی۔ بعض نام نہاد مفسر اور مصنف یہ کہتے ہیں کہ چند روز کے بعد دوزخ فنا ہو جائے گی۔ اور کافروں کے حق میں دوزخ کا عذاب باقی نہ رہے گا اور غلط فہمی یا کوتاہ نظری یا کج طبعی کی بنا پر اس آیت میں جو لفظ ﴿إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ﴾ آیا ہے اس کو استدلال میں پیش کرتے ہیں کہ کفار کا عذاب دائمی نہیں۔

یہ خیال سراسر غلط اور باطل ہے اور آیات صریحہ اور احادیث متواترہ اور اجماع سلف و خلف کے خلاف ہے جیسا کہ پارہ ہشتم کے شروع میں ﴿النَّارُ مَقْضُوكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ﴾ اس پر مفصل گزر چکا ہے تحقیق مسئلہ کا فرض تو ادا ہو چکا ہے اب بطور نقل اور تطوع کچھ عرض کرتے ہیں اس جگہ حق جل شانہ کا یہ ارشاد ﴿إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ. إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ بعینہ حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے جو سورۃ انعام میں گزر چکا ہے۔ ﴿النَّارُ مَقْضُوكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ. إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ﴾ جن لوگوں کو ﴿إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ﴾ کے استثناء سے شہ لگا ہے کہ کافر ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔ علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

جواب اول: ..... یہ ہے کہ ”ما“ بمعنی ”من“ ہے جیسے ﴿فَأَنذِرْهُمْ أَنَّىٰ كُنْتُمْ﴾ اس جگہ لفظ ”ما“ بمعنی ”من“ ہے اور یہ استثناء باعتبار غصۃ موحدین یعنی گنہگار مسلمانوں کے اعتبار سے ہے یعنی دوزخ میں نہیں گئے مگر جن کو خدا چاہے یعنی گنہگار مسلمانوں کو چند روز کے بعد ملائکہ یا انبیاء کی شفاعت سے یا رحم الرحیمین کی رحمت سے دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ اور پھر انکو جنت میں داخل کر دیا جائے گا جیسا کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور یہ جواب عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک رضی اللہ عنہ وغیرہ سے منقول ہے (دیکھو زاد المسیر: ۱۶۰/۲) اور امام ابن جریر رضی اللہ عنہ اور حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی یہی مختار ہے کہ یہ استثناء گنہگار مسلمانوں کی طرف راجع ہے کیونکہ احادیث متواترہ سے قطعاً یہ ثابت ہے کہ اہل توحید ہمیشہ دوزخ میں نہ رہیں گے۔ اگرچہ عاصی ہوں۔

یایوں کہو کہ اشقیاء کی دو قسمیں ہیں ایک کافر اور دوسرے گنہگار مسلمان فی الجملہ دونوں قسمیں شقی ہیں اور ابتداء دونوں ہی کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا مگر چند روز کے بعد گنہگار مسلمانوں کو جو من وجہ سعید اور من وجہ شقی ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے یا کسی کی شفاعت سے جہنم سے نکالے جائیں گے اور پہلے قسم کے شقی یعنی کافر وہ جہنم ہی میں رہیں گے۔ وہ جہنم سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۴۶۰/۲) اور شروع آیت میں ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُّوا﴾ کا لفظ آیا ہے اس سے مطلق اشقیاء مراد ہیں خواہ وہ شقی کامل ہوں جیسے کافر اور مشرک یا من وجہ شقی اور من وجہ سعید ہوں جیسے گنہگار مسلمان کہ وہ باعتبار ایمان اور اسلام کے سعید ہے مگر عاصی اور گناہوں کی وجہ سے اس میں شقاوت کی آمیزش آگئی ہے غرض یہ کہ شروع آیت میں اشقیاء سے عام معنی مراد ہیں جو دونوں قسموں کو شامل ہیں اور آخر آیت میں یعنی ﴿إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ﴾ میں

● اصل عبارت یہ ہے: قد اختلف المفسرون فی المراد من هذا الاستثناء علی اقوال کثیرة حکاها الشیخ ابو الفرج ابن الجوزی فی کتابہ زاد المسیر وغیرہ من علماء التفسیر ونقل کثیراً منها الامام ابو جعفر بن جریر رحمہ اللہ فی کتابہ واختارہ ما نقلہ عن خالد بن معدان والضحاك وقتادة وابن سنان ورواه ابن ابی حاتم عن ابن عباس والحسن ایضاً ان الاستثناء عائد علی العصاة من اهل التوحید ممن یخرجہم اللہ من النار بشفاعۃ الشافعیین من الملائکة والنبیین والمؤمنین حتی یشفعون فی اصحاب الکبائر ثم تاتی رحمة ارحم الراحمین فتخرج من النار من لم یعمل خیراً قط وقال يوماً من ایام الدهر لا اله الا الله کما وردت بذک بذک الاخبار الصحیحة المستفیضة عن رسول الله صلی الله علیہ وسلم بضمن ذلك من حدیث انس وجابر وابی سعید وابی ہریرة وغیرہم من الصحابة رضی الله عنہم ولا یبقی بعد ذلك فی النار الا من وجب علیہ الخلود فیہا ولا محید له عنہا ولهذا علیہ کثیر من العلماء قديماً وحديثاً فی تفسیر هذه الآية الکریمہ۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴۶۰/۲)

اشقیاء کی دوسری قسم کا استثناء مراد ہے یعنی عصاة موحدین کا استثناء مراد ہے کہ اشقیاء کی یہ قسم ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گی بلکہ چند روز بعد اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی رحمت سے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دی جائے گی یہ لوگ اگرچہ معصیت کی وجہ سے من و وجہ شقی ہیں لیکن ایمان اور اسلام کی وجہ سے سعید ہیں اس قسم کے لوگ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیں گے بلکہ بعد چندے نکال لیے جائیں گے بخلاف قسم اول کے یعنی اشقیاء کاملین کے ان سے کافر اور مشرک مراد ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے وہ کبھی بھی جہنم سے باہر نہ نکلیں گے۔ گنہگار مسلمان اگرچہ معصیت کی وجہ سے من و وجہ شقی ہیں لیکن ایمان اور اسلام کی وجہ سے سعید ہیں اس قسم کے لوگ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیں گے بلکہ بعد چندے وہاں سے نکال لیے جائیں گے۔ (دیکھو تفسیر ① امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ: ۹۹/۹)

جواب دوم:..... دوسرا جواب وہ ہے جو حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے اور وہ بہت عجیب ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ ﴿اَلَا مَآ شَاءَ رَبُّكَ﴾ سے یہ بتلانا ہے کہ اہل جنت اور اہل جہنم کا خلود اور دوام مستقل نہیں بلکہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ ابدیت کسی وقت منقطع ہو جائے گی کیونکہ دوسری نصوص صریحہ و قطعیہ سے یہ امر معلوم ہے کہ حق تعالیٰ کی مشیت جو اہل جنت اور اہل جہنم کے خلود کے متعلق ہے وہ کبھی منقطع نہ ہوگی۔ اور ﴿اَلَا مَآ شَاءَ رَبُّكَ﴾ سے فقط اپنی قدرت کا ظاہر کرنا مقصود ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خلود لازم نہیں بلکہ ہماری مشیت پر موقوف ہے ہم جب چاہیں اور جس کو چاہیں جہنم سے باہر نکال سکتے ہیں اور آیت کا خاتمہ ﴿اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ بھی اسی طرف مشیر ہے۔

حضرت حکیم الامت ② مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ اپنے ایک وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح اور لطیف جواب وہ ہے جو شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے جو ان کے اردو ترجمے سے معلوم ہوتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ﴿اَلَا مَآ شَاءَ رَبُّكَ﴾ میں ما مصدر یہ ہے اور یہ مع اپنے مدخول کے ظرف ہے۔ ای الا وقت مشیۃ کما فی قوله اتیک خفوق النجم ای وقت خفوقہ والمعنی یخلدون فیہا الا ان یشاء ربک عدم خلود ہم فینقطع خلود ہم۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ وہ مخلد فی النار ہونگے مگر جس وقت خدا ان کے عدم خلود کو چاہے تو ان کا خلود اور دوام منقطع ہو جائے گا رہی یہ بات کہ اس قید کی کیا ضرورت تھی سو اس کا جواب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے کہ اس میں توحید کی حفاظت کی گئی ہے کہ خلود واجب اور خلود ممکن کا فرق ظاہر کر دیا گیا تاکہ کوئی خلود کی خبر سن کر بقاء دائم میں واجب الوجود کے شریک ہونے کا گمان نہ کر بیٹھے کہ گو ہم جہنم میں جائیں گے مگر یہ فخر سن کر بقاء دائم میں واجب الوجود کے شریک ہونے کا گمان نہ کر بیٹھے کہ گو ہم جہنم میں جائیں گے مگر فخر تو ہمارے لیے ثابت ہو گیا کہ ہم مثل واجب الوجود کے خلود اور بقاء کے ساتھ متصف ہو جائیں گے۔ اس لیے یہ قید لگا کر یہ بتلادیا کہ واجب الوجود کا خلود کسی کے مشیت کے تابع نہیں۔ خلود واجب تو ذات واجب کا مقتضائے ذاتی ہے اور ہمارا اور تمہارا سب کا خلود اس کی مشیت کے تابع ہے جب چاہیں اس کو

① قال الامام القرطبی رحمہ اللہ قد اختلف فی قوله تعالیٰ الا ماشاء ربک علی عشرة اقوال ان الاستثناء انما هو للعصاة من المؤمنین فی اخراجهم بعد مدة من النار وعلی هذا یكون قوله فاما الذین شقوا عما فی الکفرۃ والعصاة ویكون الاستثناء من خالدین قاله قتادة والضحاک وابوسفیان وغیرہم اھ۔ (تفسیر قرطبی: ۹۹/۹)

② ماخوذ از وعظ الملقب باجر الصیام من غیر انصرام حصہ دوم تیسواں وعظ از سلسلہ تبلیغ ہمس: ۱۸



ختم کر سکتے ہیں اور سب کو نکال سکتے ہیں اور جب چاہیں اس کو فنا کر سکتے ہیں اس قید سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کو ظاہر فرمایا۔ دیکھو اجر الصیام من غیر انصرام۔ حصہ دوم وعظ نمبر ۶۳ صفحہ ۱۸ غرض یہ کہ کلمہ ﴿اَلَا مَآ شَاءَ رَبُّكَ﴾ محض اظہار قدرت و مشیت کے لیے ہے خلود عذاب اور دوام عذاب کے انقطاع اور اختتام کے خبر دینے کے لیے نہیں جیسا کہ ﴿اِنَّ رَبَّكَ فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ سے کمال قدرت و اختیار کا ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اگر وہ چاہے تو بلا وجہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذاب میں رکھ سکتا ہے۔ اور ﴿اَلَا مَآ شَاءَ رَبُّكَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ وہ جس کو چاہے دوزخ سے نکال سکتا ہے اس کو پورا اختیار ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا ہر چیز اس کی مشیت اور ارادہ کے تابع ہے نیز اگلی آیت جو سعداء کے متعلق ہے اس میں بھی یہی ﴿اَلَا مَآ شَاءَ رَبُّكَ﴾ کا استثناء ذکر کیا گیا ہے اور وہاں بالا جماع یہ مراد نہیں کہ اہل جنت کا خلود کسی وقت منقطع ہو جائے گا اور پھر اس کے متصل غیر مجذوذ کا لفظ اضافہ فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایسی عطاء ہے کہ جس کا کبھی انقطاع نہیں۔ پس اگر ﴿اَلَا مَآ شَاءَ رَبُّكَ﴾ کا لفظ انقطاع اور اختتام کے بیان کرنے کے لئے ہوتا تو دوسری آیت میں ﴿اَلَا مَآ شَاءَ رَبُّكَ﴾ کے فوراً بعد ﴿عَطَاءٌ غَيْرُ مَجْذُوذٍ﴾ کہنا صریح اس کے مخالف اور مناقض ہوتا اور اللہ کا کلام اختلاف اور تناقض سے پاک اور منزہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جنتیوں اور دوزخیوں کا خلود اس کی مشیت اور اختیار سے ہے۔ لیکن اللہ چاہ چکا کہ کفار و مشرکین کا عذاب تو کبھی موقوف اور منقطع نہ ہوگا اور اہل جنت کا ثواب بھی کبھی موقوف نہ ہوگا البتہ جو گناہ گار مسلمان ہیں وہ چند روز کے بعد دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔

تعمہ:..... اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿اَلَا مَآ شَاءَ رَبُّكَ﴾ کے معنی یہ ہیں۔ مگر یہ کہ تیرا رب ان کو گرم دوزخ سے نکال کر زمہریر یعنی جہنم کے سرد طبقہ میں ڈال دے مطلب یہ ہے کہ عذاب بدل تو جائے گا مگر دوزخ سے رہائی کبھی نہ ہوگی۔<sup>①</sup>

اور وہ گئے وہ لوگ کہ جو سعید اور نیک بخت ہیں۔ سو وہ جنت میں ہونگے اور ہمیشہ جنت میں رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم رہیں ہاں مگر جو تیرا پروردگار چاہے سو اس کی مشیت کا علم اسی کو ہے مگر اہل جنت کو یہ بتلائے دیتے ہیں کہ یہ جنتیوں کا جنت میں رہنا عطاء خداوندی ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگی معلوم ہوا کہ جنتیوں کا خلود کبھی منقطع نہ ہوگی معلوم ہوا کہ جنتیوں کا خلود کبھی منقطع نہ ہوگا یہ آیت سعداء اور اہل جنت کے متعلق ہے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ﴿اَلَا مَآ شَاءَ رَبُّكَ﴾ سے اپنی مشیت کو بیان کیا اور اس آیت یعنی ﴿عَطَاءٌ غَيْرُ مَجْذُوذٍ﴾ میں یہ بتلایا کہ جنتیوں کا جنت میں رہنا اللہ کی عطاء ہے جو کبھی بند نہ ہوگی ہمیشہ جاری رہے گی گزشتہ آیت اشقیاء کے متعلق تھی۔ اور یہ آیت سعداء کے متعلق ہے اور دونوں جگہ ﴿اَلَا مَآ شَاءَ رَبُّكَ﴾ کا استثناء مذکور ہے اور اہل جنت کے بارے میں جو استثناء مذکور ہے وہاں بالا جماع یہ مراد نہیں کہ اہل جنت کا

① اس مسئلہ پر مفصل کلام پارہ ہشتم کے شروع میں آیت ﴿الْقَارِئُ مَفْهُومٌ خَلِيدٌ فِيهَا اَلَا مَآ شَاءَ اللّٰهُ﴾ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی فرمائش پر اس ناچیز نے ایک رسالہ الدین القیم فی الرد علی ابن القیم کے نام سے عربی میں لکھا ہے جس میں ابن تیمیہ اور ابن قیم کی تمام باتوں کا جواب دیا ہے اور قرآن اور حدیث اور اجماع امت سے اہل سنت کے مسلک کو واضح کیا ہے اور علی ہذا اس ناچیز نے التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح جلد ششم ص: ۳۰۹ باب صفة النار میں نار کی ابدیت اور اہل نار کے خلود پر مفصل کلام کیا ہے۔ اور علی ہذا اپنے حاشیہ بخاری مسکنی بہ تحفہ القاری میں کتاب الرقاق میں بھی اس مسئلہ پر مفصل کلام کیا ہے اور ہر جگہ نیارنگ ہے اہل علم سے امید ہے کہ دیکھ کر اس ناچیز کو عاذیں گے۔ ۱۲

خلو کسی وقت منقطع ہو جائے گا۔ کیونکہ اس استثناء کے بعد خود اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لیے بقاء اور دوام کی تصریح فرمادی ہے چنانچہ صراحتہ فرمادیا ﴿عَطَاءٌ غَيْرٌ مَّجْدُوذٍ﴾ یعنی اس نعمت کا کبھی انقطاع نہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ ﴿اَلَا مَا شَاءَ رَبُّكَ﴾ کے استثناء کا یہ مطلب نہیں کہ سعاد اور اشیاء کا ثواب اور عقاب ابدی نہیں بلکہ یہ استثناء محض اظہار قدرت کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے، مگر اللہ تعالیٰ جو چاہے کر پے جنت اور جہنم میں کسی کا قیام اور خلود اور دوام بذات خود کوئی امر واجب نہیں بلکہ مشیت الہی کے سپرد ہے اشیاء کے بارے میں استثناء کو ذکر کر کے صرف اپنی مشیت کو بتلادیا کہ معاملہ اللہ کی مشیت کے سپرد ہے مگر صراحتہ اپنی مشیت کو بیان نہیں فرمایا کہ وہ کیا ہے اور ہم کو اپنی مشیت سے آگاہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا کیا ارادہ ہے اور وہ ان کے حق میں کیا چاہتا ہے مگر سعاد کے حق میں اول اظہار قوت کے لیے اللہ نے اپنی مشیت کا ذکر فرمایا یعنی ﴿اَلَا مَا شَاءَ رَبُّكَ﴾ فرمایا بعد ازاں اس کے متصل ﴿عَطَاءٌ غَيْرٌ مَّجْدُوذٍ﴾ کا لفظ ذکر کر کے اپنی مشیت کو بیان کر دیا کہ اہل جنت کے بارہ میں اللہ کی مشیت کیا ہے وہ یہ کہ جو خلود اور دوام کی ان کو بشارت دی گئی ہے وہ عطاء خداوندی ہے جو ان سے واپس نہیں لی جائے گی اور گزشتہ آیت میں ﴿اَلَا مَا شَاءَ رَبُّكَ﴾ سے اول تو یہ بتلایا کہ دوزخیوں کا خلود اور دوام اس کی مشیت پر ہے اور پھر اسی کی تاکید کے لیے ﴿اِنَّ رَبَّكَ فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ فرمایا غرض یہ کہ ﴿اَلَا مَا شَاءَ رَبُّكَ﴾ کا استثناء اہل جنت اور اہل جہنم دونوں کے ساتھ ذکر فرمایا مگر پہلی آیت میں استثناء کے بعد ﴿اِنَّ رَبَّكَ فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ ذکر فرمایا اور دوسری آیت میں استثناء کے بعد ﴿عَطَاءٌ غَيْرٌ مَّجْدُوذٍ﴾ فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد خروج نہیں البتہ جہنم میں داخل ہونے کے بعد کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو رحم الراحمین کی رحمت سے اور انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی شفاعت سے جہنم سے نکال لیے جائیں گے اور وہ عصاة مومنین یعنی گناہ گار مسلمان ہونگے اور ان کے علاوہ کفار و مشرکین کا عذاب دائمی اور ابدی ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگا جیسا کہ بی شمار آیات اور بی شمار اخبار اور آثار سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ کافروں کا عذاب دائمی اور ابدی ہے۔ اور اسی پر صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اور تمام سلف اور خلف رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے جس میں تاویل کی بھی گنجائش نہیں ابن تیمیہ اور ابن قیم نے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی تفرق اور شذوذ کی راہ اختیار کی ہے اور آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ متواترہ سے ہٹ کر ایک موضوع یا غایت درجہ ضعیف روایت کی آڑ لیکر یہ دعویٰ کیا ہے کہ دوزخ چند روز کے بعد فنا ہو جائے گی۔ اور کافروں کا عذاب ختم ہو جائے گا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ اگر کافر اور مشرک کی بھی نجات ہو سکتی ہے تو پھر ایمان اور اسلام ہی کی کیا ضرورت رہی خوب مزہ سے کفر اور مشرک کر وہ یہودی بنو یا نصرانی بنو یا دہریہ بنو اور دل کھول کر جو چاہے فسق و فجور کر تو بہ کی بھی ضرورت نہیں امید لگائے رکھو کہ دوزخ پر ایک دن ایسا آئے گا کہ دوزخ خالی ہو جائے گی اور اس میں کوئی باقی نہ رہے گا اور اس کے دروازے کھڑکھڑ کریں گے۔ کہتے ہیں کہ یہ مضمون عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے۔ ابن جوزی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے میں کہتا ہوں کہ اگر بالفرض موضوع بھی نہ ہو تو اس کے ضعیف ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں اور پارہ ہشتم کے شروع میں ہم ان آیات اور احادیث کو بیان کر چکے ہیں جن سے صراحتہ یہ ثابت ہے کہ کافروں کا عذاب دائمی اور ابدی ہے تو ایک ضعیف و موضوع روایت کو آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ متواترہ کے مقابلہ میں پیش کرنا علمی امانت و دیانت کی سراسر خلاف ہے اور علی ہذا ابن قیم نے جن صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کے چند نام جو نقل کیے ہیں ان کی روایت بھی صحیح

نہیں اور صریح بھی نہیں اور اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم اس حدیث کو اور ان آثار کو بھی تسلیم کر لیں تو اس کا مطلب وہ ہے جو علماء کرام اور محدثین عظام نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں جہنم کا وہ طبقہ مراد ہے کہ جس میں گناہ گار مسلمان رکھے جائیں گے اور جب انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ علیہم السلام کی شفاعت سے یا رحم الراحمین کی رحمت سے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے تو جہنم کا یہ طبقہ خالی رہ جائے گا اور جہنم کے جو طبقے کافروں کے لیے ہیں وہ بدستور بھرے رہیں گے اور ان میں سے کوئی کافر نہیں نکل سکے گا۔ (تفسیر مظہری ۵۵/۵: ۱)

اور معاذ اللہ معاذ اللہ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دوزخ کسی وقت کافروں اور مشرکوں سے خالی ہو جائے گی ذرا غور تو کرو کہ اگر بغیر ایمان اور اسلام کے اور باوجود کفر اور کذب کے عذاب دوزخ سے نجات ہو سکتی ہے تو پھر انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت اور کفار کی ہلاکت سے کیا فائدہ ہو ابالآخر جب کافر بھی عذاب دوزخ سے نجات پاسکتا ہے تو پھر اس ہنگامہ کی کیا ضرورت تھی کہ انبیاء علیہم السلام کو کافروں کے مقابلہ میں مبعوث فرمایا اور جن لوگوں نے کفر کیا ان میں سے کسی کو طافون سے ہلاک کیا اور کسی کو دریا میں غرق کیا اور کسی کو زمین میں دھنسا دیا اور کسی کو بندر اور سوور بنایا وغیرہ وغیرہ یہ سب بے کار اور بے فائدہ تھا نجات کافر کے عقیدے سے تو تمام شرائع و ملل کا باطل ہونا لازم آتا ہے۔ اے اللہ تو ہم کو ایمان پر رکھ۔ آمین۔ اور اس زمانے کے آزاد اور بے لگام مصنفین کے پر فریب فتنہ سے مسلمانوں کو محفوظ رکھ۔ آمین

پس اے نبی کریم ﷺ جب سعداء اور اشیقاء کا فرق واضح ہو گیا تو آپ ﷺ ان معبودوں کے باطل ہونے میں شک نہ کیجئے جن کو یہ لوگ پوجتے ہیں۔ بظاہر خطاب آنحضرت ﷺ کو ہے مگر درحقیقت مخاطب امت ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان بت پرستوں کی گمراہی میں شک نہ کرو نہیں عبادت کرتے یہ لوگ مگر جیسے ان کے آباء و اجداد پہلے سے بے دلیل بلکہ خلاف دلیل بتوں کی پرستش کرتے آئے اسی طرح یہ لوگ بھی بلا دلیل باطل کے پیچھے جا رہے ہیں۔ یہ بت پرستی اور گمراہی ان کو باپ دادا سے بطور میراث ملی ہے اور بے شک ہم ان کو عذاب سے انکا پورا حصہ دینے والے ہیں جس میں کمی نہیں کی جائے گی بلا کم و کاست ان کے جرم کے مطابق ان کو عذاب ملے گا۔

### موعظت حسنہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ سعادت کی پانچ نشانیاں ہیں۔ اول دل کی نرمی۔ دوم اللہ کے خوف سے بہت رونا۔ سوم آرزو کا تھوڑا ہونا۔ چہارم دنیا سے نفرت۔ پنجم اللہ کے سامنے شرمندہ رہنا۔ اور علی ہذا اشقاوت کی بھی پانچ نشانیاں ہیں۔

اول دل کی سختی۔ دوم آنکھوں کی خشکی۔ سوم دنیا کی رغبت۔ چہارم آرزو کا زیادہ ہونا۔ پنجم بے حیائی۔

● قال الامام البغوی معنی قول ابن مسعود و ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہما لياتین علی جہنم لیس فیہا احد عند اهل السنۃ ان ثبت ان لا یقی فیہا احد من اهل ایمان و اما مواضع الکفار فممتلئۃ ابد و قد ذکرہ فی التفسیر فی قولہ تعالیٰ ﴿لَیْسَ فِیہَا مِنْ اٰیۃٍ﴾ انہا فی حق اهل الہواء من اهل القبلة و عند اکثر المفسرین المراد بالا حجاب احقاب غیر متناہیۃ (تفسیر مظہری: ۵۵/۵) و کذا فی تفسیر البغوی و تفسیر الخازن و فتح الباری: ۱۱/۳۶۳۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ ۗ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ

اور البتہ ہم نے دی تھی موسیٰ کو کتاب پھر اس میں پھوٹ پڑ گئی اور اگر نہ ہوتا ایک لفظ کہ پہلے فرما چکا تھا تیرا رب تو فیصلہ ہو جاتا اور ہم نے دی تھی موسیٰ کو کتاب، پھر اس میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور اگر نہ ہوتا ایک لفظ کہ آگے نکل چکا تیرے رب سے، تو فیصلہ ہو جاتا

بَيْنَهُمْ ۗ وَإِنَّ لَهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٌ ﴿۱۱﴾ وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُؤَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ۗ

ان میں اور ان کو اس میں شبہ ہے کہ ملٹن نہیں ہونے دیتا تو اور جتنے لوگ ہیں جب وقت آیا پورا دے گا رب تیرا ان کو ان کے اعمال ان میں، اور ان کو اس میں شبہ ہے کہ جی نہیں ٹھہرتا۔ اور جتنے لوگ ہیں، جب وقت آیا، پورا دے گا تیرا رب ان کو ان کے کئے۔

إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۲﴾ فَاسْتَقِمُّ كَمَا أَمَرْتُ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۗ إِنَّهُ بِمَا

اس کو سب خبر ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں تو سیدھا چلا جا جیسا تجھ کو حکم ہوا اور جس نے توبہ کی تیرے ساتھ اور حد سے نہ بڑھو بیٹک وہ دیکھتا ہے جو اس کو سب خبر ہے جو وہ کر رہے ہیں۔ سو تو سیدھا چلا جا جیسا تجھ کو حکم ہوا اور جس نے توبہ کی تیرے ساتھ، اور حد سے نہ بڑھو۔ وہ دیکھتا ہے جو

تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۳﴾ وَلَا تَرَكُنَّوْا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ

کچھ تم کرتے ہو تو اور مت جھکو ان کی طرف جو ظالم ہیں پھر تم کو لگے گی آگ اور کوئی نہیں تمہارا تم کر رہے ہو۔ اور مت جھکو ان کی طرف جو ظالم ہیں، پھر تم کو لگے گی آگ، اور کوئی نہیں تمہارا

دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿۱۴﴾ وَالْقِمِ الصَّلَاةَ ظَرْفِي النَّهَارِ وَزُلْفًا مِّنَ اللَّيْلِ ۗ

اللہ کے سوا مددگار پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے ﴿۱۴﴾ اور قائم کر نماز کو دونوں طرف دن کے اور کچھ ٹکڑوں میں رات کے ﴿۱۵﴾ اللہ کے سوا مددگار، پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے۔ اور کھڑی کر نماز دونوں سرے دن کے، اور کچھ ٹکڑوں رات کے۔

۱۱۔ موسیٰ علیہ السلام کو تورات دے کر بھیجا تو آپس میں پھوٹ پڑ گئی کسی نے قبول کیا کسی نے نہ کیا۔ جس طرح آج قرآن عظیم کے متعلق یہی اختلاف ہو رہا ہے۔ بیشک خدا کو قدرت تھی کہ یہ اختلاف و تفریق پیدا نہ ہونے دیتا یا پیدا ہو چکنے کے بعد تمام مکذبین کا فوراً استیصال کر کے سارے جھگڑے ایک دم میں چکا دیتا مگر اس کی حکمت تکوینی اس کو مقضیٰ نہ ہوتی۔ ایک بات اس کے یہاں پہلے سے طے شدہ ہے کہ انسان کو ایک خاص حد تک کسب و اختیار کی آزادی دے کر آزمائے کہ وہ کس راستہ پر چلتا ہے۔ آیا خالق و مخلوق کا ٹھیک ٹھیک حق پہچان کر خدا کی رحمت و کرامت کا مستحق بنتا ہے یا کج روی اور غلط کاری سے فطرت صحیحہ کی راہنمائی کو خیر باد کہہ کر اپنے کو غضب و سخط کا مظہر ٹھہراتا ہے۔ ﴿لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے انسان کی ساخت ایسی بنائی کہ وہ نیکی یا بدی کے اختیار کرنے میں بالکل مجبور و مضطر نہ ہو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں خیر و شر اور نیک و بد کی باہمی آویزش جاری رہے بعد امر و مومر و مضطرب و مغموم کیے جائیں تاکہ ﴿لَا تَمَنَّوْا زُجُجًا﴾ کے ساتھ ﴿لَا تَمَنَّوْا جَهَنَّمَ مَنُكَّرًا﴾ والی بات بھی پوری ہو۔ غالباً یہی وہ کلمہ (لفظ) ہے جو اگر نہ فرما چکا ہوتا سب اختلاف کا ایک دم خاتمہ کر دیا جاتا۔ عام لوگ ان حکمتوں کو نہ سمجھ سکتے کی وجہ سے شک میں پڑے ہوئے ہیں کہ آئندہ بھی ان اختلاف کا فیصلہ ہو گا یا نہیں۔

۱۲۔ یعنی ابھی وقت نہیں آیا کہ ہر ایک کے عمل کا پورا پورا محاسبانہ کیا جائے۔ لیکن جب وقت آئے گا تو یقیناً ذرہ ذرہ کا حساب کر دیا جائے گا۔ تاخیر مذاہب سے یہ نہ سمجھو کہ اسے تمہارے اعمال کی خبر نہیں۔

۱۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین کی جمعیت میں نہ بڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے کفر و غیرہ سے توبہ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اختیار کر لی اور حق تعالیٰ کی طرف رجوع کیا احکام الہیہ بہ نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ ہمیشہ سے رہنا چاہیے۔ عقائد، اخلاق، عبادات، معاملات =

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۚ ذَلِكَ ذِكْرَىٰ لِلَّذِينَ كَرِهُوا ۗ ﴿۱۳﴾ وَأَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ

البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو یہ یادگاری ہے یاد رکھنے والوں کو قرآن اور صبر کہ البتہ اللہ ضائع نہیں کرتا ثواب  
البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو۔ یہ یادگاری ہے یاد رکھنے والوں کو۔ اور ٹھہرا رہ، البتہ اللہ ضائع نہیں کرتا ثواب

### أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۵﴾

نیکی کرنے والوں کا اجر

نیکی والوں کا۔

## تحدیر از اختلاف و افتراق و حکم استقامت بر احکام شریعت

عَالِيهَا: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ...﴾... فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۵﴾

ربط:..... گزشتہ آیات میں موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا اب ان آیات میں یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات  
عنایت کی مگر لوگوں نے اس میں اختلاف کیا کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا اور مورد عتاب الہی بنے۔ لہذا اے مسلمانو! تم کو

= دعوت تبلیغ وغیرہ، ہر چیز میں افراط و تفریط سے علیحدہ ہو کر توسط و استقامت کی راہ پر سیدھے چلے جاؤ۔ کسی معاملہ میں افراط یا تفریط کی جانب اختیار کر کے حد سے  
بے نکلنا اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ ہر آن تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

۱۳ پہلے "لَا تَقْطَعُوا" میں حد سے نکلنے کو منع کیا تھا اب بتلاتے ہیں کہ جو لوگ ظالم (حد سے نکلنے والے) ہیں، ان کی طرف تمہارا ذرا سا میلان اور جھکاؤ بھی نہ  
ہو۔ ان کی موالات، مصاحبت، تعظیم و محکم، مدح و ثنا، ظاہری تشبیہ، اشتراک عمل، ہر بات سے حسب مقدمہ و محترمہ، مبادا آگ کی لپٹ تم کو نہ لگ جائے۔ پھر نہ  
خدا کے ساتھ کوئی مددگار ملے گا اور نہ خدا کی طرف سے کوئی مدد پہنچے گی۔

۱۴ ظالموں کی طرف مت جھکو۔ بلکہ خدائے وحدہ لا شریک لہ کی طرف جھکو۔ یعنی صبح و شام اور رات کی تاریکی میں خشوع و خضوع سے نمازیں ادا کرو کہ۔ یہی بڑا  
ذریعہ خدائی مدد حاصل کرنے کا ہے۔ (تنبیہ) دن کے دونوں طرف یعنی طلوع و غروب سے پہلے فجر اور عصر کی نمازیں مراد ہیں۔ یا ایک طرف فجر اور دوسری  
طرف مغرب کو رکھا جائے کہ وہ بھی بالکل غروب کے متصل ہوتی ہے۔ اور بعض سلف کے نزدیک اس میں فجر اور ظہر و عصر تینوں نمازیں داخل ہیں۔ جو یا دن  
کے دو حصے کر کے پہلے حصے میں فجر کو اور دوسرے حصہ میں جو نصف النہار سے شروع ہو کر غروب پر ختم ہوتا ہے، دونوں نمازوں (ظہر و عصر) کو شمار کر لیا۔

اور ﴿وَرُؤُا لِقَاءِ قَوْمِ الْآيِلِ﴾ سے فقہ "عشاء" یا "مغرب و عشاء" دونوں مراد ہیں۔ ابن کثیر نے یہ احتمال بھی لکھا ہے کہ "طَرَفِي الْقَهَارِ" سے فجر اور ﴿وَرُؤُا لِقَاءِ  
قَوْمِ الْآيِلِ﴾ سے تہجد مراد ہو۔ کیونکہ ابتدائے اسلام میں یہی تین نمازیں فرض ہوئی تھیں۔ بعدہ تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی اور باقی دو کے ساتھ تین کا اضافہ  
کیا گیا (واللہ اعلم)

قرآن یعنی نمازوں کا قائم رکھنا، خدا کی یادگاری ہے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا۔ اور "أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي" یا یہ مطلب ہے کہ ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ  
السَّيِّئَاتِ﴾ کا ضابطہ یاد رکھنے والوں کے لیے یاد رکھنے کی چیز ہے۔ جسے کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے، کیونکہ اس سے مومن کو نیکیوں کی طرف خاص ترغیب ہوتی  
ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو تین طرح، جو نیکیاں کرے اس کی برائیاں معاف ہوں، اور جو نیکیاں اختیار کرے اس  
سے غمخیز برائیوں کی چھوٹے، اور جس ملک میں نیکیوں کا رواج ہو وہاں ہدایت آئے اور گمراہی سٹے، لیکن تینوں جگہ وزن غالب چاہیے۔ جتنا میل اتنا صابون۔"

۱۵ قرآن کریم میں غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی امداد و اعانت حاصل کرنے میں دو چیزوں کو خاص دخل ہے۔ صلوات اور صبر ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ  
آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ یہاں بھی "صلوات کے بعد" صبر" کا حکم فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ مومن خدا کی عبادت و  
فرمانبرداری میں ثابت قدم رہے اور کسی دکھ درد کی پروا نہ کرے، تب خدائی مدد و نصرت حاصل ہوتی ہے اس کے یہاں کسی نیکی کار کا اجر ضائع نہیں ہوتا، بلکہ  
اندازہ سے زائد ملتا ہے۔

چاہئے کہ ان سے عبرت پکڑو اور جو کتاب میں ہم نے تم کو دی ہے سب مل کر اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور تفرق اور اختلاف سے پرہیز رکھو اور جاہد شریعت پر ایسے مستقیم ہو جاؤ کہ پائے استقامت میں تزلزل نہ آنے پائے اور ”کما امرت“ کے لفظ میں اشارہ اس طرف ہے کہ سر مو حکم سے عدولی نہ ہو حکم کے مطابق اطاعت ہو اور ﴿وَلَا تَطْغَوْا﴾ کے لفظ میں اشارہ اس طرف ہے کہ حد و شریعت سے باہر نہ جاؤ اور ﴿وَلَا تَكُونُوا إِلَى الدِّينِ ظَالِمًا﴾ میں اشارہ اس طرف ہے کہ بے دینوں کی شان و شوکت دیکھ کر ان کی طرف مائل نہ ہو جانا اور ان کی رسوم اور ان کے طور و طریق اور معاشرہ کو اختیار نہ کرنا اور پھر استقامت کے حکم کے ساتھ بعض مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا حکم دیا جو استقامت میں معین اور مددگار ہیں خاص کر تواضع اور اہل دنیا سے کنارہ کشی استقامت میں بڑی معین اور مددگار ہے اس لیے کہ ﴿لَا تَطْغَوْا﴾ میں تواضع کی طرف اشارہ ہے۔ اور ﴿وَلَا تَكُونُوا إِلَى الدِّينِ ظَالِمًا﴾ میں اہل دنیا اور فساق و فجار سے علیحدہ رہنا مراد ہے اور نماز جو ام العبادات ہے وہ تو مومن کی معراج ہے جس کا ﴿وَالْعَمَلُ الصَّالِحَاتُ فِي الْبَهَارِ﴾ میں حکم دیا گیا اور طرفی النہار کے نماز سے صبح اور عصر کی نماز مراد ہے جس میں ملائکہ اللیل والنہار جمع ہوتے ہیں۔ صبح کی نماز شروع ان میں ہوئی ہے اور عصر کی نماز اخیر دن میں ہوتی ہے اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ صبح کی نماز اندھیرے میں نہ پڑھے بلکہ جب خوب روشنی ہو جائے اور عصر کی نماز اخیر دن میں غروب سے پہلے پڑھے جبکہ سایہ اصلی کے سوا ہر چیز کا سایہ دو چند ہو جائے اور زلفا من الیل سے تہجد کی نماز مراد ہے۔ یہ مجموعہ مل کر پانچ امور ہوئے (۱) استقامت (۲) لا تطغوا (۳) لا ترکنوا (۴) مداومت بر نماز فجر و عصر (۵) نماز تہجد جس کے فضائل و برکات کی کوئی حد نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ حکم خداوندی کا اتباع موجب نجات ہے اور حکم خداوندی سے اختلاف اور انحراف موجب ہلاکت ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تو رات عطا کی تھی سو اس میں اختلاف کیا گیا۔ کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا بعینہ یہی معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب یعنی قرآن کے ساتھ پیش آیا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغموم نہ ہوں اور کافروں کے اختلاف اور تکذیب سے گھبرا ئیں نہیں یہ کوئی نئی بات نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اختلاف کرنے والے فرعونوں کے حکم میں ہیں اور اگر حکم ازلی تیرے پروردگار کی طرف سے صادر نہ ہو چکا ہوتا کہ کافروں کو پوری سزا آخرت میں دی جائے گی۔ ابھی دنیا ہی میں انکا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بلا کسی تاخیر اور مہلت کے عذاب نازل کر کے انکا فیصلہ کر دیا جاتا مگر اللہ نے اپنی حکمت سے ان کے عذاب کے لیے ایک میعاد مقرر کر دی ہے اور تحقیق یہ معاندین اللہ کے فیصلہ سے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے ان کو قلق اور اضطراب میں ڈال رکھا ہے شکوک اور اوہام کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور پراگندہ دل میں اور بعض کہتے ہیں کہ منہکی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے کہ قرآن کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں کبھی کہتے ہیں جادو ہے اور کبھی کچھ اور کبھی کچھ۔ کسی ایک بات پر ان کو قرار نہیں اور تحقیق تیرا پروردگار ان سب کو ان کے اعمال کی پوری پوری جزا دے گا نیکو کار کو ثواب اور بدکار کو عذاب بے شک اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے پورا باخبر ہے اس پر انکا کوئی عمل دخل مخفی نہیں پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان ناپکاروں کی جزا دہن کا معاملہ تو اس علیم و قدیر پر چھوڑیے۔

لوگ حق کو قبول کریں یا نہ کریں۔ آپ ﷺ اپنی ذات سے صراطِ مستقیم اور دینِ حق پر سیدھے قائم رہے جیسا کہ آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے اور جن لوگوں نے آپ ﷺ کے ہمراہ توبہ کی ہے وہ بھی آپ ﷺ کی طرح صراطِ مستقیم پر قائم ہو جائیں تاکہ منزل مقصود تک پہنچ جائیں استقامت کے معنی کسی چیز پر ٹھیک جم جانے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جاہد اطاعت و محبت پر قدم کو ایسا جماؤ کہ اس میں کسی قسم کا تزلزل اور تذبذب باقی نہ رہے اور یہ حکم و قائد اور اعمال دونوں کو شامل ہے۔ عقائد میں استقامت یہ ہے کہ نہ تو مجسمہ کی طرح تشبیہ کا اعتقاد رکھے کہ جس سے خالق کی مخلوق کے ساتھ مشابہت لازم آئے اور نہ فلاسفہ کی طرف تعطیل کا قائل ہو کہ خدا تعالیٰ کو صفات کمالیہ سے عاری اور معطل جانے اور اعمال میں اعتدال کو ملحوظ رکھے افراط و تفریط نہ کرے اور ٹھیک درمیان میں چلنا اور کسی جانب ملتفت نہ ہونا اور حق اطاعت کو پورا پورا بجالانا بہت دشوار ہے اور اسی بناء پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ ہود نے مجھ کو بوڑھا بنا دیا اس لیے کہ استقامت نہایت سخت اور دشوار ہے اور جو خود تمہارے لیے مقرر کر دی گئی ہے اس سے تجاوز نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ دین کے دائرہ سے باہر قدم نہ نکالو تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ تمہاری اطاعت اور استقامت اور تمہارا عصیان اور طغیان اس کی نظروں کے سامنے ہے اور ظالموں یعنی حد سے نکلنے والوں کی طرف جھکنا بھی مت تو عصیان اور طغیان تو بڑی چیز ہے۔ ظالموں اور فاسقوں کی طرف تو تھوڑا سا میلان اور جھکاؤ بھی بہت برا ہے۔ اور خطرناک ہے کیوں کہ اندیشہ ہے کہ ظالموں اور نافرمانوں کی طرف میلان اور رغبت کی بناء پر تم کو دوزخ کی آگ نہ لگ جائے اور ان کے ساتھ تم بھی آگ کی لپیٹ میں نہ آ جاؤ ظالموں کی طرف میلان کے معنی یہ ہیں کہ ان کے طور و طریق اور ان کے حال اور وضع کو پسند کرنے لگے جیسے کوئی انگریزی یا ہندوانی وضع قطع اختیار کر لے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کو کافروں کی وضع پسند ہے اور جب ظالموں کی طرف جھکنے والوں کا یہ حال ہے تو سمجھ لو کہ خود ظالم کا کیا حال ہوگا پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے استقامت کا حکم دیا دوسری آیت میں طغیان کی ممانعت فرمائی اور تیسری آیت میں طغیان اور اہل عصیان کی طرف میلان کی ممانعت فرمائی اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت پر ظاہر و باطناً ٹھیک قائم رہو اور حدود شریعت سے باہر قدم نہ نکالو اور کسی ظالم اور نافرمان کی طرف جھکو بھی نہیں اندیشہ ہے کہ وہ تم کو کھینچتے کھینچتے دین کے دائرہ سے باہر نہ نکال دیں اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تمہارا مددگار نہیں پھر اگر تم ان ظالموں کی طرف مائل ہوئے تو سمجھ لو کہ تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ خدا ان لوگوں کی مدد نہیں کرتا جو اس کے دشمنوں اور نافرمانوں کی طرف مائل اور راغب ہوں اور اے بندے! تو ان ظالموں کو چھوڑ اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جا اور دن کے دونوں سروں میں فجر اور عصر کی نماز اور کچھ رات گئے تہجد کی نماز پابندی سے پڑھا کر اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت اور میلان کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ خاص کر فجر اور عصر اور تہجد کی نمازیں یہ اوقات خدا تعالیٰ کے خاص انوار و تجلیات کے اوقات ہیں بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔ کیونکہ نیکی نور ہے اور برائی ظلمت ہے اور ظاہر ہے کہ جب نور آئے گا تو ظلمت اور تاریکی دور ہوگی جس درجہ کا نور ہوگا اسی قدر تاریکی دور ہوگی اور خوب سمجھ لو کہ یہ بات کہ نیکیوں سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ ایک جامع نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لیے کیوں کہ اس میں قاعدہ کلیہ بتلا دیا گیا کہ نیکیاں گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں اور نیکیوں میں نمبر اول نماز کا ہے۔ اور چوں کہ استقامت نہایت سخت اور دشوار ہے۔ اور طغیان اور ظالموں کی طرف میلان

سے اپنے کو محفوظ رکھنا یہ بھی نفس پر شاق اور گراں ہے اور نماز بھی نفس پر شاق اور گراں ہے اس لیے ان سب احکام کے بعد صبر کا حکم دیتے ہیں کیونکہ الصبر مفتاح الفرج صبر کی کامیابی کی کنجی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے بندے! تمام ادا اور نواہی میں عمور اور استقامت میں اور طغیان اور میلان سے بچنے میں خصوصاً صبر سے کام لے کیونکہ صبر تمام نیکیوں کی جڑ ہے پس تحقیق اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ظاہر کلام کا مقتضی یہ تھا کہ اس طرح فرماتے ”فان الله لا يضيع اجر الصابرين۔“ مگر بجائے اس کے ﴿فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ فرمایا اشارہ اس طرف ہے کہ صبر بھی حسنت میں سے ہے یا یوں کہو کہ نماز کے بعد صبر کا ذکر اس لیے کیا کہ اللہ کی مدد حاصل کرنے میں دو چیزوں کو خاص دخل ہے ایک نماز اور ایک صبر کما قال تعالیٰ ﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾۔

**فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا**

سو کیوں نہ ہوتے ان جماعتوں میں جو تم سے پہلے تھیں ایسے لوگ جن میں اثر خیر رہا ہو کہ منع کرتے رہتے بگاڑ کرنے سے ملک میں مگر سو کیوں نہ ہوتے ان سنتوں میں، تم سے پہلے کوئی لوگ جن میں اثر ہو رہا ہو، کہ منع کرتے بگاڑ کرنے سے ملک میں، مگر

**قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ، وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿۱۶﴾**

تھوڑے کہ جن کو ہم نے بچا لیا ان میں سے اور چلے وہ لوگ جو ظالم تھے وہی راہ جس میں عیش سے رہے تھے اور تھے عتہ گار فی تھوڑے سے جو ہم نے بچائے ان میں۔ اور چلے وہ لوگ جو ظالم تھے اسی راہ جس میں عیش پایا، اور تھے گنہگار۔

**وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلِهَا مُصْلِحُونَ ﴿۱۷﴾ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ**

اور تیرا رب ہرگز ایسا نہیں کہ ہلاک کرے بستیوں کو زبردستی سے اور لوگ وہاں کے نیک ہوں فی اور اگر چاہتا تیرا رب کر ڈالتا اور تیرا رب ایسا نہیں، کہ ہلاک کرے بستیوں کو زبردستی سے، اور لوگ وہاں کے نیک ہوں۔ اور اگر چاہتا تیرا رب کر ڈالتا

**النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُ النَّاسُ مُخْتَلِفِينَ ﴿۱۸﴾ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ ط وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ ط**

لوگوں کو ایک رستہ پر اور ہمیشہ رہتے ہیں اختلاف میں مگر جن پر رحم کیا تیرے رب نے فی اور اسی واسطے ان کو پیدا کیا ہے لوگوں کو ایک راہ پر، اور ہمیشہ رہتے ہیں اختلاف میں۔ مگر جن پر رحم کیا تیرے رب نے، اور اسی واسطے ان کو پیدا کیا ہے۔

فل پر پھولوں کا مال سنا کر امت محمدیہ کو ابھارا گیا ہے کہ ان میں ”امر بالمعروف“ اور ”نہی عن المنکر“ کرنے والے بکثرت موجود رہنے چاہیں۔ گزشتہ تو میں اس لیے تیار ہوئیں کہ عام طور پر لوگ عیش و عشرت کے نشہ میں چور ہو کر جہاد کا رتبہ کرتے رہے اور بڑے ہا اثر آدمی جن میں کوئی اثر خیر کا باقی نہیں تھا انہوں نے منع کرنا چھوڑ دیا، اس طرح کفر و عصیان اور ظلم و ظلمانیان سے دنیا کی جو حالت بگڑ رہی تھی اس کا سنوارنے والا کوئی نہ رہا۔ چند گنتی کے آدمیوں نے ”امر بالمعروف“ کی کج آواز بلند کی مگر نثار فائدہ میں طوطی کی صدا کون سنا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ منع کرنے والے مذاب سے محفوظ رہے ہائی سب قوم تیار ہو گئی۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں ”نیک لوگ غالب ہوتے تو قوم ہلاک نہ ہوتی۔ تھوڑے سے قے سو آپ بچ گئے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ جب ظالم کا ہاتھ پکڑ کر ظلم سے نہ روکا جائے اور لوگ ”امر بالمعروف“ و ”نہی عن المنکر“ ترک کر لیں، تو قریب ہے کہ خدا تعالیٰ ایسا عام مذاب بھیجے جو کسی کو نہ چھوڑے (العماد باللہ)۔

فی یعنی جس بستی کے لوگ اپنی حالت درست کرنے کے کی طرف متوجہ ہوں، نیکی کو رواج دیں، ظلم و فساد کو روکیں تو خداوند قدوس کی یہ شان نہیں کہ خواہ مخواہ انہیں زبردستی پکڑ کر ہلاک کر دے۔ مذاب اسی وقت آتا ہے جب لوگ کفر و عصیان یا ظلم و ظلمانیان میں مد سے نکل جائیں۔ =



وَمَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لِأَمَلَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۹﴾

اور پوری ہوئی بات تیرے رب کی کہ البتہ بھر دوں گا دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے فلا اور پورا ہوا لفظ تیرے رب کا کہ البتہ بھروں گا دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے۔

امم سابقہ کی ہلاکت کے سبب قریب اور سبب بعید کا بیان

قَالَ تَعَالَى: ﴿فَلَوْلَا كَانُوا مِنَ الْفٰرُونَ... اِلَىٰ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِينَ﴾

ربط:..... پچھلی امتوں کا حال سنا کر یہ بتلاتے ہیں کہ ان کی ہلاکت کے دو سبب ہیں ایک سبب قریب اور ایک سبب بعید اور بالفاظ دیگر ایک سبب ظاہری اور ایک سبب باطنی۔ سبب ظاہری تو یہ تھا کہ شہوات نفسانی اور حظوظ شہوانی کے پیرو بن گئے۔ اور خدا کی معصیت میں غرق ہو گئے اور علماء اور واعظین قلیل اور مغلوب تھے ان کا وعظ اور ان کی نصیحت کا رگ نہ ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے جو معدودے چند تھے وہ تو عذاب سے محفوظ رہے اور باقی قوم جو غرق معصیت تھی وہ سب تباہ ہو گئی۔ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "کہ اگر نیک لوگ غالب ہوتے تو قوم ہلاک نہ ہوتی تھوڑے تھے سو آپ بچ گئے اور سبب باطنی یہ تھا کہ اللہ کا ارادہ اور اس کی مشیت اور اس کی حکمت بھی تھی کہ سب لوگ ایک راہ پر نہ چلیں بلکہ مختلف رہیں کچھ ایمان لائیں جن پر اللہ کی رحمت ہو اور کچھ کفر کریں جن پر اللہ کا قہر نازل ہو"۔ امم سابقہ کی معصیت اور ان کا فسق و فجور، ان کی ہلاکت کا سبب ظاہری تھا۔ اور قضاء و قدر اور مشیت خداوندی اس کا سبب باطنی تھا جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس کیوں نہ ہوئے پہلی امتوں میں سے جن کو ہم نے نافرمانی اور سرکشی کے باعث ہلاک کیا۔ ایسے ذی رائے اور صاحب عقل لوگ جو لوگوں کو زمین میں فساد کرنے سے یعنی کفر و معصیت کرنے سے منع کرتے تاکہ ان پر

= قول یعنی میرا کہ ہاں پہلے لکھا جا چکا ہے خدا تعالیٰ کی حکمت تکوینی اس کو متعنی نہیں ہوتی کہ ساری دنیا کو ایک ہی راستہ پر ڈال دیتا۔ اسی لیے حق کے قبول کرنے نہ کرنے میں ہمیشہ اختلاف رہتا ہے اور رہے گا۔ مگر فی الحقیقت اختلاف اور بھٹ ڈالنے والے دو لوگ ہیں جنہوں نے صاف و صریح فطرت کے خلاف حق کو جھٹلایا۔ اگر فطرت سیر کے موافق نہ ہوتے تو کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ اسی لیے "اَلَا مَنَّ رَبُّكَ بِذٰلِكَ" سے متنبہ فرما دیا کہ جس پر خدا نے ان کی حق پرستی کی بدولت رحم کیا وہ اختلاف کرنے والوں سے مستثنیٰ ہیں۔

فلا یعنی دنیا کی آفرینش سے غرض یہ ہی ہے کہ حق تعالیٰ کی ہر قسم کی "صفات جمالیہ" و "قہریہ" کا ظہور ہو، اس لیے مظاہرہ کا مختلف ہونا ضروری ہے تاکہ ایک جماعت اپنے مالک کی وفاداری و اطاعت دکھا کر رحمت و کرم اور رضوان و مغفران کا مظہر بنے۔ جو اَلَا مَنَّ رَبُّكَ کی مصداق ہے اور دوسری جماعت اپنی بغاوت و غداری سے اس کی صفت عدل و انتقام کا مظہر بن کر اس دوام کی سزا چکھتے۔ جس پر خدا کی یہ بات پوری ہو ﴿اَلَا مَنَّكَ جَهَنَّمَ وَمَنْ اَجْمَعِينَ﴾ بہر حال آفرینش عالم کا تشریحی مقصد عبادت ہے ﴿وَمَا خَلَقْنَا الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُنَا﴾ اور تکوینی غرض یہ ہے کہ تشریحی مقصد کو اپنے کسب و اعتبار سے پورا کرنے اور نہ کرنے والے دو گروہ ایسے موجود ہوں جو حق تعالیٰ کی صفات جمالیہ و جمالیہ یا بالفاظ دیگر لطف و قہر کے مورد و مظہر بن سکیں۔

درکار خانہ عشق از کفر ناگزیر است

دوزخ کرا بسوزد مگر بولہب نہ ہاھ

پھر لطف و کرم سے مظاہر بھی اپنے مدارج استعداد و عمل کے اعتبار سے مختلف ہوں گے۔

گہاے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن

اے دوق اے جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

عذاب نہ آئے لیکن تھوڑے لوگ ایسے تھے جو لوگوں کو کفر اور شرک اور بد اعمالی سے منع کرتے تھے مگر وہ مغلوب تھے قوم کے لوگ انکا کہنا نہیں مانتے تھے قوم میں سے ہم نے ان کو عذاب سے بچالیا کیونکہ یہ قلیل افراد لوگوں کو کفر اور شرک اور معصیت کے فتنہ اور فساد سے منع کرتے تھے۔ یہ تو عذاب سے بچ گئے اور باقی قوم تباہ ہو گئی اور جو لوگ ظالم تھے وہ اس راہ کو لگ لئے جس میں عیش و عشرت کا سامان تھا یعنی وہ لذات و شہوات کے پیچھے دوڑ پڑے اور عذاب الہی سے تباہ ہوئے اور تھے یہ لوگ بڑے ہی مجرم۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ”گزشتہ قرون میں ایسے بقایا اہل خیر کیوں نہ ہوئے کہ جو لوگوں کو شرور اور منکرات سے نبی کرتے۔ ہاں ایسے لوگ قلیل ہوئے ہیں۔ انہی کو اللہ نے اپنے عذاب سے بچالیا لہذا اللہ نے اس امت کو حکم دیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریئے۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ﴾ الایۃ۔ پھر فرمایا کہ ظالم معاصی پر مستمر ہے اور انہوں نے کچھ التفات نہ کیا یہاں تک کہ ناگہاں ان پر عذاب آ گیا ” آہ آگے فرماتے ہیں اور نہیں ہے۔ تیرا پروردگار کہ بستیوں کو ظلم کے ساتھ ہلاک کرے۔ یعنی بلا وجہ اور بلا جرم ان کو ہلاک کرے اور در آنحالیکہ وہاں کے باشندے نیکو کار ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو زبردستی پکڑ کر ہلاک نہیں کرتا۔ در آنحالیکہ وہاں کے باشندے اپنی حالت کے درست کرنے کی طرف متوجہ ہوں نیکی کو رواج دیتے ہوں اور ظلم اور فساد کو روکتے ہوں۔ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہوں تو خداوند قدس ایسی حالت میں کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کا عذاب قریہ ظالمہ پر آتا ہے۔ قریہ مصلحہ پر نہیں آتا۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ﴾ الایۃ آیت کی یہ تفسیر عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ (دیکھو زاد المسیر: ۳/۱۷۱) اور ابن جریر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں آیت میں ظلم سے شرک مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محض شرک کی وجہ سے کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتا در آنحالیکہ وہاں کے باشندوں کے باہمی معاملات درست ہوں محض شرک کی وجہ سے بستی پر ایسا عذاب نہیں آتا کہ جس سے بستی بالکل تباہ ہو جائے۔ بلکہ ایسا عذاب اس وقت آتا ہے کہ جب لوگ باہم ایک دوسرے پر ظلم اور زیادتی کرنے لگیں۔ پس جن قوموں پر عذاب نازل ہوا وہ محض شرک کی وجہ سے نازل نہیں ہوا بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب اور تمسخر اور قتل ناحق اور ایذا رسانی اور اہل ایمان پر ظلم و ستم کی وجہ سے آیا اللہ تعالیٰ اپنے حق میں چشم پوشی کرتا ہے اور حقوق العباد میں سختی کرتا ہے اور کفر اور شرک پر جو عذاب شدید و الیم ہوگا وہ آخرت میں ہوگا۔ اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں آیت کا وہی مطلب اختیار کیا جس کو ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا اور جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جلالین میں اور قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تفسیر مظہری: ۵/۶۶ میں اسی تفسیر کو اختیار کیا اور شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی تفسیر کو اختیار کیا اور ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا اسی لیے میرے نزدیک بھی راجح قول اول ہے اس لیے کہ کفر اور شرک سے بڑھ کر کوئی جرم اور ظلم نہیں اور ایمان سے بڑھ کر کوئی صلاح اور خیر نہیں۔ عذاب کی اصل علت کفر اور شرک ہے اور نجات کا سبب اصل ایمان اور اتباع شریعت ہے اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر تیرا پروردگار چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی دین پر کر دیتا۔ لیکن اللہ کی حکمت تکوینی اس کی مقتضی نہیں۔ کہ سب کو ایک ہی راہ پر ڈال دے۔ تکوین عالم سے اس کا مقصود یہ ہے کہ اس کی صفات جمالیہ اور صفات جلالیہ دونوں ہی کا ظہور ہو۔ اس لیے مظاہر کا مختلف ہونا ضروری ہوا پس جنت اور اہل ایمان کو اپنے لطف و جمال اور جو دونوں ال کا مظہر بنایا اور دوزخ کو اور اہل کفر کو صفت جلال اور شان قہر کا

منظہر بنایا۔

دوزخ کر اسوز دگر بولہب نباشد۔

درکار خانہ عشق از کفر ناگزیر است

اوز لوگ ہمیشہ مختلف رہیں گے۔ کوئی دین حق کو قبول کرے گا اور کوئی نہیں۔ مگر جس پر تیرا پروردگار رحم کرے اس کو اختلاف سے محفوظ رکھے گا اور دین حق اور صراط مستقیم پر لگا دیگا اور اسی اختلاف اور رحمت کے لیے لوگوں کو پیدا کیا یعنی بعض کو دوزخ کے لیے اور بعض کو جنت کے لیے اور اسی اختلاف کے لیے پیدا کرنے کی وجہ سے تیرے پروردگار کی یہ بات پوری ہوئی کہ میں بلاشبہ جہنم کو جنوں اور آدمیوں سے بھر دوں گا۔ تاکہ مغضوبین پر اس کی صفت غضب ظاہر ہو۔

وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُغَيِّبُ بِهِ فُؤَادَكَ ، وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ

اور سب چیز بیان کرتے ہیں ہم تیرے پاس رسولوں کے احوال سے جس سے تسلی دے دیں تیرے دل کو اور آئی تیرے پاس اس سورت میں تحقیق بات اور سب بیان کرتے ہیں ہم تیرے پاس رسولوں کے احوال سے، جس سے ثابت کریں تیرا دل، اور آئی تجھ کو اس سورت میں تحقیق بات،

### وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۰﴾

اور نصیحت اور یادداشت ایمان والوں کو

اور نصیحت اور سمجھوتی ایمان والوں کو۔

تنبیہ بر بعض حکمت ہائے حکایت قصص مذکورہ

قَالَ تَبَّالِكُمْ : ﴿وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ...﴾ الی... وَذِكْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۰﴾

رہط:..... اوپر کی آیت میں واقعات ہلاکت کے وقوع کی علت اور حکمت بیان کی یہ واقعات ہلاکت کیوں پیش آئے۔ اب اس آیت میں ان قصص اور واقعات کے حکایت اور ذکر کی بعض حکمتوں پر تنبیہ فرماتے ہیں اور بالفاظ دیگر گزشتہ آیت میں محکم عنہ کے وقوع کی علت اور حکمت کا بیان تھا اور اس آیت میں نفس حکایت کی علت اور حکمت کا بیان ہے جس کا حاصل تقویت قلب اور مواعظت و نصیحت اور عبرت ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ﷺ ہم رسولوں کی خبروں میں سے تم پر ہر قسم کی خبر بیان کرتے ہیں۔ یعنی انبیاء کرام کے وہ حالات جو ان کو ادائے رسالت اور قوم کی سرکشی اور ایذا رسانی اور بالآخر ان کی ہلاکت کے گزرے ہیں جو تجھ کو ان واقعات میں سے کچھ سناتے ہیں وہ فائدوں کے لیے (اول) یہ کہ تیرے دل کو تقویت پہنچائے کہ ان کو سن کر آپ ﷺ کو سکون اور اطمینان ہو جائے کہ دعوت و تبلیغ میں انبیاء کرام علیہم السلام کو یہ حالات پیش آئے اور

فل او بہ بہت سے انبیاء و رسل کے قصص مذکور ہوئے تھے، اب ختم سورت ہر ذکر قصص کی بعض حکمتوں پر تنبیہ فرماتے ہیں۔ یعنی گزشتہ اقوام و رسل کے واقعات سن کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب بیش از بیش ساکن و مطمئن ہوتا ہے اور امت کو تحقیق باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ جن میں نصیحت و تذکرہ کارڈ اسامان ہے۔ آدی جب سنتا ہے کہ میرے ابا نے نوع پہلے فلاں فلاں جرائم کی پاداش میں ہلاک ہو چکے ہیں تو ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ فلاں راستہ اختیار کرنے سے پچھلے کو نجات ملی تو طبیعت اس کی طرف دوڑتا ہے۔ فی الحقیقت قرآن کریم میں قصص کا حصہ اس قدر موثر و مذکور واقع ہوا ہے کہ کوئی شخص جس میں تھوڑا سا آدمیت کا جزو ہو اور خوف خدا کی ذرا سی ٹیس دل میں رکھتا ہو انھیں سن کر متاثر ہوتے بغیر نہیں رہ سکتا۔ باقی قصص یا بعض دوسرے مضامین کی تکرار جو قرآن کریم میں پائی جاتی ہے اس پر ہم نے رسالہ "القاسم" کے ابتدائی دور میں ایک مستقل مضمون لکھا ہے اسے ملاحظہ کر لیا جائے۔

انبیاء علیہم السلام نے ان جاہلوں کی ہلاکت اور اذیت پر کس طرح صبر کیا۔ بالآخر انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین نے نجات پائی اور ان کے دشمن عذاب الہی سے تباہ و برباد ہوئے اور (دوسرا) فائدہ یہ ہے کہ ان واقعات کے ضمن میں حق آپ ﷺ کے سامنے آ گیا کہ حق ایسا ہوتا ہے کہ ابتداء ضعیف اور ناتواں ہوتا ہے اور آخر میں ایسا قوی اور جوان پوتا ہے کہ بڑے بڑے متکبروں اور سرکشوں کو زمین پر پچھاڑتا ہے اور دنیا کو باطل کی ذلت کا تماشا دکھاتا ہے اور ان واقعات میں اہل ایمان کے لیے نصیحت اور عبرت ہے۔ نصیحت تو یہ ہے کہ آئندہ میں ایسا نہ کریں۔ اور عبرت یہ ہے کہ ان واقعات کو سن کر اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور پناہ مانگیں کہ اے اللہ تو ہم کو ان تباہ کاروں کے راستہ سے دور رکھنا۔

وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اَعْمَلُوا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عَمِلُوْنَ ۙ وَانْتَظِرُوْا ؕ اِنَّا

اور کہہ دے ان کو جو ایمان نہیں لاتے کام کیے جاؤ اپنی جگہ پر ہم بھی کام کرتے ہیں اور انتظار کرو ہم بھی اور کہہ دے ان کو جو یقین نہیں کرتے، کام کئے جاؤ اپنی جگہ ہم بھی کام کرتے ہیں۔ اور راہ دیکھو، ہم بھی

مُنْتَظِرُوْنَ ۙ وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدُوْهُ

منظر میں فل اور اللہ کے پاس ہے چھپی بات آسمانوں کی اور زمین کی اور اسی کی طرف رجوع ہے سب کام کا سو اسی کی بندگی کر راہ دیکھتے ہیں۔ اور اللہ کے پاس ہے، چھپی بات آسمانوں کی اور زمین کی، اور اسی کی طرف رجوع ہے کام سارا، سو اس کی بندگی کر،

وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۙ

اور اسی پر بھروسہ رکھ اور تیرا رب بے خبر نہیں جو کام تم کرتے ہو؟

اور اس پر بھروسہ رکھ۔ اور تیرا رب بے خبر نہیں جو کام کرتے ہو۔

خاتمہ سورت مشتمل برتہدید عدم قبول ذکرئی وموعظت

قَالَ تَعَالَى: ﴿وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اَعْمَلُوا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ... اِلٰی... وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾

رہط: ..... گزشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ اس سورت میں حق کو حقیقت خوب واضح ہوگئی اور اہل ایمان کے لیے نصیحت آگئی اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ جب حق آ گیا اور حجت پوری ہوگئی اس پر بھی اگر کوئی نہ مانے تو آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ فل اس مضمون کی آیات پہلے اسی سورت میں گزر چکی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر میری بات نہیں مانتے تو بہتر ہے تم اپنی ضد بدستے رہو، میں اپنے مقام پر مستقیم ہوں نیز تم میرے لیے حوادث دہر کا انتظار کرتے رہو، میں تمہارے اہتمام بد کا منظر ہوں۔ چند روز میں پتہ چل جائے گا کہ ظالموں کا اودھ کس کر دیتا ہے۔

﴿فَاَعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْنَ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّحِدَةٍ ۙ وَرَبُّكُمْ عَلِيمٌ ۙ﴾

۲ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کلمہ و فرات سے دھیر نہ ہوں اپنا کام کیے جائیں اور ان کا عیض خدا کے حوالہ کریں، اس سے آسمان و زمین کی کوئی بات چھپی نہیں، سب معاملات ہر بھر کراہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ وہاں ان کو پتہ لگ جائے گا کہ وہ کس جگہ میں بڑے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو دل وہاں سے اپنے پروردگار کی بندگی اور لڑکر مابرداری میں لگے رہے۔ اور تمہارا اسی کی امامت پر بھروسہ رکھیے۔ وہ تمہارے مخلصانہ اعمال سے بے خبر نہیں ان کے مناسب تم سے معاملہ کرے گا۔ مدیث میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑھاپے کے آثار بہت جلد آئے؟ فرمایا "شہدتی ہذا و آخر الیھا" سورہ ہود اور اس کی بہنوں نے مجھے بولا جا کر دیا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ سورہ ہود کی جس آیت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو =

اچھا تم اپنی اسی حالت پر رہو اور نتیجہ کا انتظار کرو۔ عنقریب تم کو اپنے خطبہ کا پتہ چل جائے گا اور اے نبی آپ ﷺ ان کے عناد سے دلگیر نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہئے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے پھر سورت کو اللہ تعالیٰ کے کمال علم اور کمال قدرت کے بیان پر ختم کیا جس سے سورت کا آغاز ہوا تھا چنانچہ فرماتے ہیں اور جو لوگ باوجود ان براہین قاطعہ کے ایمان نہیں لاتے اور گزشتہ قوموں پر جو عذاب نازل ہوا اس کی پرواہ نہیں کرتے آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے تم اپنی جگہ پر کام کیے جاؤ ہم اپنی جگہ پر کام کر رہے ہیں۔ جیسا ہم کو ہمارے پروردگار نے حکم دیا اور نتیجہ کا انتظار کرو اور تحقیق ہم بھی نتیجہ کے منتظر ہیں۔ عنقریب حق اور باطل سامنے آ جائے گا۔ مگر وہ نتیجہ فی الحال پوشیدہ ہے چند روز کے بعد پردہ غیب سے نمودار ہوگا اور اللہ ہی کے لیے ہیں چھپی باتیں آسمانوں کی اور زمین کی یعنی اللہ کو ذرہ ذرہ کا علم ہے آسمان اور زمین کی کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں۔ خفی اور جلی، معدوم اور موجود اس کے نزدیک سب برابر ہیں۔ اور اسی کی طرف سب کام کا رجوع ہے یعنی دنیا اور آخرت کے تمام امور کی باگ اس کے ہاتھ میں ہے اس لیے اس کے نتیجہ اور فیصلہ کا انتظار ضروری ہے۔

پس جب یہ معلوم ہو گیا کہ وہی غیب کا جاننے والا ہے اور تمام امور کا مرجع اور منظمی ہے تو آپ ﷺ ہمہ تن اللہ کی عبادت میں لگ جائیے اور اسی پر بھروسہ رکھئے اور ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا۔ اور اسی پر تکیہ اور بھروسہ کرنا یہی وہ استقامت ہے جس کا آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے۔ پس ان کافروں اور مشرکوں اور منافقوں کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے اور تیرا پروردگار تم سب لوگوں کے اعمال سے غافل نہیں تمہارا اخلاص اور انکا کفر و نفاق سب اس کے علم میں ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ان کفار اور منافقین کی عداوت سے دلگیر نہ ہوں انکا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے اور نتیجہ کا انتظار کیجئے۔

کعب احبار رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ تورات کا شروع وہ ہے جو سورت النعام کا شروع ہے اور تورات کا خاتمہ وہ ہے جو سورت ہود کا خاتمہ ہے یعنی ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ آلِ فِرْعَانَ﴾... الی آخر السورۃ اخرجہ ابن جریر وغیرہ۔  
(تفسیر قرطبی: ۹/۱۷۱ و تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۶۶)

والحمد لله اولاً و آخراً و باطناً و ظاهراً ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا و هب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب و صلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا محمد و على اله و اصحابه و ذرياته اجمعين و سلم كثيرا كثيرا و علينا معهم يا ارحم الراحمين و يا اكرم الاكرمين و يا اجود الاجودين آمين آمين يا رب العالمين۔

الحمد لله کہ آج بروز شنبہ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ کو بوقت ساڑھے سات بجے دن کے سورت ہود کی تفسیر سے فراغت ہوئی اور اے اللہ تو اپنی رحمت سے باقی تفسیر کی بھی توفیق عطا فرما۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم و تب علينا انك انت العواب الرحيم و يا رب ارزقنا الاستقامة على دينك و سنى نبك محمد صلى الله عليه وسلم۔ آمين يا رب العالمين۔

«يا ارحم الراحمين» یعنی اللہ تعالیٰ! ہمیں اپنے فضل سے رزق دے اور ہمیں اپنے فضل سے رزق دے اور ہمیں اپنے فضل سے رزق دے اور ہمیں اپنے فضل سے رزق دے۔

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

### تفسیر سورت یوسف علیہ السلام

سورۃ یوسف علیہ السلام مکی ہے اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں چونکہ اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے اس لیے یہ سورت اس نام سے موسوم ہوئی۔ گزشتہ سورت میں مختلف پیغمبروں کے قصے بیان کیے گئے ہیں اور اس سورت میں صرف ایک نبی کے قصہ کا بیان ہے۔ حق جل شانہ نے قرآن کریم میں پیغمبروں کے قصے مختلف وجوہ کے ساتھ مکرر بیان کیے ہیں مگر یوسف علیہ السلام کا قصہ مکرر نہیں بیان کیا گیا۔ کیونکہ یہ قصہ لوگوں کی فرمائش کی بناء پر نازل ہوا۔ اس لیے یکجا بیان ہوا اور مکرر نہیں لایا گیا اور اسی طرح اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ بھی لوگوں کی فرمائش کی بناء پر نازل ہوا اس لیے یہ دو قصے بھی یکجا بیان ہوئے اور مکرر نہیں لائے گئے۔

رابطہ:..... گزشتہ سورت یعنی سورۃ ہود میں بھی اثبات نبوت اور آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لیے انبیاء سابقین کے قصے ذکر کیے اسی طرح سورۃ یوسف میں بھی یوسف صدیق علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے بیان کیا گیا کیونکہ یہ قصہ آنحضرت ﷺ کے حال سے بہت مشابہت رکھتا ہے یوسف علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ کی نبوت کا آغاز بھی رویائے صالحہ سے ہوا۔ جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے اول ما بدی رسول الله صلى الله عليه وسلم من الوحي الرؤيا الصالحة فكان لا يرى رؤيا الا جاءت مثل فلق الصبح۔

پس جیسا کہ یوسف علیہ السلام کی نبوت کا آغاز رویائے صالحہ سے ہوا۔ ﴿وَإِذْ رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ﴾ اسی طرح آنحضرت ﷺ کی نبوت کا آغاز رویائے صالحہ سے ہوا۔

اور پھر جیسا کہ یوسف علیہ السلام پر ان کے بھائیوں نے حسد کیا اور طرح طرح کی ان کو تکلیفیں پہنچائیں۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو صبر اور استقامت کی برکت سے عزت اور غلبہ نصیب فرمایا اور جب کامیابی دیکھی تو بھائیوں سے کوئی انتقام نہیں لیا بلکہ ﴿لَا تَتْرِبْ عَلَيْكُمُ الْيُؤْتَهُ يَعْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ کہہ کر درگزر فرمایا اور کبھی بھی کوئی حرف شکوہ اور شکایت کا زبان پر نہیں آیا اور مزید برآں ان کو انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا اور وعدہ خداوندی ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنْبِتْنَهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ کا ظہور اس طرح ہوا۔

اسی طرح سمجھو کہ آنحضرت ﷺ کو قریش سے بہت سی تکلیفیں پہنچیں اور آپ ﷺ نے حسب ارشاد خداوندی استقامت اور صبر سے کام لیا بالآخر جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو اس وقت آپ ﷺ نے قریش پر کوئی ملامت نہیں کی اور نہ گزشتہ کا کوئی شکوہ کیا بلکہ یوسف علیہ السلام کی طرح یہ فرمایا۔ ﴿لَا تَتْرِبْ عَلَيْكُمُ الْيُؤْتَهُ يَعْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ اذہبوا انتم الطلقاء اور یوسف علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ نے بھی طلقاء قریش کو غنائم حنین میں سے بطور تالیف قلب سوسو اونٹ عطاء کیے تاکہ اسلام کی کراہت و نفرت مبدل بہ الفت و موانست ہو جائے الاحسان يستعبد الانسان۔ احسان انسان کو غلام بنا دیتا ہے اور یوسف علیہ السلام کی سنت کا اتباع ہو جائے کہ جس طرح یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ سلوک اور احسان کیا اسی طرح آپ ﷺ بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ سلوک اور احسان فرمائیں۔

نیز اس قصہ سے یوسف علیہ السلام کی عصمت اور عفت اور طہارت اور نزاہت کو بیان کرنا ہے کہ باوجود قوت شباب کے

کس درجہ عورتوں کے قید سے محفوظ رہے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت اور عفت اور طہارت ایسی ہوتی ہے کہ کسی حال میں نفس اور شیطان کا ان پر بس نہیں چلتا جیسے۔ تراویح میں ہے کہ جب ابلیس لعین بارگاہ خداوندی کے دروازے پر پہنچا تو اس نے کہا: ﴿إِنِّي لَأَكِيدُكَ يَا يٰٓأَدَمُ﴾ یعنی قسم ہے تیری عزت کی

کہ میں بنی آدم کے اغواء میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھوں۔ عبادت گزاروں کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عبادت گزاروں کو شیطان کا کوئی بندہ نہیں بہکا سکوں گا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس امر کی تصدیق فرمادی۔ ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾۔ بے شک میرے خالص بندوں پر تیرا کوئی زور نہ چل سکے گا۔ معلوم ہوا کہ عباد مخلصین پر نفس اور شیطان کا کوئی بس نہیں چلتا اور نفس اور شیطان کے اثر سے محفوظ اور مامون رہنے کا نام ہی عصمت ہے۔

جس سے ثابت ہوا کہ کل انبیاء معصوم ہیں اس لیے کہ کل انبیاء بنص قرآن، عباد مخلصین ہیں جو شیطان کے اغواء سے بالکل یہ محفوظ اور مامون ہیں۔

اور یوسف علیہ السلام بھی خدا تعالیٰ کے عباد مخلصین میں سے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ﴿كَذٰلِكَ لِنُصَرِّفَ عَنْهُ السُّوۡءَ وَالْفُحْشَآءَ اِنَّهُۥ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيۡنَ﴾۔ نیز جس طرح حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے واقعات کا ذکر کرنا آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿تِلْكَ مِنْ اٰنْبِآءِ الْغٰیۡبِ نُوۡحِۡمَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا اَنْتَ وَاَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا﴾ اسی طرح یوسف علیہ السلام کا قصہ بھی انبیاء الغیب سے ہے اللہ کی وحی سے اس کا بیان کرنا بھی قرآن کے کتاب اللہ ہونے کی اور آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے۔

اور علاوہ ازیں اس قصہ میں آپ ﷺ کی تسلی بھی ہے کہ یوسف علیہ السلام کی طرح بھائیوں کی ایذا رسانیوں پر صبر کیجئے اور جادہ حق پر قائم اور مستقیم رہیے اور نتیجہ کا انتظار کیجئے۔

شان نزول: ..... ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ ہم کو کوئی قصی سنائیں اس پر یہ قصہ نازل ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ یہود نے مشرکین کے ذریعے امتحان آنحضرت ﷺ سے بنی اسرائیل کے ملک مصر میں آباد ہونے کی وجہ دریافت کی تھی کہ بنی اسرائیل تو شام میں رہتے تھے وہ مصر میں کیسے پہنچے اس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی کہ عجیب و غریب بصائر و عبر پر مشتمل ہے اور اس بات کا جواب ہے کہ بنی اسرائیل شام سے چل کر کس طرح مصر میں آباد ہوئے۔

۱۲ سُورَةُ يُوسُفَ مَكِّيَّةٌ ۵۳ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾ اِسْمَاتُهَا ۱۱۲ رُكُوعَاتُهَا ۱۲

الرَّءِیۡتَ لَیۡلَکَ اَیۡتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیۡنِ ﴿۱﴾ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوۡنَ ﴿۲﴾ مَعۡنُ

یہ آیتیں ہیں واضح کتاب کی فل ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھ لو فل ہم یہ آیتیں واضح کتاب کی۔ ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا، شاید تم بوجھو۔ ہم

فل جس کا من عند اللہ ہونا بالکل واضح ہے اور جن احکام و شرائع یا مواضع و نصاب پر مشتمل ہے نہایت روشن اور صاف ہیں۔

نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ

بیان کرتے ہیں تیرے پاس بہت اچھا بیان اس واسطے کہ بھیجا ہم نے تیری طرف یہ قرآن اور تو تھا اس سے پہلے  
بیان کرتے ہیں تیرے پاس، بہتر بیان، اس واسطے کہ بھیجا ہم نے تیری طرف یہ قرآن۔ اور تو تھا اس سے پہلے

## لَيْسَ الْغُفْلِينَ ﴿۱۵﴾

البتہ بے خبروں میں فلا

البتہ بے خبروں میں۔

### حقانیت قرآن حکیم و تمہید قصہ

قَالَ تَعَالَى: ﴿الزَّوْجُ الَّذِي تَلَكَ الْكُتُبَ الْمُبِينِ... إِلَى... لَيْسَ الْغُفْلِينَ﴾

رابطہ:..... اس سورت کا آغاز سورۃ یونس کے آغاز سے مشابہ ہے قرآن کریم کے ذکر سے اس قصہ کو شروع فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں۔

﴿الزَّوْجُ﴾ یہ تشابہات میں سے ہے۔ سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو اس کی مراد معلوم نہیں۔ جمہور کے نزدیک راجح اور

۲۱ یعنی عربی زبان جو تمام زبانوں میں زیادہ فصیح و وسیع اور منضبط و پر شوکت زبان ہے، نازل قرآن کے لیے منتخب کی گئی۔ جب خود پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ظاہر ہے کہ دنیا میں اس کے اولین مخاطب عرب ہوں گے۔ پھر عرب کے ذریعہ سے چاروں طرف یہ روشنی پھیلے گی۔ اسی کی طرف "لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ" میں اشارہ فرمایا کہ تمہاری زبان میں اتارنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ تم جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ہو اول اس کے علوم و معارف کا مرہ پکھو پھر دوسروں کو پکھاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ "أُنزِلَ أَشْرَفُ الْكُتُبِ بِأَشْرَفِ اللُّغَاتِ عَلٰی أَشْرَفِ الرُّسُلِ بِسَفَارَةِ أَشْرَفِ الْمَلَائِكَةِ وَكَانَ ذَلِكَ فِي أَشْرَفِ بِلْدَانِ الْأَرْضِ وَابْتَدَأَ بِعَرَبِ الْعَرَبِ أَشْرَفِ شُهُورِ الشَّنَةِ وَهُوَ مَضَانُ فَكَيْفَ مِنْ كُلِّ الْوَجُوهِ۔"

فلا یعنی اس وحی کے ذریعہ سے جو قرآن کی صورت میں ہم پر نازل ہوئی ہے۔ ہم ایک نہایت اچھا بیان نہایت حسین طرز میں تم کو سناتے ہیں۔ جس سے اب تک اپنی قوم کی طرح تم بھی بے خبر تھے۔ گو یہ واقعہ کتب تاریخ اور بائبل میں پہلے سے مذکور تھا مگر محض ایک افسانہ کی صورت میں تھا۔ قرآن کریم نے اس کے ضروری اور مفید اجزاء کو ایسی عجیب ترتیب اور تبلیغ و موثر انداز میں بیان فرمایا۔ جس نے نہ صرف پہلے تذکرہ نویسوں کی کوتاہیوں پر مطلع کیا بلکہ موقع بہ موقع نہایت ہی اعلیٰ نتائج کی طرف راہنمائی کی اور قصہ کے ضمن میں علوم و ہدایات کے ابواب مفتوح کر دیئے۔ یہ بات کہ خداوند قدوس کی تقدیر کو کوئی چیز نہیں روک سکتی، اور خدا جب کسی پر فضل کرنا چاہے تو سارا جہان مل کر بھی اپنی ساری امکاناتی تدابیر سے اسے محروم نہیں کر سکتا، صبر و استقامت دنیاوی و اخروی کامیابی کی کلید ہے، حمد و عبادت کا انجام مدائن و نقصان کے سوا کچھ نہیں، عقل انسانی بڑا شریف جو ہر ہے جس کی بدولت آدمی بہت سی مشکلات پر غالب آتا اور اپنی زندگی کو کامیاب بنا لیتا ہے، اخلاقی شرافت اور پاکدامنی انسان کو دشمنوں اور حامدوں کی نظر میں بھی آخر کار معزز بنا دیتی ہے۔ یہ اور اس قسم کے بی شمار حقائق ہیں جن پر اس احسن القصص کے ضمن میں متنبہ فرمایا ہے۔ مفسرین نے اس سورت کے شان نزول میں کئی روایتیں نقل کی ہیں۔ سب کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے مشرکین مکہ کے ذریعہ سے امتحان کیا کہ کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد تو شام میں رہتی تھی پھر "بنی اسرائیل" مصر میں کیسے پہنچ گئے جو موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے مقابلہ کی نوبت آئی۔ شاید مسلمانوں کو بھی ایک تفصیل تاریخی واقعہ جو بے ساختہ و عبرت سے مٹو ہونے کا اشتیاق ہو ا ہو گا۔ ادھر اس قصہ کے ضمن میں جن احوال و حوادث کا تذکرہ ہونے والا تھا وہ بھی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے حالات سے مشابہت رکھتے تھے۔ اور ان کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں موجب حکیم فاطر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے حق میں موجب عبرت تھا۔ ان وجوہ سے یہ پورا واقعہ کافی بسط و تفصیل سے قرآن کریم میں بیان فرمایا۔ تاکہ پوچھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ اسرائیل (یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام) اور ان کی اولاد کے شام سے مصر آنے کا سبب حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہوا ہے۔ پھر وہیں ان کی لیل بھلی اور برہمتی رہی تا آنکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آخر فرعون اور قبطیوں کی غلامی سے انھیں نجات دلانی۔



مخارقول یہی ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ تشابہات۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان راز ہیں۔ سوائے رسول کے کسی کا مرتبہ نہیں کہ وہ ان اسرار کو سمجھ سکے۔ مفصل کلام سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے یہ آیتیں ایسی کتاب کی ہیں جو واضح اور روشن ہے۔ حق اور باطل کے فرق کو خوب واضح کرتی ہے ہم نے اس کتاب کو قرآن عربی بنا کر بھیجا ہے تاکہ اے اہل عرب تم اس کے مطالب اور معانی کو خوب اچھی طرح سمجھ سکو اور تم پر حجت قائم ہو جائے ہم آپ ﷺ کے سامنے بہترین قصہ بیان کرتے ہیں بذریعہ اس قرآن کے جو ہم نے آپ ﷺ کے پاس بذریعہ وحی بھیجا ہے یعنی یہ قرآن جو ہم نے بذریعہ وحی تجھ پر نازل کیا ہے اس کے ذریعے تجھ کو بہترین قصہ سناتے ہیں۔ اور تحقیق آپ ﷺ اس سورت کے نازل ہونے سے پہلے بے خبروں میں سے تھے۔ آپ ﷺ کو اس قصہ کی خبر نہ تھی اور اس قصہ کو احسن القصص یعنی بہترین قصہ اس لیے فرمایا کہ اس قصہ میں عبرتیں اور حکمتیں ہیں اور نکات ہیں اور اس میں بادشاہوں سے غلاموں تک برتاؤ اور عورتوں کے مکرو فریب کا اور دشمنوں کے ایذا پر صبر کا اور قدرت کے وقت عفو اور جو دو کرم کا بیان ہے اور حاسد اور محسود کے انجام کا بیان ہے حسد کا انجام نقصان اور خذلان ہے اور صبر مفتاح الفرج ہے اور عفت و پاکدامنی موجب عزت و رفعت ہے سورۃ ہود کے ختم پر صبر اور استقامت کا ذکر تھا اس قصہ کو ذکر کر کے بتلادیا کہ صبر اور استقامت ایسا ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے غیابت الحجب اور امراة العزیز کی تہمت اور جیل خانہ کی مصیبت اور باپ کی مفارقت وغیرہ وغیرہ پر کس طرح صبر کیا۔

نیز یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کی دلیل جو کہ آپ ﷺ وحی الہی سے صحیح صحیح واقعات بیان فرماتے ہیں جو آپ ﷺ نے نہ دیکھے اور نہ کسی سے سنے اور نہ کہیں پڑھے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس قصہ کو احسن القصص اس لیے فرمایا کہ یہ قصہ جن آدمیوں کا ہے وہ سب آدمیوں میں احسن اور اجمل تھے اور بعض نے کہا ہے کہ احسن القصص کے معانی اعجب القصص کے ہیں یعنی یہ قصہ بہت ہی عجیب ہے۔

اِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ

جس وقت کہا یوسف نے اپنے باپ سے اے باپ میں نے دیکھا خواب میں گیارہ تاروں کو اور سورج کو اور چاند کو دیکھا میں نے ان کو اپنے واسطے جس وقت کہا یوسف نے اپنے باپ کو، اے باپ! میں نے دیکھے گیارہ تارے اور سورج اور چاند، دیکھے میری تین

بَنِي سَجْدِينَ ۝ قَالَ يُبْنَىٰ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا إِنَّ

سجدہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے بیٹے! مت بیان کرنا خواب اپنا اپنے بھائیوں کے آگے پھر وہ بنائیں گے تیرے واسطے کچھ فریب، البتہ سجدہ کرتے۔ کہا، اے بیٹے! مت بیان کر خواب اپنا اپنے بھائیوں پاس، پھر وہ بنا دیں گے تیرے واسطے کچھ فریب۔ البتہ

الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ

شیطان ہے انسان کا صریح دشمن ۲ اور اسی طرح برگزیدہ کرے گا تجھ کو تیرا رب ۳ اور سکھائے گا تجھ کو ٹھکانے پر لگانا شیطان ہے انسان کا صریح دشمن۔ اور اسی طرح نوازے گا تجھ کو تیرا رب اور سکھا دے گا کل بھائیانی فرمائی گیارہ تارے اور چاند سورج میرے آگے جھک رہے اور بہت ہو رہے ہیں۔ یہ خواب لڑکپن میں دیکھا تھا راج ہے "ہوہا بروے کے چکنے چکنے پات۔"

## الْأَحَادِيثُ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلِ

باتوں کا فی اور پورا کرے گا اپنا انعام تجھ پر اور یعقوب کے گھر پر **ق** جیسا پورا کیا ہے تیرے دو باپ دادوں پر اس سے پہلے  
باتوں کی، اور پورا کریگا اپنا انعام تجھ پر، اور یعقوب کے گھر پر، جیسا پورا کیا ہے تیرے دو باپ دادوں پر پہلے سے،

## إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحٰقَ ۗ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۶﴾

ع  
۱۱

ابراہیم اور اسحاق پر **ق** البتہ تیرا رب خبردار ہے حکمت والا **ق**

۔ ابراہیم اور اسحاق پر۔ البتہ تیرا رب خبردار ہے حکمتوں والا۔

= **ق** یعنی شیطان ہر وقت انسان کی گھات میں لگا ہے۔ دوسرا اندازہ کر کے بھائیوں کو تیرے خلاف اکادے گا۔ کیونکہ خواب کی تعبیر بہت ظاہری، اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو جو بہر مال خانہ ان نبوت میں سے تھے، ایسے واضح خواب کا کچھ لینا کچھ مشکل رہتا کہ میارہ ستارے میارہ بھائی میں اور چاند سورج ماں باپ میں گویا یہ سب کسی وقت یوسف علیہ السلام کی عظمت شان کے سامنے سر جھکائیں گے چنانچہ آنحضور میں ﴿لَا تَأْتِيكُم مَّوْتٌ مِّنْ قَبْلِ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا﴾ کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام خواب سے پیشتر ہی یہ محسوس کرتے تھے کہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ باپ کی خصوصی محبت کو دیکھ کر اس کے علاقائی بھائی دل ہی دل میں کڑھتے ہیں۔ اب انہوں نے خیال کیا کہ اگر انہیں یہ خواب سن پاسے تو شیطان حمدی آگ ان کے دلوں میں بھڑکادے گا اور جوش حمد میں آنکھیں بند کر کے ممکن ہے وہ کوئی ایسی حرکت کر گزریں جو یوسف کی اذیت اور خود ان کی رسوائی اور بدنامی کا موجب ہو۔ اس لیے آپ نے یوسف علیہ السلام کو بیخ فرباد یا کر اپنا خواب بھائیوں کے روبرو ظاہر نہ کریں۔ یوسف علیہ السلام کا ایک حقیقی بھائی "بنیامین" تھا، اس کے سامنے ذکر کرنے کی بھی اجازت نہیں دی، جو اس سے برائی کا کچھ اندیشہ تھا لیکن یہ ممکن تھا کہ وہ کن کرے یا عتیلاٹی سے دوسروں کے سامنے تذکرہ کر دے۔ اور اس طرح یہ خبر لوگوں میں شائع ہو جائے۔

(تنبیہ) حافظ ابن تیمیہ نے ایک مستقل رسالہ میں لکھا ہے کہ قرآن لغت اور عقلی اعتبارات میں سے کوئی چیز اس خیال کی تائید نہیں کرتی کہ برادران یوسف انبیاء تھے، نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی نہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی اس کا قائل تھا۔ بھلا حقوق والدین، قطع رحم، مسلمان بھائی کے قتل پر اقدام کرنا، اس کو غلام بنا کر بیچ ڈالنا اور بلاد کفر کی طرف بھیج دینا، پھر صریح جھوٹ اور حیلے بنانا وغیرہ ایسی حرکات شنیعہ کیا کسی نبی کی طرف (خواہ قبل از بعثت ہی کسی) منسوب کی جا سکتی ہیں (العیاذ باللہ)۔ جن لوگوں نے برادران یوسف کی نبوت کا خیال ظاہر کیا ہے، ان کے پاس لفظ "اسباط" کے سوا کوئی دلیل نہیں مالا، نہ "اسباط" حاصل صلبی اولاد کو نہیں بلکہ اقوام دایم کو کہتے ہیں۔ اور "بنی اسرائیل" کی اسباط پر تقسیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ہوئی ہے۔ **ق** یعنی جس طرح ایسا اچھا خواب دکھایا، اسی طرح محض جاذبہ رحمت سے اپنی بارگاہ قرب میں تجھ کو خصوصی مقام عطا فرمائے گا۔ چنانچہ نبوت عطا فرمائی اور طرح طرح کی ظاہری وبالنی نوازیں کیں۔

**ق** مثلاً تعبیر رو یا یعنی خواب سن کر اس کے اجزاء کو ذہانت و فراست سے ٹھکانے پر لگا دینا۔ یا بہر بات کے موقع محل کو سمجھنا، اور معاملات کے عواقب و نتائج کو فوراً پرکھ لینا۔ یا خدا اور پیغمبروں کے ارشادات اقوام دایم کے قصص اور کتب منزلہ کے مضامین کی تہہ تک پہنچ جانا، یہ سب چیزیں "تأویل الاحادیث" کے تحت میں مندرج ہو سکتی ہیں۔

**ق** یعنی اخروی نعمتوں کے ساتھ دنیاوی نعمتیں عطا فرمائے گا۔ نبوت کے ساتھ بادشاہت میں حصہ دے گا اور شہداء و محسن سے نجات دے کر خوشحالی و فراغ بالی کی زندگی نصیب کرے گا۔ یعقوب علیہ السلام کے گھر آئے تو دنیاوی مکروہات اور مادی تکلیفوں سے رہائی دے گا اور آئندہ ان کی نسل سے بڑے بڑے پیغمبر اور بادشاہ پیدا کرے گا۔ **ق** حضرت یعقوب علیہ السلام نے تو ایسا اچھا خواب سنا تھا کہ اپنے والد حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا نے اپنا ظلیل اور نبی بنایا ان کے دشمن نمود و کولاک کیا، آگ کے شعلوں کو ان کے لیے گزر بنا دیا، اسحاق علیہ السلام کو نبوت عطا کی۔ پھر ان کے صلب سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا کیا۔ جس سے تمام انبیاء، نبی اسرائیل کا سلسلہ چلا۔ حدیث صحیح میں ہے۔ **الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم**۔

(تنبیہ) حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو پیشین گوئی کی اس کا کچھ حصہ تو غالباً حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب سے سمجھے اور اس سے کہ اتنی چھوٹی عمر میں ایسا سوزوں و سہارک خواب دیکھا اور کچھ حضرت یوسف علیہ السلام کے خصائل و شمائل سے یا وحی الہی کے ذریعے سے مطلع ہوئے ہوں گے۔ **ق** یعنی وہ ہر ایک کی مناسبت و استعداد سے باخبر ہے۔ اپنی حکمت سے اسی کے مناسب فیض پہنچاتا ہے۔

## آغاز قصہ برویائے صالحہ و صادقہ

قَالَ تَزَنَّاكَ: ﴿وَاذْ قَالِ يُوسُفُ لَا يَبْنُو لَكَ بَيْتًا... اِلَى... اِنْ رَزَقَكَ عَلَيْنَا حَكِيمًا﴾

رابطہ:..... اب یہاں سے احسن القصص کا بیان شروع ہوتا ہے جس کی ابتداء ایک رویائے صالحہ سے ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں یاد کرو اس وقت کو کہ جب یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ اے میرے پیارے باپ میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے تحقیق میں نے خواب میں دیکھا گیارہ ستاروں کو اور سور اور چاند کو وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں گیارہ ستاروں سے یوسف علیہ السلام کے بھائی مراد ہیں اور سورج اور چاند سے ان کے باپ اور خالہ مراد ہیں اور سجدہ سے یہ مراد ہے کہ سب ایک دن ان کے آگے جھکیں گے بالجملہ یہ خواب یوسف علیہ السلام کے رفعت شان اور علوم مرتبہ پر دال ہے۔ یعقوب علیہ السلام سنتے ہی خواب کی تعبیر سمجھ گئے اور ڈرے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی نہیں گئے تو درپے حسد ہوں گے اس لیے یعقوب علیہ السلام نے از راہ شفقت فرمایا اے میرے چھوٹے بیٹے تو اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں سے نہ بیان کرنا۔ کیونکہ وہ سنتے ہی اس کی تعبیر سمجھ جائیں گے اور تیری ایذا رسائی کے لئے کوئی حیلہ اور فریب کریں گے تحقیق شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ذرا موقع ملے تو رشک اور حسد کا دوسوہ دل میں ڈال دیتا ہے۔ اور طرح طرح کے مکر و فریب پر آمادہ کر دیتا ہے اور حسد کی آگ میں بھڑکاتا ہے اور جس طرح خدا نے تجھے خواب کے ذریعہ عزت اور رفعت اور برگزیدگی کی بشارت دی ہے اسی طرح تیرا پروردگار تجھ کو برگزیدہ بنائے گا یعنی عزتیں اور درجات عالیہ تجھ کو عطا کرے گا۔ جن میں تیری سعی اور کوشش کو دخل نہ ہوگا اور تجھ کو خوابوں کی تعبیر سکھائے گا تاکہ تو خوابوں کے ذریعے اشارات غیبیہ اور پیش آنے والے واقعات کو سمجھ سکے اور اس کے علاوہ اور نعمتیں دیکر بھی تم پر اور خاندان یعقوب پر اپنے انعام کو کامل کرے یعنی دنیا و آخرت کی ایسی بھلائیاں تم کو عطا کرے جو تام اور کامل ہوں اور ان میں کوئی نقصان نہ ہو۔ جیسا کہ اس کے قبل تمہارے دونوں باپ یعنی ابراہیم اور اسحاق علیہ السلام پر انعام کامل کر چکا ہے اس مقام پر یعقوب علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کا ذکر کیا اور تواضعا اپنا ذکر نہیں کیا۔ البتہ تیرا پروردگار خوب دانا اور حکمت والا ہے یعنی جو جس لائق ہے وہی اس کو دینا ہے مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ آباء و اجداد کی طرح تجھ کو اپنی نعمتوں سے نوازے اور جسے خدا نوازنا چاہتا ہے اس کا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

فائدہ:..... پہلی شریعتوں میں بطور تحیت و سلام سجدہ تعظیمی جائز تھا ہماری شریعت میں حرام ہو گیا۔

## خواب کی حقیقت

رویائے معنی خواب کے ہیں اس کی تین قسمیں ہیں۔

(اول حدیث نفس) جس کا لفظی ترجمہ ”دل کی باتیں“ ہیں۔ انسان دن میں جس کام میں مشغول اور منہمک ہو رات کو بھی خواب میں اس کو وہی چیزیں نظر آتی ہیں جیسا کہ عاشق کو خواب میں طرح طرح سے اپنا معشوق ہی دکھائی دیتا ہے اور بلی کو خواب میں گوشت کے چھپھڑے نظر آتے ہیں جسے ایکشن کی دھن ہوتی ہے اسے خواب میں اسبلی ہال ہی کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔

(دوم اضغاثِ احلام) جس کا لفظی ترجمہ ”خواب پریشان“ ہے نفس اور شیطان کے القاء سے جو چیزیں خواب میں دکھائی دیں وہ اضغاثِ احلام ہیں اور احتلام بھی اسی قبیل سے ہے خواب کی یہ دو قسمیں فاسد ہیں ان کی کوئی تاویل اور تعبیر نہیں۔

(خواب کی تیسری قسم) رویائے صالحہ ہے یعنی درست خواب کہ جو وسوسہ شیطانی اور ہوا جس نفسانی سے پاک ہو ایسا ہی خواب حقیقتاً خواب ہوتا ہے اور محتاج تعبیر ہوتا ہے اور ایسے ہی خواب کو حدیث میں رویائے صالحہ اور جزء نبوت بتلایا گیا ہے اس قسم کا خواب القاء ربانی ہوتا ہے اور مؤید الہی ہوتا ہے جمہور متکلمین اور مفسرین اور اولیاء اور محدثین فرماتے ہیں کہ رویائے صالحہ ایک قسم کا روحانی مشاہدہ ہے کہ جب انسان سو جاتا ہے اور اس کے حواس ظاہرہ معطل ہو جاتے ہیں تو اس حالت میں روح عالم غیب کی چیزوں کو دیکھتی ہے اور سنتی ہے روح کبھی اللہ کا کلام سنتی ہے اور کبھی فرشتوں کا کلام سنتی ہے اور اس عالم کی چیزوں کو دیکھتی ہے اور یہ روحانی مشاہدہ کبھی اصل حقیقت کا ہوتا ہے اور کبھی صور مثالیہ کے ذریعے ہوتا ہے جس سے آئندہ واقعات کی طرف برنگ تمثیل و تشبیہ اشارہ اور تنبیہ مقصور ہوتی ہے جیسے یوسف علیہ السلام کو گیارہ ستارے سجدہ کرتے ہوئے دکھلائے گئے برنگ تمثیل آئندہ پیش آنے والے واقعہ سے آگاہ کر دیا گیا۔

اور چونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے نفوس قدسیہ نفس اور شیطان اور وہم اور خیال کی مداخلت سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں اس لیے ان کا خواب وحی قطعی اور معصوم عن الغلط ہوتا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کا خواب ﴿يٰۤاِبْرٰهٖمُ اِنِّیْ اٰتٰی فِی الْمَنَامِ اٰیٰتِیْ اٰذْہٖمْ فَاَنْظُرْ مَا اَدَّآ تَرٰی﴾ اور اولیاء چونکہ معصوم نہیں ہوتے اس لیے ان کا خواب وحی تو نہیں ہوتا لیکن وحی نبوت کا ایک عکس اور پرتو ہوتا ہے جس درجہ کی ولایت ہوگی اسی درجہ کے مطابق رویا کا صلاح اور صدق ہوگا اور عوام المسلمین چونکہ کدورات نفسانیہ اور ظلمات باطنیہ میں مبتلا رہتے ہیں ان کا خواب کبھی صادق ہوتا ہے اور کبھی کاذب۔

خلاصہ کلام یہ کہ خواب کی تین قسمیں ہیں ایک حدیث نفسانی اور دوم حدیث شیطانی، سوم القاء ربانی اور رویائے حقانی اول کی دو قسمیں فاسد اور کاسد ہیں تیسری قسم وحی رویائے حقانی ہے جس کو حدیث میں رویائے صالحہ اور رویائے صادقہ کہا گیا ہے۔ (دیکھو اشارات المرام عن عبارات الامام ص: ۱۵۸)

تعبیر خواب: ..... اور تعبیر خواب کبھی تو الہام یزدانی اور القاء ربانی سے ہوتی ہے جیسا کہ ﴿وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْاَحَادِيثِ﴾ میں تعبیر سے وہ تعبیر مراد ہے جو تعلیم ربانی اور القاء رحمانی سے ہو۔ ایسی تعبیر قطعی اور یقینی ہوتی ہے۔

اور کبھی خواب کی تعبیر عقل سلیم اور خداداد فہم و فراست سے ہوتی ہے اس میں کبھی خطا اور لغزش بھی ہو جاتی ہے۔ بعض فلاسفہ کہتے ہیں کہ رویا (خواب) محض ایک خیال باطل ہے جس کی کوئی حقیقت واقعہ نہیں اس لیے کہ نوم ادراک کی ضد ہے حالت نوم میں ادراک عقلاً ناممکن اور محال ہے۔

حضرات متکلمین فرماتے ہیں کہ حق جل شانہ جس طرح بحالت بیداری دل میں علوم اور ادراکات کا القاء فرماتے ہیں اسی طرح وہ اپنی قدرت کاملہ سے بحالت خواب سونے والے کے دل میں علوم اور ادراکات کا القاء فرماتے ہیں جو اس ظاہری ادراک اور احساس کی علت تامہ نہیں اصل علت حق جل شانہ کی قدرت اور اس کا ارادہ اور اس کی مشیت اور اس کی تخلیق

ہے اور اس کی قدرت و مشیت کے اعتبار سے حالت نوم اور یقظہ سب برابر ہیں یہ حواس ظاہرہ جو اسی کی مخلوق ہیں ادراک ظاہری کی علامتیں ہیں جو محض علامت کے درجہ میں ہیں علت کے درجہ میں نہیں۔

یونان کے نادانوں نے ایک ظاہری علامت کو جو اسی کی پیدا کردہ تھی اس کو ادراک کی علت تامہ سمجھ لیا اور خواب کی حالت میں جب ان کو ادراک کی کوئی ظاہری علامت نظر نہ آئی تو خواب کی حقیقت ہی کا انکار کر بیٹھے اور کہہ دیا کہ خواب کی کوئی حقیقت واقعہ نہیں بلکہ ایک وہمی اور خیالی چیز ہے خوب سمجھ لو کہ خواب تو بلاشبہ ایک حقیقت واقعہ ہے مگر اس کا انکار وہ وہم فاسد اور خیال کا سد ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٍ لِّلسَّاعِلِينَ ﴿٥﴾ إِذْ قَالُوا لِيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَيْنَا

البتہ ہیں یوسف کے قصہ میں اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں نشانیاں پوچھنے والوں کے لیے **فِی** جب کہنے لگے البتہ یوسف اور اس کا بھائی زیادہ پیارا ہے البتہ ہیں یوسف کے مذکور میں اور بھائیوں کے، نشانیاں پوچھنے والوں کو۔ جب کہنے لگے، البتہ یوسف اور اس کا بھائی زیادہ پیارا ہے

أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۚ إِنَّ آبَاءَنَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٦﴾ أَقْتُلُوا يُوسُفَ أَوْ اطْرَحُوهُ

ہمارے باپ کو ہم سے اور ہم ان سے قوت والے لوگ ہیں، البتہ ہمارا باپ صریح خطا پر ہے **فِی** مار ڈالو یوسف کو یا پھینک دو ہمارے باپ کو ہم سے، اور ہم قوت کے لوگ ہیں۔ البتہ ہمارا باپ خطا میں ہے صریح۔ مار ڈالو یوسف کو یا پھینک دو

**فِی** یعنی جو لوگ اس طرح کے واقعات دریافت کر کے کسی نتیجہ پر پہنچنا چاہتے ہیں ان کے لیے یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کی سرگزشت میں ہدایت و عبرت کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ اس قصہ کو سن کر قلوب میں حق تعالیٰ کی عظیم قدرت و حکمت کا نقش جم جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یقین ثبوت ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود ای ہونے اور کسی کتاب یا معلم سے استفادہ نہ کرنے کے ایسے منہج و منہج تارخی حقائق کا انکشاف فرما رہے ہیں۔ جن کے بیان کی بجز احلام ربانی کے کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً قریش مکہ کے لیے (جو یہود کے اکانے سے اس قصہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کر رہے تھے) اس واقعہ میں بڑا عبرت آموز سبق ہے کہ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے گھر سے نکالا۔ ازراہ حد قتل یا جلا وطن کرنے کے مشورے کیے۔ طرح طرح سے ایذائیں پہنچائیں۔ اہانت و استخفاف میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ آخر ایک دن آیا کہ یوسف علیہ السلام کی طرف نادم محتاج ہو کر آئے۔ یوسف علیہ السلام کو خدا نے دین و دنیا کے اعلیٰ مناسب پر فائز کیا اور انہوں نے اپنے عروج و اقتدار کے وقت بھائیوں کے جرائم سے چشم پوشی کی اور نہایت در یادگی سے سب کے قصور معاف کر دیے۔ ٹھیک اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برادری نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ناپاک منصوبے ہاندھے، دکھ پہنچائے، عورت و آبرو پر حملے کیے، حتیٰ کہ وطن چھوڑنے پر مجبور کیا۔ لیکن جلد وہ دن آنے والا تھا جب وطن سے علیحدہ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور رفعت شان کا آفتاب چمکا، اور چند سال کے بعد فتح مکہ کا وہ تاریخ دن آ پہنچا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قومی اور وطنی بھائیوں کی گزشتہ قصص پر بعینہ حضرت یوسف علیہ السلام والے کلمات **وَإِنَّا لَنَرَاهُ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ** فرما کر قلم عنق کھینچ دیا۔

**فِی** حضرت یعقوب علیہ السلام یوسف اور ان کے یعنی بھائی بنیامین سے بہت زیادہ محب کرتے تھے کیونکہ یہ دونوں اپنے علاقائی بھائیوں سے چھوٹے تھے، والدہ کا انتقال ہو چکا تھا اور خاص حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت اپنے نور فرست یا الہام ربانی سے کچھ بچے تھے کہ ان کا مستقبل نہایت درخشاں ہے اور نبوت کا خاندانی سلسلہ ان کی ذات سے وابستہ ہونے والا ہے۔ خود یوسف علیہ السلام کا حسن صورت و سیرت اور کمال ظاہری و باطنی پدر بزرگوار کی محبت خصوصی کو اپنی طرف ہذب کرتا تھا۔ دوسرے بھائیوں کو یہ چیز ناگوار تھی۔ وہ کہتے تھے کہ دقت پر کام آنے والے تو ہم ہیں۔ ہمارا ایک طاقتور جتنا ہے جو باپ کی ضعیفی میں کام آ سکتا ہے۔ ان چھوٹے لڑکوں سے کیا امید ہو سکتی ہے؟ ان ہی خیالات کے ماتحت اپنے والد بزرگوار کی نسبت کہتے تھے کہ وہ اس معاملہ میں سخت غلطی اور صریح خطا پر ہیں۔ اپنے نفع و نقصان کا صحیح موازنہ نہیں کرتے۔

أَرْضًا يَجْعَلُ لَكُمْ وَجْهَ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ﴿۱۱﴾ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ

کسی ملک میں کہ غالص رہے تم پر توجہ تمہارے باپ کی فلا اور ہو رہنا اس کے بعد نیک لوگ فلا بولا ایک بولنے والا ان میں کسی ملک میں کہ اکیلی رہے تم پر توجہ تمہارے باپ کی، اور ہو رہو اس کے پیچھے نیک لوگ۔ بولا ایک بولنے والا ان میں،

لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَالْقَوْثَةَ فِي غَيْبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطُهَا بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ

مت مار ڈالو یوسف کو اور ڈال دو اس کو تم نام کنوئیں میں کہ اٹھالے جائے اس کو کوئی مسافر اگر تم کو مت مار ڈالو یوسف کو، اور پھینک دو اس کو گمنام کنوئیں میں، کہ اٹھا لے جائے اس کو کوئی مسافر، اگر تم کو

فَاعِلِينَ ﴿۱۲﴾ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَصِحُونَ ﴿۱۳﴾ أَرْسِلْهُ مَعَنَا

کرنا ہے فلا بولے اے باپ کیا بات ہے کہ تو اعتبار نہیں کرتا ہمارا یوسف پر اور ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں فلا بھیج اس کو ہمارے ساتھ کرنا ہے۔ بولے، اے باپ! کیا ہے کہ تو اعتبار نہیں کرتا ہمارا یوسف پر اور ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں۔ بھیج اس کو ہمارے ساتھ

غَدَا يَزْرَعُ وَيَلْعَبُ وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ ﴿۱۴﴾ قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنْ تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَنْ

کل کو خوب کھائے اور کھیلے اور ہم تو اس کے نگہبان ہیں فلا بولا مجھ کو غم ہوتا ہے اس سے کہ تم اس کو لے جاؤ اور ڈرتا ہوں اس سے کہ کل کہ کچھ چرے اور کھیلے، اور ہم تو اس کے نگہبان ہیں۔ بولا، مجھ کو غم پکڑتا ہے اس سے کہ لے جاؤ اس کو، اور ڈرتا ہوں کہ

فَلْيَعْنِي رُحْمَ إِسْرَائِيلَ وَيُعْنِي رُحْمَ إِسْرَائِيلَ وَيُعْنِي رُحْمَ إِسْرَائِيلَ۔ آخر آپس میں مشورہ کیا کہ یوسف (علیہ السلام) کی موجودگی میں ممکن نہیں کہ والد بزرگوار کی خصوصی محبت و توجہ کو ہم اپنی طرف کھینچ سکیں، اس لیے یوسف (علیہ السلام) کا قصہ ہی یہاں سے ختم کر دینا چاہیے خواہ قتل کر دو یا کسی دور دراز ملک کی طرف پھینک دو جہاں سے واپس نہ آسکے۔ جب وہ نہ رہیں گے تو باپ کی ساری توجہات اور مہربانیوں کے ہم ہی تہا حق دار رہ جائیں گے۔ بنیامین کے معاملہ کو غالبان کے یہاں کوئی اہمیت نہیں تھی۔ جو یا اس کی محبت کو یوسف (علیہ السلام) کی محبت کا نمبر سمجھتے تھے۔

فلا یعنی ایک مرتبہ قتل وغیرہ کا منہا کرنا پڑے گا۔ اس سے فارغ ہو کر توجہ کر لیں گے اور خوب نیک بن جائیں گے جو یارند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔ بعض مفسرین نے ﴿وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ﴾ کے معنی یہ لیے ہیں کہ یوسف (علیہ السلام) کے بعد ہمارے سب کام ٹھیک اور درست ہو جائیں گے کیونکہ پدر بزرگوار کا دست شفقت یوسف (علیہ السلام) سے مایوس ہو کر صرف ہمارے ہی سروں پر رہا کرے گا۔

فلا یہ کہنے والا "یہودا" تھا یعنی قتل کرنا بہت سخت بات ہے اور ہمارا مقصد بدون اس کے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر تم یوسف علیہ السلام کو یہاں سے علیحدہ کرنا چاہتے ہو تو آسان صورت یہ ہے کہ اس کو بستی سے دور کسی نام کنوئیں میں ڈال دو۔ ابوحیان نے بعض اہل لغت سے نقل کیا ہے کہ "غیابیت الحجب" اس مانچہ وغیرہ کو کہتے ہیں جو کنوئیں (باؤلی) میں پانی سے ڈرا او پر بنا ہوا ہو۔ عرض یہ تھی کہ ہم خواری نہ خواری عمد آلاک کرنے کا منہا اپنے سر نہ لیں۔ ایسے کنوئیں میں ڈال دینے کے بعد بہت ممکن ہے کوئی مسافر ادھر سے گزرے اور خبر پا کر کنوئیں سے نکال لے جائے۔ اس صورت میں ہمارا مقصد حاصل ہو جائے گا اور خون ناحق میں ہاتھ رنگین نہ کرنے پڑیں گے جو یا ساپ مر جائے گا اور لاٹھی ڈٹوئے گی۔

فلا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی باپ سے اس قسم کی درخواست کر چکے تھے مگر ان کا دل ان کے ساتھ بھیجنے پر مطمئن نہ ہوا۔ فلا ایسے خوب صورت بچے کے قوی گھر میں غالی پڑے رہنے سے بیکار ہو جاتے ہیں۔ مناسب ہے کہ ہمارے ساتھ اس کو بکریاں پرانے کے لیے جنگل بھیج دیجئے۔ وہاں جنگل کے پھل میوے خوب کھائے گا اور کھیل کود سے جسمانی ورزش بھی ہو جائے گی۔ کہتے ہیں ان کا کھیل بھاگ دوڑ اور تیر اندازی تھی۔ اور ویسے بھی بچوں کے لیے مناسب حد تک کھیلنا بیہاں ابوحیان نے کہا ہے نشاط و شگفتگی کا موجب ہے، عرض یعقوب علیہ السلام سے یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کی پروردخواست کی اور نہایت مؤکد طریقہ سے اطمینان دلایا کہ ہم برابر اس کی حفاظت کریں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ خود یوسف علیہ السلام کو بھی بدگالیہ طور پر ساتھ چلنے اور باپ =

يَأْكُلُهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُونَ ﴿١٣﴾ قَالُوا لَيْنِ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذَا

کھاجائے اس کو بھیڑیا اور تم اس سے بے خبر ہو فی بولے اگر کھا گیا اس کو بھیڑیا اور ہم ایک جماعت ہیں قوت در تو تو ہم نے کھا جاوے اس کو بھیڑیا، اور تم اس سے بے خبر ہو۔ بولے، اگر کھا گیا اس کو بھیڑیا، اور ہم یہ جماعت ہیں قوت در، تو تو ہم نے

لُحْسِرُونَ ﴿١٤﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَاجْتَمَعُوا أَن يُجْعَلُوهُ فِي غَيْبَتِ الْجُبِّ ؕ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ

سب کچھ تموا دیا فی پھر جب لے کر چلے اس کو اور متفق ہوئے کہ ڈالیں اس کو گناہ کنوئیں میں اور ہم نے اشارہ کر دیا اس کو سب کچھ گنوا یا۔ پھر جب لے کر چلے اس کو اور متفق ہوئے کہ ڈالیں اس کو گناہ کنوئیں میں۔ اور ہم نے اشارت کی اس کو،

لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٥﴾ وَجَاءَ وَآبَاهُمَا عِشَاءً يَبْكُونَ ﴿١٦﴾ قَالُوا

کہ تو بتائے گا ان کو ان کا یہ کام اور وہ تجھ کو نہ جانیں گے فی اور آئے اپنے باپ کے پاس اندھیرا پڑے روتے ہوئے فی کہنے لگے کہ تو بتا دے گا ان کو ان کا یہ کام، اور وہ نہ جانیں گے۔ اور آئے اپنے باپ پاس، اندھیرا پڑے، روتے۔ کہنے لگے،

يٰٓأَبَاتَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ ؕ وَمَا أَنْتَ

اے باپ ہم لگے دوڑنے آگے نکلنے کو اور چھوڑا یوسف کو اپنے اسباب کے پاس پھر اس کو کھا گیا بھیڑیا فی اور تو باور نہ کرے گا ہمارا کہنا اور اگرچہ ہم اے باپ! ہم لگے دوڑنے آگے نکلنے کو، اور چھوڑا یوسف کو اپنے اسباب پاس، پھر اس کو کھا گیا بھیڑیا۔ اور تو باور نہ کرے گا ہمارا کہنا، اگرچہ ہم

= سے اجازت لینے کی ترغیب دی۔

فی یعنی یوسف (علیہ السلام) کی جدائی اور تمہارے ساتھ جانے کا تصور ہی مجھے غمگین بنائے دیتا ہے اس پر یہ خوف کیا ہے کہ بچہ ہے تمہاری بے خبری اور غفلت میں بھیڑیا وضیرہ کوئی درندہ نہ پھاڑ کھائے۔ لکھا ہے کہ اس جنگل میں بھیڑیے کثرت سے تھے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "ان کو آگے ہل کر بھیڑیے کا بہانہ کرنا تھا وہی ان کے دل میں خوف آیا۔ بعض محققین کا خیال یہ ہے کہ "أَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ" قرمیا حضرت یعقوب علیہ السلام جیسے پیغمبر کے درجہ توکل و تقویٰ سے ذرا نازل بات تھی۔ اس کا جواب یہ ملا کہ لوگوں نے گویا ان کے منہ میں سے بات نکولی۔ جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہی واقعہ بنا کر آئے۔

فی یعنی اگر ہماری جیسی طاقتور جماعت کی موجودگی میں چھوٹے بھائی کو بھیڑیا کھا جائے تو سمجھو کہ ہم بالکل ہی گمے گزرے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کیا خسارہ ہوگا کہ دس گیارہ سو مند بھائیوں کی آنکھوں کے سامنے سے ایک کمزور بچہ بھیڑیے کے منہ میں پہنچ جائے۔ ایسا ہو تو کہنا چاہیے کہ ہم نے اپنا سب کچھ گنوا دیا۔

فی مفسرین نے بہت سے درمیانی قصے نہایت درد انگیز اور رقت خیز پیرایہ میں نقل کیے ہیں جنہیں سن کر پتھر کا گچہ موم ہو جائے۔ خدا جانے وہ کہاں تک صحیح ہیں۔ قرآن کریم اپنے خاص نصب العین کے اعتبار سے اس قسم کی تفصیل کو زیادہ درخور اعتناء اور لائق ذکر نہیں سمجھتا کیونکہ ان اجزاء سے کوئی مہم متعلق نہیں ہے۔ قرآن کریم اپنے سامعین کے دلوں میں وہ رقت پیدا کرنا چاہتا ہے جس کا منشاء خاص ایمان و عرفان ہو۔ عام رقت جو ہر کافر و مومن بلکہ حیوانات تک میں طبعاً مشترک ہے اس پر عام خطبہ کی طرح زور ڈالنا قرآن کی عادت نہیں۔ یہاں بھی اس نے درمیانی واقعات حذف کر کے آخری بات بتلا دی کہ برادران یوسف یوسف کو بلطاف اخیل باپ کے پاس سے لے گئے اور ٹھہری ہوئی قرارداد کے موافق کنوئیں میں ڈالنے کا تہیہ کر لیا۔ اس وقت ہم نے یوسف علیہ السلام کو اشارہ کیا جس کی دوسروں کو مطلق خبر نہیں ہوئی کہ گھبراؤ نہیں، ایک وقت آیا چاہتا ہے کہ یہ سب کارروائیاں تم ان کو یاد دلاؤ گے اور اس وقت تم ایسے بلند مقام اور اعلیٰ مرتبہ پر ہو گے کہ یہ تم کو بچان نہ سکیں گے یا طول عہد کی وجہ سے تم کو شناخت نہ کر سکیں گے۔ یہ خدائی اشارہ خواب میں ہوا یا بیداری میں، بطریق الہام ہوا یا فرشتہ کے ذریعہ سے اس کی تفصیل قرآن میں نہیں۔ البتہ ظاہر الفاظ کو دیکھ کر کہا گیا ہے کہ وحی کا آنا پائیس برس کی عمر پر موقوف نہیں ہے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام اس وقت بہت کم عمر تھے۔ واللہ اعلم۔

فی یا تو گھر پہنچنے پہنچنے اندھیرا ہو گیا یا جان بوجھ کر اندھیرے سے آئے کہ دن کے اجالے میں باپ کو کھانا زیادہ مشکل تھا اور رات کی سیاہ چادر بے حیاتی۔

يَمُؤْمِنِينَ لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ﴿۱۶﴾ وَجَاءُوا عَلَى قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ ۖ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ

سچے ہوں فل اور لائے اس کے کرتے پر لہو لگا کر جھوٹ فل بولا یہ ہرگز نہیں بلکہ بنا دی ہے  
سچے ہوں۔ اور لائے اس کے کرتے پر لہو لگا جھوٹ۔ بولا ! کوئی نہیں ! بلکہ بنا دی

لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿۱۷﴾ وَجَاءَتْ

تم کو تمہارے جیوں نے ایک بات اب مبرہی بہتر ہے اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس بات پر جو تم ظاہر کرتے ہو فل اور آیا  
تم کو تمہارے جیوں نے ایک بات۔ اب مبرہی بن آوے۔ اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس بات پر جو بتاتے ہو۔ اور آیا

سَيَّارَةً فَأَرْسَلُوهُ ۖ وَإِذْ هُمْ قَائِلُونَ ۖ قَالَ يُبَشِّرِي هَذَا عِلْمًا ۖ وَأَسْرُوكًا بِضَاعَةً ۖ

ایک قافلہ پھر بھیجا اپنا پانی بھر لے والا اس نے لٹکایا اپنا ڈول کہنے لگا کیا خوشی کی بات ہے یہ ہے ایک لڑکا فل اور چھپا لیا اس کو تجارت کا مال کچھ کر فل  
ایک قافلہ، پھر بھیجا اپنا پنہارا، اس نے لٹکایا اپنا ڈول۔ بولا، کیا خوشی کی بات ہے ایہ ہے ایک لڑکا۔ اور چھپا لیا اس کو پونجی سمجھ کر۔  
= سنگلی اور جھوٹی آہ و بکاہ کی کسی حد تک پردہ داری کر سکتی تھی۔ اٹھش نے خوب لڑمایا کہ برادران یوسف کا گریہ و بکاہ سننے کے بعد ہم کسی شخص کو محض چشم اظہار  
سے سہا نہیں سمجھ سکتے۔

۱۷ یعنی ہم نے حفاظت میں کچھ کو تباہی نہیں کی، ہمارے بچے جو تھے وغیرہ قابل حفاظت چیزیں جہاں رکھی تھیں وہیں یوسف (علیہ السلام) کو بٹھلایا، ایک  
دوسرے سے آگے نکلنے کو بھاگ دوڑ شروع کی۔ بس ذرا آنکھ سے اوجھل ہونا تھا کہ بھیڑے لے یوسف (علیہ السلام) کو آ دو چا۔ اس موقع پر اتنی ذرا سی دیر  
میں احتمال بھی نہ تھا کہ بھیڑ یا کچھ کر لڑا یوسف (علیہ السلام) کو شکار کر لے گا۔

۱۸ یعنی یوسف (علیہ السلام) کے معاملہ میں پہلے ہی سے آپ کو ہماری طرف ہدگمانی ہے۔ اگر آپ کے نزدیک ہم بالکل سچے ہوں تب بھی اس معاملہ خاص  
میں کسی طرح ہماری بات کا یقین نہیں کر سکتے۔

۱۹ ایک بکری یا ہرن وغیرہ ذبح کر کے اس کا خون یوسف علیہ السلام کی قمیص پر چھڑک لائے تھے وہ جھوٹا خون پیش کر کے ہاپ کو یقین دلانے لگے کہ  
بھیڑے کے زخمی کرنے سے یہ کہہ خون آلود ہو گیا۔

۲۰ بھلا جس کو شام میں بیٹھ کر مصر سے یوسف علیہ السلام کے کردہ کی طوفیو آتی تھی وہ بکری کے خون پر یوسف علیہ السلام کے خون کا گمان کب کر سکتا تھا۔ انہوں  
نے سننے ہی جھٹلایا۔ اور جیسا کہ بعض تقاضیوں میں ہے کہنے لگے کہ وہ بھیڑ یا دافنی بڑا سلیم و متین ہو گا جو یوسف علیہ السلام کو لے گیا اور خون آلود کر دے تو نہایت اطمینان  
سے صحیح و سالم اتار کر رکھ گیا۔ سچ ہے۔ ”دروغ گورا مافکہ نہ ہاشہ“ خون کے چھینٹنے تو دیے مگر یہ خیال نہ رہا کہ قمیص کو بے ترتیبی سے لوج کر اور بھڑا کر پیش کرتے۔  
حضرت یعقوب علیہ السلام نے صاف طور پر فرمادیا کہ یہ سب تمہاری سازش اور اپنے دلوں سے توڑا شی ہوتی ہائیں ہیں۔ بہر حال میں مبرہ جلیل اختیار کرتا ہوں جس  
میں نہ کسی طیر کے سامنے شکوہ ہو گا تم سے انتقام کی کوشش۔ صرف اپنے خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اس صبر میں میری مدد فرمائے اور اپنی اعانت فیسی سے جو  
ہائیں تم ظاہر کر رہے ہو، ان کی حقیقت اس طرح آشکارا کر دے کہ سلامتی کے ساتھ یوسف علیہ السلام سے دوبارہ ملنا نصیب ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو  
مطلع کر دیا گیا تھا کہ جس امکان میں وہ جھٹلائیے تھے ہیں وہ پورا ہو کر رہے گا اور ایک مدت معین کے بعد اس مصیبت سے طہات ملے گی۔ نبی الحال دعوہ نے  
یا اللہ نبی تدبیر اختیار کرنے سے کوئی لائق نہیں یوسف علیہ السلام ابھی ملیں گے نہیں ہاں دوسرے بڑے ساری دنیا میں رسوا ہو جائیں گے اور ممکن ہے کہ پیش میں  
آ کر خود یعقوب علیہ السلام کو اہل اہل پہنہانے کی کوشش کریں۔ کذا قال الامام الرازی فی الکبیر۔ واللہ اعلم۔

۲۱ کہتے ہیں تین روز تک یوسف علیہ السلام تنوین میں رہے۔ قدرت الہی نے حفاظت کی۔ ایک بھائی یہودا کے دل میں ڈال دیا کہ وہ ہر روز تنوین میں کھانا  
پہنچا آتا تھا دیسے بھی سب بھائی خبر رکھتے تھے کہ مرے نہیں کسی دوسرے ملک کا سالر نکال لے جائے تو ہمارے درمیان سے یہ کاٹنا نکل جائے۔ سچ ہے

گل است سعدی در چشم دشمنان فاراست

۲۲ آمدین سے مصر کو ہالے والا ایک قافلہ دوسرے گزرا، انہوں نے تنوین دیکھ کر اپنا آدی پانی بھر لے کر بھیجا اس نے ڈول بھرا تو حضرت



وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخِيسٍ كَدْرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۖ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ

اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں فی اور بیچ آئے اس کو بھائی ناقص قیمت کو گنتی کی چونیاں فی اور ہو رہے تھے اس سے اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اور بیچ آئے اس کو ناقص مول کو گنتی کی کئی پاؤلیاں۔ اور ہو رہے تھے اس سے

## الرَّاهِدِينَ ﴿۱۲﴾

بیزار فی

بیزار۔

معاملہ برادران یوسف علیہ السلام

قَالَ الْفَتَاوَى: «لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَأَخَوَيْهِ آيَاتٍ... وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الرَّاهِدِينَ»

بے شک یوسف اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں نشانیاں اور عبرتیں اور نصیحتیں ہیں ان لوگوں کے لیے جو اس قصہ کو دریافت کرتے ہیں کیونکہ یہ عجیب قصہ اس لائق ہے کہ اس کی خبر دریافت کی جائے کہ حق تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بے کسی اور بے بسی سے نکال کر مقام سلطنت تک کس طرح پہنچایا یہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ جو پوچھتے ہیں ان کے لیے اس قصہ میں بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں ہیں اور جو نہیں پوچھتے ان کے لیے بھی بہت سی نشانیاں ہیں۔

جبکہ یوسف علیہ السلام کے علاقائی آپس میں یہ کہنے لگے کہ البتہ یوسف (علیہ السلام) اور ان کا حقیقی بھائی بنیامین ہمارے باپ کو بہ نسبت ہمارے زیادہ محبوب ہے حالانکہ وہ دونوں کم عمر ہیں کار خدمت پذیری بخوبی انجام نہیں دے سکتے اور ہم ایک قوی جماعت ہیں ہر طرح کا آرام ہم سے مقصود ہے لہذا ہم زیادہ عزیز اور محبوب ہونے چاہئیں بے شک ہمارا باپ صریح غلطی میں ہے اپنے نفع نقصان کا ان کو صحیح اندازہ نہیں یعنی ہماری محبت کے بارے میں باپ کو چوک ہوئی کہ ہمارے مقابلہ = پوست علیہ السلام چھوٹے تو تھے ہی ڈول میں ہو بیٹھے اور ری ہاتھ سے پکڑ لی گئے والے نے ان کا سن و جمال دیکھ کر بے ساختہ خوشی سے پکارا کہ یہ تو مجھ لڑکا ہے بڑی قیمت کو بکے گا۔

۱۱ یعنی کچھنے والے نے اس واقعہ کو دوسرے ہمارے ہمراہوں سے چھپانا چاہا کہ اوروں کو خبر ہوگی تو سب شریک ہو جائیں گے۔ شاید یہ ظاہر کیا کہ یہ غلام اس کے مالکوں نے چھوڑ دیا ہے تاکہ مصر کے بازار میں فروخت کر دوں۔

۱۲ یعنی بھائی بے وطن کرنا چاہتے تھے اور قالدہ والے بیچ کر دام وصول کرنے کا ارادہ کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ خزانہ مصر کا مالک بنا نا چاہتا تھا۔ وہ اگر چاہتا تو ان کا رواداروں کو ایک سیکنڈ میں روک دیتا لیکن اس کی مصلحت تاخیر میں تھی، اس لیے سب چیزوں کو ہاتھ سے لے کر نکلتے ہوئے انھیں ڈھیل دی تھی۔

۱۳ بھائیوں کو خبر ہوئی کہ قالدہ والے نکال لے گئے۔ وہاں پہنچے اور ظاہر کیا کہ یہ ہمارا لہام بھاگ آ رہا ہے چونکہ اسے بھانسنے کی عادت ہے اس لیے ہم رکنا نہیں چاہتے، ہم طریقہ تو خرید سکتے ہو۔ مگر بہت سخت ٹکرانی رکنا نہیں چاہتے کہ ہمارے بھائیوں کو ہم یا کم دیش میں بیچ ڈالا۔ اور تو بھائیوں نے دو دو درہم (تقریباً آٹھ آنے) ہاتھ لیے۔ ایک بھائی یہود والے حصہ نہیں لیا۔

۱۴ یعنی اس قدر ازراں بیچنے سے تعجب مت کرو۔ وہ اتنے بیزار تھے کہ ملت ہی دے ڈالتے تو مستعد نہ تھا۔ جو پیسے مل گئے قیمت بھلا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں آیت میں اس بیچ کا ذکر ہے جو قالدہ والوں نے مصر پہنچ کر کی۔ اگر ایسا ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ بڑی ہونی چیز کی قدر نہ کی اور یہ اندیشہ رہا کہ پھر کوئی آ کر دعویٰ نہ کر لیتے۔ بیزاران (بھگوان) ہونے کا عیب سن چکے تھے، اس لیے سب دامن بیچ ڈالا۔ والظاہر ہوا اول۔ واللہ اعلم۔

میں یوسف علیہ السلام کو ترجیح دی اگر دلیل سے دیکھا جائے تو ہم سب فرزند ہونے میں یکساں ہیں اس لیے محبت میں برابری ہونی چاہئے تھی لیکن ہم کو ان دونوں پر اس لیے ترجیح ہے کہ ہم ایک قوی اور زبردست جماعت ہیں باپ کو ہر طرح سے آرام اور راحت پہنچا سکتے ہیں اور جو تکلیف پیش آئے اس کو دور کر سکتے ہیں اور ہر کام کے لیے کافی ہیں اور ان دونوں بھائیوں سے نو عمری کی وجہ سے یہ بات ممکن نہیں لہذا قاعدہ کے مطابق محبت ہم سے زیادہ ہونی چاہئے پھر اگر زیادہ نہ ہوتی تو خیر برابر ہوتی اس بارے میں ہمارے باپ صریح غلطی میں ہیں۔

قائدہ: ..... یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام سے زیادہ محبت کرنا معاذ اللہ حسن ظاہری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت اور جمال نبوت و صدیقیت اور نور فہم و فراست اور نور عفت بھی اس کے ساتھ شامل تھا۔ اور ان محاسن و شمائل اور کمالات و فضائل میں کوئی بھائی وغیرہ شریک نہ تھا۔ یوسف علیہ السلام ان فضائل و شمائل میں سب پر فوقیت رکھتے ہیں اور یعقوب علیہ السلام نور نبوت اور چشم بصیرت سے ان باطنی محاسن کو بھی دیکھتے تھے اس لیے وہ ان کی نظر میں زیادہ محبوب تھے۔

نیز یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال بشری حسن و جمال کے جنس سے نہ تھا اس لئے زنان مصر کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکلا ﴿مَا هَذَا بَشَرًا ۖ إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ﴾ بلکہ یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال اہل جنت کے حسن و جمال کی جنس سے تھا اور حور و غلمان کے حسن و جمال کی جنس سے تھا غرض کہ یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال اخروی حسن و جمال کا نمونہ تھا اور از قسم جمال اخروی تھا اس لیے یعقوب علیہ السلام ان کی طرف زیادہ مائل تھے۔ کیونکہ یوسف علیہ السلام کا باطنی حسن و جمال یعنی علم و حکمت اور ان کی بے مثالی عصمت و عفت اور نور نبوت و صدیقیت یہ باطنی محاسن یعقوب علیہ السلام کے پیش نظر تھے اور دوسرے بھائی ان کی طرح ان کے محاسن سے متصف نہ تھے اور نہ حسن سیرت اور حسن صورت دونوں سے آراستہ تھے نیز یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال ملائکہ کے حسن و جمال کا ایک نمونہ تھا اس لیے وہ باپ کی نظر میں زیادہ محبوب تھے۔ علاوہ ازیں رشد و نجابت کے جو آثار یوسف علیہ السلام اور بنیامین میں نمایاں تھے وہ دوسرے بھائیوں میں نمایاں نہ تھے اور خاص کر یوسف علیہ السلام میں نبوت اور صدیقیت کے آثار نمایاں تھے اس اعتبار سے وہ جنس انبیاء و صدیقین سے ہے پس حسب قاعدہ الجنس یعیل الی الجنس یعقوب علیہ السلام ان کی طرف زیادہ مائل تھے کیونکہ یہ جانتے تھے کہ یہ خدا کا برگزیدہ اور پیغمبر ہونے والا ہے پس نبوت و رسالت کے ساتھ علاقہ نبوت یعنی فرزندیت بھی مل جائے تو دلی محبت اور تعلق میں اضافہ ہو جاتا ہے اور خدا کے برگزیدہ اور محبوب بندہ سے محبت رکھنا یہ عبادت ہے اور محبوب خدا کی محبت دراصل خدا کی محبت ہے اور پھر یہ کہ یوسف علیہ السلام اور بنیامین اگرچہ باطنی فضائل و شمائل کی وجہ سے یعقوب علیہ السلام کی نظر میں زیادہ محبوب تھے مگر عملی طور پر حقوق فرزندیت کے اعتبار سے معاملہ سب کے ساتھ پورے عدل اور انصاف کے ساتھ تھا قرآن سے کہیں یہ ثابت نہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام

بنیامین کو دوسرے بھائیوں پر حقوق واجبہ میں یا کسی ایسے امر میں ترجیح دی ہو جو ان کے اختیار میں ہو اور محبت جس کی حقیقت میلان طبعی ہے وہ امر اختیاری نہیں اس میں عدل اور مساوات ناممکن ہے اگر کوئی باپ اپنے کسی عالم اور متقی بیٹے کو بہ نسبت غیر عالم بیٹے کے زیادہ محبوب رکھے تو اس سے یہ کہنا کہ آپ اس سے زیادتی محبت میں غلطی اور خطا پر ہیں۔ یہی صریح غلطی اور ضلال ہے۔ ہے خوب سمجھ لو اور اولاد میں اور بیٹیوں میں طبعی میلان اور محبت کے اعتبار سے مساوات عادتاً ناممکن نظر

آتی ہے، الغرض جب بھائیوں نے یہ دیکھا کہ باپ کی نظر عنایت یوسف علیہ السلام کی طرف زیادہ ہے تو بولے۔ هَٰذَا أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔ کہ واقعی ہمارا باپ اس بارے میں صریح گمراہی میں مبتلا ہے اس لفظ سے ان کی دین خداوندی میں گمراہی مراد نہ تھی۔ بلکہ دین محبت اور آئین شفقت میں گمراہی مراد تھی کہ جب ہم اخوت میں برابر ہیں تو محبت میں بھی برابر ہونے چاہئیں اور ضلال کے معنی لغت میں غلطی اور خطا کے ہیں اور مطلب یہ تھا کہ ہمارے باپ نظر محبت و شفقت کے خراج کرنے سے غلطی پر ہیں۔ مساوات کیوں نہیں برتتے اس گفتگو سے بھائیوں کا مقصود یہ نہ تھا کہ باپ کی غلطی ثابت کریں بلکہ مقصود یہ تھا کہ اس شخص کا وجود تمہارے لیے محبت پداری میں مزاحم ہے اگر یہ باپ کی نظروں سے دور ہو جائے تو پھر ہمارا معاملہ درست ہو سکتا ہے اور اسی درمیان میں ان کو یوسف علیہ السلام کے خواب کی بھی خبر ہو گئی اس لیے مشورہ کیا کہ کوئی تدبیر ایسی کرنی چاہئے کہ باپ کے سامنے نہ رہے خواہ قتل کر کے، خواہ اس طرح کہ اس کو کسی دور دراز کنوئیں میں پھینک دیا جائے اور اس بارے میں باہم مشورہ ہو اور رائے ٹھہری کہ یوسف کو مار ڈالو کہ محبت اور شکایت کا محل ہی ختم ہو جائے یا اس کو کسی ایسی دور دراز غیر معلوم زمین میں لے جا کر پھینک دو کہ یوسف علیہ السلام وہاں سے واپس نہ آ سکیں اور باپ وہاں تک نہ پہنچ سکیں۔ دونوں صورتوں میں باپ سے جدا ہو جائیں گے۔ تو پھر تمہارے ہی لیے خالی ہو جائے گا۔ تمہارے باپ کا چہرہ اور تم باپ کے منظور نظر بن جاؤ گے۔ کیونکہ اس وقت باپ کو تم ہی تم نظر آؤ گے اور اس کے بعد تم توبہ کر کے اللہ کے نزدیک نیک بختوں میں ہو جاؤ گے۔

ع۔ امر و زگنہ کنید و فرد اتوبہ

یابہ معنی ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے بعد تمہارے سب کا مددگار ہو جائیں گے اس معنی کو صلاح سے اخروی صلاح اور نیک بختی مراد نہ ہوگی بلکہ دنیوی امور کی صلاح اور درستی اور فارغ البالی مراد ہوگی۔ بھائیوں نے صرف یوسف علیہ السلام کا ذکر کیا۔ بنیامین کے معاملہ کو کچھ اہمیت نہ دی بظاہر یہ وجہ ہوگی کہ وہ بنیامین کی محبت کو یوسف علیہ السلام کی محبت کا تتمہ سمجھتے ہوئے بھائیوں کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا مقصود باپ کو تکلیف پہنچانا نہ تھا بلکہ مقصود یہ تھا کہ باپ کی توجہ اور نظر عنایت کو اپنی طرف پھیر لیں۔ یہ خیال ان پر اس قدر غالب آیا کہ ان کو حسد پر آمادہ کیا اور ان سے یہ کام کروایا۔ مگر آخر میں نادام ہوئے اور خدائے تعالیٰ اور یعقوب علیہ السلام نے ان کی خطا معاف کی اصل مقصود یہ تھا کہ باپ کی توجہ خاص ان کی طرف ہو جائے۔ لَكُمْ وَجْهٌ آيِبِكُمْ۔ اور یہ مقصود فی حد ذاتہ محمود تھا۔ مگر اس کے حصول کیلئے جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ غلط تھا ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو قتل تو نہ کرو، بے گناہ کا قتل بہت بڑا گناہ ہے مطلب یہ تھا کہ حسد اور عداوت کو اتنی ترقی نہ دو کہ قتل کر کے جان لے لو یہ کہنے والا بڑا بھائی روئیل تھا یا یہود تھا اور بجائے قتل کے یہ صورت کر لو کہ اس کو کسی گہرے اور تاریک اور اندھے کنوئیں میں لے جا کر پھینک دو تا کہ کسی کو پتہ ہی نہ چلے کہ کہاں گئے اس لیے بہتر یہ ہے کہ بجائے قتل کے اس کو کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دو تا کہ وہاں سے کوئی راہ چلتا مسافر جو وہاں پہنچے اس کو اٹھالے جاوے اور اس کو کسی اور زمین پر لے جاوے اور تم اس سے چھوٹ جاؤ اور جو تمہاری غرض ہے کہ باپ سے دور ہو جائے اور وہ بلا قتل کے حاصل ہو جائے اگر تم کرنے ہی والے ہو۔ یعنی اگر تم کو یہ کام کرنا ہی ہے تو میری رائے یہ ہے کہ بجائے قتل کے ان کو غیابت الحجب میں ڈال دو اور اس طرح سے بھی تمہارا مقصود حاصل ہو جائے گا۔ ”غیابت الحجب“ اس کنوئیں کو کہتے ہیں کہ جو چیز اس میں گرے وہ

نظروں سے ایسی غائب اور پوشیدہ ہو جائے کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے کہ وہ کہاں گئی۔ مشورہ میں سب کا اسی پر اتفاق رائے ہو گیا اور مشورہ کے بعد باپ سے جدا کرنے کی یہ تدبیر سوچی کہ سب مل کر باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ کہا کہ اے ہمارے باپ آپ کو کیا ہوا کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے اور کبھی ان کو ہمارے ساتھ نہیں بھیجتے آخر ہم ان کے بھائی ہیں اور تحقیق ہم ان کے خیر خواہ اور بھلائی چاہنے والے ہیں۔ نہ کہ دشمن اور اس پر مہربان ہیں۔ لہذا آپ بلا تامل کل کے روز اس کو ہمارے ساتھ جنگل کی طرف بھیج دیجئے کہ آسودہ ہو کر جنگل کے میوے کھائے اور کھیلے کودے اور تیر چلائے اور اونٹ دوڑائے اور اس قسم کے کھیل شرعاً جائز ہیں۔ یوسف علیہ السلام بھی خوش ہو جائیں گے اور بے شک ہم ہر حال میں یوسف کے خوب محافظ اور نگہبان رہیں گے۔ یعنی آپ کسی طرح اندیشہ نہ فرمائیں ہم یوسف علیہ السلام کو کھلا کودا کر خوش و خرم آپ کے پاس واپس لے آئیں گے اور شاید اس سے پہلے یوسف علیہ السلام کو بھی سیر و تفریح کی ترغیب دیکر ساتھ چلنے پر آمادہ کر لیا ہوگا اس کے بعد باپ سے اجازت چاہی اور یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کی درخواست کی۔ یعقوب علیہ السلام نے جواب میں یہ کہا کہ تحقیق غم میں ڈالتی ہے مجھ کو یہ بات کہ تم یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے جاؤ تمہارے ساتھ جانے پر قلب مطمئن نہیں انبیاء کا قلب مہارک چونکہ سلیم ہوتا ہے۔ اس لیے سنتے ہی ان کو بات میں سے صدق اور کذب کی بو آنے لگتی ہے۔

یعقوب علیہ السلام نے جب بیٹوں کی یہ پرفریب درخواست سنی تو سنتے ہی اس میں سے مکر اور فریب اور حسد کی بو محسوس فرمائی جیسا کہ حدیث میں ہے الصدق طمانینۃ والکذب ریبۃ اور حسد و منافقت کے آثار پہلے ہی سے نمایاں تھے اس لیے یعقوب علیہ السلام ان کے ساتھ بھیجنے سے خائف تھے اور بعد میں جب ایک بات بنائی تو یعقوب علیہ السلام کا دل مطمئن نہ ہوا تو فرمایا کہ مجھے اس کی جدائی دم بھر بھی ناگوار ہے اور اس کے دیکھے بغیر صبر کرنا میرے لیے بہت دشوار ہے اور اگر بالفرض تم پر اطمینان بھی کر لوں تو میں ڈرتا ہوں کہ اس کو بھیڑ یا کھا جائے اور تم اس سے غافل رہو تم کھیل تماشہ میں مشغول ہونے کے وجہ سے اس کی حفاظت سے غافل ہو جاؤ۔

ازاں ترسم کزو غافل نشیند ز غفلت صورت حاش نہ بیند

دریں دیرینہ دشت محنت انگیز کہن گر گے برو دندان کند تیز

بیان کیا جاتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے خواب میں دیکھا گیا کہ ایک بھیڑیے نے یوسف علیہ السلام پر حملہ کیا۔ (تفسیر

قرطبی: ۴۰/۹)

اس لیے یعقوب علیہ السلام کو خوف ہوا اور اس علاقے میں بھیڑیے بھی کثرت سے تھے اس خیال سے انہوں نے یہ بات فرمائی بیٹوں نے اسی بات کو بہانہ بکڑ لیا اور اسی کو واقعہ بنا کر پیش کر دیا۔ پہلی بات کا تو کوئی جواب نہ تھا اس سے تو انجان بن گئے بلکہ اسی دوسری بات کا جواب دیا۔ چنانچہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹے دوسری بات کے جواب میں بولے خدا کی قسم اگر اس کو ایسی حالت میں بھیڑیا کھا جائے کہ ہم ہمیں توی جماعت وہاں موجود ہو جو شیروں سے مقابلہ کر سکتی ہے تو ایسی صورت میں ہم یقیناً ریاں کا ر اور نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ کہ اپنے بھائی سے بھی بھیڑیے کو دفع نہ کر سکے۔ القصد جب یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کا مبالغہ اور اصرار سنا اور کسی درجہ میں یوسف علیہ السلام کا دل بھی جانے کی طرف مائل پایا تو اپنے دل کو مضبوط کر کے اور

قضائے الہی پر راضی ہو کر جانے کی اجازت دے دی اور محافظت کی تاکید اکید کی، پھر جب ان کو لیکر چلے تو راستہ ہی میں ان کے ساتھ بدسلوکی شروع کر دی جو لائق بیان نہیں اور اس بات پر سب متفق ہو گئے کہ اسکو اندھے کنوئیں میں ڈال دیں۔ چنانچہ رسی میں باندھ کر کنوئیں میں لٹکایا اور جب درمیان میں پہنچے تو رسی کاٹ دی جا کر پانی پر گرے کنوئیں میں ایک پتھر تھا اس پر کھڑے ہو گئے۔ (زاد المسیر: ۴/۱۹۰)

اور اس وقت ہم نے ان کی تسلی کے لیے ان کے پاس وحی بھیجی کہ تم گھبراؤ نہیں عنقریب اس کنوئیں سے نکلو گے اور خدا تعالیٰ تم کو بلند رتبہ عطاء کرے گا اور ایک دن وہ ہوگا کہ تم ان لوگوں کو یہ بات جتلاؤ گے اور وہ سمجھتے نہ ہونگے کہ تو یوسف علیہ السلام ہے مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت آئی کہ تم کسی ہلاکت وغیرہ کا خوف نہ کرو ہم تمہیں کسی ایسے رتبہ پر پہنچائیں گے کہ یہ لوگ تیرے سامنے شرمسار کھڑے ہونگے اور تو ان کو اس فعل سے آگاہ کرے گا اور یہ تیرے بلند رتبہ کی وجہ سے یہ گمان بھی نہ کریں گے کہ تو یوسف علیہ السلام ہے بلکہ ان کو یہ خیال ہوگا کہ یوسف علیہ السلام تو کہیں ہلاک ہو چکا ہے اس وحی نے یوسف علیہ السلام کی مشکل کو آسان کر دیا۔ ظاہر اسباب میں آ کر شفقت پوری منقطع ہوئی تو رحمت غیبیہ دستگیر بنی اور اس تائید غیبی نے پائے استقامت کو اور محکم اور مضبوط کر دیا۔ غرض یہ کہ یہ قصہ تو یوسف علیہ السلام کا ہوا اور ادھر وہ لوگ عشاء کے وقت اپنے باپ کے پاس روئے ہوئے آئے۔ باپ نے رونے کا سبب دریافت کیا تو بولے اے ہمارے باپ ہم دوڑ میں آگے نکلنا چاہتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ دوڑ میں لگے ہوئے تھے اور یوسف علیہ السلام کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے پس اتفاقاً بھیڑیا آ کر اس کو کھا گیا اور آپ تو ہماری بات کو یقین نہیں کریں گے اگرچہ ہم سچے ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ آپ کو ہماری طرف سے پہلے ہی شبہ تھا اور آپ نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ شاید تم غافل ہو جاؤ اور اس کو بھیڑیا کھا جائے اور اتفاق سے ایسا ہی ہو گیا اور اس کی دلیل ہمارے پاس یوسف علیہ السلام کا پیرا ہن ہے اور اس کے کرتے پر جھوٹا لہو بھی لگائے تھے۔ ایک بکری کو ذبح کر کے یوسف علیہ السلام کے کرتے کو اس سے ترکیا کہ یہ یوسف علیہ السلام کا کرتہ ہے جو ہم نے چھڑایا ہے اور اس قمیص کو اپنے قول کی سند میں پیش کیا۔ یعقوب علیہ السلام نے اس کرتہ کو دیکھا۔ فرمایا وہ بھیڑیا بڑا ہی حکیم اور داناتا تھا کہ یوسف کو تو کھا گیا اور پیرا ہن سے کوئی تعرض نہ کیا پھر ازراہ غصہ فرمایا، اے بیٹو یوسف علیہ السلام کو بھیڑیے نے ہرگز نہیں کھایا بلکہ تمہارے نفسوں نے یوسف علیہ السلام کی ہلاکت کی ایک بات بنا کر تمہارے لیے آراستہ کر دی ہے۔ نور نبوت سے پہچان لیا کہ یہ سب جھوٹ ہے اور ان کی بنائی ہوئی ایک بات ہے اور یوسف علیہ السلام فی الحقیقت ابھی زندہ ہے پس اب میرا کام صبر جمیل ہے عمدہ صبر وہ ہے کہ جس میں نہ جزع ہونہ فزع ہو اور نہ شکوہ و شکایت ہو اور نہ ارادہ انتقام کا ہو اور جو تم یوسف علیہ السلام کی ہلاکت کی داستان بیان کرتے ہو اس کے صبر پر اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس لیے کہ بغیر اللہ کی مدد کے صبر ناممکن ہے کما قال تعالیٰ ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾۔ یعقوب علیہ السلام کو بیٹوں کی بات کا یقین تو نہ آیا مگر یوسف علیہ السلام کی جدائی کا صدمہ بے حد ہوا۔ بیٹے اور بھائی اور عزیزوں کی جدائی کا صدمہ ایک امر طبعی ہے اور اولاد تو انسان کا ایک جزو ہے اور جب فرزند دل بند حسن سورت اور حسن سیرت سے آراستہ ہو اور خدا کا گزیدہ اور پسندیدہ ہو تو اس کی جدائی کے رنج و الم کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے حضرت یعقوب علیہ السلام میں یہ ساری باتیں جمع تھیں پھر طرفہ یہ کہ عجیب طرح سے مصیبت آئی بیٹا اگر بیماری میں مبتلا ہو کر مر جائے تو صبر آ جاتا ہے کیونکہ موت سے دل

مایوس ہو جاتا ہے مگر یہاں بجائے موت کے گم ہونے کا واقعہ پیش آیا کہ نہ تو ہلاکت کا یقین ہے کہ مایوس ہو جائیں اور نہ زندگی اور سلامتی کے کوئی آثار معلوم ہوتے ہیں جس سے پھر ملنے کی امید اور آرزو رکھیں۔ عجیب کشمکش میں مبتلا تھے کہ نہ مایوس ہو سکتے تھے اور نہ امید اور آرزو کی کوئی صورت نظر آتی تھی معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا کہ یہ ایک امتحان ہے جس میں تم مبتلا کیے جا رہے ہو یہ پورا ہو کر رہے گا اور ایک مدت کے بعد تم کو اس مصیبت سے نجات ملے گی اور سلامتی کے ساتھ یوسف علیہ السلام سے دوبارہ ملنا تم کو نصیب ہوگا۔ فی الحال کسی جستجو یا تلاش یا تدبیر سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ تلاش سے یوسف علیہ السلام تو ملیں گے نہیں اور بیٹے رسوا ہو جائیں گے۔ لہذا صبر جمیل سے کام لیجئے کیونکہ قضا و قدر پر صبر ضروری ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۱۱۳، ۱۱۵)

خلاصہ کلام: ..... یہ کہ یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ من جانب اللہ ایک ابتلاء ہے ظالم کے ظلم پر اور ماکر کے مکر پر تو صبر ضروری نہیں مگر قضا و قدر پر صبر ضروری ہے قضا و قدر کے مقابلہ میں تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اس وقت صبر جمیل ہی بہتر ہے اور صبر جمیل کے یہ معنی ہیں کہ جب کوئی مصیبت نازل ہو تو بندوں سے شکایت نہ کرے کہ یہ مصیبت مجھ پر کہاں سے آگئی اس لیے یعقوب علیہ السلام روپیٹ کر بیٹھ گئے اور نہ یوسف علیہ السلام کی جستجو میں پڑے اور نہ بیٹوں سے انتقام کا ارادہ فرمایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس باپ اور بیٹے کے قصے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ دیکھ لو صبر جمیل ایسا ہوتا ہے اور عفت و پاکدامنی ایسی ہوتی ہے اور یوسف علیہ السلام کا قصہ یہ ہوا کہ اتفاق سے ادھر ایک قافلہ آنکلا یہ قافلہ مدین سے مصر کو جا رہا تھا۔ پس قافلہ والوں نے اپنا ایک آدمی پانی لینے کے لیے اس کنوئیں کی طرف بھیجا پس اس پانی لینے والے آدمی نے اپنا ڈول کنوئیں کے اندر لٹکایا، اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ یوسف علیہ السلام تم اس ڈول میں بیٹھ جاؤ۔ یوسف علیہ السلام اس ڈول میں بیٹھ گئے جب ڈول باہر آیا تو ڈول کھینچنے والا ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور بولا اے بشارت تو حاضر ہو جا یہ تیرے حاضر ہونے کا وقت ہے۔ اے قافلہ والو بڑی خوش خبری یہ ہے کہ ایک عجیب و غریب لڑکا ہے جس کا حسن و جمال بے مثال ہے۔

چو آں ماہ جہاں آراء برآمد ز جانش با لگ یا بشری برآمد  
بشارت کز چنیں تاریک چاہے برآمد بس جہاں افروز ماہے

اور قافلہ والوں نے اس کو سرمایہ تجارت بنا کر پوشیدہ رکھا کہ کوئی اس غلام کا دعویٰ نہ نکل آئے مصر جا رہے ہیں وہاں جا کر کسی بڑے دولت مند کے ہاتھ فروخت کریں گے اور خوب نفع کمائیں گے اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ قافلہ والے اس کو بیچ کر نفع حاصل کرنے چاہتے ہیں کہ یہاں سے کسی دوسرے ملک میں چلے جائیں اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ان کو خزانہ مصر کا مالک بنا دے۔ چنانچہ بھائیوں کو خبر لگی کہ قافلہ والے نکال لے گئے تو وہاں پہنچے اور قافلہ والوں سے یہ ظاہر کیا کہ یہ ہمارا غلام ہے گھر سے بھاگ آیا ہے چونکہ اسے بھاگنے کی عادت ہے اس لیے ہم اب اس کو رکھنا نہیں چاہتے تم اگر خریدنا چاہو تو تم کو ستے داموں میں دیدیں گے اس طرح خرید و فروخت کا معاملہ طے پا گیا اور اس سے ان کو معمولی قیمت پر یعنی چند گنتی کے درہم پر فروخت کر دیا کم و بیش بیس درہم میں ان کو بیچ ڈالا اور دو درہم آپس میں بانٹ لیے اور وہ جس کی یہ تھی کہ بھائی ان کے بارے میں بے غیب تھے ان کا مقصود فروخت کرنا نہ تھا بلکہ یہاں سے ملنا ان

کا مقصود تھا کہ یوسف علیہ السلام کسی طرح یہاں سے دوسرے ملک چلے جائیں در اہم معدودہ پر قناعت کی۔ بھائیوں کو جب یوسف علیہ السلام کے کنوئیں سے نکل آنے کی خبر ہوئی تو غلبہ حسد کی وجہ سے یہ چاہا کہ یوسف علیہ السلام کو ایسی مصیبت اور بلا میں مبتلا کرو کہ آئندہ چل کر کسی عزت و رفعت کے مقام پر پہنچنے کا امکان ہی ختم ہو جائے۔ اس لیے اس قسم کے مکر و فریب میں لگے ہوئے تھے مگر خداوند ذوالجلال کے یہاں ان کی رفعت اور سر بلندی مقدر ہو چکی تھی اس لیے اس کی تقدیر کے مقابلہ میں کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَن يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ

اور کہا جس شخص نے خرید کیا اس کو مصر سے اپنی عورت کو آبرو سے رکھ اس کو شاید ہمارے کام آئے یا ہم کر لیں اور کہا جس شخص نے خرید کیا اس کو مصر سے اپنی عورت کو، آبرو سے رکھ اس کو، شاید ہمارے کام آئے، یا ہم کر لیں

وَلَدًا ۗ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِّنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيثِ ۗ وَاللّٰهُ

اس کو بیٹا فی اور اسی طرح جگہ دی ہم نے یوسف کو اس ملک میں اور اس واسطے کہ اس کو سکھائیں کچھ ٹھکانے پر بٹھانا باتوں کا قول اور اللہ اس کو بیٹا۔ اور اس طرح جگہ دی ہم نے یوسف کو اس ملک میں۔ اور اس واسطے کہ اس کو سکھائیں کچھ کل بٹھانی باتوں کی۔ اور اللہ

غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشَدَّهٗ اَتَيْنَهُ حُكْمًا

ماتور رہتا ہے اپنے کام میں و لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۳۱ اور جب پہنچ گیا اپنی قوت کو دیا ہم نے اس کو حکم جیت رہتا ہے اپنا کام، اور اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور جب پہنچا قوت کو، دیا ہم نے اس کو حکم

وَعِلْمًا ۗ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَرَاوَدَتْهُ الْيَہٗوٰی بَنِيَّہَا عَنْ نَّفْسِہٖ وَغَلَقَتْ

اور علم ۳۲ اور ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ہم نیکی والوں کو ۳۲ پھسلا یا اس کو اس عورت نے جس کے گھر میں تھا اپنا جی تھامنے سے اور بند کر دیے اور علم۔ اور ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ہم نیکی والوں کو۔ اور پھسلا یا اس کو عورت نے، جس کے گھر میں تھا، اپنا جی تھامنے سے، اور بند کئے

۳۱ کہتے ہیں مصر پہنچ کر نیلام ہوا۔ عزیز مصر جو وہاں کاملہ دارالمہام تھا، اس کی بولی پر معاملہ ختم ہوا۔ اس نے اپنی عورت (زلیخا یا ارمیل) سے کہا کہ نہایت پیارا، قبول صورت، اور نونہار لڑکا معلوم ہوتا ہے۔ اس کو پوری عورت و آبرو سے رکھو۔ غلاموں کا معاملہ مت کرو۔ شاید بڑا ہو کر ہمارے کام آئے۔ ہم اپنا کاروبار اس کے سپرد کر دیں۔ یا جب اولاد نہیں ہے تو بیٹا بنا لیں۔

۳۲ یعنی ہم نے اپنی قدرت کاملہ اور تدبیر لطیف سے یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کی مائدانہ سختیوں اور کنوئیں کی قید سے نکال کر عزیز مصر کے یہاں پہنچا دیا۔ پھر اس کے دل میں یوسف علیہ السلام کی محبت و وقعت القادر مائی اس طرح ہم نے ان کو مصر میں ایک معزز جگہ دی اور اہل مصر کی نظروں میں ان کو درجہ و محبوب بنا دیا۔ تاکہ یہ چیز آئندہ ترقیات اور سر بلند یوں کا پیش خیمہ ہو۔ اور نبی اسرائیل کو مصر میں بسانے کا ذریعہ بنے۔ ساتھ ہی یہ بھی منظور تھا کہ عزیز مصر کے یہاں رہ کر بڑے سرداروں کی صحبت و مجلس تاکہ سلطنت کے رموز و اشارات سمجھنے اور تمام باتوں کو ان کے ٹھکانے پر بٹھانے کا کامل سلیقہ اور تجربہ حاصل ہو

(تفسیر) اسی سورت کے پہلے رکوع میں "تأویل الاحادیث" کا لفظ گزر چکا ہے۔ اس کی تفسیر وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

۳۳ یعنی بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو گرانا چاہا، خدا نے ان کو آسمان رفعت پر پہنچا دیا۔ اکثر لوگ کو تاہ نظری سے دیکھتے نہیں کہ انسانی تدبیروں کے مقابلہ میں کس طرح خدا کا بندوبست غالب آتا ہے۔

۳۴ یعنی جب یوسف علیہ السلام کے تمام قری مدد محال کو پہنچ گئے تو خدا کے یہاں سے عظیم الشان علم و حکمت کا فیض پہنچا نہایت مشکل عقد سے اپنی فہم رسا سے مل =

الْأَبْوَابِ وَقَالَتْ هَيْبٌ لَكَ ۖ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ

دروازے اور بولی شتابی کر فرما کہا خدا کی پناہ عزیز مالک ہے میرا اچھی طرح رکھا ہے مجھ کو، بیشک بھلائی نہیں پاتے جو لوگ کہ  
دروازے اور بولی، شتابی کر۔ کہا، خدا کی پناہ! وہ عزیز مالک ہے میرا، اچھی طرح رکھا ہے مجھ کو۔ البتہ بھلا نہیں پاتے جو لوگ

الظَّالِمُونَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّا بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۖ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهٗ

بے انصاف ہوں ﴿۳۱﴾ اور البتہ عورت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا، ﴿۳۱﴾ اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی ﴿۳۱﴾ یوں ہی ہوتا کہ بنا میں  
بے انصاف ہیں۔ اور البتہ عورت نے فکر کی اس کی اور اس نے فکر کی عورت کی۔ اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی۔ یوں ہی ہوا، اس واسطے کہ ہٹا دیں

کرتے، بڑی خوبی اور دانائی سے لوگوں کے نزاعات چکاتے، دین کی باریکیاں سمجھتے، جو زبان سے کہتے وہ کر کے دکھاتے۔ سفیہانہ اخلاق سے قطعاً پاک  
وصاف اور علم شراعی کے پورے ماہر تھے۔ تعبیر رذیلاً کا علم تو ان کا مخصوص حصہ تھا۔

﴿۳۱﴾ جو لوگ فطرت کی راہنمائی یا تقلید صالحین اور توفیق اذلی سے نواب و حوادث پر صابرہ کر عمدہ اخلاق اور نیک چال چلن اختیار کرتے ہیں، حق تعالیٰ ان پر  
ایسے ہی انعام فرماتا ہے۔

﴿۳۱﴾ ادھر تو الطاف غیبیہ حضرت یوسف علیہ السلام کی عجیب و غریب طریقہ سے تربیت فرما رہے تھے۔ ادھر عزیز کی بیوی (زلیخا) نے ان کے سامنے ایک نہایت  
نی مزاجہ اقدام موقع امتحان کھڑا کر دیا۔ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر زلیخا مفتون ہو گئی اور دلکشی و ہوشربائی کے سارے سامان جمع کر کے چاہا  
کہ یوسف علیہ السلام کے دل کو ان کے قابو سے باہر کر دے۔ ایک طرف عیش و نشاط کے سامان، نفسانی جذبات پورے کرنے کے لیے ہر قسم کی سہولتیں، یوسف  
علیہ السلام کا ہر وقت زلیخا کے گھر میں موجود رہنا، اس کا نہایت محبت اور پیار سے رکھنا، تنہائی کے وقت خود عورت کی طرف سے ایک خواہش کا پتہ پانا اظہار کسی غیر  
کے آنے جانے کے سبب دروازے بند، دوسری طرف جوانی کی عمر، قوت کا زمانہ، مزاج کا اعتدال، جبروت کی زندگی، یہ سب دواعی و اسباب ایسے تھے جن سے عکرا  
کر بڑے سے بڑے زاہد کا تقویٰ بھی پاش پاش ہو جاتا۔ مگر خدا نے جس کو جس قرار دے کر علم و حکمت کے رنگ میں رنگین کیا اور پھر خیرات و عصمت کے بلند مقام پر  
پہنچایا، اس پر کیا مجال تھی کہ شیطان کا قابو پھل جاتا۔ اس نے ایک لفظ کہا "معاذ اللہ" (خدا کی پناہ) اور شیطان جال کے سارے طعنے توڑ ڈالے۔ کیونکہ جس  
نے خدا کی پناہ لی اس پر کس کا وارہل سکتا ہے۔

﴿۳۱﴾ یعنی خدا کی پناہ میں ایسی تسبیح حرکت کیسے کر سکتا ہوں؟ علاوہ بریں "عزیز" میرا ربی ہے جس نے مجھے ایسے عورت و راحت سے رکھا، کیا میں اپنے محسن کے  
ناموس پر حملہ کروں؟ ایسی محسن کشی اور بے انصافی کرنے والے کبھی بھلائی اور کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے نیز جب ظاہری مرئی کا ہم کو اس قدر پاس ہے تو مجھ کو کہ  
اس پر دروغ و گارتی سے ہمیں کس قدر شرمانا اور حیا کرنا چاہیے جس نے محض اپنے فضل سے ہماری تربیت فرمائی اور اپنے بندوں کو ہماری خدمت و راحت رسائی  
کے لیے کھڑا کر دیا۔

(تنبیہ) بعض مفسرین نے "انہ ربی" کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجح کی ہے۔

﴿۳۱﴾ یعنی عورت نے چھانسنے کی فکر کی اور اس نے فکر کی کہ عورت کا داد چلنے نہ پائے اگر اپنے رب کی حجت و قدرت کا معائنہ نہ کرتا تو ثابت قدم رہنا مشکل تھا۔  
بعض مفسرین نے "وہم بہا" کو "ولقد همت به" سے تلخیص کر کے "لولا ان رآ برهان ربہ" سے متعلق کیا ہے۔ جیسے "ان کا ذات لکبیدی بہ  
لولا ان رآ برهان ربہ" کی ترکیب ہے۔ اس وقت مقصود یوسف علیہ السلام کے حق میں "ہم" کا ثابت کرنا نہیں، بلکہ نفی کرنا ہے۔ ترجمہ یوں ہو گا کہ  
عورت نے یوسف کا ارادہ کیا اور یوسف علیہ السلام بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے پروردگار کی قدرت و حجت نہ دیکھ لیتا۔ بعض نے "وہم بہا" میں لفظ "ہم"  
کو بمعنی میلان و رغبت کے لیا ہے۔ یعنی یوسف علیہ السلام کے دل میں کچھ رغبت و میلان بے اختیار پیدا ہوا۔ جیسے روزہ دار کو گرمی میں ٹھنڈے سے پانی کی طرف  
طبعاً رغبت ہوتی ہے لیکن وہ پینے کا ارادہ کرتا ہے نہ بے اختیاری رغبت کچھ مضر ہے۔ بلکہ باوجود رغبت طبعی کے اس سے قطعاً محترمتر رہنا مزید اجرو ثواب کا  
موجب ہے اسی طرح سمجھ لو کہ ایسے اسباب و دواعی تویہ کی موجودگی سے طبع بشری کے موافق بلا اختیاراً ارادہ یوسف علیہ السلام کے دل میں کسی قسم کی رغبت و  
میلان کا پانا یا جانہ عصمت کے منافی ہے نہ ان کے مرتبہ کو گھٹاتا ہے۔ بلکہ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ اگر بندہ کا میلان کسی برائی کی طرف ہوا  
لیکن اس پر عمل نہ کیا تو اس کے فرد حیات میں ایک نیکی بھی جاتی ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ اس نے (باوجود رغبت میلان) میرے خوف سے اس برائی کو ہاتھ نہ



السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ ط إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴿۱۳﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ

ہم اس سے برائی اور بے حیائی البتہ وہ ہے ہمارے برگزیدہ بندوں میں فی اور دونوں دوڑنے دروازے کو اور عورت نے چیر ڈالا اس کا کردہ اس سے برائی اور بے حیائی۔ البتہ وہ ہے ہمارے چنے بندوں میں۔ اور دونوں دوڑے دروازے کو، اور عورت نے چیر ڈالا اس کا کردہ

مِنْ دُبُرٍ وَالْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ط قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ

پچھے سے اور دونوں مل گئے عورت کے خاوند سے دروازے کے پاس فی بولی اور کچھ سزا نہیں ایسے شخص کی جو چاہے تیرے گھر میں برائی مگر یہی کہ پچھے سے، اور دونوں مل گئے عورت کے خاوند سے دروازے پاس، بولی، کچھ سزا نہیں ایسے شخص کی جو چاہے تیرے گھر میں برائی، مگر یہی کہ

يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۴﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدْتَنِي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا ؕ

قید میں ڈالا جائے یا عذاب دردناک فی یوسف بولا اسی نے خواہش کی مجھ سے کہ نہ تھا مولیٰ اپنے جی کو اور گواہی دی ایک گواہ نے عورت کے لوگوں میں سے فی قید پڑے یا دکھ کی مار۔ یوسف بولا، اسی نے خواہش کی مجھ سے، کہ نہ تھا مولیٰ اپنا جی، اور گواہی دی ایک گواہ نے، عورت کے لوگوں میں سے۔

إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قَبْلِ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِينَ ﴿۱۵﴾ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ

اگر ہے کرتہ اس کا پھٹا آگے سے تو عورت سچی ہے اور وہ ہے جھوٹا اور اگر ہے کرتا اس کا پھٹا اگر ہے اس کا کرتہ پھٹا آگے سے تو عورت سچی ہے اور وہ ہے جھوٹا۔ اور اگر ہے اس کا کرتہ پھٹا

= لگا۔ بہر حال باوجود اشتراک لفظی کے زینما کے "ہم" اور یوسف کے "ہم" میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔ اس لیے قرآن کریم نے "ہم" کو ایک ہی لفظ میں جمع نہیں کیا اور نہ زینما کے "ہم" پر "لام" اور "قد" داخل کیا گیا۔ بلکہ سیاق و سباق میں بہت سے دلائل یوسف علیہ السلام کی طہارت و نزاہت پر قائم فرمائیں جو غور کرنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ تفصیل "روح المعانی" اور "کبیر" وغیرہ میں موجود ہے۔

فی "برہان" دلیل و حجت کو کہتے ہیں یعنی اگر یوسف علیہ السلام اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے تو طبی میلان پر پل پڑتے۔ دلیل کیا تھی؟ زنانی حرمت و شامت کا وہ بین الیقین جو حق تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا۔ یا وہ ہی دلیل جو خود انہوں نے زینما کے مقابلہ میں ﴿إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَقْوَلًا إِنَّهُ لَا يُلْفِخُ الظَّالِمُونَ﴾ کہہ کر پیش کی۔ بعض کہتے ہیں کہ خدا کی قدرت سے اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام نظر آئے کہ انکی دانتوں میں دہائے سانسے کھڑے ہیں۔ بعض نے کہا کہ کوئی طبی تحریر نظر پڑی جس میں اس فعل سے روکا گیا۔ واللہ اعلم۔

فی یعنی یہ برہان دکھانا اور ایسی طرح ثابت قدم رکھنا اس لیے تھا کہ یوسف علیہ السلام ہمارے برگزیدہ بندوں میں ہیں۔ لہذا کوئی چھوٹی بڑی برائی خواہ ارادہ کے درجہ میں ہو یا عمل کے، ان تک نہ پہنچ سکے۔

فی آگے یوسف علیہ السلام تھے کہ جلدی دروازہ کھول کر نکل جائیں۔ اور پچھے زینما انھیں روکنے کے لیے تعاقب کر رہی تھیں۔ اتفاقاً یوسف علیہ السلام کے قمیص کا پکھلا حصہ زینما کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس نے پکڑ کر کھینچنا چاہا۔ کھینچتا ہی میں کرتہ پھٹ گیا۔ مگر یوسف علیہ السلام جوں توں کر کے مکان سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ادھر یہ دونوں آگے پچھے دروازہ پر پہنچے، ادھر عورت کا خاوند عزیز مصر بھی پہنچ گیا۔ عورت نے فوراً بات بنانی شروع کی۔

فی عورت نے الزام یوسف علیہ السلام پر رکھا کہ اس نے مجھ سے برادارہ کیا۔ ایسے شخص کی سزا یہ ہونی چاہیے کہ جیل خانہ بھیجا جائے یا کوئی اور سخت مار پڑے۔ فی اب یوسف علیہ السلام کو واقعہ ظاہر کرنا پڑا کہ عورت نے میرے نفس کو بے قابو کرنا چاہا۔ میں نے بھاگ کر جان بچائی۔ یہ جھگڑا بھی پل رہا تھا کہ خود عورت کے خاندان کا ایک گواہ عجیب طریقہ سے یوسف علیہ السلام کے حق میں گواہی دینے لگا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیر خوار بچہ تھا جو خدا کی قدرت سے حضرت یوسف علیہ السلام کی برادرت و دجاہت عند اللہ ظاہر کرنے کو بول پڑا۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ بچہ انیس کوئی مرد دانا تھا جس نے ایسی پتہ کی بات کہی۔ واللہ اعلم۔

دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا رَا قَمِيصَهُ قَدْ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهُ مِنْ

بچھے سے تو یہ جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے پھر جب دیکھا عزیز نے کہ اس کا پھٹا ہوا پیچھے سے کہا بیشک یہ ایک فریب ہے تم عورتوں کا البتہ پیچھے سے، تو یہ جھوٹی اور وہ سچا ہے۔ پھر جب دیکھا عزیز نے کہ اس کا پھٹا پیچھے سے، کہا، بے شک یہ ایک فریب ہے

كَيْدٍ كُنَّ ط اِنَّ كَيْدَ كُنَّ عَظِيْمًا ﴿۷۶﴾ يُوْسُفُ اَعْرَضَ عَنِ هٰذَا لِئَن يَتَذَكَّرَ لِنَفْسِهِ اِنَّهٗ كَانَ

تمہارا فریب بڑا ہے یوسف جانے دے اس ذکر کو اور عورت تو بخشوا اپنا گناہ عورتوں کا۔ البتہ تمہارا فریب بڑا ہے۔ یوسف! جانے دے یہ مذکور، اور عورت! تو بخشوا اپنا گناہ۔

اِنَّكَ كُنْتَ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ ﴿۷۷﴾

بیشک تو ہی گناہ گار تھی ذرا

یقین ہے کہ تو ہی گناہ گار تھی۔

ذکر الطاف و عنایات خداوندی

با یوسف صدیق علیہ السلام و قصہ او بازان عزیز مصر

قَالَ الَّذِي نَادَى: ﴿وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِّصْرَ... اِلَى... اِنَّكَ كُنْتَ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ﴾

رابطہ:..... آغاز سورت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ارادہ خداوندی یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کو اپنا برگزیدہ بندہ بنائے اور علم تعبیر ان کو سکھائے اور ان کے آباء و اجداد کی طرح ان پر اپنی نعمتیں پوری کرے بعد ازاں بھائیوں کا ماجرا ذکر کیا کہ بھائی کو لے جا کر کنوئیں میں ڈالا اور غلام بنا کر گنتی کے دراہم میں فروخت کر دیا۔ اب ان آیات میں حق جل شانہ اپنے الطاف و عنایات کا ذکر کرتے ہیں کہ ہم نے اپنی رحمت سے یوسف علیہ السلام کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ زندان چاہے نکال کر قصر شاہی میں پہنچایا تاکہ شہزادوں کی طرح ناز و نعم میں پلیں۔ ﴿اَوْ نَجْعَلُكَ وَوَلَدًا﴾ اور وزیر اعظم کے گھر میں رہ کر سلطنت کے رموز اور

قرآن اگر گواہ شہر خوار پچھ تھا جیسا کہ بعض معتبر روایات میں ہے تب تو اس کا بولنا اور ایسی گواہی دینا جو انجام کار یوسف کے حق میں مفید ہو، خود مستقل دلیل یوسف علیہ السلام کی سچائی کی تھی۔ کہہ آگے یا پیچھے سے پھٹا ہونا شہادت سے زائد بطور ایک علامت اور قرینہ کے سمجھنا چاہیے۔ اور اگر گواہ کوئی مرد دانا تھا تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خارجی طریقہ سے حقیقت حال پر مطلع ہو چکا تھا مگر اس نے نہایت دانائی سے ایسے پیرایہ میں شہادت دی جو دعائے کسی کی جانبداری پر بھی معمول نہ ہو اور آخر کار یوسف علیہ السلام کی برائت ثابت کر دے۔ جو پیرایہ اظہار واقعہ کا اس نے اختیار کیا وہ غیر جانبداروں کے نزدیک نہایت معقول تھا۔ کیونکہ اگر عورت کے دعوے کے موافق یوسف علیہ السلام نے (معاذ اللہ) اس کی طرف اقدام کیا تو ان کا چہرہ عورت کی طرف ہو گا تو ظاہر ہے کہ تشکیک میں کہہ نہ سکتے تھے اور اگر یوسف علیہ السلام کا کہنا صحیح ہے کہ عورت مجھ کو اپنی طرف بلائی تھی میں دروازہ کی طرف بھاگا، اس نے پکڑنے کے لیے میرا تعاقب کیا تو کھلی ہوئی بات ہے کہ کہہ پیچھے سے پھٹا ہو گا کیونکہ اس صورت میں یوسف علیہ السلام اس کی طرف متوجہ نہیں تھے بلکہ ادھر سے پیٹھ پھیر کر بھاگ رہے تھے۔ بہر حال جب دیکھا گیا کہ کہہ آگے سے نہیں پیچھے سے پھٹا ہے۔ تو عزیز نے سمجھ لیا کہ یہ سب عورت کا مکرو فریب ہے، یوسف علیہ السلام قصور دار نہیں۔ چنانچہ اس نے صاف کہہ دیا کہ زینحائی پر فریب کار روانی اسی قسم کی ہے جو عموماً عورتیں کیا کرتی ہیں۔ اس نے یوسف علیہ السلام سے استدعا کی کہ جو ہونا تھا ہو چکا آئندہ اس کا ذکر مت کر دو کہ سخت رسوائی اور بدنامی کا موجب ہے۔ اور عورت کو کہا کہ یوسف علیہ السلام سے یا خدا سے اپنے قصور کی معافی مانگ، یقیناً قصور تیرا ہی تھا۔

اشاروں کو سمجھیں۔

- ۱- اس دوران میں ایک ابتلاء پیش آیا کہ عزیز مصر کی بیوی نے ان کے دامن عصمت کو داغدار کرنا چاہا مگر یوسف علیہ السلام اس کی طرف مائل نہ ہوئے اور عفت و نزاہت میں نمونہ ملائکہ ثابت ہوئے۔ ﴿مَا هَذَا بَشَرًا ۖ اِنْ هَذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ﴾
- ۲- اس کے بعد جیل خانہ کا ابتلاء پیش آیا جس میں پہنچ کر ﴿وَلِنُعَلِّمَهُۥ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيثِ﴾ کا جلوہ نمودار ہوا۔
- ۳- پھر جیل خانہ سے رہائی کے بعد عزیز مصر بنے اس وقت انبیاء اور صدیقین کا سازہد ظاہر ہوا کہ مصر کے خزانہ یوسف صدیق علیہ السلام کے ہاتھ میں ہیں اور زندگی فقیرانہ اور درویشانہ تھی۔

۴- پھر سلطنت پر قحط سالی کا دور آیا جس کا انتقام پہلے ہی سے رویا کے ذریعے بتلادیا گیا۔

- ۵- پھر آخر دی بھائی جنہوں نے کنوئیں میں ڈالا تھا اور غلام بنا کر درراہم معدودہ میں فروخت کیا تھا یوسف علیہ السلام کی خدمت میں غلہ لینے کے لیے آئے تو ایک نے دوسرے کو پہچان لیا اور یوسف علیہ السلام نے اس وقت بھائیوں کی گزشتہ بیوفائیوں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ بلکہ مدارات اور احسان اور تواضع میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا یہ بھی ایک عظیم ابتلاء کا وقت تھا۔ ممکن تھا کہ طبیعت بشریہ اگر انتقام پر آمادہ نہ ہوتی تو شکوہ شکایت سے تو گریز نہ کرتی مگر پیغمبرانہ اور صدیقانہ حلم اور کرم نے اس وقت زبان سے ﴿لَا تَقْرَبْ عَلَیْكُمْ الْیَوْمَ ۙ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ نکلوا یا۔ اب اس تمہید کے بعد آیات کی تفسیر پڑھے۔ اور قافلہ والے یوسف علیہ السلام کو بھائیوں سے خرید کر مصر لے گئے اور فروخت کرنے کے لئے ان کو بازار میں کھڑا کر دیا۔ اس بے مثال حسن و جمال کو دیکھ کر دنیا حیران رہ گئی۔

آراستہ آں یار با زار برآمد فریاد و فغاں از در دیوار برآمد

خریدار قیمت بڑھانے لگے نوبت بایں رسید کہ یوسف علیہ السلام کے برابر تول کر سونا اور چاندی اور مشک و دیباچ دینے پر تیار ہوئے عزیز مصر نے بیش بہا قیمت دے کر ان کو خرید لیا یہ عزیز، مصر کے تمام خزانوں کا مالک تھا اور بادشاہ مصر کا بہت مقرب تھا اس کا نام قطفیر تھا اور اس کی بی بی کا نام زلیخا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام راعیل تھا۔ خرید کر یوسف علیہ السلام کو گھر لے گیا اور اہل مصر میں سے جس شخص نے ان کو خریدا یعنی عزیز مصر نے۔ اس لیے ان کو اپنے ساتھ لاکر اپنی بیوی کے سپرد کیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ اس کا ٹھکانا اچھا کرنا۔ یعنی عزت و حرمت کیساتھ رکھنا غلام کی طرح اس کو نہ رکھنا شاہد یہ ہم کو نفع پہنچا دے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں یہ لڑکا بڑا ہونہار معلوم ہوتا ہے۔ جب اولاد نہیں تو اس کو بیٹا بنالیں گے۔ عزیز مصر لا ولد تھا اس لیے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم یوسف علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنالیں گے اس لئے کہ فہم و فراست کے آثار یوسف علیہ السلام کے چہرے سے نمایاں تھے۔ نفع پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ امور سلطنت میں ہمارا معین و مددگار بنے، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں سب سے زیادہ صاحب فراست تین شخص گزرے ہیں اول عزیز مصر جس نے یوسف علیہ السلام کو دیکھتے ہی تاڑ لیا اور ان کی فہم و فراست کا اندازہ لگا لیا اور اپنی بیوی سے کہا ﴿اگر میں مٹو نہ عسیٰ اَنْ یُنْفَعَنَّا اَوْ نَنْفَعَهُ وَ لَئِیۡ﴾

دوم حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی جس نے موسیٰ علیہ السلام کی قوت و امانت کو دیکھ کر اپنے باپ کو یہ مشورہ دیا ﴿یَا اَبَتِی اسْتَاْجِرْ لَیۡ اِنْ خَیَّرْتُمْ مِّنْ اَسْتَاْجِرْتَ الْقَوِیۡۃَ الْاِمِیۡنِ﴾۔ اے باپ ان کو نوکر رکھ لیجئے۔ بہترین شخص جس کو نوکر رکھا جائے

وہ ہے کہ جو صاحب قوت اور صاحب امانت ہو۔ سوئم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فہم و فراست کا اندازہ لگا لیا اور اپنے بعد ان کو اپنا جانشین بنایا۔ اور اسی طرح ہم نے رفتہ رفتہ یوسف علیہ السلام کو زمین مصر میں جمایا اور اس ملک میں ان کے قدم جمائے یعنی جس طرح ہم نے ان کو قتل اور کنوئیں سے نجات دی اور عزیز کے دل میں ان کی محبت ڈالی اسی طرح ہم نے ان کو عزت اور کرامت کی جگہ دی اور عزت کے بلند مقام تک ان کو پہنچایا تاکہ ہم ان کو خوابوں کی تعبیر سکھلائیں۔ مطلب یہ ہے کہ نجات دینے سے مقصد یہ تھا کہ ظاہری عزت و رفعت کے ساتھ علم تعبیر کی دولت سے بھی نوازیں کیونکہ روئے صالح مبادی نبوت میں سے ہیں جو امور غیبیہ اور اسرار الہیہ کے انکشاف کا ذریعہ ہیں جس سے آئندہ واقعات کا علم ہوتا ہے پس علم تعبیر کے ذریعہ سے وہ آئندہ پیش آنے والے واقعات و حوادث کا پیش آنے سے پہلے انتقام سوچ لیں چنانچہ یہی علم تعبیر جبل خانہ سے نکلنے کا ذریعہ بنا۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اپنے کام اور ارادہ میں کوئی اس کے ارادہ کو روک نہیں سکتا لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں کہ اللہ کا ارادہ کیا ہے اور وہ کس طرح پورا ہوگا۔ بھائیوں نے ان کی ذلت کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت و رفعت کا ارادہ کیا اور ان کو خوابوں کی تعبیر سکھائی اور اس علم کا ظہور جبل خانہ میں ہوا۔

جبکہ ساقی نے رہائی کے بعد بادشاہ سے یوسف علیہ السلام کے تعبیر خواب کا حال بیان کیا اور یہی علم تعبیر بادشاہ کے تقرب کا

ذریعہ بنا۔

کلمۃ:..... کمالات حقیقیہ دو ہیں ایک علم اور ایک قدرت اور ﴿وَلِنُعَلِّمَنَّهٗ مِنْ تَآوِيلِ الْآحَادِيثِ﴾ سے کمال علم کی طرف اشارہ ہے ﴿وَوَكَّلْنَاكَ مَكَّةَآ اِيُّوسُفَ﴾ سے صفت قدرت و مکت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو صفت علم اور صفت قدرت سے خاص طور پر نوازا اور جب یوسف علیہ السلام اپنی پوری جوانی کو پہنچے یعنی تو اے جسمانیہ و روحانیہ کے اعتبار سے حد کمال کو پہنچے تو ہم نے بلا کسی استاد اور معلم کے خاص علم و حکمت عطا کیا۔ اور حکمت سے مراد یا تو نبوت ہے یا وہ علم صحیح مراد ہے کہ جو انسان کو جہالت اور خطا سے اور نفس کو شہوات سے محفوظ رکھے۔ (زاد المسیر <sup>۱</sup> لابن الجوزی: ۳/۲۰۰)

اصطلاح شریعت میں حکمت اس علم صحیح کو کہتے ہیں جس کے ساتھ عمل صالح بھی مقرون ہو ورنہ وہ علم نہیں بلکہ

جہالت ہے (روح المعانی: ۱۲/۱۸۷)

اور بعض کہتے ہیں کہ عالم وہ ہے جو جانتا ہو اور حکیم وہ ہے جو مقتضائے علم پر چلتا ہو اور اسی طرح ہم نیکو کاروں کو انعام اور جزاء دیتے ہیں۔ جو صدق اور اخلاص کے ساتھ اللہ کی اس طرح عبادت کرتے ہوں گویا کہ وہ اللہ کو دیکھ رہے ہیں یعنی جس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو علم اور حکمت اور ظاہری عزت و رفعت سے نوازا اسی طرح ہم دیگر محسنین کو اپنی نعمتوں سے نوازتے ہیں معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام کو اس وقت مقام احسان یعنی مقام ان تعبد اللہ کانک تراہ حاصل تھا اور اللہ کا یہ احسان ان کے اس احسان کی جزاء تھی (بعد ازاں ایک ابتلاء پیش آیا)

① قال اللغويون الحكم عند العرب ما يصرف عن الجهل، والخطاء ويمنع منها ويرد النفس عما يشينها ويعود عليها بالضرر ومنه حكمت الدابة واصل الحكمة معى اللغة المنع وسى الحاكم حاكما لانه يصنع عن الظلم والزيغ۔ (زاد المسير: ۳/۲۰۰)

اور اس عزت و کرامت اور عطاء علم و حکمت کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک ابتلاء پیش آیا جس سے یوسف علیہ السلام کی کمال عفت و عصمت اور کمال تقویٰ اور نزاہت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی ایک طرف تو الطاف ربانیہ سے ان کی تربیت ہو رہی تھی اور دوسری طرف عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے ان کے سامنے ایک نہایت مزملہ الاقدام موقع امتحان و آزمائش کھڑا کر دیا۔ یعنی زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر مفتون ہو گئی اور جس عورت کے گھر میں یوسف علیہ السلام رہتے تھے۔ یعنی زلیخا، عزیز مصر کی بیوی جو ہر وقت ان کے حسن و جمال کو دیکھتی تھی، بالآخر ان پر فریفتہ ہو گئی اس نے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے یوسف علیہ السلام کو پھیلانا چاہا کہ وہ مقام عفت و نزاہت سے پھسل کر زلیخا کی طرف مائل ہو جائیں۔ بہر حال زلیخا کا مقصد یہ تھا کہ یوسف علیہ السلام کو ان کی ذات سے ہٹا دے اور پھسلادے اور سب دروازے بند کر دیئے کہ یوسف علیہ السلام کہیں نکل کر بھاگ نہ جائیں۔ اور اس کے بعد بولی ادھر آ جا میں تجھ ہی کو کہہ رہی ہوں یوسف علیہ السلام نے جب یہ حال دیکھا کہ بھاگنے کے لیے راستہ ہی نظر نہیں آتا تو گھبرا کر (اول) تو یہ کہا کہ خدا کی پناہ۔ اللہ مجھے اس کام سے پناہ دے جس کی طرف تو مجھے بلاتی ہے جس کی قباحت اور شاعت میں کوئی شبہ نہیں (دوم) یہ کہ بے شک وہ شخص جس نے مجھے خریدا ہے یعنی تیرا شوہر وہ میرا ربی اور محسن ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا اس کے احسان کے بدلہ میں میں اس سے برائی نہیں کر سکتا۔ ولی نعمت کے حق نعمت کی رعایت عقلاً و شرعاً فرض اور لازم ہے اس لیے میں اس کے حرم میں خیانت کے ساتھ دست درازی نہیں کر سکتا۔ (سوم) یہ کہ ظالم لوگ یعنی جو لوگ حق کو نہ پہچانیں اور نیکی کے بدلہ بدی کریں وہ فلاح نہیں پاتے پس اگر معاذ اللہ میں بھی ایسا کروں تو ظالم ٹھہروں گا اور فلاح نہ پاؤں گا۔ لہذا تجھ کو بھی چاہئے کہ اس برے کام سے بھاگ کر اللہ کی پناہ میں داخل ہو جا اور سمجھ لے کہ زنا اپنے اوپر بھی ظلم ہے اور شوہر پر بھی ظلم ہے۔

ناظرین کرام نے ان آیات سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اگر زلیخا پر فطرت بشری اور نفس امارہ کا غلبہ تھا تو یوسف علیہ السلام پر خدا داد علم و حکمت اور پیغمبرانہ عصمت و نزاہت کا غلبہ تھا۔ خود بھی اس برائی سے محفوظ ہیں اور اس کو بھی وعظ و نصیحت فرما رہے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ زلیخا نے تو جال ہی بچھا ڈالا ہے تو گھبرا کر معاذ اللہ کہا اور اللہ کی پناہ میں داخل ہو گئے اور جس نے خدا کی پناہ لی اس پر کس کا وار چل سکتا ہے۔ اور پھر یہ فرمایا۔ ﴿اِنَّهُ رَبِّيْ اَحْسَنُ مَعُوْدِيْ﴾ اور پھر یہ فرمایا ﴿اِنَّهُ لَا يَفْلِحُ الظَّالِمُوْنَ﴾۔

ناظرین غور فرمائیں کہ دلائل یوسفی کی یہ ترتیب بھی یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کا ایک نمونہ ہے دلائل کی یہ ترتیب غایت درجہ مستحسن ہے اب آگے پھر حضرت یوسف علیہ السلام کی کمال عفت کا بیان ہے اور البتہ تحقیق فکر کی اس عورت نے یوسف علیہ السلام کو پھانسنے کی۔ اور یوسف علیہ السلام نے فکر کی اس کے دفع کرنے کی اور اپنے سے ہٹانے کی اور وہاں سے بھاگنے اور اس کے جال سے نکلنے کی۔ اگر یوسف علیہ السلام نے اپنے پروردگار کی دلیل اور حجت کو اور اپنے رب کریم کی عظمت اور کبریائی کو نہ دیکھا ہوتا تو ایسے وقت میں ثابت قدم رہنا بہت مشکل تھا کیونکہ اسباب اور دواعی سب موجود تھے اور مانع کوئی موجود

● ہٹا دینا یہ ترجمہ عن نفس میں کلمہ عن کا ہے کیونکہ لفظ عن کلام عرب میں مجاوزت کے لیے آتا ہے۔

● اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿لَوْ لَا اَنْ رَّا بَوَّاهَانَ رَهْمًا﴾ جس جزاء مخدوف ہے وہ یہ ہے جو ذکر کی گئی ہے، منہ عفا اللہ عنہ۔

نہ تھا مگر جس نے خدا کی حجت اور دلیل کو دیکھ لیا ہو اور زنا اور بدکاری کی قباحت اور شامت اس پر روز روشن کی طرح واضح ہو اور خدا کی عظمت اور جلال اس کے سامنے ہو وہ نفس اور شیطان کے جال میں کہاں پھنس سکتا ہے جس پر خدا کی دلیل اور برہان سے زنا کی حرمت اور شامت منکشف ہو جائے وہ برے کام سے متنفر اور بیزار ہو کر اسی طرح بھاگتا ہے۔ دیکھ لو اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو اپنی برہان دکھلائی اور اپنی پناہ میں لے لیا۔ تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں یعنی جو برائی اور بے حیائی یوسف علیہ السلام کے پاس آنا چاہتی ہے ہم اس کو یوسف علیہ السلام کے قریب بھی نہ آنے دیں تاکہ اس کے دامنِ عفت و عصمت پر کوئی دھبہ نہ لگ جائے کیونکہ وہ بلاشبہ ہمارے ان معصوم اور مخلص بندوں میں سے ہیں جن پر شیطان کا قابو نہیں چلتا اور دوسری جگہ اس طرح آیا ہے ﴿فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿۱۰﴾ اس آیت میں شیطان کے اقرار کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے یہ اعتراف کیا کہ اس کے لیے خدائے تعالیٰ کے عبادِ مخلصین کا انغواء ممکن نہ ہوگا اور یوسف علیہ السلام بھی خدا کے مخلصین میں سے ہیں اصطلاح قرآن میں عبادِ مخلصین خدا کے ان چیدہ اور برگزیدہ بندوں کا کہا جاتا ہے کہ جو خالص اللہ اور آخرت کے ہو گئے ہوں اور نفس اور شیطان کا کوئی شائبہ ان میں باقی نہ رہا ہو کما قال تعالیٰ ﴿وَأُوَادُّكُمْ عِبَدَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولَى الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ﴾ ۱۰ ﴿إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذُكِّرَى الدَّارِ﴾ ۱۱ ﴿وَأَنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ الْمُضْطَلَّقِينَ الْأَخْيَارِ﴾ یہ آیت حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے حق میں ہے اور زیر تفسیر آیت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہے جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی اولاد میں سے ہیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ابراہیم اور اسحاق علیہم السلام کی طرح عبادِ مخلصین میں شمار فرمایا ہے۔ پس صاف ظاہر ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام نے کسی سوء اور فحشاء کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں فرمایا تھا وہ اللہ کے عبادِ مخلصین میں سے تھے جس پر نفس اور شیطان کا کوئی حربہ کارگر نہیں ہوتا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو عبادِ مخلصین میں اور اس سے پہلے ان کو عبادِ مخلصین میں سے فرمایا۔ اس قسم کے تمام اوصاف مدح یوسف علیہ السلام کی عصمت کے دلائل ہیں معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام ہر گناہ سے پاک اور بری رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس واقعہ میں یوسف علیہ السلام سے کوئی کلمہ تو بہ اور استغفار کا منقول نہیں یہ ناممکن ہے کہ نبی اور صدیق سے کوئی امر خلاف اولیٰ سرزد ہو اور وہ تو بہ اور استغفار نہ کرے اور ﴿لَوْلَا أَن رَّا بُوْهَانَ رَبِّهِ﴾ کے بعد حق تعالیٰ شانہ کا یہ فرمانا ﴿لِيَتَضَرَّفَ بِنُورِهِ الشُّوْءَ وَالْفَحْشَاءَ﴾ تاکہ ہم یوسف علیہ السلام سے سوء اور فحشاء کو دور رکھیں یہ اس امر کی دلیل ہے کہ سوء اور فحشاء یوسف علیہ السلام کی طرف آنا چاہتے تھے اللہ نے سوء کو دور رکھا اور یوسف علیہ السلام کے پاس نہ آنے دیا۔ معاذ اللہ یوسف علیہ السلام سوء اور فحشاء کی طرف مائل نہ تھے ورنہ اس طرح فرماتے لنصرفه عن السوء والفحشاء۔ کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو سوء اور فحشاء سے دور رکھا اور یوسف علیہ السلام کو سوء اور فحشاء کے پاس جانے سے باز رکھا۔ پس یہ تعبیر اس امر کی صریح دلیل ہے کہ سوء اور فحشاء چل کر یوسف علیہ السلام کی طرف آنا چاہتے تھے معاذ اللہ یوسف علیہ السلام سوء اور فحشاء کی طرف نہیں جا رہے تھے جو کسی کی طرف ناجائز قدم اٹھانے اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس کو آنے سے اور اندر داخل ہونے سے روک دیا گیا ہے پس خوب سمجھ لو کہ سوء اور فحشاء یوسف صدیق علیہ السلام کی بارگاہِ عفت و عصمت کی طرف قدم اٹھانا چاہتا تھا خداوند قدوس نے ان کو آنے سے روک دیا معاذ اللہ اگر یوسف علیہ السلام صدیق کے ارادہ میں کوئی حرکت ہوتی تو یوں فرماتے کہ ہم نے

یوسف علیہ السلام کو سوء اور فحشاء کی طرف جانے سے روک دیا پس یہ آیت اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ یوسف علیہ السلام نے کسی سوء اور فحشاء کا قصد نہیں کیا اس لیے کہ برے کام کا ہم اور قصد بھی سوء اور فحشاء ہے اور اس آیت میں یہ تبادا یا کہ اللہ کریم نے سوء اور فحشاء کو یوسف علیہ السلام سے دور رکھا۔ اور علیٰ ہذا شروع آیت میں یہ فرمانا کہ ﴿وَرَاوَدْتُهُ الْبَغِيضَ هُوِيًّا بِيَّتِيهَا عَنْ نَفْسِهِ﴾۔ یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ یوسف علیہ السلام کا ارادہ امرأۃ العزیز کے ارادہ سے مختلف تھا کیونکہ مرادوت۔ باب مفاعلت کا صیغہ ماضی ہے جس کا مصدر مرادوت ہے بروزن مقاتلت اور مضاربت اور تمام کتب لغت اور صرف میں یہ تصریح ہے کہ باب مفاعلت مقابلہ اور مشارکت کے لیے آتا ہے مقاتلت کے معنی قتل میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا اور مضاربت کے معنی ضرب میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا مخادعت ایک دوسرے کو دھوکہ دینا اور اسی طرح مرادوت کے معنی سمجھو کہ جو ”رود“ بمعنی طلب سے مشتق ہے کہ طلب اور ارادہ میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا ایک طرفہ طلب کا نام ارادہ ہے جب طلب اور خواہش میں دو طرفہ مقابلہ ہو تو لغت میں اس کا نام مرادوت ہے تو لفظ ”راودتنی“ خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں کی طلب مختلف تھی۔ طلب اور خواہش میں دونوں کا مقابلہ شروع ہوا۔ یوسف علیہ السلام کی طلب اور تھی اور زلیخا کی طلب اور تھی۔ زلیخا یہ چاہتی تھی کہ یوسف علیہ السلام کو پھسلا کر اس کی ذات قدسی صفات سے ہٹا کر اپنی طرف کھینچ لے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿سَلَوُا وُدَّ عَفْوَ آبَائِهِ﴾۔ اس آیت میں صاف ظاہر ہے کہ باپ کی طلب سے مختلف تھی۔ اور ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ. وَهَمَّ بِهَا﴾ کا لفظ بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ کہ امرأت العزیز اور یوسف علیہ السلام دونوں کا فکر اور ہم بالکل ایک دوسرے سے مختلف اور جدا تھا ہر ایک کو اپنی اپنی فکر تھی۔ امرأت العزیز کو اپنے مطلب کی فکر تھی اور یوسف علیہ السلام صدیق کو اس کے دفعیہ کا فکر تھا حق جل شانہ نے امرأۃ العزیز کے ہم کو علیحدہ ذکر فرمایا۔ ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ. وَهَمَّ بِهَا﴾ فرمایا اور یہ نہیں فرمایا کہ ولقد ہما کہ دونوں نے قصد اور ارادہ کیا معلوم ہوا کہ دونوں کا قصد اور ارادہ ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ قرآن کریم میں ہے۔ ﴿وَمَكْرُؤًا وَّمَكْرًا لِلَّهِ﴾ ﴿وَمَكْرُؤًا مَّكْرًا﴾ ﴿وَمَكْرًا مَّكْرًا﴾ ﴿وَمَكْرًا مَّكْرًا﴾۔

ان آیات میں حق تعالیٰ نے کافروں کے مکرو کید کو علیحدہ ذکر فرمایا ہے اور کید ایک قسم کے نہ تھے اسی طرح یہاں سمجھو کہ ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ. وَهَمَّ بِهَا﴾ کا مطلب یہ ہے کہ زلیخا نے اپنے مطلب کی فکر کی اور یوسف علیہ السلام نے اس کے مقابلہ اور دفع کی فکر کی ہے ہر ایک کا ہم دوسرے سے مختلف اور جدا تھا۔ چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ روحانی اور کشفی طور پر حضرت یوسف علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قصہ میں یہ فرمایا ہے ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ. وَهَمَّ بِهَا﴾ اور اس ہم کی کوئی تعین نہیں فرمائی بظاہر اشتراک معلوم ہوتا ہے یوسف علیہ السلام نے جواب میں یہ فرمایا۔

نعم صدقت لكن في اللفظ دون المعنى فانها همت بي فتعمدني على ما كانت ارادت مني وهمت انا بها لا قهرها بالدفع عن ذلك فالاشتراك في طلب القهر مني و منها۔

ہاں تو نے سچ کہا لیکن وہ اشتراک صرف لفظ میں ہے نہ کہ معنی میں اس نے یہ ارادہ کیا کہ مجھے اپنے مطلب

پر مجبور کرے اور میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں اسکے دفع کرنے میں غالب آ جاؤں پس اشتراک طلب قہر اور غلبہ میں ہے مگر ہر ایک کا مقصد اور مطلب الگ الگ اور جدا جدا ہے۔

اور فرمایا کہ دلیل اس کی یہ ہے کہ خود امراة العزیز نے اقرار کیا ﴿الَّذِي حَصَّصَ الْحَقُّ لَكَ زَاوِدَهُ عَنْ نَفْسِهِ﴾ اور میرے قصہ میں کسی جگہ قرآن میں یہ نہیں آیا کہ انا راودتها عن نفسها اور یہ فرمایا کہ میں کیسے اس کا ارادہ کرتا اللہ نے مجھے اپنی برہان دکھلائی۔ (دیکھو۔ ایواقیت والجواہر: ۲/۱۳)

نیز انبیاء کرام سے اگر ذرا بھی بھول چوک ہو جاتی ہے تو اس کو اتنا عظیم سمجھتے ہیں کہ سالہا سال تک توبہ استغفار میں لگے رہتے ہیں اور اس واقعہ میں حضرت یوسف علیہ السلام سے ایک لفظ توبہ واستغفار کا منقول نہیں ہوا کیونکہ اس واقعہ میں ان سے کوئی غلطی اور لغزش ظہور میں نہیں آئی۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر <sup>۱</sup> میں فرماتے ہیں کہ یہ تو ناممکن ہے کہ دونوں کا ہم اور قصد ایک ہی قسم کا ہو لہذا ضروری ہوا کہ ہر ایک کے ہم کو اس کے قصد پر محمول کیا جائے جو اس کے مناسب ہو پس عورت کے لائق یہ ہے کہ ﴿لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ﴾ میں اس کے قصد کو تحصیل لذت پر محمول کیا جائے اور ہم بہا میں خدا کے برگزیدہ بندہ کے ہم کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور دفع مصیبت کے ہم پر محمول کیا جائے۔ لہذا وہم بہا۔ کے معنی یہ ہونگے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے نفس سے اس امر قبیح کے دفع کرنے کا ارادہ فرمایا۔ (تفسیر کبیر: ۵/۱۲۲) اور اسی کے قریب قریب ابن انباری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جس کو ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اس کے مارنے اور دفع کرنے کا ارادہ فرمایا۔ مگر اللہ کریم کی برہان کو دیکھ کر خیال آیا کہ مارنا مناسب نہیں ورنہ زلیخان پر یہ الزام قائم کرے گی کہ اس نے مجھے اس لیے مارا تھا۔ (دیکھو زاد المسیر: ۳/۲۰۶)

اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ﴿وَوَهَّمَهَا لَوْلَا اَنْ رَّا بُوْهَانَ رَبِّهٖ﴾ کا جواب مقدم ہے جس سے آیت کا مطلب یہ ہو جاتا ہے کہ اگر وہ اپنے پروردگار کی برہان نہ دیکھ لیتے۔ تو وہ بھی ارادہ کر لیتے مگر چونکہ انہوں نے خدا کی برہان کو دیکھ لیا تھا اس لیے ارادہ بھی نہیں کیا جیسا کہ ﴿اِنَّ كَاذِبًا لَّكُنْتُمْ بِهٖ لَوْلَا اَنْ رَّبَطْنَا﴾ میں جواب ﴿لَوْلَا﴾ مقدم ہے اور ﴿اِنَّ كَاذِبًا لَّكُنْتُمْ بِهٖ لَوْلَا اَنْ رَّبَطْنَا﴾ میں بھی ﴿لَوْلَا﴾ کا جواب مقدم ہے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ہم کے معنی قصہ اور ارادہ کے نہیں مگر محض خیال آجانے کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ بمقتضائے بشریت دل میں بے اختیار خیال آیا مگر انہوں نے خدا کی برہان دیکھ کر اس پر عمل نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بالکل یہ محفوظ رکھا۔

جیسے روزہ دار کو گرمی میں بے اختیار پانی کا خیال آجاتا ہے مگر وہ پانی پیتا نہیں اسی طرح سمجھو کہ یوسف علیہ السلام کے دل میں اگر ایسا خیال آیا تو وہ محض غیر اختیاری خطرہ کے درجہ میں تھا عزم کے درجہ میں نہ تھا اس لیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اس بات سے قطعاً معصوم ہیں کہ وہ معصیت کا عزم کریں اور اسی قول کو عامہ مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ (زاد المسیر: ۳/۲۰۳)

۱ قال الامام المراد انه عليه السلام هم بدفعها عن نفسه ومنعها عن ذلك القبيح لان الهم هو القصد فوجب ان يحمل في كل احد على القصد الذي يليق به فاللائق بالمرأة القصد الى تحصيل اللذة والنعيم والجمع واللاق بالرسول المبعوث الى الخلق القصد الى زجر المعاصي عن معصيتهم والامر بالمعروف والنهي عن المنكر۔ (تفسیر کبیر: ۵/۱۲۲)



اور بعض مفسرین نے جو اس بارے میں نازیبا واقعات نقل کیے ہیں وہ سب قطعاً غلط ہیں اور آیت کے سیاق و سباق کے بالکل خلاف ہیں کیونکہ قصہ کا تمام سیاق و سباق حضرت یوسف علیہ السلام کی مدح اور منقبت اور ان کی کمال عفت و عصمت کے بیان سے بھرا پڑا ہے اور قرآن کریم کی آیات خود اس کی تکذیب و تردید کے لیے کافی ہیں۔

بالآخر جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ حال دیکھا تو جان بچا کر بھاگنے کا ارادہ کیا ﴿فَقَرَّبَهُ إِلَى اللَّهِ﴾ زلیخا ان کے پیچھے دوڑی اور اس طرح آگے پیچھے دونوں دروازے کی طرف دوڑے یوسف علیہ السلام اپنے آپ کو معصیت سے بچانے کو دوڑے اور زلیخا ان کو پکڑنے کے لیے بھاگی اور ان کے کرتے کا پیچھے کا دامن اس کے ہاتھ میں آ گیا اور پیچھے کی جانب سے ان کا کرتہ چیر ڈالا۔ آگے آگے یوسف علیہ السلام تھے اور پیچھے پیچھے زلیخا تھی مگر یوسف علیہ السلام کسی طرح دروازے سے باہر نکل گئے اور جوں توں کر کے مکان سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ادھر یہ دونوں دروازہ پر پہنچے اور ادھر اتفاق سے دونوں نے عورت کے آقا یعنی شوہر کو دروازہ میں کھڑے پایا۔ زلیخا شوہر کو دیکھ کر بہت شرمندہ ہوئی معلوم نہیں کہ بند دروازہ کس طرح کھل گیا بعض کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے کھولنے سے کھل گیا اور بعض کہتے ہیں کہ خود بخود کھل گیا۔ پس جب عورت نے شوہر کو دروازے میں کھڑا پایا تو حقیقت کو چھپانے کے لیے اور فضیحت سے بچنے کے لیے اور اپنے کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے ایک مکر بنایا اور الٹا الزام یوسف علیہ السلام پر لگا دیا اور اپنے شوہر سے کہنے لگی کہ کیا سزا ہے اس شخص کی جو تیرے اہل خانہ کے ساتھ بدی کا تصور کرے اور تیری اہلیہ کو بے آبرو کرے یہ کہہ کر اس کو غصہ دلایا مگر یہی کہ ایک دو روز کے لیے اس کو جیل خانہ میں ڈال دیا جائے یا کوئی اور دکھ کی مادری جائے۔ عذاب الیم سے درد شدید مراد ہے جس سے تکلیف اور درد ہو۔ زلیخا نے قید اور تکلیف کا تو ذکر کیا مگر یہ نہ کہا کہ اس کو قتل کر دیا جائے اس لیے کہ اس کا دل قتل پر آمادہ نہ تھا اور مستقل قیدی بنانے پر بھی آمادہ نہ تھا بلکہ یہ چاہتی تھی کہ صرف دو تین دن کے لیے اس کو جیل خانہ بھیج دیا جائے۔ یوسف علیہ السلام نے کہا کہ یہ جو کچھ بطور تعریض میری طرف منسوب کر رہی ہے وہ بالکل جھوٹ ہے بلکہ معاملہ برعکس ہے خود اسی عورت نے مجھ سے خواہش کی اور مجھے بچھلایا اور بہلایا اور اسی نے جبراً و تہراً مجھ کو میرے نفس سے ہٹانا چاہا اور میں نے انکار کیا اور اس کے فتنہ سے اپنی جان بچانے کے لیے بے تحاشا بھاگا اور یہ میرے پیچھے لگی چلی آئی یہاں تک کہ جب میرے اوپر بس نہ چلا تو پیچھے سے میرا کرتہ کھینچا جو اس کھینچا تالی میں پھٹ گیا۔ یہ خواہش تو اس کی تھی۔ معاذ اللہ میری خواہش ہرگز ہرگز نہ تھی۔

زلیخا ہرچی گوید دروغ است      دروغ او چراغ بے فروغ است

یہ جواب سن کر عزیز مصر کو حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکی اور طہارت کا یقین واثق ہو گیا اور سمجھ گیا کہ یوسف علیہ السلام بالکل بے قصور ہیں سارا قصور اس کی بیہوشی کا ہے مگر باوجود اس کے حق تعالیٰ نے اتمام حجت کے لیے ایک ظاہری شہادت بھی پیدا فرما دی جو پردہ طیب سے ظاہر ہوئی اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ اسی عورت کے گھردالوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر یوسف علیہ السلام کا بھراہن آگے سے پھٹا ہے تو زلیخا سچ کہتی ہے اور یوسف علیہ السلام جھوٹوں میں سے ہے اس لیے کہ یہ صورت اس بات کی علامت ہے کہ زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو اپنے سے دلچ کرنے کا قصد کیا تو آگے سے الٹا بھراہن پھٹ گیا اور اگر یوسف علیہ السلام کا بھراہن پیچھے کی جانب سے پھٹا ہے تو زلیخا جھوٹ کہتی ہے اور یوسف علیہ السلام سچوں میں سے ہے اس لیے کہ یہ حالت

اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یوسف علیہ السلام تو اس سے بھاگنا چاہتے تھے اور زلیخا نے پیچھے سے آکر ان کو اپنی طرف کھینچنا چاہا اس لیے کرتے پیچھے کی جانب سے پھٹ گیا۔ اور روایات حدیث اور اقوال صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ گواہی دینے والا ایک شیر خوار بچہ تھا جس نے بطور مجزہ اور خرق عادت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح گہوارہ میں کلام کیا۔ اللہ کی قدرت سے وہ شیر خوار بچہ بولا۔ جس سے یوسف علیہ السلام کی براءت اور نزہت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی اور عزیز مصر کو یقین آ گیا کہ یوسف علیہ السلام سچے ہیں اور زلیخا جھوٹی ہے اس لیے اب عزیز مصر زلیخا کی طرف متوجہ ہوا اور غصہ میں آکر بولا کہ تحقیق بلاشبہ تم عورتوں کا ایک مکر اور حیلہ ہے اور بے شک تمہارا مکر بہت بڑا ہے بلاشبہ عورتوں کی چالاکیاں غضب کی ہوتی ہیں۔

حکایت: ..... کسی عالم کا قول ہے کہ میں شیطان سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا کہ عورتوں سے ڈرتا ہوں۔ عورتوں کا کید عظیم ہے اور شیطان کا کید ضعیف ہے۔ ﴿إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا﴾۔ نیز شیطان چوروں کی طرح چھپ کر مکر کرتا ہے اور عورت سامنے آکر مکر کرتی ہے پھر یوسف علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا اے یوسف علیہ السلام جو ہوتا تھا وہ ہو چکا اب آئندہ کے لیے اس بات سے درگزر کرو اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرو۔ عزیز مصر کا منشاء یہ تھا کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ تاکہ میری رسوائی نہ ہو۔ مگر قضاء و قدر نے اس کو ایسا مشہور کیا کہ ہر ایک گھر میں اس کا جرجہ چاہنے لگا۔ اور عزیز مصر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو اللہ سے اپنے گناہ کی معافی مانگ یا یہ معنی ہیں کہ تو یوسف علیہ السلام سے معافی مانگ کہ تو نے اس کو متہم کر کے ایذا پہنچائی بے شک تو ہی خطا کاروں میں سے ہے سارا قصہ تیرا ہی ہے اس طرح سے یہ قصہ بظاہر ختم ہوا مگر مخفی نہ رہ سکا۔

خلاصہ کلام یہ کہ یوسف علیہ السلام نے کسی سوء اور فحشاء کا ہم اور عزم نہیں فرمایا جیسا کہ آیات ذیل سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کیونکہ جن جن افراد اور اشخاص کا اس واقعہ سے تعلق ہے وہ حسب ذیل ہیں (۱) یوسف علیہ السلام (۲) زلیخا (۳) عزیز مصر (۴) زنان مصر (۵) شاہد از اہل زلیخا (۶) ایلیمس لعین (۷) خداوند رب العالمین۔ ان میں سے ہر ایک نے یوسف علیہ السلام کی براءت و نزہت کی شہادت دی اور اس کا اقرار و اعتراف کیا۔ اب ان شہادتوں کے بعد ان کی براءت و نزہت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

دعائے یوسف علیہ السلام: ..... یوسف علیہ السلام نے اپنی براءت و نزہت کا اس طرح دعویٰ کیا۔ ﴿هُجِيَ رَاوَدْتَنِي عَنْ نَفْسِي... رَبِّ السِّجْنِ أَحِبُّ إِلَيَّ عَمَّا يَدْعُونَ نَبِيَّ إِلَيْهِ﴾

اعتراف زلیخا: ..... اور زلیخا نے یوسف علیہ السلام کی براءت و نزہت کا ان لفظوں میں اقرار کیا۔ ﴿وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ... الْإِنِّ حَصْحَصَ الْحَقُّ. أَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ﴾۔

عزیز مصر کا اعتراف: ..... ﴿قَالَ إِنَّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ. إِنَّ كَيْدَ كُنَّ عَظِيمًا﴾ ۵ ﴿يُوسُفُ أَعْرَضَ عَنْ هَذَا وَاسْتَغْفِرَ نَبِيَّ لِدُنْيَاكَ. إِنَّكَ كُنْتَ مِنَ الْخٰطِئِينَ﴾۔

شہادت شاہد: ..... ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا. إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِينَ ۝ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾۔

بہادت زنان مصر:..... ﴿قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ... أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ﴾

### شہادت رب العالمین

﴿وَرَأَوْدَتُهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا... كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ﴾

### شہادت ابلیس لعین

﴿فَبِعِزَّتِكَ لَا غُورِيَّةٌ لَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۱۰﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ﴾

الغرض یہ دس آیتیں ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کی براءت کی شاہد ہیں اب ان دس شہادتوں کے بعد ان کی نزاہت و عصمت میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ (تفسیر کبیر: ۵/۱۲۱)

### ذکر الطاف و عنایات خداوندی

علاوہ ازیں حق جل شانہ نے اس قصہ میں یوسف علیہ السلام پر جن خصوصی عنایات و الطاف کا ذکر فرمایا ہے وہ بھی دس سے کم نہیں مثلاً (۱) رویائے صادقہ (۲) اور اجنباء (۳) اور علم تاویل (۴) اور اتمام نعمت (۵) اور حکمتیں زمین مصر (۶) اور ایٹائے علم و حکمت اور ان کا (۷) عباد محسنین (۸) اور عباد مخلصین (۹) اور صادقین میں سے ہونا (۱۰) اور ﴿شَهِدَ شَاهِدًا مِنْ أَهْلِهَا﴾ یعنی ایک شیر خوار بچہ کا شہادت دینا۔ فتلك عشرة كاملة۔ یہ دس امور بھی اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے کسی سوء اور فحشاء کا ہم نہیں فرمایا۔

### ضمیمہ متعلقہ بہ تفسیر ﴿وَشَهِدَ شَاهِدًا مِنْ أَهْلِهَا﴾

اس شاہد (گواہ) کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ کوئی مرد دانشمند تھا اور زلیخا کا رشتہ دار تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ گہوارہ کا شیر خوار بچہ تھا اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس بارہ میں ایک صریح حدیث بھی آئی ہے جس کو ابن جریر رحمہ اللہ وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بچپن میں چار افراد نے کلام کیا۔ اول فرزند ماطہ دختر فرعون۔ دوم یوسف علیہ السلام کی سچائی کا گواہ۔ سوم جرج راہب کی پاکی کی گواہی دینے والا بچہ۔ چہارم عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اور اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما اور حسن بصری رحمہ اللہ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما اور ضحاک رضی اللہ عنہما اور ہلال بن کشاف رضی اللہ عنہما وغیرہم سے بھی یہ منقول ہے کہ وہ شیر خوار بچہ تھا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۹/۱۹۲ و تفسیر ابن کثیر: ۲/۴۷۵)

خلاصہ کلام یہ کہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ شاہد ایک شیر خوار بچہ تھا اور عورت کا قریبی رشتہ دار تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس کو گویا کر دیا تاکہ یوسف علیہ السلام کی براءت اور پاکدامنی ظاہر ہو جائے۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتْحَهَا عَنْ نَفْسِهِ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا

اور کہنے لگیں عورتیں اس شہر میں عزیز کی عورت خواہش کرتی ہے اپنے غلام سے اس کے جی کو فریفتہ ہو گیا اس کا دل اس کی محبت میں۔ اور کہنے لگیں کئی عورتیں اس شہر میں، عزیز کی عورت خواہش کرتی ہے اپنے غلام سے اس کا جی، فریفتہ ہو گئی اس کی محبت میں۔

اِنَّا لَنَرٰهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لِهِنَّ

ہم تو دیکھتے ہیں اس کو صریح خطا بہ فل پھر جب سنا اس نے ان کا فریب فل بلاوا بھیجا ان کو اور تیار کی ان کے واسطے ہم تو دیکھتے ہیں وہ بھی ہے صریح۔ پھر جب سنا اس نے ان کا فریب، بلاوا بھیجا ان کو اور تیار کی ان کے واسطے

مُنْكًا وَاَتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيَّهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَايْنَهُنَّ اَكْبَرْتَهُنَّ

ایک مجلس اور دی ان کو ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھری اور بولی پوست نکل آ ان کے سامنے پھر جب دیکھا اس کو ششدر رہ گئیں ایک مجلس، اور دی ان کو ہر ایک کے ہاتھ میں چھری، اور بولی، پوست نکل آ ان کے سامنے۔ پھر جب دیکھا اس کو، دہشت میں آ گئیں اس کے

وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۱﴾ قَالَتْ

اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ فل اور کہنے لگیں حاشا للہ نہیں یہ شخص آدمی ہے تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ فل بولی اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ۔ اور کہنے لگیں، حاشا للہ! نہیں یہ شخص آدمی۔ یہ تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ۔ بولی،

فل یعنی شہ شہ شہر کی عورتوں نے کہنا شروع کیا کہ عزیز کی عورت اپنے نوجوان غلام پر مفتون ہو گئی۔ چاہتی ہے کہ اس کے لمس کو بے قابو کر دے۔ غلام کی محبت اس کے دل کی تہہ میں پیوست ہو چکی ہے۔ حالانکہ ایسے معزز عہدہ دار کی بیوی کے لیے یہ سخت شرمناک کی بات ہے کہ وہ ایسے غلام پر گرنے لگے۔ ہمارے نزدیک اس معاملہ میں وہ ملامت لگتی ہے۔

فل عورتوں کی گفتگو کو مسکرو (فریب) اس لیے کہا کہ مکاڑوں کی طرح چھپ چھپ کر یہ باتیں کرتی تھیں۔ اور زیلجا بد طعن کر کے کو یا اپنی پارسانی کا اظہار مقصود تھا۔ حالانکہ پوست علیہ السلام کے بے مثال حسن و جمال کا شہرہ جس عورت کے کان میں پڑتا تھا، اس کی دید کا اشتیاقی دل میں چھکیاں لینے لگتا تھا۔ کچھ بعید نہیں کہ زیلجا بد طعن و تشنیع اور تکلفی کر لے والیوں کے دلوں میں یہ ہی غرض پوشیدہ ہو کہ زیلجا کو خضہ دلا کر کسی ایسی حرکت پر آمادہ کر دیں جو پوست علیہ السلام کے دیدار کا سبب بن جائے۔ یا زیلجا کے دل میں اس کی نفرت بٹھا کر اپنی طرف مائل کرنے کا موقع نکالیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ زیلجانے بعض عورتوں کو اس معاملہ میں اپنا راز دار بنایا ہو۔ اس لیے رازداری کی جگہ پردہ داری اور خوردہ گیری شروع کر دی بہر حال ان کی گفتگو کو لفظ "مکر" سے ادا کرنے میں یہ سب احتمالات ہیں۔

فل یعنی دعوت کر کے ان عورتوں کو بلا بھیجا اور کھالے پینے کی ایک مجلس ترتیب دی جس میں بعض چیزیں چاقو سے تراش کر کھالے اور میوے وغیرہ کے سامنے جن کہہ رہے ایک عورت کے ہاتھ میں ایک چاقو دے دیا۔ تاکہ تراشنے کے قابل چیزوں کے کھالے میں کسی کو کلفت انتظار اٹھانا نہ پڑے۔ یہ سب سامان درست کر کے اس نے حضرت پوست علیہ السلام کو جو کہیں فریب ہی موجود تھے آرازی کہ اوپر نکل آئے۔ لکن تھا کہ کبھی ہی کو نہ جی، تمام عورتیں پوست علیہ السلام کے حسن و جمال کا دلچسپا مشاہدہ کرنے سے ہوش و حواس کھینچیں۔ اور مدہوشی کے عالم میں چھریوں سے پھلوں کی ہلکے ہاتھ کاٹ لیے۔ گویا قدرت نے یہ ایک مستقل دلیل پوست علیہ السلام کی نزاہت و صداقت پر قائم مادی کہ جس کے جمال بے مثال کی آرازی، جھلک نے دیکھنے والی عورتوں کے حواس گم کر دیے۔ یہاں تک پوست علیہ السلام نے آنکھ اٹھا کر بھی ان کے حسن و خوبی کی طرف مدد کیا تو یقیناً واقعہ یوں ہی ہوا ہو گا کہ زیلجا اس کے جمال اور شہرہ کو دیکھ کر ہوش و خرد کھو چکی۔ اور وہ معصومہ لڑنے اس کی طرح اپنا دامن مفت کھاتا ہوا سامان نکل گیا۔

فل یعنی حسن و جمال اور روحانی صورت کے اعتبار سے فرشتہ معلوم ہوتا ہے کسی نے خوب کہا ہے

قَوْمٌ	اِذَا	سَوَوْا	كَانُوا	مَلَائِكَةً
مُحْسِنًا	فَإِنْ	سَوَوْا	كَانُوا	صَفَرًا

فَذَلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنِنِي فِيهِ ۖ وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ ۖ وَلَئِن لَّمْ

یہ وہی ہے کہ طعن دیا تھا تم نے مجھ کو اس کے واسطے فی اور میں نے لینا چاہا تھا اس سے اس کا بی پھر اس نے تمام رکھا ۲ اور بیٹک اگر سو یہ وہی ہے کہ طعن دیا تم نے مجھ کو اس کے واسطے۔ اور میں نے چاہا اس سے اس کا بی، پھر اس نے تمام رکھا، اور مقرر اگر

يَفْعَلْ مَا أُمِرَ لَا يُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونَا مِنَ الصَّغِيرِينَ ﴿۳۱﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا

نہ کریگا جو میں اس کو کہتی ہوں تو قید میں پڑے گا اور ہوگا بے عزت ۳۱ یوسف بولا اے رب مجھ کو قید پسند ہے اس بات سے جس کی طرف نہ کریگا جو میں اس کو کہتی ہوں، البتہ قید پڑے گا، اور ہوگا بے عزت۔ یوسف بولا، اے رب! مجھ کو قید پسند ہے اس بات سے جس طرف

يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۖ وَالْأَنْصَرِفُ عَلَيْكَ كَيْدُهُنَّ أَصْبَأُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۳۲﴾

مجھ کو بلاتی ہیں اور اگر تو نہ دفع کرے گا مجھ سے ان کا فریب تو مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف اور ہو جاؤں گا بے عقل ۳۲ مجھ کو بلاتی ہیں۔ اور اگر تو نہ دفع کرے مجھ سے ان کا فریب، تو مائل ہو جاؤں ان کی طرف اور ہو جاؤں بے عقل۔

فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۳۳﴾ ثُمَّ بَدَأَ لَهُمْ

سو قبول کر لی اس کی دعا اس کے رب نے پھر دفع کیا اس سے ان کا فریب ۳۳ البتہ وہی ہے سننے والا خبردار ۳۳ پھر یوں سمجھ میں آیا لوگوں کی سو قبول کر لی اس کی دعا اس کے رب نے، پھر دفع کیا اس سے ان کا فریب۔ البتہ وہ ہے سننے والا خبردار۔ پھر یوں سوچا لوگوں کو، فل اب زینا کو موقع ملا کہ عورتوں کے طعن و تشنیع کا تیرا ان ہی کی طرف لوٹا دے۔ گویا اس وقت "فَذَلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنِنِي فِيهِ" کہہ کر وہ اس شعر کا غلامہ ادا کر رہی تھی۔

این است کہ خوں خوردہ و دل برده بے را  
بسم اللہ اگر تاب نر هست کے را

۳۱ مجمع کارنگ دیکھ کر زینا ہا کل ہی کھلی پڑی اور واقعہ کا صاف صاف بیان کیا کہ بیٹک میں نے ان کا دل لینا چاہا تھا، مگر اس بندہ خدا نے ایسا مضبوط قہار رکھا کہ کسی طرح نہ دیا۔ یہ خدا تعالیٰ نے شہر کی عورتوں کے مجمع میں حضرت یوسف علیہ السلام کی کمال عصمت و عظمت اور نایاب ذہانت و دلہارت کا اظہار کیجوت پیش کر دیا۔ زینا کا مال اس وقت وہی تھا جو کسی نے کہا ہے۔

لَا تَحْتَفُ مَاصِنَعَتْ بِكَ الْأَشْوَابُ  
وَأَشْرَعُ هَوَاكَ فَتَكَلُّنَا عَشَائُ

۳۲ زینا کی اس گفتگو میں کچھ عورتوں پر اپنی معذوری اور نامرادی کا اظہار کیا، تاکہ ان کی ہمدردی حاصل کر سکے۔ اور کچھ یوسف علیہ السلام کو ٹھکانہ دہمیکوں سے مرعوب کرنا تھا کہ وہ طرز وہ جو آ کر آئندہ اس کی مطلب بر آوری پر آمادہ ہو جائیں۔ حالانکہ

عقبا شکار کس نہ خود دام باز ہیں  
کاشما ہمیشہ باد ہست دست دام را

۳۳ معلوم ہوتا ہے کہ زینا کا مایوسانہ غصہ اور مظلومانہ انداز بیان اس کی ہم ہنسوں پر اثر کر گیا۔ یا پہلے ہی سے کچھ ملی بھگت ہوئی، بہر حال لکھا ہے کہ اب عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو کھانا شروع کیا کہ تم کو اپنی عفت اور سیدہ کا کہنا ماننا چاہیے۔ آخر اس طریق پر اتنا لطمہ لیں کرتے ہو، پھر یہ بھی سوچ لو کہ نالرمانی کا نتیجہ کیا ہو گا۔ خواہ خواہ مصیبت سر پر لینے سے کیا لائندہ۔ کہتے ہیں کہ بظاہر زبان سے وہ زینا کی سفارش کر رہی تھیں مگر دل ہر ایک کا یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مینچنا چاہتا تھا۔ یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہ عورت بری طرح پیچھے پڑی ہے اور شیطان ہر طرف اپنا حال پھیلانے لگا ہے تو نہایت عزم و استقلال اور پختہ انداز استقامت سے بازگا، اندھیت میں درخواست کی کہ مجھے ان کے مکرو فریب سے بچائے۔ اگر اس سلسلہ میں قید ہونا پڑے تو میں قید کو از کتاب مصیبت پر ترجیح دیتا ہوں۔ اگر آپ میری =

## مَنْ بَعْدَ مَا رَأَوُا آيَاتِ لَيْسَ جُنْدَهُ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۳۵﴾

ان نشانیوں کے دیکھنے پر کہ قید رکھیں اس کو ایک مدت فی

وہ نشانیاں دیکھے پر، کہ قید رکھیں اس کو ایک مدت۔

قصہ دعوت زلیخا زناں مصررا مشتمل بر اعتراف عصمت و عفت یوسف علیہ السلام

قَالَ تِلْكَ: ﴿وَقَالَ يَسُوفُ فِي التَّيْنَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ... اِلَى... لَيْسَ جُنْدَهُ حَتَّىٰ حِينٍ﴾

رابطہ:..... گزشتہ آیات میں یہ بیان فرمایا کہ جب عزیز مصر پر یہ واضح ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام بالکل بے قصور ہیں اور یہ سب اس کی بیوی کا خود ساختہ مکر اور فریب ہے تو عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام سے یہ کہا کہ اعرض عن هذا۔ کہ اے یوسف علیہ السلام اس بات سے درگزر کر اور کسی سے اس کا ذکر نہ کر اور بیوی سے کہا کہ ﴿وَاسْتَغْفِرِي لِذُنُوبِكِ﴾ کہ یوسف علیہ السلام سے اپنے قصور کی معافی مانگ۔

عزیز مصر کا مقصود یہ تھا کہ یہ قصہ پوشیدہ رہے اور اس کا چرچا نہ ہو مگر ”نہاں کے ماند آں رازے کز و سازند محفلہا“ بالآخر یہ خبر فاش ہو گئی اور روسائے شہر کی بیگمات میں اس کا تذکرہ ہونے لگا کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے نوجوان غلام پر مفتون ہو گئی ہے زلیخا کو جب یہ خبر ہوئی کی زناں مصر میرے بارے میں یہ کہتی ہیں تو اس نے عورتوں کی دعوت کر کے ان کو بلا بھیجا تاکہ یہ بھی ایک مرتبہ یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کو دیکھ لیں۔ اور مجھ کو معذور جانیں۔

محتسب گرمی خورد معذور دار و مست را

حق جل شانہ نے پہلے واقعہ میں ایک شیر خوار بچہ کی گواہی سے یوسف علیہ السلام کی براءت اور طہارت ظاہر فرمائی اس کے بعد اب دوسرا واقعہ زناں مصر کی دعوت کا پیش آیا۔ اس واقعہ میں عزیز مصر کی بیوی نے سب کے سامنے اس کا صاف اعتراف کیا کہ یوسف علیہ السلام کی مراودت اور طلب میری طرف سے تھی اور یوسف علیہ السلام اس بارے میں بالکل معصوم ہے۔ ﴿وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ﴾ شیر خوار بچہ کی شہادت کے بعد زناں مصر کی دعوت کا واقعہ قضا و قدر سے ان کی

= دھیری رہ فرمائیں گے تو ڈر ہے کہ بے عقل ہو کر ان کی ابد فریبوں کی طرف نہ جھک پڑوں۔ یہاں یوسف علیہ السلام کی زبانی یہ جملہ دیا کہ انبیاء کی عصمت بھی حق تعالیٰ کی دھیری سے ہے اور یہ کہ وہ اپنی عصمت پر مغرور نہیں ہوتے بلکہ عصمت کا جو منشاء ہے (حفاظت و صیانت الہی) اسی پر نظر رکھتے ہیں۔

۳۵ یعنی ان کو عصمت و عفت پر پوری طرح ثابت قدم رکھا کسی کافر یا پلٹنے نہ دیا۔

۳۶ یعنی سب کی دعائیں سنتا ہے اور خبر رکھتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں ”ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مانگے سے قید میں پڑے لیکن اللہ تعالیٰ نے اتنا ہی قبول فرمایا کہ ان کافر یا پلٹنے نہ دیا، باقی قید ہونا قسمت میں۔ آدمی کو چاہیے کہ گہرا کر اپنے حق میں برائی نہ مانگے، پوری بھلائی مانگے گو ہو گا وہی جو قسمت میں ہے۔“ ترمذی میں ہے کہ ایک شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگتے سنا۔ ”اللَّهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الصَّبْرَ“ (اے اللہ میں تجھ سے صبر مانگتا ہوں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”سألت الله البلاء فاستله العاقبة“ (تو نے اللہ سے بلا طلب کی کیونکہ صبر تو بلا ہر ہو گا۔ اب تو اس سے عاقبت مانگ)

۳۷ یعنی باوجودیکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی براءت نہایت کے بہت سے نشان دیکھ چکے تھے۔ پھر بھی ان کی مصلحت یہ ہوئی کہ یوسف علیہ السلام کو ایک مدت تک قید میں رکھا جائے۔ تاکہ عام لوگ سمجھیں کہ قصور یوسف علیہ السلام ہی کا تھا، عورت بیچاری مفت میں بدنام ہوئی۔ گویا عورت نے قید کی جو دھکی دی تھی اسے پورا کر کے چھوڑا۔ ان لوگوں کی غرض تو یہ ہوئی کہ عورت سے یہ بدنامی زائل ہو یعنی ایک مدت تک یوسف اس کی نظر سے دور رہیں، اور عورت کا مطلب یہ ہو گا کہ شاید قیدی سلتیاں اٹھا کر یوسف علیہ السلام کچھ نرم پڑ جائیں۔ اس طرح اپنا مطلب نکال سکوں۔

براعت کی مزید شہادت بن گیا کہ خود زلیخا نے اعتراف و اقرار کیا کہ یوسف علیہ السلام اس قصہ میں بالکل بری اور بے تصور ہے اور جس عورت نے خود ابتداء میں یوسف علیہ السلام پر الزام لگایا تھا۔ ﴿مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا﴾ اب اخیر میں اسی عورت نے سب عورتوں کے سامنے اقرار کر لیا کہ میں نے ہی اس کو پھسلانا چاہا تھا مگر یہ تو فرشتہ کی طرح معصوم نکلا۔ ﴿فَمَا سَلِّطْنَاكُمْ﴾ عزیز مصر کی بیوی کا مقصد تو دعوت سے دفع ملامت و ندامت تھا مگر قضاء و قدر نے اس کو یوسف علیہ السلام صدیق کی مزید براعت و نزاہت کا ذریعہ بنا دیا اور ایسا ذریعہ بنایا کہ حجت پوری ہو گئی اور زلیخا نے سب کے سامنے صاف لفظوں میں اعتراف حقیقت کر لیا چنانچہ فرماتے ہیں اور شہر مصر کی رہنے والی چند عورتوں نے یہ بات کہی کہ عزیز مصر کی بیوی یعنی زلیخا اپنے نوجوان غلام کو پھسلاتی ہے اور چاہتی ہے کہ اس کو اس کے نفسِ قدسی صفات اور ملکی سمات سے ہٹا کر اپنی طرف مائل کرے تحقیق اس کی محبت نے اس کے دل میں جگہ کر لی۔ یعنی اس غلام کی محبت اس عورت کے شقاقِ قلب (پر وہ دل) کے اندر پہنچ گئی۔ بے شک ہم اس کو کھلی گمراہی کے اندر دیکھتے ہیں یعنی عزیز جیسے شوہر کو چھوڑ کر اپنے زرخیز غلام پر فریفتہ ہونا کھلی نادانی ہے آخر وہ کیسا خوبصورت ہے جس پر وہ اس قدر بچھی پڑی ہے۔ پس جب زلیخا نے ان عورتوں کے پرفریب اور کمر آمیز باتوں کو سنا تو اس نے بھی ان کے ساتھ مکر و فریب کیا کہ دعوت کے بہانہ سے ان عورتوں کو بلا بھیجا۔ زنانِ مصر کا زلیخا کو ملامت کرنا یہ مکر تھا کہ ان عورتوں نے یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کی خبر سنی تو چاہا کہ یوسف علیہ السلام کو دیکھیں اس لیے زلیخا کو یہ طعنہ دیا کہ اس حیلہ اور بہانہ سے یوسف علیہ السلام کو دیکھنا نصیب ہو زلیخا نے جب ان کی ملامت سنی تو اس نے چاہا کہ اپنی معذوری ان پر ظاہر کرے اس لیے دعوت کے حیلہ سے ان کو مدعو کیا اور ان کے لئے مسندیں تیار کیں قسم قسم کے فرش اور تکیوں سے مجلس کو آراستہ کیا اور قسم قسم کے کھانے اور میوہ جات تیار کیے اور گوشت کے پارچوں اور پھلوں کے کاٹنے کے لیے ہر ایک کو ایک ایک چھری دے دی مصر میں یہ دستور تھا کہ گوشت اور میوؤں کو چھری سے کاٹ کر کھایا کرتے تھے یہ تمام انتظام زلیخا کی طرف سے ان عورتوں کے ساتھ ایک قسم کا مکر تھا اور اس طرح سے جب مجلس آراستہ ہو گئی اور بیگمات نے کھانا شروع کر دیا اس وقت زلیخا نے یوسف علیہ السلام سے کہا کہ جو اس وقت کسی دوسرے کمرہ میں تھے اے یوسف علیہ السلام ذرا ان عورتوں کے سامنے باہر آ جاؤ۔ یوسف علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ شاید مجھے کسی کام یا ضرورت کے لیے بلایا جا رہا ہے اور وہ باہر آ گئے۔

کز خلوت خانہ آن گنجِ نہفتہ بروں آمد جو گلزارِ شگفتہ

پس جب ان عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو ان کو بزرگ شان والا جانا اور ان کے ظاہری اور باطنی حسن و جمال کی ان پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ بے خود ہو گئیں اور اسی بے خوری میں اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے نہ خون بہتے دیکھا اور نہ زخم کا درد الم محسوس ہوا اور جب ذرا ہوش میں آئیں تو کہنے لگیں ”حاشا للہ“ خدا پاک ہے یہ غلام تو آدمی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہی ہے یعنی یہ بے مثال حسن و جمال اور یہ عظمت و جلال انسان میں کہاں یہ تو فرشتوں کے اوصاف ہیں یعنی درحقیقت یہ کوئی فرشتہ ہے جو صورت انسانی میں نمودار ہوا ہے۔

چوں دیدندش کہ جز والا گہر نیست  
برآمد بانگ برایشاں کہیں بشر نیست  
نہ چوں آدم زاب و گل سرشت است  
زبالا آمدہ قدسی فرشتہ است

اور اس ظاہری حسن و جمال کے علاوہ چہرہ منور پر تقویٰ اور تقدس اور معصومیت کے آثار نمایاں تھے کہ ان حسین و جمیل عورتوں کے سامنے سے گزرے چلے جا رہے تھے کہ ذرا برابر کسی مہ جبین کی طرف التفات بھی نہیں گویا کہ فرشتہ سامنے سے گزر رہا ہے اس معصومانہ رفتار نے ان کو اور زیادہ مرعوب کر دیا کہ آدمی تو اس حال اور چال کا نہیں ہو سکتا۔ یہ تو کوئی فرشتہ معلوم ہوتا ہے جس میں شہوت نفسانی کا کوئی شائبہ دکھلائی نہیں دیتا۔ اس وقت زلیخانے ان عورتوں سے کہا کہ پس یہی وہ شخص ہے جس کی محبت میں تم نے مجھ کو طعنہ دیا ایک ہی نظر میں تم پر یہ حال گزرا تو مجھ پر ملامت کیسی۔ زلیخانے عورتوں پر یہ واضح کر دیا کہ میں اس کی محبت میں معذور ہوں اس کے بعد زلیخانے واقعہ کی حقیقت کو بتلایا جس سے مقصود زنان مصر کے اس قول کی یعنی **هَٰؤُلَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا مَلَائِكَةٌ كَرِيمَةٌ** کی تائید تھی کہ تم جو کہتی ہو کہ یہ شخص بشر نہیں بلکہ فرشتہ ہے بالکل حق اور درست ہے اور بے شک میں نے اس کو اس کے نفس سے ہٹانا اور پھسلانا چاہا لیکن وہ معصوم اور فرشتہ کی طرح بالکل محفوظ رہا اور میرے پھسلانے میں نہ آیا اور اس اعتراف حقیقت کے بعد زلیخانے یوسف **عَلَيْهِ السَّلَام** کو دھمکی دی اور یہ کہا کہ خیر اب تو جو ہوا سو ہوا البتہ اگر آئندہ اس نے میرے حکم کے موافق کام نہ کیا تو ضرور جیل بھیج دیا جائے گا۔ اور البتہ ہوگا ذلت اٹھانے والوں میں سے اول تو قیدی ذلت ہے پھر امیری اور وزیری محل سرائے سے نکل کر جیل خانہ میں جانا اور بھی ذلت ہے یہ بات زلیخانے عورتوں کے سامنے کہی عورتوں نے بھی یوسف **عَلَيْهِ السَّلَام** سے کہا کہ اپنی سیدہ کا حکم مان! غلام کے لائق نہیں کہ وہ اپنی سیدہ کی نافرمانی کرے اور جیل میں جائے۔ چنانچہ یوسف **عَلَيْهِ السَّلَام** نے جب یہ دیکھا کہ صورت حال یہ ہے اور ہر طرف سے جال بچھا ہوا ہے تو یوسف **عَلَيْهِ السَّلَام** نے گھبرا کر یہ دعا کی اے میرے پروردگار مجھ کو اس جال سے نکال وہ جیل خانہ جس کی مجھ کو دھمکی دی جا رہی ہے وہ مجھے زیادہ پسند ہے اس کام سے جس کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلاتی ہیں کہ زلیخا کو خوش کروں اگر جیل خانہ چلا گیا تو تیری نافرمانی کا اندیشہ اور خطرہ تو نہ رہے گا۔

عجب در ماندہ ام در کار ایشاں      مراوزنداں بہ از دیدار ایشاں

چونکہ ان عورتوں نے زلیخا کی سفارش کی تھی کہ یوسف **عَلَيْهِ السَّلَام** کو چاہئے کہ اپنی سیدہ کے حکم کو مانے اس لیے صیغہ جمع مؤنث کا لایا گیا اور یدعونی کہا گیا جس کی ضمیر ان عورتوں کی طرف راجع ہے اور اے پروردگار اگر تو نے مجھ سے ان عورتوں کے مکرو فریب کو دور نہ کیا تو مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں میں ان کی طرف جھک نہ جاؤں اور نادانوں میں سے ہو جاؤں۔ عورتوں کی طرف تھوڑا سا میلان اور جھکاؤ بھی نادانی ہے۔ دانائی اور عقلمندی یہ ہے کہ عورتوں سے دور رہے پس ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کی پس اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کا مکرو فریب ان سے دفع کیا۔ بے شک خدا ہی سننے والا جاننے والا ہے یہ دونوں آیتیں صراحتاً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یوسف **عَلَيْهِ السَّلَام** ذرہ برابر بھی ان کی طرف مائل نہ ہوئے اور انہوں نے خدا تعالیٰ سے جو دعا مانگی اللہ نے وہ دعا ان کی قبول کی۔ یوسف **عَلَيْهِ السَّلَام** کی اس دعا کا مطلب یہ تھا کہ اے پروردگار مجھے اپنے نفس پر بھروسہ نہیں تیری تائید اور حفاظت کی درخواست کرتا ہوں کہ مجھے ان کے مکرو فریب سے دور رکھ اور جیل خانہ کی درخواست اس لیے کرتا ہوں کہ ان کے فتنہ سے نجات ملے۔ اور ان کی مراد ت سے بالکل محفوظ ہو جاؤں اللہ تعالیٰ نے ان



کی دعا قبول کی چنانچہ پھر اس کا اثر اس طرح ظاہر ہوا کہ یوسف علیہ السلام کی براءت و نزاہت کی نشانیاں دیکھنے کے بعد ان کی رائے ہوئی کہ اس عبرانی غلام کو ایک مدت کے لیے قید میں رکھیں کہ لوگوں میں یہ چرچا ختم ہو جائے اور لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اگر زلیخا اس پر عاشق ہوتی تو اسے قید کیوں ہونے دیتی اور عزیز مصر کو بھی یہی مصلحت نظر آئی کہ ایک خاص مدت تک ان کو قید میں رکھ دیا جائے تاکہ زن عزیز بدنامی اور رسوائی سے محفوظ ہو جائے اور اس ناشائستہ فعل پر پروہ پڑ جائے اس بناء پر عزیز نے یوسف علیہ السلام کو جیل خانہ بھیج دیا اور پانچ یا سات برس تک یوسف علیہ السلام قید میں رہے غرض یہ کہ یوسف علیہ السلام جیل خانہ بھیج دیئے گئے ایوان سے زنداں میں پہنچے قدم رکھتے ہی وہ زندان رشک گلستاں بن گیا۔ یوسف علیہ السلام کے داخل ہونے کے بعد وہ جیل خانہ جیل نہ رہا بلکہ عمارت خانہ اور خلوت خانہ اور خانقاہ اور درساگاہ بن گیا۔

چوں آں دل زندہ در زنداں در آمد      بسم مردہ گوئی جاں در آمد  
در آں محنت سرا افتادہ جو شے      برآمد زان گرفتاراں خروشے

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيْنِ ۖ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا ۖ وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي

اور داخل ہوئے قید خانہ میں اس کے ساتھ دو جوان کہنے لگا ان میں سے ایک میں دیکھتا ہوں کہ میں نچوڑتا ہوں شراب اور دوسرے نے کہا اور داخل ہوئے بندی خانہ میں اس کے ساتھ دو جوان۔ کہنے لگا اس میں سے ایک، میں دیکھتا ہوں کہ میں نچوڑتا ہوں شراب۔ اور دوسرے نے کہا

أَرَانِي أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْرًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۖ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ ۗ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ

میں دیکھتا ہوں کہ اٹھا رہا ہوں اپنے سر پر روٹی کہ جانور کھاتے ہیں اس میں سے، بتا ہم کو اس کی تعبیر ہم دیکھتے ہیں تجھ کو میں دیکھتا ہوں کہ اٹھا رہا ہوں اپنے سر پر روٹی، کہ جانور کھاتے ہیں اس میں سے۔ بتا ہم کو اس کی تعبیر۔ ہم دیکھتے ہیں تجھ کو

الْمُحْسِنِينَ ۝ قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقُنِيهِ إِلَّا نَبَأُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ

نیک والا فل بولا نہ آنے پائے گا تم کو کھانا جو ہر روز تم کو ملتا ہے مگر بتا چکوں گا تم کو اس کی تعبیر اس کے نیک والا۔ بولا، نہ آنے پائے گا تم کو کھانا، جو ہر روز تم کو ملتا ہے، مگر بتا چکوں گا تم کو اس کی تعبیر، اس کے

يَأْتِيكُمَا ذَلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۖ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ

آنے سے پہلے یہ علم ہے کہ مجھ کو سکھایا میرے رب نے میں نے چھوڑا دین اس قوم کا کہ ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور آنے سے پہلے۔ یہ علم ہے کہ مجھ کو سکھایا میرے رب نے۔ میں نے چھوڑا دین اس قوم کا کہ یقین نہیں رکھتے اللہ پر، اور

فل یعنی اسی زمانہ میں دو جوان قیدی جیل خانہ میں لائے گئے۔ جن میں ایک بادشاہ مصر (ریان بن الوئید) کا نائبی اور دوسرا ساقی (شراب پلانے والا) تھا۔ دونوں بادشاہ کو زبردستی کے الزام میں ماخوذ تھے۔ قید خانہ میں یوسف علیہ السلام کی مروت و امانت، راست گوئی، حسن اخلاق، بکثرت عبادت، معرفت تعبیر اور ہمدردی ملاحظہ کا چرچا تھا۔ یہ دونوں قیدی حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت مانوس ہو گئے اور بڑی محبت کا اظہار کرنے لگے۔ ایک روز دونوں نے اپنا اپنا خواب بیان کیا۔ ساقی نے کہا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ بادشاہ کو شراب پلا رہا ہوں۔ نائبی نے کہا کہ میرے سر پر کئی ٹوکے ہیں جس میں سے ہرندے نوحہ کرکھا رہے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کو بزرگ دیکھ کر تعبیر مانگی۔

بِالْآخِرَةِ هُمْ كَفِرُونَ ﴿۱۵﴾ وَاتَّبَعَتْ مَلَّةَ آبَائِهِمُ الْإِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا

آخرت سے وہ لوگ منکر ہیں اور پہلا میں نے دین اپنے باپ دادوں کا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا ہمارا کام نہیں  
آخرت سے وہ منکر ہیں۔ اور پہلا میں نے دین اپنے باپ دادوں کا، ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا۔ ہمارا کام نہیں

أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ذَلِكُمْ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ

کہ شریک کریں اللہ کا کسی چیز کو یہ فضل ہے اللہ کا ہم پر اور سب لوگوں پر لیکن بہت  
کہ شریک کریں اللہ کا کسی چیز کو۔ یہ فضل ہے اللہ کا ہم پر اور سب لوگوں پر لیکن بہت

النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۱۶﴾ يَصَاحِبِي السِّجْنِ أَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ

لوگ احسان نہیں مانتے اور اے رفیقو قید خانہ کے بھلا کئی معبود جدا جدا بہتر یا اللہ اکیلا  
لوگ بھلا نہیں مانتے۔ اے رفیقو بندی خانے کے ا بھلا کئی معبود جدا جدا بہتر یا اللہ اکیلا

الْقَهَّارُ ﴿۱۷﴾ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ

زبردست اور کچھ نہیں پوجتے ہو سوائے اس کے مگر نام ہیں جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں اتاری اللہ نے  
زبردست۔ کچھ نہیں پوجتے ہو سوائے اس کے، مگر نام ہیں کے رکھ لئے ہیں تم نے، اور تمہارے باپ دادوں نے، نہیں اتاری اللہ نے

قرآن یوسف علیہ السلام نے اول ان کو کھلی دی کہ بیشک خوابوں کی تعبیر تمہیں بہت جلد معلوم ہو چکا تھی ہے روزمرہ جو کھانا تم کو ملتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں  
تعبیر بتلا کر فارغ ہو جاؤں گا لیکن تعبیر خواب سے زیادہ ضروری اور مفید ایک چیز پہلے تم کو سنانا ہوں۔ وہ یہ کہ تعبیر وغیرہ کا یہ علم مجھ کو کہاں سے حاصل ہوا۔ سو یاد رکھو  
کہ میں کوئی پیشہ ور کاہن یا منجم نہیں بلکہ میرے علم کا سرچشمہ وحی اور الہام ربانی ہے جو مجھ کو حق تعالیٰ نے اس کی بدولت عطا فرمایا کہ میں نے ہمیشہ سے کافروں  
اور باطل پرستوں کے دین و ملت کو چھوڑے رکھا اور اپنے مقدس آباء و اجداد (حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب علیہم السلام) جیسے انبیاء و مرسلین  
کے دین توحید پر چلا اور ان کا سوا حجت اختیار کیا۔ ہمارا سب سے بڑا اور مقدم منکر نغمہ یہی رہا کہ دنیا کی کسی چیز کو کسی درجہ میں بھی خدا کا شریک نہ بنائیں نہ ذات میں،  
نہ صفات میں، نہ افعال میں، نہ ربوبیت و معبودیت میں۔ صرف اسی کے آگے جھکیں، اسی سے محبت کریں، اسی پر بھروسہ رکھیں۔ اور اپنا بیٹا مرنا سب اسی ایک  
پروردگار کے حوالہ کر دیں۔ بہر حال یوسف علیہ السلام نے موقع مناسب دیکھ کر نہایت موثر طرز میں ان قیدیوں کو ایمان و توحید کی طرف آنے کی ترغیب دی۔  
پہنچنے والوں کا کام یہ ہی ہوتا ہے کہ دعوت و تبلیغ حق کا کوئی مناسب موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ ان قیدیوں کے دل میری طرف  
متوجہ اور مجھ سے مانوس ہیں۔ قید کی مصیبت میں گرفتار ہو کر شاید کچھ نرم بھی ہوئے ہوں گے۔ لہذا ان حالات سے فرض تبلیغ کے ادا کرنے میں فائدہ اٹھائیں۔  
اول ان کو دین کی باتیں سکھائیں۔ پھر تعبیر بھی بتلا دیں گے۔ یہ تسلی پہلے کر دی کہ کھانے کے وقت تک تعبیر معلوم ہو جائے گی تاکہ وہ نصیحت سے استغناء نہیں۔

(تنبیہ) بہت سے مفسرین نے ﴿لَا تَأْتِيكُمُ طَعَامُهُمْ تِلْكَ لَيَالٍ يَتَوَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسْفَلٍ مِنْ تَحْتِ رُءُوسِهِمْ﴾ کے معنی یہ لیے ہیں کہ کبھی کھانا تمہارے پاس نہیں آتا ہے مگر میں آنے  
سے پہلے اس کی حقیقت پر تم کو مطلع کر دیا کرتا ہوں۔ یعنی آج کیا کھانا آئے گا، کس قسم کا ہوگا، پھر تعبیر بتلانا کیا مشکل ہے جو یا اول حضرت یوسف علیہ السلام نے  
معجزہ کی طرف توجہ دلا کر انہیں اپنی نبوت کا یقین دلانا چاہا، تاکہ آئندہ جو نصیحت کریں زیادہ موثر واقع فی انفس ہو۔ اس تقدیر پر یوسف علیہ السلام کا یہ معجزہ ایسا ہی  
ہو گا جیسے حضرت سح علیہ السلام نے فرمایا تھا ﴿وَأَنْتُمْ كُنْتُمْ يَتَوَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسْفَلٍ مِنْ تَحْتِ رُءُوسِهِمْ﴾ مگر مترجم محقق نے پہلی تفسیر اختیار کی ہے واللہ اعلم۔  
حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "حق تعالیٰ نے قید میں یہ حکمت رکھی کہ ان کا دل کافروں کی محبت سے (یعنی کافر جو ان کی محبت و مدارت کرنے تھے،  
اس سے) لوٹا تو دل پر اللہ کا علم روشن ہوا۔ چاہا کہ اول ان کی دین کی بات سنا دیں۔ پھر تعبیر خواب کہیں۔ اس واسطے ہی کر دی، تاکہ دیکھیں انہیں۔ کبھی کھانے کے  
وقت تک وہ بھی بتا دوں گا۔

۱۷ یعنی ہمارا غلام توحید اور ملت ابراہیمی پر قائم رہنا نہ صرف ہمارے حق میں بلکہ سارے جہان کے حق میں رحمت و فضل ہے، کیونکہ خاندان ابراہیمی ہی کی شمع =

**يَهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحٰكِمُ اِلَّا يَلِدُ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ**

ان کی کوئی سند کی حکومت نہیں ہے کسی کی سوائے اللہ کے، اس نے فرما دیا کہ نہ پوجو مگر اسی کو قیلم یعنی ہے راستہ سیدھا یہ  
ان کی سند۔ حکومت نہیں ہے کسی کی سوا اللہ کے، اس نے فرما دیا کہ نہ پوجو مگر اسی کو۔ یہی ہے راہ سیدھی،

**وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۱۰ يٰصٰحِبِي السِّجْنِ اَمَّا اَحَدُ كُنَّا فَيَسْبِقُنِي رَبُّهُ خَمْرًا ؕ**

بہت لوگ نہیں جانتے قیلم اے رفیقو قید خانہ کے ایک جو ہے تم دونوں میں سو پلائے گا اپنے خاند کو شراب  
پر بہت لوگ ہیں جانتے۔ اے رفیقو بندی خانے کے، ایک جو ہے تم دونوں میں، سو پلائے گا اپنے خاند کو شراب،

**وَاَمَّا الْاٰخَرَ فَيُضَلُّ فَيَصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَاسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِي فِيْهِ تَسْتَفْتِلٰنِ ۝۱۱۱**

اور دوسرا جو ہے سولی دیا جائے گا، پھر کھائیں گے جانور اس کے سر میں سے لیصل ہوا وہ کام جس کی تحقیق تم چاہتے تھے قیلم  
اور دوسرا جو ہے سو سولی چڑھے گا، پھر کھائیں جانور اس کے سر میں سے۔ فیصلہ ہوا کام، جس کو تحقیق تم چاہتے تھے۔

**وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ اَنَّهُ تٰجٍ مِّنْهُمَا اِذْ كُرُنِيَ عِندَ رَبِّكَ ذٰلِكَ نَسْبَةُ الشَّيْطٰنِ ذِكْرٌ لِّرَبِّهٖ**

اور کہہ دیا یوسف نے اس کو جس کو گمان کیا تھا کہ بچے گا ان دونوں میں میرا ذکر کرنا اپنے خاند کے پاس قیلم سو بھلا دیا اس کو شیطان نے ذکر کرنا اپنے خاند سے  
اور کہہ دیا اس کو، جس کو اٹکلا کر بچے گا ان دونوں میں میرا ذکر کرنا اپنے خاند سے۔ سو بھلا دیا اس کو شیطان نے ذکر کرنا اپنے خاند سے،

= سے سب لوگ اپنے دلوں کے چراغ روشن کر سکتے ہیں لیکن انوس ہے کہ بہت سے لوگ خدا کی اس نعمت عظیم کی قدر نہیں کرتے۔ چاہے یہ تھا کہ اس کا  
احسان مان کر راہ توحید پر چلتے وہ الٹی ناٹھری کر کے شرک و دعویان کی راہ اختیار کر رہے ہیں۔

قیلم یعنی مختلف انواع و اشکال کے چھوٹے بڑے دیوتا جن پر تم نے خدائی اختیارات تقسیم کر رکھے ہیں ان سے لوگ نا بہتر ہے یا اس اکیلے زبردست خدا سے جس  
کو ساری مخلوق پر کلی اختیار اور کامل تصرف و قبضہ حاصل ہے اور جس کے آگے نہ کسی کا حکم مل سکتا ہے نہ اختیار، نہ اسے کوئی بھاگ کر ہرا سکتا ہے نہ مقابلہ کر کے  
مطلب کر سکتا ہے۔ خود سوچو کہ سرعبودیت ان میں سے کس کے سامنے جھکا یا جائے۔

قیلم یعنی یوں ہی بے مند اور بے ٹھکانے کچھ نام رکھ چھوڑے ہیں جن کے بچے حقیقت ذرہ برابر نہیں۔ ان ہی نام کے خداؤں کی پوجا کر رہے ہو۔ ایسے جہل پر  
انسان کو شرمانا چاہیے۔

قیلم یعنی قدیم سے اللہ انبیاء علیہم السلام کی زبانی یہی حکم بھیجا تھا کہ خدائی عبادت میں کسی کو شریک مت کرو۔ **هُوَ الَّذِي مَنَّا وَنَسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ وَّسَلْنَا**  
**اَجْعَلْنَا مِنْ حٰوْنِ الرَّحْمٰنِ اِلٰهًا تَعْبُدُوْنَ ۝۱۱۲**

قیلم یعنی توحید خالص کے راستے میں اس بچ کچھ نہیں۔ سیدھی اور صاف سڑک ہے جس پر مل کر آدمی بے کھلے خدا تک پہنچتا ہے۔ لیکن بہت لوگ حماقت یا  
تصعب سے ایسی سیدھی بات کو بھی نہیں سمجھتے۔

قیلم فرض تبلیغ ادا کرنے کے بعد یوسف علیہ السلام نے ان کے خوابوں کی تعبیر بیان فرمائی، کہ جس نے خواب میں شراب پلائے دیکھا اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ  
بیداری میں بادشاہ کو شراب پلائے گا۔ اور جس نے سرمد سے جانوروں کو روٹیاں کھاتے دیکھا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سولی دیا جائے گا۔ پھر جانور اس کے سر سے  
نوج نوج کر کھائیں گے۔ قصداً قید خانہ فیصلہ یہی ہے جو کسی کے نالے مل نہیں سکتا۔ جو بات تم پر چھتے تھے وہ میں نے بجا دی۔ یہ بالکل طے شدہ امر ہے۔ جس میں  
تعلق نہیں ہو سکتا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ساتی زہر خورانی کی تہمت سے بری ہو گیا، اور خباہت (ناجانی) کو جرم ثابت ہونے کی وجہ سے سزائے موت دی گئی۔

قیلم یہاں ظنن یقین کے معنی میں سے ہے جیسے **اَلَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ اٰتٰكُم مِّنْهُ فَيَلْقَوْنَ اٰتٰكُم مِّنْهُ** میں یعنی یوسف علیہ السلام کو دونوں میں سے جس شخص کی بابت یقین  
تھا کہ بری ہو جائے گا جب وہ قید خانہ سے نکلا تو فرمایا اپنے بادشاہ کی خدمت میں میرا بھی ذکر کرنا کہ ایک ایسا شخص ہے قصداً قید خانہ میں برسوں سے پڑا ہے۔ =

## فَلَيْسَ فِي السِّجْنِ بِضَعٍ بَيْنَيْنِ ﴿۱۳﴾

پھر ہا قید میں کئی برس فرا

پھر وہ گیا قید میں کئی برس۔

قصہ یوسف علیہ السلام با ساقی و خباز در جیل خانہ بر تبلیغ و دعوت اظہار نبوت

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿وَوَدَّحَلَّ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيْنِ... اِلَى... فَلَيْسَ فِي السِّجْنِ بِضَعٍ بَيْنَيْنِ﴾

ربطہ:..... گزشتہ آیات میں یوسف علیہ السلام کی دعا ﴿وَدَّحَلَّ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيْنِ﴾ اور اس کی قبولیت و استجابت کا ذکر کیا ہے دعا میں یہ درخواست تھی کہ اے پروردگار ایسے زمانہ نماند اور محل سرائے سے تو جیل بہتر ہے بارگاہ خداوندی میں یوسف علیہ السلام کی دعا بلفظ قول ہوئی کہ زنان خانہ سے نکال کر جیل خانہ بھیج دیئے گئے اب وقت آیا کہ ﴿وَوَدَّحَلَّ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيْنِ﴾ کا ظہور ہو کہ جیل خانہ میں پہنچ کر لوگوں کے خوابوں کی تعبیریں دیں اور ان کو توحید اور اسلام کی دعوت دیں اور خدا داد معجزہ اور کرامت کو ان پر ظاہر کریں تاکہ قبول حق میں معین اور مددگار ہو۔ ولی پر اپنی کرامت کا اظہار ضروری نہیں مگر نبی پر اپنے معجزہ اور کرامت کا اظہار ضرورت ہے کیونکہ معجزہ اور کرامت نبوت کی دلیل ہے اور جس طرح نبوت کا اعلان ضروری ہے اسی طرح دلائل نبوت کا اظہار اور اعلان بھی واجب اور ضروری ہے اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر سے پہلے اپنے معجزہ اور کرامت کو اس طرح بیان فرمایا۔ ﴿لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَأٌ كُتِبَ فِيكُمَا﴾ تاکہ دلیل نبوت بیان کرنے کے بعد ان کو توحید اور ملت ابراہیمی کے اتباع کی دعوت دے سکیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اسی زمانہ میں یوسف علیہ السلام کے ساتھ دو اور جوان جیل خانہ میں داخل ہوئے ان دونوں جوانوں میں ایک بادشاہ کا نائبی تھا اور دوسرا = مبالغہ کی ضرورت نہیں۔ میری جو حالت تو نے مشاہدہ کی ہے بلا کم و کاست کہہ دینا۔

قَالَ لَيْسَ فِي السِّجْنِ بِضَعٍ بَيْنَيْنِ... یعنی شیطان نے چھوٹے دالے قیدی کے دل میں مختلف خیالات و وساوس ڈال کر ایسا غافل کیا کہ اسے بادشاہ کے سامنے اپنے محسن بزرگ (یوسف علیہ السلام) کا تذکرہ کرنا یا دبی نہ رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یوسف کو کئی سال اور قید میں رہنا پڑا۔ مدت دراز کے بعد جب بادشاہ نے ایک خواب دیکھا اور اس کی تعبیر کسی کی سمجھ میں نہ آئی تب اس شخص کو یوسف علیہ السلام یاد آئے جیسا کہ آگے آتا ہے ﴿وَقَالَ الَّذِي نَهَايْنَاهُمَا وَإِذْ كُنَّا مِنْهُ مَحْجُورِينَ﴾ جلالانہ کی نسبت شیطان کی طرف اس لیے کی گئی کہ وہ القاتے وساوس وغیرہ کا ذریعہ ہے جو سبب بنتا ہے نسیان کا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفیق سفر نے کہا تھا ﴿وَمَا أَتَيْنَاهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ﴾ لیکن ہر ایک شر میں حق تعالیٰ کوئی خیر کا پلور رکھ دیتا ہے۔ یہاں بھی گو اس نسیان کا نتیجہ تطویل قید کی صورت میں ظاہر ہوا۔ تاہم حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی نکتہ آفرینی کے موافق اس میں یہ نتیجہ ہوگئی کہ ایک پیغمبر کا دل ظاہری اسباب پر نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ بلکہ ان جریر اور بغوی وغیرہ نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ وہ ﴿وَمَا أَتَيْنَاهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ إِذْ كُنَّا مِنْهُ مَحْجُورِينَ﴾ کی ضمیر یوسف علیہ السلام کی طرف راجع کرتے ہیں۔ گویا "اَذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ" کہنا ایک طرح کی غفلت تھی جو یوسف علیہ السلام کو عارض ہوئی۔ انہوں نے قیدی کو کہا کہ اپنے رب سے میرا ذکر کرنا حالانکہ چاہیے تھا کہ سب ظاہری سہارے چھوڑ کر وہ خود اپنے رب سے فریاد کرتے۔ بیشک کشف شدائد کے وقت مخلوق سے ظاہری استعانت اور اسباب کی مباشرت مطلقاً حرام نہیں ہے۔ لیکن ابرار کی حیات مقررین کی سیئات بن جاتی ہیں۔ جو بات عامتہ الناس بے کھٹکے کر سکتے ہیں انبیاء علیہم السلام کے منصب عالی کے اعتبار سے وہ ہی بات ایک قسم کی تقصیر بن جاتی ہے۔ امتحان و ابتلاء کے موقع پر انبیاء کی شان رفیع اسی کو متعین ہے کہ رخصت پر نظر نہ کریں، انتہائی عریضت کی راہ چلیں۔ چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا "اَذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ" کہنا عریضت کے خلاف تھا، اس لیے عتاب آمیز تنبیہ ہوئی کہ کئی سال تک مزید قید اٹھانی پڑی اور اسی لیے "انساء" کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ زیادہ تفصیل روح المعانی میں ہے۔

ساقی (شراب پلانے والا) یہ دونوں بادشاہ کے کھانے میں زہر ملانے کی تہمت میں ماخوذ تھے مقدمہ زیر تحقیق تھا اس لیے دونوں جیل بھیج دیئے گئے چونکہ قید خانہ میں یوسف علیہ السلام کے حسن خلق اور مروت اور صدق و امانت اور زہد و ذکر اور عبادت مشہور ہو چکی تھی اور سب لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ بڑے عابد و زاہد ہیں اور خوابوں کی تعبیریں خوب بتاتے ہیں اس لیے جب یہ دونوں قیدی جیل خانہ میں داخل ہوئے اور یوسف علیہ السلام کا یہ حال دیکھا تو ان کے گرویدہ اور دلدادہ ہو گئے ان میں سے ایک نے یعنی ساقی نے کہا کہ میں اپنے آپ کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں انگور نچوڑ رہا ہوں اور بادشاہ کو شراب پلا رہا ہوں اور دوسرے نے یعنی نابائی نے کہا کہ میں اپنے آپ کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور اس میں سے پرندے نوج نوج کر کھا رہے ہیں۔ آپ ہم کو اس خواب کی تعبیر بتلائیں۔ تحقیق ہم آپ کو نیکو کاروں میں دیکھتے ہیں۔ یعنی مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کے ساتھ موصوف پاتے ہیں اور چونکہ ایک کے خواب کی تعبیر مضرتھی اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے سردست تعبیر دینے سے اعراض فرمایا اور یہ سمجھا کہ یہ ایک دن مرنے والا ہے بہتر یہ ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔ اول ان کو نصیحت کرنا شروع کی اور دعوت ایمان اور توحید سے پہلے اپنا ایک معجزہ ذکر کیا تاکہ اس سے انکافی ہونا معلوم ہو جائے ان دو جوانوں نے آپ علیہ السلام سے خواب کی تعبیر پوچھی تو آپ نے اول ان پر یہ ظاہر فرمایا کہ میرا علم۔ تعبیر خواب میں ہی منحصر نہیں۔ میں اللہ کا نبی علیہ السلام ہوں اور اللہ کی وحی سے غیب کی باتیں صحیح صحیح بنا سکتا ہوں۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام نے کہا جو کھانا تم کو دیا جاتا ہے میں تم کو اس کے آنے سے پہلے اس کے حال اور مال سے آگاہ کر دوں گا کہ فلاں چیز تمہارے پاس آئے گی اور اس کی کیفیت اور کیت یہ ہوگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا۔ ﴿اَتَيْنُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدْرِيُونَ فِي بُيُوتِكُمْ﴾ یعنی میں تم کو آگاہ کر دوں گا اس کھانے سے جو تم کھاتے ہو اور جو جمع رکھتے ہو اپنے گھروں میں مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے تمہارے گھر سے جو کھانا آئے گا میں اس کے آنے سے پہلے ہی تم کو اس کی صفت اور کیفیت سے آگاہ کر دوں گا۔ قیدیوں نے پوچھا کہ تم نہ تو نجومی ہو اور نہ کاہن پو پھر تمہیں یہ علم کہاں سے حاصل ہوا تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ علم منجملہ اس علم کے ہے جو مجھے میرے پروردگار نے سکھایا ہے یعنی یہ کوئی کہانت اور نجوم نہیں بلکہ سب وحی اور الہام ہے اور میرا معجزہ ہے جو میری نبوت کی دلیل ہے۔ اب اثبات نبوت کے بعد اثبات توحید کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تحقیق میں شروع ہی سے اس قوم کی ملت کو چھوڑے ہوئے ہوں کہ جو خدا پر ایمان نہیں رکھتے اور خاص طور پر آخرت کے تو بالکل ہی منکر ہیں چھوڑ دینے کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے میں اس ملت پر تھا پھر چھوڑ کر مومن ہو گیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ میں شروع ہی سے ملت کفر سے بری اور بیزار ہوں اور میں تو خاندان نبوت سے ہوں اور شروع ہی سے اپنے باپ دادوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کی ملت کا پیرو ہوں ان باپ دادوں کے ذکر سے یوسف علیہ السلام کا مقصود یہ تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص خاندان نبوت سے ہے تاکہ لوگ ان کی نصیحت اور دعوت کو غور اور توجہ سے سنیں اور توحید پر یقین لائیں اور سمجھ جائیں کہ توحید سب پیغمبروں کی یکساں ملت ہے ہم کو کسی طرح یہ سزاوار نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریں غرض یہ کہ توحید تمام انبیاء کرام کی ملت کا رکن اعظم ہے یہ توحید اور شرک سے بیزاری ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے کہ موحد بنے اس سے بڑھ کر اور کوئی فضل نہیں اس لیے کہ دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح کا سارا دار و مدار اللہ کی معرفت اور اس کی اطاعت پر ہے

لیکن اکثر آدمی اس نعمت کا شکر نہیں کرتے، بجائے توحید کے شرک میں مبتلا ہیں دہری تو خدا ہی کے منکر ہیں اور نیچری تعلیم انبیاء سے متنفر اور بیزار ہیں۔

### دعوت توحید

اب آگے توحید کی دعوت اور شرک کا ابطال فرماتے ہیں۔ اے میرے جیل خانہ کے رفیقو! بتلاؤ تو سہی کہ کیا جدا جدا اور متفرق معبود بہتر ہیں یا اللہ جو اکیلا اور زبردست ہے اور سب پر غالب ہے اور معبود برحق تو وہی ہے جو سب پر غالب ہو اور یہ بت جن کی تم پرستش کرتے ہو یہ سب عاجز اور مغلوب ہیں۔

نہیں پوجتے تم اللہ کے سوا مگر نرے ناموں کو جو تم نے اور تمہارے بڑوں نے رکھ دیئے ہیں حقیقت میں معبود نہیں گویا کہ تم محض ناموں کی پرستش کرتے ہو تم نے ان بتوں کا نام معبود رکھ لیا۔ محض نام رکھ لینے سے کوئی شے معبود نہیں ہو جاتی اللہ نے ان کے معبود ہونے کے بارے میں کوئی حجت نازل نہیں کی بلا دلیل تم نے ان بتوں کو اور کواکب کو اور نجوم کو خدا ٹھہرا لیا ہے تمہارے پاس نہ کوئی دلیل عقلی ہے اور نہ دلیل نقلی حکم سوائے اللہ کے اور کسی کا نہیں چلتا اور اس نے حکم دیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو بس اسی حکم پر عمل کرو یہی توحید سیدھا دین ہے جس میں کسی قسم کی کجی نہیں لیکن اکثر آدمی اس بات کو جانتے نہیں اس لیے وہ کج راہ کو اختیار کرتے ہیں۔

### تعبیر خواب

یہاں تک یوسف علیہ السلام کی نصیحت اور اثبات نبوت اور دعوت توحید کا بیان تھا کہ یوسف علیہ السلام نے ان کو نصیحت کی اور توحید کی دعوت دی اب آگے ان کے خوابوں کی تعبیر بیان فرماتے ہیں۔ اے میرے دونوں قید خانہ کے ساتھیو تم دونوں کے خوابوں کی تعبیر یہ ہے کہ تم میں ایک تو یعنی ساتی اپنے آقا کو بدستور شراب پلایا کریگا یعنی وہ جرم سے بری ہو جائے گا اور پھر اپنے عہدہ پر بحال ہو جائے گا اور دوسرا یعنی نابنائی مجرم قرار پا کر سولی دیا جائے گا پھر پرندے اس کے سر سے گوشت نوج نوج کر کھا لیں گے ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے یہ تعبیر سنی تو کہا کہ ہم نے کچھ نہیں دیکھا ہم تو دل لگی کرتے تھے یوسف علیہ السلام نے فرمایا فیصل ہو چکا وہ امر جس میں تم فتویٰ پوچھتے تھے کہ خواہ تم نے دیکھا یا نہیں دیکھا اب تو یونہی ہوگا جو اللہ کے نبی نے کہہ دیا یہ حکم قضا و قدر ہے جو کسی حیلہ و بہانہ سے بدل اور ٹل نہیں سکتا چنانچہ ایسا ہی ہوا مقدمہ میں ایک بری ثابت ہوا اور دوسرا مجرم دونوں کو جیل خانہ سے بلا یا گیا اور جب وہ جیل خانہ سے جانے لگے تو یوسف علیہ السلام نے دونوں قیدیوں میں سے فقط اس شخص سے جس کے حق میں ان کو گمان تھا کہ رہائی پائے گا یعنی ساتی سے کہا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا یعنی بادشاہ سے میری بے گناہی کا حال ذکر کرنا اور کہنا کہ ایک بے گناہ عرصہ سے جیل خانہ میں پڑا ہوا ہے۔

بگو ہست اندراں زنداں غریبے ز عدل شاہ دوراں بے نصیبے

اس نے وعدہ کر لیا۔ پھر جب ساتی اپنے عہدہ پر بحال ہو گیا تو شیطان نے اس کو اپنے آقا کے سامنے یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھلا دیا جب ساتی کو شاہی تقرب حاصل ہو گیا تو جیل خانہ کے وعدہ کو بھول گیا۔ حق جل شانہ کو یوسف علیہ السلام صدیق کا

اس طرح درخواست کرنا ناپسند ہوا اس لیے شیطان کو ساقی کی یاد پر مسلط کر دیا کہ مدت تک اس کو یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا یاد نہ آ یا پس اس وجہ سے یوسف علیہ السلام اور چند سال قید خانہ میں رہے کہ صدیق کے شایان شان نہ تھا کہ وہ رہائی کے ایک ظاہری سبب پر نظر رکھے۔ اس کو تو چاہئے تھا کہ ہمہ تن مسبب الاسباب پر نظر رکھتا اس کے بعد سات برس اور قید میں رہے اور اول و آخر مل کر بارہ برس تک رہے اس طویل خلوت سے مقام تقویٰ و توکل کی تکمیل ہو گئی مخلوق سے دفع ضرر کی درخواست کرنا اگرچہ شرعاً جائز ہے مگر انبیاء اور صدیقین کے لیے مناسب نہیں کہ وہ سوائے خدا کے کسی کی مدد پر نظر رکھیں۔

نکتہ:..... اسباب ظاہرہ سے غرض محمود۔ کے لیے استعانت اور استمداد بلاشبہ جائز ہے۔ عصمت کے منافی نہیں مگر نبی اور صدیق کے لیے اولیٰ اور افضل یہ تھا کہ اسباب ظنیہ سے اعراض کرتے چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ تدبیر اسباب ستینیہ عادیہ سے نہ تھی اس لیے عتاب آیا اور بغرض تنبیہ و تادیب اور مزید سات سال زنداں میں رہے یوسف علیہ السلام نے کسی منہی عنہ کا ارتکاب نہیں کیا جو عصمت کے منافی ہوتا البتہ صدیقین اور مقربین کے لیے جس درجہ کا صبر اور توکل مناسب تھا اس میں ذرا کمی آئی اس کی تکمیل کے لیے تنبیہ کر دی گئی کہ صدیقین کے لیے اسباب ظنیہ کا ترک اولیٰ ہے۔ (دیکھو کلید مثنوی ثامن عشر از شرح دفتر ششم ص: ۲۳۳)

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعَ عَجَافٍ وَسَبْعَ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ

اور کہا بادشاہ نے میں خواب میں دیکھتا ہوں سات گائیں موٹی ان کو کھاتی ہیں سات گائیں دبلی اور سات بالیں ہری اور کہا بادشاہ نے، میں خواب دیکھتا ہوں سات گائیں موٹی، ان کو کھاتی ہیں سات دبلی، اور سات بالیں ہری

وَأَخْرَجَ يُبْسَةَ ط يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُءْيَايَ إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُونَ ۝ قَالَوَا

اور دوسری سوکھی فلا اے دربار والو تعبیر کہو مجھ سے میرے خواب کی اگر ہو تم خواب کی تعبیر دینے والے فلا بولے اور دوسری سوکھی۔ اے دربار والو! تعبیر کہو مجھ سے میرے خواب کی، اگر ہو تم خواب کی تعبیر کرتے۔ بولے،

أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعِلْمِنَ ۝ وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا

یہ خیالی خواب ہیں اور ہم کو ایسے خوابوں کی تعبیر معلوم نہیں فلا اور بولا وہ جو بچا تھا ان دونوں میں سے یہ اڑتے خواب ہیں۔ اور ہم کو تعبیر خوابوں کی معلوم نہیں۔ اور بولا وہ جو بچا تھا ان دونوں میں،

فلا وہ سوکھی بالیں ہری بالوں پر پلٹی ہیں اور انھیں خشک کر دیتی ہیں۔ یہ خواب بادشاہ مصر "ریان بن الولید" نے دیکھا۔ جو آخر حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کا اور ظاہری عروج کا سبب بنا۔ یوسف علیہ السلام کے قصہ میں باہم اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ خدا جب کوئی بات چاہتا ہے غیر متوقع طریقہ سے اس کے ایسے اسباب فراہم کر دیتا ہے جن کی طرف آدمی کا خیال نہیں جاتا۔

فلا یعنی اگر اس فن میں کچھ مہارت رکھتے ہو تو میرے خواب کی تعبیر بتاؤ۔

فلا معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اس فن سے جاہل تھے۔ اپنے جہل کا سامان لفظوں میں اقرار کرنے سے شرمائے تو یوں بات بنا دی کہ یہ کوئی خواب نہیں، محض بدیشان خیالات ہیں، بسا اوقات انسان کو نیند میں ایسی صورتیں محسوس ہو جاتی ہیں جو مانع اعتقاد نہیں، نہ ہم ایسے خوابوں کی تعبیر کا علم رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ علم تعبیر روایا کے اصول کے ماتحت نہیں ہوتے۔

وَاذْكُرْ بَعْدَ اٰمَةِ اَنَا اَنْبِئُكُمْ بِتَاوِيلِهٖ فَاَرْسَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيقُ اَفْتِنَا فِي

اور یاد آ گیا اس کو مدت کے بعد میں بتاؤں تم کو اس کی تعبیر سو تم مجھ کو بھیجو۔ جا کر کہا اے یوسف اے سچے حکم دے ہم کو اس خواب میں اور یاد کیا مدت کے بعد میں بتاؤں تم کو اس کی تعبیر، سو تم مجھ کو بھیجو۔ جا کر کہا، یوسف اے سچے حکم دے ہم کو اس خواب میں،

سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعُ عَجَافٍ وَسَبْعُ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَّاٰخِرَ يُبْسَاتٍ لِّلْعَالِيْنَ

سات گائیں موٹی ان کو کھائیں سات دہلی اور سات ہالیں ہری اور دوسری سوکھی تاکہ سات گائیں موٹی، ان کو کھائیں سات دہلی، اور سات ہالیں ہری، اور دوسری سوکھی، کہ

اَرْجِعْ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سَنِيْنَ دَابَّاءَ فَمَا حَصَدْتُمْ

لے جاؤں میں لوگوں کے پاس شاید ان کو معلوم ہو۔ کہا تم کھیتی کرو گے سات برس جم کر سو جو کاٹو میں لے جاؤں لوگوں پاس شاید ان کو معلوم ہو۔ کہا تم کھیتی کرو گے سات برس لگ کر۔ سو جو کاٹو

فَلَدُوْهُ فِيْ سُنْبُلَةٍ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعُ سِنِيْنَ يَأْكُلْنَ

اس کو چھوڑ دو اس کی ہال میں مگر تھوڑا سا جو تم کھاؤ پھر آئیں گے اس کے بعد سات برس سختی کے کھا جائیں گے اس کو چھوڑ دو اس کی ہال میں، مگر تھوڑا جو کھاتے ہو۔ پھر آئیں گے اس پیچھے سات برس سختی کے، کھا دیں

مَا قَدَّمْتُمْ لِهِنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ

جو رکھتا ہے ان کے واسطے مگر تھوڑا سا جو روک رکھو گے سچ کے واسطے پھر آئے گا اس کے پیچھے ایک برس اس میں مینہ برسے گا جو رکھتا ہے ان کے واسطے، مگر تھوڑا سا جو روک رکھو گے۔ پھر آئے گا اس پیچھے ایک برس، اس میں مینہ پائیں گے

### النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

لوگوں پر اور اس میں رس نچوڑیں گے

لوگ اور اس میں رس نچوڑیں گے۔

۱۵ اب خواب کے سلسلہ میں ساقی کو جو قید سے چھوٹ کر آیا تھا مدت کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام یاد آئے اس نے بادشاہ اور اہل دربار سے کہا کہ اگر مجھے ادا کرنے کی اجازت دو تو میں اس خواب کی تعبیر لاسکتا ہوں۔ قید خانہ میں ایک مقدس بزرگ لڑتے صورت موجود ہے جو فن تعبیر کا ماہر ہے (ممکن ہے اس نے اپنے خواب کا قصہ بھی ذکر کیا ہو) میں تعبیر لینے کے لیے اس کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں چنانچہ اجازت دی گئی۔ اس نے یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا جو آگے آتا ہے۔

۱۶ "ایھا الصِّدِّیقُ" کہنے سے یہ عرض تھی کہ آپ مجھ سے ہیں۔ جو بات بھی آپ کی زبان سے نکلی سچ ہو کر رہی امید ہے جو تعبیر اس خواب کی جان کر دیں گے وہ بہ بوری ہو کر رہے گی۔ یہ لفظ بتا رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے صدق و دیانت کا نقش کس طرح امامِ دافاس کے قلوب پر بیٹھا جاتا ہے۔

۱۷ یعنی خواب کی تعبیر اور اس کے ذریعہ سے آپ علیہ السلام کی قدر و منزلت معلوم ہو۔

۱۸ یوسف علیہ السلام نے تعبیر بتانے میں دیر نہ کی نہ کوئی شرط لگائی نہ اس شخص کو شرمندہ کیا کہ تمہارا اتنی مدت کے بعد اب میرا خیال آیا۔ اس سے انبیاء علیہم السلام کے اخلاق و مردت کا اندازہ ہوتا ہے۔ پھر وہ صرف خواب کی تعبیر مانگتا تھا۔ آپ علیہ السلام نے تین بیسیں مطالعہ میں تعبیر تدریس، تعبیر، آہ علیہ السلام کے =



## شاہ مصر کا خواب دیکھنا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا اس کی تعبیر بتانا

قَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سَوِيَّاتٍ يَأْكُلْنَ سَبْعَ ضِئْفِئَاتٍ ذَاتِ ظُهُورٍ عُشْرٍ... وَفِيهِ تَعْوِيْرٌ وَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲﴾

رہط:..... حق جل شانہ جب کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ایسے اسباب بھی پیدا فرما دیتے ہیں جن کی طرف آدمی کا خیال بھی نہیں جاتا چنانچہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانہ سے نجات دلانا منظور ہوا تو بادشاہ مصر ریان بن ولید کو ایک خواب دکھایا جو ان کی رہائی اور ظاہری عروج کا سبب بنا اور بادشاہ نے ایسا عجیب خواب دیکھا جس کی تعبیر سے تمام ممبر عاجز آ گئے اس خواب کی تعبیر کسی کی سمجھ میں نہیں آئی تو اس وقت اس ساقی کو یوسف علیہ السلام یاد آئے اور اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ مجھے جیل خانہ جانے کی اجازت دیجئے۔ وہاں ایک مرد صالح ذی علم محبوس ہیں۔ ان سے خواب کی تعبیر پوچھ آؤں چنانچہ بادشاہ نے اجازت دی اور وہ ساقی حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور خواب بیان کر کے اس کی تعبیر پوچھی اس طرح بادشاہ کا خواب اور یوسف علیہ السلام کی تعبیر ان کی رہائی اور عروج اور بلندی کا سبب بنا کیونکہ خواب کی جو تعبیر دی وہ نہایت عجیب و غریب تھی اور پھر تعبیر کے ساتھ تدبیر بھی تھی اور پھر تدبیر کے ساتھ ایک ہتھیار بھی تھی کہ قحط کے سات سال گزرنے کے بعد خوب بارش ہوگی اور پھل اور میوے افراط سے پیدا ہونگے چنانچہ فرماتے ہیں اور بادشاہ مصر نے ایک خواب دیکھا بادشاہ کا نام ریان بن ولید تھا اور عزیز مصر اس کا وزیر تھا۔ بادشاہ نے اپنے وزراء اور ارکان دولت کو جمع کر کے جو خواب دیکھا تھا اس کو بیان کرنا شروع کیا۔ چنانچہ بادشاہ نے کہا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں سات گائیں فرہ بہ موئی تازی ہیں جن کو سات دہلی گائیں کھا رہی ہیں اور دیکھتا ہوں سات سرسبز اور ہری بالیں اور دوسری بالیں خشک جو ان سات سبز بالوں پر لپیٹ گئیں اور ان کو خشک کر دیا بادشاہ نے اپنا خواب بیان کر کے کہا۔ اے اہل دربار میرے خواب کی تعبیر دو اگر تم خواب کی تعبیر جانتے ہو۔ اہل دربار نے کہا اول تو یہ کوئی خواب نہیں محض پریشان خیالات ہیں اور دماغی بخارات ہیں بسا اوقات انسان کو خواب میں ایسی خیالی صورتیں نظر آجاتی ہیں جو لائق التفات نہیں ہوتیں اور دوسرے یہ کہ ہم لوگ اگرچہ امور سلطنت سے واقف ہیں مگر خوابوں کی تعبیر سے واقف نہیں بادشاہ خواب سے مضطرب تھا اس جواب سے اس کو اطمینان نہ ہوا۔ ع

یارب ایس خواب پریشان مرا تعبیر چیست

کام کا حاصل یہ تھا کہ سات موئی گائیں اور سات ہری بالیں سات برس ہیں، جن میں متواتر طوفانی رہے گی، کھجوروں میں طوب پیداوار ہوگی، حیوانات و نباتات طوب بڑھیں گے، اس کے بعد سات سال قحط ہوگا جس میں سارا بھگنا اندوختہ کھا کر ختم کر ڈالو گے۔ مرت آئندہ قحط ریزی کے لیے کھجوروں کو اسما ہاتی روہاے گا۔ یہ سات سال دہلی گائیں اور سوئی گائیں ہیں جو سوئی گائیوں اور ہری ہالوں کو ختم کر دیں گی۔ تعبیر بتلانے کے دوران میں حضرت یوسف علیہ السلام نے ازراہ شگفتہ و ہمدردی ملاحظہ ایک تدبیر بھی تلقین فرمادی کہ اول سات سال میں جو پیداوار ہو اسے بڑی حفاظت سے رکھو اور کفایت شعاری سے اٹھاؤ۔ کھانے کے لیے جس قدر ملے ضرورت ہو اسے الگ کر لو اور کھجوروں کو احتیاط سے کھاؤ۔ ہائی لہ ہالوں میں رہنے دو تاکہ اس طرح کیڑے و دھیرے سے محفوظ رہ سکیے۔ اور سات سال کی پیداوار چھوہ سال تک کام آئے۔ ایسا نہ کرو گے تو قحط کا مقابلہ کرنا دشوار ہوگا۔ یہ تعبیر تدبیر بتلانے کے بعد انہیں بشارت ملی جو لہا آپ علیہ السلام کو وحی سے معلوم ہوئی ہوگی پہلی سات سال قحط رہنے کے بعد جو سال آئے گا اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے فریادری ہوگی اور خوب مینہ برے گا۔ کھیتی ہاڑی، پھل میوے نہایت افراط سے پیدا ہوں گے، ہالوروں کے قحط دودھ سے بھر جائیں گے۔ انکو ردھیرا چمڑنے کے قابل چیزوں سے لوگ شراب کٹھ کریں گے۔ یہ آخری سات سال کے حسب حال فرمائی۔ کیونکہ وہ یہی کام کرتا تھا۔

اور اس وقت وہ شخص جس نے دونوں قیدیوں میں سے رہائی پائی تھی وہاں مجلس میں حاضر تھا وہ بولا اور ایک مدت کے بعد اس کو یوسف علیہ السلام کا پیغام یاد آیا تو اہل دربار سے کہا میں تم کو اس کی تعبیر سے آگاہ کروں گا تم مجھے جیل خانہ جانے کی اجازت دے دو۔ بادشاہ نے اجازت سے سی اس نے جیل خانہ میں جا کر یوسف علیہ السلام سے کہا۔ اے یوسف علیہ السلام اے صدیق مجسم آپ علیہ السلام تو مجسم صدق ہیں سر سے پیر تک صدق اور سچائی آپ علیہ السلام کے ہر جز میں سرایت کیے ہوئے ہے آپ علیہ السلام کا ظاہر و باطن صدق سے لبریز ہے جو بات آپ کی زبان سے نکلتی ہے وہ سچ ہوتی ہے اور ہو بہو پوری ہوتی ہے بادشاہ نے ایک خواب دیکھا ہے آپ علیہ السلام ہم کو اس خواب کی تعبیر بتائیں کہ سات گائیں موٹی تازی ہیں ان کو سات دہلی گائیں کھائے جا رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں اور ان کے علاوہ دوسری سات بالیں خشک ہیں جو ان سات سبز پر لپٹ کر ان کو بھی خشک کر رہی ہیں یہ خواب بادشاہ نے دیکھا ہے آپ علیہ السلام اس کی تعبیر بتلائیے تاکہ یہ تعبیر لیکر لوگوں کے پاس جاؤں اور امید ہے وہ تعبیر سن کر حیرے مرتبہ اور فضیلت اور بزرگی کو جان لیں گے اور امید ہے کہ وہ تجھے بلائیں گے۔ یوسف صدیق نے کہا اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم اپنی عادت کے مطابق سات سال تک متواتر کھیتی کرو گے یہ سات برس موٹی گائیں اور سات ہری بالیاں ہیں اور اس کے بعد سات دہلی گائیں اور سات خشک بالیاں نمودار ہوں گی یہ قحط کے سات سال ہیں جو گزشتہ سات سال کی تمام پیداوار کو کھا جائیں گے۔ بقرات کی تعبیر و تفسیر سنہین سے اس لیے فرمائی کہ گایوں سے زمین کی کاشت کی جاتی ہے اور پھر اس سے کھیتی اور بالیں نمودار ہوتی ہیں۔

اور پھر اس تعبیر کے بعد اس آنے والے قحط کی ایک تدبیر ارشاد فرمائی اور کہا پس جو کھیتی تم کا تو اس کو بالوں ہی میں چھوڑ دو تاکہ اس کو سرسری نہ لگ جائے یعنی غلہ کو صاف نہ کرو اور دانوں کو نہ نکالو غلہ کو دانوں سمیت ذخیرہ کرو تاکہ آفتوں سے محفوظ رہے مگر تھوڑا سا بقدر حاجت دانہ صاف کر لو اور باقی کو بالوں میں رہنے دو پھر تعبیر شروع فرمائی پھر ان سات برس بعد جن میں تم کھیتی کرو گے دوسرے سات برس سخت قحط اور خشک سالی کے آئیں گے جن میں سرسبزی اور شادابی نہ ہوگی۔ یہی سات سال خشک بالیں اور سات دہلی گائیں ہیں جو موٹیوں اور سبز بالوں کو کھا جائیں گی۔ یہ قحط کے سات سال کھا جاویں گے وہ سب جو تم نے ان سالوں کے لیے پہلے سے جمع کر رکھا تھا۔ مگر تھوڑا سا بچے گا جو تم بیج کی غرض سے محفوظ کر لو گے یعنی جس قدر تم تخم پاشی کے لیے بچا رکھو گے۔ وہ تو بچا رہے گا اور باقی ختم ہو جائے گا اور سات دہلی گایوں اور سات خشک بالوں سے قحط سالی کے ان سات سالوں کی طرف اشارہ ہے پھر اس قحط کے ساتھ سات سال بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں لوگ غیث یعنی بارش یا غوث فریاد اور دستگیری دیئے جائیں گے غیث کے معنی باران کثیر کے ہیں یعنی خوب بارش ہوگی اور غوث کے معنی فریادری کے ہیں یعنی قحط زدہ لوگوں کی باران رحمت سے دستگیری کی جائے گی اور اس سال میں پھل اور انگور اس کثرت سے ہوں گے کہ لوگ ان کا شیرہ چھڑیں گے اور شراب بنا کر پیئیں گے یوسف علیہ السلام نے اول خواب کی تعبیر بتائی پھر لذراہ شفقت و ہمدردی خلاق اس کی تدبیر بتلائی کہ اول کے سات سال ہیں جو غلہ پیدا ہو اس کو حفاظت سے رکھو اور کفایت شعاری سے خرچ کرو تاکہ آئندہ قحط کے سات سال میں گزارہ کر سکو اس طرح سات سال کی پیداوار سے چودہ سال کا کام چلاؤ پھر اس تعبیر و تدبیر کے بعد یوسف علیہ السلام نے ان کو ایک بشارت سنائی۔ ﴿وَهُمْ يَأْتِيهِمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ

النَّاسِ وَفِيهِ يَعْرِضُونَ﴾ یعنی قحط کے ساتھ سال گزرنے کے بعد نہایت فراخی اور خوشحالی کا سال آئیگا۔ یہ بات آپ ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہوئی ہوگی کہ قحط کے سات سال گزرنے کے بعد جو سال آئے گا اس میں خوب بارش ہوگی اور خوب پیداوار ہوگی یا یہ کہ سنت الہیہ یہ ہے ﴿إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ اب اس شدت کے بعد فراخی آئے گی۔

نکتہ:..... جب وہ ساتی یوسف علیہ السلام سے تعبیر پوچھنے آیا تو آپ علیہ السلام نے تعبیر بتلانے میں کوئی شرط نہ لگائی اور نہ کوئی شکوہ کیا کہ اتنی مدت کے بعد تجھ کو میرا خیال آیا اور نہ آئندہ کے لیے اس سے کوئی درخواست کی اس سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی مروت اور اخلاق کا اندازہ کر لیا جائے اور ساتی کا یوسف علیہ السلام سے اس طرح خطاب کرنا ﴿إِنَّمَا الضَّيِّقُ﴾ اے صدیق مجسم یہ اس بات کو بتلا رہا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت اور راست بازی اور دانشمندی اور دانائی کا سکہ کس طرح لوگوں کے دلوں پر بیٹھ جاتا ہے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَسْأَلْهُ مَا بَالُ

اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اس کو میرے پاس، پھر جب پہنچا اس کے پاس بھیجا ہوا آدمی کہا لوٹ جا اپنے خاوند کے پاس اور پوچھ اس سے کیا حقیقت ہے اور کہا بادشاہ نے، لے آؤ اس کو میرے پاس۔ پھر جب پہنچا اس پاس بھیجا آدمی، کہا، پھر جا اپنے خاوند پاس، اور پوچھ اس سے کیا حقیقت ہے ان

النِّسْوَةِ الَّتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۗ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿۵﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُمْ إِذْ

ان عورتوں کی جنہوں نے کاٹے تھے ہاتھ اپنے فل میرا رب تو ان کا فریب سب جانتا ہے فل کہا بادشاہ نے عورتوں کو کیا حقیقت ہے تمہاری جب عورتوں کی؟ جنہوں نے کاٹے ہاتھ اپنے۔ میرا رب تو ان کا فریب سب جانتا ہے۔ کہا بادشاہ نے عورتوں کو کیا حقیقت ہے تمہاری جب

فل بادشاہ کچھ تو پہلے ہی ساتی کے تذکرے سے حضرت یوسف علیہ السلام کا معتقد ہو گیا تھا۔ اب جو ایسی موزوں و دل نشین تعبیر اور رعایا کی ہمدردی کی تدبیر سنی تو ان کے علم و فضل، عقل و دانش اور حسن اخلاق کا سکہ اس کے دل پر بیٹھ گیا فوراً حکم دیا کہ ایسے شخص کو میرے پاس لاؤ، تاکہ اس کی زیارت سے بہرہ اندوز ہوں اور اس کے مرتبہ اور قابلیت کے موافق عورت کروں۔ قاصد پیام شای لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر یوسف کی نظر میں اپنی دینی و اخلاقی پوزیشن کی برتری اور صفائی اعلیٰ سے اعلیٰ دنیاوی عورت و جاہت سے زیادہ مہم تھی۔ آپ علیہ السلام جانتے تھے کہ پیغمبر خدا کی نسبت لوگوں کی ادنیٰ بدگمانی بھی ہدایت و ارشاد کے کام میں بڑی بھاری رکاوٹ ہے۔ اگر آج میں بادشاہی فرمان کے موافق چپ چپاتے قید خانہ سے نکل گیا اور جس جھوٹی تہمت کے سلسلہ میں سالہا سال قید و بند کی مصائب اٹھائیں اس کا قطعی طور پر استیصال نہ ہوا تو بہت ممکن ہے کہ بہت سے ناواقف لوگ میری عصمت کے متعلق تردد اور شبہ میں پڑے رہ جائیں اور ماسدین کچھ زمانہ کے بعد ان ہی بے اصل اثرات سے فائدہ اٹھا کر کوئی اور منصوبہ میرے خلاف کھرا کر دیں۔ ان مصالح پر نظر کرتے ہوئے آپ علیہ السلام نے حکم شای کے امتثال میں جلدی نہ کی بلکہ نہایت صبر و استقلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے قاصد کو کہا کہ تو اپنے مالک (بادشاہ) سے واپس جا کر دریافت کر کہ تجھ کو ان عورتوں کے قصہ کی کچھ حقیقت معلوم ہے جنہوں نے دعوت کے موقع پر اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان عورتوں کے ناموں کی تفصیل کہاں معلوم ہوگی۔ یہ خیال کیا ہوگا کہ ایسا واقعہ ضرور عام شہرت حاصل کر چکا ہے۔ اس لیے واقعہ کے ایک ممتاز جز (ہاتھ کاٹنے) کو ظاہر کر کے بادشاہ کو توجہ دلائی کہ اس مشہور و معروف قصہ کی تحقیق و تحقیق کرے۔ غالباً وہ عورتیں جن کو اس کی تعبیر کس کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیحین کی حدیث میں حضرت یوسف علیہ السلام کے کمال صبر و تحمل کی اس طرح داد دی ہے۔ "لَوْلَيْسَتْ فِيهِ الشَّيْخَانُ مَا لَيْسَتْ يُوْسُفُ لَا تَجِبَتْ الذَّاعِي" (اگر میں اتنی مدت قید میں رہتا جتنا یوسف علیہ السلام رہا تو بلا نے والے کی اجابت کرتا یعنی فوراً ساتھ ہوتا) تحقیق کہتے ہیں کہ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر و تحمل کی تعریف اور لطیف رنگ میں اپنی عبودیت کا مکمل اظہار ہے۔ ہم نے اس مضمون کی تفصیل شرح صحیح مسلم میں کی ہے۔ یہاں اختصار کی وجہ سے زیادہ نہیں لکھ سکتے۔

فل حضرت یوسف علیہ السلام نے "سب کا فریب" فرمایا، اس واسطے کہ ایک کا فریب تھا اور سب اس کی مددگار تھیں اور اصل فریب والی کا نام شاید حق پرورش کی وجہ سے نہیں لیا۔ حیاء کی وجہ سے گول مول فرمایا۔ کیونکہ جانتے تھے کہ اصل حقیقت آنکھوں پر نہ لگے گی۔ کذا فی الموضح۔

رَاوَدْتُنَّ يُوسُفَ عَنْ نَفْسِهِ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ قَالَتْ

تم نے پھسلایا یوسف کو اس کے نفس کی حفاظت سے فل بولیں حاشا للہ ہم کو معلوم نہیں اس پر کچھ برائی بولی  
تم نے پھسلایا یوسف کو اس کے جی سے۔ بولیں، حاشا اللہ! ہم کو معلوم نہیں اس پر کچھ برائی۔ بولی

امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الَّتِي حَصَّصَ الْحَقُّ لَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَانَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾

عورت عزیز کی، اب کھل گئی سچی بات، میں نے پھسلایا تھا اس کو اس کے جی سے، اور وہ سچا ہے فل  
عورت عزیز کی اب کھل گئی سچی بات میں نے پھسلانا چاہا تھا اس کو اس کے جی سے اور وہ سچا ہے۔

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّي لَمْ اَخْنُهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي السّٰبِغَةَ الْخٰبِيْنَ ﴿۵۲﴾

یوسف نے کہا یہ اس واسطے کہ عوز معلوم کر لے کہ میں نے اس کی چوری نہیں کی چھپ کر، اور یہ کہ اللہ نہیں چلاتا فریب دغا بازوں کا فل  
یوسف نے کہا، اتنا اس واسطے کہ وہ شخص معلوم کرے، کہ میں نے چوری نہیں کی، اس عزیز کی چھپ کر، اور یوں کہ اللہ نہیں چلاتا فریب دغا بازوں کا۔

### شاہ مصر کا یوسف علیہ السلام کو ملاقات کے لئے طلب کرنا

قَالَ الرَّجُلَانِ: ﴿هُوَ قَالَ الْمَلِكُ اَنْتَوْنِي بِهٖ، فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُوْلُ... اِلَى... لَا يَهْدِي السّٰبِغَةَ الْخٰبِيْنَ﴾

رابطہ..... یوسف علیہ السلام نے جب بادشاہ کے قاصد کو خواب کی تعبیر دے دی تو قاصد نے آکر بادشاہ سے خواب کی تعبیر بھی بیان  
کی اور یہ بھی بیان کیا کہ یوسف صدیق نے آنے والے قسط کی یہ تدبیر بتلائی ہے تو بادشاہ سن کر حیران رہ گیا اور اس حسن تعبیر اور  
حسن تدبیر سے یوسف علیہ السلام کی جلالت شان کا سکھ اس کے دل پر بیٹھ گیا۔ فوراً حکم دیا کہ ایسے شخص کو میرے پاس لاؤ تا کہ میں  
اس کی دید اور لقاء سے بہرہ اندوز ہوں اور اس کی لیاقت اور قابلیت کے مطابق اس کا اعزاز و اکرام کروں چنانچہ قاصد پیغام  
شاہی لے کر یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر یوسف علیہ السلام نے حاضر ہونے سے انکار کر دیا کہ میں اس وقت تک جیل  
خانہ سے نہ نکلوں گا جب تک لوگوں کے سامنے میری براءت اور نزاہت اور میری بے گناہی نہ ظاہر ہو جائے کہ میں بالکل  
بے تصور ہوں اور بے تصور مجھ کو قید میں ڈالا گیا ہے۔ اول عورتوں سے اس کی تحقیق کر لی جائے تاکہ آئندہ چل کر کوئی مجھ پر  
تہمت نہ لگا سکے اور نہ مجھ پر کسی قسم کی بدگمانی کر سکے یوسف علیہ السلام نے عورتوں کا نام تو لیا مگر احتراماً لیخا کا نام نہ لیا حالانکہ اصل  
وہی تھی۔ حق نمک اور حق تربیت کا خیال کیا اور شرم کے مارے اس کا نام نہ لیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب وہ قاصد تعبیر لے کر

فل بادشاہ نے دریافت کرنے کا ایسا عنوان اختیار کیا گویا وہ پہلے سے خبر رکھتا ہے تاکہ یہ دیکھ کر انہیں جھوٹ بولنے کی ہمت نہ ہو۔ نیز یوسف علیہ السلام کی  
استقامت و صبر کا اثر بڑا ہوگا کہ بدون اظہار براءت کے جیل سے نکلنا گوارا نہیں کرتے اور "اِنَّ زَمِيًّا مَّكِيْدٌ هٰذَا عَلِيْمٌ" کہہ کر ان کے "کید" کا اظہار فرما  
رہے ہیں۔ ادھر ساقی وغیرہ نے واقعات سنائے ہوں گے ان سے بھی یوسف علیہ السلام کی نزاہت اور عورتوں کے مکائد کی تائید ملی ہوگی۔

فل سب عورتوں کی حقیقہ شہادت کے بعد خود لیخا نے بھی صاف اقرار کر لیا کہ قصور میرا ہے۔ یوسف علیہ السلام بالکل سچے ہیں۔ بیشک میں نے ان کو اپنی جانب  
مائل کرنا چاہا تھا لیکن وہ ایسے لاکھے کو تھے کہ میرے داؤ میں آ جاتے۔

فل یعنی اتنی تحقیق و تفتیش اس لیے کرانی کہ پیغمبر از عصمت و دیانت بالکل آشکارا ہو جائے اور لوگ معلوم کر لیں کہ خاتون اور دغا بازوں کا فریب اللہ مٹنے نہیں  
دیتا۔ چنانچہ عورتوں کا فریب نہ چلا۔ آخر حق حق ہو کر رہا۔

بادشاہ کی حضوری میں حاضر ہوا تو بادشاہ کی تعبیر نہایت پسند آئی۔ اس وقت بادشاہ نے کہا کہ اس شخص کو فوراً میرے پاس لیکر آؤ دیکھوں تو سہی یہ کون شخص ہے خود اس کی زبان سے اپنے خواب کی تعبیر سنوں اور اس کے علم و فضل اور عقل و دانش کے موافق اس کا اکرام کروں۔ پس جب بادشاہ کا اپنی خواہ وہ ساقی ہو یا کوئی اور ہو یوسف علیہ السلام کے پاس آیا کہ بادشاہ سلامت آپ کو یاد فرما رہے ہیں چونکہ اس طرح بلانا یہ بھی ایک قسم کی رہائی تھی اس لیے یوسف علیہ السلام نے کہا اپنے آقا کے پاس لوٹ جائیں اس وقت تک جیل خانہ سے باہر قدم نہ نکالوں گا جب تک میرا اس تہمت سے بے قصور ہونا ثابت نہ ہو جائے کہ جس کی وجہ سے مجھ کو قید میں ڈالا گیا ہے پس بادشاہ سے درخواست کرو کہ وہ تحقیق کرے کہ کیا حقیقت حال ہے؟ ان عورتوں کی جنہوں نے زلیخا کی مجلس میں مجھے دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے یعنی میں ابھی جیل سے نکلنا پسند نہیں کرتا جب تک میری اس تہمت سے براءت ظاہر نہ ہو جائے جس کی بنا پر میں قید میں ڈالا گیا ہوں اور ان عورتوں کی تخصیص شاید اس لیے ہو کہ ان کے سامنے زلیخا نے یوسف علیہ السلام کی براءت اور نزاہت کا اقرار کیا تھا اور سب کے سامنے یہ کہا تھا۔ ﴿وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ﴾ تحقیق کے بعد جب میں بری ثابت ہو جاؤں گا تب یہاں سے نکلوں گا اس موقع پر یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی عورت کا ذکر ادا ہوا اور احتراماً نہیں کیا کیونکہ وہ ان کی سیدہ تھی تحقیق میرا پروردگار عورتوں کے مکرو فریب کو خوب جانتا ہے ان عورتوں نے میرے ساتھ بڑے بڑے مکر کیے اور سب نے مل کر مجھ پر زور دیا کہ تجھے اپنی سیدہ کا کہنا ماننا چاہئے اور اس طرح مجھ کو قید ہونا پڑا۔ اللہ کو تو سب معلوم ہے تم بھی ذرا تحقیق کر لو تا کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ خطا کس کی ہے اصل مکرو فریب تو زلیخا کا تھا مگر چونکہ سب عورتیں ان کی حامی اور مددگار تھیں۔ اس لیے عام عنوان اختیار فرمایا اور گول مول فرمایا۔ اور حیا و شرم کی وجہ سے اصل فریب والی کا نام نہ لیا کہ جس کے گھر میں پرورش پائی تھی اس کا کیا نام لوں گول مول فرمایا اور سمجھا کہ اصل حقیقت بالآخر کھل کر رہے گی۔ غرض یہ کہ اپنی واپس آیا اور یوسف علیہ السلام کا منشاء ظاہر کیا۔ بادشاہ نے ان تمام عورتوں کو جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے مع عزیز کی عورت کے طلب کیا جب وہ سب عورتیں مع زلیخا کے حاضر ہو گئیں تو بادشاہ نے کہا، اے عورتو! تمہارا اس وقت کیا حال تھا جب کہ تم نے یوسف علیہ السلام کو اس کے نفس سے پھسلا یا تھا۔ کیا یوسف علیہ السلام نے تمہاری طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھا تھا؟ بادشاہ کے اس سوال سے ظاہر ہے کہ بادشاہ کو اس امر کا قطعی یقین تھا کہ پھسلانے والی اور اپنی طرف لہانے والی عورتیں تھیں اور یوسف علیہ السلام نے ان کو نہیں پھسلا یا تھا بادشاہ نے یہ سوال نہیں کیا کہ یوسف علیہ السلام تم سے کیا چاہتے تھے اور تم یوسف علیہ السلام سے کیا چاہتی تھیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے یہ سوال نہیں کیا کہ یوسف علیہ السلام تم سے کیا چاہتے تھے اور تم یوسف علیہ السلام سے کیا چاہتی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کو اس بات کا علم یقینی تھا کہ یوسف علیہ السلام کی طرف سے کوئی خواہش نہ تھی۔ ساری خواہش اور اصرار اور ڈرانا اور دھمکانا عورتوں کی طرف سے تھا اصل پھسلانے والی صرف زلیخا تھی مگر بادشاہ نے بلحاظ پردہ پوشی زلیخا کو مخاطب نہ کیا بلکہ ان عورتوں کو مخاطب کیا جنہوں نے یوسف علیہ السلام سے کہا تھا کہ اپنی سیدہ کا حکم مانو۔ تمام عورتیں یک زبان ہو کر بولیں (حاشا اللہ) اللہ کی پناہ ہم کہ یوسف علیہ السلام پر کوئی تہمت لگائیں ہم نے اس میں کوئی برائی معلوم نہیں کی۔ برائی تو کیا ہمیں تو یہ معلوم ہوا کہ یہ کوئی فرشتہ ہے۔ عزیز کی عورت یعنی زلیخا جو اس وقت وہاں مجلس میں موجود تھی بولی کہ اب حق بات سب کے سامنے بالکل ظاہر ہو گئی اور چھپانا بیکار ہے بے شک حق یہی ہے کہ میں نے ہی

یوسف علیہ السلام کو اس کے نفس سے پھسلا یا تھا۔ میں نے ہی یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا۔ یوسف علیہ السلام تو مجھ سے نفور اور بیزار ہو کر بھاگا جا رہا تھا اور بلاشبہ وہ سچوں میں سے ہے یوسف علیہ السلام نے جو اپنی براءت کو ظاہر کرنے کے لیے یہ کہا کہ ﴿هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي﴾ بالکل حق اور صدق ہے۔

بجرم خویش کرد اقرار مطلق  
برآمد زد صدائے حصص الحق  
بگفتا نیست یوسف را گنا ہے  
منم در عشق اور گم کردہ راہے  
نخست اور ابوصل خویش خواندم  
چو کا رمن نداد از پیش اندام

بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجا کہ عورتوں نے اپنے گناہ کا اقرار کر لیا ہے لہذا آپ علیہ السلام آئیے تاکہ آپ علیہ السلام کے سامنے انہیں سزا دوں یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے یہ اہتمام اور درخواست اس لئے نہیں کی کہ عورتوں کو سزا دی جائے بلکہ میری غرض اس سے صرف یہ تھی کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی آبرو میں کسی قسم کی خیانت نہیں کی جس شخص نے مجھ کو مثل فرزند کے پرورش کیا اس پر بات واضح ہو جائے کہ میں نے غائبانہ اس کی عزت و ناموس میں کوئی خیانت نہیں کی اور تاکہ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے خیانت کرنے والوں کے حیلہ اور بہانہ کو چلنے نہیں دیا۔ بلکہ اس کو ظاہر کر کے خیانت کرنے والوں کو رسوا کرتا ہے۔ چنانچہ عورتوں کا فریب نہ چل سکا۔ آخر کار حق ظاہر ہو کر رہا اور خیانت کا پردہ فاش ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مجھ سے کوئی خیانت ہوئی ہوتی تو مجھ کو کامیابی نہ ہوتی۔ زلیخا نے اپنے شوہر کے ساتھ خیانت کی تھی اللہ نے اس کی قلبی کھول دی جنہور مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ ﴿ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخْنُفُ﴾ الخ یوسف علیہ السلام کا کلام ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں نے بادشاہ سے جو درخواست کی کہ پہلے عورتوں سے دریافت کر لیا جائے تب جیل خانہ سے باہر آؤں گا اس درخواست سے میری غرض یہ تھی کہ عزیز مصر کو معلوم ہو جائے کہ میں نے غائبانہ اس کے ناموس میں کسی قسم کی کوئی خیانت نہیں کی۔

اور بعض مفسرین نے ﴿ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخْنُفُ﴾ الخ کو زلیخا کا کلام قرار دیا ہے اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ زلیخا نے کہا کہ میں نے یہ سچی گواہی اس لیے دی کہ یوسف علیہ السلام کو معلوم ہو جائے کہ میں نے غائبانہ اس پر جھوٹ نہیں بولا اور اس کی خیانت نہیں کی اور میں نے یہ اقرار اس لیے بھی کیا کہ اللہ خیانت کرنے والوں کے مکر و فریب کو چلنے نہیں دیتا۔ چنانچہ میں نے دیکھ لیا کہ میں نے خیانت کی تھی اور داؤ کھلیا تھا مگر اللہ نے میرا داؤ چلنے نہ دیا اور مجھ کو نصیحت کیا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنہور مفسرین کے نزدیک مختار یہ ہے کہ ﴿ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخْنُفُ﴾ الخ یوسف علیہ السلام کا قول ہے ماقبل میں اگرچہ زلیخا کا کلام تھا مگر زلیخا کے کلام کے بعد اگر یوسف علیہ السلام کا کلام ذکر کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں فرمائے کہتے ہیں کہ ایک انسان کے کلام کو دوسرے انسان کے کلام کے ساتھ ملا دینا جائز ہے اگر کوئی قرینہ موجود ہو جیسا کہ ﴿إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً﴾۔ بتقیس کا کلام ہے اور پھر اس کے بعد ﴿وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ﴾۔ حق تعالیٰ کا کلام ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۱۳۱/۵)

**وَمَا أَبْرَأِي نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ۗ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ**

اور میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو بیشک جی تو کھلاتا ہے برائی مگر جو رحم کر دیا میرے رب نے بیشک میرا رب بخشنے والا ہے اور میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو۔ جی تو سکھاتا ہے برائی، مگر جو رحم کیا میرے رب نے۔ بے شک میرا رب بخشنے والا ہے

### رَجِيمٌ ﴿۵۴﴾

مہربان۔

مہربانِ فَا

## مشمول برتحدیث نعمت و بیان حقیقت عصمت

فَا لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ شَيْءٌ ۚ ﴿۵۴﴾ **﴿وَمَا أَبْرَأِي نَفْسِي ۚ...﴾** الی... **﴿إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾**

رابطہ:..... جب یوسف علیہ السلام نے اپنی براءت اور نزاہت ثابت کرنے کے لیے اتنا زور دیا اور فرمایا کہ **﴿ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ﴾** الخ تو ممکن تھا کہ کوئی یہ شبہ کرے کہ یہ تو ایک قسم کا فخر اور ناز اور غرور و اعجاب اور خود پسندی اور تزکیہ نفس ہے جو عند اللہ ناپسند ہے کما قال اللہ تعالیٰ **﴿فَلَا تَزْكُوا أَنفُسَكُمْ﴾**۔ اس لئے یوسف علیہ السلام نے اس شبہ کے ازالہ کے لیے فرمایا **﴿وَمَا أَبْرَأِي نَفْسِي﴾** الخ یعنی اس اظہار براءت سے میرا مقصود و اعجاب اور تزکیہ نفس نہیں بلکہ تحدیث بالنعمت مقصود ہے کہ میری یہ عصمت اور یہ عفت محض اللہ کے فضل اور اس کی رحمت اور اس کی توفیق سے ہے۔

(دیکھو تفسیر قرطبی ۱: ۲۱۰/۹ و تفسیر روح المعانی ۲: ۱۳/۲ و تفسیر کبیر ۱: ۱۴۲/۵ و تفسیر الی السعود: ۲۲۳/۵)

فَا چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی براءت پر بہت زیادہ زور دیا۔ ممکن تھا کوئی سلی آدی اس سے فخر اور غرور و اعجاب کا شبہ کرنے لگتا اس لیے اپنی نزاہت کی حقیقت کھول دی کہ میں کوئی سخی نہیں مارتانہ پاک صاف رہنے میں اپنے نفس پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔ محض خدا کی رحمت و امانت ہے جو کسی نفس کو برائی سے روکتی ہے۔ یہ ہی رحمت خصوصی عصمت انبیاء علیہم السلام کی کفیل و ضامن ہے ورنہ نفس انسانی کا کام عموماً برائی کی ترغیب دینا تھا۔ خدا تعالیٰ کی خصوصی توفیق و وحی ہی نہ ہوتی تو میرا نفس بھی دوسرے نفوس بشری کی طرح ہوتا۔ "لَا تَزْكُوا أَنفُسَكُمْ" سے اشارہ کر دیا کہ نفس امارہ جب توبہ کر کے "لوامہ" بن جائے تو نہ اس کی پچھلی تقصیرات معاف فرمادیتا ہے۔ بلکہ رفتہ رفتہ مہربانی سے "نفس مطمئنہ" کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔

(تنبیہ) حافظ ابن تیمیہ اور ابن کثیر وغیرہ نے **﴿ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي قَوْمًا ظَالِمِينَ﴾** **﴿وَمَا أَبْرَأِي نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ۗ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾** تک زلیخا کا مقولہ قرار دیا ہے یعنی زلیخانے "أَنَا زَاوِدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ" کا اقرار کر کے کہا کہ اس قرار و اعتراف سے عویز کو یہ معلوم کرانا ہے کہ میں نے اس کی پیشہ چھپے کوئی بڑی خیانت نہیں کی۔ بیشک یوسف علیہ السلام کو بھلانا چاہا تھا مگر میری مراد تو ان پر کارگر نہیں ہوئی۔ اگر میں نے مزید خیانت کی ہوتی تو ضرور اس کا پردہ فاش ہو کر رہتا۔ کیونکہ خدا غافلوں کے مفکر و فریب کو چلنے نہیں دیتا۔ ان میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتی، جتنی غلطی مجھ سے ہوئی اس کا اقرار کر رہی ہوں۔ دوسرے آدمیوں کی طرح نفس کی شرارتوں سے میں بھی پاک نہیں۔ ان سے تو ہوس جیسا پاکباز انسان ہی محفوظ رہ سکتا ہے۔ جس پر خدا کی خاص مہربانی اور رحمت ہے۔ ابو حیان نے بھی اس کو زلیخا کا مقولہ قرار دیا ہے۔ لیکن لِيَعْلَمَ اور لَمْ أَخُنْهُ کی تفسیر میں بھائے عویز کے یوسف علیہ السلام کی طرف راجع کی ہیں۔ یعنی اپنی خطا کا صاف اقرار اس لیے کرتی ہوں کہ یوسف علیہ السلام کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی مدد و جوگی میں کوئی غلط بات نہیں کہی نہ اپنے جرم کو ان کی طرف منسوب کیا۔ واللہ اعلم۔

● قال القرطبي وقال الحسن (البصري) كما قال يوسف ﴿ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ﴾ كرهه نبي الله ان يكون قد زكى نفسه فقال ﴿وَمَا أَبْرَأِي نَفْسِي﴾ وتزكية النفس مذمومة قال الله تعالیٰ ﴿فَلَا تَزْكُوا أَنفُسَكُمْ﴾ (تفسیر قرطبی: ۲۱۰/۹)

● وقال الامام الرازي كما قال عليه السلام ﴿ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ﴾ كان ذلك جارياً معجری مدح النفس =

بر حاشیہ تفسیر کبیر و تفسیر ۱ مظہری: ۳۸/۵

مطلب یہ ہے کہ معاذ اللہ میں بطور فخر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرا نفس بالذات معصیت سے پاک اور بری ہے اور میں بالذات اس بات کا مدعی نہیں کہ بالذات مجھ سے معصیت اور برائی کا صدور ناممکن اور محال ہے کیونکہ برائی کا قصد نفس کی جبلت اور سرشت میں داخل ہے جو نفس بھی گناہ سے بچتا ہے وہ محض اللہ کی رحمت اور عنایت اور توفیق سے بچتا ہے نہ کہ اپنی حول اور قوت سے حضرت یوسف علیہ السلام نے ابتداء اپنی عفت اور عصمت کو بتایا تاکہ تہمت سے بالکل یہ بری ہو جائیں پھر اخیر میں غلبہ حیا اور تواضع اور ادب خداوندی کو ملحوظ رکھتے ہوئے عصمت کی حقیقت کو واضح کر دیا کہ کسی کی عصمت اور نزاہت ذاتی نہیں بلکہ محض فضل خداوندی ہے اور اللہ کی توفیق و عنایت اور اس کی حفاظت و رحمت کے تابع ہے بغیر اس کی رحمت و عنایت کے کوئی فرد گناہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا خوب سمجھ لو کہ عصمت کی حقیقت صرف اللہ کی حفاظت اور رحمت ہے لہذا اہل عصمت و عفت کو چاہئے کہ اپنی عفت اور عصمت پر نظر نہ کریں بلکہ اللہ کی رحمت اور حفاظت پر نظر کریں کہ اگر اللہ تعالیٰ حفاظت نہ فرماتے تو معصیت سے محفوظ رہنا ناممکن اور محال ہے ﴿لَا تَحَاجُّمُ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ﴾ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب یوسف علیہ السلام نے خیانت سے اپنی براءت ظاہر فرمائی تو ممکن تھا کہ کسی کو یہ خیال ہو کہ یہ تو فخر اور ناز اور خود ستائی اور اپنے نفس کی پاکی اور صفائی ہے جو خدا کے نزدیک پسندیدہ نہیں تو اس خیال کے ازالہ کے لیے فرمایا کہ میں اپنے نفس کی پاکی اور صفائی بیان نہیں کرتا یعنی اس گزشتہ قول سے میری یہ غرض نہیں کہ میں اپنے نفس کی پاکیزگی ظاہر کروں کہ میرا نفس پاکیزہ ہے البتہ تحقیق میں خوب جانتا ہوں کہ نفس بالذات برائی کا حکم دینے والا ہے نفس کی طبیعت اور جبلت میں برائی کا میلان رکھا ہوا ہے ایک لمحہ کے لیے بھی نفس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا مگر جس وقت خدا مہربانی کرے تو اس وقت انسان نفس غدار کے شر اور فتنہ سے بچ سکتا ہے صرف اللہ کی رحمت اور عنایت ہی نفس اور شیطان سے حفاظت کر سکتی ہے بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے یوسف علیہ السلام نے اول خیانت اور تہمت سے اپنی براءت کو خوب اچھی طرح ثابت کیا اور بعد میں بطور تواضع اور خاکساری یہ فرمایا ﴿وَمَا أَدْرِي أَتَقْسِي﴾ الخ اشارہ اس طرف فرمایا کہ بندہ کی عصمت اور نزاہت سب اللہ کی رحمت اور عنایت پر موقوف ہے نفس کے جبلی اور ذاتی شر سے محفوظ رہنا بغیر اللہ کی رحمت اور بغیر اس کی حفاظت کے ممکن نہیں اور یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کہ میں نے کسی قسم کی خیانت نہیں کی اس سے مقصود اپنی پاکی اور صفائی اور خود ستائی نہیں بلکہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اپنی رحمت اور توفیق سے مجھ کو نفس کے شر سے محفوظ رکھا میرا یہ فعل بطور تحذیر و نعمت ہے ﴿وَأَمَّا بِدَعْوَةِ رَبِّكَ لَقَدْ كُنْتَ تَذَكَّرُ بِهَا﴾ لذت اور فرحت اور مسرت کے ساتھ اس کی نعمت حفاظت کا ذکر کر رہا ہوں کیونکہ خوب جانتا ہوں کہ آدمی اپنی ذاتی جبلت سے ہر وقت اللہ کی رحمت اور اس کی مغفرت کا محتاج ہے جس درجہ کی رحمت اور عنایت شامل حال ہو گیا اس درجہ کی عصمت اور حفاظت اس کی دستگیر ہوگی کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی عصمت یا عفت کو اپنے = و تزكيتها وقال الله تعالى ﴿فَلَا تَكُونُوا أَتَقْسِي﴾ فاستدرک ذلك على نفسه بقوله ﴿وَمَا أَدْرِي أَتَقْسِي﴾ والمعنى وما ازكى نفسى ﴿إِنَّ النَّفْسَ لَأَكْرَاهَةٌ بَالِغَةٌ﴾ مبالغة إلى القبايح راغبة في المعصية الخ۔ (تفسیر کبیر: ۱۲۲/۵)

● قال القاضي ثناء الله قال يوسف عليه السلام تنبها علي انه لم يرد بذلك تزكية النفس والعجب بحاله بل اظهار ما انعم الله عليه من العصمة والتوفيق وتر عيب الناس الى الاقتداء به والاقتفاء بآثاره۔ (تفسیر مظہری: ۳۸/۵)



نفس کا ذاتی اقتضاء جانے نفس کا ذاتی اقتضاء تو بدی کی ہی طرف ہے اور برائی سے بچنا یہ اللہ کی رحمت اور توفیق سے ہے جس میں اپنی برائت کے بارے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ بطور تحدیثِ نعمت کہہ رہا ہوں کہ اس نے اپنی رحمت سے مجھ کو سوء اور فحشاء سے بالکل محفوظ رکھا اور فخر اور اعجاب یہ بھی ایک قسم کا سوء ہے اس سے بھی اللہ نے مجھ کو محفوظ رکھا اس کہنے میں میری نظر اپنی ذات پر نہیں بلکہ اس کی رحمت اور عنایت پر ہے کہ اگر وہ اپنی رحمت سے میری حفاظت نہ فرمایا تو اندیشہ تھا کہ میں ان کی طرف مائل ہو جاتا۔

ذکر اختلاف مفسرین در تفسیر اس آیت: ..... جمہور مفسرین نے پہلی آیت ﴿ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنَّ لَهَا اَخْتَهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اِنَّهُ لَا یَهْدِیْ كَیۡدَ الْمُخٰبِیۡنِ﴾ اور اس آیت کو یعنی ﴿وَمَا اَبْرَئِیْ نَفْسِیۡ﴾ الخ کو یوسف علیہ السلام کا کلام قرار دیا ہے کیونکہ یہ جملہ غایت درجہ تواضع اور اعساری اور خدا پرستی پر دلالت کرتا ہے جو یوسف علیہ السلام ہی کے شایان شان ہے اور زیلخا اس وقت تک مسلمان نہیں ہوتی تھی بت پرست تھی اور ظاہر ہے کہ ایسا کلام معرفتِ التیام تو خدا پرست ہی کی زبان سے نکل سکتا ہے اور بت پرست کی زبان سے ایسا کلام کہاں نکل سکتا ہے (دیکھو زاد المسیر لابن جوزی: ۴/۲۴۲)

اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہ تمام کلام زیلخا کا ہے جس میں اس نے صراحت کے ساتھ کہہ دیا کہ قصور میرا ہی تھا اور یوسف علیہ السلام بری ہیں اور میں اپنے نفس کو بری نہیں بتلاتی بے شک نفس بری باتوں کا حکم دیتا ہے مگر جس پر خدا رحم کرے سو اس کا نفس اس کو بری بات کا حکم نہیں دیتا انہی میں یوسف علیہ السلام بھی ہے بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے یعنی گو میں نے گناہ کیا ہے مگر خدا غفور رحیم ہے مجھے امید ہے کہ وہ میرا گناہ معاف فرمائے گا اور میں نے اپنے قصور کا علانیہ اقرار اس لیے کر لیا کہ یوسف علیہ السلام سمجھ لے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس پر کوئی بہتان نہیں باندھا یہ قول بعض مفسرین کا ہے مگر راجح اور مختار قول یہی ہے کہ اس قسم کا کلام یعنی ﴿وَمَا اَبْرَئِیْ نَفْسِیۡ﴾ الخ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ کلام اس شخص کا ہے جو تفتی اور پرہیزگار ہو اور گناہوں سے بچنے والا اور بھاگنے والا ہو اور پھر بطور تواضع اور خاکساری یہ کہتا ہو کہ میں اپنے آپ کو پاک اور بری نہیں بتلاتا جو کچھ ہو وہ سب اللہ کی رحمت اور توفیق سے ہو یہ کلام اس عورت کے مناسب نہیں جس نے اپنی جدوجہد کو اللہ کی معصیت اور شوہر کی خیانت میں خرچ کر ڈالا ہو (دیکھو تفسیر کبیر: ۵/۱۴۳)

وَقَالَ الْمَلِكُ اَتْتُونِیۡ بِہٖ اَسْتَعْلِضُہٗ لِنَفْسِیۡؕ فَلَمَّا كَلَّمَتْہٗ قَالَ اِنَّکَ الْیَوْمَ

اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اس کو میرے پاس میں نالٹ کر رکھوں اس کو اپنے کلام میں فلا پھر جب بات چیت کی اس سے کہا اٹھی تو نے آج سے ہمارے پاس اور کہا بادشاہ نے، لے آؤ اس کو میرے پاس، میں خاص کر رکھوں اس کو اپنے کام میں۔ پھر جب بات چیت کی اس سے کہا، سچ تو نے آج ہمارے پاس

لَدِنَا مَكِیۡنٌ اَمِیۡنٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ اجْعَلِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِؕ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلَیۡہُمۡ ﴿۵۱﴾

بلکہ پائی معتبر ہو کر فلا یوسف نے کہا مجھ کو مقرر کر ملک کے خزانوں پر نگہبان ہوں خوب جاننے والا فلا بلکہ پائی معتبر ہو کر۔ یوسف نے کہا، مجھ کو مقرر کر ملک کے خزانوں پر۔ میں خوب نگہبان ہوں خبردار۔

فلا یعنی میرا امین نام رہے گا۔

وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ۖ يَتَّبِعُوا مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۖ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا

اور یوں قدرت دی ہم نے یوسف کو اس زمین میں جگہ چکوتا تھا اس میں جہاں چاہتا فل پہنچا دیتے ہیں ہم رحمت اپنی اور یوں قدرت دی ہم نے یوسف کو اس زمین میں۔ جگہ پکڑے اس میں جہاں چاہے۔ پہنچاتے ہیں ہم اپنی مہر

مَنْ نَشَاءُ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۰﴾ وَلَا جُزْءَ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا

جس کو چاہیں اور ضائع نہیں کرتے ہم بدلہ بھلائی والوں کا اور ثواب آخرت کا بہتر ہے ان کو جو ایمان لائے اور رہے جس کو چاہیں۔ اور ضائع نہیں کرتے ہم نیک بھلائی والوں کا۔ اور نیک آخرت کا بہتر ہے ان کو جو یقین لائے، اور رہے

### يَتَّقُونَ ﴿۱۱﴾

پرہیزگاری میں ۲۱

پرہیزگاری میں۔

یوسف علیہ السلام کی شاہ مصر سے ملاقات اور بالمشافہ گفتگو اور تفویض اختیارات سلطنت

قَالَ الْبَلْبَانُ: ﴿هُوَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهٖ... اِلَى... وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾

اور جب بادشاہ کو یوسف علیہ السلام کی براءت اور نزاہت کا کامل یقین ہو گیا اور یوسف علیہ السلام کی اس شرط نے کہ عورتوں

۲۱ = کچھ پہلے سے معتقد ہو چکا تھا۔ بالمشافہ باتیں سن کر بالکل ہی گرویدہ ہو گیا اور حکم دے دیا کہ آج سے آپ ہمارے پاس نہایت معزز و معتبر ہو کر رہیں گے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”اب عویز کا علاقہ موقوف کیا اپنی صحبت میں رکھا۔“

۲۳ یعنی دولت کی حفاظت بھی پوری کر دیں گا اور اس کی آمد و خرچ کے ذرائع اور حساب و کتاب سے خوب واقف ہوں۔ یوسف علیہ السلام نے خود درخواست کر کے مالیات کا کام اپنے سر لیا۔ تاکہ اس ذریعہ سے عامہ خلائق کو پورا نفع پہنچا سکیں۔ خصوصاً آنے والے خوفناک قحط میں نہایت خوش انتظامی سے مخلوق کی خبر گیری اور حکومت کی مالی حالت کو مضبوط رکھ سکیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا کی عقل بھی کامل رکھتے ہیں۔ اور یہ کہ ہمدردی خلائق کے لیے مالیات کے قصوں میں پڑنا شان نبوت یا بزرگی کے خلاف نہیں سمجھتے نیز ایک آدمی اگر نیک نیتی سے یہ سمجھے کہ فلاں منصب کا میں اہل ہوں اور دوسروں سے یہ کام اچھی طرح بن نہ پڑے گا تو مسلمانوں کی خیر طلبی اور نفع رسانی کی غرض سے اس کی خواہش یا درخواست کر سکتا ہے۔ اگر حسب ضرورت اپنے بعض خصال حسد اور اوصاف حمیدہ کا سحر کرنا پڑے تو یہ ناجائز مدح سرائی میں داخل نہیں۔ عبدالرحمن بن سمرہ کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص از خود امارت طلب کرے تو اس کا بار اسی کے کندھوں پر ڈال دیا جاتا ہے (نبی امانت مددگار نہیں ہوتی) یہ اس وقت ہے جب طلب کرنا محض نفس پروردی اور جاہ پسندی وغیرہ اغراض کی بناء پر ہو۔ واللہ اعلم۔

فل جہاں چاہتے اترتے اور جہاں چاہتے تصرف کرتے۔ گو یاریان بن الولید برائے نام بادشاہ تھا۔ حقیقت میں یوسف علیہ السلام بادشاہی کر رہے تھے۔ اور ”عویز“ کہہ کر پکارے جاتے تھے۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ بادشاہ آپ علیہ السلام کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ نیز اسی زمانہ میں عویز مصر کا انتقال ہوا تو اس کی عودت زینمانے آپ علیہ السلام سے شادی کر لی۔ واللہ اعلم۔ محدثین اس پر اعمتاد نہیں کرتے۔

۲۲ جو بھلائی اور نیکی کا راستہ اختیار کرے خدا اس کو دنیا میں بھی بیٹھا چل دیتا ہے۔ خواہ ثروت و حکومت یا لذت پیش، حیات طیبہ، اور غنائے قلبی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ سب چیزیں نہایت فرمائیں۔ رہا آخرت کا اجر، مودہ ایک ایماندار و پرہیزگار کے لیے دنیا کے اجر سے نہیں بہتر ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ ”یہ جواب ہوا ان کے سوال کا کہ اولاد ابراہیم اس طرح ”شام“ سے مصر میں آئی اور بیان ہوا کہ بھائیوں نے حضرت یوسف کو گھر سے دور پھینکا تاکہ ذلیل ہو۔ اللہ نے عورت دی اور ملک پر اختیار دیا۔ ایسا ہی ہوا ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو۔“

سے بھی دریافت کر لیا جائے بادشاہ کو اور بھی اطمینان دلادیا کہ تحقیقات کی شرط وہی آدمی لگا سکتا ہے جس کو اپنی براءت کا کامل یقین ہو اور خواب کی تعبیر اور پھر اس کے متعلق تدبیر سن کر تو بادشاہ حیران ہی رہ گیا اور کہنے لگا اس شخص کو فوراً میرے پاس لے کر آؤ ایسے شخص کو تو میں خالص اپنے لیے مقرر کروں گا اور عزیز مصر سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ یعنی براہ راست مجھ سے وابستہ ہوں گے اور عزیز مصر کے ماتحت نہ ہوں گے چنانچہ لوگ ان کو بادشاہ کے پاس لائے پس جب بادشاہ نے یوسف علیہ السلام سے بالمشافہ باتیں کیں تو ان کی فہم و فراست کو دیکھ کر بالکل ہی گردیدہ ہو گیا اور حکم دیا کہ تحقیق تو آج سے ہمارے یہاں بڑے مرتبہ والا اور بڑا معتبر ہے بعد ازاں خواب کی تعبیر کا ذکر آیا بادشاہ نے کہا کہ اتنے بڑے قحط کا انتظام بڑا بھاری کام ہے یوسف علیہ السلام نے اس کی تدبیر اور انتظام کا طریقہ بتلایا بادشاہ نے کہا کہ اس کا عظیم کون کفیل اور ذمے دار بنے گا یہ انتظام کس کے سپرد کیا جائے اے یوسف علیہ السلام! میں دیکھتا ہوں کہ تم مجسم صدق اور امانت ہو تم سے کسی قسم کی خیانت کا اندیشہ نہیں صدق اور امانت اور فہم و فراست تمہارے چہرہ سے عیاں ہے دل تمہاری طرف مائل ہے جیسا اطمینان تم پر کیا جاسکتا ہے ویسا اطمینان دوسرے عمال اور حکام پر نہیں کیا جاسکتا یوسف علیہ السلام نے کہا اچھا مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے یعنی ملکی پیداوار اور اس کی آمد و خرچ کا افسر مجھے مقرر کر دیجئے تاکہ یہ خزانے صحیح حق داروں کو پہنچا سکوں اور اس طرح سے بندگان خدا کو آسانی کے ساتھ روزی پہنچا سکوں اور عجب نہیں کہ ساتھ ساتھ یہ بھی خیال کیا ہو کہ یہ عدل و انصاف دعوت حق کا ذریعہ اور وسیلہ بنے گا اور فرمایا کہ تحقیق میں خدا داد علم اور فہم سے بڑا حفاظت کرنے والا ہوں بیت المال کو خیانت سے محفوظ رکھوں گا جن سے مال لینا ہے ان سے لیا جائے گا اور جن کو دینا چاہئے ان کو دیا جائے گا اور بڑا خبردار واقف کار ہوں یعنی حق تعالیٰ نے مجھ میں انتظام کی صلاحیت رکھی ہے اگر آپ نے مجھ کو مقرر کر دیا تو ان شاء اللہ ایسا انتظام کروں گا کہ خدا کے فضل سے کوئی بھوکا نہیں مرے گا چنانچہ بادشاہ نے اس کو منظور کیا اور یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا اور ان کو اپنا وزیر بنا دیا اور سلطنت کا مختار کر دیا اور عزیز مصر کو معزول کر کے سلطنت کے تمام انتظامات ان کے سپرد کر دیئے اور مصر کے تمام خزانے پر متصرف ہو گئے اور تمام قلمرو میں انہی کا حکم چلنے لگا چند روز کے بعد عزیز مصر کا انتقال ہو گیا اور یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے لقب سے مشہور ہوئے کقولہ تعالیٰ فیما بعد ﴿قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ﴾ الخ اور عزیز مصر کے بعد بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کی عزیز مصر کی بیوی زلیخا سے شادی کر دی جس سے دو لڑکے پیدا ہوئے ایک افرانیم اور دوسرا یثا (تفصیل کے لیے دیکھو تفسیر قرطبی: ۲/۲۱۲ و زاد المسیر: ۳/۲۳۳ و تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۸۲)

نکتہ:..... خوب سمجھ لو کہ خلیفہ راشد وہی ہے جو حفیظ و علیم کا مصداق ہو پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے حال پر ایک نظر ڈالو! یوسف صدیق علیہ السلام کا نمونہ نظروں کے سامنے آجائے گا۔ اور ہم نے ایسے ہی عجیب طور پر یوسف علیہ السلام کو زمین مصر میں جگہ دی یعنی اس ملک میں حکومت اور تمکنت عطا کی اور اقتدار اور اختیار دیا کہ اس زمین میں سے جہاں چاہیں رہیں۔ قید خانہ کی تنگی اور تکلیف کے بعد یہ وسعت اور فراخی عطا کی کہ جہاں چاہیں رہیں سارا ملک ان پر فریفتہ ہے اور یہ سب اللہ کی رحمت ہے اور ہم جس کو چاہیں اپنی رحمت پہنچائیں کوئی ہمارا ہاتھ پکڑنے والا نہیں اور ہم نیکو کاروں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتے اور البتہ اہل ایمان اور اہل تقویٰ کو جو اجر آخرت میں ملے گا وہ اس دنیاوی اجر سے کہیں بہتر ہے جس کے سامنے دنیا کی دولت و

ثروت سب بیچ ہے یعنی یوسف علیہ السلام کو جو دنیاوی سلطنت ملی وہ اس کی رحمت کا ایک حصہ ہے یوسف علیہ السلام نیک و کاری اور پرہیزگاری کی بدولت تعرجاہ سے نکل کر تخت جاہ پر پہنچے اور آخرت میں جو اجر و ثواب ان کے لیے مقدر ہے وہ وہم و گمان سے بالا اور برتر ہے۔

دنیا و عقبیٰ کے قدر یافت کہ او جانب صبر و تقویٰ شناخت

خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھو کہ کہاں سے کہاں پہنچایا کنوئیں سے نکال کر مصر کا فرمانروا بنایا شاہ عبد القادر علیہ السلام فرماتے ہیں یہ ”جواب ہوا ان کے سوال کا کہ اولاد ابراہیم علیہ السلام اس طرح شام سے مصر میں آئی اور بیان ہوا کہ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو گھر سے دور پھینکا تاکہ ذلیل ہوں اللہ نے عزت دی اور ملک پر اختیار دیا ایسا ہی ہوا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو۔“ (موضح القرآن)

وَجَاءَ إِخْوَتُهُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿۱۰﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمُ

اور آئے بھائی یوسف کے پھر داخل ہوئے اس کے پاس تو اس نے پہچان لیا ان کو، اور وہ نہیں پہچانتے تھے **فَا** اور جب تیار کر دیا ان کو اور آئے بھائی یوسف کے، پھر داخل ہوئے اس پاس، تو اس نے پہچانا ان کو، اور وہ نہیں پہچانتے۔ اور جب تیار کر دیا ان کو

بِجَهَّازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُمْ مِّنْ أَبِيكُمْ ؕ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّي اُوفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ

ان کا اسباب کہا لے آؤ میرے پاس ایک بھائی جو تمہارا ہے باپ کی طرف سے تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں پورا دیتا ہوں ماپ اور خوب طرح ان کا اسباب، کہا لے آؤ میرے پاس ایک بھائی، جو تمہارا ہے باپ کی طرف سے، تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں پوری دیتا ہوں بھرتی اور خوب

الْمُنْزِلِينَ ﴿۱۱﴾ فَاِنْ لَّمْ تَأْتُونِي بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرُبُوْنِ ﴿۱۲﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ

اتلاتا ہوں مہمانوں کو **فَا** پھر اگر اس کو ملائے میرے پاس تو تمہارے لیے بھرتی نہیں میرے نزدیک اور میرے پاس نہ آؤ **فَا** بولے ہم خواہش کریں گے اتارتا ہوں۔ پھر اگر اس کو نہ لائے میرے پاس تو بھرتی نہیں تم کو میرے نزدیک، اور میرے پاس نہ آؤ۔ بولے ہم خواہش کریں گے

**فَا** موضح القرآن میں ہے ”جب حضرت یوسف علیہ السلام ملک ”مصر“ پر مختار ہوئے خواب کے موافق سات برس خوب آبادی کی اور ملک کا اناج بھرتے گئے۔ پھر سات برس کے قحط میں ایک بھادے میان باندھ کر بکوا یا اپنے ملک والوں کو اور بددلیوں کو سب کو برابر مگر بددلی کو ایک اونٹ سے زیادہ نہ دیتے تھے۔ اس میں قحط بچی قحط سے اور خزانہ بادشاہ کا بھر گیا۔ ہر طرف خبر تھی کہ مصر میں اناج سستا ہے ان کے بھائی خریدنے کی عرض سے آئے۔ ان کے قن و توش، بیت، وضع قحط میں چندال تغیر نہ ہوا تھا۔ ادھر حضرت یوسف علیہ السلام برابر اپنے باپ بھائیوں کا تققد کرتے رہے ہوں گے اور وہاں پہنچنے پر ان کا نام و نشان بھی دریافت کر لیا ہوگا میرا کہ سلاطین و اعیان سے ملاقات کرنے میں عموماً ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ بعض تقاسیر میں ہے کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام سے اپنا نام و نسب وغیرہ بیان کیا۔ ہاں یوسف علیہ السلام ہدائی کے وقت چونکہ بہت چھوٹے تھے اور بھائیوں کو پہلے سے ادھر خیال بھی نہ تھا، بادشاہوں کے یہاں عام آدمیوں کی یہ جرات ہو سکتی ہے کہ ان کا نام و نسب وغیرہ دریافت کریں۔ اس لیے وہ یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے۔

**فَا** حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کی خوب مدارات اور مہمانداری کی۔ ایک ایک اونٹ فی کس غلہ دیا۔ یہ خاص مہربانی اور اخلاق دیکھ کر کہتے ہیں انہوں نے درخواست کی کہ ہمارے ایک علاتی بھائی (بنیامین) کو بوڑھے غمزدہ باپ نے تسکین خاطر کے لیے اپنے پاس روک لیا ہے کیونکہ اس کا دوسرا یعنی بھائی (یوسف) جو باپ کو بے مدد محبوب تھا مدت ہوئی کہیں جھلس جھلسا ہوا ہے۔ اگر بنیامین کے حصہ کا غلہ بھی ہم کو رحمت فرمائیں تو بڑی نوازش ہوگی۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اس طرح قاصد کا حصہ دینا اخلاف کا حصہ ہے تم پھر آؤ تو بنیامین کو ساتھ لاؤ تب اس کا حصہ پاسکو۔ گئے۔ میرے اخلاق اور مہمان نوازی کو تم خود =

عَنْهُ آبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ

اس کے باپ سے اور ہم کو یہ کام کرنا ہے فی اور کہہ دیا اپنے خدمت گاروں کو رکھ دو ان کی پونجی ان کے اسباب میں شاید اس کے باپ سے، اور البتہ ہم کو کرنا ہے۔ اور کہہ دیا، خدمتگاروں کو اپنے رکھ دو ان کی پونجی ان کے بوجھوں میں، شاید

يَعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ قَالُوا

اس کو پہچانیں جب پھر کر پہنچیں اپنے گھر شاید وہ پھر آجائیں فی پھر جب پہنچے اپنے باپ کے پاس بولے اس کو پہچانیں، جب پھر کر جائیں اپنے گھر، شاید وہ پھر آئیں۔ پھر جب پھر گئے اپنے باپ پاس، بولے،

يَا أَبَتَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا آخَانًا نَكْتُلُ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ

اے باپ روک دی گئی ہم سے بھرتی سو بیج ہمارے ساتھ بھائی کو کہ بھرتی لے آئیں، اور ہم اس کے نگہبان ہیں فی کہا میں کیا اے باپ بند ہوئی ہم سے بھرتی، سو بھیج ہمارے ساتھ بھائی ہمارا، کہ بھرتی لائیں، اور ہم اس کے نگہبان ہیں۔ کہا، میں

أَمِنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنْتُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ ۖ قَالَهُ خَيْرٌ حِفْظًا ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ

اعتبار کروں تمہارا اس پر مگر وہی جیسا اعتبار کیا تھا اس کے بھائی پر اس سے پہلے، سو اللہ بہتر ہے نگہبان اور وہی ہے سب مہربانوں سے اعتبار کروں تمہارا اس پر وہی، جیسا اعتبار کیا تھا اس کے بھائی پر پہلے۔ سو اللہ بہتر ہے نگہبان، اور وہ ہے سب مہربانوں سے

الرَّحِيمِ ﴿۶۴﴾ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ۖ قَالُوا يَا أَبَتَانَا مَا

مہربان فی اور جب کھولی اپنی چیز بست پائی اپنی پونجی کہ پھیر دی گئی ان کی طرف، بولے اے باپ ہم کو مہربان۔ اور جب کھولی اپنی چیز بست، پائی اپنی پونجی پھری آئی ان کی طرف۔ بولے، اے باپ ! وہی جو

= مشاہدہ کر چکے ہو، کیا اس کے بعد تمہیں اپنے چھوٹے بھائی کے لانے میں کچھ تردد ہو سکتا ہے؟

فی یعنی دلائے تو سمجھا جائے گا کہ تم جھوٹ بول کر اور دھوکہ دے کر خلاف قاعدہ ایک ادلت زیادہ لینا چاہتے تھے اس کی سزا یہ ہوگی کہ آئندہ خود تمہارا حصہ بھی سوخت ہو جائے گا بلکہ میرے پاس یا میرے قلمرو میں آنے کی بھی اجازت نہ ہوگی۔

فی یعنی گو باپ سے اس کا جدا کرنا سخت مشکل ہے تاہم ہماری یہ کوشش ہوگی کہ باپ کو کسی تدبیر سے راضی کر لیں۔ امید ہے کہ کسی نہ کسی طرح ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر رہیں گے۔

فی یعنی جو پونجی دے کر غلہ خریدا تھا، حکم دیا کہ وہ بھی خفیہ طور پر ان کے اسباب میں رکھ دو تا کہ گھر پہنچ کر جب اسباب کھولیں اور دیکھیں کہ غلہ کے ساتھ قیمت بھی واپس دے دی گئی تو دو بارہ ادھر آنے کی ترغیب مزید ہو کہ ایسے کریم بادشاہ کہاں ملتے ہیں۔ اور ممکن ہے قیمت نہ موجود ہونے کی بناء پر دو بارہ آنے سے مجبور رہیں اس لیے قیمت واپس کر دی۔ بعض نے کہا کہ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے قیمت لینا مروت و کرم کے خلاف سمجھا۔

فی یعنی یوسف کی طرح اس کے متعلق کچھ تردد نہ کیجئے۔ اب ہم چوتھے ہو گئے ہیں پوری طرح حفاظت کریں گے۔

فی یعنی یہی الفاظ "وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" تم نے یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے وقت کہے تھے۔ پھر تمہارے وعدہ پر کیا اعتبار ہو۔ ہاں اس وقت ضرورت شدید ہے۔ جس سے اطمینان نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے تمہارے ساتھ بھیجنا ناگزیر معلوم ہوتا ہے۔ سو میں اس کو نہ انکی حفاظت میں دیتا ہوں۔ وہی اپنی مہربانی سے اس کی حفاظت کرے گا۔ اور مجھ کو یوسف علیہ السلام کی بدانی کے بعد دوسری مصیبت سے بچائے گا۔

تَبِعْنِي ۖ هَذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا ۖ وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَزَادَادُ كَيْلٍ بَعِيرٍ ۗ

اور کیا چاہیے میری پونجی ہماری پھیر دی ہے ہم کو اب جائیں تو رسد لائیں ہم اپنے گھر کو اور خبر داری کریں گے اپنی بھائی کی اور زیادہ لیوں میں بھرتی ایک اونٹ کی فراہم مانگتے ہیں۔ یہ پونجی ہماری پھیر دی ہے ہم کو، اور رسد لائیں ہم اپنے گھر کو، اور خبر داری کریں اپنے بھائی کی، اور زیادہ لیں بھرتی ایک اونٹ کی۔

ذَلِكَ كَيْلٌ يُسِيرٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ

وہ بھرتی آسان ہے **۱۵** کہا ہرگز نہ بھیجوں گا اس کو تمہارے ساتھ یہاں تک کہ دو مجھ کو عہد خدا کا کہ البتہ پہنچا دو گے اس کو میرے پاس، وہ بھرتی آسان ہے۔ کہا ہرگز نہ بھیجوں گا اس کو ساتھ تمہارے، جب تک دو مجھ کو عہد خدا کا کہ البتہ پہنچا دو گے میرے پاس اس کو،

إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿۱۶﴾ وَقَالَ يَبْنَئِي

مگر یہ کہ گھیرے جاؤ تم سب پھر جب دیا اس کو سب نے عہد بولا اللہ ہماری باتوں پر نگہبان ہے **۱۶** اور کہا اے بیٹو! مگر کہ گھیرے جاؤ تم سارے۔ پھر جب دیا اس کو عہد سب نے، بولا، ذمہ اللہ کا ہے جو باتیں ہم کہتے ہیں۔ اور کہا، اے بیٹو!

لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۖ وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ

نہ داخل ہونا ایک دروازہ سے اور داخل ہونا کئی دروازوں سے جدا جدا اور میں نہیں بچا سکتا تم کو اللہ کی کسی بات سے حکم کسی کا نہیں سوائے نہ داخل ہو جیو ایک دروازے سے، اور پھو کئی دروازوں سے جدا جدا، اور میں نہیں بچا سکتا تم کو اللہ کی کسی چیز سے۔ حکم کسی کا نہیں سوا

مِنْ شَيْءٍ ۖ إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۱۷﴾ وَلَمَّا

اللہ کے اسی پر مجھ کو بھروسہ ہے اور اسی پر بھروسہ چاہیے بھروسہ کرنے والوں کو **۱۷** اور جب اللہ کے۔ اسی پر مجھ کو بھروسہ ہے، اور اسی پر بھروسہ چاہئے بھروسہ کرنے والوں کو۔ اور جب

فل یعنی بنیامین کا حصہ۔

فل یعنی ایسی آسان بھرتی کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ جس طرح ہو بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔ بعض نے "ذَلِكَ كَيْلٌ يُسِيرٌ" کا اشارہ پہلے جو غول لائے تھے اس کی طرف کیا ہے اور "یُسِيرٌ" جو معنی قلیل لیا ہے۔ یعنی جو پہلے لائے ہیں وہ حاجت کے اعتبار سے تھوڑا ہے۔ قحط کے زمانہ میں کہاں تک کام دے گا۔ لہذا ضروری ہے کہ جس طرح بن پڑے ہم دوبارہ جائیں اور سب کا حصہ لے کر آئیں۔

۱۵ یعنی اگر تقدیر الہی سے کوئی ایسا مادہ پیش آجائے جس میں تم سب گھر جاؤ اور نکلنے کی کوئی سبیل نہ رہے تب تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ہاں اپنے مقصد اور زندگی بھر بنیامین کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرو گے۔ یہ بکتہ عہد و پیمانہ اور قسمیں لے کر زیادہ تاکید و اہتمام کے طور پر فرمایا "وَاللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ" یعنی جو کچھ عہد و پیمانہ ہم اس وقت کر رہے ہیں وہ سب خدا کے سپرد ہیں۔ اگر کسی نے خیانت اور بد عہدی کی وہ ہی سزا دے گا، یا یہ کہ قول و قرار تو اپنے مقصد کے موافق بکتہ کر رہے ہیں لیکن ان باتوں سے جو مقصد اصلی ہے وہ خدا کی حفاظت و نگہبانی سے ہی پورا ہو سکتا ہے۔ خدا نہ چاہے تو سارے اسباب و تدابیر رکھی رہ جائیں، کچھ نہ ہو۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "ظاہری اسباب بھی بکتہ کر لیے اور بھروسہ اللہ پر رکھا۔ یہی حکم ہے ہر کسی کو۔"

۱۶ برادران یوسف پہلی مرتبہ جو مصر گئے تھے عام مسافروں کی طرح بلا امتیاز شہر میں داخل ہو گئے تھے لیکن یوسف علیہ السلام کی خاص توجہات و لطافت کو دیکھ کر یقیناً وہاں کے لوگوں کی نظریں ان کی طرف لٹنے لگی ہوں گی۔ اب دوبارہ جانا خاص شان و اہتمام سے بلکہ کہنا چاہیے کہ ایک طرح کی یوسف علیہ السلام کی دعوت پر تھا۔ بنیامین جس کی حفاظت و محبت یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے بعد بہت کرتے تھے۔ بھائیوں کے ہمراہ تھے یعقوب علیہ السلام کو خیال گزرا کہ ایک باپ کے گیارہویں خوش رو بیٹوں کا نام شان سے سمیت اجتماعی شہر میں داخل ہونا خصوصاً اس بڑاؤ کے بعد جو عمر و مصر (یوسف علیہ السلام) کی طرف سے لوگ پہلے مشاہدہ کر چکے =

دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةٌ

داخل ہوئے جہاں سے کہا تھا ان کے باپ نے وہاں نہ بچا سکتا تھا ان کو اللہ کی کسی بات سے مگر ایک خواہش تھی  
داخل ہوئے جہاں سے کہا تھا ان کے باپ نے۔ کچھ نہ بچا سکتا تھا ان کو اللہ کی کسی چیز سے۔ مگر ایک خواہش تھی

فِي نَفْسٍ يَعْقُوبَ قَضَاهَا ۖ وَإِنَّهُ لَلَّذُو عِلْمٌ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا

يعتوب کے جی میں سو پوری کرچکا۔ اور وہ تو خبردار تھا جو کچھ ہم نے اس کو سکھایا، لیکن بہت لوگوں کو  
يعتوب کے جی میں، سو کرچکا۔ اور وہ تو خبردار تھا ہمارے سکھائے سے، لیکن بہت لوگ

### يَعْلَمُونَ ﴿۱۷﴾

خبر نہیں

خبر نہیں رکھتے۔

### ظہور قحط عظیم در اطراف مصر و شام

قَالَ النَّبِيُّ: «وَجَاءَ آخُوهُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ...»

رابطہ..... غرض یہ کہ اس طرح یوسف علیہ السلام کو خزانہ مصر پر اقتدار اور اختیار حاصل ہوا اور بادشاہ نے سلطنت کا انتظام  
حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کیا اور ارکان دولت اور وزراء اور امراء نے سر تسلیم خم کر دیا اور یوسف علیہ السلام نے زمین کی پیداوار کا  
انتظام شروع فرمایا اور لوگوں کو کھیتی کرنے کا حکم دیا بیشمار غلہ پیدا ہوا سات برس تک جو غلہ حاصل ہوتا رہا اس میں سے بقدر  
ضرورت و کفایت لوگوں کو دیتے اور باقی کو جمع رکھتے یہاں تک کہ غلہ کا اس قدر ذخیرہ ہو گیا جو سالہا سال کام آسکے چونکہ حق  
تعالیٰ نے قبل از وقوع قحط اس سے آگاہ فرمادیا تھا اس لیے انہوں نے یہ انتظام فرمایا دوسرے ملک والوں کو پہلے سے اس کا  
کچھ علم نہ تھا اس لیے وہ انتظام نہ کر سکے اس انتظام میں سات سال گزر گئے اب اس کے بعد قحط کے سال شروع ہوئے اور

= تھے، ایسی چیز ہے جس کی طرف مام نہ گاہیں ضرور اٹھیں گی۔ "العیین حق اللہ لنگ جانایک حقیقت ہے (اور آج کل مسریزم کے عجائبات تو عموماً اسی وقت نگاہ  
کے کرشمے ہیں) یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو نظر بد اور حد وغیرہ مکروہات سے بچانے کے لیے یہ ظاہری تدبیر عقین فرمائی کہ متفرق ہو کر معمولی حیثیت سے شہر  
کے مختلف دروازوں سے داخل ہوں، تاکہ خواہی نہ خواہی پبلک کی نظریں ان کی طرف نہ اٹھیں ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر دیا کہ میں کوئی تدبیر کر کے قضاء و قدر کے  
فیصلوں کو نہیں روک سکتا تمام کائنات میں حکم صرف خدا کا چلتا ہے۔ ہمارے سب انتقامات حکم الہی کے مقابلہ میں بیکار ہیں۔ ہاں تدبیر کرنا بھی اسی نے سمجھایا  
ہے اور جانور دکھا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ بچاؤ کی تدبیر کر لے مگر بھروسہ خدا پر رکھے گویا لڑکوں کو سنا یا کہ میری طرح تم بھی تہہ دل سے خدا کی حفاظت پر بھروسہ رکھو۔  
تدابیر پر مفروضہ نہ ہو۔

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا خُذُوا زِينَتَكُمْ مِمَّا فِيْ اَسْبَابِكُمْ ۚ وَكُلُوا وَشَرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ

یعنی جس طرح کہا تھا داخل ہوئے تو اگر یہ نظر یا ٹوک رہی۔ لیکن تقدیر اور طرف سے آئی (بنیامین کو الزام سرقہ کے سلسلہ میں روک لیا عمیا) تقدیر دفع نہیں  
ہوتی۔ سو جن کو علم ہے ان کو تقدیر کا یقین اور اسباب کا بچاؤ دونوں حاصل ہو سکتے ہیں۔ لیکن بے علم سے ایک ہو تو دوسرا نہ ہو، یا ہمتی اسباب پر اتکا کر کے تقدیر کا  
انکار کر بیٹھتا ہے یا تقدیر پر یقین رکھنے کے یہ معنی سمجھ لیتا ہے کہ اسباب کو معطل کر دیا جائے، البتہ عارف اور باخبر لوگ تقدیر و تدبیر کو جمع کرتے اور ہر ایک کو اس  
کے درجہ میں رکھتے ہیں۔

مصر اور شام کے تمام علاقوں میں قحط عام ہو گیا جس سے لوگ پریشان ہو گئے یوسف علیہ السلام نے لوگوں کو غلہ دینا شروع کیا کسی کو ایک اونٹ سے زیادہ غلہ نہ دیتے تھے اگرچہ وہ سردار اور حاکم ہو جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ مصر میں سلطنت کی طرف سے غلہ فروخت ہوتا ہے تو اطراف و اکناف سے لوگ غلہ لینے کے لیے آنے لگے اور کنعان میں بھی قحط پڑا تو یوسف علیہ السلام کے بھائی بجز بنیامین کے غلہ لینے کے لیے مصر آئے اور من جانب اللہ وقت آیا کہ یوسف علیہ السلام کے ہاتھ سے ان بھائیوں پر احسان کرائیں جنہوں نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ برائی کی تھی یعقوب علیہ السلام کو جب مصر کا حال معلوم ہوا تو اپنے بیٹوں کو جمع کر کے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ مصر کا بادشاہ بڑا نیک بخت ہے لوگوں کو غلہ دیتا ہے تم بھی اس کے پاس جاؤ اور غلہ لاؤ غرض یعقوب علیہ السلام نے اپنے دسوں بیٹوں کو مصر بھیج دیا اور یوسف علیہ السلام کے سگے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیا پس جب یہ دس بھائی یوسف علیہ السلام کے سامنے آئے تو یوسف علیہ السلام نے ایک ہی نظر میں ان کو پہچان لیا اور وہ ابھی ان سے ناشناس تھے یعنی وہ ابھی یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے اس لیے کہ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو صغیر سن میں چھوڑا تھا اور اس وقت سے لے کر اس وقت تک چالیس سال گزر چکے تھے پھر یہ کہ یوسف علیہ السلام اس وقت لباس شاہانہ میں تخت سلطنت پر جلوہ افروز تھے ایسی حالت میں یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ جلوہ افروز وہی ہمارا بھائی ہے جس کو ہم نے معمولی قیمت میں ایک قافلہ کے ہاتھ فروخت کیا تھا اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے چہرہ پر نقاب رکھتے تھے تاکہ مصر کی عورتیں فتنہ میں نہ پڑیں غرض یہ کہ جب بھائی یوسف علیہ السلام کے سامنے پیش ہوئے تو یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا اور بھائیوں نے ان کو نہ پہچانا یوسف علیہ السلام ان کے ساتھ لطف و کرم سے پیش آئے اور عبرانی زبان میں ان سے ان کے حالات پوچھے کہ تم کون لوگ ہو اور کہاں سے آئے ہو انہوں نے کہا کہ ہم ملک شام کے رہنے والے ہیں ہمارا گزران معاش بکریوں پر ہے قحط کی مصیبت میں ہم بھی گرفتار ہیں اس لیے ہم تیرے پاس غلہ لینے کے لیے آئے ہیں یوسف علیہ السلام نے کہا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم جاسوس ہو اور میرے ملک کا حال معلوم کرنے آئے ہو انہوں نے کہا کہ بخدا ہم جاسوس نہیں ہم سب ایک باپ کے بیٹے ہیں ہمارا باپ بہت بوڑھا اور راست گفتار ہے اس کا نام یعقوب علیہ السلام ہے وہ اللہ کا نبی ہے یوسف علیہ السلام نے کہا تم کتنے بھائی ہو انہوں نے کہا ہم کل بارہ بھائی تھے اور ایک بھائی ہمارے ساتھ جنگل گیا اور ہلاک ہو گیا ہمارے باپ کو اس کے ساتھ ہم سب سے زیادہ محبت تھی یوسف علیہ السلام نے کہا اب تم یہاں کتنے ہو انہوں نے کہا کہ ہم دس ہیں یوسف علیہ السلام نے کہا گیا رہا کیا ہوا انہوں نے کہا کہ وہ اپنے باپ کے پاس ہے باپ نے اس کو اپنے پاس روک لیا کیونکہ وہ ہلاک شدہ بھائی کا سگ بھائی ہے باپ اس سے تسلی پاتا ہے یوسف علیہ السلام نے کہا کیا کوئی اس کی تصدیق کر سکتا ہے کہ تم سچ کہتے ہو انہوں نے کہا ہم پردیس میں ہیں یہاں ہمیں کوئی نہیں جانتا یوسف علیہ السلام نے کہا کہ اچھا اب کی دفعہ تم اس سوتیلے بھائی کو بھی اپنے ساتھ لیتے آنا اسی سے تمہارا سچ معلوم ہو جائے گا بعد ازاں یوسف علیہ السلام نے ان کو غلہ دینے کا حکم دے دیا اور جب یوسف علیہ السلام نے ان کا سامان غلہ کا تیار کر دیا اور ہر ایک کے اونٹ پر گیہوں لدوادیئے تو وہ بولے کہ ہمارا ایک بھائی جس کو باپ نے اپنی تسلی کے لیے روک لیا ہے اس کے حصہ کا بھی ایک اونٹ غلہ کا دے دیا جائے فرمایا کہ یہ قانون کے خلاف ہے اگر اس کو اپنا حصہ لینا ہے تو خود آ کر لے جائے اور ان کو رخصت کیا اور چلتے وقت یہ کہا کہ اب کی دفعہ آؤ تو اپنے اس بھائی کو بھی ساتھ لانا جو تمہارے باپ کی طرف سے تمہارا بھائی



ہے یعنی اپنے علاقائی بھائی کو ساتھ لانا کہ اس کا حصہ بھی دیا جاسکے کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں ماپ کر پورا کرتا ہوں اگرچہ اس کی قیمت پوری نہ ہو اور علاوہ ازیں میں بہترین مہمان نواز ہوں باوجود جاسوسی کے احتمال اور امکان کے میں نے تمہاری مہمان داری میں کوئی کمی نہیں کی اب کی دفعہ آؤ تو بھائی کو بھی ساتھ لاؤ تاکہ اس کے حصہ کا غلہ اس کو مل سکے پس اگر تم اس کو ساتھ نہ لائے تو ایک تو یہ ہوگا کہ تمہارے لیے میرے پاس غلہ کا کوئی ماپ نہ ہوگا اور دوم یہ کہ تم میرے پاس بھی نہ آنا پھر تمہیں یہاں آنے کی اجازت بھی نہیں اگر اس بھائی کو ساتھ نہ لائے تو میری قلمرو میں قدم نہ رکھنا بھائی کو ساتھ نہ لانے سے میں سمجھوں گا کہ تم مجھے دھوکہ دے کر بھائی کے نام سے زیادہ غلہ لینا چاہتے تھے وہ بولے ہم تا حد امکان اس کے متعلق اس کے باپ سے گفتگو کریں گے اور تحقیق ہم اس کام کو کر کے رہیں گے یعنی جتنی کوشش ہو سکے گی اس میں کمی نہ کریں گے باقی اختیار باپ کو ہے اور جب وہاں سے چلنے لگے تو یوسف علیہ السلام نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ ان کی پونجی جو وہ غلہ کی قیمت میں لائے تھے انہی کے شلتیوں یعنی خرچیوں میں رکھ دو شاید یہ لوگ جب اپنے گھر پہنچیں تو اس اس کو پہچانیں کہ یہ کس قدر جو دو کرم ہے کہ غلہ بھی دیا اور قیمت بھی اس کی واپس کر دی اور واپس بھی اس طرح کی کہ ہم کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی شاید وہ اس جو دو کرم کو دیکھ کر دوبارہ واپس آئیں قیمت کو اس طرح واپس کرنے میں چند حکمتیں تھیں (اولاً) یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ اور بھائیوں سے قیمت لینا مروت کے خلاف سمجھا (ثانیاً) یوسف علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ ممکن ہے ان کے پاس اور قیمت نہ ہو اور پھر غلہ لینے نہ آئیں اس لیے ان کی قیمت واپس کر دی تاکہ قیمت پا کر پھر غلہ لینے آئیں (ثالثاً) یوسف علیہ السلام نے ان کے ساتھ ایسی طرح احسان کرنا چاہا کہ ان کو ندامت اور عار نہ ہو کیونکہ اگر ظاہری طور پر قیمت واپس کرتے تو شاید وہ منظور نہ کرتے (رابعاً) یوسف علیہ السلام نے خیال کیا کہ جب یہ قیمت واپس آئیں گے تو ان کی امانت و دیانت اور مروت اس بات پر آمادہ کرے گی کہ وہ ضرور واپس آئیں۔ اور اس پونجی کی واپسی کا سبب دریافت کریں اور کوشش کریں کہ یہ قیمت واپس لی جاوے (خامساً) یہ چاہا کہ اپنے باپ کے سامنے یہ ظاہر کریں کہ مہر کے بادشاہ نے ہمارے ساتھ یہ اکرام کیا ہے اور مزید اکرام سے دوبارہ مع بھائی کے طلب کیا ہے تو یہ سن کر باپ کو بھائی کا بھیجنا گراں نہ گزرے اور جب قیمت ان کے پاس ہوگی تو دوبارہ آنے میں سہولت ہوگی غرض یہ کہ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے ساتھ سلوک اور احسان میں ایسا ہی مبالغہ کیا جیسا کہ بھائیوں نے برائی میں مبالغہ کیا تھا (دیکھو تفسیر کبیر: ۱۳۹/۵)

پس جب یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے باپ کی طرف لوٹے اور وہاں پہنچے تو یعقوب علیہ السلام سے سارا حال بیان کیا کہ بادشاہ بہت نیک سیرت اور عادل ہے اس نے ہمارا اکرام کیا اور ہماری مہمان داری کی یعقوب علیہ السلام سن کر خوش ہوئے اور بادشاہ کو دعادی اور کہنے لگے اے ہمارے والد بزرگوار آئندہ کے لیے ہم سے غلہ روک لیا گیا ہے کہ جب تک اپنے علاقائی بھائی کو نہ لاؤ گے اس وقت تک تم کو کیل (یعنی غلہ کا پیمانہ) نہیں دیا جائے گا لہذا آپ ہمارے ساتھ بھائی بنیامین کو بھیج دیں تاکہ ہم دوبارہ غلہ لاسکیں کیونکہ پہلی مرتبہ غلہ دیتے وقت ہم سے یہ کہہ دیا گیا تھا کہ آئندہ اگر تم اپنے بھائی کو ساتھ نہ لائے تو غلہ نہیں دیا جائے گا اس لیے ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے اور ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ تحقیق ہم ان کی پوری حفاظت کریں گے کوئی برائی اور تکلیف اس کو پہنچنے نہیں دیں گے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا بس رہنے

دو کیا اس کے بارہ میں بھی تمہارا ویسا ہی اعتبار کروں جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی یوسف علیہ السلام کے بارہ میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں یعنی میں بنیامین کے بارے میں تمہارا اعتبار کس طرح کروں یہی بات ہو تم اب کہتے ہو وہی بات تم نے اس کے بھائی یوسف علیہ السلام کے بارے میں کہی تھی اور تم نے مجھ سے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا مگر وہ غلط نکلا تو اب اس کے بارہ میں مجھے تمہارا اعتبار کس طرح آئے سو خیر اگر تم بنیامین کو لے ہی جاؤ گے تو اللہ کے سپرد ہے وہ سب سے بڑھ کر محافظ ہے مطلب یہ ہے کہ میرا بھروسہ خدائے تعالیٰ پر ہے تم پر اور تمہاری حفاظت پر کوئی بھروسہ نہیں میں اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں اور اس کی حفاظت پر چھوڑتا ہوں اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے مجھے اس کی رحمت سے امید ہے کہ وہ ارحم الراحمین اب مجھ پر دو بیٹوں کی مصیبت کو جمع نہ کرے گا اور اس گفتگو کے بعد جب انہوں نے اپنے سامان کو کھولا جو مصر سے لائے تھے تو اس میں اپنی پونجی کو پایا کہ وہ ان کی طرف واپس کر دی گئی پونجی سے مراد وہ قیمت ہے جو غلہ کے عوض دے کر آئے تھے اس کو دیکھا کہ وہ ان کی طرف واپس کر دی گئی ہے جب دیکھا تو کہنے لگے اے ہمارے شفیق و رحیم باپ لیجئے اور ہم کو کیا چاہئے کہ بادشاہ نے ہمارا اکرام کیا اور ہمارے ہاتھ غلہ فروخت کیا اور پھر ہماری قیمت بھی اس طرح واپس کر دی کہ ہم کو خیر بھی نہ کی دیکھ لیجئے یہ ہماری پونجی سامنے ہے جو ہم کو واپس کر دی گئی اس سے بڑھ کر بادشاہ سے کس چیز کو چاہیں پس بادشاہ کی اس شفقت و عنایت کا مقتضی یہ ہے کہ آپ ہم کو دوبارہ بادشاہ کے پاس جانے کی اجازت دیں اور اس بات کی اجازت دیں کہ اپنے بھائی کو اپنے ساتھ لے جائیں جیسا کہ بادشاہ کی شرط ہے اور اس طرح ہم اپنے گھر والوں کے لیے غلہ لائیں گے اور آمدورفت میں اپنے بھائی کی پوری حفاظت کریں گے اور اس کے حصہ کا ایک بار شتر غلہ زیادہ لائیں گے کیونکہ یہ غلہ جو اس وقت ہم لائے ہیں وہ قلیل مقدار ہے جس سے ہماری ضرورت پوری ہوتی نظر نہیں آتی اور بغیر بھائی کے ساتھ لیجائے دوبارہ غلہ ملنا ممکن نہیں۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا خیر مجھے ایسی حالت میں بھیجنے سے انکار تو نہیں مگر میں اس کو اس وقت تک تمہارے ساتھ ہرگز نہ بھیجوں گا جب تک تم مجھے خدا کی قسم کھا کر یہ عہد اور پیمانہ نہ دو کہ تم ضرور اس کو میرے پاس واپس لاؤ گے ہاں اگر تم کہیں گھر جاؤ اور اس کی حفاظت سے مجبور ہو جاؤ تو اس وقت تم معذور ہو گے چنانچہ سب نے اس پر قسم کھائی پھر جب انہوں نے یعقوب علیہ السلام کو اپنا پختہ عہد اور پیمانہ دے دیا تو یعقوب علیہ السلام نے کہا جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے غرض یعقوب علیہ السلام بنیامین کو ان کے ساتھ بھیجنے پر راضی ہو گئے اور جب دوبارہ مصر جانے کے لیے تیار ہو گئے تو چلتے وقت یعقوب علیہ السلام نے ان کو تدبیر اور احتیاط کی نصیحت کی اور کہا اے میرے بیٹو مصر میں تم سب ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا اور متفرق دروازوں سے داخل ہونا یہ حکم اس لئے دیا کہ سب بیٹے صاحب حسن و جمال تھے اور صاحب شوکت و ہیبت و وقار تھے اور ایک باپ کی اولاد تھے اس لیے اندیشہ ہوا کہ اس طرح داخل ہونے سے نظر نہ لگ جائے کیونکہ نظر حق ہے۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نظر حق ہے اور پہلی مرتبہ مصر میں عام مسافروں کی طرح داخل ہوئے تھے اور کوئی پہچانتا نہ تھا اس لیے پہلی مرتبہ اس احتیاط کی ضرورت نہ تھی اور دوبارہ جانا خاص شان اور اہتمام سے تھا اور بادشاہ کی دعوت پر تھا اس لیے حفاظت کی تدبیر فرمائی اور فرمایا کہ یہ محض ایک ظاہری تدبیر ہے اور نظر بد سے بچنے کا ایک ذریعہ اور سبب ہے اور باقی اگر خدا ضرور پہچانا چاہے تو میں تم کو اللہ کی تقدیر سے بچا نہیں سکتا یعنی خواہ تم سب ایک ساتھ ایک ہی دروازہ سے داخل ہو یا متفرق

دروازوں سے تقدیر الہی ہر حال میں تم کو پہنچ کر رہے گی اور احتیاط کچھ بھی کام نہ آئے گی مگر جہاں تک ممکن ہو ظاہری تدبیر اور ظاہری سبب پر عمل کرنا ضروری ہے یہ عالم اسباب ہے حق تعالیٰ نے اسباب کو اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ اس راستہ پر چلو ﴿وَرَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا﴾

اطلبوا الارزاق من اسبابها وادخلوا الابيات من ابوابها

یعقوب علیہ السلام نے بمقتضائے شفقت پدری اولاد ایک تدبیر کا حکم دیا پھر بندہ کے عجز اور لاچارگی پر نظر کر کے تقدیر کا ذکر فرمایا تاکہ بیٹے سمجھ جائیں کہ احتیاطی تدبیر سے مقدر نہیں مل سکتا کیونکہ حکم صرف اللہ کا ہے اس کے حکم کے سامنے کسی کی نہیں چلتی جو اس نے تمہارے لیے مقدر کیا ہے وہ لامحالہ تم کو پہنچے گا اور یہ تدبیر تم کو کچھ نفع نہ دے گی اور باوجود اس تدبیر ظاہری کے میں نے بھروسہ خدا ہی پر کیا ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو چاہئے کہ اسی پر بھروسہ کریں نہ کہ تدبیر پر۔ تدبیر سے گریز کرنے کا نام توکل نہیں بلکہ توکل یہ ہے کہ تدبیر بھی کرو مگر نظر تقدیر پر رکھو اس کے بعد وہ سب وہاں سے روانہ ہوئے اور جب شہر مصر میں اسی طرح متفرق دروازوں سے داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے حکم دیا تھا تو یہ تدبیر ان سے اللہ کی تقدیر میں سے کوئی شے دفع نہ کر سکی لیکن یعقوب علیہ السلام کے دل کی ایک خواہش تھی جس کو انہوں نے پورا کر لیا اور اس کے موافق اولاد کو نصیحت کر دی اور اسی کے مطابق اولاد متفرق دروازوں سے داخل ہوئی مگر جو مقدر تھا وہ دور نہ ہوا اور چوری کا الزام ان پر لگا پس اس تدبیر سے تقدیر نہ دفع ہوئی اور تقدیر دوسری طرف لے آئی اور تحقیق یعقوب بڑا خبردار تھا اس چیز سے جو ہم نے اس کو سکھائی تھی کہ تدبیر بھی کی مگر بھروسہ تدبیر پر نہ کیا اور صحیح علم یہی ہے کہ تدبیر اور تقدیر دونوں کو جمع کرے لیکن اکثر لوگوں کو اس کا علم نہیں کہ وہ تدبیر پر مغرور ہو جاتے ہیں اور تقدیر کا بھید ان کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاتا ہے ظاہر اسباب کو پختہ کرنا اور بھروسہ اللہ پر رکھنا یہی صحیح علم اور صحیح معرفت ہے۔

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا

اور جب داخل ہوئے یوسف کے پاس اپنے پاس رکھا اپنے بھائی کو، کہا تحقیق میں ہوں بھائی تیرا سو غمگین مت ہو ان کاموں سے جو اور جب داخل ہوئے یوسف کے پاس، اپنے پاس رکھا اپنے بھائی کو، کہا میں ہوں تیرا بھائی، سو تو غمگین نہ رہ ان کاموں سے جو

يَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ جَعَلَ السَّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ

انہوں نے کئے ہیں فی پھر جب تیار کر دیا ان کے واسطے اسباب ان کا رکھ دیا پینے کا باسن بوجھ میں اپنے بھائی کے پھر پکارا پکارنے والے نے کرتے رہے ہیں۔ پھر جب تیار کر دیا ان کو اسباب ان کا رکھ دیا پینے کا باسن بوجھ میں اپنے بھائی کے، پھر پکارا پکارنے والا، فی حضرت یوسف نے بنیامین کے ساتھ ممتاز معاملہ کیا۔ اور غلوٹ میں آہستہ سے آگہ کر دیا کہ میں تیرا حقیقی بھائی (یوسف) ہوں۔ جو مظالم ان علاقائی بھائیوں نے ہم پر کیے کہ مجھے باپ سے ہدا کر کے کنوئیں میں ڈالا۔ غلام بنا کر بیچا۔ اور ہمارے باپ بھائی وغیرہ کو فراق کے صدمہ میں مبتلا کیا یا اب یہاں آتے ہوئے تمہارے ساتھ کوئی کھتی کی، ان باتوں سے غمگین مت ہو۔ وقت آ گیا ہے کہ ہمارے سب غم غلا ہو جائیں اور غمگینوں کے بعد حق تعالیٰ راحت و عورت نصیب فرمائے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "اس بھائی کو جو یوسف علیہ السلام نے آرزو سے بلایا اور دل کو حمد ہوا۔ اس سفر میں اس کو بات بات ہر جہز کئے اور طے دیتے رہا حضرت یوسف علیہ السلام نے سلی کر دی۔

أَيُّهَا الْعَيْزُ إِنَّكُمْ لَسِرْقُونَ ﴿۵۰﴾ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقَدُونَ ﴿۵۱﴾ قَالُوا نَفَقْدُ

اے قافلہ والو تم تو البتہ چور ہو فی کہنے لگے منہ کر کے ان کی طرف تمہاری کیا چیز گم ہوگئی؟ بولے ہم نہیں پاتے اے قافلے والو! تم مقرر چور ہو۔ کہنے لگے منہ کر کے ان کی طرف، تم کیا نہیں پاتے؟ بولے ہم نہیں پاتے

صَوَاعِ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿۵۲﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا

بادشاہ کا پیمانہ اور جو کوئی اس کو لاتے اس کو ملے ایک بوجھ اونٹ کا، اور میں ہوں اس کا ضامن ﴿۵۱﴾ بولے قسم اللہ کی تم کو معلوم ہے ہم بادشاہ کا ماپ اور جو کوئی وہ لائے، اس کو ایک بوجھ اونٹ کا، اور میں ہوں اس کا ضامن۔ کہنے لگے قسم اللہ کی! تم کو معلوم ہے ہم

جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ﴿۵۳﴾ قَالُوا فَمَا جَزَاءُوهَا إِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِينَ ﴿۵۴﴾

شرارت کرنے کو نہیں آتے ملک میں اور نہ ہم کبھی چور تھے ﴿۵۲﴾ بولے پھر کیا سزا ہے اس کی، اگر تم نکلے جھوٹے ﴿۵۳﴾ شرارت کرنے کو نہیں آئے ملک میں اور نہ ہم کبھی چور تھے۔ بولے، پھر کیا سزا ہے اس کی اگر تم جھوٹے ہو۔

قَالُوا جَزَاءُوهَا مَنْ وَجَدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاءُوهَا ۖ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظٰلِمِينَ ﴿۵۵﴾ فَبَدَأَ

کہنے لگے اس کی سزایہ کہ جس کے اسباب میں سے ہاتھ آئے وہی اس کے بدلے میں جائے ہم یہی سزا دیتے ہیں ظالموں کو ﴿۵۴﴾ پھر شروع کیا کہنے لگے اس کی سزایہ کہ جس کے بوجھ میں پائے، وہی جائے اس کے بدلے میں۔ ہم یہی سزا دیتے ہیں گنہگاروں کو۔ پھر شروع کیا

بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِعَاءِ أَخِيهِ ۖ كَذٰلِكَ كِنٰنَا

یوسف نے ان کی خرجیاں دیکھی اپنے بھائی کی خرجی سے پہلے آخر کو وہ برتن نکالا اپنے بھائی کی خرجی سے ﴿۵۵﴾ یوں داؤ بتا دیا ہم نے یوسف نے ان کی خرجیاں دیکھی، پہلے اپنے بھائی کی خرجی سے، پیچھے وہ باسن نکالا خرجی سے اپنے بھائی کی۔ یوں داؤ بتا دیا ہم نے

﴿۵۵﴾ یعنی جب یوسف علیہ السلام کے حکم سے ان کا غلہ دوا یا اور سامان سفر تیار کیا گیا تو ایک چاندی کا پیالہ اپنے بھائی بنیامین کے اسباب میں بلا اطلاع رکھ دیا۔ جس وقت قافلہ روانہ ہونے لگا، محافظین کو پیالہ کی تلاش ہوئی۔ آخر ان کا شبہ اسی قافلہ پر گیا۔ قافلہ تھوڑی دور نکلا تھا کہ محافظین میں سے کسی نے آواز دی کہ گنہگار وہم لوگ یقیناً چور معلوم ہوتے ہو۔

﴿۵۶﴾ (تنبیہ) اگر یہ لفظ یوسف علیہ السلام کے حکم سے کہے گئے تو یہ مطلب ہوگا کہ کوئی مال پراتا ہے، تم وہ جو جنہوں نے باپ کی چوری سے بھائی کو سچ ڈالا۔ ﴿۵۷﴾ یعنی ہم کو خواہ مخواہ چور کیوں بناتے ہو۔ اگر تمہاری کوئی چیز گم ہوئی ہے وہ بتلاؤ ہم ابھی نہیں گئے نہیں ہمارے اسباب میں تلاش کر لو۔

﴿۵۸﴾ محافظین نے کہا، بادشاہ کے پانی پینے کا پیالہ یا غلہ ناپنے کا پیمانہ گم ہو گیا ہے۔ اگر بدون جیل و جت کے کوئی شخص حاضر کر دے گا تو غلہ کا ایک اونٹ انعام پاسے گا۔ میں اس کا مددگار ہوں۔

﴿۵۹﴾ یعنی مصر میں ہمارا چال چلن عام طور پر معلوم ہے کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ ہم نے یہاں کبھی کبھی شرارت کی؟ نہ ہم شرارتوں کے لیے یہاں آئے۔ اور نہ چوروں کے مانند ان سے ہیں۔

﴿۶۰﴾ محافظین نے کہا کہ تم فنسول جتیں کر رہے ہو۔ اگر مال مسروق تمہارے پاس سے برآمد ہو گیا تو کیا کر دو گے۔ ﴿۶۱﴾ یہ شریعت ابراہیمی میں چور کی سزا تھی۔ یعنی جس کے پاس سے چوری لگے وہ ایک سال تک غلام ہو کر رہے۔ برادران یوسف علیہ السلام نے اپنے قانون شری کے موافق بے حامل سزا کلا کر دیا کیونکہ ان میں پورا یقین تھا کہ ہم چور نہیں۔ نہ چوری کا مال ہمارے پاس سے برآمد ہو سکتا ہے۔ اس طرح اپنے الزام سے خود بچو گے گئے۔ ﴿۶۲﴾ یعنی اس نظر کے بعد محافظین ان کو "عز مصر" (یوسف علیہ السلام) کے پاس لے گئے اور سب ماجرا کہہ سنایا۔ انہوں نے یقیناً حکم دیا۔ پہلے دوسرے =

لِيُوسُفَ ۖ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۖ تَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّنْ

یوسف کو فدا وہ ہرگز نہ لے سکتا تھا اپنے بھائی کو دین میں اس بادشاہ کے مگر جو چاہے اللہ فدا ہم درجے بلند کرتے ہیں جس کے یوسف کو۔ ہرگز نہ لے سکتا اپنے بھائی کو انصاف میں اس بادشاہ کے، مگر جو چاہے اللہ۔ ہم درجے بلند کرتے ہیں جس کو

نَشَاءُ ۖ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿۵﴾ قَالُوا إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ ۖ

چاہیں فدا اور ہر جاننے والے سے اوپر ہے ایک جاننے والا فدا کہنے لگے اگر اس نے چرایا تو چوری کی تھی اس کے ایک بھائی نے بھی اس سے پہلے فدا چاہیں۔ اور ہر خبر والے سے اوپر ہے ایک خبردار۔ کہنے لگے، اگر اس نے چرایا، تو چوری کی ہے ایک اس کے بھائی نے بھی پہلے۔

فَأَسْرَهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۖ قَالَ أَنْتُمْ شَرُّ مَكَانًا ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا

تب آہستہ سے کہا یوسف نے اپنی جی میں اور ان کو نہ بتایا کہا جی میں کہ تم بدتر ہو درجہ میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تب آہستہ کہا یوسف نے اپنے جی میں اور ان کو نہ بتایا۔ بولا کہ تم اور بدتر ہو درجے میں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو

= بھائیوں کی فرجیاں (زنجیلیں اور بیگ وغیرہ) دیکھے گئے، پیالہ برآمد نہ ہوا۔ اخیر میں بنیامین کے اسباب کی تلاشی ہوئی، چنانچہ پیالہ اس میں سے نکل آیا۔  
۱ یا یوں تدبیر کی ہم نے یوسف علیہ السلام کے لیے۔

۲ یعنی بھائیوں کی زبان سے آپ ہی نکلا کہ جس کے پاس مال نکلے غلام بنا لو۔ اس پر پکڑے گئے ورنہ حکومت مصر کا قانون یہ تھا۔ اگر ایسی تدبیر نہ کی جاتی کہ وہ خود اپنے اقرار میں بندہ جائیں تو ملکی قانون کے موافق کوئی صورت بنیامین کو روک لینے کی تھی۔

۳ یعنی جسے چاہیں حکمت و تدبیر سکھائیں۔ یا اپنی تدبیر لطیف سے سر بلند کریں۔ دیکھو وہ ہی لوگ جنہوں نے باپ کی چوری سے یوسف علیہ السلام کو چند درہم میں بیچ ڈالا تھا۔ آج یوسف علیہ السلام کے سامنے چوروں کی حیثیت میں کھڑے ہیں۔ شاید اس طرح ان کی پھٹی غلطیوں کا کفارہ کرنا ہوگا۔

۴ یعنی دنیا میں ایک آدمی سے زیادہ دوسرا، دوسرے سے زیادہ تیسرا جاننے والا ہے مگر سب جاننے والوں کے اوپر ایک جاننے والا اور ہے جسے "عالم الغیب والشہادۃ" کہتے ہیں۔

(تنبیہ) واضح ہو کہ اس تمام واقعہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے کوئی لفظ خلاف واقعہ نہیں نکلا۔ نہ کوئی حرکت خلاف شرع ہوئی۔ زیادہ

سے زیادہ انہوں نے "تورہ" "تورہ" "تورہ" کا مطلب ہے ایسی بات کہنا یا کرنا جس سے دیکھنے سننے والے کے ذہن میں ایک ظاہری اور قریبی مطلب آئے لیکن متکلم کی مراد دوسری ہو جو ظاہری مطلب سے بعید ہے۔ اگر یہ "تورہ" کسی نیک اور محمود مقصد کے لیے کیا جائے تو اس کے جائز بلکہ محمود ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور کسی مذموم و قبیح غرض کے لیے ہو تو وہ "تورہ" نہیں دھوکہ اور فریب ہے۔ یہاں حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ یعقوب علیہ السلام کے ابتلاء و امتحان کی تکمیل کر دی جائے۔

یوسف کے بعد بنیامین بھی ان سے جدا ہوں۔ ادھر مدت کے بگھروسے ہوئے دو یعنی بھائی آپس میں مل کر رہیں۔ یوسف علیہ السلام کو امتحان کی گھائیوں سے نکلنے کے بعد اول علانی بھائیوں پھر یعنی بھائی والد بزرگوار اور سب کنبہ سے بتدریج ملائیں۔ دوسری طرف برادران یوسف سے جو غلطیاں ہوئی تھیں کچھ ٹھوکریں کھا کر وہ بھی مغفور رحم کے دروازہ پر پہنچ جائیں۔ اور نہ معلوم کیا کیا حکمتیں ہوں گی جن کی وجہ سے یوسف علیہ السلام کو تھوڑا سا "تورہ" کرنے کی ہدایت ہوئی۔ انہوں نے پیالہ اپنے بھائی کے اسباب میں رکھا۔ پھر نہ کسی پر اس کی چوری کا الزام لگایا نہ یہ کہا کہ ہم فلاں کو چوری کی سزا میں پکڑتے ہیں۔ صورتیں ایسی پیدا ہوئی ہلی گئیں جن سے آخر میں بنیامین کے لیے اپنے بھائی کے پاس عورت و راحت کے ساتھ رہنے کی سبیل نکل آئی۔ "مصلحت" بعض ایسے الفاظ بیچک استعمال کیے جن کے معنی متناہر و مراد نہ تھے یا بعض چیزوں پر سکوت کیا جن کی نسبت اگر کچھ بولتے تو راز فاش ہو کر اسل مقصد فوت ہو جاتا۔ واللہ اعلم۔

۵ یہ اشارہ یوسف علیہ السلام کی طرف تھا۔ اپنی ہامہاری جتانے کے لیے محض ناحق کوشی اور عناد سے بنیامین کے جرم کو پختہ کر دیا اور اتنی مدت کے بعد بھی یوسف علیہ السلام معصوم پر چھوٹی تہمت لگانے سے دھرماتے مسرین نے اس موقع پر کئی قصے بیان کئے ہیں جن کی طرف برادران یوسف نے چوری کے لفظ میں اشارہ کیا تھا۔ ان کے نکلنے کی یہاں مامت نہیں۔

تَصِفُونَ ﴿۴﴾ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ ؕ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ

تم بیان کرتے ہوئے کہنے لگے اے عزیز! اس کا ایک باپ ہے بوڑھا بڑی عمر کا سو رکھ لے ایک کو ہم میں سے اس کی جگہ ہم دیکھتے ہیں تو ہے تم بتاتے ہو۔ کہنے لگے، اے عزیز! اس کا ایک باپ ہے بوڑھا، بڑی عمر کا، سو رکھ لے ایک ہم میں سے اس کی جگہ۔ ہم دیکھتے ہیں تو ہے

الْمُحْسِنِينَ ﴿۵﴾ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ ؕ إِنَّا إِذَا

احسان کرنے والا ہوں بولا اللہ پناہ دے کہ ہم کسی کو پکڑیں جس کے پاس پائی ہم نے اپنی چیز ہے تو ہم ضرور احسان کرنے والا۔ بولا، اللہ پناہ دے! کہ ہم کسی کو پکڑیں مگر جس پاس پائی اپنی چیز تو تو ہم

### لُظَلْمُونَ ﴿۶﴾

بے انصاف ہوتے ہیں

بے انصاف ہوئے۔

باردوم آمدن برادران یوسف علیہ السلام

قَالَ الْعَزِيزُ: ﴿وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوْىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ... إِلَىٰ... عِنْدَهُ ؕ إِنَّا إِذَا لُظَلْمُونَ﴾

رہطہ:..... یہاں تک برادران یوسف علیہ السلام کی پہلی بار آمد کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں ان کی دوسری بار آمد کا ذکر ہے اور جب باردوم یعقوب علیہ السلام کی وصیت کے مطابق گیارہ بھائی یعنی دس بھائی سابق مع بنیامین کے مختلف دروازوں سے مصر میں داخل ہوئے اور یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے اور بنیامین کو پیش کر کے کہا کہ ہم آپ کے حکم کے مطابق اپنے اس علاقے بھائی کو اپنے ساتھ لائے ہیں جو آپ کے سامنے ہے یوسف علیہ السلام نے دو دو بھائیوں کو ایک ایک جگہ ٹھہرا دیا بنیامین اکیلے رہ گئے اس فل یعنی ایسا سخت لفظن کر بھی یوسف بے قابو نہیں ہوئے، کیونکہ مصلحت خداوندی اٹھائے راز کو متعنی نہ تھی۔ یوسف علیہ السلام نے بات کو دل میں رکھا۔ جواب دے کر ان کے اتہام کی حقیقت دکھولی۔ اپنے جی میں کہا ﴿أَنْتُمْ كَذِبَةٌ كَذِبَتُمْ عَلٰى اللَّهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ﴾ یعنی اللہ چور کو تو ال کو ڈانٹے، مجھے چور بناتے ہو؟ مالا کہ تم نے ایسی چوری کی کہ بھائی کو باپ سے چرا کر بیچ ڈالا۔ باقی میری چوری کا حال اللہ کو معلوم ہے۔ بعض مفسرین نے ﴿أَنْتُمْ كَذِبَةٌ كَذِبَتُمْ عَلٰى اللَّهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ﴾ کا مطلب یہ لیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے ان کو خطاب کر کے کہا کہ تم بڑے ہی بدترین لوگ ہو۔ ابھی تو کہہ رہے تھے ﴿وَمَا كُنَّا نَبِرُدِّقُكُمْ﴾ ہم چوروں میں کے نہیں۔ جب ایک بھائی کے اسباب میں سے مال برآمد ہوا تو اس کے ساتھ دوسرے غیر حاضر بھائی کو بھی ملوث کرنے لگے تو یا چوری کرنا تمہارا خاندانی پیشہ ہے (العیاذ باللہ) خدا خوب جانتا ہے کہ تم اپنے بیان میں کہاں تک سچے ہو۔ وہ ہی تم کو غلط بیانیوں کی سزا دے گا۔

۲ یعنی بڑے باپ کو بڑا سزا دینے کا، وہ ہم سب سے زیادہ اس کو اور اس کے بھائی یوسف علیہ السلام کو چاہتے تھے۔ یوسف علیہ السلام کے بعد اب اسی سے اپنے دل کو ٹکی دیتے ہیں۔ آپ اگر اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو رکھ لیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ آپ ہمیں مخلوق پر احسانات کرتے ہیں اور ہم پر خصوصی احسان فرماتے رہے ہیں۔ امید ہے ہم کو اپنے کرم سے مایوس نہ فرمائیں گے۔

۳ یعنی خدا پناہ میں رکھے، کہ ہم کسی کو بے سبب دوسرے کے بدلے میں پکڑنے لگیں۔ ہم تو صرف اسی شخص کو رد کیں گے جس کے پاس سے اپنی چیز ملی ہے۔ (وہ بنیامین ہے جو صیغی بھائی ہونے کی حیثیت سے ہمارے پاس رہے گا) یہاں بھی ﴿إِلَّا مَنْ سَرَقٌ﴾ کی جگہ "إِلَّا مَنْ سَرَقٌ" نہیں فرمایا جو مختصر تھا۔ کیونکہ واقعہ کے خلاف ہوتا۔

۴ یعنی مجرم کے بدلے میں بے قصور کو پکڑیں تو تمہارے خیال اور قانون کے موافق ہم بے انصاف ٹھہریں گے۔

لیے یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اپنے پاس اس کو ٹھہرایا اور کھانے میں ان کو شریک کر لیا اور خلوت میں یوسف علیہ السلام نے بنیامین سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے اس نے کہا بنیامین یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ تیری ماں کا نام کیا ہے بنیامین نے کہا راحیل یوسف علیہ السلام نے پوچھا کوئی تیرا سگا بھائی بھی ہے۔ بنیامین نے کہا ایک بھائی تھا وہ ہلاک ہو گیا یوسف علیہ السلام نے کہا اگر میں تیرے اس بھائی کے بدلہ جو ہلاک ہو گیا ہے بھائی ہو جاؤں تو تو اس بات کو پسند کرے گا بنیامین نے کہا تجھ سے اچھا بھائی کس کو مل سکتا ہے لیکن تجھ کو یعقوب علیہ السلام اور راحیل نے نہیں جتنا اس وقت یوسف علیہ السلام نے کہا میں تیرا بھائی یوسف ہوں سو یہ لوگ جو تیرے ساتھ بد سلوکی کرتے ہیں اس کی وجہ سے تم گمیں نہ ہو اللہ نے بھائی کو بھائی سے ملا دیا سب غم غلط ہو گئے اللہ کی رحمت نے اور پھر ان کے حسد نے ہم کو اس منزل پر پہنچایا یہ وقت نہ رنج کا ہے اور نہ شکوہ اور شکایت کا ہے بلکہ حق تعالیٰ کے شکر کا وقت ہے بنیامین نے جب یہ سنا تو خوشی کی کوئی حد نہ رہی اور بزبان حال یہ کہنے لگے۔

آنچمی پیغم بہ بیداری است یارب یا بخواب خوشی راور چینی راحت پس از چندیں عذاب

یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو تسلی دی اور کہا کہ اب ہم تمہیں اپنے پاس رکھنے کی تدبیر کریں گے مگر اس میں ذرا تمہاری بدنامی ہوگی بنیامین نے کہا کچھ پرواہ نہیں پس جب یوسف علیہ السلام نے ان کا سامان روانگی تیار کر دیا تو پانی پینے کا برتن کہ وہی غلہ دینے کا پیمانہ بھی تھا اپنے بھائی کے سامان میں خود رکھ دیا یا کسی رازدار خادم سے رکھوا دیا اور کسی کو خبر نہ ہوئی اور ظاہر یہ ہے کہ خود یوسف علیہ السلام نے رکھا تا کہ کسی کو خبر نہ ہو اور وہ سب خوش و خرم غلہ لے کر روانہ ہوئے پھر جب وہاں سے روانہ ہوئے اور شہر سے باہر نکلے تو ایک پکارنے والے نے پکارا اے قافلہ والو! تم چور ہو چونکہ برادران یوسف علیہ السلام کا قیام خاص مہمان خانہ میں تھا جس میں شاہی پیمانہ رکھا ہوا تھا۔ جب قافلہ روانہ ہو گیا تو کارپردازان مہمان خانہ نے سامان کی خبر گیری کی تو دیکھا کہ شاہی پیمانہ اپنی جگہ پر نہیں تو تلاشی شروع کی۔ جب نہ ملا تو گمان یہ ہوا کہ اس مہمان خانہ میں سوائے اس قافلہ کے کوئی نہ تھا اس لیے منادی نے جا کر آواز دی۔

اے قافلہ والو!!! ٹھہرو ہمارے گمان میں تم چور معلوم ہوئے ہو بظاہر یہ منادی یوسف علیہ السلام کے حکم سے نہ تھی بلکہ مہمان خانہ کے خادموں کی طرف سے تھی جب انہوں نے مکان میں وہ پیالہ نہ دیکھا تو ان کا گمان یہ ہوا کہ اس مکان میں ان کے سوا کوئی نہ تھا اس لیے خدام نے اپنے گمان کے مطابق کہا: انکم لسادقون۔ (دیکھو تفسیر کبیر ۷: ۱۵۴ و روح البیان ۴: ۲۹۹)

امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ آواز اور منادی یوسف علیہ السلام کے حکم سے تھی تو یہ کلام بطریق تو یہ اور اشارہ تھا اور مطلب یہ تھا کہ کوئی تو مال چراتا ہے اور چھپاتا ہے تاکہ آئندہ چل کر اس سے فائدہ اٹھائے اور تم تو وہ ہو

● تفسیر قرطبی: ۲۲۹/۹۰

● قال الامام رحمہ اللہ الاقرب الی ظاہر الحال انہم فعلوا ذلك من انفسہم لانہم لما طلبوا السقایة وما وجدوا وما كان هناك احد الاہم غلب علی ظنونہم انہم ہم الذین اخذوا (تفسیر کبیر: ۱۵۴/۵)

● ثم ان اصحاب یوسف لما طلبوا السقایة وما وجدوا وما كان هناك احد غیر الذین ارتحلوا غلب علی ظنونہم انہم ہم الذین اخذوا وافتاوی المنادی من بینہم علی حسب ظنہ (انکم لسادقون) (روح البیان: ۲۹۹/۴)

کہ جنہوں نے بیٹے کو باپ سے چرا لیا اور لے جا کر سستے داموں بیچ ڈالا۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿اِنَّكُمْ لَسِرِّ قُوْنٍ﴾ میں ہمزہ استفہام مقدر ہے یعنی ائنکم لسا ر قون اور مطلب یہ ہے کہ کیا تم چور ہو یہ کلام بطور خبر نہ تھا بلکہ بطور استفہام تھا (تفسیر کبیر: ۱۵۴/۵)

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے حکم سے تھا ﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾ اور حکمت اس میں یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام کے بعد بنیامین کی مفارقت سے یعقوب علیہ السلام کے ابتلاء کی تکمیل ہو جائے۔ (دیکھو تفسیر مظہری: ۵/۳۹ اور تفسیر قرطبی: ۲۳۵/۹)

القصہ جب یہ آواز یعنی ﴿اَيُّهَا الْعِيُوْبُ اِنَّكُمْ لَسِرِّ قُوْنٍ﴾ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے سنی تو گھبرا کر بولے اور ان تلاش کرنے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے تم نے کیا گم کیا ہے جس کو تم ڈھونڈتے ہو تو تلاش کرنے والے بولے ہم بادشاہ کا پیالہ گم پاتے ہیں اس کو تلاش کرتے ہیں اور جو اس کو لا کر حاضر کرے اس کے لیے ایک بار شتر غلہ انعام ہے اور میں اس کے دلوانے کا ضامن اور کفیل ہوں غالباً انعام کا یہ اعلان یوسف علیہ السلام کے حکم سے ہوا ہوگا اہل قافلہ نہ کہا اے لوگو بخدا تم جان چکے ہو کہ اس ملک میں ہم فساد کرنے نہیں آئے فقط قحط کی وجہ سے غلہ لینے کے لیے آئے ہیں ہماری حالت اور دیانت تم دیکھ چکے ہو اور ہم کبھی چور نہ تھے یہ انہوں نے اس لیے کہا کہ ان کی امانت و دیانت اہل مصر دیکھ چکے تھے کیونکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ انہوں نے مصر میں داخل ہوتے وقت اپنے جانوروں کے منہ پر توبرے چڑھا دیئے تھے تاکہ کسی کے کھیت میں منہ نہ ڈال سکیں (دیکھو تفسیر قرطبی: ۲۳۴/۹)

اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اس قیمت کو جس کو انہوں نے اسباب میں پایا تھا واپس کر دیا تھا (واللہ اعلم بحال اسنادہ) القصہ جب منادی کرنے والوں نے دیکھا کہ باوجود اس تہدید و علامت کے اور باوجود اس انعام اور کفالت کے کسی نے کوئی اقرار نہ کیا تو منادی کرنے والے بولے اچھا بتلاؤ اگر تم جھوٹے نکلے اور تم میں سے کسی کے سامان میں وہ مال برآمد ہو تو اس کی کیا سزا ہوگی کہنے لگے ہماری شریعت میں اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں وہ مال برآمد ہو وہی شخص اس کی سزا ہے یعنی تم اس کو اپنا غلام بنا لینا ہم ظالموں کو یعنی چوروں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں یعنی ہماری شریعت میں چور کی سزا یہ ہے کہ چور کو اس شخص کے حوالہ کر دیا جاتا ہے جس کا مال اس نے چرایا ہو وہ سال بھر تک اس کا غلام رہتا ہے یوسف علیہ السلام بھی یہی چاہتے تھے تاکہ ان کے قول کے مطابق حجت قائم ہو اور یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو روک لیں اور بھائیوں کو عذر کی گنجائش نہ رہے انہوں نے خود اقرار کر لیا کہ شریعت ابراہیمی میں چور کی سزا یہ ہے۔

اس طرح اپنے اقرار سے خود پکڑے گئے جب یہ طے ہو گیا کہ چور کی سزا کا طریقہ یہ ہے تو قافلہ کو مصر واپس لائے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے ان کا مقدمہ پیش ہوا۔ یوسف علیہ السلام نے تفتیش کا حکم دیا پس یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کی بوری سے پہلے دوسرے بھائیوں کی بوریوں کی تلاشی شروع کی اور پھر اخیر میں اپنے بھائی کی تلاشی لی اور اپنے بھائی کی بوری سے وہ چپانہ نکال لیا اور شرط کے مطابق بنیامین کو غلام بنا لیا اس طرح سے ہم نے یوسف علیہ السلام کی خاطر بنیامین کے رکھنے کی یہ تدبیر کی کہ بھائیوں ہی کی زبان سے یہ نکلوا دیا کہ جس کے پاس سے مال برآمد ہو اس کو اپنا غلام بنا لو اس طرح وہ اپنے اقرار



سے پکڑے گئے اور کوئی عذر نہ کر سکے اور وجہ اس تدبیر کی یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو شاہی قانون کے مطابق نہیں لے سکتے تھے کیونکہ شاہی قانون میں چور کی سزا یہ تھی کہ اس کو غلام بنا لیا جائے۔ بلکہ چور سے مال مسروقہ کی دوچند قیمت لی جاتی تھی اور یہ سزا یوسف علیہ السلام کے نزدیک پسندیدہ نہ تھی بہر حال یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو بادشاہ مصر کے قانون کے مطابق نہیں لے سکتے تھے۔ مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے تو وہ جس صورت سے چاہے دلا سکتا ہے ہم جس کو چاہتے ہیں علم و حکمت دے کر اس کے درجے بلند کرتے ہیں جیسا کہ یوسف علیہ السلام کو علم اور معرفت عطا کر کے ان کو بلند کیا اور بھائی کو روکنے کا یہ حیلہ اور طریقہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو بتایا اور ہر ذی علم کے اوپر ایک علم والا ہے یہاں تک کہ اس کی انتہاء اللہ تعالیٰ پر ہے لہذا کسی عالم کے لیے یہ زیبا نہیں کہ وہ اپنے علم پر ناز کرے ایک سے ایک بڑھ کر ہے ﴿وَ اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی﴾۔

### فائدہ جلیلہ در تحقیق مسئلہ جلیلہ

حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿جَعَلَ السَّقَايَةَ فِي رَحْلِ اٰخِيهِ﴾ اس امر کی دلیل ہے کہ کسی جائز غرض کے حصول کے لیے حیلہ کرنا جائز ہے البتہ ابطال حق یا احقاق باطل کے لیے حیلہ ناجائز ہے اور یہی فقہاء حنفیہ کا مذہب ہے مضائق اور تنگی کے مواقع سے نکلنے کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام سے تو یہ کرنا ثابت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تو یہ ﴿بَلِّغْ فَعَلَهُ. كَيْبُرُ هُمْ﴾ قرآن کریم میں مذکور ہے اور نبی اکرم ﷺ کا غزوات میں تو یہ فرمانا اور اعداء اللہ کے قتل کرنے کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تو یہ کی اجازت دینا کتب صحاح میں مذکور ہے حالانکہ تو یہ بھی ایک قسم کا حیلہ ہی ہے فرق اتنا ہے کہ تو یہ حیلہ قوی ہے اور حیلہ میں فعل ہوتا ہے اور یوسف علیہ السلام کا یہ حیلہ یعنی بھائی کے سامان میں سقایہ کا رکھ دینا بظاہر حکم خداوندی سے تھا۔ جیسا کہ ﴿كَذٰلِكَ يَكْتُمُ لِيُوسُفَ﴾ صراحتہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کا یہ کید اور یہ حیلہ بحکم خداوندی تھا اور اس کی مرضی کے مطابق تھا اور اس کے بعد حق تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ﴿نَزَّلْنَا نَزْلًا مِّنْ سَّمَآءٍ وَّ فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلَيْنَا﴾ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس قسم کا حیلہ اور کید وہی شخص کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص علم و معرفت عطا ہوا ہو اور ایسا علم موجب رفع درجات ہے اور قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو حکم دیا ﴿وَ اِذْ نَادٰیكَ صٰغِيًا فَاصْرَبْ تَبًّا وَّلَا تَخَفْ﴾ یعنی اے ایوب علیہ السلام! تم اپنے ہاتھ میں سینکوں کا ایک مٹھا اٹھا لو اور اس سے کار لو اور قسم نہ توڑو۔ یہ بھی ایک قسم کا حیلہ تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو حکم دیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی کے متعلق فرمایا ہذہ اختی یہ میری بہن ہے تاکہ کافر کے شر سے محفوظ رہیں معلوم ہوا کہ مضرت سے بچنے کے لیے حیلہ کا استعمال شرعاً محمود ہے اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے اور اس مقام پر حق جل شانہ نے یوسف علیہ السلام کے اس حیلہ کو بطریق استحسان ذکر فرمایا ہے۔

مخملہ افعال خداوندی کے کید اور مکر بھی ہے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿اِنَّهُمْ يَكْتُمُونَ كَيْدًا ۗ وَاَكْتُمُ كَيْدًا ۗ وَاَمْسَكُوا وَاَمْسَكَ اللّٰهُ ۗ وَاِنَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِيۗنِ﴾ اور کید اور مکر کی حقیقت نفی ہے اور اللہ تعالیٰ مدبر السموات الارض ہے بعض مرتبہ حق جل شانہ کسی حکمت کی بناء پر اپنے خاص بندوں پر اس قسم کے حیل اور مکائد اور تدابیر منکشف فرماتے ہیں جو بظاہر شریعت کے خلاف معلوم ہوتی ہیں مگر درحقیقت وہ عین حکمت اور عین مصلحت ہوتی ہیں جیسے خضر علیہ السلام کا کشتی کو توڑنا اور

کم سن لڑکے کو قتل کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر میں محل تعجب ہو مگر یہ تمام امور غیبی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی تھے فقہاء حنفیہ نے جن حیلوں کی اجازت دی ہے وہ اسی قسم کے حیلے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے اور اپنے پیغمبروں کو اس کا حکم دیا ہے باقی ایسا حیلہ جو کسی حکم قطعی سے گریز کے لیے کیا جائے (جیسے اصحاب سبت کا حیلہ) سو ایسا حیلہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک قطعاً حرام ہے۔

القصبہ جب بنیامین اس حیلہ اور تدبیر سے لے لیے گئے تو وہ سب بھائی بہت شرمندہ ہوئے اور غصہ میں آ کر کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں اس سے پہلے اس کا بھائی چوری کر چکا ہے ہم کو معلوم نہ تھا کہ یہ چوری کرے گا بالآخر یہ بھی اپنے بھائی کی طرح نکلا بھائیوں نے جو یوسف علیہ السلام کی طرف سرقہ کو منسوب کیا اس کے بارے میں مفسرین رحمۃ اللہ علیہم نے کئی قصے بیان کیے ہیں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے یہ منقول ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو ان کی پھوپھی نے ان کو پالا وہ یوسف علیہ السلام سے بہت محبت کرتی تھیں جب یوسف علیہ السلام کسی قدر بڑے ہو گئے تو یعقوب علیہ السلام نے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھیں پھوپھی نے جب ان کو رخصت کیا تو ان کے پاس اسحاق علیہ السلام کا ایک پڑکا تھا چھپا کر اس کو یوسف علیہ السلام کی کمر میں باندھ دیا پھر اس پٹکے کو ڈھونڈنا شروع کیا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ پڑکا جو مجھ کو اسحاق علیہ السلام سے وراثت میں ملا تھا وہ گم ہو گیا ہے تمام گھروالوں کی تلاشی لی آخر یوسف علیہ السلام سے وہ پڑکا برآمد ہوا تو پھوپھی نے یعقوب علیہ السلام سے کہا دیکھو یوسف علیہ السلام نے میری چوری کی ہے لہذا دین ابراہیمی کے موافق اس کو میرے حوالہ کرو تا کہ ایک سال تک میں اس سے خدمت کرواؤں یعقوب علیہ السلام مجبور ہوئے اور ایک سال کے لیے انہیں یوسف علیہ السلام کو اپنی بہن کے پاس چھوڑنا پڑا پس بنیامین کے معاملہ میں برادران یوسف علیہ السلام نے اسی قصہ کی طرف اشارہ کیا (تفسیر قرطبی: ۲۹۳/۹)

اور بعض کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے نانا کا ایک بت چرا کر توڑ ڈالا تھا اور کہتے ہیں کہ گھر کا کھانا چھپا کر فقیروں کو دے دیا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ اس قسم کے تمام افعال محمود اور پسندیدہ ہیں ان میں سے کوئی فعل حقیقتاً سرقہ نہیں۔

ابن انصاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ جتنے افعال ہیں ان میں کوئی بھی چوری نہیں ہاں ظاہر میں چوری کے مشابہہ ہیں جب بھائیوں کو بنیامین کی چوری سے شرمندگی لاحق ہوئی تو غصہ میں آ کر یوسف علیہ السلام کے اور افعال کو بھی سرقہ قرار دے دیا۔ پس یوسف علیہ السلام نے ان کی اس طعن آمیز بات کو دل میں چھپایا اور ان پر ظاہر نہ کیا ان کا یہ طعن آمیز لفظ سن لیا مگر اس کا کوئی رد نہیں کیا زبان سے تو کچھ نہ کہا مگر دل میں یہ کہا تم بہت بدتر ہو اور خدا اس کی حقیقت سے خوب واقف ہے جو تم بیان کر رہے ہو چور تو تم خود ہو بیٹے کو باپ سے چرا کر بیچ ڈالا اور دوسروں کو چور کہتے ہو کوئی تو مال غائب کرتا ہے تم نے تو آدمی غائب کر دیا تم غلط کہتے ہو نہ میں چور ہوں نہ میرا بھائی چور ہے اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے لوگوں کے سپرد کر دیا بھائیوں نے جب یہ دیکھا تو اب فکر ہوئی کہ جا کر باپ کو کیا جواب دیں گے تو منت و خوشامد کرنے لگے اور بولے اے عزیز مصر بنیامین کا ایک بہت بوڑھا باپ ہے اپنے بڑے بیٹے یوسف علیہ السلام کے ہلاک ہونے کے بعد اس سے محبت رکھتا ہے اندیشہ ہے کہ وہ اس غم میں مرنے جائے پس آپ اس کے بوڑھے باپ پر رحم کیجئے اور اس کی نجائے ہم میں سے ایک کو لے لیجئے تحقیق ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں دیکھتے ہیں اور آپ سے احسان کی امید رکھتے ہیں بے شک چور کی سزا یہی ہے کہ اس کو روک لیا جائے

لیکن ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ اس کو چھوڑ دیجئے اور اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو روک لیجئے آپ کا احسان ہوگا۔  
 یوسف علیہ السلام نے کہا خدا کی پناہ! خدا بے انصافی سے بچائے کہ ہم اس شخص کے سوا جس کے پاس ہم نے اپنا مال پایا ہے کسی دوسرے شخص کو پکڑیں اگر ہم ایسا کریں تو ہمارے ظالم ہونے میں کوئی شک نہیں کہ جس کے پاس سے مال برآمد ہوا اس کو تو چھوڑ دیں اور اس کی جگہ دوسرے کو بے وجہ پکڑ لیں تو تمہارے دین کے اعتبار سے بھی یہ صریح ظلم اور بے انصافی ہے جاننا چاہئے کہ یوسف علیہ السلام کی یہ تمام کاروائی خداوند تعالیٰ کے حکم سے تھی بھائی کو روکنے کے لیے خدائے تعالیٰ نے یہ حیلہ بتلایا۔

چوں طمع خواہد ز من سلطان دیں خاک بر فرق قناعت بعد ازین

اس لیے یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں اللہ کی وحی اور اس کے حکم کے خلاف کروں تو ظالم ٹھہروں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے مجھ کو بنیامین کے روکنے کا حکم دیا ہے میں اگر اس کو چھوڑ دوں اور اس کے بدلہ دوسرے کو لے لوں تو اللہ کے نزدیک ظالم ٹھہروں گا نبی علیہ السلام پر یہ فرض ہے کہ اپنی وحی اور الہام کا اتباع کرے اگرچہ بظاہر وہ شریعت کے خلاف نظر آئے جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو افعال خضر علیہ السلام سے سرزد ہوئے ان میں اللہ کی مخفی حکمتیں تھیں اور خوب سمجھ لو کہ یہ حکم ان لوگوں کی وحی اور الہام کا ہے جن کا مقبول خداوندی ہونا کسی نص قطعی سے ثابت ہو چکا ہو اور اب قیامت تک کسی کا الہام کتاب و سنت کے خلاف حجت تو کیا ہوتا قابل التفات بھی نہیں۔

فَلَمَّا اسْتَيْسَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ۗ قَالَ كَبِيرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّ اٰبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ

پھر جب ناامید ہوئے اس سے اکیلے ہو بیٹھے مشورہ کرنے کو، بولا ان میں بڑا کبیر تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے لیا ہے تم سے پھر جب ناامید ہوئے اس سے، اکیلے بیٹھے مصلحت کو۔ بولا، ان میں بڑا، تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے لیا ہے تم سے

عَلَيْكُمْ مَّوْتِقًا مِّنْ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِيْ يُّوسُفَ ۗ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى

عہد اللہ کا اور پہلے جو تصور کر چکے ہو یوسف کے حق میں سو میں تو ہرگز نہ سرکوں گا اس ملک سے جب تک کہ عہد اللہ کا، اور پہلے جو تصور کر چکے ہو یوسف کے حال میں۔ سو میں نہ سرکوں گا اس ملک سے جب تک کہ

يَاۡتٰنِىْ اَبِىٓ اَوْ يَحْكَمَ اللّٰهُ لِيْ ۗ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ اِرْجِعُوْا اِلٰى اٰبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يَاۡاٰبَانَا

حکم دے مجھ کو باپ میرا یا قضیہ چکا دے اللہ میری طرف اور وہ ہے سب سے بہتر چکانے والا۔ پھر جاؤ اپنے باپ کے پاس اور کہو اے باپ، حکم دے مجھ کو باپ میرا، یا قضیہ چکا دے اللہ میری طرف۔ اور وہ ہے سب سے بہتر چکانے والا۔ پھر جاؤ اپنے باپ کے پاس اور کہو، اے باپ،

ف! جب حضرت یوسف علیہ السلام کا جواب سن کر مایوس ہو گئے تو مجمع سے ہٹ کر آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ اکثروں کی رائے ہوئی کہ وطن واپس جانا چاہیے۔ ان میں جو عمر یا عقل و خیرہ کے اعتبار سے بڑا تھا اس نے کہا کہ باپ کے سامنے کیا منہ لے کر جائیں گے، جو عہد ہم سے لیا تھا اس کا کیا جواب دیں گے۔ ایک قصیر تو پہلے یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں کر چکے ہیں جس کا اثر آج تک موجود ہے۔ اب بنیامین کو چھوڑ کر سب کا چلا جانا سخت بے حیثیتی ہوگی۔ سو واضح رہے کہ بندہ تو کسی مال یہاں سے نکلنے والا نہیں۔ الا یہ کہ خود والد بزرگوار مجھ کو یہاں سے چلے جانے کا حکم دیں یا اس درمیان میں قدرت کی طرف سے کوئی فیصلہ ہو جائے۔ مثلاً تقدیر سے میں یہیں مرا جاؤں یا کسی تدبیر سے بنیامین کو چھڑا لوں۔

إِنَّ ابْنَكَ سَرَقٌ ۖ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَفِظِينَ ﴿۸۱﴾ وَسَأَلَ

تیرے بیٹے نے تو چوری کی اور ہم نے وہی کہا تھا جو ہم کو خبر تھی اور ہم کو غیب کی بات کا دھیان نہ تھا فل اور پوچھ لے تیرے بیٹے نے چوری کی۔ اور ہم نے وہی کہا تھا جو ہم کو خبر تھی، اور ہم کو غیب کی خبر یاد نہ تھی۔ اور پوچھ لے

الْقَرْيَةِ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعَيْرِ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ

اس بستی سے جس میں ہم تھے، اور اس قافلہ سے جس میں ہم آئے ہیں اور ہم بیشک سچ کہتے ہیں فل بولا کوئی نہیں! اس بستی سے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے جس میں ہم آئے ہیں۔ اور ہم بے شک سچ کہتے ہیں۔ بولا کوئی نہیں!

لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبِّرُوا بَجَمِيلٍ ۗ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ

بنالی ہے تمہارے جی نے ایک بات اب صبر ہی بہتر ہے شاید اللہ لے آئے میرے پاس ان سب کو بنالی ہے تمہارے جی نے ایک بات اب صبر ہے بن آئے۔ شاید اللہ لے آئے مرے پاس ان سب کو۔

هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَفِي عَلَى يُوسُفَ وَأَبِيصَّتْ عَيْنُهُ مِنْ

وہی ہے خرددار حکمتوں والا فل اور الٹا پھرا ان کے پاس سے، اور بولا اے افسوس یوسف پر فل اور سفید ہو گئیں آنکھیں اس کی وہی ہے، خرددار حکمتوں والا۔ اور الٹا پھرا ان کے پاس سے اور بولا، اے افسوس یوسف پر! اور سفید ہو گئیں آنکھیں اس کی

الْحَزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتُوا تَدْ كُرُّ يُونُسَ حَتَّى تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ

غم سے فل سو وہ آپ کو گھونٹ رہا تھا فل کہنے لگے قسم اللہ کی تو نہ چھوڑے گا یوسف کی یاد کو جب تک کہ گل جائے یا غم سے، سو وہ آپ کو گھونٹ رہا تھا۔ کہنے لگے، قسم اللہ کی! تو نہ چھوڑے گا یاد یوسف کی جب تک کہ گل جائے یا

= (تنبیہ) یہ کہنے والا غالباً وہی بھائی تھا جس نے یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں بھی نرم مشورہ دیا تھا۔ "لَا تَقْسَلُوا يُونُسَ"۔

فل یعنی مجھے چھوڑ دو اور تم سب جا کر باپ سے عرض کرو کہ ایسا واقعہ پیش آیا جس کی کوئی توقع نہ تھی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "یعنی تم کو قول دیا تھا کہ اپنی دانست پر۔ یہ کیا خبر تھی کہ بنیامین چوری کر کے پکڑا جائے گا۔ یا ہم نے چور کو پکڑا رکھنا بنایا اپنے دین کے موافق۔ یہ نہ معلوم تھا کہ" بھائی چور ہے۔" فل یعنی آپ معتبر آدمی بیچ کر اس بستی والوں سے تحقیق کر لیں، جہاں یہ واقعہ پیش آیا۔ نیز دوسرے قافلہ والوں سے دریافت فرمائیں جو ہمارے ساتھ رہے اور وہاں آئے ہیں۔ آپ کو ثابت ہو جائے گا کہ ہم اپنے بیان میں بالکل سچے ہیں۔

فل پہلی بار کی بے اعتباری سے اس مرتبہ بھی حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کا اعتبار نہ کیا۔ لیکن نبی کا کلام جھوٹ نہیں۔ بیٹوں کی بنائی بات تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام بھی بیٹے تھے۔ "كذافي الموضوع" گویا "لکم" کا خطاب جنس انباء کی طرف ہوا۔ واللہ اعلم۔ بعض مفسرین نے یہ مطلب لیا ہے کہ تم یہاں سے حفاظت کے کیے وعدے کر کے اصرار کے ساتھ لے گئے وہاں پہنچ کر اتنا بھی نہ کہا کہ اس کے اسباب میں سے پیالہ برآمد ہونے سے چوری کیسے ثابت ہوگی، شاید کسی نے چھپا دیا ہو۔ مدافعت تو کیا کرتے یہ کہہ کر کہ پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی اس کے جرم کو بھتہ کر دیا۔ تمہارے دل میں کھوت نہ ہو تو یہ طرز عمل اختیار نہ کرتے۔ اب باتیں بنانے کے لیے آتے ہو۔ بہر حال میں تو اس پر بھی صبر ہی کروں گا کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لاؤں گا۔ خدا کی قدرت و رحمت سے کیا بعید ہے کہ یوسف علیہ السلام، بنیامین، اور وہ بھائی جو بنیامین کی وجہ سے وہ عمیا ہے سب کو میرے پاس جمع کر دے۔ وہ سب کے احوال سے خبردار ہے اور ہر ایک کے ساتھ اپنی نعمت کے موافق معاملہ کرتا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہر قسم کے یاس انگیز احوال اور مردود دور کے بعد بھی انبیاء کے قلوب مایوس نہیں ہو سکتے۔ وہ ہمیشہ خدا کی رحمت و اسعہ بہ اعتماد کرتے اور اللطاف و من کے امیدوار رہتے ہیں۔

مِنَ الْهَالِكِينَ ﴿۱۵﴾ قَالَ اِنَّمَا اَشْكُوَ اَبِيَّيْ وَحُزْنِي اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۶﴾

ہو جائے مردہ بولا میں تو کھولتا ہوں اپنا اضطراب اور غم اللہ کے سامنے اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے اور ہو جائے مردہ۔ بولا میں تو کھولتا ہوں اپنا احوال اور غم اللہ ہی پاس، اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے۔

يٰۤبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُوسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايَسُوْا مِنْ رُّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا

اے بیٹو جاؤ اور تلاش کرو یوسف کی اور اس کے بھائی کی اور ناامید مت ہو اللہ کے فیض سے بیشک نا اے بیٹو! جاؤ اور تلاش کرو یوسف کی اور اس کے بھائی کی، اور مت ناامید ہو اللہ کے فیض سے۔ بے شک نا

يَاۤئِسُّ مِنَ رُّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۷﴾

امید نہیں ہوتے اللہ کے فیض سے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں اور

امید نہیں اللہ کے فیض سے مگر وہی لوگ جو منکر ہیں۔

بازگشتن برادران یوسف علیہ السلام از سفر دوئم

قَالَ الْعَبَّاسِيُّ: ﴿فَلَمَّا اسْتَيْسَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا... اِلَى... اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾

= ﴿۱۷﴾ نیاز خیم کھا کر پرانا زخم ہرا ہو گیا۔ بے اختیار پکارا اٹھے "یا اسطی علی یوسف" (اے افسوس یوسف)

﴿۱۸﴾ یعنی بے رونق یا بے نور ہو گئیں۔ علی اختلاف القولین۔

﴿۱۷﴾ حدیث میں ہے "تَحَسُّنٌ مَّعَاشِرَةً اَلَا كَيْتَابٌ اَشَدُّ بَلَاءً مِّمَّ اَلَا مَثَلٌ فَاَلَا مَثَلٌ" یعنی انبیاء کی جماعت حق تعالیٰ کی طرف سے سخت ترین امتحانوں میں مبتلا کی جاتی ہے۔ پھر امتحان کی اقسام میں۔ ہر نبی کو حق تعالیٰ اپنی حکمت اور اس کی استعداد کے موافق جس قسم کے امتحان میں چاہے مبتلا کرتا ہے۔ یعقوب علیہ السلام کے قلب میں یوسف علیہ السلام کی فوق العادت محبت ڈال دی پھر ایسے محبوب اور ہونہار بیٹے کو جو خاندان ابراہیمی کا چشمہ و چراغ تھا، ایسے دردناک طریقے سے جدا کیا گیا۔ غمزدہ اور زخم خوردہ یعقوب علیہ السلام کے جگر کو اس روح فرسا صدمہ نے کھالیا تھا۔ وہ کسی مخلوق کے سامنے نہ حرف شکایت زبان پر لاتے تھے نہ کسی سے انتقام لیتے، نہ غصہ نکالتے، نہ غم کی بات منہ سے نکلتی۔ ہاں جب اپنے کو بہت گھونٹتے تو دل کا بخارا آنکھوں کی راہ سے نپک پڑتا۔ بیویوں برس تک چشم گریاں اور سینہ بریاں کے باوجود اسے فرائض و حقوق میں کوئی نخل نہ پڑنے دیا۔ ان کا دل بتنا یوسف علیہ السلام کے فراق میں روتا تھا، اتنا ہی خدا کے حضور میں زیادہ گرا گزاتا تھا۔ درد و غم کی شدت اور اشکباری کی کثرت جس قدر ان کی بصارت کو ضعیف کرتی اسی قدر نور بصیرت کو بڑھاتی تھی۔ بے تابی و اضطراب کا کیسا ہی طوفان اٹھتا، دل پکڑ کر اور گلیہ سوس کر رہ جاتے زبان سے ان نہ نکالتے، بنیامین کی جدائی سے جب پرانے زخم میں نیا چراگ لگا تو اس وقت بے اختیار "یا اسطی علی یوسف" صرف اتنا لفظ زبان سے نکلا۔ بقول حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ "ایسا درد اتنی مدت دبا رکھنا بیخبر کے سوا کس کا کام ہو سکتا ہے۔"

﴿۱۸﴾ موصح القرآن میں ہے۔ یعنی کیا تم مجھ کو صبر سکھاؤ گے؟ بے صبر وہ ہے جو مخلوق کے آگے خالق کے بھیجے ہوئے درد کی شکایت کرے۔ میں تو اسی سے کہتا ہوں جس نے درد دیا اور یہ بھی جانتا ہوں کہ (یوسف زندہ ہے ضرور ملے گا اور اس کا خواب پورا ہو کر ہے گا) یہ مجھ پر آزمائش ہے دیکھوں کس حد پر پہنچ کر بس ہو۔

﴿۱۹﴾ یعنی حق تعالیٰ کی مہربانی اور فیض سے ناامید ہونا کافروں کا شیوہ ہے۔ جنہیں اس کی رحمت داسعد اور قدرت کاملہ کی صحیح معرفت نہیں ہوتی۔ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ اگر پہاڑ کی چٹانوں اور سمندر کی موجوں کے برابر مایوس کن حالات پیش آئیں تب بھی خدائی رحمت کا امیدوار رہے اور امکانی کوشش میں ہمت نہ کھائے۔ جاؤ کوشش کر کے یوسف علیہ السلام کا کھوج لگاؤ اور اس کے بھائی بنیامین کے چھڑانے کا کوئی ذریعہ تلاش کرو۔ کچھ بعید نہیں کہ حق تعالیٰ ہم سب کو جمع کر دے۔ تیسرے بھائی کا ذکر شاید اس لیے نہیں کیا کہ وہ ہاں تیار خود محض بنیامین کی لاج سے رکا ہے۔ بنیامین چھوٹ جاتے تو وہ کیوں بڑا رہے گا۔

رابطہ..... گزشتہ آیات میں برادران یوسف علیہ السلام کی دوسری آمد کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں اس دوسرے سفر سے واپسی کا قصہ ذکر فرماتے ہیں پس جب برادران یوسف علیہ السلام بنیامین کی رہائی کے بارہ میں یوسف علیہ السلام سے بالکل ناامید ہو گئے اور ان کے صاف جواب سے سمجھ گئے کہ اب وہ بنیامین کو ہمارے حوالہ نہ کریں گے تو علیحدہ ہو کر جنہائی میں باہم مشورہ کرنے لگے کہ کیا کرنا چاہئے پس جوان میں سے عقل یا عمر میں بڑا تھا اس نے یہ کہا کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے بنیامین کی محافظت کے بارہ میں تم سے اللہ کا عہد و پیمان لیا تھا اور اس سے پہلے یوسف کے بارہ میں تم جو کوتاہی کر چکے ہو وہ بھی تم کو معلوم ہے اب باپ کے سامنے کس منہ سے جائیں پس میں تو اب زمین مصر سے نہ نکلو گا یہاں تک کہ میرا باپ مجھ کو یہاں سے نکلنے کی اجازت دے یا اللہ تعالیٰ میرے لیے کوئی حکم فرمائے اور وہ سب سے بہتر حکم کرنے والا ہے سوائے بھائیو! تم مجھ کو تو یہاں چھوڑ دو اور تم باپ کی طرف واپس جاؤ پھر کہو اے ہمارے باپ آپ کے بیٹے بنیامین نے چوری کی اس لئے ان کو وہاں روک لیا گیا اور ہم نہیں گواہی دیتے مگر اس چیز کی جس کو ہم نے مشاہدہ سے جانا اور سمجھا اور ہم غیب کے نگہبان نہیں ہم نے جو آپ سے محافظت کا عہد کیا تھا اس وقت ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ چوری کرے گا اگر ہمیں غیب کا علم ہوتا تو ہم اسے ساتھ نہ لے جاتے یا یہ معنی ہیں کہ ظاہر میں اس کی چوری ثابت ہوئی اور اس کے سامان سے پیمانہ برآمد ہوا یہ بھی ممکن ہے کہ کسی اور نے یہ پیمانہ اس کے سامان میں رکھ دیا ہو بہر حال ہم غیب دان نہیں اور اگر آپ کو ہماری بات کا یقین نہ آئے تو آپ کسی معتبر شخص کو بھیج کر ہستی والوں سے دریافت کر لیں جو اس واقعہ کے وقت موجود تھے اور اس قافلہ سے بھی پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم آئے تھے اور بے شک ہم اپنے قول میں سچے ہیں یعقوب علیہ السلام نے حال سن کر یہ فرمایا کہ بنیامین چوری میں ماخوذ نہیں ہوا بلکہ تمہارے دلوں نے کوئی بات بنائی ہے یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی بات کا اعتبار نہ کیا اور جس طرح پہلی بار بیٹوں نے آکر یہ کہا تھا کہ یوسف علیہ السلام کو تو بھیڑ یا کھا گیا ہے تو اس وقت یعقوب علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا ﴿هَلْ سَأَلْتُمْ لَكُمْ أَنْفُسَكُمْ أَمْرًاۙ فَصَبُّوا جَمِيلًا﴾ اسی طرح جب دوسری بار بیٹوں نے آکر بنیامین کی چوری کا قصہ بیان کیا تو اس وقت بھی یعقوب علیہ السلام نے یہی فرمایا ﴿هَلْ سَأَلْتُمْ لَكُمْ أَنْفُسَكُمْ أَمْرًاۙ فَصَبُّوا جَمِيلًا﴾ اور بنیامین کے واقعہ کو بھی بیٹوں کی بنائی ہوئی بات قرار دیا حالانکہ بظاہر یہ بات ان کی بنائی ہوئی نہ تھی۔ اور وہ بظاہر اپنی بات میں سچے تھے لیکن نبی کا کلام جھوٹ اور غلط نہیں ہو سکتا نبی کی زبان سے جو نکلنا ہے وہ حق اور صدق ہوتا ہے تو وجہ اس کی یہ ہے کہ اس وقت ﴿سَأَلْتُمْ لَكُمْ أَنْفُسَكُمْ﴾ کا خطاب سب بیٹوں کو ہے جن میں یوسف علیہ السلام بھی داخل ہیں اور یہ بات یوسف علیہ السلام کی بنائی ہوئی تھی حقیقت میں بنیامین چور نہ تھے تو یعقوب علیہ السلام کا یہ کلام ﴿هَلْ سَأَلْتُمْ لَكُمْ أَنْفُسَكُمْ أَمْرًا﴾ سزا پا صدق اور حق ہے کہ اے بیٹو! یہ بات تمہاری بنائی ہوئی ہے اور اس کی کچھ اصل اور حقیقت نہیں حقیقت میں بنیامین نے چوری نہیں کی تم سب بھائیوں میں سے کسی کی بنائی ہوئی بات ہے اور بعض مفسرین کرام نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تم مجھ سے محافظت کے عہد و پیمان کر کے بنیامین کو لے گئے تھے جب یہ واقعہ پیش آیا تو تم سے اتنا بھی نہ ہوا کہ یہ کہتے کہ اسباب میں سے یہ پیالہ برآمد ہونے سے چوری کیسے ثابت ہوگی ممکن ہے کسی دوسرے شخص نے ان کے اسباب میں یہ پیالہ چھپا دیا ہو تم نے پیالہ برآمد ہوتے ہی چوری کا اقرار کر لیا اور خلاف قانون بادشاہ مصر کو شریعت ابراہیمی کا فتویٰ بتلا کر بھائی کو گرفتار کر دیا اگر شریعت ابراہیمی کا فتویٰ ان کو نہ بتلاتے تو بھائی گرفتار نہ

ہوتا۔ بادشاہ کو کیا خبر تھی کہ شریعت ابراہیمی میں چور کی یہ سزا ہے تمہارے کہنے کے مطابق بادشاہ نے اس کو غلام بنا لیا تم اگر بادشاہ کو نہ جانتے تو بادشاہ اپنے قانون پر چلتا اور بنیامین کو نہ لے سکتا محض پیالہ کے برآمد ہو جانے سے تم نے چوری کو کیسے تسلیم کر لیا چوری کے ثبوت کے لیے ایسی شہادت اور دلیل چاہئے جس میں کوئی شبہ نہ ہو چوری کے لیے یہ شرط ہے کہ مال مقام محرز محفوظ سے نکالا گیا ہو اور مقام محفوظ سے نکالنا شہادت صحیحہ سے ثابت ہو۔ جب چوری کو سزا دی جاسکتی ہے بہر حال میرا خیال یہ ہے کہ بنیامین کی گرفتاری میں تمہاری تسویل نفس کو کچھ نہ کچھ ضرور دخل ہے سو خیر جو ہو اسو ہوا میرا چارہ کار صبر جمیل ہے مجھے امید ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تینوں بیٹوں کو میرے پاس لائے گا یعنی یوسف علیہ السلام کو بنیامین کو اور اس تیسرے بیٹے کو جو مصر میں رہ گیا ہے اور شرم کی وجہ سے نہیں آیا۔

یہ بات یعقوب علیہ السلام نے حسن ظن کی بناء پر کہی اللہ کی سنت یہ ہے کہ عسر کے بعد یسر عطا فرماتے ہیں نیز ان کو یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام ابھی زندہ ہیں کیونکہ ابھی تک یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر پوری نہیں ہوئی اور یوسف علیہ السلام کا خواب بلاشبہ صحیح ہے وہ ضرور واقع ہو کر رہے گا یوسف علیہ السلام کے رویائے صادقہ کا وقوع اور ظہور اس بات پر موقوف ہے کہ وہ ابھی صحیح و سالم زندہ ہوں اور وہ مع اپنے بھائیوں کے مجھے ملیں۔

القصہ یعقوب علیہ السلام نے نور نبوت اور نور معرفت سے جانا کہ یوسف علیہ السلام ابھی زندہ ہیں اور نہایت ادب سے حق تعالیٰ سے یہ امید ظاہر کی کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب کو مجھ سے ملا دے گا بے شک اللہ تعالیٰ ہی علیم اور حکیم ہے جو کچھ اس نے میرے ساتھ اور یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا وہ سب علم اور حکمت کے ساتھ ہے اور یہ جواب دے کر شدت رنج و غم سے ان کی طرف سے منہ موڑ لیا اور دوسری طرف منہ کر لیا اور اس تازہ غم سے یوسف علیہ السلام کا پرانا غم تازہ ہو گیا اور کہنے لگے ہائے افسوس یوسف علیہ السلام پر اور غم کی وجہ سے روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں یا بے رونق ہو گئیں یوسف علیہ السلام کے فراق میں روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں یا بے رونق ہو گئیں یوسف علیہ السلام کے فراق میں روتے روتے جس قدر بصارت گھٹتی جاتی تھی اسی قدر نور بصیرت میں زیادتی ہوتی جاتی تھی اور گریہ و زاری کی زیادتی سے لحظہ بلحظہ مراتب اور مدارج بلند اور برتر ہو رہے تھے پس وہ اندر ہی اندر گھٹے ہوئے اور خاموش تھے کسی مخلوق سے اپنے صدمہ کی شکایت نہیں کرتے تھے دل مبارک رنج و غم سے بھرا ہوا تھا مگر ظاہر نہ کرتے تھے۔

در دیست دریں سینہ کہ گفتن نتوانم      دیں طرفہ کہ آں نیز بہفتن نتوانم

بیٹوں نے باپ کا یہ اضطراب دیکھا تو بولے اے باپ بخدا آپ تو ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تم ان کے غم میں کھل کر مرنے کے قریب ہو جاؤ گے یا بالکل مرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے یعقوب علیہ السلام نے گھر والوں کے جواب میں یہ کہا میں تو اپنی بے قراری اور پریشانی کا اور رنج و غم کا شکوہ فقط اللہ ہی سے کرتا ہوں تم سے تو کچھ نہیں کہتا اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے میں خوب جانتا ہوں کہ یوسف علیہ السلام کا خواب سچا ہے یعنی مجھ کو یقین ہے کہ یوسف علیہ السلام ابھی مرا نہیں کیونکہ ابھی تک اس کا خواب پورا نہیں ہوا مجھے امید ہے کہ عنقریب یوسف علیہ السلام مجھ سے ملے گا اور جو خواب اللہ نے اس کو دکھلایا ہے حرف بحرف اس کو پورا کرے گا نیز مجھے معلوم ہے کہ اللہ مضطر کی دعا قبول کرتا ہے اور مجھے

معلوم ہے کہ خدا اپنے دعا کرنے والے بندہ کو محروم اور خالی ہاتھ نہیں چھوڑتا۔ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کیا تم مجھ کو صبر سکھاؤ گے بے صبر وہ ہے جو خالق کے بھیجے ہوئے درد کی مخلوق کے آگے شکایت کرے میں تو اس سے کہتا ہوں جس نے مجھے درد دیا اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہے ضرور ملے گا اور اس کا خواب پورا ہو کر رہے گا یہ مجھ پر آزمائش ہے دیکھوں کس حد پر پہنچ کر بس ہو۔ (موضح القرآن)

بعد ازاں یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اے میرے بیٹو! میں خوب جانتا ہوں کہ مسبب الاسباب وہی ہے لیکن اس کا حکم یہ ہے کہ اس عالم اسباب میں تدبیر ظاہری کو ترک نہ کرو اس لیے میں تم کو کہتا ہوں کہ ایک بار پھر مصر جاؤ اور یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کا کھوج لگاؤ یعنی کوشش کرو جس سے یوسف علیہ السلام کا نشان ملے اور بنیامین کو رہائی ہو اور تیسرے بھائی کا ذکر شاید اس لیے نہیں کیا کہ جب بنیامین چھوٹ جائے گا تو وہ خواہ مخواہ کیوں مصر میں پڑا رہے گا اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اس کی رحمت سے امید رکھو کہ تمہاری سعی بار آور ہوگی بے شک خدا کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام علم الہی سے وہ چیز جانتے ہیں جو دوسرے نہیں جانتے اس لئے ابتداء میں چاہ کنعان میں تلاش کرنے کا حکم نہ دیا اور جب وقت آیا تو بالقاء الہی حکم دیا کہ مصر جا کر یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجِيَةٍ

پھر جب داخل ہوئے اس کے پاس بولے اے عزیز بڑی ہم پر اور ہمارے گھر پر سختی اور لائے ہیں ہم پونجی ناقص پھر جب داخل ہوئے اس کے پاس، بولے، اے عزیز! بڑی ہے ہم پر اور ہمارے گھر پر سختی، اور لائے ہیں ہم پونجی ناقص،

فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۗ إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿۳۱﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ

سو پوری دے ہم کو بھرتی اور خیرات کر ہم پر اللہ بدلہ دیتا ہے خیرات کرنے والوں کو ۳۱۔ کہا کچھ تم کو خبر ہے سو پوری دے ہم کو بھرتی اور خیرات کر ہم پر۔ اللہ بدلہ دیتا ہے خیرات کرنے والوں کو۔ کہا، کچھ خبر رکھتے ہو

مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ﴿۳۲﴾ قَالُوا إِنْ كُنْتَ يُوسُفَ قَالَ أَنَا

کہ کیا کیا تم نے یوسف سے اور اس کے بھائی سے ۳۲۔ کہا کچھ نہ تھی ۳۱۔ بولے، کیا سچ تو ہی ہے یوسف ۳۱۔ کہا میں کیا کیا تم نے یوسف سے اور اس کے بھائی سے، جب تم کو سمجھ نہ تھی۔ بولے، کیا سچ تو ہی ہے یوسف؟ کہا، میں

۳۱۔ باپ کے فرمانے پر مصر کو پھر روانہ ہوئے۔ کیونکہ یوسف علیہ السلام کا پتہ معلوم نہ تھا۔ یہ خیال کیا ہو گا کہ جس کا پتہ معلوم ہے (بنیامین) پہلے اس کی فکر کریں اور قحط کی وجہ سے غلہ کی ضرورت سے، عزیز کو ادھر بھی توجہ دلائیں۔ اگر دینے لینے کے معاملہ میں کچھ نرم پایا تو بنیامین کے متعلق گفت و شنید کریں گے۔ چنانچہ پہلی بات انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے یہی کہی کہ اے عزیز مصر! آج کل قحط و ناداری کی وجہ سے ہم پر اور ہمارے گھر پر بڑی سختی گزر رہی ہے۔ سب اسباب گھر کا ہک مہیا۔ کھنگھی اور حیر سے پونجی رہ گئی ہے وہ غلہ خریدنے کے لیے ساتھ لاتے ہیں آپ کے مدارم اخلاق اور گزشتہ مہر ہانیوں سے امید ہے کہ ہماری ناقص چیزوں کا خیال نہ فرمائیں گے اور قصودی قیمت میں لاد کی مقدار گزشتہ کی طرح پوری دلوادیں گے۔ یہ رعایت حقیقت میں ایک طرح کی خیرات ہوگی جو آپ ہم پر کریں گے یا اس کے علاوہ ہم کو بطور خیرات ہی کچھ دے دیجئے نہ آپ کا بھلا کرے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام یہ حال سن کر رو پڑے، شفقت و رحمہم کی کاچٹہ دل میں جوش مار کر آنکھوں سے اہل پڑا۔ اس وقت حق تعالیٰ کے حکم سے اپنے تئیں ظاہر کیا کہ میں کون ہوں اور تم نے میرے ساتھ جو معاملہ کیا تھا، اس کے =



يُوسُفَ وَهَذَا آخِرُ قَدَمِنَ اللَّهِ عَلَيْنَا ۖ إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ

یوسف ہوں اور یہ ہے میرا بھائی فلا اللہ نے احسان کیا ہم پر فلا البتہ جو کوئی ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ ضائع نہیں کرتا حق

یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے احسان کیا ہم پر۔ البتہ جو کوئی پرہیزگار ہو اور ثابت رہے تو اللہ نہیں کھوتا حق

الْمُحْسِنِينَ ۝ قَالَُوا تَاللَّهِ لَقَدْ أَتَرَكْنَا اللَّهَ عَلَيْنَا وَإِن كُنَّا لَاطِطِينَ ۝ قَالَ لَا تَغْرِبَ

تجلی والوں کا فلا بولے قسم اللہ کی، البتہ پسند کر لیا تجھ کو اللہ نے ہم سے اور ہم تجھے چوکنے والے فلا کہا کچھ الزام نہیں

تجلی والوں کا۔ بولے! قسم اللہ کی! البتہ تجھ کو پسند رکھا اللہ نے ہم سے، اور ہم تجھے چوکنے والے۔ کہا، کچھ الزام نہیں

عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ۝ إِذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا

تم پر آج بخشنے اللہ تم کو فلا اور وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان فلا لے جاؤ یہ کرتے میرا

تم پر آج۔ بخشنے اللہ تم کو، اور وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان۔ لے جاؤ یہ کرتے میرا

فَالْقُوَّةُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا ۖ وَأَتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ۝

اور ڈالو اس کو منہ پر میرے باپ کے کہ چلا آئے آنکھوں سے دیکھتا ہوا، اور لے آؤ میرے پاس گھرا پنا سارا فلا

اور ڈالو منہ پر میرے باپ کے کہ چلا آئے آنکھوں سے دیکھتا۔ اور لے آؤ میرے پاس گھرا پنا سارا۔

= بعد میں کس مرتبہ پر پہنچا ہوں، اگلی آیت میں اسی اظہار کی تہید ہے۔

(تفسیر) بعض نے تصدق کے معنی مطلق احسان کرنے کے لیے ہیں۔ جیسے "تصدق صلوٰۃ" کی حدیث میں "صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللَّهُ بِهَا عَلَيْكُمْ"۔

فلا یعنی دونوں میں ہدائی ڈالی اور دونوں سے پیر رکھا۔

فلا اللہ اکبر۔ صبر اور مروت و اخلاق کی حد ہوگئی کہ تمام عمر بھائیوں کی شکایت کا ایک حرف زبان پر نہ لائے۔ اتنا سوال بھی اس لیے کیا کہ وہ لوگ اپنے ذہنوں میں

بیموں برس پہلے کے حالات کو ایک مرتبہ مستحضر کر لیں تاکہ ماضی و حال کے موازنہ سے خدا تعالیٰ کے احسانات کی حقیقت روشن ہو، جو یوسف علیہ السلام پر ان مصائب و

حوادث کے بعد ہوئے جن کی طرف آگے ﴿قَدْ صَرَّ اللَّهُ عَلَيْنَا﴾ میں اشارہ ہے۔ پھر سوال کا پیرایہ اسازم اختیار کیا۔ جس میں ان کے جرم سے زیادہ معذرت کا پہلو

نمایاں ہے یعنی جو حرکت اس وقت تم سے صادر ہوئی نا سمجھی اور بیوقوفی سے ہوگئی۔ تمہیں کیا معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام کا خواب پورا ہو کر اور مال ایک روز بدر بن کر رہے گا۔

فلا ممکن ہے اس سوال سے گہرائے ہوں کہ اتنی مدت کے بعد یہ کون گھرا کا بھیدی نکل آیا۔ پھر عزیز مصر کو یوسف علیہ السلام کے قصہ سے کیا مطلب۔ غیر معمولی

مہربانیاں اور بنیامین کے ساتھ خصوصی برتاؤ پہلے سے دیکھ ہی رہے تھے۔ اس سوال نے دفعتاً ان کا ذہن ادھر منتقل کر دیا ہو کہ کہیں یوسف علیہ السلام جسے ہم نے

مصری قافلہ کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا یہی تو نہیں ہے۔ جب ادھر توجہ ہوئی تو بغور دیکھا ہو گا اور ممکن ہے یوسف علیہ السلام نے خود بھی اپنے کو اس دفعہ زیادہ واضح طور

پر پیش کیا ہو یا تصریحاً کہہ دیا ہو کہ میں یوسف ہوں۔ غرض وہ سخت متعجب و حیرت زدہ ہو کر بول اٹھے۔ "إِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ" (بیچ تاؤ کیا تم ہی یوسف ہو؟)

فلا یعنی جس سے مجھ کو جدا کیا تھا آج میرے پاس بیٹھا ہے۔

فلا ہدائی کو ملاپ سے، ذلت کو عزت سے، تکلیف کو راحت سے، تجلی کو تیش سے بدل دیا۔ جو غلام بنا کر چند درام میں فروخت کیا گیا تھا، آج خدا نے اسے ملک

مصر کی حکومت بخشی۔

فلا حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "جس پر تکلیف بڑے اور وہ شرع سے باہر نہ ہو اور گہرائے نہیں تو آخر جلاہ سے زیادہ علاؤ ہو۔"

فلا یعنی مجھ کو ہر حیثیت سے ہم پر نفسیت دی اور تو اسی لائق تھا، ہماری لٹلی اور بھول تھی کہ تیری قدر نہ پہچانی، آخر تیرا خواب سچا اور ہمارا حسد و کارِ ثابت ہوا۔

فلا یوسف علیہ السلام بھائیوں سے اتنا بھی سنا نہیں پاتے تھے فرمایا یہ تذکرہ مت کرو آج میں تمہیں کوئی الزام نہیں دیتا۔ تمہاری سب غلطیاں معاف کر چکا =

بارسوم آمدن برادران یوسف علیہ السلام بحکم یعقوب علیہ السلام برائے تفحص یوسف علیہ السلام و بنیامین

قَالَ جَبَلًا: ﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ... أَلَمْ نَأْتِيكَ بِالْمَعْدِنِ﴾

رابطہ:..... گزشتہ آیات میں یہ ذکر تھا کہ یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو تاکید اکید کی کہ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہوں اور یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کی تلاش میں نکلیں چنانچہ یہ لوگ مصر روانہ ہوئے کہ اول تو اس بھائی کو لانے کی کوشش کریں جس کا نشان معلوم تھا اس کے بعد دوسرے بے نشان بھائی یعنی یوسف علیہ السلام کی تلاش شروع کریں اب آئندہ آیات میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ یعقوب علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق پھر مصر روانہ ہوئے اور اناج کے لیے بھی کچھ خفیف سی بضاعت ساتھ لیتے گئے پس جب یہ لوگ یعقوب علیہ السلام کے حکم کے مطابق مصر روانہ ہوئے اور یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو بولے اے عزیز مصر! ہم کو اور ہمارے گھروالوں کو قوط کی وجہ سے سخت تکلیف پہنچی ہے اس مرتبہ اے عزیز کے لفظ سے خطاب کیا جس کا مقصود یہ تھا کہ آپ ہماری شکستہ حالی پر رحم فرمائیں ہم قوط زرہ ہیں اور مصیبت میں مبتلا ہیں اور غلہ خریدنے کے لئے ہمارے پاس پوری قیمت نہیں اس لئے ناقص اور ناقابل قبول پونجی لے کر حاضر ہوئے ہیں پس آپ علیہ السلام مہربانی سے ہم کو پورا پیمانہ دے دیجئے تحقیق اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے یوسف علیہ السلام نے جب بھائیوں کی یہ نیاز مندی اور دردمندی دیکھی تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ضبط نہ ہو سکا اور حق جل شانہ کی طرف سے اجازت ملی کہ اب اپنے آپ کو ظاہر کر دیں اب زمانہ مفارقت کا ختم ہوا چنانچہ یوسف علیہ السلام نے فرمایا بھلا بتاؤ تم کو یاد ہے کہ جو تم نے یوسف اور اس کے بھائی سے برتاؤ کیا جب کہ تمہارا زمانہ جہالت کا تھا اس وقت تم کو برے بھلے کی خبر نہ تھی اس وقت تم جوش میں کر گزرے اور اب تم ہوش میں آرہے ہو یوسف علیہ السلام نے اس طرح سے اپنے آپ کو ظاہر کیا کہ بھائیوں کو شرمندگی سے بچانے کے لیے ایک عذر بھی بیان کر دیا کہ تم سے نادانی کی حالت میں یہ بات سرزد ہوئی تم کو معلوم نہ تھا کہ یوسف علیہ السلام کا خواب اس طرح پورا ہو کر رہے گا بھائیوں نے جب یہ سنا تو فوراً یہ خیال آیا کہ یہ بولنے والا کہیں وہی یوسف علیہ السلام تو نہیں جس کا ہم نے مصر قافلہ کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا پھر یوسف علیہ السلام کی صورت اور شکل کی طرف نظر کی تو بولے کہ کیا یقیناً تو ہی یوسف (علیہ السلام) ہے یہ جمال اور کمال سوائے یوسف علیہ السلام کے کسی میں نہیں کیا تو ہی یوسف علیہ السلام ہے؟

فرمایا کہ ہاں میں یوسف ہی ہوں اور یہ بنیامین میرا حقیقی بھائی ہے ہم دونوں ایک جگہ جمع ہیں جن کے تجسس اور

= ہوں۔ جو لفظ میں نے کہے محض حق تعالیٰ کا احسان اور مہر و تقویٰ کا نتیجہ ظاہر کرنے کی نیت سے کہے آج کے بعد تمہاری تقصیر کا ذکر بھی نہ ہوگا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ تم نے جو خطا میں خدا تعالیٰ کی کی تھی، وہ بھی معاف کر دے۔

۶۔ میری مہربانی بھی اس کی مہربانی کا ایک پرتو ہے۔

۷۔ یعنی میں بحالت موجودہ شام کا سفر نہیں کر سکتا۔ تم جاؤ والدین اور اپنے سب متعلقین کو یہاں لے آؤ۔ چونکہ والد بزرگوار کی نسبت وحی سے یا بھائیوں کی زبانی معلوم ہوا ہوگا کہ بیٹائی نہیں رہی یا نگاہ میں فرق آ گیا ہے، اس لیے اپنا ٹیس دے کر فرمایا کہ یہ ان کی آنکھوں کو لگا دینا بیٹائی بحال ہو جائے گی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "ہر مرض کی اللہ کے ہاں دوا ہے۔ آنکھیں بھی نہیں ایک شخص کے فراق میں، اسی کے بدن کی چیز ملنے سے چمکی ہوئیں۔ یہ کرامت تھی حضرت یوسف علیہ السلام کی۔" اور کرامت یہ نہیں تب بھی آجکل واقعات و مشاہدات کی بنا پر یہ بات مان لی گئی ہے کہ کسی سخت صدمہ یا غیر معمولی خوشی کے اثر سے بعض نابینا دفعتاً بینا ہو گئے ہیں۔

تجسس کے لیے بحکم پدر تم نکلے ہو بے شک اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا کہ دونوں کو جدائی کے بعد یکجا کر دیا اور ہماری مصیبت کو مبدل بہ راحت کر دیا اور جس کو غلام بنا کر در اہم معدودہ میں فروخت کیا گیا تھا اللہ نے اسے مصر کی حکومت عطا کی بے شک خدا سے ڈرے اور مصائب پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ نیکوں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتا بھائی بولے بخدا اللہ نے آپ کو ہم پر وہ فضیلت دی ہے جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھی اور بے شک ہم خطاوار ہیں لہذا معاف کر دو یوسف علیہ السلام نے کہا آج تم پر کوئی ملامت نہیں میں کبھی اس بات کو زبان پر نہ لاؤں گا بہر حال میں نے تمہارا قصور معاف کر دیا اللہ بھی تمہارا قصور معاف کرے اور وہ تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے پس جب میں نے تم پر رحم کیا تو وہ کیوں رحم نہ کرے گا پھر یوسف علیہ السلام نے ان سے اپنے باپ کا حال دریافت کیا انہوں نے کہا کہ روتے روتے ان کی آنکھیں جاتی رہیں یہ سن کر اپنا پیرا ہن ان کو دیا اور کہا کہ میرا یہ کرتے لے جاؤ اور اس کو میرے باپ کے منہ پر ڈال دو اور وہ پینا ہو کر میرے پاس آئیں گے اس کرتہ کے ڈالنے سے ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور ان کے ساتھ باقی سب گھروالوں کو بھی میرے پاس لے کر آؤ مطلب یہ ہے کہ بحالت موجودہ میں تو شام کا سفر نہیں کر سکتا تم جاؤ اور والدین کو اور اب اہل خانہ کو لے کر آؤ اور یہ سب بحکم الہی تھا اور اپنی قیص سے کر یہ فرمانا کہ باپ کی آنکھوں کو لگا دینا یہ بھی بحکم خداوندی تھا اور من جانب اللہ معجزہ اور کرامت تھی کہ ایک نبی اور صدیق کے کرتے کو چہرہ ڈال دینے سے بینائی واپس آگئی جیسے آنحضرت ﷺ کے دست مبارک اور لعاب دہن لگانے سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی آنکھ درست ہو گئی اور بہت سے بیمار آپ صلی اللہ کے ہاتھ پھیرنے سے اچھے ہو گئے چنانچہ بھائی اس قیص کو لے کر مصر سے کنعان کو روانہ ہوئے۔

فائدہ:..... غالباً یوسف علیہ السلام نے اپنے اس حال کی اپنے باپ کو اس لئے اطلاع نہ دی ہو کہ بذریعہ وحی ان کو منع کر دیا گیا تھا کہ باپ کو اپنے مصر میں ہونے کی اطلاع نہ دیں تاکہ مزید گریہ و بکا سے ان کے درجات اور بلند ہوں یا اس میں اللہ کی کوئی اور حکمت ہو۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعَيْزُ قَالَ أَبُوهُمَ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفِئِدُونِ ﴿۳۱﴾ قَالُوا

اور جب جدا ہوا قافلہ کہا ان کے باپ نے، میں پاتا ہوں بو یوسف کی، فل اگر نہ کہو کہ بوڑھا بہک گیا۔ فل لوگ بولے، اور جب جدا جدا ہوا قافلہ کہا ان کے باپ نے میں پاتا ہوں بو یوسف کی اگر نہ کہو کہ بوڑھا بہک گیا لوگ بولے

تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ﴿۳۲﴾ فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَى وَجْهِهِ فَارْتَدَّ

قسم اللہ کی تو تو اپنی اسی قدیم غلطی میں ہے فل پھر جب پہنچا خوشخبری والا ڈالا اس نے وہ کرتہ اس کے منہ پر پھر لوٹ کر ہو گیا قسم اللہ کی! تو ہے اپنی اسی غلطی میں قدیم کی۔ پھر جب پہنچا خوشخبری والا، ڈالا وہ کرتہ اس کے منہ پر تو الٹا پھرا

فل خدا کی قدرت یوسف مصر میں موجود ہیں کبھی نہ کہا کہ یوسف کی خوشبو آتی ہے۔ کیونکہ خدا کو امتحان پورا کرنا تھا۔ اب بلائے کی ٹھری تو ادھر قافلہ یوسف علیہ السلام کا قیص لے کر مصر سے نکلا ادھر پیرا ہن یوسف کی خوشبو یعقوب علیہ السلام کے مشام جان کو معطر کرنے لگی۔ ایک یہ کیا پورا واقعہ ہی عجیب قدرت کا ایک موقع ہے یعقوب علیہ السلام جیسے مشہور و معروف پیغمبر شام میں رہیں اور یوسف علیہ السلام کسی علیل القدر شخصیت مصر میں بادشاہت کرے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی کئی مرتبہ مصر آئیں، خود یوسف علیہ السلام کے مہمان بنیں اس کے باوجود خداوند قدس کی حکمت فاسدہ اور مشیت قاہرہ کا ہاتھ باپ کو بیٹے سے بیسیوں برس تک علیحدہ رکھے اور خون کے آنسو لاکر امتحان کی تکمیل کرائے، "جَلَّتْ فَذُرَّتْهُ، وَعَزَّ شَلَطَانُهُ،"

فل یعنی یہ بات کہتے ہوئے جھجکتا ہوں۔ کیونکہ تمہاری کجی میں نہیں آئے گی کہہ دو گے، بڑھاٹھیا مچا ہے۔

بَصِيرًا ۱۳ قَالَ أَمْ أَقُلُّ لَكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۴﴾ قَالُوا يَا أَبَانَا

دیکھنے والا فل بولا میں نے نہ کہا تھا تم کو کہ میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے فل بولے اے باپ آنکھوں سے دیکھتا۔ بولا، میں نے نہ کہا تھا تم کو؟ میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے۔ بولے، اے باپ!

اسْتَغْفِرُ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ﴿۱۵﴾ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ

بخشوا ہمارے گناہوں کو بیشک ہم تھے چوکنے والے فل کہا دم لو بخشاؤں گا تم کو اپنے رب سے وہی ہے بخشوا ہمارے گناہوں کو، بے شک ہم تھے چوکنے والے۔ کہا، رہو بخشاؤں گا تم کو اپنے رب سے۔ وہی

### هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۱۶﴾

بخشنے والا مہربان فل

ہے بخشنے والا مہربان۔

بازگشتن برادران یوسف علیہ السلام از سفر سوم و بشارت بردن

قَالَ الْعَالِي: ﴿وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعَيْدُ قَالَ أَبُو هَمٍّ... إِلَى... إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾

ربط:..... جب یوسف علیہ السلام نے باپ کی بینائی کے لیے ٹیص عطا کی اور کہا کہ سب اہل و عیال کو لے کر آؤ تو سب بھائی پیرا بہن یوسفی لے کر شاداں و فرحاں مصر سے کنعان کی طرف روانہ ہوئے اور جب قافلہ مصر سے کنعان روانہ ہوا یعنی مصر کی آبادی سے باہر نکل گیا تو یعقوب علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا جو اس وقت ان کے پاس تھے تحقیق میں یوسف علیہ السلام کی بوحسوس کرتا ہوں اگر تم مجھ کو محبوب ۱۰ لکھو اس نہ کہو کہ بڑھاپے کی وجہ سے بہک گیا اور بہکی ہوئی باتیں کر رہا ہے۔ جب تک خدا تعالیٰ کو ابتلاء منظور تھا اس وقت تک یوسف علیہ السلام کی کوئی خبر معلوم نہ تھی حالانکہ مصر کنعان سے بہت دور تھا مصر سے کنعان میں اور کنعان سے مصر میں ہمیشہ قافلے آتے جاتے رہتے تھے پھر جب خدائے تعالیٰ کو ان کی مصیبت کا دور کرنا منظور ہوا تو باد صبا نے بحکم خداوندی خلاف عادت یوسف علیہ السلام کی بوحضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا دی اور اتنی دور سے خوشبو کا پہنچنا بطور معجزہ اور خرق

= ۱۳ یعنی یوسف (علیہ السلام) کی محبت اس کے زندہ ہونے اور دوبارہ ملنے کا یقین تیرے دل میں جاگزیں ہے۔ وہ یہی پرانے خیالات ہیں جو یوسف علیہ السلام کی خوشبو بن کر دماغ میں آتے ہیں۔

۱۴ یعنی بینائی واپس آگئی، دوبارہ حسب سابق نظر آنے لگا۔

۱۵ یعنی میں نے کہا تھا یوسف علیہ السلام کی خوشبو آ رہی ہے۔ آخر چرچ ہوا۔ یا بیٹوں کو کہا تھا کہ یوسف کو تلاش کرو۔ اللہ کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ ہم سب کو پھر اکٹھا کر دے۔ دیکھ لو وہی صورت ہوئی۔

۱۶ یعنی توجہ اور دعا کر کے خدا سے ہمارے گناہ معاف کرائیے ہم سے بڑی بھاری خطائیں ہوئی ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ پہلے آپ معاف کر دیں۔ پھر عاف دل ہو کر بارگاہ رب العزت سے معافی دلوائیں کیونکہ جو خود بخشنے والے خدا سے کہاں بخشاوتے گا۔

۱۷ یعنی قبول کی گھڑی آنے دو، اس وقت اپنے مہربان خدا کے آگے تمہارے لئے ہاتھ اٹھاؤں گا کہتے ہیں جمعہ کی شب یا تہجد کے وقت کا انتظار تھا۔

۱۰ یہ تمام عبارت تفسیر کے اصل معنی کی تشریح ہے جیسا کہ لغت میں مذکور ہے اہل علم کتب لغت کی مراجعت کریں۔ ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔

عادت تھا۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہر ایک بات خدا کی قدرت میں ہے ادھر قافلہ یوسف علیہ السلام کی قمیص لے کر مصر سے نکلا اور ادھر اس کی خوشبو یعقوب علیہ السلام کو محسوس ہونے لگی یہ یعقوب علیہ السلام کا معجزہ تھا اور معجزہ نبی کا اختیاری فعل نہیں ہوتا کہ جب چاہے اس کو کر سکے وہ اللہ کا فعل ہوتا ہے خدا جب چاہتا ہے جب اعجاز کا ظہور ہوتا ہے انبیاء کرام علیہم السلام ظاہر صورت کے اعتبار سے عام مخلوق سے ممتاز نہیں ہوتے اور جب کسی اعجاز کا ظہور ہوتا ہے تب ان کا امتیاز ظاہر ہوتا ہے اسی مضمون کو شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے یوں ادا کیا ہے:

کے پرسید ازاں گم کردہ فرزند      کہ اے عاقل گہر پیر خرد مندا !  
 زمهرش بوئے پیراہن شمیدی      چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی  
 بکفت احوال ما برق جہانت      دے پیداو دیگر دم نہانت  
 گہے برطام اعلیٰ نشینم !      گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

فاروق اعظم علیہ السلام مسجد نبوی ﷺ میں خطبہ دے رہے تھے اور مجاہدین کا لشکر نہاوند میں مشغول جہاد تھا یکا یک اثناء خطبہ میں فاروق اعظم علیہ السلام نے سردار لشکر ساریہ علیہ السلام کو آواز دی یا ساریہ الجبل۔ اے ساریہ پہاڑ کے پیچھے مقام نہاوند میں تمام لشکر نے حضرت عمر علیہ السلام کی آواز سنی یہ حضرت عمر علیہ السلام کی کرامت تھی کہ بلا اسباب ظاہری حضرت عمر علیہ السلام کی آواز مدینہ کے منبر سے نہاوند پہنچادی ایسی کرامتوں کا ظہور کبھی کبھی ہوتا ہے ہمیشہ نہیں کیونکہ کرامت ولی کا اختیاری فعل نہیں بلکہ اللہ کا فعل ہے اسی طرح معجزہ بھی اللہ کا فعل ہے نبی کا فعل نہیں اس کا ظہور اللہ کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے پس جو خدا اپنے مقبول بندہ کی آواز اتنی دور تک پہنچا سکتا ہے اور سنا سکتا ہے تو وہی خدا اپنے برگزیدہ بندہ کے پیراہن کی خوشبو کسی دوسرے برگزیدہ بندہ کو صد ہا میل دور کے فاصلہ پر سونگھا سکتا ہے اور سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا مسخر تھی۔ ﴿وَوَلَّيْنَا مَنَ الْجِبِلِ الْغَايِبَةَ﴾ تَجْرِي بِأَمْرِ رَبِّكَ ﴿فَتَسْعُرُ كَالهٖ الرِّيحِ﴾ الی آخر الآیات پس اگر اسی طرح کسی وقت باد صبا بحکم خداوندی کسی برگزیدہ صفت کے خلعت کی خوشبو کسی دوسرے برگزیدہ تک پہنچادے تو کوئی محال نہیں اس کو قبول کرو اور اپنے دوسروں سے اس کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہ کرو۔

الغرض جب یعقوب علیہ السلام نے یہ کہا کہ میں یوسف علیہ السلام کی خوشبو محسوس کرتا ہوں تو حاضرین مجلس بولے تحقیق آپ تو اپنی اسی پرانی گمراہی میں مبتلا ہیں کہ یوسف علیہ السلام ابھی زندہ ہیں اور آپ علیہ السلام سے ملیں گے اسی خیال کے غلبہ سے آپ کو خوشبو کا وہم ہو گیا ہے ورنہ واقع میں کوئی خوشبو نہیں کیونکہ یوسف علیہ السلام کو مرے ہوئے ایک مدت ہو گئی پھر جب مصر سے بشارت دینے والا آیا تو اس نے آکر یہ خبر دی کہ یوسف علیہ السلام صحیح سالم زندہ ہیں اور انہوں نے یہ پیراہن دے کر مجھے بھیجا ہے تو اس بشر نے اس کرتہ کو ان کے منہ پر ڈالا تو اسی وقت یعقوب علیہ السلام بیٹا ہو گئے اور پھر اس نے سارا ماجرا بیان کیا اس وقت یعقوب علیہ السلام نے گھر والوں سے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی مجھے تو اول ہی سے یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہے اور ایک روز مجھے ضرور ملے گا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے اس بشارت دہندہ سے پوچھا کہ تو نے یوسف علیہ السلام کو کس حال میں چھوڑا اس نے کہا کہ میں نے اس حال میں چھوڑا کہ وہ مصر کا بادشاہ ہے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا بادشاہت سے مجھے کیا مطلب یہ بتلا کہ تو نے اسے کون سے دین پر چھوڑا اس نے کہا دین اسلام پر یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اب نعمت پوری ہوئی (تفسیر قرطبی: ۲۶۱/۹)

یعقوب علیہ السلام کا یہ جواب سن کر سارے بیٹے والد بزرگوار کے قدموں پر گرے اور بولے اے ہمارے باپ آپ خدا تعالیٰ سے ہمارے لیے دعائے مغفرت کیجئے بے شک ہم خطا دار ہیں ہم نے یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں آپ کو جو تکلیف پہنچائی اس پر نادم اور شرمسار ہیں یعقوب علیہ السلام نے فرمایا میں عنقریب تمہارے لیے دعائے مغفرت کروں گا بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔ عنقریب سے مراد یہ ہے کہ سحر میں دعا کروں گا وہ وقت دعا کی قبولیت کا ہے بیٹوں کا مطلب یہ تھا کہ آپ خود ہی ہمارا قصور معاف فرمادیں اور خدائے تعالیٰ سے بھی دعائے مغفرت کریں حتیٰ کہ آپ کا دل صاف ہو جائے اور قلب مبارک میں ہماری طرف سے کوئی کدورت باقی نہ رہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَبُوهُ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِن شَاءَ اللَّهُ أَمِينٌ ﴿۱۱۱﴾

پھر جب داخل ہوئے یوسف کے پاس جگہ دی اپنے پاس اپنے ماں باپ کو، اور کہا داخل ہو مصر میں اللہ نے چاہا تو دل جمعی سے فلاں پھر جب داخل ہوئے یوسف پاس، جگہ دی اپنے پاس اپنے ماں باپ کو، اور کہا داخل ہو مصر میں، اللہ نے چاہا تو خاطر جمع سے۔

وَرَفَعَ أَبُوهُ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا ۖ وَقَالَ يَا بَنِي هَذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِنْ

اور اونچا بٹھایا اپنے ماں باپ کو تخت پر اور سب گرے اس کے آگے سجدہ میں فلاں اور کہا اے باپ یہ بیان ہے میرے اور اونچا بٹھایا۔ اپنے ماں باپ کو تخت پر، اور سب گرے اس کے آگے سجدے میں۔ اور کہا، اے باپ! یہ بیان ہے میرے

فلاں شہر سے باہر استقبال کو نکلے۔ ماں باپ کو اپنے قریب جگہ دی (اس میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض کا قول ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ بیترہ وفات پا چکی تھیں۔ جیسا کہ سابقہ فوائد میں گزر چکا یہاں خالد کا ذکر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ والدہ حیات تھیں۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ مصر تشریف لائی تھیں) سب کو فرمایا شہر میں چلو، قتل و غیرہ کا اب کچھ اندیشہ مت کرو۔ ان شاء اللہ بالکل دل جمعی اور راحت و اطمینان سے رہو گے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ الفاظ شہر میں پہنچ کر کہے گئے اور (وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِن شَاءَ اللَّهُ أَمِينٌ) کے معنی ہوئے مصر میں قیام کر دے گئے۔

فلاں یوسف علیہ السلام نے اپنی طرف سے والدین کی تعظیم کی، تخت پر بٹھلا یا لیکن خدا کو یوسف علیہ السلام کی جو تعظیم کرائی تھی اسے یوسف علیہ السلام کب روک سکتے تھے۔ اس وقت کے دستور کے موافق ماں باپ اور سب بھائی یوسف علیہ السلام کے آگے سجدہ میں گر پڑے۔ یہ سجدہ تعظیمی تھا، جو بقول حافظ عماد الدین ابن کثیر آدم کے زمانہ سے مسیح علیہ السلام کے عہد تک جائز رہا۔ البتہ شریعت محمدیہ نے منوع و حرام قرار دیا۔ جیسا کہ احادیث کثیرہ اس پر شاہد ہیں بلکہ حضرت شاہ عبد القادر رحمہ اللہ نے وَأَنَّ السُّجُودَ لِلَّهِ الْخَيْرُ مِنْ حُرْمَتِ الْإِثَارَةِ نَكَالًا ہے۔ بعض مفسرین نے اس جگہ سجدہ کے معنی متبادر مراد نہیں لیے۔ محض جھک جانے کے معنی لیے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سجدہ یوسف کو نہ تھا بلکہ یوسف علیہ السلام کی عورت و عظمت دیکھ کر سب نے خدا کے سامنے سجدہ شکر ادا کیا۔ اس تقدیر پر وَخَرُّوا لَهُ مِصْرَ لَمْ يَبِيدْهُ وَلَٰكِنِّي جَاعِلٌ فِيهِ لُحُوزًا وَمَقَابِلَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْعِبَادُ الَّذِينَ يُحِبُّونَ ذِكْرَ اللَّهِ وَهُمْ يَخْشَوْنَ اللَّهَ ۚ وَهُمْ عَلَىٰ حَقٍّ مُّؤْتَوُونَ ۚ وَمَنْ يَعْزِبْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ فَعَسَىٰ أَمْرُهُ أَن يَكُونُ مِنَ الْهَٰكِنِ ﴿۱۱۲﴾

(تسمیہ) تعظیم اور عبادت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ غیر اللہ کی تعظیم کیلئے منوع نہیں، البتہ غیر اللہ کی عبادت شرک جلی ہے۔ جس کی اجازت ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں ہوتی، نہ ہو سکتی ہے "سجود عبادت" یعنی غیر اللہ کو کسی درجہ میں نفع و ضرر کا مستقل مالک سمجھ کر سجدہ کرنا شرک جلی ہے جس کی اجازت بھی کسی ملت سماوی میں نہیں ہوتی۔ ہاں "سجود تعظیم" یعنی عقیدہ مذکورہ بالا سے خالی ہو کر محض تعظیم و تکریم کے طور پر مسجود ہونا شرع سابقہ میں جائز تھا۔ شریعت محمدیہ علیٰ =

قَبْلَ رَقْدٍ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِّن

اس پہلے خواب کا اس کو میرے رب نے سچ کر دیا اور اس نے انعام کیا مجھ پر جب مجھ کو نکالا قید خانہ سے اور تم کو لے آیا گاؤں سے بعد اس کے اس پہلے خواب کا، اس کو میرے رب نے سچ کیا۔ اور مجھ سے اس نے خوبی کی، جب مجھ کو نکالا قید سے، اور تم کو لے آیا گاؤں سے، بعد اس کے

الْبُدُوِّ مِّنْ بَعْدِ أَنْ تَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ إِنَّهُ

کہ جھگڑا ڈال چکا تھا شیطان مجھ میں اور میرے بھائیوں میں میرا رب تدبیر سے کرتا ہے جو چاہتا ہے بیشک کہ جھگڑا اٹھایا شیطان نے، مجھ میں اور میرے بھائیوں میں۔ میرا رب تدبیر سے کرتا ہے جو چاہے۔ بے شک

### هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۱۱﴾

وہی ہے خبردار حکمت والا

وہی ہے خبردار حکمتوں والا۔

بار چہارم آمدن برادران یوسف علیہ السلام مع والدین و اہل خود

قَالَ تَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي... هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۱۱﴾

ربطہ:..... بعد ازاں یعقوب علیہ السلام نے اپنے سارے کنبے سمیت مصر کو روانہ ہوئے اور یوسف علیہ السلام خبر سن کر مصر سے باہر استقبال کے لیے نکلے پس جب یعقوب علیہ السلام مع خاندان کے یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو یوسف علیہ السلام نے اپنے ماں باپ کو اس خیمہ میں جگہ دی جس کو ان کے استقبال کے لیے آراستہ کیا تھا اور پھر ملاقات سے فراغت کے بعد سب سے کہا اب ان شاء اللہ امن اور اطمینان کے ساتھ اندرون مصر تشریف لے چلئے اور پھر وہاں پہنچ کر اپنے والدین کو سخت شامی پر بٹھایا اور اس پر شوکت منظر کو دیکھ کر سب پر یوسف علیہ السلام کی عظمت و جلال ایسی غالب آئی کہ سب کے سب سجدہ میں گر پڑے یہ سجدہ تعظیمی تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے چلا آ رہا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد تک جائز رہا اب شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حرام اور ممنوع قرار دیا گیا والدین کا اور بھائیوں کا یہ سجدہ بطور تحیت و سلام اور بطریق تعظیم و اکرام تھا نہ کہ بطریق عبادت اس لیے کہ سجدہ عبادت اللہ کے لیے مخصوص ہے اور سجدہ تعظیمی پہلی شریعتوں میں غیر اللہ کے لیے جائز تھا اب ہماری شریعت میں اس کا جواز منسوخ ہو گیا اور ”ابوین“ جس کے معنی ماں باپ کے ہیں اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس سے حقیقی ماں باپ مراد ہیں یا باپ اور خالہ مراد ہیں اس لیے کہ بعض علماء کا قول یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ اس واقعہ سے پیشتر وفات = صاحبہ اصطلاحاً تسلیم نے اس کی بھی جو کاٹ دی۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حجتہ اللہ البالغہ میں اقسام شرک پر جو ذمہ بحث کی ہے اسے دیکھنا چاہیے۔

قَالَ تَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي... ہذا یعنی میرا اس میں جھگڑا نہیں۔ خواب کی تعبیر پوری ہوئی تھی وہ عدائے پوری کر دکھائی۔  
قَالَ تَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي... ہذا یعنی میرا اس میں جھگڑا نہیں۔ خواب کی تعبیر پوری ہوئی تھی وہ عدائے پوری کر دکھائی۔  
قَالَ تَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي... ہذا یعنی میرا اس میں جھگڑا نہیں۔ خواب کی تعبیر پوری ہوئی تھی وہ عدائے پوری کر دکھائی۔  
قَالَ تَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي... ہذا یعنی میرا اس میں جھگڑا نہیں۔ خواب کی تعبیر پوری ہوئی تھی وہ عدائے پوری کر دکھائی۔

پاچکی تھیں اور یعقوب علیہ السلام کے ساتھ سجدہ کرنے والی حضرت یوسف علیہ السلام کی خالہ تھیں اور خالہ بھی بمنزلہ ماں ہوتی ہے اور محمد بن اسحاق اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہما وغیر ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ ان کی حقیقی ماں تھیں اس وقت وہ زندہ تھیں اور وہی ساتھ آئی تھیں اور کسی دلیل صحیح سے یہ ثابت نہیں کہ ان کی والدہ مرچکی تھیں اور ظاہر قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے وقت ماں باپ دونوں زندہ تھے۔ (واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم)

اور جب سب یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ میں گر گئے تو یوسف علیہ السلام نے کہا اے میرے والد بزرگوار! یہ ہے میرے اس خواب کی تعبیر جو میں نے پہلے زمانہ میں دیکھا تھا تحقیق میرے پروردگار نے اس کو پورا کر کے دکھلایا خدا نے جو خواب دکھلایا اب اس کی تعبیر دکھلادی یہ سب میرے پروردگار کا فضل ہے اس میں میرا کوئی دخل نہیں اور یوسف علیہ السلام نے ﴿یا ہات﴾ سے صرف باپ کو خطاب کیا اور ماں کو خطاب نہ کیا کیونکہ ماں علم تعبیر کی عالم نہ تھیں علم تعبیر کے عالم صرف باپ تھے اس لیے کہا ﴿یا ہات﴾ اے باپ یہ میرے خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے دیکھا اور جس کے ظہور کے آپ علیہ السلام منتظر تھے اور نور نبوت سے آپ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ یہ خواب ضرور پورا ہوگا اللہ نے اس کو سچ کر دیا اور یہ اس کا فضل اور احسان ہے اور اس نے مجھ پر یہ احسان کیا کہ مجھے قید خانہ سے نکالا اور مجھ کو اس مرتبہ پر پہنچایا اور تم کو دیہات سے شہر میں لایا اور مجھ سے ملایا بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان اختلاف ڈال دیا تھا حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ سے نکلنے کے احسان کا ذکر فرمایا اور کنوئیں سے نکلنے کے احسان کا ذکر نہ کیا تا کہ بھائی شرمندہ نہ ہوں اور ایک قسم کی معذرت بھی کر دی کہ میرے اور بھائیوں کے درمیان جو جھگڑا پیدا ہوا وہ سب شیطان کا ڈالا ہوا تھا شیطان اگر درمیان میں نہ گھستا تو بھائی مجھ سے ہرگز نہ جھگڑتے۔ سبحان اللہ کیا حسن خلق ہے کہ بے قصور ہیں اور شرمندہ ہو رہے ہیں نہ گزشتہ مصائب کا کوئی ذکر کیا اور نہ کوئی حرف شکایت زبان پر ہے بھائیوں کو معذور قرار دے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کے بیان میں مشغول ہیں بے شک میرا پروردگار جو چاہتا ہے اس کی عمدہ تدبیر کرتا ہے کام کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو اس کی لطف تدبیر سے سب آسان ہو جاتا ہے بے شک وہی علم والا اور حکمت والا ہے وہ ہر چیز کی مصلحت اور تدبیر کو جانتا ہے اور اس کا ہر فعل حکمت پر مبنی ہے چاہ کنعان سے لے کر اس وقت تک چالیس سال گزرے اور قسم قسم کے ابتلاء پیش آئے اللہ ہی کو ان کی حکمتیں اور مصلحتیں معلوم ہیں امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل تاریخ کا بیان ہے کہ یعقوب علیہ السلام مصر میں یوسف علیہ السلام کے پاس ۲۴ برس تک نہایت خوش حالی اور فارغ الباری اور کمال عیش و عشرت کے ساتھ رہے جب ان کی وفات کا وقت آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو وصیت کی کہ ان کے جسد مطہر کو شام کی مقدس زمین میں ان کے باپ اسحاق علیہ السلام کی قبر کے پاس دفن کرنا جب یعقوب علیہ السلام نے مصر میں وفات پائی تو یوسف علیہ السلام ان کی وصیت کے مطابق ساج کے ایک تابوت میں ان کے جسد کر رکھ کر شام لے گئے جس روز شام پہنچے اتفاق سے اسی روز یعقوب علیہ السلام کے بھائی عمیس نے انتقال کیا دونوں بھائی ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے اور ایک ہی ساتھ دونوں پیدا ہوئے تھے اور ہر ایک کی عمر ایک سو سینتالیس (۱۳۷) برس ہوئی یوسف علیہ السلام اپنے باپ اور چچا کے دفن سے فارغ ہو کر مصر واپس آ گئے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۲۲۸/۹)



رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ، فَاطِرَ السَّمَوَاتِ

اے رب تو نے دی مجھ کو کچھ حکومت اور سکھایا مجھ کو کچھ پھیرنا باتوں کا اے پیدا کرنے والے آسمان  
اے رب! تو نے دی مجھ کو کچھ حکومت اور سکھایا مجھ کو کچھ پھیر باتوں کا۔ اے پیدا کرنے والے آسمان

وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيٌّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿۱۱﴾

اور زمین کے تو ہی میرا کار ساز ہے دنیا میں اور آخرت میں موت دے مجھ کو اسلام پر اور ملا مجھ کو نیک بختوں میں ﴿۱۱﴾  
اور زمین کے! تو ہی میرا کارساز دنیا میں اور آخرت میں۔ موت دے مجھ کو اسلام پر اور ملا مجھ کو نیک بختوں میں۔

خاتمہ بردعائے یوسف علیہ السلام خاتمہ بالخیر

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ... أَلِي... وَالْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ﴾

رابطہ:..... یوسف علیہ السلام کے دن کے بعد مصر واپس آگئے اور باپ کی وفات ۱ کے بعد تیس ۲۳ سال زندہ رہے اور  
باپ اور چچا کی وفات کے بعد آخرت کا شوق غالب ہوا اور یہی دعا شروع کی اے میرے پروردگار تو نے مجھ کو نبی، دینی  
اور ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا ہے تو نے مجھے ملک مصر کی سلطنت عطا کی اور خوابوں کی تعبیر کا علم مجھ کو سکھایا اور نبوت اور  
صدیقیت عطا کی۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا کارساز ہے دنیا اور آخرت میں پس جس طرح تو  
نے میری دنیا کو درست کیا اسی طرح میری آخرت کو بھی درست فرما اور اسلام کی حالت میں مجھے موت دے یعنی اپنی اطاعت

فل اسی سورت کے پہلے کوع میں "تَأْوِيلَ الْأَحَادِيثِ" کی تفسیر گزر چکی ہے۔

فل یا تو لقاء اللہ کے شوق میں فی الحال موت کی تمنا کی یا یہ مطلب ہے کہ جب کبھی موت آئے اسلام (یعنی کامل تسلیم و رضا) پر آئے۔

(تنبیہ) حدیث میں آیا ہے کہ کوئی شخص کسی مصیبت اور تکلیف سے گھبرا کر موت کی تمنا کرے اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ جب لقاء اللہ یا اور کسی عرض  
صالح کی وجہ سے موت کی تمنا کر سکتا ہے جیسے ساحرین فرعون نے دعا کی تھی "وَقَاتِلْنَا فِيهَا" اور معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے "وَإِذَا أَرَدْتَ بِقَوْمٍ فَتَنَةً فَأَقْبِضِي إِلَيْكَ غَيْرَ  
مَفْتُونٍ" اور مند احمد میں حدیث ہے "يَكْفُرُ الْمُتَوَلَّى الْمُؤْتَمِرُ بِالْمُؤْتَمِرِينَ" حضرت علی نے جوہم قس کے وقت دعا کی "اللَّهُمَّ خُذْنِي إِلَيْكَ فَقَدْ  
سَمِعْتَهُمْ وَسَمِعْتُونِي" امام بخاری کو جب امیر خراسان کے ساتھ جھگڑا پیش آیا تو یہ دعا کرنی پڑی۔ "اللَّهُمَّ تَوَفَّنِي إِلَيْكَ" حدیث میں ہے کہ خروج و جال  
کے وقت ایک شخص کسی قبر پر گزرے گا اور فن زلازل کو دیکھ کر کہے گا۔ "يَا لَيْتَنِي مَكَاتَكَ" کاش کہ میں تیری جگہ ہوتا۔

فل یہ لفظ ایسے ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں فرماتے تھے "اللَّهُمَّ فَيِ الرَّفِيقِ الْأَعْلَى" حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "علم  
کامل پایا، دولت کامل پائی، اب شوق ہوا اپنے باپ دادا کے مراتب کا"۔ گویا الْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ سے یہ عرض ہوئی کہ میرا مرتبہ اسحاق و ابراہیم علیہما  
السلام کے مراتب سے ملادے۔ حضرت یعقوب کی زندگی تک ملکی انتظامات میں رہے۔ ان کی وفات کے بعد اپنے اختیار سے چھوڑ دیا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ  
حضرت یعقوب علیہ السلام نے وصیت فرمائی تھی کہ میری لاش "شام" لے جا کر دفن کرنا۔ چنانچہ جنازہ وہیں لے گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ  
ایک زمانہ آئے گا جب "بنی اسرائیل" مصر سے نکلیں گے۔ اس وقت میری لاش بھی اپنے ہمراہ لے جائیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو  
لے کر مصر سے نکلے، حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت بھی ساتھ لے گئے۔ واللہ اعلم۔

اور فرماں برداری کی حالت میں مجھے وفات دے اور مجھ کو نیک بختوں کے ساتھ ملا دے یعنی میرے آباء و اجداد ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے ساتھ ملا دے اور انبیاء کے زمرے میں مجھے پہنچا دے۔ جاننا چاہئے کہ یوسف علیہ السلام کی یہ دعا تمنائے موت نہ تھی کہ فی الحال مجھ کو موت آجائے بلکہ مطلب یہ تھا کہ جب وقت مقدر پر میری موت آئے تو وہ موت دین اسلام ہی پر آئے اور طوق صالحین مجھے میسر ہو بہر حال موت کی دعا نہیں بلکہ حسن خاتمہ کی دعا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اسے پروردگار جب مجھ کو موت آئے تو اسلام پر آئے اور تیری اطاعت اور فرماں برداری کی حالت میں مروں یہی دعا ہر مسلمان کو مانگنی چاہئے حسن خانہ کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی دعا نہیں ﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ اَنْتَ وَّلِيٌّ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

تَوْفِىُّ مُسْلِمًا وَّ اٰخِرِيًّا بِالطَّيْبِ ﴿۱۰﴾

(آمین یا رب العالمین)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اکثر اسی دعا کا ورد رکھتا ہوں (دیکھو تفسیر کبیر: ۱۷۶/۵)

اہل سیر نے لکھا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ بنی اسرائیل مصر سے نکلیں گے اس وقت میرا تابوت بھی اپنے ہمراہ لے جائیں گے۔

یوسف علیہ السلام نے ایک سو دس سال یا ایک سو سات سال کی عمر میں وفات پائی اور عزیز کی عورت کے بطن سے ان کے دو لڑکے پیدا ہوئے اور ایک لڑکی۔ لڑکوں کے نام افرائیم اور میثا تھے اور لڑکی کا نام رحمت تھا جو حضرت ایوب علیہ السلام کے عقد میں آئی جب آپ علیہ السلام نے وفات پائی تو اہل مصر نے آپ علیہ السلام کے دفن کے متعلق اختلاف کیا ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ میرے محلہ میں دفن ہوں تاکہ ان کی برکات سے مستفیض ہوں بالآخر ان کو سنگ مرمر یا سفید پتھر کے صندوق میں رکھ کر دریائے نیل کے قریب دفن کر دیا اور یوسف علیہ السلام کے وصال کے بعد سلطنت مصر حسب سابق فرعون مصر کے ہاتھ میں منتقل ہو گئی یہاں تک کہ انہیں سلاطین مصر کے سلسلہ میں وہ فرعون ہوا جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِ اِلَيْكَ ۗ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ وَهُمْ

یہ خبریں ہیں غیب کی ہم بھیجتے ہیں تیرے پاس اور تو نہیں تھا ان کے پاس جب وہ ٹھہرانے لگے اپنا کام اور یہ خبریں ہیں غیب کی، ہم بھیجتے ہیں تجھ کو۔ اور تو نہ تھا ان کے پاس، جب ٹھہرانے لگے اپنا کام، اور

يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَا اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ

فریب کرنے لگے **فِ** اور اکثر لوگ نہیں ہیں یقین کرنے والے اگرچہ تو کتنا ہی چاہے **فِ** اور تو مانگتا نہیں ان سے اس پر کچھ فریب کرنے لگے۔ اور نہیں اکثر لوگ یقین لانے والے، اگرچہ تو دلچائے۔ اور تو مانگتا نہیں ان سے اس پر کچھ

**فِ** یعنی برادران یوسف علیہ السلام جب ان کو باپ سے جدا کرنے اور کنوئیں میں ڈالنے کے مشورے اور تدبیریں کر رہے تھے آپ ان کے پاس نہیں کھڑے تھے کہ ان کی باتیں سننے اور حالات کا معائنہ کرتے۔ پھر ایسے صحیح واقعات بجز وحی الہی کے آپ علیہ السلام کو کس نے بتائے۔ آپ علیہ السلام کی طور پر بڑھے لکھے نہیں کسی ظاہری معلم سے استفادہ کی نوبت نہیں آئی پھر یہ عقائد جن کی اس قدر تفصیل بائبل میں بھی نہیں، آپ علیہ السلام کو خدا کے سوا کس نے معلوم کرائیں۔ **فِ** باوجودیکہ آپ علیہ السلام کی صداقت پر ایسی واضح دلائل موجود ہیں، پھر بھی اکثر لوگ وہ ہیں جو کسی طرح ایمان لانے والے نہیں۔

۱۱ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِيْنَ ۝۱۱ وَكَآيِنٌ مِّنْ آيَةِ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ

بدلہ یہ تو اور کچھ نہیں مگر نصیحت سارے عالم کو فی اور بہتری نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں جن پر نیک۔ یہ تو اور کچھ نہیں مگر نصیحت سارے عالم کو۔ اور بہتری نشانیاں ہیں آسمان اور زمین میں، جن پر ہو

عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ۝۱۲ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ ۝۱۳

گزر ہوتا رہتا ہے ان کا اور وہ ان پر دھیان نہیں کرتے فی اور نہیں ایمان لاتے بہت لوگ اللہ پر مگر ساتھ ہی شریک بھی کرتے ہیں فی نکلتے ہیں، اور ان پر دھیان نہیں کرتے۔ اور یقین نہیں لاتے بہت لوگ اللہ پر مگر ساتھ شریک بھی کرتے ہیں۔

اَفَاْمِنُوْا اَنْ تٰتِيَهُمْ غَآشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تٰتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا

کیا ٹر ہو گئے اس سے کہ آڈھانکے ان کو ایک آفت اللہ کے عذاب کی یا آہینچے قیامت اچانک اور ان کو کیا ٹر ہوئے ہیں کہ آڈھانکے ان کو ایک آفت اللہ کے عذاب کی، یا آہینچے قیامت اچانک اور ان کو

يَشْعُرُوْنَ ۝۱۴ قُلْ هٰذِهِ سَبِيْلِيْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنْ اَتَّبَعَنِ ۝۱۵ وَسُبْحٰنَ

خبر نہ ہو فی کہہ دے یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہے، اور اللہ خبر نہ ہو۔ کہہ، یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف، سمجھ بوجھ کر، میں اور جو میرے ساتھ ہیں۔ اور اللہ

اللّٰهِ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۶ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ مِّنْ

پاک ہے اور میں نہیں شریک بتانے والوں میں فی اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے وہ سب مرد ہی تھے کہ وحی بھیجتے تھے ہم ان کو پاک ہے! اور میں نہیں شریک بتانے والا۔ اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے یہی مرد تھے کہ حکم بھیجتے تھے ہم ان کو

۱۲ یعنی نہیں مانتے نہ مانیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا نقصان ہے کچھ تبلیغ کی خواہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مانگتے نہ تھے کہ وہ بند کر لیں گے نصیحت اور فہمائش بھی ہو گئی اور ہو رہی ہے۔

۱۳ یعنی جس طرح آیات تنزیلیہ سن کر آپ پر ایمان نہیں لاتے۔ ایسے ہی آیات تکوینیہ دیکھ کر خدا کی توحید کا سبق حاصل نہیں کرتے اصل یہ ہے کہ ان کا سنا اور دیکھنا محض سرسری ہے آیات اللہ میں غور و فکر کرتے تو کچھ فائدہ پہنچتا۔ جب دھیان نہیں تو ایمان کہاں سے ہو۔

۱۴ یعنی زبان سے سب کہتے ہیں کہ خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے مگر اس کے باوجود کوئی توں کو خدا کی کا حصہ دار بنا رہا ہے چنانچہ مشرکین عرب "تلبیہ" میں یہ لفظ کہتے تھے "لَبَّيْكَ اللّٰهُ رَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِكَ لَكَ لَا شَرِكَ لَكَ لَبَّيْكَ لَكَ نَعْبُدُكَ وَنَسْتَعِيْظُكَ وَنَسْتَعِيْظُكَ لَكَ اَلَمْ نَكُنْ لَكَ رُجُلًا مِّنْ قَبْلُ" کوئی اس کے لیے بیٹے بیٹیاں تجوز کرتا ہے کوئی اسے روح و مادہ کا محتاج بناتا ہے کسی نے احبار و رہبان کو خدا کی کے اقتدارات دے دیے ہیں بہت سے تعزیہ پرستی، قبر پرستی پیر پرستی کے شس و خاشاک سے توحید کے صاف چہرہ کو مگد کر رہے ہیں۔ ریاد اور وہاں پرستی سے تو کتنے مومنین ہیں جو پاک ہوں گے۔ عرض ایمان کا زبانی دعویٰ کر کے بہت کم ہیں جو عقیدہ یا عمل کے درجہ میں شرک جلی یا غی کی کار تکاب نہیں کرتے (اعاذا ذل اللہ من سائر انواع الشریک)

۱۵ یعنی ایسے بے فکر و بے خوف کیوں ہو رہے ہیں۔ ایمانہوں نے عذاب الہی یا قیامت کے ہولناک حوادث سے محفوظ رہنے کا کچھ انتظام کر لیا ہے؟

۱۶ یعنی میرا راستہ یہی فاعل توحید کا راستہ ہے میں تمام دنیا کو دعوت دیتا ہوں کہ سب خیالات و ادہام کو چھوڑ کر ایک خدا کی طرف آئیں، اس کی توحید، اس کی صفات و کمالات اور اس کے احکام وغیرہ کی صحیح معرفت صحیح راستہ سے حاصل کریں۔ میں اور میرے ساتھی اس سیدھے راستہ پر، حجت و رہبان اور بصیرت و وجدان کی روشنی میں ہل رہے ہیں۔ خدا نے مجھ کو ایک نور دیا جس سے سب امراہوں کے دماغ روشن ہو گئے۔ یہاں کسی کی اندھی تقلید نہیں۔ فاعل توحید کا راہرو ہر قدم پر اپنے ہاتھ میں معرفت و بصیرت کی غامض روشنی اور عبودیت محمد کی فاعل لذت محسوس کر کے بے ساختہ پکارا نکلتا ہے۔ ﴿وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾

**أَهْلَ الْقُرَىٰ ۖ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ**

بستیوں کے رہنے والے سو کیا ان لوگوں نے نہیں سیر کی ملک کی کہ دیکھ لیتے کیا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے بستیوں کے رہنے والے۔ سو کیا یہ لوگ نہیں پھرے ملک میں کہ دیکھیں کیا ہوا آخر ان کا جو انے

**قَبْلِهِمْ ۖ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ اتَّقَوْا ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۹﴾ حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ**

پہلے تھے اور آخرت کا گھر تو بہتر ہے پرہیز کرنے والوں کو کیا اب بھی نہیں سمجھتے یا یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے پہلے تھے۔ اور پچھلا گھر تو بہتر ہے پرہیز والوں کو۔ اب کیا تم نہیں بوجھتے۔ یہاں تک جب ناامید ہونے لگے

**الرُّسُلَ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّىٰ مِنْ نَشَأٍ ۖ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا**

رسول اور خیال کرنے لگے ان سے جھوٹ کہا گیا تھا پہنچی ان کو ہماری مدد پھر بچا دیا جن کو ہم نے چاہا اور پھرتا نہیں عذاب رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا تھا، پہنچی ان کو مدد ہماری، پھر بچا دیا جن کو ہم نے چاہا۔ اور پھیری نہیں جاتی آفت

**عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۲۰﴾ لَقَدْ كَانَ فِي قَصصِهِمْ عِبْرَةً لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۖ مَا كَانَ**

ہمارا قوم گناہ گار سے بل البتہ ان کے احوال سے اپنا حال قیاس کرنا ہے عقل والوں کو بل کچھ ہماری قوم گنہگار سے۔ البتہ ان کے احوال سے، اپنا احوال قیاس کرنا ہے عقل والوں کو۔ کچھ

بل یعنی پہلے بھی ہم نے آسمان کے فرشتوں کو نبی بنا کر نہیں بھیجا انبیائے سابقین ان ہی انسانی جہیوں کے رہنے والے مرد تھے۔ پھر دیکھ لو ان کے جھٹلانے والوں کا دنیا میں کیا حشر ہوا۔ حالانکہ دنیا میں کافروں کو بھی بسا اوقات عیش نصیب ہو جاتا ہے اور آخرت کی بہتری تو خاص ان کے لیے ہے جو شرک و کفر سے پرہیز کرتے ہیں۔ یہ تنبیہ ہے کفار مکہ کو کہ ان لوگوں کے احوال سے عبرت حاصل کریں۔

(تنبیہ) اس آیت سے لگتا ہے کہ کوئی عورت نبی نہیں بنائی تھی۔ حضرت مریم کو بھی قرآن نے صدیقہ کا مرتبہ دیا ہے۔ نیز آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل بوادی (جنگلی جموروں) میں سے کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔

بل یعنی تاخیر عذاب سے دھوکہ مت کھاؤ۔ پہلی قوموں کو بھی ایسی مہلتیں دی گئیں۔ اور عذاب آنے میں اتنی دیر ہوئی کہ منکرین بالکل بے فکر ہو کر بیش از بیش شرارتیں کرنے لگے۔ یہ حالات دیکھ کر پیغمبروں کو ان کے ایمان لانے کی کوئی امید نہ رہی، اور خدا کی طرف سے ان کو ذلیل اس قدر دی گئی کہ مدت دراز تک عذاب کے کچھ آثار نظر نہ آتے تھے۔ غرض دونوں طرف کے حالات و آثار پیغمبروں کے لیے یاس انگیز تھے۔ یہ منظر دیکھ کر کفار نے یقینی طور پر خیال کر لیا کہ انبیاء سے جو وعدے ان کی نصرت اور ہماری ہلاکت کے کیے گئے تھے سب جھوٹی باتیں ہیں۔ عذاب وغیرہ کا ڈھکوسلہ صرف ڈرانے کے واسطے تھا۔ کچھ بعید نہیں کہ ایسی مایوس کن اور اضطراب انگیز حالت میں انبیاء کے قلوب میں بھی یہ خیالات آنے لگے ہوں کہ وعدہ عذاب کو جس رنگ میں ہم نے سمجھا تھا وہ صحیح نہ تھا۔ یا وسوسوں و خطرات کے درجہ میں بے اختیار یہ وہم گزرنے لگے ہوں کہ ہماری نصرت اور منکرین کی ہلاکت کے جو وعدے کیے گئے تھے کیا وہ پورے نہ کیے جائیں گے؟ جیسے دوسری جگہ فرمایا: **وَلَوْ لَوْ اِخْتَلَىٰ يَقُولُ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصُرُ اللّٰهُ** جب مجرمین کی بے خونی اور انبیاء کی تشریح اس حد تک پہنچ گئی اس وقت ناگہاں آسمانی مدد آئی۔ پھر جس کو خدا نے چاہا (یعنی فرمانبرداروں میں کو) محفوظ و مصنون رکھا۔ اور مجرموں کی جو کاٹ دی۔

(تنبیہ ۱) اللہ تعالیٰ کی غیر عمدہ رحمت و مہربانی سے ناامیدی کفر ہے لیکن ظاہری حالات و اسباب کے اعتبار سے ناامیدی کفر نہیں۔ یعنی یوں کہہ سکتے ہیں کہ فلاں چیز کی طرف سے جہاں تک اسباب ظاہری کا تعلق ہے مایوسی ہے لیکن حق تعالیٰ کی رحمت کا سلسلہ سے مایوسی نہیں۔ آیت **وَإِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ** میں یہی مایوسی مراد ہے جو ظاہری حالات و آثار کے اعتبار سے ہو اور نہ پیغمبر خدا کی رحمت سے کب مایوس ہو سکتے ہیں۔

(تنبیہ ۲) کفر کا سوا کفر نہیں کسی درجہ میں ایمان یا عصمت کے منافی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم =

حَدِيثًا يُفْتَدَىٰ وَلَٰكِنَّ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً

بنائی ہوئی بات نہیں لیکن موافق ہے اس کلام کے جو اس سے پہلے ہے اور بیان ہر چیز کا اور ہدایت اور رحمت  
بات بنائی ہوئی نہیں، لیکن موافق اس کلام کے جو اس سے پہلے ہے، اور کھولنا ہر چیز کا اور راہ بھائی اور مہربانی

### لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۱۱﴾

ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں

ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں۔

خاتمہ سورت بر اثبات رسالت محمدیہ ﷺ

وتہدید منکرین و بیان حقانیت کتاب مبین

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ... إِلَى... وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾

رابطہ:..... یہ سورت ان سائلین کے جواب میں نازل ہوئی جنہوں نے آپ ﷺ سے بغرض امتحان یوسف علیہ السلام کا قصہ دریافت کیا تھا اب خاتمہ سورت پر یہ بتلاتے ہیں کہ یہ قصہ آپ ﷺ کی نبوت کی کس طرح دلیل بنا چنانچہ فرماتے ہیں یہ احسن القصص یعنی یوسف علیہ السلام کا قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جس کے علم کا سوائے وحی خداوندی کے کوئی ذریعہ نہیں ہم صرف وحی کے ذریعہ سے آپ ﷺ کو یہ قصہ بتلاتے ہیں اور یہ آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل قاطع ہے کیونکہ آپ ﷺ تو امی ہیں کتابیں پڑھنا نہیں جانتے اور نہ آپ ﷺ نے یہ قصہ کسی سے سنا ہے پس آپ ﷺ کے پاس اس قصہ کے معلوم ہونے کا سوائے وحی الہی کے کوئی ذریعہ نہیں لہذا اس قصہ کو اس حسن ترتیب اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کرنا یہ آپ ﷺ کا کھلا معجزہ ہے۔ اور آپ ﷺ کی نبوت کی شافی اور کافی دلیل ہے اور اے نبی! آپ ﷺ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے پاس موجود نہ تھے جب وہ یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالنے کے متعلق پختہ ارادہ کر رہے تھے اور وہ اس کی تدبیریں کر رہے تھے پس آپ ﷺ نے جب یہ واقعہ خود دیکھا اور نہ کسی سے سنا تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ صاحب وحی اور صاحب نبوت ہیں اور باوجود ان شواہد اور دلائل کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں اگرچہ آپ ﷺ کتنی ہی حرص کریں کہ وہ ایمان لے آئیں کیونکہ وہ اللہ کے علم میں ازلی شقی ٹھہر چکے ہیں یہود اور قریش نے امتحاناً آپ ﷺ سے یہ قصہ دریافت کیا تھا آپ ﷺ نے وحی الہی کی مدد سے اس کو صحیح صحیح بیان کر دیا اس پر بھی ایمان نہ لائے تو آپ ﷺ کو رنج ہوا اور اے = ہم اپنے دلوں میں ایسی چیزیں (بے اختیار) پاتے ہیں جن کے زبان پر لانے سے ہم بہتر سمجھتے ہیں کہ بل کر کوئلہ ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہا ایما پاتے ہو؟ عرض کیا ہاں "فرمایا"، "ذَلِكَ صَمْرِيْحُ الْإِيمَانِ" "یہ تو کھلا ہوا ایمان ہے۔

یعنی یہ کوئی افسانہ یا ناول نہیں۔ تاریخی حقائق ہیں۔ جن سے عقل مندوں کو سبق لینا چاہیے۔

فل یعنی قرآن کریم جس میں یہ قصص بیان ہوئے کوئی جموئی بنائی ہوئی بات نہیں بلکہ تمام پہلی سچائیوں کی تصدیق کرنے والا اور ہر ضروری چیز کو کھول کر بیان کرنے والا ہے۔ چونکہ ایماندار اس سے نفع اٹھاتے ہیں اس لحاظ سے ان کے حق میں خاص طور پر ذریعہ ہدایت و رحمت ہے۔ نَفَعْنَا اللَّهُ بِعَلْمِ يَوْمِهِ وَزَرَقْنَا ثَلَاثَةَ أَلْفٍ مِنَ اللَّيْلِ وَأَنَاءَ النَّهَارِ وَجَعَلَهُ حُجَّةً لَنَا لَا عَلَيْنَا أَمِينٌ۔ ثُمَّ سُورَةُ يُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِعَوْنِ اللَّهِ تَعَالَى۔

نبی! آپ ﷺ ان سے اس تبلیغ اور نصیحت پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتے کہ اس کے نہ ملنے سے آپ ﷺ کا نقصان ہوتا یہ قرآن تو دنیا جہان کے لیے نصیحت ہے جس کا جی چاہے مانے اور جس کا جی چاہے نہ مانے یہ قرآن تو دلائل نبوت اور دلائل توحید سے بھرا پڑا ہے اگر نظر انصاف سے اس قرآن کو دیکھیں تو ان پر مبدأ اور نبوت اور معاد سب منکشف ہو جائے اور آسمانوں اور زمین میں ہماری قدرت اور وحدانیت کی کتنی ہی نشانیاں موجود ہیں جن پر یہ لوگ گزرتے ہیں یعنی ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور وہ ان سے اعراض کرتے ہیں اگر ان کی طرف التفات کرتے تو ایمان لے آتے اور اکثر لوگ جو خدا کو مانتے بھدے ہیں تو وہ اس طرح مانتے ہیں کہ دوسروں کو بھی خدا کے ساتھ شریک گردانتے ہیں ایسا ماننا نہ ماننے کے حکم میں ہے مطلب یہ ہے کہ نہ توحید کے قائل اور نہ رسالت کے قائل سو کیا یہ توحید و رسالت کے منکر اس بات سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ ان پر عذاب خداوندی سے کوئی ایسی آفت آئے جو ان کو اپنے اندر چھپالے اور الحاف کی طرح ان کو ہر طرف سے چھپالے یا ناگہاں ان پر قیامت کی گھڑی آجائے جس کے آنے سے ان کو خبر بھی نہ ہو۔ اے نبی ﷺ! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ یہ دین اسلام اور توحید میری راہ ہے میں تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں بصیرت پر ہوں میں اور میرے پیرو یعنی میرے پاس ایسے دلائل ہیں کہ جن کو دیکھ کر دل کی آنکھیں کھل جائیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ میں تم کو ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں مطلب یہ ہے کہ میں تم کو اپنا بندہ نہیں بنانا بلکہ خدا کی بندگی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اگر کسی کو میری نبوت کے بارے میں یہ شبہ ہو کہ نبی اور رسول تو فرشتہ ہونا چاہئے تو یہ شبہ مہمل ہے اس لئے کہ ہم نے آپ ﷺ سے پہلے جس قدر رسول بھیجے وہ سب مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے کوئی فرشتہ نہیں تھا اور نہ کوئی عورت نبی بنا کر بھیجی گئی اور وہ انبیاء سابقین بستیوں کے رہنے والے تھے اصحاب علم اور فہم اور علم تھے کیونکہ جنگل کے لوگ اکثر سخت دل اور تند خواہ اور جفا پیشہ ہوتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے بستی کے رہنے والوں کو نبی بنا کر بھیجا پھر دیکھ لو کہ ان کے جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ حسن بھری ﷺ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل باد یہ میں سے کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا اور نہ عورتوں میں سے اور نہ جنات میں سے کسی کو رسول بنا کر بھیجا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۲۷۴/۹)

سو کیا ان مشرکین نے ملک کی سیر نہیں کی کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ ان منکرین اور مکذبین کا انجام کیسا خراب ہوا جو ان سے پہلے گزرے ہیں جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو سب کے سب عذاب سے ہلاک ہوئے اس زمانہ کے کافروں کو چاہئے کہ ان کے حال سے عبرت پکڑیں اور البتہ آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو شرک اور معصیت سے بچتے ہیں۔

سو کیا تم نہیں سمجھتے کہ پہلی قومیں کس طرح ہلاک ہوئیں و جاس کی یہ ہوئی کہ ان لوگوں نے آخرت کی پروا نہ کی اور مال اور دولت کے نشہ میں خدا کے رسولوں کا مقابلہ کرتے رہے اللہ تعالیٰ حلیم و کریم ہے اس نے ان کو فوراً عذاب میں نہ پکڑا بلکہ ان کو لمبی لمبی مہلتیں دیں اور وہ جتنا کفر میں ترقی کرتے گئے اتنی ہی نعمتوں کے دروازے ان پر کھلتے گئے جس سے یہ منکرین بے فکر اور نڈر ہو گئے بالآخر ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا اور سب ہلاک و برباد ہوئے پس کفار عرب فی الحال عذاب کے

نازل نہ ہونے سے دھوکہ میں نہ پڑیں اگلی امتوں کو بھی اس طرح طویل مہلتیں ❶ دی گئیں۔

یہاں تک کہ جب مہلت کی مدت طویل ہوئی اور عذاب موعود کے نازل ہونے میں دیر ہوئی اور اندازہ اور تخمینہ کے مطابق عذاب نہ آیا تو پیغمبر مایوس ہونے لگے اور گمان کرنے لگے کہ ہم سے جو ہماری نصرت اور دشمنوں کی ہلاکت کا وعدہ کیا گیا تھا جو اب تک ہمارے اندازہ اور تخمینہ کے مطابق پورا نہیں ہوا شاید وہ عذاب ہماری زندگی میں نہ آوے بلکہ ہمارے پیچھے آوے یا ہماری کسی غلطی کی وجہ سے کوئی غلط فہمی ہوئی کہ ہم نے اپنے خیال سے نزول عذاب کا وقت مقرر کر لیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جو نزول عذاب کا وعدہ کیا تھا وہ مطلق تھا اس میں کسی وقت اور زمانہ کا تعین نہ تھی حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنی رائے اور اجتہاد سے اور اپنے اندازہ اور تخمینہ سے نزول عذاب کا وقت متعین کر لیا جیسا کہ آنحضرت ﷺ کو خواب دکھلایا گیا کہ آپ ﷺ مکہ میں داخل ہو رہے ہیں خواب مطلق تھا اس میں کوئی وقت معین نہ تھا مگر آپ ﷺ پر طواف کعبہ کا شوق غالب ہوا اس لیے آپ ﷺ اسی سال عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے اور کامیاب نہ ہوئے اور اس خواب کی تعبیر سال آئندہ ظاہر ہوئی اس وقت تنبہ ہوا کہ وعدہ خداوندی تو صدق اور حق تھا مگر ہم سے غلط فہمی ہوئی کہ ہم نے اپنے خیال سے اس کی مدت متعین کر لی کہ وہ وعدہ اسی سال پورا ہوگا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے خطا اجتہادی کا واقع ہونا عصمت کے منافی نہیں ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَتَمَتَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ﴾ میں اس کی تفصیل آئے گی غرض یہ کہ جب عذاب کے نازل ہونے میں دیر ہوئی اور انبیاء کرام علیہم السلام کے اندازہ اور تخمینہ کے مطابق عذاب نہ آیا تو انبیاء علیہم السلام یہ گمان کرنے لگے کہ وعدہ عذاب کو جس رنگ میں ہم نے سمجھا تھا وہ صحیح نہ تھا تو جب رسولوں کی ناامیدی اور پیشانی اس حد کو پہنچ گئی تو اس وقت حسب وعدہ یکا یک اور ناگہاں ان کی مدد پہنچی اور وہ مدد یہ آئی کہ کافروں پر عذاب آیا اور لوگوں پر پیغمبروں کا صدق ظاہر ہوا کہ انبیاء نے جو نصر و ظفر کی خبر دی تھی وہ سچی تھی مطلب یہ ہے کہ خداوند کریم کی انبیاء و مرسلین اور اولیاء اور مجتہدین کے ساتھ سنت قدیمہ ہے کہ جب ابتلاء اور امتحان اس حد کو پہنچ جائے کہ کلیجہ منہ کو آجائے تب ان کو فتح اور ظفر کا منہ دکھلاتے ہیں اور ان کے دشمنوں کو جو ان کو بر ملا چھوٹا بتلا رہے تھے زیروزبر اور تہہ و بالا کرتے ہیں اس طرح سے اپنے دوستوں کی عزت اور دشمنوں کی ذلت کا تماشا دنیا کو دکھاتے ہیں پھر اس عذاب سے جو کافروں پر نازل ہوا جس کو ہم نے چاہا بچا لیا گیا یعنی اہل ایمان عذاب سے محفوظ رہے اور ہمارا عذاب جب آتا ہے تو مجرموں سے ہٹا یا نہیں جاتا بلکہ وہ ضرور واقع ہو کر رہتا ہے اس آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ دشمنوں پر عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں فرماتے بلکہ ان کو مہلت دیتے ہیں اور اپنے دوستوں کو یعنی

❶ اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿عَلَىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ﴾ میں لفظ حتی فعل مقدر کی غایت ہے یعنی امہلوا مقدر کی غایت ہے اور تقدیر کا نام اس طرح ہے لا یفررہم تمادہم فیما ہم فیہ من الدعة والرخاء فان من قبلہم قد امہلوا حتی ینس الرسل من النصر علیہم فی الدنیا او من ایمانہم لانہما کمہم فی الکفر وتمادہم فی الطغیان من غیر واز الخ (کذا فی روح المعانی: ۶۲/۱۳ وروح البیان: ۳۳۲/۴ و تفسیر امی السعود رحمہ اللہ) وقال السیوطی حتی غایۃ لمداد علیہ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا﴾ ای فترأخی نصرہم ﴿عَلَىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ﴾ الخ.

یعنی تاخیر کر دیم و مہلت دادیم ام سابقہ را در عذاب نازمانیکہ نو مید شدند پیغمبران از ایمان ایشان یا از نصرت برایشان در دنیا گمان بردند۔  
رسولان الخ (دیکھو حاشیہ مشنوی مولانا روم طبع کانپور دفتر سوم، ص: ۱۷۵)

پہنچوں کو اور ان کے پیروؤں کا طرح طرح کی بلاؤں اور مصیبتوں سے ہلاتے ہیں یہاں تک کہ یہ عرض کرنے لگتے ہیں ﴿مَتَى نَصْرُ اللَّهِ﴾ اے اللہ ہماری مدد اور دشمنوں پر ہماری فتح کب ہوگی تب حق تعالیٰ کی طرف سے بشارت آتی ہے ﴿الْإِنَّا نَصْرُ اللَّهِ قَرِيبٌ﴾ جیسا کہ سورۃ بقرہ میں گزرا۔ ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخَلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسْتَكْبِرِينَ الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَزُلْزَلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللَّهِ الْإِنَّا نَصْرُ اللَّهِ قَرِيبٌ﴾ خلاصہ کلام یہ کہ امتحان اور ابتلاء عظیم کے بعد اللہ کی مدد آتی ہے۔

زاں بلاہا کہ، انبیاء برداشتند سر پھر رخ چار می افراشتند  
ہر کہ در راہ محبت، بیش تر بر دل اور بار محنت پیشتر

ف:..... اس آیت میں جو لفظ کذب و ادواقع ہوا ہے اس میں دو قراءتیں ہیں ایک یہ کہ کذب و ادواقع کے ساتھ پڑھا جائے جو تکذیب سے مشتق ہے اور دوسری قراءت یہ ہے کہ کذب و ادواقع کے ساتھ پڑھا جائے جو کذب سے مشتق ہے تشدید ذال کی قراءت میں آیت کے معنی واضح ہیں کہ تاخیر عذاب سے رسولوں کو یہ گمان ہوا کہ ان کی قوم ان کی تکذیب کرے گی اور نزول عذاب کے وعدہ میں ان کو جھوٹا بتلائے گی کہ تم جو ہم سے وعدہ کرتے تھے کہ کافروں پر عذاب نازل ہوگا وہ عذاب کہاں ہے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کافروں کو تو انبیاء کرام علیہم السلام کے جھوٹے ہونے کا یقین تھا اور کفار انبیاء علیہم السلام اور اہل ایمان کی ایذا رسانی پر تلے ہوئے تھے جب اہل ایمان کو کفار سے اذیتیں پہنچیں تو انبیاء علیہم السلام نے اس سے نصرت کا وعدہ کیا لیکن جب نصرت الہی کے آنے میں تاخیر ہوئی تو انبیاء کرام علیہم السلام کو یہ اندیشہ اور خطرہ ہوا کہ کافر تو ہم کو پہلے ہی سے جھوٹا سمجھتے ہیں اور کاذب ہونے کا یقین رکھتے ہیں مبادا ہمارے مومنین اور متبعین بھی وعدہ عذاب میں تاخیر ہونے کی وجہ سے ہم کو جھوٹا نہ سمجھنے لگیں اور جو لوگ ہم پر ایمان لائے ہیں وہ بھی کہیں پھسل نہ جائیں اور دین سے مرتد نہ ہو جائیں تو ایسے اضطراب کے وقت میں خدا کی مدد آنی اور یہ سارے خیالات غلط ثابت ہوئے کذب وعدہ کا گمان معاذ اللہ رسولوں کو نہ تھا بلکہ منکرین اور اشیاق کو تھا اور انبیاء کو اہل ایمان کے ارتداد کا خطرہ تھا رسولوں کو یہ خیال ہوا کہ مبادا اہل ایمان بھی ہماری طرف سے شک میں نہ پڑ جائیں۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس (ذال) کو تشدید ذال کے ساتھ پڑھتی تھیں اور آیت کا یہ مطلب بیان فرماتی ہیں جو ہم نے ذکر کیا اور قراءت تخفیف کا انکار فرماتی تھیں اور اس کو عصمت انبیاء کے منافی سمجھتی تھیں۔

اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما لفظ کذب و ادواقع کے ساتھ پڑھتے تھے اس قراءت پر بظاہر آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ جب حسب وعدہ کافروں پر عذاب نازل ہونے سے رسول ناامید ہو گئے اور یہ گمان کرنے لگے کہ (معاذ اللہ) خدا کی طرف سے ان سے فتح و ظفر اور غلبہ و نصرت کا جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا کہ نصر و ظفر کے بارے میں جو وحی ہم پر آئی تھی وہ کذب تھی اور ہم کذب ہیں اس قراءت کی بناء پر آیت کا یہ مطلب نہایت مشکل نظر آتا ہے اس لیے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے نفوس قدسیہ اس سے پاک اور منزہ ہیں کہ ایک لمحہ کے لیے ان کے دل میں یہ خطرہ بھی گزرے کہ معاذ اللہ معاذ اللہ خدا نے ہم سے جھوٹا وعدہ کیا تھا یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کا نبی اللہ کی وحی کو غلط اور جھوٹا جانے قطعاً ناممکن اور محال ہے اس



اشکال کی بناء پر علماء محققین نے قراءت تخفیف کی مختلف تفسیریں کی ہیں۔

**تفسیر اول:**..... بعض علماء اس طرف گئے ہیں و ظنوا اور انہم اور قد کذبوا کی تینوں ضمیریں رسل کی طرف راجع نہیں بلکہ تینوں ضمیریں بقرینہ مقام مرسل الیہم یعنی قوم کی طرف راجع ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب پیغمبر قوم کے ایمان لانے سے ناامید ہو گئے اور قوم کے لوگ یہ گمان کرنے لگے کہ انبیاء کرام ﷺ نے ہم کو جو عذاب کی دھمکیاں دی تھیں وہ سب ڈھکوسلے تھے اور صرف ہمارے ڈرانے کے لیے تھے اور پیغمبر جو اپنی نصرت اور ہماری ہلاکت کے وعدوں کا ذکر کرتے تھے اور جو یہ کہتے تھے کہ ہم پیغمبر ہیں اور اگر تم ہمارا کہنا نہ مانو گے تو تم پر عذاب آئے گا وہ سب جھوٹی باتیں تھیں جب نوبت بہ ایجا رسید تو اس ناامیدی کی حالت میں پیغمبروں کو ہماری مدد پہنچی اور لوگوں پر ظاہر ہو گیا کہ انبیاء کرام ﷺ صادق تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ نے یہ تفسیر اختیار فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں ”مہلت دادیم تا وقتیکہ ناامید شدند پیغمبران و گمان کروند قوم ایساں کہ بدروغ وعدہ کردہ شد بائساں آمد بائساں نصر“ (فتح الرحمن) اور اسی طرح طبری رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ سچا جانیں اور مرسل الیہم (یعنی قوم) نے گمان کیا کہ رسولوں نے ان سے جھوٹ کہا تھا یعنی تاخیر عذاب سے قوم کو یہ گمان ہوا کہ رسولوں نے ہم سے جھوٹ کہا تھا کہ عذاب آئے گا وہ عذاب اب تک تو آیا نہیں آخر کب آئے گا۔ (دیکھو روح المعانی: ۱۳/۶۲)

**تفسیر دوم:**..... اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ قراءت تخفیف میں ظنوا اور انہم اور قد کذبوا کی تینوں ضمیریں رسل کی طرف راجع ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب وعدہ عذاب کے ظہور میں دیر ہوئی تو انبیاء کرام ﷺ ناامید ہوئے اور یہ خیال کرنے لگے کہ شاید یہ عذاب ہماری زندگی میں نہ آئے اور ہمارے بعد آئے اللہ کا وعدہ تو حق اور صدق ہے مگر مطلق ہے جس کی مدت اور وقت کی تعیین نہیں کہ وہ کب ہوگا لہذا ضروری نہیں کہ وہ نبی ہی کی زندگی میں پورا ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی کے بعد خلفاء اور جانشینوں کے ہاتھوں یہ وعدہ پورا ہو جیسے خلافت ارضی اور حکمین دین کا وعدہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے ہاتھوں پورا ہوا اور حضرات انبیاء کرام ﷺ کی ناامیدی ظاہری اسباب اور ظاہری حالات کی بنا پر تھی معاذ اللہ خدا کی رحمت کاملہ سے مایوسی اور ناامیدی نہ تھی حق جل شانہ کا معاملہ انبیاء و مرسلین اور ان کے احباء اور مخلصین کے ساتھ یہ ہے کہ مصائب کے پہاڑ ان پر نازل ہوتے ہیں حتیٰ کہ جب اسباب ظاہری سے وہ بالکل ناامید ہو جاتے ہیں اور سوائے حق تعالیٰ کی رحمت اور عنایت کے کسی چیز پر ان کی نظر نہیں رہتی تب اللہ کی طرف سے ان کو مدد پہنچتی ہے کما قال تعالیٰ ﴿وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْزِلُ بِرَحْمَتِهِ ۗ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْمُحْسِنُ﴾ اس لیے اسی آیت میں یہ بیان کیا گیا کہ حق تعالیٰ کا معاملہ کافروں کے ساتھ یہ ہے کہ ان کو فوراً نہیں پکڑتے بلکہ ان کو اتنی مہلت اور ڈھیل دیتے ہیں کہ وہ خوب دل کھول کر کفر کر لیں اور علانیہ طور پر انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا بتلانے لگیں اور تکبر اور غرور سے کودنے اور اچھلنے لگیں اس طرح سے ادھر تو جرم کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور ادھر انبیاء کرام صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتلاء کی منزلیں پوری ہو جائیں حتیٰ کہ انبیاء و مرسلین انتظار کرتے کرتے تھک جاتے ہیں اور ناامید ہو جاتے ہیں گویا کہ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ ہم سے نصر و ظفر کا وعدہ غلط کیا گیا۔ یعنی یہ کلام بطور تشبیہ و تمثیل ہے بطور مبالغہ ایسا کہا گیا کہ عذاب میں اتنی تاخیر ہوئی کہ یہ گمان ہونے لگا کہ وہ وعدہ غلط تھا تو اس پریشانی اور بے سروسامانی کی حالت میں ناگاہ

رسولوں کو ہماری مدد پہنچی اور ان سے نصرت اور مدد کا جو وعدہ کیا تھا وہ اس وقت پورا ہوا اور ان کو اور ان کے پیغمبرین کو نجات دی اور ان کے دشمنوں کو تباہ اور برباد کیا دیکھ لو کہ اللہ کے وعدے اس طرح پورے ہوتے ہیں لہذا کفار مکہ کو چاہئے کہ امم سابقہ کے واقعات سے عبرت پکڑیں اور تاخیر عذاب سے دھوکہ میں نہ پڑیں پہلی قوموں کو بھی اس قسم کی مہلتیں مل چکی ہیں اور اتنی طویل مہلتیں ملیں کہ رسول بھی ناامید ہو گئے تب تک ایک اللہ کا قہر نازل ہوا اور کفار مغلوب اور مقہور ہوئے اور رسول مظہر منصور ہوئے۔

قال الترمذی الحکیم وجہہ عندنا ان الرسل کانت تخاف بعد ما وعد الله النصر لا من تهمة لو وعد الله ولا کن قد احدثت حدثا ینقض ذلك الشرط والعهد الذی عهد الیہم وکانت اذا طالت المدة دخلهم الایاس والظنون من هذا الوجه (تفسیر قرطبی: ۲۷۶/۹)

حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسولوں کی ناامیدی اور گمان کی وجہ ہماری نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے وعدہ کے بعد معاذ اللہ انبیاء کو یہ ڈرنے لگا تھا کہ خدا کا وعدہ پورا نہ ہوگا اور نہ معاذ اللہ رسولوں کو حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی بدگمانی تھی بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنے نفسوں کی طرف سے بدگمانی تھی کہ خدا نخواستہ ہماری جانب سے کوئی ایسی بات سرزد تو نہیں ہوگی کہ جو اس وعدہ کے منافی اور منقض ہو اور وعدہ خداوندی جس شرط کے ساتھ مشروط ہو خدا نخواستہ ہم سے بر بنائے غفلت اس شرط کی خلاف ورزی نہ ہوگی ہو جب شرط پوری نہ ہوگی تو اس وعدہ کا پورا ہونا بھی ضروری نہ ہوگا جو اس شرط کے ساتھ مشروط ہو پس جب وعدہ خداوندی کی مدت طویل ہو جاتی ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام کو اس راہ سے یعنی نفس کی راہ سے ناامیدی اور بدگمانی لاحق ہے نہ کہ خدائے تعالیٰ کی جانب سے۔

پس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کافروں کو اتنی طویل مہلت اور لمبی ڈھیل ملی کہ رسول عذاب کے آنے سے ناامید ہونے لگے اور ان کو یہ گمان ہونے لگا کہ ہماری کس لغزش اور خطا کی بناء پر وعدہ پورا نہیں کیا گیا شاید کہ ہم سے ان امور کی بجا آوری میں کہ جو ایفاء وعدہ کے لیے شرط تھے کوئی کوتاہی واقع ہوئی ہے اس لئے وعدہ پورا نہیں کیا گیا لہذا کذبوا کے معنی یہ نہیں کہ پیغمبروں سے جھوٹ کہا گیا بلکہ معنی یہ ہے کہ وعدہ پورا نہیں کیا گیا جیسا کہ ﴿وَمِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ﴾ میں صدق وعدہ سے ایفاء وعدہ اور ایفاء عہد مراد ہے اسی طرح کذب سے جو صدق کی نقیض ہے اس سے مراد یہ ہوگی کہ وعدہ پورا نہیں کیا گیا جس کی وجہ یہ نہیں کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ وعدہ خلاقی کرتا ہے ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ كَاذِبًا﴾ بلکہ وجہ یہ ہے کہ ہمارے نفس کی کسی غلطی اور کوتاہی کی وجہ سے وعدہ پورا نہیں کیا گیا پس اگر کوئی شخص یہ گمان کرے کہ میرے نفس کی تفسیر کی وجہ سے وعدہ خداوندی روک لیا گیا تو اس میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں۔

یایوں کہو کہ اس ہوشربا پریشانی میں اس گمان کے قریب قریب پہنچ گئے جیسے کہا جاتا ہے بلغت المنزل میں منزل کو پہنچ گیا یعنی پہنچنے کے قریب ہو گیا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۲۷۶/۹)

اور یا پھر یوں کہو کہ ﴿وَوَلَّوْنَا اَنْفُسَنَا كَذِبًا﴾ کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ خدا نے ان سے جھوٹا وعدہ کیا تھا بلکہ کذب سے کذب رجاء مراد ہے یعنی جب ان کی امید کے مطابق عذاب نہ آیا تو گمان کیا کہ ہماری امید غلط نکلی اور لفظ کذب بمعنی خطا اور غلطی بکثرت شائع ہے جیسے ﴿مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰ﴾ میں کذب سے خطا اور غلطی کے معنی مراد ہیں (دیکھو تفسیر ابوالسعود: ۵/۲۵۴ بر حاشیہ تفسیر کبیر)

تفسیر سوم:..... حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ آیت ﴿حَتّٰی اِذَا اسْتَقْبَسَ الرَّسُلُ وَاظْنُوْنَا اَنْهُمْ قَدْ كَذَبُوْنَا جَاءَهُمْ نَصْرًا﴾ کے بظاہر یہ معنی ہیں یہاں تک کہ جب رسولوں کو ناامیدی ہونے لگی اور وہ یہ خیال کرنے لگے کہ ان سے جو کچھ امداد کے بارہ میں خدا کی طرف سے وعدہ عہد تھے وہ سب جھوٹے تھے اس وقت ہماری مدد آئی یہ تو ظاہری اور سرسری مطلب ہوا مگر سب اہل ایمان جانتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ ناامید ہوں خود اسی سورت میں ہے ﴿اِنَّهٗ لَا يَنْفُسُ مِنْ رُوحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمَ الْكَافِرُوْنَ﴾ سو جاننا چاہئے کہ حضرات انبیاء کو تہہ دل سے یقین تھا کہ وعدہ ہائے الہی صادق اور برحق ہیں ایک نہ ایک روز بے شک امداد الہی ضرور آنے والی ہے لیکن بمقتضائے بشریت قلب میں اضطراب اور پریشانی کا آنا یہ منافی عصمت نہیں حق تعالیٰ نے اس غیر اختیاری پریشانی کو بطور شکایت اس طرح بیان فرمایا کہ کیا تمہارا گمان اور خیال تھا کہ ہم نے جو تم سے نصرت کے وعدے کیے ہیں وہ سچے نہیں یعنی جب ہم تمہارے معین اور مددگار ہیں اور ہم تم سے وعدہ کر چکے ہیں اور ہماری نظر عنایت ہر وقت تمہارے ساتھ ہے تو پھر یہ اضطراب اور پریشانی کیسی برعایت ظاہر بطور مبالغہ اس قسم کی پریشانی اور بے قراری بمقتضائے بشریت بے چینی اور بے تابی کو مجازاً لفظ ظن اور لفظ یأس سے تعبیر فرمایا۔ (دیکھو ہدیۃ الشیعہ، ص: ۳۳۲)

اور قرآن کریم میں ہے ﴿اَوَلَمْ نُؤْمِنْ قَالًا بَلٰی وَّلٰكِنْ لَّيُظْمَرُ بِقَلْبِنَا﴾ اور حدیث میں ہے نحن بحق بالشك من ابراهيم سوا س جگہ شک اور ظن کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مجازی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ بمقتضائے بشریت حضرات انبیاء کو جو اضطراب پیش آیا تو اس اضطراب کو ظن اور شک سے تعبیر کر دیا گیا اس لیے کہ اضطرابی حالت شک اور تردد کے مشابہ ہوتی ہے اور بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ گویا کہ مضطرب، شک اور گمان میں پڑا ہوا ہے عارفِ رومی قدس سرہ السانی فرماتے ہیں:

ہیں بخواں استیاس الرسل ای عمو      تا بہ ظنوا انہم قد کذبوا ! !  
 ایں قرأت خواں بہ تخفیف کذب      ایں بود کہ خویش بیند محجب  
 درگماں افتاد جان انبیاء      ز اتفاق منکری اشقیاء

(دیکھو مشنوی مولانا روم، دفتر سوم: ۵۳/۱ مع حاشیہ و شرح بحر العلوم: ۲/۹۰)

حضرت شاہ ولی اللہ علیہ السلام اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں مولوی (معنوی) قراءت ابن عباس رضی اللہ عنہما اختیاری کنندہ توجیہ می فرماید کہ احوال انبیاء مختلف است در بعض اوقات رفع حجاب می شود و احوال بندہ برآی العین می بینند و در بعض اوقات حجاب بشریت مانع می گردد و از حالت رأی العین فردوی آید و ضیق خاطر و اضطراب بشریت رومی دہد ہمیں حالت احتجاب را بطریق مجاز بظن تعبیر واقع شد خلاصہ کلام آنکہ لفظ ظن و شک در آیت و حدیث ایجا مجاز است بمعنی آن کہ خاطر

ایشاں۔ بحسب جبلت بشریت مضطرب شد مانند اضطراب شک کنندہ درحقیقت وحی یا مانند اضطراب کنندہ کذب وحی  
الکلمات طیبات ص ۱۶۷)

خلاصہ کلام یہ کہ تشدید ذال یعنی قد کذبوا کی قراءت میں تینوں ضمیریں یعنی وظنوا، انہم، کذبوا کے ضمائر  
رسول کی طرف راجع ہیں اور مطلب آیت کا واضح ہے اور تخفیف ذال یعنی قد کذبوا کی قراءت میں اشکال ہے جس کی تفسیر  
میں دونوں قول نقل کیے ایک یہ کہ تینوں ضمیریں رسول کی طرف راجع ہیں اس صورت میں شدید اشکال ہے جس کے حل کے  
لیے علماء ربانیین کی تفسیریں ناظرین کے سامنے کر دی گئیں ان شاء اللہ تعالیٰ وہ شافی اور کافی ہیں اس جگہ ایک تیسرا قول اور بھی  
ہے وہ یہ کہ ظنوا کی ضمیر تو قوم کی طرف راجع ہے اور انہم اور قد کذبوا کی ضمیریں رسول کی طرف راجع ہیں اور مطلب یہ  
ہے کہ قوم نے یہ گمان کیا کہ رسل سے جھوٹا وعدہ کیا گیا اور اس بارے میں پیغمبروں پر جو وحی آئی وہ جھوٹ تھی یہ کافروں کا گمان  
تھا اس وقت اللہ نے اپنے رسولوں کی مدد کی جس سے ظاہر ہو گیا کہ انبیاء کی وحی سچی تھی اور ان کا گمان جھوٹا تھا۔

(دیکھو حاشیہ مثنوی مولینا روم، ص: ۱۷۵، دفتر سوم) ①

ایک اور قراءت شاذہ سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے اس لیے کہ مجاہد رضی اللہ عنہ اور حمید رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ﴿وَوَظَنُوا  
أَنَّهُمْ قَدْ كَذَّبُوا﴾ بصیغہ معلوم آیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ قوم نے یہ گمان کیا کہ رسولوں نے ان سے جھوٹ بولا۔ (دیکھو  
تفسیر قرطبی: ۲۶۹/۲ روح المعانی: ۱۳/۶۳)

البتہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں یا انبیاء سابقین اور امم سابقہ کے قصوں میں عبرت اور نصیحت  
ہے ان عقل مندوں کے لیے جن کی عقل خالص ہے اہل عقل کو چاہئے کہ اس قصہ سے عبرت پکڑیں کہ جس طرح یوسف علیہ السلام  
کے بھائی یوسف علیہ السلام کے مقابلہ میں ناکام رہے اسی طرح قریش محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ناکام رہیں گے یا یہ مطلب  
ہے کہ امم سابقہ کے قصوں میں سے عبرت حاصل کریں کہ اطاعت اور معصیت کا کیا انجام ہوتا ہے جس کی عقل خالص ہوتی  
ہے وہی ان واقعات سے عبرت پکڑتا ہے۔

و لے در بایدا سرار معانی کہ روشن شد بنور جاودانی

نہیں ہے یہ قرآن جس میں یہ عبرت انگیز قصے مذکور ہیں کوئی بنائی ہوئی بات یعنی یہ کتاب کوئی ناول یا افسانہ نہیں  
بلکہ کتاب ہدایت اور رس معرفت ہے جس سے اہل بصیرت کو سبق حاصل کرنا چاہئے یہ اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے کسی بشر کی  
بنائی ہوئی نہیں بلکہ ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے کی ہیں اور یہ اس کی حقانیت اور صداقت کی دلیل ہے کیونکہ  
یہ کتاب بذاتہ معجزہ ہے اور کتب سابقہ معجز نہ تھیں ان کو شہادت اور تصدیق کی ضرورت تھی اور جو شے خود حجت اور دلیل ہو اس کو

① اگر ضمیر ظنوا عامہ بر قوم بود ضمیر انہم قد کذبوا عامہ بر پیغمبران باشد معنی چہیں آید کہ گمان بردند قوم کہ پیغمبران کذب شدند یعنی کسیکہ وہی آوردہ  
پیغمبران بردند کہ وہ پس نجات دادہ شد کہ خواستیم باز گردانندگی شود عذاب ما چون نازل شود از قوم مجرمان (حاشیہ مثنوی مولینا روم طبع کانپور ص: ۱۷۵ دفتر سوم)

② قال الامام القرطبی وقرء مجاہد وحمید قد کذبوا بفتح الکاف والذال مخففا علی معنی وظن قوم ان الرسول قد کذبوا  
تفسیر قرطبی: ۲۶۹/۲ وقال ابن الجوزی والمعنی (علی هذا القراءة) ظن قومهم ایضا انہم قد کذبوا قال الزجاج (زاد  
المفسر: ۲۶۹/۲)

کسی دلیل کی حاجت نہیں اور یہ کتاب تمام امور دین کی تفصیل کرنے والی ہے مبدأ اور معاد حلال اور حرام اور حدود اور احکام اور مواعظ اور امثال وغیرہ جملہ ضروری امور کی اس میں تفصیل موجود ہے اور مومنوں کے لیے ذریعہ ہدایت اور رحمت ہے پس ایسی کتاب کے کلمات کی تلاوت اور اس کے معنی سے عبرت حاصل کرنا اہل عقل کے لئے ضروری ہے اللہم اجعلنا من اهل الهدى والرحمة فانك اهل التقوى والمغفرة آمین یا رب العلمین۔

الحمد لله آج بروز شنبہ ۱۳۸۸ ہجری کو غروب آفتاب سے کچھ پہلے سورۃ یوسف کی تفسیر سے فراغت

ہوئی۔ فאלله الحمد والمنة۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر سورۃ رعد

اس سورت میں چونکہ رعد کا ذکر ہے اس لیے یہ سورت، رعد کے نام سے موسوم و مشہور ہوئی اور یہ سورت مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور بعض کا قول ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور اس سورت میں تینتالیس آیتیں ہیں اور بقول بعض چوالیس یا پینتالیس آیتیں ہیں اور چھ رکوع ہیں۔

ربط سورت :..... گزشتہ سورت کے شروع میں قرآن حکیم کی حقانیت کا بیان تھا اور اخیر سورت میں ﴿وَوَكَايِنٍ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ میں اجمالی طور پر دلائل الوہیت و وحدانیت اور عجائب قدرت کی طرف اشارہ تھا اس لیے اس سورت کا آغاز بھی حقانیت قرآن سے فرمایا اور اس کے بعد قدرے تفصیل کے ساتھ دلائل الوہیت و وحدانیت اور عجائب قدرت کو ذکر کیا بعد ازاں اثبات معاد فرمایا اور پھر منکرین نبوت کے چند شبہات کا جواب دیا غرض یہ کہ اس سورت میں انہی تین مضامین کا ذکر ہے اور ان کا باہمی ربط ظاہر ہے۔

ایاتھا ۴۴ رکوعاھا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ ۹۶

الْمُرَادُ تِلْكَ آيَةُ الْكِتٰبِ وَالَّذِيْٓ اُنزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ

یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور جو کچھ اترا تجھ پر تیرے رب سے سو حق ہے لیکن بہت لوگ یہ آیتیں ہیں کتاب کی۔ اور جو کچھ اترا تجھ کو تیرے رب سے، سو تحقیق ہے، لیکن بہت لوگ

لَا يُؤْمِنُوْنَ ①

نہیں مانتے

نہیں مانتے۔

فل یعنی جو کچھ اس سورت میں پڑھا جانے والا ہے وہ عظیم الشان کتاب کی آیتیں ہیں۔ یہ کتاب جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود گاری طرف سے اتاری گئی۔ یقیناً حق و صواب ہے لیکن ماننے تعجب ہے کہ ایسی صاف اور واضح حقیقت کے ماننے سے بھی بہت لوگ انکار کرتے ہیں۔

## حقانیت قرآن کریم

قَالَ الرَّحْمٰنُ: ﴿الَّذِي هَدَىٰكَ إِلَى الْكِتَابِ... إِلَى... وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ﴾

رابطہ:..... سورہ یوسف کے اخیر میں قرآن کریم کی صفت میں یہ فرمایا ﴿مَّا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ اسی مناسبت سے اس سورت کا آغاز قرآن کریم کی حقانیت سے فرمایا ﴿الْحَقُّ﴾ واللہ اعلم بمراد بذالک یہ آیتیں کتاب الہی کی آیتیں ہیں اور اے اکمل المرسل جو کتاب کامل آپ ﷺ کے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی سو وہ بالکل حق اور درست ہے لوگوں کو چاہئے کہ بے دغدغہ اس کتاب پر ایمان لائیں لیکن جائے تعجب ہے کہ اکثر لوگ اس جامع اور کامل کتاب کو بھی نہیں مانتے اور جو ایسی صاف اور واضح حقیقت کو بھی نہ مانے تو یہ اس کی کج طبعی کی دلیل ہے اور جو اس کتاب کو نہیں مانتا آخر وہ پھر کس کتاب کو مانے گا اور اگر ان کو یہ شبہ ہے کہ ہم اپنے جیسے بشر کے سامنے کیوں سر تسلیم خم کریں تو آئندہ آیت میں اس کا جواب ہے کہ جسمانیت کے اعتبار سے آسمان اور زمین برابر ہیں یہ بھی جسم ہے اور وہ بھی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور حکمت سے آسمان کو زمین پر بلندی عطا کی اسی طرح سمجھو کہ اللہ کو یہ بھی قدرت ہے کہ ایک بشر کو زمین اور دوسرے بشر کو علم اور حکمت کا آسمان بنا دے خدا کی قدرت سب جگہ یکساں ہے۔

اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَّرَوْنَ هٰنَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

اللہ وہ ہے جس نے اونچے بنائے آسمان بغیر ستون دیکھتے ہو فل پھر قائم ہوا عرش پر فل اور کام میں لا دیا سورج اللہ وہ ہے، جن نے اونچے بنائے آسمان بن ستون دیکھتے ہو، پھر قائم ہوا عرش پر، اور کام لگایا سورج

وَالْقَمَرَ ۗ كُلٌّ يَّجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ

اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے وقت مقرر پر فل تدبیر کرتا ہے کام کی ظاہر کرتا ہے نشانیاں کہ شاید تم اپنے رب سے ملنے کا اور چاند۔ ہر ایک چلتا ہے ایک ٹھہری مدت تک۔ تدبیر کرتا ہے کام کی، کھولتا ہے نشانیاں، شاید تم اپنے رب سے ملنا

تَوْقِنُونَ ۙ وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهٰرًا ۗ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ

یقین کرو فل اور وہی ہے جس نے پھیلائی زمین اور رکھے اس میں بوجھ اور ندیاں فل اور ہر میوے کے رکھے یقین کرو۔ اور وہی ہے جس نے پھیلائی زمین اور رکھے اس میں بوجھ اور ندیاں۔ اور ہر میوے کے رکھے

فل یعنی اس دنیا کی ایسی عظیم الشان، بلند اور مضبوط جہت خدا نے بنائی جسے تم دیکھتے ہو۔ اور ظن ہے کہ کوئی ستون یا کھمبہ یا گڑ رڈ دکھائی نہیں دیتا۔ جس پر اتنی بڑی ذات کھڑی کی گئی ہو اس کے بھرا جائے کہ محض قدرت کے غیر مرئی ستون کے سہارے اس کا قیام ہے۔ ﴿وَمِنْ سَمٰوٰتِ السَّمٰوٰتِ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا لِقٰلٍ﴾ کش اجسام کا نظریہ اگر صحیح ہو تو وہ اس آیت کے منافی نہیں۔ کیونکہ کش کو عر فاعمد نہیں کہتے اور اگر عمد کہا جائے تو مرئی نہیں ہے۔ "ذوقنا عن ابن عباس عن عائشہ ومجاهد والحسن وقتادة وغير واحد أنهم قالوا لها عمد ولكن لا تسمى۔" (ابن کثیر) یعنی ان بزرگوں نے فرمایا کہ آسمانوں کے ستون میں جو ہم کو نظر نہیں آتے۔ واللہ اعلم۔

فل استوی علی العرش کے متعلق "سورہ اعراف" آٹھویں پارہ کے آخر میں کلام کیا گیا ہے۔ وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

**جَعَلَ فِيهَا رَوْحَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ**

اس میں جوڑے دو دو قسم فل ڈھانکتا ہے دن پر رات کو فل اس میں نشانیاں ہیں ان کے واسطے جو کہ اس میں جوڑے دوہرے، ڈھانکتا ہے دن پر رات۔ اس میں نشانیاں ہیں ان کو جو

**يَتَفَكَّرُونَ ۝ وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مُّتَجَوِّرٌ وَجَنَّتْ مِنْ أَعْنَابٍ وَزَّرَعٌ وَنَخِيلٌ**

دھیان کرتے ہیں، اور زمین میں کھیت میں مختلف ایک دوسرے سے متصل، اور باغ ہیں انگور کے اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں ہیں دھیان کرتے ہیں۔ اور زمین میں کئی کھیت ہیں ملے ہوئے، اور باغ ہیں انگور کے، اور کھیتی، اور کھجوریں

**صِنَوَانٌ وَغَيْرُ صِنَوَانٍ يُسْقَى بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفْضِلٌ بَعْضُهَا عَلَى بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ ۚ إِنَّ**

ایک کی جڑ دوسری سے ملی ہوئی اور بعضی بن ملی ان کو پانی بھی ایک ہی دیا جاتا ہے اور ہم ہیں کہ بڑھا دیتے ہیں ان میں ایک کو ایک سے میووں میں جڑ ملی، پاتے ہیں ایک پانی۔ اور ہم زیادہ کرتے ہیں ایک کو ایک سے میوے میں۔ اس

### فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝

ان چیزوں میں نشانیاں ہیں ان کو جو غور کرتے ہیں فل

میں نشانیاں ہیں ان کو جو بوجھتے ہیں۔

۳۱ = یعنی سورج اپنا دورہ ایک سال میں اور چاند ایک ماہ میں پورا کرتا ہے۔ یا "لاَ جِلَّ مُسْتَقْبَىٰ" کے معنی وقت مقرر تک کے لیے جائیں تو یہ مطلب ہو گا کہ چاند سورج اسی طرح چلتے رہیں گے قیامت تک۔

۳۲ یعنی جس نے ایسی عظیم مخلوقات کو پیدا کیا اسے تمہارا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ نیز ایک باخبر، مدبر، بیدار مغز اور طاقتور گورنمنٹ باغیوں اور مجرموں کو ہمیشہ کے لیے یوں ہی آزاد نہیں چھوڑے رہتی۔ نہ وفادار امن پسند رعایا کی راحت رسانی سے انہماض کر سکتی ہے پھر کیسے ممکن ہے کہ خداوند قدوس جو زمین و آسمان کے تحت کا تنہا مالک اور اپنی تدبیر و حکمت سے تمام مخلوقات علوی و سفلی کا انتظام باحسن اسلوب قائم رکھنے والا ہے مطیع و عاصی کو یوں ہی مہمل چھوڑے رکھے۔ ضرور ہے کہ ایک دن وفاداروں کو وفاداری کا صلہ ملے اور مجرم اپنی سزا کو پہنچیں۔ پھر جب اس زندگی میں مطیع و عاصی کے درمیان ہم ایسی صاف تفریق نہیں دیکھتے تو یقیناً ماننا پڑے گا کہ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہے جس میں سب کو آسمانی عدالت کے سامنے حاضر ہو کر عمر بھر کے اعمال کا پھل چکھنا ہو گا۔

۳۳ یعنی پہاڑ جو ایک جگہ کھڑے ہیں اور دریا جو ہر وقت چلتے رہتے ہیں۔

۳۴ یعنی چھوٹا بڑا کھٹا، بیٹھا، سیاہ، سفید، گرم سرد اور جدید تحقیق کے موافق ہر ایک میں نر و مادہ بھی پائے جاتے ہیں۔

۳۵ اس کے معنی سورہ اعراف میں آٹھویں پارے کے خاتمہ پر بیان ہو چکے وہاں دیکھ لیا جائے۔

۳۶ بلند آسمانوں کے مقابل پست زمین کا ذکر کیا۔ آسمان کے ساتھ چاند سورج کا بیان ہوا تھا کہ ہر ایک کی رفتار الگ ہے اور ہر ایک کا کام جداگانہ ہے۔ ایک کی گرم و تیز شعاعیں جو کام کرتی ہیں دوسرے کی ٹھنڈی اور دھیمی چاندنی سے وہ بن نہیں پڑتا۔ اسی طرح یہاں زمین کے مختلف احوال اور اس سے تعلق رکھنے والی مختلف چیزوں کا ذکر فرمایا۔ کھیں پہاڑ کھڑے ہیں کھیں دریا رواں ہیں، جو میوے اور پھل پیدا ہوتے ہیں ان میں بھی شکل، صورت، رنگ، مزہ، چھوٹے بڑے بلکہ نر و مادہ کا اختلاف ہے۔ کئی زمین دن کے اجالے سے روشن ہو جاتی ہے کئی رات کی سیاہ نقاب منہ بہ ڈال لیتی ہے پھر طرفہ تماشایہ ہے کہ چند قطععات زمین جو ایک دوسرے سے متصل ہیں، ایک پانی سے سیراب ہوتے ہیں، ایک سورج کی شعاعیں سب کو پہنچتی ہیں ایک ہی ہوا سب پر چلتی ہے اس کے باوجود اس قدر مختلف پھول پھل لاتے ہیں اور باہم پیداوار کی کمی زیادتی کا اتنا فرق ہوتا ہے جو دیکھنے والوں کو حیرت زدہ کر دیتا ہے۔ غور و فکر کرنے والے ان نشانوں کو =

## ذکر دلائل توحید و اثبات مبدأ و معاد

قَالَ تَعَالَى: ﴿اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ... إِلَى... إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾

ربط: ..... گزشتہ آیت میں قرآن مجید کا منزل من اللہ ہونا اور اس کا حق اور صدق ہونا اور کافروں کا اس پر ایمان نہ لانا بیان کیا گیا اب آئندہ آیات میں دلائل توحید و الوہیت اور قرآن کے نازل کرنے والے خدا کی کمال قدرت کا ذکر کرتے ہیں اور آخرت کا اثبات فرماتے ہیں جو اعظم مقاصد قرآن میں سے ہے اور چونکہ اکثر لوگ خدا تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کے منکر ہیں اس لیے اثبات توحید و الوہیت کے لیے آسمانوں کے حالات اور آفتاب و ماہتاب کی حرکات اور زمین کے مختلف قطعات اور زمین کی پیداوار کی کیفیات کو ذکر کرتے ہیں تاکہ منکرین اور مشرکین پر حجت قائم ہو اور ان سب دلائل کا مطلب یہ ہے کہ زمین سے لے کر آسمان تک تمام کائنات اس کی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل اور براہین ہیں۔

## استدلال باحوال عالم علوی

﴿اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾

اثبات توحید کے لئے اللہ تعالیٰ نے اول آسمانوں کے حالات سے استدلال کیا چنانچہ فرماتے ہیں اللہ وہ ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ بلاعمود کے قائم ہیں نیچے کوئی ستون نہیں کہ جس کے سہارے سے آسمان ٹھہرے ہوئے ہوں اور اوپر کوئی زنجیر نہیں کہ جو اوپر سے آسمان کو روکے ہوئے ہے بلاستون کے معلق ہیں انسان ایک ذرہ کو بھی اس طرح معلق نہیں رکھ سکتا پس سمجھ لو کہ کسی قادر مختار ہی نے اس کو اپنی قدرت سے روکا ہوا ہے اور خدائے تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آسمان کو اتنا اونچا بنایا کہ جہاں تمہاری نظر بھی کام نہیں کرتی اور ظاہر ہے کہ آسمان جیسے عظیم الشان جسم کا معلق رہنا از خود نہیں اور نہ بتقاضاے طبیعت جسمانیہ ہے، ورنہ کوئی نیچر اور اتھراس کو تھامے ہوئے ہے معلوم ہوا کہ کسی قادر و قوی نے اس کو اس طرح معلق رکھا ہوا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ترونها، عمد کی صفت ہے اور معنی یہ ہیں کہ بلند کیا اس نے آسمانوں کو بغیر ایسے ستون کے جس کو تم نہیں دیکھتے مطلب یہ ہے کہ آسمانوں کے ستون تو ہیں مگر وہ ایسے ہیں جو تم کو نظر نہیں آتے پھر وہ اپنی قدرت اور قہر سے اور تدبیر اور تصرف سے عرش عظیم پر قائم ہوا جو قیام اس کی شان کے لائق ہے عرش پر قائم ہونے سے اس کی جلوہ ہونا آسمانوں کے بلند کرنے سے کہیں زیادہ بلند اور برتر ہے اس لیے لفظ ثم ان دونوں میں تفاضل اور تفاوت کے بیان کرنے کے لیے لایا گیا کہ استوی علی العرش "رفع السموات" سے زیادہ اعلیٰ اور ارفع ہے کیونکہ عرش عظیم تجلیات خداوندی اور احکام الہیہ کا مصدر اور مرکز ہے تمام عالم کی تدبیر اور تصرف کے احکام عرش عظیم ہی سے نازل ہوتے ہیں اور عرش پر قائم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ خداوند قدوس بادشاہ کی طرح تخت پر برابر بیٹھا ہوا ہے کیونکہ یہ صفت تو جسم کی

= دیکھ کر کبھی پتے ہیں کہ ایک ہی ابرمت کی آبیاری یا ایک ہی آفتاب ہدایت کی موجودگی میں انسانوں کے مادی و روحانی احوال کا اختلاف بھی کچھ مستبعد مستحکم نہیں ہے۔ اور یہ کہ لامحدود قدرت کا کوئی زبردست ہاتھ آسمان سے زمین تک تمام مخلوق کے نظام ترکیبی کو اپنے قبضہ میں لیے ہوئے ہے۔ جس نے ہر چیز کی استعداد کے موافق اس کے دائرہ عمل و اثر کی بہت مضبوط بندی کر رکھی ہے۔ پھر ایسے لامتناہی قدرت و اختیار رکھنے والے خدا کو کیا مشکل ہے کہ ہم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے اور اس عالم کے مخلوق عناصر کی کیمیائی تحلیل کر کے ہر خیر و شر کو اس کے مستقر میں پہنچا دے۔



ہے جو وضع اور ہیئت کے ساتھ موصوف ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہے فرقہ مجسمہ اللہ تعالیٰ کی جسم گمان کرتا ہے اور استواء کے معنی بیٹھنے کے کرتا ہے اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ ﴿اَسْتَوٰی عَلٰی الْعَرْشِ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ عرش پر قائم ہوا جو اس کی شان عظمت و جلال اور اس کی شان قدوسیت کے شایان ہے اور ہم اس کے ﴿اَسْتَوٰی عَلٰی الْعَرْشِ﴾ پر ایمان لاتے ہیں جو اس کی شان کے لائق ہے اور اس کی تزیینہ و تقدیس پر بھی ایمان رکھتے ہیں اس لیے ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خداوند قدوس مکان اور جہت سے اور حکمن اور استقرار سے اور اتصال اور انفعال سے سب سے پاک ہے مکان اور جہت سب اسی کی مخلوق ہے وہ خداوند قدوس مکان اور زمان کے پیدا کرنے سے پہلے جس شان پر تھا اسی شان پر زمان و مکان پیدا کرنے کے بعد بھی ہے معاذ اللہ یہ خیال نہ کرنا کہ عرش تخت شاہی کی طرح خدا کو تھامے ہوئے عرش خدا کو تھامے ہوئے اور اٹھائے ہوئے ہیں بلکہ خدا کی قدرت ہی عرش کو اٹھائے ہوئے اور تھامے ہوئے ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عرش پر قائم ہونے یا قرار پکڑنے سے یہ مراد ہے کہ عرش سے لے کر فرش تک اور فرش سے لے کر تخت الثریٰ تک سب اسی کے قبضہ قدرت و تصرف میں ہے اور تمام کائنات پر وہی حکمران ہے جیسے تخت نشینی سے حکمرانی کے معانی مراد ہوتے ہیں اسی طرح استواء علی العرش سے حق جل شانہ کی حکمرانی اور تدابیر اور تصرف کو بیان کرنا مقصود ہے کہ عرش سے فرش تک اس کی حکمرانی ہے باقی اس آیت کی مفصل تفسیر سورۃ اعراف میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

### استدلال بہ تسخیر شمس و قمر

﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرَ ۗ كُلٌّ لِّجَهْتِيْ لَاجَلٍ مُّسَمًّى ۗ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَضِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ

تَوْقِنُونَ﴾

اب آفتاب و ماہتاب کے احوال سے اپنی الوہیت اور وحدانیت پر استدلال فرماتے ہیں اور مسخر کیا یعنی کام پر لگایا اس نے سورج کو اور چاند کو، دونوں اسی کے زیر حکم ہیں دونوں کی حرکت اللہ کے حکم سے ہے جس سے بندوں کی مصلحتیں وابستہ ہیں نور اور ظلمت کی آمد و رفت سے زمین اور اجسام اور اشجار و نباتات نشوونما پاتے ہیں جس قسم کی حرکت اللہ نے ان کے لیے معین کر دی ہے اس میں سر مو فرق نہیں آتا حق تعالیٰ نے شمس و قمر کی حرکت کے لیے جو سمت اور جہت اور جو مسافت اور جو مقدار اور کیفیت مقرر فرمادی ہے اس کے خلاف شمس و قمر حرکت نہیں کر سکتے ہر ایک کی حرکت جاری ہے ایک مدت معینہ تک یعنی جب تک دنیا قائم ہے چاند اور سورج طلوع و غروب ہوتے رہیں گے اور اس رفتار سے حرکت کرتے رہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دی ہے یا یہ معنی ہیں کہ ہر ایک اپنے اپنے مدار پر چلتا رہے گا اور اپنی منزلوں کو طے کرتا رہے گا چنانچہ سورج اپنے مدار کو سال بھر میں قطع کرتا ہے اور چاند ایک مہینہ میں مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس طرح اور جس جانب ان کی حرکت مقرر کر دی ہے اس میں سر مو فرق نہیں آتا اگر کوئی قادر و قوی اس کا منتظم نہیں تو اس نظام میں خلل کیوں نہیں آتا غرض یہ کہ ان تمام دلائل سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ عالم کے یہ تمام انتظامات مادہ اور اتھر سے نہیں چل رہے ہیں بلکہ کسی ملکیت مقتدر کے ارادہ اور اختیار سے چل رہے ہیں وہی عالم علوی اور عالم سفلی کے ہر کام کی تدبیر اور انتظام کرتا ہے اور وہ ذات

والاصفات ایسی ہے کہ اس کی تدبیر اور تصرف کے اعتبار سے عرش اور فرش پہاڑ اور ذرہ سب برابر ہیں وہ اپنی قدرت کی نشانیاں بہ تفصیل بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے پروردگار کے ملنے کا یقین کرو یعنی مرنے کے بعد جینے کا یقین کرو کہ جس ذات نے یہ کارخانہ بنایا ہے اور جس نے اجرام فلکیہ اور اجسام عظیمہ کو پیدا کیا ہے وہ انسان کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور خبر صادق علیہ السلام نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے اور امر ممکن الوقوع کے وقوع کی اگر مجز صادق خبر دے تو عقلاً اس کا قبول کرنا لازم اور ضروری ہے۔

### آسمانوں کے بارے میں فلسفہ جدیدہ کا نظریہ

قرآن اور حدیث اور تمام کتب سادہ سے ثابت ہے کہ آسمانوں کو جو خلق اور ثابت ہے فلسفہ جدیدہ کے انکشافات یہ کہتے ہیں کہ آسمان ایک بے معنی لفظ ہے جو معنی سے بیکسر خالی ہے آسمان کوئی چیز نہیں یہ نیلگوں چیز جو ہم کو اوپر سے نظر آتی ہے وہ محض ایک حد بصر اور حد نظر ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ نیلگوں رنگ جو ہم کو دکھائی دیتا ہے وہ آسمان دنیا کا پلستر ہو دیکھنے والوں کو عمارت کا پلستر تو نظر آتا ہے مگر اصل عمارت نظر نہیں آتی۔

نیز عقلاً اور حساً محض حد بصر اور حد نظر کا کوئی رنگ نہیں ہوتا رنگ تو جسم ہی کا ہوتا ہے۔

### استدلال باحوال عالم سلفی

كَانَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ...﴾... الْفَكَارَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿﴾

ربط:..... اور پر کی آیتوں میں عالم علوی کی چیزوں سے اس کی وحدانیت اور الوہیت پر استدلال تھا یعنی آسمانوں اور چاند اور سورج کے احوال سے استدلال کا ذکر تھا ان عالم سلفی کے چیزوں کے احوال سے یعنی زمین سے اور اس کی پیداوار سے اور میل و نہار کے اختلاف سے استدلال فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور وہ اللہ وہی ہے جس نے زمین کو اتنا پھیلا یا کہ بیشمار مخلوق اس پر چل سکے اور اتنا وسیع بنایا کہ آج تک اس کے مبدأ اور انتہاء کا علم نہ ہو سکا اور اس پر بسنے والی مخلوق کا زرق اور سامان معیشت سب اسی میں ودیعت رکھ دیا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زمین کو پانی پر بچھایا (زاد المسیر: ۴/۲۰۳) وقال اللہ تعالیٰ ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ اور پھر اس زمین میں پہاڑ بنائے تاکہ وہ زمین کی میٹھیں ہو جائیں۔

زمین از تپ و لرزه آمد ستوہ فرد کوفت برد منش میخ کوہ

اور زمین میں نہریں جاری کیں اور ہر قسم کے پھلوں سے خدائے زمین میں دو دو قسمیں بنائیں مثلاً سرخ اور زرد، شیریں اور ترش، خشک اور تر، گرم اور سرد وغیرہ وغیرہ۔

نیز اس خدا کی صفت یہ ہے کہ وہ ڈھانک دیتا ہے رات کو دن سے مطلب یہ ہے کہ کسی وقت دن کا ہونا اور کسی وقت رات کا ہونا یہ کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی قادر حکیم کی قدرت اور اس کی تسخیر ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے زمین کی حالت سے استدلال کیا ہے کہ زمین کی یہ وسعت اور اس پر جا بجا پہاڑوں اور نہروں کا ہونا بغیر کسی خالق کے نہیں

ہوسکتا اور دن اور رات کے بدلنے میں اور زمین کی پیداوار میں اس کی قدرت کے عجیب کرشمے ہیں بے شک ان چیزوں میں خدا کی کمال قدرت کی نشانیاں ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں ان نشانیوں میں غور کرنے سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے ایک زمین پر نظر ڈال لو کہ اس کا کوئی حصہ نرم ہے اور کوئی حصہ نہایت سخت ہے جیسے پہاڑ حالانکہ طبیعت ارضیہ سب کی ایک ہے معلوم ہوا کہ زمین کے قطعات میں یہ تفاوت مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی عظیم و قدیر کے علم و قدرت کا کرشمہ ہے پھر زمینوں اور پہاڑوں کی رنگتیں اور کیفیتیں مختلف اور پہاڑ میں سے جو کانیں نکلتی ہیں وہ بے انتہاء مختلف کوئی کان سونے اور چاندی کی اور کوئی لوہے اور تانبے کی اور کوئی نمک اور گندھک کی وغیرہ وغیرہ۔ یہ اختلافات نہ اتفاقی ہیں اور نہ بے شعور اور کسبے حس مادہ کا اقتضاء ہیں بلکہ سب خداوند عظیم و قدیر کی قدرت کے کرشمے ہیں مطلب یہ ہے کہ جس طرح عالم علوی کا کارخانہ اس کی تدبیر اور تصرف سے چل رہا ہے اسی طرح عالم سفلی کا کارخانہ بھی اسی کی تدبیر اور تصرف سے چل رہا ہے سب جگہ اسی کا دست قدرت کا فرما ہے اور جن فلاسفہ کا یہ گمان ہے کہ عالم سفلی کا کارخانہ عالم علوی کی تاثیر سے چل رہا ہے وہ سب غلط ہے اور دعویٰ بلا دلیل ہے اور یہ نادان اپنی اپنی سلسلی باتوں پر بڑے خوش ہیں فرحو ابما عندہم من العلم۔

### استدلال دیگر

اور من جملہ دلائل توحید کے ایک دلیل یہ ہے کہ زمین میں مختلف قسم کے قلعے ہیں جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور بایں ہمہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں حالانکہ سب پر ایک ہی آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی ہیں اور ایک ہی قسم کی ہوا ان پر چل رہی ہے کوئی قطعہ قابل زراعت ہے اور کوئی بجز ہے اور کوئی کسی میوے کے قابل ہے اور کوئی کسی دوسرے میوہ کے قابل ہے حالانکہ سب کو ایک ہوا اور ایک پانی پہنچ رہا ہے اور اب پر ایک ہی آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی ہیں عجیب بات ہے کہ باوجود اس اتصال کے اور اتحاد کے آثار مختلف ہیں اور پھر زمین کے ہر قطعہ میں مختلف قسم کے باغات ہیں کہیں انگوروں کے باغ ہیں اور کہیں کھجور کے درخت ہیں بعضے دوشانے بعضے غیر دوشانے یعنی بعضے ایسے ہیں کہ ایک ہی جڑ سے کئی شاخیں اگیں اور بعضے متفرق جڑوں کے ہیں یعنی ہر شاخ علیحدہ جڑ سے اگی ہے یہ سب باغات ایک ہی پانی سے سنبھے جاتے ہیں اور باوجود اس کے ہم بعض کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں کوئی شیریں ہے اور کوئی ترش اور کوئی پھیکا کوئی کیسا اور کوئی کیسا بے شک ان امور مذکورہ میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں کہ ایک ہی قسم کی زمین ہے اور ایک ہی قسم کا پانی ہے اور ایک ہی ہوا ہے پھر پھلوں کا مزہ بھی مختلف اور ہیئت اور شکل بھی مختلف اور طاہر ہے کہ یہ امور نہ تو خود بخود حادث ہو گئے ہیں اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کسی نیچر اور اتھر کا اقتضاء ہے کیونکہ اتھر اور نیچر میں کسی شعور اور ارادہ اور اختیار کا نام و نشان نہیں بلکہ یہ سب خدائے عظیم و قدیر کے علم اور قدرت کے کرشمے ہیں جو خاص خاص اوقات میں اس کے ارادہ اور مشیت کے مطابق نمودار ہو رہے ہیں معلوم ہوا کہ پس پردہ کوئی دست قدرت ہے جو یہ گل کاریاں کر رہا ہے زمین بھی ایک ہے اور پانی بھی ایک ہے تو پھر باوجود اسباب اور اصول کے متحد ہونے کے یہ امتیاز اور اختلاف کیسا یہ سب کسی قادر مختار کی صنعت

اور کاریگری ہے فلاسفہ کا گمان یہ ہے کہ درختوں اور پھلوں کا اختلاف اتصالات فلکیہ اور کواکب اور نجوم کی تاثیر سے ہے فلاسفہ عالم سفلی کے حوادث کو حرکات کواکب اور نجوم کا اثر بتاتے ہیں یہ سب غلط ہے اس لیے کہ اول تو گزشتہ آیات میں افلاک اور کواکب اور نجوم کا حادث ہونا اور ان کا مسخر بامر الہی ہونا ثابت ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے شمس و قمر اور کواکب کی خاص وضع اور ہیبت اور حرکت کی مقدار اور اس کی ساخت متعین کر دی ہے اس سے باہر قدم نہیں نکال سکتے لہذا احوال فلکیہ کو حوادث ارضیہ کی علت قرار دینا صحیح نہیں۔

دوم یہ کہ اتصالات فلکیہ اور حرکات کواکب کو عالم سفلی سے مؤثر قرار دینا محض ایک دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ سوم یہ کہ ایک ہی باغ ہے اور ایک ہی درخت ہے اور ایک ہی قسم کی شعاع شمسی ہے اور ایک ہی قسم کی ہوا ہے اور ایک ہی قسم کا پانی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ پھلوں کا مزہ مختلف ہے جب علت اور سبب ایک ہے تو معلول اور مسبب بھی ایک ہی ہونا چاہئے علت اور سبب میں شعور اور ارادہ اور اختیار نہیں ہوتا اس لیے اس کی تاثیر میں فرق نہیں ہوتا۔

بے شعور مشین سے جو چیز تیار ہوگی اس میں تقادوت نہ ہوگا انسان اپنے ہاتھ سے جو چیز بنائے گا اس میں اس کے اختیار اور ارادہ کے موافق اور تقادوت ہوگا پس ثابت ہوا کہ پھلوں کی پیدائش میں نہ تو زمین کی طبیعت اور مادہ کو دخل ہے اور نہ ہوا اور پانی کی طبیعت اور مادہ کو دخل ہے بلکہ کسی قادر حکیم کے ارادہ اور مشیت سے ہے فلاسفہ جدید و قدیم جس قدر چاہیں اسباب و علل بیان کریں مگر سب کی انتہا کسی ملوک مقتدر پر مانتی پڑے گی۔ ﴿وَأَن إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهَىٰ﴾ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ان آیات کی تفسیر میں دلائل علویہ اور سفلیہ کو نہایت بسط کے ساتھ بیان کیا ہے حضرات اہل علم تفسیر کبیر کی مراجعت کریں ان مادہ پرستوں کی رد میں کسی عالم نے خوب کہا ہے۔

والارض فيها عبرة للمعتبر  
تخبر عن صنع ملوک مقتدر  
(ترجمہ) اور زمین میں عبرتیں ہیں عبرت حاصل کرنے والے کے لیے زمین کی ساخت خبر دے رہی ہے کہ کسی ملوک مقتدر نے اس کو بنایا ہے۔

تسقى بماء واحد اشجارها وبقعة واحدة قرارها  
ایک پانی سے سب درختوں کو سیراب کیا جاتا ہے اور ایک قطعہ زمین پر سب کا قرار ہے مگر باوجود اس کے پھل مختلف ہیں کسی کا کیا مزہ اور کسی کا کیا۔

والشمس والهواء ليس يختلف  
واكلها مختلف لا ياتلف  
جو دھوپ اور ہوا ان درختوں پر پڑ رہی ہے اس میں تو کوئی اختلاف نہیں مگر پھل مختلف ہیں ایک ہی درخت کے پھلوں کا مزہ یکساں نہیں ہوتا۔

لو ان ذامن عمل الطبايع  
او انه صنعة غير صانع!!  
لم يختلف وكان شيئا واحدا  
هل يشبه الا والاد الا والدا  
اگر یہ طبیعت اور مادہ کا تحمل ہوتا یا بغیر کسی کاریگر کے صنعت کا ہوتا تو پھلوں میں اور ان کے مزوں میں تقادوت اور

فرق نہ ہوتا بلکہ سب کا مزہ ایک ہوتا (جیسے اولاد، والد کے مشابہ ہوتی ہے)

الشمس والهواء یا معاند  
والماء والتراب شيء واحد  
فما الذى اوجب ذا التفاضلا  
الا حكيم لم يردہ باطلا

جب دھوپ اور ہوا اور پانی اور مٹی ایک ہے تو پھر یہ تفاوت اور فرق کہاں سے آیا معلوم ہوا کہ یہ تفاوت کسی قادر حکیم کے ارادہ اور اختیار سے ہوا ہے جو کبھی خلاف حکمت کا ارادہ نہیں کرتا۔ (دیکھو روح المعانی: ۱۳/۹۳)

نکتہ: ..... بعض علماء تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ یہی مثال بنی آدم کی ہے باوجودیکہ سب کی اصل ایک ہے مگر خیر و شر ایمان و کفر میں مختلف ہیں کوئی خبیث ہے اور کوئی طیب اور جس طرح پانی زمین کے مختلف قطعات میں مختلف اثر پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح کلام الہی مختلف قلوب میں مختلف اثر پیدا کرتا ہے جیسا کہ فرماتے ہیں ﴿وَوَدَّ لَوْ أَنَّ مِنَ الْكُفْرَانِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَرْيَدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا﴾ (یعنی یہ قرآن مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور یہی قرآن ظالموں کو خسارہ میں بڑھاتا ہے)

وَأَن تَعَجَّبَ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ء إِذَا كُنَّا تُرَابًا ء إِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ؕ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

اور اگر تو عجب بات چاہے تو عجب ہے ان کا کہنا کہ کیا جب ہو گئے ہم مٹی کیا نئے سر سے بنائے جائیں گے؟ وہی ہیں جو اور اگر تو اچنبھے کی بات چاہے، تو اچنبھا ہے ان کا کہنا، کیا جب ہو گئے ہم مٹی کیا نئے نہیں گے؟ وہی ہیں جو

كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ؕ وَأُولَٰئِكَ الْأَعْلَىٰ فِي أَعْنَاقِهِمْ ؕ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيهَا

مگر ہو گئے اپنے رب سے اور وہی ہیں کہ طوق ہیں ان کی گردنوں میں اور وہ ہیں دوزخ والے وہ اسی میں مگر ہونے اپنے رب سے۔ اور وہی ہیں کہ طوق ہیں ان کی گردنوں میں۔ اور وہ ہیں دوزخ والے، وہ اس میں

خَالِدُونَ ۝ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثَلُط

ریں گے برابر ۲ اور جلد مانگتے ہیں تجھ سے برائی کو پہلے بھلائی سے ۳ اور گزر چکے ہیں ان سے پہلے بہت سے عذاب رہا کریں گے۔ اور شاب چاہتے ہیں تجھ سے برائی، آگے بھلائی سے، اور ہو چکی ہیں ان سے پہلے کہاوتیں۔

وَأَنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ ؕ وَأَنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ وَيَقُولُ

اور تیرا رب معاف بھی کرتا ہے لوگوں کو باوجود ان کے ظلم کے، اور تیرے رب کا عذاب بھی سخت ہے ۴ اور کہتے ہیں اور تیرا رب معاف بھی کرتا ہے لوگوں کو ان کی گنہگاری پر۔ اور تیرے رب کی مار سخت ہے۔ اور کہتے ہیں

۴ یعنی اس سے زیادہ عجب بات کیا ہوگی کہ جس نے اول ایک چیز بنائی وہ دوبارہ بنانے پر قادر نہ ہو؟ (العیاذ باللہ)

۵ گو یا یہ لوگ "بعث بعد الموت" کا انکار کر کے خداوند قدوس کی شہنشاہی سے منکر ہیں۔ تو ایسے باغیوں کا انجام یہی ہونا ہے کہ گلے میں طوق اور ہاتھ پاؤں میں پھلکیاں اور بیڑیاں پہنا کر ابدی جیل خانہ میں ڈال دیے جائیں جو حقیقت میں ایسے مجرموں کے لیے بنایا گیا ہے۔

۶ یعنی حق کو قبول نہیں کرتے جس سے دنیا و آخرت کی بھلائی سے کفر اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں عذاب لے آؤ۔

۷ یعنی پہلے بہتری تو مومنوں پر عذاب آچکے ہیں۔ تم پر لے آنا کیا مشکل تھا، بات صرف اتنی ہے کہ تیرا پروردگار اپنی شانِ حلم و معنوسے ہر چھوٹے بڑے جرم پر =

عَالِدَيْنِ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ - اِنَّمَا اَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ

لا فریبوں نہ اتری اس پر کوئی نشانی اس کے رب سے فل تیرا کام تو ڈرنا دینا ہے اور ہر قوم کے لیے ہوا ہے راہ بتانے والا فل مکر، کیوں نہ اتری اس پر کوئی نشانی اس کے رب سے ؟ تو تو ڈر سنانے والا ہے، اور ہر قوم کو ہوا ہے راہ بتانے والا۔

### مکرین نبوت کے شبہات اور ان کے جوابات

قَالَ تَعَالَى: ﴿وَإِنْ تَعْجَبْ قَوْلَهُمْ... اِلَىٰ - اِنَّمَا اَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾

رہلہ:..... اوپر کی آیتوں میں توحید کا مضمون تھا اب ان آیات میں مکرین نبوت کے تین شبہات کے جوابات مع وعید و تہدید ذکر کرتے تھے کہ یہ کیسے نبی ہیں جو ایک محال اور ناممکن کی خبر دیتے ہیں اور اس پر ایمان لانے کا حکم دیتے ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ﴿هَلْ تَدْلِكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يَتَّبِعُكُمْ اِذَا مَرَّ قُتْمٌ كُلُّ مُتَرَبِّىٍّ اِنَّكُمْ لَئِيْنِ خَلَقَ جَدِيْدًا اَفْتَرٰى عَلَىٰ اللّٰهِ كَلِمًا اَمْ رُبَّهٖ جِنَّةٌ﴾ (دوسرا) شبہ یہ تھا کہ اگر آپ ﷺ نبی ہیں تو آپ ﷺ کے مکرین اور مکذبین پر عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِنَ السَّمَاءِ اَوْ اَلْبِنَاءَ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾۔ (تیسرا) شبہ یہ تھا کہ بن معجزات کی ہم فرمائش کرتے ہیں وہ معجزات کیوں ظاہر نہیں کرتے حق تعالیٰ نے ان آیات میں کفار کے ان تینوں شبہات کا جواب دیا ہے جو نبوت کے متعلق تھے پہلے شبہ کا جواب ﴿وَإِنْ تَعْجَبْ قَوْلَهُمْ﴾ سے دیا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ کیا یہ لوگ مرجانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو خدا کی قدرت سے باہر سمجھتے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ جس پروردگار کی قدرت اس قدر بڑی ہے کہ وہ اتنی بڑی بڑی چیزوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اس کے لیے مردہ کا دوبارہ پیدا کرنا کیا بڑی بات ہے حشر و نشر کے مگر خدا کے باغی ہیں ان باغیوں کا انجام یہ ہوگا کہ گلے میں طوق اور ہاتھ پاؤں میں جھنکریاں اور بیڑیاں پہنا کر ابدی جیل خانہ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

جو شخص حشر اجساد کا قائل نہیں وہ درحقیقت خدا کی ربوبیت اور قدرت کا مکر ہے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿اَوَلَيْكَ اَلدِّيْنُ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ﴾ فلاسفہ حق تعالیٰ کو فاعل بالا اختیار اور قادر مختار نہیں سمجھتے بلکہ خدا کو واجب بالذات اور موجب بالذات سمجھتے ہیں ان کے نزدیک خدا تعالیٰ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں اور اگر قادر بھی ہے تو اس کی قدرت ناقص اور ناتمام ہے فلاسفہ کے نزدیک خدا کے لئے یہ ممکن نہیں کہ بلا واسطہ والدین کے کسی حیوان کو پیدا کر سکے ان کے نزدیک ایجاد کے لیے تاثیر طبعیت اور تاثیر افلاک اور تاثیر کواکب و نجوم ضروری ہے اور فلاسفہ تو خدا کے علم کے بھی قائل نہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ خدا = فورا گرفت نہیں کرتا۔ وہ لوگوں کے علم و حکمت اور درگزر کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب مظالم اور شرارتوں کا سلسلہ عدسے گزر جاتا ہے اس وقت اس کے تباہ کن عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں رہتی۔

فل یعنی جنوشانی ہمہماگتے ہیں وہ کیوں نہیں اتری جسے دیکھ کر ہم ایمان لانے پر مجبور ہوجاتے۔

فل یعنی آیات لا تارنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں نہیں، یہ تو خدا کا کام ہے جو آیت پیغمبر کی تصدیق کے لیے مناسب ہو دکھلائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض اسی قدر ہے کہ خیر خواہی کی بات سنا دیں اور برائی کے ہلکے انجام سے لوگوں کو آگاہ کر دیں۔ پہلے بھی ہر قوم کی طرف ہادی راہ بتانے والا اور تیز ڈرانے والے آتے رہے ہیں۔ ان میں سے کسی کا یہ دعویٰ نہیں ہوا کہ جنشان معاصرین طلب کریں گے ضرور دکھلا کر رہیں گے ہاں خدا کی راہ دکھانا ان کا کام تھا وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ البتہ وہ خاص خاص قوم کے لیے ہادی تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی ہر قوم کے لیے ہیں۔

تعالیٰ کا کلیات کا تو علم ہوتا ہے مگر جزئیات کا علم نہیں معاذ اللہ فلاسفہ کے نزدیک خدا کو معلوم نہیں کہ کون اس کا مطیع و فرمانبردار ہے اور کون نافرمان ہے۔

غرض یہ کہ فلاسفہ بھی حشر و نشر کے قائل نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ فلاسفہ خدا کی قدرت اور علم کے قائل نہیں ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ﴾ کا یہ مطلب ہوا۔

اور دوسرے شبہ کا جواب ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسِّيْئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ﴾ میں دیا گیا جواب کا حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ حلیم و کریم ہے عذاب اور مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا مگر جب عذاب آتا ہے تو ملتا نہیں پہلی امتوں کے حال سے عبرت پکڑیں اور عذاب کی تاخیر سے دھوکہ میں نہ پڑیں عذاب کی تاخیر عجز کی وجہ سے نہیں بلکہ علم و حکم کی وجہ سے ہے۔

اور تیسرے شبہ کا جواب ﴿وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ الخ میں دیا گیا جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ شبہ لغو اور مہمل ہے، محض عناد پر مبنی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے صد ہا معجزات ظاہر فرمائے مگر یہ لوگ عنادی اور ضدی ہیں جو معجزہ دکھانا بالکل عبث ہے اب آیات کی تفسیر پڑھئے۔

### پہلے شبہ کا جواب

﴿وَ اِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ... اِلَى... هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾

اور اگر آپ ﷺ کسی شے سے تعجب کریں یا ان کے انکار اور ایمان نہ لانے سے تعجب کریں تو سب سے زیادہ عجیب ان کا یہ قول ہے کہ بھلا جب ہم مرنے کے بعد گل سڑ کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر نئی پیدائش میں آئیں گے حق تعالیٰ کی قدرت کو اور غرائب حکمت کو دیکھ کر یہ کہنا کہ ہم از سر نو کیسے پیدا ہوں گے نہایت ہی عجیب ہے جو قادر و قیوم ان اجرام عظیمہ علویہ و سفلیہ کو پیدا کرنے پر قادر ہے کہ وہ ایک انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں۔

آنکہ پیدا سا حقن کارش بود زندگی دادن چہ دشوارش بود

یہ ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے دلائل ربوبیت کا انکار کیا ہر لمحہ اور ہر لحظہ اس کی ربوبیت کے دلائل کا مشاہدہ کرتے ہیں اور پھر بھی حشر اجساد کو ناممکن اور محال سمجھتے ہیں اور یہ ہی وہ لوگ ہیں جن کے گلوں میں قیامت کے دن طوق ہوں گے اور یہی دوزخی لوگ ہیں جو ہمیشہ اسی دوزخ میں رہیں گے۔

### دوسرے شبہ کا جواب

﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسِّيْئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ... اِلَى... وَ اِنْ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾

اور اے نبی یہ کفار مکہ تجھ سے بھلائی اور عافیت کی میعاد ختم ہونے سے پہلے برائی یعنی عذاب کے نازل ہونے کا تقاضا کرتے ہیں کہ اگر تو واقع میں نبی ہے اور ہم تجھ کو نہیں مانتے تو تو ہم پر عذاب کیوں نہیں نازل کر دیتا حالانکہ ان سے پہلے گزشتہ امتوں پر کفر اور تکذیب ہی کے بناء پر عقوبتیں اور طرح طرح کے عذاب نازل ہو چکے ہیں اسی طرح تم پر بھی عذاب نازل ہو سکتا ہے تم کو چاہئے کہ پہلی امتوں کے حال بد سے عبرت پکڑو اور اس خیال میں نہ رہو کہ عذاب کو دیکھ کر ایمان

لے آئیں گے اس وقت کا ایمان معتبر نہیں ایمان وہ معتبر ہے جو اختیاری ہو اضطرابی ایمان معتبر نہیں اور اللہ عذاب کے نازل کرنے میں اس لیے جلدی نہیں کرتا کہ بے شک تیرا پروردگار لوگوں کے حق میں باوجود ان کے ظلم و ستم کے بڑی بخشش والا اور پردہ پوشی کرنے والا ہے وہ حلیم و کرم ہے فوراً نہیں پکڑتا۔

نہ گردن کشاں را بگیرد بفرور

اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ تیرا پروردگار سخت عذاب دینے والا بھی ہے اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے لیکن مجرم جب حد سے گزر جاتا ہے تو پھر اس کو سخت پکڑتا ہے۔

تیسرے شبہ کا جواب

﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ إِنَّمَا آتَاكَ مُنْجِدٌ وَلَكِنَّ قَوْمَهُ هَادٍ﴾

اور یہ کفار یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نبی پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی ایسی نشانی کیوں نہیں نازل ہوتی جو ہم چاہتے ہیں جو نشانیاں یہ دکھاتا ہے وہ کچھ نشانیاں نہیں ان سے ہماری تسکین نہیں ہوتی اے نبی آپ ﷺ تو صرف عذاب الہی سے ڈرانے والے ہیں معجزات کے مالک اور مختار نہیں۔ آپ ﷺ کا کام تو کافروں کو عذاب الہی سے ڈرانا ہے اور ڈرانے والی نشانیاں آپ ﷺ سے بہت سی ظاہر ہو چکی ہیں اور یہ معاندین تو شق القمر جیسی نشانیاں کا بھی انکار کر چکے ہیں تو ان کو دوسری نشانیاں دکھانے سے کیا فائدہ اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہوتا ہے اس طرح آپ ﷺ بھی اس زمانہ میں ہادی بنا کر بھیجے گئے ہیں اور ہادی کا کام راہنمائی اور خدا کی نافرمانی کے برے نتائج سے ڈرانا ہے اور خدا نے آپ ﷺ کو بڑے بڑے نشانات دیئے ہیں اور دعویٰ نبوت کے اثبات کے لیے مطلق دلیل اور مطلق معجزہ کافی ہے فرماؤ کہ معجزہ ضروری نہیں کفار ایسی نشانیاں مانگتے ہیں جسے دیکھ کر آدمی ایمان لانے پر مجبور ہو جائے حق تعالیٰ نے ایسے معجزات دینے سے انکار فرما دیا کفار کے شبہ کا منشاء یہ تھا کہ وہ قرآن کو معجزہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ قرآن کریم کو آنحضرت ﷺ کی تصنیف سمجھتے تھے ان کا گمان یہ تھا کہ معجزات تو وہ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے اسلئے کافر یہ کہتے تھے کہ آپ ﷺ پر ایسا معجزہ کیوں نازل نہیں ہوتا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا

کفار کا یہ شبہ لغو اور مہمل تھا اس لیے کہ ہر زمانہ میں اثبات نبوت کیلئے ایسے معجزات عطا کیے گئے جو اس زمانہ کے مناسب تھے اور ان کی نبوت کے اثبات کے لیے کافی اور وافی تھے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر کا زور تھا اس لیے ان کو عصا اور ید بیضاء کا معجزہ عطا کیا گیا اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا زور تھا اس لیے ان کو احياء موتی اور ابراء اکمہ و ابرص کا معجزہ عطا کیا گیا جس سے تمام اطباء عالم عاجز ہونے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا زور تھا اس لیے آپ ﷺ کا علمی معجزہ تھا اور علاوہ زاین آپ ﷺ سے صد ہا معجزات صادر ہوئے جو عصا اور ید بیضاء کے مثل یا اس سے بڑھ کر تھے مثلاً شق القمر اور عروج سموات اور ستون حنّانہ کا رونما اور انگلستان مبارک سے پانی کا جاری ہونا اور تھوڑی چیز سے ایک لشکر عظیم اور جماعت عظیمہ کا سیر اور سیراب ہونا۔



اس قسم کے بیشتر معجزات آپ ﷺ سے ظاہر ہوئے اور کفار نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا مگر عناد کی بناء پر ان سب کو جادو کہہ دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے فرمائی معجزات ظاہر کرنے سے انکار فرما دیا اور بتلادیا کہ جو معجزات آنحضرت ﷺ کو من جانب اللہ دیئے گئے وہ آپ ﷺ کی نبوت کے ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں تمہاری منہ مانگی نشانیوں کا ظاہر کرنا ضروری نہیں اس لیے کہ ممکن ہے کہ آئندہ جو معجزہ ظاہر کیا جائے اس کو بھی جادو کہہ کر ٹلا دیں جیسا کہ اب تک کرتے چلے آ رہے ہیں۔

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۖ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ

اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ فی اور جو سکتے ہیں پیٹ اور بڑھتے ہیں اور ہر چیز کا اس کے یہاں اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں ہے رکھتی ہر مادہ، اور جو سکتے ہیں پیٹ، اور بڑھتے ہیں۔ اور ہر چیز کو ہے اس پاس

بِمِقْدَارٍ ۝۸ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرِ الْمُتَعَالِ ۝۹ سَوَاءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ أَسَرَ الْقَوْلَ

اندازہ ہے فی جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر کا سب سے بڑا بڑا فی برابر ہے تم میں جو آہستہ بات کہے گئی۔ جاننے والا چھپے اور کھلے کا، سب سے بڑا اور۔ برابر ہے تم میں جو چپکے بات کہے

وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۝۱۰ لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ

اور جو کہے پکار کر اور جو چھپ رہا ہے رات میں اور جو گلیوں میں پھرتا ہے دن کو فی اس کو پھرے والے ہیں بندہ کے آگے سے اور جو کہے پکار کر، اور جو چھپ رہا ہے رات میں اور گلیوں پھرتا ہے دن کو۔ اس کو پھرنی والے ہیں، بندے کے آگے سے

يَدَيْهِ وَمَنْ خَلْفَهُ يُحَفِّظُونَهُ ۚ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا

اور پیچھے سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں اللہ کے حکم سے وہ اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کی حالت جب تک وہ نہ بدلیں جو اور پیچھے سے، اس کو بچاتے ہیں اللہ کے حکم سے۔ اللہ نہیں بدلتا، جو ہے کسی قوم کو، جب تک وہ نہ بدلیں جو

فی کہ مذکر ہے یا مؤنث، پورا ہے یا ادھورا، اچھا ہے یا برا، وغیر ذلک من الاحوال۔

فی یعنی مامل کے پیٹ میں ایک بچہ ہے یا زیادہ، پورا میں چکا ہے یا ناقص ہے تھوڑی مدت میں پیدا ہو گا یا زیادہ میں۔ غرض پیٹ کے گھٹنے بڑھنے کے تمام اسرار و اسباب اور اوقات و احوال کو پوری طرح جانتا ہے۔ اور اپنے علم مجید کے موافق ہر چیز کو ہر حالت میں اس کے اندازہ اور استعداد کے موافق رکھتا ہے۔ اسی طرح اس نے جو آیات انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کے لیے اتاری ہیں ان میں خاص اندازہ اور مصالح و حکم ملحوظ رہی ہیں۔ جس وقت جس قدر نبی آدم کی استعداد و صلاحیت کے مطابق نشانات کا ظاہر کرنا مصلحت تھا اس میں کمی نہیں ہوئی۔ باقی قبول کرنے اور منتفع ہونے کے لحاظ سے لوگوں کا اختلاف ایسا ہی ہے جیسے حوامل کے پیٹ سے پیدا ہونے والوں کے احوال تفاوت استعداد و تربیت کی بناء پر مختلف ہوتے ہیں۔

فی یہ علم الہی کی لامحدود وسعت و احاطہ کا بیان ہوا۔ یعنی دنیا کی کوئی کھلی جھمی چیز اس سے پوشیدہ نہیں اور تمام عالم اس کے زیر تصرف ہے۔

فی علم الہی کا عموم بیان کر کے بطحاظ مناسبت مقام خاص احوال مکلفین کی نسبت بتلاتے ہیں کہ تمہارے ہر قول و فعل کو ہمارا علم مجید ہے۔ جو بات تم دل میں چھپاؤ یا آہستہ کہو اور جو علانیہ پکار کر کہو، نیز جو کام رات کی اندھیری میں پوشیدہ ہو کر کرو اور جو دن دہاڑے سے سر بازار کرو، دونوں کی حیثیت علم الہی کے اعتبار سے یکساں ہے۔ بعض مفسرین نے آیت کو تین قسم کے آدمیوں پر مشتمل بتلایا ہے۔ "مَنْ أَسَرَ الْقَوْلَ" (جو بات کو چھپائے) "مَنْ جَهَرَ بِهِ" (جو ظاہر کرے) "وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ" (جو اپنا کام رات کو چھپائے مثلاً شب کو چوری کرنا اور دن کو ظاہر کرے مثلاً دن میں نماز پڑھنا) اللہ =

بِأَنْفُسِهِمْ ۖ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ ۚ وَمَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَالٍ ﴿۱۰﴾

ان کے جیوں میں ہے، اور جب چاہتا ہے اللہ کسی قوم پر آفت پھردہ نہیں پھرتی اور کوئی نہیں ان کا اس کے سوا مددگار فرا اپنے بچ ہے، اور جب چاہے اللہ کسی قوم پر برائی، پھر وہ نہیں پھرتی۔ کوئی نہیں ان کو اس بن مددگار۔

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنزِلُ السَّحَابَ الْغِيَالِ ﴿۱۱﴾ وَيَسْبِغُ الرِّعْدُ

وہی ہے کہ تم کو دکھاتا ہے بجلی ڈر کو اور امید کو اور اٹھاتا ہے بادل بھاری فل اور پڑھتا ہے گرجنے والا وہی ہے تم کو دکھاتا ہے بجلی ڈر کو اور امید کو، اور اٹھاتا ہے بدلیاں بھاری۔ اور پڑھتی ہے گرج

بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ

خوہیاں اس کی اور سب فرشتے اس کے ڈر سے فل اور بھیجتا ہے کڑک بجلیاں پھر ڈالتا ہے جس پر چاہے اور یہ لوگ خوہیاں اس کی اور سب فرشتے اس کے ڈر سے۔ اور بھیجتا ہے کڑاکے، پھر ڈالتا ہے جس پر چاہے، اور یہ لوگ = تعالیٰ کو سب یکساں طور پر معلوم ہیں۔

فل یعنی ہر بندہ کے ساتھ خدا کے فرشتے مامور ہیں جن میں بعض اس کے سب اگلے پچھلے اعمال لکھتے ہیں اور بعض خدا کے حکم کے موافق ان بلاؤں کے واقع کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ جن سے حق تعالیٰ بندہ کو بچانا چاہتا ہے جس طرح اس عالم میں خدا کی عام عادت ہے کہ جو چیز پیدا کرنا چاہے اس کے ظاہری اسباب مہیا کر دیتا ہے ایسے ہی اس نے کچھ باطنی اسباب و ذرائع پیدا کیے ہیں جن کو ہماری آنکھیں نہیں دیکھتیں لیکن مشیت الہی کی تحفیز ان کے واسطے سے ہوتی ہے۔ فل یعنی اللہ تعالیٰ اپنی عجبانی اور مہربانی سے جو ہمیشہ اس کی طرف سے ہوتی رہتی ہے کسی قوم کو عروم نہیں کرتا۔ جب تک وہ اپنی روش اللہ کے ساتھ نہ بدلے۔ جب بدلتی ہے تو آفت آتی ہے پھر کسی کے نالے نہیں ملتی۔ کسی کی مدد اس وقت کام دیتی ہے۔

(تسمیہ) یہاں قوموں کے عروج و زوال کا قانون بنایا ہے، اشخاص و افراد کا نہیں۔ قوم کی اچھی بری حالت متعین کرنے میں اکثریت اور غلبہ کا لحاظ

ہوتا ہے۔

فل پہلے بندوں کی حفاظت کا ذکر تھا، پھر بد اعمالیوں سے جو آفت و مصیبت آتی ہے اس کا ذکر ہوا، معلوم ہوا کہ خدا کی ذات شان انعام و انتقام دونوں کی جامع ہے۔ اسی مناسبت سے یہاں بعض ایسے نشانہ تھے قدرت کی طرف توجہ دلانی جن میں بیک وقت امید و خوف کی دو متضاد کیفیتیں پیدا کرنے کی صلاحیت ہے یعنی جب بجلی چمکتی ہے تو امید بندھتی ہے کہ بارش آئے گی۔ اور ڈر بھی لگتا ہے کہ کب لگے گی کہ طاقت کا سبب نہ بن جائے۔ بھاری بادل پانی کے بھرے ہوئے آتے ہیں تو خوشی ہوتی ہے کہ باران رحمت کا نزول ہوگا، ساتھ ہی فکرت بھی ہے کہ پانی کا طوفان نہ آ جائے، ٹھیک اسی طرح انسان کو چاہیے کہ رحمت الہی کا امیدوار رہے مگر اللہ سے ماسواں اور بے فکر نہ ہو۔

فل یعنی گرجنے والا بادل یا فرشتہ زبان "مال" یا "قال" سے حق تعالیٰ کی تسبیح و تمجید کرتا ہے ﴿قَالَ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ اور تمام فرشتے بیعت و خوف کے ساتھ اس کی حمد و ثنا اور تسبیح و تمجید میں مشغول رہتے ہیں۔

(تسمیہ) "رعد" دہری "وغیرہ کے متعلق آجکل کی تحقیق یہ ہے کہ بادلوں میں "قوت کبریا نیرہ موجب" پائی جاتی ہے اور زمین میں کبریا نیرہ سالب۔ جو بادل زمین سے زیادہ نزدیک ہوا میں گا، نگاہ زمین کی سالب کبریا نیرہ سرایت کر جاتی ہے۔ پھر اس بادل کے اوپر بہاوقات وہ بادل گزرتے ہیں جن میں کبریا نیرہ موجب موجود ہے۔ اور یہ قاعدہ تجربہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ ٹھنک قسم کے "کبریا نیرہ" رکھنے والے دو جسم جب محاذی ہوں تو ہر ایک اپنے اندر دوسرے کی "کبریا نیرہ" کو جذب کرتا ہے تاکہ دونوں کی کبریا نیرہ متحد ہو جائے۔ اسی قاعدہ سے اوپر نیچے والے بادل جب ایک دوسرے کی قوت کبریا نیرہ اپنی طرف کھینچتے ہیں تو دونوں کے مل جانے سے شدید حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس حرارت شدیدہ سے دونوں بادلوں کے حجم کے مناسب ایک آتشیں شعلا اٹھتا ہے جو "ماعتہ" کہلاتا ہے اسی ماعتہ کی چمک اور روشنی "بری" کہلاتی ہے اور ہوا میں اس کے سرایت کرنے سے جو آواز نکلتی ہے وہ "رعد" ہے۔ "کبریا" کا یہی آتشیں شرارہ کبھی بادلوں اور ہواؤں کو پھاڑ کر نیچے گرتا ہے جس کے نہایت عجیب و غریب افعال و آثار مشاہدہ کیے گئے ہیں، علاوہ اس کے کہ وہ مکانات کو گرا تا پھاڑوں کو شوق =

يُجَادِلُونَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيدُ الْحِجَالِ ﴿۱۳﴾ لَهُ دَعْوَةٌ الْحَقُّ ۚ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ

جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں اور اس کی آن سخت ہے ۚ اسی کا پکارنا سچ ہے اور جن لوگوں کو یہ پکارتے ہیں اس کے سوا جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں، اور اس کی آن سخت ہے۔ اسی کو پکارنا سچ ہے۔ اور جن کو پکارتے ہیں اس کے سوا،

لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كِبَاسِطٍ اِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاؤُهُ وَمَا هُوَ بِاِلْبِغَاءٍ ۚ

وہ نہیں کام آتے ان کے کچھ بھی مگر جیسے کسی نے پھیلانے دونوں ہاتھ پانی کی طرف کہ آپہنچے اس کے منہ تک اور وہ کبھی نہ پہنچے گا نہیں پہنچتے ان کے کام پر کچھ، مگر جیسے کوئی پھیلا رہا دو ہاتھ طرف پانی کے، کہ آپہنچے اس کے منہ تک، اور وہ کبھی نہ پہنچے گا

وَمَا دُعَاءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِي ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اس تک اور جتنی پکار ہے کافروں کی سب گمراہی ہے ۚ اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی ہے آسمانوں اور زمین میں اور جتنی پکار ہے مکروں کی سب بھٹکتی ہے۔ اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی ہے آسمان و زمین میں،

= کرتا اور جانداروں کی مملکت کا سبب بنتا ہے۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ اس نے نہایت احتیاط سے ایک آدمی کے بدن سے کپڑے اتار کر کسی درخت کی شاخ پر رکھ دیے ہیں مگر پھیننے والے جسم کو کچھ صدمہ نہیں پہنچا۔ (دائرۃ المعارف فرید و جدیدی) جسے دیکھ کر خیال گزرتا ہے کہ بجلی کے اس آتشیں شعلہ میں کوئی ذی شعور اور ذی اختیار قوت غیر مرئی طریقہ سے کام کر رہی ہے۔ ہم کو ضرورت نہیں کہ اوپر بیان کیے ہوئے نظریہ کا انکار کریں۔ لیکن یہ بیان کرنے والے خود اقرار کرتے ہیں کہ "روح" کی طرح "قوت کہربانیہ" کی اصل حقیقت پر بھی اس وقت تک پردہ پڑا ہوا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور دوسرے ارباب کشف و شہود کا بیان یہ ہی ہے کہ تمام نظام عالم میں ظاہری اسباب کے علاوہ باطنی اسباب کا ایک عظیم الشان سلسلہ کار فرما ہے جو کچھ ہم یہاں دیکھتے ہیں وہ صرف صورت ہے لیکن اس صورت میں جو غیر مرئی حقیقت پوشیدہ ہے اس کے ادراک تک عام لوگوں کی رسائی نہیں۔ صرف باطنی آنکھ رکھنے والے اسے دیکھتے ہیں۔ آخر تم جو نظریات بیان کرتے ہو (مثلاً یہی قوت کہربانیہ کا موجب سائبہ ہونا وغیرہ) اس کا علم بھی حکمائے عظیمین کے سوا بلا واسطہ کس کو ہوتا ہے۔ کم از کم اتادوٹی انبیاء کے مشاہدات و تجربات پر کر لیا جائے تو بہت سے اختلافات مٹ سکتے ہیں۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ دوسرے نوا میں طبیعیہ کی طرح بادلوں اور بارشوں کے انتظامات پر بھی فرشتوں کی جماعتیں تعینات ہیں جو بادلوں کو مناسب مواقع پر پہنچانے اور ان سے حسب ضرورت و مصلحت کام لینے کی تدبیر کرتی ہیں۔ اگر تمہارے بیان کے موافق بادل اور زمین وغیرہ کی "کہربانیہ" کامد بروئی غیر مرئی فرشتہ ہونا انکار کی کوئی وجہ ہے؟ جس کو تم "شرارہ کہربانیہ" کہتے ہو چونکہ وہ فرشتہ کے خاص تصرف سے پیدا ہوتا ہے لہذا اسے وحی کی زبان میں "مخاریق من نار" (فرشتہ کا آتش کوڑا) کہہ دیا گیا تو کیا قیامت ہوگئی۔ اس کی شدت اور سخت اشتعال سے جو گرج اور کڑک پیدا ہوئی اگر حقیقت کا لحاظ کرتے ہوئے اسے فرشتہ کی ڈانٹ سے تعبیر فرمایا تو یہ نہایت ہی موزوں تعبیر ہے۔ بہر حال "سائنس" نے جس چیز کی محض صورت کو سمجھا۔ "وحی" نے اس کی روح اور حقیقت پر مطلع کر دیا۔ کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ دونوں کو ایک دوسرے کا حریف مقابل قرار دے لیا جائے۔ علامہ محمود آلوسی نے "بقرہ" کے شروع میں اس پر معقول بحث کی ہے۔ فلیراجع۔

ۚ ان جھگڑنے والوں پر عذاب کی بجلی نہ گرا دے۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک مخبر رئیس کے پاس آدمی بھیجا کہ اسے بلا لاؤ۔ قاصد نے اس کو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے بلا تے ہیں کہنے لگا رسول اللہ کون ہے؟ اور اللہ کیا چیز ہے؟ سونے کا ہے یا چاندی کا یا تانبے کا؟ (العیاض البانہ) تین مرتبہ یہی گفتگو کی۔ تیسری مرتبہ جب وہ یہ گستاخانہ کلمات بک رہا تھا ایک بادل اٹھا فوراً بجلی گری اور اس کی کھوپڑی سر سے جدا کر دی۔ بعض روایات میں ہے کہ عامر بن طفیل اور اربابین ریضیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ ہم اسلام لاتے ہیں بشرطیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عطا فرمائے کہ ہم کو ملے آپ نے انکار فرمایا۔ دونوں یہ کہہ کر اٹھے کہ ہم "مدینہ" کی وادی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں پیدل اور سواروں سے بھر دیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اس کو دوک دے گا اور انصار مدینہ روکیں گے۔ وہ دونوں چلے، راستہ میں ارباب بکری گری اور عامر طاعون کی گلی سے ہلاک ہوا۔ (فائدہ) رسول کی آوازیں کر کہنا چاہیے "شَبْحَانَ مَنْ يُسَبِّحُ الرَّحْمٰنَ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ اَللّٰهُمَّ لَا تُفْشِلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ" ۚ یعنی پکارنا اسی کو چاہیے جو ہر قسم کے نفع و ضرر کا مالک ہے عاجز کو پکارنے سے کیا حاصل؟ اللہ کے سوا کون ہے جس کے قبضہ میں اپنا یاد و سرور کا نفع و ضرر =

طُوعًا وَكَرْهًا وَظَلَّلَهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۗ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ قُلْ

خوشی سے اور زور سے اور ان کی پرچھائیاں صبح اور شام فل پوچھ کون ہے رب آسمان اور زمین کا کہہ دے خوشی سے اور زور سے، اور ان کی پرچھائیاں صبح اور شام۔ پوچھ، کون ہے رب آسمان و زمین کا؟ کہہ

اللَّهُ ۗ قُلْ أَفَأَتَّخِذْتُمْ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا ۗ قُلْ

اللہ ہے کہہ پھر کیا تم نے بکڑے ہیں اس کے سوا ایسے حمایتی جو مالک نہیں اپنے بھلے اور برے کے فل کہہ اللہ۔ کہہ، پھر تم نے بکڑے ہیں اس کے سوا حمایتی جو مالک نہیں اپنے بھلے برے کے؟ کہہ،

هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۗ أَمْ هَلْ تُسْتَوَى الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ ۗ أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ

کیا برابر ہوتا ہے اندھا اور دیکھنے والا یا کہیں برابر ہے اندھیرا اور اجالا فل کیا ٹھہرائے ہیں انہوں نے اللہ کے لیے کوئی برابر ہوتا ہے اندھا اور دیکھتا؟ یا کہیں برابر ہے اندھیرا اور اجالا؟ یا ٹھہرائے ہیں انہوں نے اللہ کے

شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهُ الْخَلْقِ عَلَيْهِمْ ۗ قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ

شریک کہ انہوں نے کچھ پیدا کیا ہے جیسے پیدا کیا اللہ نے پھر مشتبہ ہو گئی پیدائش ان کی نظر میں کہہ اللہ ہے پیدا کرنے والا ہر چیز کا اور وہی ہے اکیلا شریک، کہ انہوں نے کچھ بنایا ہے جیسے بنایا اللہ نے، پھر مل گئی پیدائش ان کی نظر میں۔ کہہ، اللہ ہے بنانے والا ہر چیز کا، اور وہی ہے اکیلا

### الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

زبردست فل

زبردست۔

ہے؟ غیر اللہ کو اپنی مدد کے لیے بلانا ایسا ہے جیسے کوئی پیاسا کنوئیں کی من پر کھڑا ہو کر پانی کی طرف ہاتھ پھیلاتے اور خوشامد کرے کہ میرے منہ میں پہنچ جا۔ ظاہر ہے قیامت تک پانی اس کی فریاد کو پہنچنے والا نہیں۔ بلکہ اگر پانی اس کی ٹنگی میں ہو تب بھی خود چل کر منہ تک نہیں جا سکتا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ کافر جن کو پکارتے ہیں یعنی محض خیالات و ادہام ہیں، یعنی جن اور شیاطین ہیں، اور بعضی چیزیں ہیں کہ ان میں کچھ خواص ہیں۔ لیکن اپنے خواص کی مالک نہیں۔ پھر ان کے پکارنے سے کیا حاصل؟ جیسے آگ یا پانی اور شاید ستارے بھی اسی قسم میں ہوں۔

فل حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "جو اللہ پر یقین لایا خوشی سے سر رکھتا ہے اس کے حکم پر اور جو نہ یقین لایا آخر اس پر بھی بے اختیار اسی کا حکم جاری ہے اور بد چھائیاں صبح اور شام زمین پر پسر جاتی ہیں یہی ہے ان کا سجدہ۔" مطلب یہ ہے کہ جو اہر ہوں یا اعراض کوئی چیز اللہ کے حکم کو نبی سے باہر نہیں ہو سکتی۔ اس کے نفوذ و اقتدار کے سامنے سب متقاد اور سر بسجود ہیں۔ سایہ کا گھٹنا بڑھنا و ادائیں بائیں مائل ہونا سب اسی کے ارادہ اور مشیت سے ہے۔ صبح شام کا ذکر شاید اس لیے کیا کہ ان وقتوں میں زمین پر سایہ کا پھیلاؤ زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔

فل یعنی جب ربوبیت کا اقرار صرف خدا کے لیے کرتے ہو پھر مدد کے لیے دوسرے حمایتی کہاں سے تجوز کر لے۔ حالانکہ وہ ذرہ برابر نفع نقصان کا مستقل اختیار نہیں رکھتے۔

فل یعنی مومن و مشرک میں ایسا فرق ہے جیسے پینا اور تاپنا میں اور توحید و شرک کا مقابلہ ایسا سمجھو جیسے نور کا ظلمت سے۔ تو کیا ایک اندھا مشرک جو شرک کی اندھیروں میں بڑا نامک ٹوٹیاں مار رہا ہو اس مقام پر پہنچ سکتا ہے جہاں ایک مومن کو پہنچنا ہے جو فہم و بصیرت اور ایمان و عرفان کی روشنی میں فطرت انسانی کے صاف راستہ پر چل رہا ہے؟ ہرگز دونوں ایک نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔

### رجوع برائے مضمون توحید

قَالَ تَعَالَى: ﴿اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ... وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾

ربط:..... گزشتہ آیات میں منکرین نبوت اور منکرین بعث بعد الموت کے شبہات کا جواب تھا اور اس سے قبل توحید کا مضمون تھا اب پھر توحید ہی کا مضمون بیان فرماتے ہیں اس ذیل میں اول حق تعالیٰ نے اپنا عالم جمیع معلومات ہونا بیان کیا چنانچہ اللہ يعلم الخ سے اپنا وسیع العلم ہونا بیان کیا کہ اللہ کا علم تمام کائنات کو محیط ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں بعد ازاں اپنا حافظ خلق اور رقیب ہونا بیان کیا چنانچہ ﴿لَهُ مُعَقِّبَاتٌ﴾ سے یہ بتلا دیا کہ وہی تمام مخلوق کا محافظ اور نگہبان ہے بعد ازاں ﴿هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الذِّقِّقَ﴾ الخ سے اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں بیان کیں تاکہ اس کا عظیم الشان ہونا ظاہر ہو اور اس آیت ﴿هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الذِّقِّقَ﴾ میں ایسے دلائل قدرت اور حکمت کا ذکر فرمایا کہ جو من وجہ نعمت اور رحمت ہیں اور من وجہ نعمت اور رحمت ہیں تاکہ رغبت اور رہبت دونوں ہی میں معین اور مددگار ہوں پھر قدرت کی ان بڑی بڑی نشانیوں کے بعد فرمایا ﴿لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ﴾ یعنی وہی معبود برحق ہے جس کی یہ قدرت ہے اور وہی لائق عبادت ہے کیونکہ وہی نفع اور ضرر کا مالک ہے اس کے سوا کسی کی پرستش سے نفع اور ضرر کی امید رکھنا بے کار ہے غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارنا اور بلانا ایسا ہے جیسے کوئی پیاسا کنوئیں کے منڈیر پر کھڑا ہو کر پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے اور خوشامد کرے کہ اے پانی کسی طرح تو میرے منہ میں پہنچ جا پھر یہ بتایا کہ پینا اور تاپینا اور ظلمت اور نور برابر نہیں ہو سکتے۔

خلاصہ کلام یہ کہ گزشتہ آیات میں مشرکین کے انکار بعثت اور انکار حشر و نشر کا ذکر تھا جس کا منشاء یہ تھا کہ جب انسان مر کر ریزہ ریزہ ہو گیا اور اس کے اجزاء منتشر اور متفرق ہو گئے اور ایک دوسرے سے رل مل گئے اور باہمی اتنیاز بھی ختم ہو گیا تو اب دوبارہ زندہ ہونا ناممکن اور محال ہو گیا حق تعالیٰ نے اس کی تردید کے لیے ان آیات میں اپنے احاطہ علمی اور کمال قدرت کو بیان کیا تاکہ عقلی طور پر حشر و نشر کا امکان واضح ہو جائے کہ جس کے علم اور قدرت کی کوئی حد نہیں اس کے لیے دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے اللہ تعالیٰ تمام جزئیات کو اور تمام اجزاء اور ذرات کو خوب جانتا ہے اس کو معلوم ہے کہ یہ اجزاء کسی جسم اور کس بدن کے ہیں اس کو زید اور عمرو ہر ایک کے اجزاء الگ الگ معلوم ہیں وہ اپنے علم اور قدرت سے ان اجزاء کو پھر اسی طرح جوڑ سکتا ہے جس طرح اس نے پہلے جوڑا تھا۔ (دیکھو البحر المحیط: ۵/۳۲۸)

اللہ ہی خوب جانتا ہے جو ہر مادہ اپنے پیٹ میں اٹھائے ہوئے ہے یعنی یہ بات کہ پیٹ میں زہے یا مادہ، وہ ایک ہے یا دو یا اس سے زیادہ، ناقص ہے یا کامل اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے اور حالت حمل میں یہ بھی مقدر ہو جاتا ہے کہ کون ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا اور باوجود معجزات کے دیکھنے کے پھر بھی اپنے کفر پر قائم رہے گا اس تقریر سے آیت کا ماقبل سے ارتباط ظاہر ہو جائے گا اور رحموں کے گھٹنے اور بڑھنے کو بھی وہی جانتا ہے کہ رحم میں کتنے بچے ہیں اور بچے کتنے دنوں میں پیدا

= قسم یعنی یہی مخلوقات خدا تعالیٰ نے پیدا کی، کیا تمہارے دیوتاؤں نے ایسی کوئی چیز پیدا کی ہے جسے دیکھ کر ان پر خدائی کا شہ ہونے لگا۔ وہ تو ایک مکھی کا بڑا اور ایک مہر کی ٹانگ بھی نہیں بنا سکتے بلکہ تمام چیزوں کی طرح خود بھی اس اکیلے زبردست خدائی مخلوق ہیں۔ پھر ایسی ماجد و مجبور چیزوں کو خدائی کے تخت پر بٹھا دینا کس قدر کستلی اور شرف چشمی ہے۔

ہوگا اور ہر شے اس کے یہاں مقدار معین کے ساتھ ہے نہ اس سے کم ہو سکتی ہے اور نہ زیادہ اور ہر شے کی کیت اور کیفیت اسی کو پورے طور پر معلوم ہے کسی کو معلوم نہیں کہ اس نے کیا مقدر کیا ہے اور ہر امر کے لیے ایک وقت مقرر ہے اس سے پہلے اس کا ظہور میں آنا ناممکن ہے اور ہر چیز کی عدم سے وجود میں آنے سے پہلے اللہ کے علم میں مقدار معین ہے وہ جاننے والا ہے۔ چھپے اور کھلے کا کوئی چیز اس کے علم سے غائب نہیں وہ سب سے بڑا اور بلند ہے ہر شے اس کے مقابلہ میں حقیر اور صغیر ہے اس تک کسی کے خیال اور قیاس کی بھی رسائی نہیں تم میں سے جو شخص چھپا کر اپنے دل میں بات کہے اور جو اس کو پکار کر کہے اور جو شخص رات کے اندھیرے میں چھپا ہوا ہے اور جو دن میں چل رہا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں برابر ہیں رات دن اس کے حضور میں یکساں ہیں اللہ کا علم تمام کائنات کو محیط ہے اس کو ہر جسم اور ہر بدن کے اجزاء کا پورا پورا اور علیحدہ علیحدہ علم ہے مرنے کے بعد جب اجزائے بدن متفرق اور منتشر ہو گئے تو تمہاری نظر میں اگرچہ ان اجزائے متفرقہ میں امتیاز نہ رہا مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں سب ممتاز اور ایک دوسرے سے جدا ہیں اس کو معلوم ہے کہ یہ مذکر کا جزو ہے یا مؤنث کا جزو ہے اور اجزاء مٹی کے متعلق اس کو پورا علم ہے کہ یہ جزو سر کا ہے یا پیر کا ہے حالت حمل میں بھی بچے کے تمام اجزاء کا اس کو علم ہے اسی طرح سمجھو کہ مرنے اور گلنے اور سڑنے کے بعد بھی اس پر کسی جزو کا علم پوشیدہ نہیں جس طرح اس نے اپنے علم و قدرت سے پانی اور مٹی کے متفرق اجزاء کو جوڑ کر انسان پیدا کیا اسی طرح وہ توڑنے کے بعد پھر بھی جوڑنے پر قادر ہے یہاں تک اللہ تعالیٰ کے احاطہ علمی کو بیان کیا کہ وہ عالم الغیب ہے اور ذرہ ذرہ کو اس کا علم محیط ہے اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ وہ خداوند ذوالجلال و حقیقت و رقیب بھی ہے تمام عالم کا محافظ اور نگہبان ہے چنانچہ ہر آدمی کے لیے خواہ مومن ہو یا کافر اللہ کی طرف سے پہرہ دار فرشتے مقرر ہیں جو باری باری سے آنے والے ہیں اور بندہ کے آگے اور پیچھے سے اللہ کے حکم کے مطابق آفتوں اور بلاؤں سے حفاظت کرتے ہیں یہ فرشتے چونکہ یکے بعد دیگرے آتے ہیں اس لیے ان کو ﴿مُعَقَّبَاتٌ﴾ کہتے ہیں یہ فرشتے انسان کی ہر درندہ اور موذی جانور سے حفاظت کرتے ہیں اور جب اللہ کی تقدیر آتی ہے کہ آدمی کو کوئی گزند پہنچے تو یہ فرشتے تھوڑی دیر کے لیے اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں پھر بدستور اس کی حفاظت میں لگ جاتے ہیں ان فرشتوں کو حفیظہ بھی کہتے ہیں اور بظاہر یہ فرشتے کرانا کاتبین کے سوا ہیں جن کا کام بندہ کے اقوال و افعال کو لکھنا ہے کتابت اعمال کے لیے ہر انسان پر دو فرشتے مقرر ہیں یہ ساری عمر بندہ کے ساتھ رہتے ہیں بدلتے نہیں اور کرانا کاتبین کے علاوہ کچھ فرشتے انسان کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں وہ بدلتے رہتے ہیں دن کے محافظ علیحدہ ہیں اور رات کے محافظ علیحدہ ہیں جو انسان کی سانپ بچھو اور کیڑے مکوڑے سے حفاظت کرتے ہیں (تفسیر روح المعانی: ۱۳/۱۰۱ اور روح البیان: ۳/۳۵۰)

کرانا کاتبین بندہ کے اعمال کے نگہبان ہیں اور وہ دو ہیں ایک دائیں اور ایک بائیں ﴿عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَاعَيْنِ﴾ یہ دو فرشتے انسان سے کبھی جدا نہیں ہوتے ان دو کے علاوہ کچھ فرشتے انسان کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں آگے اور پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور بدلتے رہتے ہیں ان کی تعداد میں روایتیں مختلف ہیں بعض نے کہا کہ پانچ فرشتے ہیں اور بعض نے کہا دس اور بعض نے کہا بیس۔ (واللہ اعلم)

فائدہ:..... حق جل شانہ نے اس عالم کو عالم اسباب بنایا ہے ہر چیز کے لئے ظاہر میں ایک سبب ظاہری پیدا کیا ہے اسی طرح

اللہ تعالیٰ نے کچھ باطنی اسباب و ذرائع بھی پیدا کئے ہیں جن کو ہماری آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں انہی باطنی اسباب میں یہ ملائکہ و ﴿مُعَقَّبَاتٌ﴾ ہیں جو ہماری حفاظت کا ایک باطنی سبب ہیں غیبی طور پر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو ہم سے بلائیں دفع کرنے کا ایک سبب اور ذریعہ بنایا ہے مومن کا کام یہ ہے کہ ان کے وجود پر ایمان لائے جیسے کہ ہم کرنا کاتبین کے وجود مجھ پر ایمان رکھتے رہیں اگرچہ ہمیں ان کے قلم اور کاغذ اور روشنائی اور کتابت کی حقیقت اور کیفیت معلوم نہیں کہ وہ کیا ہے اور کیسی ہے (روح المعانی: ۱۰۲/۱۳)

یہ تو بندوں کے سامان حفاظت کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی حفاظت کے لیے کچھ فرشتے مقرر کیے ہیں جو ان سے بلائیں دفع کرتے ہیں اب آگے ان آفتوں اور بلاؤں اور مصیبتوں کا ذکر کرتے ہیں جو بد اعمالیوں کی وجہ سے بندوں پر نازل ہوتی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا اس معاملہ کو جو کسی قوم کے ساتھ ہو جب تک وہ خود اپنے دلوں کی حالت کو نہ بدلیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عطا کردہ مہربانی اور نگہبانی اور نعمت اور عافیت سے کسی قوم کو محروم نہیں کرتا جب تک وہ اپنی چال کو اللہ کے ساتھ نہ بدلیں جب وہ اپنی روش اللہ کے ساتھ بدل دیتے ہیں اور بجائے شکر نعمت کے کفران نعمت اور غفلت میں مبتلا ہو جاتے ہیں تب اللہ کی طرف سے آفت اور مصیبت آتی ہے جب تم اللہ کے ساتھ غیروں کا معاملہ کرنے لگتے ہو تو اللہ بھی غیروں کا معاملہ کرنے لگتے ہیں بندے جب اپنی حالت بدل دیتے ہیں کہ بجائے طاعت کے معصیت کرنے لگتے ہیں تو اللہ بھی ان سے اپنے فضل اور عنایت کو اٹھالیتا ہے۔

جب کسی قوم میں علانیہ طور پر فسق و فجور اور بدکاری شائع ہو جاتے تو وہ قوم چند روز میں تباہ ہو جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے اور تاریخ اس کی گواہ ہے اور جب اللہ ارادہ کرے کسی قوم کے ساتھ برائی کا یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے بوجہ بدعتی اور بد اعمالی اپنی نعمت چھین کر ان کی ذلت و خواری کا ارادہ فرمائیں تو پھر وہ برائی اور بلا کسی کے نالے نہیں ملتی اور ایسے وقت میں سوائے خدا کے کوئی مددگار نہیں ہوتا جو بلا کو دفع کر سکے حتیٰ کہ وہ فرشتے جو ان کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں وہ بھی تھوڑی دیر کے لیے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور برائی سے ہلاکت اور آفت مراد ہے وہ وہ ہے جو تم کو ڈرانے اور امید دلانے کے لیے بجلی دکھاتا ہے بجلی جب چمکتی ہے تو لوگ اس سے بارش کی امید کرتے ہیں اور اس کے گرنے سے ڈرتے بھی ہیں ایک ہی چیز میں دو متضاد صفتوں کا جمع ہونا خدا کا کمال قدرت کی دلیل ہے گویا کہ ایک ہی شے نعمت بھی ہے اور عذاب اور مصیبت بھی اس طرح خدا تعالیٰ نے ایک ہی شے میں اپنا لطف اور قہر دو متضاد چیزوں کو جمع کر دیا اور ”برقی“ اس نور لامع اور سا طبع کو کہتے ہیں جو ابر کے درمیان سے چمکتا ہے اور وہ ہی اپنی قدرت سے ہوا میں بوجھل بادلوں کو اٹھاتا ہے جو ہزاروں ٹن پانی سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور مجال نہیں کہ بغیر اس کے حکم کے کسی جگہ برس جائیں اور نہ کسی کی یہ مجال کہ ان بادلوں میں سے اپنی ضرورت کے موافق پانی کا ایک قطرہ لے سکے اور گرج حمد و ثنا کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے اس کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں فرشتوں کا تسبیح و تحمید کرنا اور خدا کی عظمت و جلال کو بیان کرنا بظاہر ایک معقول امر ہے مگر رعد یعنی (گرج) کا بظاہر تسبیح و تحمید کرنا قابل غور معلوم ہوتا ہے اس سے بعض علماء اس طرف چلے گئے کہ گرج کی تسبیح و تحمید کا مطلب یہ ہے کہ گرج سے خدا کی کمال قدرت ظاہر ہوتی ہے جس کو سن کر اہل عرفان کی زبان سے بے ساختہ سبحان اللہ اور

الحمد للہ نکل جاتا ہے اس مطلب کا حاصل یہ ہے کہ تسبیح کی اسناد رعد کی طرف مجازی ہے اور مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک رعد ایک فرشتہ کا نام ہے جو صاحب (بادل) پر مقرر ہے پس اگر رعد ایک فرشتہ کا نام ہے تو پھر اس کی تسبیح و تحمید میں کوئی استبعاد نہیں جیسا کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک فرشتہ کی تسبیح پڑھنے کی آواز ہے جو بادلوں کو چلاتا ہے اور اس وقت تسبیح پڑھتا ہے جسے عوام الناس بادل کی آواز سمجھتے ہیں ورنہ حقیقت یہ آواز اس کی تسبیح کی ہے اور اس فرشتہ کے ہاتھ میں آتشی تازیانہ ہوتا ہے جس سے وہ بادلوں کو ہنکاتا ہے اس سے جو چمک ظاہر ہوتی ہے وہ برق (بجلی) ہے اور وہ کوڑا جس سے ابر کو مارنے ہے اس کی آواز رعد ہے اور صاعقہ ایک آگ ہے جو بادلوں میں پیدا ہوتی ہے جب نیچے آتی ہے تو جس چیز پر گرتی ہے تو اس کو جلا کر بھس کر دیتی ہے اور محققین یہ فرماتے ہیں کہ اگر رعد محض آواز کا نام بھی ہو تب بھی تسبیح و تحمید کی اسناد اس طرف حقیقی ہے اگرچہ وہ ہمارے فہم میں نہ آئے حق تعالیٰ کا ارشاد **لَوْ اَنَّ مِنَ الشَّيْءِ مَا لَا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيحَهُمْ** یعنی کوئی شے ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح و تحمید نہ کرتی ہو مگر اے بنی آدم تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں حضرت سلیمان علیہ السلام پر بندوں کی بولی سمجھتے تھے اور باقی لوگ نہیں سمجھتے تھے اور وہ اس کی یہ ہے کہ بارگاہ خداوندی میں ہر چیز کی ایک خاص حقیقت ہے جیسے نماز اور روزہ اور قراءت قرآن اور سورۃ بقرہ آل عمران وغیرہ ہمارے اعتبار سے یہ تمام چیزیں اعراض اور غیر قائم بنفسہ ہیں لیکن اصل حقیقت ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے اسی طرح سمجھو کہ رعد ہمارے اعتبار سے اگرچہ محض ایک آواز ہو لیکن بارگاہ خداوندی میں اس کی کوئی پوشیدہ حقیقت ہو فرشتہ ہو یا کوئی شے ہو اور وہ حقیقتاً خدا کی تسبیح و تحمید کرتی ہو تو اللہ تعالیٰ کی خبر کے مطابق اس کی تصدیق واجب اور لازم ہے گو ہماری فہم میں نہ آئے پس جان لینا چاہئے کہ گرج کی یہ آواز جو ہماری سمجھ میں خالی آواز معلوم ہوتی ہے وہ درحقیقت سبحان اللہ و بحمدہ کے معنی رکھتی ہے اور تسبیح پڑھنے والی چیز درحقیقت رعد ہے پس مسلمان کا کام یہ ہے کہ زیادہ تحقیق میں نہ پڑے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جو فرما دیا اس کو تسلیم کرے اور جو غیر مسلم ہے وہ ان باتوں کو کسی طرح بھی ماننے والا نہیں اس عالم کے احوال کو اس عالم کے احوال پر قیاس کرنا سراسر نادانی ہے اور جس خبر اور اثر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رعد ایک فرشتہ کا نام ہے جو بادلوں پر مقرر ہے اور جو آواز سنائی دیتی ہے وہ فرشتہ کی آواز ہوتی ہے سو یہ خبر اگرچہ آحاد میں سے ہے متواتر اور قطعی نہیں لیکن احوط یہ ہے کہ حدیث کی مخالفت نہ کی جائے اگرچہ وہ آحاد ہی کیوں نہ ہو جب تک اس کے خلاف کوئی قطعی دلیل قائم نہ ہو جائے عقلاً یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ پیدا کر کے بارش کا انتظام اس کے سپرد کیا ہو اور اس کے ہاتھ میں آگ کا کوڑا ہو جس سے وہ بادلوں کو ہانکتا ہو اور یہ رعد اس فرشتہ کی آواز ہو اور یہ برق اس کے کوڑے کی شراروں کی چمک ہو (واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم) غرض یہ کہ رعد اور برق اس کے قہر کی نشانیاں ہیں جس سے بندوں کو ڈراتا ہے اور ان سے بڑھ کر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں گرنے والی بجلیاں بھیجتا ہے پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور اس کو ہلاک کر دیتا ہے اور یہ کافر لوگ اللہ کے قہر کی پروا نہیں کرتے بلکہ یہ لوگ اللہ کی قدرت اور قہر کے بارے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ وہ سخت قوت والا ہے دشمن اس کے قبضہ قدرت سے نکل نہیں سکتے۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عرب کے ایک متکبر رئیس کے پاس دعوت اسلام کا پیغام بھیجا وہ متکبر بولا کہ

اللہ کا رسول کون ہے؟ اور اللہ کیا چیز ہے؟ سونے کا ہے یا چاندی کا یا تانبے کا؟ تیسری مرتبہ جب اس نے یہ گستاخانہ الفاظ کہے



تو فوراً ایک بادل اٹھا اور اس پر بجلی گری جس سے اس کی کھوپڑی اڑ گئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اب قدرت کی ان بڑی بڑی نشانیوں کو بطور نتیجہ ارشاد فرماتے ہیں خدائے برحق ہی کے لیے سزاوار ہے سچی دعا اور پکار یعنی اس سے دعا مانگنا اور اسی کا یاد رکھنا اور اسی کی طرف رجوع کرنا صحیح اور درست ہے کیونکہ وہ دعاؤں کو سنتا ہے اور حاجت روا ہے اور جو لوگ اس کے سوا اور معبودوں کو پکارتے ہیں وہ معبود ان کو ان کی پکار کا کچھ جواب نہیں دے سکتے ان کا پکارنا ایسا ہے جیسے کوئی پیاسا شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے تاکہ وہ پانی آپ سے آپ اس کے منہ تک پہنچ جائے اور وہ پانی اس تک پہنچنے والا نہیں کیونکہ پانی جماد ہے بے حس ہے اور بے شعور ہے اور نہ اسے ہاتھ پھیلانے والے کی خبر، نہ اس کی پیاس کی خبر اور نہ اس میں یہ قدرت کہ پکارنے والے کی پکار کا جواب دے سکے، بعینہ یہ مثال مشرکوں اور ان کے معبودوں کی ہے ان کے معبود نہ ان کی دعا کو سنتے ہیں اور نہ یہ ان کو جواب دے سکتے ہیں غرض مشرکوں کا بتوں کو پکارنا محض بے سود ہے اور کافروں کی اپنے بتوں کو جس قدر بھی پکارے وہ سب بے کار ہے بتوں کو پکارنا یہ دعوت جہالت و ضلالت ہے جو مفضی الی الہلاکت ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ خدا ہی کی پرستش ٹھیک ہے اور اس کے غیر کی پرستش بالکل رائیگاں ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پیاسا پانی کے پاس جا کر اس بات کا منتظر رہے کہ یہ پانی میرے منہ میں آجائے حالانکہ وہ کبھی آپ سے آنے والا نہیں اس طرح غیر اللہ کی پرستش سے جو لوگ نفع کے امیدوار ہیں ان کی امید کبھی بر آنے والی نہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کافر جن کو پکارتے ہیں بعضے خیال ہیں اور بعضے جن ہیں اور بعض ایسی چیزیں ہیں کہ ان میں کچھ خواص ہیں لیکن اپنے خواص کے مالک نہیں پھر کیا حاصل ان کا پکارنا جیسے آگ یا پانی اور شاید ستارے بھی اسی قسم میں ہوں یہ اس کی مثال فرمائی (انتہی)

اس کے بعد پھر حق تعالیٰ اپنی عظمت اور کبریائی کو بیان فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق اس کی مسخر ہے اور اس کے سامنے ذلیل و خوار ہے اور غیر اللہ کی پرستش عقلاً اس لیے بھی بے کار ہے کہ تمام کائنات اللہ کے سامنے سربسجود ہے کیونکہ اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے کوئی خوشی سے اور کوئی ناخوشی سے، کوئی خوشی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالاتا ہے اور جو خدا پر یقین نہیں رکھتا اس پر اللہ تعالیٰ کا حکم جاری ہوتا ہے اس کے خلاف نہیں کر سکتا اور ان زمین والوں کے سائے بھی صبح اور شام کے اوقات میں سجدہ کرتے ہیں یعنی سائے بھی خدا کے حکم بردار ہیں جب گھٹاتا ہے گھٹ جاتے ہیں اور جب بڑھاتا ہے تو بڑھ جاتے ہیں اور سایوں کا گھٹنا اور بڑھنا صبح اور شام کے اوقات میں زیادہ ہوتا ہے اور کائنات کا یہ سجدہ اللہ کی عظمت اور جلال کی خبر دیتا ہے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کافر تو غیر اللہ کو سجدہ نہیں کرتے ہیں مگر ان کا سایہ اللہ کو سجدہ کرتا ہے۔ ابن انباری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ظلال کے لیے عقول اور افہام پیدا کر دے جس سے وہ اللہ کو سجدہ کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو فہم دیا اور وہ اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں اسی طرح سمجھو کہ مومن کا سایہ اللہ کو طوعاً سجدہ کرتا ہے اور کافر کا سایہ کرہاً سجدہ کرتا ہے۔ (تفسیر کبیر: ۵/۱۹۸)

ف:..... انسانی سجدہ کے معنی زمین پر پیشانی رکھ دینے کے ہیں اور انسان کے علاوہ دوسری چیزوں کا سجدہ ان کے لائق اور

مناسب ہے۔

ف:..... یہ سجدہ عزائم سجد میں سے ہے اس آیت کو پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔

یہاں تک توحید کی حقانیت اور شرک کا بطلان واضح ہو گیا اب بطور اتمام حجت ان سے سوالات کا حکم دیا جاتا ہے اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان مشرکوں سے جو خدا کے سوا اوروں کو پوجتے ہیں پوچھئے کون ہے رب آسمانوں اور زمین کا یعنی ان کا مدبر اور خالق کون ہے جو ان کو قائم رکھنے والا اور ان کے وجود کو تھامنے والا ہے اور چونکہ اس کا جواب متعین ہے اس لیے آپ ﷺ جواب میں کہہ دیجئے کہ اللہ ہے یعنی آپ ﷺ ان کے جواب کا انتظار فرمائیے خود ہی کہہ دیجئے کہ اللہ ہے اس سوال کا صرف یہ ایک ہی جواب ہو سکتا ہے اس لیے ان کے جواب کا آپ ﷺ انتظار نہ کیجئے نیز وہ خود بھی خدا کے خالق اور مالک اور مدبر ہونے کے منکر نہیں اے نبی ﷺ! ان مشرکوں سے پوچھئے کہ کیا پس اس اقرار و اعتراف کے بعد تم نے اللہ کے سوا کارساز پکڑے ہیں جو اپنی ذاتوں کے لیے بھی کسی نفع اور ضرر کے مالک نہیں تو غیر کی کیا مدد کریں گے پوچھئے کیا اندھا یعنی مشرک اور بیٹا یعنی مومن برابر ہے یا کفر و شرک کی تاریکیاں اور ایمان کی روشنی برابر ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح اندھا اور بیٹا اور اندھیرا اور اجالا برابر نہیں اسی طرح مومن اور کافر اور ایمان اور کفر برابر نہیں مومن بیٹا ہے وہ راہ حق کو دیکھتا ہے اور کافر اندھا ہے اس کو راہ حق دکھائی نہیں دیتی کیا انہوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں کہ انہوں نے بھی کسی چیز کو پیدا کیا ہو جیسے خدا نے پیدا کیا پھر اس وجہ سے پیدائش ان کی نظر میں مشتبہ ہو گئی اور شبہ میں پڑ گئے کہ یہ بھی خالق ہے اور وہ بھی خالق ہیں ہم کس کو معبود مانیں مطلب یہ ہے کہ کیا ان معبودوں نے بھی کوئی چیز پیدا کی ہے جس سے تم پر اللہ کی مخلوق اور غیر اللہ کی مخلوق مشتبہ ہو گئی ہے اس لیے تم نے ان کو اللہ کا شریک اور سا جھی بنا لیا اور اس اشتباہ کی وجہ سے تم نے غلطی سے کسی چیز کو خالق مان لیا اگر ایسا ہوتا تو ایک حد تک معذور ہو سکتے تھے لیکن جب یہ بات بھی نہیں تو پھر کیا آفت آئی کہ شرک کی بلا میں گرفتار ہوئے یعنی یہ بات تو نہیں پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود ٹھہرائے ہوئے ہیں اگر مخلوقات عالم میں ذرا غور کریں اور عقلوں سے کام لیں تو تمام اشیاء کا خالق اللہ تعالیٰ ہی کو پائیں گے اس لیے اے نبی! آپ ﷺ ان مشرکوں سے کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی اپنی ذات صفات میں یکتا ہے اور سب پر غالب ہے اور اس کے سوا جو ہے وہ مغلوب ہے اور مغلوب خدا اور معبود نہیں ہو سکتا۔

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَهُ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا وَمِمَّا

اتارا اس نے آسمان سے پانی پھر پہنے لگے نالے اپنی اپنی موافق پھر اوپر لے آیا وہ نالا جھاگ پھولا ہوا اور جس چیز کو اتارا آسمان سے پانی، پھر بھرے نالے اپنے اپنے موافق، پھر اوپر لایا وہ نالا جھاگ پھولا ہوا۔ اور جس چیز کو

يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلَهُ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ

دھونکتے ہیں آگ میں واسطے زیور کے یا اسباب کے اس میں بھی جھاگ ہے دیا ہی یوں بیان کرتا ہے اللہ حق دھونکتے ہیں آگ میں واسطے زیور کے یا اسباب کے، اس میں بھی جھاگ ہے دیا ہی۔ یوں ٹھہراتا ہے اللہ صحیح

وَالْبَاطِلُ + فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ؕ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي

اور باطل کو سو وہ جھاگ تو جاتا رہتا ہے سوکھ کر اور وہ جو کام آتا ہے لوگوں کے سو باقی رہتا ہے اور غلط۔ سو وہ جو جھاگ ہے سو جاتا ہے سوکھ کر۔ اور وہ جو کام آتا ہے لوگوں کے، سو رہتا ہے

الْاَرْضِ ۚ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿۱۶﴾

زمین میں اس طرح بیان کرتا ہے اللہ مثالیں

زمین میں۔ یوں بتاتا ہے اللہ کہاوتیں۔

### مثال حق و باطل

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا... اِلَى... يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ﴾  
 ربط: ..... گزشتہ آیت میں کافروں کو اندھوں سے اور مسلمانوں کو پیمانے اور کفر کو ظلمت سے اور اسلام کو نور سے تشبیہ دی اب ان آیات میں حق و باطل کی دو مثالیں بیان فرمائے ہیں ایک پانی کی اور ایک آگ کی چنانچہ فرماتے ہیں۔

### پہلی مثال

اس واحد قہار نے آسمان سے پانی اتارا پھر نالے اس پانی سے اپنے اپنے اندازے کے مطابق بہہ پڑے یعنی پانی تو آسمان سے یکساں برسا مگر ہرنالے میں بقدر اس کی وسعت اور عمق کے سایا اسی طرح آسمان سے قرآن کریم نازل ہوا اور قلوب کی زمینوں نے بقدر اپنی صلاحیت اور وسعت کے اس آسمانی باران رحمت کا اثر قبول کیا اور ہر ایک اپنی استعداد کے مطابق اور موافق فیض لیتا ہے جیسے ہر وادی اپنی وسعت کے مطابق پانی لیتی ہے پھر اٹھایا اس سیلاب کے پانی نے اپنے اوپر ایک پھولا ہوا جھاگ۔ سیلاب میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک خالص پانی اور دوسرا میل کچیل اور فل آسمان کی طرف سے بارش اتری جس سے ندی نالے بہہ پڑے۔ ہرنالے میں اس کے طرف اور گنجائش کے موافق جتنا ندانے چاہا پانی جاری کر دیا چھوٹے میں کم بڑے میں زیادہ۔ پانی جب زمین پر رواں ہوا تو مٹی اور کوڑا کرکٹ ملنے سے گدلا ہو گیا۔ پھر میل کچیل اور جھاگ بھول کر ادب آیا۔ جیسے تیز آگ میں چاندی تانبہ لوہا اور دوسری معدنیات بگھلاتے ہیں تاکہ زیور برتن اور تھیلا وغیرہ تیار کریں اس میں بھی اسی طرح جھاگ اٹھتا ہے مگر تھوڑی دیر بعد خشک یا منتشر ہو کر جھاگ جاتا رہتا ہے اور جو اصلی کارآمد چیز تھی (یعنی پانی یا پگھلی ہوئی معدنیات) وہی زمین میں یا زمین دالوں کے ہاتھ میں باقی رہ جاتی ہے۔ جس سے مختلف طور پر لوگ منتفع ہوتے ہیں۔ یہی مثال حق و باطل کی سمجھو۔ جب وحی آسمانی دین حق کو لے کر اترتی ہے تو قلوب نبی آدم اپنے اپنے عرف اور استعداد کے موافق فیض حاصل کرتے ہیں۔ پھر حق اور باطل باہم بھڑ جاتے ہیں تو میل ابھرتا ہے۔ بظاہر باطل جھاگ کی طرح حق کو دبایا ہے لیکن اس کا یہ ابال عارضی اور بے بنیاد ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس کے جوش و خروش کا پتہ نہیں رہتا۔ خدا جانے کدھر گیا۔ جو اصلی اور کارآمد چیز جھاگ کے نیچے دبی ہوئی تھی (یعنی حق و صداقت) بس وہی رہ گئی دیکھو! خدا کی بیان کردہ مثالیں کسی عجیب ہوتی ہیں۔ کیسے موثر طرز میں سمجھایا کہ دنیا میں جب حق و باطل بھڑتے ہیں یعنی دونوں کا جنگی مقابلہ ہوتا ہے تو کھو برائے چند سے باطل اور جھاگ بھولا ہوا نظر آئے، لیکن آخر کار باطل کو منتشر کر کے حق ہی ظاہر و غالب ہو کر رہے گا کسی مومن کو باطل کی عارضی نمائش سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ اسی طرح کسی انسان کے دل میں جب حق اتر جائے کچھ دیر کے لیے اوہام و وساوس زور شور دکھائیں تو گھبرانے کی بات نہیں تھوڑی دیر میں یہ ابال مٹھ جائے گا اور خالص حق ثابت و مستقر رہے گا۔ گزشتہ آیات میں چونکہ توحید و شرک کا مقابلہ کیا گیا تھا اس مثال میں حق و باطل کے مقابلہ کی کیفیت، جمادی آگے دونوں کا انجام بالکل کھول کر بیان کرتے ہیں۔

جھاگ یہ اوپر ہوتا ہے اور خالص پانی نیچے دبا ہوا ہوتا ہے پس اسی طرح سمجھو کہ حق خالص پانی کی طرف ہے جس پر زندگی کا دار و مدار ہے اور باطل مثل جھاگ کے ہے کسی وقت باطل حق کو دبا بھی لیتا ہے لیکن باطل کا یہ ابال عارضی اور بے بنیاد ہوتا ہے تھوڑے سے جوش و خروش کے بعد اس کا نام و نشان بھی نہیں رہتا اور اصل کار آمد چیز یعنی حق اور صداقت کا آب حیات وہ باقی رہ جاتا ہے۔

### دوسری مثال

اور حق و باطل کی دوسری مثال یہ ہے کہ جس دھات کو زیور بنانے کے لیے یا اور کوئی چیز بنانے کے لیے آگ میں تپاتے ہیں اور پگھلاتے ہیں تو اصلی دھات سونا اور چاندی تو نیچے رہ جاتا ہے اور ویسا ہی جھاگ اور میل پکیل اوپر آ جاتا ہے جو محض بے کار ہے اور اصلی سونا چاندی اس جھاگ کے نیچے دبا ہوا ہے اس طرح حق تعالیٰ حق اور باطل کی مثال بیان کرتے ہیں بہر حال جو کف اور جھاگ ہے وہ تو خشک ہو کر چلا جاتا ہے اسی طرح باطل اگر کسی وقت حق پر غالب بھی آ جائے تو اس کو ثبات اور قرار نہیں اور وہ چیز جو لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے جیسے صاف پانی اور خالص جوہر وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے یعنی اس کو قرار اور ثبات ہے اسی طرح دین حق کو قرار و ثبات ہے وہ باقی رہ جاتا ہے اور باطل جو مثل جھاگ کے ہے وہ مٹ جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ لوگ باطل کے ظاہری اور عارضی اور چند روز غلبہ سے شبہ میں نہ پڑیں حق صاف و شفاف پانی یا اصلی جوہر کے مشابہ ہے اور باطل مثل میل پکیل کے ہے اگرچہ ظاہر میں وہ اصلی جوہر سے اونچا نظر آتا ہے مگر بہت جلد فنا ہو جاتا ہے یا پھینک دیا جاتا ہے۔

گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے توحید اور شرک کا مقابلہ بیان کیا تھا اب ان آیات میں دو مثالوں سے حق اور باطل کے مقابلہ کی کیفیت بیان فرمادی اور آئندہ آیات میں دونوں کا انجام کھول کر بیان کرتے ہیں۔

لِّلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ الْحُسْنٰى ۝ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيبُوْا لَهُ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي

جنہوں نے مانا اپنے رب کا حکم ان کے واسطے بھلائی ہے **فِ** اور جنہوں نے اس کا حکم نہ مانا اگر ان کے پاس ہو جو کچھ کہ جنہوں نے مانا ہے اپنے رب کا حکم، ان کو بھلائی ہے، اور جنہوں نے اس کا حکم نہ مانا، اگر ان پاس ہو جتنا کچھ

الْاَرْضِ بِجَمِيْعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۚ وَمَا وَّابَهُمْ

زمین میں ہے سارا اور اتنا ہی اس کے ساتھ اور تو سب دیویں اپنے بدلہ میں **فِ** ان لوگوں کے لیے ہے برا حساب **فِ** اور ٹھکانا ان کا زمین میں ہے سارا، اور اس کے برابر ساتھ اس کے، سب دیں اپنی چھڑوائی میں۔ ان لوگوں کو ہے برا حساب۔ اور ٹھکانا ان کا

**فِ** یعنی ایمان عمل صالح اختیار کرنا ان کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی ہے، حقیقی خوشی اور قلمی طمانیت و سکون ان کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ **فِ** یعنی یہاں تو خیر جس طرح گزرے لیکن آخرت میں ان کی حالت ایسی پریشانی اور گہرا ہت کی ہوگی کہ اگر تمام دنیا کے خزانے ان کے ہاتھ میں ہوں بلکہ اسی قدر اور بھی تو تمنا کریں گے کہ ہم یہ سب فدیہ میں دے کر اس پریشانی سے چھوٹ جائیں۔ **وَأَتٰى لَهُمْ ذٰلِكَ**۔ **فِ** یعنی حساب میں کسی قسم کی رعایت اور درگزر نہ ہوگی ایک ایک بات پر پوری طرح پکڑے جائیں گے۔

جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْبِهَادُ ﴿۱۸﴾ اَمَّنْ يَّعْلَمُ اَمَّا اَنْزَلَ اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقَّ كَمَنْ هُوَ

دوزخ ہے اور وہ بری آرام کی جگہ ہے بھلا جو شخص جانتا ہے کہ جو کچھ اترا تجھ پر تیرے رب سے حق ہے برابر ہو سکتا ہے اس کے دوزخ ہے۔ اور بری ہے تیاری۔ بھلا جو شخص جانتا ہے کہ جو کچھ اترا تجھ کو تیرے رب سے، تحقیق ہے، برابر ہوگا اس کے

هُوَ اَعْمٰی ۖ اِمَّا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ يُؤْفَوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ

جو کہ اندھا ہے سمجھتے وہی ہیں جن کو عقل ہے فدا وہ لوگ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو اور نہیں توڑتے جو اندھا ہے؟ وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے۔ وہ جو پورا کرتے ہیں اقرار اللہ کا اور نہیں توڑتے

الْمِيْعٰقِ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ

اس عہد کو فدا اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں جس کو اللہ نے فرمایا ملانا فدا اور ڈرتے ہیں اپنے رب سے اور اندیشہ رکھتے ہیں اقرار۔ اور وہ کہ جوڑتے ہیں جو اللہ نے فرمایا جوڑنا، اور ڈرتے ہیں اپنے رب سے، اور اندیشہ رکھتے ہیں

سُوْءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوْا اَبْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا

برے حساب کا فدا اور وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا خوشی کو اپنے رب کی فدا اور قائم رکھی نماز اور خرچ کیا برے حساب کا۔ اور وہ جو ثابت رہے، چاہتے توجہ اپنے رب کی، اور کھڑی رکھی نماز، اور خرچ کیا

رَزَقْنَهُمْ سِرًّا وَّعَلٰنِيَةً وَيَدْعَوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾

ہمارے دیئے میں سے پوشیدہ اور ظاہر فدا اور کرتے ہیں برائی کے مقابلہ میں بھلائی فدا ان لوگوں کے لیے ہے آخرت کا گھر ہمارے دیئے میں سے چھپے اور کھلے، اور کرتے ہیں برائی کے مقابلہ بھلائی، ان لوگوں کو ہے پچھلا گھر۔

۲۱ مومن و کافر دونوں کا الگ الگ انجام ذکر فرمانے کے بعد متنبہ کرتے ہیں کہ ایسا ہونا عین عقل و حکمت کے موافق ہے کوئی عقل مند یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایک نہیٹ اندھا جسے کچھ نظر نہ آئے یوں ہی اناپ ٹاپ اندھیرے میں بڑا ٹھوکر میں کھار ہوا، اس شخص کی برابری کر سکتا ہے جس کے دل کی آغوش کھلی ہیں اور پوری بصیرت کے ساتھ حق کی روشنی سے مستفید ہو رہا ہے۔

۲۲ یعنی اللہ سے جو عہد ازل میں ہو چکا ہے (عہد الست) جس پر انسان کی فطرت خود گواہ ہے اور جو انبیاء کی زبانی عہد لیے گئے ان سب کو پورا کرتے ہیں کسی کو توڑتے نہیں۔ نیز بذات خود کسی معاملہ میں خدا سے یا بندوں سے جو عہد و پیمانہ باندھتے ہیں (بشرطیکہ معصیت نہ ہو) اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

۲۳ یعنی صلہ رچی کرتے ہیں۔ یا ایمان کو عمل کے ساتھ یا حقوق العباد کو حقوق اللہ کے ساتھ ملاتے ہیں۔ یا اسلامی اخوت کو قائم رکھتے ہیں۔ یا انبیاء علیہم السلام میں تفریق نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں کسی کو نہ مانیں۔

۲۴ یعنی حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کا تصور کر کے لرزاں درساں رہتے ہیں اور یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ دیکھتے وہاں جب ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا، کیا صورت پیش آئے گی۔ ۲۵ یعنی معائب و شدائد اور دنیا کی مکروہات پر صبر کیا کسی سختی سے گھبرا کر کاعانت کے راستہ سے قدم نہیں بٹایا نہ معصیت کی طرف بھٹکے اور صبر و استقلال محض حق تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دکھلایا، اس لیے نہیں کہ دنیا انھیں بہت صابر اور مستقل مزاج کہے۔ نہ اس لیے کہ بجز صبر کے چارہ نہ رہا تھا مجبور ہو گئے تو صبر کر کے بیٹھ رہے۔

۲۶ پوشیدہ کو شاید اس لیے مقدم رکھا کہ پوشیدہ خیرات کرنا افضل ہے۔ بلا یہ کہ نہیں مصلحت شرعی علانیہ دینے میں ہو۔

۲۷ یعنی برائی کا جواب بھلائی سے دیتے تھے۔ سختی کے مقابلہ میں نرمی رہتے ہیں۔ کوئی ظلم کرتا ہے یہ معاف کرتے ہیں (بشرطیکہ معافی سے برائی کے ترقی =

**جَنَّتٍ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ**

باغ میں رہنے کے لیے داخل ہوں گے ان میں اور جو نیک ہوئے ان کے باپ دادوں میں اور جو روؤں میں اور اولاد میں قرآن اور فرشتے باغ میں رہنے کے لیے داخل ہوں گے ان میں اور وہ جو نیک ہوئے ان کے باپ دادوں میں اور جو روؤں میں اور اولاد میں اور فرشتے

**يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۱۲﴾ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَبِعِزَّتِ الْعُقَبِيِّ الدَّارِ ﴿۱۳﴾**

آئیں ان کے پاس ہر دروازے سے کہیں گے سلامتی تم پر بدلے اس کے کہ تم نے صبر کیا، سو خوب ملا عاقبت کا گھر قرآن آتے ہیں ان پاس ہر دروازے سے۔ کہتے ہیں، سلامتی تم پر بدلے اس کے کہ تم ثابت رہے، سو خوب ملا پچھلا گھر۔

**وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ**

اور جو لوگ توڑتے ہیں عہد اللہ کا مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کو فرمایا اللہ نے جوڑنا اور جو لوگ توڑتے ہیں اقرار اللہ کا، اس کو پکا کر کر، اور کاٹتے ہیں جو چیز کہا اللہ نے اس کو جوڑنا،

**وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿۱۴﴾**

اور فساد اٹھاتے ہیں ملک میں ایسے، لوگ ان کے واسطے ہے لعنت، اور ان کے لیے ہے برا گھر قرآن اور فساد اٹھاتے ہیں ملک میں۔ ایسے لوگ، ان کو ہے لعنت، اور ان کو ہے برا گھر۔

= کرنے کا اندیشہ ہو، بدی سے بچ کر کئی اختیار کرتے ہیں۔ اگر کبھی کوئی برا کام ہو جاتا ہے تو اس کے مقابلہ میں بھلا کام (یعنی توبہ اور اس عہد کی طاعت) کرتے ہیں۔

قرآن یعنی جن میں ہمیشہ رہیں گے۔

قرآن ۱۲ "آباء" کا لفظ تغلیباً کہا ہے جس میں امہات (مائیں) بھی شامل ہیں۔ یہ جنت کی بشارت کے ساتھ مزید خوشخبری سنائی کہ ایسے کاملین کو جن کی خصال اور بیان ہوئیں جنت میں ایک نعمت و مسرت یہ حاصل ہوگی کہ وہ اور ان کے ماں باپ، اولاد، بیویاں، جو اپنی نیکی کی بدولت داخل جنت کے لائق ہوں سب اکٹھے رہیں گے۔ حتیٰ کہ ان متعلقین میں سے اگر کوئی کم تر ہے ہوگا تو حق تعالیٰ اپنی نوازش و مہربانی سے درجہ بڑھا کر اس مرد کامل سے نزدیک کر دے گا۔ ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ كَرِهُوا﴾ اس سے معلوم ہوا کہ بدون ایمان و عمل صالح کے محض کاملین کی قرابت کافی نہیں ہاں ایمان و عمل صالح موجود ہو تو تعلق قرابت سے کچھ ترقی درجات ممکن ہے۔ واللہ اعلم۔

قرآن صحیح حدیث میں جنت کے آٹھ دروازے بیان ہوئے ہیں مطلب یہ ہے کہ ان کاملین کی تعظیم و بحکم کے لیے خدا کے پاک فرشتے ہر طرف سے تحائف و ہدایا لے کر حاضر ہوں گے۔ احادیث میں ہے کہ خلق اللہ میں سے اول وہ فقراء مہاجرین جنت میں داخل ہوں گے جو سختیوں اور لڑائیوں میں سینہ سپر ہوتے اور رخصت ہو گئے۔ قیامت کے دن حق تعالیٰ فرمائے گا میرے وہ بندے کہاں ہیں (م حاضر ہوں) جو میرے راستے میں لڑے، میرے لیے تکلیفیں اٹھائیں اور جہاد کیا۔ جاؤ جنت میں بے کھٹکے داخل ہو جاؤ۔ پھر ملائکہ کو حکم ہوگا کہ میرے ان بندوں کے پاس حاضر ہو کر سلام کرو۔ وہ عرض کریں گے خداوند! ہم تیری بہترین مخلوق ہیں کیا ہم بارگاہ قرب کے رہنے والوں کو حکم دیتے ہیں کہ ان زمینی باشندوں کے پاس حاضر ہو کر سلام کریں۔ ارشاد ہوگا، ہاں یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے توحید پر جان دی، دنیا کے سب ارمان اپنے سینوں میں لے کر چلے آئے، میرے راستے میں جہاد کیا اور ہر تکلیف کو خوشی سے برداشت کرتے رہے۔ یہیں کہ فرشتے ہر طرف سے ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور کہیں گے ﴿سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَبِعِزَّتِ الْعُقَبِيِّ الدَّارِ﴾ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال آغا میں قبور شہداء پر تشریف لے جاتے اور فرماتے ﴿سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَبِعِزَّتِ الْعُقَبِيِّ الدَّارِ﴾ یہی طرز عمل ابو بکر عمر =

## ذکر حال و مال محققین و مبطلین

كَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ اَلْحُسْنٰی... الی... اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللّٰعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْرَةُ النَّارِ ﴿۳۱﴾

رہا:..... گزشتہ آیات میں حق اور باطل کی مثال بیان فرمائی اب ان آیات میں اہل حق اور اہل باطل کا حال اور مال بیان کرتے ہیں ایک گروہ وہ ہے جس نے دعوت کو قبول کیا یہ گروہ سعادت کا ہے اور ایک گروہ وہ ہے جس نے دعوت حق کو قبول نہیں کیا یہ گروہ اشیاء کا ہے ان آیات میں اخلاق و اعمال کے اعتبار سے سعادت اور اشیاء کے فرق کو بیان کرتے ہیں تاکہ دونوں گروہوں کا فرق معلوم ہو جائے مبادا کوئی نادان دونوں کو یکساں قرار دے اس لیے اول اہل حق کے فضائل و شمائل اور ان کے اخروی نتائج بیان کیے کہ وہ دل میں خوف خدا رکھتے ہیں اور اس کے اوامر و نواہی کے پابند ہیں اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی رعایت رکھتے ہیں یہ گروہ اہل علم کا ہے اس کے بعد ان کے مقابل اہل باطل کی خرابیاں اور ان کے برے اعمال کا نتیجہ بیان کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اہل حق اور اہل سعادت نے ہدایت سے حصہ حاصل کیا اور ان کے اعمال ظاہری و باطنی ان کے لیے نافع اور باقی رہے اور اہل باطل نے ہدایت سے حصہ نہ پایا اور ان کے سارے اعمال مثل جھاگ کے باطل اور بے کار گئے اور مرتے ہی دنیا کے تمام منافع اور فوائد زائل ہو گئے چنانچہ فرماتے ہیں جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی دعوت کو قبول کیا اور جو اب ہدایت اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل کیا تھا اس کو نوش جان کیا اور شبہات اور وسوساں کا جو میل و کچیل اور خس و خاشاک اس میں باہر سے آگیا تھا اب اس کو ہدایت کے اوپر سے اتار پھینک دیا ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں بھلائی یعنی جنت مقرر ہے کما قال تعالیٰ ﴿الَّذِينَ اَحْسَنُوا اَلْحُسْنٰی وَ زِيَادَةٌ﴾ اور جن لوگوں نے اللہ کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور اس نے آسمان سے ہدایت کا جو آب حیات نازل کیا تھا اس کو استعمال کرنے سے اعراض کیا قیامت کے دن اگر ان کے پاس وہ سب کچھ مال و متاع بھی ہو جو روئے زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تو اس سب کو آخرت کے عذاب سے جان چھڑانے کے لیے دے ڈالیں۔ یعنی کافروں کے پاس قیامت کے دن اگر تمام روئے زمین کا خزانہ اور اتنا ہی اور بھی ہو تو وہ عذاب سے رہائی کے بدلے اس سب کو دے ڈالیں مگر وہاں ان کے پاس مال کہاں دھرا ہے اور اگر بفرض محال ہو بھی تو قبول کہا ہو سکتا ہے آخرت کے عذاب سے رہائی کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ اس دنیا میں دعوت حق کو قبول کریں اور ان کے عقائد فاسدہ اور اعمال کا سدہ پانی کے جھاگ کی طرح سب اڑ جائیں گے اور علاوہ ازیں قیامت کے دن ایسے لوگوں کے لئے برا حساب ہوگا یعنی سختی سے ان کے اعمال کا محاسبہ اور مناقشہ ہوگا اور ذرہ ذرہ پر مواخذہ اور باز پرس ہوگی جس کو دوسری آیت میں حساب عسیر فرمایا اور حساب کے بعد ان کا ٹھکانا ہمیشہ کیلئے دوزخ ہے اور وہ بہت بری خواب گاہ ہے مگر کافر چونکہ چشم بصیرت سے عاری اور کورا ہے اس لیے اس کو راہ ہدایت نظر نہیں آتی اور مومن مینا اور عاقل ہے وہ اپنی عقل سے حق اور باطل کا فرق سمجھتا ہے اور چشم

= اور عثمان رضی اللہ عنہم کا رہا۔

فصل سعادت کے مقابل یہاں اشیاء کی عادت و خصال اور آخری انجام بتلایا ہے۔ ان کا کام یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے بد عہدی کریں، جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم تھا انہیں توڑیں، ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائیں دوسروں پر ادراہنی جانوں پر ظلم کرنے سے نہریں۔ یہی لوگ ہیں جو خدا کی رحمت سے دور پھینک دیے گئے اور سب سے زیادہ برے مقام پر پہنچے والے ہیں۔

بصیرت سے آیات بینات کو دیکھتا ہے اس لیے اب آئندہ مینا (مومن) اور ناپینا (کافر) کے فرق کو واضح فرماتے ہیں۔ کیا تم کو ہدایت اور ضلالت کا فرق نظر نہیں آتا پس کیا وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ جو کچھ تیرے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے وہ حق ہے کیا ایسا شخص اس شخص کے مانند ہو سکتا ہے جانا مینا ہو اور اسے حق نظر نہ آتا ہو کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں، ہرگز نہیں اسی طرح سمجھو کہ مومن اور کافر برابر نہیں ہو سکتے ﴿لَا يَسْتَوِي اَصْحَابُ النَّارِ وَاَصْحَابُ الْجَنَّةِ﴾ الآية جزا میں نیست کہ نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جن کی عقلیں خالص ہیں اور شواہب وہم اور نفسیات سے پاک ہیں جن کی عقلیں خالص اور صاف ہیں وہی نور بصیرت سے اشیاء کے حقائق اور دقائق کو دیکھتے اور سمجھتے ہیں اولوالالباب وہ لوگ ہیں جو پند پذیر اور عبرت گیر ہوں۔

### صفات اہل عقل

اب آئندہ آیات میں اہل عقل کی صفات کو ذکر کرتے ہیں کیونکہ عقل تو دل کے اندر چھپی ہوتی ہے اس کا اندازہ صفات ہی سے ہو سکتا ہے کہ اندر عقل ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس درجہ کی ہے۔

(وصف اول) "اولوالالباب" وہ لوگ ہیں کہ جو اللہ کے عہد ربوبیت کو پورا کرتے ہیں جو انہوں نے روز

میثاق اللہ سے باندھا تھا

(وصف دوم) اور عہد کو توڑتے نہیں یعنی نافرمانی سے باز رہتے ہیں۔

(وصف سوم) اور جن علاقوں کا اللہ نے ملانے کا حکم دیا ہے ان کو ملاتے اور جوڑتے ہیں یعنی صلہ رحمی کرتے ہیں اور

اپنے عزیز و اقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان اور نیک سلوک کرتے ہیں۔

(وصف چہارم) اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کوئی فعل ہم سے خلاف عہد سرزد نہ ہو جائے۔

(وصف پنجم) اور ڈرتے ہیں حساب کی سختی سے یعنی محاسبہ سے ڈرتے ہیں اس لیے کہ جس سے حساب میں مناشہ

اور چھان بین ہوئی وہ ہلاک ہوا۔

(وصف ششم) اور جن لوگوں نے محض اپنے پروردگار کی خوشنودی طلب کرنے کے لیے جاہ طاعت پر قائم رہنے

میں مہر کیا یعنی شراکعبودیت کی پابندی کی اور بوجہ مخالفت نفس جو مشقت پیش آتی اس کا تحمل کیا۔

(وصف ہفتم) اور ٹھیک وقت اور ٹھیک آداب کے ساتھ نماز کو ادا کیا۔

(وصف ہشتم و نہم) اور جو مال و منال اور علم اور فضل و کمال ہم نے انکو دیا اس میں سے کبھی پوشیدہ اور کبھی ظاہر جیسا

موقع ہوا خرچ کیا۔

(وصف دہم) اور وہ بدی کو نیکی سے دفع کرتے ہیں یعنی برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں اور سیرہ کی ظلمت کو حسنہ

کے نور سے زائل کر دیتے ہیں دیکھ لو عقلمند ایسے ہوتے ہیں۔

بدی را بدی سهل باشد جزاء اگر مردی احسن الی من اساء



ایسے ہی عقل مندوں کے لیے دار آخرت ہے یعنی ان کے لیے خلود اور بقاء کے باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے آباء و اجداد اور ان کی بیویاں اور ان کی اولاد جو نیک ہیں وہ بھی ان کے ساتھ ان باغات میں داخل ہوں گے اگرچہ ان کے اعمال اولوالالباب جیسے نہ ہوں مگر معاملہ ان کے ساتھ ویسا ہی ہوگا۔ یہ اولوالالباب کی خاص کرامت ہے کہ ان کے طفیل میں ان کے قرہبی رشتہ دار بھی ان کے ساتھ ہوں گے اگرچہ ان کے اعمال ان جیسے نہ ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ ان کا ایمان اور ایقان ٹھیک ہو اور درست ہو جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ اور فرشتے ان پر جنت کے ہر دروازے سے مبارک باد دینے کے لیے یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے سلامتی ہو تم پر اس لیے کہ تم نے صبر کیا یعنی دین حق پر قائم رہے اور ثابت قدم رہے پس کیا ہی اچھا ہے دار آخرت جو تمام آفات ظاہری اور باطنی سے سالم اور محفوظ ہے یہ جملہ دار آخرت کی ترغیب اور تشویق کے لیے ذکر فرمایا ہے یہاں تک تو اہل جنت اور سعداء کی صفت و کرامت کا بیان ہو اسب اس کے بالمقابل اشقیاء اور کافروں کی خرابیاں اور ان کے برے اعمال کا نتیجہ بیان فرماتے ہیں۔

اور جو لوگ ناپیٹا اور نادان اور عقل سے کورے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں بعد اس کی مضبوطی کے اور جن رشتوں کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان کو توڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے ہیں ہر محصیت فتنہ اور فساد ہے اور سب سے بڑا فساد کفر اور شرک ہے۔ ایسے ہی بد عقلوں پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لیے برا گھر ہے جس کے مقابلہ میں یہ دنیا ان کے لیے بہشت ہے حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب قبور شہداء پر جاتے تو یہ کہتے ﴿سَلِّمُوا عَلَيْنَا مِمَّا صَبَرْتُمْ فَيَعْمَرَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ اور اسی طرح حضرت ابوبکر اور عمر و عثمان رضی اللہ عنہم بھی کہا کرتے تھے بہر حال ان آیات میں بد بختوں کا حال بیان کیا اور ان کے انجام سے خبر دی کہ ان کا حال اور مال اہل ایمان کے بالکل برعکس ہے۔

اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۗ وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا  
اللہ کشادہ کرتا ہے روزی جس کو چاہے اور تنگ کرتا ہے فل اور فریفتہ ہیں دنیا کی زندگی پر اور دنیا کی زندگی  
اللہ کشادہ کرتا ہے روزی جس کو چاہے اور تنگ۔ اور وہ رنجھے ہیں دنیا کی زندگی پر، اور دنیا کی زندگی

### فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعًا ۝

کچھ نہیں آخرت کے آگے مگر متاع حقیر

کچھ نہیں آخرت کے حساب میں مگر تھوڑا برتا۔

فل یعنی دنیا کے پیش و فراخی کو دیکھ کر سعادت و شقاوت کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ نہ یہ ضروری ہے کہ جس کو دنیا میں خدا نے رزق اور پیسہ زیادہ دیا ہے وہ اس کی بارگاہ میں مقبول ہو۔ بہت سے مقبول بندے بطور آزمائش و امتحان یہاں عسرت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور مردود مجرموں کو ڈھیل دی جاتی ہے وہ مزے اڑاتے ہیں۔ یہی دلیل اس کی ہے کہ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی ہے جہاں ہر شخص کو اس کے نیک و بد اعمال کا پورا پورا پھل مل کر رہے گا۔ بہر حال دنیا کی نگی و لرائی مقبول و مردود ہونے کا معیار نہیں بن سکتا۔

فل یعنی اسی کو متصور دیکھ کر اتارتے اور اڑاتے ہیں۔ حالانکہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی محض سچ ہے جیسے ایک شخص اپنی انگلی سے سمندر کو چھوتے تو وہ =

## جواب از شبہ عدم مبعوضیت کفار بنا بر وسعت رزق دنیاوی

قَالَ تَعَالَى: ﴿اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ... إِلَى... إِلَّا مَتَاعًا﴾

رابطہ..... گزشتہ آیات میں کافروں کا ملعون و مغضوب ہونا بیان کیا چونکہ اکثر کفار دنیاوی مال و دولت اور ظاہری عزت و راحت کے اعتبار سے خوش حال تھے اس لیے دیکھنے والوں کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ اگر خدا کے نزدیک ملعون و مبعوض ہوتے تو ان پر دنیا میں رزق کی وسعت کیوں ہوتی تو اس آیت میں اس شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ رزق کا کم یا زیادہ ہونا ایمان اور کفر پر موقوف نہیں ہم جسے چاہتے ہیں زیادہ رزق دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں کم دیتے ہیں اور دنیاوی زندگی کی عیش و عشرت کا کوئی اعتبار نہیں یہ تو چند روزہ ہے آخرت کا عیش جو ابدی ہے کافر اس سے محروم رکھے جائیں گے سعادت اور شقاوت کا فیصلہ آخرت میں ہوگا دنیا، دار امتحان ہے نہ کہ دار جزاء۔ دنیا کی تنگی اور فراخی مقبول اور مردود ہونے کی دلیل نہیں بہت سے نیک اشخاص تنگ دست ہوتے ہیں اور بہت سے اوباش عیش و عشرت میں ہیں رزق کی فراخی اور تنگی ازراہ حکمت و مصلحت ہے اور یہ کافر جس عیش و عشرت پر خوش ہو رہے ہیں وہ استدراج اور امہال ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿الْمُحْسِبُونَ أَنَّمَا مُدْرِكُهَا مِنْ مَّالٍ وَبَدَنٍ لَّهُمْ لُتْفٌ فِي الْحَيَاتِ لَعَلَّ لَا يَشْعُرُونَ﴾ لہذا کافروں کو چاہئے کہ اپنے مال و جاہ کو دیکھ کر مغرور نہ ہوں مال و دولت کی کثرت مقبولیت کی دلیل نہیں بلکہ یہ من جانب اللہ استدراج اور ڈھیل ہے کہ جرم کا پیمانہ خوب لبریز ہو جائے اور جو کرنا ہے وہ دل کھول کر کر لیں پھر یک لخت ان کو گرفتار کر کے تختہ دار پر لٹکا دیا جائے۔

بناداں آل چنناں روزی رساند کہ دانا اندراں حیراں بمانند

اللہ تعالیٰ وسعت کے ساتھ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے رزق کا کم اور زیادہ ہونا کفر اور ایمان پر موقوف نہیں اور کفار اترائے ہوئے ہیں دنیاوی زندگی پر اور اس کی عیش و عشرت پر اور ان کا یہ اترانا بالکل فضول ہے اس لیے کہ دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں مگر بہت تھوڑا سامان حدیث میں ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکالے اور دیکھے کہ کیا لائی رواہ الامام احمد وقال اللہ تعالیٰ ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّبَعَ وَلَا تُنظَرُونَ فِتْنًا﴾

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يَضِلُّ مَنْ يَشَاءُ

اور کہتے ہیں کافر کیوں نہ اتری اس پر کوئی نشانی اس کے رب سے کہہ دے اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے

اور کہتے ہیں منکر کیوں نہ اتری اس پر کوئی نشانی اس کے رب سے۔ کہہ اللہ بھلاتا ہے جس کو چاہے

= تری جو انکی کو پہنچی ہے سمندر کے ساتھ بجا حقیقت رکھتی ہے۔ دنیا کی آخرت کے مقابل اتنی بھی حقیقت نہیں۔ لہذا عقل مند کو چاہیے کہ فانی پر بانی کو مقدم رکھے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے بذات خود مقصود نہیں۔ یہاں کے سامانوں سے اس طرح تسخیر کرو جو آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنے جسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا۔

وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ آتَابَ ۗ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ

اور راہ دکھلاتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع ہو افاقہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور چین پاتے ہیں ان کے دل اللہ کی یاد سے ۲۱ سنا ہے! اللہ کی یاد اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع ہوا۔ وہ یقین لائے اور چین پکڑتے ہیں ان کے دل اللہ کی یاد سے۔ سنا ہے! اللہ کی یاد ہی سے

تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۗ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ ۝۱۹

ی سے چین پاتے ہیں دل ۲۱ جو لوگ ایمان لائے اور کام کیے اچھے خوشحالی ہے ان کے واسطے اور اچھا ٹھکانا ۱۹ چین پاتے ہیں دل۔ جو یقین لائے اور کی نیکیاں، خوبی ہے ان کو، اور اچھا ٹھکانا۔

كَذَلِكَ أَرْسَلْنَا فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ لِّتَتْلُوا عَلَيْهِمُ الذِّكْرَ أَوْ حِينًا

اسی طرح تجھ کو بھیجا ہم نے ایک امت میں کہ گزر چکی ہیں اس سے پہلے بہت امتیں تاکہ سناوے تو ان کو جو حکم بھیجا ہم نے اسی طرح تجھ کو بھیجا ہم نے ایک امت میں کہ ہو چکی ہیں اس سے پہلے امتیں، تاکہ سناوے تو ان کو جو حکم بھیجا ہم نے

إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ ۗ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ

تیری طرف ۱۹ اور وہ منکر ہوتے ہیں رحمان سے ۱۹ تو کہہ دو وہی رب میرا ہے کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف تیری طرف، اور وہ منکر ہوتے ہیں رحمن سے۔ تو کہہ، وہی رب میرا ہے، کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا، اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف

۱۹ سینکڑوں نشان دیکھتے تھے معرودہ ہی مرنے کی ایک ٹانگ پکڑی ہوئی تھی کہ جو ہم کہتے جائیں وہ نشان دکھاؤ۔ مثلاً مکہ کے پہاڑوں کو ذرا اپنی جگہ سے سرکا کر کھیتی باڑی کے لیے زمین وسیع کر دو۔ یا زمین کو بھاڑ کر چٹھے اور نہریں نکال دو یا ہمارے پرانے بزرگوں کو دوبارہ زندہ کر کے ہم سے بات چیت کرادو۔ عرض کوئی نشان ایسا دکھاؤ جو ہم کو ایمان لانے پر مجبور کر دے۔ اس کا جواب دیا کہ بیشک خدا ایسے نشان دکھلانے پر قدرت رکھتا ہے لیکن اس کی حکمت دعادت مقتضی نہیں کہ تمہاری فرمائش پوری کیا کرے! پیغمبروں کی تصدیق کے لیے جس قدر ضرورت ہے اس سے زائد نشانات دکھلا چکا اور دکھارہا ہے۔ دوسرے سینکڑوں معجزات سے قطع نظر کہ کے ایسا قرآن ہی کیسا عظیم الشان نشان پیغمبر کی صداقت کا ہے۔ جب تم ان نشانوں کو دیکھ کر راہ راست پر نہ آتے اور حق کی طرف رجوع نہ ہوتے تو معلوم ہوا کہ قدیم قانون کے موافق خدا کی مشیت یہی ہے کہ تم کو تمہاری پسند کردہ گمراہی میں چھوڑے رکھے۔ بلاشبہ اگر تم اتنے بڑے نشان دیکھ کر اس کی طرف رجوع ہوتے تو وہ اپنی عادت کے موافق تم کو آگے بڑھاتا اور حقیقی کامیابی تک پہنچنے کی راہیں دکھاتا۔ جب تم نے خود یہ نہ پایا تو اس کی حکمت بھی اسی کو مقتضی ہے کہ تمہیں مجبور نہ کرے۔ پھر فرمائش نشان دکھلانے کی کیا ضرورت رہی بلکہ نہ دکھلانے میں تمہارا فائدہ ہے کیونکہ سنت اللہ یہ ہے کہ فرمائش نشان اسی وقت دکھلاتے جاتے ہیں جب کسی قوم کا تباہ کرنا مقصود ہو۔ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اگر تم چاہو تو ہم ان کو فرمائش نشان دکھلا دین، اس پر بھی نہ مانیں تو ایسا عذاب بھیجا جائے گا جو دنیا میں کسی پر نہ آیا ہو۔ اور اگر تم چاہو تو رحمت و توبہ کا دروازہ کھلا رکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری شق کو اختیار فرمایا چنانچہ یہی معاندانہ فرمائش کرنے والے بہت سے بعد کو مسلمان ہو گئے۔

۱۹ یہ خدا کی طرف رجوع کرنے والوں کا بیان ہوا۔ یعنی ان کو دولت ایمان نصیب ہوئی ہے اور ذکر اللہ (خدا کی یاد) سے چین اور اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ کیونکہ سب سے بڑا ذکر تو قرآن ہے۔ ﴿وَإِنَّا لَنَعْلَمُ الَّذِي نُوَكِّرُ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ الَّذِي نُوَكِّرُ﴾ جسے پڑھ کر ان کے دلوں میں یقین کی کیفیت پیدا ہوتی ہے شبہات اور وساوس شیطانیہ دور ہو کر سکون و اطمینان میسر آتا ہے۔ ایک طرف اگر حق تعالیٰ کی عظمت و مہابت دلوں میں خوف و خشیت پیدا کرتی ہے تو دوسری طرف لامحدود رحمت و مغفرت کا ذکر قلبی سکون و راحت کے سامان بہم پہنچاتا ہے۔ عرض ان کا دل ہر طرف سے لوٹ کر ایک خدا کی طرف جم جاتا ہے اور ذکر اللہ کا نور ان کے قلوب سے ہر طرح کی دنیاوی وحشت اور گھبراہٹ کو دور کر دیتا ہے۔

۱۹ یعنی دولت، حکومت، منصب، جاگیر یا فرمائش نشانات کا دیکھ لینا کوئی چیز انسان کو حقیقی سکون و اطمینان سے ہم آغوش نہیں کر سکتی۔ صرف یاد الہی سے جو =

مَتَابٍ ۝ وَلَوْ اَنْ قُرْاٰنًا سِيَّرَتْ بِهٖ الْجِبَالُ اَوْ قُطِعَتْ بِهٖ الْاَرْضُ اَوْ كَلِمَةٌ بِهٖ النَّوْثُ ۝

آتا ہوں رجوع کر کے، اور اگر کوئی قرآن ہوا ہوتا کہ چلیں اس سے پہاڑ یا بھوے ہووے اس سے زمین یا بولیں اس سے مردے تو کیا ہوتا آتا ہوں چھوٹ کر۔ اور اگر کوئی قرآن ہوا ہوتا کہ چلے اس سے پہاڑ، یا بھوے ہو اس سے زمین، یا بولے اس سے مردے۔

بَلِّغْ لِلّٰهِ الْاَمْرَ جَمِيعًا اَفَلَمْ يَأْتِئْسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ لَّوْ يَشَاءُ اللّٰهُ لَهَدٰى النَّاسَ

بلکہ سب کام تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں ۲۔ سو کیا خاطر جمع نہیں ایمان والوں کو اس پر اگر چاہے اللہ تو راہ پر لائے بلکہ اللہ کے ہاتھ میں ہیں سب کام۔ سو کیا خاطر جمع نہیں ایمان والوں کو اس پر کہ اگر چاہے اللہ راہ پر لاوے

جَمِيعًا ۝ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِیْبُهُمْ مِّمَّا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَمَلُّ قَرِيْبًا مِّنْ

سب لوگوں کو ۳۔ اور برابر پہنچتا رہے گا منکروں کو ان کے کثوت پر صدمہ یا اترے گا ان کے گھر سے نزدیک سب لوگ۔ اور پہنچتا رہے گا منکروں کو، ان کے کئے پر کھڑکا، یا اترے گا نزدیک ان کے

= تعلق مع اللہ حاصل ہوتا ہے وہی ہے جو دلوں کے اضطراب و وحشت کو دور کر سکتا ہے۔

۲۔ مترجم محقق نے "طوبیٰ" کے لغوی معنی لیے ہیں اسی کے اندر جنت کا وہ درخت بھی آجیائے حدیث صحیح میں "طوبیٰ" کے نام سے موسوم فرمایا ہے۔ ۳۔ یعنی جس طرح ہم اپنی طرف رجوع ہونے والوں کو کامیابی کی راہ دکھاتے ہیں۔ اسی طرح اس امت کی راہنمائی کے لیے ہم نے تجھے مبعوث کیا۔ تاکہ جو کتاب اپنی رحمت کا ملامت سے تجھ پر اتاری ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پڑھ کر سنادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبر بنا کر بھیجا جانا کوئی انوکھی بات نہیں پہلی امتوں کی طرف بھی پیغمبر بھیجے جاچکے ہیں جو اس وقت تکذیب کرنے والوں کا حشر ہوا ان لوگوں کو بھی پیش نظر رہنا چاہیے۔

۴۔ یعنی رحمان نے اپنی رحمت کا ملامت سے قرآن اتارا "الَّذِيْنَ خَلَقَ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا۔ مگر انہوں نے سخت ناشکری اور کفران نعمت پر کمر باندھ لی۔ رحمان کا حق ماننے سے منکر ہو گئے بلکہ اس نام سے ہی وحشت کھانے لگے۔ اسی لیے "حدیبیہ" کے صلح نامہ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے پر ٹھکرا کیا (وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اسْمِعُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۝)

۵۔ یعنی جس رحمان سے تم انکار کرتے ہو وہی میرا رب ہے اور وہی اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ ﴿قُلْ اَدْعُوا اللّٰهَ اَوْ اَدْعُوا الرَّحْمٰنَ اِنَّمَا كَانَ تَدْمُوْا قَلْبَهُ الْاِسْتِهْاؤُا الْمُسْتَهْیٰ ۝﴾ میرا آغاز و انجام سب اسی کے ہاتھ میں ہے اسی پر توکل کرتا ہوں۔ نہ تمہارے انکار و تکذیب سے مجھے ضرر کا اندیشہ ہے نہ اس کی امداد اعانت سے مایوس ہوں۔

۶۔ یہاں قرآن سے مراد عام کتاب ہے جیسا کہ ایک حدیث صحیح میں "زبور" پر لفظ قرآن کا اطلاق ہوا ہے یعنی اگر کوئی کتاب ایسی اتاری جاتی جس سے تمہارے یہ فرمائشی نشان پورے ہو جاتے تو وہ بجز اس قرآن کے اور کون سی ہو سکتی تھی۔ یہی قرآن ہے جس نے روحانی طور پر پہاڑوں کی طرح جسے ہوتے لوگوں کو ان کی جگہ سے بنا دیا۔ قلب بنی آدم کی زمینوں کو پھاڑ کر معرفت الہی کے چشمے جاری کر دیے۔ رسول الی اللہ کے راستے برسوں کی جگہ منٹوں میں سے کرانے۔ مردہ قوموں اور دلوں میں ابدی زندگی کی روح پھونک دی۔ جب ایسے قرآن سے تم کو شفا و ہدایت نصیب نہ ہوئی تو فرض کرو تمہاری طلب کے موافق اگر یہ قرآن مادی اور جسمی طور پر بھی وہ سب چیزیں دکھلا دیتا جن کی فرمائش کرتے ہو۔ تب ہی کیا امید تھی کہ تم ایمان لے آتے اور نئی حقیقتیں اور کج بحثیاں شروع نہ کرتے تم ایسے ضدی اور سرکش واقعہ ہوئے ہو کہ کسی نشان کو دیکھ کر ایمان لانے والے نہیں۔ اصل یہ ہے کہ سب کام (ہدایت و اشدال) اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ جسے وہ نہ چاہے قیامت تک ہدایت نہیں ہو سکتی لیکن وہ اسی کو چاہتا ہے جو اپنی طرف سے قبول حق کی خواہش اور تڑپ رکھتا ہو۔

۷۔ شاید بعض مسلمانوں کو خیال گزرا ہو گا کہ ایک مرتبہ ان کی فرمائش ہی پوری کر دی جائے شاید ایمان لے آئیں ان کو کبھی یا کہ خاطر جمع رکھو اگر نہ اپنا ہے تو ہر دن ایک نشان دکھلائے ہی سب کو راہ راست پر لے آئے۔ لیکن یہ اس کی عادت و حکمت کے خلاف ہے اس نے انسان کو ایک حد تک کرب و اختیار کی آزادی دے کر ہدایت کے کافی اسباب فراہم کر دیے۔ جو چاہے ان سے منتفع ہو۔ کیا ضرورت ہے کہ ان کی فرمائشیں پوری کی جائیں باوجود کافی سامان ہدایت موجود ہونے کے اگر معاندین نہیں مانتے اور اپنے ایمان کو بیہودہ فرمائشوں پر معلق کرتے ہیں تو ہم نے یہ ارادہ بھی نہیں کیا ساری دنیا کو نہ ورنہ وہی دیا =

دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْتُمْ بِرُسُلٍ مِّنْ

جب تک کہ پہنچے وعدہ اللہ کا بیشک اللہ خلاف نہیں کرتا اپنا وعدہ فی اور ٹھٹھا کر چکے ہیں کتنے رسولوں سے گھر سے، جب تک پہنچے وعدہ اللہ کا۔ بے شک اللہ خلاف نہیں کرتا وعدہ۔ اور ٹھٹھا کر چکے ہیں کتنے رسولوں سے

قَبْلِكَ فَأَمَلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾

تجھ سے پہلے سو ڈھیل دی میں نے منکروں کو پھر ان کو پکڑ لیا سو کیسا تھا میرا بدلہ فی تجھ سے آگے، سو ڈھیل دی میں نے منکروں کو، پھر ان کو پکڑا، تو کیسا تھا میرا بدلا۔

رجوع بہ بحث نبوت و بیان حال اہل سعادت و اہل شقاوت

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا أَلَوْلَا نُزُلُ عَلَيْهِ آيَةٌ... فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ﴾

رابطہ..... اوپر سلسلہ کلام اہل حق اور اہل باطل کے بارے میں چلا آ رہا ہے اور اس سے قبل ﴿وَإِنْ تَعَجَّبْتَ فَعَجَبْتُ قَوْلَهُمْ﴾ میں نبوت کے متعلق مضمون تھا اب پھر اسی مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کافروں کا وہی سابق قول کہ محمد ﷺ پر ہماری فرمائش کے مطابق معجزہ نازل کیوں نہیں ہوتا پھر نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہیں کہ اللہ نے آپ ﷺ پر بہت سی آیات ظاہرہ اور معجزات قاہرہ نازل کی ہیں لیکن ہدایت اور ضلال سب اللہ کے قبضہ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ نے معجزات اور بینات تو بہت نازل کئے ہیں مگر تمہیں اللہ کی طرف سے ہدایت اور توفیق نہیں ہوتی تو میں کیا کروں باقی یہ ناممکن ہے کہ معجزات کا نازل ہونا تمہاری خواہشوں کے تابع ہو جائے بعد ازاں اہل سعادت اور اہل شقاوت کا حال بیان فرمایا:

اور یہ کافر لوگ آپ ﷺ کی نبوت پر طعن اور اعتراض کے لیے یہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی ایسی نشانی جیسی ہم چاہتے ہیں کیوں نہیں اتاری گئی ﴿فَلْيَأْتِنَا بآيَةٍ كَمَا آتَىٰ سُلَيْمَانَ﴾ اے نبی ﷺ! آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے اور راہ بتاتا ہے اس کو جو اس کی طرف رجوع کرے یعنی نشانیاں تو بہت اتاری گئی ہیں مگر خدا نے تم کو گمراہ کر دیا ہے کہ معجزات تمہارے سامنے ہیں مگر تم کو نظر نہیں

= ہائے آخر ﴿لَا تَلْمِزْهُمْ مِنَّهَا شَيْئًا وَاللَّهُ يَدْعُ إِلَىٰ سُبْحَانَ اللَّهِ حَتَّىٰ تَسْمَعُوا آلَاتِ الْغُيُوبِ﴾ دالی بات بھی تو پوری ہو کر رہے گی۔

فی یعنی یہ کفار مکہ فرماشی نشانوں سے مانسنے والے نہیں۔ یہ تو اس طرح مائیں گے کہ براہ کوئی آفت و مصیبت خود ان پر یا ان کے آس پاس والوں پر پڑتی رہے گی۔ جسے دیکھ کر یہ عبرت حاصل کر لیں۔ مثلاً جہاد میں مسلمانوں کے ہاتھ سے کچھ قتل ہوں گے کچھ قید کیے جائیں گے کچھ دوسری طرح کے مصائب کا شکار ہوں گے، یہی سلسلہ رہے گا۔ جب تک خدا کا وعدہ پورا ہو یعنی مکہ فتح ہو اور جزیرہ العرب "شرک کی گندگی سے پاک و صاف ہو جائے بیشک خدا کا وعدہ اہل ہے، پورا ہو کر رہے گا۔ بعض مفسرین نے آوَتْ حُلَّ قُرَيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب مانا ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بستی کے قریب اتریں گے جیسا کہ حدیبیہ میں ہوا۔ اس وقت "قاریہ" سے وہ سرایا مراد ہوں گے جن میں آپ بہ نفس نفیس شریک نہ ہوتے تھے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ آیت تمام کفار کے حق میں مام ہے مکہ والوں کی تخصیص نہیں۔ واللہ اعلم۔

فی یعنی سوالنے میں دیر ہو تو تم گھمو کہ چھوٹ گئے، گزشتہ مجرموں کو بھی پہلے ڈھیل دی گئی، پھر جب پکڑا تو دیکھ لو کیا حشر ہوا۔ آج تک ان کی تباہی کی داستانیں نہاں ہوں۔

آتے جو شخص ان نشانیوں کو دیکھ کر بھی راہ راست پر نہ آئے تو سمجھ لو کہ اللہ کی مشیت یہی ہے کہ وہ راہ راست پر نہ آئے۔ اللہ کی ہدایت اور توفیق اسی شخص کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرے اور حق کا طالب ہو ایسا شخص بلا معجزہ دیکھے ہوئے بھی ایمان لے آتا ہے کیونکہ خدا کی طرف رجوع کرنے والوں کا حال یہ ہے کہ یہ لوگ صدق دل سے اللہ پر ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے تسلی اور آرام پاتے ہیں آگاہ ہو جاؤ کہ جو دل حقیقت میں دل ہیں وہ اللہ ہی کی یاد سے مطمئن ہوتے ہیں اللہ کے ذکر کی خاصیت ہی یہ ہے کہ اس سے دل کو سکون اور اطمینان حاصل ہو یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے ان کے لیے پاکیزہ زندگی اور اچھا ٹھکانا ہے سکون اور اطمینان دنیاوی مال و دولت سے حاصل نہیں بلکہ تعلق مع اللہ سے حاصل ہوتا ہے۔

ف:..... لغت عرب میں طویحی کے معنی نہایت درجہ کی خوشی اور شادمانی کے ہیں اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ طویحی جنت میں ایک درخت ہے۔

شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ”یعنی حق تعالیٰ کو ضرور نہیں کہ سب کو راہ پر لادے یا نشانیاں بھیج کر ہر طرح ہدایت دے بلکہ یہی منظور ہے کہ کوئی بچلے کوئی راہ پاوے سو جس کے دل میں رجوع آئے نشان ہے کہ اس کو سوجھانا چاہا۔“ (انتہی) اب آگے ان لوگوں کا رد فرماتے ہیں کہ جو نبوت و رسالت کو انوکھی چیز سمجھتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جس طرح ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیغمبروں کو ان کی امتوں کی طرف بھیجا اسی طرح ہم نے تجھ کو ایک امت میں بھیجا ہے جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں تاکہ تو ان کو وہ کتاب پڑھ کر سنا دے کہ جو ہم نے تیری طرف وحی کے ذریعے بھیجی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سب سے بڑی نشانی ہے اور اللہ کی عظیم رحمت ہے ان کو چاہئے تھا کہ اس نعمت عظمیٰ کی قدر کرتے اور اس پر ایمان لاتے مگر ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ رحمن کے منکر ہیں اس لیے قرآن پر ایمان نہیں لاتے ان جاہلوں کو اللہ کا نام ”رحمن“ معلوم نہیں چنانچہ ابو جہل ملعون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح دعا کرتے سنایا اللہ، یا رحمان! تو اپنی قوم سے جا کر کہنے لگا کہ اب تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم دو خدا کو پکارنے لگا ایک معبود کو چھوڑ کر دوسرا معبود پکڑ لیا ایک تو اللہ کو پکارتا ہے اور ایک رحمن کو پکارتا ہے ہم تو سوائے رحمان یمامہ (مسلمہ کذاب) کے علاوہ اور کسی رحمن کو نہیں جانتے اے نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ وہ رحمن جس کے تم منکر ہو وہی میرا پروردگار ہے اور وہی اللہ ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں کبھی کسی نام سے اور کبھی کسی نام سے اسی ایک رب کو پکارتا ہوں۔ ﴿قُلْ اِذْعُوْا اللّٰهَ اَوْ اِذْعُوْا الرَّحْمٰنَ ۗ اِنَّمَا تَدْعُوْنَ اَفْلٰهَ الْاَسْمَاءِ الْيٰحٰسِبِیْنَ﴾ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے اور اگر کوئی کتاب الہی اس عالم میں ایسی ہوتی کہ جس کے سبب پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیئے جاتے اور زمین ہموار کردی جاتی یا اس کے ذریعہ سے زمین شق کردی جاتی کہ اس سے نہریں جاری ہو جائیں یا اس کے ذریعے مردوں سے بائیں کرائی جائیں کہ مردے اپنی قبروں میں بولتے یا اٹھ کر قبر سے باہر آئے اور لوگوں سے باتیں کرتے تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے۔ کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کے معجزات کی فرمائش کیا کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر قرآن کے ذریعے ان کے یہ فرمائشی معجزات بھی دے دیئے جائیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے خوب سمجھ لو کہ ایمان اور ہدایت کسی کے اختیار میں نہیں بلکہ سب اختیار اللہ ہی کو ہے جس کو چاہے ہدایت دے اور

جس کو چاہے گمراہ کرے۔

ف:..... اس آیت میں قرآن سے مطلق کتاب الہی مراد ہے جیسا کہ ایک حدیث میں زبور پر بھی لفظ قرآن کا اطلاق کیا ہے۔ بعض مسلمانوں کو ازراہ شفقت و ترحم یہ خیال ہوا کہ کاش کہ کوئی بڑی نشانی اور یہ معجزات ظاہر ہو جائے تو شاید یہ لوگ ایمان لے آتے اس لیے ان کے جواب اور تسلی کے لیے آئندہ آیت نازل ہوئی کیا مسلمان ان کافروں کے ایمان سے ناامید نہیں ہوئے جو ایسے معجزات مانگتے ہیں جب کہ وہ جان چکے ہیں کہ سب اختیار اللہ ہی کو ہے اگر اللہ چاہے تو سب لوگوں کو ہدایت دیدے تو اے مسلمانو! تم ان کے ایمان سے مایوس ہو جاؤ یہ کسی طرح ایمان نہیں لائیں گے اللہ ہی کو ان کی ہدایت منظور نہیں پھر تم ان معاندین کی فکر میں کیوں لگے ہو اور ہمیشہ پہنچتی رہے گی ان کافروں کو ان کی کرتوتوں کی سزا میں ایک نہ ایک مصیبت جو ان کو ہلاتی رہے اور دھمکاتی رہے یا ان کے گھروں کے قریب ان کے گرد و نواح والوں پر کوئی مصیبت نازل ہوتی رہے جسے دیکھ کر یہ لوگ عبرت پکڑیں اور نصیحت پاویں اسی طرح مسلمانوں کے جہاد اور غزوات کا اور کافروں پر مصیبتوں اور آفات کا سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آپہنچے اور اسلام تمام دینوں پر غالب آجائے جس کا خدائے تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا اور آپ ﷺ ان کافروں کے استہزاء اور تمسخر سے رنجیدہ نہ ہوں یہ آپ ﷺ کے ساتھ خاص نہیں اس لیے کہ تحقیق آپ ﷺ سے پہلے بہت سے رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا گیا پس میں نے ان مسخروں کو فوراً نہیں پکڑا بلکہ ان منکروں کو مہلت دی تا کہ دل کھول کر انبیاء ﷺ کا مذاق اڑالیں پھر جب ان کے جرم کا پیمانہ لبریز ہو گیا تب میں نے ان کو اچانک پکڑ لیا پس سمجھ لو کہ میرا عذاب کیا ہوتا ہے اور کس طرح آتا ہے۔ اس دنیاوی عذاب پر اخروی عذاب کو قیاس کر لو جو دار جزاء ہے جس درجہ کا عناد ہوگا اسی درجہ کی سزا ملے گی حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مسلمان چاہتے ہوں گے کہ ایک نشانی بڑی سی آوے تو کافر مسلمان ہو جاویں سو فرمایا اگر کسی قرآن سے یہ کام ہوتے تو البتہ اس سے پہلے ہوتے لیکن اختیار اللہ کا ہے اور خاطر جمع اسی پر چاہئے کہ اللہ نے نہیں چاہا اگر وہ چاہتا تو حکم کافر تھا لیکن کافر مسلمان یوں ہوں گے کہ ان پر آفت پڑتی رہے گی ان پر پڑے یا ہمسایہ پر جب تک سارے عرب ایمان میں آ جاویں وہ آفت یہ ہی تھی جہاد مسلمانوں کے ہاتھ سے۔ (انتہی)

اٰمَنَ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۗ وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ ۗ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۗ اَمْ

بھلا جو لیے کھڑا ہے ہر کسی کے سر پر جو کچھ اس نے کیا ہے اور مقرر کرتے ہیں اللہ کے لیے شریک فلا کہہ ان کا نام لو فی یا اللہ کو بھلا جو شخص لئے کھڑا ہے ہر کسی کے سر پر اس کا کیا۔ اور ٹھہرائے ہیں اللہ کے شریک۔ کہہ ان کا نام لو۔ یا اللہ کو

فلا یعنی جو خدا ہر شخص کے ہر عمل کے ہر وقت بگڑانی رکھتا ہے، ایک لمحہ کسی سے غافل نہیں۔ ذرا کوئی شرارت کرے اسی وقت تنبیہ کر سکتا اور سزا دے سکتا ہے کیا مجرم اس سے چھوٹ کر نہیں بھاگ سکتے ہیں؟ یا اس کی مثل تھمڑی وہ مورتیاں ہو سکتی ہیں جو نہ دیکھتی ہیں نہ سنتی ہیں نہ اپنے یاد دوسرے کے نفع و ضرر کا کچھ اختیار رکھتی ہیں۔ تب ہے کہ ایسے خدا کی موجودگی میں انسان ایسی ماجر و حقیر مخلوق کے آگے سر جھکائے اور اس کو خدائی کے اختیارات تو بیخ کر دے۔ اس ظلم کی بھی کوئی انتہا ہے کہ عیسائے اہل اور ہمد مہم مہم خدا کے شریک وہ ہوں جنہیں خود اپنے وجود کی خبر نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ جو کچھ ہم خفیہ یا علانیہ کرتے ہیں سب خدا کی آنکھ کے سامنے ہے۔ لوگوں کی ان مشرکاذبتانوں سے وہ بے خبر نہیں۔ جلد یاد بر سزامل کر رہے گی۔

فلا یعنی دعا آگے بڑھ کر ان شرکاء کے نام تو لو اور اپنے توبتاؤ، مینا خداوند قدوس کی یہ صفات سن کر جو اوپر بیان ہوئیں کوئی حیا دار ان پتھروں کا نام بھی لے سکتا =

تَنْبِئُوْنَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ يَظَاهِرُ مِّنَ الْقَوْلِ ط بَلْ زُوْنٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

بتلاتے ہو جو وہ نہیں جانتا زمین میں فلا یا کرتے ہو اوپر ہی اوپر باتیں فلا یہ نہیں بلکہ بھلے سمجھا دیے ہیں منکروں کو بتاتے ہو جو وہ نہیں جانتا زمین میں یا کرتے ہو اوپر اوپر باتیں؟ کوئی نہیں! پر بھلے سوچائے ہیں منکروں کو

مَكْرُهُمْ وَّصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ط وَمَنْ يُضِلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝۳۱ لَّهُمْ عَذَابٌ فِي

ان کے فریب اور وہ روک دیئے گئے ہیں راہ سے فلا اور جس کو گمراہ کرے اللہ سو کوئی نہیں اس کو راہ بتانے والا فلا ان کو مار پڑتی ہے ان کے فریب اور روکے گئے ہیں راہ سے۔ اور جس کو بچلاوے اللہ سو کوئی نہیں اس کو بتانے والا۔ ان کو مار پڑتی ہے

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَّلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشْقٰى ۝ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝۳۲ مَثَلُ الْجَنَّةِ

دنیا کی زندگی میں فلا اور آخرت کی مار تو بہت ہی سخت ہے اور کوئی نہیں ان کو اللہ سے بچانے والا فلا حال جنت کا دنیا کی زندگی میں، اور آخرت کی مار تو بہت سخت ہے۔ اور کوئی نہیں ان کو اللہ سے بچانے والا۔ احوال جنت کا،

الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ط تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ط اُكْلُهَا دٰاِيْمٌ وَّظِلُّهَا ط تِلْكَ عُقْبَى

جس کا وعدہ ہے پر ہیزگاروں سے بہتی ہیں اس کے نیچے نہریں میوہ اس کا ہمیشہ ہے فلا اور سایہ بھی فلا یہ بدلہ ہے ان کا جو کہ وعدہ ملا ہے ڈر والوں کو۔ بہتی ہیں اس کے نیچے نہریں۔ میوہ اس کا ہمیشہ ہے اور سایہ۔ یہ بدلہ رہے ان کا

### الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۝۳۳ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝۳۴

جو ڈرتے رہے فلا اور بدلہ منکروں کا آگ ہے فلا

جو بچتے رہے۔ اور بدلہ منکروں کا آگ ہے۔

= ہے؟ اور بے حیائی سے لات دعویٰ کے نام لینے لگو تو کیا کوئی مائل ادھر التفات کر سکتا ہے؟

فلا یعنی خدا کو تمام روئے زمین پر اپنی خدائی کا کوئی شریک (حصہ دار) معلوم نہیں (کیونکہ ہے ہی نہیں جو معلوم ہو) کیا تم اسے وہ چیز بتلاؤ گے جسے وہ نہیں جانتا؟ (العیاذ باللہ) (تنبیہ) زمین کی قید اس لیے لگائی کہ بت پرستوں کے نزدیک شرکاء (اصنام) کی قیام گاہ یہ ہی زمین تھی۔ ابو حیان نے لایعظلم کی ضمیر "منا" کی طرف لوٹائی ہے یعنی کیا خدا کو بتلاتے ہو کہ آپ کی خدائی کے حصہ دار وہ بت ہیں جو ادنیٰ سا علم بھی نہیں رکھتے۔

فلا پہلے فرمایا تھا ان شرکاء کا ذرا نام لو، پھر متنبہ فرمایا کہ جس چیز کا واقعہ میں ثبوت ہی نہیں اس کا نام کیا لیا جاسکتا ہے؟ اب بتلاتے ہیں کہ کسی چیز کو خدا کا شریک ٹھہرانا خالی الفاظ اور صورت محض ہے جس کے نیچے کوئی حقیقت نہیں۔ مجرد ظن و تخمین اور باطل اوہام سے چند بے معنی الفاظ با معنی نہیں بن جاتے۔ شاید بظاہر بین القول میں ادھر بھی اشارہ ہو کہ جو مشرکانہ باتیں وہ کر رہے ہیں اگر کو راہ نقلیہ و تعصب سے خالی ہو کر اسے ضمیر کی طرف رجوع کریں تو خود ان کا ضمیر بھی ان لغویات سے انکار کرے گا۔ اس لیے کہنا چاہیے کہ یہ سب ادہ او پر کی باتیں ہیں۔ جن کو انسانی ضمیر اور انسانی نظرت دونوں مردود ٹھہرا چکے ہیں۔

فلا یعنی کچھ بھی نہیں۔ شرک کی حمایت میں ان کی یہ مستعدی اور توحید کے مقابلہ میں اس قدر جدوجہد خالی نفس کا دھوکہ اور شیطان کا فریب ہے۔ اسی نے ان کو راہ حق سے روک دیا ہے۔

فلا یعنی جسے خدا ہدایت کی توفیق بددے اسے کون راہ ہلا سکتا ہے اور وہ اسی کو توفیق دیتا ہے جو با اختیار و خود ہدایت کے دروازے اپنے او پر بند کر لے۔

فلا مجاہدین کے ہاتھوں سے یا بلا واسطہ قدرت کی طرف سے۔

فلا یعنی بے سزا دینے چھوڑے گائیں۔ پھر وہاں کی سزا کا کیا بچنا۔



## تفصیح و تشبیح اہل باطل و سزائے معاندین و جزائے مطیعین

قَالَ النَّبِيُّ: «أَفْسَنُ هُوَ قَائِمٌ عَلَى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ... إِلَى... وَ عُقُوبَى الْكُفْرَيْنِ الثَّانِي»

رہبط:..... اوپر کی آیتوں میں توحید کا ذکر تھا اب ان آیات میں اہل شرک کی تفصیح و تشبیح اور اہل ایمان اور اہل کفر کی جزاء و سزا کا ذکر فرماتے ہیں۔

پس کیا وہ ذات جو ہر شخص کے سر پر قائم ہے اور اس کی قیوم ہے اور اس کے تمام اعمال پر مطلع ہے ان کے بتوں کی مثل ہو سکتی ہے ہرگز نہیں یعنی کیا وہ ذات پاک جو ہر ایک کی حافظ اور نگہبان ہے اور لوگوں کے نیک اور بد عمل سے باخبر ہے کیا وہ ان بتوں کے برابر ہو سکتی ہے جو محض عاجز اور بے خبر ہیں۔ ہرگز نہیں اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں اے نبی ﷺ! آپ ﷺ ان سے کہئے کہ ذرا ان شرکاء کا نام تولو، دیکھیں کیسے ہیں ان میں کوئی صفت الوہیت کی بھی ہے یا نہیں اور اوپر جو خداوند قدوس کی صفات بیان کی گئی ہیں کیا کوئی حیا داران پتھروں میں ان کا کوئی نام و نشان بتا سکتا ہے یا تم خدا کو اس چیز کے وجود سے مطلع کرتے ہو جس کی زمین میں ہونے کی اس کی خبر نہیں بغرض مجال اگر زمین میں کوئی اس کا شریک ہوتا تو اس کو ضرور معلوم ہوتا یہ ناممکن ہے کہ کوئی چیز واقع میں موجود ہو اور اللہ کو اس کا علم نہ ہو اور زمین کی قید اس لیے لگائی کہ بت پرستوں نے جس قدر شرکاء ٹھہرائے ہوئے تھے وہ سب زمین میں ہی کے تھے یا بے سوچے سمجھے اور بے دلیل محض سرسری اور ظاہری بات کہتے ہو جس کی واقع میں کوئی حقیقت اور مصداق نہیں جیسے جشی کا نام کافر رکھ لیا جائے اس طرح تمام بتوں کو الہی کہنا بے معنی الفاظ ہیں تم نے محض اپنے خیال سے ان کو معبود ٹھہرایا ہے جس پر کوئی دلیل نہیں ﴿إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَإِبَاهُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ رَبِّهِمْ الْهُدَى﴾ بلکہ حق یہ ہے کہ کچھ بھی نہیں کافروں کے لیے ان کا مکرو فریب ان کی نظروں میں آراستہ کر دیا گیا یعنی ان کا کفر و شرک محض ایک ملمع کاری ہے جس کو شیطان نے ان کی نظروں میں خوب صورت کر کے دکھلایا ہے، سب دھوکہ اور فریب ہے اور اسی ملمع کاری کی وجہ سے یہ لوگ سیدھے راستے سے روک دیئے گئے ہیں۔ شیطان نے ان کو غلط راستے پر ڈال دیا اور جس کو خدا گمراہ کرے اس کو کوئی راہ دکھلانے والا نہیں ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں بھی عذاب ہے مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل اور قید یا طرح طرح کی ذلتیں اور مصیبتیں اور البتہ آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے کیونکہ وہ شدید بھی ہے اور دائم و مدید بھی ہے اور ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں جس جنت کا مستقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اللہ کے درختوں اور مکانون کے نیچے نہریں جاری ہیں میوہ اس کا دائم ہے کبھی منقطع نہ ہوگا اور اس کا سایہ بھی دائم ہے وہ بھی منقطع نہ ہوگا جنت میں نہ سورج ہے نہ چاند اور نہ تار کی لیکن دور دور تک سایہ پھیلا ہوا ہے یہ جنت جزاء ہے مستقیوں کے لئے

= فیکے جس کی کوئی نوع کبھی ختم نہ ہوگی اور ہمیشہ وہ ہی ملے گا جسکی خواہش کریں گے۔ ﴿لَا مَقْطُوعَةَ وَلَا مَمْنُوعَةَ﴾  
 ۱۴ یعنی سایہ کبھی ہمیشہ آرام دہ رہے گا۔ کبھی دھوپ کی تپش ہوگی نہ سردی کی تکلیف ﴿لَا يَؤُودُونَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا﴾  
 ۱۵ یعنی خدا سے ڈر کر شرک و کفر کو چھوڑے رکھا۔

۱۶ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَتُوبُ اِلَيْكَ وَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ

اور کافروں کی جزاء آگ ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگی۔

وَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَنْ يُنْكِرُ

اور وہ لوگ جن کو ہم نے دی ہے کتاب خوش ہوتے ہیں اس سے جو نازل ہوا تجھ پر **قُل** اور بعضے فرقے نہیں مانتے اس کی اور جن کو ہم نے دی ہے کتاب، خوش ہوتے ہیں اس سے جو اترا تیری طرف، اور بعضے فرقے نہیں مانتے اس کی

بَعْضُهُمْ **قُلْ** إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ **ط** إِلَيْهِ أَدْعُوا وَإِلَيْهِ مَأْبِ

بعضی بات **قُل** کہہ مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ بندگی کروں اللہ کی اور شریک نہ کروں اس کا، اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف ہے، میرا ٹھکانا **ط** بعضی بات۔ کہہ، مجھ کو یہی حکم ہوا، کہ بندگی کروں اللہ کی اور شریک نہ کروں اس کے ساتھ، اسی طرف بلاتا ہوں، اور اسی کی طرف میرا ٹھکانا۔

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا **ط** وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ

اور اسی طرح اتارا ہم نے یہ کلام حکم عربی زبان میں **قُل** اور اگر تو چلے ان کی خواہش کے موافق بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچ چکا اور اسی طرح اتارا ہم نے یہ کلام، حکم عربی زبان میں۔ اور اگر تو چلے ان کے شوق پر، بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا،

عَمَّا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا وَاقٍ **ط** وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ

کوئی نہیں تیرا اللہ سے حمایتی اور نہ بچانے والا **قُل** اور بھیج چکے ہیں ہم کتنے رسول تجھ سے پہلے اور ہم نے دی تھیں ان کو کوئی نہیں تیرا اللہ سے حمایتی اور نہ بچانے والا۔ اور بھیجے ہیں ہم نے کتنے رسول تجھ سے آگے، اور دی تھیں ان کو

**قُل** جن کو اب قرآن دیا ہے (یعنی مسلمان) اور جن کو پہلے "تورات" و "انجیل" وغیرہ دی گئی یعنی (یہود و نصاریٰ) اس چیز کو کس کر خوش ہوتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی مسلمانوں کا خوش ہونا تو ظاہر ہے کہ وہ اس کتاب کو فلاح دارین کی کلید جانتے تھے، باقی یہود و نصاریٰ میں جو لوگ اہل علم و انصاف اور نبی المہدیٰ پرست تھے ان کے لیے بھی ایک طرح مسرت کا موقع تھا کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ قرآن کریم کیسے فراخ دلی سے ان کی اصل کتابوں کی تصدیق اور ان کے انبیاء کی تعریف و تعظیم میں رطب اللسان ہے بلکہ سچے اہل باور و زبان کے وجود کو بھی معرض مدح میں پیش کرتا ہے۔ ﴿إِذْ لَكَ يَا مَنْ مَلَكُوتُ سَمَوَاتٍ وَ الْأَرْضِ﴾ چنانچہ اسی قسم کے منصف و حق پرست یہود و نصاریٰ آخرا مشرف باسلام ہوئے۔

**قُل** یعنی یہود و نصاریٰ یا عرب کے جاہلوں میں وہ جماعتیں بھی ہیں جو قرآن سے اس لیے ناخوش ہیں کہ انہیں اس کی بعض چیزوں سے انکار ہے اور یہ دی چیزیں ہیں جو ان کی تحریف و تبدیل یا آراء و اہواء کے خلاف قرآن نے بیان کی ہیں۔

**قُل** یعنی کوئی خوش ہو یا ناخوش، میں تو اسی خدا سے وعدہ لا شریک لہ کی بندگی کرتا ہوں جس کو سب انبیاء اور صلہ بالاتفاق مانتے چلے آئے۔ اسی کے احکام و مرقیات کی طرف ساری دنیا کو دعوت دیتا ہوں اور خوب جانتا ہوں کہ میرا انجام اسی کے ہاتھ میں ہے۔ میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں، وہیں میرا ٹھکانہ ہے، وہی مجھ کو آغا و غالب و منصور اور مخالفین کو مغلوب و رسوا کرے گا لہذا کسی کے خلاف و انکاری مجھے قطعاً پروا نہیں۔

**قُل** یعنی جیسے پیشتر دوسری کتابیں اتاری گئیں۔ اس وقت یہ قرآن اتارا جو عظیم الشان معارف و حکم پر مشتمل اور حق و باطل کا آخری فیصلہ کرنے والا ہے۔ پھر جس طرح ہر پیغمبر کو اسی زبان میں کتاب دی گئی جو اس کی قومی زبان تھی۔ ایسے ہی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو عربی قرآن دیا گیا۔ بلاشبہ قرآن یہی معجز و جامع کتاب ایسی ہی زبان میں نازل ہوئی چاہے قحی، جو نہایت بلخ، وسیع، جامع، منضبط، واضح، پر مغز اور پر شوکت ہونے کی وجہ سے "ام اللسنہ" اور "ملکۃ اللغات" کہلانے کی مستحق ہے۔

**قُل** یعنی کسی کے انکار و ناظرشی کی ذرہ بھر بدو نہ کرو۔ حق تعالیٰ نے جو علم عظیم تم کو دیا ہے اس کی پیروی کرتے رہو اگر بالفرض تم ان لوگوں کی خواہشات کی طرف جھک گئے تو اس کے وبال سے کون بچا سکتا ہے۔ یہ خطاب ہر طالب حق کو ہے اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سامنے رکھ کر دوسروں کو =

أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً ۖ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ لِكُلِّ آجَلٍ كِتَابٌ ۝

جو روئیں اور اولاد اور نہیں ہوا کسی رسول جسے کہ وہ لے آئے کوئی نشانی مگر اللہ کے اذن سے ہر ایک وعدہ ہے لکھا ہوا اور جو روئیں اور لڑکے۔ اور نہ تھا کسی رسول کو کہ لے آئے کوئی نشانی مگر اللہ کے اذن سے۔ ہر وعدہ ہے لکھا ہوا۔

يَمْنَحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُعْطِي ۖ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ۝ وَإِنْ مَا تُرِيدُكَ بَعْضَ الَّذِي

مٹاتا ہے اللہ جو چاہے اور بانی رکھتا ہے اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب اور اگر دکھلا دیں ہم تجھ کو کوئی وعدہ جو مٹاتا ہے اللہ جو چاہے اور رکھتا ہے۔ اور اسی پاس ہے اصل کتاب۔ اور یا کبھی دکھادیں ہم تجھ کو کوئی وعدہ، جو

نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفِّيَنَّكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي

ہم نے کیا ہے ان سے یا تجھ کو اٹھالیوں سو تیرا ذمہ تو پہنچا دینا ہے اور ہمارا ذمہ ہے حساب لینا کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں دیتے ہیں ان کو، یا تجھ کو بھریوں، سو تیرا ذمہ تو پہنچانا ہے اور ہمارا ذمہ حساب لینا۔ کیا نہیں دیکھتے؟ کہ ہم چلے آتے ہیں

= مانا مقصود ہے عیساکہ پہلے متعدد مواقع میں اس کی نظر گزر چکیں۔

۱ یعنی پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کتاب اور نئے احکام دے کر بھیجا کیا انہی کی بات ہو گئی جو اتنی جھٹیں نکالی جاتی ہیں۔ آخر ان سے پہلے بھی ہم نے جو پیغمبر بھیجے وہ آسمان کے فرشتے نہ تھے اسی دنیا کے رہنے والے آدمی تھے۔ جو کھانا کھاتے، اپنی ضروریات اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے اور یہودی بنے رکھتے تھے۔ ان میں کسی کو یہ قدرت نہ تھی کہ لوگ جو نشانی مانگتے ضرور دکھلا دیتا۔ بلکہ موجودہ پیغمبر کی طرح ہر چیز میں خدائی اذن کے منظر رہتے تھے۔ وہ ہی نشان دکھاتے اور وہی احکام سناتے تھے جس کا اذن خدا کے یہاں سے ہوتا۔ خدائی اذن کا مال یہ ہے کہ اس کے یہاں ہر زمانہ اور ہر قرن کے مناسب جدا جدا حکم لکھا ہوا ہے۔ اور ایک وعدہ ظہر ا ہوا ہے جس کو نہ کوئی نبی بدل سکتا ہے نہ فرشتہ۔ پھر جب ہر ایک پیغمبر اپنے زمانہ کے مناسب احکام لائے۔ اور اپنی صداقت کے نشان دکھانے میں پبلک کی خواہشات کے پابند نہیں رہے۔ نہ اپنے کو خواجہ بشریہ اور تعلقات معاشرت سے پاک اور برتر ظاہر کیا تو ان ہی چیزوں کا محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جانا انکار نبوت کی دلیل کیسے بن سکتی ہے؟

۲ یعنی اپنی حکمت کے موافق جس حکم کو چاہے منسوخ کرے، جسے چاہے باقی رکھے۔ جس قوم کو چاہے مٹائے جسے چاہے اس کی جگہ جمادے۔ جن اسباب کی تاثیر چاہے بدل ڈالے جن کی چاہے نہ بدلے۔ جو وعدہ چاہے شرانکھی موجودگی میں ظاہر کرے جو چاہے شرانکھ کے نہ پائے جانے کی بنا پر موقوف کر دے۔ غرض ہر قسم کی تبدیل و تغیر مجموعاً احکام، نسخ و احکام اسی کے ہاتھ میں ہے۔ قضا و قدر کے تمام دفاتر اسی کے قبضہ میں ہیں اور سب تفصیلات و دفاتر کی جو جیسے "ام الكتاب" کہنا چاہیے اسی کے پاس ہے یعنی "علم ازلی مجید" جو ہر قسم کے تبدیل و تغیر سے قطعاً منزہ و مہربی اور لوح محفوظ کا ماخذ ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر چیز اسباب سے ہے بعض اسباب ظاہر ہیں یعنی جیسے ہیں۔ اسباب کی تاثیر کا ایک طبعی اندازہ ہے، جب اللہ چاہے اس کی تاثیر اندازہ سے کم یا زیادہ کر دے جب چاہے وہی ہی رکھے۔ آدمی کبھی ننگر سے مرتا ہے اور کبھی گولی سے بچتا ہے اور ایک اندازہ ہر چیز کا اللہ کے علم میں ہے جو ہرگز نہیں بدلتا۔ اندازہ سے کو قدر کہتے ہیں۔ یہ دو قدر ہیں۔ ہر ایک بدلتی ہے اور ایک نہیں بدلتی۔ جو قدر بدلتی ہے اس کو متعلق اور جو نہیں بدلتی اس کو مہرم کہتے ہیں۔ جن امارت و آثار سے بعض افاضل کو قضاے مہرم کے بدلنے کا شہرہ ہوا ہے ان کے متعلق یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ ان شاء اللہ مستقل تفسیر میں لکھا جائے گا۔ اگر خدا نے تو فریق دی۔ وہو الموفق والمستعان۔

۳ یعنی جو وعدے ان سے کیے گئے ہیں، ہم کو اختیار ہے کہ ان میں سے بعض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پورے کر دیں۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ظاہر کر دیں، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ظہور کی فکر میں بڑھانا چاہیے اور نہ تاخیر و اجمال دیکھ کر ان لوگوں کو بے فکر ہونا چاہیے۔ خدا کے علم میں ہر چیز کا ایک وقت مناسب ہے جس کے پہنچنے پر وہ ضرور ظاہر ہو کر رہے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا فرض (تبلیغ) ادا کیے جائیں۔ نگذیب کرنے والوں کا حساب ہم خود ہے ہاں کر دیں گے۔

الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَظْرَافِهَا ۚ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ ۗ وَهُوَ سَرِيعٌ

زمین کو گھٹاتے اس کے کناروں سے ۱ اور اللہ حکم کرتا ہے کوئی نہیں کہ پیچھے ڈالے اس کا حکم ۲ اور وہ جلد لیتا ہے زمین پر گھٹاتے اس کو کناروں سے۔ اور اللہ حکم کرتا ہے، کوئی نہیں کہ پیچھے ڈالے اس کا حکم۔ اور شتاب لیتا ہے

الْحِسَابِ ۚ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا ۗ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ

حساب ۳ اور فریب کر چکے ہیں جو ان سے پہلے تھے سو اللہ کے ہاتھ میں ہے سب فریب ۴ جانتا ہے جو کچھ کماتا ہے ہر حساب۔ اور فریب کر چکے ہیں ان سے اگلے، سو اللہ کے ہاتھ میں سب فریب۔ جانتا ہے جو کماتا ہے ہر

نَفْسٍ ۗ وَسَيَعْلَمُ الْكٰفِرِيْنَ لِمَنْ عَقَبِيَ الدّٰرِ ۚ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَلَسَتْ مُرْسَلًا

ایک جی ۵ اور اب معلوم کیے لیتے ہیں کافر کہ کس کا ہوتا ہے پچھلا گھر ۶ کہتے ہیں کافر تو بھیجا ہوا نہیں آیا جی۔ اور اب معلوم کریں گے مگر، کس کا ہوتا ہے پچھلا گھر۔ اور کہتے ہیں مگر، تو بھیجا نہیں آیا۔

عَقْلٌ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۗ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۗ

کہہ دے اللہ کافی ہے گواہ میرے اور تمہارے بیچ میں ۷ اور جس کو خبر ہے کتاب کی ۸ کہہ، اللہ بس ہے گواہ میرے تمہارے بیچ، اور جس کو خبر ہے کتاب کی۔

۱ یعنی سر زمین مکہ کے آس پاس اسلام کا اثر پھیلتا جاتا اور کفر کی عملداری گھٹتی جاتی ہے۔ بڑے بڑے قبائل اور اشخاص کے قلوب پر اسلام کا سک بٹھ رہا ہے۔ اس و خورج کے دل حق و صداقت کے سامنے متوجہ ہو رہے ہیں۔ اس طرح ہم آہستہ آہستہ کفر کی حکومت کو دباتے چلے آ رہے ہیں۔ بحیاء روشن آثار ان ملکذین کو نہیں بتلاتے کہ خدا کا فیصلہ ان کے مستقبل کے متعلق کیا ہو چکا ہے۔ ایک عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ اسلام آج جس رفتار سے بڑھ رہا ہے وہ کسی طاقت سے رکھنے والا نہیں۔ لہذا انجام بنتی اسی میں ہے کہ آنے والی چیز کو آتی ہوئی سمجھیں۔

۲ یعنی اس کا کوئی جی حکم اور فیصلہ اٹل ہے۔ جب وقت آ جائے تو کس کی طاقت ہے کہ ایک منٹ کے لیے ملتوی کر کے پیچھے ڈال دے۔

۳ یعنی جہاں حساب کا وقت آنے پہنچا پھر دیر نہ لگے گی۔ یا جو چیز یقیناً آنے والی ہے اسے جلد ہی سمجھو۔

۴ وہ نہ چاہے تو سب فریب رکھے رہ جائیں، یا یہ کہ خدا ان کے فریب کا توڑ کرتا ہے مگر اصل میں خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں اگر برائی کے لیے کی جائے بری ہے اور برائی کو دور کرنے کے لیے ہو تو اچھی ہے۔ یعنی انہوں نے چھپ چھپ کر ناپاک تدبیریں کیں لیکن خدا کی تدبیر سب پر غالب رہی، اس نے وہ تدبیریں ان ہی پر اٹ دس (وَلَا يَحْتَسِبُ الْكٰفِرِيْنَ اَلَا بِاَعْيُنِهِمْ)

۵ یعنی جس سے کوئی حرکت و سکون اور کھلا چھپا کام پوشیدہ نہیں اس کے آگے کسی کام کو کیا چل سکتا ہے وہ ان مکاروں کو خوب مزا چکھائے گا۔

۶ یعنی جسے اگلوں نے اپنے مکر کا انجام دیکھ لیا، موجودہ مکار کو بھی قدر عافیت معلوم ہو چاہتی ہے۔

۷ یعنی تمہارے جھٹلانے سے کچھ نہیں ہوتا جبکہ خداوند قدوس میری صداقت کے بڑے بڑے نشان دکھلا رہا ہے قرآن جو اس کا کلام ہے جیسے اپنے کلام انہی ہونے کی شہادت دیتا ہے، اسی طرح میرے پیغمبر برحق ہونے کا گواہ ہے۔ اگر آغوش کھول کر دیکھو تو سخت ناموافق حالات میں سچ کا اس شان سے پھیلنے جانا اور دشمنوں تک کے دلوں میں گھر کرنا اور جھوٹ کا مغلوب و مقہور ہو کر ستمتے رہنا خدا کی طرف سے کھلی ہوئی گواہی میری حقانیت کی ہے۔

۸ یعنی جن کو قرآن کا علم اور اس کے حقائق کی خبر ہو گئی ہے وہ بھی دل سے گواہ ہیں کہ میں نے کچھ جھوٹ نہیں بنایا۔ نیز جنہیں پہلی کتب سماویہ اور ان کی پیشین گوئیوں کی اطلاع ہے ان کے دل گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیک ان پیشین گوئیوں کے مطابق تشریف لائے ہیں جو سیکڑوں برس پیشتر موسیٰ اور سچ کر چکے تھے۔ "عَلَيْهِمَا وَعَلَىٰ نَبِيِّنَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ"۔ اسے خدا تو گواہ رہے کہ جس چیز کی گواہی تو نے اور تیری کتاب والوں نے دی، یہ ماہرین جی بھی

صدق دل سے اس کی گواہی دیتا ہے۔ تَمَّ سُوْرَةُ الرَّعْدِ بِعَوْنِ اللّٰهِ وَحُسْنِ تَوْفِيقِهِ۔

### خطاب بہ اہل کتاب در بارہ نبوت

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿وَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ...﴾ الی... وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ﴿

رابطہ: ..... اوپر کی آیتوں یعنی ﴿وَإِنْ تَعَجَبْتَ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ﴾ الخ ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ میں نبوت کی بحث گزری، اب ان آیات میں اہل کتاب کی حالت اور منکرین نبوت کے چند شبہات کا جواب دیتے ہیں کفار عرب آنحضرت ﷺ کی نبوت میں زیادہ یہ شبہات کیا کرتے تھے ایک شبہ یہ تھا کہ پیغمبر کو تو فرشتوں کی طرح زن و فرزند سے اور علائق بشریہ سے پاک ہونا چاہیے۔ ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ﴾ میں اس شبہ کا جواب دیا گیا کہ آپ ﷺ سے پہلے جو نبی بھیجے گئے اور جن کی نبوت کو اہل کتاب بھی مانتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ وہ بھی اہل و عیال والے تھے دوسرا شبہ یہ کرتے تھے کہ یہ کیسے نبی ہیں کہ جو ہماری خواہش کے مطابق معجزات نہیں دکھلا سکتے ﴿وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ﴾ میں اس شبہ کا جواب دیا گیا کہ یہ بات رسول کے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ تیسرا شبہ ان کا یہ تھا کہ ہماری تکذیب اور مخالفت پر جن مصائب اور آفات سے ہم کو ڈراتے ہیں وہ ہم پر نازل کیوں نہیں ہوتیں۔ ﴿لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ﴾ سے اس شبہ کا جواب دیا کہ خدا کے یہاں ہر شے کا وقت مقرر ہے جو پہلے سے لکھا جا چکا ہے اور اس لفظ سے ان کے ایک اور شبہ کا اجمالاً جواب ہو گیا کہ یہ کیسے نبی ہیں کہ تو رات و انجیل کے احکام کا اور خود اپنی شریعت کے احکام کا نسخہ جانز رکھتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ قرآنِ خدائی کلام نہیں پھر آئندہ آیت میں اسی جواب کی تفصیل فرمائی ﴿يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُخَوِّدُ﴾ کہ حسب مصلحت احکام بدلتے رہتے ہیں ان شبہات کی تفصیل کے لیے تفسیر کبیر: ۵/۳۱۴ دیکھیں، اب آئندہ آیات میں ان تمام شبہات کا جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور جن لوگوں کو ہم نے آسمانی کتاب دی یعنی توریت و انجیل جیسے عبد اللہ بن سلام علیہ السلام اور نصارائے نجران و یمن۔ مراد اس سے وہ اہل کتاب ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس عطیہ کو قبول کیا اور اس سے منتفع ہوئے ایسے لوگ خوش ہوتے ہیں اس کتاب سے جو آپ کی طرف نازل کی گئی کیونکہ نورِ عقل سے قرآن کو علم و معرفت کا منبع پاتے اور اس کی خبر اپنی کتابوں میں پاتے ہیں اور بعضے فرتے اس قرآن کی بعض باتوں کو نہیں مانتے جو ان کی دنیوی اغراض و منافع میں حائل اور مانع بنتی ہیں آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہیں اپنا اختیار ہے کہ تم اپنے احمقانہ عقائد تثلیث اور کفارہ پر قائم رہو جزا میں نیست کہ مجھ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف ایک اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں کسی کو خدا کا بیٹا ماننا یا جو رو بنانا یہ شرک ہے اور میں لوگوں کو صرف اللہ ہی کی طرف بلاتا ہوں نہ کسی غیر کی جانب کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اسی کی طرف دعوت دینے کے لیے مبعوث ہوا ہوں اور اس کی طرف مجھے واپس جانا ہے اس سرائے فانی کا قیام چند روزہ ہے مطلب یہ ہے کہ قیامت حق ہے اور اس پر میرا ایمان ہے اور یہ امور اہل کتاب کے نزدیک بھی مسلم ہیں اس لیے کہ اصولاً اہل کتاب توحید اور رسالت اور قیامت کے قائل ہیں اور جس طرح ہم نے قرآن سے پہلی کتابوں کو صاحب کتاب کی زبان میں اتارا اسی طرح ہم نے اس کتاب کو حکمِ عربی بنا کر آپ ﷺ کی زبان میں اتارا جو جدا عجا کو پہنچا

ہوا ہے اور پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور یہ قرآن اللہ کی آخری کتاب ہدایت ہے۔

اس لیے اہل کتاب پر اسی کا اتباع واجب ہے کیونکہ یہ آخری کتاب ہونے کی وجہ سے تمام پہلی کتابوں کی نسخ ہے اور نسخ کے بعد منسوخ کا اتباع ہدیٰ نہیں بلکہ ہوائے نفس ہے اس لیے اے نبی ﷺ! اگر بغرض محال آپ ﷺ نے اس علم الہی کے آجانے کے بعد ان کی خواہشوں کا اتباع کیا تو اللہ کے مقابلہ میں آپ ﷺ کا کوئی مددگار اور عذاب الہی سے بچانے والا نہیں مطلب یہ کہ اللہ کے احکام کو صاف صاف بیان کر کسی بات میں ان کی پیروی اور رعایت نہ کرو اور ان سے نہ ڈرو ظاہر میں یہ خطاب اگرچہ آنحضرت ﷺ کو ہے مگر اصل مقصود اہل کتاب مشرکین اور منکرین کو سنانا ہے اور اگر کوئی آپ ﷺ کی نبوت میں یہ طعن کرے کہ رسول کو نکاح اور بیوی بچوں اور کھانے پینے سے کیا مطلب، نبی کو ان دنیوی مرغوبات اور لذت سے کیا تعلق تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات نبوت کے منافی نہیں اس لیے کہ تحقیق ہم نے آپ ﷺ سے پہلے کتنے ہی رسول بھیجے جو کھاتے اور پیتے تھے اور ہم نے ان کی بیبیاں اور اولاد بھی دی نکاح اور اولاد سے نبوت میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ اس سے بشریت کی تکمیل اور تنزیہ ہو جاتی ہے اسلام ہمیں رہبانیت نہیں سکھاتا حضرات انبیاء ﷺ جسمانیات اور روحانیت دونوں اعتبار سے کامل ہوتے ہیں اس لیے اہل وعیال ان کے فرائض رسالت کی ادائیگی میں خارج اور مزاحم نہیں ہوتے اور اگر کوئی آپ ﷺ کی نبوت میں یہ شبہ کرے کہ اگر آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں تو ہماری خواہش کے مطابق معجزات کیوں نہیں دکھلاتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی رسول کے امکان میں یہ نہیں کہ بغیر حکم خداوندی اپنی طرف سے کوئی معجزہ اور نشانی لاسکے بغیر خدا کی مرضی کے پیغمبر معجزہ نہیں دکھا سکتا معجزہ کا ظہور اللہ کے ارادہ اور مشیت اور اس کی حکمت اور مصلحت پر موقوف ہے نہ کسی خواہش اور رغبت پر وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر وقت موعود اور موت معینہ کے لیے ایک خاص حکم لکھا ہوا ہے اور ہر دور دورہ کے لیے اس کے یہاں ایک کتاب اور خاص تحریر ہوتی ہے جو مقتضائے حکمت و مصلحت اس مدت اور قرن کے لیے مناسب ہوتی ہے اور وہ کتاب کارکنان قضاء و قدر یعنی ملائکہ مدبرات کو دے دی جاتی ہے۔ جب تک اس کی میعاد باقی رہتی ہے اس وقت تک وہ حکم جاری رہتا ہے جب اس کی میعاد ختم ہو جاتی ہے تب دوسرے زمانہ اور قرن کے مناسب دوسرا حکم آتا ہے اس جگہ اجل سے ازمنہ موجودات مراد ہیں ہر موجود کے لیے ایک محدود اور معین زمان چاہئے جس میں وہ محدود ہو کر پایا جائے نہ بڑھے نہ گھٹے، مطلب ❶ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وقت کسی کام کے لیے مقرر کر دیا ہے وہ اس کے یہاں لکھا ہوا ہے جب وہ وقت آتا ہے تو جو حکم اس وقت کے مناسب ہوتا ہے وہ ظاہر ہوتا ہے ہر زمانہ کے لئے اس کے یہاں ایک مخصوص کتاب ہے اس نے کمال علم و حکمت سے ہر زمانہ کے لئے ایک حکم معین اور مقدر فرما دیا ہے جو ان پر اپنے وقت پر ظاہر ہوتا ہے اسی طرح سمجھو کہ کوئی نشان اپنے لکھے ہوئے وقت سے پہلے ظاہر نہیں ہو سکتا اللہ کا کارخانہ لوگوں کی فرمائشوں اور پبلک کے مطالبات پر نہیں چلتا اللہ نے اپنی حکمت اور مصلحت سے ہر کام کے لیے وقت مقرر کر کے لکھ دیا ہے جب تک وہ مقرر وقت نہ آجائے وہ کام نہیں ہو سکتا مطالبہ اور جلد بازی سے کچھ نہیں ہوتا اس ارشاد سمر پاپا ارشاد سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ ہر قضائے الہی ❶ اس آیت کی یہ تفسیر، تفسیر بیضاوی اور تفسیر ابوالسعود اور تفسیر روح المعانی سے ماخوذ ہے حضرات اہل علم ان تفسیروں سے مراجعت فرمائیں۔ (واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم)

اور وعدہ خداوندی کا وقت لکھا ہوا ہے اور ہر قرن اور زمانہ کے لیے جدا حکم ہے جو اس کے مناسب ہے اور ہر حکم اپنے لکھے ہوئے کے مطابق اپنے وقت پر ظاہر ہوتا ہے۔

اس آیت سے مشرکین کے اس شبہ کا جواب ہو گیا جو مشرکین کہتے تھے کہ آپ ﷺ اپنے کفر اور تکذیب کی بناء پر جن بلاؤں اور عذابوں سے ہم کو ڈراتے ہیں وہ کہاں ہیں اس کے جواب میں فرمایا کہ ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور معین ہے جو اللہ کے یہاں لکھا ہوا ہے اپنے اپنے وقت پر اس کا ظہور ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ﴿لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ میں اجل سے وقت موعود اور مدت معینہ مراد ہے اور کتاب سے نامہ خداوندی اور نوشتہ خداوندی مراد ہے اور آیت اپنے ظاہر پر ہے جمہور مفسرین نے اسی کا اختیار فرمایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہر وہ وقت جس میں اللہ نے کسی امر کے وقوع کو مقدر کیا ہے اللہ کے یہاں اس کے جاری ہونے کا وقت لکھا ہوا ہے اسی لکھے ہوئے کے مطابق اس کا وقوع اور ظہور ہوتا ہے اور فراء نحوی بُؤْتَفَتِي یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے اور اصل کلام اس طرح ہے ﴿لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ یعنی امر جس کو خدا تعالیٰ نے لکھ رکھا ہے اس کے لیے ایک اجل مؤجل اور وقت معلوم ہے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ﴾ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۲۸ نیز تفصیل کے لیے تفسیر کبیر: ۲۱۵/۵ دیکھیں)

اب آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے اس نے اپنی حکمت اور ارادہ اور مشیت سے ہر چیز کا ایک وقت مقرر کر دیا ہے مگر وہ اس پر لازم نہیں اس میں جس طرح چاہے تغیر و تبدل کر سکتا ہے اس لیے کہ اللہ اپنی قدرت اور حکمت سے جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے اس کو ثابت اور برقرار رکھتا ہے وہ لکھے ہوئے ہیں تغیر و تبدل پر قادر ہے اس کو اختیار ہے کہ جس حکم کو چاہے منسوخ کر دے اور جس کو چاہے باقی رکھے یہ اس لیے فرمایا کہ یہود یہ کہتے تھے کہ یہ کیسا نبی ہے کہ جو توریت اور انجیل میں اور اپنی شریعت کے احکام میں نسخ کو جائز رکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اللہ اپنی حکمت اور مصلحت کے موافق نازل کرتا ہے اور جب وہ مصلحت نہیں رہتی تو اس حکم کو محو کر دیتا ہے یعنی منسوخ کر دیتا ہے اس سے یہود و نصاریٰ کے اس شبہ کا جواب ہو گیا جو وہ نسخ احکام کے متعلق کرتے تھے۔

جاننا چاہئے کہ اس آیت میں جو محو و اثبات کا ذکر کیا گیا اس میں ہر قسم کی تغیر و تبدل داخل ہے مثلاً حکومتوں کا فناء و زوال اور قوموں کا ادا بار و اقبال اور سعادت و شقاوت کا بدلنا اور رزق میں فراخی اور تنگی ہونا اور عالم سفلی میں کون و فساد کا ہونا اس قسم کے تمام تغیرات اور انقلابات، محو و اثبات کے عموم میں داخل ہیں اور مطلب یہ ہے کہ وہ مالک و مختار ہے کبھی موجود کرتا ہے اور کبھی معدوم بھی زندہ کرتا ہے اور کبھی مارتا ہے کبھی مالدار بناتا ہے اور کبھی فقیر و غیرہ وغیرہ۔ پس اسی طرح اس کا اختیار ہے کہ جس حکم کو چاہے کسی وقت منسوخ کرے اور جس حکم کو چاہے برقرار رکھے وہ علیم و حکیم ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں فرض یہ کہ ہر قسم کی تغیر و تبدل اور ہر قسم کا محو و اثبات اور نسخ احکام سب اس کے ہاتھ میں ہے اور محو و اثبات اور تغیر و تبدل

● قال القرطبي قوله تعالى ﴿لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ اي لكل امر قضاء الله كتاب عند الله قال الحسن وقيل فيه تقديم و تاخير  
المعلق كل ما اجعل الامر لا الضحاك الطسعتي كل ما يبدل الله جل و جلا في خلقه ﴿لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ﴾ (تفسیر قرطبی: ۲۲۸/۹)

● دیکھو تفسیر کبیر: ۲۱۶/۵ م رازی تفصیلاً نے اسی کا اختیار فرمایا ہے کہ محو و اثبات سے کسی خاص شے کا محو و اثبات مراد نہیں بلکہ عام معنی مراد ہیں۔ ۱۲

”بدا“ نہیں (جیسا کہ روافض کا گمان ہے) بلکہ بطریق حکمت و مصلحت ہے اس لیے کہ اس کے پاس اصل کتاب ہے جس کا نام لوح محفوظ ہے جس میں اس محو و اثبات و تغیر و تبدل کی تمام تفصیل درج ہے اور یہ لوح محفوظ قضا و قدر کے تمام دفاتر کی جڑ ہے اور تغیر و تبدل اور محو و اثبات سے منزہ اور مبرئ ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں ”دنیا میں ہر چیز اسباب سے ہے بعضے اسباب ظاہر ہیں بعضے اسباب کی تاثیر کا ایک اندازہ ہے جب اللہ چاہے اس کی تاثیر اندازہ سے کم یا زیادہ کر دے جب چاہے ویسی ہی رکھے آدمی کبھی کنکر سے مرتا ہے اور کبھی گولی سے بچتا ہے اور ایک اندازہ ہر چیز کا اللہ کے علم میں ہے وہ ہرگز نہیں بدلتا اندازے کو تقدیر کہتے ہیں یہ دو تقدیریں ہیں ایک بدلتی ہے ایک نہیں بدلتی۔ جو تقدیر بدلتی ہے اس کو معلق کہتے ہیں اور جو نہیں بدلتی اس کو مبرم کہتے ہیں۔“ (کذافی موضح القرآن)

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ ان آیات کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں ”ہر قضائے موقت را نامہ ہست یعنی چوں قضائے الہی بوجہ تحقق شود آرزو در عالم ملکوت ثبت می کنند تا بومی سازد۔ خدا ہر چہ می خواہد وثابت می کند ہر چہ خواہد و نزدیک دوست ام کتاب یعنی لوح محفوظ۔ مترجم گوید صورت حادثہ در عالم ملکوت خلق می فرماید بعد ازاں اگر خواہد محو کند وثابت دار دو شاید کہ معنی چنین باشد ہر زمانے را شریعتی ہست نسخ می کند، خدائے تعالیٰ آنچه خواہد وثابت می گزارد آنچه خواہد و نزدیک دوست لوح محفوظ“ واللہ اعلم (فتح الرحمن)

حاصل کلام یہ کہ ان آیات میں حق تعالیٰ نے اپنی صفت تقدیر اور علم ازلی کو بیان کیا کہ حق تعالیٰ نے حوادث اور واقعات کے لیے ایک وقت مقدر اور مقرر فرمایا ہے ان میں خدا کی مرضی سے رد و بدل بھی ہوتا رہتا ہے اور ایک حکم قطعی ہے وہ کبھی نہیں بدلتا پہلے کو قضاء معلق اور دوسرے کو مبرم کہتے ہیں۔

### مسئلہ بدائی مختصر تشریح

شیعہ آیت مذکورہ یعنی ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُنْفِثُ﴾ سے بداثبات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں جس محو و اثبات کا ذکر ہے اس سے بطریق بداحوال و اثبات مراد ہے اللہ تعالیٰ ان کو عقل اور فہم دے اہل سنت کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی تغیر و تبدل اور محو و اثبات سب اللہ کے ہاتھ میں ہے عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ سب اس کے علم ازلی اور ارادہ اور مشیت سے ہو رہا ہے اور اللہ کا علم اور ارادہ بدائے پاک اور منزہ ہے شیعوں کے اس خیال سراپا خیال کے اختلال ظاہر کرنے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ بدائی مختصر تشریح کر دی جائے۔

اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بداجائز نہیں اس لیے کہ بدکا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ ایک چیز کا ارادہ فرمائے پھر اس کو کسی دوسری چیز میں مصلحت ظاہر ہو جو اس سے قبل ظاہر نہ تھی پس ارادہ اول کو فتح کر کے دوسری چیز کا ارادہ کر لے تو یہ بداء ہے شیعہ کہتے ہیں کہ اللہ کے لیے بداجائز ہے اور واقع ہے اور آیت مذکورہ ﴿يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُنْفِثُ﴾ کو استدلال میں پیش کرتے ہیں۔ یعنی اللہ مٹاتا ہے جو چاہتا ہے۔ اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے شیعہ کہتے ہیں کہ



مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کو دوسری مصلحت ظاہر ہوتی ہے تو پہلے ارادہ کو بدل دیتا ہے اور یہ ہی معنی بدا کے ہیں علماء شیعہ اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں ان معنی قولنا بدالہ تعالیٰ انہ ظہر لہ ما لم یکن ظاہراً یعنی ہمارے اس قول کہ اللہ تعالیٰ کو بدا واقع ہوا اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کو ایسی بات ظاہر اور معلوم ہوئی جو پہلے ظاہر نہ ہوئی تھی۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بدا کا واقع ہونا ناممکن اور محال ہے کیونکہ نصوص متواترہ سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ اللہ کا علم ازل تمام کائنات کو محیط ہے ازل سے ابد تک تمام کائنات اور ممکنات کو برابر اور یکساں جانتا ہے کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کو پہلے سے نہ جانتا ہو اور بعد میں اس کو جانے عقلاً یہ بات محال ہے کہ اللہ پر کوئی ایسی چیز اور منکشف ہو جو پہلے اس پر ظاہر اور منکشف نہ تھی اور سورہ طہ میں ہے ﴿لَا یُضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسِیْ﴾ اللہ کا علم غلطی اور نسیان سے پاک ہے معاذ اللہ اگر حق تعالیٰ کے لیے بدا جائز ہے۔ تو لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ ناعاقبت اندیش ہے اور اس کو انجام کا علم نہیں تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیراً۔

عجیب بات ہے کہ شیعوں کے نزدیک ایسے کو تو علم ماکان وما یکون ہو اور خداوند علام الغیوب کو نہ ہو کہ جس کو بدا کی ضرورت لاحق ہو کہ مصلحت ظاہر ہونے پر پہلے ارادہ کو فتح کرے اور دوسری چیز کا ارادہ کرے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں خلفاء ثلاثہ اور مہاجرین اور انصار کی مدح کی مگر بعد میں بدا واقع ہوا کہ یہ ساری تعریفیں اور سارے وعدے غلطی سے اول ظہور میں آئے اور بعد میں حقیقت الامر صحابہ کی جناب باری کو معلوم اور ظاہر ہو گئی مگر حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں کسی جگہ بھی اشارہ اور کنایہ یہ نہیں بتلایا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں مجھے بدا واقع ہو گیا ہے شیعوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں قدر قلیل بدا واقع نہیں ہوا بلکہ بمقدار عظیم و کثیر بدا واقع ہوا کہ بیشمار آیتوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی مدح فرما گئے اور بعد میں ظاہر ہوا کہ یہ سب خلاف مصلحت تھا اور معاذ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو ساری ہی عمر اسی غلطی میں مبتلا رہے جس سے خداوند کریم کو بدا واقع ہوا شاید حسب زعم شیعہ جو قرآن امام غائب کے پاس ہے اس میں کوئی آیت ایسی ہو جو اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ اللہ تعالیٰ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں بدا واقع ہوا۔

## بدا کی اقسام

شیعوں کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بدا کی تین قسمیں ہیں۔

**قسم اول: بدافی العلم:۔۔۔۔۔** وهو ان یتظہر لہ خلاف ما علم، یعنی بدا در علم یہ ہے کہ پہلے علم کے خلاف کوئی چیز ظاہر ہو یعنی خدا تعالیٰ نے پہلے سے جو جان رکھا تھا بعد میں حقیقت الامر اس کے خلاف معلوم ہوئی اور منکشف ہوئی۔

**قسم دوم: بدافی الارادہ:۔۔۔۔۔** وهو ان یتظہر لہ علی خلاف ما ارادہ، یعنی بدا در ارادہ یہ ہے کہ پہلے کچھ ارادہ تھا پھر بعد میں یوں معلوم ہوا کہ یہ ارادہ ٹھیک نہیں تھا۔

**قسم سوم: بدافی الامر:۔۔۔۔۔** وهو ان یا امر بشیء ثم یا امر بشیء بعدہ، یعنی بدافی الامر یہ ہے کہ پہلے کچھ حکم دیا پھر بعد ازاں یہ معلوم ہوا کہ پہلے حکم میں کچھ غلطی تھی اس حکم کو بدل کر دوسرا حکم ایسا دیا کہ جس میں یہ غلطی نہ ہو بلکہ مصلحت

وقت کے مطابق ہو۔

اور شیعہ ان تینوں معنی پر خدا تعالیٰ کی بد اوکوجائز قرار دیتا ہیں اور بد اوکی پہلی قسم کو شیعہ اپنے عرف میں بد او اخبار کہتے ہیں اور دوسری قسم کو بد او تکوین کہتے ہیں اور تیسری قسم کو بد او تکلیف کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل سنت نے بھی بد او کی اس تیسری قسم کو جائز رکھا ہے۔ چونکہ بد او کی تیسری قسم یعنی بد او فی الحکم اور بد او فی التکلیف بظاہر نسخ کے مشابہہ معلوم ہوتی ہے جس کے اہل سنت قائل ہیں اس لیے شیعوں نے یہ کہہ دیا کہ اہل سنت بھی بد او کی تیسری قسم بد او فی الحکم کو جائز رکھتے ہیں! اور بد او جائز نہیں رکھتے اور نسخ اور بد او فی الامر میں فرق ہے اور ہر ایک کی حقیقت دوسرے سے مغایر اور جدا ہے۔

نسخ اور بد او فی الحکم میں فرق:..... اہل سنت کہتے ہیں کہ نسخ کی حقیقت اور ہے اور بد او کی حقیقت اور ہے نسخ کی حقیقت یہ ہے کہ ایک حکم کا زمانہ ختم ہو جائے اور دوسرے حکم کا زمانہ آجائے معاذ اللہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ پہلے حکم میں کچھ غلطی تھی اس لیے وہ حکم موقوف ہو گیا بلکہ وہ حکم اسی زمانہ تک تھا اس کے بعد دوسرے حکم کا زمانہ آ گیا چاہے بندوں میں سے کسی کو پہلے سے زمانہ حکم اول کی مقدار اور مدت معلوم ہو یا نہ ہو اللہ کے یہاں ہر حکم کی ایک میعاد اور وقت مقرر ہے وہ حکم اس میعاد اور مدت تک برقرار رہتا ہے اور یہ سب کچھ اس حکم ازلی میں ہوتا ہے اور ہر حکم اپنے اپنے وقت میں عین حکمت اور عین مصلحت ہوتا ہے اور غلطی اور خطا سے پاک اور مبرا ہوتا ہے اور بد او کی حقیقت یہ ہے کہ پہلے ایک حکم دیا پھر جب اس میں کوئی نقصان معلوم ہوا تو اس کو بدل دیا تو خطا اور غلطی بد او کے مفہوم اور اس کی حقیقت میں داخل ہے ورنہ پھر وہ بد او نہیں تمام کتب شیعہ سے یہ ہی ظاہر ہوتا ہے کہ بد او کی حقیقت یہ ہی ہے کہ پہلی بات میں کوئی غلطی اور چوک ظاہر ہو جائے اور نیا علم پیدا ہو۔

اہل سنت اس کو محال اور ناممکن قرار دیتے ہیں کہ اللہ کے علم میں اور اس کے ارادہ میں اور اس کے حکم میں کسی خطا اور نسیان کا ذرہ برابر امکان نہیں اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے علیم اور حکیم ہے اس کو کوئی نیا علم ظاہر نہیں ہوتا اور ﴿لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْتَسِي﴾ اس کی شان ہے اس کے علم میں کسی غلطی اور بھول چوک کا امکان نہیں اور اللہ تعالیٰ کا بندوں کی مصلحت اور ان کے فائدہ اور منفعت کے لیے احکام کو بدلنا یہ نسخ ہے بد او نہیں اللہ تعالیٰ کا ہر حکم ہر زمان اور مکان میں حق اور درست ہے اور اس کے علم قدیم اور حکمت ازلیہ پر مبنی ہے اور خطا اور نسیان سے پاک اور منزہ ہے نسخ میں حکم اول کی تبدیلی اس بنا پر نہیں کہ کوئی جدید مصلحت ظاہر ہوئی جو پہلے ظاہر نہ تھی بلکہ مصالح مکلفین کی تبدیلی کی بنا پر احکام میں تبدیلی ہوئی ہے اور اللہ کے علم ازلی میں پہلے سے تھا کہ یہ حکم فلاں وقت تک رہے گا اس لیے اہل سنت نسخ کے قائل ہیں اور بد او کے قائل نہیں کیونکہ بد او کے معنی یہ ہیں کہ جب غلطی معلوم ہو تو اس کو بدل دیا جائے یہ اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ کا علم محیط ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کو حق تعالیٰ قبل ہونے کے اور بعد ہونے کے برابر نہ جانتا ہو۔

برو علم یک ذرہ پوشیدہ نیست کہ پیدا و پنہاں بنزدش یکمیت

اور آیت ﴿يَتَّخِذُوا اللَّهَ مِمَّا يَشَاءُ وَيُفْسِدُوا﴾ میں محو اور اثبات سے نامہائے اعمال سے حسنات اور سیئات کا محو و اثبات مراد ہے یا احکام اور شرائع میں تغیر و تبدل مراد ہے علم الہی میں محو اور اثبات مراد نہیں کیونکہ اسی آیت کے بعد مصلحاً یہ وارد ہے ﴿وَعِنْدَنَا آثَرُ الْكَفِبِ﴾ اور اللہ کے پاس اصل کتاب ہے یعنی لوح محفوظ ہے اس میں نہ تغیر ہے اور نہ تبدل ہے اور

علم الہی میں محو اور اثبات اور تغیر و تبدل عقلا محال ہے عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ سب اس کے علم ازلی کے مطابق اور موافق ہو رہا ہے۔

اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ کے یہاں دو دفتر ہیں ایک بڑا دفتر ہے جس کی طرف ام الكتاب کا لفظ اشارہ کرتا ہے دوسرا چھوٹا دفتر ہے اور ﴿لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ سے چھوٹے دفتر کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے یہاں ہر دور اور مدت کے لیے ایک جدا کتاب ہے اس میں سے ہو چاہے منادے اور جو چاہے باقی رکھے اور یہ محو و اثبات اس چھوٹے دفتر میں ہوتا ہے بڑے دفتر میں نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ جملہ ﴿يَتَمَخَّوْا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُفِيْتُ﴾ چھوٹے دفتر یعنی ﴿لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ﴾ کے بعد واقع ہے اور یہ ہی مذہب اہل سنت کا ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ بڑا دفتر علم خداوندی کے موافق ہے یا خود علم خداوندی ہے اس میں گھٹاؤ بڑھاؤ نہیں ہوتا پھر شیعہ کس خوبی پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بد اکلام اللہ سے ثابت ہے۔

مسئلہ بد اکلام کے متعلق ہم نے بقدر ضرورت یہ مختصر کلام ہدیہ ناظرین کیا ہے جو تحفہ اثنا عشریہ مصنفہ حضرت شاہ عبد العزیز قدس سرہ اور ہدیہ الشیعہ مصنفہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ سے ماخوذ ہے حضرات اہل علم اصل کی مراجعت فرمائیں۔

### کفر کا زوال اور اسلام کا اقبال

قال الله تعالى ﴿وَإِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ... اِلَى... وَمَنْ عِنْدَنَا عِلْمُ الْكِتَابِ﴾

رابطہ:..... گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے اپنی شان محو و اثبات اور صفت تغیر و تبدل کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیات میں کفر کے زوال اور اسلام کے عروج اور اقبال کو بیان فرماتے ہیں کہ اس کے آثار شروع ہو گئے ہیں۔

نیز گزشتہ آیات میں کافروں پر دنیوی آفات اور مصائب کے نزول کی خبر دی تھی کما قال تعالیٰ ﴿وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا لُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةً أَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ﴾ الخ اور فرمایا تھا ﴿لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ اَشَقُّ﴾ اب ان آیات میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ اب ان مواعید کے آثار ظاہر ہونے لگے ہیں ان منکرین نبوت کو چاہئے کہ کفر کے زوال اور اختلال کے عروج اور اقبال کے جو آثار من جانب اللہ نمودار ہو رہے ہیں نظر اٹھا کر ان کو دیکھیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر ان لوگوں کو آپ ﷺ کی نبوت میں اس بناء پر شبہ ہے کہ کفر و کندی کی بناء پر جس عذاب کی دھمکی دی جاتی ہے وہ نازل کیوں نہیں ہوتا تو اس کے متعلق سن لیجئے۔

اے نبی ﷺ! اگر ہم آپ ﷺ کو اس عذاب میں سے جس کا کافروں کو وعدہ دیتے ہیں اس کا کچھ حصہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی زندگی ہی میں دکھلا دیں یعنی آپ ﷺ کی زندگی ہی میں ان پر کوئی عذاب نازل ہو جائے اور اہل کفر کی ذلت و خواری آپ ﷺ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں یا ان وعدوں کے وقوع سے پہلے آپ ﷺ کو دنیا سے اٹھا لیں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے جانشینوں اور خادموں کے ہاتھ پر باقی ماندہ وعدوں کو پورا کریں، بہر حال جو بھی صورت ہو آپ ﷺ فکر میں نہ پڑیں آپ ﷺ سے کوئی باز پرس نہ ہوگی بہر حال آپ ﷺ کے ذمہ تو ہمارا پیغام پہنچا

دینا ہے اور ہمارے ذمہ ہے ان سے حساب لینا اور ان کو سزا دینا خدا نے اسلام کی فتح و نصرت اور غلبہ کا اور کفر کی ذلت کا جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا خواہ دیر سے ہو یا سویرے سے باقی ان منکرین کو تاخیر اور مہلت سے بے خبر نہیں ہونا چاہئے کفر کے زوال اور اسلام کے عروج کے آثار شروع ہو گئے ہیں کیا یہ منکرین نبوت اس بات کو نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کفر کو اطراف و جوانب سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں دن بدن ملک میں اسلام بڑھتا اور پھیلتا جا رہا ہے اور کفر گھٹتا جا رہا ہے اور سرداران کفر اسلام کے حلقہ بگوش بنتے جا رہے ہیں اور روز بروز اسلام کی شوکت بڑھ رہی ہے اور کفر و شرک ذلیل و خوار ہو رہا ہے تو اعدائے اسلام اس سے عبرت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ بعض مفسرین نے ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اَتَانِي الْاَرْضَ نَنقُصُهَا﴾ سے فتوحات اسلامیہ مراد لی ہیں اس بناء پر ان کو اشکال پیش آیا کہ یہ سورت تو مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور ہجرت سے پہلے فتوحات اسلامیہ نہ تھیں تو اس اعتراض سے بچنے کے لیے یہ کہہ دیا کہ یہ سورت مدنی ہے مگر آیت کا صحیح مطلب وہ ہے جو ہم نے عرض کیا اور اس پر یہ اشکال ہی وارد نہیں ہوتا کہ جواب کی ضرورت پیش آئے حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اردو فائدہ میں اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فارسی فائدہ میں اسی مطلب کا اختیار کیا وہی راجح اور مختار ہے اور اشکال سے خالی ہے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یعنی روز بروز شوکت اسلام بزمین عرب منتشر می شود و دار الحرب ناقص می گردد از اطراف آن عامہ مفسرین اس آیت را مدنی دانند و نزدیک مترجم لازم نیست کہ مدنی باشد و مراد از نقصان دار الحرب اسلام اسلم و غفار و جبینہ و مزینہ و قبائل یمن است پیش از ہجرت، انتہی۔

اور شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ”ہم چلے آتے ہیں زمین پر گھٹائے یعنی اسلام پھیلتا جا رہا ہے عرب کے ملک میں اور کفر گھٹتا ہے“۔

مقصود اس آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ اگر یہ معاندین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور دعوت کو قبول نہ کریں تو رنجیدہ نہ ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو کام تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دیا اور آیت ﴿لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ﴿۱۳﴾ یَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُصِيبَهُمْ مِمَّا صَنَعُوا قَارِعَةً﴾ میں ہم نے عذاب کا وعدہ کیا ہے کہ وہ اپنے وقت پر آئے گا اس کا کچھ حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھادیں گے اور باقی ماندہ حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پورا ہوگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے فکر رہیں قضاء الہی میں بعض فتوحات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی واقع ہونے والے تھے اور بعض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے ہاتھ پر واقع ہونے والے تھے۔ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وعدہ فتوحات اور غلبہ اسلام کا کیا اس کا پورا کرنا ہمارے ذمہ ہے ان میں سے بعض دکھلا دیں گے اور بعض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھالینے کے بعد آپ کے خادموں کے ہاتھ پورے ہوں گے کیا مسلمانوں کو معلوم نہیں ہے کہ ہم دن بدن کفار کی زمین اطراف و جوانب سے کم کرتے جاتے ہیں اور مسلمانوں کو اس کا وارث بناتے جاتے ہیں۔

اور اللہ حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے کوئی اس کے حکم کو پیچھے ہٹانے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے کافروں کو جلد سزا دے گا اور مومنوں کو جلد جزاء دے گا اور یہ لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں تو خوب سمجھ لیں

کہ تحقیق گزشتہ کافروں نے بھی اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مکرو فریب کیا مگر سب بے کار گیا اس لیے کہ سب مکرو فریب اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے مگر کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو ایسے طریقہ سے برائی پہنچانا کہ خبر نہ ہو سو یہ امر حقیقتاً اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کافروں کے مکرو کو چلنے نہیں دے گا ہر شخص جو بھی کام اور تدبیر کرتا ہے اللہ اس کو خوب جانتا ہے اور یہ مکر کرنے والے اللہ کی ڈھیل سے دھوکہ میں نہ پڑیں ان کافروں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ دار آخرت کا اچھا انجام کس کے لیے ہے۔

اور کافر یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ خدا کے بھیجے ہوئے نہیں آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ تمہارے انکار سے کیا ہوتا ہے میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافر گواہ ہے خداوند قدوس نے میری صداقت کے بڑے بڑے نشانات تم کو دکھائے، شاہ صاحب ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کی گواہی کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سچ کو بڑھاتا ہے اور جھوٹ کو مٹاتا ہے اور جس کے پاس کتاب الہی کا صحیح علم ہے۔ وہ بھی میری نبوت کا کوئی گواہ ہے یعنی جن یہودیوں اور عیسائیوں کو توریت اور انجیل کا صحیح اور واقعی علم ہے اور وہ طالب دنیا اور حق کو چھپانے والے نہیں تو وہ میری نبوت کو خوب جانتے ہیں چنانچہ ایسے یہودیوں اور عیسائیوں نے آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت دی قال اللہ تعالیٰ ﴿اَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ اَنْ يَّعْلَمُوْا اَنْ يُّرْسِلُوْا رٰسُوْلًا﴾

اللهم انى اشهد انك انت الله لا اله الا انت وحدك لا شريك لك واشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبدك ورسولك ربنا اتنا بما انزلتنا واتبعنا الرسول فاكتبنا مع الشاهدين واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد وعلى اله واصحابه اجمعين وعلينا معهم يا ارحم الراحمين۔

### خاتمہ

الحمد لله آج بتاریخ ۱۵ شوال المکرم یوم یکشنبہ بوقت چاشت شورہ رد کی تفسیر سے فراغت ہوئی فلله الحمد و لا و آخرا۔ اے اللہ اپنی رحمت کاملہ سے بقیہ تفسیر کے اتمام کی توفیق عطا فرما اور اس کو قبول فرما، ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم۔ وتب علينا انک انت العواب الرحيم۔

بسم الله الرحمن الرحيم

### تفسیر سورۃ ابراہیم

یہ سورت مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اس میں باون آیتیں اور سات رکوع ہیں چونکہ اس سورت میں خانہ کعبہ اور حج بیت اللہ کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا ذکر ہے جو خانہ کعبہ کی عظمت اور فضیلت پر دلالت کرتی ہیں اسی لیے یہ سورت انہیں کے نام سے موسوم ہوئی کیوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعائیں آنحضرت ﷺ کے ظہور سراپا نور سے پوری ہوئیں اور خانہ کعبہ قبلہ صلوات قرار دیا گیا اور حج بیت اللہ جو اسلام کا چوتھا رکن ہے وہ فرض ہوا اور یہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے۔



مِنْ رَّسُولٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ط

رسول نہیں بھیجا ہم نے مگر بولی بولنے والا اپنی قوم کی تاکہ ان کو سمجھائے۔ پھر راستہ بھلاتا ہے اللہ جس کو چاہے اور راستہ دکھلاتا ہے جس کو چاہے۔ رسول نہیں بھیجا ہم نے، مگر بولی بولتا اپنی قوم کی، کہ ان کے آگے کھولے۔ پھر بھٹکاتا ہے اللہ جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے جس کو چاہے۔

### وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۴﴾

اور وہ ہے زبردست حکمتوں والا ﴿۴﴾

اور وہ ہے زبردست حکمتوں والا۔

### آغاز سورت بہ بیان مقصد بعثت

قَالَ النَّبِيُّ: كَتَبَ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ... إِلَى ... وَهُوَ الْعَزِيزُ

الْحَكِيمُ ﴿۴﴾

گزشتہ سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی قرآن کریم کی عظمت سے کیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بتلادیا گیا کہ قرآن کے نازل کرنے اور نبی کریم ﷺ کی بعثت سے مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ اس کتاب کے ذریعے سے لوگوں کو اندھیرے سے روشنی کی طرف نکالیں اور جو لوگ دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں ان کو آخرت کا راستہ بتلائیں دنیا کی

= ﴿۴﴾ یہ کافروں کا حال بیان فرمایا کہ ان کا اوڑھنا بھونایا ہی دنیا ہے آخرت کے مقابلہ میں اسی کو پسند کرتے ہیں اور ترجیح دیتے ہیں۔ شب و روز اسی کی محبت میں غرق رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی پابستے ہیں کہ دنیا کی محبت میں پھنسا کر خدا کی خوشنودی کے راستہ سے روک دیں۔ اسی لیے یہ فکر رہتی ہے کہ خدا کے دین میں کوئی عیب نکالیں اور سیدھے راستہ کو ٹیڑھا ثابت کریں۔ فی الحقیقت یہ لوگ راستہ سے بھٹک کر بہت ہی دور جا پڑے ہیں جن کے داپس آنے کی توقع نہیں۔ خدا کی سخت مار پڑے گی تب آنکھیں کھلیں گی۔

فلا یعنی جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے لوگوں کی ہدایت کے لیے یہ عظیم الشان کتاب عطا فرمائی، پہلے بھی ہر زمانہ میں سامان ہدایت ہم پہنچاتے رہے ہیں۔ چونکہ طبعی ترتیب کے موافق ہر پیغمبر کے اولین مخاطب اسی قوم کے لوگ ہوتے ہیں جن سے وہ پیغمبر اٹھایا جاتا ہے اس لیے اسی کی قومی زبان میں وحی بھیجی جاتی رہی کہ احکام الہیہ کے سمجھنے سمجھانے میں پوری سہولت رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دعوت میں گویا تمام جن داپس شامل ہیں، تاہم جس قوم میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھائے گئے اس کی زبان عربی تھی اور ترتیب طبعی کے موافق شروع ہدایت کی یہی صورت مقدس تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین مخاطب اور مقدم ترین شاگرد اسی سہولت اور خوبی سے قرآنی تعلیمات و حقائق کو سمجھ لیں اور محفوظ کر لیں کہ ان کے ذریعے سے تمام اقوام عالم اور آنے والی نسلیں درجہ بدرجہ قرآنی رنگ میں رنگی جاسکیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ عربوں نے اپنے نبی کی صحبت میں رہ کر اپنی قومی زبان میں جس سے انہیں بے حد شفقت تھا، قرآنی علوم پر کافی دسترس پائی، پھر وہ مشرق و مغرب میں پھیل پڑے اور روم و فارس پر چھا گئے۔ اس وقت قدرت نے بھی قوموں میں ایسا زبردست جوش اور داعیہ کلام الہی کی معرفت اور زبان عربی میں مہارت حاصل کرنے کا پیدا فرما دیا کہ تھوڑی مدت کے بعد وہ قرآنی علوم کی شرح و تبیین میں اپنے معاصر عربوں سے گوتے بھکت لے گئے بلکہ مومناطوم دینیہ و ادویہ کا مدار اٹھایا تک ہر دواز کرنے والے عمیوں پر رہ گیا۔ اس طرح خدا کی حجت بندوں پر تمام ہوئی رفتی اور وقتاً فوقتاً قرآنی ہدایت سے مستفید ہونے کے اسباب فراہم ہوتے رہے۔ قَالَ مُحَمَّدٌ لِلَّهِ عَلِيٌّ ذَا الْبَلَدِ۔ بہر حال خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص قوم عرب میں سے اٹھائے جانے کی اگر کچھ وجوہ

موجود ہیں (اور یقیناً ہیں) تو ان ہی وجوہ کے نتیجے میں اس سوال کا جواب بھی آ جاتا ہے کہ قرآن عربی زبان میں اتنا کر خداوند عالم نے عربوں کی رعایت کیوں کی؟ فلا یعنی تبیین و ہدایت کے سامان مکمل کر دیے پھر جس نے ان سامانوں سے منتفع ہونا چاہا اس کی دشگیری فرما کر راہ پر لگا دیا جس نے روگردانی کی اسے مگر اسی میں چھوڑے رکھا۔ وہ زبردست اور غالب ہے چاہے تو سب کو زبردستی راہ ہدایت پر لگا دے لیکن اس کی حکمت معضی ہوئی کہ انسان کو کسب و اختیار کی ایک حد تک آزادی دے کر رحمت و غضب دونوں کے مظاہر کو دنیا میں باقی رہنے دے۔

محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے اور ”ظلمات“ یعنی اندھیروں سے کفر اور شرک اور معصیت کے انواع و اقسام مراد ہیں چنانچہ فرماتے ہیں الزراس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں یہ کتاب ایک قرآن ہے جو ہم نے تجھ پر اتاری ہے تاکہ تو اس کے ذریعہ سے لوگوں کو کفر اور معصیت کی تاریکیوں سے ایمان اور ہدایت کی روشنی کی طرف نکالے ان کے پروردگار کے حکم سے یعنی خدا کی توفیق اور ہدایت سے جس کے لیے ہدایت مقدر کی ہے وہ رسول ﷺ کی دعوت سے ہدایت قبول کرے گا کیونکہ اصل ہادی اللہ تعالیٰ ہیں اور رسول داعی ہیں اپنی دعوت کے ذریعہ ظلمتوں سے نکال کر روشنی کی طرف یعنی ایسے خدا کے راستہ کی طرف لے جاتے ہیں جو غالب اور ستودہ ہے اور وہ راہ دین اسلام ہے اس اللہ کے راستہ کی طرف کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی ملک ہے اور خرابی اور بربادی ہے کافروں کے لیے کہ جو راہ کج کی طرف مائل ہیں اور اس سیدھی راہ میں حائل ہیں ایسوں کے لیے بڑا سخت عذاب ہے کیونکہ یہ لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں محبوب رکھتے ہیں ان کی تمام جدوجہد صرف دنیا کے لیے ہے اور آخرت کو طاق نسیان میں رکھ دیا ہے خود کا تو یہ حال ہے اور دوسروں کو بھی راہ خدا سے روکتے ہیں اور راہ حق میں کجی کے متلاشی رہتے ہیں یعنی دین اسلام میں طرح طرح کے عیب نکالتے رہتے ہیں تاکہ اس سیدھے راستے کو ٹیڑھا ثابت کر سکیں ایسے ہی لوگ ایسی گمراہی میں جا پڑے ہیں جو حق اور نور ہدایت سے بہت دور ہے بظاہر اب راہ ہدایت کی طرف آنے کی کوئی امید نہیں۔

### کفار کا ایک شبہ اور اس کا جواب

کفار کہتے تھے کہ یہ قرآن تو آپ ﷺ کی زبان میں اترا اگر کسی اور زبان میں ہوتا تو ہم یقین کرتے کہ یہ منزل من اللہ ہے یہ قرآن تو آپ ﷺ ہی کی زبان میں ہے اس لیے یہ احتمال ہے کہ شاید یہ قرآن خود آپ ﷺ ہی کا بنایا ہوا ہے اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اسی قوم کی بولی اور زبان میں تاکہ احکام الہیہ کو بخوبی ان کی زبان میں بیان کر سکے اور قوم اس کی بات کو باسانی سمجھ سکے اور وہ نبی ان کو خدا کا راستہ بتائے اور ظلمت سے ان کو نور کی طرف نکالے، پھر اس انداز اور بیان کے بعد جب ان پر رحمت الہیہ قائم ہو جاتی ہے تو اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے کہ ہدایت کا نور اس کے دل تک نہیں پہنچتا اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے کہ اس کے دل میں نور پیدا کرتا ہے اور وہ ایسا غالب اور زبردست ہے کہ کوئی اس کی مشیت کو روک نہیں سکتا بڑا حکمت والا ہے کسی کو ہدایت دینا اور کسی کو گمراہ کرنا یہ اس کی حکمت ہے جہاں عقل کی رسائی نہیں۔

فائدہ جلیلہ:..... بعض لوگوں کو بلسان قومہ کے لفظ سے خصوصاً بعثت کا شبہ ہو گیا اور یہ وہم ہو گیا کہ آپ ﷺ کی نبوت صرف عرب کے لیے تھی جیسا کہ بعض یہود کہتے تھے کہ آپ ﷺ فقط قوم عرب کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔

یہ بیان اور خیال قطعاً غلط ہے اس لئے کہ بیشمار آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ عرب اور عجم اور تمام عالم کی طرف مبعوث ہوئے اور اس آیت میں قوم سے شہر اور قبیلہ اور خاندان کے لوگ مراد ہیں نہ کہ امت مراد ہے اور قوم اور امت میں زمین و آسمان کا فرق ہے قوم خاص ہے اور امت عام ہے قوم تو اس قبیلہ اور خاندان کو کہتے ہیں جس میں



آپ ﷺ پیدا ہوئے اور عرب اور عجم اور کل عالم آپ ﷺ کی امت سے جن کی ہدایت کے لیے آپ ﷺ مبعوث ہوئے پہلے زمانہ میں ہر نبی صرف اپنی قوم کے لیے مبعوث ہوتا تھا اس لیے انبیاء سابقین ﷺ میں قوم اور امت کا مصداق ایک ہی تھا اور آنحضرت ﷺ کی بعثت چونکہ عام ہے اس لیے آپ ﷺ کی قوم کا مصداق تو خاص ہے اور امت کا مصداق عام ہے اور آیت میں جو قصر ہے وہ فقط باعتبار لسان اور زبان کے ہے یعنی ارسال بزبان قوم مخصوص ہے اور مطلب یہ ہے کہ نبی کی زبان وہی ہوتی ہے جس قوم میں نبی پیدا ہوا اور یہ مطلب نہیں کہ نبی کی امت صرف وہی قوم ہے اور جو اس کی ہم زبان ہے اور آنحضرت ﷺ چونکہ تمام اقوام عالم کی طرف مبعوث ہوئے اس لیے یہ تو مناسب نہ تھا کہ ہر قوم کی زبان میں علیحدہ علیحدہ قرآن اترتا اس صورت میں نزاع اور اختلاف کا دروازہ کھل جاتا اور ہر قوم اپنی زبان کے اعتبار سے ایسے معنی کی مدعی بنتی جیسے دوسری قوم نہ سمجھ سکتی اور آنحضرت ﷺ چونکہ قوم عرب میں مبعوث ہوئے اور لغت عرب تمام لغات عالم میں سب سے اشرف، اور اکمل اور ارفع اور ابلغ ہے اس لیے آپ ﷺ پر عربی زبان میں کتاب الہی کا نزول اولیٰ اور انسب ہوا اور حضور پر نور چونکہ اشرف الرسل اور اکمل الرسل ہیں اس لیے آپ ﷺ پر کتاب اسی زبان میں نازل کی گئی کہ جو تمام لغات میں سب سے اشرف اور اکمل ہے کسی زبان میں عربی زبان جیسی نہ لغت تھی اور نہ صرف و نحو اور نہ بلاغت ہے کافیہ اور شافیہ اور تلخیص المفتاح کا تو کیا ذکر کروں امریکہ اور برطانیہ کے پاس انگریزی زبان کے قواعد کی میزان منشعب اور بیخ گنج اور نحو میر بھی نہیں اگر ہے تو لائے اور دکھلائے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوسٰی بِآیٰتِنَا اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَاذْكُرْهُمْ

اور بھیجا تھا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر کہ نکال اپنی قوم کو اندھیروں سے اجالے کی طرف اور یاد دلا ان کو اور بھیجا تھا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر کہ نکال اپنی قوم کو اندھیروں سے اجالے کو۔ اور یاد دلا ان کو

بِاِسْمِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَآیٰتٍ لِّكُلِّ صَبّٰرٍ شٰكُوْرٍ ﴿۵﴾ وَاذْ قَالَ مُوسٰی لِقَوْمِهٖ اذْكُرُوْا

دن اللہ کے البتہ اس میں نشانیاں ہیں اس کو جو صبر کرنے والا ہے شکر گزار فل اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو یاد کرو دن اللہ کے۔ البتہ اس میں نشانیاں ہیں اس کو جو ثابت رہنے والا ہے حق ماننے والا۔ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو، یاد کرو

نِعْمَةً اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ اَنْجٰكُمْ مِّنْ اِلٍ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ وِیُذِیْحُوْنَ

اللہ کا احسان اپنے اوپر جب چھڑا دیا تم کو فرعون کی قوم سے وہ پہنچاتے تھے تم کو برا عذاب فل اور ذبح کرتے اللہ کا احسان اپنے اوپر، جب چھڑایا تم کو فرعون کی قوم سے، دیتے تم کو بری مار، اور ذبح کرتے

فل "نشانیاں دے کر یعنی معجزات دے کر جو" آیات تسعہ کے نام سے مشہور ہیں یا آیات تورات مراد ہوں۔ اور "یاد دلا ان کو دن اللہ کے" یعنی ان دنوں کے واقعات یاد دلاؤ جب ان پر شدائد و مصائب کے پہاڑ ٹوٹے پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے نجات دی اور اپنی مہربانی مبذول فرمائی کیونکہ دونوں قسم کے حالات سننے سے سابر و شاکر بندوں کو عبرت حاصل ہوتی ہے کہ مصیبت کے وقت گھبرانا اور راحت کے وقت اترا نا نہیں چاہیے جو لوگ پہلے کامیاب ہوئے ہیں وہ سختیوں پر صبر اور نعمت الہیہ پر شکر کرنے سے ہوتے ہیں۔ ﴿وَوَقَّعَتْ کَلِمَتَ رَبِّکَ الْخُسْفٰنِ عَلٰی نٰسِ اِسْرٰہِیْمَ اِذْ اٰوٰی اِلٰی حَمٰتِ صَخْرٍ وَاَوْدَحْنَا فِرْعَوْنَ وَآلِهٖ مَعًا وَکَانَ یَضَعُ فِرْعَوْنُ

وَقَوْمُهٗ وَمَا کَانَ یَغْرِیْسُوْنَ﴾

فل مثلًا تم کو غلام بنا رکھا تھا اور سخت پکاریں لیتے تھے۔

عِ اٰبْنَاۡكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۡكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۡءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۙ وَاذْ تَاۡذُنْ

تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رکھتے تمہاری عورتوں کو اور اس میں مدد ہوئی تمہارے رب کی طرف سے بڑی فلا اور جب سنا دیا بیٹے تمہارے اور جیتی رکھتے تمہاری۔ اور اس میں مدد ہوئی تمہارے رب کی بڑی۔ اور جب سنا دیا

رَّبُّكُمْ لِيَنْ شَكْرْتُمْ لَا زِيْدًا لَّكُمْ وَلِيَنْ كَفْرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۙ وَقَالَ مُوْسٰى

تمہارے رب نے اگر احسان مانو گے تو اور بھی دوں گا تم کو ۲ اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب البتہ سخت ہے ۳ اور کہا موسیٰ نے تمہارے رب نے کہ اگر حق مانو گے تو اور دوں گا تم کو، اور اگر ناشکری کرو گے تو میری مار سخت ہے۔ اور کہا موسیٰ نے

اِنَّ تَكْفُرُوۡا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۙ

اگر کفر کرو گے تم اور جو لوگ زمین میں ہیں سارے تو اللہ بے پروا ہے سب خوبیوں والا ۴ اور اگر مکر ہو گئے تم اور جو لوگ زمین میں ہیں سارے، تو اللہ بے پروا ہے سب خوبیوں سزا۔

### ذکر موسیٰ علیہ السلام

قَالَ تَحٰۤاٰلِيْ: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِآيٰتِنَا... اِلٰى... فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾

ربط: ..... گزشتہ آیت میں آنحضرت ﷺ کی بعثت کی غرض و غایت کو ذکر کیا اب آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام ﷺ کے کچھ واقعات ذکر کر کے بتلاتے ہیں کہ اور انبیاء ﷺ کی بعثت سے بھی یہی مقصود تھا کہ وہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائیں اور ان کو آخرت کا بھولا ہوا سبق یاد دلائیں اور اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں کہ انسان ظلمت سے نکل فلا کہ تم کو غلامی کی ذلت سے نکالا اور دولت آزادی سے مالا مال کیا۔ "بلاء" کے اصل معنی آزمائش کے ہیں۔ تکلیف و راحت دونوں حالتوں میں بندے کے صبر و شکر کی آزمائش ہے ﴿وَتَبَلَّوْا كُم بِالْقُوْر وَالْحَقِيْر وَنِقْمَةً﴾ ﴿وَتَبَلَّوْا لَهُم بِالْمَسْئَلِ وَالسَّئِاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ چونکہ فرعونوں سے نجات دینا بڑی نعمت تھی تو یہاں آزمائش انعام سے ہوئی جیسے مترجم محقق نے بطور حاصل معنی لفظ "مدد" سے تعبیر کیا۔ اس قسم کی آیت سورہ بقرہ اور اعراف میں گزر چکی ہے یہاں کے فوائد ملاحظہ کر لیے جائیں۔

۲؎ موسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے یعنی وہ وقت بھی یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے اعلان فرما دیا کہ اگر احسان مان کر زبان و دل سے میری نعمتوں کا اظہار ادا کرو گے تو اور زیادہ نعمتیں ملیں گی۔ جسمانی دردمانی اور دنیاوی و اخروی ہر قسم کی۔

۳؎ موجودہ نعمتیں سلب کر لی جائیں گی اور ناشکری کی مزید سزا الگ رہی۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک سائل آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک کھجور عنایت فرمائی۔ اس نے دلی یا پھینک دی۔ پھر دوسرا سائل آیا اس کو بھی ایک کھجور دی وہ بولا شبیحان اللہ تشرفۃ قین ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تبرک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاریہ کو حکم دیا کہ ام سلمہ کے پاس جو چائیس درہم رکھے ہیں وہ اس کھجور ارسال کو دلوادے۔

۴؎ یعنی کفران نعمت کا ضرر تم ہی کو پہنچے گا۔ خدا کا کچھ نہیں بگوتا ہے تمہارے شکر کیوں کی کیا حاجت ہے۔ کوئی کھرا داکر سے یا نہ کرے، بہر حال اس کے حمید و محمود ہونے میں کچھ کمی نہیں آتی۔ صحیح مسلم میں حدیث قدسی ہے جس میں حق تعالیٰ نے فرمایا "اسے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پھلے جن و انس سب کے سب ایک اعلیٰ درجہ کے مستحق شخص کے نمونہ ہو جائیں تو اس سے میرے ملک میں کچھ بڑھ نہیں جاتا۔ اور اگر سب اگلے پھلے جن و انس مل کے بغرض حال ایک بہترین انسان جیسے ہو جائیں (العیاذ باللہ) تو اس سے میرے ملک میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی۔"

کرنور میں آجائے اور اس کو خدا کا راستہ نظر آنے لگے اور جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کی زبان عبرانی میں کتاب دی اسی طرح ہم نے آپ ﷺ کو قرآن آپ ﷺ کی قوم کی زبان عربی میں دیا چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور البتہ بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر کہ اپنی قوم کو کفر کی تاریکیوں سے نور ایمان کی طرف نکال اور ان کو یاد دلا کہ وہ دن جس میں اللہ نے قوم نوح اور قوم عاد اور قوم ثمود سے اپنے پیغمبروں کا بدلہ لیا یا یہ مطلب ہے کہ ان کو اللہ کے انعام اور انتقام کے واقعات اور معاملات یاد دلاؤ بے شک اس قسم کے معاملہ میں ہر صابر و شاکر کے لیے نشانیاں ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اے میری قوم! یاد کرو اللہ کے انعامات اور احسانات کو جو تم پر ہوئے خاص کر جب کہ اس نے رہائی دی تم کو آل فرعون کے ظلم و ستم سے، وہ تم کو بری طرح عذاب دیتے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری لڑکیوں، بیٹیوں کو عورتوں کو زندہ چھوڑتے بلکہ چاہتے تھے کہ لڑکیاں زندہ رہیں تاکہ ان کو باندیاں بنا کر ان سے خدمت لیں اور اس معاملہ میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی یا یہ معنی ہیں کہ ایسی بلا سے نجات دینا اور پھر اسے عروج میں بدلنا حق تعالیٰ کی بڑی نعمت تھی اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اے میری قوم وہ وقت یاد کرو جب میرے پروردگار نے میرے ذریعہ تم کو خبردار اور آگاہ کر دیا تھا کہ اگر تم میری نعمتوں کا شکر کرو گے تو البتہ میں تم کو اور زیادہ دوں گا اور اگر تم نے میری ناشکری کی تو سمجھ رکھو بے شک میرا عذاب سخت ہے تو تم کو ڈرنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ ناراض ہو کر اپنی نعمت نہ واپس لے لے شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

شکر نعمت نعمت افزوں کند کفر نعمت نعمت بیروں کند

اس لیے بعض بزرگوں کا قول ہے کہ اگر اسلام اور ایمان کی نعمت کا شکر کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس میں زیادتی فرمائے گا اور مقام احسان اور مشاہدہ تک پہنچا دے گا اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی کہا ہے قوم اگر تم اور تمام روئے زمین کے باشندے مل کر بھی خدا کی ناشکری کرنے لگو تو خوب سمجھ لو کہ تحقیق اللہ بے نیاز ہے اسے کسی کے شکر کی ذرہ برابر ضرورت نہیں اور نہ تمام عالم کی ناشکری سے اس کا کوئی ضرر ہے اور وہ ستودہ ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی تسبیح و تحمید میں غرق ہے۔

بذکرش جملہ موجودات گویا ہمہ اور از روئے شوق جو یا

اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُوْدَ ؕ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ؕ  
 کیا نہیں پہنچی تم کو خبر ان لوگوں کی جو پہلے تھے تم سے قوم نوح کی اور عاد اور ثمود اور جو ان سے پہلے ہوئے  
 کیا نہیں پہنچی تم کو خبر ان کی جو پہلے تھے تم سے قوم نوح کی، اور عاد اور ثمود۔ اور جو ان سے پہلے ہوئے۔

لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ جَاءَهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرْتُوْا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ  
 کسی کو ان کی خبر نہیں مگر اللہ کو فوائے ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں لے کر پھر لائے انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں  
 ان کی خبر نہیں، مگر اللہ کو۔ آئے ان پاس رسول ان کے، نشانیاں لے کر، پھر الٹے دیئے ان کے ہاتھ ان کے منہ میں،

فل یہ سنی علیہ السلام کے کلام کا ترجمہ ہے یا اسے چھوڑ کر حق تعالیٰ نے اس امت کو خطاب فرمایا ہے۔ بہر حال اس میں بتلایا کہ بیشمار قومیں پہلے گزر چکیں ان =

وَقَالُوا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهِ وَاِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَنَا اِلَيْهِ مُرِيبٍ ۙ قَالَتْ

اور بولے ہم نہیں مانتے جو تم کو دے کر بھیجا اور ہم کو تو شبہ ہے اس راہ میں جس کی طرف تم ہم کو بلا تے ہو بھجان میں ڈالنے والا بولے اور بولے، ہم نہیں مانتے جو تمہارے ہاتھ بھیجا، اور ہم کو شبہ ہے اس راہ میں جس طرف ہم کو بلا تے ہو جس سے خاطر جمع نہیں۔ بولے

رُسُلُهُمْ اِنَّا لَنَدْعُوكَم لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ

ان کے رسول کیا اللہ میں شبہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین فل وہ تم کو بلا تا ہے تاکہ بخشے تم کو کچھ ان کے رسول کیا اللہ میں شبہ ہے؟ جس نے بنائے آسمان اور زمین۔ تم کو بلا تا ہے کہ بخشے کچھ

ذُنُوبِكُمْ وَيُوخِّرَكُمْ اِلَىٰ اَجَلٍ مُّسَمًّى ۙ قَالُوا اِنَّا لَبَشَرٌ مِّثْلُكُمْ تُرِيدُونَ اَنْ

گناہ تمہارے فل اور ڈھیل دے تم کو ایک وعدہ تک جو ٹھہر چکا ہے فل کہنے لگے تم تو یہی آدمی ہو ہم جیسے تم چاہتے ہو کہ گناہ تمہارے اور ڈھیل دے تم کو ایک وعدہ تک جو ٹھہر چکا ہے۔ کہنے لگے، تم تو یہی آدمی ہو ہم سے۔ چاہتے ہو کہ

= کے تفصیلی پتے اور احوال بجز خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔ البتہ چند قومیں جو عرب والوں کے یہاں زیادہ مشہور تھیں ان کے نام لے کر اور بقیہ کو والذین میں تغذیہ میں درج کر کے متنبہ فرماتے ہیں کہ ان اقوام کا جو کچھ حشر ہوا کیا وہ تم کو نہیں پہنچا۔ تعجب ہے اتنی قومیں پہلے تباہ ہو چکیں اور ان کے حال سے ابھی تک تمہیں عبرت حاصل نہ ہوئی۔

(تنبیہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لایَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ بڑھ کر فرمایا "كذبت النشأون" (یعنی انساب کی پوری معرفت کا دعویٰ رکھنے والے جھوٹے ہیں) عروہ بن الزبیر فرماتے ہیں کہ ہم نے کسی کو نہیں پایا جو معدن عدنان سے اوپر (تحقیقی طور پر) نسب کا حال بتاتا ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔

فل یعنی کفار فرط غیظ سے اپنے ہاتھ لائے لگے جیسے دوسری جگہ ہے۔ "عَضُّوا عَلَیْكُمْ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ" یا انبیاء کی باتیں سن کر فرط غیظ سے ہاتھ منہ پر رکھ لے، یا ہاتھ منہ کی طرف لے جا کر اشارہ کیا کہ بس چپ رہیے یا ہماری اس زبان سے اس جواب کے سوا کوئی توقع نہ رکھو جو آگے آرہا ہے۔ یا پیغمبر کی باتیں سن کر جنتے تھے اور کبھی نبی دبانے کو منہ پر ہاتھ رکھ لیتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اُنہیں غم کی ضمیر کفار کی طرف اور اَفْوَاهِهِمْ کی "مُؤَسِّل" کی طرف راجع ہو، یعنی ملعونوں نے اپنے ہاتھ پیغمبروں کے منہ میں اڑا دیے کہ وہ بالکل بول نہ سکیں یا دونوں ضمیریں ریل کی طرف ہوں یعنی گستاخانہ طور پر انبیاء کے ہاتھ پکڑ کر انہی کے منہ میں ٹھونس دیئے بعض کے نزدیک یہاں "ایدی" سے مراد نعمتیں ہیں۔ یعنی جو عظیم الشان نعمتیں انبیاء نے پیش کی تھیں، مثلاً شراعیع الہیہ وغیرہ، تاقدری سے ان ہی کی طرف لوٹا دیں کسی کو قبول نہ کیا جیسے ہمارے محاورات میں کہتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص کی چیز اس کے منہ پر ماری۔ بہر حال کوئی معنی لیے جائے سب کا حاصل یہ ہے کہ انہوں نے نعمت خداوندی کی تاقدری کی اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول نہ کی ان کے ساتھ بڑی بے رخی بلکہ گستاخی سے پیش آئے۔

فل یعنی خدا کی ہستی اور وحدانیت تو ایسی چیز نہیں جس میں شک و شبہ کی ذرا بھی گنجائش ہو، انسانی فطرت خدا کے وجود پر گواہ ہے۔ عطیات و سفلیات کا مجب و غریب نظام شہادت دیتا ہے کہ اس مشن کے ہر ذل کو وجود کے سانچے میں ڈھالنے والا، پھر انہیں جوڑ کر نہایت محکم و منظم طریقہ سے چلانے والا بڑا زبردست ہاتھ ہونا چاہیے جو کامل حکمت و اختیار سے عالم کی مشین کو قابو میں رکھے ہوتے ہے۔ اسی لیے کٹر سے کٹر مشرک کو کبھی کسی نہ کسی رنگ میں اس بات کے اعتراضات سے چارہ نہیں رہا کہ بڑا خدا جس نے آسمان و زمین وغیرہ کرات پیدا کیے وہ ہی ہو سکتا ہے جو تمام چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں سے اونچے مقام پر براجمان ہو۔ انبیاء کی تعلیم یہ ہے کہ جب انسانی فطرت نے ایک عظیم و حکیم تادروانا منبع الکمال خدا کا سراغ پایا پھر اوہام و ظنون کی دلدل میں پھنس کر اس سادہ فطری عقیدہ کو کھلونا یا پھینکاں کیوں بنایا جاتا ہے۔ وہ جان شہادت دیتا ہے کہ ایک قادر مطلق اور عالم اہل خدا کی موجودگی میں کسی پتھر یا درخت یا انسانی تصویر یا سیارہ فلکی یا اور کسی مخلوق کو الوہیت میں شریک کرنا فطرت صحیحہ کی آواز کو دہانے یا گانے کا مراد ہے کیا خداوند قدوس کی ذات و صفات میں معاذ اللہ کچھ کمی محسوس ہوتی جس کی مخلوق خداؤں کی جمعیت سے صحابی کرنا چاہتے ہو۔

فل یعنی ہم نہیں بلا تے۔ فی الحقیقت ہمارے ذریعہ سے وہ تم کو اپنی طرف بلا رہا ہے کہ تو حید و ایمان کے راستہ چل کر اس کے مقام قرب تک پہنچو۔ اگر تم اپنی رحمتوں سے باز آ کر ایمان و ایقان کا طریق اختیار کر لو تو ایمان لانے سے پیشتر کے سب گناہ (بجز حقوق و زواجر کے) معاف کر دے گا۔ پھر ایمان لانے کے

تَصُدُّوْنَآ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا فَاَتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نُّعْنُنْ

روک دو ہم کو ان چیزوں سے جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے، سولاؤ کوئی سند کھلی ہوئی فلا۔ ان کو کہا ان کے رسولوں نے ہم  
روک دو ہم کو ان چیزوں سے جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے، سولاؤ کوئی سند کھلی۔ ان کو کہا ان کے رسولوں نے، ہم

اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰی مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَا اَنْ نَّآتِيَكُمْ

ترہی آدمی ہیں جیسے تم، لیکن اللہ احسان کرتا ہے اپنے بندوں میں جس پر چاہے فلا اور ہمارا کام نہیں کہ لے آئیں  
بھی آدمی ہیں جیسے تم، لیکن اللہ احسان کرتا ہے، اپنے بندوں میں جس پر چاہے۔ اور ہمارا کام نہیں کہ لے آویں

بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلٰی اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَا لَنَا اِلَّا نَتَوَكَّلَ عَلٰی

تمہارے پاس نہ مگر اللہ کے حکم سے اور اللہ پر بھروسہ چاہیے ایمان والوں کو فلا اور ہم کو کیا ہوا کہ بھروسہ نہ کریں  
تم پاس۔ نہ مگر اللہ کے حکم سے۔ اور اللہ پر بھروسہ چاہیے ایمان والوں کو۔ اور ہم کو کیا ہوا، کہ بھروسہ نہ کریں

اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَا اٰذٰیْتُمُوْنَا ؕ وَعَلٰی اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

اللہ پر اور وہ سمجھا چکا ہم کو ہماری راہیں فلا اور ہم صبر کریں گے ایذا پر جو تم ہم کو دیتے ہو اور اللہ پر بھروسہ چاہیے  
اللہ پر اور وہ سمجھا چکا ہم کو ہماری راہیں۔ اور ہم صبر کریں گے ایذا پر جو ہم کو دیتے ہو۔ اور اللہ پر بھروسہ چاہیے

= بعد میں عمل کرو گے اس کے موافق معاملہ ہوگا۔

فلا یعنی کفر و شرارت پر قائم رہنے کی صورت میں جو جلد تباہ کیے جاتے اس سے محفوظ ہواؤ گے اور جتنی مدت دنیا میں رہو گے سکون و اطمینان کی زندگی گزارو  
گے۔ ﴿لَنُصَبِّتَنَّكُمْ فِتْنًا اَحْسَنًا﴾ اور ﴿فَلَنُحْيِيَنَّكُمْ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ وغیرہ نصوص کے موافق۔

فلا یعنی اچھا خدا کی بحث کو چھوڑیے۔ آپ اپنی نسبت کہیں، جیسا آپ آسمان کے فرشتے ہیں؟ یا نوع بشر کے علاوہ کوئی دوسری نوع ہیں؟ جب کچھ نہیں ہم ہی  
جیسے آدمی ہو تو آخر کس طرح آپ کی باتوں پر یقین کر لیں۔ آپ کی خواہش یہ ہوگی کہ ہم کو قدیم مذہب سے ہٹا کر اپنا صالح بنالیں تو خاطر جمع رکھئے یہ کبھی نہ ہوگا۔ اگر  
آپ اپنا امتیاز ثابت کرنا اور اس مقصد میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو کوئی ایسا کھلا ہوا نشان یا خدائی سرٹیفکیٹ دکھلائیے جس کے سامنے خواہی نہ خواہی سب کی  
گردنیں جھک جائیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہماری فرمائش کے موافق معجزات دکھلائیں۔

فلا یعنی تمہارا یہ کہنا درست ہے کہ ہم نہ فرشتے ہیں نہ کوئی اور مخلوق، بلکہ نفس بشریت میں تم ہی جیسے ہیں لیکن نوع بشر کے افراد میں احوال و مدارج کے اعتبار  
سے کیا زمین و آسمان کا تفاوت نہیں۔ آخر اتنا تو تم بھی مشاہدہ کرتے ہو کہ حق تعالیٰ نے جسمانی، دماغی، اخلاقی اور معاشی حالات کے اعتبار سے بعض انسانوں کو  
بعض پر کس قدر فضیلت دی ہے۔ پھر اگر یہ کہا جائے کہ خدا نے اپنے بعض بندوں کو ان کی فطری قابلیت اور اعلیٰ ملکات کی بدولت روحانی کمال اور باطنی قرب  
کے اس بلند مقام پر پہنچا دیا جسے "مقام نبوت" یا "منصب رسالت" کہتے ہیں تو اس میں کیا اشکال و استبعاد ہے؟ بہر حال دعویٰ نبوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم  
اپنی نسبت بشر کے سوا کوئی دوسری نوع ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ ہاں اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے بعض پر ایک خصوصی احسان  
فرماتا ہے جو دوسروں پر نہیں ہوتا۔

فلا یعنی سب رہا نہ اور سرٹیفکیٹ لانے کا قصہ سو خدا کے حکم سے ہم پہلے ہی اپنی نبوت کی سند اور روشن نشانیاں دکھلا چکے ہیں۔ کما قال ﴿اٰتٰىنَا حُكْمًا وَرُسُلًا﴾  
بالتلویح جو آدمی ماننا چاہے اس کے اطمینان کے لیے وہ کافی سے زیادہ ہیں۔ ہاں رہا تمہاری فرمائش پوری کرنا تو یہ چیز ہمارے قبضہ میں نہیں۔ ہماری تصدیق  
حقاقت پر موقوف ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی مکت کے موافق جو سند اور نشان چاہے، تم کو دکھلائے گا۔ فرمائشی نشانات دیکھنے سے ایمان نہیں آتا، اللہ کے دینے سے آتا ہے۔

لہذا ایک ایمان دلکوی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ اگر تم نہ مانو گے اور ہماری عداوت و ایلاد رسائی پر تیار ہو گے تو ہمارا بھروسہ اسی خدائی مہربانی اور امداد پر رہے گا۔

فلا یعنی حق تعالیٰ ہم کو جام تو حید و عرفان بلا کر حقیقی کامیابی کے راستے بتا چکا، پھر کیسے ممکن ہے کہ ہم اس پر توکل نہ کریں۔

۱۲ **الْمُتَوَكِّلُونَ** ۱۲ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَا اَوْ لَتَعُوذُنَّ فِي

بھروسے والوں کو فی اور کہا کافروں نے اپنے رسولوں کو ہم نکال دیں گے تم کو اپنی زمین سے یا لوٹ آؤ ہمارے بھروسے والوں کو۔ اور کہا منکروں نے اپنے رسولوں کو ہم نکال دیں گے تم کو اپنی زمین سے یا پھر آؤ ہمارے

۱۳ **مَلَّتِنَا فَآوَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ** ۱۳ وَلَنُسَكِّنَنَّكُمْ اَلْاَرْضَ مِنْ

دین میں فی تب حکم بھیجا ان کو ان کے رب نے ہم غارت کریں گے ان ظالموں کو اور آباد کریں گے تم کو اس زمین میں ان کے دین میں۔ تب حکم بھیجا ان کو رب ان کے نے ہم کھپا دیں گے ان ظالموں کو۔ اور بسا دیں گے تم کو اس زمین میں، ان کے

۱۴ **بَعْدِهِمْ ط ذَلِك لِمَن خَاف مَقَامِي وَخَاف وَعِيدِ** ۱۴ وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ

بچھے ۱۳ یہ ملتا ہے اس کو جو ڈرتا ہے کھڑے ہونے سے میرے سامنے اور ڈرتا ہے میرے عذاب کے وعدہ سے فی اور فیصلہ لگے ملنے پیغمبر فی اور نامراد ہوا ہر بچھے۔ یہ ملتا ہے اس کو جو ڈرا کھڑے ہونے سے میرے سامنے اور ڈرا میرے ڈر سے۔ اور فیصلہ لگے مانگنے اور نامراد ہوا جو سرکش تھا

۱۵ **عَنِيدٍ ۱۵ مِّنْ وَّرَآيِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّاءٍ صَدِيْدٍ ۱۶ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ**

ایک سرکش ضدی فی بچھے اس کے دوزخ ہے اور پلائیں گے اس کو پانی پیپ کا نیکے گھونٹ گھونٹ پیتا ہے اس کو اور گلے سے نہیں اتار سکتا، ضد کرنے والا۔ بچھے اس کے دوزخ ہے، اور پلاویں گے اس کو پانی پیپ کا۔ گھونٹ گھونٹ لیتا ہے اس کو، اور گلے سے نہیں اتار سکتا، فی یعنی تم خواہ کتنی ہی ایذا پہنچاؤ، خدا کے فضل سے ہمارے توکل میں فرق نہیں پڑ سکتا۔ متوکلین کا یہ کام نہیں کہ سختیاں دیکھ کر توکل اور استقامت کی راہ سے ہٹ جائیں۔

۱۷ یعنی اپنے توکل وغیرہ کو رہنے دوزخ یا زیادہ بزرگی مت جتاؤ۔ بس اب دو باتوں میں سے ایک بات ہو کر رہے گی۔ یا تم (بعثت سے پہلے کی طرح) چپ چاپ ہم میں رل مل کر ہو گے اور جن کو تم نے بہکا یا ہے وہ سب ہمارے پرانے دین میں واپس آئیں گے۔ در نہ تم سب کو ملک بدر اور جلاوطن کیا جائے گا۔

۱۸ یعنی یہ تم کو کیا نکالیں گے ہم ہی ان ظالموں کو تباہ کر کے ہمیشہ کے لیے یہاں سے نکال دیں گے کہ پھر کبھی واپس نہ آسکیں۔ اور ان کی جگہ تم کو اور تمہارے مخلص وفاداروں کو زمین میں آباد کریں گے۔ دیکھ لو ہمارے مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے مکہ سے نکالنا چاہا، وہ ہی نکلتا آخراں کا سبب بن گیا کہ وہاں اسلام اور مسلمانوں کا دائمی تسلا ہو اور کافر کا نشان باقی نہ رہے۔

۱۹ یعنی مذکورہ بالا کامیابی ان لوگوں کے لیے ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں یہ خیال کر کے کہ وہ ہماری تمام جرموں کو برابر دیکھ رہا ہے اور ایک دن حساب دینے کے لیے اس کے سامنے کھڑا ہونا ہے جہاں اس کے بے پناہ عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔

۲۰ یعنی پیغمبروں نے خدا سے مدد مانگی اور فیصلہ چاہا۔ چنانچہ نوح علیہ السلام نے کہا تھا ﴿فَاَفْتَحْ بَنِيَّ وَبَنِيَّتَهُمْ فَشَحَا وَتَجَنَّىٰ وَبَنِيَّ مِنْ اَلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ لوط علیہ السلام نے کہا ﴿رَبِّ نَجِّنِيْ وَاهْلِيْنَ مِمَّا يَعْبُدُوْنَ شَيْبِ عَلِيْهِ السَّلَامُ﴾ نے عرض کیا ﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَنِيَّتَنَا وَبَنِيَّتَنَا قَوْمِنَا بِالْحَقِّ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی ﴿رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْعَوْنُ وَمَلَاكُ رَبِّيْةٌ وَاَمَآلَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُطِيْعُوْا عَنِ سُبُوْحِكَ رَبَّنَا اَطِيسْ عَلٰى اَمُوَالِهِمْ وَاَشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرُوْا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ اور ہمارے بھی جب دیکھا کہ اتنی طویل مدت سے عذاب کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں لیکن اس کے آثار کچھ نظر نہیں آتے تو استہزاء اور تمسخر سے کہنے لگے ﴿رَبَّنَا حَقْل لَّنَا وَظَلَمْنَا قَبْلَ تَوْوَرِ الْحَسَابِ﴾ اور ﴿اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَامْطِرْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِّنَ السَّمَآءِ اَوْ اَلْبِنَاءَ بِعَذَابِ الْاِنجِيْلِ﴾ یہ تو قریش کے مشرکوں نے کہا تھا کہ تم لوگ نوح نے کہا تھا ﴿فَاِنَّا بِسَآءِ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ نے کہا ﴿فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا﴾ وغیرہ ذالک۔ عرض دونوں طرف سے فیصلہ کی بلدی ہوئی۔

۲۱ یعنی پیغمبروں کا نہ اکو پکارتا تھا کہ مدد آئی اور ہر ایک سرکش اور ضدی نامراد ہو کر رہ گیا۔ جو کچھ خیالات پکار کھے تھے، ایک ہی پکڑ میں کافر ہو گئے نہ وہ رہے =

وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۖ وَمِنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ﴿۱۴﴾

اور پٹی آتی ہے اس پر موت ہر طرف سے اور وہ نہیں مرتا اور اس کے پیچھے عذاب ہے سخت ذرا اور چلی آتی ہے اس پر موت ہر جگہ سے، اور وہ نہیں مرتا۔ اور اس کے پیچھے مار ہے گاڑھی۔

### تذکیر بایام اللہ

قَالَ الْجَلَالِيُّ: ﴿وَأَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ... اِلَى... وَمِنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ﴾

رابطہ:..... گزشتہ آیات میں موسیٰ علیہ السلام کو حکم تھا کہ و ذکر ہم بایام اللہ کہ لوگوں کو اللہ کے دین یعنی اس کے معاملات کی یاد دلاؤ کہ کسی طرح اللہ نے انبیاء سابقین علیہم السلام کے مکذبین اور منکرین کو ہلاک کیا تاکہ یہ منکرین ان سے عبرت پکڑیں ان آیات میں پہلی امتوں کا حال اور آل یاد دلاتے ہیں کہ انہوں نے انبیاء کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور پھر خدا نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا گزشتہ قوموں نے اپنے مال و دولت پر بھروسہ کرتے ہوئے انبیاء علیہم السلام کی تحقیر و تذلیل میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا اور انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے پروردگار پر بھروسہ کیا جس کا انجام یہ ہوا کہ انبیاء کرام اور ان کے اصحاب و احباب نے بجات پائی اور ان کے دشمن عذاب خداوندی سے ہلاک ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں کیا تم کو ان لوگوں کی ہلاکت کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے یعنی قوم نوح اور عاد قوم ہود اور شمود قوم صالح کی اور ان قوموں کی جو ان تینوں قوموں کے بعد گزریں جن سے منفصل حالات اور تعداد کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا مطلب یہ ہے کہ تم کو ان کے حال سے عبرت پکڑنی چاہئے یہ کلام یا تو موسیٰ علیہ السلام کے کلام کا تتمہ ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگوں کو خطاب ہے اور ان قوموں کی خبر ان لوگوں میں معروف اور متواتر تھی اور ان کا آغاز اور انجام ان کو معلوم تھا اس لیے ان کو یاد دلا یا تاکہ عبرت پکڑیں اللہ تعالیٰ نے ان کا عبرت ناک حال اس طرح بیان کیا کہ ان کے رسول ان کے پاس اپنی رسالت کے کھلے ثبوت لے کر آئے پس ان کی قوموں نے ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا۔

= زبان کی توقعات رہیں۔ ایک لمحہ میں سب کا خاتمہ ہوا۔

ذکر یعنی یہ تو یہاں کا عذاب تھا اس کے بعد آگے دوزخ کا بھیانک منظر ہے جہاں شدت کی تشبیہ کے وقت ان کو پیپ یا پیپ جیسا پانی پلایا جائے گا۔  
۸ یعنی خوشی سے کہاں پنی سکیں گے۔ حدیث میں ہے کہ فرشتے لوہے کے گز سر ہر مار کر زبردستی منہ میں ڈالیں گے۔ جس وقت منہ کے قریب کریں گے شدت حرارت سے دماغ تک کی کھال اتر کر نیچے لٹک پڑے گی، منہ میں پہنچ کر گلے میں بھنسنے گا بڑی مصیبت اور تکلیف کے ساتھ ایک ایک گھونٹ کر کے من سے نیچے اتاریں گے۔ پیٹ میں پہنچنا ہوگا کہ آتیں کٹ کر باہر آ جائیں گی۔ ﴿وَسُقُوا مَاءً حَمِئًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ﴾ ﴿وَإِنْ يَسْتَوِيضُوا لِيُغَاوُوا عِبَادَ كَلْبُفْهَلْ يَكْفُرُوا الْيَوْمَ﴾ (اعاذنا الله منهما وساثر المومنين)

۹ یعنی اس کا پینا کیا ہوگا ہر طرف سے موت کا سامنا کرنا ہوگا سر سے پاؤں تک ہر عضو بدن پر سمرات موت طاری ہوں گے، شش جہت سے مہلک عذاب کی بدحوالی ہوگی، اس زندگی پر موت کو ترجیح دینے کے لیکن موت بھی نہیں آئے گی۔ جو سب تکلیفوں کا خاتمہ کر دے۔ ایک عذاب کے پیچھے دوسرا تازہ عذاب آتا رہے گا۔ ﴿كُلَّمَا نَهَيْتُمْ جُلُودَهُمْ بِذُنُوبِهِمْ جُلُودًا غَيْرَهَا يَبْتَغُوا الْعَذَابَ﴾ ﴿لَهُمْ لَا مَوْتُ وَهُمْ لَا يَحْيَوْنَ﴾ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾

اب تو گہرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے  
مر کے بھی مین نہ پایا تو کمر جائیں گے

(۱) کہ اپنے ہاتھ ان پیغمبروں کے منہ میں دے دیئے کے چپ رہو اور کوئی حرف اس قسم کا منہ سے نہ نکالو یا یہ معنی ہیں کہ قوموں نے تعجب سے اپنے منہ میں دے دیئے یعنی انگشت بدنداں ہو گئے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔

(۲) اور یہ کہا کہ ہم اس پیغام کو نہیں مانتے جو تم دے کر بھیجے گئے ہو یعنی جس چیز کو تم اپنے زعم میں پیغام خداوندی بتلاتے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔

(۳) اور جس راہ کی طرف تم ہم کو بلا تے ہو اس کے بارے میں ہم شک میں ہیں جس نے ہم کو قتل اور اضطراب میں ڈال دیا ہے اور اس شک کا منشاء صرف ان جہالت اور بے خبری اور اغراض فاسدہ تھیں اس لیے رسولوں نے ان کے جواب میں کہا، کیا تم کو اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے یعنی یہ آسمان اور زمین تمہاری نظروں کے سامنے ہیں جو اس امر کی روشن دلیل ہے کہ یہ اتنی بڑی عمارت خود بخود تو بن کر کھڑی نہیں ہو گئی یہ عجیب و غریب آفرینش اس کے صانع کی ہستی پر شاہد ہے پس جس خداوند ذوالجلال کا وجود اور ہستی اس قدر بدیہی ہر اس کا کیوں انکار کرتے ہو اب اس کے بعد اس کی کمال رحمت کا بیان کرتے ہیں وہ خدا تم کو ایمان اور ہدایت کی طرف اس لیے بلاتا ہے تاکہ تمہارے کچھ گناہ معاف کرے اور تاکہ تمہیں ایک مدت معینہ تک مہلت دے اور دنیا میں تم پر عذاب نہ کرے اس جواب پر قوم کفار کے لوگ بولے اور تین شیعے پیش کیئے۔

### پہلا شبہ

تو یہ کیا کہ تم ہم جیسے ایک آدمی ہو اور تمام انسان ماہیت انسانیہ اور حقیقت بشریہ میں مساوی اور برابر ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان تو اللہ کا رسول ہو جائے اور دوسرا اس پر ایمان لائے اور اس کا پیرو بنے تم صورت اور ہیئت میں ہم جیسے ہو تم کو ہم پر کیا فضیلت اور برتری ہے جو ہم تمہاری پیروی کریں۔

### دوسرا شبہ

یہ کیا کہ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو اسی طریقہ پر پایا اور تم یہ چاہتے ہو کہ ہم کو ان چیزوں کی پرستش سے روک دو جن کو ہمارے آباء و اجداد پوجتے تھے ہم تمہارے کہنے سے اپنے آبائی طریقہ کو کیسے چھوڑیں۔

### تیسرا شبہ

یہ تھا کہ اگر تم دعوائے نبوت و رسالت میں سچے ہو تو ہمارے سامنے ایسی روشن دلیل لاؤ جس کو ہم بھی تسلیم کریں مطلب یہ تھا کہ تم نے جو معجزات ہم کو دکھلائے ہیں ان پر ہم مطمئن نہیں ایسے معجزات قاہرہ دکھلاؤ جن کو دیکھ کر آدمی ایمان لانے پر مجبور ہو جائے۔

### رسولوں کا جواب

ان کے رسولوں نے ان کے جواب میں ان سے کہا کہ تمہارے یہ تینوں شیعے مہمل ہیں۔



### پہلے شبہ کا جواب

بے شک ہم تم جیسے بشر ہیں یعنی صورت اور ہیئت میں بلاشبہ تمہاری طرح ہیں اس سے ہم انکار نہیں کرتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے اور نبوت و رسالت سے اس کو سرفراز کرتا ہے جنس انسانیت میں شریک ہونے سے یہ لازم نہیں کہ اس جنس کے تمام افراد فضائل و کمالات میں برابر ہو جائیں صورت اور ہیئت کے اعتبار سے عاقل اور غافل، جاہل اور فاضل سب برابر ہیں پس جس طرح ایک جنس کے افراد میں فضائل جسمانیہ کے اعتبار سے تفاوت ممکن ہے اس طرح فضائل روحانیہ میں بھی تفاوت ممکن ہے جاہلوں نے انبیاء ﷺ کی صورت و شکل دیکھ کر یہ خیال کر لیا کہ ہم اور وہ یکساں ہیں حالانکہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

### دوسرے شبہ کا جواب

اور اسی سے دوسرے شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ حق و باطل کی تمیز اور صدق و کذب کا فرق یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور اس کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے اس کو عطا کرتا ہے اور ایک کثیر جماعت کو اس سے محروم کرتا ہے تمہارے آباء و اجداد جاہل اور نادان تھے اور بے بصیرت تھے ان کو حق و باطل کی تمیز نہ تھی اور جاہلوں کا اتفاق کسی عاقل پر حجت نہیں۔ (تفسیر کبیر: ۲۳۳/۵)

### تیسرے شبہ کا جواب

کفار کا تیسرا شبہ یہ تھا کہ ہم تمہارے ان پیش کردہ معجزات پر مطمئن نہیں ہماری خواہش کے مطابق معجزات لاؤ اس کا جواب دیتے ہیں اور ہماری طاقت نہیں کہ ہم بغیر اللہ کے حکم کے تمہارے پاس کوئی دلیل اور برہان لے آئیں یعنی تمہاری فرمائش پوری کرنا ہماری قدرت اور اختیار میں نہیں۔ باقی ہم اپنی نبوت کی سند اور روشن نشان پہلے دکھلا چکے ہیں وہ اطمینان کے لیے کافی اور دانی ہیں ضد اور عناد کا علاج ہمارے پاس نہیں حضرات انبیاء ﷺ نے جب کفار کو ان کے شبہات کے شافی اور کافی جواب دے دیئے اور کفار ان کے جواب باصواب سے لاجواب ہو گئے تو جہالت اور نادانی پر اتر آئے اور انبیاء کرام ﷺ کو ڈرانے دھمکانے لگے تو حضرت انبیاء کرام ﷺ نے کہا کہ ہم تمہاری تحریف سے خائف نہیں تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہمارا بھروسہ اللہ پر ہے اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے اور ہم کو کیا ہوا کہ اللہ پر بھروسہ نہ کریں حالانکہ اس نے ہم کو نجات اور ہدایت کی راہیں بتلائی وہی ہم کو تمہارے شر سے بچائے گا اور خدا کی قسم ہم ضرور صبر کریں گے اس ایذا پر جو تم ہم کو پہنچاتے ہو۔ اور توکل کرنے والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے اس تمام تر اتمام حجت کے بعد بھی کفار نرم نہ ہوئے بلکہ اور گرم ہو گئے اور کفار اپنی طاقت کے غرور میں رسولوں سے یہ کہنے لگے کہ اپنے توکل کو تو رہنے دو اور سن لو کہ البتہ ہم تم کو اپنے ملک سے نکال باہر کریں گے یا تو تم ہمارے مذہب میں واپس آ جاؤ۔ جاننا چاہئے کہ انبیاء کرام ﷺ نبوت سے پہلے کبھی اپنی قوم کے دن پر قائم نہیں ہوئے جن کو یہ کہا جاسکے کہ تم ہمارے مذہب میں واپس آ جاؤ۔ انبیاء کرام شروع ولادت سے لے کر شرک اور کفر کی آلودگی سے ہمیشہ پاک رہے ہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ انبیاء کرام ﷺ نبوت سے پہلے انہی کے ساتھ رہتے تھے اور قبل از بعثت ان کو تبلیغ و دعوت نہیں کرتے تھے اس لیے وہ لوگ انبیاء ﷺ کو اپنا ہم

مذہب جانتے تھے اور بعثت کے بعد جب انبیاء ﷺ قوم کو اللہ کے احکام سناتے تو وہ لوگ یہ سمجھتے کہ اب یہ ہمارے دین سے پھر گئے اور ان کو دھمکی دیتے کہ یا تو ہمارے مذہب میں آ جاؤ ورنہ ہم تم کو اپنے ملک سے نکال دیں گے جس طرح قوم شعیب نے کہا تھا ﴿لِنُخْرِجَنَّكَ لِشُعَيْبٍ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا﴾۔ اور جس طرح قوم لوط نے کہا تھا ﴿اٰخِرُ جَوَٰلِ لُوٓطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ﴾ اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کے حال سے خبر دی ہے ﴿وَ اِنْ تَاٰخَرُوْا لَيَسْتَفِزُّوْكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَاِذَا لَا يَلْبَثُوْنَ خِلْفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ ﴿وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُفِئْتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ. وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ. وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمَكْرِۙرِيْنَ﴾۔ کفار مکہ آنحضرت ﷺ کو قبل از بعثت اپنی ملت پر سمجھتے تھے اسی وجہ سے آپ ﷺ کو ”صابی“ کہتے تھے یعنی آبائی دین سے پھر جانے والا کہتے تھے اور آپ ﷺ کے قتل کے درپے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قتل مرتد کا مسئلہ کافروں کے نزدیک بھی مسلم ہے۔

### خداوند عالم کی طرف سے جواب

کافر جب خدا کے پیغمبروں کو اس قسم کی دھمکیاں دینے لگے تو وحی بھیجی رسولوں کے رب نے کہ تم کافروں کے اس کہنے سے کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال دیں گے خوف مت کرو البتہ تحقیق ہم انہی ظالموں کو ہلاک اور تباہ کریں گے اور ان کے ہلاک کرنے کے بعد تمہارے مبعوثین کو اسی زمین میں بسائیں گے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزُّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ ﴿اَسْتَعِیْزُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا. اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهِ. وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ ﴿وَ اَوْزَنَّا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضَعُّوْنَ مَشَارِقِ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبِهَا الَّذِیْنَ بَرَكْنَا فِیْهَا. وَ تَمَّتْ کَلِمٰتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی عَلٰی رَسُوْلِکَ اِنَّہٗ صَبِرُوْۤا. وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ﴾۔

آگے فرماتے ہیں میری طرف سے یہ وعدہ اس شخص کے لیے ہے جو قیامت کے دن میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے کہ اپنے پروردگار کو کیا منہ دکھاؤں گا اور میرے عذاب سے بھی ڈرے اس قسم کا خوف دینی اور دنیوی کامیابی کی علامت ہے۔

انبیاء ﷺ اور ان کی قومیں ❶ خدا سے فیصلہ چاہنے لگے انبیاء ﷺ اپنی فتح کے طلب گار ہوئے اور کافر اپنی فتح کے طلب گار ہوئے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ نوح علیہ السلام نے دعا مانگی ﴿فَاَفْتَحْۙ بَنِیٖ وَ بَنِیَّتُهٗمۙ فَشِجَاۙ وَ تَجِیٖ﴾ اور لوط علیہ السلام نے یہ دعا مانگی، ﴿رَبِّ تَجِیٖ وَ اٰہِلِیۙ مَعَا یَعْمَلُوْنَ﴾ اور شعیب علیہ السلام نے یہ دعا مانگی ﴿رَبَّنَا افْتَحْۙ بَیِّنٰتِنَا وَ بَیِّنْ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ﴾ وغیرہ وغیرہ غرض یہ کہ انبیاء ﷺ نے اپنی فتح کی دعا مانگی اور کافروں نے اپنی فتح کی دعا مانگی ﴿اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ لِهٰذَا هُوَ الْحَقُّ

❶ واستفحوا ہی ضمیر میں دو قول مشہور ہیں ایک یہ کہ یہ ضمیر رسولوں کی طرف راجع ہے کہ رسولوں نے اپنے رب سے اپنی فتح چاہی اور ایک قول یہ ہے کہ ضمیر کفار کی طرف راجع ہے کہ کفار جہل مرکب میں مبتلا تھے اور ازراہ تہمید و عناد فیصلہ چاہتے تھے۔ کما قال اللہ تعالیٰ حاکمیا عنہم ﴿اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ لِهٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَاۙرًا مِّنَ السَّمَآءِ اَوْ اَلْبِقِنَا بِعَذَابِ الْاٰخِرِ﴾ اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر انبیاء اور کفار دونوں کی طرف راجع ہے انبیاء نے اپنے لیے فتح طلب کی اور کافروں نے اپنے لیے فتح طلب کی۔ (دیکھو روح المعانی: ۱۸۰/۱۳)

مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوْ افْتِنَا بِعَذَابٍ آتِينَاكَ ۗ غرض یہ کہ دونوں طرف سے فیصلہ کی جلدی ہونے لگی اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کن عذاب نازل کر دیا اور جب وہ فیصلہ کن عذاب آیا تو انبیاء و رسل تو کامیاب ہوئے اور ہر سرکش معاندتا مراد ہوا یہ تو دنیا میں ہوا اور اس کے علاوہ اس کے آگے دوزخ ہے اور وہاں اس کو پینے کے لیے پیپ لہو دیا جائے گا جو کافروں کی کھال وغیرہ سے بہہ کر جمع ہوگا جب وہ پیاس سے بے تاب ہوگا تو یہی کچ لہو اس کو پینے کو دیا جائے گا وہ اسے بدمزگی اور بدبو اور حرارت کی وجہ سے گھونٹ گھونٹ کر کے پئے گا اور بآسانی اس کو گلے سے نہیں اتار سکے گا لیکن چارونا چار شدت پیاس کی وجہ سے بمشکل اس کا اتارے گا ترمذی میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافر کے آگے صدید (پیپ) پیش کی جائے گی وہ اس سے کراہت کرے گا جب اس کے منہ کے قریب کی جائے گی تو اس کا چہرہ جھلس جائے گا اور سر کی کھال اتر کر گر پڑے گی اور جب پی جائے گا تو اس کی آنتیں کٹ کر پاخانہ کی راہ سے نکل پڑیں گی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ﴿وَإِنْ يَسْتَخِفُّوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ ۚ بِئْسَ الْكِرَامُ ۚ وَبِئْسَ الْمَرْءُ تَفَقَّاهُ﴾ (رواحدوسال ایضاً) دوسری جگہ ہے ﴿وَسُقُوا مَاءً حَمِيماً فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ﴾ غرض یہ کہ جب کافر جہنم میں پیاس سے بے تاب ہوگا تو اس کو پیپ جیسا پانی پلایا جائے گا اور ہر طرف سے اس کو موت آگھیرے گی یعنی موت کی کوئی نوع ایسی باقی نہ رہے گی جو اس کو نہ آوے مگر وہ مرنے والا نہیں کہ مر کر ان تکالیف اور شدائد سے نجات پا جائے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿لَا يُقْطَعُ عَلَيْهِمْ فَيْمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِنَا﴾

آنتیں بھی کٹ کر گریں گی اور کھال بھی سڑ کر گرے گے مگر موت نہیں آئے گی بلکہ بدستور کھال اور آنتیں بحال کر دی جائیں گی تاکہ ہر بار اس کو نیا عذاب دیا جاسکے اور جس عذاب کا وہ دنیا میں منکر تھا ابد الابد تک مزہ چکھتا رہے اور اس کے آگے اور سخت عذاب ہے جو ہر لحظہ شدید اور شدید ہوتا رہے گا جس کی کوئی انتہا نہیں۔

مَعْلُ الدِّينِ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ۗ لَا

مال ان لوگوں کا جو منکر ہوئے اپنے رب سے ان کے عمل ہیں جیسے وہ راکھ کہ زور کی چلی اس پر ہوا آندھی کے دن کچھ احوال ان کا جو منکر ہوئے اپنے رب سے، ان کے کئے جیسے راکھ، زور کی چلی اس پر ہوا آندھی کے۔ کچھ

يَقْدِرُونَ ۗ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلُّ الْبَعِيدُ ﴿۱۵﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ

ان کے ہاتھ میں نہ ہوگا اپنی کمائی میں سے یہی ہے بہک کر دور جا پڑنا فل تو نے کیا نہیں دیکھا کہ اللہ نے بنائے ہاتھ نہیں اپنی کمائی میں سے۔ یہی ہے دور بہک پڑنا۔ تو نے کیا نہیں دیکھا کہ اللہ نے بنائے

فل بعض مفاہکویہ خیال ہو سکتا تھا کہ آخر ہم لے دنیا میں بہت سے اچھے کام صدقہ خیرات کی مدد میں کیے ہماری خوش اخلاقی لوگوں میں مشہور ہوئی، بہتر سے آدمیوں کی مصیبت میں کام آئے اور کسی نہ کسی منوان سے خدا کی پوجا بھی کی، یہی سب کیا کرایا اور دیا لیا اس وقت کام نہ آئے گا اس کا جواب اس تشبیہ میں دیا۔ یعنی جسے خدا کی صحیح معرفت نہیں۔ محض فرضی اور وہی خدا کو پوجتا ہے اس کے تمام اعمال محض بے روح اور بے دزن ہیں۔ وہ مجتہد میں اسی طرح اڑ جائیں گے جس طرح آندھی کے وقت جب زور کی ہوا ملے تو راکھ کے ذرات اڑ جاتے ہیں، اس وقت مفاہک عمل سے بالکل خالی ہاتھ ہوں گے حالانکہ وہ یہی موقع ہوگا جہاں نیک عمل کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی۔ اللہ اکبر! یہ کسی حسرت کا وقت ہوگا کہ جن اعمال کو ذریعہ قرب و نجات سمجھے تھے وہ راکھ کے ڈھیر کی طرح بین اس =

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّ يَشَأُ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿۱۹﴾ وَمَا ذَلِكُ عَلَىٰ

آسمان اور زمین جیسی چاہے اگر چاہے تم کو لے جائے اور لائے کوئی پیدائش نئی اور یہ آسمان و زمین، جیسے (چاہے)۔ اور اگر چاہے تم کو لے جاوے اور لاوے کوئی پیدائش نئی۔ اور یہ

اللَّهُ بِعَزِيزٍ ﴿۲۰﴾

اللہ کو کچھ مشکل نہیں ہے

اللہ پر مشکل نہیں۔

مثال اعمال کفار

قَالَ تَحَاكُّ: ﴿مَعْلُ الدِّينِ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كُورَمَا...﴾ الی... وَمَا ذَلِكُ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ﴿۲۰﴾

رابطہ:..... اور پر کافروں کے انواع کا ذکر تھا اب ان کے اعمال کے ضائع ہونے کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح آندھی والے دن تیز آندھی سے راکھ اڑ جاتی ہے اور اس کا کچھ نام و نشان باقی نہیں رہتا اسی طرح کافروں کے اچھے اعمال جیسے صدقات جو انہوں نے بحالت کفر دیئے وہ قیامت کے دن کفر کی تیز آندھیوں سے سب اڑ جائیں گے اور کسی عمل کا نام و نشان نہ رہے گا اس وقت ان کی حسرت کی حالت ناگفتہ بہ ہوگی چنانچہ فرماتے ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا ان کے اعمال صالحہ خیرات و صدقات مثل اس راکھ کے ہیں جس پر سخت آندھی کے دن تیز ہوا چلی اور اس راکھ کو اڑا کر ادھر ادھر منتشر کر دیا اسی طرح قیامت میں کفران کے نیک عملوں کو اڑا کر پراگندہ کر دے گا اور جس طرح کوئی شخص اس پراگندہ راکھ کو دوبارہ جمع نہیں کر سکتا اسی طرح قیامت کے دن یہ کافر قادر نہ ہوں گے کہ دنیا میں جو کمایا ہے اس میں سے کچھ حاصل کر سکیں راکھ کی طرح سب اڑ جائیں گے کسی کا کہیں نام و نشان نظر نہ آئے گا یہی وہ گمراہی ہے جو حق سے بہت دور ہے اور حد درجہ کا خسارہ ہے کہ جن اعمال کو ذریعہ قرب و نجات سمجھتے تھے وہ راج کی طرح اڑ گئے کیا تو نے نہیں دیکھا اے دیکھنے والے یا نہیں جانتا تو نے اے جاننے والے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے کسی حکمت کے لیے بنایا ہے بے کار نہیں بنایا کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ خدا نے آسمان و زمین اور کواکب کو تیرے چند روزہ فائدہ اٹھانے کے لیے بنایا ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ بیشمار حکمتوں پر مشتمل ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ تو آسمان و زمین دیکھ کر اس کی قدرت اور عظمت و جلال کا

= موقع پر بے حقیقت ثابت ہوتے جب دوسرے لوگ اپنی نیکیوں کے ثمر شیریں سے لذت اندوز ہو رہے ہیں۔

کہ بازار چنداں کہ آئندہ ت  
تہی دست را دل پدائندہ ت

فل یعنی شاید مفاد کو یہ خیال کرے کہ جب مٹی میں مل کر مٹی ہو گئے پھر دوبارہ زعمی کہاں۔ قیامت اور عذاب و ثواب وغیرہ سب کہانیاں ہیں، ان کو بتایا کہ جس خدا نے آسمان و زمین کامل قدرت و حکمت سے پیدا کیے اسے تمہارا از سر نو دوبارہ پیدا کرنا یا کسی دوسری مخلوق کو تمہاری جگہ لے آنا کیا مشکل ہے؟ اگر آسمان و زمین کے حکم نظام کو دیکھ کر یہ یقین ہوتا ہے کہ اس کا پیدا کرنے اور قائم رکھنے والا کوئی صالح حکیم ہے جیسا کہ لفظ "بالحقیق" میں تفسیر فرمائی تو کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس نے اثرات الملوقات (انسان) کو محض بے نتیجہ پیدا کیا ہو گا اور اس کی تخلیق و ایجاد سے کوئی عظیم الشان مقصد متعلق نہ ہو گا یقیناً اس زعمی کے بعد کوئی دوسری زعمی ہونی چاہیے جس میں آدم کی پیدائش کا مقصد عظیم اکمل و اتم طریقہ سے آشکارا ہو۔

اندازہ لگائے اور اس کے نظام کو دیکھ کر سمجھ لے کہ یہ سارا کارخانہ کسی قادر قیوم کے حکم اور قیومی سے چل رہا ہے جب چاہے فنا کر دے وہ اگر چاہے تو تمام بنی آدم کو فنا کر دے اور تمہاری جگہ زمین پر دوسری نئی مخلوق لے آئے جو تمہاری جیسی مشرک اور نافرمان نہ ہو۔ یہ امر اللہ پر کچھ مشکل نہیں اور جب وہ ایسا قادر مطلق ہے تو اسے قیامت قائم کرنا اور تم کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے لہذا سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ تم کو ہلاک کر دے اور تمہاری زمین اور ملک پر انبیاء علیہم السلام اور ان کے تبعین کو قابض اور متصرف بنا دے۔

وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعْفُؤُا الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ

اور سامنے کھڑے ہوں گے اللہ کے سارے فل پھر کہیں گے کمزور بڑائی والوں کو ہم تو تمہارے تابع تھے سو بجاؤ گے اور سامنے کھڑے ہوں گے اللہ کے سارے، پھر کہیں گے کمزور بڑائی والوں کو ہم تھے تمہارے پیچھے، سو کچھ بجاؤ گے

مُغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ط قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدٰىنَاكُمْ ط سَوَآءٌ عَلَيْنَا

ہم کو اللہ کے کسی عذاب سے کچھ فل وہ کہیں گے اگر ہدایت کرتا ہم کو اللہ تو البتہ ہم تم کو ہدایت کرتے اب برابر ہے تم ہم سے مار اللہ کی ؟ وہ بولے، اگر راہ پر لاتا ہم کو اللہ، البتہ ہم تم کو راہ پر لاتے، اب برابر ہے

اَجْزَعًا اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنَ مَّحِيْصٍ ﴿۱۱﴾

ہمارے حق میں ہم بے قراری کریں یا صبر کریں ہم کو نہیں خلاصی فل ہمارے حق میں، ہم بے قراری کریں یا صبر کریں، ہم کو نہیں خلاصی۔

قیامت کے دن کی باہم گفتگو اور پیشوایان کفر کی ذلت اور ندامت کا ذکر

قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرَ: ﴿وَوَبَّرُوْا وَاٰلَهُمْ جَمِيعًا... اٰلِ... اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنَ مَّحِيْصٍ﴾

رہل: ..... گزشتہ آیات میں پیغمبروں کے انکار کی سزا کا ذکر تھا اب قیامت کے دن کافروں کی باہم گفتگو کو ذکر ہے کہ قیامت کے دن کفار اپنے پیشواؤں سے کہیں گے کہ ہم دنیا میں تمہارے پیرو تھے کیا آج کے دن تم ہم کو عذاب سے بچا سکتے ہو وہ انکار کریں گے کہ آج ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے اور یہ عذر کریں گے کہ ہم خود گمراہ تھے اگر ہم راہ راست پر ہوتے تو تمہیں

فل یعنی سب سے بڑی عدالت میں پیشی ہوگی۔

فل یہ اتنا اسے متبوتین سے کہیں گے۔ یعنی دنیا میں تم بڑے بن کر بیٹھے تھے اور ہم نے تمہاری بہت تابعداری کی تھی۔ آج اس مصیبت کی گھڑی میں کچھ تو کام آؤ، کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ عذاب الہی کے کسی حصہ کو ہم سے ذرا ہلکا کر دو۔ یہ دوزخ میں جانے کے بعد کہیں گے یا میدان حشر میں، ابن کثیر نے پہلے احتمال کو ترجیح دی ہے لقولہ تعالیٰ ﴿وَاٰلِ تَبَعًا جَمِيعًا فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعْفُؤُا الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا﴾ وغیر ذالک من الآیات۔ واللہ اعلم

فل یعنی اگر خدا دنیا میں ہم کو ہدایت کی تو نین دیتا تو ہم تم کو بھی اپنے ساتھ سیدھے راستہ پر لے چلتے۔ لیکن ہم نے ٹھوکر کھائی تو تمہیں بھی لے ڈوبے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس وقت اگر خدا تعالیٰ ہم کو اس عذاب سے نکلنے کی کوئی راہ بتلاتا تو ہم تمہیں وہی راہ بتا دیتے۔ اب تو تمہاری طرح ہم خود مصیبت میں مبتلا ہیں، اور مصیبت بھی ایسی جس سے چھلا رہے کی کوئی صورت نہیں۔ نہ صبر کرنے اور خاموش رہنے سے فائدہ، نہ گھبرانے اور چلانے سے کچھ حاصل۔

کیوں گمراہ کرتے چنانچہ فرماتے ہیں، اور سب مومن اور کافر اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے اور قبروں سے نکل کر خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے تب کمزور اور کم درجے کے کافران لوگوں سے جو دنیا میں بڑے سمجھے جاتے تھے یہ کہیں گے کہ تحقیق ہم دنیا میں تمہارے تابع تھے تمہارے کہنے سے ہم نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو کیا تم ہم سے اللہ کے عذاب میں سے کسی چیز کو دفع کر سکتے ہو اور اس مصیبت کی گھڑی میں ہمارے کچھ کام آسکتے ہو تو وہ پیشوایان کفر عذر خواہی کے طور پر جواب میں یہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہم کو ہدایت اور توفیق دیتا تو ہم تم کو بھی سیدھے راستے پر لے چلتے چونکہ ہم خود گمراہ تھے اس لیے ہم نے تم کو گمراہی کی طرف بلا یا اب یہ تمہارا قصور ہے کہ تم نے آنکھ بند کر کے ہمارا کہنا مانا اور اللہ کے رسولوں کو نہ مانا اور اب ہم اور تم سب جتلائے بلا ہیں ہم سب کے حق میں برابر ہے کہ ہم خواہ اضطراب اور بے قراری ظاہر کریں یا صبر کریں دونوں حالتوں میں ہمارے لیے عذاب سے چھٹکارا نہیں یہ دار جزاء ہے یہاں رنج و غم سے کچھ نہیں ہوتا۔ جو فیصلہ ہو چکا ہے وہ اٹل ہے اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ گفتگو جہنم میں جانے کے بعد ہوگی جیسا کہ دوسری آیت میں اس کی تصریح آتی ہے ﴿وَأُو۟دُۥا۟ يَتَعَٰجَبُو۟نَ فِی النَّارِ فَيَقُو۟لُ السُّعۡفُو۟ۤا۟ اِلَیۡدِیۡنِیۡنِ اَسۡتَکۡبَرُو۟ۤا۟ اِنَّا کُنَّا لَکُمۡ تَبَعًا فَهَلۡ اَنتُمۡ مُّغۡنُو۟نَ عَنَّا نَصِیۡبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۱۰﴾ قَالَ اِلَیۡدِیۡنِیۡنِ اَسۡتَکۡبَرُو۟ۤا۟ اِنَّا کُلُّ فِیۡہَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَدۡ حَکَمَ بَیۡنَ الْعِبَادِ ﴿۱۱﴾ اور میدان حشر میں باہمی خاصیت کا ذکر ان آیتوں میں ہے ﴿وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوۡنَ مَوْقُوۡفُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ۙ یَدۡجِعُ بَعْضُهُمۡ اِلَیۡ بَعْضٍ الْقَوۡلَ ۙ یَقُوۡلُ اِلَیۡدِیۡنِیۡنِ اَسۡتُضِعِّفُو۟ۤا۟ اِلَیۡدِیۡنِیۡنِ اَسۡتَکۡبَرُو۟ۤا۟ لَوۡلَا اَنتُمۡ لَکُنَّا مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۰﴾ قَالَ اِلَیۡدِیۡنِیۡنِ اَسۡتَکۡبَرُو۟ۤا۟ اِلَیۡدِیۡنِیۡنِ اَسۡتُضِعِّفُو۟ۤا۟ اَلۡحٰنُ صَدَدَ ذٰنِکُمۡ عَنِ الۡہُدٰی بَعۡدَ اِذۡ جَآءَکُمۡ بَلۡ کُنۡتُمۡ مُّجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۱﴾ وَقَالَ اِلَیۡدِیۡنِیۡنِ اَسۡتُضِعِّفُو۟ۤا۟ اِلَیۡدِیۡنِیۡنِ اَسۡتَکۡبَرُو۟ۤا۟ بَلۡ مَکَرُ الۡبَیۡلِ وَالنَّہَارِ اِذۡ تَاۡمُرُوۡنَا۟ اَنۡ نَّکۡفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجۡعَلۡ لَہٗ اَندَادًا ۙ وَاَسۡرُوۡا۟ النَّدَامَۃَ لَمَّا رَاُوۡا۟ الْعَذَابَ ۙ وَجَعَلْنَا الۡاَعۡمَالُ فِیۡ اَعۡتَاقِ الۡدِیۡنِیۡنِ کَفَرًا ۙ وَاہلۡ یُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲﴾

وَقَالَ الشَّیۡطٰنُ لَمَّا قُضِیۡ الۡاَمۡرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَّکُمۡ وَعَدَّ الْحَقُّ ۙ وَوَعَدَکُمۡ

اور بولا شیطان جب فیصل ہو چکا سب کام بینک اللہ نے تم کو دیا تھا سچا وعدہ اور میں نے تم سے وعدہ کیا اور بولا شیطان، جب فیصل ہو چکا کام، اللہ نے تم کو دیا تھا سچا وعدہ، اور میں نے وعدہ دیا

فَاَخۡلَفۡتُمۡ ۙ وَمَا کَانَ لِیۡ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّا اَنۡ دَعَوۡتُکُمۡ فَاَسۡتَجَبۡتُمۡ لِیۡ ۙ

پھر جھوٹا کیا اور میری تم پر حکومت نہ تھی مگر یہ کہ میں نے بلایا تم کو پھر تم نے مان لیا پھر جھوٹ کیا، اور میری تم پر حکومت نہ تھی، مگر جو میں نے تم کو بلایا، پھر تم نے مان لیا۔

فَلَا تَلُوۡمُوۡنِیۡ وَلُوۡمُوۡا۟ اَنۡفُسَکُمۡ ۙ مَا اَنَا بِمُضۡرِیۡکُمۡ وَمَا اَنتُمۡ بِمُضۡرِیۡ خَیۡطِۡ اِلَیَّ کَفَرۡتَ

میری بات کو سو الزام نہ دو مجھ کو اور الزام دو اپنے آپ کو نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچوں نہ تم میری فریاد کو پہنچو میں سکر ہوں سو مجھ کو مت الزام دو اور الزام دو اپنے تئیں۔ نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچوں، نہ تم میری فریاد پر پہنچو۔ میں نہیں قبول رکھتا

بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ ۗ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۱﴾ وَأَدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا

جو تم نے مجھ کو شریک بنایا تھا اس سے پہلے البتہ جو ظالم ہیں ان کے لیے ہے عذاب دردناک فی اور داخل کیے گئے جو لوگ ایمان لائے تھے جو تم نے مجھ کو شریک ٹھہرایا تھا پہلے، البتہ جو ظالم ہیں ان کو دکھ کی مار ہے۔ اور داخل کئے گئے جو لوگ ایمان لائے تھے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۗ

اور کام کیے تھے نیک باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں ان میں اپنے رب کے حکم سے فی اور کام کئے تھے نیک، باغوں میں، بہتی نیچے ان کے ندیاں، رہا کریں ان میں اپنے رب کے حکم سے۔

### تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ﴿۳۲﴾

ان کی ملاقات ہے وہاں سلام فی

ان کی ملاقات ہے وہاں سلام۔

### جہنم میں شیطان کی تقریر

قَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ... إِلَى... لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۳﴾

فی یعنی حساب کتاب کے بعد جب جہنمیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے کا فیصلہ ہو چکے گا اس وقت کفار دوزخ میں جا کر یا داخل ہونے سے پہلے ابلیس لعین کو الزام دیں گے کہ مردود تو نے دنیا میں ہماری راہ ماری اور اس مصیبت میں گرفتار کرایا۔ اب کوئی تدبیر مثلاً سفارش وغیرہ کا انتقام کر۔ تاکہ عذاب الہی سے رہائی ملے۔ تب ابلیس ان کے سامنے لپکھ دے گا جس کا حاصل یہ ہے کہ بیشک حق تعالیٰ نے مادی اقوال پیغمبروں کے توسط سے ثواب و عقاب اور دوزخ و جنت کے متعلق سچے وعدے کیے تھے جن کی سچائی دنیا میں دلائل و براہین سے ثابت تھی اور آج مشاہدے سے ظاہر ہے۔ میں نے اس کے بالمقابل جھوٹی باتیں کہیں اور جھوٹے وعدے کیے۔ جن کا جھوٹ ہونا وہاں بھی ادنیٰ فکر و تامل سے واضح ہو سکتا تھا اور یہاں تو آنکھ کے سامنے ہے۔ میرے پاس نہ حجت و براہان کی قوت تھی نہ ایسی طاقت رکھتا تھا کہ زبردستی تم کو ایک جھوٹی بات کے سامنے پر مجبور کر دیتا، بلاشبہ میں نے بدی کی تحریک کی اور تم کو اپنے دشمن کی طرف بلا یا تم جھٹ کر خوشی سے آئے اور میں نے ہر حشرہ دی اور میری اپنی رضا و رغبت سے چل پڑے۔ اگر میں نے انہیں کیا تھا تو تم ایسے اندھے کیوں بن گئے کہ نہ دلیل سنی نہ دعوے کو پکھا آغلیں بند کر کے پیچھے ہو لیے۔ انسان یہ ہے کہ مجھ سے زیادہ تم اپنے نفسوں پر ملامت کرو۔ میرا جرم انہیں بجائے خود رہا لیکن مجھے جرم گردان کر تم کیسے بری ہو سکتے ہو۔ آج تم کو مدد دینا تو درکنار خود تم سے مدد لینا بھی ممکن نہیں۔ ہم اور تم دونوں اپنے اپنے جرم کے موافق سزا میں پکوسے ہوئے ہیں۔ کوئی ایک دوسرے کی فریاد کو نہیں پہنچ سکتا۔ تم نے اپنی حماقت سے دنیا میں مجھ کو خدائی کا شریک ٹھہرایا (یعنی بعض تو براہ راست شیطان کی عبادت کرنے لگے اور بہتوں نے اس کی باتوں کو ایسی طرح مانا اور اس کے احکام کے سامنے اس طرح سر تسلیم و انقیاد خم کیا جو خدائی احکام کے آگے کرنا چاہیے تھا) بہر حال اپنے جہل و غبارت سے جو شرک تم نے کیا تھا اس وقت میں اس سے منکر اور بیزار ہوں۔ یا "بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ" میں ہائے سبیت لے کر یہ مطلب ہو کہ تم نے مجھ کو خدائی کا تہجد دیا اس سبب سے میں بھی کافر بنا۔ اگر میری بات کوئی نہ پوچھتا تو میں کفر و طغیان کے اس درجہ میں کہاں پہنچتا۔ اب ہر ایک ظالم اور مشرک کو اپنے کسے کی سزا دردناک عذاب کی صورت میں بھگتنا چاہیے۔ شور مچانے اور الزام دینے سے کچھ حاصل نہیں۔ گزشتہ آیت میں سفصاف و مستحبرین (عوام اور لیڈروں) کی گفتگو نقل کی گئی تھی اسی کی مناسبت سے یہاں دوزخیوں کے مہالیدر (ابلیس لعین) کی تقریر نقل فرمائی چونکہ عوام کا الزام اور ان کی استدما دونوں جگہ یکساں تھی شاید اسی لیے شیطان کی گفتگو کے وقت اس کا ذکر ضروری نہیں معلوم ہوا۔ واللہ اعلم۔ مقصود ان مکالمات کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ لوگ اس افترا فری کا تصور کر کے شیاطین الانس و الجن کے اتباع سے باز رہیں۔

فی یہ بلور مقابلہ کفار کی سزا کے بعد موسیٰ کا انجام بیان فرمایا۔

فی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ دنیا میں "سلام" دعا ہے سلامتی مانگنے کی، وہاں "سلام" کہنا سہا کہاد ہے سلامتی ملنے پر۔

رابطہ:..... گزشتہ آیات میں ضعفاء کفار کی اپنے رئیسوں اور سرداروں سے باہم گفتگو کا ذکر تھا اس آیت میں شیطان کی گفتگو کا ذکر ہے جو تمام کافروں کا رئیس اور سردار ہے شیطان اس وقت جو تقریر کرے گا حق تعالیٰ نے اس آیت میں اس کا ذکر کیا ہے جب اہل جنت جنت میں اور اہل نار دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو تمام اہل دوزخ جمع ہو کر متفقہ طور پر ابلیس کو لعنت ملامت کریں گے کہ تو نے ہم کو تباہ و برباد کیا تو اس وقت ابلیس کھڑا ہوگا اور الزام دفع کرنے کے لیے (آگ) کے ایک منبر پر کھڑا ہو کر خطبہ دے گا۔ یہ وقت کافروں پر عیب مصیبت کا ہوگا ان کا سردار ہی ان کو صاف جواب دے دے گا۔

کافروں کے اس حال بدآل کے بعد حق تعالیٰ ﴿وَأَدْخِلِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ میں بطور مقابلہ اہل ایمان کی نعمتوں کا ذکر فرماتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم کا طریقہ ہے کہ اشیاء کے بعد سعداء کا حال و مال ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب حساب و کتاب کے بعد کام فیصل ہو چکے گا یعنی دوزخی دوزخ میں اور جنتی جنت میں داخل ہو چکے ہوں گے تو سب دوزخی جمع ہو کر شیطان کو لعنت ملامت کریں گے تو اس وقت ابلیس آگ کے ایک منبر پر کھڑا ہو کر کہے گا اے بد بختو! اور مجھے ملامت کرنے والو تحقیق اللہ تعالیٰ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا کہ قیامت اور حشر و نشر اور حساب و کتاب اور جزاء و سزا حق ہے اور جو کفر کرے گا وہ ہلاک ہوگا اور جو ایمان لائے گا وہ فلاح پائے گا پس خدا کے اس سچے وعدہ کا تم نے آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا کہ اس حیات دنیوی کے بعد کوئی حیات اور حساب و کتاب نہیں پس میں نے تم کو الٹا وعدہ دیا تھا یعنی میں نے جو تم کو وعدہ دیا تھا آج بالکل اس کا الٹ نکلا اور میرا تمہارے اوپر کوئی زور نہ تھا یعنی تم مجھے کس لیے ملامت کرتے ہو تم پر میرا کوئی زور اور زبردستی نہ تھی کہ جبراً و قہراً میرے حکم پر چلو۔ اگر تم میرا کہنا نہ مانتے تو میں تمہارا کیا کر سکتا تھا تم نے میرا حکم اپنے مزہ کے لئے مانا۔ اب عذاب بھی بھگتو میری طرف سے صرف اتنی بات ہوئی کہ میں نے تم کو بطریق وسوسہ اپنی طرف بلایا نہ میرے پاس کوئی دلیل اور حجت تھی اور نہ کوئی طاقت و قوت تھی کہ تم کو بزور منواتا بغیر کسی قہر اور غلبہ کے اور بغیر کسی حجت اور دلیل کے محض بطریق وسوسہ دنیا کی ظاہری آرائش اور زیبائش تمہاری نظروں کے سامنے کر دی پس تم نادانوں نے فوراً میرا کہنا مان لیا اور انبیاء و رسل جنہوں نے طرح طرح کے حجج و براہین تمہارے سامنے پیش کئے اور طرح طرح کی آیات بینات تم کو دکھائیں تم نے ان کا کہنا نہ مانا پس آخر تمہارا یہ انجام ہوا پس تم مجھے ملامت نہ کرو اور اپنی جانوں کو ملامت کرو کہ تم نے دلیل اور برہان کو چھوڑ کر میری بے دلیل باتوں کو مان لیا اس وقت تم ایسے اندھے کیوں ہو گئے تھے کہ بے دلیل میرے پیچھے لگ لیے حماقت تمہاری ہے مجھے کیوں ملامت کرتے ہو میری طرف سے تو فقط دعوت تھی اور اصل علت عذاب ارتکاب معصیت ہے جو تمہارا اختیاری فعل ہے لہذا آج نہ میں تمہاری فریادرسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریادرسی کر سکتے ہو ہم تم دونوں عذاب دائمی میں رہیں گے تحقیق میں بری اور بے زار ہوں اس سے کہ تم نے پہلے دنیا میں مجھے اللہ کا شریک قرار دیا میں اللہ کا شریک نہیں مطلب یہ ہے کہ تم جو دنیا میں اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے آج میں تمہارے اس اعتقاد سے بری اور بے زار ہوں میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ بے شک جو ظالم یعنی مشرک ہیں ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ آیات کے ظاہر۔ بیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس کا یہ خطبہ کافروں کے جنم

① آگ کے منبر کا ذکر تفسیر قرطبی: ۵۶۹/۱۳ اور صادی حاشیہ جلالین: ۲/۲۸۲ میں ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔



میں داخل ہونے کے بعد ہوگا لیکن بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میدان حشر میں فیصلہ ہو جانے کے بعد اور اہل ایمان کے جنت میں جانے اور کافروں کے دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے ہوگا اور وہ حدیث یہ ہے کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ جب اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو جمع کر کے فیصلہ کر دے گا اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت سے فارغ ہو جائیں گے تو کفار کہیں گے کہ مومنوں نے تو اپنا شفع پالیا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیا جو ان کے لیے بارگاہ خداوندی میں شفاعت کریں گے کاش ہمارا کوئی سفارشی ہو جاتا کفار کہیں گے سوائے ابلیس کے کون ہے جو ہماری سفارش کرے جس نے ہم کو گمراہ کیا پس کفار جمع ہو کر ابلیس کے پاس آئیں گے اور کہیں گے تم ہمارے پیشوا ہو تم ہمارے واسطے اٹھو کیونکہ تمہیں نے ہم کو یہ راہ بتلائی تھی پس وہ اپنے مقام سے اٹھے گا اور اس کی مجلس سے ایسی سخت بدبو اٹھے گی جو کسی نے اس سے پہلے نہ سونگھی ہوگی اور پھر گریہ وزاری اور چیخ و پکار بلند ہوگی اس وقت شیطان اٹھے گا اور یہ کہے گا **وَإِنَّ اللَّهَ وَعَدَّكُمْ وَعَدَّ الْحَقُّ** اور اس طرح ان سے اپنی بیزاری ظاہر کرے گا ابلیس کے اس خطبہ سے کفار کی کمر ٹوٹ جائے گی اور دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۵۶/۹، ۳ تفسیر ابن کثیر: ۵۲۹/۲)

### اہل سعادت کے حال اور مال کا ذکر

**﴿وَأَدْخِلِ الَّذِينَ آمَنُوا... إِلَىٰ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ﴾**

ربط:..... اوپر کی آیتوں میں اشیاء کا حال اور مال بیان کیا اب اہل سعادت کا حال اور مال بیان کرتے ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے وہ ایسے باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے درختوں اور مکانوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گے اور وہ ان میں اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں ان کی آپس کی دعاء ملاقات سلام ہوگی جس سے اس امر کا اظہار مطلوب ہوگا کہ وہ ہمیشہ ہر آفت سے سلامت رہیں گے۔

**أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ**

تو نے نہ دیکھا کیسی بیان کی اللہ نے ایک مثال **فِ** بات ستمری **فِ** جیسے ایک درخت ستمرا **فِ** اس کی جڑ مضبوط ہے اور ٹہنے ہیں تو نے نہ دیکھا؟ بیان کی اللہ نے ایک مثال، ایک بات ستمری، جیسے ایک درخت ستمرا، اس کی جڑ مضبوط ہے، اور ٹہنے

**السَّمَاءِ ﴿۱۱﴾ تَوْبَةٍ أَكَلَهَا كُلُّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ۖ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ**

آسمان میں **فِ** لاتا ہے پھل اپنا ہر وقت بہ اپنے رب کے حکم سے **فِ** اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے واسطے تاکہ آسان میں۔ لاتا ہے پھل اپنا ہر وقت پر اپنے رب کے حکم سے۔ اور بیان کرتا ہے اللہ کہاوتیں لوگوں کو، شاید

**فِ** یعنی دیکھئے اور غور کیجئے کسی ہاموع اور معنی خیز مثال ہے۔ عقل مند جس قدر اس میں غور کرے سیکڑوں باریکیاں لگتی چلی آئیں۔

**فِ** ستمری بات میں کلمہ توحید معرفت الہی کی باتیں، ایمان و ایمانیت، قرآن و حدیث، نبی و پیغمبر، حج و عمرہ، حج بولنا سب داخل ہے۔

**فِ** اکثر روایات و آثار میں یہاں "ستمرے درخت" کا مصداق مجرور قرار دیا ہے، گو دوسرے ستمرے درخت بھی اس کے تحت میں مندرج ہو سکتے ہیں۔

**فِ** یعنی اس کی جو زمین کی مہرائیں میں پھیلی ہوئی ہوں کہ زور کا جھکڑ بھی جو سے نہ اکھڑ سکے اور چوٹی آسمان سے لگی ہو یعنی ٹائیں بہت اونچی اور زمینی

مثالوں سے دور ہوں۔

يَعْدَ كُرُونًا ﴿۱۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا

وہ فکر کریں اور مثال گندی بات کی فل جیسے درخت گندا فل اکھاڑ لیا اس کو زمین کے اوپر سے کچھ وہ سوچ کریں۔ اور مثال گندی بات کی، جیسے درخت گندا، اکھاڑ لیا اوپر سے زمین کے، کچھ

لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۱۶﴾ يُغَيِّبُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الْغَابِطِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي

انہیں اس کو ٹھہراؤ فل مضبوط کرتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے دنیا کی زندگی میں نہیں اس کو ٹھہراؤ۔ مضبوط کرتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے دنیا کی زندگی میں اور

عِ الْآخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ۖ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ﴿۱۷﴾

اور آخرت میں فل اور بچلا دیتا ہے اللہ بے انصافوں کو فل اور کرتا ہے اللہ جو چاہے فل آخرت میں۔ اور بچلا دیتا ہے اللہ بے انصافوں کو۔ اور کرتا ہے اللہ جو چاہے۔

مثال کلمہ ایمان و کلمہ کفر، و ذکر سوال قبر

﴿الَّذِينَ آمَنُوا﴾: ﴿كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً... إِلَى... وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ﴾

= فل یعنی کوئی فصل پھل سے خالی نہ ہائے یا فرض کیجئے بارہ مہینے تک و تمام اس پر تازہ پھل لگا کرے۔  
 فل کلمہ کفر جموئی بات اور ہر ایک کلام جو خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو "کلمہ خبیثہ" میں داخل ہے۔  
 فل اکثر نے اس سے ظل (امیران) مراد لیا ہے گو محوم لفظ میں ہر شراب درخت شامل ہو سکتا ہے۔  
 فل یعنی جو کچھ نہ ہو، ذرا اشارہ سے اکھڑ جائے۔ گویا اس کے بود سے بن اور ناپائیداری کو ظاہر فرمایا، دونوں مثالوں کا حاصل یہ ہوا کہ مسلمانوں کا دعوائے توحید و ایمان پاک اور سچا ہے جس کے دلائل نہایت صاف و صحیح اور مضبوط ہیں، موافق فطرت ہونے کی وجہ سے اس کی جویں قلوب کی پہنائیوں میں اتر جاتی ہیں اور اعمال صالحہ کی شاخیں آسمان قبول سے جاگتی ہیں۔ ﴿الَّذِينَ يَضَعُوا كَلِمَةَ الظُّلْمِ وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ يَوْمَ قَعْدَةٍ﴾ اس کے لطیف و شیریں ثمرات سے مومنین کے کام و دامن ہمیشہ لذت اندوز ہوتے ہیں۔ الغرض حق و صداقت اور توحید و معرفت کا سد بہار درخت روز بروز پھولتا چلتا اور بڑی پائیداری کے ساتھ ادچھا ہوتا رہتا ہے اس کے برخلاف جموئی بات اور شرک و کفر کے دعوائے باطل کی جو بنیاد کچھ نہیں ہوتی۔ ہوا کے ایک جھٹکے میں اکھڑ کر جاڑتا ہے۔ ناحق بات ثابت کرنے میں خواہ کتنے ہی زور لگاتے ہائیں، لیکن انسانی ضمیر اور فطرت کے مخالفت ہونے کی وجہ سے اس کی جویں دل کی مہرانی میں نہیں پہنچتیں۔ تھوڑا دھیان کرنے سے غلط معلوم ہونے لگتی ہے۔ اسی لیے مشہور ہے کہ جموٹ کے پاؤں نہیں ہوتے یعنی سچ کی طرح اپنے پاؤں نہیں چلتا۔ اس سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ امام فخر الدین رازی نے صوفیاء کے طرز پر ان مثالوں کے بیان میں بہت اطناب سے کام لیا ہے۔ یہاں اس کے نقل کی گنجائش نہیں۔  
 فل یعنی حق تعالیٰ توحید و ایمان کی باتوں سے جن کی مضبوطی و پائیداری پہچلی مثال میں ظاہر کی گئی مومنین کو دنیا و آخرت میں مضبوط ثابت قدم رکھتا ہے۔ ری قبر کی منزل جو دنیا و آخرت کے درمیان برزخ ہے اس کو ادھر یا ادھر جس طرف چاہیں شمار کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سلف سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں۔ غرض یہ ہے کہ مومنین دنیا کی زندگی سے لے کر آخر تک اسی کلمہ طیبہ کی بدولت مضبوط اور ثابت قدم رہیں گے۔ دنیا میں کسی ہی آفات و حوادث پیش آئیں، کتنا ہی سخت آسمان ہو، قبر میں کیرین سے سوال و جواب ہو، محشر کا ہولناک منظر ہوش اڑا دینے والا ہو، ہر موقع پر یہی کلمہ توحید ان کی پامردی اور استقامت کا ذریعہ بنے گا۔

فل بے انصافوں سے مراد یہاں کفار و مشرکین ہیں، وہ دنیا میں بھی بچلے اور آخر تک بچتے رہیں گے، محمی حقیقی کامیابی کا راستہ ہاتھ نہ لگے گا۔  
 فل یعنی اپنی حکمت کے موافق یہاں معاملہ جس کے ساتھ مناسب ہوتا ہے کرتا ہے۔

رابطہ:..... گزشتہ آیات میں کافروں اور مومنوں کے اخروی نتائج کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں کلمہ ایمان اور کلمہ کفر کی مثال بیان فرماتے ہیں اور عالم برزخ میں اس کا اثر اور ثمر بیان کرتے ہیں تاکہ کلمہ توحید کی فضیلت اور کلمہ کفر کی قباحت ظاہر ہو۔

اس آیت میں کلمہ طیبہ سے کلمہ لا الہ الا اللہ مراد ہے۔ جیسا کہ حدیث میں اس کی تصریح ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ اس کے تابع ہے وہ بھی مراد ہے کیوں کہ طرہوم کے ساتھ لوازم کا ہونا ضروری ہے مگر چونکہ اہل ایمان اس امت سے پہلے بھی گزرے ہیں جو ایمان اور فضائل ایمان میں ان کے ساتھ شریک ہیں سب لا الہ الا اللہ کہتے تھے مگر لا الہ الا اللہ کا قرین ہر امت میں بدلتا رہا ہے کوئی لا الہ الا اللہ کے ساتھ نوح نبی اللہ کہتا تھا کوئی ابراہیم خلیل اللہ کہتا تھا اور کوئی موسیٰ کلیم اللہ کہتا تھا اور کوئی عیسیٰ روح اللہ کہتا تھا اور ہم محمد رسول اللہ کہتے ہیں۔ غرض یہ کہ کلمہ رسالت جملہ متبادلہ ہے ہر امت میں بدلتا رہا ہے اور کلمہ لا الہ الا اللہ غیر متبادل ہے جس میں تمام اہل ایمان و اہل ملل و ادیان مشترک ہیں اس لیے اکثر احادیث میں لا الہ الا اللہ پر اکتفا کیا گیا باقی مراد وہی پورا کلمہ ہے یعنی مع اپنی قرین اور لازم کے مراد ہے لا الہ الا اللہ تو سب میں مشترک ہے مگر لا الہ الا اللہ کا قرین ہر امت مسلمہ کا الگ الگ ہے اور چونکہ اصل کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ ہے اور محمد رسول اللہ اس کا قرین ہے اس لیے حضرات صوفیہ جب ذکر کی تلقین کرتے ہیں تو یہ فرماتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ کا ذکر مثلاً اتنی مقدار میں کیا کرو اور کبھی کبھی محمد رسول اللہ بھی کہہ لیا کرو تاکہ تابع اور متبوع کا فرق اور حق ادا ہو جائے اور وجہ یہ ہے کہ ذکر تو اللہ کا حق ہے اور نبی کا حق درود ہے جس کا قرآن میں حکم آیا ہے لہذا لا الہ الا اللہ تو ذکر ہے اور محمد رسول اللہ کلمہ تہجد یا ایمان کے لیے ہے اب آیت کی تفسیر پڑھئے۔

کیا نہیں دیکھا تو نے اے سیکھنے والے؟ اور کیا نہیں جانا تو نے اے جاننے والے؟ کہ اللہ نے کلمہ توحید اور کلمہ شرک کی کیسی عجیب اور عمدہ مثال بیان کی ہے کلمہ طیبہ یعنی کلمہ توحید و اسلام ایک نہایت ہی پاکیزہ درخت کے مشابہ ہے جس کا پھل نہایت درجہ لذیذ اور مفید ہے شجرہ طیبہ سے کھجور کا درخت مراد ہے جو اپنے بیشمار منافع کی وجہ سے اطمینان الاشجار ہے اور وہ پاکیزہ درخت ایسا ہے کہ اس کی جڑ مضبوط ہے یعنی اس کی جڑ زمین میں جمی ہوئی ہے پس مومن کا قلب بمنزلہ زمین کے ہے اور ایمان اور اعتقاد توحید جو اس میں راسخ ہے وہ کلمہ ایمان کی جڑ ہے اور اعمال صالحہ اس شجرہ طیبہ کی شاخیں ہیں جو آسمان قبولیت تک پہنچ رہی ہیں اور اس معتقد کے لیے بلندی اور رفعت کا سبب بن رہی ہیں اور انہی اعمال صالحہ کو حدیث میں ایمان کے شعبوں سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ پاکیزہ درخت ہر وقت اپنے پروردگار کے حکم سے پھل دیتا رہتا ہے یعنی دن رات ہر موسم میں قسم قسم کے پھل دیتا رہتا ہے کبھی اس کا پھل منقطع نہیں ہوتا اسی طرح مومن کا عمل ہے کہ آسمان پر چڑھتا ہے یعنی قبول ہوتا ہے اور اس کی برکتیں ہر وقت حاصل ہوتی رہتی ہیں۔ اور اس کا ثواب کبھی منقطع نہیں ہوتا اس کا ثواب ہر وقت مومن کو پہنچتا ہے اس ناچیز کا گمان یہ ہے کہ ﴿أَضَلُّهَا قَاهِبَةٌ﴾ سے ایمان کی طرف اشارہ ہے اور ﴿فَرَعْتَهَا فِي السَّمَاءِ﴾ سے سلام کی طرف اشارہ ہے اور ﴿تَوَدَّىٰ أَكْطَاهَا كُلَّ جَنَّةٍ﴾ سے مقام احسان اور اخلاص کی طرف اشارہ ہے یعنی ان انوار و برکات کی طرف اشارہ ہے جو صدق ایمان اور اعمال صالحہ سے حاصل ہوتے ہیں یہ انوار و برکات شجرہ ایمان کے ثمرات طیبہ ہیں جو عالم غیب سے ہر وقت اس کو پہنچتے رہتے ہیں اور عجیب نہیں کہ ﴿تَوَدَّىٰ أَكْطَاهَا﴾ سے وہ نوا کہ

اور ثمرات مراد ہیں جو جنت میں اعمال صالحہ پر مرتب ہوں گے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ غراسها الجنة یا **اُكْلَهَا** سے قرب خداوندی اور رضائے الہی کے ثمرات مراد لیے جائیں جو دائمی ہیں اور انقطاع کا ان میں احتمال نہیں اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو سمجھانے کے لئے مثالیں بیان کی ہیں تاکہ وہ نصیحت پکڑیں کیونکہ مثال امر متصور کو محسوس کے قریب بنا دیتی ہے اور صورت کے آئینہ میں معنی کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

یہ تو کلمہ طیبہ کی مثال ہوتی جو عقل کا درخت ہے اب آگے کلمہ خبیثہ کی مثال بیان فرماتے ہیں کہ نفسانی شہوات و لذات کا خبیث اور گندہ اور بد بودار درخت ہے اور کلمہ خبیثہ یعنی کلمہ کفر کی مثال ایسی ہے جیسے ایک نہایت خراب اور گندہ درخت ہو اور ایسا کمزور ہو کہ وہ ذرا سی حرکت میں زمین کے اوپر سے اکھاڑ لیا جائے اور اس کے لیے زمین میں کچھ قرار اور ثبات نہیں اس لیے شاخوں اور پھلوں کا ذکر تو فضول ہے کلمہ کفر کو شجرہ خبیثہ کے ساتھ تشبیہ دینے میں اشارہ اس طرف ہے کہ کفر کا وجود تو ہے مگر معتد بہ اور پائیدار وجود نہیں اس لیے کہ کفر کا دعویٰ کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں۔ دعویٰ بے دلیل ہے اس کی کوئی جڑ اور بنیاد نہیں اسی وجہ سے اس کی شاخوں اور پھلوں کا ذکر نہیں فرمایا کفار کا کوئی عقیدہ دنیا میں مضبوط دلیل سے قائم نہیں تھوڑا سا دھیان کرنے سے غلط معلوم ہونے لگتا ہے عجب نہیں کہ اشارہ اس طرف ہو کہ کافر کا کوئی عمل معتبر نہیں اس لیے کہ اس کی کوئی بنیاد نہیں اور نہ اس پر کوئی اخروی ثمرہ مرتب ہوگا۔

نہ بیخ کز ایں باشد اور مدار نہ شاخ کہ گردو بدار سایہ دار  
گیا بہت افتادہ بر روئے خاک پریشان و بے حاصل و خور ناک  
کافروں کے دعوے کی کوئی جڑ نہیں ہوتی ذرا دھیان کرو تو اس کا غلط ہونا معلوم ہو جائے گا اور یہی وجہ ہے کہ اس کے دل میں کوئی نور پیدا نہیں ہوتا اور نہ دل کو سکون اور اطمینان ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام:..... یہ کہ پہلی آیت میں کلمہ طیبہ کو شجرہ طیبہ یعنی پاکیزہ درخت سے تشبیہ دی ہے جس میں یہ چار وصف پائے جائیں۔

- (۱) پاکیزہ ہو، یعنی دیکھنے میں خوبصورت اور خوشبودار اور خوش مزہ ہو اس کا پھل شیریں اور لذیذ ہو۔
- (۲) جڑ اس کی مضبوط ہو اکھڑنے اور گرنے سے بالکل محفوظ ہو۔
- (۳) شاخیں اس کی اونچائی میں آسمان کو جا رہی ہوں یعنی بہت بلند ہوں اور ظاہر ہے کہ درخت جس قدر زیادہ لمبا ہوگا اسی قدر اس کا پھل بھی پاکیزہ اور لذیذ ہوگا اور زمین کی کدورتوں سے محفوظ ہوگا اور زیادہ بھی ہوگا۔
- (۴) ہر وقت وہ پھل دیتا ہو اس کے پھل کے لیے کوئی زمانہ خاص نہ ہو کہ اس زمانہ کے سوا کسی دوسرے وقت میں اس کو پھل نہ آتا ہو جو درخت ان صفات کے ساتھ موصوف ہوگا وہ نہایت عمدہ درخت ہوگا اور ہر عاقل اس کے حصول کی کوشش کرے گا۔

پس یہی حال شجرہ ایمان و اسلام کا ہے کہ وہ دیکھنے میں اور سونگھنے میں نہایت پاکیزہ ہے اس درخت کے اصول و فروع کو دیکھ کر آدمی حیران اور ششدر رہ جاتا ہے کہ مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا عجیب پاکیزہ درخت ہے۔

اور اس کی جز نہایت مضبوط ہے کہ جو اللہ کی معرفت اور محبت اور دلائل عقل و فطرت پر قائم ہے اسی وجہ سے دین اسلام مومن کے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔

اور پھر اس اعتقاد جازم سے جو اعمال صالحہ کی شاخیں نکلتی ہیں وہ آسمان قبول تک پہنچ جاتی ہیں کما قال اللہ تعالیٰ ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾ وقال النبي صلى الله عليه وسلم الايمان بضع وسبعون شعبه اور شعبه اصل میں درخت کی شاخ کو کہتے ہیں۔

اور مومن اس پاکیزہ درخت کے ثمرات طیبہ اور انوار الہیہ اور برکات ربانیہ سے ہر وقت بہرہ ور اور لذت اندوز ہوتا رہتا ہے شجرہ ایمان کے ثمرات کبھی منقطع نہیں ہوتے۔ ﴿لَا مَقْطُوعَةٌ وَلَا مُنْزَعَةٌ﴾

لہذا عاقل کو چاہئے کہ ایسے درخت کے حاصل کرنے سے غفلت نہ برتے جو ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے اور حصول کے بعد اس کی آبیاری اور خبر گیری سے غافل نہ ہو ایسے درخت کا میسر آنا نعمت عظمیٰ ہے اور باذن ربہا میں اشارہ اس طرف ہے کہ ان ثمرات و برکات کا حصول خدا تعالیٰ کے حکم پر موقوف ہے یہ کلمہ طیبہ کی مثال کا بیان ہوا۔

اور اس کے برخلاف کلمہ خبیثہ یعنی کلمہ کفر اس خبیث اور گندہ درخت کے مشابہہ ہے جس میں یہ تین باتیں پائی جائیں۔  
(۱) برا اور گندہ ہو یعنی بد صورت اور بد بودار اور بد مزہ ہو یعنی اور دنیوی، روحانی اور جسمانی مضرتوں کا حامل ہو اور طرح طرح کی خباثتوں اور کراہتوں کو اپنے اندر لیے ہوئے ہو جس کی وجہ سے وہ غایت درجہ قابل نفرت ہو۔

(۲) جز اس کی مضبوط نہ ہو زمین کے اوپر ہی رکھی ہوئی ہو ذرا سی ہوا تیز چلے یا کوئی حرکت دے تو گر پڑے۔

(۳) اس کو مضبوطی نہ ہو یعنی بہت کمزور درخت ہو جس کو ثبات اور قرار نہ ہو یہی حال ملت کفر کا ہے کہ ایک خبیث درخت کی طرح ملت کفر بد صورت اور بد بودار اور بد مزہ ہے اس لیے کہ شجرہ کفر بے حیائیوں اور بے غیرتیوں اور طرح طرح کی بد اخلاقیوں اور قسم قسم کی بد اعمالیوں کا ایک گندہ درخت ہے جس کا پھل سوائے شقاوت اور خسران کے کچھ نہیں امریکہ اور برطانیہ اسی قسم کے اشجار خبیثہ کے جنگل اور دنگل ہیں اور اس شجرہ کفر کی کوئی جڑ اور بنیاد نہیں ہوا کے ایک جھٹکے میں اکھڑ کر گر پڑتا ہے یہ درخت صرف نفسانی شہوتوں اور لذتوں پر قائم ہے جو سراسر عقل اور فطرت اور غیرت کے خلاف ہے کفر و شرک کے جس قدر اصول و فروع ہیں وہ سب باطل و بے بنیاد ہیں جن کے لئے دلیل اور برہان نہیں حجتہم داحضۃ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ شجرہ خبیثہ سے اندر این کا درخت مراد ہے جس کا پھل نہایت زہریلا اور کڑوا ہوتا ہے اور نہایت بد بودار ہوتا ہے اور اس کی جڑ پھیلی ہوئی ہوتی ہے اس کو ثبات اور استحکام نہیں ہوتا آسانی زمین کے اوپر سے اکھاڑا جاسکتا ہے کفر کا یہ خبیث درخت عقل اور فطرت کے جھونکے سے اکھڑ کر گر جاتا ہے اسی لیے مثل مشہور ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے یعنی جھوٹ سچ کی طرح اپنے پاؤں سے نہیں چلتا بلکہ زن اور زد کے زور سے چلتا ہے (جیسا کہ نصرانی مذہب) مگر دل میں نہیں اترتا اس کی جڑ نہیں ہوتی یعنی دل اس سے مطمئن نہیں (جیسا کہ نصرانیوں کی تثلیث فی التوحید اور مسئلہ کفارہ) جس کو شہوت پرست ان اور زر کے طمع سے محض زبان سے مان لیتے ہیں مگر دل میں نہیں اترتا کسی بڑے سے بڑے پادری کا دل مسئلہ تثلیث پر مطمئن نہیں۔

غرض یہ کہ کفر کی نہ تو کوئی اصل اور بنیاد ہے اور نہ کافر کے پاس اپنے کفر اور شرک کی کوئی دلیل اور برہان ہے اور نہ اس شجرہ کفر کی کوئی فرع اور شاخ ہے اور نہ کفر کا کوئی عمل اوپر چڑھتا ہے اور نہ کوئی شے اس کی قبول ہے اور ایسے خبیث اور گندے درخت کے پھل کا کیا تصور ہو سکتا ہے اور اتنا کمزور ہے کہ دلائل کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا لہذا لوگوں کو چاہئے کہ ایسے بد مزہ اور زہریلے اور بد بودار اور قابل نفرت درخت سے احتراز کریں اور ایسے پاکیزہ درخت کے حاصل کرنے کی کوشش کریں جو پاکیزہ اور خوشبودار ہو اور اس کی جڑ مضبوط اور مستحکم ہو وہ شجرہ اسلام ہے جو غایت درجہ معقول اور نہایت درجہ مستحکم ہے۔

اور حدیث میں جو شجرہ طیبہ کی تفسیر کھجور کے درخت سے اور شجرہ خبیثہ کی تفسیر منظل اور کٹوٹ کے درخت سے آئی ہے وہ بطور تمثیل ہے نہ کہ بطور تخصیص، اور مقصود یہ ہے کہ کلمہ طیبہ ایک شجرہ طیبہ کے مشابہہ ہے کہ اوصاف مذکورہ کا جامع ہو خواہ وہ کھجور کا درخت ہو یا اور کوئی پاکیزہ درخت ہو اور شجرہ خبیثہ سے بھی کوئی معین درخت مراد نہیں جو خبیث اور گندہ اور بد بودار اور بد مزہ ہو وہ سب شجرہ خبیثہ کے عموم میں داخل ہے۔ اس لیے زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کفر اور ضلالت کا کوئی فرق نہیں ہے درخت کے مشابہہ ہے اور کوئی کانٹوں کے جھاڑ کے مشابہہ ہے اور کوئی کسی کے اور کوئی کسی کے یہ تو اہل سنت والجماعت کی تفسیر ہوئی اور حضرات شیعہ یہ کہتے ہیں کہ شجرہ طیبہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ مراد ہیں اور شجرہ خبیثہ سے بنی امیہ مراد ہیں (دیکھو روح المعانی: ۱۳/۱۹۲)

یہاں تک کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال بیان فرمائی اب آئندہ آیت میں ہر ایک کے اثر اور ثمر کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات کی برکت سے یعنی کلمہ طیبہ کی برکت سے جس کی جڑ مضبوط ہے دونوں جگہوں میں یعنی دنیا اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے دنیا میں تو اس طرح کہ مومن کلمہ طیبہ کی برکت سے شیاطین الانس والجن کے اغواء سے محفوظ رہتا ہے اور اصحاب اخذ و دکی طرح جب کفار کی طرف سے کوئی فتنہ اور ابتلاء پیش آتا ہے تو توفیق خداوندی ایمان پر ثابت قدم رہتا ہے اور جادہ توحید سے اس کا قدم نہیں پھسلتا اور کوئی فتنہ پیش آئے تو اس کے پائے استقامت میں تزلزل نہیں آتا اور اسی طرح مرنے تک ایمان پر قائم رہتا ہے اور اسی کلمہ پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے اور آخرت میں اس طرح کہ قبر میں جو آخرت کی پہلی منزل ہے نکیرین کے سوالات کا صحیح جواب دیتا ہے اور قیامت کے ہوشر باذن حساب و کتاب کے وقت اس کو کوئی اندیشہ نہیں غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو دنیا اور آخرت میں حق پر مضبوط اور ثابت قدم رکھتا ہے غرض یہ کہ فی الآخرة سے قبر اور عالم برزخ مراد ہے جیسا کہ احادیث مرفوعہ اور اقوال صحابہ سے ثابت ہے کہ فی الآخرة سے قبر اور عالم برزخ مراد ہے جو آخرت کی پہلی منزل ہے جہاں حق تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو جواب کی تلقین اور حق اور ثواب پر تمکین عطا فرماتا ہے اور امتحان قبر میں اس کو ثابت قدم رکھتا ہے اور لفظ یثبت اللہ (اللہ ثابت قدم رکھتا ہے) میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ ثبات اور استقامت اللہ کی توفیق اور تثبیت اور اس کے فضل و عنایت سے ہے اگر اللہ کی تثبیت اور تائید نہ ہو تو مومن کے ایمان کے آسمان اور زمین اپنی جگہ سے ہٹ جائیں کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَلَوْلَا أَنْ يَبْتَئِنَّكَ لَقَدْ كُنْتَ تَرْكُنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا﴾ وقال اللہ تعالیٰ ﴿لَقَدْ نَقَصُ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَقَصْتَ بِهِ قَوْلًا﴾ وقال اللہ تعالیٰ ﴿إِذْ يُوحَىٰ رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنْ مَعَكُمْ فَاقِئُوا الَّذِينَ آمَنُوا﴾

ف:..... آیت میں قول حق اور قول صدق مراد ہے جو قول باطل اور قول کاذب کی نفی ہے اور قول ثابت کا اولین مصداق کلمہ ایمان اور اس کے لوازم ہیں یہ تو کلمہ طیبہ کے اثر کا بیان تھا۔

اب آگے کلمہ خبیثہ کے اثر کو بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کلمہ خبیثہ کی نحوست سے ظالموں کو یعنی کافروں کو جنہوں نے کفر کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا دنیا اور آخرت دونوں جگہوں میں بچلا دیتے ہیں دنیا میں تو ان کا بچلنا ظاہر ہے کہ حق اور صدق سے منحرف رہے اور آخرت بچلنا یہ ہے کہ قبر میں جو آخرت کی پہلی منزل ہے ان سے نکیرین کے سوال کا جواب نہ بن پڑے گا بلکہ حیرت زدہ ہو کر یہ کہیں گے ہا۔۔۔ ہا۔۔۔ لا ادری افسوس افسوس میں کچھ نہیں جانتا جو اور لوگ کہتے تھے وہی میں بھی کہہ دیتا تھا جو سنا وہی کہہ دیا اس پر فرشتے اس کے گرر ماریں گے اور کہیں گے لا دریت ولا تلیت کہ نہ تو نے خود سمجھا اور نہ کسی سمجھنے والے کا اتباع کیا اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں ایک۔ ایک تحقیقی اور ایک تقلیدی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان تحقیقی کی طرح ایمان تقلیدی بھی معتبر ہے جیسے بعض عوام کو ایمان کی پوری حقیقت معلوم نہیں ہوتی صرف اتنا جانتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور دین ہمارا اسلام ہے یہ ایمان تقلیدی ہے اور عند اللہ یہ بھی معتبر ہے یہاں بظاہر یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ہی ثابت قدم رکھتے ہیں اور وہی بچلاتے ہیں تو پھر بچلنے والے پر کیا الزام اس کا ایک جواب تو لفظ ﴿يُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ﴾ سے ہو گیا کہ انہوں نے ظلم کیا تھا اس کی نحوست سے بچل گئے یہ حکیمانہ جواب ہے اب آگے حاکمانہ جواب ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں وہ جس کو چاہے ہدایت دے اور ثابت قدم رکھے اور جس کو چاہے ہدایت دے اور ثابت قدم رکھے اور جس کو چاہے گمراہ کرے اور بچلائے اس کی بارگاہ میں یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ مومنوں کو کیوں ثابت قدم رکھا اور ظالموں کو کیوں بچلایا اور گمراہ کیا وہ علیم و حکیم ہے وہ اپنی حکمت و مشیت سے جس کے ساتھ جو مناسب ہوتا ہے وہی معاملہ کرتا ہے۔

ف ا:..... ﴿يُضِلُّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ یہ جملہ شجرہ طیبہ کی مثال سے متعلق ہے اور ﴿وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ﴾ کلمہ خبیثہ کی مثال سے متعلق ہے اور ﴿وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ﴾ دونوں سے متعلق ہے ﴿وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ﴾

ایک شبہ:..... یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ سورت مکی ہے اور حدیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو عذاب قبر کا علم مدینہ منورہ میں ہوا لہذا یہ ہوتا تو مکہ ہی میں حضور ﷺ کو اس کا علم ہو جاتا۔

جواب:..... اس اشکال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس سورت کی اس خاص آیت کو مدنی مانا جائے مگر یہ کہیں ثابت اور منقول نہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں لفظ فی الآخرة وارد ہوا ہے اور آخرت دو ہیں اور ایک مجازی اور آیت میں لفظ آخرت دونوں کو شامل ہے اور اپنے عموم کی وجہ سے دونوں کو متناول ہے اور حضور پر نور ﷺ کو تثبیت اور اضلال کا دوسرا جزو یعنی تثبیت اور اضلال فی القبر یہ مدینہ منورہ میں منکشف ہوا خلاصہ یہ کہ تثبیت اور اضلال فی الآخرة کا وہ حصہ جو قیامت سے متعلق تھا ظاہر اور مبادر ہونے کی وجہ سے مکہ ہی میں منکشف ہو گیا اور دوسرا جزو یعنی عذاب قبر اور نعیم قبر یہ مدینہ میں منکشف ہوا پس آیت کے

مکی ہونے میں اور آیت کے عذاب قبر کے باعے میں نازل ہونے میں کوئی تفریق نہیں رہی۔

ف ۲:..... آیت میں مومن صالح اور کافر کے ثواب اور عذاب قبر کا ذکر ہے مومن فاسق کا صراحتاً کوئی ذکر نہیں اب یا تو قیاس کیا جائے کہ جس طرح اس کی حالت بین بین ہے اعتقاد میں مومن کے مشابہہ ہے اور عمل میں کافر کے مشابہہ ہے اس طرح اس کے ساتھ معاملہ بھی بین بین ہوگا۔

(هذا كالمه ملحض من الثبیت بمراقبة التعبییت و غط نمبر ۱۲۲، از سلسلہ تبلیغ)

یہ ناچیز کہتا ہے کہ شاید گناہ گار مومن کے ذکر سے اس لیے سکوت کیا گیا کہ اس کا معاملہ مشیت خداوندی میں مستور ہے کما قال تعالیٰ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا حُوِّنَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾۔

ف ۳:..... جب مردہ قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو سیاہ رنگ اور نیلی آنکھوں والے ہوتے ہیں ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے اور اس شخص (یعنی محمد رسول اللہ ﷺ) کے بارے میں تو کیا کہتا ہے سوال کے ان دو فرشتوں میں سے ایک کا نام منکر بفتح کاف بصیغہ اسم مفعول ہے اور دوسرے کا نام نکیر بوزن فصیل ہے چون کہ ان کی صورت اور شکل بالکل اوپری ہے نہ تو آدمیوں کے مشابہہ ہے اور نہ فرشتوں کے اور نہ حیوانوں کے بالکل نئی مخلوق ہے اس لیے ان فرشتوں کا نام منکر اور نکیر ہے۔

اہل سنت والجماعت کے اجتماعی عقیدوں میں ایک عقیدہ یہ ہے کہ قبر (یعنی عالم برزخ) میں مومن و کافر سب سے سوال ہوگا اور کافر اور فاسق کو عذاب ہوگا قبر سے مراد برزخ ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان واسطہ ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ یہ امر فی نفسہ ممکن ہے اور نصوص شریعت سے باجماع امت ثابت ہے اور سوال و جواب کے معنی سمجھنے اور سمجھانے کے ہیں خواہ وہ آواز سے ہوں یا غیر آواز سے ہوں اور سمجھنے کے لیے مطلق زندگی کا ہونا ضروری ہے جو انسان کے کسی جزو سے متعلق ہو سکتی ہے لہذا منکرین کا یہ کہنا کہ ہم میت کو دیکھتے ہیں مگر منکر نکیر کو نہیں دیکھتے اور نہ ہی میت کی اور ان کی گفتگو کو سنتے ہیں اور نہ میت کے بدن پر کوئی علامت عذاب کی دیکھتے ہیں اور نہ میت کے بدن میں کسی قسم کی جنبش یا کوئی اور علامت ہی دیکھنے میں آتی ہے منکرین کا یہ قول صحیح نہیں منکرین کے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ وہ عالم ہی دوسرا ہے اس عالم کے احوال کے مشاہدے کے لیے اس عالم کی آنکھیں چاہئیں آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی اور آنحضرت ﷺ جبریل امین علیہ السلام کا کلام سنتے تھے اور جبرئیل علیہ السلام کو دیکھتے تھے مگر حاضرین میں یہ استعداد نہ تھی کہ وہ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ سکیں اور ان کا کلام سن سکیں۔

بسا اوقات انسان کو خواب میں شدید الم لاحق ہوتا ہے اور کبھی اس کو مسرت لاحق ہوتی ہے مگر پاس والے آدمیوں کو یہ بات محسوس نہیں ہوتی اور خواب دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ میں بیداری کی حالت میں یہ چیزیں دیکھ رہا ہوں حالانکہ وہ واقع میں سویا ہوا ہے اور اگر کوئی شخص اپنا خواب بیان کرے تو اس سے دلیل عقلی کا مطالبہ نہیں ہو سکتا بعینہ یہی کیفیت منکر نکیر کے سوال کی ہے مردہ ان کا کلام سنتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے مگر پاس کے لوگوں کو اس کی مطلق خبر نہیں ہوتی ابھی سمجھ میں نہیں آتا جب مروے معلوم ہو جائے گا حیرت کا مقام ہے کہ لوگ منکر نکیر اور میت کے سوال و جواب کا انکار کرتے ہیں اور یہ خیال



نہیں کرتے کہ ایک سمج و بصیر انسان کا ایک قطرہ آب سے پیدا ہو جانا اور اس سے ہزاروں درجہ عجیب و غریب ہے مگر چونکہ روزمرہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں اس لیے اس کے انکار پر قدرت نہیں اور جس امر ممکن کی قرآن اور حدیث نے خبر دی ہو مگر ان سائنس دانوں کی آنکھوں نے اس کا مشاہدہ نہ کیا تو بے دھڑک اس کا انکار کر بیٹھتے ہیں گویا کہ ان کی آنکھوں نے جس چیز کو دیکھا نہ ہو وہ ناممکن اور محال ہے نایبنا کو یہ حق نہیں کہ وہ بینا کے مشاہدہ کا انکار کر دے۔

خلاصہ تفسیر آیت مذکورہ: ..... حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں حق جل شانہ نے اس آیت میں ایک خاص اسلوب سے ایمان و کفر کے فرق کو بتلایا ہے وہ یہ کہ دین اسلام کی مثال ایک نہایت عمدہ و شیریں و نہایت نفع بخش پھل دار درخت جیسی ہے جو عالم ملکوت سے اتار کر مکہ میں نصیب کیا گیا جو بوجہ علو و رفعت یہ کہلانے کا مستحق ہے کہ اس کی جڑ زمین میں قائم ہوتی اور پھر اس کی جڑیں اور شاخیں پھوٹی شروع ہوئیں اور اطراف عالم میں پھیلتی گئیں اور کلمہ ناپاک کی مثال ایک ناپاک و خراب درخت جیسی ہے جسے لوگ بوجہ گندگی کے اکھاڑ کر پھینک دیتے ہیں اور وہ سرسبز نہیں ہونے پاتا اسی طرح جو کفر و شرک عالم میں پھیلا ہوا تھا اسلام نے اسے مٹایا اور مٹاتا رہا اس تمثیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں کا حال بیان فرمایا ایک گروہ وہ تھا جو اعلاء کلمہ حق میں ساعی و کوشاں تھا۔

اور دوسرا گروہ وہ تھا، جو کفر کا پیشوا تھا اور کفر و شرک کی ترویج میں ساعی و کوشاں تھا گروہ اول کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں دین اسلام پر ثابت قدم رکھے گا اور آخرت میں ان کے درجات بلند کرے گا اور دوسرے گروہ کی جس نے اللہ تعالیٰ کی نعمت یعنی دین حق کو کفر اور ضلالت سے تبدیل کر رکھا تھا مذمت کی اور آخرت میں ان کا برا ٹھکانا قرار دیا گروہ اول کے مصداق اولین، مہاجرین ہیں جن کے سردنتر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جن کی وجہ سے دین اسلام نے رواج پایا اور گروہ ثانی جبلائے قریش تھا اس گروہ کا سردنتر ابو جہل تھا گروہ اول کے بالمقابل گروہ ثانی والے ذلیل و خوار اور گرفتار مصیبت و بلا ہوئے اور آیت میں جس تثبیت کا ذکر ہے اس سے توفیق الہی مراد ہے جو بندہ کو قبر میں عطا کی جاتی ہے اور جس وقت منکر نکیر اس سے آکر سوال کرتے ہیں تو وہ توفیق الہی راست جواب دیتا ہے۔ (ازالۃ الخفاء)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۗ جَهَنَّمَ ۗ

تو نے نہ دیکھا ان کو جنہوں نے بدلہ کیا اللہ کے احسان کا ناشکری اور اتارا اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں **ق۱** جو دوزخ ہے تو نے نہ دیکھا جنہوں نے بدلہ کیا اللہ کے احسان کا، ناشکری، اور اتارا اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں۔ جو دوزخ ہے

يَصْلَوْنَهَا ۗ وَيَبُئْسَ الْقَرَارُ ۗ وَجَعَلُوا إِلَيْهِ أَدَاٰ لِيَصْلَوْا عَنْ سَبِيلِهِ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوا

دائل ہوں گے اس میں اور وہ برا ٹھکانا ہے اور ٹھہرائے اللہ کے لیے مقابل کہ یہ کائیں لوگوں کو اس کی راہ سے **ق۲** تو کہہ مزا اڑالو **ق۱** تمہیں گے اس میں۔ اور برا ٹھکانا ہے۔ اور ٹھہرائے اللہ کے مقابل، کہ بہکادیں لوگوں کو اس کی راہ سے۔ تو کہہ، برت لو،

**ق۱** اس سے مفاد و مشرکین کے سردار مراد ہیں، خصوصاً رومائے قریش جن کے ہاتھ میں اس وقت عرب کی ہاگ تھی یعنی حق تعالیٰ نے ان بد کہیے احسان کیے، ان کی ہدایت کے لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا، قرآن اتارا، اپنے حرم اور بیت کا حمار بنایا۔ عرب کی سرداری دی، انہوں نے ان نعمتوں اور احسانات کا بدلہ یہ کیا کہ کھائی ناشکری پر کرتے ہوئے، اس کی باتوں کو جھٹلایا، اس کے پیغمبر سے لڑائی کی، آخر اپنی قوم کو لے کر تباہی کے گڑھے میں ہاگے۔ =

فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ ﴿۱۰﴾ قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا

پھر تم کو لوٹنا ہے طرف آگ کے قُل کہہ دے میرے بندوں کو جو ایمان لائے ہیں قائم رکھیں نماز اور خرچ کریں ہماری دی ہوئی پھر تم کو پھر جانا ہے طرف آگ کے۔ کہہ دے میرے بندوں کو، جو یقین لائے ہیں، قائم رکھیں نماز، اور خرچ کریں ہماری دی

رَزَقْنَهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خِلَالٍ ﴿۱۱﴾ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ

روزئی میں سے پوشیدہ اور ظاہر قُل پہلے اس سے کہ آئے دن جس میں نہ سودا ہے نہ دوستی قُل اللہ وہ ہے جس نے بنائے روزئی میں سے چھپے اور کھلے، پہلے اس سے کہ آئے وہ دن جس میں نہ سودا ہے نہ دوستی۔ اللہ وہ ہے جس نے بنائے

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالَّذِينَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ۗ

آسمان اور زمین اور اتارا آسمان سے پانی قُل پھر اس سے نکالی روزئی تمہارے میوے قُل آسمان اور زمین، اور اتارا آسمان سے پانی، پھر اس سے نکالی روزئی تمہاری میوے۔

۱۰ = قُل یعنی خدا کے احسانات سے متاثر ہو کر منعم حقیقی کی فکرگزاری اور اطاعت شکاری میں لگتے یہ تو نہ ہوا، اگلے بغاوت پر کمر بستہ ہو گئے، خدا کے مقابل دوسری چیزیں کھڑی کر دیں جن پر خدائی اختیارات تقسیم کیے اور عبادت جو خدا سے واحد لاحق تھا، وہ مختلف عنوانوں سے ان کے لیے ثابت کرنے لگے، تاکہ اس سلسلہ میں اپنے ساتھ دوسروں کی راہ ماریں اور انھیں بہکا کر اپنے دام سیادت میں پھنساتے رکھیں۔

قُل یعنی بہتر ہے۔ یہ قوفوں کو جال میں پھنسا کر چند روز جی خوش کر لو اور دنیا کے مزے اڑا لو، مگر تاکہ آخرو زخ کی آگ میں ہمیشہ رہنا ہے۔ کیونکہ اس مزے اڑانے کا یہی نتیجہ ہو گا۔ گویا یہ جملہ ایسا ہوا جیسے ایک طیب کسی بد پر سز مریش کو خفا ہو کر کہے "كُلُّ مَثَرٍ يُذِقُ فَإِنَّ مَصِيرَاتِ إِلَى النَّارِ" جو تیرا ہی چاہے کھا کیونکہ ایک دن یہ مرض تیری جان لے کر رہے گا۔

۱۱ قُل کفار کے احوال ذکر کرنے کے بعد مومنین کو متنبہ فرماتے ہیں کہ وہ پوری طرح بیدار رہیں، وظائف عبودیت میں ذرا فرق نہ آنے دیں، دل وہاں سے خالق کی عبادت اور مخلوق کی خدمت کریں کہ وہ بھی بہترین عبادت ہے۔ نمازوں کو ان کے حقوق و حدود کی رعایت کے ساتھ شروع و ختم سے ادا کرتے رہیں۔ خدا نے جو کچھ دیا ہے اس کا ایک حصہ خفیہ یا علانیہ تحقیق پر خرچ کریں۔ عرض کفار جو شرک اور کفران نعمت پر تعلق ہوتے ہیں ان کے بالمقابل مومنین کو جان و مال سے حق تعالیٰ کی طاعت و فکرگزاری میں مستعدی دکھانا چاہیے۔

۱۲ قُل یعنی نماز اور انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ نیکیاں اس دن کام آئیں گی، بیع و شراہ یا محض دوستانہ تعلقات سے کام نہ لگے گا۔ یعنی دوہاں بیک عمل نہیں سے خرید کر لے سکو گے نہ کوئی ایسا دوست بیٹھا ہے جو بد دن ایمان و عمل صالح کے محض دوستانہ تعلقات کی بنا پر نجات کی ذمہ داری کر لے (رہلا) پہلے کفار کی ناٹھری کا ذکر تھا، پھر مومنین کو مراسم طاعت کی اقامت کا حکم دے کر فکرگزاری کی طرف ابھارا۔ آگے چند عظیم الشان نعمات الہیہ کا ذکر فرماتے ہیں جو ہر مومن و کافر کے حق میں عام ہیں، تاکہ انہیں سن کر مومنین کو فکرگزاری کی مزید ترغیب ہو اور کفار بھی غور کریں تو اپنے دل میں شرمائیں کہ وہ کیسے بڑے منعم و محن شہنشاہ سے بغاوت کر رہے ہیں۔ اسی ضمن میں خدا تعالیٰ کی عظمت و وحدانیت کے دلائل بھی بیان ہو گئے۔ ممکن ہے انہیں سن کر کوئی مائل منصف شرمکیات سے ہار آ جائے، یا علم و جبروت کے نشانات میں غور کر کے اس کی گرفت اور سزا سے ڈر جائے۔

۱۳ قُل یعنی آسمان کی طرف سے پانی اتارا، یا یہ مطلب ہو کہ ہادش کے آنے میں بخارات و غیرہ ظاہری اسباب کے علاوہ غیر مرئی سماوی اسباب کو بھی دخل ہے۔ دیکھو آفتاب کی شعاعیں تمام اشیاء کی طرح آتشیں شیشہ پر بھی پڑتی ہیں لیکن وہ اپنی مخصوص ساخت اور استعداد کی بدولت انہی شعاعوں سے خیر مرئی طور پر اس درجہ حرارت کا استفادہ کرتا ہے جو دوسری چیزیں نہیں کرتیں۔ چاند سمندر سے کتنی دور ہے، مگر اس کے گھٹنے بڑھنے سے سمندر کے پانی میں جزر و مد پیدا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر بادل بھی کسی سماوی خزانہ سے غیر عموماً طریقہ بدستفید ہوتا تو انکار کی کون سی وجہ ہے۔

۱۴ قُل یعنی حق تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت و حکمت سے پانی میں ایک قوت رکھی جو درختوں اور کھیتوں کے نشوونما اور بار آور ہونے کا سبب بنتی ہے۔ اسی کے ذریعہ سے پھل اور میوے ہمیں کھانے کو ملتے ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۗ وَسَخَّرَ لَكُمْ الْأَنْهَارَ ۙ وَسَخَّرَ لَكُمْ

اور کہنے میں کیا تمہارے کشتی کو کہ چلے دریا میں اس کے حکم سے فل اور کام میں لگا یا تمہارے ندیوں کو اور کام میں لگا دیا تمہارے اور کام میں دی تمہارے کشتی کہ چلے دریا میں اس کے حکم سے۔ اور کام میں دیں تمہارے ندیاں۔ اور کام میں لگائے تمہارے

الشَّمْسِ وَالْقَمَرَ دَابِّينَ ۗ وَسَخَّرَ لَكُمْ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا

سورج اور چاند کو ایک دستور بہ برابر اور کام میں لگا دیا تمہارے رات اور دن کو فل اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو سورج اور چاند ایک دستور پر۔ اور کام میں لگائے تمہارے رات اور دن۔ اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو

سَأَلْتُمُوهُ وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا ۗ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ۙ

تم نے مانگی فل اور اگر گنو احسان اللہ کے نہ پورے کر سکو فل بیشک آدمی بڑا بے انصاف ہے ناشکر فل تم نے مانگی۔ اور اگر گنو احسان اللہ کے، نہ پورے کر سکو۔ بے شک آدمی بڑا بے انصاف ہے، ناشکر۔

### مذمت کفار و مشرکین و مدح مومنین صالحین

قَالَ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَدْعُونَ لِلَّهِ كُفْرًا... إِلَى... إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ

یہ آیت کفار مکہ کے حق میں نازل ہوئی جن پر اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے انعامات کیے اور ان کی ہدایت کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیا جنہوں نے شجرہ طیبہ کی دعوت دی اور شجرہ خبیثہ کی مضرتوں سے آگاہ فرمایا مگر ان لوگوں نے اس نعمت کی ناشکری کا اور بجائے اس کے کہ منعم حقیقی کی شکر گزاری اور اطاعت شعاری کرتے اس کی ناشکری پر کمر بستہ ہو گئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ﴿قُلْ لِيُعْبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ میں اپنے خاص بندوں کو مراہم عبودیت بجالانے کی تلقین فرمائی کہ تم اپنے منعم حقیقی کی اطاعت اور عبادت میں لگے رہو اور ان کفار ناہنجار کی طرح ناشکرے نہ بنو کیا اے دیکھنے فل یعنی سمندر کی خوفناک لہروں میں ذرا سی کشتی پر سوار ہو کر کہاں سے کہاں پہنچتے ہو اور کس قدر جبارتی یا غیر جبارتی فوائد حاصل کرتے ہو یہ خدا ہی کی قدرت اور حکم سے ہے کہ سمندر کے تھپیڑوں میں ذرا سی ڈونگی کو ہم بدھر چاہیں لیے پھرتے ہیں۔

فل یعنی ندیوں میں پانی کا آنا اور کہیں سے کہیں پہنچنا کوشی کی طرح تمہارے کہنے میں نہیں، تاہم تمہارے کام میں وہ بھی لگی ہوئی ہیں۔ اسی طرح چاند سورج جو ایک معین نظام اور ضابطہ کے موافق برابر چل رہے ہیں، کبھی ٹھکنے نہیں زردقار میں فرق پڑتا ہے۔ یارات اور دن ایک دوسرے کے چمکے ٹھہری ہوئی عادت کے موافق ہمیشہ چلے آتے ہیں یہ سب چیزیں گو اس معنی سے تمہارے قبضہ میں نہیں کہ تم جب چاہو اور بدھر چاہو ان کی قدرتی حرکت و تاثیر کو پھیر دو تاہم تم بہت سے تصرفات و تدابیر کر کے ان کے اثرات سے بی شمار فوائد حاصل کرتے ہو اور انسانی تصرف و تدبیر سے قطع نظر کر کے بھی وہ قدرتی طور پر ہر وقت تمہاری کسی ذمہ دمت میں لگے ہوتے ہیں، تم سوتے ہو، وہ تمہارا کام کرتے ہیں، تم بچیں سے بیٹھے ہو، وہ تمہارے لیے سرگرداں ہیں۔

فل یعنی جو چیزیں تم نے زبان حال یا حال سے طلب کیں، ان میں ہر چیز کا جس قدر حصہ مکت و مصلحت کے موافق تھا مجموعی طور پر تم سب کو دیا۔ فل یعنی خدا کی نعمتیں اتنی بی شمار بلکہ غیر متناہی ہیں کہ اگر تم سب مل کر اجمالاً ہی کتنی شروع کرو تو تھک کر اور عاجز ہو کر بیٹھ جاؤ۔ اس موقع پر امام رازی نے نعمائے الہیہ کا بی شمار ہونا، اور علامہ ابوالسعود نے ان کا غیر متناہی ہونا ذرا بسط سے بیان فرمایا ہے اور صاحب روح المعانی نے ان کے بیانات پر مفید اضافہ کیا۔

یہاں اس قدر قلوب کی گمگماہش نہیں۔

فل یعنی ہنس انسان میں بہتر سے بے انصاف اور ناپاس ہیں، جو اتنے بی شمار احسانات دیکھ کر بھی منعم حقیقی کا حق نہیں پہچانتے۔

والے تو نے ان ظالموں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احسان کو ناشکری سے بدل ڈالا کہ اللہ نے ان کی ہدایت کے لیے ایک رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا جس نے ان کو شجرہ طیبہ کی دعوت دی اور شجرہ خبیثہ کے استعمال سے ان کو منع کیا مگر ان ظالموں نے نعمت کے بدلے مصیبت اور شجرہ طیبہ کے بدلے شجرہ خبیثہ کو اختیار کیا خود بھی تباہ ہوئے اور اپنی قوم کو بھی تباہی کے گھر میں جا اتارا یعنی شجرہ طیبہ کے بدلے شجرہ خبیثہ کھلایا جسے کھا کر وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور وہ بہت بری قرار گاہ ہے اور ان ظالموں نے تبدیل نعمت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ منعم کو بھی بدل ڈالا کہ اللہ جو منعم حقیقی تھا اس کے ہم سر بنائے اور اس کے شریک ٹھہرائے تاکہ لوگوں کو خدا کی راہ سے بھٹکا دیں اے نبی ﷺ! آپ ﷺ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ اچھا چند روز فائدہ اٹھا لو اور دنیا میں خوب مزے اڑالو پس تمہارا آخری ٹھکانہ جہنم ہے یہ تہدید اور وعید ہے اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی طیب کسی بد پر ہیز سے کہے کل ماضیت فانہ جاءت الموت (اچھا تو جو چاہے کھا تیرا انجام موت اور ہلاکت ہے) کفار و فجار کی اس تہدید و وعید کے بعد اپنے خاص بندوں کو ہدایت فرماتے ہیں اے نبی ﷺ! آپ ﷺ میرے بندوں سے کہہ دیجئے جو میرے خاص بندے ہیں درہم و دینار کے بندے نہیں جو مجھ پر ایمان لائے ہیں اور ان کو یقین ہے کہ دنیا فانی ہے اور چند روزہ ہے ان سے کہہ دیجئے کہ وہ نعمت الہی کی شکرگزاری میں لگے رہیں کہ نماز پڑھتے رہیں جو دین کا ستون ہے اور کفر و اسلام کے درمیان فارق ہے اور جو روزی ہم نے ان کو دی ہے اس میں سے کچھ راہ خدا میں خرچ کرتے رہیں پوشیدہ اور ظاہر خدا کی راہ میں خیرات کرنا یہ مالی شکر ہے بہر حال جان اور مال سے اللہ کی نعمت کے شکر میں لگے ہیں ایسے دن کے آنے سے پہلے کہ جس میں نہ خرید و فروخت ہو سکے گی اور نہ کوئی دوستی چل سکے گی یعنی آخرت میں کوئی فدیہ قبول نہ ہوگا اور نہ کسی کی دوستی کام آوے گی اس دن کے آنے سے پہلے جو کچھ کرنا ہے وہ کر لو یہاں تک ان لوگوں کا ذکر تھا جنہوں نے خدا کی نعمت کی ناشکری کی اور اس کے لئے شرکاء جمویز کیے اب آئندہ آیت میں منعم حقیقی کے اوصاف بیان کرتے ہیں کیونکہ سب سے بڑی نعمت منعم حقیقی کی معرفت ہے اور منعم حقیقی کی ذات و صفات کی معرفت ہی سعادت کبریٰ ہے اس لیے آئندہ آیات میں منعم حقیقی کے دس اوصاف بیان کرتے ہیں۔

(۱) اللہ پاک وہ ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا۔ (۲) اور زمین کو پیدا کیا اور آسمانوں کو تمہارے لیے چھت بنایا اور زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا۔ (۳) اور آسمان سے پانی اتارا جو تمہاری زندگی کا سامان ہے کما قال تعالیٰ ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ پھر اس سے تمہارے کھانے کے لیے پھل نکالے۔ (۴) اور پھر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے لیے تمہارے لیے کشتیوں کو مسخر کیا تاکہ وہ تم کو اللہ کے حکم سے دریا میں لے کر چلیں جن کے ذریعہ تم تجارت وغیرہ کر سکو۔ (۵) اور تمہارے نفع کے لیے نہروں کو مسخر کیا کہ جس طرح چاہو ان سے فائدہ حاصل کرو۔ (۶) اور مسخر کیا تمہارے لیے آفتاب کو۔ (۷) اور مسخر کیا تمہارے لیے چاند کو کہ دونوں ایک طریقہ پر برابر چلتے ہیں اور دونوں سے تم کو ہزاروں فوائد حاصل ہوتے ہیں کھیتوں اور پھلوں کا پکنا اور حساب وغیرہ کا تعلق انہی دونوں سے ہے۔ (۸) اور مسخر کیا تمہارے لیے رات کو تاکہ تم آرام کرو۔ (۹) اور مسخر کیا تمہارے لیے دن کو تاکہ تم اپنے کاروبار کرو۔ (۱۰) اور ان کے علاوہ دیا تم کو ہر اس چیز سے جو تم نے اس سے مانگی اور بے شمار چیزیں بغیر تمہارے مانگے ہی تم کو دیں اور اللہ کی نعمتیں تو اس قدر بے شمار ہیں کہ

● اس ترجمہ میں گزشتہ آیت ﴿وَجَعَلْنَا اللہَ الْمَلَّابِیْنَ﴾ کے ساتھ رہا کی طرف اشارہ ہے۔



الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفِيدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ

گھر کے پاس اے رب ہمارے تاکہ قائم رکھیں نماز کو سو رکھ بعضے لوگوں کے دل کہ مائل ہوں ان کی طرف، گھر پاس، اے رب ہمارے! تاکہ قائم رکھیں نماز کو سو رکھ بعضے لوگوں کے دل جھکتے ان کی طرف،

وَأَرْزُقَهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿۲۵﴾ رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعَلِنُ ۗ

اور روزی دے ان کو میووں سے شاید وہ شکر کریں فی اے رب ہمارے تو تو جانتا ہے جو کچھ ہم کرتے ہیں اور روزی دے ان کو میووں سے، شاید یہ شکر کریں۔ اے رب ہمارے! تو تو جانتا ہے جو ہم چھپاویں

وَمَا يُخْفِي عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ﴿۲۶﴾ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَىٰ

چھپا کر اور جو کچھ کرتے ہیں دکھا کر اور مخفی نہیں اللہ پر کوئی چیز زمین میں نہ آسمان میں فی شکر ہے اللہ کا جس نے بخشا مجھ کو اور جو کھولیں۔ اور چھپا نہیں اللہ پر کچھ زمین میں اور نہ آسمان میں۔ شکر ہے اللہ کو، جس نے بخشا مجھ کو

الْكَبِيرِ إِسْمَاعِيلَ ۖ وَاسْتَحَقَّ ۚ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۲۷﴾ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ

اتنی بڑی عمر میں اسماعیل اور اسحاق بیشک میرا رب سنتا ہے دعا کو فی اے رب میرے کر مجھ کو قائم رکھوں نماز بڑی عمر میں اسماعیل اور اسحاق۔ بے شک میرا رب سنتا ہے پکار۔ اے رب میرے! کر مجھ کو کہ قائم رکھوں نماز،

فی یعنی اسماعیل علیہ السلام کو۔ کیونکہ دوسری اولاد حضرت اسحاق علیہ السلام وغیرہ شام میں تھے۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بحالت شیر خوارگی اور ان کی والدہ ہاجرہ کو یہاں پٹیل میدان میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ بعد اقبیلہ جرم کے کچھ لوگ وہاں پہنچے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی اور ہاجرہ کی بیٹی کو دیکھ کر فرشتے کے ذریعہ سے وہاں زمرہ کا چشمہ جاری کر دیا۔ جرم کے خانہ بدوش لوگ پانی دیکھ کر اتر پڑے اور ہاجرہ علیہا السلام کی اجازت سے وہیں بسنے لگے۔ اسماعیل علیہ السلام جب بڑے ہوئے تو اسی قبیلہ میں ان کی شادی ہوئی۔ اس طرح جہاں آج مکہ ہے ایک بستی آباد ہو گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام گاہ بہ گاہ ملک شام سے تشریف لایا کرتے تھے اور اس شہر اور شہر کے باشندوں کے لیے دعا فرماتے، کہ خداوند اہم نے اپنی ایک اولاد کو اس غجر اور پٹیل آبادی میں تیرے حکم سے تیرے معتمد و محترم گھر کے پاس لاکر بسایا ہے تاکہ یہ اور اس کی نسل تیرا اور تیرے گھر کا حق ادا کریں تو اپنے فضل سے کچھ لوگوں کے دل ادھر متوجہ کر دے کہ وہ یہاں آئیں جس سے تیری عبادت ہو اور شہر کی رونق بڑھے، نیز ان کی روزی اور دل جمعی کے لیے غیب سے ایسا سامان فرما دے کہ (غلہ اور پانی جو ضروریات زندگی میں ان سے گزر کر) عمدہ میوے اور پھلوں کی یہاں افراط ہو جائے تاکہ یہ لوگ اطمینان قلب کے ساتھ تیری عبادت اور شکر گزاری میں لگے رہیں۔ حق تعالیٰ نے یہ سب دعائیں قبول فرمائیں۔ آج تک ہر سال ہزاروں لاکھوں آدمی مشرق و مغرب سے، کھج کھج کر وہاں جاتے ہیں۔ اعلیٰ قسم کے میوے اور پھلوں کی مکہ میں وہ افراط ہے جو شاید دنیا کے کسی حصہ میں نہ ہو۔ حالانکہ خود مکہ میں ایک بھی ٹرڈر درخت موجود نہ ہوگا۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں اَفِيدَةٌ مِّنَ النَّاسِ (کچھ آدمیوں کے دل) کہا تھا اور نہ سارا جہاں ٹوٹ پڑتا۔

فی یعنی زمین و آسمان کی کوئی چیز آپ سے پوشیدہ نہیں۔ پھر ہمارا ظاہر و باطن کیسے مخفی رہ سکتا ہے۔ یہ جو فرمایا، جو ہم کرتے ہیں چھپا کر اور جو کرتے ہیں دکھا کر اس میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں لیکن تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔ الفاظ عام ہیں جو سب کھلی چھپی چیزوں کو شامل ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ظاہر میں دعائی سب اولاد کے واسطے اور دل میں دعا منظور تھی پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

فی یعنی بڑھاپے میں اسحاق، سارہ کے اور اسماعیل، ہاجرہ علیہم السلام کے بطن سے غیر متوقع طور پر عنایت کیے۔ جیسے آپ نے اولاد کے متعلق میری دعا ﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ سنی یہ دعائیں بھی قبول فرمائیں۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ﴿۱۳﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ

اور میری اولاد میں سے بھی اے رب میرے فی اور قبول کر میری دعا فی اے ہمارے رب بخش مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور سب ایمان والوں کو جس دن اور بعضی میری اولاد کو، اے رب ہمارے اور قبول کر میری دعا۔ اے رب ہمارے! بخش مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور سب ایمان والوں کو جس دن

## يَقَوْمُ الْحِسَابِ ﴿۱۴﴾

قائم ہو حساب فی

کھڑا ہوئے حساب۔

دعاء ابراہیمی کا ذکر

قَالَ الْعَلَاءِيُّ: ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ لِي ذُرِّيَّتًا مُّغْتَدِبَةً رَبِّكَ وَسَبِّحَكَ﴾... إِلَى... يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ﴿۱۴﴾

رابطہ:..... گزشتہ آیات میں توحید و نعم الہیہ کا ذکر تھا اب ان آیات میں دعاء ابراہیمی کا ذکر کرتے ہیں چونکہ اہل مکہ کو یہ زعم تھا کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور ان کے طریقہ پر ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا نقل فرمائی تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ بڑے موحد تھے اور شرک سے متنفر تھے۔ اور اپنی اولاد کے لیے یہی دعا کرتے تھے کہ اے اللہ ان سب کو شرک اور بتوں سے دور رکھنا لہذا ان کی نسل کو چاہئے کہ ان کے طریقہ پر چلے اور انہیں کی دعاؤں سے یہ ریگستانی خطہ ایک پر امن اور آباد شہر بنا لہذا تم کو چاہئے کہ ان احسانات کو دیکھ کر خدا کے شکر گزار بنو خانہ کعبہ کے اہل وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو ایک خدا کی عبادت کریں یہ گھر ابراہیم علیہ السلام نے خدا کی عبادت کے لیے بنایا تھا اسی وجہ سے اس گھر کو بیت اللہ کہا جاتا ہے اور چونکہ ابراہیم علیہ السلام توحید اسلام کی دعوت دیتے تھے اور عبادت اصنام سے منع کرتے تھے اس لیے ان کا قصہ کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی تشریح ہے اس لیے کہ توحید بمنزلہ شجرہ طیبہ کے ہے اور شرک بمنزلہ شجرہ خبیثہ کے ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اے پروردگار اس شہر کو مقام امن اور مقام محفوظ بنا دیجئے کہ جو اس میں داخل ہو وہ آفات ظاہری و باطنی سے مامون و محفوظ ہو جائے یعنی اس کو حرم محترم بنا دیجئے اور مجھ کو اور میری صلی اولاد کو اور اس اولاد کو جو میری زندگی میں پیدا ہو سب کو بت پرستی سے دور رکھ خواہ وہ بت ظاہری ہوں یا باطنی کیوں کہ نفس باطنی بت ہے کما قال ﴿وَأَقْرَبُ نَبَاتٍ مِّنَ النَّخْلِ إِلَهًا هُوَ لَهُ﴾ مطلب یہ تھا کہ اے اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میری اولاد کو شرک جلی اور شرک خفی سے محفوظ رکھنا کیوں کہ ہوائے نفس کا اتباع یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بھی قبول فرمائی یعنی میری ذریت میں ایسے لوگ ہوتے رہیں جو نمازوں کو ٹھیک طور پر قائم رکھیں۔

فی یعنی میری سب دماغیں قبول فرمائے۔

یہ دعا بالباب اپنے والد کے حالت کفر پر مرنے کی خبر موصول ہونے سے پہلے کی۔ تو مطلب یہ ہو گا کہ اسے اسلام کی ہدایت کر کے قیامت کے دن مغفرت کا من بنا دے۔ اور اگر مرنے کی خبر ملنے کے بعد دعا کی ہے تو شاید اس وقت تک خدا تعالیٰ نے آپ کو مطلع نہیں کیا ہو گا کہ کافر کی مغفرت نہیں ہوگی۔ عقلاً کافر کی مغفرت محال نہیں سمجھنا منع ہے۔ سو اس کا علم سب پر موقوف ہو گا اور قبل از سماع اسکان عقلی معتبر رہے گا۔ بعض شیعہ نے یہ لکھا ہے کہ قرآن کریم میں ابراہیم علیہ السلام کے باپ کو جو کافر کہا گیا ہے وہ ان کے حقیقی باپ نہ تھے بلکہ چچا وغیرہ کوئی دوسرے خاندان کے بڑے تھے۔ واللہ اعلم۔

فرمائی کہ ان کے صلیبی بیٹوں میں سے کسی نے بت کو نہیں پوجا کیوں کہ اس دعا میں وَبَنِّیْ سے عام اولاد مراد نہیں بلکہ ان کے خاص صلیبی فرزند ہیں اور وہ اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میری صلیبی اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھے گا مگر یہ دعا اس لیے فرمائی کہ ہماری معصومیت اور محفوظیت ہمارا طبعی اور ذاتی امر نہیں بلکہ اللہ کی عصمت اور اس کی حفاظت اور اس کی تائید و توفیق پر ہے اور مطلب یہ تھا کہ اے اللہ مجھ کو توحید خالص پر قائم اور ثابت قدم رکھ اور براہ لطف و کرم شرک جلی اور شرک خفی سے محفوظ رکھ چنانچہ ان کے صلیبی بیٹے یا جو بیٹے اس دعا کے وقت موجود تھے وہ سب شرک سے محفوظ رہے (تفصیل کے لیے تفسیر کبیر: ۲۰۵/۵ و تفسیر روح المعانی: ۲۱۰/۱۳ کو دیکھیں) لہذا قریش مکہ کا غیر اللہ کو پوجنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کے منافی نہیں کیونکہ وہ ان کی صلیبی اولاد نہیں اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قریش کے حق میں قبول نہیں ہوئی تو اس سے ابراہیم علیہ السلام کی منقصدت لازم نہیں آئے یہ ضروری نہیں کہ نبی کی دعا تمام و کمال قبول ہو جائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا ان کے صلیبی بیٹوں کے حق میں یا اس اولاد کے حق میں جو اس وقت موجود تھی قبول ہوئی ساری نسل کے حق میں قبول نہیں ہوئی نیز قرآن کریم میں صرف ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے اور اس کی قبولیت اور عدم قبولیت کا کوئی ذکر نہیں کہ یہ دعا قبول ہوئی یا نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ دعا ان بیٹوں کے ساتھ مخصوص تھی جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خاص محبت تھی قیامت تک آنے والی نسل کے لیے نہ تھی۔

اور ابراہیم علیہ السلام کی پہلی دعا بھی قبول ہوئی کہ مکہ ایک مامون اور محفوظ شہر بن گیا اور جبارہ کے تسلط اور ظالموں کی غارت گری سے محفوظ رہا۔

خلاصہ کلام یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لئے اور اپنے بیٹوں کیلئے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ مجھ کو اور میرے بیٹوں کو بتوں سے دور رکھ اس لیے کہ مجھ کو ڈر ہے کہ میری اولاد شیطانی کرشموں کو دیکھ کر کہیں گمراہ نہ ہو جائے اے میرے پروردگار تحقیق ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو گمراہ کر دیا ہے یعنی ان کی گمراہی کا سبب بنے ہیں بغیر آپ کی عصمت اور حفاظت کے ان کے فتنہ سے بچنا بہت مشکل ہے اس لیے آپ سے یہ دعا مانگ رہا ہوں پس جس نے میری پیروی کی اور میرے پیچھے چلا یعنی مسلمان اور موحد ہوا تو وہ مجھ سے ہے یعنی میرے ساتھ وابستہ ہے اور نجات اور رفع درجات میں میرے ساتھ ہے اور جس نے میری نافرمانی کی یعنی میرے دین کا تابع نہ ہو اور میری ملت میں داخل نہ ہوا تو اے رب بلاشبہ تو بخشنے والا مہربان ہے یعنی تو مغفرت اور رحمت پر قادر ہے کہ ان نافرمانوں کو توبہ کی توفیق دے دے اور کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کر دے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کا اختیار ہے وہ اگر چاہے تو کافروں کو بھی بخش دے لیکن اس نے خبر دے دی ہے کہ مشرک اور کافر اور منافق کو نہیں بخشے گا اس کی قدرت اور اختیار ویسا ہی ہے۔ اے پروردگار تحقیق میں نے بسایا ہے اپنی بعض اولاد کو ایسے میدان میں جو ریگستان ہے اور قابل زراعت نہیں ان کو تیرے محترم گھر کے قریب لاکر بسایا ہے اور زراعت وغیرہ کے لیے نہیں بسایا بلکہ اے ہمارے پروردگار تحقیق میں نے ان کو اس لیے بسایا ہے تاکہ نماز کو قائم رکھیں اور تیری عبادت کریں اور تیری طرف متوجہ رہیں اور تیرے گھر سے برکت حاصل کریں۔ جب میری اولاد تیرے محترم گھر کے پاس آباد ہوگی تو بحق جوار (پڑوس) ان پر تیری خاص الخاص رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی رہیں گی پڑوسی کا بھی حق ہوتا



ہے اور چونکہ یہ وادی غیر ذی زرع ہے آب و گیاہ ہے جس میں ظاہری طور پر زندگی کا کوئی سامان نہیں اس لیے کچھ انسانوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے کہ جن سے یہ انس حاصل کر سکیں اور کچھ انسانوں سے مسلمان مراد ہیں اور ایک دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ فرمائی کہ اے اللہ ان کو قسم قسم کے پھلوں سے رزق دے تاکہ یہ رزق تیری اطاعت اور عبادت میں ان کو مدد دے اور تاکہ یہ تیری نعمتوں کا شکر کریں اور مزید نعمت کے مستحق بنیں پھر ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے ہمارے پروردگار! تحقیق آپ ہماری تمام حاجتوں کو خوب جانتے ہیں جو ہم دل میں پوشیدہ رکھیں اور جو ہم زبان سے ظاہر کریں میری یہ عرض و معروض بحق عبودیت و اختصار و حاجت ہے آپ کی اطلاع کے لیے نہیں آپ کو ہمارا سارا ظاہر و باطن معلوم ہے آپ کو خوب معلوم ہے کہ اس وادی غیر ذی زرع میں اپنی اولاد کو بسانے میں میری کیا نیت ہے اور میری یہ وہاں نہ عرض و معروض کس لیے ہے آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق فرمائی اور بے شک اللہ پر آسمان اور زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور التجا بھی اللہ پر پوشیدہ نہیں پھر ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا شکر ہے اس اللہ کا جس نے بڑھاپے میں مجھ کو اسماعیل اور اسحاق جیسے دو بیٹے عطا کیے جو ہر ایک ملت اسلام کا اور توحید کا شجرہ طیبہ ہے بے شک میرا پروردگار دعا کا سننے والا ہے یعنی وہ بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور قبول کرتا ہے اس لیے اور دعا میں اضافہ کیا اور کہا اے میرے پروردگار مجھ کو نماز کا قائم رکھنے والا کر دے کہ ٹھیک ٹھیک تیرے آداب عبودیت کو بجا لاؤں اور میری بعض اولاد کو بھی کل اولاد کو اس لیے نہ کہا کہ ان کو بذریعہ وحی معلوم تھا کہ سب اولاد مسلمان نہ ہوگی یا مسلمان ہوگی مگر نماز کی پابند نہ ہوگی اے ہمارے پروردگار! تو ہمارا رب کریم ہے اپنے جو دو کرم سے ہم کو نواز اور میری یہ دعا قبول فرما اور اے ہمارے پروردگار میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی اور تمام اہل ایمان کی جس دن حساب قائم ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والدین کے لیے دعائے مغفرت اس وقت تھی جب کہ وہ زندہ تھے کہ شاید وہ ایمان لے آئیں اور خدا کی مغفرت اور رحمت میں داخل ہو جائیں اور جب ان کا خاتمہ کفر اور گمراہی پر ہو گیا تو ابراہیم علیہ السلام ان سے بری ہو گئے۔

کَمَا قَالَ تَعَالَى ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهٖمَ لِاٰبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَّتْهَا اِنَّا كَاۡنُوۡنَا لَهٗ اٰنۡهٖ

عٰنُوۡنًا لِّهٖ تَبٰرَکَ اٰمِنًا﴾

وَلَا تَحْسَبَنَّ اِلٰهَ عَافِیًا ۗ عَمَّا یَعْمَلُ الظَّالِمُوۡنَ ؕ اِنَّمَآ یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشٰخَصُ فِیْهِ

اور ہرگز مت خیال کر کہ اللہ بے خبر ہے ان کاموں سے جو کرتے ہیں بے انصاف فل ان کو تو ڈھیل دے رکھی ہے اس دن کے لیے کہ پتھر جا میں گی

اور مت خیال کر کہ اللہ بے خبر ہے ان کاموں سے جو کرتے ہیں بے انصاف۔ ان کو تو چھوڑ رکھا ہے اس دن پر، جس دن میں اوپر لگ جاویں گی

فل ایک روع پہلے بہت سے نعمائے عظیمہ کا ذکر کے فرمایا تھا۔ ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوۡرًا ۙ﴾ (انسان بڑا ظالم اور ناشکر گزار ہے) بعدہ حضرت ابراہیم

علیہ السلام کا قصہ بنا کر ہمارے بعض خصمی نعمتیں یاد دلائیں۔ اور ان کے ظلم و شرک کی طرف اشارہ کیا۔ اس روع میں متنبہ فرماتے ہیں کہ اگر ظالموں کو سزا ملنے

میں کھم دیر ہو تو یہ مت گھمو کہ ان کی حرکات سے بے خبر ہے، یاد رکھو ان کا کوئی چھوٹا بڑا کام خدا سے پوشیدہ نہیں۔ البتہ اس کی عادت نہیں ہے کہ مجرم کو فوراً پکڑ کر

تباہ کر دے۔ وہ بڑے بڑے ظالم کو ہلکت دیتا ہے کہ یا اپنے جرائم سے باز آ جائے یا ارتکاب جرائم میں اس حد تک پہنچ جائے کہ قانونی حیثیت سے اس کے سخت

سزا ہونے میں کسی طرح کا خفا باقی نہ رہے۔

(تنبیہ) "لَا تَحْسَبَنَّ" کا خطاب ہر اس شخص کو ہے جسے ایسا خیال گزر سکتا ہو۔ اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو =

الْاَبْصَارُ ﴿۱۳﴾ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۗ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ﴿۱۴﴾

آنکھیں فرا ڈالتے ہوں گے اوپر اٹھائے اپنے سر پھر کر نہیں آئیں گی ان کی طرف ان کی آنکھیں اور دل ان کے اڑ گئے ہوں گے اور آنکھیں۔ ڈرتے ہوں گے اوپر اٹھائے اپنے سر، پھرتی نہیں اپنی طرف ان کی آنکھ۔ اور دل ان کے اڑ گئے ہیں۔

وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخْرِنَا إِلَىٰ أَجَلٍ

اور ڈرا دے لوگوں کو اس دن سے کہ آئے گا ان پر عذاب پس تب کہیں گے ظالم 'اے رب ہمارے مہلت دے ہم کو تھوڑی

اور ڈرائے لوگوں کو اس دن سے کہ آوے گا ان کو عذاب، تب کہیں گے بے انصاف، اے رب ہمارے! فرصت دے ہم کو تھوڑی

قَرِيْبٍ ۚ نُنَجِّبُ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرَّسُولَ ۖ أَوْلَمَ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلِ مَا لَكُم

مدت تک کہ ہم قبول کر لیں تیرے بلائے کو اور پیروی کر لیں رسولوں کی پس کیا تم پہلے قسم نہ کھاتے تھے کہ تم کو نہیں

مدت کہ ہم مانیں تیرا بلانا، اور ساتھ ہوں رسولوں کے۔ تم آگے قسم نہ کھاتے تھے؟ کہ تم کو نہیں

مِّنْ زَوَالٍ ﴿۱۵﴾ وَسَكَنتُمْ فِي مَسْكِنٍ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ

دنیا سے ملتا ہے اور آباد تھے تم بستیوں میں انہی لوگوں کی جنہوں نے ظلم کیا اپنی جان پر اور کھل چکا تھا تم کو کہ کیا

کسی طرح ملتا۔ اور بسے تھے تم بستیوں میں انہی کی، جنہوں نے ظلم کیا اپنی جان پر، اور کھل چکا تم کو، کہ کیا

فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمْ الْأَمْثَالَ ﴿۱۶﴾ وَقَدْ مَكَرُوا مَكَرَهُمْ وَعِندَ اللَّهِ مَكَرُهُمْ ۖ

کیا ہم نے ان سے اور بتلائے ہم نے تم کو سب قصے پس اور یہ بنا چکے ہیں اپنا داؤ اور اللہ کے آگے ہے ان کا داؤ فیکے اور نہ ہوگا ان کا داؤ

کیا ہم نے ان پر؟ اور بتائیں ہم نے تم کو کہا تمہیں۔ اور یہ بنا چکے ہیں اپنا داؤ، اور اللہ کے آگے ہے ان کا داؤ۔

= مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا مقصود ہوگا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ ایسا خیال مت کرو۔ حالانکہ ایسا خیال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بھی نہ آ سکتا

تھا تو دوسروں کے حق میں اس طرح کا خیال کس قدر واجب الاحترار ہونا چاہیے۔

فَلِیَعْنٰ قِيَامَتِ كَيْفَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخْرِنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيْبٍ ۚ نُنَجِّبُ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرَّسُولَ ۖ أَوْلَمَ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلِ مَا لَكُم

مَدْتُمْ تَكْ كَيْفَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخْرِنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيْبٍ ۚ نُنَجِّبُ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرَّسُولَ ۖ أَوْلَمَ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلِ مَا لَكُم

مَدْتُمْ تَكْ كَيْفَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخْرِنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيْبٍ ۚ نُنَجِّبُ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرَّسُولَ ۖ أَوْلَمَ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلِ مَا لَكُم

مَدْتُمْ تَكْ كَيْفَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخْرِنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيْبٍ ۚ نُنَجِّبُ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرَّسُولَ ۖ أَوْلَمَ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلِ مَا لَكُم

مَدْتُمْ تَكْ كَيْفَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخْرِنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيْبٍ ۚ نُنَجِّبُ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرَّسُولَ ۖ أَوْلَمَ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلِ مَا لَكُم

مَدْتُمْ تَكْ كَيْفَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخْرِنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيْبٍ ۚ نُنَجِّبُ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرَّسُولَ ۖ أَوْلَمَ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلِ مَا لَكُم

مَدْتُمْ تَكْ كَيْفَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخْرِنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيْبٍ ۚ نُنَجِّبُ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرَّسُولَ ۖ أَوْلَمَ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلِ مَا لَكُم

مَدْتُمْ تَكْ كَيْفَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخْرِنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيْبٍ ۚ نُنَجِّبُ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرَّسُولَ ۖ أَوْلَمَ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلِ مَا لَكُم

مَدْتُمْ تَكْ كَيْفَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخْرِنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيْبٍ ۚ نُنَجِّبُ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرَّسُولَ ۖ أَوْلَمَ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلِ مَا لَكُم

مَدْتُمْ تَكْ كَيْفَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخْرِنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيْبٍ ۚ نُنَجِّبُ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرَّسُولَ ۖ أَوْلَمَ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلِ مَا لَكُم

وَأَنَّ كَانَ مَكْرَهُمْ لِيَنْزُولٍ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۳۷﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفًا وَعْدِيهِ رُسُلَهُ إِنَّ اللَّهَ

کہ ٹل جائیں اس سے پہاڑ فل سو خیال مت کر کہ اللہ خلاف کرے گا اپنا وعدہ اپنے رسولوں سے فل بچک اور نہ ہوگا ان کا داؤ، کہ ٹل جاویں اس سے پہاڑ۔ سو مت خیال کر کہ اللہ خلاف کرے گا اپنا وعدہ اپنے رسولوں سے۔ بے شک اللہ

اللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ﴿۳۸﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ

اللہ زبردست ہے بدل لینے والا۔ جس دن بدلی جائے اس زمین سے اور زمین اور بدلے جائیں آسمان اور لوگ نکل کھڑے ہوں سامنے اللہ زبردست ہے بدل لینے والا۔ جس دن بدلی جاوے اس زمین سے اور زمین اور آسمان، اور لوگ نکل کھڑے ہوں سامنے اللہ

الْوَّاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۳۹﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿۴۰﴾ سَرَّابِيلُهُمْ مِنْ

اکیلے زبردست کے فل اور دیکھے تو گناہ گاروں کو اس دن باہم جکڑے ہوئے زنجیروں میں فل کرتے ان کے ہیں اکیلے زبردست کے۔ اور دیکھے تو گنہگار اس دن جوڑے ہوئے زنجیروں میں۔ کرتے ان کے ہیں

= فل یعنی تم وہی تو جو جن میں کے بعض مغرور بے باک زبان قال سے اور اکثر زبان حال سے قہیں کھاتے تھے کہ ہماری شان و شوہ کو کجی زوال نہیں رہے گی۔ یہی تمہارے پاس جانا ہے۔ ﴿هُوَ أَقْسَمُ بِاللَّهِ جَهْدًا أَيْ تَصِدَّقُ وَلَا يَتَعَدَّى اللَّهُ مِنْ قِيَمَاتٍ﴾ یہ ان کے جواب میں خدا کی طرف سے کہا جائے گا۔

فل یعنی تمہارے پچھلے ان ہی نسبتوں میں یا ان کے آس پاس آباد ہوئے جہاں اگلے عالم سکونت رکھتے تھے۔ اور ان ہی کی عادات و اطوار اختیار نہیں، مالا نکہ یہ تاریخی روایات اور متواتر خبروں سے ان پر روشن ہو چکا تھا کہ ہم اگلے عالموں کو کیسی کچھ سزا دے چکے ہیں اور ہم نے ام مانیہ کے یہ قہے کتب سماویہ میں درج کر کے انبیاء علیہم السلام کی زبانی ان کو آگاہ بھی کر دیا تھا، مگر انہیں ذرہ بھر عبرت نہ ہوئی۔ اسی سرکشی، عناد اور عداوت ہی پر اڑے رہے۔ ﴿حِجَابٌ مِّنْ بَالِغَةٍ﴾

فل یعنی سب اگلے پچھلے عالم اپنے اپنے داؤ کھیل چکے ہیں۔ انبیاء کے مقابلہ میں حق کو دبانے اور مٹانے کی کوئی تدبیر اور سازش انہوں نے اٹھا نہیں رکھی۔ ان کی سب تدبیریں اور داؤ گھات خدا کے سامنے ہیں اور ایک ایک کر کے محفوظ ہیں وہ ہی ان کا بدلہ دینے والا ہے۔

فل یعنی انہوں نے بہتر سے داؤ کر کے دیکھ لیے مگر خدا کی حفاظت کے آگے سب ناکام رہے کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی مکاریاں پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ٹلا دیں یعنی انبیاء علیہم السلام اور شراہ حد جو پہاڑوں سے زیادہ مضبوط و مستقیم ہوتے ہیں ان کی مکاریوں سے ڈگمگائیں؟ حاشا و کلا۔ اس تفسیر کے موافق فلن کان متکثر هم الخ میں "ان" نافیہ ہوگا، اور آیت کا مضمون ﴿وَلَا تَقْبِضُوا يَدِيكُمْ فِي الْأَرْضِ مَرَّةً وَآخَرًا إِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ﴾ کے مشابہ ہوگا۔ بعض مفسرین نے "ان" شرطیہ اور داؤ دہلیہ لے کر آیت کا مطلب یہ لیا ہے کہ انہوں نے بڑے بڑے داؤ چلے جو حفاظت الہی کے سامنے بیچ ثابت ہوئے۔ اگر چہ ان کے داؤئی مددات ایسے زبردست تھے جو ایک مرتبہ پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ملا ڈالیں۔

فل یعنی وہ وعدہ جراتاً لنتصرون و سلفنا اور كفتب الله لا غلبتنا آنا و شلین وغیرہ آیات میں کیا گیا ہے۔ فل نہ جرم اس سے چھوٹ کر بھاگ سکتا ہے نہ وہ خود ایسے جرموں کو سزا دے بدون چھوڑ سکتا ہے۔

فل قیامت کو یہ زمین و آسمان بہیمت موجودہ ہائی نہ رہیں گے، یا تو ان کی ذوات ہی بدل دی جائیں گی یا صرف صفات میں تغیر ہوگا اور بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ شاید متعدد مرتبہ تبدیل و تغیر کی نوبت آئے گی۔ واللہ اعلم۔ سامنے کھڑے ہونے کا مطلب ﴿وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الطُّغْيَانُ بِاللِّغِينِ ائْتِكُمْ كَيْفَ نَأْتِيكُمْ بِبَشِيرٍ أَمْ كَيْفَ تَأْتِيكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ کے تحت میں گزر چکا ہے۔

فل یعنی ایک نوبت کے کسی بھی جرم اگلے زنجیروں میں ہاندھے جائیں گے کمال قال تعالیٰ ﴿وَاحْمِلُوا الْعِلْمَ وَاللِّغِينَ طَلَبُوا وَالْآرَاءَ جَاهِدُوا وَمَا كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ وقال تعالیٰ ﴿وَإِنَّا لَنُؤَسِّرُهُمْ﴾

قَطْرَانَ وَتَغْشَىٰ وُجُوهُهُمْ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۖ إِنَّ اللَّهَ

گندھک کے قطرے اور ڈھانکتی لیتی ہے ان کے منہ کو آگ سے تاکہ بدلہ دے اللہ ہر ایک جی کو اس کی کمائی کا ججک اللہ گندھک کے، اور ڈھانکتی لیتی ہے ان کے منہ کو آگ۔ تاکہ بدلہ دے اللہ، ہر جی کو اس کی کمائی کا۔ بے شک اللہ

سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هَذَا بَلَّغٌ لِلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَهُ وَاحِدٌ

جلد کرنے والا ہے حساب سے یہ خبر پہنچا دینی ہے لوگوں کو اور تاکہ چونک جائیں اس سے اور تاکہ جان لیں کہ معبود وہی ایک ہے شاب کرنے والا ہے حساب۔ یہ خبر کر دینی ہے لوگوں کو اور تاکہ چونک رہیں اس سے، اور تاکہ جانیں کہ معبود ہے ایک،

وَلِيذَّكُرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

اور تاکہ سوچ میں عقل والے سے

اور تاکہ سوچ کریں عقل والے۔

تذکیر آخرت و تحذیر از غفلت

قَالَ الْعَلَمَاءُ: ﴿هُوَ لَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا تَعْمَلُ الظَّالِمُونَ...﴾ الی... وَلِيذَّكُرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

ربطہ..... گزشتہ آیات میں توحید کا اور ظالموں یعنی مشرکوں کی وعید کا ذکر تھا جو آخرت کے منکر تھے اب آئندہ آیات میں آخرت کی یاد دہانی اور اس سے غفلت سے تنبیہ فرماتے ہیں کہ یہ ظالم یعنی منکرین آخرت قیامت کی تاخیر سے یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے غافل نہیں بلکہ حکمت اور مصلحت کی وجہ سے اس میں تاخیر ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ قادر اور حلیم ہیں فوراً مجرم کو نہیں پکڑتے بلکہ اسے مہلت دیتے ہیں البتہ جب جرم میں حد سے گزر جاتا ہے تب اس کو پکڑتے ہیں لہذا کوئی ظالم سزا کی تاخیر سے یہ گمان نہ کرے کہ خدا تعالیٰ جرائم سے غافل اور بے خبر ہے وہ کیسے حساب لے گا۔

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا کہ ان کافروں کو اس دن سے ڈرائیے جس دن ان پر عذاب آئے

گا کما قال تعالیٰ ﴿وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ﴾

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا کہ ان کافروں کو اس دن سے ڈرائیے جس دن ان پر عذاب

پڑے گا جس میں آگ بہت جلد اور تیزی سے اڑھرتی ہے اور سخت بدبو ہوتی ہے۔ پھر جیسی جہنم کی آگ دیکھی وہاں کی گندھک کچھ لیجئے۔

﴿قَطْرَانَ﴾ چہرہ چونکہ جو اس و مشاعر کا کل اور انسان کے ظاہری اعضاء میں سب سے اشرن عضو ہے اس لیے اس کو خصوصیت سے ذکر فرمایا جیسے دوسری جگہ ﴿تَطَّلَعُ عَلَى الْأَعْيُنِ﴾ میں قلب کا ذکر کیا ہے۔

﴿۵۰﴾ یعنی جس بات کا پیش آنا بالکل یقینی ہے، اسے دور مت سمجھو کما قال تعالیٰ ﴿إِن تَتُوبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ﴾ یا یہ مطلب ہے کہ جس وقت حساب ہو گا پھر دیر نہ لگے گی۔ تمام اولین و آخرین جن داس کے ذرہ ذرہ عمل کا حساب بہت جلد ہو جائے گا۔ کیونکہ نہ خدا ہر کوئی چیز چینی ہے نہ اس کو ایک شان دوسری شان سے مشغول کرتی ہے۔ ﴿مَا خَلَفْتُمْ وَلَا بُعِثْتُمْ وَلَا نُبْتُ﴾

﴿وَإِنَّمَا هُوَ إِلَهُ وَاحِدٌ﴾

﴿۵۱﴾ یعنی خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں اور خدا سے ڈر کر اس کی آیات میں غور کریں جس سے اس کی وحدانیت کا یقین حاصل ہو اور عقل و فکر سے کام لے کر نیکت پر کار بند ہوں۔ تم سورۃ ابراہیم علیہ السلام ولله الحمد والمنه۔

آئے گا، کما قال تعالیٰ ﴿وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ﴾

بعد ازاں اس دن کے کچھ احوال اور کافروں کی حیرانی اور پریشانی کو بیان فرمایا اور پھر توحید پر اس سورت کو ختم فرمایا اور ﴿وَلْيَذَّكَّرْ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ سے یہ بتلادیا کہ عاقل اور دانا وہی ہے کہ جو ایک خداے وحدہ لا شریک لہ کو مانے اور اس کے حساب و کتاب و جزاء و سزا سے ڈرے اور وہاں کی کچھ فکر اور تیاری کرے اور اے غافل خدا کی ڈھیل سے یہ گمان ہرگز نہ کر کہ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کے اعمال و افعال سے غافل ہے یعنی یہ خیال نہ کرو کہ اللہ نے جو ان ظالموں کی مہلت اور ڈھیل دے رکھی ہے اور کھلے بندوں ان کو چھوڑ رکھا ہے وہ ان سے غافل ہے سو خوب سمجھ لو کہ یہ مہلت اور مواخذہ میں تاخیر ایک امتحانی پردہ ہے جزیں نیست کو اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دے رہا ہے ایسے آنے والے دن کے لیے کہ حیرت اور دہشت کی وجہ سے ان دن نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی یعنی اس دن کی شدت اور ہول کو دیکھ کر آنکھیں کھلی وہ جائیں گی اور یہ قیامت کا دن ہوگا اور اس دن جب قبروں سے اٹھیں گے تو حال یہ ہوگا کہ میدان حشر کی طرف دوڑتے ہوں گے کما قال تعالیٰ ﴿مُهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ﴾ الی الداع ﴿يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ﴾ ﴿يَوْمَ مَيِّدٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ﴾ یعنی قبروں سے نکل کر پکارنے والی کی آواز کی طرف دوڑ رہے ہوں گے اور حیرت اور دہشت کی شدت کی وجہ سے اپنے سراپہ کو اٹھائے ہوں گے جزع اور فزع کی وجہ سے کوئی کسی طرف نظر نہیں کرے گا ان کی نگاہ ان کی طرف واپس نہیں لوٹے گی یعنی شدت خوف و دہشت کی وجہ سے ایسی ٹکلی بندھے گی کہ پلک بھی نہ جھپکے گی آنکھیں کھلی رہ جائیں گی اور ان کے دل اڑے ہوئے ہوں گے یعنی غلبہ دہشت و حیرت کی وجہ سے ان کے دل عقل اور فہم سے خالی ہوں گے اے ظالمو! جس آخرت اور یوم قیامت کے تم منکر ہو اس کا حال یہ ہے ہوشیار ہو جاؤ اس دن تک تم کو اللہ نے ڈھیل دے رکھی ہے اور جب یہ دن آجائے گا تو پھر تم کو مہلت نہ ہوگی اور اے نبی ﷺ! آپ ﷺ ان لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے کہ جس دن ان پر عذاب آئے گا تو یہ ظالم لوگ جنہوں نے کفر و شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا یہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہم کو تھوڑی مدت کے لیے مہلت دیجئے اور دوبارہ ہم کو دنیا میں بھی دیجئے تو ہم اس مدت میں تیری دعوت کو قبول کریں گے اور پیغمبروں کا اتباع کریں گے ان کو جواب ملے گا کیا ہم نے تم کو دنیا میں مہلت نہیں دی تھی اور کیا تم اس سے پہلے دنیا میں قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تم کو زوال نہیں یعنی اس حالت سے پہلے تم کو اس درجہ یقین تھا کہ قسمیں کھا کر یہ کہا کرتے تھے کہ دنیا دائمی ہے قیامت اور آخرت کی جو باتیں پیغمبر بیان کرتے ہیں وہ سب افسانہ ہے اچھا اب تو اس قیامت کو دیکھ لیا اب تم اس کا مزہ چکھو اور علاوہ ازیں تم ان لوگوں کے گھروں میں رہے ہو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور رسولوں کا مقابلہ کیا جیسے قوم عاد اور قوم ثمود اور خبر مشورا سے تم پر ظاہر ہو چکا ہے کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا سزا دیا یعنی بالیقین تم سب پر بات کھلی چکی ہے کہ یہ قوم عاد اور قوم عمود کی بستیاں ہیں جن کو اللہ نے پیغمبروں کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کر ڈالا وہ تو اس دار فانی کو چھوڑ گئے اور ان کی جگہ تم آباد ہو اور ان کی تباہی اور بربادی کے آثار اور نشان تمہاری نظروں کے سامنے ہیں غور کرو جو انجام ان کا ہوا وہی تمہارا بھی ہوگا دیکھ لو کہ انعام کے بعد اللہ کا انتقام ایسا ہوتا ہے سمجھ جاؤ کہ کفر کا انجام یہ ہوتا ہے اور علاوہ ازیں یہ واقعات جو تم نے پیشار لوگوں سے سنے عبرت کے لیے کافی تھے اور ان کے گھروں میں

عذاب نازل ہونے کے جو آثار تم نے دیکھ لیے تھے وہ بھی عبرت کے لیے کافی تھے مگر ہم نے اس کے علاوہ تمہاری نصیحت کے لیے تمہارے لیے مثالیں بیان کیں تاکہ تم سمجھو مگر تم نے ان سے عبرت نہ پکڑی بلکہ اور ایسی ان کی ہنسی اڑائی اور دین حق کے مٹانے پر تمل گئے اور اس کے لیے طرح طرح کے مکر و فریب کیے اور بے شک ان لوگوں نے دین حق کے مٹانے کے لیے جس قدر ان سے مکر و فریب ممکن تھا وہ چلا ڈالا یعنی حق کے رد کرنے میں اور کفر کے غالب کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور اللہ کے سامنے ہے ان کا مکر، ان کا کوئی مکر و فریب خدا تعالیٰ سے مخفی نہیں اور واقعی ظاہر نظر میں ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ عجب نہیں ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں مگر حق تو پہاڑوں سے کہیں زیادہ محکم اور مضبوط ہے وہ ان مکاروں کے مکر و فریب سے کہاں ٹل سکتا ہے اللہ اپنے دین کا حافظ و ناصر ہے پس اے گمان کرنے والے تو اللہ کی نسبت یہ گمان نہ کر کہ وہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ مکذبین رسالت اور مکرین آخرت کو قیامت میں عذاب دے گا وہ وعدہ حق ہے ضرور پورا ہوگا اس میں جو تاخیر ہو رہی ہے وہ عجز کی وجہ سے نہیں اس لیے کہ بلاشبہ اللہ غالب ہے سب کچھ اس کے قبضہ قدرت میں ہے صاحب انتقام ہے اپنے دوستوں کا دشمنوں سے بدلہ لیتا ہے اس کو بدلہ لینے سے کوئی نہیں روک سکتا اور یہ بدلہ اس روز ہوگا جس دن اس زمین اور آسمان کے علاوہ دوسری زمین اور آسمان بدل دیئے جائیں گے جاننا چاہئے کہ تبدیل کبھی باعتبار ذات کے ہوتی ہے اور کبھی باعتبار صفات کے ہوتی ہے تبدیل ذات کے معنی یہ ہیں کہ پہلی ذات بالکل معدوم اور فنا کر دی جائے اور اس کے بدلے دوسری ذات پیدا کر دی جائے اور تبدیل صفات کے معنی یہ ہیں کہ پہلی ذات تو باقی رہے اور صفات سابقہ کے بدلہ میں دوسری صفات اس میں پیدا کر دی جائیں اور چونکہ آیت میں جو لفظ تبدیل واقع ہوا ہے وہ دونوں معانی کا تحمل ہے اس لیے آیت میں مفسرین کے دو قول ہو گئے۔

پہلا قول: ..... یہ ہے کہ آیت میں تبدیل صفات مراد ہے یعنی اصل زمین اور آسمان تو رہیں گے مگر ان کی حالت اور صفت بدل دی جائے گی مثلاً زمین کے ٹیلے اور پہاڑ برابر کر کے تمام زمین ایک ہموار درمیان بنا دی جائے گی اور کسی درخت اور عمارت کا اس پر نام نشان باقی نہ رہے گا اور آسمان کے ستارے جھڑ پڑیں گے اور سورج اور چاند بے نور ہو جائیں گے اور آسمان کی رنگت سرخ ہو جائے گی یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

دوسرا قول: ..... یہ ہے کہ زمین اور آسمان کی ذات میں تغیر و تبدل ہوگا یعنی یہ اصل زمین اور آسمان ہی بدل دیئے جائیں گے اور نئی زمین اور آسمان پیدا کر دیا جائے گا اور وہ نئی زمین چاندی کی طرح سفید ہوگی اور اس پر کسی نے خون کا قطرہ نہ گرایا ہوگا اور نہ اس پر اللہ کی معصیت کی گئی ہوگی یہ قول عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا ہے اور بعض احادیث بھی مختلف ہیں بعض سے تبدیل ذات مفہوم ہوتا ہے اور بعض سے تبدیل صفات معلوم ہوتا ہے اس لیے بعض علماء نے پہلے قول کو اختیار کیا اور بعض نے دوسرے قول کو اور امام قرطبی رحمہ اللہ وغیرہ نے ان روایات میں تطبیق دی کہ زمین و آسمان کی تبدیلی کئی بار ہوگی ایک تبدیلی نوح صور کے وقت ہوگی اور اس وقت فقط صفات کی تبدیلی ہوگی کہ تمام زمین ہموار کر دی جائے گی اور چاند اور سورج بے نور ہو جائیں گے اور ستارے گر پڑیں گے دوسری تبدیلی نوح اولیٰ اور نوح ثانیہ کے درمیان ہوگی کہ اس زمین اور آسمان کی بجائے نئے زمین اور آسمان پیدا کر دیئے جائیں گے اور بعض کہتے ہیں کہ ایک تبدیلی اس وقت ہوگی کہ جب لوگ ہل صراب پر ہوں

گے واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

آگے پھر اس دن کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور اس دن سب قبروں سے نکل کر حساب و کتاب کے لیے خدائے واحد قہار کے حضور حاضر ہو جائیں گے اور اس دن تو مجرموں کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھے گا پیروں میں بیڑیاں اور گردن میں طوق ہوں گے اور ان کے کرتے قطران کے ہوں گے قطران سیاہ روغن گندھگ کو کہتے ہیں جو نہایت بدبودار اور بد رنگ ہوتا ہے اور ایک دم آگ سے بھڑک اٹھتا ہے اور چھا جائے گی ان کے چہروں کو آگ اور یہ سب کچھ ان لوگوں کے ساتھ اس لیے ہوگا کہ اللہ جزاء دے ہر نفس کو جو اس نے کمایا ہے بے شک اللہ جلدی حساب والا ہے اس کو اولین اور آخرین کا حساب کوئی دشوار نہیں ایک سے حساب دوسرے سے حساب لینے کے لئے مانع نہیں یہ قرآن اللہ کا پیغام ہے تاکہ لوگ سعادت اور شقاوت کو پہچانیں اور ظلمتوں سے نکل کر نور کی طرف آئیں اور تاکہ لوگ اس سے چوکنے ہو جائیں اور تاکہ یقین کر لیں کہ معبود برحق وہی ایک ہے کسی صفت میں کوئی اس کا شریک نہیں اور تاکہ نصیحت پکڑیں عقل والے کیونکہ قرآن نے خدا کی وحدانیت کے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت اور حقانیت کے اور قیام قیامت کے ایسے صریح دلائل بتلائے ہیں کہ جن میں عقل والے کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

اللهم اخرجنا من الظلمت الى النور واجعلنا من اولى الالباب آمين يا رب العلمين۔  
الحمد لله آج بروز شنبہ بوقت ۴ بجے دن کے بتاریخ ۱۳ ذی قعدہ الحرام ۱۳۸۸ھ سورۃ ابراہیم کی تفسیر سے فراغت ہوئی واللہ الحمدا و لا و آخرا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر سورۃ حجر

سورۃ حجر مکی ہے اس میں ننانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں اس میں حجر کے رہنے والوں کی عبرت ناک ہلاکت کا بیان ہے اس لیے اس سورت کا نام سورۃ حجر ہے اور حجر شام اور مدینہ کے درمیان ایک وادی ہے اس سورت میں زیادہ تر منکرین نبوت اور مکذبین رسالت کی عقوبت اور ہلاکت کے واقعات اور گاہ بگاہ وحدانیت اور قیامت کا ذکر بھی ہے۔

ابياتھا ۱۰۰ مرکوعاتها ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ الْحَجْرِ مَكِّيَّةٌ ۵۴

الرَّسَدِ تِلْكَ اٰیَةُ الْكِتٰبِ وَقُرْآنٍ مُّبِیْنٍ ①

یہ آیتیں کتاب کی قرآن اور واضح قرآن کی قرآن

یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور کھلے قرآن کی۔

قرآن یعنی یہ اس جامع اور عظیم الشان کتاب کی آیتیں ہیں جس کے مقابلہ میں کوئی دوسری کتاب "کتاب" کہلانے کی مستحق نہیں۔  
قرآن اور اس قرآن کی آیتیں ہیں جس کے اصول نہایت صاف، دلائل روشن، احکام معقول، وجوہ اعجاز واضح اور بیانات مختلفہ اور فیصلہ کن ہیں۔ لہذا آگے جو کچھ بیان کیا جانے والا ہے قرآن میں کو پوری توجہ سے سنانا چاہیے۔

## حقانیت قرآن کریم

﴿الرَّسُولُ لَكَ الْكِتَابُ وَالْقُرْآنُ مُبِينٌ﴾

رابطہ:..... گزشتہ سورت کی طرف اس سورت کا آغاز بھی قرآن کریم کی حقانیت سے فرمایا جو آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی دلیل ہے الرا اللہ اعلم بمرادہ یہ آیتیں جن کی محمد رسول اللہ ﷺ تلاوت کرتے ہیں ایک عظیم الشان اور کامل کتاب کی آیتیں ہیں جس کے مقابلہ میں دوسری کتاب۔ کتاب کہلانے کے مستحق نہیں اور اس قرآن کی آیتیں ہیں جو روشن ہے یعنی جس کے اصول اور احکام صاف اور روشن ہیں عقل اور نقل سے ثابت ہیں اور اس کا اعجاز واضح ہے یا وہ قرآن حق اور باطل کو بیان کرنے والا ہے لہذا لوگوں کو چاہئے کہ اس کتاب کو توجہ سے سنیں اور اس پر ایمان لائیں ایسا نہ ہو کہ پہلی امتوں کی طرح تکذیب رسل اور آیات الہیہ سے اعراض کی بناء پر غضب الہی کے مستحق بنیں اور پھر آئندہ چل کر حسرت کریں کہ کاش ہم مسلمان ہوتے اس وقت یہ حسرت کام نہ آئے گی۔

**رَبِّمَا يَوْمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿۱﴾ ذَرَّهُمْ يَأْكُلُوا وَيَسْتَعْتَبُوا وَيَلْهَهُمُ**

کسی وقت آرزو کریں گے یہ لوگ جو منکر ہیں کیا اچھا ہوتا جو ہوتے مسلمان فی جھوڑ دے ان کو کھالیں اور برت لیں اور امید میں کسی وقت آرزو کریں گے یہ لوگ جو منکر ہیں، کسی طرح مسلمان ہوتے۔ جھوڑ دے ان کو، کھالیں اور برت لیں، اور امید پر

**الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۲﴾ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُومٌ ﴿۳﴾ مَا**

لگے رہیں سو آئندہ معلوم کر لیں گے فی اور کوئی بستی ہم نے غارت نہیں کی مگر اس کا وقت لکھا ہوا تھا مقرر فی نہ بھولے رہیں، کہ آگے معلوم کریں گے۔ اور کوئی بستی ہم نے نہیں کھپائی مگر اس کا لکھا تھا مقرر۔ نہ

فی یعنی آج منکرین نے قرآن و اسلام ہی عظیم الشان نعمت الہیہ کی قدر نہیں کی لیکن ایسا وقت آئے والا ہے جب یہ لوگ اپنی عمروی پر ماتم کریں گے اور حسرت مل کر کہیں گے کاش ہم مسلمان ہوتے اور وقت کب آئے گا؟ اس میں اختلاف ہوا ہے ہم ابن الانباری کے قول کے موافق اس کو عام رکھتے ہیں۔ یعنی دنیا و آخرت میں جو مواقع کارکردگی کی نامرادی اور مسلمانوں کی کامیابی کے پیش آتے رہیں گے ہر موقع پر کفار کو رو کر اپنے مسلمان ہونے کی تمنا اور نعمت اسلام سے محروم رہ جانے کی حسرت ہوگی۔ اس سلسلہ میں پہلا موقع تو جنگ ہدر کا تھا جہاں کفار مکہ نے مسلمانوں کی طرف کھلا ہوا غلبہ اور تائید فیسی دیکھ کر اپنے دلوں میں محسوس کیا کہ جس اسلام نے افراد مہاجرین اور اوس و خزرج کے لاشکاروں کو اونچی ناک والے قریشی سرداروں پر غالب کیا، افسوس ہم اس دولت سے محروم ہیں۔ اسی طرح اسلامی فتوحات و ترقیات کی ہر ایک منزل پر کفار کو اپنی تہی دستی و حرمان پر دیکھتے اور دل سے اشک حسرت بہانے کا موقع ملتا رہا۔ انتہائی حسرت و افسوس کا مقام وہ ہوا جب فرشتہ ہان نکالنے کے لیے سامنے کھڑا ہے اور عالم غیب کے حقائق آنکھوں سے نظر آرہے ہیں۔ اس وقت ہاتھ کانٹیں گے اور آرزو کریں گے کہ کاش ہم نے اسلام قبول کر لیا ہوتا کہ آج مذاہب بعد الحوت سے محفوظ رہ سکتے۔ اس سے بھی بڑھ کر یا اس انگیر نظارہ وہ ہوا جو طہرانی کی حدیث میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے بہت سے آدمی اپنے مٹنا ہوں کی بدولت جہنم میں جائیں گے اور جب تک خدا چاہے گا وہاں رہیں گے۔ بعدہ مشرکین ان پر طعن کر کے کہ تمہارے ایمان و توحید نے تم کو کیا لانا نہ دیا؟ تم بھی آج تک ہماری طرح دوزخ میں ہو، اس پر حق تعالیٰ کسی موم کو جہنم میں نہ چھوڑے گا۔ یہ فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی ﴿رَبِّمَا يَوْمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ﴾ گو پایا غری موقع ہو گا جب کفار اپنے مسلمان ہونے کی تمنا کریں گے۔

فی یعنی جب کوئی نصیحت کارگر نہیں تو آپ ان کے علم میں نہ بڑے بلکہ چند روز انہیں بہا م کی طرح کھالے پیئے دیکھئے۔ یہ خوب دل کھول کر دنیا کے مزے اڑائیں اور مستقبل کے متعلق ایسی چوڑی امیدیں باندھتے رہیں مگر یہ وقت آیا چاہتا ہے جب حقیقت مال کھل جائے گی اور انکا ہچکلا کھایا پیاسا بکل ہائے گا۔ چنانچہ کھڑو دہائی میں مہاجرین کے ہاتھوں حقیقت کھل گئی۔ اور پوری تکمیل آخرت میں ہو جائے گی۔



## تَسْبَعِي مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿۵﴾

سبقت کرتا ہے کوئی فرقہ اپنے وقت مقرر سے اور نہ بچھے رہتا ہے فلا

شائی کرے کوئی فرقہ اپنے وعدے سے اور نہ دیر کرے۔

### بیان حسرت اہل غفلت در روز قیامت

قَالَ تَعَالَى: ﴿رَبِّمَا يَوْمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالْوَالُونَ أُمَّسَلِيمُونَ... الی... وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ﴾

رابطہ:..... گزشتہ آیت میں قرآن کریم کا من جانب اللہ ہونا بیان کیا۔ اب آئندہ آیت میں اس کے نہ ماننے والوں کا انجام بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ جو آج دنیا کی شہوات و لذات میں غرق ہیں اور غفلت کا پردہ ان کے پڑا ہے قیامت کے دن یا بوقت مرگ نہایت حسرت کے ساتھ کہیں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے اور اس کتاب پر ایمان لائے یا یہ کہ جب کفار یہ دیکھیں گے کہ انبیاء علیہم السلام کے ماننے والوں کو ثواب مل رہا ہے اور ان کے نہ ماننے والوں کو عذاب مل رہا ہے تو اس وقت یہ خواہش کریں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے۔

چنانچہ فرماتے ہیں جن لوگوں نے دنیا میں کفر کیا ہے اور اس قرآن میں انکار کیا ہے جب قیامت کے دن اس کفر اور انکار کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو بار بار یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم دنیا میں مسلمان ہوتے اور اس قرآن میں کفر اور اس قرآن کے لانے والے کو مانتے مگر اس وقت یہ تمنا محض بے سود ہوگی۔ اے نبی ﷺ! آپ ﷺ کو ان کے حال پر چھوڑ دیں کہ خوب کھائیں اور دنیاوی لذات سے فائدہ اٹھائیں اور لمبی آرزو ان کو آخرت سے غفلت میں ڈالے رکھے یعنی طویل آرزو میں ان کو ایسا غافل بنا دیں کہ انجام کا خیال بھی نہ کریں اور آخرت کو بھولے رہیں پس عنقریب وہ حقیقت حال کو جان لیں گے۔ مرنے کے بعد ان کو حقیقت حال معلوم ہو جائے گی اور اس غفلت اور طول اہل کفر کا انجام آنکھوں کے سامنے آ جائے گا اور ان کافروں کو جو مہلت دی گئی اور فوراً ان کو ہلاک نہیں کیا گیا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ ہم نے کسی ہستی کو ہلاک نہیں کیا مگر پہلے سے اس کے لیے ایک میعاد مقرر رکھی ہوئی تھی۔ اور کوئی جماعت نہ اپنی مدت مقررہ سے پہلے ہلاک ہوتی ہے اور نہ وہ چھپے رہ سکتی ہے جب وقت آتا ہے تب ہلاک ہوتی ہے جب اللہ کی حمت پوری ہو جائے اور عذر ختم ہو جائے تب اللہ کا عذاب آتا ہے۔

## وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ﴿۶﴾ لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَكَةِ إِن

اور لوگ کہتے ہیں اے وہ شخص کہ تجھ پر اترا ہے قرآن تو بیشک دیوانہ ہے ﴿۶﴾ کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس فرشتوں کو اگر اور لوگ کہتے ہیں، اے شخص! کہ تجھ پر اتری ہے نصیحت، تو مقرر دیوانہ ہے۔ کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس فرشتے، اگر = ﴿۶﴾ یعنی جس قدر بستیاں اور قومیں پہلے ہلاک کی گئیں، خدا کے علم میں ہر ایک کی ہلاکت کا ایک وقت معین تھا جس میں نہ بھول چوک ہو سکتی تھی نہ غفلت اور نہ خدا کا وعدہ ٹل سکتا تھا جب کسی قوم کی میعاد پوری ہوئی اور تعذیب کا وقت آ پہنچا، ایک دم میں غارت کر دی گئی۔ موجودہ بخاری امہال و تاخیر مذاب پر مفرد نہ ہوں۔ جب ان کا وقت آئے گا فدائی سزا سے بچ نہ سکیں گے۔ جو تاخیر کی جا رہی ہے اس میں خدا کی بہت حکمتیں ہیں۔ مثلاً ان میں سے بعض کا یا بعض کی دعا کا ایمان لانا مقرر ہے۔ پوری مذاب کی صورت میں اس کے وقوع کی کوئی صورت نہیں۔

﴿۶﴾ یعنی ام مہلکہ کی تخصیص نہیں بلکہ ہر قوم کے عروج و زوال یا موت و حیات کی جو میعاد مقرر ہے وہ اس سے ایک سینکڑے بچھے نہیں ہو سکتی۔

﴿۶﴾ مشرکین مکہ یہ الفاظ محض بطریق استہزاء و استخفاف کہتے تھے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آگے بڑھ کر خدا کے یہاں سے قرآن لے آئے، دو سروں کو =

كُنْتُمْ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵﴾ مَا نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْا اِذَا مُنْظَرِيْنَ ﴿۶﴾ اِنَّا

تو سچا ہے فل ہم نہیں اتارتے فرشتوں کو مگر کام پورا کر کے اور اس وقت نہ ملے گی ان کو مہلت فل  
تو سچا ہے۔ ہم نہیں اتارتے فرشتے مگر کام ٹھہرا کر، اور اس وقت نہ ملے گی ان کو ڈھیل۔

مَنْ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱﴾ وَاَلَمْ نَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شَيْعِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲﴾

ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں فل اور ہم بھیج چکے ہیں رسول تجھ سے پہلے اگلے فرقوں میں  
ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم اس کے نگہبان ہیں۔ اور ہم بھیج چکے ہیں رسول تجھ سے پہلے کئی فرقوں میں اگلے۔

= حق و مہل بھلانے لگے بلکہ ساری دنیا کو اٹھی۔ منظم دیا، اس پر یہ دعویٰ ہے کہ آخر میں ہی غالب ہوں گا اور ایک وقت آئے گا کہ منکرین حسرت سے کہیں گے کہ کاش  
ہم مسلمان ہو جاتے۔ یہ کون سی عقل و ہوش کی باتیں ہیں؟ کھلی ہوئی دیوانگی ہے اور جو بڑھ کر سناتے جو جنون کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ (العیاذ باللہ)  
فل اگر بارگاہِ اہدیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی قرب حاصل ہے اور ساری قوم میں سے خدا نے منصب رسالت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب کیا  
ہے تو فرشتوں کی خدائی فوج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیوں نہ آئی۔ جو کلمہ کھلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتی اور ہم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات  
منواتی، نہ مانتے تو فوراً سزا دیتی۔

فل یعنی مانتے والوں کے لیے اب بھی کافی سے زائد نشان موجود ہیں۔ باقی جن کا ارادہ ہی مانتے کا نہیں وہ فرشتوں کے آنے پر بھی نہ مانیں گے پھر ان  
کے اتارنے میں کیا فائدہ ہے۔ حق تعالیٰ فرشتوں کو زمین پر اپنی حکمت کے موافق کسی عرض صحیح کے لیے بھیجتے ہیں، یوں ہی بے فائدہ تماشا دکھانا مقصود نہیں ہوتا۔  
عموماً عبادت اللہ یہی ہے کہ جب کسی قوم کی سرکشی انتہا کو پہنچ جاتی ہے اور سارے مراحل تقییم و ہدایت کے طے ہو جاتے ہیں تو فرشتوں کی فوج اس کے ہلاک  
کرنے کے لیے بھیجی جاتی ہے پھر اس کو قطعاً مہلت نہیں دی جاتی۔ اگر تمہاری خواہش کے موافق فرشتے اتارے جائیں تو اس سے صرف یہ ہی ایک مقصد ہو سکتا  
ہے کہ تم کو بلا تاج خیر ہلاک کر دیا جائے جوئی الحال حکمت الہی کے موافق نہیں کیونکہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا، یہ تو آخری صورت ہے جو سب منزلیں طے ہو چکنے اور  
سب کام ختم کیے جانے کے بعد ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

فل یعنی تمہارا استہزاء و تعنت اور قرآن لانے والے کی طرف جنون کی نسبت کرنا قرآن و حامل قرآن پر قطعاً اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھو اس قرآن کے  
اتارنے والے ہم ہیں اور ہم ہی نے اس کی ہر قسم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے جس شان اور ہیبت سے وہ اترا ہے بدون ایک شوخ یا زبردستی کی تبدیلی کے چار دانگ  
عالم میں پہنچ کر رہے گا اور قیامت تک ہر طرح کی تحریف لفظی و معنوی سے محفوظ و مصون رکھا جائے گا۔ زمانہ کتنا ہی بدل جائے مگر اس کے اصول و احکام کبھی نہ  
بدلیں گے، زبان کی فصاحت و بلاغت اور علم و حکمت کی روشنائیاں کتنی ہی تڑپتی رہیں، ہر قرآن کی صوری و معنوی اعجاز میں اصلاً ضعف و اخطا محسوس نہ ہوگا۔  
اور سلفین قرآن کی آواز کو دبانے یا کم کر دینے میں سماعی ہوں گی۔ لیکن اس کے ایک نقطہ کو ہم نہ کر سکیں گی۔ حفاظت قرآن کے متعلق یہ عظیم الشان وعدہ الہی  
ایسی صفائی اور حیرت انگیز طریقہ سے پورا ہو کر رہا جسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب و مغرور مخالفوں کے سر نیچے ہو گئے۔ "میور" کہتا ہے "جہاں تک ہماری  
معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو"۔ ایک اور یورپین محقق لکھتا ہے کہ ہم  
ایسے ہی یقین سے قرآن کو بعینہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسے مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں۔ واقعات بتاتے ہیں کہ ہر زمانہ  
میں ایک جم غفیر علماء و اہل علم کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے ایسا رہا کیا جس نے قرآن کے علوم و مطالب اور غیر متضمنی عجایب کی حفاظت کی۔ کاتبوں نے رسم الخط کی،  
قاریوں نے طرزِ ادا کی، مانتوں نے اس کے الفاظ و عبارت کی وہ حفاظت کی کہ نزول کے وقت سے آج تک ایک زیر زبردستی نہ ہو سکا۔ کسی نے قرآن کے  
دکوع گن لیے کسی نے آیتیں شمار کیں، کسی نے حروف کی تعداد بتائی حتیٰ کہ بعض نے ایک ایک اعراب اور ایک ایک نقطہ کو شمار کر ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ  
وسلم کے عہد مبارک سے آج تک کوئی لمحہ اور کوئی ساعت نہیں بتلائی جاسکتی جس میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد حفاظت قرآن کی موجود نہ رہی ہو۔ خیال کرو آٹھ  
دس سال کا ہندوستانی بچہ جسے اپنی مادری زبان میں دو تین جڑے کار سالہ یا دو کار سالہ یا دو کار سالہ کے بچے کو کتاب جو متشابہات سے پر ہے، کس طرح  
فر فرماتا ہے۔ پھر کبھی مجلس میں ایک بڑے باوجاہت عالم و محالہ سے کوئی حرف چھوٹ جائے یا اعراب کی فروگزاشت ہو جائے تو ایک بچہ اس کو ٹوک دیتا  
ہے۔ چاروں طرف سے صحیح کرنے والے لگاتار آتے ہیں، ممکن نہیں کہ بڑھنے والے کو غلطی پر قائم رہنے دیں۔ حفاظت قرآن کے متعلق یہی اہتمام و افتاء عہد نبوت =

وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۱۱﴾ كَذَلِكَ نَسُكُّهُ فِي قُلُوبِ

اور نہیں آتا ان کے پاس کوئی رسول مگر کرتے رہے ہیں اس سے ہنسی۔ اسی طرح ہنسا دیتے ہیں ہم اس کو دل میں اور نہیں آیا ان پاس کوئی رسول، مگر کرتے رہے اس سے ہنسی۔ اسی طرح پیٹھاتے (ڈال دیتے) ہیں ہم اس کو، دل میں

الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِنْ

گنہگاروں کے ذمہ یقین نہ لائیں گے اس پر اور ہوتی آئی ہے رسم پہلوں کی ﴿۱۳﴾ اور اگر ہم کھول دیں ان پر دروازہ گنہگاروں کے۔ یقین نہ لائیں گے اس پر اور ہو پائی (ہوتی آئی) ہے رسم پہلوں کی۔ اور اگر ہم کھول دیں ان پر دروازہ

السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكَّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ

آسمان سے اور سارے دن اس میں چڑھتے رہیں تو بھی یہی نہیں گے کہ باندھ دیا ہے ہماری نگاہ کو نہیں بلکہ ہم لوگوں پر آسمان سے، اور سارے دن اس میں چڑھتے رہیں۔ یہی کہیں کہ ہماری نگاہ ہی بند کی ہے، نہیں، ہم لوگوں پر

### مَسْحُورُونَ ﴿۱۵﴾

جادو ہوا ہے ﴿۱۵﴾

جادو ہوا ہے۔

### ذکر اقوال کفارنا ہنچار در بارہ بار گاہ رسالت

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ... إل... بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَسْحُورُونَ﴾

رابطہ:..... گزشتہ آیت میں کفار کے انکار قرآن اور اس پر تہدید کا ذکر تھا اب ان آیات میں کفار کے ان اقوال فاسدہ اور شبہات کا سدھ کا ذکر کرتے ہیں جو وہ صاحب قرآن آنحضرت ﷺ کے بارے میں کیا کرتے تھے جس سے ان کا مقصود انکار رسالت تھا ان آیت میں ان کے اقوال کو مع جواب کے ذکر فرماتے ہیں تاکہ خود ان پر ان کا عناد اور کج فہمی ظاہر ہو جائے کہ = میں سب لوگ مشاہدہ کرتے تھے۔ اسی کی طرف "وَأَنَّا لَهُ لَنَحَافِظُونَ" فرما کر اس وقت کے منکرین کو توجہ دلائی۔

فَلَا آتِيكُمْ فِيهَا نَبَأٌ وَلَا خَبْرٌ ﴿۱۶﴾ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہمیشہ منکرین کی عادت رہی ہے کہ جب کوئی پیغمبر آ یا اس کی نبی اڑائی، کجی مجنون کہا۔ کجی محض وق کرنے کے لیے لغو اور دوران کار مطالبے کرنے لگے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کہا تھا "لَنْ رَسُولٌ لَكُمْ الَّذِي أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ لَتَمُجِّنُونَّ" (شعراء، رکو ۲۶ آیت ۲۷) اور وہی فرشتوں کی قوت لانے کا مطالبہ کیا جو قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر رہے تھے۔ ﴿قَالُوا لَا آتِيكُمْ عَلَيْهِ سُورَةٌ فَرَقَنَّا فِيهَا قُلُوبَهُمْ﴾

﴿۱۶﴾ یعنی جو لوگ ارتکاب جرائم سے باز نہیں آتے ہم ان کے دلوں میں اسی طرح استہزاء و تکذیب کی عادت جاگزیں کر دیتے ہیں۔ جب ان کے دل میں کانوں کے راستہ سے وحی الہی جاتی ہے تو ساتھ ساتھ تکذیب بھی چلی جاتی ہے۔

﴿۱۷﴾ یعنی ہمیشہ یوں ہی جھٹلاتے اور نبی کرتے آتے ہیں اور سنت اللہ یہی ہے کہ تمہرے دین لاکھ در سو اکیسے جاتے رہے اور انجام کار حق کا بول بالا رہا۔ ﴿۱۸﴾ یعنی فرشتوں کا اتارنا تو اس قدر عجیب نہیں، اگر ہم آسمان کے دروازے کھول کر خود انہیں اوپر چڑھا دیں اور یہ دن بھر اسی شغل میں رہیں، تب بھی مندی اور معاندانہ کج کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ اس وقت کہہ دیں گے کہ ہم پر نظر بندی یا جادو کیا گیا ہے۔ یا شاید ابتداء میں نظر بندی کھیں اور آخر میں بڑا جادو قرار دیں۔

جن کو ہم اپنی جہالت کے نشہ میں سرشار ہو کر مجنون کہا کرتے تھے وہ مجنون نہ تھے چونکہ نزول وحی کے وقت آنحضرت ﷺ پر ایک ربودگی کی کیفیت طاری ہوتی تھی اس لیے یہ نادان اس حالت کو مجنون سمجھے قال تعالیٰ ﴿وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ۝۱۰ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝۱۱﴾ وقال الله تعالى ﴿أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا ۝۱۲ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۝۱۳﴾ اور عجب نہیں کہ آپ ﷺ کو بطور استہزاء و تمسخر مجنون کہتے ہوں۔ کما قال فرعون ﴿رَسُودًا لَّكُمْ الَّذِي آتَىٰ بِالسِّحْرِ لَكُمْ لَمَجْنُونٌ ۝۱۴﴾ خلاصہ کلام یہ کہ گزشتہ آیت میں قرآن مبین کے ساتھ کفار کے عناد اور عداوت کا بیان تھا اب ان آیات میں صاحب قرآن یعنی رسول خدا ﷺ کے ساتھ ان کے عناد اور عداوت کا بیان ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور یہ کافر لوگ جن کو طول اہل نے غفلت میں ڈال رکھا ہے معجزات نبوت میں تامل نہ کرنے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں اے وہ شخص جس پر قرآن اور نصیحت اتاری گئی ہے بلاشبہ تو دیوانہ ہے کہ تو ہم کو نقد سے ادھار کی طرف بلاتا ہے یعنی دنیا سے آخرت کی طرف، کیوں نہیں لاتا تو ہمارے روبرو فرشتوں کو جو تیری نبوت اور صداقت کی گواہی دیں اگر تو سچوں میں سے ہے کہ تیرے پاس اللہ کی وحی آتی ہے یعنی اگر تو سچ کہتا ہے کہ میں پیغمبر ہوں تو فرشتے ہمارے سامنے لاکھ وہ تیری رسالت کی گواہی دیں ﴿أَوَلَا الْآيَاتُ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ قَدِيرًا ۝۱۵﴾ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے ہم نہیں اتارتے فرشتوں کو مگر حق کے ساتھ یعنی بمقتضا۔ بے حکمت و مشیت ملائکہ کو نازل کرتے ہیں اور تم نے جو فرمائش کی ہے وہ حق نہیں اور حق سے مراد وقت عذاب ہے اور تمہاری فرمائش کے فرشتے جب نازل ہوں گے تو عذاب ہی لے کر اتریں گے تو اس وقت ان کو مہلت دی جائے گی بلکہ فوراً ہلک کر دیئے جائیں گے پھر آئندہ آیت میں اشارہ ان کے مجنون کہنے کا جواب دیتے ہیں کہ ہمارا نبی مجنون نہیں۔ اس لیے کہ تحقیق ہم نے اس پر اس قرآن کو اتارا ہے اور یقیناً ہم اس کے نگہبان ہیں۔ اس میں کوئی شخص کسی قسم کی کمی بیشی اور تفسیر اور تہدیل نہیں کر سکتا۔ قیامت تک اس میں نہ کوئی لفظی تحریف کر سکے گا اور نہ معنوی تحریف کر سکے گا اور ظاہر ہے کہ جس پر ایسی نصیحت اور ہدایت کی کتاب نازل ہو وہ مجنون نہیں ہو سکتا۔ پس سمجھ لو کہ جس قرآن کے تم منکر ہو اور جس کی وجہ سے تم ہمارے پیغمبر کو دیوانہ بتاتے ہو ہم اس کے محافظ اور نگہبان ہیں۔ اور سمجھ لو کہ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے۔ جس کی حفاظت نہیں کی گئی وہ قرآن نہیں۔ اس آیت میں حق سبحانہ نے قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ سوا الحمد للہ! اللہ کا یہ وعدہ اور اس کی یہ پیشین گوئی جیسی فرمائی تھی حرف بحرف پوری ہوئی۔ چنانچہ بھمد اللہ دیکھ لیجئے کہ قرآن مجید کی کیسی حفاظت ہوئی ایک حرف بلکہ ایک نقطہ بھی نہ اس سے گھٹ سکا نہ بڑھ سکا۔ اگلی کتابیں محرف و مبدل ہو گئیں۔ مگر قرآن ہنوز اسی حالت پر ہے جس پر آنحضرت ﷺ چھوڑ گئے تھے اور اسی طرح وہ قیامت تک ہر طرح کی تحریف و تہدیل اور کمی اور زیادتی سے محفوظ رہے گا۔ جن والہ میں سے کسی کو مجال نہیں کہ اس میں سے ایک حرف یا ایک کلمہ کم یا زیادہ کر سکے۔ یہ فضیلت سوائے قرآن کے اور کسی کتاب کو حاصل نہیں۔ اور اس وقت سوائے قرآن کے روئے زمین پر کوئی الہامی کتاب ایسی نہیں جس میں تحریف اور تہدیل اور کمی اور زیادتی نے راہ نہ پائی ہو تو ریت اور انجیل کے اصلی نسخوں کا آج تک پتہ نہیں چل سکا اور ہاتل کے جو نسخے اس وقت موجود ہیں وہ باہم مختلف ہیں ان میں ہزاروں بلکہ لاکھوں اختلاف موجود ہیں سوائے قرآن کے روئے زمین پر کوئی کتاب نہیں کہ ہر خطہ زمین میں جس کے بے شمار حافظ موجود ہوں اور حرف بحرف ان کو ازبر ہو بہتر ہے دشمنان دین

قرآن کی تحریف کے درپے رہے اور اب تک ہیں کوئی اس کی ترتیب بدلتا ہے اور کوئی کمی اور مدنی سورتوں میں فرق کرتا ہے اور کوئی تاویلات فاسدہ سے اس کے معنی اور مطالب کو بدلتا ہے اور کوئی وحی کی حقیقت کو بدل کریں کر اس کو کلام انسانی اور القاء نفسانی بتاتا ہے مگر علماء راہین ان کی لفظی اور معنوی تحریف کو ظاہر کر دیتے ہیں اور ان نام نہاد مسلمانوں کے پردہ نفاق کو چاک کر دیتے ہیں۔

غرض یہ کہ ذکر (قرآن) کی اس شان سے محفوظیت اس امر کی دلیل ہے کہ یہ قرآن منزل من اللہ ہے اور جس ذات پر یہ ذکر یعنی قرآن نازل ہوا ہے وہ مجنون نہیں۔ اور البتہ ہم آپ ﷺ سے پہلی امتوں اور مختلف فرقوں میں رسول بھیج چکے ہیں مگر وہ مختلف فرقے انبیاء کی طرف جنون کی نسبت کرنے میں متفق رہے اور ان کے پاس جو پیغمبر آتا تھا اس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے کیونکہ ہر گروہ اپنی بنائی ہوئی خواہشوں میں غرق تھا اور نفس کے شہوات میں ڈوبا ہوا تھا جو رسول آتا ان کو ان نفسانی اور شہوانی لذات سے منع کرتا تو اس کو مجنون بنائے اور اس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے مطلب یہ ہے کہ اے نبی ﷺ! یہ کافر جو آپ ﷺ کو مجنون کہتے ہیں اور آپ ﷺ کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں آپ ﷺ اس سے رنجیدہ نہ ہوں پہلے کافروں نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ اسی طرح کی باتیں کی ہیں ان جاہلوں کی یہ قدیم عادت ہے اسی طرح کی تکذیب اور استہزاء ہم مجرموں کے دلوں میں اتار دیتے ہیں۔ مجرمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو حق کے معاند ہیں ہوائے نفس کے تابع ہیں۔ اور اتہاع ہڈی سے استکبار کرتے ہیں کہ ہم کیوں کسی کے مطیع اور فرماں بردار بنیں اور ہم دولت مند ہیں ان درویشوں کے پیچھے کیوں چلیں۔ یہ امور تو ان کی گمراہی کے ظاہری اسباب ہیں۔ اور اصل سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی توفیق سے محروم کر دیا ہے۔ اور ان کے دل ایسے بنا دیئے ہیں کہ ایمان میں داخل نہ ہو سکیں۔ اس قسم کے معاندین قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے اور اسی طرح گزر چکی ہے رسم پہلے لوگوں کی جس نے انبیاء ﷺ کی تکذیب کی اور ان کے ساتھ استہزاء کیا اور ان کو مجنون بتلایا وہ عذاب الہی سے ہلاک ہوا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اگلے کافر ایمان نہیں لائے اسی طرح یہ بھی ایمان نہیں لائیں گے اور جس طرح متقدمین ہلاک اور رسوا ہوئے اور حق کا بول بالا ہوا اسی طرح اب بھی ہوگا۔ اور زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت یہ ہی ہے کہ انبیاء ﷺ کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرنے والوں کے دلوں میں کفر اور گمراہی کو جاری و ساری کر دیتے ہیں۔ کہ کفر اور عناد ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے (تفسیر کبیر) اور وہ نزول ملائکہ پر تو کیا ایمان لاتے ان کے عناد اور ضد کی تو یہ حالت ہے کہ اگر سجائے اس کے کہ ان کے لیے فرشتے آسمان سے اتاریں۔ خود ان کو آسمان پر پہنچادیں۔ اس طرح پر کہ ہم ان کے لیے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں پھر دن کے وقت وہ اس پر چڑھیں اور بلا کسی اشتباہ عجائب ملکوت کا مشاہدہ کر لیں اور فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تو تب بھی ایمان نہیں لائیں گے اور ازراہ عناد یہ ہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے اس لیے ہم اپنے آپ کو آسمان پر چڑھتا ہوا دیکھتے ہیں لیکن فی الواقع ہم آسمان پر نہیں چڑھ رہے ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عناد اور ضد کی یہ حالت ہے کہ اگر کسی نشانی کو آنکھ سے بھی دیکھ لیں تب بھی ایمان نہیں لائیں گے بلکہ یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے یا ہماری عقلوں پر جادو کر دیا گیا ہے پس جو شخص تعنت اور عناد کی اس حد کو پہنچ جائے اس کو کوئی موعظت نفع نہیں دیتی۔ نہ کسی نشانی سے راہ یاب ہو سکتا ہے ایسے

معاذین کے سامنے فرشتوں کا نازل کرنا بالکل بے سود ہے۔

## لطائف و معارف

بابت آیت ﴿وَإِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾

۱- تمام اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ موجودہ قرآن بعینہ وہی قرآن ہے جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا تھا اور ہر قسم کے تحریف اور تغیر و تبدل اور کمی اور زیادتی سے بالکل یہ محفوظ ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک اسی طرح محفوظ رہے گا اور نہ اس میں تحریف ہو سکے گی اور نہ وہ ضائع ہو سکے گا۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے ﴿وَإِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ تحقیق ہم ہی نے یہ کتاب نصیحت نازل کی ہے اور تحقیق ہم ہی اس کے محافظ اور نگہبان ہیں۔

اس وعدہ کے مطابق آج چودھویں صدی گزرنے کو ہے کہ قرآن ایسا محفوظ ہے کہ مشرق سے لے کر مغرب تک اس کے لاکھوں حافظ موجود ہیں اور روئے زمین کے مسلمانوں کی زبانوں پر یکساں محفوظ ہے۔ ایک لفظ یا زبر زیر کا فرق نہیں بضر حال اگر قرآن کریم کے تمام مکتوبی اور مطبوعی نسخے روئے زمین سے معدوم ہو جائیں تب بھی قرآن کا ایک جملہ اور ایک کلمہ بھی نہ ضائع ہو سکتا ہے اور نہ بدلا جاسکتا ہے۔ قرآن کے سوا کسی آسمانی اور زمینی کتاب کو یہ فضیلت حاصل نہیں۔

امام رازی<sup>۱</sup> فرماتے ہیں کہ دنیا کی کوئی کتاب ایسی محفوظ نہیں جیسا کہ یہ قرآن محفوظ ہے۔ سوائے قرآن کے کوئی کتاب دنیا میں ایسی نہیں جس میں تغیر اور تبدل اور تصحیف و تحریف واقع نہ ہوئی ہو۔ انتہی

۲- اور شیعوں میں جو غالی اور متعصب ہیں وہ اس بات کے قائل ہیں کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بلکہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بھی قرآن کو بدل ڈالا اور بہت سی آیتیں اور سورتیں جو حضرت امیر اور اہل بیت علیہم الرضوان کے فضائل میں نازل ہوئی تھیں اور جن آیات میں اہل بیت کی اطاعت اور پیروی کے احکام تھے اس قسم کی تمام آیات کو قرآن سے ساقط کر دیا اس لیے کہ اس قسم کی آیتیں شیخین اور عثمان رضی اللہ عنہم کو بہت شاق اور گراں تھیں۔ اور بعض فضائل اہل بیت کے ایسے مذکور تھے جن سے ان کی رگ حسد جنبش میں آگئی اس لیے اس قسم کی تمام آیتوں کو قرآن سے نکال ڈالا۔ ازاں جملہ ایک یہ ہے "وجعلنا علیا صہرک" یہ آیت ﴿الْمَنْ نَشْرَحُ﴾ میں تھی جس کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے علی رضی اللہ عنہ کو تیرا داماد بنایا اس آیت صہریت کی نسبت حضرت امیر کی طرف کی گئی ہے نہ کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اور قرآن میں ایک سورت سورۃ الولاہت تھی جو بڑی لمبی سورت تھی۔ اور اہل بیت کے فضائل پر مشتمل تھی اس کو بھی قرآن سے نکال ڈالا۔

۳- اہل سنت والجماعت اس طعن کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس طعن کی ذمہ داری تو خدا پر عائد ہوتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے خود قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے ﴿وَإِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ فرمایا ہے یعنی یہ قرآن ہم نے نازل

﴿اعلم انه لم يتفق لشيء من الكتب مثل هذا الحفظ فانه لا كتاب الا وقد دخله التصحيف والتحريف. والتفسير اما في الكثير منه او في القليل ولغاية هذا الكتب مصوناً عن جميع جهات التحريف مع ان دواعي المأحذة واليهود والنصارى متوفرة على ابطاله وفساده من اعظم المعجزات وايضاً اخبر الله تعالى عن بقائه محفوظاً عن التغيير والتحريف واللفظي الآن قريباً من ستمائة سنة فكان هذا اخباراً عن الغيب فكان ذلك ايضاً معجزاً قاهراً. (تفسير كبير: ۲۶۵)

کیا ہے اور ہم ہی اس کے حافظ و نگہبان ہیں۔ پس جس چیز کی حمایت اور حفاظت کا وعدہ خدا تعالیٰ نے کیا ہے کسی بشر کو یہ مقدور

نہیں کہ وہ اس کی حفاظت میں غلغلہ انداز ہو سکے اور اس میں کچھ گھٹنا بڑھا سکے جس چیز کی حفاظت کا حق تعالیٰ ذمہ دار ہو اس میں کوئی الحاق اور تحریف اور کمی زیادتی کسی طرح ممکن نہیں ہاں اگر شیعہ یہ کہیں کہ شیخین رضی اللہ عنہما اور عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ قدرت ہے کہ وہ وعدہ خداوندی کو پورا نہ ہونے دیں تو اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ شیخین رضی اللہ عنہما اور عثمان رضی اللہ عنہما معاذ اللہ اس قدر قاہر اور قادر ہیں کہ اگر چاہیں تو خدا کا وعدہ بھی نہ چلنے دیں حق تعالیٰ تو بتا کیدا کیدا اپنے پختہ وعدہ کا اعلان کرتا ہے کہ ہم اس قرآن کے محافظ اور نگہبان ہیں اور شیعہ کہتے ہیں کہ خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ نے قرآن اصلی کا بالکل نشان مٹا دیا۔ اللہ اللہ کیا قدرت اور طاقت تھی کہ نعوذ باللہ خدا کی بھی نہ چلنے دیں سورتیں کی سورتیں اور آیتیں کی آیتیں نکال ڈالیں یا بدل ڈالیں اور خداوند قہار و جبار خاموش دیکھتا رہا۔

۴- اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ جب خدا نے یہ وعدہ فرمایا کہ ہم اس قرآن کے محافظ اور نگہبان ہیں تو ہم یہ کہتے ہیں کہ۔

(۱) یہ تو ناممکن اور محال ہے کہ خداوند ذوالجلال قصد اپنے وعدہ سے منحرف ہو جائے اور حفاظت نہ کرے اس لیے

کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ اور قول میں سچا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿لَا يُخَلِّفُ الْبَيْعَاتِ﴾ (تختیق اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرتا) کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا﴾ (اللہ سے زیادہ کون سچا ہے اپنے قول میں) وقال اللہ تعالیٰ ﴿وَوَعَدْتُكَ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا. لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ﴾۔

(۲) اور یہ بھی ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ وعدہ کر کے بھول جائے سورۃ مریم میں ہے ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾ (تیرا

پروردگار بھولنے والا نہیں ہے) خدا تعالیٰ کے حق میں سہو اور نسیان اور غفلت ناممکن اور محال ہے اور سورۃ طہ میں ہے ﴿لَا يُضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسِي﴾ (میرا پروردگار نہ بہکتا ہے اور نہ بھولتا ہے) اور سورۃ بقرہ میں ہے ﴿لَا تَأْخُذُكَ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾ (خدا کونہ اونگھ آسکتی ہے اور نہ نیند)۔

(۳) اور یہ بھی ممکن ہے کہ جبراً و قہراً ایسا ہو جائے کہ خدا اپنا وعدہ پورا کرنے سے مجبور ہو جائے ورنہ لازم آئے گا کہ

معاذ اللہ خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ قوت میں حق تعالیٰ سے بڑھے ہوئے ہیں کہ حق تعالیٰ تو حفاظت کا وعدہ فرمائیں اور خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ اس کو جبراً و قہراً نہ چلنے دیں اب اس سے ایک اندیشہ اور پیدا ہو گیا کہ مبادا قیامت کے دن خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ شیعیان علی رضی اللہ عنہ کو خدا کی حفاظت سے نکال کر کبھی کبھی کے بدلے نہ نکالنے لگیں۔

۵- اہل سنت کہتے ہیں کہ قرآن میں کمی اور بیشی کا ہونا عقل اور نقل ہر اعتبار سے باطل ہے۔

دلیل عقلی:..... عقلاً تو کبھی بیشی کے باطل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ:

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو شخص ایمان لاتا۔ اول آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو قرآن سکھاتے اور پھر وہ قرآن سیکھنے

کے بعد اوروں کو سکھاتا اسی طرح سینکڑوں آدمی اور ہزاروں آدمی مسلمان ہوئے۔

(۲) حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہزاروں آدمیوں نے قرآن سیکھا اور اس کو حفظ کیا چنانچہ بعض غزوات

میں ستر ستر قاری شہید ہوئے۔

(۳) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اب تک یہ ہی حال ہے کہ ہر زمانے میں پشت در پشت ہزاروں ہزار قرآن

کے محافظ ہوتے چلے آئے اور مشرق اور مغرب کے حافظوں میں ایک حرف کا بھی فرق نہیں جس کتاب کا یہ حال ہو اس میں کسی

کی شرارت سے کمی بیشی کا واقع ہو جانا عقلاً محال اور ناممکن ہے۔

(۴) مشرق اور مغرب کے قرآن کے مطبوعہ نسخوں کو ملا لو، ذرہ برابر فرق نہ نکلے گا۔

(۵) روئے زمین کی مختلف زبانوں کی تفسیروں کو دیکھ لیا جائے سب کی سب ایک ہی قرآن کی تفسیریں ہیں۔

دلیل نقلی: ..... اور دلیل نقلی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ تحقیق ہم ہی نے اس قرآن کو اتارا ہے اور تحقیق ہم ہی اس کے محافظ اور نگہبان ہیں کہ قیامت تک تحریف و تبدیل اور زیادتی اور نقصان سے اور کمی و بیشی سے بالکل یہ محفوظ رہے گا اور دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾ بڑے بڑے ملاحظہ اور زنادقہ اور قرامطہ گزر گئے مگر کسی کو ایک کلمہ میں بھی تغیر و تبدیل کی قدرت نہ ہوئی خدا جس کی حفاظت کا وعدہ فرمائے اس میں کوئی تغیر و تبدیل کر سکتا ہے۔

دلیل الزامی: ..... اس دلیل عقلی و نقلی کے بعد ہم ایک دلیل الزامی پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ تمام روایات امامیہ سے یہ ثابت ہے کہ تمام اہل بیت۔ (۱) اسی قرآن کو پڑھتے تھے اور (۲) اسی کے خاص و عام سے تمسک کرتے تھے اور (۳) اسی قرآن کی آیتوں کو بطور استدلال پیش کیا کرتے تھے اور (۴) اسی قرآن کو نمازوں میں پڑھا کرتے تھے اور (۵) اپنے اہل و عیال کو اسی قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے اور (۶) اپنے مردوں کو اسی قرآن کا ثواب پہنچاتے تھے اور (۷) اسی قرآن سے مسائل شرعیہ کا استنباط کیا کرتے تھے اور (۸) بغیر وضو کے اسی قرآن کو مس نہیں کرتے تھے اور (۹) اسی قرآن کے اوامرو نواہی کے پابند تھے اور (۱۰) اسی قرآن کی تفسیر کیا کرتے تھے۔

امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کی طرف جو تفسیر منسوب ہے وہ حرف بحرف اور لفظ بلفظ اسی قرآن کی ہے۔ اگر ترتیب عثمان رضی اللہ عنہ تنزیل ربانی کے مخالف ہوتی تو امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ اس کی تفسیر نہ لکھتے کیا امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کو پورا کلام اللہ یاد نہ تھا جو اس کی بھی تفسیر لکھتے اور مذہب شیعہ کے کبار علما کی ایک جماعت مثلاً ابو علی، طبرسی اور قاضی نور اللہ شومتری اور ملا صادق وغیرہم نے اس امر کا صاف اقرار کیا ہے کہ ترتیب عثمانی بالکل صحیح ہے اور عہد نبوی کے بالکل مطابق ہے اور تفسیر ”صراط مستقیم“ جو شیعوں کی معتبر تفسیر ہے اس میں اس طرح ای انالہ لحفظون من التحریف والتبديل والزيادة والنقصان اور سورۃ حم سجدہ میں ہے ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾ یعنی اس پر (یعنی قرآن پر) باطل (یعنی تحریف اور تناقص کا دخل نہیں) نہ آگے سے نہ پیچھے سے یعنی کسی وجہ سے، پس ثابت ہو گیا کہ مروج قرآن بلاشبہ منزل من اللہ ہے اور یہ قرآن بعینہ وہی قرآن ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم دی معاذ اللہ عثمان رضی اللہ عنہ کو ایسا اقتدار کہاں سے حاصل ہوا کہ جو ترتیب آسمانی کے بدلنے اور بگاڑنے پر قادر ہو گئے اور ایسے قادر ہوئے کہ صفحہ ہستی سے اصل قرآن کا نام و نشان مٹا دیا اور اسد اللہ الغالب یہ سب کچھ دیکھتے رہے مگر کچھ نہ بولے حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت آیا اس وقت بھی باوجود خلافت اور بادشاہت کے اصل قرآن کو ظاہر نہ کیا اور نمازوں میں ترتیب عثمانی کے مطابق قرآن پڑھتے رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب بمشورہ صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن کو مرتب کیا تو اس مشورہ میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ بھی شریک

① ان علماء شیعہ کی اصل مہارتیں اگر دیکھا متصور ہو تو اولاً الملکوک جلد دوم از صفحہ ۴-۱۳ معنفہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس سرہ کی مراجعت کریں۔



تھے تو تھا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو کیوں مطعون کیا جاتا ہے سنن ابوداؤد میں باسناد صحیح سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ لا تقربوا فی عثمان رضی اللہ عنہ الآخر افر اللہ ما فعل الذی فی المصاحف لا علی ملامنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارہ میں سوائے کلمہ خیر کے کوئی لفظ زبان سے نہ نکالو۔ خدا کی قسم عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف کو مدون اور مرتب کیا وہ ہم سب کے مشورہ اور اتفاق سے کیا۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جس قدر نسخے قرآن کے لکھوائے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے پڑھے گئے اور پھر سب کے مشورہ سے مختلف بلاد کو بھیجے گئے ایسی صورت میں تغیر و تبدل کا امکان نہیں نیز اگر بقول شیعہ کلام اللہ غیر محفوظ ہے تو بشہادت حدیث ثقلین شیعوں کو ثقلین کے ساتھ تمسک باقی نہ رہے گا اس لیے کہ تمسک کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ شے موجود ہو۔ غائب اور غیر مقدور چیز سے تمسک ممکن نہیں اور یہ ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ایسی چیز کے ساتھ تمسک کا حکم دیں جو ہماری قدرت میں نہ ہو حدیث ثقلین اس امر پر صراحت دلالت کرتی ہے کہ قرآن ہر زمانہ میں موجود رہے گا۔ جس سے لوگ تمسک کر سکیں گے جیسا کہ اہل بیت کا تمسک ہر وقت ہر زمانہ میں حاصل ہے کیونکہ وہ موجود ہیں پس جب کہ کتاب خود شیعوں کے زعم کے مطابق موجود ہی نہیں تو تمسک کس سے کریں گے۔

(۶) مذہب امامیہ کے بعض علماء اگرچہ اس قرآن کو محفوظ اور منزل من اللہ مانتے ہیں مگر جمہور علماء مذہب امامیہ مصحف عثمانی کو بعینہ صحیفہ آسمانی نہیں مانتے اور اس کو اصلی قرآن نہیں جانتے بلکہ اس کو ناقص مانتے ہیں اور معتقد تحریف ہیں حضرات شیعہ کے نزدیک اصل قرآن کی سترہ ہزار آیتیں تھیں جن سے اب صرف کل چھ ہزار آیتیں باقی ہیں جیسا کہ کافی کلینی میں ہے عن ہشام بن سالم عن ابی عبد اللہ ان القرآن الذی جاء به جبرئیل الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبعة عشر الف آیت۔ شیعوں کی اس روایت کے مطابق کلام اللہ کا دو تہائی حصہ چوری اور خورد برد ہو گیا تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کا ذمہ ہی نہ لیتے نیز یہ روایت اگر صحیح ہو تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ معاذ اللہ قرآن کریم محرف اور غیر معتبر ہونے میں توریت اور انجیل سے کہیں زائد ہے۔ توریت اور انجیل میں تو فقط امراء اور حکام کی خاطر تحریف ہوئی باقی سب جگہ تحریف نہیں ہوئی اور قرآن کریم میں اتنی تحریف ہوئی کہ سترہ ہزار آیتوں میں سے صرف چھ ہزار آیتیں باقی رہ گئیں۔ حالانکہ قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لیا تھا اور توریت کی حفاظت امت موسویہ کے سپرد کی تھی ﴿وَمَا اسْتَعْظَمُوا مِنْ﴾ کِتَابِ اللّٰهِ اور قرآن کریم کی یہ نعمت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا طفیل ہے ورنہ حضرات شیعہ کو تو قرآن دیکھنا نصیب نہ ہوتا اور نماز اور تہجد میں پڑھنا نصیب نہ ہوتا کیونکہ حضرات ائمہ نے تو شیعوں کو کوئی قرآن دیا نہیں نیز حضرات شیعہ اس کے قائل ہیں کہ قرآن میں اگرچہ کمی واقع ہوئی ہے اور اس میں تحریف بھی ہوئی ہے مگر اس تحریف کی وجہ سے حلال و حرام میں کہیں تغیر و تبدل نہیں آیا۔ نیز شیعہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اس محرف قرآن کے پڑھنے کی وجہ سے ثواب تلاوت میں کمی نہیں آتی اور اس قرآن کو پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور اس موجودہ قرآن کے اتباع سے اوامر و نواہی کے اتباع میں سرسوفرق واقع نہیں ہوتا اس اعتبار سے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم ائمہ شیعہ سے ہزار درجہ بڑھ کر رہے کہ قرآن کا کچھ حصہ مسلمانوں کو دے گئے اور ائمہ نے تو قرآن کی ایک سورت بھی مسلمانوں کو نہیں دی۔

(۷) اعلم ان القرآن محفوظ بین الدفتین وهو الذی نزل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ

(۷) اعلم ان القرآن محفوظ بین الدفتین وهو الذی نزل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غیر زیادة ولا نقصان فیہ وقالت الروافض الخوافض القرآن وقعت فیہ الزیادة والنقصان قلنا هذا غلط بلا شبهة بعدة اوجه (الاول) انه تکذیب لقوله تعالیٰ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون و امثاله من الآیات (والثانی) انه یلذم منه تکفیر جمیع الصحابة حتی علی کرم اللہ وجہہ حیث وافقہم علی تحریف القرآن ولم ینکر علیہم مع ان علیا ان کرفی کثیر من الامور علی عثمان و خاصہ مکثل مضاصمته فی نہی عثمان متعبر الحج (والثالث) ان علینا کرم اللہ وجہہ قصد بالاتفاق بعد وفاة ابن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیته حتی جمع القرآن واعتذر بذالك تخلفه فلولا ان جمعه موافق بجمع عثمان من حیث الزیادة والنقصان لا ظهر جمعه وترك جمع عثمان فهو الأمر الذی لا تاخذه فی اللہ لومة لائم مع انه كان یقرأ فی الصلوة القرآن الذی جمعه عثمان ویتلوه لیلا ونهارا ویفسره علی ملاء من شیعته وبالجملة القول بتحریف القرآن یهدم اساس الاسلام واللہ اعلم

حفاظت کا طریقہ:..... اس آیت میں حفاظت کا وعدہ فرمایا اور دوسری آیت میں حفاظت کا طریقہ بیان فرمایا۔ وہ آیت یہ ہے ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ فَإِذَا قُرَأَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾۔ اشارہ اس طرف ہے کہ اس قرآن کو حافظوں کے سینے میں بھی محفوظ کر دیں گے اور اس قرآن کو مصاحف میں بھی جمع کرادیں گے اور لوگوں کے دلوں میں اس کی تلاوت اور قراءت کا شوق پیدا کر دیں گے کہ دن رات اس کو پڑھا کریں گے تاکہ قرآن کا تواتر اور تسلسل ٹوٹنے نہ پائے پھر کچھ زمانہ کے بعد اہل علم کی جماعت کو قرآن کریم کے بیان یعنی تفسیر کی طرف متوجہ کریں گے اور اس کا داعیہ ان کے قلوب میں القاء کریں گے کہ وہ قرآن کریم کے شان نزول اور نسخ اور منسوخ اور معانی کو بیان کریں گے اور چونکہ علم تفسیر جمع قرآن کے کچھ عرصہ بعد ہوگا۔ اس لیے ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ میں کلمہ تم لایا گیا جو تاخیر اور تراخی پر دلالت کرتا ہے کہ تفسیر کا مرحلہ قرآن کے جمع اور تدوین اور ترتیب کے کچھ عرصہ بعد پیش آئے گا اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ (یعنی جمع قرآن) تیغین ﷺ کے ہاتھ سے ظاہر ہوا اور اس وعدہ خلافت کے ظہور میں شیخین بمنزلہ جارحہ الہی کے ہوئے جس سے ان کی خلافت کا حق ہونا ثابت ہوا۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے اس خزانہ کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ کسی رسالدار اور صوبہ دار کو اس پر پہرہ کا حکم دے دے۔ اسی طرح خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس خزانہ قرآنی کے محافظ اور پہرے دار مقرر ہوئے اس لیے اس حفاظت کو اللہ کریم نے اپنی طرف منسوب فرمایا اور یہ کہا ﴿وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ کیونکہ حفاظت کا جو انتظام بادشاہ کی طرف سے ہوتا ہے وہ بادشاہ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام:..... یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا کہ وہ قرآن مجید کو تحریف و تبدیل و نسیان سے محفوظ رکھے گا اور اس کی صورت یہ ہونی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت و نگہبانی کے اسباب پیدا فرمادیئے پہلا سبب قرآن مجید کی حفاظت کا یہ ہوا کہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی سعی اور ہمت اور توجہ سے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے جو اس وقت تقریباً ساٹھ ہزار تھے

کافی ہے اب قیامت تک جو شخص قرآن کریم کی تلاوت کرے گا اس کا اجر خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے اعمال میں مثبت ہوگا۔

(۸) یہ قرآن آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا اور آپ ﷺ پر اس کی تبلیغ فرض تھی کما قال اللہ تعالیٰ ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ. وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾ آنحضرت ﷺ نے حسب ارشاد باری اس قرآن کی تبلیغ کی اور جو شخص عہد رسالت میں مشرف باسلام ہوا آپ ﷺ نے اس کو یہ ہی قرآن سکھایا اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے یہ ہی قرآن جو آپ ﷺ سے سیکھا تھا مسلمانوں کو سکھایا اور بشکل مصحف اس کو مرتب کر کے مسلمانوں کو دیا جو آج تک بنقل متواتر مسلسل چلا آ رہا ہے اور جو قرآن شیخین رضی اللہ عنہما اور عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع کیا اور اس کی جمع و ترتیب میں از اول تا آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ شریک رہے اور اپنے زمانہ خلافت میں بلکہ ساری عمر نماز وغیرہ میں اسی قرآن کو پڑھتے رہے پس اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک مصحف عثمانی غلط اور باطل تھا تو اپنے دور خلافت اور زمانہ حکومت میں اس کو منسوخ کر کے لوگوں کو صحیح قرآن سے کیوں آگاہ نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی مصحف عثمانی اصلی اور صحیح قرآن تھا۔

(۹) غرض یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا اور عجیب شان سے اس کی حفاظت فرمائی کہ اس قرآن کو حفاظ کے سینوں میں محفوظ کر دیا۔ کما قال تعالیٰ ﴿بَلِّغْهُمُ الْبَيِّنَاتِ لَعَلَّ هُمْ يَرْجِعُونَ﴾ اور صحیح مسلم میں عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ تبارک و تعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں وانزلت عليك كتابا لا يفسده الماء (یعنی اے نبی ﷺ! میں نے تجھ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس کو پانی بھی نہیں دھوسکتا)۔ اشارہ اس طرف ہے کہ اگر تمام بنی آدم مل کر بھی اس قرآن کو مٹانے کی کوشش کریں تو اس پر قادر نہ ہوں گے۔ الحمد للہ یہ دولت اہل سنت کو نصیب ہوئی اور حضرات شیعہ اس دولت عظمیٰ سے محروم کر دیئے گئے۔ حتیٰ کہ شیعہ کلام اللہ کے نہ یاد ہونے میں ضرب المثل ہو گئے اہل سنت ہی قرآن کو حفظ کرتے ہیں اور وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ ﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ. أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ. وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ﴾ تلاوت قرآن اہل سنت کا شعار ہے اور حضرات شیعہ کا شعار بجائے تلاوت قرآنی کے مرثیہ خوانی ہے۔

### (۱۰) شیعوں کو قرآن کیوں یاد نہیں ہوتا

جو شاگرد استاد کے حق میں گستاخ ہوتا ہے وہ کبھی علم سے بہرہ ور نہیں ہوتا خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم دربارہ قرآن تمام امت کے استاد ہیں جو ان کی شان میں گستاخی کرے گا وہ کبھی اس دولت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا اور ﴿مَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے حضرات شیعہ نے اس نعمت کی ناشکری کی اس لیے اس دولت سے محروم رہے و من لم يشكر الناس لم يشكر الله بلکہ یوں کہتے کہ منکرین صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو کلمہ گوئی کی نوبت آئی اور بزعم خود مسلمان ہوئے یہ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے اگر صحابہ رضی اللہ عنہم جہاد نہ کرتے اور دین نہ پھیلاتے تو ان کو دین کی خبر بھی نہ ہوتی الغرض تمام عالم حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا شاگرد اور مرہون منت ہے سب کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شکر گزار ہونا چاہئے۔

تاویلات شیعہ:..... حضرات شیعہ نے اس آیت کی دو تاویلیں کی ہیں ایک یہ کہ اصل کلام اللہ لوح محفوظ میں محفوظ ہے دوم

یہ ”غارِ سرمن“ میں امام مہدی کے سینہ میں محفوظ ہے۔

جواب:..... اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں تاویلیں مہمل اور لغو ہیں۔ اول تو یہ کہ لوح محفوظ میں حفاظت کرنے سے ہم کو کیا فائدہ ہمیں فائدہ جب ہوتا کہ جب قرآن ہمارے پاس محفوظ ہوتا تاکہ احکام خداوندی کے معلوم کرنے میں کوئی شک و شبہ نہ رہتا۔ دوم یہ کہ حفاظت وہاں ہوتی ہے جہاں احتمال ضائع ہونے کا ہے اور لوح محفوظ میں یہ احتمال ہی نہیں وہاں کسی کی دست رس اور رسائی ہی نہیں کہ چوری کا احتمال ہو! سوم یہ کہ آیت مذکورہ میں اول تنزیل کا ذکر فرمایا۔ بعد ازاں اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ وعدہ حفاظت قرآن منزل کے متعلق ہے جو تیس برس میں بتدریج نازل ہوا نہ کہ اس قرآن کا جو لوح محفوظ میں محفوظ ہے۔ چہارم یہ کہ اس آیت میں قرآن کے لفظ کو ذکر سے تعبیر کیا جس کے معنی نصیحت کے ہیں اور نصیحت جاہل اور غافل کو ہوتی ہے معلوم ہوا کہ یہ قرآن جاہلوں کے لیے مذکور اور داعظ ہے اور گنہگاروں کے واسطے پند دل بند ہے اور جاہل اور غفلت کے ساتھ انسان ہی موصوف ہوتا ہے ملائکہ اس عیب سے محفوظ ہیں قرآن جب تک لوح محفوظ میں رہا تو اگر رسائی تھی تو فقط فرشتوں کی تھی۔ ان کو وعظ و پند سے کیا سروکار۔ فرشتے نہ جاہل ہیں اور نہ غافل اور نہ گنہگار۔ ہاں جب یہ قرآن لوح محفوظ سے نازل ہو کر دنیا میں پہنچا اور اس ظلم و جہول انسان سے اس کا معاملہ اور واسطہ پڑا تو اس کے لحاظ سے لفظ ذکر بمعنی پند و نصیحت استعمال ہوا کیونکہ تذکیر اور وعظ کی ضرورت غافلان نوع بشر ہی کے لیے ہوتی ہے پس معلوم ہوا کہ ﴿وَمَا آتَانَا لَمْ نَحْفَظْهُ﴾ کا وعدہ ان ہی غافلوں اور جاہلوں کے لیے ہے نہ کہ ملائکہ کے لئے۔ پنجم یہ کہ اگر حفاظت سے لوح محفوظ میں حفاظت مراد ہے تو اس قسم کی حفاظت تو توریت اور انجیل میں بھی موجود ہے۔

تاویل دوم کا رد:..... ۱۔ رہی دوسری تاویل سو وہ بھی مہمل ہے امام مہدی کا ”غارِ سرمن“ میں مخفی ہونا شیعوں کا ایک من گھڑت افسانہ ہے۔ نصاریٰ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری انجیل آسمان چہارم میں حضرت عیسیٰ کے پاس محفوظ ہے اور وہاں کسی قسم کا خطرہ نہیں غارِ سرمن میں اندیشہ ہے کہ حضرت امام مہدی کا کوئی دشمن پھرتا پھرتا وہاں پہنچ جائے اور ان سے قرآن کریم چھین کر جلادے یا ان کو شہید کر دے بخلاف خلیفہ ثالث کے جمع کردہ قرآن کے کہ وہ حافظوں کے سینے میں محفوظ ہے اس کو چھین کر جلانا ناممکن ہے پس بحمدہ تعالیٰ یہ قرآن اہلسنت کے سینوں میں محفوظ ہے جہاں کسی چور اور قزاق کی رسائی ممکن نہیں۔

۲۔ علاوہ ازیں یہ عقیدہ فی حد ذاتہ بالکل مہمل ہے اس لیے کہ قرآن تو لوگوں کی ہدایت کے لیے اترا تھا نہ کہ انہاء کے لیے اور قیامت کے قریب ظاہر ہونے سے کیا فائدہ لوگ انتظار کرتے کرتے تھک گئے ممکن ہے کہ اس عرصہ میں حق تعالیٰ کو بداد واقع ہو گیا ہو اور ان کو امامت سے معزول کر دیا گیا ہو۔

۳۔ نیز اس چھپے رہنے میں اندیشہ ہے کہ دشمن بزدلی کا طعنہ دیں گے کہ کیوں چھپے ہوئے ہیں باہر کیوں نہیں آتے۔  
۴۔ نیز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کل تین سو تیرہ آدمی مجتمع ہونے پائے تھے کہ جہاد شروع کر دیا اور پھر وہ بھی بزمِ شیعہ اکثر ”منافق“ تھے حضرات شیعہ جیسے ”مخلص“ نہ تھے اور اب لاکھوں مخلصانہ شیعہ بھی موجود ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ باوجود انتظار احباب اور فرامی اسباب غار سے باہر نہیں آتے اور امت محمدیہ کو گمراہی سے نہیں نکالتے اور بجائے بیاض عثمانی کے اصل کلام ربانی کیوں ظاہر نہیں کرتے۔

شیعہ اکثر ”مناقض“ تھے حضرات شیعہ جیسے ”مخلص“ نہ تھے اور اب لاکھوں مخلصانہ شیعہ بھی موجود ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ باوجود انتظار احباب اور فراہمی اسباب غار سے باہر نہیں آتے اور امت محمدیہ کو گمراہی سے نہیں نکالتے اور بجائے بیاض عثمانی کے اصل کلام ربانی کیوں ظاہر نہیں کرتے۔

۵- نیز حضرات شیعہ یہ بتلائیں کہ اسکا راوی اور یعنی شاہد کون ہے کہ جو شہادت دے کہ امام مہدی میرے سامنے

جا کر غار میں چھپے ہیں

۶- نیز اگر وہ چھپ ہی گئے تو غار تو محدود ہے تو حضرات شیعہ اس غار میں جا کر ان کو بلا لائیں۔

۷- نیز اگر بفرض محال کوئی یعنی شاہد اس کا مل جائے کہ وہ غار میں چھپے ہیں تو معلوم نہیں کہ تیرہ صدیاں گزر جانے

کے باوجود وہ زندہ سلامت ہیں یا وفات پا چکے ہیں کتاب و سنت سے اس کے لیے دلیل چاہئے نصاریٰ تو کہہ سکتے ہیں کہ

عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا قرآن اور حدیث اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے امام مہدی کے غار میں جا کر چھپ جانے کی کوئی ضعیف بلکہ موضوع روایت بھی نہیں۔

### اجماع امت بر محفوظیت قرآن از زیادت و نقصان

امام قرطبی رضی اللہ عنہ مقدمہ تفسیر میں: ۸۰/۱، پر لکھتے ہیں۔

لاخلاف بین الامۃ ولا بین الائمة اهل السنة ان القرآن اسم لكلام الله تعالى الذي جاء به محمد صلى الله عليه وسلم معجزة له (على نحو ما تقدم) وانه محفوظ في الصدور مقروء باللسنة مكتوب في المصاحف معلومة على الاضطرار سورة وآياته مبرأة من الزيادة والنقصان حروفه وکلماته۔ فلا يحتاج في تعريفه بحد ولا في حصره بعد فمن ادعى زيادة عليه او نقصانا فقد ابطال (۱) الاجماع وبهت الناس (۲) ورد ما جاء به الرسول صلى الله عليه وسلم من القرآن المنزل عليه۔ (۳) وَرَدَّ قَوْلَهُ تَعَالَى ﴿قُلْ لِّمَنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْحِجْرُ عَلٰى اَنْ يَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهِ وَاَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ وابطل آية رسوله عليه السلام لانه اذ ذلك يصير القرآن مقدورا عليه حين شيب بالباطل ولما قدر عليه لم يكن حجة ولا آية وخرج عن ان يكون معجزا۔ فالقائل بان القرآن فيه زيادة ونقصان رادل كتاب الله ولما جاء به الرسول وكان كمن قال الصلوات المفروضات خمسون صلوة وتزوج تسع من النساء حلال وقد فرض الله اياما مع شهر رمضان الى غير ذلك مما لم يثبت في الدين فاذا ردها بالاجماع كان الاجماع على القرآن اثبت واكد والزم واوجب (اه)

وايضا قال:- بنع في زماننا هذا زانغ زانغ عن الملة وهجم على الامة بما يجادل به ابطال

الشريعة التي لا يزال الله يؤيدها ويثبت اسها ويمنى فرعها ويحرسها عن معايب اولي الجنف والجور ومكاييد اهل العداوة والكفر۔ فزعم ان المصحف الذي جمعه عثمان رضى الله عنه

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ﴿۱۳﴾ وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ

اور ہم نے بنائے ہیں آسمان میں برج اور رونق دی اس کو دیکھنے والوں کی نظر میں فل اور محفوظ رکھا ہم نے اس کو ہر شیطان اور ہم نے بنائے ہیں آسمان میں برج اور رونق دی اس کو دیکھوں کے آگے۔ اور بچا رکھا اس کو ہر شیطان

رَجِيمٍ ﴿۱۴﴾ إِلَّا مَنْ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ بِشَهَابٍ مُبِينٍ ﴿۱۵﴾ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا

مردود سے مگر جو چوری سے سن بھاگا سو اس کے پیچھے پڑا انگارہ چمکتا ہوا فل اور زمین کو ہم نے پھیلا یا مردود سے۔ مگر جو چوری سے سن گیا، سو اس کے پیچھے پڑا انگارہ چمکتا۔ اور زمین کو ہم نے پھیلا یا

وَالْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ ﴿۱۶﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا

اور رکھ دیے اس پر بوجھ اور اگائی اس میں ہر چیز اندازے سے اور بنا دیے تمہارے واسطے اس میں اور ڈالے اس پر بوجھ، اور اگائی اس میں ہر چیز اندازے کی۔ اور بنا دیں تم کو اس میں

مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ﴿۱۷﴾ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنزِّلُهُ إِلَّا

معیشت کے اسباب اور وہ چیزیں جن کو تم روزی نہیں دیتے فل اور ہر چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں اور اتارتے ہیں ہم روزیاں، اور (ان کو) جن کو تم نہیں روزی دیتے۔ اور ہر چیز کے ہم پاس خزانے ہیں، اور اتارتے ہیں ہم

بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ﴿۱۸﴾ وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاحٍ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا

اندازہ معین پر فل اور چلائیں ہم نے ہوائیں اوس بھری پھراتا ہم نے آسمان سے پانی پھر تم کو وہ پلایا فل اور تمہارے پاس ٹھہرے ہوئے اندازے پر۔ اور چلا دیں ہم نے ہوائیں (ہوائیں) دس بھری، پھر اتارا ہم نے آسمان سے پانی، پھر تم کو وہ پلایا، اور تم

أَنْتُمْ لَهُ بِخَزَائِنٍ ﴿۱۹﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِيكُمْ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ ﴿۲۰﴾ وَلَقَدْ عَلَّمْنَا

فل "برجوں" سے یہاں بڑے بڑے سیارات مراد ہیں بعض نے منازل شمس و قمر کا ارادہ کیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ برج وہ آسمانی قلعے ہیں جن میں فرشتوں کی جماعتیں پہرہ دیتی ہیں۔

فل یعنی آسمان کو ستاروں سے زینت دی۔ رات کے وقت جب بادل اور گردوغبار نہ ہو، بیشمار ستاروں کے نقروں سے آسمان دیکھنے والوں کی نظر میں کس قدر خوبصورت اور بد عظمت معلوم ہوتا ہے اور شور و فکڑ کرنے والوں کے لیے اس میں کتنے نشان حق تعالیٰ کی صنعت کاملہ، حکمت عظیمہ اور وحدانیت مطلقہ کے ہاتے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان سے لڑتے اتارنے یا ان کو آسمان پر چڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اگر ماننا چاہیں تو آسمان وزمین میں قدرت کے نشان کیا تھوڑے ہیں جنہیں دیکھ کر کچھ دار آدمی توحید کا سن بہت آسانی سے حاصل کر سکتا ہے۔ ایسے روشن نشان دیکھ کر انہوں نے کیا معرفت حاصل کی؟ جو آسمانہ ترقی رکھی جائے۔

فل یعنی آسمانوں پر خیالین کا کچھ مثل دہل نہیں پلتا۔ بلکہ بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے تو ان کا گرد بھی وہاں نہیں ہو سکتا۔ اب استہابی کو شش ان کی یہ ہوتی ہے کہ ایک شیطانی سلسلہ قائم کر کے آسمان کے قریب پہنچیں اور عالم ملکوت کے نزدیک ہو کر اخبار غیبیہ کی اطلاعات حاصل کریں، اس پر بھی فرشتوں کے پہرے ٹھہا دیئے گئے ہیں کہ جب خیالین ایسی کوشش کریں اور ہر سے آخباری کی جائے۔ لیسوں قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی ایسی امور کے

نہیں اس کا خزانہ اور ہم ہی ہیں جلائے والے اور مارنے والے اور ہم ہی ہیں بچھے رہنے والے اور ہم نے جان رکھا ہے نہیں رکھتے اس کا خزانہ۔ اور ہم ہی ہیں جلاتے اور مارتے اور ہم ہی ہیں بچھے رہتے۔ اور ہم نے جان رکھا ہے

الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ﴿۲۴﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ إِنَّهُ

آگے بڑھنے والوں کو تم میں سے اور جان رکھا ہے بچھے رہنے والوں کو قرآن اور تیرا رب وہی اکٹھا کر لائے گا ان کو بیشک وہی ہے جو آگے بڑھے ہیں تم میں، اور جان رکھے ہیں پچھاڑی والے۔ اور تیرا رب، وہی گھیر لاوے گا ان کو، بے شک وہی ہے

### حَكِيمٌ عَلَيْهِ ۞

حکمتوں والا خبردار قرآن

حکمتوں والا خبردار۔

### بیان توحید

= متعلق آسمانوں پر جب کسی فیصلہ کا اعلان ہوتا ہے اور خداوند قدوس اس سلسلہ میں فرشتوں کی طرف وحی بھیجتا ہے تو وہ اعلان ایک خاص کیفیت کے ساتھ اوپر سے نیچے کو درجہ بدرجہ پہنچتا ہے آخر سماء دنیا پر اور بخاری کی ایک روایت کے موافق "عمان" (بادل) میں فرشتے اس کا مذاکرہ کرتے ہیں۔ شیاطین کی کوشش ہوتی ہے کہ ان معاملات کے متعلق فیسی معلومات حاصل کریں، اسی طرح جیسے آج کوئی پیغام بذریعہ وائرس ٹیلیفون جا رہا ہو اسے بعض لوگ راستہ میں جذب کرنے کی تدبیر کرتے ہیں، ناگہاں اوپر سے ہم کا گولہ (شہاب ثاقب) پھلتا ہے۔ اور ان ٹیسی پیغامات کی چوری کرنے والوں کو مجروح یا ہلاک کر کے چھوڑتا ہے۔ اسی دوا دوش اور ہنگامہ دار و گیزر میں جو ایک آدھ بات شیطان کو ہاتھ لگ جاتی ہے وہ ہلاک ہونے سے پیشتر بڑی عجلت کے ساتھ دوسرے شیاطین کو اور وہ شیاطین اپنے دوست انسانوں کو پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کاسن لوگ اسی ادھوری بات میں سینکڑوں جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر عوام کو ٹیسی خبریں بتلاتے ہیں۔ جب وہ ایک آدھ سماوی بات سچی نکلتی ہے تو ان کے معتقدین اسے ان کی سچائی کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اور جو سینکڑوں بنائی ہوئی خبریں جھوٹی ثابت ہوتی ہیں ان سے اغماض و تغافل برتا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث نے یہ واقعات بیان کر کے متنبہ کر دیا کہ کسی ادنیٰ اور چھوٹی سے چھوٹی سچائی کا سرچشمہ بھی وہی عالم ملکوت ہے۔ شیاطین الجن والانس کے خزانہ میں بجز کذب و افتراء کوئی چیز نہیں۔ نیز یہ کہ آسمانی انتقامات اس قدر مکمل ہیں کہ کسی شیطان کی مجال نہیں وہاں قدم رکھ سکے یا باوجود انتہائی ہردو جہد کے وہاں کے انتقامات اور فیصلوں پر معتد بہ دسترس حاصل کر لے۔ باقی جو ایک آدھ جملہ ادھر ادھر کافر فرشتوں سے سن بھاستا ہے حق تعالیٰ نے ارادہ نہیں کیا کہ اس کی قطعاً بندش کر دی جائے۔ وہ چاہتا تو اس سے بھی روک دیتا مگر یہ بات اس کی حکمت کے موافق تھی۔ آخر شیاطین الجن والانس کو جن کی بابت اسے معلوم ہے کہ کبھی انواء و اضلال سے باز نہ آئیں گے اتنی طویل مہلت اور مغویانہ اسباب و وسائل پر دسترس دینے میں کچھ نہ کچھ حکمت تو سب کو مانتی پڑے گی۔ اسی طرح کی حکمت یہاں بھی سمجھ لو۔

(تنبیہ) شیاطین ہمیشہ شہابوں کے ذریعہ سے ہلاک ہوتے رہتے ہیں۔ مگر جس طرح قلب جنوبی اور شمالی کی بلند تر چوٹی کی تھمیں کرنے والے مرتے رہتے ہیں اور دوسرے ان کا یہ انہام دیکھ کر اس مہم کو ترک نہیں کرتے۔ اسی پر شیاطین کی مسلسل ہردو جہد کو قیاس کر لو۔ یہ واضح رہے کہ قرآن و حدیث نے یہ نہیں بتلایا کہ فہم کلد جو صرف رحم شیاطین ہی کے لیے ہوتا ہے۔ ممکن ہے ان کے وجود سے اور بہت سے مصالح وابستہ ہوں اور حسب ضرورت یہ کام بھی لایا جاتا ہو۔ واللہ اعلم۔

۱ یعنی لو کہ پا کر حیوانات و غیرہ جن سے کام اور ندمت ہم لیتے ہیں اور روزی ان کی خدا کے ذمہ ہے۔

۲ یعنی جو چیز بتنی مقدار میں چاہے پیدا کر دے، نہ کچھ تعب ہوتا ہے نہ تکلیف اور ارادہ کیا اور وہ چیز موجود ہوتی۔ گویا تمام چیزوں کا خزانہ اس کی لامحدود قدرت ہوئی جس سے ہر چیز حکمت کے موافق ایک معین نظام کے ماتحت ظہرے ہوئے اندازہ پر بلا کم و کاست نکلی ہوئی آتی ہے۔

۳ یعنی برساتی ہوائیں بھاری بھاری ہادلوں کو پانی سے بھر کر لاتی ہیں، ان سے پانی برتا ہے جو نہروں، چشموں اور کنوؤں میں جمع ہو کر تمہارے کام آتا ہے۔ خدا چاہتا تو اسے پینے کے قابل نہ چھوڑتا لیکن اس نے اپنی مہربانی سے کس قدر شیریں اور لطیف پانی تمہارے ہارہ مینڈ پینے کے لیے زمین کے مسام میں جمع کر دیا۔

۴ یعنی خادہ ہارش کے خزانہ پر تمہارا قبضہ ہے۔ نہ بچے بچھے اور نہ تھیں تمہارے اختیار میں ہیں۔ خدا جب چاہے ہارش برساتے، رجم روک سکتے ہونہ اپنے حسب =

قَالَ تَتَلَوْنَ: ﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا... أَلَيْسَ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ﴾

ربط:..... گزشتہ آیات میں آنحضرت ﷺ کی نبوت پر جو مشرکین کے شبہات تھے ان کا رد فرمایا اب ان آیات میں اپنی الوہیت اور وحدانیت اور قدرت کے دلائل بیان فرماتے ہیں کچھ تو آسمانی چیزوں سے اور کچھ زمینی چیزوں سے ان میں سے پہلی دلیل یہ ہے کہ آسمان کے بارہ برج ہیں۔ یعنی آسمان کے بارہ کڑے مثل خر بوزہ کے پھانک کے مختلف شکل کے ستاروں سے پیدا ہو گئے ہیں۔ ہر برج میں جس جانور کے ہم شکل ستارے ہیں وہ برج اسی نام سے عرب میں مشہور ہو گیا۔ حمل، ثور، جوزاء، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔ یہ حق تعالیٰ کی قدرت کی عجیب نشانی ہے کہ اس نے ایسی عجیب و غریب اشیاء کو پیدا فرمایا۔ اور دوسری دلیل ﴿وَالْأَرْضَ مَدَدًا لِّهَا﴾ الخ سے ذکر فرمائی کہ زمین کو پیدا کرنا اور اس میں پہاڑوں کا بنانا۔ اور قسم قسم کے اشجار و نباتات کا اس سے اگانا یہ بھی اس کی قدرت کاملہ کی روشن دلیل ہے اور تیسری دلیل ﴿وَلَقَدْ أَسَلْنَا الرَّبَّ الْبَرَّحَ لَوَالِحِ﴾ سے ذکر فرمائی پھر اخیر میں اثبات توحید کے بعد حشر و نشر کا ذکر فرمایا ﴿وَإِنَّا لَنَعْلَمُ لُنُحًى وَآلِهَيْهِ﴾ اور ﴿وَإِنَّا لَنَعْلَمُ هُمُومَهُمْ﴾ میں اثبات قیامت فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں۔

### پہلی دلیل

اور البتہ تحقیق بنائے ہم نے آسمان میں برج جن کی ہمتیں اور صفتیں اور کیفیتیں مختلف ہیں آسمان بارہ برجوں پر منقسم ہے ہر بارہویں حصہ کا نام برج ہے پھر یہ بارہ برج اٹھائیس منزلوں پر منقسم ہیں اور ہر برج کے لیے دو منزلیں اور ٹکٹ مقرر ہیں یہ اٹھائیس منزلیں تھری ہیں اور ہر برج کے تیس درجے مقرر ہیں اور بارہ برجوں کے تین سو ساٹھ درجے ہیں ان سب درجوں کو جب سورج طے کر لیتا ہے تو اس کا ایک دورہ پورا ہوتا ہے یہ دورہ تمام فلک کا ہے سورج اس کو ایک سال اور چاند اٹھائیس دن میں طے کرتا ہے اور بروج، کواکب سبع سیارہ کے لیے منزلیں ہیں مریخ کے لیے حمل اور عقرب ہے اور زہرہ کے لیے ثور اور میزان ہے اور عطارد کے لیے جوزاء اور سنبلہ ہے اور قمر کے لیے سرطان اور ثمس کے لیے اسد اور مشتری کے لیے قوس اور حوت اور زحل کے لیے جدی اور دلو ہے اور جو لوگ ان علوم میں اشتعال رکھتے ہیں ان کا قول ہے کہ حمل اور اسد اور قوس کی طبیعت آتش ہے اور ثور اور سنبلہ اور جدی کی طبیعت خاکی ہے اور جوزاء اور دلو اور میزان کی طبیعت ہوائی ہے اور سرطان اور عقرب اور حوت کی آبی ہے۔

خواہل ناسکتے ہو اور اگر کنوؤں اور حوضوں کا پانی خشک کرنے یا زیادہ بچے اتار دے کہ ہماری دسترس سے باہر ہو جائے تو کیسے کا بوجھ کر سکتے ہو۔  
ایک دفعہ دیکھا ہوا ہے، ایک دفعہ اہل کامل صفات کے ساتھ ہائی رہے گا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ "ہر کوئی مرہاتا ہے اور اس کی کمانی اللہ کے ہاتھ میں رہتی ہے۔"

لیکن ایسی آگاہی کوئی شخص یا اس کے اعمال ہمارے معاملہ سے باہر نہیں، حق تعالیٰ کو اول سے ہر چیز کا تفصیلی علم ہے، اسی کے مطابق دنیا میں پیش آتا ہے اور اسی کے موافق آفت میں تمام مخلوق کا اعلان کیا جائے گا۔

۱ (تفسیر) آگے بڑھنا اور پیچھے رہنا نام ہے۔ ولادت میں ہو یا موت میں، یا اسلام میں، یا نیک کاموں میں، صلوات سزا میں آگے پیچھے رہنا بھی نیک کام کے ذیل میں آگیا۔

۲ پہلی ایک ایک ذرہ اس کے علم میں ہے۔ جب اس کی حکمت مطلق ہوگی کہ سب کو ایک وقت اعلان کے لیے اکٹھا کیا جائے تو کچھ دشواری نہ ہوگی۔ قبر کی مٹی، مالوں کے ہیٹ، ہنڈریک، ہوائی لٹا میں یا جہاں نہیں کسی چیز کا کوئی جو ہو گا وہ اپنے علم مجدد اور قدرت کاملہ سے جمع کر دے گا۔



خلاصہ کلام یہ کہ بروج سے کواکب سب سے سیارہ کے منازل مراد ہیں اور مجاہد رضی اللہ عنہ اور قتادہ رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ بروج سے ستارے مراد ہیں اور بعضے جاہل یہ کہتے ہیں کہ آسمان کوئی چیز نہیں بہت سے بہت ایک منتہائے بصر اور حد نظر ہے۔ ان کا جواب یہ ہے کہ یہ بالکل مہمل ہے اس لیے کہ آسمان کا عکس دریا اور جھیل اور تمام پانیوں اور پانی کے برتنوں میں نظر آتا ہے اور عکس کے لیے ضروری ہے کہ وہ شے موجود ہو۔ معدوم کا عکس موجود نہیں ہوتا۔

اور ہم نے دیکھنے والوں کے لیے آسمان کو سورج اور چاند اور ستاروں سے آراستہ کیا تاکہ ان کو دیکھ کر ان کے پیدا کرنے والے کی قدرت اور حکمت پر دلیل پکڑیں اور ہم نے آسمان کو ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا کہ وہ آسمانوں پر چڑھ نہیں سکتے اور نہ وہاں کے حالات سے مطلع ہو سکتے ہیں۔ شیطانوں کی آسمان تک رسائی نہیں۔ مگر ہاں جو شیطان آسمان سے ورے ہیں چوری چھپے سے کان لگا کر فرشتوں کی کوئی بات سنتے ہیں تو اس کے پیچھے ایک چمکتا ہوا شعلہ ہو لیتا ہے جس سے وہ شیطان یا تو ہلاک ہو جاتا ہے یا بدحواس ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان ہر طرح شیاطین سے محفوظ ہے وہاں کسی کی رسائی ممکن نہیں مگر آسمان کے قریب تک جاتے ہیں اور وہاں فرشتوں میں جو گفتگو ہوتی ہے اس میں سے کوئی ایک آدھ بات چوری سے سن کر بھاگتے ہیں شیاطین جب کوئی خبر سننے کے لیے آسمان کے قریب جاتے ہیں تو آگ کا ایک شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔ شیطان اس سے بھاگتا ہے کبھی وہ شعلہ اسے آگتا ہے جس سے وہ ہلاک یا زخمی ہو جاتا ہے اور کبھی وہ اس کی زد سے بچ لگتا ہے اور جو کلمہ وہاں سے سن کر بھاگتا ہے اس کو کاہن پر القاء کرتا ہے کاہن اسے سو باتیں اپنی طرف سے ملا کر مشتہر کر دیتا ہے صرف وہ ایک بات ان باتوں میں سچی نکلتی ہے لوگ ایک سچی بات پر اس کے معتقد ہو جاتے ہیں مگر اس کے سوجھوٹوں کی طرف خیال نہیں کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے شیاطین برابر آسمانوں پر جایا کرتے تھے اور وہاں کی خبریں کاہنوں سے آکر بیان کیا کرتے تھے۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد صرف چوتھے آسمان تک جاتے تھے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو بالکل ان کی آمد و رفت بند کر دی گئی اب جو آسمان پر خبریں چرانے جاتا ہے شہاب ثاقب سے اس کو مارا جاتا ہے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ شہاب ثاقب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی چھوڑے جاتے تھے مگر ان میں شدت اور کثرت نہ تھی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اس میں شدت اور کثرت ہو گئی جس سے شیاطین اور جنات میں کھلبلی پڑ گئی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اس کا اہتمام زیادہ ہو گیا اور آسمان کی حفاظت اور حراست میں اور زیادتی ہو گئی خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس نبی اور رسول کو تم دیوانہ اور مجنون کہتے ہو یہ کواکب اور نجوم اس کی حفاظت اور حراست کا سامان ہیں اور خدائے برتر کی قدرت کا نشان ہیں۔

(دیکھو مدار المسیر: ۳۸۸/۴، تفسیر قرطبی: ۱۰/۱۱، وروح البیان: ۴۴۹/۴)

### دلیل دوم

اوپر عالم طلوی کے حالات سے حق تعالیٰ کی خالقیت اور وحدانیت کو بیان کیا اب عالم سفلی کے حالات سے اپنی خالقیت اور وحدانیت کو ثابت کرتے ہیں کہ زمین کو پیدا کرنا اور اس کو پھیلانا جس پر ہیشمار مخلوق آباد ہو سکے اور پھر پہاڑوں کا

قائم کرنا اور پھر زمین میں بندوں کی روزی اور سامان زندگی کو پیدا کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب اس کی قدرت اور حکمت کے دلائل ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

اور زمین کو ہم نے پھیلا یا۔ اور اتنا وسیع کیا کہ بیشمار مخلوق اس پر آباد ہو سکے اور ہم نے زمین میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے تاکہ زمین جنبش نہ کر سکے اور اگائی ہم نے اس زمین میں ہر چیز مناسب اندازہ کے ساتھ ہر چیز کو اپنی علم و حکمت سے ایک اندازہ کے ساتھ پیدا کیا۔ کوئی چیز عبث اور بے فائدہ نہیں اور اس زمین میں تمہارے لیے سامان معیشت پیدا کیا۔ یعنی تمہارا کھانا، پینا اور کپڑا جس پر تمہاری زندگی کا دار و مدار ہے سب زمین سے پیدا کیا اور تمہارے فائدہ کے لیے زمین میں ہم نے ان اشخاص کو پیدا کیا جن کے تم روزی دینے والے نہیں یعنی اہل و عیال اور خدام اور جانور چرند اور پرند کو تمہاری خاطر پیدا کیا اور ان سب کا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے تم نہیں۔ آیت کا یہ مطلب اس صورت میں ہوگا کہ جب ﴿وَمَنْ لُّسْتُمْ لَهٗ﴾ کا عطف معایش پر ہو اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿وَمَنْ لُّسْتُمْ لَهٗ﴾ کا عطف لکم ضمیر مجرور پر ہے اور تقدیر کلام اس طرح ہے ﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لُّسْتُمْ لَهٗ﴾ الخ اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہارے لیے بھی سامان زندگی پیدا کیا اور تمہارے اہل و عیال اور خدام کے لیے بھی سامان زندگی پیدا کیا اور تمہارے سامان معاش و رزق میں سے کوئی شے ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور نہیں اتارتے ہم زمین پر اپنے خزانہ غیب سے مگر ٹھہرے ہوئے اندازہ کے مطابق یعنی گو ہمارے خزانہ میں سب کچھ ہے مگر دنیا میں اندازہ مقرر کے ساتھ اتارتے ہیں ہمارے علم اور حکمت میں جو اندازہ مقرر ہے اس کے مطابق اترتا ہے۔ اس میں نہ زیادتی مقصود ہے اور نہ کمی۔

### دلیل سوئم

اور ہم نے ہوائیں چلائیں جو بادلوں کو پانی سے حاملہ یعنی بار آور بناتی ہیں اور پھر ہم آسمان سے پانی اتارتے ہیں اور پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں اور تم اس کا ذخیرہ نہیں رکھ سکتے تھے یہ خزانہ اللہ کے پاس ہے اور وہی اس کا محافظ ہے بقدر معلوم تم کو اس سے ملتا رہتا ہے اگر ہم بارش نازل نہ کرتے تو تم کہاں سے اتنا پانی لاتے۔

### اشبات معاد

یہ تمام امور اس کی قدرت اور خالقیت کے دلائل تھے۔ اب آگے معاد کو بیان فرماتے ہیں اور تحقیق ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں ہمارے سوا کسی کی قدرت نہیں اور ہم ہی سب کے دارث ہیں۔ سب فنا ہو جائیں گے اور سب کے بعد ہم ہی باقی رہیں گے پھر شخص مرجاتا ہے اور اس کی کمائی اللہ کے ہاتھ میں رہتی ہے۔

اور البتہ تحقیق ہم نے خوب جان رکھا ہے دلالت اور موت اور اسلام اور اطاعت اور صرف جماعت اور صرف جہاد وغیرہ وغیرہ میں آگے بڑھنے والوں کو اور البتہ تحقیق ہم نے خوب جان رکھا ہے پیچھے رہنے والوں کو۔ ہماری اس تفسیر میں اشارہ اس طرف ہے کہ آگے بڑھنا اور پیچھے رہنا عام ہے۔ خواہ باعتبار ولادت اور موت کے ہو یا باعتبار اسلام اور اطاعت کے ہو یا



الْمَلِيكَةَ كُلَّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٣٠﴾ إِلَّا إِبْلِيسَ ط أَلَمْ يَكُن مَعَ السَّاجِدِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ

ان فرشتوں نے سب لے مل کر مگر ابلیس نے نہ مانا کہ ساتھ ہو سجدہ کرنے والوں کے فرمایا  
ان فرشتوں نے سارے اکٹھے۔ مگر ابلیس نے۔ نہ مانا کہ ساتھ ہو سجدہ کرنے والوں کے۔ فرمایا،

يَا إِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ لَمْ أَكُنْ لِأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ

اے ابلیس کیا ہوا تجھ کو؟ کہ نہ ساتھ ہوا سجدے والوں کے۔ بولا، میں وہ نہیں سجدہ کروں ایک بشر کو تو نے بنایا  
اے ابلیس! کیا ہوا تجھ کو؟ کہ نہ ساتھ ہوا سجدے والوں کے۔ بولا، میں وہ نہیں سجدہ کروں ایک بشر کو کہ تو نے بنایا

صُلْصَالٍ مِنْ حَمِيمٍ مَسْنُونٍ ﴿٣٣﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٣٤﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ

کھٹکتاتے گئے ہوئے گارے سے گرمایا تو تو نکل یہاں سے ذل تجھ پر مارے ہے قتل اور تجھ پر پھٹار ہے  
کھٹکتاتے سے گارے سے۔ فرمایا تو تو نکل یہاں سے، تجھ پر چیٹک مار ہے۔ اور تجھ پر پھٹکار ہے

إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ﴿٣٥﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ ﴿٣٦﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ

اس دن تک کہ انصاف ہو قیام بولا اے رب تو مجھ کو ڈھیل دے اس دن تک کہ مردے زندہ ہوں فرمایا کہ تو تجھ کو  
انصاف کے دن تک۔ بولا، اے رب! تو مجھ کو ڈھیل دے اس دن تک کہ مردے جیویں۔ فرمایا تو تجھ کو

الْمُنظَرِينَ ﴿٣٧﴾ إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْبَعْلُومِ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي

ڈھیل دی اسی مقرر وقت کے دن تک ذل بولا اے رب جیسا تو نے مجھ کو راہ سے کھو دیا میں بھی ان سب کو بہاؤں دکھاؤں گا  
ڈھیل دی ہے۔ اسی ٹھہرے وقت کے دن تک۔ بولا، اے رب! جیسا تو نے مجھ کو راہ سے کھویا، میں ان کو بہاؤں دکھاؤں گا

الْأَرْضِ وَلَا أُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٣٩﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿٤٠﴾ قَالَ هَذَا صِرَاطٌ

زمین سے اور راہ سے کھوؤں گا ان سب کو مگر جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں قتل فرمایا یہ راہ ہے  
زمین میں، اور راہ سے کھوؤں گا ان سب کو۔ مگر جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔ فرمایا، یہ راہ ہے

عَلَيْكَ مُسْتَقِيمٌ ﴿٤١﴾ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَنٌ إِلَّا مَنْ اتَّبَعَكَ مِنْ

لہتے ہیں۔ بہر حال ڈھیل کھلے بندے سے پیدا کیا گیا جس میں عنصر ذلی غالب تھا اور ذلوں کھلے اس ملوہ سے پیدا ہوا جس میں ناری عنصر کا غلبہ تھا۔ ابلیس بھی ہی اس میں تھا۔  
ذال یعنی آدم کا چچا ٹھیک کر کے اس قابل کر دوں کہ روح انسانی فاضل کی جا بکے پھر اس میں ہاں ڈال دوں جس سے ایک جماد انسان بن جاتا ہے، اس وقت  
تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ سب سجدہ میں گر پڑو۔

(تجیب) "روح" (جان) کی اضافت جو اپنی طرف کی یہ محض تشریف و تکبر اور روح انسانی کا امتیاز ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ یعنی وہ خاص  
"جان" جس میں نمود ہے میری صفات (علم و تدبیر وغیرہ) کا، اور جو اصل لطرت سے مجھے یاد کرنے والی اور بسبب خصوصی لطالت کے مجھ سے نسبتاً قریبی علاقہ  
رکھنے والی ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے دوسرے عنوان سے اس اضافت پر روشنی ڈالی ہے فرماتے ہیں اگر آفتاب کو لات گویائی مل جائے اور وہ کہے کہ میں  
نے اپنے نور کا فیض زمین کو پہنچایا تو سبھی لٹا (اینا نور) غلط ہوگا؟ جب یہ کہنا صحیح ہے مالا نکہ یہ آفتاب زمین میں طول کرتا ہے اس کا نور اس سے جدا ہوتا ہے،  
بلکہ زمین سے لاکھوں میل دور رہ کر بھی روشنی کی ہاگ اسی کے قبضہ میں ہے، زمین کا کچھ اختیار نہیں چلتا، پھر اس کے کہ اس سے بعد راہی استعداد کے قطع مامل  
کرتی رہے، تو درواہ الراد خدا کا یہ فرمانا کہ میں نے آدم میں اپنی روح پھونکی، عقول و اجساد وغیرہ کی دلیل کیسے بن سکتی ہے۔ "روح" کے متعلق مناسب کلام  
ان شاء اللہ آئندہ (لَوْ تَسَاءَلُوْا ذٰلِكَ عَنِ الرُّوْحِ ۗ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي ۗ مَا كُنْتُمْ بِعِنْدِي إِلَّا خِلَافٌ مُّبِينٌ) میں لکھا جائے گا۔

ذال یعنی جنت سے یا آسمان سے یا اس مقام عالی سے نکل جہاں اب تک پہنچا ہوا تھا۔ ذال یعنی مردود و مطرود ہے یا "رجیحہ" سے اٹلہ اسی طرف ہے جو  
پہلے کزماک شہاب سے زمین پر جا ہوتا ہے جو یاں لٹو میں اس کے شکار ہو کر دیا گیا کہ =

مجھ تک سیدی قیل جو میرے بندے میں تیرا ان ہد کچھ زور نہیں مگر جو تیری راہ چلا  
مجھ تک سیدی۔ جو میرے بندے ہیں، تجھ کو ان پر زور نہیں، مگر جو تیری راہ چلا

الْغَوِينَ ﴿۳﴾ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۴﴾ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِّكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ  
بیکے ہوؤں میں قیل اور دوزخ پر وعدہ ہے ان سب کاؤں اس کے ساتھ دروازے ہیں ہر دروازہ کے واسطے ان میں سے ایک فرقہ ہے  
خراب لوگوں میں۔ اور دوزخ پر وعدہ ہے ان سب کا۔ اس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازہ ان میں ایک فرقہ

### جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ﴿۳﴾

پاشا ہواؤں

بشار ہے۔

### ذکر پیدائش انس و جن و قصہ پیدائش آدم علیہ السلام

قَالَ تِلْكَ: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ...﴾ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ﴿۳﴾

رہلہ: ..... اوپر کی آیتوں میں حق جل شانہ نے حیوانات کی پیدائش سے اپنی قدرت اور خالقیت کا ذکر فرمایا اب یہاں جن و  
انس سے اسی مقصود پر استدلال فرماتے ہیں اور جان سے مراد یہاں جنوں کا باپ ہے جس طرح اوپر کی آیتوں میں انسان سے

تیرا بھروسہ انکار کرنا صرف عصری کی بناء پر نہیں۔ فضل و شرف تو اسی کے لیے ہے جسے خدا تعالیٰ سرسراز فرمائے۔ ہاں تیرے اہل و عیال کا ملاحظہ وہ  
مخاطب وہ پہنچتی ہے جو تیری سوا استعداد کی وجہ سے مقدر ہو چکی ہے۔

قیل یعنی قیامت کے دن تک خدا کی پھلکار اور بندوں کی طرف سے لعنت پڑتی رہے گی۔ اس طرح آنا ناخیر سے امید تو ہوتا رہے گا۔ جب قیامت تک تو زمین  
خیر کی نہ ہوگی تو اس کے بعد تو کوئی موقع ہی نہیں کیونکہ آخرت میں ہر شخص وہی کالے گا جو یہاں بڑا ہے۔ یا یوں کہو کہ قیامت کے دن تک لعنت رہے گی۔ اس  
کے بعد جو بیٹھا قسم کے مذاپ ہوں گے وہ لعنت سے نہیں زیادہ ہیں، یا "إِلَىٰ نَقْمِ الَّذِينَ" کا لفظ دوام سے کنایہ ہے۔

قیل یعنی اس وقت تک تجھے ذمیل دی جاتی ہے جی کھول کر ارمان نکال لے۔ اس واقعہ کی تفصیل "بقرة" اور "اعراف" میں گزر چکی ہے۔ ہم نے "اعراف"  
کے دوسرے رکوع میں اس کے اجزاء پر جو کچھ کلام کیا ہے اسے ملاحظہ کر لیا جائے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

قیل یعنی دنیا کی بہاریں دکھلا کر ظواہشات انسانی کے حال میں پھنساؤں گا اور تیرے مخصوص و منتخب بندوں کے سوا سب کو راہ حق سے ہٹا کر ہوں گا۔ یہ کلمات لعین  
نے جوش انعام میں کہے۔ مطلب یہ تھا کہ آپ کا تو کچھ بگاڑ نہیں سکتا، لیکن جس کی وجہ سے میں دور بھیٹا گیا ہوں اپنی قدرت اور بساط کے موافق اس کی نسلوں  
تک سے ہٹانے کر چھوڑوں گا۔ سورہ "اعراف" میں اس موضوع پر ہم نے جو کچھ لکھا ہے ملاحظہ کیا جائے۔

قیل یعنی بیٹک بندی اور انعام کی راہ سیدی میرے تک پہنچتی ہے اور یہی میرا صاف اور سیدھا راستہ ہے جس میں کوئی صبر پھیر نہیں کہ جو بندے عبودیت و  
انعام کی راہ اختیار کریں گے وہی شیطان لعین کے لنگھ سے ماسون رہیں گے۔ بعض مفسرین نے "هَذَا صِرَاطٌ عَلِيُّ مَشَقَّقٌ لَّكُمْ لَوْ تَبَدَّدْتُمْ بِهِ حُلْمًا" یعنی  
اوصولن الکرول کو صراط مستقیم سے گمراہ کر کے کہاں بھاگے گا وہ کون سا راستہ ہے جو ہماری طرف نہ مانتا ہو۔ پھر ہماری سزا سے بچ کر کہہ رہا سکتا ہے اس وقت کلام  
ایسا ہو گا جیسے کہتے ہیں "إِنَّمَا عَلَّمْنَا صِدْقًا لِّكُلِّ لُغَةٍ" اور قرآن میں دوسری جگہ فرمایا "إِنَّمَا عَلَّمْنَا لُغَةَ الْبَرِّ صِدْقًا" واللہ اعلم۔

قیل یعنی بیٹک پنپنے ہوئے بندوں پر جن کا ذکر اوپر ہوا تھا کچھ زور نہ ملے گا یا یہ مطلب ہو کہ کسی بندے پر بھی تیری زبردستی نہیں مل سکتی۔ ہاں جو خود ہی بہک کر  
اپنی عیالت و عمارت سے تیرے بچے ہو لیا وہ اپنے انعام سے فراب و بر باد ہو۔ جیسے پہلے خود شیطان کا متولہ کر چکا ہوتا تھا "إِنَّمَا عَلَّمْنَا لُغَةَ الْبَرِّ صِدْقًا" اور

لَنْ نَّعْزِمَكَ لُغَةَ الْبَرِّ صِدْقًا

تمام انسانوں کے باپ مراد ہیں دونوں میں فرق یہ ہے کہ آدمیوں کا باپ، ایسے مادہ سے پیدا کیا گیا جس میں عنصر ترابی غالب تھا اور جنوں کا باپ ایسے مادہ سے پیدا کیا گیا جس میں عنصر ثاری کا غلبہ تھا۔ ابلیس اسی قسم میں سے تھا اللہ تعالیٰ نے ان دو مختلف نوعوں کو پیدا کیا اور ایک دوسرے کا دشمن بنایا۔ چنانچہ آئندہ آیات میں ان دونوں عوں کی خلقت اور باہمی عداوت کا ذکر فرماتے ہیں۔

اور بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو یعنی آدم علیہ السلام کو جو نوع انسانی کی اصل اور فرد اول ہیں۔ بجتی ہوئی مٹی سے جو بنی تھی سڑے ہوئے گارے سے حضرت آدم علیہ السلام کی اصل اور ابتدا قراب ہے یعنی خاک کے متفرق اجزاء پھر اس کو پانی میں تر کیا تو وہ طین ہو گئی پھر کچھ دیر کے بعد طین لازب یعنی چمکتی ہوئی لیس دار ہو گئی پھر حما مسنون یعنی سڑا ہوا اور بد بودار گارا ہو گیا۔ پھر خشک ہو کر وہ صلصال بننے والی ہو گئی۔ ﴿وَخَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾۔ انسان کو بننے والی مٹی سے بنایا جیسے ٹھیکرا۔ اور فخار اس مٹی کو کہتے ہیں جو آگ میں پکائی گئی ہو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ اور انسان کے پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ نے جان یعنی ابوالجن کو لو کی آگ سے پیدا کیا۔

جہور مفسرین کے نزدیک جان پشیدہ نون جنوں کا باپ ہے جو ایسی لطیف آگ سے پیدا کیا گیا جو لطافت کی وجہ سے مسامات میں گھس جاتی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جان سب جنوں کے باپ کا نام ہے اور حسن بصری رضی اللہ عنہ اور قتادہ رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے کہ جان سے ابلیس مراد ہے جو شیطانوں کا باپ ہے اور ان دونوں قولوں میں یہ فرق ہے کہ جنوں میں مسلمان بھی ہیں اور کافر بھی اور وہ کھاتے اور پیتے بھی ہیں اور پیدا بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ ان کا حال انسانوں جیسا ہے بخلاف شیاطین کے کہ ان میں کوئی مسلمان نہیں اور نہ وہ مرتے ہیں۔ سب کے سب ابلیس کے ساتھ مرے گئے جب ان کا باپ مرے گا تب وہ بھی مرے گا۔ (تفسیر خازن و قرطبی)

امام رازی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ جن ایک مستقل جنس ہے اور شیاطین دوسری جنس ہے مگر زیادہ صحیح اور راجح یہ ہے کہ شیاطین جنات کی ایک خاص قسم ہے جنات میں سے جو مومن ہو اس کو شیطان نہیں کہا جاسکتا ہے جنات میں سے جو کافر ہو صرف اس کو شیطان کہا جاتا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۵/۲۷۵ و تفسیر روح المعانی: ۱۳/۳۳)

علامہ صاوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اصول تین ہیں۔ آدم علیہ السلام ابوالبشر ہے۔ اور جان ابوالجن ہیں اور ابلیس ابو

۵ یعنی تیرے اور تیرے ساتھیوں کے لیے دوزخ کا جیل خانہ تیار ہے تم سب اسی گھاٹ اتار دے جاؤ گے۔

۶ بعض مصلحت نے "سبعتہ آتوا ب" سے دوزخ کے سات طبقے اور پانچے مراد لیے ہیں، چنانچہ ان کے نام ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بتلائے ہیں جہنم، سعیر، لہجی، حجر، سقر، جہنم ہادیہ۔ اور لفظ "جہنم" ایک خاص طبقہ اور مجموعہ طبقات دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک سات دروازے مراد ہیں، جن سے الگ الگ دوزخی داخل ہوں گے۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "جیسے بہشت کے آٹھ دروازے ہیں نیک عمل والوں پر بانٹے ہوئے، ویسے دوزخ کے سات دروازے ہیں بد عمل والوں پر بانٹے ہوئے۔ شاید بہشت کا ایک دروازہ اس لیے ہے کہ بعضے مومنین نے فضل سے جنت میں جائیں گے بغیر عمل کے۔ باقی عمل میں دروازے برابر ہیں۔"

الشیاطین ہے۔ (صاوی حاشیہ جلاہین: ۲/۲۹۶)

خداوند لطیف و خمیر نے اول ملائکہ کو نور سے بنایا ان کے بعد قوم جن کو نارِ سموم سے بنایا جن کا مادہ ملائکہ سے ذرا قریب تھا بعد ازاں انسان کو مٹی سے بنایا۔ جس کا مادہ کثیف ہے باقی رہے حیوانات گھوڑا اور گدھا اور تیل اور بھینس وغیرہ معلوم نہیں کہ کب بنائے گئے آدم علیہ السلام سے پہلے یا پیچھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نکتہ: ..... آدم علیہ السلام سے پہلے کوئی مخلوق مٹی سے نہیں بنائی گئی چونکہ مٹی کی خاصیت تذلل اور خاکساری ہے اس لیے آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا تاکہ خدا کے خشوع و خضوع کرنے والے بندے بنیں اور مقامِ عبدیت و عبودیت ان کو علیٰ وجہ الکرمال حاصل ہو اس لیے کہ ہر شے اپنی اصل جنس کی طرف مائل ہوتی ہے اس لیے آدم علیہ السلام نے خاکی ہونے کی وجہ سے تواضع اور خاکساری کو اختیار کیا۔ اور ابلیس نے ناری ہونے کی وجہ سے علو اور استکبار کی راہ کو اختیار کیا اور جسم خاکی کو حقیر جانا اور تکبر اور حسد نے ابلیس کو ایسا اندھا بنایا کہ وہ اس جسم انسانی کے انوار و آثار کو نہ سمجھ سکا جن کو خود دستِ قدرت نے خاک اور پانی سے بنایا اس لیے اب آئندہ آیات میں انسان کی فضیلت اور کرامت کو بیان کرتے ہیں۔ اور اولادِ آدم کے ساتھ ابلیس لعین کی عداوت کو بیان کرتے ہیں تاکہ آدم علیہ السلام کی اولاد باخبر رہے کہ شیطان کو اپنا دشمن جانے اور فرشتوں کو اپنا دوست جانے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں کھنکھاتے ہوئے سڑے ہوئے کالے کچڑے سے ایک

آدمی کا پتلا بنانے والا ہوں سو جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں یعنی خاص روح پھونک دوں جس سے وہ زندہ ہو جائے تو تم اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔ یہ سجدہ تمیہ و تعظیم تھا جو پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ سو جب اللہ تعالیٰ ان کو بنا چکا تو تمام فرشتوں نے اکٹھے ہو کر ایک بارگی ہی ان کو سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے تکبر کی وجہ سے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا۔ اس تعبیر میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ ملائکہ میں سے نہ تھا بلکہ ان کے ساتھ عبادت کرتا تھا۔ اور دوسری آیت میں تصریح ہے کہ وہ جنات میں سے تھا۔ کما قال تعالیٰ ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ﴾ ابلیس نے ازراہ تکبر اپنے کو بڑا سمجھا اور آدم علیہ السلام پر حسد کیا لیکن اللہ کے حکم کو نہ دیکھا۔ اللہ کا حکم سب سے بالا اور برتر ہے۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا اور ابلیس تجھے کیا امر مانع ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا۔ حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ فرشتے کس درجہ خدا کے مقرب بندے ہیں۔ ابلیس بولا میں وہ نہیں ہوں کہ ایک بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے کھنکھاتے ہوئے سڑے کالے کچڑے سے پیدا کیا۔

یعنی میرے اس سجدہ نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں اس سے بہتر ہوں میں پیدا ہوا ہوں آگ سے اور وہ پیدا ہوا ہے مٹی سے اور آگ مٹی سے افضل اور بہتر ہے۔ اس لیے کہ آگ جو ہر لطیف ہے اور بہترین عنصر ہے اور مٹی ایک جسم کثیف اور بدترین عنصر ہے مطلب یہ تھا کہ آدم علیہ السلام ایک جسم کثیف ہے اور میں ایک جسم روحانی اور لطیف ہوں اور لطیف کثیف سے اعلیٰ ہے۔ پس اہل ادنیٰ کو کیسے سجدہ کرے یہ سب اس کا خیال خام تھا جس پر کوئی دلیل نہ تھی اس لعین نے یہ نہ جانا کہ فضل و شرف کا دار و مدار اللہ کے حکم پر ہے نہ کہ مادہ اور ہیولی پر اور یہ نہ خیال کیا کہ فرشتے جو خالص نورانی ہیں اور ان میں ظلمت اور کدورت کا شائبہ نہیں وہ اس خلیفہ خاکی کو سجدہ کر رہے ہیں نیز فرشتوں کو جو علو منزلت اور قرب خداوندی حاصل ہے وہ اس کی نظروں کے

سامنے تھا ان کو دیکھ کر بھی یہ نہ سمجھا کہ جب خالص نور سے پیدا ہونا دلیلِ افضلیت کی نہیں تو نار سے پیدا ہونا کیسے افضلیت کی دلیل ہو سکتی ہے ابلیس نے محض تکبر اور حسد کی بناء پر آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور بہانہ یہ بنایا کہ آگ، گارے اور مٹی سے بہتر ہے جس پر کوئی دلیل نہیں جیسا کہ سورۃ بقرہ کی تفسیر میں ابلیس کی اس تلبیس و تدلیس کا مفصل جواب گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

### خلاصہ کلام

یہ کہ جب ابلیس نے ازراہ تکبر و غرور فرمانِ خداوندی کے مقابلہ میں اپنی رائے کو بہتر جانا تو اللہ نے حکم دیا کہ اے مغرور اور بے ادب جب تیرے غرور کا یہ حال ہے تو تو یہاں سے نکل جا بے راندہ درگاہ ہے اور تجھ پر میری لعنت ہے روز قیامت تک تو ہمیشہ کے لیے ملعون ہوا۔ بولا اے میرے پروردگار مجھے مہلت دیجئے اس دن تک کہ مردے قبروں سے اٹھائے جائیں غرض یہ تھی کہ مردوں نہیں اس لیے کہ بعثت کے بعد موت نہیں اور اس درخواست سے مقصود یہ تھا کہ مجھ کو اتنی طویل مہلت مل جائے کہ اولادِ آدم علیہ السلام سے بدلہ لے سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا جب تو مہلت مانگتا ہے تو تجھ کو مہلت دی گئی نفعِ اولیٰ تک جس وقت تمام مخلوق فنا ہو جائے گی اور ان کے ساتھ تو مرے گا اور نفعِ ثانیہ کے بعد سب کے ساتھ تو بھی زندہ ہوگا۔ نفعِ اولیٰ یعنی جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سارا عالم مرجائے گا اس میں ابلیس بھی مرجائے گا۔ پھر چالیس سال کے بعد نفعِ ثانیہ یعنی دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے سب زندہ ہو جائیں گے اور اس چالیس سال کے درمیانی وقفہ میں ابلیس بھی مردہ پڑا ہے گا پھر اٹھایا جائے گا۔ شیطان نے حشر تک زندہ رہنے کی درخواست کی مگر بارگاہِ خداوندی سے وقت معین یعنی صور پھونکنے تک منظوری ہوئی اللہ نے شیطان کی ایک بات تو منظور فرمائی کہ اس کو بنی آدم کے اغواء کے لیے طویل مہلت دے دی گئی۔ مگر اس کی دوسری درخواست کہ وقت بعثت تک اس کو مہلت مل جائے یہ منظور نہ ہوئی۔ بولا اے پروردگار! جیسا تو نے مجھے بہکایا میں بھی اولادِ آدم کو بہکانے میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا البتہ میں ان کے لیے زمین میں تیری معصیت کو خوب صورت بنا کر دکھاؤں گا یعنی ان کو دنیا کی بہاریں دکھاؤں گا اور ان سب کو راہِ حق سے گمراہ کروں گا سوائے ان کے جو تیرے خالص اور چیدہ بندے ہیں کیونکہ وہ میرے بس میں آنے والے نہیں۔ فرمایا کہ یہی اخلاص اور بندگی میرے تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے بے شک جو میرے اصل بندے ہیں ان پر تیرا کوئی زور نہیں ہاں تیرا زور صرف ان لوگوں پر ہے جو گمراہوں میں سے تیرے پیچھے ہوئے۔ شہوت پرست تیرے پیچھے لگ جائیں گے انہیں پر تیرا زور چلے گا اور بے شک تیرے تمام پیچھے چلنے والوں کی وعدہ گاہ دوزخ ہے یعنی شیطان اور اس کے پیرو سب کے لئے جہنم کا وعدہ ہے اس جہنم کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لیے ان گمراہوں میں سے ایک حصہ مقرر اور معین ہے ہر دروازے سے وہی لوگ داخل ہوں گے جو ان کے لیے مقرر اور معین ہے۔

ف:.....سبعة ابواب سے بعض سلف کے نزدیک جہنم کے سات طبقے مراد ہیں جن کے نام ترتیب وار یہ ہیں۔ جہنم۔ لظی۔ عظمہ، سعیر، سقر، جحیم، ہاویہ اور لفظ جہنم کا اطلاق ایک خاص طبقہ پر بھی ہوتا ہے۔ اور مجموعہ طبقات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا



ہے اور بعض علماء کے نزدیک سات دروازے مراد ہیں جن سے الگ الگ درزخی داخل ہوں گے۔ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ جیسے بہشت کے آٹھ دروازے ہیں نیک عمل والوں پر بانٹے ہوئے ہیں ویسے ہی دوزخ کے سات دروازے ہیں بد عمل لوگوں پر بانٹے ہوئے ہیں۔ شاید بہشت کا ایک دروازہ زیادہ اس لیے ہے کہ بعض موحدین نے فضل سے جنت میں جائیں گے۔ بغیر عمل کے باقی عمل میں دروازے برابر ہیں۔ اھ۔

ف:..... بظاہر ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ ابلیس سے کلام کیا مگر یہ کلام خطاب تہدید غضب تھا جیسے کوئی بادشاہ کسی خادم کو دھمکائے اور زبرد تو بیخ کرے تو ایسا بالمشافہ کلام دلیل عزت و کرامت نہیں بلکہ دلیل اہانت و حقارت ہے۔ (دیکھو آ کام المرجان فی احکام الجان ص ۱۵۶)

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۱۵﴾ أَدْخُلُوها بِسَلْمٍ آمِنِينَ ﴿۱۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ

بدینہ نگاہیں باغوں میں اور چشموں میں فرا کہیں گے ان کو جاؤ ان میں سلامتی سے خاطر جمع (بے کھلے) سے ﴿۱۶﴾ اور نکال ڈالی ہم نے جو ان کے جیوں میں تھی جو پرہیزگار ہیں باغوں میں ہیں اور چشموں میں۔ جاؤ اس میں سلامتی سے خاطر جمع سے۔ اور نکال ڈالی ہم نے جو ان کے جیوں میں تھی

مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَبِلِينَ ﴿۱۷﴾ لَا يَمَسُّهُم فِيهَا نَاصِبٌ وَمَا هُمْ مِّنْهَا

خفگی بھائی ہو گئے ﴿۱۷﴾ تختوں پر بیٹھے آمنے سامنے ﴿۱۷﴾ نہ پہنچے گی ان کو وہاں کچھ تکلیف اور نہ ان کو وہاں سے نقل، بھائی ہو گئے تختوں پر بیٹھے آمنے سامنے۔ نہ پہنچے گی ان کو وہاں کچھ تکلیف، اور نہ ان کو وہاں سے

بِمُخْرَجِينَ ﴿۱۸﴾ نَبِيٍّ عَبْدِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۱۹﴾ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ

کوئی نکالے ﴿۱۸﴾ خبر سنا دے میرے بندوں کو کہ میں ہوں اصل بخشنے والا مہربان اور یہ بھی کہ میرا عذاب وہی عذاب کوئی نکالے۔ خبر سنا دے میرے بندوں کو کہ میں ہوں اصلی بخشنے والا مہربان۔ اور یہ بھی کہ میری مار وہی دکھ کی

### الْأَلِيمُ ﴿۲۰﴾

دردناک ہے ﴿۲۰﴾

مارے۔

﴿۱۸﴾ جو لوگ کفر و شرک اور معاصی و ذنوب سے پرہیز کرتے ہیں، وہ حسب مراتب جنت کے باغوں میں رہیں گے جہاں بڑے قرینہ سے چشے اور نہریں بہتی ہوں گی شیطان کے متبعین کے بعد یہ عباد مخلصین کا انجام بیان فرمایا۔

﴿۱۷﴾ یعنی فی الحال تمام آفات و مایوس سے صحیح و سالم اور آئندہ ہمیشہ کے لیے ہر قسم کی فکر پریشانی، گھبراہٹ اور خوف و ہراس سے بے کھلے۔

﴿۱۶﴾ یعنی جنت میں پہنچ کر اہل جنت میں باہم کوئی گزشتہ کدورت باقی نہ رہے گی۔ بالکل پاک و صاف کر کے داخل کیے جائیں گے، نہ وہاں ایک کو دوسرے پر حسد ہوگا، بلکہ بھائی بھائی ہو کر انتہائی محبت و الفت سے رہیں گے۔ ہر ایک دوسرے کو دیکھ کر مسرور و محفوظ ہوگا۔ اس کا کچھ بیان سورۃ اعراف آٹھویں پارہ کے اخیر ربع میں گزر چکا۔

﴿۱۵﴾ یعنی عورت و کرامت کے جنہوں پر آمنے سامنے بیٹھ کر باتیں کریں گے، ملاقات وغیرہ کے وقت ایسی نشست نہ ہوگی جس میں کوئی آگے کوئی پیچھے ہو۔

## ذکر نعمائے اہل جنت

قَالَ تَعَالَى: ﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ... إِلَى... وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ﴾

رہا: ..... اور پرکی آیتوں میں گنہگاروں کا اور ان کے لیے جہنم کی سزا کا ذکر تھا اب ان آیتوں میں پرہیزگاروں کے ثواب اور ان کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں کہ جو توفیق الہی اور بتائید ایزدی شیطان کے اغواء اور تسلط سے محفوظ رہے اور ایلیس لعین کی تسویل و ترغیب سے دنیا کی آرائش کے دلدادہ نہ بنے آخرت ہی کی فکر میں لگے رہے چنانچہ فرماتے ہیں:

تحقیق جن لوگوں نے تقویٰ اور پرہیزگاری کی راہ اختیار کی اور شیطان کے اغواء اور ترغیب سے بچتے رہے وہ باغوں اور چشموں میں ہوں گے دودھ اور شراب کے چشمے ان میں جاری ہوں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ ان باغوں میں سلامتی کے ساتھ امن سے داخل ہو جاؤ اب تم کو کسی قسم کا خوف اور غم نہیں موت اور ہر آفت سے تم ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو اور ان نعمتوں کے زائل ہونے کا اندیشہ نہ کرو۔ بالکل بے خوف ہو کر رہو اور بمقتضائے بشریت دنیا میں جو ان کے سینوں میں کسی قسم کا کوئی کینہ یا خفگی اور ناگواری تھی۔ جنت میں داخل ہونے سے قبل ہی لخت ہم اس کو ان کے سینوں سے نکال ڈالیں گے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بمقتضائے بشریت دنیا میں ایسے دو شخصوں کے درمیان رنج و ملال پیش آجاتا ہے کہ جو دونوں خدا کے نزدیک متقی ہوتے ہیں اور دونوں اہل بہشت میں سے ہوتے ہیں جیسے جنت جمل اور جنگ صفین میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان رنج و ملال پیش آیا۔ جنت میں داخل ہونے سے قبل ان کا باہمی رنج و ملال سینوں سے نکال دیا جائے گا۔ پھر جنت میں داخل ہونے کے بعد وہ بھائی بھائی بنے آمنے سامنے محبت و الفت کے ساتھ جڑاؤ تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اور محبت و الفت سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔ اور ہم کلام ہوں گے۔

اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشاجرات<sup>۱</sup> اور باہمی اختلافات کو سمجھو کہ اصحاب علی رضی اللہ عنہم اور اصحاب معاویہ رضی اللہ عنہم ہر دو گروہ متقی اور پرہیزگار تھے اور ہر دو گروہ اہل جنت ہیں اور بہشت میں داخل ہوں گے۔ دنیا میں جو باہمی اختلاف کی وجہ سے رنج و ملال پیش آیا وہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی سینوں سے نکال دیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے

فل حدیث میں ہے کہ جنہوں سے کہا جائے گا، اے اہل جنت! تمہارے لیے یہ ہے کہ ہمیشہ تندرست رہو، کبھی بیماری نہ تائے، ہمیشہ زندہ رہو، کبھی موت نہ آئے۔ ہمیشہ آرام سے مقیم رہو، کبھی سفر کی تکلیف نہ اٹھانی نہ پڑے۔

۲ "عمرین" اور "مقیمین" کا الگ الگ انجام بیان فرما کر یہاں تنبیہ کی ہے کہ ہر ایک صورت میں حق تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت و شان کا ظہور ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ اصل سے اپنی تمام مخلوق پر بخشش اور مہربانی کرنا چاہتا ہے اور حقیقت میں اصل مہربانی اسی کی ہے تمام دنیا کی مہربانیاں اس کی مہربانی کا پرتو ہیں لیکن جو شخص خود شہادت و بدکاری سے مہربانی کے دروازے سے اپنے اوپر بند کر لے تو پھر اس کی سزا بھی ایسی سخت ہے جس کے رد کرنے کی کوئی تدبیر نہیں۔ سعدی نے خوب فرمایا۔

بجہد یہ مگر برکھد تیغ حکم بمائدہ کرد بیباں صم و بکم

وگر در دہدیک مصلحتے کرم عواذیل گوید نصیبے بوم

آگے ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں جس میں فرشتوں کے اترنے کا ذکر ہے۔ وہی فرشتے ایک جگہ خوشخبری سنا تے اور دوسری جگہ پتھر برساتے۔

تھے، تاکہ معلوم ہو کہ خدا کی دونوں صفیں (رحمت و غضب) پوری ہیں۔ بندوں کو چاہیے نہ دلیر ہوں، نہ آس توڑیں۔

منقول ہے کہ میں کہتا ہوں کہ میں اور طلحہ رضی اللہ عنہما اور زبیر رضی اللہ عنہما ان ہی لوگوں میں سے ہوں گے جن کی بابت اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے ﴿وَوَكَّرْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَيْلٍ وَخَوَّانًا﴾۔ اس ناچیز کا گمان ہے کہ ان حضرات کا دل دنیا ہی میں صاف ہو چکا تھا۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول اس پر دلالت کرتا ہے۔ نہ ان کو وہاں تکلیف پہنچے گی۔ اور نہ وہاں سے نکالے جائیں گے کیوں کہ جنت دار الخلود ہے وہاں بیشکلی ہے۔ یہاں تک یہ بیان کیا کہ جہنم غا دین کا ٹھکانہ ہے اور جنت متقین کا ٹھکانا ہے اب آگے گنہگاروں اور خطا کاروں کو تسلی دی جاتی ہے کہ یہ لوگ خدا کی مغفرت اور رحمت سے ناامید نہ ہوں۔ اے نبی ﷺ میرے بندوں کو خبر دیجئے کہ تحقیق میں بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہوں کسی گنہگار کو میری رحمت اور مغفرت سے ناامید نہ ہونا چاہئے اور یہ بھی خبر دے دیجئے کہ تحقیق میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے اس لیے عذاب سے کسی وقت بے خوف نہ ہونا چاہئے۔ خوف بھی اسی کا چاہئے اور امید بھی اسی کی چاہئے۔

وَنَبَّيْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ۖ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ۗ قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ

اور حال سنا دے ان کو ابراہیم کے مہمانوں کا فل جب طے آئے اس کے گھر میں اور بولے سلام وہ بولا ہم کو تم سے اور احوال سنا ان کو ابراہیم کے مہمانوں کا۔ جب طے آئے اس کے گھر میں اور بولے سلام۔ وہ بولا ہم کو تم سے

وَجَلُونَ ۖ قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ۖ قَالَ أَبَشِّرْهُمُ عَلَىٰ أَنْ مَسَّنِي

ذُرِّ مَظْمُومٌ ہوتا ہے فل بولے ڈر مت ہم تجھ کو خوشخبری سناتے ہیں ایک ہوشیار لڑکے کی فل بولا کیا خوشخبری سناتے ہو مجھ کو ذر آتا ہے۔ بولے، ڈر مت! ہم تجھ کو خوشی سناتے ہیں ایک ہوشیار لڑکے کی۔ بولا، تم خوشی سناتے ہو، مجھ کو جب پہنچ چکا مجھ کو

الْكِبْرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ ۖ قَالُوا بَشِّرْ نِكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُن مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۖ قَالَ وَمَنْ

جب پہنچ چکا مجھ کو بڑھاپا اب کا ہے بد خوشخبری سناتے ہو فل بولے ہم نے تجھ کو خوشخبری سنائی سچی سومت ہو تو ناامیدوں میں بولا اور کون بڑھاپا، اب کا ہے پر خوشی سناتے ہو۔ بولے، ہم نے تجھ کو خوشی سنائی تحقیق، سومت ہو تو ناامیدوں میں۔ بولا، اور کون

يَقْنَطُ مِّن رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ۖ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۖ قَالُوا إِنَّا

آس توڑے اپنے رب کی رحمت سے مگر جو گمراہ ہیں فل بولا پھر کیا مہم ہے تمہاری اسے اللہ کے بھیجے ہو فل بولے ہم فل "مہمان" اس لیے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام ابتداء میں مہمان ہی سمجھے، بعد میں کھلا کہ فرشتے ہیں۔

فل دوسری جگہ آیا ہے "وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً" یعنی خوف کو دل میں چھپایا تو کہا جائے گا کہ ابتداء میں چھپانے کی کوشش کی۔ آخر ضبط نہ کر سکے، زبان سے ظاہر کر دیا۔ یا یہ مطلب ہو کہ باوجود چھپانے کے خوف کے آثار چہرہ وغیرہ بد اس قدر عیاں تھے گویا کہہ رہے تھے کہ ہم کو تم سے ڈر مَظْمُومٌ ہوتا ہے۔ یہ ذکر بات کا تھا؟ اس کی تفصیل سورۃ ہود میں گزر چکی وہاں ملاحظہ کی جائے۔ اور اس واقعہ کے دوسرے اجزاء بد بھی جو کلام کیا گیا ہے ضرورت ہے کہ ایک مرتبہ مراجعت کر لی جائے۔

فل یعنی ڈرنے کی ضرورت نہیں بلکہ خوش ہونے کا موقع ہے۔ اس بڑھاپے میں ہم تم کو اولاد کی خوشخبری سناتے ہیں۔ اولاد بھی کیسی؟ لڑکا نہایت ہوشیار، بڑا عالم، جسے پیغمبرانہ علوم دے کر منسوب نبوت بد نماز کیا جائے گا۔ ﴿وَوَكَّرْنَا لَهُ بِالنَّفْسِ النَّاطِقَةِ مِنَ الضَّالِّينَ﴾

آس توڑے اپنے رب کی مہر سے؟ مگر جو راہ بھولے ہیں۔ بولا، پھر کیا مہم ہے تمہاری؟ اے اللہ کے بھیجو! بولے، ہم

أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ﴿۵۹﴾ إِلَّا آلَ لُوطٍ ؕ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۶۰﴾ إِلَّا أَمْرًا تَهُ

بھیجے ہوئے آئے ہیں ایک قوم گنہگار پر مگر لوط کے گھر والے ہم ان کو بچالیں گے سب کو مگر ایک اس کی عورت بھیجے آئے ہیں ایک قوم گنہگار پر۔ مگر لوط کے گھر والے، ہم ان کو بچالیں گے سب کو۔ مگر ایک اس کی عورت،

قَدَرْنَا لَا إِنَّمَا لَبِينَ الْغٰبِرِينَ ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ﴿۶۲﴾ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ

ہم نے ٹھہرا لیا وہ ہے وہ جانے والوں میں ﴿۶۱﴾ پھر جب پہنچے لوط کے گھر وہ بھیجے ہوئے بولا تم لوگ ہو ہم نے ٹھہرا لیا، وہ ہے وہ جانے والوں میں۔ پھر جب پہنچے لوط کے گھر وہ بھیجے ہوئے۔ بولا تم لوگ ہو گئے

مُنْكَرُونَ ﴿۶۳﴾ قَالُوا بَلْ جُنُنَا بِمَا كَانُوا فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿۶۴﴾ وَآتَيْنَكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا

اوپر سے ﴿۶۳﴾ بولے نہیں پر ہم لے کر آئے ہیں تیرے پاس وہ چیز جس میں وہ جھگڑتے تھے ﴿۶۴﴾ اور ہم لائے ہیں تیرے پاس سچی بات اور ہم اوپر سے۔ بولے نہیں! پر ہم لائے ہیں تجھ پاس جس میں وہ جھگڑتے تھے۔ اور ہم لائے ہیں تجھ پاس مقرر بات، اور ہم

لَصُدُوقُونَ ﴿۶۵﴾ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ

سچ کہتے ہیں ﴿۶۵﴾ سو لے نکل اپنے گھر کو کچھ رات رہے سے اور تو بچل ان کے پیچھے اور مرا کر نہ دیکھے تم میں سے کوئی ﴿۶۶﴾

۱۔ چونکہ غیر متوقع اور غیر معمولی طور پر خوشخبری سنی، تو پیر از سماں کو دیکھتے ہوئے کچھ عجیب سی معلوم ہوئی۔ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جب آدی کوئی مسرت انگیز خبر خلاف توقع غیر معمولی طریقہ سے اچانک سنے تو باوجود یقین آجانے کے اسے خوب کھود کر یہ کر در یافت کرتا اور لہجہ تعجب کا اختیار کر لیتا ہے، تاخیر دینے والا پوری تاکید و تصریح سے خوشخبری کو دہراتے جس میں نہ کسی قسم کی غلط فہمی کا احتمال رہے نہ تاویل و التباس کا گویا اظہار تعجب سے بشارت کو خوب واضح اور بخشنے لگانا اور مکر اسماع سے لذت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اظہار تعجب فرمایا۔ ابن کثیر کے الفاظ یہ ہیں۔ "قال متعجباً من کبره و کبر زوجته و متحققاً للوعدہ فاجابوہ مؤکدین لما بشر وہ بہ تحقیقاً و بشارۃ بعد بشارۃ" چونکہ سچ کلام سے ناامیدی کا توہم ہو سکتا ہے۔ جو اگر خصوصاً اولو العزم پیغمبروں کی شان کے بالکل خلاف ہے۔ اس لیے ملائکہ نے ﴿فَلَا تَكُن مِّنَ الْفٰطِرِیْنَ﴾ کہہ کر تنبیہ کی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "معلوم ہوا کہ کاطمین بھی (کسی درجہ میں) ظاہری اسباب پر خیال رکھتے ہیں۔"

۲۔ یعنی رحمت الہیہ سے ناامید تو عام مسلمان بھی نہیں ہو سکتے۔ چہ جائیکہ انبیاء علیہم السلام کو معاذ اللہ یہ نوبت آئے محض اسباب عادیہ اور اپنی حالت موجودہ کے اعتبار سے ایک چیز عجیب معلوم ہوئی، اس پر میں نے اظہار تعجب کیا ہے کہ خدا کی قدرت اب بڑھاپے میں مجھے اولاد ملے گی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "عذاب سے ڈر ہونا اور فضل سے ناامید ہونا دونوں کفر کی باتیں ہیں یعنی آگے کی خبر اللہ کو ہے۔ ایک بات پر دعویٰ کرنا یقین کر کے یوں نہیں ہو سکتا یہی کفر کی بات ہے باقی محض دل کے خیال و تصور پر پکڑنا نہیں جب منہ سے دعویٰ کرے تب گناہ ہوتا ہے۔"

۳۔ یعنی کیا محض یہ بشارت منانے کے لیے ہی بھیجے گئے ہو۔ یا کوئی اور مہم ہے جس پر مامور ہو کر آئے ہو۔ غالباً قرآن سے ابراہیم علیہ السلام بھیجے کہ اصل مقصد تشریف آوری کا کچھ اور ہے۔ ممکن ہے جو خوف انھیں دیکھ کر پیدا ہوا تھا اسی سے خیال گزرا ہو کہ خالص بشارت لانے والوں کو دیکھ کر خوف کی مانند کوئی دوسری خوفناک چیز بھی ان کے ساتھ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

۴۔ یعنی وہ باقی کفار کے ساتھ عذاب میں مبتلا رہے گی۔

(تنبیہ) ظاہر ہے کہ ﴿قَدَرْنَا لَا إِنَّمَا لَبِينَ الْغٰبِرِينَ﴾ مقولہ ملائکہ کا ہے جو عذاب لے کر آئے تھے چونکہ اس وقت وہ قضا و قدر کا فیصلہ نافذ کرنے کے لیے سرکاری ڈیوٹی پر آئے تھے اس لیے تقدیر (ٹھہرانے) کی نسبت نیلۃ الہی طرف کر دی۔ اور ممکن ہے ﴿قَدَرْنَا لَا إِنَّمَا لَبِينَ الْغٰبِرِينَ﴾ حق تعالیٰ کا کلام =

چ کہتے ہیں۔ سولے نکل اپنے گھر والوں کو رات رہے سے، اور آپ چل ان کے پیچھے، اور مڑ کر نہ دیکھے تم میں کوئی،

وَأَمْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ﴿۱۵﴾ وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هُوَلَاءِ مَقْطُوعٌ

اور چلے جاؤ جہاں تم کو حکم ہے ﴿۱۵﴾ اور مقرر کر دی ہم نے اس کو یہ بات کہ ان کی جو کھٹے گی اور چلے جاؤ جہاں تم کو حکم ہے۔ اور چکا دیا ہم نے اس کو وہ کام، کہ ان کی جڑ کٹی ہے

مُضْبِحِينَ ﴿۱۶﴾ وَجَاءَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۱۷﴾ قَالَ إِنَّ هُوَلَاءِ ضَيْفِي فَلَا

صح ہوتے فلا اور آئے شہر کے لوگ خوشیاں کرتے فے لوط نے کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھ کو صح ہوتے۔ اور آئے شہر کے لوگ خوشیاں کرتے۔ بولا، یہ لوگ میرے مہمان ہیں، سو مجھ کو

تَفْضُحُونَ ﴿۱۸﴾ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزَوْنَ ﴿۱۹﴾ قَالُوا أَوْلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿۲۰﴾ قَالَ

رہامت کرو فلا اور ڈرو اللہ سے اور میری آبرومت کھوؤ فلا بولے کیا ہم نے تجھ کو منع نہیں کیا جہاں کی حمایت سے فلا بولا رہامت کرو۔ اور ڈرو اللہ سے، اور میری آبرومت کھوؤ۔ بولے، ہم نے تم کو منع نہیں کیا؟ جہاں کی حمایت سے۔ بولا،

هُوَلَاءِ بَنَاتِي إِنْ كُنْتُمْ فَعَالِينَ ﴿۲۱﴾ لَعَنَ رَبُّكَ لِنِإِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۲۲﴾ فَأَخَذَهُمُ

یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے فلا قسم ہے تیری جان کی وہ اپنی سستی میں مدہوش ہیں فلا پھر آپکرا ان کو = ہو تب کوئی اشکال نہیں۔

فلا یا تو یہ مطلب تھا کہ تم مجھے غیر معمولی سے آدمی معلوم ہوتے ہو جنہیں دیکھ کر خواہ مخواہ دل کھٹکتا ہے۔ یہ شاید ویرانی کھٹکا ہو گا جو ابراہیم علیہ السلام کے دل میں پیدا ہوا تھا یا یہ غرض ہو کہ تم اس شہر میں انہی ہو تم کو یہاں کے لوگوں کی خوشی بد معلوم نہیں، دیکھئے وہ تمہارے ساتھ کیسا سلوک کریں، یا یہ اس وقت فرمایا جب لوگوں نے فرشتوں کو حسین لڑکے کچھ کر لوط کے مکان پر چڑھائی کی۔ لوط علیہ السلام انہیں مہمان سمجھتے ہوئے امکانی مدافعت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ آخر میں نہایت حسرت سے فرمایا اَلَا اَنْ لِي بِكُمْ قُوَّةٌ اَوْ اَوْجِبُ اِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ ﴿۱۶﴾ اس وقت تنگ ہو کر اور گھبرا کر ان مہمانوں سے کہنے لگے کہ تم عجیب طرح کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ میں تمہاری آبرویت بچانے کے لیے خون پسینہ ایک کر رہا ہوں لیکن تم میری امداد کے لیے ذرا ہاتھ بھی نہیں ملاتے۔

فلا یعنی گھبراؤ مت۔ ہم آدمی نہیں ہیں، ہم تو آسمان سے وہ چیز لے کر آتے ہیں جس میں یہ لوگ تم سے جھگڑا کرتے تھے۔ یعنی مہلک عذاب جس کی تم دھمکی دیتے اور یہ انکار کرتے تھے۔

فلا یعنی اب آپ بالکل مطمئن ہو جائیے۔ یہ بالکل سچی اور اٹل بات ہے جس میں قطعاً جھوٹ کا احتمال نہیں۔

فلا یعنی جب تھوڑی رات رہے اپنی گھر والوں کو سستی سے لے کر نکل جائیے اور آپ سب کے پیچھے رہے تاکہ پورا اطمینان رہے کہ کوئی رہ تو نہیں جیسا بارگاہ سے داہل تو نہیں ہوا۔ اس صورت میں آپ کا قلب مطمئن رہے گا اور دل جمعی سے خدا کے ذکر و شکر میں مشغول رہتے ہوئے رفقاہ کی دیکھ بھال رکھیں گے۔ دوسری طرف آپ کے پیچھے ہونے کی وجہ سے آگے چلنے والوں کو آپ کا رعب مانع ہو گا کہ پیچھے مڑ کر نہ دیکھیں۔ اس طرح ﴿وَلَا يُلَاقِيكَ مِنْكُمْ مَنْ يَلْتَمِسُ﴾ کا پورا استعمال ہو سکے گا اور وہ لوگ خطرہ کے مقام سے بعید رہیں گے اور آپ کو اپنا ظاہری پشتیاں سمجھیں گے۔

فلا یعنی ملک شام میں یا اور کہیں اس کی جگہ جو خدا نے ان کے لیے مقرر کی ہوگی۔

فلا یعنی لوط علیہ السلام کو ملائکہ کے توسط سے ہم نے اپنا قطعی فیصلہ سنا دیا کہ عذاب کچھ دور نہیں ابھی صبح کے وقت اس قوم کا بالکل اسی سال کر دیا جائے گا۔ شاید یہ مطلب ہو کہ نیک ہونے کی عذاب شروع ہو جائے گا اور شرابی تک سب معاملہ ختم کر دیا جائے گا کیونکہ وہ دوسری جگہ "مُضْبِحِينَ" کے کہائے "مُشْرِقِينَ" کا لفظ آیا ہے۔

فے یعنی جب ناک لوط (علیہ السلام) کے یہاں بڑے حسین و جمیل لڑکے مہمان ہیں تو اپنی عادت بد کی وجہ سے بڑے خوش ہوتے اور دوڑتے ہوئے۔ ان کے مکان پر آتے اور لوط علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ انہیں ہمارے حوالہ کر دو۔

یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں، اگر تم کو کرنا ہے۔ قسم ہے تیری جان کی! وہ اپنی سستی میں مدہوش ہیں۔ پھر بکرا ان کو

الصَّيْحَةَ مُسْرِقِينَ ﴿۱۰﴾ فَجَعَلْنَا عَلَيْهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِنْ سِجِّيلٍ ﴿۱۱﴾

چنگھاڑ نے سورج نکلنے وقت فی پھر کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر تلے اور برسائے ان پر پتھر کھنکر (کنکر) کے فی  
چنگھاڑ نے سورج نکلنے۔ پھر کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر تلے، اور برسائے ان پر پتھر کھنکر کے

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ ﴿۱۲﴾ وَإِنَّهَا لِبِسْبِيلٍ مُّقِيمٍ ﴿۱۳﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً

بیٹک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کو فی اور وہ بستی واقع ہے سیدھی راہ پر فی البتہ اس میں نشانی ہے  
بے شک اس میں پتے ہیں دھیان کرنے والوں کو۔ اور وہ بستی ہے سیدھی راہ پر۔ البتہ آئیں نشانی ہے

### لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۴﴾

#### ایمان والوں کو فی

(تنبیہ) ﴿وَجَاءَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ﴾ میں "واذ" مطلق جمع کے لیے ہے، یہاں ترتیب واقعات بیان میں ملحوظ نہیں سورۃ ہود اور  
اعراف میں یہ قصہ گزر چکا ہے اسے دیکھ لیا جائے اور وہاں کے فوائد ملاحظہ کیے جائیں۔

فی بیونکہ مہمان کی فضیلت میزبان کی رسوائی ہے۔

فی یعنی خدا سے ڈر کر یہ بے حیائی کے کام چھوڑ دو اور اپنی مہمانوں کو دق مت کرو۔ آخر میں تم میں رہتا ہوں، میری آبرو کا تمہیں کچھ پاس کرنا چاہیے میں  
مہمانوں کی نظر میں کس قدر حقیر ہوں گا جب یہ سمجھیں گے کہ بستی میں ایک آدمی بھی ان کی عورت نہیں کرتا۔ ان کا کہنا مانتا ہے۔

فی یعنی ہم بے آبرو نہیں کرتے آپ خود بے آبرو ہوتے ہیں۔ جب ہم منع کر چکے کہ تم کسی اجنبی کو پناہ مت دو نہ اپنا مہمان بناؤ۔ ہم کو اختیار ہے باہر سے آنے  
والوں کے ساتھ جس طرح چاہیں پیش آئیں۔ پھر آپ کو کیا ضرورت پیش آئی کہ خواہ مخواہ ان نوجوانوں کو اپنے یہاں ٹھہرا کر فضیلت ہوئے۔ اس سے مترشح ہوتا  
ہے کہ وہ لوگ ہمیشہ اجنبی مسافروں کو اپنے افعال شنیعہ کا تختہ مشق بناتے ہوں گے اور حضرت لوط علیہ السلام اپنے مقدور کے موافق غریب مسافروں کی حمایت  
اور ان اشقیاء کو نالائق حرکتوں سے باز رکھتے ہوں گے۔

فی یعنی بیٹک تم نے مجھ کو اجنبی لوگوں کی حمایت سے روکا لیکن میں پوچھتا ہوں آخراں روکنے کا منشاء کیا ہے؟ یہ ہی نہ کہ میں تمہاری خلاف نفرت شہوت رانی  
کے راستے میں مائل ہوتا ہوں۔ تو خود غور کرو کیا قصائے شہوت کے حلال مواقع تمہارے سامنے موجود نہیں جو ایسی بیہودہ حرام کاری کے مرکب ہوتے ہو؟ یہ  
تمہاری بیویاں (جو میری بیٹیوں کے برابر ہیں) تمہارے گھروں میں موجود ہیں، اگر تم میرے کہنے کے موافق عمل کرو اور قصائے شہوت کے مشروع و مستحل  
طریقہ پر چلو، تو حاجت براری کے لیے وہ کافی ہیں۔ یہ کیا آفت ہے کہ حلال اور تنہری چیز کو چھوڑ کر حرام کی جھنڈی میں ملوث ہوتے ہو۔

فی ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ یعنی تیری جان کی قسم لوط کی قوم غفلت اور سستی کے نش میں بالکل اندھی  
ری تھی وہ بڑی لاپرواہی سے حضرت لوط علیہ السلام کی نصیحت بلکہ لجاجت کو ٹھکرارہے تھے۔ ان کو اپنی قوت کا نش تھا، شہوت پرستی نے ان کے دل و دماغ سب  
کر دیے تھے۔ وہ بڑے امن و اطمینان کے ساتھ پیغمبر خدا سے جھگڑ رہے تھے۔ نہیں جانتے تھے کہ سب تک کیا حشر ہونے والا ہے۔ تباہی اور بلاکت کی گھڑی ان  
کے سر پر منڈلا رہی تھی، وہ لوط علیہ السلام کی باتوں پر ننتے تھے اور موت انھیں دیکھ کر نہیں رہی تھی (تنبیہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا خدا تعالیٰ نے دنیا  
میں کوئی جان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے زیادہ اکرم و اشرف پیدا نہیں کی۔ میں نے خدا کو نہیں سنا کہ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان عزیز کے سوا کسی  
دوسری جان کی قسم کھائی ہو۔ قرآن کریم میں جو میں آئی ہیں ان کے متعلق ہم ان شاء اللہ کسی دوسری جگہ ذرا مفصل کلام کریں گے۔

فی اس کے متعلق ہم غریب ہی ﴿إِنَّ دَابَّةَ الْفُلُقَاقِ﴾ کے فائدہ میں کلام کر چکے ہیں۔ ابن جریج کا قول ہے کہ ہر عذاب جس سے کوئی قوم  
ٹلاک کی جائے "صحیحہ" اور "صاعقہ" گھماتا ہے۔

فی اس کی تفصیل سورۃ ہود وغیرہ میں گزر چکی۔

یقین کرنے والوں کو۔

### قصہ ابراہیم علیہ السلام و لوط علیہ السلام

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿وَتَبَتُّهُمْ عَنْ صَيْفِ ابْرَاهِيمَ... اَلِ... اِنْ فِي ذَلِكَ لَآيَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾

ربطہ:..... ابتداء سورت میں حق تعالیٰ نے نبوت کا اثبات فرمایا اس کے بعد اپنی وحدانیت اور خالقیت کے اثبات کے لیے اپنے آثار قدرت کا ذکر فرمایا اور پھر کچھ قیامت کا حال اور سعداء اور اشقیاء کے حال اور مال کو بیان کیا اور اسی سلسلہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر کیا۔ اب اور انبیاء علیہم السلام کے قصص ذکر فرماتے ہیں تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے قہر اور اس کی مہر کو سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی مہر پیغمبروں پر اور ان کے ماننے والوں پر کس طرح نازل ہوئی اور ان کے دشمنوں پر خدا کا قہر کس طرح نازل ہوا تاکہ اطاعت پر راضی ہوں اور معصیت سے نفور اور بیزار ہوں اس لیے اول ابراہیم علیہ السلام کا اور اس کے ساتھ لوط علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا۔

### قصہ ابراہیم علیہ السلام

چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور اے نبی! اگر وہ میری شان قہر اور مہر میں تردد کریں اور میری رحمت اور عذاب کا انکار کریں تو ان کو ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر دے دیجئے یہ مہمان فرشتے تھے خدا نے ان کو ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کے پیدا ہونے کی بشارت دینے اور قوم لوط کو غارت کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کے حق میں رحمت اور بشارت کے فرشتے تھے اور قوم لوط کے حق میں عذاب اور مصیبت کے فرشتے تھے۔ جب وہ مہمان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کیا۔ ابراہیم علیہ السلام بولے تحقیق ہم کو تم سے ڈر لگتا ہے ڈر لگنے کی وجہ یہ تھی کہ ان فرشتوں کے ساتھ عذاب تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب ان کی طرف دیکھا تو ان کے چہروں سے قہر اور عذاب کے آثار نظر آئے یا ڈر کی وجہ یہ تھی کہ وہ بے وقت اور بغیر اجازت کے آئے تھے اور جب ان کے سامنے کھانا رکھا تو کھانا نہ کھایا۔ وہ بولے ڈر موت۔ یہ وقت ڈرنے کا نہیں بلکہ خوشی کا ہے ہم تمہیں ایک علم والے لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت دینے آئے ہیں یہ بشارت اسحاق علیہ السلام کی تھی۔ کما قال تعالیٰ

فَلَمَّا نَسُوا مَا آلَمُوا بِهِمْ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ قَامُوا فَقَالَ اَللّٰهُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۰۰﴾

فل "موسم" اصل میں اس شخص کو کہتے ہیں جو بعض ظاہری علامات و قرائن دیکھ کر محض فراست سے کسی پوشیدہ بات کا پتہ لگالے۔ حدیث میں ہے "اَلتَّقْوَا لِوِاسِئَةِ الْمُؤْمِنِ قِيَامُهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اَللّٰهِ" بعض روایات میں "وَيَتَوَفَّقُ بِنُورِ اَللّٰهِ" کی زیادت ہے یعنی مومن کی فراست سے ڈرتے رہو، وہ خدا تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے نور تو قیاس سے دیکھتا ہے۔ شاید "کشف" اور "فراست" میں بقول امیر عبد الرحمن خاں مرحوم اتنا ہی فرق ہو جتنا ٹیلیفون اور ٹیلیگراف میں ہوتا ہے۔ بہر حال آیت کا مطلب یہ ہے کہ دھیان کرنے اور پتہ لگانے والوں کے لیے "قوم لوط" کے قصہ میں عبرت کے بہت نشان موجود ہیں۔ انسان سمجھ سکتا ہے کہ بدی اور سرکشی کا اہتمام کیسا ہوتا ہے۔ خدا کی قدرت عظیمہ کے سامنے ساری طاقتیں بیچ ہیں۔ اس کی لامٹی میں آواز نہیں۔ اس کی مہلت پر آدمی مغرور نہ ہو، پیغمبروں کے ساتھ خدا اور عداوت ہاندھے، ورنہ ایسا ہی حشر ہوگا۔ وغیر ذلک۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا آلَمُوا بِهِمْ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ قَامُوا فَقَالَ اَللّٰهُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۰۰﴾

یعنی ان کفرات کو دیکھ کر ہالہوس مومنین کو عبرت ہوتی ہے، کیونکہ وہی سمجھتے ہیں کہ اس قوم کی بدکاری اور سرکشی کی سراشاں یہ بتیاں الٹی تھیں۔ مومنین کے سوا دوسرے لوگ تو ممکن ہے انہیں دیکھ کر محض بخت و اتفاق یا اسباب طبعہ کا نتیجہ قرار دیں۔

﴿وَتَكْفُرُ لَهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ﴾ ابراہیم علیہ السلام چونکہ اس وقت بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی بیوی سارہ بھی بوڑھی ہو گئی تھیں۔ اس لیے انہیں اس بشارت سے تعجب ہوا سو ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ کیا تم مجھ کو ایسے وقت لڑکے کی بشارت دیتے ہو جب کہ مجھ کو بڑھاپا آگیا۔ پس ایسی حالت میں تم مجھے کس چیز کی بشارت دیتے ہو یہ وقت تو ولادت فرزند کا نہیں۔ فرشتے بولے ہم نے تجھ کو صحیح اور درست اور سچی بشارت دی ہے پس تم اسباب ظاہری پر نظر کر کے ناامیدوں میں سے مت ہو جاؤ کہ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت سے کیسے لڑکا پیدا ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام بولے۔ اپنے پروردگار کی رحمت سے سوائے گمراہوں کے اور کون ناامید ہوتا ہے یعنی میں خدا سے ناامید نہیں ہوں خدا سے ناامیدی تو گمراہوں کا شیوہ ہے خدا کی قدرت میں مجھے کوئی شبہ نہیں۔ البتہ اپنے بڑھاپے کی وجہ سے تعجب میں ہوں۔ کیونکہ عالم، عالم اسباب ہے بعد ازاں ابراہیم علیہ السلام نے فراست نبوت سے یہ سمجھا کہ فرشتوں کی یہ جماعت محض بشارت دینے کے لیے نہیں آئی بلکہ اس کے علاوہ کچھ اور بھی مقصد معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے ابراہیم علیہ السلام بولے اے خدا کے فرستادو! تلاؤ اصل مہم کیا ہے جس کے لیے تم بھیجے گئے ہو فرشتے بولے! ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ان کو تہہ و بالا کریں مراد قوم لوط ہے یعنی ہم اس لیے بھیجے گئے ہیں کہ قوم لوط کو ہلاک کریں مگر لوط علیہ السلام کے گھر والوں کو کہ ان سب کو ہم عذاب سے بچالیں گے۔ اس لیے آپ علیہ السلام اپنے بھتیجے لوط علیہ السلام کی وجہ سے پریشان نہ ہوں سوائے ان کی بیوی کے اس کے لیے ہم نے حکم خداوندی یہ ٹھہرا لیا ہے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہے یعنی یہ عورت اپنے باقی ماندہ لوگوں کے ساتھ عذاب سے ہلاک ہوگی جو بستی میں عذاب کے لیے پیچھے رہ جائیں گے۔ لوط علیہ السلام عذاب سے محفوظ رہیں گے اور ان کی بیوی ہلاک ہوگی۔

پس جب وہ فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہو کر لوط علیہ السلام کے گھر والوں کے پاس پہنچے تو جو انان خوبصورت کی شکل میں ان ان کے گھر میں داخل ہوئے تو لوط علیہ السلام نے کہا تحقیق تم اجنبی لوگ ہو میں تم کو بالکل نہیں پہچانتا اور دل میں ڈر ہے کہ شہر والے بڑے اوباش ہیں معلوم نہیں ان کے ساتھ کیا معاملہ کریں گے وہ بولے ہم وہ نہیں کہ جن سے ڈرا جائے بلکہ ہم اللہ کے فرشتے ہیں۔ تیرے پاس ان کے لیے وہ عذاب لے کر آئے ہیں جس کے بارے میں یہ بحرین حکم کیا کرتے تھے اور ہم آپ کے پاس ایک فیصلہ کن چیز لے کر آئے ہیں۔ جو اہل حق اور اہل باطل کے درمیان فیصلہ کر دے گی یعنی فیصلہ کن عذاب لے کر آئے ہیں اور البتہ ہم اپنی بات میں سچے ہیں۔ پس آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو اپنے ساتھ لے کر اس بستی سے نکل جائے اور آپ علیہ السلام ان کے پیچھے پیچھے چلے تاکہ آپ کے گھر والوں میں سے کوئی پیچھے نہ رہ جائے۔ آنحضرت ﷺ بھی غزوات میں لشکر کے پیچھے رہتے تھے تاکہ ضعیف اور منقطع کی خبر لیتے رہیں اور اے لوط! تمہارے گھر والوں میں سے کوئی پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھے اور سیدھے چلے جاؤ جدھر جانے کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے یعنی ملک شام کی طرف اور جی بھیجی ہم نے لوط علیہ السلام کی طرف اس امر کی کہ بوقت صبح ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی یعنی بوقت صبح ان کو عذاب سے ہلاک کر دیا جائے گا خیر یہ بات تو بعد کی ہے اور اس سے پہلے یہ واقعہ پیش آیا کہ جب قوم لوط نے یہ سنا کہ لوط علیہ السلام کے گھر مہمان آئے ہیں وہ بہت خوبصورت اور حسین و جمیل نوجوان ہیں تو شہر کے لوگ خوب خوشیاں کرتے ہوئے لوط علیہ السلام کے پاس آئے لوط علیہ السلام جواب تک ان کو اپنا مہمان سمجھے ہوئے تھے۔ اوباشوں کے اس غول کو دیکھ کر بولے تحقیق یہ لوگ میرے



مہمان ہیں پس خدا را مجھ کو نصیحت نہ کرو اور اللہ سے ڈرو اور دنیا کی نظر میں مجھے رسوا نہ کرو۔ وہ بے حیا بولے کہ کیا ہم نے تجھ کو اہل عالم کی حمایت سے منع نہیں کیا تھا؟ یعنی ہم نے تجھ کو کہہ رکھا تھا کہ تو جہان کی حمایت نہ کیا کر مگر تو باز نہیں آتا۔ لوط علیہ السلام نے کہا۔ یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں اگر تم کو نفسانی خواہش ہی پوری کرنی ہے تو ان سے نکاح کر لو مگر یہ بد بخت کہاں سننے والے تھے۔ اے نبی قسم ہے تیری زندگی کی کہ یہ لوگ اپنے نشہ میں مدہوش تھے شہوت کے نشہ میں اندھے بنے ہوئے تھے۔ لوط علیہ السلام نے جب یہ حال دیکھا تو وہ بحکم خداوندی اپنے خاندان اور اہل ایمان کو لے کر وہاں سے نکل گئے پس ناگاہ سورج نکلنے کے وقت ایک ہولناک آواز نے ان کو آ پکڑا پھر اس صبحہ (ہولناک آواز) کے بعد ہم نے اس بستی کے اوپر اور نیچے کوالٹ کر اس کے نیچے کی جانب کر دیا۔ یعنی اس بستی کو زیر و زبر کر دیا کہ اوپر کا تختہ نیچے کر دیا اور نیچے کا تختہ اوپر کر دیا۔ اور پھر ان پر کنکر کے گرم پتھر برسائے جس سے وہ سب کے سب ہالکل تباہ ہو گئے بے شک اس قسم کے عذاب میں جو قوم لوط پر نازل ہوا اہل فراست کے لئے نشانیاں ہیں جو صورت کو دیکھ کر حقیقت کرتاڑ لیتے ہیں۔ اور بے شک وہ قوم لوط کی بستیاں آباد سڑک کے سر راہ واقع ہیں۔ ہر ایک مسافر اور راہ ردا اس کے کھنڈرات اور عذاب کے پتھروں کو دیکھتا ہے۔ یہ بستیاں حجاز اور شام کے درمیان عام شاہراہ پر واقع ہیں جو ہمیشہ چلتی ہے اور جدھر سے قافلے گزرتے ہیں اور ان شہروں کے نشانات کو دیکھتے ہیں بے شک اس واقعہ میں اہل ایمان کے لیے قدرت ربانی کی بڑی نشانی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ خداوند قاہر اور عزیز مقتدر کا ان لوگوں سے انتقام تھا جو انبیاء و مرسلین علیہم السلام پر ایمان نہیں لائے اور جو لوگ قدرت خداوندی کے قائل نہیں وہ اس قسم کے واقعات کو حوادث عالم اور فطرت طبعیہ پر محمول کرتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ مادہ آتشی کے اجتماع سے اور اجزاء کے باہمی رگڑ سے یہ اشتعال پیدا ہو گیا۔ سنگ دل ایسی ہی تاویلیں کیا کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ نفسانیت اور شہوت ہی ایک آتشی مادہ ہے جب وہ دل میں جمع ہو جاتا ہے تو وہ قوم لوط علیہ السلام کی طرف آدمی کو سنگ دل بنا دیتا ہے اور جب دل میں نفسانیت اور شہوانیت کا آتشی مادہ جمع ہو جاتا ہے تو اوپر سے حجارت من سجیل کی اس پر بارش ہوتی ہے اور اس کو تباہ اور برباد کر کے چھوڑتی ہے۔ اللہم اننا نعوذ بک من القسوة والغفلة والعبلة والذلة والمسکنة آمین یا رب العالمین۔

وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ ﴿۱۰﴾ فَأَنْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۖ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿۱۱﴾

اور عقیق تھے بن کے رہنے والے مٹا گار فل سو ہم نے بدلہ لیا ان سے اور یہ دونوں بستیاں واقع ہیں کھلے راستہ پر فل اور عقیق تھے بن کے رہنے والے مٹھار۔ سو ہم نے ان سے بدلہ لیا، اور یہ دونوں شہر راہ پر نظر آتے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحَجَرِ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۲﴾ وَآتَيْنَاهُمْ آيَاتِنَا فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۱۳﴾

اور بیک جھٹلایا حجر والوں نے رسولوں کو فل اور دیں ہم نے ان کو اپنی نشانیاں سو رہے ان سے منہ پھرتے فل اور عقیق جھٹلایا حجر والوں نے رسولوں کو۔ اور دیں ہم نے ان کو نشانیاں، سو رہے ان کو مٹاتے۔

وَكَانُوا يَنْجِحُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ ﴿۱۴﴾ فَأَخَذَهُمُ الصَّيْحَةُ مُضْجِعِينَ ﴿۱۵﴾ فَمَا

ل بن کے رہنے والے یعنی قوم شیب شہر مدین میں رہتے تھے جس کے نزدیک درختوں کا بن تھا کہ وہاں رہتے ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں "اصحاب ایکہ" =

اور تھے کہ تراشتے تھے پہاڑوں کے گھر الطینان کے ساتھ قیٰ پھر پکڑا ان کو چنگھاڑ نے صبح ہونے کے وقت پھر اور تھے تراشتے پہاڑوں کے گھر خاطر جمع سے۔ پھر پکڑا ان کو چنگھاڑ نے، صبح ہوتے۔ پھر

## أَغْلَىٰ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۳﴾

کام نہ آیا ان کے جو کچھ کمایا تھا قیٰ

کام نہ آیا ان کو جو کماتے تھے۔

### قصہ اصحاب ایکہ و اصحاب حجر

قَالَ تَبَّالِي: ﴿وَأَنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ... أَلِي... فَأَغْلَىٰ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾

رابطہ:..... اوپر کی آیتوں میں قوم لوط پر عذاب نازل ہونے کا ذکر تھا اب اصحاب ایکہ اور اصحاب حجر کے عذاب کا ذکر کرتے ہیں مقصود سب سے تحقیق رسالت ہے کہ جو نبی کو نہ مانے وہ مستحق عذاب ہے۔ ”ایکہ“ اس بستی کا نام ہے جہاں شعیب علیہ السلام پہنچ گئے تھے۔ اصل میں یہ شہر مدین کا ایک مقام ہے چونکہ یہاں درخت زیادہ تھے اس لئے اس کو ”ایکہ“ فرمایا۔ ایکہ عرب میں درختوں کے بن کو کہتے ہیں اور ”حجر“ اس وادی کو کہتے ہیں جو شام اور عرب کے درمیان واقع ہے اور اصحاب حجر سے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم مراد ہے جو بہت بدکار تھی اور پہاڑوں کو تراش کر مکانات بناتی تھی ان ہی کو صالح علیہ السلام نے ناقہ کا معجزہ دکھایا تھا اس پر بھی عناد سے باز نہ آئے بالآخر ہلاک ہوئے قوم لوط کی ہلاکت کے بعد اب مختصر ان دو قصوں کو بیان فرماتے ہیں۔

**قصہ اصحاب ایکہ:**..... اور تحقیق تھے اصحاب ایکہ یعنی بن والے لوگ (اس سے شعیب علیہ السلام کی قوم مراد ہے) بڑے ہی ظالم جنہوں نے شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی سو ہم نے عذاب نازل کر کے ان سے اس تکذیب کا انتقام لے لیا اور بے شک یہ دونوں بستیاں یعنی قوم لوط کی بستی دونوں کشادہ اور چلتی سڑک پر واقع ہیں جن کو لوگ آتے جاتے دیکھتے ہیں گزرنے والوں = اور ”اصحاب مدین“ دو جدا گانہ قومیں ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام دونوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ ان لوگوں کا گناہ شرک و بت پرستی، ڈاکرزی اور ناپ تول میں فریب اور دھوکہ کرنا تھا۔ پہلے سورہ ہود و اعراف میں ان کا مفصل قصہ گزر چکا ہے ملاحظہ کر لیا جائے۔

**ق۱** یعنی حجاز و شام کے جس راستے پر قوم لوط کی بستیاں تھیں، وہیں ذرا نیچے اتر کر قوم شعیب کا مسکن تھا دونوں کے آثار راستے چلنے والوں کو نظر آتے ہیں۔  
**ق۲** ”حجر والے“ فرمایا ”ثمود“۔ ان کے ملک کا نام ”حجر“ تھا جو مدینہ سے شمال کی طرف واقع ہے۔ ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ ایک نبی کا جھٹلانا سب انبیاء کا جھٹلانا ہے۔

**ق۳** یعنی اونٹنی جو پتھر سے نکالی گئی اور اس کے علاوہ دوسرے معجزات۔

**ق۴** یعنی دنیاوی زندگی پر مغرور ہو کر تکبر و تجبر کی نمائش کے لیے پہاڑوں کو تراش کر بڑے عالی شان مکان بناتے تھے جو یا نبی یہاں سے جانا نہیں یہ بھی سمجھتے ہوں گے کہ ایسی مضبوط و مستحکم عمارتوں میں کوئی آفت کہاں پہنچ سکتی ہے۔

**ق۵** یعنی مال و دولت، مستحکم عمارات، جسمانی قوت اور دوسرے اسباب و وسائل میں سے کوئی چیز بھی خدا کے عذاب کو دفع نہ کر سکی۔ ان کا قصہ بھی پہلے گزر چکا۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ جاتے ہوئے ”وادی حجر“ پر سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر ڈھانپ لیا۔ سواری کی رفتار تیز کر دی اور صحابہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ معذرتاً قوم کی بستیوں پر مت داخل ہونا مگر (خدا کے خوف سے) روتے ہوئے اگر روانہ آئے تو رونے والوں کی صورت بنا لو۔ خدا نے ان سے وہ چیز تم کو کہنے جو ان کو نہ کہنی تھی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ادب سکھایا کہ آدمی اس قسم کے مقامات میں پہنچ کر عبرت حاصل کرے اور خدا کے خوف سے لرزاں و ترساں ہو، محض سیر و تماشا نہ سمجھے۔

کے لیے عبرت کے نشانات موجود ہیں

قصہ اصحاب حجر:..... اور البتہ تکذیب کی حجر والوں نے یعنی قوم ثمود نے رسولوں کی۔ یعنی صالح علیہ السلام کی ”حجر“ مدینہ اور ثمان کے درمیان ایک میدان ہے جہاں قوم ثمود آباد تھی۔ اس قوم نے صرف صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا۔ مگر چونکہ ایک نبی کا جھٹلانا حقیقت میں سب نبیوں کا جھٹلانا ہے اس لیے فرمایا کہ حجر والوں نے سب رسولوں کو جھٹلایا اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں۔ جن سے اللہ کی وحدانیت اور حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت ثابت ہوتی تھی۔ منجملہ ان معجزات کے ایک معجزہ ناقہ کا تھا۔ سو وہ لوگ ان نشانوں سے منہ پھیر لیتے تھے۔ یعنی ان کی طرف التفات نہیں کرتے تھے۔ اور یہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر مکان بناتے تھے درآں حالیکہ وہ اپنے گمان میں بہت عمدہ مکانوں کی وجہ سے مامون اور بے خوف و خطر تھے۔ ان لوگوں کو یہ اندیشہ نہ تھا کہ ہمارے مکان منہدم ہو جائیں گے۔ یا کوئی چوران میں نقب لگا سکے گا۔ مگر یہ نہ سمجھا کہ کوئی قلعہ اور کوئی مکان عذاب الہی سے امن و امان نہیں دے سکتا۔ پس اسی خواب خرگوش میں تھے کہ صبح ہوتے ہی عذاب الہی کی ایک سخت اور تند آواز نے آپکڑا۔ اور اس طویل خواب غفلت سے ان کو بیدار کر دیا۔ پس عذاب کے دفع کرنے میں کچھ کام نہ آیا جو وہ کماتے تھے۔ یعنی مال و دولت اور ساز و سامان اور پہاڑوں کے مکان اور عیش و عشرت کے سامان جن پر وہ مغرور تھے کوئی کام نہ آیا سب دھرا رہ گیا اور جب آنکھ کھلی تو تدارک ممکن نہ تھا۔ دیکھتے ہی رہ گئے کہ دم کے دم میں کیا ہو گیا۔ گرفتاری کا وارنٹ اسی طرح جاری ہوتا ہے اور پولیس اخیرات میں آکر چھاپہ مارتی ہے اور پکڑ کر لے جاتی ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَأْتِيَةٌ فَادْفَح

اور ہم نے بنائے نہیں آسمان اور زمین اور جو ان کے بیچ میں ہے بغیر حکمت اور قیامت بیک آنے والی ہے سو کنارہ گر اور ہم نے بنائے نہیں آسمان و زمین اور جو ان کے بیچ ہے، بغیر تدبیر۔ اور قیامت مقرر آئی ہے، سو کنارہ پکڑ

الصَّفْحَ الْجَمِيلِ ﴿۱۵﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِ

اجھی طرح کنارہ فی تیرا رب جو ہے وہی ہے پیدا کرنے والا خبردار فی اور ہم نے دی ہیں تجھ کو سات آیتیں وظیفہ اجھی طرح کنارہ۔ تیرا رب جو ہے، وہی ہے بنانے والا خبردار۔ اور ہم نے دی ہیں تجھ کو سات آیتیں وظیفہ،

وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ﴿۱۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ

اور قرآن بڑے درجہ کافی مت ڈال اپنی آنکھیں ان چیزوں پر جو برتنے کو دیں ہم نے ان میں سے کئی طرح کے لوگوں کو فی اور نہ غم کھا اور قرآن بڑے درجے کا۔ مت پسا اپنی آنکھیں ان چیزوں پر جو برتنے کو دیں ہم نے ان کو کئی طرح کے لوگوں کو، اور نہ غم کھا

عَلَيْهِمْ وَآخِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۸﴾ وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿۱۹﴾ كَمَا أَنْزَلْنَا

فی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں ”پہلی امتوں کا حال سنا کر فرمایا کہ یہ جہاں یوں ہی غالی نہیں ہڈا۔ سر ہر ایک مدبر ہے۔ ہر چیز کا تدارک کرنے والا، مکمل اور آخری تدارک کا نام قیامت ہے اور کنارہ سے کنارہ کرنے کو فرمایا جب خدا کا حکم پہنچا ہے، تبلیغ کا فرض ادا کر دیا اور کار خد ہر ازار ہے، جب حکم ہوا کہ زیادہ جھگڑنے سے فائدہ نہیں اب وعدہ کی راہ دیکھو اور ان کی تکلیف دہ انداز پر مبر کو، حرف شکایت زبان پر نہ لانا یہاں تک کہ خدا کا فیصلہ پہنچ جائے۔“

ان پر اور جھکا اپنے بازو ایمان والوں کے واسطے قرآن اور کہہ کہ میں وہی ہوں ڈرانے والا کھول کر قرآن جیسا ہم نے بھیجا ہے ان پر، اور جھکا اپنے بازو ایمان والوں کے واسطے۔ اور کہہ کہ میں وہی ہوں ڈرانے والا کھول کر۔ جیسا ہم نے بھیجا ہے

عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿۱۵﴾ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ﴿۱۶﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۱۷﴾

ان بانٹنے والوں پر جنہوں نے کیا ہے قرآن کو بوٹیاں ﴿۱۵﴾ سو قسم ہے تیرے رب کی ہم کو پوچھنا ہے ان سب سے ان بانٹی کرنے والوں پر۔ جنہوں نے کیا ہے قرآن کو بوٹیاں۔ سو قسم ہے تیرے رب کی! ہم کو پوچھنا ہے ان سب سے۔

عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۹﴾ إِنَّا كَفَيْنَاكَ

جو کچھ وہ کرتے تھے ﴿۱۸﴾ سو سنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا اور پروا نہ کر مشرکوں کی ﴿۱۹﴾ ہم بس (کافی) ہیں تیری طرف سے جو کام کرتے تھے۔ سو سنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا، اور دھیان نہ کر شرک والوں کا۔ ہم بس ہیں تیری طرف سے

الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿۲۰﴾ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ

﴿۲۰﴾ = جس کو تیرے میرا اور ان کی ایذا کی سب خبر ہے، ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔ اس آیت میں گویا معاد کی تقریر فرمادی یعنی جس نے ایک مرتبہ پیدا کیا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور جس چیز کے اجزاء منتشر ہو گئے ہوں اس کو ہر جزئی خبر ہے، جہاں نہیں ہو گا سب کو جمع کرنے کا۔ دوسری جگہ فرمایا ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ ﴿۲۰﴾ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی یہ اتنی بڑی نعمت تجھ کو عطا ہوئی اور کاروں کی خدمت سے حفاظت ہو"۔

(تنبیہ) "سبع مشانی" کے مصداق میں اختلاف ہے۔ صحیح اور راجح یہ ہی ہے کہ اس سے مراد سورۃ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں جو ہر نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہیں اور جن کو بطور وظیفہ کے بار بار پڑھا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے تورات، انجیل، زبور قرآن کسی کتاب میں اس کا مثل نازل نہیں فرمایا۔ احادیث صحیحہ میں تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ "فاتحہ" کو فرمایا کہ یہ ہی "سبع مشانی" اور قرآن عظیم ہے جو تم کو دیا گیا۔ اس چھوٹی سی سورت کو "قرآن عظیم" (بڑا قرآن) فرمانا درج کے اعتبار سے ہے۔ اس سورت کو ام القرآن بھی اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ گویا یہ ایک خلاصہ اور متن ہے جس کی تفصیل و شرح پورے قرآن کو سمجھنا چاہیے۔ قرآن کے تمام علوم و مطالب کا اجمالی نقشہ تھا اس سورت میں موجود ہے یوں مشانی کا لفظ بعض حیثیات سے پورے قرآن پر بھی اطلاق کیا گیا ہے ﴿اللَّهُ تَعَالَى آخَسُنَ الْحَدِيثِ كَيْفًا مُتَشَابِهًا مَقَالًا تَفْصِيحًا مِنْهُ جَلُودُ الْإِنْسَانِ يَتَلَوْنَ زَيْلَهُمْ ثُمَّ تَلَوْنَ جَلُودَهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ ذَلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ﴾ اور ممکن ہے دوسری سورتوں کو مختلف وجوہ سے "مشانی" کہہ دیا جائے مگر اس جگہ "سبع مشانی" اور "قرآن عظیم" کا مصداق یہ ہی سورت (فاتحہ) ہے۔

﴿۲۱﴾ یعنی مشرکین، یہود و نصاریٰ اور دوسرے دشمنان خدا و رسول کو دنیا کی چند روزہ زندگی کا جو سامان دیا ہے اس کی طرف نظر نہ کیجئے کہ ان ملعونوں کو یہ سامان کیوں دے دیا گیا جس سے ان کی شقاوت و شرارت زیادہ بڑھتی ہے یہ دولت مسلمانوں کو ملتی تو اچھے راستے میں خرچ ہوتی۔ ان کو تھوڑی دیر مزہ اڑا لینے دو۔ تم کو خدا تعالیٰ نے وہ دولت قرآن دی ہے جس کے آگے سب دلتیں گردیں۔ روایات میں ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے قرآن دیا پھر کسی کی اور نعمت دیکھ کر ہوس کرے تو اس نے قرآن کی قدر نہ مانی۔

﴿۲۲﴾ تم نہ جھکا کہ مسلمان کیوں نہیں ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرض تبلیغ ادا کرتے رہیں، معاندین کے پیچھے اپنے کو زیادہ لگرو غم میں مبتلا نہ کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و ہمدردی کے مستحق مومنین ہیں ان کے ساتھ ملاحظت، نرم طوئی اور شفقت و تواضع کا رتاؤ رکھئے۔

﴿۲۳﴾ یعنی کوئی مانے یا نہ مانے میں خدا کا پیام صاف صاف پہنچائے دیتا ہوں اور تکذیب و شرارت کے عواقب سے خوب کھول کر آگاہ کر رہا ہوں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "تیرا کام دل پھیر دینا نہیں، یہ خدا سے ہو سکتا ہے۔ جو کوئی ایمان نہ لائے تو تم نہ جھکا"۔

﴿۲۴﴾ اس آیت کے معنی بھی طرح کیے گئے ہیں۔ بعض نے کہا کہ "مُتَقَسِّمِينَ" (بانٹنے والوں) سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود و نصاریٰ و غیرہ ہیں جنہوں نے قرآن کی تفسیر و تفسیل کر رکھی تھی۔ یعنی جو مضمون قرآنی ان کی حریفانہ یا آمادہ اہوا کے موافق پڑ جائے مان لو، جو خلاف ہو نہ مانو۔ مطلب یہ ہو گا =

ٹھٹھے کرنے والوں کو فرماتا ہے جو کہ ٹھہراتے ہیں اللہ کے ساتھ دوسرے کی بندگی سو معترب معلوم کر لیں گے فرماتا ہے اور ہم جانتے ہیں ٹھٹھے کرنے والوں کو۔ جو ٹھہراتے ہیں اللہ کے ساتھ اور کسی کی بندگی۔ سو آگے معلوم کریں گے۔ اور ہمیں جانتے ہیں

أَنْتَ يَضِيْقُ صَدْرَكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿۱۶﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ﴿۱۷﴾

کہ تیرا جی رکتا ہے ان کی باتوں سے سو تو یاد کر خوبیاں اپنے رب کی اور ہو سجدہ کرنے والوں سے فرماتا ہے کہ تیرا جی رکتا ہے ان کی باتوں سے۔ سو تو یاد کر خوبیاں اپنے رب کی، اور وہ سجدہ کرنے والوں میں۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿۱۸﴾

اور بندگی کیجئے جا اپنے رب کی جب تک آئے تیرے پاس یقینی بات نہ

اور بندگی کر اپنے رب کی، جب تک پہنچے تجھ کو یقین۔

تلقیں صبر برائیدائے اہل استہزاء و تمسخر

قَالَ الْعَلَمَاءُ: ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ...﴾ الی... حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿۱۸﴾

پہنچ

رابطہ:..... گزشتہ رکوعات میں پہلی امتوں کے معاندین کے حال اور مال کو بیان کیا۔ اب ان آیات میں آنحضرت ﷺ کو عنقا اور صبر کی تلقین فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنے زمانے کے معاندین کی ایذا اور تمسخر پر صبر کریں اور کوئی حرف شکایت زبان

کہہ نہ سکیں۔ "سبع مثنوی" اور "قرآن عظیم" دے کر بھیجا جیسے ان لوگوں پر بھی پہلے کتابیں نازل کی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب اتارنا یا وہی بھیجا کوئی انومی بات نہیں جس کا انکار کیا جائے بعض نے "مُفْتَسِحِينَ" سے یہود و نصاریٰ مراد لے کر لفظ قرآن سے کتب سابقہ مراد لی ہیں۔ یعنی انہوں نے حریم کر کے اپنی کتابوں کو پارہ پارہ کر ڈالا بعض نے کہا مشرکین مراد ہیں جو بطور استہزاء و تمسخر قرآن کی تفسیر کرتے تھے۔ جب سورتوں کے نام سنتے تو ہنس کر آپس میں کہتے۔ بقرہ یا مائدہ میں لوں گا۔ عنکبوت جھ کو دوں گا۔ ان لوگوں نے ایک اور طرح بھی قرآن کے متعلق خیالات تقسیم کر رکھے تھے کوئی اسے شاعری بتاتا کوئی کہانت، کوئی جادو، کوئی جمنون کی بڑ کوئی اساطیر الاولین، ان کو آگاہ کیا کہ میں سب کو عذاب سے ڈرانے والا ہوں، جیسا عذاب یقیناً نازل ہونے والا ہے ان ٹھٹھا کرنے والوں پر۔ اس وقت "اَنْزَلْنَا" کی تعبیر اس لحاظ سے ہوگی کہ متیقن الوقوع اور قریب الوقوع مستقبل کو کو یا ماضی فرض کر لیا گیا۔ ابن کثیر نے "مُفْتَسِحِينَ" کے معنی قسم کھانے والوں کے لیے ہیں یعنی وہ گزشتہ قومیں جو انبیاء کی تکذیب و مخالفت کے ملن اٹھا چکی تھیں اور جہنمی باتوں پر نہیں کھاتی تھیں اور انہوں نے کتب سماویہ کے ٹکڑے کر دیئے تھے۔ جیسا عذاب ہم نے ان پر اتارا، اسی طرح کے عذاب سے یہ "تَذِيْرٌ مُّبِينٌ" تم کو ڈراتا ہے "مُفْتَسِحِينَ" کے اس معنی کی تائید میں ابن کثیر نے ذیل کی آیات پیش کی ہیں۔ ﴿تَقَاتَمُوا بِاللّٰهِ لَدَيْتُمْ فَاَهْلَكْتُمْ﴾ ﴿وَاَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ اٰمَانِهِمْ لَا يَنْصُرُ اللّٰهَ مِنْ يَمِيْنِهِمْ﴾ ﴿اَوَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ فِتْنَةٌ مَّا لَكُمْ مِنْ قَبْلِ مَّا لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ﴾ ﴿اَهْلُوْا لَكُمْ الْيٰقِيْنَ اَقْسَمْتُ لَكُمْ لَا يَنْصُرُ اللّٰهَ مِنْ يَمِيْنِهِمْ﴾ اور اسی قسم کے یہ معلوم کتنے سوالات ہوں گے۔

۱۶ یعنی کہنے میں کو تامل نہ کیجئے طوب کھول کر نہائی بیگمات پہنچا ہے۔ یہ مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

۱۷ یعنی دنیا و آخرت میں ہم سب ٹھٹھا کرنے والوں سے نبٹ لیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے خوف و خطر تبلیغ کرتے رہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہال و کاندہ ہوگا۔

۱۸ یعنی رسول کے ساتھ استہزاء کرنا اور خدا کے لیے شریک ٹھہرانا، دونوں باتوں کا اہتمام یہ لوگ دیکھ لیں گے۔

۱۹ یعنی اگر ان کی ہمت و حرمت سے دل تنگ ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف سے توجہ ہٹا کر ہمت و ہمتی کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہیں۔ خدا کا ذکر، نماز، سجدہ، عبادت الہیہ وہ چیزیں ہیں جن کی تاثیر سے قلب مطمئن و مطمئن رہتا ہے اور لگدر لگدر دور ہوتے ہیں۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت تھی کہ جب کوئی مہم =

پر نہ لائیں اور جو لوگ آپ ﷺ سے استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں ان کی فکر نہ کریں ہم خود ان سے نپٹ لیں گے۔ آپ ﷺ بے خوف و خطر تبلیغ اور دعوت کو جاری رکھیں اور تسبیح و تحمید اور عبادت میں لگے رہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

اور نہیں بنایا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو مگر حکمت اور مصلحت کے ساتھ تاکہ ان سے صانع عالم کے وجود باوجود اور اس کی وحدانیت اور اس کی عظمت اور قدرت پر استدلال کریں اور اس کے احکام کی اطاعت کریں اور ان بستیوں کو دیکھیں جو نافرمانیوں کی وجہ سے تباہ اور برباد ہوئیں۔ اور دنیا ہی میں نافرمانی کے جرم میں پکڑ لیے گئے اور اگر بالفرض ہم کسی مجرم اور نافرمان کو دنیا میں نہ پکڑیں تو تحقیق قیامت ضرور آنے والی ہے وہاں سزا مل جائے گی اور اس کفر و تکذیب کا نتیجہ وہاں ظاہر ہو جائے گا۔ پس آپ ﷺ ان معاندین سے خوبی کے ساتھ درگزر کیجئے اور ان کے حال کو اللہ کی مشیت پر چھوڑ دیجئے۔ بے شک تیرا پروردگار وہی بڑا پیدا کرنے والا جاننے والا ہے لہذا آپ ﷺ ان کے معاملہ کو خدا کے علم اور حکمت اور اس کے ارادہ اور مشیت کے سپرد کر دیجئے وہ خود ان سے بدلہ لے لے گا۔ اور آپ ﷺ ان کی طرف توجہ نہ کریں بلکہ اس نعمت کی طرف توجہ کریں جو ہم نے آپ ﷺ کو عطا کی ہے وہ یہ کہ دی ہے ہم نے آپ ﷺ کو سورۃ فاتحہ کی سات آیتیں جو (ہر نماز) میں دہرائی جاتی ہیں اور سورۃ فاتحہ کے ساتھ ہم نے آپ ﷺ کو قرآن عظیم دیا۔ جس کے ہر حرف کے نیچے علوم الہیہ کا ایک سمندر ہے اور یہ قرآن عظیم جو آپ ﷺ کو دیا گیا ہے۔ تمام کتب الہیہ اور صحف سادہ کا خلاصہ اور لب لباب ہے اور سورۃ فاتحہ اس تمام قرآن کا اجمال اور خلاصہ ہے۔ پس یہ سورت فاتحہ اور یہ قرآن عظیم۔ وہ دولت عظمیٰ ہے کہ جس کے مقابلہ میں دنیا کی تمام دولتیں سچ ہیں پس آپ ﷺ خدا کی اس نعمت عظمیٰ پر نظر رکھئے اور اس دولت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جو ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو برائے چند سے نفع اٹھانے کے لئے وہی ہے ﴿اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ سے انواع و اقسام کے کافر مراد ہیں جیسے یہود اور نصاریٰ اور مشرکین اور صابئین وغیرہم اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے دنیا میں یہود اور نصاریٰ اور دیگر دشمنان خدا اور رسول کو دنیا کی چند روزہ زندگی کا جو سامان دیا ہے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھئے وہ نہایت حقیر اور ذلیل ہے اور قرآن عظیم اور علم اور حکمت کی جو دولت ہم نے آپ ﷺ کو دی ہے اس کے مقابلہ میں دنیا کی تمام دولتیں سچ ہیں۔

دنیا سچ است و کار دنیا ہمہ ہیج

پیش در یائے قدر حرمت تو نہ محیط فلک حبابے نیست  
داری آن سلطنت کہ در نظرت ملک کونین در حسابے نیست

= بات لکری پیش آئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی طرف چمپتے۔

فل یعنی موت۔ یقیناً کاللفظ دوسری جگہ قرآن نے اسی معنی میں استعمال کیا ہے ﴿وَكُلَّمَا نُكِّدَتْ بِهِ ذُبُورَ الدِّينِ حَتَّىٰ آتَيْنَا آلَ الْيَتِيمِ﴾ حدیث میں ایک میت کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "أَمَّا هُوَ فَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِينُ وَآلِي لَأَزْجُو لَهُ الْخَيْرَ" "مہر سلطنت نے اس آیت میں "یقین" کو معنی موت لیا ہے یعنی مرتے دم تک خدا کی عبادت میں لگے رہیے۔

اندیس رہی تراش دی خراش تا دم آخردے فارغ مہاش

جن بعض عارفی نے اس جگہ "یقین" کو کیفیت قلبیہ کے معنی میں لیا ہے اس کی توجیہ روح المعانی میں مذکور ہے دیکھ لی جائے۔ ثم سُورَةُ الْحَجْرِ وَبَلَدٍ لَّيْسَ بِهَا مَسْكَنَةٌ وَهُوَ الْمَشْهُورُ أَنْ يَقُولُوا عَلٰى أَكْثَلِ الْأَحْوَالِ وَأَحْسِنِهَا فَإِنَّهُ جَزَاءُ كَرِيمٍ۔

جمہور مفسرین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اس آیت میں سبع مثنائی سے سورۃ فاتحہ مراد ہے اور بعض احادیث مرفوعہ بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول بھی یہ ہی ہے اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ ہے کہ سبع مثنائی سے سبع طوال مراد ہیں۔ یعنی سات لمبی سورتیں ہیں۔ سورۃ بقرہ سے سورۃ اعراف تک چھ سورتیں ہیں اور ساتویں سورت کے بارے میں دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سورۃ انفال اور سورۃ توبہ مل کر ایک سورت ہے اور اسی وجہ سے درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی اور یہ دونوں سورتوں کا مجموعہ طوال کی ساتویں سورت ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ سبع طوال کی ساتویں سورت سورۃ یونس ہے اور ان سورتوں کو مثنائی اس لیے کہتے ہیں کہ ان سورتوں میں فرائض حدود اور قصص اور احکام اور امثال عبرت کو مکرر بیان کیا گیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا فضل کیا کہ یہ ساتوں مثنائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی پیغمبر کو یہ سورتیں عطا نہیں ہوئیں اور موسیٰ علیہ السلام کو ان میں سے دو سورتیں دی گئیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان میں سے چھ عطا ہوئیں۔ جب انہوں نے الواح تورات کو زمین پر ڈالا تو دو سورتیں اٹھالی گئیں اور باقی چار رہ گئیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ۲/۵۵۷)

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ ”سبع مثنائی“ یعنی یہ سات سورتیں بمنزلہ سبع صحائف کے ہیں یعنی بمنزلہ سات صحیفوں کے ہیں کہ جو دیگر انبیاء کرام صلی اللہ علیہم وسلم پر متفرقاً نازل ہونے اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سبع مثنائی عطا کیں۔ جو بمنزلہ سات صحیفوں کے ہیں۔ اور ان سات کا مجموعہ سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور نبی کو نہیں دیا گیا۔ اور قرآن عظیم تمام اولین اور آخرین کے علوم کا مجموعہ ہے اور یہ سبع طوال پورے قرآن کا اجمال ہے اور سورۃ فاتحہ سبع طوال کا اجمال اور متن ہے لہذا جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ منقول ہے کہ سبع مثنائی سے پورا قرآن مراد ہے یا سات لمبی سورتیں مراد ہیں یا سات آیتوں والی سورت سورۃ فاتحہ مراد ہے سب اقوال اپنی اپنی جگہ پر صحیح اور درست ہیں مثنائی کا لفظ اپنے مفہوم عام کے لحاظ سے سورۃ فاتحہ اور سبع طوال اور قرآن عظیم سب کو شامل ہے مگر اسی قول میں اشکال یہ ہے کہ یہ سورت کئی ہے اور اس وقت تک سبع طوال کا نزول نہیں ہوا تھا۔ یہ سات لمبی سورتیں مدنی ہیں مدینہ میں جا کر نازل ہوئیں۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ پورا قرآن مجید بھی مکہ میں نازل نہیں ہوا تھا مگر اس کے نزول کا وعدہ مکہ ہی میں ہو چکا تھا۔ اس لیے سبع مثنائی سے سبع طوال مراد لینا باعتبار وعدہ نزول صحیح ہے کیونکہ اللہ کا وعدہ حق اور صدق ہے اور یہ بد نصیب اگر سبع مثنائی اور قرآن عظیم جیسی نعمت کو قبول نہ کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی محرومی پر رنجیدہ اور غم گین نہ ہوں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حال پر رنج و غم نہ کریں اور بجائے ان کے درویشان اسلام یعنی اہل ایمان کے لیے اپنے بازوئے تواضع و شفقت کو جھکا دیجئے جنہوں نے قرآن عظیم جیسی دولت کو قبول کیا یہ اہل تواضع و مسکنت کا گروہ ہے یہ گروہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کا مستحق ہے اور جن متکبرین اور مغرورین نے مال و دولت کے نشہ میں قرآن کی دولت سے اعراض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اعراض کیجئے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض کرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے صاف کہہ دیجئے کہ میں تو صاف ڈرانے والا ہوں۔ ڈرانا میرا کام ہے اور دل میں اتار دینا اور دل کا پھیر دینا اللہ کا کام ہے اور ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ کرو دیجئے اور زیادہ فکر میں نہ پڑئے اور ہم <sup>۱</sup> نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ قرآن عظیم ایسا ہی نازل کیا جیسا کہ ہم نے گزشتہ زمانہ میں تقسیم کرنے والوں یعنی یہود اور نصاریٰ پر بتوسط رسل ایسی کتاب نازل کی جسے وہ پڑھا کریں۔ جیسے توریت

اور انجیل یہ کتاب ان کا قرآن تھی جس کو وہ پڑھا کرتے تھے جنہوں نے اپنے اس قرآن کے یعنی اپنی اس آسمانی کتاب کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے اس طرح سے کہ اپنے قرآن یعنی اپنی کتاب الہی کی بعض باتوں کو مانا اور بعض کو نہ مانا کتاب الہی کے کسی حصہ کو چھپایا اور کسی حصہ کو ظاہر کیا جیسی مصلحت دیکھی۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔

قول اول: ..... یہ ہے کہ یہ آیت یعنی ﴿كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِبِينَ﴾ الخ گزشتہ آیت یعنی ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَقَاتِلِ﴾ سے متعلق ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن عظیم ہم نے آپ ﷺ پر اسی طرح اتارا ہے جیسے گزشتہ زمانہ میں یہود اور نصاریٰ پر ہم نے توریت اور انجیل نازل کی اور یہ ہی آسمانی کتاب ان کا قرآن تھی جس کو وہ پڑھا کرتے تھے لہذا آپ ﷺ پر قرآن عظیم اور وحی کا نازل ہونا کوئی انوکھی بات نہیں جس کا انکار کیا جائے جس طرح پہلے زمانہ میں کتب الہی کا نزول ہوا اور بندوں کو احکام کا مکلف بنا یا گیا۔ اسی طرح قرآن کا بھی نزول ہوا لہذا نزول قرآن کو مستبعد نہ سمجھو۔ اس تشبیہ سے مقصود استبعاد ہے۔ اور مقتسمین کے معنی تقسیم کرنے اور بانٹنے والوں کے ہیں اور اس سے یہود اور نصاریٰ اس لیے مراد لیے گئے کہ اہل کتاب نے اپنی کتاب الہی کو تقسیم کر لیا تھا کہ اس کے بعض احکام پر عمل کرتے تھے اور بعض پر نہیں اور ﴿الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ﴾ لفظ ﴿الْمُقْتَسِبِينَ﴾ کی صفت اور تفسیر ہے اور اس قول پر قرآن سے یہ قرآن مراد نہیں کہ جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا۔ بلکہ معنی لغوی مراد ہیں یعنی وہ کتاب الہی جس کی قراءت و تلاوت کی جائے اور اس جگہ قرآن سے اہل کتاب کا قرآن مراد ہے یعنی ان کی توریت اور انجیل مراد ہے جس کو وہ پڑھا کرتے تھے اور اہل کتاب نے اپنے قرآن کے یعنی توریت اور انجیل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے۔ جو حصہ کتاب الہی کا ان کے ہوائے نفس کے مطابق ہوا اس پر ایمان لے آئے اور جو ان کے ہوائے نفس کے خلاف ہوا اس کا کفر اور انکار کیا۔ بڑے ہی نادان تھے کہ جو کتاب ان کی ہدایت کے لیے نازل کی اس میں قبول اور انکار کے اعتبار سے تقسیم جاری رکھی۔ حالانکہ کتاب منزل کا یہ حق تھا کہ بہ کمال و تمام بدون اقسام کے اس کو قبول کرتے اور اس پر ایمان لاتے۔ اس جگہ اہل کتاب کو بعنوان اقسام ذکر کرنا ان کی مذمت اور تفسیح کے لیے ہے کہ کتاب الہی میں کیوں تقسیم جاری کی اور کفار مکہ کی طرف تعریض ہے کہ گزشتہ اقسام کی طرح تم بھی جرم اقسام کے مرتکب ہو رہے ہو۔ لہذا ان کی طرح تم کو بھی عذاب سے ڈرنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ مقتسمین سے تو اہل کتاب ہی مراد ہوں مگر قرآن سے یہی قرآن مراد ہو جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا اور مطلب یہ ہوا کہ اہل کتاب نے اس قرآن کو تقسیم کر لیا ہے کہ اس قرآن کا جو مضمون ان کی تحریقات یا ان کی آراء اور اہواء کے موافق پڑ جائے اس کو تو مان لیا جائے اور جو مضمون قرآنی ان کے خلاف ہو اس کو نہ مانا جائے اس طرح اہل کتاب نے قرآن عظیم کو حق اور باطل کی طرف تقسیم کر ڈالا قرآن عظیم کا جو حصہ ان کے توریت اور انجیل کے موافق ہو اس کو تو حق کہا اور جو ان کی توریت اور انجیل کے خلاف ہو اس کو باطل کہا۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر مقتسمین سے اہل کتاب مراد ہوں تو دوسری آیت یعنی ﴿الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ﴾

اس عبارت میں اشارہ اس طرف ہے کہ آیت ﴿كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِبِينَ﴾ آیت مذکورہ ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَقَاتِلِ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ سے متعلق ہے اور تفسیر عبارت اس طرح ہے، "لقد انزلنا عليك القرآن كما انزلنا على المقتسمين" التوراة والانجيل۔ ۱۲



جائے یا قرآن سے معنی لغوی یعنی ان کی کتاب مقرر مراد لی جائے۔ ﴿وَلِكُلِّ وُجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيٰهَا فَاَسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾۔  
 قول ثانی:..... اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت یعنی ﴿كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ﴾ اپنے ما قبل کی قرسی آیت  
 یعنی ﴿وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ﴾ سے متعلق ❶ ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ میں نذیر مبین ہوں اے قریش میں تم جو اللہ  
 کے عذاب سے ڈراتا ہوں اگر تم اس قرآن عظیم پر ایمان نہ لاؤ گے اور گزشتہ مقتسمین کی طرح اس قرآن کے حصے بخرے  
 کرو گے اور اس کے بعض کو شعر اور بعض کو سحر اور بعض کو کہانت اور بعض کو اساطیر الاولین کہو گے تو پھر عجب نہیں کہ تم پر بھی  
 ویسا نازل ہو جائے جیسا کہ گزشتہ مقتسمین پر نازل ہوا تھا ان کا جرم بھی یہ ہی اقتسام تھا اور تم بھی اسی جرم کے مرتکب ہو اور  
 گزشتہ مقتسمین سے اہل کتاب مرد ہیں جنہوں نے اپنی آسانی کتاب کے ٹکڑے ٹکڑے کیے کہ جو ان کی مرضی کے موافق  
 ہو اس کو مان لیا اور جو ان کی مرضی کے خلاف ہو اس کا انکار کر دیا اور انبیاء کرام علیہم السلام کی مخالفت و تکذیب کی جس کی سزا میں بندر  
 اور سور بنائے گئے اور ذلت اور مسکنت کی مہر لگی۔ مطلب یہ ہے کہ اس قسم کا عذاب نازل ہونا مستبعد نہیں۔ پہلے زمانہ میں ہو چکا  
 ہے تو اے اہل مکہ! تم کو بھی اس سے ڈرنا چاہئے۔ غرض یہ کہ پہلے قول کی بناء پر ﴿كَمَا أَنْزَلْنَا﴾ کی تشبیہ سے نزول وحی کے  
 استبعاد و کوفع کرنا تھا۔ اور اس دوسرے قول پر تشبیہ سے مقصود آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ آیت میں مقتسمین سے قسم کھانے  
 والے مراد ہیں جنہوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا اور باہم قسم کھائی کہ انبیاء کو قتل کریں گے اور ان کو ایذا پہنچائیں گے۔ جیسا کہ  
 اللہ تعالیٰ نے قوم صالح کے حال سے آگاہ فرمایا۔ ﴿تَقَاتَمُوا بِاللَّهِ لَنْبَيْتِنَا وَآهْلَنَا﴾ باہم مل کر قسم کھائی کہ رات میں جا کر  
 صالح علیہ السلام کو اور اس کے گھر والوں کو قتل کر دیں پس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ گزشتہ قوموں نے انبیاء کی مخالفت اور عداوت پر  
 قسمیں کھائی تھیں اور انہوں نے کتب سماویہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے پس جیسا عذاب ہم نے ان پر اتارا اسی طرح کے  
 عذاب سے یہ نذیر مبین تم کو ڈراتا ہے اور قوم صالح کے مقتسمین پر عذاب کا نزول قطعی اور یقینی ہے اور منصوص قرآنی  
 ہے لہذا اس کو معرض تشبیہ میں ذکر کرنے میں کوئی اشکال نہیں۔ اور بعض علمائے سلف نے مقتسمین سے کفار مکہ مراد لیے  
 ہیں۔ جنہوں نے بطور استہزاء و تمسخر قرآن کی تقسیم کر رکھی ہے۔ جب سورتوں کے نام سنتے تو ہنس کر آپس میں کہتے کہ بقرہ یا مائدہ  
 تو میں لے لوں گا اور نمل اور عنکبوت تو لے لینا یا مکہ کے راستے تقسیم کر لیے تھے کہ راستوں پر مختلف آدمی بٹھادیئے تھے کہ جو کوئی  
 آتا تو اس سے آنحضرت ﷺ کی برائی کرتے اور آپ ﷺ پر ایمان لانے سے اس کو روکتے تھے اور بعض علماء سلف کہتے ہیں  
 کہ مقتسمین سے آپ ﷺ کے زمانہ کے یہود اور نصاریٰ مراد ہیں جنہوں نے قرآن کو اس طرح تقسیم کر رکھا تھا کہ جو مضمون  
 قرآنی ان کی تحریفات کے مطابق ہو اس کو مان لیا جائے اور جو اس کے خلاف ہو اس کا انکار کر دیا جائے مگر ان دونوں قوموں میں  
 اشکال یہ ہے کہ یہ آیت اور یہ سورت مکی ہے اور اس وقت تک نہ کفار قریش پر کوئی عذاب نازل ہوا تھا اور نہ یہود بنی قریظہ اور نہ  
 یہود بنی نضیر پر کوئی مصیبت اور آفت آئی تھی اور ﴿كَمَا أَنْزَلْنَا﴾ میں کاف حرف تشبیہ ہے اور انزل لنافیغہ ماضی ہے جو اس بات  
 پر دلالت کرتا ہے کہ ان مقتسمین پر گزشتہ زمانہ میں عذاب نازل ہو چکا ہے حالانکہ کفار مکہ اور یہود بنی قریظہ پر جو بھی آفت

❶ اس سورت میں تقدیر عمارت اس طرح ہوگی۔ انی انا النذیر المبین عذابا کما انزلنا علی المقتمین و علی هذا الوجه المفعو  
 محذوف وهو المشبه دل علیہ المشبه بہ۔ (تفسیر کبیر)

اور مصیبت آئی ہجرت کے بعد آئی۔ ہجرت سے پہلے نہ کفار مکہ پر کوئی عذاب آیا اور نہ یہود پر لہذا انذار میں ایسے عذاب سے تشبیہ دینا جو ابھی تک واقع نہیں ہوا۔ ذوق بلاغت کے خلاف ہے اور ان دو قوموں کو آیت کا شان نزول کہنا بہت مشکل ہے ان دونوں قولوں کی تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ کفار مکہ اور یہود بنی قریظہ اور بنی نضیر پر اگرچہ اس وقت تک عذاب نازل نہ ہوا تھا مگر چونکہ مستقبل قریب میں اس کا وقوع یقینی تھا اس لیے اس کو لفظ انزالنا سے تعبیر کیا گیا ہے۔

### ترجیح راجح

اس آیت کی تفسیر میں حضرات مفسرین کے مختلف اقوال ہم نے ناظرین کے سامنے کر دیئے۔ محققین کے نزدیک سب سے راجح قول اول ہے وہ یہ کہ ﴿كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ﴾ الخ ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ سے متعلق ہے اور مقتسمین سے اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ مراد ہیں اور ﴿الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ﴾ مقتسمین کی صفت کاشفہ ہے یعنی مقتسمین کی تفسیر ہے اور قرآن سے یہی قرآن مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے نبی ہم نے آپ ﷺ کو سبع مثنائی اور قرآن عظیم عطا کیا ہے اور آپ ﷺ پر یہ کتاب مستطاب نازل کہ جیسا کہ آپ ﷺ سے پہلے ہم نے یہود اور نصاریٰ کو توریت اور انجیل عطا کی تھی مگر اس زمانہ کے اہل کتاب نے قرآن عظیم کی قدر نہ جانی اور اس قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور قرآن کی تقسیم و تحلیل کر ڈالی کہ جو مضمون قرآن کا ان کی تحریفات اور ان کی تیار کردہ توریت اور انجیل کے مطابق ہوا اس کو حق مان لیا اور جو اس کے خلاف پایا اس کو باطل کہہ دیا۔ ان اہل کتاب نے اپنے جہل اور عناد سے اس طرح قرآن کو حق اور باطل کی طرف تقسیم کر لیا۔ اور یہ معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں اور اس معنی کو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر: ۲۹۲/۵ میں اختیار کیا ہے اور اس آیت میں اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کو مقتسمین (بانٹنے والے) کہا کہ انہوں نے قرآن کو حق اور باطل کی طرف تقسیم کیا اور اس کے بعد ﴿الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ﴾ مقتسمین کی صفت ذکر فرمائی کہ یہ مقتسمین وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے بعض پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کیا اور شیخ الاسلام ابوالسعود رحمۃ اللہ علیہ نے اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی معنی کو اختیار کیا ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

اور اس ناچیز کے نزدیک ان اقوال میں راجح قول یہ ہے کہ یہ آیت تشبیہ یعنی ﴿كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ﴾ اپنی قریمی آیت ﴿وَقُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ﴾ سے متعلق ہے اور مقتسمین سے مشرکین مکہ کے وہ چند شریروں اور سرکش

① قال ابن عباس اهل الكتاب امنوا ببعضه وكفروا ببعضه وكذلك قال عكرمة هم اهل الكتاب وسوا مقتسمين لانهم كانوا مستهزئين فيقول بعضهم هذه السورة لي وهذه السورة لك۔

② حضرات اہل علم تفسیر ابوالسعود کو دیکھیں نہایت لطیف کلام فرمایا اور اسی کو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم لوگ مراد ہیں جو ولید بن مغیرہ کے مشورے سے ایام حج میں مکہ کے راستے آپس میں تقسیم کر لیتے تھے جب حج کا موسم آتا اور لوگ باہر سے آتے تو ہر ایک راستہ پر ایک شخص ٹھہرا دیا جاتا کہ جو لوگ اس راستے سے آئیں ان سے یہ کہہ دیا کریں کہ ہمارے شہر میں ایک شخص پیدا ہوا ہے اور اپنے کو بھی بتاتا ہے اس کی بات سے تم دھوکہ نہ کھانا دہ مجنون ہے یا جادوگر ہے یا کاہن وغیرہ وغیرہ ہے اور انہیں چند شریروں نے ازراہ تمسخر و استہزاء سورتوں کے نام سے قرآن کے حصے بخرے کئے ہوئے

تھے کوئی کہتا کہ میں بقرہ • لے لوں گا یا ماندہ اور عنکبوت تجھے دے دوں گا۔ یہ مستہزئین (تمسخر کرنے والوں کا ایک گروہ تھا) جن کا آئندہ آیت میں ذکر ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تسلی دی اور یہ کہا کہ اس گروہ کے شر سے آپ ﷺ کو کفایت کریں گے چنانچہ یہ سب لوگ نہایت ذلت کی موت مرے پس مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اے نبی! آپ ﷺ حق تعالیٰ کی طرف سے کہہ دیجئے کہ میں تم کو اللہ کے قہر اور عذاب سے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تم پر ایسا عذاب نازل کریں گے جیسا ہم نے مقتسمین پر اتارا۔ یعنی جس طرح ہم نے مقتسمین (مکہ کے راستے تقسیم کرنے والوں) پر یا قرآن کو سحر اور شعر اور کہانت وغیرہ وغیرہ کی طرف تقسیم کرنے والوں پر اتارا۔ یعنی خاص قسم کی ذلت کی موت سے ان کو ہلاک کیا۔ اسی طرح تم کو بھی ہلاک کر دیں گے۔ (دیکھو فتح الباری: ۲۸۹/۸ و تفسیر القاری شرح صحیح البخاری بزبان فارسی مصنف شیخ نورالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ: ۳۰۹/۳ و شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی: ۱۶۳/۲) اور اس قول کو ہم نے اس لیے اختیار کیا کہ ﴿وَقُلْ إِنِّي أَنَا الْكَلِيمُ الْمُسْتَمِينُ﴾ قریب ہے اور ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَكَ سَبْعًا مِنَ التَّقَاتِي﴾ ذرا بعید ہے نیز بقرہ میں مقام ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ ﴿كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ﴾ میں انزال سے انزال عذاب مراد ہے نہ کہ انزال کتاب نیز حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو ترجمہ فرمایا وہ بھی اسی قول پر مبنی ہے چنانچہ فرماتے ہیں ”وگجو ہر آئینہ من نیم کنندہ آشکارم فرود خواہیم آورد عذاب را مانند آں چہ فرود آوردہ بودیم بر تقسیم کنندگان آناں کہ ساختند کتاب الہی را پارہ پارہ مترجم گوید یعنی بر اہل کتاب کہ بر بعض آیات عمل می کردند و بر بعض نہ داد۔“ جاننا چاہئے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ترجمہ ہمارے اختیار کردہ قول کا تمام و کمال مؤید نہیں البتہ صرف اس بارے میں مؤید ہے کہ ﴿كَمَا أَنْزَلْنَا﴾ کا تعلق اس کی قریبی آیت یعنی ﴿وَقُلْ إِنِّي أَنَا الْكَلِيمُ الْمُسْتَمِينُ﴾ سے ہے نہ کہ ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَكَ سَبْعًا مِنَ التَّقَاتِي﴾ سے۔ حضرات اہل علم تفسیر بیضاوی اور اس کے حواشی کا مطالعہ فرمائیں ہماری یہ تفصیل انشاء اللہ اہل علم کے لیے مفید اور معین ہوگی۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

پس قسم ہے تیرے پروردگار کی کہ قیامت کے دن ہم ان سب کے اعمال سے ضرور باز پرس کریں گے۔ اور ان مقتسمین سے بھی یہ سوال کریں گے تم نے قرآن عظیم اور صاحب قرآن کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ پس اے نبی! آپ ﷺ صاف صاف ظاہر کر دیجئے اس بات کو کہ جس کے پہنچانے کا آپ ﷺ کو حکم دیا جاتا ہے اور کسی کے استہزاء اور تمسخر کی پرواہ نہ کیجئے اور مشرکین سے منہ موڑ لیجئے یعنی ان کے معصکہ اور استہزاء سے دلگیر نہ ہو جیئے تحقیق ہم تیری طرف سے مجھے تمسخر کرنے والوں کو کافی اور بس ہیں یعنی تو بے خوف خطر ہمارا حکم پہنچان ٹھٹھا کرنے والوں کے شر سے ہم تجھ کو محفوظ رکھیں گے آپ ﷺ ان کے انتقام اور بدلہ کی کوئی فکر نہ کیجئے ہم خود ان سے نمٹ لیں گے اور یہ بد بخت جو آپ ﷺ کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں۔ سو عنقریب جان لیں گے شرک اور استہزاء کا کیا اور کیسا انجام ہے؟ مخلوق کو خالق کے ساتھ شریک ٹھہرانا یہ خدا کے ساتھ استہزاء اور تمسخر ہے یہ مستہزئین جو آپ ﷺ کے ساتھ اور قرآن کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے۔ صاحب قوت و جاہت مشرکین کا ایک گروہ تھا یہ لوگ رؤساء قریش میں سے تھے

● شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ کافر سنتے تھے سورتوں کے نام تو آپس میں ٹھٹھے سے بانٹتے کوئی کہتا میں بقرہ لوں گا یا ماندہ اور عنکبوت تجھ کو دوں گا۔ (موسم القرآن)

ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) ولید بن مغیرہ (۲) عاص بن وائل (۳) حارث بن قیس (۴) اسود بن عبد یغوث (۵) اسود بن المطلب۔ جب ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ استہزاء اور تمسخر میں حس سے تجاوز کیا تو اللہ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ ان کے استہزاء اور تمسخر کی طرف التفات نہ کریں ہم آپ کی طرف سے ان کے لیے کافی اور بس ہیں۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مسجد حرام میں تشریف فرماتے اور جبریل امین علیہ السلام بھی آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ پانچ مستہزنین مسجد حرام میں داخل ہوئے اور آپ ﷺ کو دیکھ کر ہنسے اور پھر طواف میں مشغول ہو گئے جبریل امین علیہ السلام بولے کہ مجھے حکم ہے کہ ان کے شر سے آپ ﷺ کو کفایت کروں پس ولید بن مغیرہ ادھر سے گزرا۔ جبریل امین علیہ السلام نے ولید کی پنڈلی کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے بعد ولید کا ایک تیر ساز پر گزرا ہوا جو تیر بنا رہا تھا ولید کی ازار اس میں الجھ گئی اس مغرور نے جھکنے کو عار سمجھا اس لیے وہ تیر اس کی ساق (پنڈلی) میں لگا جس سے خفیف ساز خم آیا مگر وہ ایسا پھوٹ نکلا کہ ولید اسی میں مر گیا۔ عاص بن وائل کا ادھر سے گزرا ہوا جبریل امین علیہ السلام نے اس کے تلوے کی طرف اشارہ کیا اور حضور پر نور ﷺ سے فرمایا قد کفیت (آپ ﷺ کفایت کئے گئے) یہاں سے نکلنے کے بعد عاص بن وائل کے تلوے میں ایک کاشا لگا جس سے اس کا پیر پھول گیا اور پھول کر پچلی کے پاٹ کی طرح ہو گیا اور اسی میں مر گیا۔ اسود بن المطلب ادھر سے گزرا جبریل امین علیہ السلام نے اس کی آنکھ کی طرف اشارہ کیا اسی قوت نائینا ہو گیا اور مر گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام کے اشارہ کے بعد دیوانہ ہو گیا اور اسی دیوانگی میں اپنا سر ایک درخت سے جا کر مارنے لگا اور اسی میں مر گیا۔ اسود بن عبد یغوث کا ادھر سے گزرا ہوا تو جبریل امین علیہ السلام نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تو اس کا پیٹ پھول گیا اور استقاء ہو گیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو لو لگی اور تمام بدن اس کا سیاہ ہو گیا۔ جب گھر آیا تو گھر والوں نے اس کو پہچانا بھی نہیں اور اسی حالت میں مر گیا۔ اور حارث بن قیس ادھر سے گزرا تو جبریل امین علیہ السلام نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا جس سے اس کو سر پھول گیا۔ اور اس پر اس قدر دم آیا کہ اسی میں مر گیا۔ اس طرح سے اللہ نے اپنے نبی ﷺ کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرنے والوں کو ہلاک کیا۔ (دیکھو زاد المسیر: ۴/۴۲ لابن الجوزی و تفسیر درمنثور: ۴/۱۰۷)

تفسیر درمنثور میں ان مستہزنین کی ہلاکت کی روایتیں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں اور یہ سب کے سب ایک ہی رات میں ہلاک ہوئے (فتح الباری: ۸/۲۹۰)

نکتہ:..... بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان استہزاء کرنے والوں میں سے کوئی اپنے سر سے آپ ﷺ کی طرف اشارہ کرتا ہوگا اور کوئی آنکھ سے اور کوئی اپنے پیٹ سے اور کوئی پیر سے جبریل علیہ السلام نے مستہزنین کے انہیں اعضا کی طرف اشارہ کیا جس کے اشارہ سے وہ حضور پر نور ﷺ کا مذاق اڑاتے۔ انہیں انہیں اعضا کی طرف اشاروں سے مستہزنین ہلاک کیے گئے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

اب پھر آنحضرت ﷺ کی تشفی کی طرف توجہ فرماتے! ہیں۔ اور اے نبی ﷺ! ہم خوب جانتے ہیں کہ تیرا سینہ ان کی تمسخر آمیز باتوں سے تنگ ہوتا ہے۔ جب یہ لوگ شرک کرتے اور قرآن پر ہنستے اور حضور پر نور ﷺ کے ساتھ استہزاء کرتے تو طبعاً یہ باتیں آپ کو ناگوار ہوتیں اور ان باتوں سے آپ ﷺ کا دل گھٹتا، سواس کا علاج یہ ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ ﷺ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے یعنی سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم کی تسبیح پڑھا کیجئے اور ہو جائے سجدہ کرنے والوں میں

سے تسبیح و تحمید سے اور سجدہ سے سینہ کے سارے غم دور ہو جائیں گے۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾۔ یعنی نماز پڑھنے والوں میں سے ہو جائے جس کی ابتداء قیام پر ہوتی ہے اور انتہاء سجود پر ہوتی ہے اور سجود قرب خداوندی کی آخری منزل ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَاسْتَجِدْ وَاقْتَرِبْ﴾۔ اور رکوع تعظیم خداوندی کی درمیانی منزل ہوتی ہے اور قیام اور سجدہ درمیانی ایک برزخی مقام ہے اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو یہاں تک کہ تجھ کو موت آجائے یعنی جب تک جیسا کہ اس وقت تک دل و جان سے اپنے پروردگار کی بندگی کرتا رہ جس درجہ آداب عبودیت بجالائے گا اسی درجہ الطاف ربوبیت کا تجھ پر نزول ہوگا۔ جمہور مفسرین رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اس جگہ ”یقین“ سے مراد موت ہے کیونکہ موت کا وقوع امر یقینی ہے جس میں کسی کو شک نہیں ابو حیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ موت کا ایک نام یقین بھی ہے۔ اھ اور حدیث اور قرآن میں لفظ یقین بمعنی موت مستعمل ہوا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَكُنَّا نَكْتَلِبُ بِيَوْمِ الدِّينِ﴾ لَا حَتَّىٰ أَتَمَعْنَا الْيَقِينِ اور حدیث میں ہے کہ ایک میت کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔ وما هو فقد جاءه اليقين اني لا رجواله الخیر اور عارفین نے اس جگہ یقین سے کیفیت قلبیہ مراد لی ہے:

بدر یقین پر دہائے خیال      نما اند سرا پردہ الاجال

مطلب یہ ہے کہ مرتے دم تک اپنے رب کی حمد و تسبیح میں اور اس کی عبادت میں لگے رہو اللہ تعالیٰ تمہارے سینہ کی تنگی اور گھٹن کو دور کر کے شرح صدر کی دولت سے تم کو نوازے ذکر الہی اور عبادت کی خاصیت ہی یہ ہے کہ اس سے سینہ کی تنگی زائل ہو جاتی ہے یا مغلوب ہو جاتی ہے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے یہ حکم نہیں دیا کہ میں مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں ہاں خدا نے مجھے یہ حکم دیا کہ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کروں اور سجدہ کرنے والوں میں ہو جاؤں اور اپنے پروردگار کی عبادت کروں یہاں تک کہ مجھ کو موت آجائے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۰/۶۳)

الحمد للہ آج بروز دو شنبہ بتاریخ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ بوقت ۸ بجے دن کے سورۃ حجر کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔  
ولله الحمد وامنة۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر سورۃ نحل

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور اس میں ایک سواٹھائیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں اس سورت کا نام سورۃ نحل ہے اور وجہ سے کہ اس میں نحل کا ذکر ہے۔ ”نحل“ شہد کی مکھی کو کہتے ہیں اور اس سورت کا نام سورۃ نعم بھی ہے اس میں زیادہ تر حق تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو درحقیقت دلائل توحید میں پیرایہ انعام اور امتنان کا ہے مگر در پرزہ ہر نعمت اس کی وحدانیت کی دلیل اور برہان ہے جن سے مقصود ابطال شرک ہے اس سورت کے زیادہ مضامین توحید اور ابطال شرک کے ہیں اور کچھ مضامین ایسے بھی ہیں جن میں منکرین نبوت کے شبہات کے جوابات دیئے گئے ہیں جیسا کہ ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَآذَا أَنْزَلِ رَبُّكُمْ﴾ ایسے بھی ہیں جن میں منکرین نبوت کے شبہات کے جوابات دیئے گئے ہیں جیسا کہ ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَآذَا أَنْزَلِ رَبُّكُمْ﴾ اور ﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرٌ رَبِّكَ﴾ الخ میں مشرکین کے دوسرے شبہ کا جواب دیا

گیا ہے۔

اور ﴿وَقَالَ الَّذِينَ الْاٰمَنُوْا كُوْنُوْا لِمَا عٰبَدْنَا مِنْ دُوْنِهِ مِنْ شَيْءٍ يَّوْمَ الْاٰخِرِ﴾ الخ میں منکرین نبوت کے تیسرے شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔

اور ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوحِيْ اِلَيْهِمْ﴾ میں منکرین نبوت کے چوتھے شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔ اس طرح اخیر سورت تک زیادہ تر توحید کے دلائل عقلیہ کا بیان چلا گیا اور گاہ بگاہ نبوت و رسالت اور حقانیت قرآن اور قیامت اور حشر و نشر کے منکرین پر وعید اور تہدید کا بیان چلا گیا اور آخری رکوع میں رسالت محمدیہ ﷺ کی تقویت کے لیے رسالت ابراہیمیہ کا ذکر فرمایا اور چونکہ کفار اور مشرکین آنحضرت ﷺ کی ایذا رسانی پر تلے ہوئے تھے اس لیے اس سورت کو صبر اور تقویٰ کے حکم پر ختم فرمایا۔

﴿۱۶﴾ سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ ﴿۷۰﴾ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾ ایتھا ۱۲۹ رکوعا تھا ۱۶

اٰتٰی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ۗ وَسُبْحٰنَهُ وَتَعْلٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱﴾ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ

آپنیا حکم اللہ کا سو اس کی جلدی مت کرو فل وہ پاک ہے اور برتر ہے ان کے شریک بتانے سے ﴿۱﴾ اتارتا ہے فرشتوں کو ﴿۱﴾ بھیدے کر فل پہنچا حکم اللہ کا، سو اس کی شتابی مت کرو۔ وہ پاک ہے، اور اوپر ہے ان کے شریک بتانے سے۔ اتارتا ہے فرشتے بھید لے کر

مِنْ اَمْرِهِ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ اَنْ اَنْذِرُوْا اِنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ فَاتَّقُوْنَ ﴿۱﴾

اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں فل کہ خبردار کرو کہ کسی کی بندگی نہیں سوا میرے سو مجھ سے ڈرو فل اپنے حکم سے، جس پر چاہے اپنے بندوں میں، کہ خبر پہنچا دو کہ کسی کی بندگی نہیں سوا میرے، سو مجھ سے ڈرو۔

فل یعنی خدا کا یہ حکم کہ ”پیغمبر علی اللہ علیہ وسلم کی جماعت غالب و منصور اور حق کے مخالف مغلوب و ذلیل ہوں گے، جنہیں دنیا میں مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں اور آخرت میں براہ راست احکم الحاکمین کے دربار سے شرک و کفر کی سزا ملے گی“ اس حکم کے وقوع کا وقت قریب آ پہنچا۔ اور قیامت کی گھڑی بھی دور نہیں ہے۔ جس چیز کا آنا یقینی ہوا ہے آئی ہوئی سمجھنا چاہیے پھر جلدی بچانے کی کیا ضرورت ہے۔ بخار از راہ کذب و استہزاء کہا کرتے تھے کہ جس عذاب یا قیامت کے آنے کا تم وعدہ کرتے ہو، وہ جلدیوں نہیں آ جاتا میں تنبیہ فرمایا کہ تمہارے ایسا کہنے سے وہ ٹلنے والا نہیں۔ بلکہ سچی اور یقینی طور پر جلد آ یا پاتا ہے جس قدر وہ لگ رہی ہے وہ بھی ایک طرح سے تمہارے حق میں مفید ہے لیکن بعض کو اصلاح و توبہ کی توفیق مل جائے۔ ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْكَ بِالْعَذَابِ ۗ وَلَوْ اَنْتَ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُ الْعَذَابُ﴾ ﴿۱﴾ ﴿وَيَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا لِحُجَّتٍ﴾ ﴿۱﴾ فل یعنی جب حق کا غالب ہونا اور کفر و شرک پر سزا ملنا یقینی ہے تو توحید کی راہ اختیار کرو اور مشرکانہ طور و طریق سے علیحدہ ہو جاؤ۔ جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو ان میں سے کوئی خدا کے حکم کو نال نہیں سکتا نہ عذاب الہی کو روک سکتا ہے۔

﴿۱﴾ یعنی فرشتوں کی نہیں میں سے بعض کو بیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام یا حنکة الوقی، جن کی طرف ”﴿فَاِنَّهٗ يَسْئَلُكَ مِنْ اٰتٰیہِمْ يَنْذِرُوْكَ مِنْ خَلْقِهٖ وَرَسُوْلًا﴾ میں اشارہ کیا ہے۔

﴿۱﴾ یہاں ”روح“ سے مراد وہی الہی ہے جو خدا کی طرف سے پیغمبروں کی طرف غیر مرئی طریق پر بطور ایک بھید کے آتی ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا ﴿تَلٰی الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ ایک جگہ قرآن کی نسبت فرمایا ﴿وَلَوْ كُنَّا اِلٰهًا لَکُمْ رُوْحًا فَمِنْ اَمْرِہٖ﴾ قرآن یا وہی الہی کو ”روح“ سے تعبیر فرمانے میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح مادی اجسام کو روح سے ظاہری حیات مائل ہوتی ہے، اسی طرح جو مخلوق جہل و ضلال کی بیماریوں سے مردہ ہو چکے تھے وہی الہی کی روح پاکر زندہ ہو جاتے ہیں۔

### آغاز سورت بوعید و تہدید بر منکرین توحید

قَالَ تَزَكَّىٰ ۖ أَلَا أَيْمُّ اللَّهِ لَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُنَافِقِينَ ﴿۱۰۰﴾

یہ سورت چونکہ زیادہ تر دلائل توحید پر مشتمل ہے جس سے مقصود مشرکین کا رد ہے اس لیے اس سورت کا آغاز و عید و تہدید سے کیا گیا تاکہ مشرکین متوجہ ہو جائیں اور غور سے دلائل توحید کو سنیں۔ کیونکہ توحید ہی دین کی اصل بنیاد ہے۔ اور اسی پر انبیاء علیہم السلام کا اتفاق ہے اور انبیاء علیہم السلام نے سب سے پہلے لوگوں کو توحید ہی کی دعوت دی ہے۔ آنحضرت ﷺ مشرکین عرب کو دنیوی اور اخروی عذاب سے ڈرایا کرتے تھے اس پر مشرکین یہ کہتے کہ وہ عذاب اور قیامت جس سے آپ ﷺ ہم کو ڈراتے رہتے ہیں۔ وہ کہاں ہے اور کب آئے گا۔ اور ان کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں (تفسیر کبیر: ۵/۲۹۳)

چنانچہ فرماتے ہیں اللہ کا حکم آچکا ہے کہ دنیا ہی میں کافروں کو سزا ملے گی اور کفر ذلیل و خوار ہوگا۔ اور اسلام سر بلند ہوگا۔ اسلام کا غلبہ اور اس کی عزت اور کفر کی مغلوبی اور ذلت امر یقینی اور امر شدنی ہے اور ان منکرین کی سزا کا وقت قریب آگیا۔ سوائے منکر و! تم اس کی طلب میں جلدی نہ کرو۔ تمہارا فائدہ تاخیر میں ہے تاکہ تم کو مہلت مل جائے۔ مطلب یہ ہے کہ عذاب موعود کا آنا یقینی ہے اس کا حکم آچکا ہے اپنے وقت پر آئے گا۔ اور جب آئے گا تو تم اس سے بچ نہیں سکو گے۔ لہذا تم کو چاہئے کہ عذاب کے آنے سے پہلے شرک سے توبہ کر لو۔ اللہ پاک برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ خدا کے شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ عذاب آنے پر تمہارے یہ شرک، تمہاری کوئی شفاعت نہیں کر سکیں گے رہا یہ امر کہ اللہ نے تم کو براہ راست کفر اور شرک سے کیوں نہ منع کر دیا۔ نبی اور رسول کے واسطے کی کیا ضرورت تھی سوائے اس کا یہ جواب ہے کہ اللہ اپنے حکم سے فرشتوں کو وحی اور پیغام دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے ہر کس و ناکس پر اللہ تعالیٰ کا فرشتہ اللہ کی وحی اور پیغام لے کر نازل نہیں ہوتا۔ اور وحی خداوندی چونکہ حیات روحانی کا سبب ہے اس لیے وحی کو روح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس طرح روح حیات اور زندگی کا ایک سبب ہے اسی طرح وحی بھی مومنوں کے دل کو زندہ کرتی ہے اس لیے وحی کو روح کہا گیا ہے اور وہ پیغام یہ ہے کہ لوگوں کو خبردار کر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں لہذا صرف مجھ ہی سے ڈرو میرے سوا کوئی خالق اور رازق نہیں ف

مرا بندگی کن کہ دارا منم تو از بندگانی و مولی منم

اس آیت میں دو چیزوں کا حکم دیا گیا۔ ایک توحید کا اور ایک تقویٰ کا، توحید سے قوت نظریہ کی تکمیل ہوتی ہے اور تقویٰ سے قوت عملیہ کی تکمیل ہوتی ہے اور انہی دونوں کی تکمیل سے سعادت دارین حاصل ہوتی ہے اور اس کے بعد آئندہ آیات میں دلائل توحید کا ذکر فرماتے ہیں۔

فَلِوَهْبِئِهِ يَرْجِعُ الْبَشَرُ ۗ لِيُجْزِيَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿۱۰۱﴾

فَلِوَهْبِئِهِ يَرْجِعُ الْبَشَرُ ۗ لِيُجْزِيَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿۱۰۱﴾

یعنی توحید کی تعلیم، شرک کا رد اور تقویٰ کی طرف دعوت، یہ ہمیشہ سے تمام انبیاء علیہم السلام کا مشترکہ و متعلقہ نصب العین (مشن) رہا ہے۔ گویا احکامات توحید کی یہی دلیل ہوئی آ کے مٹتی دلیلیں بیان کی جاتی ہیں۔

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۗ تَعْلَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۱۳﴾ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ

بنائے آسمان اور زمین ٹھیک ٹھیک وہ برتر ہے ان کے شریک بتلانے سے فل بنایا آدمی کو ایک بوند سے  
بنائے آسمان اور زمین ٹھیک۔ وہ اوپر ہے ان کے شریک بتانے سے۔ بنایا آدمی کو ایک بوند سے،

فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿۱۴﴾ وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا ۗ لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا

پھر جمعی ہو گیا جھگڑا کرنے والا بولنے والا ﴿۱۴﴾ اور چوپائے بنا دیے تمہارے واسطے ان میں جزا اول ہے اور کتنے فائدے اور بعضوں کو  
پھر جمعی ہو گیا جھگڑتا بولتا۔ اور چوپائے بنا دیے تم کو ان میں جزا اول ہے اور کتنے فائدے، اور بعضوں کو

تَأْكُلُونَ ﴿۱۵﴾ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرْمَىٰ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ﴿۱۶﴾ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ

کھاتے ہو ﴿۱۵﴾ اور تم کو ان سے عورت ہے جب شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب چرانے لے جاتے ہو ﴿۱۶﴾ اور اٹھالے چلتے ہیں بوجھ تمہارے ان  
کھاتے ہو۔ اور تم کو ان سے روٹی ہے، جب شام کو پھیر لاتے ہو اور جب چراتے ہو۔ اور اٹھالے چلتے ہیں بوجھ تمہارے ان

بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بِلِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ ۗ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۷﴾ وَالنَّحِيلَ

شہروں تک کہ تم نہ پہنچتے وہاں مگر جان مار کر بیٹک تمہارا رب بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے فل اور گھوڑے پیدائے

فل یعنی زمین و آسمان کا نظام ایسا درست و استوار بنایا ہے جسے دیکھ کر اعمالِ یقین کرنا پڑتا ہے کہ تمام کائنات کا سلسلہ صرف ایک ہی مالک مختار کے ہاتھ میں  
ہونا چاہیے۔ بلکہ کسی آزادندہ اول کی تشکیک ہائی سرے سے اس نظامِ عالم کو موجود ہی نہ ہونے دیتی ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ ﴿وَإِذَا لَلَّتَب  
كُلُّ الْوَيْهَاتِ خَلَقَ وَتَعْلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾

﴿۱۷﴾ یعنی طریقات و مظاہر کا انتظام درست کر کے تم کو پیدا کیا۔ تم خود اپنی خلقت میں غور کرو تو حق تعالیٰ کی عجیب و غریب صنعت و قدرت کا سبق ملے گا۔ تمہاری  
اصل بیماریاں؟ ایک قطرہ بے جان، جس میں نہ حس و حرکت تھی نہ شعور و ارادہ، نہ وہ بات کرنے کے قابل تھا، نہ اس لائق تھا کہ کسی معاملہ میں جھگڑا کر اپنا حق منوادے  
یا دوسروں پر غالب آجائے۔ اب دیکھو حق تعالیٰ نے اسی قطرہ ناچیز کو کیا سے کیا بنا دیا۔ کسی عجیب صورتِ عطا کی۔ اور کسی اعلیٰ قوتیں اور کمالات اس پر فاض  
کیے جو ایک حرف بولنے پر قادر تھا، وہ کیسے لیکر دینے لگا جس میں ادنیٰ حس و حرکت تھی، اب کس طرح بات بات میں جھگڑے کرنے اور جھجھجکالنے لگا حتیٰ کہ  
بعض اوقات مخلوق سے گزر کر فائق کے مقابلہ میں فرعون کی طرح ہو گیا، یہی یاد رکھا کہ میری اصل بیماری اور کیسے یہ طاقت حاصل ہوئی ﴿وَإِلَّا لَنُبَذَّلْنَا لَكُمُ  
خَلْقًا مِّنْ نَّفْثَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ وَكَذَٰلِكَ لَنُتَمَثَّلَنَّ لَكُمْ أَشْجَارًا وَنَسِيءًا فَتَلَوُّهَا تَعْلَوًّا ۖ لَّئِن لَّمْ يَكُفِّرُوا بِنُورِنَا وَمِنَّا لَوَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْإِنْسَانِ لِيَكُونَ  
مِنْكُمْ فِرْقَةٌ يَجْرُمُ بِهَا الدِّينَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾

﴿۱۸﴾ یعنی اونٹ، گائے، بھیر، بکری تمہارے لیے پیدا کئے۔ ان میں سے بعض کے ہال یا اون وغیرہ سے کھل دے، ڈیرے، خیمے اور سردی سے بچنے کے  
لیے مختلف قسم کے لباس تیار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی کا دودھ پیا جاتا ہے، کسی کو گل میں پلایا جاتا ہے۔ مٹی مٹھن وغیرہ کی ساری افراط ان ہی جانوروں کی  
ہدایت ہے۔ ان کے چمڑے سے کیسے کیسے عمدہ اور بیش قیمت سامان تیار کیے جاتے ہیں۔ جن جانوروں کا گوشت کھانے میں کوئی معتد بہ نہ ہوتی یا انسانی  
مفرت نہیں ہے ان کا گوشت کھایا جاتا ہے، کتنے غریبوں کی شکم پروری ان سے ہوتی ہے اور جو دوسری غذا میں ہم کھاتے ہیں ان کی تیاری میں بھی ان  
جانوروں کو کس قدر دیا ہے۔

﴿۱۹﴾ جب احوال مگر گھر میں بندے کھڑے ہوں یا جنگل میں لٹکے ہوں اس وقت انعامِ الہی کا ایسا سامان مظاہرہ نہیں ہوتا۔ ہاں جب چرانے کے لیے گھر سے  
نکلے یا شام کو جنگل سے شکم بھر کر گھر کی طرف لوٹتے ہیں اس وقت ایک عجیب رونق اور چمک پھیل جاتی ہے۔ مالک خود بھی دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور دوسرے  
لوگ بھی کہتے ہیں کہ خدا نے لال زمیندار کو کیسا دامن دولت دیا ہے۔



شہروں تک کہ تم نہ پہنچتے وہاں مگر جان توڑ کر۔ بے شک تمہارا رب بڑا شفقت والا مہربان ہے۔ اور گھوڑے بنائے

وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيرِ لِيَتْرَكِبُوَهَا وَزِينَةً ۖ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۸﴾ وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ

اور خچریں اور گدھے کہ ان پر سوار ہو اور زینت کے لیے فل اور پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے ﴿۸﴾ اور اللہ تک پہنچتی ہے اور خچریں اور گدھے، کہ ان پر سوار ہو اور رونق۔ اور بناتا ہے جو تم نہیں جانتے۔ اور اللہ تک پہنچتی ہے

السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۖ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَيْكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۹﴾ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ

سیدھی راہ اور بعضی راہ کج بھی ہے ﴿۹﴾ اور اگر وہ چاہے تو سیدھی راہ دے تم سب کو ﴿۹﴾ وہی ہے جس نے اتارا آسمان سے سیدھی راہ، اور کوئی راہ کج بھی ہے۔ اور وہ چاہے تو راہ دے تم سب کو۔ وہی ہے جس نے اتارا آسمان سے

مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ﴿۱۰﴾ يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ

تمہارے لیے پانی اس سے پیتے ہو اور اسی سے درخت ہوتے ہیں جس میں چرتے ہو ﴿۱۰﴾ اگاتا ہے تمہارے واسطے اس سے کھیتی اور زیتون پانی، تمہارا اس سے پینا ہے، اور اس سے درخت ہیں جن میں چراتے ہو۔ اگاتا ہے تمہارے واسطے اس سے کھیتی اور نہایتون

وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۱﴾

اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے میوے اس میں البتہ نشانی ہے ان لوگوں کو جو غور کرتے ہیں ﴿۱۱﴾

فل یعنی جہاں تم جریدہ بدون سامان و اسباب کے بڑی شکل سے پہنچ سکتے تھے یہ جانور تم کو اور تمہارے بھاری بھاری سامانوں کو پہنچ کر لے جاتے ہیں۔ یہ خدا کی کئی بڑی شفقت اور مہربانی ہے کہ ان حیوانات کو تمہاری خدمت میں لگا دیا اور ان سے کام لینے کی اجازت دی اور بڑی سخت اور مشکل مہمات ان جانوروں کے ذریعہ سے آسان کر دیں۔ ﴿۱۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِنَّا صُفْرًا فَكَمَلْنَا لَهُمُ جَنَابًا مِّنْهُمَا فَمَجَلَّوْا عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ لِقَوْمٍ اُولٰٓئِكَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۱﴾

فل یعنی سواری کرتے ہو اور عورت دشان ظاہر ہوتی ہے۔ (تنبیہ) عرب میں گدھے کی سواری معیوب نہیں۔ وہاں کے گدھے نہایت قیمتی، خوبصورت، تیز رفتار و دردم ہاز ہوتے ہیں۔ بعض گدھوں کے سامنے گھوڑوں کی کچھ حقیقت نہیں رہتی۔ ایک زندہ دل ہندی نے خوب کہا تھا کہ حجاز میں "گدھا" نہیں "سماز" ہوتا ہے۔

فل یعنی جن حیوانات کا اوپر ذکر ہوا، ان کے علاوہ حق تعالیٰ تمہارے انتفاع کے لیے وہ چیزیں پیدا کرتا رہتا ہے اور کرتا رہے گا جن کی تمہیں فی الحال خبر بھی نہیں۔ اس میں وہ سب سواریاں بھی آگئیں جو قیامت تک بنتی رہیں گی۔

فل پہلے ذکر فرمایا تھا کہ تم جنوانات کی پیٹھ پر سوار ہوتے ہو اور وہ تم کو صح سامان و اسباب کے سخت اور کھٹن منزلیں طے کرا کر منزل مقصود پر پہنچا دیتے ہیں۔ یہ بدنی اور حسی سیر و سفر کا حال ہوا۔ اسی کی مناسبت سے اب روحانی اور معنوی سیر و سیاحت کی طرف کلام منتقل ہو گیا۔ یعنی جس طرح زمین پر راستے طے کر کے منزل مقصود تک پہنچتے ہو، ایسے ہی خدا تک پہنچنے کا سیدھا راستہ بھی کھلا ہوا ہے۔ جس کی کچھ سیدھی ہوگی۔ وہ مذکورہ بالا دلائل و بصائر میں غور کر کے حق تعالیٰ کی قدرت اور عظمت و جبروت پر ایمان لائے گا اور توحید و تقویٰ کی سیدھی راہ مل کرے کھلے خدا تک پہنچ جائے گا۔ لیکن جس کی عقل سیدھی نہیں، اسے سیدھی سوک پر چلنے کی توفیق کہاں ہو سکتی ہے وہ ہمیشہ احوال و ادہام کی پیچیدار پگڈنڈیوں میں پڑا بھٹتا رہے گا۔ ﴿۱۱﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ السَّمْعَ لِيَسْمَعُوا لَكُمْ قَوْلًا وَخَلَقَ الْعَيْنَ لِيُبْصِرُوا بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿۱۲﴾

فل یعنی خدا تمہیں اس بات سے عاجز نہیں تھا کہ ساری دنیا کو ایک ہی راہ پر لادیتا۔ لیکن اس کی حکمت مقننی نہیں ہوتی کہ سب کو ایک ہی ذہنگ اختیار کرنے پر مجبور کر دے۔ بیساکہ ہم پہلے متعدد مواقع میں اس کی تشریح کر چکے ہیں۔

فل یعنی ہانی پینے کے قابل بنایا اور اسی سے درخت، گھاس وغیرہ نباتات اگاتے جس سے تمہارے جانور چرتے ہیں۔

اور کجوریں اور انکور اور ہر قسم کے میوے۔ اس میں نشانی ہے ان لوگوں کو جو دھیان کرتے ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ إِنَّ فِي

اور تمہارے کام میں لگا دیا رات اور دن اور سورج اور چاند کو اور تارے کام میں لگے ہیں اس کے حکم سے قرآن میں اور کام لگائے تمہارے رات اور دن اور سورج اور چاند۔ اور تارے کام میں لگے ہیں اس کے حکم سے۔ اس میں

ذٰلِكَ لَايَتَّبِعُ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۶﴾ وَمَا خَرَأَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهُ اِنَّ فِي ذٰلِكَ

نشانیوں میں ان لوگوں کو جو سمجھ رکھتے ہیں اور جو چیزیں پھیلائیں تمہارے واسطے زمین میں رنگ رنگ کی قرآن میں نشانیوں میں ان لوگوں کو جو بوجھ رکھتے ہیں۔ جو کبھی ہے تمہارے واسطے زمین میں کئی رنگ کا۔ اس میں

لَايَةٌ لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا

نشانی ہے ان لوگوں کو جو سوچتے ہیں اور وہی ہے جس نے کام میں لگا دیا دریا کو کہ کھاؤ اس میں سے گوشت تازہ اور نکالو نشانی ہے ان لوگوں کو جو سوچتے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے کام لگایا دریا، کہ کھاؤ اس میں سے گوشت تازہ اور نکالو

مِنْهُ حَلِيَّةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاجِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ

اس میں سے کہنا جو پہنتے ہو اور دیکھا ہے تو کشتیوں کو چلتی ہیں پانی پھاڑ کر اس میں قرآن اور اس واسطے کہ تلاش کرو اس کے فضل سے اور تاکہ اس سے کہنا جو پہنتے ہو۔ اور دیکھے تو کشتیاں پھاڑتی چلتی اس میں، اور اس واسطے کہ تلاش کرو اس کے فضل سے، اور شاید

تَشْكُرُونَ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِي فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيٌّ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهَارًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ

احسان مانو قرآن اور رکھ دیے زمین پر بوجھ کہ کبھی جھک پڑیں تم کو لے کر قرآن اور بنائیں ندیاں قرآن اور راستے تاکہ قرآن یعنی ایک ہی پانی سے مختلف قسم کے پھل اور میوے آگاتا رہتا ہے جن کی شکل و صورت، رنگ و بو، مزہ اور تاثیر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ اس میں طور کرنے والوں کے لیے خدائی قدرت کا ملامت و صنعت غریبہ کا بڑا نشان ہے کہ ایک زمین، ایک آفتاب، ایک ہوا، اور ایک پانی سے کیسے رنگ رنگ کے پھول پھل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

قرآن رات اور دن برابر ایک دوسرے کے پیچھے لگے چلے آتے ہیں تاکہ دنیا کا کاروبار چلے اور لوگ سکون و آرام حاصل کر سکیں۔ اسی طرح چاند سورج ایک صحیح نظام کے ماتحت نکلتے اور چمکتے رہتے ہیں۔ رات، دن کی آمد و شد اور شمس و قمر کے طلوع و غروب کے ساتھ انسانوں کے بیشتر فوائد و اہمیت ہیں۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو ان کے بدون انسان کی زندگی محال ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے اقتدار کامل سے چاند سورج اور گل خاروں کو ادنیٰ مزدوروں کی طرح ہمارے کاموں پر لگا رکھا ہے۔ مجال نہیں کہ ذرا سستی یا سرتابی کر سکیں۔ لیکن چونکہ رات دن اور چاند سورج سے بالکل صریح طور پر ہمارے کام متعلق ہیں اور دوسرے تاروں سے ہمارے فوائد و مصالح کی دانگنی اس قدر واضح نہیں ہے، شاید اس لیے ان کو جدا کر کے دوسرے عنوان سے بیان فرمایا۔ واللہ اعلم۔

قرآن یعنی جس بلند و برتر ہستی نے آسمانی چیزوں کو تمہارے کام میں لگایا اسی نے تمہارے فائدہ کے لیے زمین میں مختلف قسم کی مخلوقات پیدا کیں جو مابیت، شکل و صورت، رنگ و بو اور منافع و خواہش میں ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہیں۔ اس میں سب حیوانات، نباتات، جمادات، برسات و درختات شامل ہو گئے۔ قرآن یعنی ایسے ٹھانسیں مارنے والے طرفدار سمندر کو بھی جس کے سامنے انسان ضعیف البنیان کی کچھ برسات نہیں تمہارے کام میں لگا دیا کہ اس میں بے تکلف پھل لاشکار کر کے نہایت لذیذ اور تازہ گوشت حاصل کرتے ہو۔ اور اس کے بعض حصوں میں سے موتی اور موتی نکالتے ہو جس کے قیمتی زیورات تیار کیے جاتے ہیں جہاں سمندر کی موجوں کو دیکھو جن کے سامنے بڑے بڑے جہازوں کی ایک منگ کے برابر حقیقت نہیں۔ لیکن ایک چھوٹی سی کشتی کس طرح ان موجوں کو پھیرتی =

احسان مانو۔ اور ڈالے زمین میں بوجھ، کہ کبھی جھک پڑے تم کو لے کر، اور ندیاں بنائیں اور راہیں شاید

يَهْتَدُونَ ﴿۱۵﴾ وَعَلِمْتَ ۞ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۱۶﴾ آمَنَ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ ۞ أَفَلَا

تم راہ پاؤ؟ اور بنائیں علامتیں ۱۵ اور ستاروں سے لوگ راہ پاتے ہیں ۱۶ بھلا جو پیدا کرے برابر ہے اس کے جو کچھ نہ پیدا کرے کیا تم  
تم راہ پاؤ۔ اور بنائے پتے۔ اور تارے سے راہ پاتے ہیں۔ بھلا جو پیدا کرے، برابر ہے اس کے جو کچھ نہ پیدا کرے، کیا تم

تَذَكَّرُونَ ﴿۱۷﴾ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۸﴾ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

سوچتے نہیں ۱۷ اور اگر شمار کر دے اللہ کی نعمتوں کو نہ پورا کر سکو گے ان کو ۱۸ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۱۹ اور اللہ جانتا ہے  
سوچ نہیں کرتے؟ اور اگر گنو نعمتیں اللہ کی، نہ پورا کر سکو ان کو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اللہ جانتا ہے

مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ

جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو ۱۹ اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ خود  
= پھاڑتی پٹی جاتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہے کہ اس نے انسان کو عقل دی اور ایسی چیزیں تیار کر لینے کی ترکیب سمجھائی جن کے ذریعہ سے گویا  
سمندروں کو پایاب کر لیا گیا۔

۱۹ یعنی جہازوں اور کشتیوں پر تجارتی مال لاد کر ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں پہنچاؤ، اور خدا کے فضل سے بڑی  
فراخ روزی حاصل کرو، پھر خدا کا احسان مان کر اس کی نعمتوں کے شکر گزار ہو۔

۲۰ یعنی خدا تعالیٰ نے زمین پر بھاری پہاڑ رکھ دیئے تاکہ زمین اپنی اضطرابی حرکت سے تم کو لے کر بیٹھ نہ جائے۔ روایات و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین  
ابتداءً آفرینش میں مضطربان طور پر تھی اور کاشتی تھی۔ خدا تعالیٰ نے اس میں پہاڑ پیدا کیے جن سے اس کی کچھکی بند ہوئی۔ آجکل جدید سائنس نے بھی اقرار کیا  
ہے کہ پہاڑوں کا وجود بڑی حد تک زلزلوں کی کمزرت سے مانع ہے۔ بہر حال زمین کی حرکت و سکون کا مسئلہ جو حکماء میں مختلف فیہ رہا ہے اس سے آیت کا لفظ آیا  
اجابا کچھ تعلق نہیں، کیونکہ پہاڑوں کے ذریعہ سے جس حرکت کو بند کیا ہے وہ یہ دائمی حرکت نہیں جس میں اختلاف ہو رہا ہے۔

۲۱ یعنی ندیوں اور نہروں کا سرچشمہ نہیں پہاڑوں میں ہوتا ہے لیکن وہ میدانوں اور پہاڑوں کو قطع کرتی ہوئی سینکڑوں ہزاروں میل کی مسافت پر خدا کے حکم  
سے ان بستیوں تک پہنچتی ہیں جن کا رزق ان کے پانی سے متعلق سمجھا گیا ہے۔

۲۲ یعنی ایک ملک سے دوسرے ملک میں جاسکو۔

۲۳ یعنی پہاڑ، چٹنے، درخت، ریت کے ٹیلے غرض مختلف قسم کی علامتیں قائم کر دی ہیں جن سے مسافروں کے قافلے ٹھیک راستہ کا سراغ نکال سکیں۔ میں نے خود  
بعض اعراب (بدوؤں) کو دیکھا کہ مٹی کو سوکھ کر راستہ کا پتہ لگاتے ہیں۔

۲۴ یعنی رات کے وقت دریا اور خشکی کے سفر میں بعض ستاروں کے ذریعہ سے راستہ کا پتہ لگایا جاتا ہے۔ "قلب نما" سے جو راہنمائی ہوتی ہے وہ بھی بالواسطہ  
تارہ سے تعلق رکھتی ہے۔

۲۵ یعنی سوچنا چاہیے یہ کس قدر حماقت ہے کہ جو چیزیں ایک مکھی کا پر اور مچھری کا ننگ بلکہ ایک جو کا دانہ یا ریت کا ذرہ پیدا کرنے پر قادر نہ ہوں انہیں معبود  
سمتھان ٹھہرا کر خداوند قدوس کے برابر کر دیا جائے۔ جو مذکورہ بالا عجیب و غریب مخلوقات کا پیدا کرنے والا اور ان کے محکم نظام کو قائم رکھنے والا ہے اس گستاخی کو  
دیکھو اور خدا کے انعامات کو خیال کرو۔ حقیقت میں انسان بڑا ہی ناشکر ہے۔

۲۶ یعنی جو نعمتیں ادا ہد بیان ہوئیں "مٹے نمونہ از خردارے" نہیں۔ باقی خدا کی نعمتیں تو اس قدر ہیں جن کا تم کسی طرح شمار نہیں کر سکتے۔

۲۷ یعنی ان بیشمار نعمتوں کا شکر پوری طرح کس سے ادا ہو سکتا تھا۔ لہذا ادائے شکر میں جو کوتاہی رہ جاتی ہے خدا اس سے درگزر کرتا اور تھوڑے سے شکر پر بہت سا  
اجر عطا فرماتا ہے۔ یا یہ کفران نعمت کے بعد جو شخص توہر کے شکر گزار بن جائے حق تعالیٰ اس کی پچھلی کوتاہیوں کو بخشا اور آئندہ کے لیے رحمت مبذول فرماتا  
ہے۔ بلکہ شکر کی حالت میں بھی اپنی رحمت و اسعہ سے اس کو ہالک و محروم نہیں کرتا۔ ہزاروں طرح کی نعمتیں دنیا میں فائز کرتا رہتا ہے۔

جو چھپاتے ہو، اور جو کھولتے ہو۔ اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا، کچھ پیدا نہیں کرتے اور آپ

يُخْلِقُونَ ﴿۱۵﴾ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ ۚ لَا يَأْتِيَانِ يَبْعَثُونَ ﴿۱۶﴾ إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ ۚ

پیدا کیے ہوئے ہیں مردے ہیں جن میں جان نہیں ہے اور نہیں جانتے کب اٹھائے جائیں گے ﴿۱۶﴾ معبود تمہارا معبود ہے ایک پیدا ہوتے ہیں۔ مردے ہیں، جن میں جی نہیں۔ اور خبر نہیں رکھتے کب اٹھائے جائیں گے۔ معبود تمہارا، معبود ہے ایک۔

فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكَرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿۱۷﴾ لَا جَزْمَ لَنَا بِاللَّهِ

سو جن کو یقین نہیں آخرت کی زندگی کا ان کے دل نہیں مانتے اور وہ مغرور ہیں ﴿۱۷﴾ ٹھیک بات ہے کہ اللہ سو جو یقین نہیں رکھتے پچھلے دن کی زندگی کا، اور ان کے دل نہیں مانتے، اور وہ مغرور ہیں۔ ٹھیک بات ہے، کہ اللہ

يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۗ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿۱۸﴾

جاتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں بیشک وہ نہیں پسند کرتا غرور کرنے والوں کو ﴿۱۸﴾ جانتا ہے جو چھپاتے ہیں اور جو جتاتے ہیں۔ بے شک وہ نہیں چاہتا غرور کرنے والوں کو۔

### ذکر دلائل توحید

قَالَ الْعَجَلَانِي: ﴿خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ...﴾ إِلَى... إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿۱۸﴾

۱۵ یعنی حق تعالیٰ تمام ظاہری و باطنی احوال سے خبردار ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ کون شخص اس کی نعمتوں پر کس حد تک دل سے اور کس حد تک جوارح سے شکر گزار بنتا ہے اور کون ایسا ہے جس کا ظاہر و باطن ادائے حق نعمت سے خالی رہتا ہے، یا مذکورہ بالا دلائل و نعم کون کون ہے جو سچے دل سے اس پر ایمان لاتا ہے اور کون ہے جو ظاہر میں دلائل سے لاجواب ہو کر بھی حق کو قبول نہیں کرتا۔ خدا کے علم میں جس کا جو مال ہو گا اسی کے موافق معاملہ کرے گا۔

۱۶ خدا تو وہ ہے جس کے عظیم الشان اور غیر محصور انعامات کا اوپر تذکرہ ہوا۔ اب مشرکین کی حماقت ملاحظہ ہو کہ ایسے عالم اکل اور خالق اکل خدا لاشریک ان چیزوں کو ٹھہرا دیا جو ایک گھاس کا سکا پیدا نہیں کر سکتیں، بلکہ خود ان کا وجود بھی خدا کا پیدا کیا ہوا ہے۔

۱۷ یعنی جن چیزوں کو خدا کے سوا پوجتے ہیں سب مردے (بے جان) ہیں۔ خواہ وہ ادا و آما مثلاً بت، یا نانی الحال مثلاً جو بزرگ مر چکے اور ان کی پوجائی جاتی ہے یا انجام و مال کے اعتبار سے مردہ ہیں۔ مثلاً حضرت مسیح، روح القدس اور ملائکہ اللہ علیہم السلام، جس کی بعض فرشتے پر متش کرتے تھے بلکہ جن و شیطان بھی جن کو بعض مسموم الفطرت پوجتے ہیں سب پر ایک وقت موت طاری ہونے والی ہے۔ پس جس چیز کا وجود دوسرے کا عطا کیا ہوا ہو اور وہ جب چاہے چھین لے، اسے خدا کس طرح کہہ سکتے ہیں؟ یا عبادت کے لائق کیسے ہو سکتا ہے؟

۱۸ یعنی یہ عجیب خدا ہیں جنہیں کچھ خبر نہیں کہ قیامت کب آئے گی اور وہ خود یا ان کے پرستار کس حساب و کتاب کے لیے اٹھائے جائیں گے۔ ایسی بے جان اور بے خبر ہستیوں کو خدا بتلانا انتہا درجہ کی حماقت اور جہل ہے۔

۱۹ یعنی جو دلائل و شواہد اوپر بیان ہوئے ایسے صاف اور واضح ہیں جس میں ادنیٰ غور کرنے سے انسان توحید کا یقین کر سکتا ہے لیکن غور و طلب تو وہ کرے جسے اپنی حماقت کی فکر اور انجام کا ڈر ہو۔ جن کو بعد الموت کا یقین ہی نہیں نہ انجام کی طرف دھیان ہے وہ دلائل پر کب کان دھرتے اور ایمان و کفر کے نیک و بد انجام کی طرف کس التفات کرتے ہیں۔ پھر دلوں میں توحید کا اقرار اور یغیر کے سامنے تواضع سے گردن بھکانے کا خیال آئے تو کہاں سے آئے۔

۲۰ یعنی خوب کچھ لوگوں کو غرور کوئی اچھی اور پسندیدہ چیز نہیں، اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا تو حید کا انکار جو تم دلوں میں رکھتے ہو اور غرور و تکبر جس کا اظہار تمہاری پال ڈھال اور طور و طریق سے ہو رہا ہے، سب خدا کے علم میں ہے۔ وہ ہی ہر کلمے و جملے کی سزا تم کو دے گا۔

رابطہ:..... گزشتہ آیات میں یہ بیان کیا کہ اللہ کی معرفت اور اس کی وحدانیت کا علم سب سے اول اور مقدم اور اہم ہے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس کی تعلیم دیتے رہے۔ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ اور توحید کے بعد درجہ تقویٰ کا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے تمام اولین اور آخرین کو وصیت فرمائی ﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا اللَّهَ﴾ اس لیے اب آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کمال قدرت و حکمت کے قسم قسم کے دلائل بیان فرماتے ہیں اور کمال قدرت کی ہر دلیل میں حق جل شانہ کی ایک خاص نعمت کا ذکر ہے جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ رب اکرم تمہارا خالق بھی ہے اور منعم بھی ہے اور باوجود تمہاری نافرمانیوں اور سرکشیوں کے تمہارے عذاب اور سزا میں جلدی نہیں کرتا تم کو چاہئے کہ نعمتوں سے منعم کو پچھانو اور اس سے ڈرو اور اس کی نافرمانی سے بچو اور یہ دلائل چند قسم کے ہیں۔

قسم اول:..... زمین و آسمان کے تغیرات اور اس کے عجائب و غرائب سے استدلال فرمایا کہ ان کا ایک خاص اندازہ اور خاص مقدار پر پیدا کرنا حالانکہ اس کے خلاف بھی ممکن تھا۔ یہ اس کی کمال قدرت و حکمت کی دلیل ہے اور چونکہ تمام مخلوقات میں زمین و آسمان سب سے عظیم ہیں اس لیے سب سے پہلے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا ذکر فرمایا۔

قسم دوم:..... آسمان و زمین کے بعد انسان کی پیدائش اور اس کے احوال سے استدلال فرمایا۔ کما قال اللہ تعالیٰ ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ﴾ ایک قطرہ آب سے ایک عجیب و غریب چیز یعنی انسان کا اس طرح پیدا ہونا کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں اس لیے کہ مادہ اور طبیعت کے افعال یکساں ہوتے ہیں۔ ان میں تفاوت نہیں ہوتا۔ انسان کی یہ عجیب و غریب پیدائش خدا کی کمال قدرت و حکمت کی دلیل ہے انسان کا مادہ ایک ہے مگر اس کے اعضاء اور اجزاء مختلف ہیں اور ہر ایک کے افعال اور خواص بھی مختلف ہیں۔ کوئی جز سر ہے اور کوئی کان اور آنکھ ہے اور کوئی دل ہے اور کوئی پیٹ ہے وغیرہ وغیرہ ظاہر ہے کہ یہ فعل مادہ اور طبیعت کا نہیں اس لیے کہ مادہ اور طبیعت بے شعور ہے بلکہ یہ کسی عظیم و قدیر کی قدرت کا کرشمہ ہے اگر بالفرض طبیعت ہی کا فعل ہے تو طبیعت بھی اسی کی پیدا کردہ ہے رحم مادر میں نطفہ قرار پکڑ گیا اور اندر ہی بچہ تیار ہو رہا ہے اور ماں باپ کو خبر بھی نہیں کہ اندر ہی اندر کیا ہو رہا ہے۔ لہذا ماں باپ کو خالق نہیں کہا جاسکتا۔

قسم سوم:..... احوال انسانی کے بعد حیوانات کے احوال سے استدلال کیا جو انسان کے کام آتے ہیں۔ بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے۔ پھر کسی کو کیا اور کسی کو کیا پیدا کیا کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَإِلَّا لَنَنْفَعَكُمْ خَلْقَهَا. لَكُمْ فِيهَا دِفءٌ وَمَنْفَعٌ وَمِنْهَا كَالْكُلُونِ﴾ الی قولہ تعالیٰ ﴿وَلَوْ شَاءَ لَهَدَيْكُمْ الْجَمْعَ كُلَّهُ﴾ اور اس ضمن میں حیوانات کے جو فوائد اور منافع بیان فرمائے ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی دلیل ہے اور ہر ایک مستقل نعمت ہے جس کا شکر بندوں کو واجب ہے اس ذیل میں اللہ تعالیٰ نے اولاً حیوانات کے ان منافع کا ذکر فرمایا جس کی انسان کو ضرورت ہے اور انسان کے کھانے کے کام آتے ہیں جیسے بھیڑ، بکری، اونٹ اور گائے اور اس کے بعد ان چوپایوں کا ذکر جو سواری کے کام آتے ہیں۔

قسم چہارم:..... جس کو ﴿وَالنَّحِيلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ﴾ میں ذکر فرمایا اس آیت میں ان چوپایوں کی پیدائش سے استدلال

کیا جو انسان کے لیے ضروری اور لابدی تو نہیں مگر سواری اور زیب و زینت اور شان و شوکت کا ذریعہ ہیں۔ جب جنگل جاتے ہیں تو جنگل بھر جاتے ہیں اور جب شام کو گھر واپس آتے ہیں تو گھر میں رونق ہو جاتی ہے اور ﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ میں ان سواریوں کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو ہنوز ظہور میں نہیں آئیں بلکہ آئندہ چل کر پیدا ہوں گی۔ جیسے ریل گاڑی اور دغالی جہاز اور موٹر اور بائیکل یہ سواریاں نزول آیت کے وقت موجود نہ تھیں۔ اور لوگ اس وقت ان چیزوں سے واقف نہ تھے۔

قسم پنجم:..... عجائب حیوانات کے بعد عجائب نباتات سے اپنی قدرت و حکمت پر استدلال فرمایا۔ کما قال تعالیٰ ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ...﴾ الی... إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾۔ یہ قسم قسم کے نباتات اس کی قدرت کاملہ کی واضح اور روشن دلیل ہیں۔ جن کی ماہیت اور حقیقت اور ان کی خاصیت اور کیفیت دریافت کرنے سے بڑے بڑے حکماء کی عقلیں عاجز ہیں۔

قسم ششم:..... احوال نباتات کے بعد اب شمس و قمر و کواکب و سیارات کے احوال سے استدلال کرتے ہیں کہ کوئی نادان یہ نہ سمجھ جائے کہ کھیتوں اور پھلوں کا پکنا شمس و قمر اور کواکب و سیارات کی تاثیر سے ہے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ النَّيْلَ وَالنَّهَارَ...﴾ الی... لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے قدرت اور ارادہ سے ہے۔

قسم ہفتم:..... اس کے بعد اشجار و نباتات کے اختلاف الوان سے استدلال فرمایا کہ نباتات کے الوان (رنگوں) کا مختلف ہونا طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی علیم و قدیر کے قدرت و حکمت کا کرشمہ ہے۔

قسم ہشتم:..... (استدلال باحوال کائنات بحریہ) کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ...﴾ الی... وَلَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ﴾۔ ان آیات میں کائنات بحریہ اور ان کے احوال سے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دریا کو مسخر کیا کہ تم اس سے دریائی جانوروں کو پکڑتے ہو اور قسم قسم کے جواہر اس سے نکالتے ہو اور کشتیوں کے ذریعے اس میں سفر کرتے ہو۔

قسم نہم:..... (استدلال باحوال کائنات ارضیہ جیسے پہاڑ اور نہریں) کما قال تعالیٰ ﴿وَإِلَّا فِي الْأَرْضِ رَوَّابِي أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَانْقَرَاؤُ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾۔ ابتداء میں زمین جنبش کرتی تھی اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑ پیدا کر دیے جس سے اس کی جنبش اور اضطراب میں سکون آ گیا۔

قسم دہم:..... (استدلال باحوال نجوم فلکیہ) کما قال تعالیٰ ﴿وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ﴾ (فتلک عشرہ کاملہ) اب ان دس دلائل کے بعد مشرکین کی مذمت فرماتے ہیں کہ جب ان دلائل اور براہین سے یہ واضح ہو گیا کہ ان تمام کائنات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بت کسی چیز کے خالق نہیں تو ان مشرکین کو کیا ہوا کہ خالق اور مخلوق میں فرق نہیں کرتے کیا ان نادانوں کو اتنی عقل نہیں کہ یہ سمجھیں کہ لائق عبادت وہ ذات پاک یا برکات ہے جو ان عجائب کا خالق ہے اور جو چیز کسی شے کے پیدا کرنے پر قادر نہ ہو وہ کیسے لائق عبادت ہو سکتی ہے۔

نتیجہ دلائل مذکورہ:..... جب گزشتہ آیات میں وجود باری تعالیٰ پر احوال فلکیہ اور احوال انسانیہ اور احوال حیوانیہ اور احوال نباتیہ اور عناصر ربوہ سے استدلال فرمایا تو اخیر میں ان تمام دلائل کا نتیجہ بیان فرمایا ﴿إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ﴾ اور چونکہ اتہاع

حق سے تکبر مانع تھا اس لیے مضمون مذکورہ کو ﴿إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ﴾ پر ختم فرمایا۔

### تفصیل دلائل توحید

#### قسم اول ﴿خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۗ تَعَلَّىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت اور مصلحت کے ساتھ پیدا کیا جن کو دیکھ کر عقل حیران اور دنگ رہ جاتی ہے وہ بلند اور برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ نادان خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ خداوند قدیر نے زمین کو اس عالم کا فرش بنایا اور آسمان کو چھت بنایا عقل ایسے عرش اور فرش بنانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ آسمان کی یہ بے پناہ بلندی اور زمین کی یہ بے پناہ پستی کہ کوئی اس پر دوڑ رہا ہے یا اپنی سواری کو اس پر دوڑا رہا ہے یا اس پر پیشاب اور پاخانہ کر رہا ہے یا اس پر کدال چلا رہا ہے اور کھود کر اس میں یہ خانہ یا کنواں بنا رہا ہے کیا یہ آسمان اور زمین جن کا نہ مبداء معلوم نہ منتهی معلوم خود بخود ہی غیر متناہی اجزاء سے مرکب ہو کر تیار ہو گئے اور ایک عظیم جسم خود بخود بلند ہو کر آسمان بن گیا اور دوسرا جسم خود بخود پست ہو کر زمین بن گیا۔ یا کوئی امر اتفاقی ہے کہ اتفاقی طور پر ایک جسم عظیم بن گیا اور دوسرا جسم زمین بن گیا۔ یا کسی مادہ اور طبیعت کا یا کسی ایسے متقاضی ہے تو کوئی مدعی فلسفہ اور سائنس بتلائے تو سہی کہ وہ کبھی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء ہے فلسفی کو جب آسمان اور زمین کے مبداء اور منتهی کا پتہ چل سکا تو کہہ دیا کہ آسمان اور زمین قدیم ہیں انبیاء کرام علیہم السلام نے خبر دی ہے کہ یہ آسمان اور زمین مخلوق خداوندی ہیں اور قدرت قدیمہ کا کرشمہ ہیں۔ زمین و آسمان کا ہر جز اس کی خدائی اور یکتائی کی گواہی دے رہا ہے۔

#### قسم دوم ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ﴾

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا جو ایک بے حس اور بے شعور چیز ہے اور پھر اس کو عقل اور سمجھ دی۔ پس وہ نکلا بڑا جھگڑالو پیدا ہونے کے بعد خدا کی ذات و صفات میں جھگڑنے لگا اور اس کی تکذیب کرنے لگا اور جس نے پیدا کیا اسی میں جھگڑنے لگا اور یہ خیال نہ کیا کہ ایک بے شعور اور بے حس قطرہ آب سے ایسا ہوشیار اور سمجھدار انسان کیسے بن گیا اور یہ خیال نہ کیا کہ ایک نطفہ جو نو ماہ مادر شکم میں رہا اور خون حیض اس کی غذا رہی اور مختلف مراحل اور منازل طے کرنے کے بعد وہ پیدا ہوا اور پھر شیر خواری کی منزل سے جوان ہوا یہ کس مادہ اور طبیعت کا اقتضاء تھا بلاشبہ یہ کسی قادر حکیم کی تدبیر اور تصویر تھی۔ یہ آیت ابی بن خلف حمی کے بارے میں نازل ہوئی جو مرنے کے بعد زندہ ہونے کا منکر تھا یہ شخص آنحضرت ﷺ کے حضور میں ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور کہنے لگا کہ تیرا یہ خیال ہے کہ خدا اس ہڈی کو بوسیدہ ہونے کے بعد زندہ کرے گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مطلب یہ ہے کہ یہ جھگڑالو انسان اس بات پر غور نہیں کرتا کہ ہم نے اس کو ایک بے حس نطفہ سے پیدا کیا اور پھر اسے عقل اور دانائی اور گویائی دی اب یہ ہمارے ساتھ جھگڑتا ہے اور اپنی پیدائش سے دوبارہ پیدا ہونے پر دلیل نہیں پکڑتا بوسیدہ ہڈی سے انسان کا پیدا کرنا نطفہ سے انسان کے پیدا کرنے سے زیادہ عجب نہیں جو ذات تجھ و نطفہ سے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ تجھ کو بوسیدہ ہڈیوں سے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

قسم سوم ﴿وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا ۗ لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ...﴾

اور خدا تعالیٰ نے تمہارے لیے چوپایوں کو پیدا کیا ان میں تمہارے لیے گرمی کا سامان ہے یعنی ان جانوروں کی اون اور بالوں سے ایسی پوشش تیار ہوتی ہیں جو تم کو جاڑے سے بچائے جسے جڑا دل کہتے ہیں اس کے علاوہ کتنے فائدے ہیں اور بعض کو تم ان میں سے کھاتے ہو یعنی ان کے گوشت اور چربی اور دودھ اور گھی کو کھاتے ہو اور تمہارے لیے ان جانوروں میں رونق اور زینت بھی ہے جب تم ان کو چرا کر شام کے وقت جنگل سے گھر واپس لاتے ہو اس وقت تروتازہ اور خوبصورت ہوتے ہیں اور ان کے تھن دودھ سے لبریز ہوتے ہیں اور گھر میں خوب رونق اور چہل پہل ہے اور جب صبح کے وقت ان کو چرا گاہ کی طرف لے جاتے ہو اگرچہ اس وقت ان کے پیٹ خالی ہوتے ہیں مگر ان کا چرا گاہ میں جانا بھی موجب زینت ہوتا ہے اور یہ جانور تمہارے بوجھ اٹھا کر اس شہر کی طرف لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت کے نہیں پہنچ سکتے۔ بے شک تمہارا پروردگار شفقت کرنے والا مہربان ہے کہ اس نے تمہاری راحت کے لیے یہ سامان پیدا کیا جو تمہارے لیے سامان سفر بھی ہے اور سامان زراعت و مراشت بھی ہے اور ان کا دودھ اور گوشت تمہاری اعلیٰ ترین غذا ہے اور ان کا صوف اور بال تمہارا سامان لباس ہے۔

### قسم چہارم ﴿وَالنَّحِيلَ وَالْبَعَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَرِثَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾

اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے گھوڑوں اور نچروں اور گدھوں کو پیدا کیا تاکہ تم ان پر سوار ہو اور تمہارے لیے زینت ہوں اور جس طرح وہ ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے اسی طرح وہ ان عجیب و غریب چیزوں کو پیدا کرنا ہے جن کو تم نہیں جانتے جیسے انواع و اقسام کے کیڑے مکوڑے یا دریائی جانور یا جو پہاڑوں کے کھڈوں میں ہیں جن کو کسی بشر نے نہیں دیکھا اور نہ سنا۔

نکتہ:..... اول حق تعالیٰ نے ان حیوانات کے منافع کا ذکر فرمایا جن کی انسان کو کھانے کے لئے ضرورت ہے دوم ان حیوانات کا ذکر کیا جن سے بجائے غذا کے سواری کا فائدہ ہوتا ہے اور پھر آخر میں ﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ سے اجالا ان حیوانات کی طرف اشارہ فرمایا جن کی انسان کو ضرورت نہیں ہوئی۔

### جملہ معترضہ برائے بیان اثر و دلائل مذکورہ

#### ﴿وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ﴾

اوپر سے دلائل توحید کا ذکر چلا آ رہا ہے درمیان میں بطور جملہ معترضہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ دلائل مذکورہ صراط مستقیم تک پہنچانے والے ہیں۔ اور اللہ ہی پر پہنچتا ہے سیدھا راستہ یعنی دین اسلام جو اس راہ پر چلے گا وہ اللہ تک پہنچ جائے گا۔ اور بعضے راستے ٹیڑھے ہیں جو خدا تک نہیں پہنچتے وہ وہ ہیں جو دین اسلام کے سوا ہیں مطلب یہ ہے کہ راہ توحید کے سوا کوئی راستہ ایسا نہیں کہ جس پر چل کر بندہ خدا تک پہنچ سکے۔ اسلام کے سوا جو راستے ہیں جیسے یہودیت اور نصرانیت اور مجوسیت اور نچریت اور بت پرستی وغیرہ وغیرہ یہ سب راستے ٹیڑھے ہیں ان پر چل کر خدا تک نہیں پہنچا جاسکتا اور بعض کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ سیدھے راستے کا بیان کرنا اللہ کے ذمہ ہے کیونکہ وہ طریق ہدایت کو ظاہر کیے بغیر کسی کو عذاب نہیں دیتا۔



آگے فرماتے ہیں کہ خواہ کوئی سیدھی راہ پر چلے یا میڑھی راہ پر چلے وہ سب اللہ کی قدرت اور اس کے علم اور مشیت کے ساتھ ہے اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر کر دیتا اس نے جس کو چاہا ہدایت دی اور جس کو چاہا شہوات کے اور ظلمات کے بیابانوں میں گم گشتہ راہ بنایا اب آگے پھر اپنی نعمتوں کو بیان فرماتے ہیں۔ جو اس کی توحید پر دلالت کرتی ہیں پہلی آیت میں احوال حیوانات سے استدلال تھا اب احوال نباتات سے استدلال فرماتے ہیں۔

احوال نباتات سے استدلال: ..... ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ ...﴾ ... إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿﴾

وہی ہے رب تمہارا جس نے آسمان سے کچھ پانی اتارا۔ تمہارا اسی سے پینا ہے اور اسی سے تمہارے لیے درخت اور گھاس اگتے ہیں جس میں تم اپنے میویشی چراتے ہو اسی پانی سے اللہ تمہارے لیے کھیتی اور زیتوں اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل زمین سے اگاتا ہے بے شک اس میں سوچنے والے لوگوں کے لیے ہماری قدرت اور وحدانیت کی نشانی ہے۔ جو شخص اس میں غور کرے کہ دانہ زمین میں غائب ہوا اور تری سے پھول کر پھنسا اور اس سے سو رنگیں نمودار ہوئیں اور زمین میں پھیلیں اور اوپر شاخیں نکلیں اور مختلف قسم کے پھل اور پھول نمودار ہوئے جن کی صورتیں اور شکلیں بھی مختلف اور رنگتیں بھی مختلف اور خاصیتیں بھی مختلف اور مزے بھی مختلف۔ حالانکہ زمین اور پانی اور ہوا سب کی ایک ہے اور اسباب و علل بھی سب کے ایک ہیں اور تاثیرات فلکیہ اور تحریکات کوکبیہ کی نسبت بھی سب کے ساتھ ایک ہے جو اس میں غور و فکر کر لے گا وہ سمجھ جائے گا کہ یہ تمام تغیرات اور اختلافات کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی قادر حکیم کی کاری گری اور کرشمہ سازی ہے۔

قسم ششم ﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالشُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾

اور رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کر دیا یعنی ان چیزوں کو تمہارے کام میں لگا دیا کہ دن اور رات کی آمد و رفت اور چاند اور سورج کے طلوع و غروب سے اور اوقات کے بدلنے سے کارخانہ عالم چل رہا ہے اور سب اس کے حکم سے کام میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ کے حکم سے ایسی چال پر چلتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دی ہے اور انسان ان سے اوقات اور فصول کو معلوم کرتا ہے۔ پس فلاسفہ اور مخمین کا یہ قول کہ عالم سفلی کا کارخانہ، کوکب اور نجوم کی تاثیر اور تصرف سے چل رہا ہے، غلط ہے۔ سب اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے مقہور اور مسخر ہیں۔ سب اس کے بیگاری ہیں جس کام میں لگا دیا اس میں لگے ہوئے ہیں۔ بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ہماری قدرت و یکتائی کی نشانیاں ہیں کہ آفتاب و ماہتاب اور کوکب و نجوم سب اجسام ہیں مگر سب مختلف اور متفاوت ہیں۔ حالانکہ من حیث الجسم ہونے کے لحاظ سے سب یکساں ہیں معلوم ہوا کہ یہ تفاوت جسمیت کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ کسی قادر حکیم کے ارادہ اور مشیت سے ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ستارے کسی کے حکم کے تابع نہیں بذات خود عالم سفلی میں مدبر اور متصرف ہیں یہ لوگ بے عقل ہیں۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند  
تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نحوری  
ہم از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار  
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

غرض جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم اور فہم مستقیم عطا فرمائی وہ سمجھتا ہے کہ چاند اور سورج اور ستارے خود بخود حرکت نہیں کر رہے ہیں پس جو ذات ان کو حرکت دے رہی ہے وہی خدا تعالیٰ ہے اور چونکہ آثار علویہ کی دلالت قدرت قاہرہ پر ظاہر دباہرے ہے اس لیے اس آیت کو عقل پر ختم فرمایا۔

قسم ہفتم ﴿وَمَا خَرَأَ الْكُفْرُ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَذَكَّرُونَ﴾

اور مسخر کر دیا اللہ تعالیٰ نے جو کس اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کیا حالانکہ ان کے رنگ مختلف ہیں جن چیزیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا کیں انسان ان سے فائدہ اٹھاتا ہے اور یہ چیزیں صورت اور شکل اور رنگ اور بو کے اعتبار سے مختلف ہیں اور ایک دوسرے سے ممتاز ہیں اس سے بھی خدا تعالیٰ کی کمال قدرت ظاہر ہوتی ہے اگر کو اکب اور نجوم کی تاثیر ہوتی تو سب نباتات ایک رنگ کے ہوتے۔ ان مخلوقات میں اللہ کی قدرت اور الوہیت کی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو نصیحت پکڑتے ہیں اور غافل نہیں ذرا غفلت کا پردہ اٹھا تو مصنوع کو دیکھ کر صانع کا پتہ چلا لیا اس لیے اس آیت کو تذکرہ پر ختم فرمایا۔ کیوں کہ ان کی دلالت اس قدر واضح ہے کہ اس میں دقیق نظر و فکر کی حاجت نہیں محض تذکرہ اور یاد دہانی کافی ہے۔

قسم ہشتم ﴿وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِيَتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا... إِلَى... وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾

حق جل شانہ نے اپنی الوہیت کے ثابت کرنے کے لیے اول اجرام سماویہ سے استدلال کیا اور پھر دوسری مرتبہ میں انسان کی پیدائش سے استدلال فرمایا اور تیسری مرتبہ میں عجائب حیوانات سے استدلال کیا اور چوتھے مرتبہ میں عجائب نباتات سے استدلال کیا اب احوال عناصر کے عجائب سے استدلال فرماتے ہیں عناصر میں اول پانی کا ذکر فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں: اور وہ وہ ہے جس نے دریا کو تمہارے لیے مسخر کیا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ یعنی مچھلی نکال کر کھاؤ سمندر کا پانی شور ہے مگر مچھلی جو اس سے نکلتی ہے اس کا گوشت شور نہیں۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کی دلیل ہے کہ شور میں سے ایک لذیذ چیز تمہارے کھانے کے لیے نکال دی اور تاکہ تم اس سمندر سے زیور نکالو یعنی موتی اور مرجان نکالو جس کو تم پہنچتے ہو یعنی تمہاری عورتیں۔ چونکہ عورتوں کی زینت مردوں کے لیے ہوتی ہے اس لیے حق تعالیٰ نے پہننے کی نسبت مردوں کی طرف کی اور دیکھتا ہے تو کشتیوں کو کہ چیرتی چلی جاتی ہیں، کشتی کا ایک ہی ہوا سے ایک جانب سے دوسری جانب پار ہو جانا یہ خدا کی کمال قدرت کی نشانی ہے اور کشتیوں کا سمندر میں چلانا اس لیے ہے تاکہ اس کے فضل سے روزی تلاش کرو۔ یعنی تاکہ تم کشتیوں پر سوار ہو کر تجارت کرو اور فضل الہی سے نفع کماؤ اور تاکہ اللہ عزوجل کی شکر گزاری کرو کہ یہ دریا کی تسخیر اور کشتی کی ترکیب اور تمہارا اس طرح سے سفر یہ اللہ کی نعمت ہے، جس کا شکر واجب ہے۔

قسم نهم ﴿وَإِنَّمَا فِي الْأَرْضِ لَرِوَايَةٌ أَنْ يَمْسُدَ بِكُمُ وَإِنَّمَا أَوْسُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۰﴾ وَعَلَيْتُمْ﴾

جب عنصر خاکی سے استدلال فرماتے ہیں اور اسی نے تمہارے لیے زمین میں مضبوط پہاڑ ڈال دیئے کہ وہ زمین تم کو لے کر حرکت نہ کرے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے زمین پر پہاڑوں کا بوجھ ڈال دیا اور پہاڑوں کو زمین کے لیے میخیں بنا دیا تاکہ زمین حرکت نہ کر سکے اس لیے زمین ٹھہر گئی یہ اس کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے کہ اس نے ایک جسم کو خفیف بنایا اور ایک جسم (پہاڑ) کو ثقیل بنایا اور اللہ نے زمین میں نہریں پیدا کیں جیسے لیل اور فرات اور جیحون اور سیحون اور اکثر دریا پہاڑوں

سے نکلتے ہیں اور پیدا کی زمین میں راہیں اور راستے کہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچ سکو، ان دلائل میں غور کرو کہ شاید تم اپنے منزل مقصود کی راہ پالو اور راستوں کی شناخت کے لیے اللہ نے اور بھی نشانیاں رکھی ہیں جن سے چلنے والے راستہ معلوم کرتے ہیں اگر زمین کی ساری سطح یکساں ہوتی۔ کہیں درخت اور پہاڑ اور یہ نشان نہ ہوتے تو مسافر کو راستہ چلانا اور منزل پر پہنچنا مشکل ہو جاتا۔

### قسم دہم ﴿وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ﴾

اور علاوہ ازیں ستاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کر لیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ صرف زمین ہی کی چیزیں راستوں کی علامتیں نہیں بلکہ لوق و دوق میدانوں میں ستارے بھی راستوں کی علامتیں ہیں کہ قافلے ان کی سیدھ میں چلتے ہیں سمت اور رخ اور راستوں کا پتہ ستاروں کے ذریعے چلتا ہے اگر یہ علامتیں نہ ہوتیں تو بہت مشکل پڑ جاتی۔

### تہدید بر اعراض از دلائل واضحہ

یہاں تک توحید کے دلائل بیان فرمائے۔ اب آگے ان لوگوں کی مذمت فرماتے ہیں جو ان دلائل واضحہ میں ذرا بھی غور نہیں کرتے چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس کیا جو خدا ان اجرام علویہ اور سفلیہ اور حیوانات عجیبہ اور نباتات غریبہ اور مصنوعات عظیمہ کو پیدا کرتا ہے۔ مثل ان بتوں کے ہو سکتا ہے جو کچھ پیدا نہیں کرتے پس کیا تم سوچتے نہیں کہ خالق اور غیر خالق کا برابر ہونا عقلاً محال ہے اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنے لگو تو شمار بھی نہیں کر سکتے ہر لمحہ اور ہر لحظہ اس کی نعمتیں مبذول ہوتی رہتی ہیں صرف ایک اپنے ہی وجود پر نظر ڈال لو کہ اس نے تمہیں صحت دی۔ عقل دی سننے کے لیے کان دیئے اور بولنے کے لئے زبان دی اور پکڑنے کے لیے ہاتھ دیئے اور چلنے کے لیے پیر دیئے اس قسم کی بیشمار نعمتیں تم کو دیں جن کو تم گن نہیں سکتے۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہ اس نے باوجود تمہاری تقصیرات کے اپنی نعمتیں بند نہیں کیں۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے منعم کی پرستش کرو کہ جس کی نعمتوں کو تم شمار نہیں کر سکتے اور وہ ایسا مہربان ہے کہ باوجود تمہاری تقصیرات کے اپنی نعمتیں تم پر بند نہیں کرتا اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم دلوں میں چھپاتے ہو اور جو تم زبان سے ظاہر کرتے ہو وہ تمہارے نیک و بد کی تمہیں سزا دے گا وہی عالم الغیب ہے قابل عبادت ہے ظاہر و باطن اس کے نزدیک برابر ہے یہ بت جن کو نہ تمہاری بدی کی خبر ہے اور نہ نیکی کی۔ پوجنے کے لائق نہیں اور جن حقیر چیزوں کی یہ لوگ خدا کے سوا پرستش کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود ہی مخلوق ہیں پس کیسے خالق کے برابر ہو سکتے ہیں۔ وہ تو مردے ہیں زندہ نہیں۔ وہ تو جمادات ہیں نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ حرکت کر سکتے ہیں پس یہ بت معبود کیسے ہو سکتے ہیں۔ معبود کے لئے حیات ازلیہ اور علم محیط چاہئے اور تمہارے ان معبودین کو اتنی بھی خبر نہیں کہ ان کے عابدین یعنی جو ان کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے یعنی ان کو قیامت کا علم نہیں اور نہ اپنے عابدین کی عبادت کا علم ہے لہذا جسے اپنے عبادت کرنے والے کا حال معلوم نہ ہو وہ معبود ہی کیا ہوا تو ایسوں کو پوجنا کمال بے وقوفی ہے خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ خالق معبود اور عالم الغیب اور محیط کل ہو اور خدا تعالیٰ کے سوانہ کوئی خالق ہے اور نہ کوئی عالم الغیب ہے پس ثابت ہوا کہ تمہارا معبود ایک اور یگانہ ہے۔ احد اور صد ہے اگر

کے سوا کوئی معبود ہو ہی نہیں سکتا۔ سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل ایک معبود ہونے سے انکار کرتے ہیں اور وہ منکر ہیں اس لیے انہیں حق کے قبول کرنے سے عار ہے بلاشبہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں اس سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے، تحقیق اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک محبوب وہ ہے جو اس کے سامنے سر تسلیم خم کرے اور حق کو قبول نہ کرنا یہ تکبر ہے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک غایت درجہ مبغوض ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ منکرین قیامت کے دن چیونٹیوں کی طرح ہوں گے تاکہ لوگ انہیں اپنے قدموں سے پامال کریں مطلب یہ ہے کہ میدان حشر میں ان کے اجسام صغیر اور حقیر ہوں گے تاکہ خوب ذلیل ہوں اور آگ میں ان کے اجسام کبیر (بڑے) ہو جائیں گے تاکہ عذاب شدید اور ضرب شدید و مدید کے مورد اور محل بن سکیں۔ اور چونکہ حق سے اعراض کا منشاء تکبر تھا اس لیے آیت کو منکرین کی مذمت پر ختم فرمایا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَآذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۳﴾ لِيَحْبِلُوا أَوْزَارَهُمْ

اور جب کہے ان سے کہ کیا اتارا ہے تمہارے رب نے تو کہیں کہانیاں ہیں پہلوں کی فل تاکہ اٹھائیں بوجھ اور جب کہتے ان کو، کیا اتارا ہے تمہارے رب نے؟ کہیں نقلیں ہیں پہلوں کی۔ کہ اٹھادیں بوجھ

كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَاءَ مَا

اپنے پورے دن قیامت کے اور کچھ بوجھ ان کے جن کو بہکتے ہیں بلا تحقیق سنا ہے برا بوجھ ہے جو اپنے پورے دن قیامت کے، اور کچھ بوجھ ان کے جن کو بہکتے ہیں بے تحقیق۔ سنا ہے؟ برا بوجھ ہے جو

يَزُرُّونَ ﴿۱۴﴾

اٹھاتے ہیں فل

اٹھاتے ہیں۔

### منکرین نبوت کے حاندانہ سوالات اور ان کے جوابات

۱۔ یعنی نادانانہ اشخاص بغرض تحقیق یاد اہلک لوگ ازراہ استحسان جب ان مکذبین سے کہتے ہیں یا وہ مکذبین خود آپس میں ایک دوسرے سے ازراہ استمزاج استہزاء سوال کرتے ہیں کہ "کہو تمہارے رب نے کیا چیز اتاری ہے؟" مطلب یہ کہ قرآن جسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا اتارا ہوا اتلاتے ہیں تمہارے نزدیک کیا چیز ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دعوے میں کہاں تک کچے ہیں؟ تو کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) قرآن میں رکھائی گیا ہے۔ بجز اس کے کہ کتب سابقہ اور مثل سابقہ کی کچھ برائی ہے۔ نہ باتیں (توحید، نبوت، جنت و دوزخ وغیرہ) اور چند قصے کہانیاں نقل کر دی گئی ہیں۔

۲۔ یعنی اس کہنے سے عرض یہ ہے کہ (معاذ اللہ) قرآن عزیز کو بے وقعت ٹھہرا کر اپنے ساتھ دوسروں کو گمراہ کرے۔ اور اس طرح اپنے کفر و ضلال کی پوری پورے کے ساتھ کچھ بوجھ ان لوگوں کے اضلال و انحراف کا بھی سر بردہ رکھیں۔ جنہیں اپنی نادانی اور جہالت سے گمراہ کر رہے ہیں۔ خیال کرو کیسی بدی کی پورے سر بردہ رکھ رہے ہیں۔ حدیث میں ہے "وَمَنْ عَلِيَ ضَلَّ لِحَالِهِمْ لَانْهَالِهَا لِيَعْتَمِدُوا عَلَى الْبُطُونِ تَامِيهِمْ نِيْنَا۔ قَالَ لِنَعَالِهِمْ وَلِيَعْتَمِدُوا عَلَى الْبُطُونِ تَامِيهِمْ نِيْنَا۔ قَالَ لِنَعَالِهِمْ وَانْقَالَا تَمَعِ انْقَالِيهِمْ"۔

رابطہ:..... یہاں تک دلائل توحید کا ذکر فرمایا اب آگے مشرکین کے قبائح اور منکرین نبوت کے معاندانہ سوالات کا ذکر کر کے ان کا جواب دیتے ہیں اسی سلسلہ میں حق تعالیٰ نے مشرکین کے پانچ شبہ ذکر فرما کر ان کا جواب دیا اور یہ بھی بتلادیا کہ یہ شبہ کوئی نئے سب ہے نہیں پہلی امتوں کے لوگ اسی قسم کے شبہ کر چکے ہیں اور ہلاک اور برباد ہو چکے ہیں ان کی ہلاکت اور بربادی خود ان کے شبہوں کا جواب تھی۔

### پہلا شبہ

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا أُنزِلَ رَبُّكُمْ... إِلَى... الْأَسَاءِ مَا يَزِرُونَ﴾

آنحضرت ﷺ نے جب اپنی نبوت و رسالت پر قرآن کریم سے استدلال کیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور معجزہ ہے تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ پچھلے لوگوں کے قصے ہیں اور کہانیاں ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور جب ان منکرین سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے۔ یعنی کوئی ناواقف شخص بغرض تحقیق ان سے یہ پوچھتا ہے کہ بتلاؤ تمہارے پروردگار نے کیا چیز اتاری ہے یا خود ہی آپس میں ازراہ تسخر ایک دوسرے سے یہ سوال کرتے ہیں کہ بتلاؤ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ کچھ نہیں۔ یہ اللہ کا اتارا ہوا کلام کہاں سے آیا یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے اور ان کی کہانیاں ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَقَالُوا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اِكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْنَلِ عَلَيْهِمْ بُكُورًا وَاَصِيْلًا﴾۔ مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں۔ اور اس کی اتاری ہوئی کتاب نہیں پچھلے لوگوں کی بے سند باتیں ہیں۔ نبوت و رسالت اور قیامت اور جنت و جہنم کی باتیں اور پرانے افسانے اس میں نقل کر دیئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اس قسم کی باتوں سے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ قیامت کے دن یہ لوگ اپنے پورے گناہوں کا بوجھ تو اٹھائیں گے اور کچھ بوجھ ان لوگوں کے گناہوں کے بھی اٹھائیں گے جن کو بے تحقیق یہ گمراہ کرتے ہیں۔ یعنی یہ متکبرین اور رؤساء کفر اپنے کفر اور شرک اور اپنے گناہوں کا تو پورا بوجھ اٹھائیں گے۔ اور اپنے بوجھ کے علاوہ اپنے پیروؤں کے گناہوں کا بوجھ بھی کچھ اٹھانا پڑے گا۔ پیرو بری نہ ہوں گے ان کو اپنے کفر اور شرک کا علیحدہ عذاب ہوگا اور ان گمراہ کرے والوں کو گمراہی کا سبب بننے کی وجہ سے بمقدار حصہ سیئت گمراہوں کی عقوبت میں سے بھی کچھ حصہ ملے گا غرض یہ کہ ان ائمہ الکفر کو اپنے کفر اور شرک کا پورا عذاب ملے گا اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہے ان کے عذاب میں سے بھی ان کو کچھ حصہ ملے گا اس طرح ان کو دگنا عذاب بھگتنا پڑے گا۔ مگر گمراہوں کے عذاب میں کوئی کمی نہ ہوگی ان کا قصور یہ ہے کہ انہوں نے انبیاء کرام ﷺ کی پیروی نہ کی۔ اور ان کی بات بے دلیل ہی مان لی۔ اور ان کی جہالت کا عذر قبول نہ ہوگا۔ آگاہ و اجاہد کہ بہت برا بوجھ ہے کہ جو قیامت کے دن اپنی پٹینوں پر اٹھائیں گے گناہوں کے بوجھ سے بڑھ کر کوئی بوجھ نہیں۔ حدیث میں ہے کہ جس نے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا اس کو ان سب لوگوں کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا۔ جنہوں نے اس کا اتباع کیا اور ان لوگوں کے ثواب میں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا۔ اور جس نے لوگوں کو گمراہی کی طرف بلایا اس کو ان سب لوگوں کے گناہ کے برابر گناہ ہوگا۔ جنہوں نے اس کی پیروی کی ان پیروؤں کے گناہ سے کچھ کم نہیں کیا جائے گا۔ (رواہ مسلم)

فائدہ:..... اور آیت ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾ اس کے منافی نہیں اس لیے کہ میرا اس سے وہ وزر ہے کہ جن میں اس کا کچھ عمل دخل نہ ہوگا اور اس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ ہو اور جو شخص کسی برائی یا بھلائی کا سبب بنے گا بقدر سببیت اس کو ثواب و عتاب میں سے حصہ ملے گا۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَنَّ اللَّهَ بِنَبِيَّتِهِمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَّرَ عَلَيْهِمُ السَّقْفَ

البتہ دغا بازی کرچکے ہیں جو تھے ان سے پہلے پھر پہنچا حکم اللہ کا ان کی عمارات پر بنیادوں سے پھر گر پڑی ان پر جہت دغا بازی کرچکے ہیں ان سے اگلے، پھر پہنچا اللہ ان کی چٹائی پر نیو سے، پھر گر پڑی ان پر جہت

مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتَتْهُمْ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِبُهُمْ

ادھر سے اور آیا ان پر عذاب جہاں سے ان کو خبر نہ تھی فل پھر قیامت کے دن رسوا کرے گا ان کو اور سے، اور آیا ان پر عذاب جہاں سے خبر نہ رکھتے تھے۔ پھر دن قیامت کے رسوا کرے گا ان کو،

وَيَقُولُ آيِنَ شُرَكَائِي الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقِقُونَ فِيهِمْ ط قَالَ الَّذِينَ أُوْتُوا الْعِلْمَ إِنَّ

اور کہے گا کہاں ہیں میرے شریک جن پر تم کو بڑی ضد تھی فل بولیں گے جن کو دی گئی تھی خبر چٹک اور کہے گا، کہاں ہیں میرے شریک؟ جن پر ضد کرتے تھے۔ بولیں گے جن کو خبر ملی تھی، بے شک

الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكٰفِرِينَ ﴿۱۷﴾ الَّذِينَ تَتَوَفَّيْهُمْ الْمَلٰئِكَةُ ظَالِمِي

رسوائی آج کے دن اور برائی منکروں پر ہے فل جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اور وہ برا کر رہے ہیں رسوائی آج کے دن اور برائی منکروں پر ہے۔ جن کی جان لیتے ہیں فرشتے وہ برا کر رہے ہیں

أَنْفُسِهِمْ م فَاَلْقُوا السَّلٰمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ ط بَلٰى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا كُنْتُمْ

اپنے حق میں فل تب ظاہر کریں گے اطاعت کہ ہم تو کرتے نہ تھے کچھ برائی فل کیوں نہیں اللہ خوب جانتا ہے جو ہم اپنے حق میں۔ تب آ کر کریں گے اطاعت، کہ ہم تو کرتے نہ تھے کچھ برائی۔ کیوں نہیں؟ اللہ خوب جانتا ہے جو ہم

فل یعنی لوگوں کو گمراہ کرنے اور پیغام حق کو پست کرنے کی جو تدبیریں آج کی جا رہی ہیں ان سے پہلے دوسری قومیں بھی انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں ایسی تدبیریں کر چکی ہیں۔ انہوں نے منکروں کو بڑے بڑے اونچے محل کھڑے کر دیے، پھر جب خدا کا حکم پہنچا تو اس نے پکڑ کر بنیادیں ملا دیں۔ آخر عذاب الہی کے ایک جھکا میں ان کے تیار کیے ہوئے محل ان ہی پر آ پڑے جن کی چھتوں کے نیچے سب دب کر رہ گئے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی تدبیریں خود ان ہی پر ادا دی گئیں۔ اور جو سامان قلب و حفاظت کا کیا تھا وہ فنا و ماکت کا سبب بن گیا۔ بلکہ بعض اقوام کی بستیاں حسی طور پر بھی تہہ و بالا کر دی گئیں۔

فل یعنی جن شرکاء کی حمایت میں ہمارے پیغمبروں سے ہمیشہ لڑتے جھگڑتے تھے آج وہ کہاں ہیں۔ تمہاری مدد کو کیوں نہیں آتے ﴿حَتَّىٰ يَنْتَصِرُوْكُمْ﴾ اَوْ يَنْتَصِرُوْكُمْ ﴿۱۸﴾ ﴿لَا تَلْمِزُوْهُمْ﴾ یہ کہنا ہی ان کو رسوا کرنا ہے۔ یا رسوائی سے مراد جہنم میں داخل کرنا اور ان کی خفیہ مکاریوں کا پردہ فاش کرنا ہے۔ ﴿اِنَّكَ مِنْ لَّدُنْهِ لِنٰزِلٌ﴾

فل یعنی وہ تو کیا جواب دے سکتے۔ البتہ انبیاء علیہم السلام اور دوسرے ہاجر لوگ اس وقت ان مکار و فہازوں کو سنا کر نہیں گے کہ دیکھ لیا جو ہم کہا کرتے تھے۔ =

تَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾ فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۗ فَلَيْسَ مَثْوًى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿۱۹﴾

کرتے تھے فل سو داخل ہو دروازوں میں دوزخ کے رہا کرو سدا اسی میں سو کیا برا ٹھکانا ہے غرور کرنے والوں کا کرتے تھے۔ سو بیٹھو دروازوں میں دوزخ کے، رہا کرو اس میں۔ سو کیا برا ٹھکانا ہے غرور کرنے والوں کا۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۗ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا

اور کہا پرہیزگاروں کو کیا اتارا تمہارے رب نے بولے نیک بات جنہوں نے بھلائی کی اس دنیا میں اور کہا پرہیزگاروں کو، کیا اتارا تمہارے رب نے؟ بولے نیک بات۔ جنہوں نے بھلائی کی اس دنیا میں،

حَسَنَةً ۗ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۗ وَلَنِعَمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ﴿۲۰﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُجْرَمُونَ

ان کو بھلائی ہے فل اور آخرت کا گھر بہتر ہے اور کیا خوب گھر ہے پرہیزگاروں کا فل باغ میں ہمیشہ رہنے کے جن میں وہ جائیں گے بہتی ہیں ان کو بھلائی ہے۔ اور پچھلا گھر بہتر ہے۔ اور کیا خوب گھر ہے پرہیزگاروں کا۔ باغ میں رہنے کے، جن میں وہ جائیں گے، بہتی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ۗ كَذَلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ﴿۲۱﴾ الَّذِينَ

ان کے نیچے نہریں ان کے واسطے وہاں ہے جو چاہیں فل ایسا بدلہ دے گا اللہ پرہیزگاروں کو فل جن کی ان کے نیچے نہریں، ان کو وہاں ہے جو چاہیں۔ ایسا بدلہ دے گا اللہ پرہیزگاروں کو۔ جن کی

تَتَوَفَّوهُمْ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ ۗ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۗ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ

جان قبض کرتے ہیں فرشتے اور وہ ستھری ہیں فل کہتے ہیں فرشتے سلامتی تم پر جاؤ بہشت میں فل بدلہ ہے اس کا جو تم جان لیتے ہیں فرشتے، اور وہ ستھرے ہیں، ان کو کہتے ہیں سلامتی ہے تم پر، جاؤ بہشت میں، بدلہ اس کا جو تم

= آج کے دن ساری برائی اور رسوائی صرف منکرین حق کے لیے ہے۔

فل یعنی شرک و کفر اختیار کر کے اپنے حق میں برا کرتے رہے۔ آخر اسی حالت میں موت کے فرشتے جان نکالنے کو آگئے۔ غلامہ یہ کہ فاترہ حالت کفر و شرک پر ہمارا العیاذ باللہ۔

فل یعنی اس وقت ساری فوں فال نکل جائے گی۔ جو شرارت و بغاوت دنیا میں کرتے تھے سب کا انکار کر کے الماعت و فاداری کا اظہار کریں گے کہ ہم نے کبھی کوئی بری حرکت نہیں کی ہمیشہ نیک چلن رہے۔ ﴿يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ بَعْثًا لِيُخَلِّفُونَ لَهُ كَمَا يَخْلِفُونَ لَكَ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ أَلَّا إِلَهُمْ هُمْ أَلَّا يُدْعُونَ﴾ فل یعنی بجا جھوٹ بول کر خدا کو فریب دینا چاہتے ہو؟ جس کے علم میں تمہاری ساری حرکات ہیں آج تمہارا کوئی مکر اور جھوٹ خدا کی سزا سے نہیں بچا سکتا۔ وقت آ گیا ہے کہ اپنی کوتاہی کا مزہ چکھو۔

فل یہ متکبرین کے مقابلہ میں متقین (پرہیزگاروں) کا حال بیان فرمایا کہ جب ان سے قرآن کے متعلق دریافت کیا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز اتاری تو نہایت عقیدت و ادب سے کہتے ہیں کہ "نیک بات جو سر اچھا خیر و برکت ہے" ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس نے بھلائی کی دنیا میں اسے بھلائی کا خوشگوار پھل مل کر ہے گا۔ خدا کے یہاں کسی کی محنت اور ذرہ برابر نیکی ضائع نہیں جاتی۔

فل یعنی آخرت کی بھلائی اور نعمتوں کا ترو چمنای کیا ہے۔ دنیا و مافیہا کی نعمتیں وہاں کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے مقابلہ میں بیچ ہیں۔

فل یعنی ہستی جس قسم کی جسمانی راحت اور مدد مانی سرت چاہیں گے وہاں مائل ہوگی ﴿وَيُنَبِّئُهَا مَا تَكْتُمُونَ مِنَ الْإِنْفُسِ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا تَخْلَبُونَ﴾

فل یعنی ان تمام لوگوں کو جو کفر و شرک اور فسق و عصیان سے پرہیز کرتے ہیں ایسا اچھا بدلہ ملے گا۔

## تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۱﴾

کرتے تھے یا

کرتے تھے۔

### تہدید معاندین و وعید مستکبرین

قَالَ تَعَالَى: ﴿قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ... إِلَى... اذْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾

رابطہ:..... ان آیات میں اول مستکبرین کی اس دنیا و دہائی اور بربادی کا بیان ہے جو پہلے کافروں پر ناگہانی طور پر نازل ہوئی اس کے بعد ﴿الَّذِينَ تَتَوَفَّوهُمْ اَلْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْ اَنْفُسِهِمْ﴾ میں مستکبرین کے اخروی عذاب کا بیان ہے یہ سب غرور اور تکبر کا نتیجہ ہے اور مقصود یہ ہے کہ جس طرح اگلے کافر اور مستکبر ناگہانی بلاؤں میں مبتلا ہوئے جن کا پہلے سے کہیں وہم و گمان بھی نہ تھا اسی طرح تمہارا بھی یہی حال اور مال ہوگا اور گزشتہ مستکبرین کی طرح تم کو بھی غرور اور تکبر کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ اور اس کے بعد ﴿وَوَقِيلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ الخ میں بطور مقابلہ ایمانداروں کو دینی اور دنیوی صلاح اور فلاح اور خیر و خوبی اور ان کے دینی اور دنیوی مدارج اور مراتب کا بیان ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں۔ تحقیق ان سے پہلے مستکبر بھی لوگوں کو گمراہ کرنے اور حق کو پست کرنے کے لیے عجیب و غریب مکر کر چکے ہیں جو ان کفار مکہ سے پہلے گزرے ہیں جیسے نمرود بن کنعان جو اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ سرکش و ظالم و مستکبر بادشاہ تھا اور تمام شاہان عالم سے بڑھ کر تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھا اس کا مکر یہ تھا کہ اس نے بابل میں ایک بڑا اونچا محل بنوایا تھا جو پانچ ہزار گز بلند تھا اور بعض کہتے ہیں کہ دو فرسخ یعنی چھ میل اونچا منارہ تھا۔ پس آپہنچا اللہ کا حکم ان کی عمارت کی تباہی اور بربادی کے لیے ان کی بنیادوں کی جانب سے کہ زلزلے نے تمام بنیادوں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالا۔ پھر اوپر سے ان پر چھت آگری جس سے چھتوں کے نیچے دب کر مر گئے اور ہلاک ہو گئے جو سامان حفاظت کا کیا تھا وہی فنا اور ہلاکت کا سبب بن گیا اور ایسی جگہ سے ان پر عذاب آیا جہاں سے ان کو وہم اور گمان بھی نہ تھا عمارت کی بنیادیں اس درجہ مستحکم اور مضبوط تھیں کہ خیال بھی نہ تھا کہ جڑ سے اکھڑ جائیں گی۔ چنانچہ نمرود نے جو بلند محل تیار کیا تھا اس کا حال یہ ہوا کہ من بجانب اللہ ایک دم آندھی چلی۔ جس نے اس محل کو جڑ سے اکھاڑ کر ان پر گرا دیا۔ اور وہ سب بد بخت اس کے نیچے دب کر مر گئے اور بعض کہتے ہیں یہ شخص بخت نصر تھا۔ (تفسیر قرطبی: ۱۰/۹۷)

امام رازی قدس سرہ فرماتے ہیں ﴿فَاَيُّ اللّٰهِ بُدِّئْتُمْ بِهَا مِنْ الْقَوَاعِدِ﴾ میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ آیت کے

= ۱ یعنی ان کی جانیں موت کے وقت تک کفر و شرک کی نجات سے پاک اور نفع و فحور کے میل بچیل سے صاف رہیں۔ اور حق تعالیٰ کی صحیح معرفت و حجت کی وجہ سے نہایت خوشحالی اور انشراح بلکہ اشتیاق کے ساتھ اپنی جان جان آفریں کے حوالہ کی۔

۲ ایک حیثیت سے روحانی طور پر تو انسان مرنے کے بعد بھی جنت یا دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ ہاں جسمانی حیثیت سے پوری طرح دخول حشر کے بعد ہوگا۔ لیکن ہے اس بشارت میں دونوں قسم کے دخول کی طرف اشارہ ہو۔

۳ یعنی تمہارا عمل سبب مادی ہے دخول جنت کا۔ ہاں سب حقیقی رحمت الہیہ ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا۔ "اَلَا اَنْ يَّتَفَعَّدَنِي اللّٰهُ بِرَحْمَتِهِ۔"



ظاہری معنی مراد ہوں کہ قدیم زمانہ میں کفار بلند عمارتیں بناتے تھے اور انبیاء کرام ﷺ کا مقابلہ کرتے تھے خدا تعالیٰ نے ان کو جڑ سے گرا دیا اور اوپر سے ان پر چھت آپڑی جس کے نیچے دب کر مر گئے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کلام بطور تمثیل کے ہے کہ انہوں نے حق کے مقابلہ میں مکرو فریب کی بہت بلند عمارت بنائیں اور مکرو تلبیس کے بڑے اونچے محل تیار کر دیئے مگر جب حکم الہی آپہنچا تو مکرو فریب کی بلند عمارت کی چھت انہی پر گر پڑی اور اس کے نیچے دب کر خود ہی ہلاک ابدی میں گرفتار ہوئے۔  
(تفسیر کبیر: ۵/۳۲۳)

الغرض متکبرین کا یہ انجام تو دنیا میں ہوا۔ پھر اس دنیا کے عذاب کے علاوہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو اور رسوا اور خوار کرے گا کیونکہ اس دن پوشیدہ نیتیں ظاہر کی جائیں گی اور منجملہ رسوائیوں کے ایک رسوائی یہ ہوگی کہ اللہ بطور غضب یہ کہے گا کہ بتلاؤ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بارے میں تم انبیاء کرام ﷺ اور اہل ایمان سے جھگڑا کیا کرتے تھے۔ آج وہ تمہارے ساتھ حاضر کیوں نہیں ہوئے جو تمہاری مدد کرتے اور اس ذلت اور مصیبت سے تم کو نکالتے (اس حالت کو دیکھ دیکھ کر) وہ اہل علم جو دنیا میں انہیں نصیحت کیا کرتے تھے اور یہ ان کے وعظ و نصیحت کی طرف ملتفت نہ ہوتے تھے اس وقت بطریق ثامت اہل علم ان سے یہ کہیں گے کہ دیکھ لیا جو ہم کہا کرتے تھے آج کے دن پوری رسوائی اور برائی کافروں پر ہے۔ بظاہر اس وقت انبیاء کرام ﷺ تو خاموش رہیں گے اور ان متکبرین کی بات کا جواب نہ دیں گے البتہ اہل علم جو انبیاء علیہم السلام کے وارث تھے کافروں کو سنا کر یہ کہیں گے ﴿وَإِنِ الْحَٰزِمِيُّ الْبَيُوتِيُّ﴾ الخ دنیا میں کافر مومنوں کو ذلیل سمجھتے تھے قیامت کے دن انہیں معلوم ہو جائے گا کہ درحقیقت ذلیل وہی ہیں اور کافروں کی ذلت کا ظہور موت کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے اس لیے آئندہ آیت میں کافروں کی موت کی ذلت آمیز حالت کو بیان فرماتے ہیں کہ ان متکبر کافروں کی فرشتے ایسی حالت میں جان نکالتے ہیں کہ وہ مرتے دم تک کفر اور تکبر پر قائم رہ کر اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے یعنی مرتے دم تک کفر اور شرک میں مبتلا تھے۔ اگر مرنے سے پہلے کفر اور شرک سے باز آجاتے تو ان کو یہ ذلت نہ دیکھنی پڑتی۔ ساری عمر خواب غفلت میں سوتے رہے ہوش ہی نہ آیا۔ جب موت کافر شہ سر پر آپہنچا تب آنکھ کھولی۔ پس اس وقت یہ ظالم صلح کا پیغام ڈالیں گے اور خاصہ اور جھگڑا چھوڑ کر اطاعت کی طرف مائل ہوں گے اور یہ روح نکلنے سے ذرا پہلے ہوگا اس وقت یہ کہیں گے کہ ہم دنیا میں کوئی برا کام کفر و شرک نہیں کرتے تھے۔ ملک الموت کو دیکھتے ہی غرور تو کافور ہو جائے گا اور ساری فوں فوں نکل جائے گی مگر قدیمی جھوٹ ابھی باقی رہ جائے گا۔ اور کہہ دیں گے کہ ہم نے کوئی برا کام نہیں کیا۔ اور اسی طرح آخرت میں کہیں گے ﴿وَاللّٰهُ دَرَبْتَنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، کیوں نہیں۔ تم دنیا میں ضرور بے کام کفر اور شرک کرتے تھے۔ کیا تم جھوٹ بول کر اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے تھے۔ بلاشبہ اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو یعنی تمہارا یہ انکار نہیں کچھ مفید نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کو ذرہ ذرہ کا علم ہے تم قرآن اور رسول ﷺ اور اہل ایمان کی ہنسی اڑاتے تھے اور توحید کے نام سے جڑتے تھے ہم تم کو تمہارے اعمال کی سزا دیں گے اور سزا یہ ہوگی کہ یہ کہیں گے کہ پس تم دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ تم ہمیشہ اسی میں رہنے والے ہو۔ پس البتہ کی اسی برا ٹھکانہ ہے۔ ایمان سے تکبر کرنے والوں کا۔

خلاصہ کلام یہ کہ حق کے مقابلہ میں تکبر کا انجام دنیا و آخرت میں سوائے ذلت و خواری کے کچھ نہیں اور اس تکبر سے

وہی مراد ہے کہ جب کوئی بغرض تحقیق ان سے پوچھتا کہ محمد ﷺ پر کیا چیز نازل ہوئی تو ازراہ تمسخر یہ کہتے کہ ﴿اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِينَ﴾ کہ پہلے لوگوں کے قصے اور افسانے ہیں یہاں تک تو متکبرین اور ظالمین کا حال بیان ہوا اب آگے اس کے مقابلہ میں اہل ایمان کا حال اور ان کی عزت و کرامت کو بیان فرماتے ہیں۔ جنہوں نے حق کے مقابلہ میں کوئی غرور اور تکبر نہیں کیا۔ غرض یہ کہ پہلی آیت میں اشیاء (بدبختوں) کے حال سے خبر دی۔ اب ان آیات میں سعادت (نیک بختوں) کے حال اور انجام سے خبر دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور جب قرآن کے بارے میں ان لوگوں سے پوچھا گیا کہ جو کفر اور شرک سے اور تکبر سے پرہیز کرتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل فرمایا ہے (یعنی وحی قرآنی سے سوال کیا گیا) تو متقین نے جواب دیا کہ ہمارے پروردگار نے بڑی خیر و برکت کی چیز کو نازل فرمایا بخلاف کافروں اور متکبروں کے جب ان سے یہ سوال کیا جاتا تو کہتے کہ یہ اساطیر الاولین ہیں۔

نکتہ:..... متقین کے جواب میں خیر منسوب آیا ہے اور متکبرین کے جواب ﴿قَالُوا اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِينَ﴾ میں اساطیر مرفوع آیا ہے جو مبتداء محذوف کی خبر ہے اسی ہو ﴿اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِينَ﴾ متکبرین نے اس قرآن کے نزول کا انکار کیا اور مرفوعاً ذکر کیا۔ مطلب یہ تھا کہ قرآن منزل من اللہ نہیں بلکہ اس کا اساطیر الاولین ہونا ثابت اور مستمر ہے کیونکہ جملہ اسمیہ و دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے اور متقین نے جواب (خیراً) منسوب کہا جو فعل محذوف کا مفعول بہ ہے یعنی انزل اللہ خیراً یعنی یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ رحمت اور خیر و برکت ہے اور بلاشبہ منزل من اللہ ہے حاصل کلام یہ کہ کافروں اور متقیوں کے جواب میں مرفوع اور منسوب ہونے کا فرق اس نکتہ کی بناء پر ہے۔ (تفسیر کبیر: ۵/۳۱۴)

جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی کی ان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں بھلائی دنیا کی بھلائی سے فتح و نصرت اور غلبہ اور خلافت مراد ہے اور آخرت کی بھلائی سے مراد جنت ہے اور دار آخرت کی بھلائی تو بہت ہی خوب ہے اور دنیا کی نعمتوں سے کہیں بہتر ہے اور کیا ہی خوب ہے دار اہل تقویٰ کا۔ اور وہ گھر باغات خلد ہیں وہ ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہوں گے نہ وہاں سے کوچ کریں گے اور نہ نکالے جائیں گے۔ اور ان درختوں اور مکانوں کے نیچے دودھ کی اور شہد کی اور شراب کی نہریں جاری ہوں گی۔ اور ان متقیوں کے لیے وہاں ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے اور جنت میں داخل ہونے کے بعد متقیوں کا تقویٰ حد کمال کو پہنچ جائے گا اس رشک و حسد کا شائبہ بھی نہ رہے گا ہر جنتی کو جو مرتبہ حاصل ہوگا وہ دل و جان سے اس پر راضی ہوگا اس لیے کوئی متقی یہ خواہش نہیں کرے گا کہ مجھ کو انبیاء اور صدیقین کا مرتبہ دیا جائے نیز جنت میں جو بھی داخل ہوگا اس سے بے عقلی اور کم فہمی بالکل دور کر دی جائے گی، اہل جنت جو خواہش کریں گے وہ پوری کر دی جائے گی۔ مگر یاد رہے جنت میں جانے میں جو خواہش بھی ہوگی وہ اپنے استحقاق اور مرتبہ سے زائد نہ ہوگی۔ اسی طرح کی جزاء دیتا ہے اللہ تمام متقیوں کو اور ادنیٰ درجہ کا متقی وہ ہے جو کفر اور شرک سے بچے اور اعلیٰ درجہ کا متقی وہ ہے کہ جو تمام معاصی سے بچے۔ جس درجہ کا تقویٰ ہوگا۔ اسی درجہ کی جزاء ملے گی۔ اب آگے متقیوں کی وہ حالت اور صفت بیان کرتے ہیں۔ جو موت کے وقت ان کی ہوئی ہے اور اصل اعتبار موت کے وقت کی حالت کا ہے وہ متقی جن کی فرشتے بحکم الہی روح قبض کرتے ہیں اس وقت ان کی یہ

حالت ہوتی ہے کہ وہ شرک اور معصیت سے پاک ہوتے ہیں اور ازراہ اعزاز و اکرام فرشتے یہ کہتے ہیں کہ سلام ہو تم پر اللہ کا اور یہ سلام درحقیقت ایک قسم کی بشارت ہے کہ اس کے بعد تم بالکل صحیح سالم رہو گے۔ اور تم کو کوئی امر مکروہ (ناگوار) نہ پہنچے گا اور سلام کے بعد یہ کہتے ہیں کہ بہشت میں داخل ہو جاؤ اپنے اعمال خیر کے سبب سے دخول جنت کا اصل سبب تو فضل الہی ہے اور یہ اعمال خیر اس کا سبب ظاہری ہیں اور بندہ کے یہ اعمال خیر بھی اس کے فضل اور توفیق سے ہیں۔ مبتدا اور منتهی ہر جگہ فضل الہی ہے اور عمل خیر و درمیان میں ایک وسیلہ ہے جو اس کے فضل پر موقوف ہے نیز عمل صالح خواہ کتنا ہی صحیح اور درست کیوں نہ ہو مگر اس کا قبول کرنا حق تعالیٰ کے ذمہ واجب نہیں پس اس عمل صالح کو قبول کرنا بھی اس کا فضل ہے اور پھر اس پر جنت میں داخل کرنا یہ بھی اس کا فضل ہے۔ ﴿وَإِنَّهُ لَكُلِّ شَيْءٍ عَظِيمٌ﴾

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ

کیا کافر اب اس کے منتظر ہیں کہ آئیں ان پر فرشتے یا پہنچے حکم تیرے رب کا فی اسی طرح کیا تھا ان سے اب کچھ راہ دیکھتے ہیں مگر یہی، کہ آئیں ان پر فرشتے، یا پہنچے حکم تیرے رب کا۔ اسی طرح کیا ان سے

قَبْلَهُمْ ۖ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۳۳﴾ فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا

انگلوں نے اور اللہ نے ظلم نہ کیا ان پر لیکن وہ خود اپنا برا کرتے رہے پھر پڑے ان کے سر ان کے برے انگلوں نے، اور اللہ نے ظلم نہ کیا ان پر، لیکن اپنا برا کرتے رہے۔ پھر پڑے ان پر ان کے برے

عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۴﴾

کام اور الٹ پڑا ان پر جو ٹھٹھا کرتے تھے ۲

کام، اور الٹ پڑا ان پر جو ٹھٹھا کرتے تھے۔

دوسرا شبہ

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ... إِلَى... مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ﴾

ربط: ..... منکرین کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ کوئی فرشتہ آسمان سے نازل ہو کر آپ ﷺ کی صداقت کی شہادت دے اللہ تعالیٰ ان

فل جنت کی خوبیاں اور اس کا تفوق و امتیاز بیان فرمانے کے بعد ان غافلوں کو تنبیہ کی جاتی ہے جو محض دنیاوی سامانوں پر مست ہو کر آخرت کو بھلائے بیٹھے ہیں اور اپنا انجام بد چارنے کی کوئی فکر نہیں کرتے۔ یعنی کیا یہ لوگ اس کے منتظر ہیں کہ جس وقت فرشتے جان نکالنے کو آجائیں گے یا خدا کے حکم کے موافق قیامت قائم ہو جائے گی۔ یا مجرموں کی سزا دی کا حکم پہنچ جائے گا اور جو تاسر پڑنے لگے گاہب ایمان لا کر اپنی حالت درست کریں گے، حالانکہ اس وقت کا ایمان یا توبہ درجوع کچھ نافع نہ ہو گا۔ ضرورت تو اس کی ہے کہ موت سے پہلے بعد الموت کی تیاری کی جائے اور عذاب آنے سے پیشتر بچاؤ کی تدبیر کر لیں۔

۳۳ یعنی اگلے معاندین بھی اسی طرح غرور و عظمت کے نشے میں پڑے رہے تھے۔ باطل پرستی میں تمدادی ہوتی رہی توبہ کے وقت توبہ نہ کی، اخیر تک انبیاء کی تکذیب و مخالفت پر تلے رہے اور ان کی باتوں کی نفی اڑاتے رہے۔ آخر جو کیا تھا سامنے آیا اور عذاب الہی وغیرہ کی جن خبروں سے ٹھٹھا کیا کرتے تھے وہ آنکھوں سے دیکھ لیں۔ ان کا استہزاء و تمسخرانہی بدالت پڑا، بھاگ کر جان بچانے کی کوئی سبیل نہ رہی اپنی شرارتوں کا خیرازہ بھگتتا پڑا۔ جو بویا تھا سو کاٹا۔ نہ ان کو ان سے کوئی بیر نہ تھا نہ اس کے یہاں ظلم و تعدی کا امکان ہے۔ ان لوگوں نے اپنے پاؤں پر خود دکھا ڈی ماری کسی کا کیا بجز انہی کا نقصان ہوا۔

کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ منکرین نبوت اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس موت کے فرشتے آجائیں اور ان کی روحمیں قبض کریں یعنی یہ لوگ دلائل و براہین سے راہ راست پر آنے والے نہیں بلکہ منتظر ہیں کہ جب قبض روح کے ملائکہ آویں تب یقین کریں گے مگر اس وقت کا یقین سود مند نہیں یا یہ معنی ہیں کہ فرشتوں کی آمد کے منتظر ہیں کہ وہ آکر فیصلہ کریں یعنی سب کے سامنے آکر آپ ﷺ کی نبوت کی گواہی دیں اور یہ بھی ناممکن اور محال ہے فرشتہ کو اصل صورت میں دیکھنا عام بشری طاقت سے باہر ہے یا اس طاعت کے منتظر ہیں کہ تیرے پروردگار کا کوئی حکم آجائے کہ ان پر کوئی عذاب نازل ہو اور یکتا سب ہلاک ہو جائیں اس وقت عذاب کو دیکھ کر ایمان لائیں گے یا حکم خداوندی سے قیامت کا آنا مراد ہے مطلب یہ ہے کہ کیا قیامت کے یا موت کے منتظر ہیں کہ اس وقت ایمان لائیں گے تو اس وقت کا ایمان معتبر نہ ہوگا ایسا ہی مسخرہ پن ان لوگوں نے کیا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ یعنی اسی طرح کی باتیں پہلے کافر بھی کرتے تھے بالآخر عذاب سے ہلاک ہوئے اور عذاب سے ہلاک کر کے اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا اس لیے کہ اللہ نے ان پر رحمت قائم کر دی تھی اور رسول بھیج دیئے تھے اور کتابیں اتار دی تھیں لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم و ستم کرتے تھے کہ پیغمبروں کی تکذیب کرتے تھے یعنی وہ اس کفر اور شرک سے اور تکذیب سے خود اپنی ہلاکت کا باعث بنے پس پہنچیں ان کو برائیاں ان کے اعمال کی یعنی اپنے اعمال کی سزا میں گرفتار ہوئے اور ان کو اسی عذاب نے آکر گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کہاں کا عذاب اور کہاں کا حساب و کتاب اور کہاں کی قیامت اور کہاں کی دوزخ اور جنت۔

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا

اور بولے شرک کرنے والے اگر چاہتا اللہ نہ پوجتے ہم اس کے سوا کسی چیز کو اور نہ ہمارے باپ اور نہ اور بولے شریک پکڑنے والے، اگر چاہتا اللہ، نہ پوجتے ہم اس کے سوا کوئی چیز۔ اور نہ ہمارے ماں باپ، اور نہ

حَرَمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ط كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ فَهَلْ عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا

حرام ٹھہرا لیتے ہم بدون اس کے حکم کے کسی چیز کو اور اسی طرح کیا ان سے انگوں نے سو رسولوں کے ذمہ نہیں مگر حرام ٹھہرا لیتے ہم اس کے سوا کوئی چیز۔ اسی طرح کیا ان سے انگوں نے۔ سو رسولوں پر ذمہ نہیں مگر

الْبَلَّغُ الْمُبِينُ ﴿۵﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا

پہنچا دینا صاف صاف اور ہم نے اٹھائے ہیں ہر امت میں رسول ورسول کی بندگی کرو اللہ کی اور بچو پہنچا دینا کھول کر۔ اور ہم نے اٹھائے ہیں ہر امت میں رسول، کہ بندگی کرو اللہ کی، اور بچو

فلا یہاں سے ان باطل انداز اور پھر پوج دلائل کا رد شروع کرتے ہیں جو مشرکین اپنے شرک اور اعمال شرکیہ کا جواز و استحسان ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے تھے۔ غلام یہ ہے کہ اگر غیر اللہ کی پرستش یا بعض جانوروں (مثلاً بکیرہ، سائبہ وغیرہ) کو حرام ٹھہرا لینا برے اور بے سند کام ہوتے جنہیں خدا پسند نہ کہتا تو ہم کو کرنے کیوں دیتا۔ ضرور تھا کہ جب ہم اس کی مرضی کے خلاف کام کریں تو اس سے روک دے نہ کہیں تو فوراً سزا دے۔ اگر ایمان نہیں ہوا تو یہ دلیل ہے کہ خدا کو وہ کام ناپسند نہیں۔ آٹھویں پارہ کے دوسرے ربیع آیت ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ مِصْرَ﴾ کی جو تقریر ہم نے کی ہے اس میں مشرکین کا یہ شبہ اور اس کا مفصل جواب بیان کیا گیا ہے۔ وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔

الطَّاغُوتَ ۖ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَىٰ اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۖ فَسِيرُوا فِي

ہڑنگے سے فل پھر کسی کو ان میں سے ہدایت کی اللہ نے اور کسی پر ثابت ہوئی گمراہی سو سفر کرو ہڑنگے (سرکش) سے۔ سو کسی کو راہ دی اللہ نے، اور کسی پر ثابت ہوئی گمراہی۔ سو پھر

الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكذِبِينَ ﴿۱۴﴾ ۚ إِنَّ تَحْرِصَ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ

مکوں میں پھر دیکھو کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا اگر تو طمع کرے ان کو راہ پر لانے کی تو اللہ زمین میں تو دیکھو، کیسا ہوا آخر جھٹلانے والوں کا۔ اگر تو اللہ کے ان کو راہ پر لانے کو، سو اللہ

لَا يَهْدِي مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نُصْرَةٍ ﴿۱۵﴾

راہ نہیں دیتا جس کو بچلاتا ہے اور کوئی نہیں ان کا مددگار

راہ نہیں دیتا جس کو بچلاتا (بھٹکاتا) ہے، اور کوئی نہیں ان کے مددگار۔

### تیسرا شبہ

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿هُوَ قَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ...﴾ الی ... وَمَا لَهُمْ مِّنْ

نُصْرَةٍ ﴿۱۵﴾

رابطہ:..... اس آیت میں مشرکین کے تیسرے شبہ کا ذکر ہے جس کو وہ اپنے اعمال شرکیہ و کفریہ کا جواز اور استحسان ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے تھے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کو ہمارا کفر اور شرک اور ہمارے شرکیہ مثلاً بچیرہ و سائبہ وغیرہ ناپسند

= قول یعنی مشرکین کا یہ کہنا غلط ہے کہ خدا کی طرف سے رد کا نہیں گیا ابتدائے آفرینش سے آج تک جب ضرورت مصلحت حق تعالیٰ انبیاء کو بھیجا رہا ہے جن کا کام ہی یہ تھا کہ لوگوں کو شرک و اعمال شرکیہ سے روکیں۔ اور صاف صاف اعلان کریں کہ خدا تعالیٰ کو کیا کام پسند میں کیا ناپسند، اور ان میں سے ہر ایک کا انجام کیا ہے۔

بانی یہ کہ لوگوں کو کوئی طور پر مجبور کیوں نہ کر دیا گیا کہ وہ بدی کا راستہ اختیار ہی نہ کر سکتے تو یہ بات اس کی حکمت کے منافی تھی جیسا کہ ہم پہلے متعدد مواضع میں لکھ چکے ہیں۔ یہی چیز کہ جو انبیاء کا کہنا نہ مانیں انھیں فوراً سزا دی جاتی تو بہت سی قوموں کو دنیا میں عبرت تاک سزائیں بھی دی گئیں۔ جیسا کہ اگلی آیت میں مذکور ہے۔ ہاں

عقلاً و تقلاً یہ ضروری نہیں کہ ارتکاب جرم کے ساتھ انھیں فوراً سزا دی جائے۔ مجرم کو ایک منٹ کی مہلت نہ ملے نہ اس کے لیے توبہ و اصلاح کا کوئی موقع باقی چھوڑا جائے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ”یہ نادانوں کی باتیں ہیں کہ اللہ کو یہ کام برا لگتا تو کیوں کرنے دیتا۔“ (کیا ان کے رد کرنے سے خدا مانا بڑھتا؟) یہاں جواب

محمل فرمایا کہ ہمیشہ رسول منع کرتے آتے ہیں جس کی حکمت میں ہدایت تھی اس نے پانی، جو خراب ہونا تھا خراب ہوا۔ اللہ کو یہ ہی منظور ہے (کہ انسان کوئی الجھلا کب و اختیار کی قوت دے کر آزار دے۔ ایسے پتھر کی طرح مجبور یا جو انات کی طرح اس کا دائرہ عمل محدود نہ کرے بلکہ ہر طرف بڑھنے اور رتی کرنے کا موقع دے)۔

قول یعنی اپنے اپنے وقت پر۔ پھر آخر میں پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اللہ تعالیٰ بنا کر بھیجا۔

(تنبیہ) اس آیت سے لازم نہیں آتا کہ ہر قوم اور ہستی میں رسول بلا واسطہ بھیجا گیا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ایک نبی کسی قوم میں اٹھایا جائے اور اس کے نام جنہیں ”ہادی“ قرار دیا جاسکتا ہے دوسری اقوام میں بھیجے جائیں۔ ان کا بھیجنا گویا بالواسطہ ایسی پیغمبر کا بھیجنا ہے، واللہ اعلم۔

قول حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں سرکش وہ جو ناحق سرداری کا دعویٰ کرے کچھ نہ نہ رکھے۔ ایسے کو ”طاغوت“ کہتے ہیں بت، شیطان اور زبردست عالم سب اس میں داخل ہیں۔

قول یعنی جس کو تصور استعداد اور سوء اختیار کی بناء پر خدا گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں کر سکتا نہ اسے خدائی سزا سے کوئی بچا سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی ہدایت پر حریص ہونا بھی کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے غم میں اپنے کو اس قدر کیوں گھلاتے ہیں۔

ہوتے تو ہم کو کرنے ہی کیوں دیتا۔ اگر خدا تعالیٰ کو ہماری یہ باتیں ناپسند ہوتیں تو وہ ہمیں ایسی باتیں کرنے سے روک دیتا اور اگر ہم نہ رکھتے تو ہم کو فوراً سزا دیتا معلوم ہوا کہ خدا ہمارے اس کفر و شرک سے راضی اور خوش ہے اور بالفاظ دیگر ہم مجبور اور معذور ہیں خدا کے ارادہ اور مشیت کے خلاف نہیں کر سکتے۔ اس آیت میں مشرکین کے اس شبہ کا جواب دیتے ہیں حاصل جواب یہ ہے کہ یہ جہالت کی باتیں ہیں اگلے کافر بھی اپنے رسولوں کے مقابلہ میں اس قسم کی باتیں کیا کرتے تھے یعنی اپنے آپ کو بالکل مجبور محض بتاتے تھے یہ بالکل غلط ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور محض نہیں بنایا۔ بلکہ حق اور باطل کے سمجھنے کے لیے عقل عطا فرمائی اور پھر اس کو عمل کی قدرت بھی دی کہ اپنے اختیار سے خیر و شر کر سکے اور ہر گروہ میں اللہ تعالیٰ نے رہبری اور راہنمائی کے لیے رسول بھیجے جو بالاتفاق شرک اور بت پرستی اور برے کاموں سے منع کرتے رہے اور صاف یہ اعلان کرتے رہے کہ یہ کام خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہے انبیاء ﷺ کا کام تبلیغ تھا سوانہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو بندوں تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد جس نے انبیاء ﷺ کا کہنا نہ مانا اس کو سزا ملی اس طرح ان پر اللہ کی حجت پوری ہوئی لہذا تم کو ان عبرتناک سزاؤں سے عبرت حاصل کرنی چاہئے کہ اگر کفر اور شرک خدا کو پسند ہوتا تو ان کو یہ عبرتناک سزائیں دے کر ہلاک نہ کرتا اور خوب سمجھ لو کہ اللہ کو پہلے سے معلوم تھا کہ کون ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا۔ اتمام حجت کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے ذریعہ اپنی مرضیات اور نامرضیات سے تم کو آگاہ کر دیا ہے اور اس حلیم و کریم نے کفر و شرک پر فوراً نہیں پکڑا۔ جب جرم کا پیمانہ لمبیریز ہو گیا تو عذاب سے تباہ اور ہلاک کر دیا لہذا تم کو خدا کی مہلت سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ بات خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اور خدا تعالیٰ اس سے راضی اور خوش ہیں۔ مجرم کا اپنے جرم کے جواز اور استحسان ثابت کرنے کے لیے یہ کہنا کہ حکومت نے مجھ کو فوراً کیوں نہیں پکڑا۔ ماہر قانون کی نظر میں اس قسم کا عذر دیوانہ کی بڑ ہے۔ قانون دان یہی کہے گا کہ جب حکومت نے یہ قانون بنا دیا اور اس کا اعلان بھی کر دیا کہ فلاں چیز قانوناً مجرم ہے تو اب اگر حکومت بر بنائے شفقت یا بر بنائے مصلحت کن مجرم کو فوراً نہ پکڑے اور اس کو کچھ مہلت دے تو حکومت کا کسی مجرم کو فوراً نہ پکڑنا اور اس کی مہلت دینا یہ اس جرم کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا۔

اور چونکہ آنحضرت ﷺ رحمۃ اللعالمین تھے اس لیے آپ ﷺ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح یہ لوگ اسلام قبول کر لیں اور عذاب الہی سے بچ جائیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تسلی کے لیے ارشاد فرمایا ﴿إِن تَحْرِضْ عَلَىٰ هٰذِهِمْ﴾ یعنی آپ ﷺ ان بد بختوں کے ایمان لانے کی حرص اور طمع میں نہ پڑیے کیونکہ جو شخص دیدہ و دانستہ با اختیار خود گمراہی کو اختیار کرے اللہ ایسے ماند کو ہدایت اور توفیق سے نہیں نوازتا۔

ان کا عناد اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کا ارادہ نہیں فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور مشرکین

نے یہ کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی چیز کو نہ پوجتے نہ ہم اور نہ ہمارے آباء و اجداد اور نہ ہم اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام قرار دیتے خدا تعالیٰ تو ہر امر پر قادر ہے کوئی اس کے ارادہ اور مشیت کو روک نہیں سکتا جو وہ چاہتا ہے اگر خدا ہم سے شرک چھڑانا چاہتا تو ہم کبھی شرک نہ کرتے اور نہ بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ کو حرام ٹھہراتے مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے ان افعال سے ناخوش ہوتا تو ہم کو اس کام کے کرنے کی قدرت ہی نہ دیتا۔

اور زجاج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ”مشرکین کا یہ کلام بطور استہزاء اور تمسخر تھا اور اگر بطور اعتقاد ہوتا تو مومن ہو جاتے ان کا مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء کرنا تھا اور مطلب یہ تھا کہ خدا کو نبی بھیجنے کی کیا ضرورت ہے اگر خدا ہم سے شرک چھڑانا چاہتا تو ہم کبھی شرک نہ کرتے۔ خواہ تو آتایا نہ آتا اب جب ہم تیرے خیال میں کفر کر رہے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ خدا کو ہم سے کفر کرانا ہی منظور تھا۔“

بعض علماء نے زجاج رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کیا اور اس تفسیر پر یہ آیت گزشتہ آیت ﴿وَوَحَاقٍ بِهِنْدًا مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَفْهِرُونَ﴾ کے ساتھ غایت درجہ مربوط ہو جائے گی۔ مگر راجح اور صحیح بات وہی ہے جو اول مذکور ہوئی کہ اس قول سے مشرکین کا اصلی مقصود اپنے کفر و شرک کا جواز اور استحسان ثابت کرنا تھا نہ کہ استہزاء و تمسخر۔

حق جل شانہ ان کے اس جاہلانہ اور معاندانہ سوال با استدلال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ کوئی ان کی نئی بات نہیں بلکہ ان سے پہلے جتنے مشرک گزرے ہیں۔ انہوں نے بھی انبیاء کرام صلی اللہ علیہم وسلم کی تکذیب کے لیے اسی قسم کا حیلہ بہانہ اور یہی مہمل شبہ کیا تھا اور اسی طرح انہوں نے بھی رسولوں کا مقابلہ کیا اور ہلاک ہوئے پس اس سے رسولوں کا کیا بگڑ گیا۔ رسولوں پر تو صرف اس قدر فرض ہے کہ صاف صاف حکم اللہ کا پہنچادیں۔ ماننا نہ ماننا لوگوں کا اختیار ہے۔ انبیاء کا کام تو پہنچا دینا ہے باقی ہدایت دینا یہ اللہ کا کام ہے وہ مالک ہے جس کو چاہے گمراہ کرے اس کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے بینا بنائے اور جس کو چاہے نابینا بنائے بعثت کا فریضہ صرف دعوت الی الحق ہے باقی سعادت و شقاوت اور ہدایت و ضلالت وہ سب اللہ کے اختیار میں ہے اس میں کسی نبی اور ولی کو دخل نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک تمام انبیاء و مرسلین صلی اللہ علیہم وسلم نے بالاتفاق سختی کے ساتھ سڑک سے منع کیا اور بتلا دیا کہ جو ایمان لائے گا وہ نجات پائے گا اور جو کفر کریگا وہ ہلاک ہوگا اور برباد ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خیر و شر کرنے کی قدرت دی اور انبیاء صلی اللہ علیہم وسلم کے ذریعے یہ بتلا دیا کہ یہ چیز خیر ہے اور یہ چیز شر ہے پھر جس نے شرک کا ارتکاب کیا وہ عذاب الہی سے ہلاک ہوا معلوم ہوا کہ یہ چیز اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ ابتداء میں انبیاء کرام صلی اللہ علیہم وسلم نے آگاہ کیا اور کفر و شرک سے منع کیا اور آخر میں اس کے ارتکاب پر قہر الہی نازل ہوا جس کے آثار اب بھی زمین میں موجود ہیں پس ثابت ہوا کہ یہ چیز اللہ کے نزدیک قطعاً ناپسندیدہ ہے کفار اور مشرکین کو عبرت ناک سزائیں دینا۔ یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ کفر اور شرک کے نزدیک جرم عظیم ہیں۔ پسندیدہ چیز کے نجانے پر تو عذاب نازل نہیں ہوتا۔

حضرت شاہ عبدالقادر قدس اللہ سرہ لکھتے ہیں کہ یہ نادانوں کی باتیں ہیں کہ اللہ کو یہ کام برا لگتا تو کیوں کرنے دیتا آخر ہر فرقے کے نزدیک بعض کام برے ہیں پھر وہ کیوں ہوتے ہیں (کیا ان کے نزدیک خدا تعالیٰ ان کے روکنے سے عاجز تھا) دنیا میں اعمال اور افعال مختلف ہو رہے ہیں پس کیا یہ مختلف اور متضاد کام اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور سب اس کا مرضی سے ہو رہے ہیں یہاں حق تعالیٰ نے مجمل جواب فرمایا کہ ہمیشہ رسول منع کرتے آئے ہیں جن کی قسمت میں ہدایت تھی انہوں نے ہدایت پائی اور جو خراب ہونا تھا وہ خراب ہوا اللہ کو یہی منظور ہے۔ (انتہی)

انسان کوئی الجملہ ایسی قدرت اور ایسا اختیار دے دیا گیا کہ جو خیر و شر دونوں کے کرنے پر قادر ہو اینٹ اور پتھر کی

طرح مجبور نہ ہو مگر اس کے علم ازلی میں یہ مقدر ہو چکا ہے کہ بعض ایمان لائیں گے اور بعض کفر پر قائم رہیں گے اتمام حجت کے لیے اللہ نے پیغمبروں کو بھیجا کہ وہ تم کو آگاہ کر دیں کہ کفر اور شرک صریح گمراہی ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ غرض یہ کہ انبیاء و رسل کا تبلیغ اور دعوت سے اور پھر کافروں اور مشرکوں پر قہر الہی کے نزول سے یہ واضح ہو گیا کہ کفر و شرک خدا کے نزدیک جرم عظیم ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ کی طرح ہر امت میں ایک رسول بھیجا اس صریح حکم کے ساتھ کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور شیطان کے راستے سے یعنی کفر و شرک سے بچو مطلب یہ ہے کہ توحید کی دعوت کوئی نئی دعوت نہیں قدیم سے یہی تعلیم چلی آرہی ہے سارے پیغمبر یہی کہتے رہے کہ خالص اللہ کی عبادت کرو اور غیر اللہ سے بچو۔ انبیاء علیہم السلام نے تو اللہ کا پیغام پہنچا دیا لیکن لوگ مختلف اور متفرق ہو گئے کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا چنانچہ فرماتے ہیں۔

پھر ان ائم میں سے جن کے پاس گئے کسی کو اللہ نے ہدایت دی کہ اس نے حق قبول کیا اور کسی پر بہ قضائے الہی گمراہی ثابت ہوئی یعنی گمراہی اس کو ایسی چٹئی کہ مرتے دم تک اس کا پیچھا نہ چھوڑا جیسا کہ دوسری آیت ﴿فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ﴾ ایک گروہ کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور ایک گروہ پر گمراہی ثابت اور قائم ہوئی اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا حکم اور اس کی رضامندی اور شے ہے اور اس کا ارادہ اور مشیت اور شے ہے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اللہ کا حکم تو یہ ہے کہ سب اس کی عبادت کریں اور کفر و شرک سے بچیں اور یہ حکم عام ہے اور سب کے لیے ہے مگر اس کا ارادہ اور مشیت یہ ہے کہ بعض کو ہدایت دے اور بعض کو گمراہ کرے۔

دور کارخانہ عشق از کفر ناگزیر است      دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد

اگر وہ سب کی ہدایت چاہتا تو سب ہدایت پر ہو جاتے کما قال تعالیٰ ﴿فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ﴾ یعنی اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہی ہدایت دیتا لیکن اللہ کا یہ ارادہ اور یہ مشیت کہ بعض ایمان لائیں اور بعض کفر کریں۔ یہ اس کی تقدیر ازلی ہے اس کا علم سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو نہیں اس نے اپنی تقدیر ازلی کو پوشیدہ رکھا اور اپنے حکم کو پیغمبروں کی زبانی ظاہر فرما دیا اور بندوں کو آگاہ کر دیا کہ سب اس کی عبادت کریں بندوں کو چاہئے کہ اس کے حکم کی تعمیل کریں اور اس کی مشیت اور اس کی تقدیر پر ازلی میں نہ پڑیں وہ ایک سرمکتوم ہے جس کا سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو علم نہیں۔ مشرکین کے اس شبہ کا منشا یہ تھا کہ انہوں نے مشیت خداوندی اور رضائے خداوندی میں فرق نہ کیا اللہ نے جواب میں فرق کی طرف اشارہ فرما دیا۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ بے شک ہر چیز اللہ کی مشیت سے ہے مگر اس کی مشیت اور چیز ہے۔ اور اس کا حکم اور رضامندی اور چیز ہے۔ اللہ ہر کام سے راضی نہیں انبیاء کرام ﷺ کے ذریعے اس نے اپنے احکام اور مرضیات سے تم کو باخبر کر دیا اور اپنی رضامندی کو تم پر ظاہر کر دیا اور اپنے ارادہ اور مشیت کو تم سے پوشیدہ رکھا۔ پس تم ملک میں پھرو، پھر دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں اور انبیاء ﷺ کے جھٹلانے کا انجام کیا ہوا اگر خدا کے نزدیک کفر و شرک اور انبیاء کی تکذیب کرنے والوں اور انبیاء ﷺ کے جھٹلانے کا انجام کیا ہوا اگر خدا کے نزدیک کفر و شرک اور انبیاء کی تکذیب پسندیدہ ہوتی تو گزشتہ تو میں اس ذلت اور رسوائی کے ساتھ تباہ نہ ہوتیں اور مشرکین اور مکذبین کا عذاب الہی سے مسلسل اس طرح تباہ و برباد ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ واقعات اتفاقی نہ تھے بلکہ ان کی تکذیب اور کفر کی سزا تھی جو انبیاء کرام ﷺ کی پیشین گوئی کے بعد پیش آئے جس سے کفار ہلاک ہوئے اور اہل



ایمان عذاب سے محفوظ رہے عذاب ایک ہے مگر بحکم خداوندی کافروں کو تہہ وبالا کر رہا ہے اور مومنین سے کنارہ کشی کر رہا ہے پس کفار اور مشرکین پر اس طرح مسلسل قہر خداوندی کا نزول اس امر کی دلیل ہے کہ کفر اور شرک خدا تعالیٰ کے نزدیک غایت درجہ مبغوض ہے اور انتہا درجہ کا جرم ہے زمانہ حال کے مشرکین کو چاہئے کہ گزشتہ زمانے کے مشرکین کی عبرت ناک سزاؤں کے آثار دیکھ کر عبرت پکڑیں اور خدا کے ارادہ اور مشیت کو بہانہ نہ بنائیں بے شک عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اسی کی مشیت اور ارادہ سے ہو رہا ہے عالم کا کوئی ذرہ بغیر اس کے ارادہ اور مشیت کے حرکت نہیں کر سکتا لیکن کسی چور اور قزاق کو اپنی چوری کے جواز کے لیے یہ کہنا کہ اگر خدا چاہتا تو میں چوری نہ کرتا اس سے اس کے جرم میں مزید اضافہ ہو جائے گا اور چور کا یہ عذر جرم بالائے جرم متصور ہوگا۔

اور چونکہ آنحضرت ﷺ کو ان کی گمراہی سے غایت درجہ رنج و غم ہوتا تھا اس لیے آئندہ آیت میں آنحضرت ﷺ کی تسلی فرماتے ہیں۔ اے نبی! اگر آپ ﷺ ان کی ہدایت پر حریص ہیں۔ اور آپ ﷺ کی دلی تمنا یہ ہے کہ یہ گمراہی سے نکل کر راہ راست پر آجائیں تاکہ دوزخ میں نہ جائیں۔ اس امید سے آپ ﷺ اپنے دل کو خالی کر دیجئے۔ تحقیق اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جس کو علم ازلی میں گمراہ کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔ اللہ کا سابق ارادہ ازلی اور قدیم ہے وہ کسی حادثہ کو روکنے سے رک نہیں سکتا۔ لہذا آپ ﷺ کی یہ حرص اور طمع ان کی ہدایت کے بارے میں بے فائدہ اور بے نتیجہ ہے ان کا کوئی مددگار نہیں کہ جو ان کو اللہ کی مشیت سے بچا سکے مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو ان سرکشوں کی ہدایت منظور نہیں یہ کسی طرح ہدایت پر نہیں آئیں گے۔ آپ ﷺ ان کی فکر میں نہ پڑیں اور تنگ دل نہ ہوں۔ ازلی گمراہ کو کون ہدایت پر لاسکتا ہے جس پر اللہ کی گمراہی ثابت ہو چکی ہے اس کی ہدایت کی حرص میں نہ پڑیں۔ شروع آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلادیا کہ اللہ نے ہر امت میں جو رسول بھیجا اس نے اللہ کے تمام بندوں کو ایمان کی دعوت دی اور کفر و شرک سے سب کو منع کیا اب ان اخیر آیات میں یہ بتلایا اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت کی بناء پر سب بندوں کی ہدایت کا ارادہ نہیں فرمایا ہدایت اور توفیق اس کا عطیہ ہے۔ اس کو اختیار ہے جس کو چاہے اپنی عطا سے نوازے اور جس کو چاہے نہ نوازے اس کے ذمہ کسی کا قرض نہیں۔ ۛۛۛ

خلاصہ کلام یہ کہ پیغمبروں کے ذمے اللہ تعالیٰ کے احکامات پہنچا دینا ہے سو انبیاء کرام ﷺ نے یہ بتلادیا کہ تم کوئی طور پر انکی بارگاہ لم یزل ولا یزال میں یہ طے ہو چکا ہے کہ سب ایمان نہیں لائیں گے۔ مگر تشریحی طور پر انبیاء کرام ﷺ کی زبانی یہ بتلادیا کہ حکم خداوندی یہ ہے کہ کفر اور شرک سراسر گمراہی ہے اور سم قاتل اور ایمان اور اطاعت سراسر ہدایت ہے اور تریاق ہے اور عالم میں جو کچھ بھی ہے اور جو ہو رہا ہے وہ سب اس کے ارادے اور مشیت کے دائرہ سے باہر نہیں۔ ہدایت اور ضلالت اور سعادت و شقاوت ازل میں جاری ہو چکی ہے۔ ان میں تبدیل و جھول کی گنجائش نہیں۔ عطر اور گلاب (ایمان و اطاعت) تمہارے سامنے ہے اور پاخانہ اور پیشاب (کفر و شرک) بھی تمہارے سامنے ہے اگر کوئی دیوانہ بجائے عرق گلاب کے پیشاب پینے لگے اور دلیل یہ بیان کرنے کہ ہر چیز اللہ کی مخلوق ہے اور میرا ہر کام اللہ کی مشیت اور ارادہ سے ہے لہذا پیشاب پینا جائز ہے تو یہ دلیل نہیں بلکہ دیوانہ کی بڑ ہے۔

(اطلاع) اسی قسم کی آیت پارہ ہشتم میں گزر چکی ہے وہاں اس کی مفصل تفسیر آچکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۖ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مِنْ مَمُوتٍ بَلَىٰ وَعَدَّا عَلَيْهِ حَقًّا

اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی سخت قسمیں کہ نہ اٹھائے گا اللہ جو کوئی مر جائے نہ کیوں نہیں وعدہ ہو چکا ہے اس پر پکا اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی، سچ کی قسمیں، کہ نہ اٹھائے گا اللہ جو کوئی مر جائے۔ کیوں نہیں؟ وعدہ ہو چکا ہے اس پر ثابت،

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۴﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يُخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ

لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں اٹھائے گا تاکہ ظاہر کر دے ان پر جس بات میں کہ جھگڑتے ہیں اور تاکہ معلوم کر لیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اس واسطے کہ کھول دی ان پر، جس بات میں جھگڑتے ہیں، اور تاکہ معلوم کریں

كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كٰذِبِينَ ﴿۱۵﴾ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ

کافر کہ وہ جھوٹے تھے اور ہمارا کہنا کسی چیز کو جب ہم اس کو کرنا چاہیں یہی ہے کہ کہیں اس کو ہو جا تو منکر کہ وہ جھوٹے تھے۔ ہمارا کہنا کسی چیز کو، جب ہم نے اس کو چاہا، یہی ہے، کہ کہیں اس کو، 'ہو' تو

فِي كُنْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا لَنَنْبُوْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۗ

وہ ہو جائے اور جنہوں نے گھر چھوڑا اللہ کے واسطے بعد اس کے کہ ظلم اٹھایا البتہ ان کو ہم ٹھکانا دیں گے دنیا میں اچھا وہ ہو جاوے۔ اور جنہوں نے گھر چھوڑا اللہ کے واسطے، بعد اس کے کہ ظلم اٹھایا، البتہ ان کو ٹھکانا دیں گے دنیا میں اچھا،

وَلَا جَزَاءُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۷﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۱۸﴾

اور ثواب آخرت کا تو بہت بڑا ہے اگر ان کو معلوم ہوتا ہے جو ثابت قدم رہے اور اپنے رب پر بھروسہ کیا ہے اور ثواب آخرت کا تو بہت بڑا ہے، اگر ان کو معلوم ہوتا۔ جو ثابت رہے، اور اپنے رب پر بھروسہ کیا۔

۱۴ یعنی موت کے بعد دوسری زندگی ہی نہیں پھر عذاب کا کیا ڈر سب ڈھکولے ہیں۔

۱۵ یعنی تمہارے انکار اور اہل کفر نہیں کھانے سے خدا کا پکا وعدہ مل نہیں سکتا، وہ تو ہو کر رہے گا۔ البتہ تم ایسی حقائق ثابت کا انکار کر کے اپنے جہل کا موت دے رہے ہو۔ جو شخص خدا کے علم محیط اور شتون قدرت و حکمت، تکوین کے راز اور اس کی غرض و نغایت سے آگاہ ہو گا وہ کبھی بعث بعد الموت کا انکار نہیں کر سکتا۔ سچ ہے۔ "الناس اعداء ما جهلوا"

۱۶ یعنی معاد (قیامت وغیرہ کا آنا) یقین حکمت ہے۔ اگر موت کے بعد دوسری زندگی نہ ہو تو دنیا میں جو مختلف اعمال و احوال پائے جاتے ہیں ان کے صاف اور مکمل نتائج کیسے ظاہر ہوں گے۔ یہاں کے جھگڑوں کا دلوک فیصلہ تو دیں ہو گا اور اس وقت منکرین معلوم کر لیں گے کہ نہیں کھا کر جن باتوں کا انکار کرتے تھے وہ سچی تھیں۔ اور قسم کھانے والے جھوٹے تھے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی اس جہان میں بہت باتوں کا شہید رہا اور کسی نے اللہ کو مانا کوئی منکر رہا تو دوسرا جہان ہونا لازم ہے کہ جھگڑے تحقیق ہوں، سچ اور جھوٹ جدا ہو اور مطیع و منکر اپنا کیا پائیں۔"

۱۷ پھر مردوں کو دوبارہ زندہ کر دینا کیا مشکل ہے۔

(تنبیہ) "كُنْ فَيَكْفُرُونَ" کی بحث پارہ اللہ ربك و قالت اليهود الخ میں ملاحظہ کر لی جائے غرض صرف اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ایک سیکڑے کے لیے بھی مراد کا تخلف نہیں ہو سکتا۔ ارادہ کے بعد مراد کا نہایت سہولت و سرعت سے فوراً واقع ہونا اور کسی مانع و معانے کا مرادمت نہ کر سکتا یہی خلاصہ اس جملہ کا ہے۔

## چوتھا شبہ

قَالَ تَبَلَّغْ: ﴿وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مِنْهُم مَّمُوتًا...﴾... اس آیت میں بھی کافروں کی ایک جہالت کا بیان ہے کہ وہ لوگ قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ جو مر گیا اور ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل گیا وہ دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتا اور جب انسان دوسری زندگی کا قائل نہیں ہوتا تو پھر وہ نیکی اور بدی کی پرواہ نہیں کرتا۔ دنیا کی کامیابی اور بیہودی ہی اس کا مطمح نظر ہوتی ہے جیسا کہ آج کل ہم دیکھ رہے ہیں، اللہ پناہ میں رکھے آمین۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا جواب دیا کہ قیامت کا آنا برحق ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا پکا وعدہ ہے حق اور ناحق کے فیصلہ کے لیے اور فرماں برداروں اور نافرمانوں کی جزاء اور سزا کے لیے قیامت کا قائم ہونا اور مردوں کا زندہ ہونا ضروری ہے جس قدر مختار نے پہلی بار تم کو ایک قطرہ آب سے پیدا کیا اس کے لیے تمہارا دوبارہ پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں اس کے بعد اپنی قدرت کاملہ کو بیان کیا۔ ﴿إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾۔ اس آیت میں اپنا قادر مطلق ہونا بیان کیا کہ ہم دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز نہیں پھر اس کے بعد ﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ﴾ الخ میں مہاجرین کی فضیلت اور بشارت کو بیان کیا جنہوں نے خدا کی راہ میں آخرت کے یقین اور ثواب کی امید پر کفار اور مشرکین کے ہاتھ سے طرح طرح کی مصیبتیں اٹھائیں بالآخر لاچار اور مجبور ہو کر وطن چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے کیا ان مہاجرین کی کوششیں رایگاں جائیں گی۔ ان سب کی جزاء اور انعام ان کو دار آخرت میں ملے گا چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور قسمیں کھائیں ان لوگوں نے اللہ کی۔ سخت قسمیں یعنی انتہائی کوشش اور بڑی مضبوطی اور پورے زور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں کہ اللہ نہیں اٹھائے گا اس کو کہ جو مر جائے گا اور قیامت نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں = ﴿یعنی سلسلہ مجازات (فاعت و معصیت کا پورا نتیجہ ظاہر کرنے) کے لیے بعث بعد الموت ضروری ہے۔ بہت سے خدا کے وفادار بندے مصائب و شدائد جھیلتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں، مویان کی قربانیاں ضائع کی جا سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں جن لوگوں نے حق کی حمایت اور خدا کی رضا جوئی کے لیے ظالموں کی سختیاں برداشت کیں اور انواع و اقسام کے ظلم و ستم اٹھائے حتیٰ کہ مجبور ہو کر گھر بار، خویش و اقارب اور عورت و راحت سب چیزوں کو خدا کے راستے میں تھج دیا، ان کی محنت و وفاداری کا صلہ یقیناً مل کر رہے گا۔ اول تو ان میں سے جو جیتے بچیں گے دنیا ہی میں اپنی قربانیوں کا تھوڑا سا پھل چکھ لیں گے۔ یعنی گھر چھوڑنے والوں کو بہترین ٹھکانہ دیا جائے گا۔ گھر سے اچھا گھر ملے گا، بھائیوں سے بڑھ کر دردمند بھائی، رزقی سے بہتر بوزی، عورت سے زیادہ عورت ملے گی۔ بلکہ وطن سے نکلنے والوں پر غالب، دنیا کے حاکم اور ہر چیز گارڈوں کے امام بن جائیں گے۔ پھر اس سب کے بعد جو بلند مقامات اور عظیم الشان مدارج آخرت میں ملیں گے ان کا تو اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہاں کے اجر و ثواب کا پورا یقین ہو جائے تو دوسرے لوگ بھی جو ہجرت کی سعادت سے محروم ہیں تمام گھر بار چھوڑ کر خدا کے راستے میں نکل کھڑے ہوں۔

(تنبیہ) آیت کے عموم الفاظ پر نظر کرتے ہوئے ہم نے یہ تقریر کی ہے (وہو منقول فی روح المعانی عن بعضهم) عام مفسرین نے اس کو ان اسی صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں رکھا ہے جو کفار مکہ کی زیادتیوں سے تنگ آ کر ابتداً حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ کیونکہ اکثر کے نزدیک آیت مکی ہے جو ہجرت الی المدینہ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ ان ہجرت کرنے والوں کو آخر اللہ تعالیٰ نے اچھا ٹھکانہ مدینہ میں دیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہم۔ ﴿یعنی کسی ظلم اور سختی سے نہیں گھبراتے۔ وطن محبوب اور خویش و اقارب کے چھوٹنے کی پروا نہ کی۔ رضائے الہی کے راستے میں ذرا قدم نہیں ڈگایا۔ ہر طرف سے ٹٹ کر ایک خدا کے ہور ہے۔ فاصلے اسی کی امداد اور اہل وعدوں پر بھروسہ کیا۔ یہاں تک کہ دیکھ لیا کہ جو خدا کا ہور بتا ہے کس طرح خدا اس کا ہور جاتا ہے۔

فرماتے ہیں کیوں نہیں وہ اٹھائے گا۔ پکا وعدہ ہو چکا ہے جس کا ایفاء اس پر لازم ہے تمام پیغمبروں کی زبانی اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد بندوں کو دوبارہ زندہ کرنے کا وعدہ کیا ہے لیکن اکثر لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے حق تعالیٰ حسب وعدہ بندوں کو ضرور زندہ کرے گا تاکہ اللہ ان پر اس امر کو کھول دے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ یعنی قیامت کے قائم ہونے سے ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ خدا کے پیغمبر جو بیان کرتے تھے وہ سب حق تھا قیامت اور جنت اور جہنم سب حق ہے اور جو ان باتوں کے مخالف تھے وہ سب غلطی پر تھے اور دوسری حکمت قیامت کے قائم ہونے میں یہ ہے کہ کافر جان لیں کہ ہم انکار قیامت اور تکذیب رسالت میں جھوٹے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے قائم ہونے میں دو حکمتیں ہیں اول تو یہ کہ حق اور باطل کے بارے میں جو اختلاف تھا اس کا فیصلہ ہو جائے اور آنکھوں سے حق اور باطل نظر آجائے اور دوسری حکمت یہ ہے کہ صدق اور کذب کا فیصلہ ہو جائے۔

اب آگے کافروں کے شبہ کار دفرماتے ہیں کہ ہم دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز نہیں ہماری قدرت کا تو یہ حال ہے کہ جب ہم کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو جو چیز ہمارے علم میں ہوتی ہے ہم اسے کہتے ہیں ”کن“ ہو جا۔ پس وہ ہو جاتی ہے۔ جس چیز کے پیدا کرنے کا ہم ارادہ کرتے ہیں تو اس کے لیے فقط ہمارا ارادہ کافی ہوتا ہے ہماری ایجاد کسی مادہ اور مدت پر موقوف نہیں۔ کافروں کا یہ اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ بعث اموات سے عاجز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر طرح کی قدرت حاصل ہے وہ کسی بات سے عاجز نہیں جب وہ قادر مطلق معدوم سے کہتا ہے ہو جا تو فوراً عدم سے نکل کر وجود میں آجاتا ہے۔ اسی ذات کو مردوں کا زندہ کرنا کیا دشوار ہے جب زندہ کرنا چاہے گا فوراً زندہ ہو جائیں گے۔

آنکہ پیش از وجود جاں بخشند ہم تو اند کہ بعد از ازاں بخشند  
چوں در آورد از عدم بوجود چه عجب باز گر کند موجود

یہاں تک مکرین بعث اور مکذبین قیامت کا ذکر تھا اب آگے ان مومنین کا ملین کی فضیلت اور بشارت کا ذکر فرماتے ہیں جن کا آخرت اور قیامت پر یقین کامل ہے اور اس یقین کامل کی بنا پر انہوں نے ہجرت کی اور قسم قسم کی مصیبتوں اور اذیتوں پر صبر کیا اور اللہ پر بھروسہ کیا چنانچہ فرماتے ہیں:

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔ بعد اس کے کہ کافروں کی طرف سے ان پر ظلم کیا گیا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ان کو ضرور دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے۔ جہاں احکام اسلام پر عمل کرنے میں کوئی حارج اور مزاحم نہ ہو۔ اچھا ٹھکانہ دینے سے دنیا میں سلطنت دنیا مراد ہے جہاں اسلام غالب ہو اور کفر مغلوب ہو چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا فرمادیا اور اسلام اور مسلمانوں کو کفر اور کافروں پر غلبہ عطا کیا اور جن ظالموں نے مسلمانوں کو مکہ سے نکالا تھا اللہ تعالیٰ نے اسی سرزمین کا مسلمانوں کو وارث بنایا اور اس کے علاوہ البتہ آخرت کا اجر اس سے کہیں بہتر ہے کاش کافر جان لیتے کہ خدا تعالیٰ نے مہاجرین سے کیا وعدے کیے ہیں اور یہ مہاجرین وعدہ ہائے خداوندی کے اس لیے مستحق ہیں کہ ان لوگوں نے کفار کے مظالم پر صبر کیا۔ اور مضبوطی کے ساتھ حق پر ثابت قدم رہے اور خدا کا وعدہ ہے کہ صابرین کو بے حساب اجر عطا فرمائے گا۔ اور یہ لوگ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور جو اللہ کریم پر بھروسہ کرے اور مخلوق سے بالکلیہ منقطع ہو جائے اور بالکلیہ



## پانچواں شبہ

قَالَ تَعَالَى: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا... إِلَى... وَاعْلَمَهُمْ بِتَفْكَرُونَ﴾

رابطہ:..... اس آیت میں کافروں کے اس شبہ کا جواب دیتے ہیں جو وہ کہا کرتے تھے کہ پیغمبر بشر نہیں ہوتا بلکہ فرشتہ ہونا چاہئے۔ یہ لوگ رسالت اور بشریت میں منافات سمجھتے تھے اس لیے ایسا کہتے تھے حق تعالیٰ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جتنے پیغمبر ہم نے پہلے بھیجے وہ سب بشر تھے اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو اہل علم سے دریافت کرو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لیے فرشتے نازل نہیں کئے، بلکہ انسانوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا اور ان کی صداقت کے لیے ان کو معجزات عطا کیے چنانچہ فرماتے ہیں اور نہیں بھیجا ہم نے رسول بنا کر آپ ﷺ سے پہلے مگر صرف مردوں کو نہ فرشتوں کو اور نہ عورتوں کو وحی بھیجتے تھے ہم ان کی طرف مقام نبوت و رسالت مردوں کے لیے مخصوص ہے۔ کسی عورت کو اللہ تعالیٰ نے بنی اور رسول نہیں بنایا اور نہ ان کی طرف وحی نبوت و رسالت بھیجی۔ حضرت مریم اور مادر موسیٰ علیہما السلام کی طرف جس وحی کا ذکر آیا ہے وہ وحی الہام اور روحی ولایت تھی نہ کہ وحی نبوت و رسالت کیونکہ وحی کا لفظ قرآن کریم میں مختلف معنی میں مستعمل ہوا ہے ”الہام“ کے معنی میں بھی آیا ہے جیسا کہ ﴿وَإِذْ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ إِلَى الْغُلَّاقِ﴾ میں ایحاء سے وحی الہام مراد ہے۔ اور ﴿وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَٰهِمْ﴾ میں ایحاء سے دوسرے مراد ہے اس لیے کہ وحی کے لغوی معنی القاء خفی کے ہیں جو وحی نبوت اور وحی الہام اور دوسرے وغیرہ کو شامل ہیں۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ شان خداوندی اس سے بالاتر ہے کہ اس کا پیغمبر آدمی ہو اگر خدا کسی کو اپنا رسول بنا کر بھیجتا تو فرشتوں کو بھیجتا اس پر خدا تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ عادتہ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ وہ فرشتوں کو پیغمبر بنا کر نہیں بھیجتا ہے سابق میں اس نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب آدمی تھے اور سب مرد تھے تو محمد ﷺ کی نبوت و رسالت میں کیا استبعاد ہے۔ پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل کتاب سے دریافت کر لو کہ جن میں ہمیشہ پیغمبر آتے رہے وہ تم کو بتلا دیں گے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک جو نبی گزرا وہ مرد تھا فرشتہ نہ تھا اہل کتاب سے پوچھنے کا حکم اس لیے دیا کہ کفار مکہ ان کے علم کے معتقد تھے غرض یہ کہ آپ ﷺ سے پہلے جس قدر نبی بھیجے گئے وہ سب مردوں میں سے تھے اور کھلے معجزات اور صحیفوں کے ساتھ بھیجے گئے اور اس طرح اے نبی ﷺ ہم نے تیری طرف یہ نصیحت کی کتاب اتاری تاکہ تو تمام لوگوں کے لیے اللہ کے نازل کردہ احکام۔ اوامر و نواہی کو صاف اور واضح طور پر بیان کرے اور نیز یہ نصیحت کی کتاب اس لیے اتاری گئی کہ وہ اس میں غور و فکر کریں اور جانیں کہ یہ مخلوق کا کلام نہیں اور ہدایت پا جائیں۔ غور و فکر سے انسان حق کی راہ پاتا ہے اور عناد اور غفلت آدمی کو تباہ اور برباد کر کے چھوڑتی ہے۔

فائدہ اولیٰ:..... (۱) اس آیت کے عموم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر عالم پر عالم کی تقلید واجب ہے۔ اور تقلید کے معنی یہ ہیں کہ

= اور فلاح دارین کے طریقوں کو یاد دلانے والا اور خواب غفلت سے بیدار کرنے والا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح پہلے رسول بھیجے گئے بتائیں اتاری گئیں، آج تم کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے ایسی کتاب دے کر بھیجا جو تمام کتب سابقہ کا خلاصہ اور انبیائے سابقین کے علوم کی مکمل یادداشت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام یہ ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کے لیے اس کتاب کے مضامین خوب کھول کر بیان فرمائیں اور اس کی مشکلات کی شرح اور مجملات کی تفصیل کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا مطلب وہی معتبر ہے جو احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو۔

غیر عالم کسی عالم سے حکم شرعی دریافت کرے۔ اور بغیر دلیل معلوم کیے اس پر عمل کرے تقلید شخصی میں کسی خاص امام کی ذات کا اتباع مقصود نہیں ہوتا اس لیے کہ ذاتی طور پر سوائے رسول خدا ﷺ کے کسی کا اتباع واجب نہیں۔ غیر عالم، عالم شریعت سے جو مسئلہ پوچھتا ہے اس کا مقصود حکم شرعی کا دریافت کرنا ہوتا ہے نہ کہ اس کی ذاتی رائے۔ جو شخص کسی کو نبی کی طرح واجب الاتباع سمجھے وہ کافر ہے البتہ بغیر سند اور بغیر دلیل معلوم کیے کسی حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ کے اعتماد پر صحیح مان لینا یہ تقلید فی الروایت ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کا علم اور فہم اور ان کے تقویٰ اور ان کی نقاہت اور روایت پر اعتماد کر کے قرآن اور حدیث پر عمل کرنا اور ان کے فتویٰ کے مطابق شریعت کا اتباع کرنا۔ تقلید فی الدرایت ہے اور غیر عالم کو عالم کا اتباع واجب ہے اور ظلم و جہول ایک انسان کو جس کا علم بھی ناقص اور فہم بھی ناقص اور تقویٰ بھی ناقص اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے سمجھے ہوئے معنی کے مطابق قرآن و حدیث پر عمل کرے اس پر فرض ہے کہ *راسخین فی العلم اور مستہمطین کی تقلید کرے ناقص پر کامل کا اتباع عقلاً و شرعاً واجب ہے۔ ف*

چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش      بازران گریہ و آشوب باش

اور جو شخص اپنے آپ کو علم اور فہم میں ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کا ہمسر سمجھے اس سے ہمارا خطاب نہیں اور جو اپنی کمتری کا اقرار کرے تو پھر عرض یہ ہے کہ باجماع عقلاء کمتر پر بالاتر کا اتباع واجب ہے معلوم نہیں کہ مدعیان عمل بالحدیث کے نزدیک عقلاء عالم کا یہ اجماع حجت ہے یا نہیں۔ نابالغ پر بالغ کا اتباع عقلاً و شرعاً واجب ہے بغیر ولی کی اجازت کے نابالغ کا کوئی تصرف بیع و شراء اور نکاح وغیرہ معتبر نہیں اسی طرح علم اور فہم کے نابالغوں کا فتویٰ بغیر ائمہ ہدایت۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور شافعی رحمہ اللہ اور احمد رحمہ اللہ کی تصدیق اور ولایت کے معتبر نہیں یہ حضرات باتفاق اہل علم، علم اور عقل اور ہدایت کے بالغ تھے اور آج کے مدعیان عمل بالحدیث اگر یہ کہیں کہ ہم بھی علم اور عقل کے بالغ ہیں ہمیں کسی بالغ کی ولایت کی ضرورت نہیں تو ہم عرض کریں گے کہ آپ اپنے علم و عقل کے بلوغ کی علامتیں بیان کیجئے تاکہ آپ کے دعوے کا صدق ظاہر ہو سکے۔ ﴿وَقَسَّوْاْ اَہْلَ النَّارِ اِنَّ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

فائدہ دوم:..... اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلق تقلید کو فرض فرمایا ہے اور مطلق تقلید کے دو فرد ہیں ایک تقلید شخصی کہ سب مسائل ضرور یہ ایک ہی عالم سے پوچھ کر عمل کرے دوسرے تقلید غیر شخصی وہ یہ ہے کہ جس عالم دین سے چاہے حکم شرعی دریافت کر کے اس پر عمل کرے اور آیت اپنے اطلاق کی وجہ سے دونوں قسموں کو شامل ہے اور ظاہر ہے کہ مطلق کا وجود خارج میں افراد ہی کے ضمن میں ہوتا ہے لہذا تقلید شخصی بھی مامور بہ کا ایک فرد ہوگی فی حد ذاتہ تقلید کی دونوں قسمیں جواز میں برابر ہیں اور صحابہ کرام و تابعین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں مسلمان اپنے اپنے شہر کے عالم اور مفتی سے حکم شرعی معلوم کر کے اس پر عمل کرتے تھے اور یہ تقلید شخصی تھی قراءت قرآن بہ سبعة احرف جائز اور مخیر تھی مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے باجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قراءت قرآن کو لغت قریش پر مقصود کر دیا اور باقی حروف پر قراءت قرآن کو ممنوع قرار دیا یا تقلید غیر شخصی فی حد ذاتہ جائز ہے بشرطیکہ مقصود اتباع شریعت ہو اور بشرطیکہ ہوائے نفسانی سے کالی ہو اور اگر مقصود اتباع ہوائے نفس ہو کہ جس امام کا قول اس کی خواہش اور غرض کے مطابق ہو اس کو لے لے تو یہ تہلفیق ہے اور باجماع امت حرام ہے جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کی

تصریح کی ہے تقلید غیر شخص سے دین کھیل تماشہ نہیں پڑھا وہ لامحالہ کسی کی تقلید پر مجبور ہے تو اس زمانہ کے علماء اہل حدیث کی تقلید سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید بہتر ہے۔

اے مسلمانو! امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سنہ ۸۰ ہجری میں گزرے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے شاگردوں سے علم حاصل کیا تو کیا ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس زمانہ کے علماء اہل حدیث سے بھی گئے گزرے تھے کہ ان کی تقلید تو شرک اور بدعت ہو جائے۔ اور اس زمانہ کے علماء اہل حدیث کی تقلید تو حید بن جائے۔ اے مسلمانو! تم اپنے انجام کو سوچ لو۔ (وما علینا الا البلاغ)

أَفَامِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ

سو کیا نڈر ہو گئے وہ لوگ جو برے فریب کرتے ہیں اس سے کہ دھنسا دیوے اللہ ان کو زمین میں یا آ پینچے ان پر عذاب جہاں سے سو کیا نڈر ہوئے ہیں، جو برے داؤ کرتے ہیں، کہ دھنسا دے اللہ ان کو زمین میں، یا پینچے ان کو عذاب جہاں سے

حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۳۵﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۳۶﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَى

خبر نہ رکھتے ہوں فلا یا پکڑے ان کو چلتے پھرتے سو وہ نہیں ہیں عاجز کرنے والے فلا یا پکڑے ان کو خبر نہ رکھتے ہوں۔ یا پکڑے ان کو چلتے پھرتے، سو وہ نہیں تھکانے والے۔ یا پکڑے ان کو

تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۳۷﴾

ڈرانے کے بعد فلا سو تمہارا رب بڑا نرم ہے مہربان فلا

ڈرانے کر (خوف اور ہشت سے)۔ سو تمہارا رب بڑا نرم ہے مہربان۔

فلا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کام مفسرین قرآن کو کھول کر بیان کرنا، اور لوگوں کا کام اس میں غور و فکر کرنا۔

فلا یعنی اگلے انبیاء اور ان کی قوموں کا حال سننے اور قرآن ایسی مکمل یادداشت پہنچ جانے کے بعد بھی کیا کفار مکہ حق کے مقابلہ میں اپنی مکاریوں اور داؤ فریب سے باز نہیں آتے، کیا یہ امکان نہیں کہ خدا انھیں قارون کی طرح زمین میں دھنسا دے۔ یا ایسی طرف سے کوئی آفت بھیج دی ہدھر سے انھیں وہم و گمان بھی نہ ہو۔ چنانچہ ”بد“ میں مسلمان غازیوں کے ہاتھوں سے ایسی سزا دلوانی جو اپنی قوت و جمعیت اور مسلمانوں کے ضعف و قلت کو دیکھتے ہوئے ان کے تصور میں بھی نہ آ سکتی تھی۔

فلا یعنی یہ بھی ضروری نہیں کہ پہلے سے کچھ اہتمام کیا جائے یا فوجیں مقابلہ کے لیے روانہ کی جائیں۔ خدا تو اس پر بھی قادر ہے کہ تمہیں ملتے پھرتے کام لاج کرتے یا بستروں پر کروٹیں بدلتے ہوئے ایک دم پکڑے اور بالکل عاجز دے بس کر دے۔ اس کو سب قدرت ہے وہ تم کو عاجز کر سکتا ہے تم اسے نہیں تھکا سکتے۔

فلا یعنی اپنا تک نہ پکڑے۔ بلکہ آگاہ کرنے اور مبادئی عذاب بھیجنے کے بعد ایسی حالت میں پکڑے جب کہ لوگ اطلاع پا کر اور آثار عذاب دیکھ کر طبعاً خوف کھا رہے ہوں یا آس پاس کے لوگوں کو آفات سماویہ میں مبتلا دیکھ کر ڈر رہے ہوں لیکن یہ خوف محض طبعی ہو۔ عداوت اور توبہ کے ساتھ نہ ہو جو دفاع عذاب ہو سکتا ہے۔ بعض نے ”تخوف“ کے معنی ”تنقص“ (آہستہ آہستہ کم کرنے) کے لیے ہیں۔ یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ دفعتاً ماک نہ کرے آہستہ آہستہ کم کر گھٹاتے اور پست کرتا رہے۔

فلا یعنی خدا سب کچھ کر سکتا ہے مگر کیوں نہیں کرتا، اس کی تری اور مہربانی مانع ہے کہ مجرمین پر فوراً عذاب نازل کر دے، اس کی رافت و رحمت محتفی ہے کہ مجرمین کو مہلت اور اصلاح کا موقع دیا جائے یا یہ جملہ صرف ”يَأْخُذَهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ“ سے متعلق ہے بحالیکہ ”تخوف“ جو بمعنی ”تنقص“ لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ آہستہ آہستہ کم کرنا اور دفعتاً ماک نہ کرنا اس کی رحمت و شفقت کی وجہ سے ہے ورنہ ایک آن میں نیست و نابود کر دیتا۔



## تہدید اہل مکربا نواع اقسام قہر

قَالَ لِيَا قَوْمِ اتَّخِذُوا الذِّكْرَ أَلَدًا مِّنَ السَّيِّئَاتِ... إِلَى... فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱﴾

رابطہ:..... اب ان آیتوں میں اول سرکشوں کو جو دین حق کے مقابلہ میں مکرو فریب کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے قسم قسم کے قہر اور عذاب سے ڈراتا دھمکاتا ہے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱) کیا تم کو اطمینان ہو گیا ہے کہ اللہ تم کو زمین میں دھنسا دے ﴿أَنْ يَمْحِطَ اللَّهُ بِهِنَّ الْأَرْضُ﴾ جیسے پہلے بہت سی قوموں پر زلزلہ آیا اور زمین پھٹ گئی اور وہ زمین میں دھنس گئے جیسے قارون۔ تو کیا تمہارے لیے یہ ممکن نہیں۔

(۲) دوم یہ کہ ان پر ناگہانی طور پر کوئی عذاب آجائے جس کی پہلے سے ان کو خبر نہ ہو کما قال تعالیٰ ﴿أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ﴾ جیسے قوم لوط پر ناگہانی طور پر آسمان سے پتھر برسے۔

(۳) سوم یہ کہ چلنے پھرنے کی حالت میں یا سفر کی حالت میں ان کو پکڑے مثلاً دفعتاً کسی ناگہانی بلا یا ناگہانی بیماری میں مبتلا ہو جائیں۔

(۴) چہارم یہ کہ ان کو بتدریج پکڑے کہ دفعتاً ان پر کوئی بلا نازل نہ ہو بلکہ اس بلا اور آفت سے پہلے اس کے آثار نمایاں ہو جائیں۔ جن کو دیکھ کر یہ پریشان ہو جائیں جیسے قحط اور بیماری اور پھر ہلاک ہو جائیں مگر خدا تعالیٰ ﴿رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ ہے پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔

ان آیات سے مقصود کافروں کو ان کے ناشائستہ افعال و اعمال پر خوف دلانا ہے اور مکر اور تکبر کرنے والوں کو اپنے غلبہ اور قہر سے ڈرانا ہے اور عذاب الہی کے ناگہان آجانے سے انہیں خبردار کرنا ہے اور اپنے علم کی خبر دینا ہے کہ ایسے گنہگاروں اور مکاروں کو مہلت دے رکھی ہے حالانکہ اس کو یہ قدرت ہے کہ فی الفور ان کو زمین میں دھنسا دے یا ایسی جگہ سے ان پر عذاب لے آئے۔ جہاں کی ان کو خبر نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کیا یہ لوگ جو دین حق کے باطل کرنے کے لیے بڑی بڑی تدبیریں سوچتے رہتے ہیں اس بات سے بے خوف اور نڈر ہو گئے کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسائے جیسے قارون کو دھنسیا، یا ایسی جگہ سے ان پر عذاب آجائے جہاں ان کو وہم و گمان بھی نہ ہو جیسے قوم لوط اور قوم عاد پر ناگہانی عذاب آیا۔ یا چلتے پھرتے ان کو ناگہانی عذاب میں پکڑ لے مثلاً کھیل تماشہ میں یا عیش و عشرت کی حالت میں ناگہانی طور پر مصیبت آجائے پس وہ کسی حالت میں اللہ کے ہاتھ سے چھوٹ کر نکل نہیں سکتے یا وہ نڈر ہیں اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ ان کو خوف میں مبتلا کر کے عذاب میں پکڑ لے یعنی اچانک نہ پکڑے بلکہ علامات عذاب کے ظاہر کرنے کے بعد ایسی حالت میں پکڑے کہ جب لوگ آثار عذاب کو دیکھ کر خوف زدہ ہو رہے ہوں مگر ندامت اور توبہ کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ ایسی حالت میں ان پر عذاب نازل کرے۔ الغرض اللہ ہر طرح قادر ہے کہ ان کی مکاریوں اور بد اعمالیوں کی سزا میں جس عذاب میں جس طرح چاہے مبتلا کرے سب ممکن ہے لیکن وہ حلیم و غفور ہے۔ سزا میں جلدی نہیں کرتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: بے شک تیرا پروردگار بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے کہ مہلت دیتا ہے اور باوجود استحقاق عقوبت کے فوراً انہیں پکڑتا اس نے تمہیں سمجھا دیا اب آگے خود جانو۔

أَوْلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَفَيَّؤُا ظِلَلُهُ عَنِ الَّتِيْمِيْنَ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلَّهِ

کیا نہیں دیکھتے وہ جو کہ اللہ نے پیدا کی ہے کوئی چیز کہ ڈھلتے ہیں سائے ان کے داہنی طرف سے اور بائیں طرف سے سجدہ کرتے ہوئے اذلی  
کیا نہیں دیکھتے؟ جو اللہ نے بنائی ہے کوئی چیز، ڈھلتی ہیں چھاویں ان کے داہنے سے اور بائیں سے، سجدہ کرتے اللہ کی

وَهُمْ دُخِرُونَ ﴿۳۸﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْبَاطِنِ

اور وہ عاجزی میں ہیں اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو آسمان میں ہے اور جو زمین میں ہے جانداروں سے اور فرشتے  
اور وہ عاجزی میں ہیں۔ اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو آسمان میں ہے اور جو زمین میں ہے، کوئی جانور اور فرشتے،

وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۳۹﴾ يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿۴۰﴾

اور وہ تکبر نہیں کرتے اور ڈر رکھتے ہیں اپنے رب کا اپنے اوپر سے اور کرتے ہیں جو حکم پاتے ہیں اور وہ بڑائی نہیں کرتے۔ ڈر رکھتے ہیں اپنے رب کا اوپر سے، اور کرتے ہیں جو حکم پاتے ہیں۔

تذکیر آثار قدرت و تشبیہ بر غفلت

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿أَوْلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ... إِلَى... وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾

ربط:..... اب ان آیات میں اپنے آثار جبروت اور آثار ملکوت کو یاد دلاتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ تمام چیزیں اللہ ہی کو سجدہ  
کرتی ہیں اور ہر چیز اسی کے حکم پر گردن جھکائے ہوئے ہے اور افسوس ہے کہ تم بنی آدم اور اشرف المخلوقات ہو کر اس کی  
اطاعت سے انحراف کرتے ہو اور غیروں کی عبادت میں سرگرداں ہو اور خداوند ذوالجلال کے قہر اور عذاب سے بے خوف اور  
نڈر ہو گئے ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں کیا نہیں دیکھتے کافر کہ اللہ نے جو چیز پیدا کی ہے کہ اس کا سایہ داہنی جانب سے اور بائیں  
جانب سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے جھکتا ہے۔ درآں حالیکہ یہ سب سائے اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں۔ مطلب  
یہ ہے کہ ہر شے کا سایہ اللہ تعالیٰ کا مطیع اور منقاد ہے اس کے حکم کے بموجب داہنے سے بائیں اور بائیں سے داہنے کو پھرتا رہتا  
ہے اور یوں بھی ہر وقت زمین پر پڑا رہتا ہے گویا کہ اللہ کے آگے سر بسجود ہے مقصود یہ ہے کہ کافر کو خدا کو سجدہ نہیں کرتے مگر ان  
فلا یعنی جب کوئی طور پر ہر چیز خدا کے سامنے عاجز اور مطیع و منقاد ہے۔ حتیٰ کہ سایہ دار چیزوں کا سایہ بھی اسی کے حکم اور قانون قدرت کے موافق کھتا رہتا اور  
ادھر یا ادھر رہتا ہے پھر ایسے قدرت والے خدا کو عذاب سمجھنے سے کون سی طاقت روک سکتی ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ با اختیار خود اس کے احکام تشریحی کے سامنے  
گردن جھکادے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "ہر چیز ٹھیک دوپہر میں کھڑی ہے اس کا سایہ بھی کھڑا ہے۔ جب دن ڈھلا، سایہ جھکا، پھر جھکتے جھکتے ٹام  
تک زمین پر پڑ گیا، جیسے نماز میں کھڑے سے رکوع، رکوع سے رکوع، اسی طرح ہر چیز آپ کھڑی ہے اپنے سایہ سے نماز کرتی ہے کسی ملک میں کسی موسم میں  
داہنی طرف جھکتا ہے نہیں بائیں طرف۔"

فلا پہلے کھڑی چیزوں کا جو سایہ دار ہوں سجدہ بیان ہوا تھا، یہاں عام جانداروں بالخصوص فرشتوں کا سجدہ بیان کر کے متنبہ فرمایا کہ ایسی مقرب و معتمد ہستیوں میں  
اس کے آگے سر بسجود میں کوئی شے یا غدران میں نہیں، جو اپنے مالک کے سامنے سر جھکانے سے رکے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "مفرد لوگوں  
کو سر رکھنا زمین پر مشکل ہوتا ہے۔ نہیں جانتے کہ بندہ کی بڑائی لکھنا ہے "مَنْ تَوَاضَعُ لِلَّهِ وَقَعَهُ اللَّهُ"  
فلا یعنی فرشتے باوجود اس قدر قرب و وجاہت کے اپنے رب کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو حکم پاتے ہیں فوراً بجالاتے ہیں۔ موضح القرآن میں ہے  
کہ ہر بندہ کے دل میں ہے کہ میرے ادا اللہ ہے اپنے آپ کو پہنچا رکھتا ہے، یہ سجدہ فرشتوں کا بھی ہے اور رب کا۔"

کے سائے اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ سایوں کی حالتیں اور حرکتیں بدلتی رہتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ سایوں کا یہ اختلاف اور تغیر و تبدل کوئی امر ذاتی نہیں بلکہ کسی قادر مختار کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ ہر لمحہ بندوں کو اپنی قدرت کے تماشے دکھا رہا ہے تاکہ سمجھیں کہ پتلیاں کس کے اشارہ پر ناچ رہی ہیں۔

اور اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے یعنی ہر وہ جانور جو زمین پر حرکت کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ کے زیر حکم ہیں جس کو جس کام کے لئے بنایا ہے وہی کام اس سے سرزد ہوتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جب تکوینی طور پر تمام چیزیں اللہ کی مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ حتیٰ کہ سایہ دار چیزوں کا سایہ بھی اسی کے حکم کے مطابق گھٹتا اور بڑھتا ہے اور ڈھلتا اور سمنٹا ہے تو پھر ایسے قدرت والے خدا کو عذاب بھیجنے سے کون سی طاقت روک سکتی ہے ایسے قادر و قاہر کے عذاب سے تم کیوں بے خوف ہو گئے اور فرشتے اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ علوی اور نورانی ہیں اور خدا کے مقرب ہیں اور ملائکہ اس کی بندگی سے سرکشی نہیں کرتے اور تکبر سے پاکی یہی تمام محاسن و کمالات کا سرچشمہ ہے بندہ کی بڑائی اسی میں ہے کہ خدا کے سامنے زمین پر اپنا سر رکھ دے اور فرشتے ہر لمحہ ڈرتے رہتے ہیں اپنے پروردگار کی عظمت و جلال سے جو ان پر قاہر و غالب ہے اللہ کی فوقیت سے فوقیت حسیہ اور مکانیہ مراد نہیں بلکہ عظمت و جلال اور غلبہ اور تہر کی فوقیت مراد ہے مطلب یہ ہے کہ جو بلندی شان اور عظمت میں تمام مخلوق پر بلند اور برتر ہے اس کی اطاعت کرو کما قال تعالیٰ ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾ ﴿وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ﴾ ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾۔

ان تمام آیات میں فوقیت حسیہ مراد نہیں بلکہ فوقیت مرتبہ مراد ہے اور فرشتوں کا یہ خوف، خوف اجلال و اعظام ہے نہ کہ خوف اجرام، اور قرب خداوندی کا دار و مدار اسی خوف پر ہے جس درجہ کا خوف ہو اسی درجہ کا قرب ہوگا اور فرشتے وہی کام کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے ان کی جبلت ہی اطاعت و فرمان برداری ہے اس آیت کے پڑھنے والے اور سننے والے پر فقہاء حنفیہ کے نزدیک سجدہ واجب ہے اور دوسرے اماموں کے نزدیک سنت ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جس ذات بابرکات کی عظمت و جلال کا یہ حال ہو کہ ہر چیز اس کے سامنے سر بسجود ہو اس کا شریک کہاں ہو سکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ہر چیز ٹھیک دو پہر میں کھڑی ہے اس کا سایہ بھی کھڑا ہے جب دن ڈھلا سایہ جھکا پھر جھکتے جھکتے شام تک زمین پر پڑ گیا۔ جیسے نماز میں کھڑے سے رکوع رکوع سے سجدہ اسی طرح ہر چیز آپ کھڑی ہے اپنے سائے سے نماز کرتی ہے کسی ملک میں کسی موسم میں داہنی طرف جو کا ہے کہیں بائیں طرف“ (موضع القرآن)

وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَهِينَ إِلَّا هُوَ إِلَهُ وَاحِدٌ ۚ فَإِنِّي فَارُ هَبُونَ ﴿۵﴾ وَلَهُ مَا

اور کہا ہے اللہ نے مت پکڑو معبود دو وہ معبود ایک ہی ہے سو مجھ سے ڈرو اور اسی کا ہے جو اور کہا اللہ نے، نہ پکڑو معبود دو۔ وہ معبود ایک ہے۔ سو مجھی سے ڈرو۔ اور اسی کا ہے جو فل یعنی جب تمام آسمانی و زمینی مخلوق ایک خدا کے سامنے بے اختیار سر بسجود اور عاجز و متہور ہے، پھر عبادت میں کوئی دوسرا شریک کہاں سے آگیا۔ ہمارے یہاں کافران و مطاع ہے تمہارا اسی کی عبادت ہونی چاہیے اور اسی سے ڈرنا چاہیے۔

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّیْنُ وَاٰصْبَاطٌ اَفْعٰیذُ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ

کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اسی کی عبادت ہے ہمیشہ فی سو کیا سوائے اللہ کے کسی سے ڈرتے ہو اور جو کچھ تمہارے پاس ہے نعمت کچھ آسمانوں اور زمین میں، اور اسی کا انصاف ہے ہمیشہ۔ سو کیا اللہ کے سوا کسی سے خطرہ رکھتے ہو؟ اور جو تمہارے پاس ہے کوئی نعمت،

فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضَّرُّ فَاٰلِیْهِ تَجْرَوْنَ ﴿۵۷﴾ ثُمَّ اِذَا كَسَفَ الضَّرُّ عَنْكُمْ اِذَا

سوائے اللہ کی طرف سے پھر جب پہنچتی ہے تم کو سختی تو اسی کی طرف چلاتے ہو (اسی سے فریاد کرتے ہو) فی ۲ پھر جب کھول دیتا ہے سختی تم سے اسی وقت ایک سو اللہ کی طرف سے، پھر جب لگتی ہے تم کو سختی، تو اسی کی طرف چلاتے ہو۔ پھر جب کھول دے سختی تم سے، تب ہی ایک

فَرِیْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّہُمْ یُشْرِکُوْنَ ﴿۵۸﴾ لَیْکْفُرُوْا بِمَا اٰتٰیہُمْ فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ

فرقہ تم میں سے اپنے رب کے ساتھ لگتا ہے شریک بنانے تاکہ مکر ہو جائیں اس چیز سے جو کہ ہم نے ان کو دی ہے سو مزے اڑالو آخر معلوم فرقہ تم میں اپنے رب کے ساتھ لگتے ہیں شریک بنانے۔ تاکہ مکر ہو جائیں اس چیز سے جو ہم نے دی، سو برت لو، آخر معلوم

### تَعَلَّمُوْنَ ﴿۵۹﴾

کلو کے ۳

کردگے۔

## اثبات توحید و ابطال مجوسیت

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْا الْہٰدِیْنَ الْاٰثِمِیْنَ﴾... الی... فَسَوْفَ تَعَلَّمُوْنَ ﴿۵۹﴾

ربط:..... گزشتہ آیات میں یہ بتلایا کہ جمیع ماسوا اللہ خواہ وہ عالم اجسام سے ہو یا عالم ارواح سے ہو سب اللہ کے مطیع اور فرماں بردار ہیں اور اس کے آگے سر تسلیم جھکائے ہوئے ہیں اس لیے آئندہ آیت میں توحید خالص کا حکم دیتے ہیں اور شرک سے منع

فی یعنی ٹکڑی طور پر ہر چیز خالص اسی کی عبادت اور اطاعت پر مجبور ہے ﴿اَفَلَا یَعْلَمُوْنَ وَکَلَّۃً اَسْلَمَۃً مِّنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ظَلُوْعًا وَّاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمٰوٰتِ مَیۡۃً مِّنۡ مَّوۡۃٍ﴾ یا یہ مطلب ہے کہ ہمیشہ اسی کی عبادت کرنا لازم ہے ﴿اَلَا یَلٰہُ اِلَّا اللّٰہُ الْحَیُّ الْقَیُّوۡمُ﴾ اور بعض نے "دین" کو "جواز" کے معنی میں لیا ہے۔ یعنی نیک و بد کا دائرہ اسی ایک خدا کی طرف سے ملے گا۔ واللہ اعلم۔

فی یعنی سب بھلائیاں اور نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں اور ہر ایک برائی یا سختی کا نفع کرنا بھی اسی کے قبضہ میں ہے۔ چنانچہ جب کوئی سخت مصیبت انسان کو چھو جاتی ہے تو کٹر سے کٹر مشرک بھی اس وقت سب سہارے چھوڑ کر خدا کو پکارنے لگتا ہے۔ گو یا فطرت انسانی شہادت دیتی ہے کہ مصائب اور سختیوں سے بھاننا خدا سے واحد کے سوا کسی کا کام نہیں ہو سکتا۔ پھر جس کے قبضہ میں ہر ایک نعمت و نعمت اور ہر قسم کا نفع و ضرر ہے، دوسرا کون ہے جو اس کی الوہیت میں حصہ دار بن سکے۔ یا جس سے انسان خوف کھائے اور امیدیں باندھے۔

فی یعنی جہاں سختی دور ہوئی نعمت حقیقی کو بھلا بیٹھے اور نہایت بے حیائی سے خدائی کے حصے بخرے کرنے لگے۔ شرم نہ آئی کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے عاجز ہو کر کسے پکار رہے تھے۔ مگر حقیقی کا احسان ماننا نہ یہ اندیشہ کیا کہ ناشکری کی سزا میں پکڑے جائیں گے یا کم از کم کفران نعمت سلب نعمت کا موجب ہو جائے گا۔ جو یا نہایت وسوسہ لاشریک لہ نے جو انعام فرمایا تھا بالکل اس کے انکار بدل گئے۔ بہتر ہے چند روز کی انھیں مہلت دی جاتی ہے۔ خوب دنیا کے مزے اڑالیں آخر معلوم ہو جائے گا کہ اس مشرک کفران نعمت کی کیسی سزا ملتی ہے۔

فرماتے ہیں۔ اور یہ بیان کرتے ہیں کہ سب کے سب اللہ ہی کے مملوک اور عبد مطلق ہیں تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ ہماری ہی دی ہوئی ہے اور تم پر جب کوئی مصیبت اور آفت آتی ہے تو تم ہمیں سے فریاد کرتے ہو تو پھر تم غیر اللہ کی کیوں عبادت کرتے ہو مصیبت کے وقت ہم کو پکارنا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ کی محبت اور معرفت انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ جب دل سے غفلت کا پردہ اٹھاتا اس کو پکارا ان آیات سے مجس کار مقصود ہے جو یہ کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) دو معبود ہیں۔ ایک نور اور ایک ظلمت (یعنی تاریکی) نور خیر کا خالق ہے جس کو یزدان کہتے ہیں۔ اور ظلمت شر کا خالق ہے جس کو اہرمن کہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور حکم دیا اللہ نے کہ نہ بناؤ دو معبود کیونکہ اثنینیت (دوئیت) الوہیت (معبودیت) کے منافی ہے کیونکہ معبود وہ ہے جو خالق الکل ہو اور سب سے اعلیٰ اور اکمل ہو اور اس کی ذات و صفات میں کوئی اس کا شریک نہ ہو اور اس کے ماسوا سب اس کے محتاج ہوں اور وہ سب سے بے نیاز ہو اور وہ ایک ہی ہو سکتا ہے کیونکہ اگر ایک کے سوا دوسرا بھی معبود مانا جائے پس وہ اگر اس کے مساوی ہو تو وہ بھی خالق الکل ہوگا تو ایک مخلوق کے لیے دو خالق ہونا لازم آئے گا۔ نیز جب دوسرا معبود کے مساوی ہوگا تو دونوں میں کوئی بھی معبود نہ رہے گا اس لیے کہ معبود کے لیے شرط ہے کہ وہ سب سے اعلیٰ اور اکمل ہو اور سب اس کے محتاج ہوں پس جب دوسرا معبود پہلے معبود کے برابر نہ ہو تو لامحالہ اس سے کمتر ہوگا اور کمتری اور خدائی کا جمع ہونا عقلاً محال ہے اور جب معبود دو نہیں ہو سکتے تو دو سے زیادہ کیونکر ہو سکیں گے اور الہین کے بعد اثنین اس لیے بڑھایا کہ دو معبود ماننے والوں کی حماقت ظاہر ہو کہ دو معبود بنانا سراسر حماقت ہے اور جو لوگ ہزاروں اور لاکھوں معبودوں کے قائل ہیں جیسے بھارت کے ”ہلوہمان“ ان کی حماقت کی تو کوئی حد نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایک سے زیادہ معبود نہ بناؤ خوب سمجھ لو کہ وہ تو بس ایک ہی معبود ہے جو کمال میں اعلیٰ اور بالا ہے جس کے سامنے کسی کی کوئی ہستی نہیں الوہیت کے لیے وحدانیت لازمی ہے۔ اثنینیت الوہیت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ سوائے لوگو! تم مجھ ہی سے ڈرو کیونکہ معبود صرف میں ہی ہوں اور سب کچھ میری قدرت میں ہے اور خدا ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہی تمام کائنات کا مالک ہے اور اس کی اطاعت اور عبادت لازم اور واجب ہے۔ کیونکہ تمام کائنات اسی کی محتاج ہے اور ہر ممکن کیلئے احتیاج لازمی اور دائمی ہے اور ایک لحد کے لیے بھی کوئی ممکن واجب الوجود سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ پس کیا تم غیر خدا سے ڈرتے ہو جو اپنے وجود کا بھی مالک نہیں یعنی جب تم نے یہ معلوم کر لیا کہ اللہ ایک ہے اور ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے تو تمہیں اس کے سوا کسی اور شے سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اور علاوہ ازیں تمہارے پاس جو بھی دینی اور دنیوی نعمت ہے تو وہ سب خدا کی طرف سے ہے تو تم کو اس کا شکر کرنا چاہئے غرض یہ کہ جو تمہارے نفع اور ضرر کا مالک ہے اسی سے ڈرنا چاہئے اور جو تم کو نعمتیں دے رہا ہے اس کا شکر کرنا چاہئے اسی کی ذات قابل رغبت اور لائق رہبت ہے پھر جب کسی وقت تم کو ذرا تکلیف پہنچتی ہے تو تم اس کی طرف التجا کرتے ہو اور اسی سے فریاد کرتے ہو کیونکہ تم جانتے ہو کہ تکلیف کا دور کرنے والا اور راحت کا پہنچانے والا وہی ہے۔ اور پھر جب وہ سختی کو تم سے دور کر دیتا ہے جس کے سبب تم اس سے فریاد کرتے تھے تو فوراً ہی تم میں سے ایک فریق اپنے پروردگار کے ساتھ شکر کرنے لگتا ہے کہتا ہے کہ یہ تکلیف فلاں سبب سے دور ہوئی بجائے شکر کے شرک اور ناشکری میں پڑ جاتا ہے۔ مصیبت پڑے تو اللہ کو پکاریں اور جب مصیبت دور ہو جائے تو اس کے دور ہونے کو دوسروں کی طرف منسوب کریں اور اس

شرک میں ان کا کوئی فائدہ نہیں سوائے اس کے کہ وہ ناشکری کریں اس نعمت کی جو ہم نے ان کو دی ہے پس چند روز دنیا میں اللہ کی نعمتوں سے نفع اٹھا لو اور مزے اڑا لو پس عنقریب تم اس کے انجام کو جان لو گے کہ چند روزہ لذتوں اور شہوتوں کے پیچھے آخرت کی دائمی اور غیر متناہی نعمتوں سے محروم ہو گئے۔

**وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ ۗ تَاللَّهِ لَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنتُمْ**

اور ٹھہراتے ہیں ان کے لیے جن کی خبر نہیں رکھتے ایک حصہ ہماری دی ہوئی روزی میں سے **۱۱** قسم اللہ کی تم سے پوچھا ہے اور ٹھہراتے ہیں ایسوں کو جن کی خبر نہیں رکھتے ایک حصہ ہماری دی روزی میں سے۔ قسم اللہ کی! تم سے پوچھا ہے جو

**تَفْتَرُونَ ۝۱۲ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحٰنَهُ ۗ وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ ۝۱۳ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ**

جو تم بہتان باندھتے ہو **۱۲** اور ٹھہراتے ہیں اللہ کے لیے بیٹیاں وہ اس سے پاک ہے **۱۳** اور اپنے لیے جو دل چاہتا ہے **۱۴** اور جب خوشخبری ملے ان میں کسی کو جھوٹ باندھتے تھے۔ اور ٹھہراتے ہیں اللہ کو بیٹیاں، وہ اس لائق نہیں، اور آپ کو جو دل چاہے۔ اور جب خوشخبری ملے ایسے کسی کو

**بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهَهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝۱۴ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۗ**

بٹی کی سارے دن رہے منہ اس کا سیاہ اور جی میں گھٹنا رہے **۱۴** چھپتا پھرے لوگوں سے مارے برائی اس خوشخبری کے جو سنی **۱۵** بٹی کی، سارے دن رہے اس کا منہ سیاہ، اور جی میں گھٹ رہا۔ چھپتا پھرے لوگوں سے، مارے برائی اس خوشخبری کے جو سنی۔

**أَيْمَسِّكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝۱۵ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ**

اس کو رہنے دے ذلت قبول کر کے یا اس کو داب دے مٹی میں **۱۵** ستا ہے برا فیصلہ کرتے ہیں **۱۶** جو نہیں مانتے اس کو رہنے دے ذلت قبول کر کر، اس کو داب دے مٹی میں۔ ستا ہے؟ بری چکوتی کرتے ہیں۔ جو نہیں مانتے

**۱۶** یا ان کو فرمایا جو اپنے کھیت میں، مویشی میں، تجارت میں اللہ کے مواسی دوسرے کی نیاز ٹھہراتے ہیں (موضح القرآن) عیساکہ مشرکین عرب کا دستور تھا جس کا ذکر آٹھویں پارہ کے تیسرے رکوع میں گزر چکا "مالا يعلمون" سے مراد وہی اصنام وغیرہ ہیں جنہیں مشرکین جہالت اور بے خبری سے معبود یا مالک نفع و ضرر سمجھتے تھے حالانکہ اس کی کوئی دلیل یا نشانہ کے پاس نہ تھی، پھر شرک کا بھی تجویز کیے گئے تھے کہ بت جو ہر قسم کے علم و شعور سے کورے ہیں۔ **۱۷** إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ۔

**۱۸** یعنی قیامت میں ان افتراء پر دنازیوں کی تم سے ضرور باز پرس ہوگی۔ خدا کے دیے ہوئے سال میں کیا حق تھا کہ دوسروں کو شریک و شیم بناؤ۔ (باقی کسی کو ثواب پہنچانے کا مسئلہ جدا گانہ ہے وہ اس آیت کے تحت میں داخل نہیں)

**۱۹** یعنی وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لیے اولاد ثابت کی جائے۔ غاص کر بیٹیاں۔ تعجب ہے یہ لوگ حق تعالیٰ کی نسبت ایسی جرات کس طرح کرتے ہیں۔ اس آیت میں "بنو فرادم" کا رد ہوا جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے (العیاذ باللہ)

**۲۰** یعنی خود اپنے لیے بیٹیاں دیے جانے پر رضامند نہیں جب مانگیں گے پڑا مانگیں گے۔ **۲۱** یعنی ان میں سے کسی کو اگر خبر دی جائے کہ تیرے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے تو نفرت و غم سے تیوری چڑھ جائے اور دن بھر ناخوشی سے چہرہ بے رونق اور دل گھٹتا رہے کہ یہ ناشافی مصیبت کہاں سے سر پر آئی۔

**۲۲** یعنی رکی تنگ و مار کے تصور سے کہ لڑکی زندہ رہی تو کسی کو داسا بنا کر پڑے گا۔ لوگوں کو منہ دکھانا نہیں چاہتا اور مراد ہر چھپتا پھرنا ہے۔ **۲۳** یعنی شب و روز ادھیڑ میں لگا ہوا ہے اور تجویز میں سوچتا ہے کہ دنیا کی عاقبتوں کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں اتار دے۔ یعنی ہلاک کر ڈالے۔ عیساکہ مالیت میں بہت سے سنگدل لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے یا انہیں زمین میں گاڑ دیتے تھے۔ اسلام نے آ کر اس قبیح رسم کو مٹایا اور اس قبیح رسم کو مٹا کر =

بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی ۗ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۱﴾

آخرت کو ان کی بری مثال ہے اور اللہ کی مثال سب سے اعلیٰ اور وہی ہے زبردست حکمت والا۔  
پچھلے دن کو، انہیں پر بری کہاوت ہے، اور اللہ کی کہاوت سب سے اوپر۔ اور وہی ہے زبردست حکمت والا۔

### کفار کے چند ناشائستہ اقوال و افعال کا ذکر

قَالَ النَّبِيُّ: «وَيُجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا... اِلَى... وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ»

ربطہ:..... اثبات توحید کے بعد اب ان آیات میں کفار کے چند ناشائستہ اقوال و افعال کا ذکر فرماتے ہیں۔ تاکہ ان کی جہالت اور حماقت ظاہر ہو اور یہ بتلاتے ہیں کہ ان نادانوں نے نادانی سے دوزخ سے بڑھ کر بکثرت معبود بنائے ہوئے ہیں اور طرح طرح سے اعمال شرکیہ میں گرفتار ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور ٹھہرا لیتے ہیں یہ مشرک بتوں کے لیے جن کے معبود ہونے کا ان کو مطلق علم نہیں اور نہ ان کے پاس ان کے معبود ہونے کی کوئی سند اور دلیل موجود ہے ہماری دی ہوئی روزی میں سے ان کے لئے حصہ ٹھہرا لیتے ہیں۔ مشرکین نے اپنی کھیتی اور مویشی اور مالوں میں سے بتوں کے نام کا حصہ مقرر کر رکھا تھا۔ جس کا ذکر سورۃ انعام میں گزر چکا ہے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ لایعلمون کی ضمیر بتوں کی طرف راجع کرتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جن بتوں کو کسی چیز کا علم نہیں اور نہ ان کو یہ علم ہے کہ ہماری کون عبادت کرتا ہے کیونکہ بت تو پتھر ہیں ہر قسم کے علم و شعور سے عاری ہیں یہ نادان مشرک ان پتھروں کے لیے خدا کی دی ہوئی روزی میں سے حصہ مقرر کرتے ہیں اور ان کو اپنا معبود ٹھہراتے ہیں خدا کی قسم تم سے ضرور اس بات کی بابت باز پرس کی جائے گی۔ جو تم دنیا میں افتراء کرتے تھے۔ مشرک جو یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا کے شریک ہیں یہ ان کا افتراء ہے اور خدا کی دی ہوئی روزی میں سے ان کا حصہ مقرر کرنا یہ بھی افتراء ہے کفار تو قیامت اور آخرت کے صراحۃً منکر ہیں اور زمانہ حال کے ملحد اور زندیق ظاہر میں تو قیامت اور حشر و نشر پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن در پردہ منکر ہیں۔ یہ گروہ بظاہر مسلمان

= اسلام کے بعد مارے ملک میں اس بے رحمی کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔ بعض نے انہیں کھلیے معنی یوں کہے ہیں "وہ کے رکھے لڑکی کو ذلیل و خوار کر کے" یعنی زندہ رہنے کی صورت میں ایسا ذلیل معاملہ کرے گویا وہ اس کی اولاد ہی نہیں۔ بلکہ آدی بھی نہیں۔  
۱۱ لایکوں کے متعلق جو فالماذ فیصلہ ان کا تھا اس سے زیادہ برا فیصلہ یہ ہے کہ خدا کے لیے اولاد تجویز کریں، پھر اولاد بھی "اناٹ" جس سے خود اتنا گھبراتے ہیں۔  
گویا چھی چیز ان کے لیے اور ناقص خدا کے لیے ہے۔ (العیاذ باللہ)

۱۲ یعنی مشرکین جنہیں اپنے ظلم اور گستاخوں کے انجام پر یقین نہیں۔ بری مثال یا بری صفت و حالت ان ہی کی ہے وہ ہی اولاد کے محتاج ہیں۔ دکھ اور ضعیفی وغیرہ میں کام آنے کے لیے ان کو لڑکوں کا سہارا چاہیے۔ دفع عار یا افلاس وغیرہ کے ڈر سے لڑکیوں کو ملا کر کرنا ان کا شیوہ ہے۔ آخر میں ظلم و شرک وغیرہ کا جو برا انجام ہونا چاہیے اس سے بھی وہ بچ نہیں سکتے۔ عرض ہر نبی سے بری مثال اور نقص و عیب کی نسبت ان ہی کی طرف ہونی چاہیے۔ حق تعالیٰ کی طرف ان صفات کی نسبت کرنا جو مخلوق کا خاصہ ہیں اور (معاذ اللہ) بیٹے بیٹیاں تجویز کر کے حقیر اور پست مثالیں دینا اس کی شان عظیم و رفیع کے منافی ہے۔ اس کے لیے تو وہ ہی مثالیں اور صفات ثابت کی جاسکتی ہیں جو اعلیٰ سے اعلیٰ اور ہر بلند چیز سے بلند تر ہوں۔

۱۳ یعنی زبردست تو ایسا ہے کہ تمہاری گستاخوں کی سزا تمہوں ہاتھ دے سکتا ہے۔ لیکن فوراً سزا دینا اس کی حکمت کے مناسب نہیں۔ لہذا ڈھیل دی جاتی ہے کہ اب بھی باز آ جائیں اور اپنا رویہ درست کر لیں۔

ہے اور در پردہ کافر ہے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ملحد اور زندقہ منافی حکم میں ہے اور ان کا ایک افتراء یہ ہے کہ وہ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اس بہتان سے پاک اور منزہ ہے اس کے نہ بیوی ہے اور نہ بیٹا ہے وہ ﴿لَمْ يَلِدْ﴾ اور ﴿لَمْ يُولَدْ﴾ ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾۔  
 لم یلد لم یولد اور الائق است والد و مولود را او خالق است

چونکہ خدائے لم یزل کے لیے بیٹا اور بیٹی کا ہونا عقلاً محال ہے۔ اور خدا کے لیے اولاد تجویز کرنا سراسر حماقت اور جہالت ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ فقط سب حانہ فرما کر اپنی تنزیہ و تقدیس کو ظاہر فرما دیا عجیب نادان ہیں کہ خدا کے لیے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہیں۔ جو ان کی چہیتی اور مرغوب چیز ہے اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی (کے پیدا ہونے کی) خوشخبری دی جاتی ہے جس کو وہ اللہ کے لیے تجویز کرتے ہیں تو غم کے مارے ان کا چہرہ کالا پڑ جاتا ہے اور غم و غصہ میں گھٹا ہوا ہوتا ہے۔ مشرکین عرب لڑکی پیدا ہونے سے سخت ناخوش ہوتے تھے اور اس غریب کو زندہ درگور کر ڈالتے تھے بائیں ہمہ یہ احمق خدا کے لیے لڑکیاں تجویز کرتے تھے اور اس خبر یعنی تولد دختر کی برائی سے جس کی بشارت اس کو دی گئی ہے قوم سے چھپتا پھرتا ہے عربوں میں جب کسی کی بیوی بچہ جننے کے قریب ہوتی تو بچہ پیدا ہونے تک لوگوں کی نظروں سے غائب رہتا اگر لڑکا پیدا ہوتا تو وہ خوش ہوتا اور ظاہر ہو جاتا اور اگر لڑکی پیدا ہوتی تو وہ غم کرتا اور کچھ دنوں تک ظاہر نہ ہوتا اور سوچتا کہ اس لڑکی کو کیا کرے جیسا کہ فرماتے ہیں کہ آیا ذلت گوارا کر کے اپنے پاس رکھے یا اس کو مٹی میں چھپا دے۔ مضر اور خزاہ اور تمیم اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے اسلام نے آکر جاہلیت کی اس رسم بد کا خاتمہ کر دیا اور سارے ملک کی بے رحمی کو شفقت و رحم سے بدل دیا آگاہ ہو جاؤ برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کرتے ہیں وہ فیصلہ یہی ہے کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا اس کے لیے لڑکیاں تجویز کرتے ہیں۔ اور خود لڑکیوں سے کراہت اور نفرت کرتے ہیں اور بیٹیوں کو چاہتے ہیں دوسرے موقع پر خدا تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿إِنَّمَا إِلَهُ الْكَافِرِينَ﴾ ﴿وَلَهُ الْإِنثَىٰ﴾ ﴿تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ﴾ یعنی تمہارے لیے بیٹے اور خدا کے لیے بیٹیاں یہ تو نا انصافی کی تقسیم ہے عجیب بیوقوف ہیں کہ بیٹا اور بیٹی میں خود فرق کرتے ہیں اور بیٹی سے بیٹا افضل جانتے ہیں اور اپنے لیے بیٹا چاہتے ہیں اور خدا کے لیے بیٹیاں قرار دیتے ہیں جو چیز اپنے لیے محبوب سمجھتے ہیں وہ خدا کے لیے تجویز کرتے ہیں جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے ان کی صفت بری ہے کہ لڑکوں کو چاہتے ہیں اور لڑکیوں سے ناخوش ہوتے ہیں اور ایسے بے رحم اور سنگ دل ہیں کہ ان کو زندہ درگور کر دیتے ہیں حالانکہ جو خدا سے سب اچھا ہے نہ لڑکا برا ہے اور نہ لڑکی اور اللہ ہی کے لیے ہے صفت اعلیٰ وہ بے نیاز ہے۔ بیوی اور اولاد کا محتاج نہیں وہ تمام اوصاف حمیدہ کے ساتھ موصوف ہے کسی کے عیب لگانے سے اس کو عیب نہیں لگتا اور وہی زبردست ہے حکمت والا۔ کمال عزت اور کمال حکمت کے ساتھ موصوف ہے کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں ہو سکتا اور یہ گروہ مشرکین عجیب نادان گروہ ہے کہ اس کے نزدیک شجر اور حجر کا خدا کا شریک ہو جانا اور فرشتوں کا خدا کی دختر ہو جانا تو جائز ہے مگر کسی بشر کا پیغمبر ہونا ان کے نزدیک ناممکن اور محال ہے۔ ع



وَلَوْ يَؤُؤُ اخِذَ اللهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهِمَا مِنْ ذَاتِهِ وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ

اور اگر پکڑے اللہ لوگوں کو ان کی بے انصافی پر نہ چھوڑے زمین پر ایک چلنے والا لیکن ڈھیل دیتا ہے ان کو ایک وقت اور اگر پکڑے اللہ لوگوں کو ان کی بے انصافی پر، نہ چھوڑے زمین پر ایک چلنے والا، لیکن ڈھیل دیتا ہے ان کو، ایک وعدہ

مُسْتَسْتَمِي ۚ فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿۱۱﴾ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ

موجود تک پھر جب آ پہنچے گا ان کا وعدہ نہ پیچھے سرک سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے فی اور کرتے ہیں اللہ کے ٹھہرے تک۔ پھر جب پہنچا ان کا وعدہ، نہ دیر کریں گے ایک گھڑی نہ جلدی۔ اور کرتے ہیں اللہ کا

مَا يَكْفُرُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكُذِبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ لَا جَرَمَ أَنَّ لَهُمُ النَّارَ

داسلے جس کو اپنا جی نہ چاہے فی اور بیان کرتی ہیں زبانیں ان کی جھوٹ کہ ان کے واسلے خوبی ہے فی آپ ثابت ہے کہ ان کے واسلے آگ ہے جو اپنا جی نہ چاہے، اور بتاتی ہیں ان کی زبانیں جھوٹ، کہ ان کو خوبی ہے آپ ہی۔ ثابت ہوا کہ ان کو آگ ہے،

وَأَنَّهُمْ مُّفْرَطُونَ ﴿۱۲﴾

اور وہ بڑھائے جا رہے ہیں فی

اور وہ بڑھائے جاتے ہیں۔

بیان حلم خداوندی

قَالَ عِيَّاشِي: ﴿وَلَوْ يَؤُؤُ اخِذَ اللهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ...﴾

فی یعنی اگر خدا تعالیٰ لوگوں کی گستاخی اور نا انصافی پر دنیا میں فوراً پکڑنا اور سزا دینا شروع کر دے تو چند گھنٹے بھی زمین کی یہ آبادی نہیں رہ سکتی، کیونکہ دنیا میں بڑا حصہ ظالموں اور بدکاروں کا ہے۔ اور چھوٹی چھوٹی خطا و قصور سے تو کوئی خالی ہوگا؟ ﴿حَتَّىٰ تَكُونُ خَالِيًا﴾ جب غامی و بدکار فوراً لاک کر دیے گئے تو صرف معصوم انبیاء کے زمین پر بھیجنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی، بلکہ ان کا ملائکہ معصومین کے ساتھ رہنا موزوں ہے۔ جب نیک و بد انسان دونوں زمین پر نہ رہے تو دوسرے حیوانات کا رکھنا بے فائدہ ہوگا، کیونکہ وہ سب بنی آدم کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ نیز فرض کیجیے خدا نے انسانوں کے ظلم و عدوان پر بارش بند کر دی تو کیا آدمیوں کے ساتھ جانور نہیں مرے گا۔ بہر حال خدا اگر بات بات پر دنیا میں پکڑے اور فوراً سزا دے تو اس دنیا کا سارا قصہ منٹوں میں تمام ہو جائے۔ مگر وہ اپنے علم و حکمت سے ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ عزموں کو تو بہد اصلاح کا موقع دیتا ہے اور وقت موجود تک انھیں ڈھیلا چھوڑتا ہے۔ جب وقت آ پہنچا، پھر ایک سگینڈا دھرا دھرا نہیں ہو سکتا۔

(تفسیر) بعض مفسرین نے "مَا تَرَكَ عَلَيْهِمَا مِنْ ذَاتِهِ" سے غامی دابہ ظالمہ مراد لیا ہے۔ اگر صحیح ہو تو مطلب واضح ہے توئی اشکال نہیں۔

والله اعلم۔

فی یعنی جو چیزیں بری سمجھ کر اپنے لیے پسند نہیں کرتے مثلاً بیٹیاں یا اپنے ملک میں کسی اجنبی کی شرکت یا استہزاء و استخفاف کا معاملہ۔ وہ خدا وعدہ دس کے لیے ثابت کرتے ہیں۔

فی یعنی باوجود ایسی گستاخیوں کے زبان پر یہ جھوٹا دعویٰ ہے کہ ہم تو دنیا میں بھی بھلی چیزوں کے لائق ہیں اور اگر آخرت وغیرہ کے قصے سچے ہوئے تو وہاں بھی خوب ہیں اذائیں گے۔ ﴿وَلَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ شَيْئًا مِّنْ بَعْدِ إِذْ أُنزِلَتْ الْبُحُرُ لَمَّا كَفَرُوا وَمَا أَظْلَمُ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِن رُّجِعْتَ إِلَىٰ رَبِّكَ إِذًا عِنْدَكَ لِلْحُسْنَىٰ﴾

فی یعنی ان گستاخیوں کے ساتھ ایسی باطل آرزوئیں رکھنا ہی اس کی دلیل ہے کہ ان کے لیے کوئی خوبی اور بھلائی تو کیا ہوتی، البتہ دوزخ تیار ہے جس کی طرف

رابطہ:..... گزشتہ آیات میں کفار کے اقوال شنیعہ اور افعال فسیحہ کو بیان کیا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑے حلیم و کریم ہیں باوجود جرم عظیم کے مواخذہ اور گرفت میں جلدی نہیں کرتے بلکہ حلم سے مجرمین کو مہلت دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور اللہ کی عزت و رفعت اس کو مقتضی ہے کہ ان ظالموں اور گستاخوں کو فوراً عذاب سے ہلاک کر دیا جائے لیکن اس کا حلم اور حکمت اس کی مقتضی ہے کہ ان ظالموں کو کچھ مہلت دی جائے اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم پر پکڑنے لگے یعنی ان کے کفر و شرک پر فوراً پکڑنے لگے تو (زمین پر) کسی جاندار کو جو زمین پر چلتا ہے نہ چھوڑے بلکہ سب کے سب تباہ کر دیئے جائیں لیکن وہ حلیم و کریم اپنے علم سے ان کو ایک وقت مقررہ تک یعنی ان کی موت کے وقت تک مہلت دیتا ہے تاکہ کوئی توبہ کرنا چاہے تو اس کے لیے گنجائش رہے اور یہ اس کی رحمت اور اس کے جوہد و کرم اور اس کے حلم کا تقاضا ہے پھر جب ان کی موت کا وقت مقرر آجائے گا تو وہ نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکیں گے اور نہ ایک گھڑی آگے جا سکیں گے مرتے ہی آنکھیں کھل جائیں گی اور اللہ کی عزت و حکمت سامنے آجائے گی۔ ف

کہ یک لحظہ صورت نہ بند داماں نہ پیمانہ پر شد بدور زماں

اور اللہ کے لیے ٹھہراتے ہیں وہ چیزیں جو اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں مثلاً بیٹیاں یا اپنی ریاست میں کسی کی شرکت یا اپنے قاصدوں کی اہانت۔ یہ چیزیں اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں اور خدا کے لیے بیٹیاں اور شریک ٹھہراتے ہیں اور اس کے رسولوں کی اہانت کرتے ہیں اور باوجود ان کفریات اور شریکات کے ان کی زبانیں جھوٹ بولتی ہیں کہ اگر بالفرض و التقذیر قیامت قائم ہوئی تو ہمارے لیے وہاں بھی بڑی خوبی اور بھلائی ہوگی۔ اور ہم بھی جنت میں جائیں گے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَلَقَدْ رُجِعْتُ إِلَى رَبِّي إِنَّ لِي عِنْدَهُ لَلْخُسْفَى﴾ یعنی منکر قیامت یہ کہتا ہے کہ اگر بالفرض میں خدا کی طرف لوٹا یا گیا تو میرے لیے اس کے پاس بڑی خوبی اور بھلائی ہوگی۔ بد اعمالیوں میں مبتلا ہیں اور زبان سے جھوٹ موٹ کی باتیں بناتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان ناکاروں اور ستم گاروں کے لیے بھلائی کہاں سے آسکتی ہے۔ بلاشبہ ان کے لیے قیامت کے دن آگ ہے اور بے شک وہ دوزخیوں میں آگے آگے ہوں گے یا یہ معنی ہیں کہ یہ لوگ بحکم الہی جلد ہی اپنے دائمی مقام میں پہنچا دیئے جائیں گے۔

فائدہ:..... حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرنا چاہتا ہے تو وہ عذاب ان سب کو پہنچ جاتا ہے جو اس قوم میں موجود ہوں لیکن قیامت کے دن گنہگار اور بے گناہ اپنی اپنی نیت پر اٹھائے جائیں گے۔ (مسلم)

جب ظلم و معصیت عام ہو جائے تو اللہ کی طرف سے جو عذاب آتا ہے وہ عام ہوتا ہے ظالم اور غیر ظالم سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے ظالم اپنے ظلم کے سبب ہلاک ہوتا ہے اور غیر ظالم ظلم کی نحوست کی وجہ سے ہلاک ہوتے ہیں ظالم کی ہلاکت بطور انتقام ہوتی ہے اور غیر ظالم ظلم کی نحوست کی وجہ سے ہلاک ہوتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ ﴿وَ اتَّقُوا يَوْمَ لَا يُصِيبُكُمُ الْيَوْمَ يَظَلِمُونَ﴾ پھر قیامت کے دن اپنی اپنی نیتوں کے مطابق قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

= وہ بڑھاتے جا رہے ہیں اور جہاں پہنچ کر گویا بالکل بھلا دیئے جائیں گے۔ یعنی ابد الابد تک کبھی مہربانی کی نظر ان پر نہ ہوگی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ ان کو فرمایا جو ناکارہ چیزیں اللہ کے نام دیں اور اس پر یقین کریں کہ ہم کو بہشت ملے گی۔ حالانکہ وہ روز بروز دوزخ کی طرف بڑھتے ہیں۔

تَالَهُ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمْ

قسم اللہ کی ہم نے رسول بھیجے مختلف فرقوں میں تجھ سے پہلے پھر اچھے کر کے دکھائے ان کو شیطان نے ان کے کام سودی رفیق ان کا ہے  
قسم اللہ کی! ہم نے رسول بھیجے کچے فرقوں میں تجھ سے پہلے، پھر سنوارے ان کے آگے شیطان نے ان کے کام، سودی رفیق ان کا ہے

الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۱﴾ وَمَا أَرْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي

آج اور ان کے واسطے عذاب دردناک ہے **ف** اور ہم نے اتاری تجھ پر کتاب اسی واسطے کہ کھول کر سادے تو ان کو وہ چیز کہ جس میں  
آج، اور ان کو دکھ کی مار ہے۔ اور ہم نے اتاری تجھ پر کتاب اسی واسطے کہ کھول سادے ان کو، جس میں

اِخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۳۲﴾

جھگڑے ہیں **ف** اور سیدھی راہ بھانے کو اور واسطے بخش ایمان لانے والوں کے **ف**

جھگڑے ہیں، اور سوجھانے کو، اور مہر کو ان لوگوں پر جو مانتے ہیں۔

تسلیہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿تَاللَّهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ... إِلَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾

رابطہ:..... اوپر کی آیتوں میں کفار کی جہالتوں کا ذکر تھا جس سے آنحضرت ﷺ کو تکلیف پہنچتی تھی اس لیے ان آیات میں  
آپ ﷺ کی تسلی فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بھی قوموں کی طرف رسول بھیجے تھے سو شیطان نے ان لوگوں کو  
ایسا بہکا یا کہ بری باتیں ان کی نظروں میں بھلی دکھائی دینے لگیں۔ شیطان ان لوگوں کا رفیق کار بنا رہا بالآخر ان کا جہنم کا راستہ  
دکھایا یہی حال اس وقت کے گمراہوں اور سرکشوں کا ہے لہذا اے نبی (کریم) ﷺ آپ رنجیدہ نہ ہوں اور غمگین نہ ہوں  
آپ ﷺ صرف ان سے احکام الہی بیان کر دیا کیجئے۔ چاہے وہ مانیں یا نہ مانیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

خدا کی قسم جس طرح ہم نے آپ ﷺ کو اس امت کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اسی طرح ہم نے گزشتہ امتوں

ف کفار مکہ کی گستاخوں اور لغو و بیہودہ دعاوی کا ذکر کر کے پیغمبر علیہ السلام کو سلی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی حرکتوں سے دلگیر اور رنجیدہ نہ ہوں۔  
ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی مختلف امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے ہیں لیکن ہمیشہ یہی ہوا کہ شیطان لعین مکذبین کو ان کے عمل اچھے کر کے دکھاتا  
رہا۔ اور وہ برابر شرارت میں بڑھتے رہے۔ آج وہ سب خدائی عذاب کے نیچے ہیں۔ اور شیطان جو ان کا رفیق ہے کچھ کام نہیں آتا۔ ان کی فریاد کو پہنچ سکتا  
ہے۔ یہی انجام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکذبین کا ہوگا۔ بعض نے "فَهُوَ وَلِيُّهُمْ الْيَوْمَ" کا یہ مطلب لیا ہے کہ شیطان جس نے اگلوں کو بہکا یا تھا وہ ہی آج  
ان کفار مکہ کا رفیق بنا ہوا ہے۔ لہذا جو حشر ان کا ہو ان کا بھی ہوگا۔

ق یعنی قرآن صرف اس لیے اتارا گیا ہے کہ جن سچے اصولوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں اور جھگڑے ڈال رہے ہیں (مثلاً توحید و معاد اور احکام حلال و  
حرام وغیرہ) ان سب کو وضاحت و تحقیق کے ساتھ بیان کر دے۔ کوئی اشکال و غمگینی نہ رہے۔ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ قرآن تمام نزاعات کا دو ٹوک  
فیصلہ سنا دیں اور بندوں پر خدائی حجت تمام کر دیں۔ آگے ماننا نہ ماننا خود مختار ہیں کا کام ہے جسے توفیق ہوگی قبول کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان  
ہونے کی ضرورت نہیں۔

ق یعنی فیصلہ اور بیان تو سب کے لیے ہے لیکن اس کی ہدایت سے مستفیع ہونا اور رحمت الہی کی آغوش میں آنا نبی کا حصہ ہے جو اس فیصلہ کو صدق دل سے تسلیم  
کرتے ہیں اور بطوع و رغبت ایمان لاتے ہیں۔

کی طرف رسول بنا کر بھیجے پس شیطان نے ان کے اعمال خبیثہ و کفریہ کو ان کی نظر میں آراستہ کر کے دکھلایا پس وہی شیطان آج اس زمانہ کے کافروں کا دوست بنا ہوا ہے جس طرح یہ شیطان پہلے زمانہ کے کافروں کو بہکا تا رہا اسی طرح آپ ﷺ کے زمانہ کے کافروں کا بھی وہی رفیق بنا ہوا ہے اور برے اعمال کو ان کی نظر میں آراستہ کر رہا ہے لہذا جو حشر ان کا ہوا وہی حشر ان کا ہوگا۔ یہ تو دنیا میں ہو اور آخرت میں ان سب کے واسطے یعنی شیطان اور اس کے پیروؤں کے واسطے دردناک عذاب ہے۔ دنیا میں اگرچہ شیطان کی باتیں لذیذ معلوم ہوتی ہیں لیکن آخرت میں ہزاراں ہزار درد و الم کا باعث ہوں گی۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿فَقَهُوْا وَلِيْتَهُمُ الْيَوْمَ﴾ میں ”الیوم“ سے یوم قیامت مراد ہے اور ولی سے مراد یار و مددگار ہے۔

اور مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کا یار و مددگار صرف شیطان ہوگا اور ظاہر ہے شیطان نہ کسی کی مدد کر سکتا ہے اور نہ کسی کو رہائی دلا سکتا ہے۔ مقصود اس سے تو بیخ و ملامت ہے کہ تم نے شیطان کو اپنا رفیق اور درست بنایا جو قیامت کے دن تمہارے کچھ بھی کام نہ آئے گا وہ جہنم میں جائے گا وہ تو آگے آگے ہوگا اور تم اس کے پیچھے پیچھے ہو گے شیطان کی دوستی ان کو آخرت میں کام نہ دے گی۔ جیسے دنیا میں ان کو کوئی کام نہ آئی مطلب یہ ہے کہ یہ سب شیطان کے پیرو ہیں آپ ﷺ ان کی فکر اور غم میں نہ پڑئے اور ہم نے نہیں اتاری آپ پر یہ کتاب جس کا نام قرآن ہے مگر صرف اس امر کے لیے کہ ان لوگوں کے لیے اس چیز کو واضح کر دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں یعنی توحید کو اور معاد کو اور حلال و حرام کو واضح کر دیں۔ اور بتلا دیں کہ توحید اور آخرت اور جزاء اور سزا سب حق ہے اور دنیا بیچ اور فانی ہے یہ تو تنزیل قرآن کا عام فائدہ ہو اور خاص فائدہ یہ ہے کہ خاص اہل ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت ہو اللہ کی ہدایت اور رحمت سے نفع اٹھانے والے یہی اہل ایمان ہیں۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهٖ الْاَرْضَۃَۤ اِنْ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیةٌ لِّقَوْمٍ

اور اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر اس سے زندہ کیا زمین کو اس کے مرنے کے پیچھے فی اس میں نشانی ہے ان لوگوں کو اور اللہ نے اتارا آسمان سے پانی، پھر اس سے جلایا زمین کو اس کے مرنے کے پیچھے، اس میں پتے ہیں ان لوگوں کو

۱۵ ﴿وَ اِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۗ نُّسْقِیْكُمْ مِمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖۤ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ

جو سنتے ہیں فی اور تمہارے واسطے جو پاؤں میں سوچنے کی جگہ ہے پلاتے ہیں تم کو اس کے پیٹ کی چیزوں میں سے گوہر جو سنتے ہیں۔ اور تم کو چوپایوں میں بوجھ کی جگہ ہے۔ پلاتے ہیں تم کو اس کے پیٹ کی چیزوں میں سے، گوہر

وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشَّرْبِۤ اِنَّہٗۤ لَشَرِیْبٍ ۝۱۶ ﴿وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِیْلِ وَاَلْعَنَابِ تَتَّخِذُوْنَ

اور لہو کے بیچ میں سے دودھ سہرا فی خوشگوار پینے والوں کے لیے فی اور میووں سے کھجور کے اور انگور کے بناتے ہو اور لہو کے بیچ میں سے دودھ سہرا، رچتا پینے والوں کو۔ اور میووں سے کھجور کے اور انگور کے، بناتے ہو

فی یعنی خشک زمین کو آسمانی بارش سے سرسبز کر دیا گیا خشک ہونا زمین کی موت اور سرسبز و شاداب ہونا حیات ہے۔

فی یعنی اسی طرح قرآن سے جاہلوں کو عالم اور مردہ دلوں کو زندہ کر دے گا۔ اگر توجہ ملی اور انصاف سے سنیں گے۔

فی یعنی ادٹ گائے، بھینس وغیرہ جانور جو گھاس چارہ کھاتے ہیں۔ وہ پیٹ میں چبنا کرتین چیزوں کی طرف تخیل ہو جاتا ہے۔ قدرت نے ان حیوانات کے جسم کے اندرونی حصہ میں ایسی مشین لگا دی ہے جو غذا کے کچھ اجزاء کو تخیل کر کے فضلہ (گوبر) کی شکل میں باہر پھینک دیتی ہے اور کچھ اجزاء کو خون بنا کر عروق =

مِنْهُ سَكْرًا وَرِزْقًا حَسَنًا ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۷﴾ وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَىٰ

اس سے نشہ اور روزی خاصی فلاں میں نشانی ہے ان لوگوں کے واسطے جو سمجھتے ہیں فلاں اور حکم دیا تیرے رب نے  
اس سے نشہ اور روزی خاصی۔ اس میں پتہ ہے ان لوگوں کو جو بوجھتے ہیں۔ اور حکم بھیجا تیرے رب نے

النَّعْلِ أَنْ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ كُلِّي مِنْ كُلِّ

شہد کی مکھی کو کہ بنا لے پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں اور جہاں ٹھیاں باندھتے ہیں فلاں پھر کھا ہر طرح کے  
شہد کی مکھی کو کہ بنا لے پہاڑوں میں گھر، اور درختوں میں، اور جہاں چھتریاں ڈالتے ہیں۔ پھر کھا ہر طرح کے

الْعَمْرَبِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۗ يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ

میوؤں سے فلاں پھر چل راہوں میں اپنے رب کی صاف پڑے ہیں فلاں نکلتی ہے ان کے پیٹ میں سے پینے کی چیز جس کے مختلف رنگ ہیں فلاں اس میں  
میوؤں سے، پھر چل راہوں میں اپنے رب کی صاف۔ پڑی ہیں نکلتی، ان کے پیٹ میں سے، پینے کی چیز، جس کے کئی رنگ ہیں، اس میں

= میں پھیلا دیتی ہے جو ان کی حیات و بقا کا سبب بنتا ہے۔ اور اسی مادہ میں سے جس کے بعض اجزاء گوبر اور بعض خون بن گئے۔ ان دو گھندی چیزوں کے  
درمیان ایک تیسری چیز (دودھ) تیار کرتی ہے جو نہایت پاک طیب اور خوشگوار چیز ہے۔

فلاں پہلے کتاب اتارنے کی مناسبت سے پانی اتارنے کا ذکر فرمایا تھا ان آیات میں پانی کی مناسبت سے باقی انواع مشروبات کا تذکرہ ہوا ہے یعنی دودھ،  
شراب و نمید اور شہد۔ ایک دوسرے موقع پر جہاں جنت کی نہروں کا ذکر آیا ہے مشروبات کی یہ ہی چار نہیں مذکور ہوئی ہیں۔ ﴿وَمِمَّا يَخْتَلِفُ فِيهَا لَبَنٌ أَمْلَأَ قَبْطَرًا مَّزْجًا غَيْرًا مِّسْكًا  
وَأَمْلَأَ قَبْطَرًا لَبَنًا لَّهُ يَتَغَوَّرُ طَعْمُهُ وَأَمْلَأَ قَبْطَرًا لَّهُ يَتَغَوَّرُ طَعْمُهُ وَأَمْلَأَ قَبْطَرًا لَّهُ يَتَغَوَّرُ طَعْمُهُ﴾ یہاں اس قسم کی چیزوں کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں  
کے خیال میں جو بڑی بڑی نعمتیں ہیں وہ سب خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ پھر تعجب ہے کہ آدمی کس طرح منعم حقیقی کے احسانات بھلا کر دوسروں کا غلام بن جاتا  
ہے۔ جو یا شرک کے رد کی طرف اشارہ ہوا اور یہ بھی کہ جس طرح تمہاری جسمانی زندگی کے لیے خدا نے طرح طرح کے انتقامات اور مناسب سامان کیسے ہیں  
نمود ہے کہ روحانی زندگی اور باطنی ترقی کے وسائل و ذرائع بھی کافی مقدار میں مہیا کیے ہوں گے۔

فلاں یعنی ان میوؤں سے نشہ لانے والی شراب کشید کرتے ہو۔ اور کھانے پینے کی دوسری عمدہ چیزیں مثلاً شربت، نمید، سرکہ اور خشک خرما یا کشمش وغیرہ ان  
سے حاصل کرتے ہو۔

(تنبیہ) یہ آیت مکی ہے شراب مکہ میں حرام نہ ہوئی تھی، پینے والے اس وقت تک بے تکلف پیتے تھے۔ ہجرت کے بعد حرام ہوئی پھر کسی مسلمان  
نے ہاتھ نہیں لگایا۔ تاہم اس مکی آیت میں بھی "سکرا" کے بعد "ورزقاً حسناً" فرما دیا کہ جو چیز آئندہ حرام ہونے والی ہے اس پر "رزق حسن" کا  
الطاق کرنا موزوں نہیں۔

فلاں یہاں "يَعْقِلُونَ" کا لفظ جو عقل سے مشتق ہے "سکرا" کے تذکرہ سے خاص مناسبت رکھتا ہے۔ چونکہ نشہ عقل کو زائل کر دیتا ہے۔ اس لیے اشارہ فرما  
دیا کہ آیات کا سمجھنا عقل والوں کا کام ہے نشہ پینے والوں کا نہیں۔

فلاں یعنی ان گور کی بیل چرھانے کو جو ٹھیاں باندھتے ہیں یا جو عمارتیں لوگ تیار کرتے ہیں۔ شہد کی مکھی کو حکم دینے کا یہ مطلب ہے کہ اس کی فطرت ایسی بنائی جو  
باوجود ادنیٰ حیوان ہونے کے نہایت کاریگری اور باریک صنعت سے اپنا چھتہ پہاڑوں، درختوں اور کانوں میں تیار کرتی ہے۔ ساری مکھیاں ایک بڑے مکھی  
کے ماتحت رہ کر پوری فرمانبرداری کے ساتھ کام کرتی ہیں۔ ان کے سردار کو "یغشوب" کہا جاتا ہے۔ جس کے ساتھ مکھیوں کا بلوس چلتا ہے۔ جب کسی جگہ  
مکان بنائی ہیں تو سب ماننے "مدس متساوی الاضلاع" کی شکل پر ہوتے ہیں بدون مسطروہہ کار وغیرہ کے اس قدر صحت و انضباط کے ساتھ ٹھیک ٹھیک ایک ہی  
شکل پر تمام خانوں کا کھنا آدمی کو حیرت زدہ کر دیتا ہے۔ حکماء کہتے ہیں کہ مدس کے علاوہ کوئی دوسری شکل اگر اختیار کی جاتی تو لامحالہ درمیان میں کچھ جگہ انمول  
غالی رہتی۔ فطرت نے ایسی شکل کی طرف راہنمائی کی جس میں ذرا سا فرج بھی بیکار نہ رہے۔

فلاں "کُلِّي" اور "فاسلکینی" سب اوامر تکوینیہ ہیں۔ یعنی فطرۃً اس کو ہدایت کی کہ اپنی خواہش اور استعداد مزاج کے مناسب ہر قسم کے پھلوں اور میوؤں میں =

شِفَاءً لِلنَّاسِ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۶﴾ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ ۗ

مرض اچھے ہوتے ہیں لوگوں کے فی اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو دھیان کرتے ہیں فی اور اللہ نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو موت دیتا ہے آزار چکے ہوتے ہیں لوگوں کے۔ اس میں پتہ ہے ان لوگوں کو، جو دھیان کرتے ہیں۔ اور اللہ نے تم کو پیدا کیا، پھر تم کو موت دیتا ہے،

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْدَلِ الْعُيُوبِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ

اور کوئی تم میں سے پہنچ جاتا ہے علمی عمر کو کہ سمجھنے کے پیچھے اب کچھ نہ سمجھے اللہ خبردار ہے اور کوئی تم میں پہنچتا ہے علمی عمر کو، کہ سمجھ کے پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگے۔ اللہ سب خبر رکھتا ہے

عَقْدِيرٍ ﴿۱۷﴾ وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۗ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَادِّي

قدرت والا فی اور اللہ نے بڑائی دی تم میں ایک کو ایک پر روزی میں سو جن کو بڑائی دی وہ نہیں پہنچا دیتے قدرت والا۔ اور اللہ نے بڑائی دی تم میں ایک کو ایک سے روزی کی۔ جن کو بڑائی دی، نہیں پہنچاتے

= سے اپنی غذا حاصل کرے، چنانچہ مکھیاں اپنے چھتے سے نکل کر رنگ برنگ کے بھول بھول چوتی ہیں جس سے شہد اور موم وغیرہ حاصل ہوتا ہے۔  
فی یعنی غذا حاصل کرنے اور کھاپنی کر چھتہ کی طرف واپس آنے کے راستے صاف کھلے پڑے ہیں۔ کوئی روک ٹوک نہیں۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ مکھیاں غذا کی تلاش میں بعض اوقات بہت دور نکل جاتی ہیں پھر بے تکلف اپنے چھتے میں واپس جاتی ہیں۔ ذرا راستہ نہیں بھولتیں۔ بعض نے ہوا فاسٹیک سٹیکل رتلیہ ڈال کر کا مطلب یہ لیا ہے کہ قدرت نے تیرے عمل و تصرف کے جو فطری راستے مقرر کر دیے ہیں ان پر مطیع و منقاد بن کر چلتی رہو۔ مثلاً بھول بھول چوس کر فطری قوی و تصرفات سے شہد وغیرہ تیار کر۔

فی یعنی مختلف رنگ کا شہد نکلتا ہے، سفید، سرخ، زرد، کہتے ہیں کہ رنگوں کا اختلاف موسم، غذا اور مکھی کی عمر وغیرہ کے اختلاف سے پیدا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔  
فی یعنی بہت سی بیماریوں میں صرف شہد خالص یا کسی دوسری دوا میں شامل کر کے دیا جاتا ہے جو بآذن اللہ مریضوں کی شفا یابی کا ذریعہ بنتا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ ایک شخص کو دست آرہے تھے اس کا بھائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد پلانے کی رائے دی۔ شہد پینے کے بعد اسہال میں ترقی ہوگئی۔ اس نے پھر حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دست زیادہ آنے لگے فرمایا۔ "صَدَقَ اللَّهُ وَكَذَّبَ بَطْنُ أَيْحِينَكَ" (اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے) پھر پلاؤ۔ دو بارہ پلانے سے بھی وہی کیفیت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی فرمایا۔ آخر تیسری مرتبہ پلانے سے دست بند ہو گئے اور طبیعت صاف ہوگئی۔ اطباء نے اپنے اصول کے موافق کہا ہے کہ بعض اوقات پیٹ میں "کیموس فاسد" ہوتا ہے جو پیٹ میں پہنچنے والی ہر ایک غذا اور دوا کو فاسد کر دیتا ہے اس لیے دست آتے ہیں اس کا علاج یہی ہے کہ مسہلات دی جائیں تاکہ وہ "کیموس فاسد" خارج ہو۔ شہد کے مسہل ہونے میں کسی کو کلام نہیں گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ اس طبی اصول کے موافق تھا۔ ماسون رشید کے زمانہ میں شمارہ عباسی کو جب اسی قسم کا مرض لاحق ہوا تو اس زمانہ کے شاہی طبیب یزید بن یوحنا نے مسہل سے اس کا علاج کیا اور یہی وجہ بتلائی۔ آج کل کے اطباء شہد کے استعمال کو اصطلاحی بطن کے علاج میں بے حد مفید بتلاتے ہیں۔

فی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اوپر دی آیتوں میں برے میں سے بھلا نکلنے کے تین پتے بتلائے۔ جانور کے پیٹ اور خون گور کے مادہ سے دودھ، نشے کے مادہ (انگور، گجور وغیرہ) سے پاک روزی اور مکھی کے پیٹ سے شہد۔ تینوں میں اشارہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس قرآن کی بدولت جاہلوں کی اولاد میں عالم پیدا کرے گا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں یہی ہوا کہ کافروں کی اولاد عارف کامل ہوئی۔

فی قدرت کے بہت سے خارجی نشان بیان فرما کر انسان کو متنبہ کرتے ہیں کہ خود اپنے اندرونی حالات پر غور کرے۔ وہ کچھ نہ تھا، خدا نے وجود بخشا پھر موت بھی اور دی ہوئی زندگی واپس لے لی یہ کچھ نہ کر سکا اور بعضوں کو موت سے پہلے ہی پیرانہ سالی کے ایسے درجہ میں پہنچا دیا کہ ہوش و حواس ٹھکانے نہ رہے۔ نہ ہاتھ پاؤں میں طاقت رہی، بالکل ٹکھا ہو گیا۔ کوئی بات سمجھی ہوئی یاد رکھ سکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ علم و قدرت اسی خالق و مالک کے خزانہ میں ہے۔ جب اور جس قدر چاہے دے اور جب چاہے واپس کر لے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس امت میں کامل پیدا ہو کر پھر ناقص پیدا ہونے لگیں گے۔ واللہ اعلم۔

رِزْقِهِمْ عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ ۗ أَفَبِعِزَّةِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿۱۱﴾ وَاللَّهُ

اپنی روزی ان کو جن کے مالک ان کے ہاتھ میں کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں کیا اللہ کی نعمت کے منکر ہیں **فَا** اور اللہ نے اپنی روزی ان کو، جو ان کے ہاتھ کا مال ہیں، کہ وہ سب اس میں برابر رہیں۔ کیا اللہ کے فضل سے منکر ہیں۔ اور اللہ نے

جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا ۚ وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ أَرْوَاجِكُمْ بَيْنِينَ وَحَفَدَةً

پیدا کیں تمہارے واسطے تمہاری ہی قسم سے عورتیں **فَا** اور دیے تم کو تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے **فَا** بنادیں تم کو، تمہارے قسم سے عورتیں، اور دیئے تم کو تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے،

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ۗ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِالْعَبَثِ اللَّهُ هُمْ يَكْفُرُونَ ﴿۱۲﴾

اور کھانے کو دیں تم کو ستھری چیزیں **فَا** سو کیا جھوٹی باتیں مانتے ہیں اور اللہ کے فضل کو نہیں مانتے **فَا** اور کھانے کو دیں تم کو ستھری چیزیں۔ سو کیا جھوٹی بات مانتے ہیں؟ اور اللہ کے فضل کو نہیں مانتے۔

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ شَيْئًا وَلَا

اور پوجتے ہیں اللہ کے سوا ایسوں کو جو مختار نہیں ان کی روزی کے آسمان اور زمین میں سے کچھ بھی **فَا** اور نہ اور پوجتے ہیں اللہ کے سوا ایسوں کو، کہ مختار نہیں ان کی روزی کے آسمان اور زمین سے کچھ، اور نہ

**فَا** یعنی خدائی دی ہوئی روزی اور بخشش سب کے لیے برابر نہیں۔ بلحاظ تقادوت استعداد و احوال کے اس نے اپنی حکمت بالغہ سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ کئی کو مالدار اور بااقتدار بنایا جس کے ہاتھ تلے بہت سے غلام اور نوکر چاکر ہیں۔ جن کو اسی کے ذریعہ سے روزی پہنچتی ہے۔ ایک وہ غلام میں جو بذات خود ایک پسر یا ادنیٰ اختیار کے مالک نہیں، ہر وقت آقا کے اشاروں کے منظر رہتے ہیں۔ پس کیا دنیا میں کوئی آقا گوارا کرے گا کہ غلام یا نوکر چاکر جو بہر حال اسی جیسے انسان میں بدستور غلامی کی حالت میں رہتے ہوئے اس کی دولت، عورت، بیوی وغیرہ میں برابر کے شریک ہو جائیں۔ غلام کا حکم تو شرعیاً یہ ہے کہ بحالت غلامی کسی چیز کا مالک بنایا جائے تب بھی نہیں بنا آقا ہی مالک رہتا ہے اور فرض کرو آقا غلامی سے آزاد کر کے اپنی دولت وغیرہ میں برابر کا حصہ دار بنالے تو مساوات بیٹک ہو جائے گی، لیکن اس وقت غلام غلام نہ رہا۔ بہر کیف غلامی اور مساوات جمع نہیں ہو سکتی۔ جب دو ہم جنس اور متحد النوع انسانوں کے اندر مالک و مملوک میں شرکت و مساوات نہیں ہو سکتی، پھر غضب ہے کہ خالق و مخلوق کو معبودیت وغیرہ میں برابر کر دیا جائے اور ان چیزوں کو جنہیں خدائی مملوک سمجھنے کا اقرار خود مشرکین بھی کرتے تھے۔ **إِلَّا تَشْرِكُوا لَنَا هُوَ الَّذِي يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَمْتَلِكُ مَا يَشَاءُ وَنَسُفُ مَا يَشَاءُ بِقَوْلِهِ كَذٰبٌ كَرِيمٌ**۔ یہاں اللہ کی نعمتوں کا یہ ہی شکر یہ ہے کہ جس بات کے قبول کرنے سے خود ناک بھوں چڑھاتے ہوں اس سے زیادہ قبیح و شنیع صورت اس کے لیے تجویز کی جائے۔ نیز جس طرح روزی وغیرہ میں حق تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی، سب کو ایک درجہ میں نہیں رکھا، اگر علم و عرفان اور کمالات نبوت میں کسی کو دوسروں سے فائق کر دیا تو خدائی اس نعمت سے انکار کرنے کی بجز ہمت و دھری کے کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

**فَا** یعنی نوع انسان ہی سے تمہارا جوڑا پیدا کیا تاکہ الفت و موانست قائم رہے۔ اور تخلیق کی غرض پوری ہو۔ **هُوَ مِنَ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ**

**أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ﴿۱۳﴾**

**فَا** جو تمہاری بقائے نوعی کا ذریعہ ہیں۔

**فَا** جو بقائے شخصی کا سبب ہے۔

**فَا** یعنی جنوں کا احسان مانتے ہیں کہ بیماری سے چٹکا گیا، یا روزی دی، اور یہ سب جھوٹ اور وہ جو بچ دینے والا ہے اس کے شکر گزار نہیں۔ کذا فی الموضح۔ اور شاید یہ بھی اشارہ ہو کہ فانی و زائل زندگی کی بقائے نوعی و شخصی کے اسباب کو تو مانتے ہو اور خدائی سب سے بڑی نعمت (تعمیر علی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات) کو جو =

يَسْتَطِيعُونَ ﴿۱۴﴾ فَلَا تَضْرِبُوا إِلَيْهِ الْأَمْثَالَ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۵﴾

قدرت رکھتے ہیں فلا تَضْرِبُوا چہاں کرو اللہ پر مثالیں ۱۴ بیشک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۱۵  
مقدور رکھتے ہیں۔ سو مت بٹھاؤ اللہ پر کہاوتیں۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ وَمَنْ رَزَقْنَاهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا

اللہ نے بتلائی ایک مثال ایک بندہ پر ایسا مال نہیں قدرت رکھتا کسی چیز پر اور ایک جس کو ہم نے روزی دی اپنی طرف سے خاصی روزی  
اللہ نے بتائی ایک کہاوت، ایک بندہ پر ایسا مال، نہیں مقدور رکھتا کسی چیز پر، اور ایک جس کو ہم نے روزی دی اپنی طرف سے خاصی روزی،

فَهُوَ يَنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا ۖ هَلْ يَسْتَوُونَ ۖ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۶﴾

سو وہ خرچ کرتا ہے اس میں سے چھپا کر اور سب کے روبرو کہیں برابر ہوتے ہیں سب تعریف اللہ کو ہے پر بہت لوگ نہیں جانتے ۱۶  
سو وہ خرچ کرتا ہے اس میں سے چھپے اور کھلے۔ کہیں برابر ہوتے ہیں؟ سب تعریف اللہ کو ہے، پر وہ لوگ نہیں جانتے۔

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَىٰ مَوْلَاهُ ۖ

اور بتائی اللہ نے ایک دوسری مثال دو مرد ہیں ایک گونگا ۱۷ کچھ کام نہیں کر سکتا ۱۸ اور وہ بھاری ہے اپنے صاحب پر  
اور بتائی اللہ نے ایک مثال، دو مرد ہیں، ایک گونگا کچھ کام نہیں کر سکتا، اور وہ بوجھ ہے اپنے صاحب پر،

= بقائے ابدی اور حیات جاودانی کا واحد ذریعہ ہے، تسلیم نہیں کرتے الا کُلُّ شَيْءٍ عِبَادَةً لِلَّهِ تَاطِلٌ۔

۱۷ یعنی ربی آسمان سے مینہ برسانے کا خدائی اختیار رکھتے ہیں ہرگز میں سے غذا گانے کا۔ پھر تاد مطلق کے شریک معبودیت میں کس طرح بن گئے؟  
۱۸ یعنی ربی الحال اختیار ہے نہ آئندہ حاصل کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

۱۹ مشرک کہتے تھے کہ مالک اللہ ہی ہے۔ یہ لوگ اس کی سرکار میں مختار ہیں۔ ہمارے کام ان ہی سے پڑتے ہیں۔ بڑی سرکار تک براہ راست رسائی نہیں  
ہو سکتی۔ سو یہ حال غلط ہے جو بارگاہ احدیت پر چہاں نہیں۔ اللہ ہر چیز آپ کرتا ہے خواہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ کوئی کام کسی کو اس طرح سپرد نہیں کر رکھا جیسے سلاطین  
دنیا اپنے ماتحت حکام کو اختیارات تفویض کر دیتے ہیں کہ تفویض تو ارادہ و اختیار سے کیا لیکن بعد تفویض ان اختیارات کے استعمال میں ماتحت آزاد ہیں۔ کسی  
مخبریت کے فیصلہ کے وقت بادشاہ یا پارلیمنٹ کو اس واقعہ اور فیصلہ کی مطلق خبر نہیں ہوتی۔ نہ اس وقت جزئی طور پر بادشاہ کی مشیت و ارادہ کو فیصلہ صادر کرنے  
میں قطعاً دخل ہے یہ صورت حق تعالیٰ کے یہاں نہیں۔ بلکہ ہر ایک چھوٹا بڑا کام اور ادائیگی سے ادنیٰ جزئی خواہ بواسطہ اسباب یا بالواسطہ اس کے علم محیط اور مشیت و  
ارادہ سے وقوع پذیر ہوتی ہے۔ اسی لیے لازم ہے کہ آدمی ہر گلی جزئی کا فاعل اور موثر حقیقی اعتقاد کر کے تنہا اسی کو معبود و مستعان سمجھے۔

(تنبیہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سلف سے "فَلَا تَضْرِبُوا إِلَيْهِ الْأَمْثَالَ" کا یہ مطلب منقول ہے۔ کہ خدا کا معاملہ کسی کو مت ٹھہراؤ۔

۲۰ یعنی تم نہیں جانتے کہ خدا کے لیے کس طرح مثال پیش کرنی چاہیے۔ جو اصل حقیقت اور صحیح مطلب کی تفہیم میں معین ہو۔ اور اس کی عظمت و نزاہت کے خلاف  
شبہ پیدا نہ کرے۔ اگر صحیح مثال چاہو تو آگے دو مثالیں بیان فرمائیں۔ انہیں غور سے سنو اور تشبیل کی عرض کو سمجھو۔

۲۱ ایک شخص وہ ہے جو آزاد نہیں، دوسرے کا مملوک غلام ہے کسی طرح کی قدرت و اختیار نہیں رکھتا۔ ہر ایک تصرف میں مالک کی اجازت کا محتاج ہے۔  
بدون اجازت اس کے سب تصرفات غیر معتبر ہیں دوسرا آزاد اور بالاختیار شخص ہے جسے خدا نے اپنے فضل سے بہت کچھ قدرت اور روزی عنایت فرمائی جس  
میں سے دن رات سرا و علانیہ بے دریغ خرچ کرتا ہے۔ کوئی اس کا ہاتھ نہیں روک سکتا۔ کیا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح سمجھ لو کہ حق تعالیٰ ہر چیز کا  
مالک حقیقی ہے، سب تعریفیں اور خوبیاں اس کے خزانہ میں ہیں جس کو چاہے دے۔ کوئی مزاحمت کرنے والا نہیں۔ ذرہ ذرہ پر گلی اختیار اور کامل قبضہ رکھتا  
ہے۔ یہ کس قدر ظلم ہو گا کہ ایک تمہر کے بت کو اس کے برابر کر دیا جائے جو کسی چیز کا مالک نہیں بلکہ خود پر ایسا مال ہے۔ اگر مالک مجازی اور مملوک مجازی برابر =



إِنَّمَا يُوجِّهُهُ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ ۖ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ ۖ وَمَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ صِرَاطٍ

جس طرف اس کو بھیجے نہ کر کے لائے کچھ بھلائی نہ کہیں برابر ہے وہ اور ایک وہ شخص جو حکم کرتا ہے انصاف سے اور ہے سیدھی جس طرف اس کو بھیجے، کچھ بھلا نہ کر لادے۔ کہیں برابر ہے وہ اور ایک شخص، جو حکم کرتا ہے انصاف پر اور ہے سیدھی

مُسْتَقِيمٌ ۙ وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَمَا اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ نَجْوٰی

راہ پر۔ اور اللہ ہی کے پاس ہیں بھید آسمانوں اور زمین کے اور قیامت کا کام تو ایسا ہے جیسے لپک نگاہ کی یا راہ پر۔ اور اللہ پاس ہیں بھید آسمان اور زمین کے۔ اور قیامت کا کام ویسا ہے جیسے لپک نگاہ کی، یا

هُوَ اَقْرَبُ ۙ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهَاتِكُمْ لَا

اس سے بھی قریب ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ نے تم کو نکالا تمہاری ماں کے پیٹ سے نہ اس سے قریب۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اللہ نے تم کو نکالا ماں کے پیٹ سے، تم کچھ نہ

نہیں ہو سکتے تو کوئی ملوک محض مالک حقیقی کا شریک کیسے بن سکتا ہے۔ یہاں سے یہ بھی سمجھ لو کہ خدا سے واحد کا ہر تار جسے مالک نے علم و ایمان کی دولت بخشی اور لوگوں میں شب و روز روحانی نعمتیں تقسیم کرنے کا ذریعہ بنایا، کیا ایک پلید مشرک کو جو بت کا ملوک، اہوار و اوہام کا غلام اور عمل مقبول سے محض تہی دست ہے اس مومن موصوف کے ساتھ برابر کھڑا کیا جا سکتا ہے؟ کلا واللہ۔

ۙ فَاِنْ كُنْتُمْ لَا تَرْضَوْنَ مِنَ الْمُلْكِ لَوْلَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ

ۙ فَاِنْ كُنْتُمْ لَا تَرْضَوْنَ مِنَ الْمُلْكِ لَوْلَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ

ۙ فَاِنْ كُنْتُمْ لَا تَرْضَوْنَ مِنَ الْمُلْكِ لَوْلَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ

ۙ فَاِنْ كُنْتُمْ لَا تَرْضَوْنَ مِنَ الْمُلْكِ لَوْلَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ

ۙ فَاِنْ كُنْتُمْ لَا تَرْضَوْنَ مِنَ الْمُلْكِ لَوْلَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ

ۙ فَاِنْ كُنْتُمْ لَا تَرْضَوْنَ مِنَ الْمُلْكِ لَوْلَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ

ۙ فَاِنْ كُنْتُمْ لَا تَرْضَوْنَ مِنَ الْمُلْكِ لَوْلَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ

ۙ فَاِنْ كُنْتُمْ لَا تَرْضَوْنَ مِنَ الْمُلْكِ لَوْلَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ وَرَبُّكُمُ الَّذِي يُخْرِجُكُم مِّنَ اَرْضِكُمْ وَلِيُقَاتِلَ اِيْكُمْ اَوْ لِيُجْعَلَ لَكُمْ اٰيٰتٍ ۙ

تَعْلَمُونَ شَيْئًا ۖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۗ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۰﴾ اَلَمْ

جانتے تھے تم کسی چیز کو اور دے دیے تم کو کان اور آنکھیں اور دل تاکہ تم احسان مانو فی کیا نہیں جانتے تھے، اور دیے تم کو کان اور آنکھیں اور دل، شاید تم احسان مانو۔ کیا نہیں

يُرَوُّوا إِلَى الظُّلُمِ مُسْخَرِينَ فِي جَوِّ السَّمَاءِ ۗ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ

دیکھے اڑتے جانور حکم کے باندھے ہوئے آسمان کی ہوا میں کوئی نہیں تھام رہا ان کو سوائے اللہ کے ﴿۱۱﴾ اس میں نشانیاں ہیں دیکھتے اڑتے جانور؟ حکم کے باندھے، آسمان کی ہوا میں، کوئی نہیں تھام رہا ان کو سوا اللہ کے۔ اس میں چتے ہیں

لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۱﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ جُلُودِ

ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں ﴿۱۱﴾ اور اللہ نے بنا دیے تم کو تمہارے گھر بننے کی جگہ ﴿۱۲﴾ اور بنا دیے تم کو چوپایوں کی کھال سے ان لوگوں کو، جو یقین لاتے ہیں۔ اور اللہ نے بنا دیے تم کو تمہارے گھر بننے کی جگہ، اور بنا دیے تم کو چوپایوں کی کھال سے

الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ ۖ وَمِنْ أَصْوَافِهَا

ڈیرے جو ہلکے رہتے ہیں تم پر جس دن سفر میں ہو اور جس دن گھر میں ﴿۱۳﴾ اور بھیدوں کی اون سے ڈیرے، جو ہلکے لگتے ہیں تم کو جس دن سفر میں ہو اور جس دن گھر میں، اور ان کی اون سے

وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿۱۲﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْهَا خَلْقَ

اور اونٹوں کی بھریوں سے ﴿۱۴﴾ اور بکریوں کے بالوں سے کتنے اسباب اور استعمال کی چیزیں وقت مقرر تک ﴿۱۵﴾ اور اللہ نے بنا دیے تمہارے واسطے اپنی اور بھریوں سے اور بالوں سے کچھ اسباب، اور برتنے کی چیز ایک وقت تک۔ اور اللہ نے بنا دیے تم کو اپنی بنائی چیزوں

﴿۱۴﴾ یعنی پھانسی کے وقت تم کچھ جانتے اور سمجھتے تھے، خدا تعالیٰ نے علم کے ذرائع اور سمجھنے والے دل تم کو دیے۔ جو بذات خود بھی بڑی نعمتیں ہیں اور لاکھوں نعمتوں سے تمتع ہونے کے وسائل ہیں۔ اگر آنکھ، کان، عقل وغیرہ نہ ہو تو ساری ترقیات کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ جن جن آدمی کا بچہ بڑا ہوتا ہے اس کی طبی عملی قوتیں بتدریج بڑھتی جاتی ہیں۔ اس کی شکرگزاری یہ تھی کہ ان قوتوں کو سونپی کی طاعت میں خرچ کرتے، اور حق شامی میں کچھ بوجھ سے کام لیتے، نہ یہ کہ بجائے احسان ماننے کے اٹلے بغاوت پر کمر بستہ ہو جائیں۔ اور نعمت حقیقی کو چھوڑ کر اینٹ پتھروں کی پرستش کرنے لگیں۔

﴿۱۵﴾ یعنی جیسے آدمی کو اس کے مناسب قوی عنایت فرمائے، پرندوں میں ان کے حالات کے مناسب فطری قوتیں ودیعت ہیں، ہر ایک پرندہ اپنی اڑان میں قانون قدرت کا تابع اور خدا تعالیٰ کے نیکوئی احکام سے وابستہ ہے۔ اسے کسی درسگاہ میں اڑنے کی تعلیم نہیں دی گئی، قدرت نے اس کے پر اور بازو اور دم وغیرہ کی ساخت ایسی بنائی ہے کہ نہایت آسانی سے آسانی فضا میں اڑتے رہتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ ان کا جسم ٹھیل ہوا سے لطیف کو چیر پھاڑ کر بے اختیار نیچے آ پڑے۔ یا زمین کی عظیم الشان کشش انھیں اپنی طرف کھینچ لے اور طیران سے منع کر دے۔ بحیث اندا کے سوا کسی اور کا ہاتھ ہے جس نے ان کو بے تکلف فضا سے آسانی میں روک رکھا ہے۔

﴿۱۶﴾ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی ایمان لانے میں یعنی اکتے ہیں، معاش کی فکر سے سو فرمایا کہ ماں کے پیٹ سے کوئی کچھ نہیں لاتا۔ کمائی کے اسباب کی آنکھ، کان، دل وغیرہ ہیں، اللہ ہی دیتا ہے اور اڑتے جانور ادھر میں آ کر کس کے بھروسہ رہتے ہیں۔" ۱۷

﴿۱۷﴾ یعنی اینٹ پتھر کے مکانات کو نہیں مستقل نہیں کر سکتے تھے، اس لیے جڑ سے اور اون وغیرہ کے ڈیرے سے ٹپے بنائے سکھادیے جو سہولت مستقل کیے جا سکتے =

ظَلَّلًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيَكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ

پانی ہونی چیزوں کے ساتھ فل اور بنا دیں تمہارے واسطے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں فل اور بنا دیے تم کو کرتے کی چھادیں، اور بنا دیں تم کو پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں، اور بنا دیے تم کو کرتے جو بچاؤ ہیں گرمی کا، اور کرتے

تَقِيَكُمُ بِأَسْكُمْ ط كَذَلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَسْلِمُونَ ﴿۱۳﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا

جو بچاؤ ہیں گرمی میں فل اور کرتے جو بچاؤ ہیں لڑائی میں فل اسی طرح پورا کرتا ہے اپنا احسان تم پر تاکہ تم حکم مانو فل پھر اگر پھر جائیں تو تیرا کام جو بچاؤ ہیں لڑائی کا۔ اسی طرح پورا کرتا ہے اپنا احسان تم پر، شاید تم حکم میں آؤ۔ پھر اگر پھر جاویں تو تیرا کام یہی ہے

عَلَيْكَ الْبَلْغُ الْمُبِينُ ﴿۱۴﴾ يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُونَ ﴿۱۵﴾

تو یہی ہے کھول کر سنا دینا فل پہچانتے ہیں اللہ کا احسان پھر منکر ہو جاتے ہیں اور بہت ان میں ناشکر ہیں فل کھول کر سنا دینا۔ پہچانتے ہیں اللہ کا احسان، پھر منکر ہو جاتے ہیں، اور بہت ان میں ناشکر ہیں۔

رجوع بسوئے دلائل تو حید بتد کیر انعامات خداوند حمید

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿وَاللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ... إِلَى... وَأَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُونَ﴾

رابطہ:..... اوپر سے بہ پیرایہ انعامات دلائل تو حید کا ذکر چلا آ رہا ہے اور پھر اسی طرح سے بہ پیرایہ انعامات دلائل تو حید کو بیان

ہیں۔ سفر و حضر میں جہاں چاہوں نصب کر لو اور جب چاہوں لپیٹ کر رکھ دو۔ بعض نے ﴿يَوْمَ ظَلَعْنَكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ﴾ کا یہ مطلب لیا ہے کہ پلٹنے کے وقت اٹھانے میں اور کبھی جگہ اترتے وقت نصب کرنے میں ہلکے رہتے ہیں۔

فل یعنی اونٹ کی پشم سے۔

فل یعنی ان چیزوں سے کتنے سامان رہائش اور آسائش کے تیار کئے جاتے ہیں جو ایک وقت معین یا مدت دراز تک کام دیتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ آنکھ، کان اور ترقی کرنے والے دل و دماغ نہ دیتا، کیا یہ سامان میسر آسکتے تھے۔

فل مثلاً بادل، درخت، مکان اور پہاڑ وغیرہ کا سایہ قانون قدرت کے موافق زمین پر پڑتا ہے جس میں مخلوق آرام پاتی ہے۔

فل جہاں سر چمپا کر بارش، دھوپ یا دشمن وغیرہ سے اپنی حفاظت کر سکتے ہو۔

فل حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "جن کتوں میں گرمی کا بچاؤ ہے، سردی کا بھی بچاؤ ہے۔ ہر اس ملک میں گرمی زیادہ تھی اس کا ذکر خصوصیت سے فرمایا۔" فل یعنی زرہیں جو لڑائی میں زخمی ہونے سے بچاتی ہیں۔

فل یعنی دیکھو اس طرح تمہاری ہر قسم کی ضروریات کا اپنے فضل سے انتظام فرمایا اور کیسی علمی و عملی توفیقیں مرحمت فرمائیں جن سے کام لے کر انسان عجیب و غریب تصرفات کرتا رہتا ہے۔ پھر کیا ممکن ہے کہ جس نے مادی اور جسمانی دنیا میں اس قدر احسانات فرمائے، روحانی تربیت و تکمیل کے سلسلے میں ہم پر اپنا احسان پورا نہ کرے گا۔ بیشک پورا کر چکا ﴿الْيَوْمَ اَنْتُمْ لَكُمْ وِدْيٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ عَلَيْنَكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ وِدْيٰتًا﴾ ضروری ہے کہ سب لوگ اس کے احسان کے آگے گردنیں جھکا دیں اور اس منعم حقیقی اور محسن اعظم کے مطیع و منقاد ہو کر رہیں۔

فل یعنی اگر اس قدر احسانات سن کر بھی خدا کے سامنے نہ جھکیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ غم دکھائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا فرض ادا کر چکے کھول کھول کر تمام ضروری باتیں سنا دیں گئیں۔ آگے ان کا معاملہ خدا کے سپرد کیجئے۔

فل یعنی بیشک بعضے بندے ہرگز ابھی نہیں ﴿وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ لیکن انہوں کا مال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کو دیکھتے اور اس کے احسانات کو سمجھتے ہیں، مگر ہرگز ابھی اور اطہار اطاعت کا وقت آتا ہے تو سب بھول جاتے ہیں۔ گویا دل سے سمجھتے ہیں اور عمل سے انکار کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں اور یہ دلائل معاذ بھی ہیں اور دلائل قدرت بھی ہیں اور دلائل ہدایت بھی ہیں اور دلائل رحمت بھی ہیں۔ دور تک اسی طرح سلسلہ کلام چلا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قسم قسم کے انعامات کو ذکر فرمایا جو علاوہ نعمت ہونے کے اس کے کمال علم اور کمال قدرت اور حکمت کے دلائل بھی ہیں۔

(۱) چنانچہ ﴿وَاللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً﴾ سے اپنی قدرت کا بیان شروع فرمایا کہ آسمان سے پانی برسانا اور خشک زمین کا سرسبز و شاداب کر دینا اور جانوروں کے پیٹ سے دودھ کا، خون اور گوبر سے پاک صاف نکالنا اور قسم قسم کے پھلوں کا تمہارے لیے پیدا کرنا وغیرہ سب اللہ کی قدرت کے کرشمے ہیں اور بنی نوع انسان کے لیے عجیب عجیب نعمتیں ہیں۔

(۲) یہاں تک حیوانات میں چرندوں کے منافع کو بیان کیا کہ انسان ان کے دودھ سے فائدہ اٹھاتا ہے اب آگے پرندوں کے منافع کو بیان فرماتے ہیں چنانچہ ﴿وَإِذْ نَحْنُ بِمِلْحٍ﴾ الخ سے بھی اپنی قدرت کی ایک دلیل بیان فرمائی وہ یہ کہ شہد کی مکھیوں کا بالہام خداوندی ایک نہایت خوبصورت اور پر حکمت گھر بنانا جس کو ایک مہندس بھی نہ بنا سکے اور پھر ان کا مختلف پھلوں کو کھا کر شہد کا نکالنا اور پھر اس شہد کا مختلف الالوان ہونا یعنی کسی شہد کا سپید ہونا اور کسی کا سرخ ہونا اور کسی کا گلابی ہونا وغیرہ وغیرہ اور پھر مختلف امراض میں اس کا ذریعہ شفا ہونا یہ کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی قادر اور حکیم کردگار کی قدرت و حکمت کا کرشمہ ہے اور پھر آیت ﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ﴾ الخ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے مختلف حالات اور قسم قسم کے تغیرات سے اپنی قدرت کا ملکہ کا اظہار فرمایا کہ چند قطروں سے ایک جاندار کا پیدا کرنا اور اس کو مختلف قسم کے حواس اور اعضاء کا عطا کرنا اور پھر اس کو جوان اور بوڑھا بنانا اور قوت کے بعد اس کو ضعف میں مبتلا کرنا یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ کوئی ذات والا صفات ہے کہ جس نے اس انسان کو پیدا کیا اور عدم کے بعد اس کو وجود میں لایا اور مختلف حالات سے گزار کر اس کو موت اور فنا کے گھاٹ اتار دیا پس جس ذات والا صفات کے ہاتھ میں تمہارا وجود اور عدم اور موت اور حیات اور قوت اور ضعف ہے وہی تمہارا مالک اور وہی تمہارا خدا ہے ولادت سے لے کر موت تک عمر کی جو منزلیں اس نے مقرر کر دی انسان ان کو طے کر کے اپنی آخری منزل تک پہنچ جاتا ہے انسان کی قدرت میں یہ نہیں کہ لڑکپن یا جوانی کی منزل میں کچھ زیادہ ٹھہر جائے۔

لائی حیات آئے قضا لے چل چلے اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

(۳) اور پھر ﴿وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ﴾ سے بھی انسانی حالات سے اپنی قدرت و حکمت کو ثابت فرمایا مگر دوسرے اعتبار سے یعنی امارت اور غربت فراخی اور تنگدستی کے اعتبار سے لوگوں کا مختلف ہونا یہ بھی اس کی قدرت کی دلیل ہے کسی کو امیر بنانا اور کسی کو فقیر اور کسی کو عاقل اور دانا اور کسی کو جاہل اور بے وقوف اور بیوقوفوں کو خوب رزق دیا اور عقل مندوں اور علم والوں کو بھوک سے مارا تاکہ سمجھ جائیں سمجھنے والے کہ دنیاوی رزق کی کمی اور زیادتی علم اور عقل پر موقوف نہیں یہ سب خدا کی قدرت اور مشیت کا کرشمہ ہے۔

(۴) اور پھر ﴿وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا﴾ الخ میں اپنی ایک خاص نعمت کو بیان کیا جو کہ اس کی قدرت و حکمت کی دلیل بھی ہے کہ تمہاری محبت اور الفت اور موانست کے لیے تمہارے لیے عورتیں پیدا کیں اور پھر ان سے تم

کو بیٹے اور پوتے عطا کیے اور پاکیزہ روزیاں تم کر دیں پھر ان دلائل مذکورہ کا نتیجہ بیان فرمایا ﴿أَقْبِلْ بِطِلِّ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَتِ اللَّهِ هُمْ يَكْفُرُونَ﴾ کیا تم اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات کا انکار کرتے ہو اور باطل چیزوں کی پرستش کرتے ہو جن سے تم کو نفع پہنچ سکتا ہے اور نہ نقصان۔

(۵) اور پھر مومن اور کافر کی دو مثالیں بیان کیں ﴿صَوَّبَ اللَّهُ مَقَلًا عَيْنًا قَمَلًا﴾ الخ اور ﴿صَوَّبَ اللَّهُ مَقَلًا وَجَلَدَن﴾ الخ اور ان دو مثالوں کے بعد پھر دلائل علم، قدرت کو بیان کیا جس کا ذکر پہلے سے چلا آ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو آسمان اور زمین کے تمام پوشیدہ چیزوں کا علم ہے تو کمال علم ہو اور کمال قدرت یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۶) اس کے بعد حق تعالیٰ نے پھر اپنے آثار قدرت اور انسان پر اپنی مرحمت اور کمزمت کے حالات کو بیان کیا تاکہ بندے اللہ کی نعمت کو پہچانیں اور نعمت سے منعم تک پہنچیں۔

### تفصیل دلائل قدرت و دلائل نعمت برائے اثبات الوہیت و وحدانیت

دلیل اول:..... اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس پانی سے زمین کو بعد خشک اور مردہ ہو جانے کے زندہ فرمایا زندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پانی برسا کر اس میں قوت نمو پیدا کی اور اس سے کھیتی اور سبزہ کو اگایا بے شک اس میں یعنی آسمان سے بارش نازل کرنے میں اور پھر بارش سے مردہ زمین کو زندہ کرنے میں ہماری کمال قدرت کی نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو دل کے کانوں سے ہمارے قرآن کی آیتیں سنتے ہیں اور جو لوگ صرف کانوں سے سنتے ہیں اور دل سے متوجہ نہیں ہوتے ان کو آیات قرآنی سے کوئی نفع نہیں ہوتا۔

دلیل دوم:..... اور بے شک تمہارے لیے جو پایوں میں عبرت ہے اگر تم ان میں غور و فکر کرو تو جہالت سے گزر کر علم اور معرفت کے مقام تک پہنچ جاؤ اور خدا کی کمال قدرت کو معلوم کر لو پلاتے ہیں ہم تم کو اس چیز سے جو ان کے پیٹوں میں ہے یعنی ہم ان جو پایوں کے پیٹ میں سے تمہارے لیے غذا پیدا کرتے ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ ان کے پیٹ میں سوائے گوبر اور خون کے کیا ہے ہم اپنی کمال قدرت سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ نکالتے ہیں جو پینے والوں کے لیے نہایت لذیذ اور خوشگوار ہوتا ہے۔ یعنی باوجودیکہ دودھ گوبر اور خون کے درمیان سے نکلتا ہے مگر بایں ہمہ خالص سفید ہوتا ہے اور خون اور گوبر کے آمیزش سے بالکل پاک و صاف ہوتا ہے اور اس کی بو اور مزہ میں ذرہ برابر خون اور گوبر کا اثر نہیں ہوتا اس سے خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کا ظہور ہوتا ہے کہ دونوں پاک اور گندی اور بدبودار چیزوں کے درمیان سے کیسی عمدہ غذا پیدا فرما دی اور مطلب یہ ہے کہ تم خدا کی قدرت اور نعمت میں غور کرو ہم تم کو دودھ جیسی عمدہ غذا پلاتے ہیں جو خون اور گوبر کی نجاست اور کدورت کے شائبہ سے خالص اور پاک ہوتی ہے اور وہ دودھ آسانی سے حلق سے اتر جاتا ہے اور لذیذ اور خوشگوار ہے اور ہضم بھی خوب ہوتا ہے غرض یہ کہ جب جانوروں کے شکم میں گھاس وغیرہ پہنچتا ہے تو ہضم اور طبع کے بعد کچھ حصہ گوبر بن جاتا ہے اور کچھ حصہ پیشاب بن جاتا ہے خون تو رگوں میں چلا جاتا ہے اور دودھ تھنوں میں آ جاتا ہے اور ہر چیز اپنے اپنے مخرج سے نکلتی اور دوسری چیز کے ساتھ نہیں ملتی ہے۔ یہ سب خدا کی قدرت کے کرشمہ ہے کہ شکم حیوان سے جو خون اور گوبر کا منبع ہے اس سے

خالص دودھ نکالتا ہے اور اس عمدہ غذا سے تم کو سیراب کرتا ہے جس میں نہ خون کی رنگت ہے اور نہ گوبر کی بدبو ہے جیسا کہ ماں کے پستان میں خون ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی لطیف حکمت سے سرپستان میں ایک چھوٹا سا سوراخ پیدا فرمایا اور مسامات تنگ کر دیئے اس میں سے دودھ چھن کر اور صاف ہو کر نکلتا ہے جو بچے کے لیے بہترین لطیف غذا ہے یہ صنعت سوائے خداوند قدیر کے کون کر سکتا ہے پس جس نے تمہارے لیے یہ نعمت پیدا کی اسی کی پرستش کرو۔

دلیل سوم:..... اور منجملہ دلائل قدرت والوہیت یہ ہے کہ تم کھجور اور انگور کے پھلوں سے مست کرنے والی شراب بناتے ہو اور اچھی روزی بناتے ہو جیسے خرمائے خشک اور کشمش اور کھجور اور انگور کا شیرہ اور سرکہ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے جو عقل سلیم رکھتے ہیں خدا کی قدرت کی نشانی ہے آخر یہ چیزیں کس نے بنائیں اور کس نے اس میں یہ شیرینی اور لذت پیدا کی یہ آیت شراب کے حرام ہونے سے پہلے نازل ہوئی مگر اس آیت میں شراب کی حرمت کی طرف اشارہ موجود ہے کیونکہ سکرا کو رزقِ حسن (اچھی روزی کے مقابلہ میں ذکر فرمایا) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب اچھی روزی نہیں اور یہی معنی حرام کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر خاص عنایت فرمائی کہ ان کی عقلوں کی حفاظت کے لیے شراب کو حرام کر دیا۔

دلیل چہارم:..... گزشتہ آیت میں حیوانات چرند سے خالص دودھ نکالنے کا بیان فرمایا اب حیوانات پرند میں سے شہد کی مکھی کے منافع بیان فرماتے ہیں اور الہام کیا تیرے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کی طرف یعنی ان کے دل میں ڈالا کہ تم پہاڑوں میں اور درختوں میں اپنا گھر بناؤ یعنی ایسی بلند اور اونچی جگہ پر اپنا چھتہ بناؤ جہاں ہر ایک کا ہاتھ نہ پہنچے پھر اس کو یہ القاء ہوا کہ تو ہر قسم کے پھلوں میں سے کھا اور ان کو چوس پھر تیسری بات اس کو یہ القاء ہوئی کہ تو اپنے پروردگار کی ان راہوں پر چل جو اس نے تیرے لیے مسخر اور آسان کی ہیں تجھے ان راہوں پر چلنا دشوار نہیں۔ اب آگے اس کا نتیجہ بیان فرماتے ہیں کہ ان مکھیوں کے پیٹوں سے یعنی مونہوں سے ایک پینے کی چیز نکلتی ہے یعنی شہد۔

جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں یعنی سفید اور سرخ اور زرد اور سبز نیز اس شہد میں لوگوں کی مختلف بیماریوں کے لیے شفا ہے۔ بے شک شہد کی مکھی میں قدرت ربانی کی کھلی نشانی ہے اس گروہ کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں اسی ایک شہد کی مکھی میں خدا تعالیٰ کی قدرت والوہیت کے بہت سے دلائل ہیں بشرطیکہ غور کریں جو شخص شہد کی مکھی کے عجیب و غریب احوال میں ذرا بھی غور کرے گا وہ ایک فاعل مختار اور قادر کردگار کے وجود سے انکار نہیں کر سکتا۔

(۱) شہد کی مکھی سے خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کا اظہار ہوتا ہے کسی حقیر و ذلیل مکھی سے کیسی عمدہ اور لذیذ اور صحت بخش چیز خدا نے نکالی۔

(۲) اس کے چھتوں کے خانوں سے بھی حیرت ہوتی ہے ہر ایک خانہ مسدس مساوی الاضلاع ہوتا ہے اور آپس میں سب برابر ہوتے ہیں گویا کہ پرکار سے بنائے گئے ہیں یہ بات بدون الہام خداوندی ممکن نہیں۔

(۳) نیز شہد کی مکھیوں پر ایک ایک مکھی ملکہ ہوتی ہے جس کا حکم سب مکھیاں مانتی ہیں۔ اور یہ ملکہ، جشہ اور خلقت میں دوسری مکھیوں سے بڑی ہوتی ہے اور چھتے کی تمام مکھیاں اس کی فرمانبردار ہوتی ہیں چھتوں کے دروازوں پر دربان اور چوکیدار ہوتے ہیں جو اور مکھیوں اور کیڑوں کو اندر نہیں آنے دیتے۔

(۴) قسم قسم کے پھلوں کا رس چوسنے کے لیے دور دور جاتی ہیں اور اپنے مکان اور راستے کو نہیں بھولتیں اور ایک جھتے کی کھیاں دوسرے جھتے پر نہیں جاتیں۔

یہ وہ عجیب و غریب خواص ہیں جن کا حصول بغیر الہام الہی ممکن نہیں پھر اس میں سے شہد نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے اس میں عقلاء کو کلام نہیں لیکن بعض طبیب اس میں کلام کرتے ہیں۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ شہد میں ہر مرض کے لیے شفاء ہے اور معجونوں میں کوئی بھی معجون ایسی نہیں جس میں اطباء نے شہد تجویز نہ کیا ہو۔ مگر بعض علماء کا خیال ہے کہ شہد واقع میں ہر مرض کی دوا ہے بعض مواقع میں بعض امراض میں اس کا اثر ظاہر نہ ہونا اس کے شفاء ہونے کے منافی نہیں جو دوا جس مرض کے لیے مخصوص ہے بعض اوقات اس کا اثر بھی اس مرض پر ظاہر نہیں ہوتا۔

حدیث میں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے اوپر دو شفاؤں کو لازم پکڑو یعنی شہد اور قرآن، شیخین رحمۃ اللہ علیہما نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میرے بھائی کو دست آتے ہیں۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو شہد پلا اس نے اس کو شہد پلایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور عرض کیا کہ میں نے اس کو شہد پلایا مگر اس کے دست اور بڑھ گئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر پلا، تین مرتبہ اس نے شہد پلایا اور ہر مرتبہ یہی آکر کہا کہ میں نے اس کو شہد پلایا تھا اس کے دست اور بڑھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ہر مرتبہ یہی جواب دیا جب چوتھی مرتبہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پھر یہی فرمایا کہ اس کو پھر شہد پلا اس نے کہا کہ میں نے اس کو پلایا مگر اس کے دست بڑھتے جاتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے اس نے اس کو پھر شہد پلایا اور خدا نے اس کو شفاء دی۔ اشارہ اس طرف تھا کہ اس کو شہد پلائے جا ان شاء اللہ اس کو نفع ہو کر رہے گا مگر تیرے بھائی کا پیٹ ایسا ہو گیا ہے کہ اس کو ایک یا دو دفعہ کا شہد پلانا کافی نہ ہوا۔ غرض یہ کہ حدیث تو اعدا طبیبیہ کے خلاف نہیں۔ بہت سے اقسام کے اسہال میں خود اطباء نے شہد کو مسہل تجویز کیا ہے۔ ان اطباء کا قول یہ ہے کہ شہد صفراء والوں کے لیے مضر ہے حرارت کو بڑھاتا ہے اور گرم مزاج والوں کو نقصان دیتا ہے اور پیاس لگاتا ہے سو خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ شہد کل مرضوں کی دوا ہے۔ ”شفاء“ نکرہ ہے۔ مقام اثبات میں وارد ہوا ہے عموم پر دلالت نہیں کرتا۔ غایت سے غایت ہے کہ شفا کی تین تعظیم کے لیے لی جائے تو اس سے شہد کا شفاء عظیم ہونا مفہوم ہوگا۔ عموم، مفہوم نہ ہوگا اور اکثر مرضوں کی دوا شہد کو اطباء بھی بتلاتے ہیں اور یہ سب کے نزدیک مسلمہ ہے کہ اس کا نفع مضرت سے بڑھا ہوا ہے۔ خصوصاً اصحاب بلغم اور شیوخ مردوزن کے لیے تو مجرب تریاق ہے اور معجونوں کا اس سے خالی نہ ہونا اس کی قدر و منزلت ثابت کرتا ہے کہ اسی میں شفاء عظیم ہے۔

نیز اطباء نے شہد کو ”جاری“ یعنی معدہ کا چلا کرنے والا لکھا ہے اور تمام امراض کی اصل معدہ ہے تو جب معدہ صاف ہوگا تو بیماری کیوں کر آئے گی اس لیے حدیث میں آیا ہے کہ علی الصبح ہر روز تین انگلیاں شہد کی چاٹ لیا کرو۔

خلاصہ کلام یہ کہ شہد کی مکھی قدرت خداوندی کا ایک عجیب کرشمہ ہے کہ اگر کسی کے کاٹ لے تو بلبلانٹھے یہ تو اس

سمیت ہوئی اور اس کا شہد تریاق اور شفاء عظیم ہے۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے حیوانات کے چرند اور پرند میں اپنے عجائب قدرت کو بیان فرمایا اب خود انسان میں اپنے عجائب قدرت کو بیان فرماتے ہیں۔

**دلیل پنجم:**..... اور من جملہ دلائل قدرت کے ایک دلیل پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا اور عدم سے وجود میں لایا اور ہر ایک کی عمر کی مدت مقرر کی پھر تم کو مار ڈالے گا اور دوبارہ عدم میں لے جائے گا اور تم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں کہ جو ذلیل اور ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں تاکہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے یعنی ایسا بوڑھا پھوس ہو جائے کہ عقل بھی جاتی رہے اور عالم ہونے کے بعد جاہل بن جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ مارنے اور جلانے پر قادر ہے ویسے ہی وہ عالم سے جاہل بنانے پر بھی قادر ہے پس جس کے ہاتھ میں تمہارا وجود اور عدم اور علم اور جہل ہے اس کی پرستش کرو۔ بڑھاپے میں ہوش و حواس میں تو سب کے ہی فتور آ جاتا ہے مگر جو قرآن خواں ہیں خدا ان کی مدد کرتا ہے۔ وہ ارذل العمر کو نہیں پہنچتا۔ بہر حال انسان کا نطفے سے پیدا ہونا اور پھر اس کا بوڑھا ہو کر مر جانا مادہ اور طبیعت کا کام نہیں کیونکہ مادہ اور طبیعت تو بے شعور ہیں بلکہ یہ کسی مدبر حکیم کا کام ہے۔ بے شک اللہ علم والا قدرت والا ہے کہ اس کے علم اور قدرت کی کوئی حد نہیں اور نہ اس کے لیے فناء و زوال ہے بندہ کو چاہئے کہ اپنے علم اور قوت پر گھمنڈ نہ کرے بڑھاپے میں نہ علم رہتا ہے نہ قدرت رہتی ہے۔ اب آئندہ آیت میں انسان کے حالات مختلفہ سے اپنی قدرت پر استدلال فرماتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ انسان کا عدم سے وجود میں آنا اور پھر اس کا نشوونما پانا اور بچپن اور جوانی اور بڑھاپے کی منزلیں طے کر کے پردہ عدم میں پہنچ جانا یہ تمام امور نہ اتفاقی ہیں اور نہ طبعی ہیں بلکہ کسی عظیم و قدیر کی ویرت کا کرشمہ ہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے عمروں کا تفاوت بیان کیا اب آئندہ، ارزاق کا تفاوت بیان کرتے ہیں کہ جس طرح بنی آدم کی عمریں مختلف اور متفاوت ہیں اسی طرح ان کی روزیاں بھی متفاوت ہیں۔

**دلیل ششم:**..... اور من جملہ دلائل قدرت اور الوہیت میں سے ہے کہ اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں فضیلت دی۔ کسی کو امیر بنانا اور کسی کو فقیر بنانا کسی کو مالک اور آقا بنانا اور کسی کو مملوک اور غلام بنانا یا غرضیکہ بنی آدم کو اوصاف متباہن اور متفاوت پر پیدا کیا۔ مطلب یہ ہے کہ سب کا رزق اس کے قبضہ قدرت میں ہے وہ بعض کو زیادہ دیتا ہے اور بعض کو کم اور کسی بندی کے اختیار میں نہیں کہ اس تفاوت کو ختم کر دے اور اس اختلاف اور تفاوت میں اس کی حکمت بالغہ ہے جس کے سمجھنے سے بندوں کی عقلیں قاصر ہیں اور اس کے اسباب کے ادراک سے عاجز اور در ماندہ ہیں جس طرح خدا تعالیٰ نے اس ظاہری رزق یعنی مال، و دولت میں تفاوت رکھا۔ اسی طرح معنوی رزق یعنی علم و عقل اور فہم اور حسن صورت اور حسن سیرت اور صحت اور مرض اور ضعف اور قوت اور بصارت اور بصیرت میں بھی تفاوت رکھا کسی کو زیادہ عقل دی اور کسی کو کم کسی کو قوی اور جسیم اور ہیکل بنایا اور کسی کو ضعیف اور ناتواں بنایا کسی کو عاقل اور کسی کو ناداں کسی کو عالم اور کسی کو جاہل کسی کو حسین اور کسی کو بد شکل بنایا۔ غرض یہ کہ دنیا کا سارا نظام اسی اختلاف اور تفاوت پر مبنی ہے اگر سب یکساں ہو جائیں تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے اور یہ تفاوت اور تقسیم اللہ کی قدرت اور حکمت کا کرشمہ ہے اگر سب یکساں ہو جائیں تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے اور یہ تفاوت اور تقسیم اللہ کی قدرت اور تقسیم اللہ کی قدرت اور حکمت کا کرشمہ ہے اگر یہ بات علم و عقل اور فہم اور دانش پر موقوف ہوتی تو دنیا میں کوئی بد عقل اور جاہل دولت مند اور مالدار نظر نہ آتا اور کوئی عالم اور عاقل دنیا میں خوار اور نادار نہ ہوتا۔ حالانکہ



معاملہ برعکس ہے ظاہری صورت کے لحاظ سے سب انسان یکساں ہیں۔ مگر صفات اور کمالات کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ کارخانہ عالم انہی اختلافات اور تباہی و تفاوت پر مبنی ہے اگر سب آدمی سب باتوں میں یکساں ہو جائیں تو کیوں کائی حاکم ہو اور کوئی محکوم اور کوئی مالدار اور کوئی نادار اور کوئی مالک مکان اور کوئی کرایہ دار۔ اور دنیا کا کارخانہ اسی اختلاف سے چل رہا ہے پس جن کو اللہ کی طرف سے رزق میں فضیلت اور وسعت دی گئی اور اللہ نے ان کو سردار اور امیر اور دولت مند بنایا اور ان کے پاس مال و دولت بھی ہے اور ان کے پاس غلام بھی ہیں وہ اپنی روزی اور دولت اپنے غلاموں کو دینے والے نہیں کہ وہ سب آقا اور غلام اس روزی میں برابر ہو جائیں۔ یعنی آقا اور مالدار اس پر راضی نہیں کہ اپنے مال و دولت کو اپنے غلاموں پر اس طرح تقسیم کر دیں کہ غلام اور آقا سب برابر ہو جائیں۔ حالانکہ وہ بھی تمہارے ہم جنس اور مثل اور ہم شکل ہیں۔ اور وہ مال ان کا مخلوق (پیدا کیا ہوا نہیں) پس یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا کی مملوک اور اس کی مخلوق خدا کی خدائی میں شریک ہو جائے۔ عجیب الحق لوگ ہیں کہ اپنے غلاموں کو تو اپنا شریک اور برابر بنانا پسند نہیں کرتے مگر خدا کے غلاموں کو اور اس کے پیدا کئے ہوئے بندوں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی آقا اس بات پر راضی نہیں کہ اس کا غلام اس کے مساوی اور برابر ہو جائے غلامی اور مساوات جمع نہیں ہو سکتے پس جب کہ دو ہم جنس اور متحد النوع انسانوں کے اندر مالک اور مملوک میں شرکت اور مساوات نہیں تو خالق اور مخلوق کو معبودیت میں کیسے برابر کیا جاسکتا ہے پس جب کہ تمہارے غلام شریک اور برابر نہیں ہو سکتے تو اللہ کے بندے اور اس کے غلام اس کی الوہیت میں کیسے شریک ہو سکتے ہیں۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوفہ، بصرہ کے گورنر تھے خط لکھا۔

اقنع برزقك من الدنيا فان الرحمان فضل بعض عباده على بعض في الرزق بلاء مبتلى به كلا فيبتلى من بسطه كيف شكره لله واداءه الحق الذي افترض عليه فيما رزقه دخوله۔ (رواہ ابن ابی حاتم)۔

اے ابو موسیٰ! تو اپنے اس رزق پر تمناعت کر جو تجھ کو دنیا میں ملا ہے کیونکہ رحمن نے اپنے بعض بندوں کے اعتبار سے رزق زیادہ دیا ہے اور یہ رزق من جانب اللہ ابتلاء اور امتحان ہے جس کے ذریعہ ہر ایک کا امتحان کرتا ہے پس جس کو رزق زیادہ دیا اس کا امتحان اس طرح ہوتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ کی دی ہوئی دولت کا شکر بجالاتا ہے اور جو حق تعالیٰ نے اس پر اس مال و دولت میں فرض کیا تھا۔ وہ اس کو کیوں کرا داتا ہے۔ (ابن حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو روایت کیا)

معلوم ہوا کہ بنی آدم میں امیری اور فقیری تو فطری اور تنگ دستی میں تفاوت من جانب اللہ ہے جس کو اللہ نے مال و دولت دیا اس پر اللہ کا شکر اور مال کا حق ادا کرنا واجب ہے اور جس کو اللہ نے مفلس بنایا اس پر صبر اور قناعت واجب ہے فقیر اور نادار کو یہ تو اجازت ہے کہ صنعت و حرفت یا تجارت یا زراعت کے ذریعہ حلال طریقہ سے جس طرح چاہے دولت حاصل کرے اس پر کوئی تحدید نہیں۔ لیکن کسی نادار کو ازراہ حسد و رقابت کسی مالدار کے مال پر نظر کرنا ناجائز اور حرام ہے جیسے آج کل

اشتراکی لوگ مزدوروں کو اکسار ہے ہیں کہ تم دولت مندوں اور سرمایہ داروں کی دولت کو لوٹ لو اور مساوات کا دلقریب نعرہ لگا کر جاہلوں کو اس پر آمادہ کر رہے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ رزق میں مساوات عقلاً محال ہے رزق کا تفاوت قدرت خداوندی کا کرشمہ ہے اسے کوئی بدل نہیں سکتا اور بفرض محال اگر ملک کا مال و دولت سب پر برابر تقسیم ہو گیا تو یہ بتلا میں کہ علم اور عقل اور حسن و جمال اور قوت و صفت اور صحت و بیماری اور موت و حیات میں مساوات کی کیا صورت ہوگی کسی کو ایک چپاتی کھانا مشکل ہے اور کوئی دس نان کھا کر ڈکار نہیں لیتا اگر سب کے سامنے دس دس نان رکھ دیئے گئے تو سب کے معدے کی اشتہاء اور سب کی بھوک کیسے برابر ہوگی مطلب یہ ہے کہ رزق ظاہری اور باطنی سب اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے جس کو چاہا کم دیا اور جس کو چاہا زیادہ دیا کیا یہ لوگ خدا کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ سب نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں تو پھر کسی کو اس کا شریک ٹھہرانا اس کی نعمت سے منکر ہونا ہے جیسا کہ منجمن اور طبعیین خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو کواکب اور نجوم کی طرف اور مادہ اور طبیعت کی طرف منسوب کرتے ہیں بس یہی اللہ کی نعمت سے انکار کرنا ہے۔

**دلیل ہفتم:**..... اور من جملہ دلائل قدرت و وجوہ نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری جنس سے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں اور پھر تمہاری بیویوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا کیے تاکہ تمہاری نوع اور نسل باقی رہے اور پاکیزہ اور لذیذ چیزوں میں سے تمہیں رزق دیا تاکہ تمہارا وجود شخصی باقی رہ سکے تمہاری راحت و آرام کے لیے یہ بیاں پیدا کیں اور خدمت کے لیے اولاد دی کہ تمہاری خدمت کرے اور تمہارے بعد تمہاری نسل قی رہے اور بقا اور زندگی کے لیے پاکیزہ چیزیں تم کو عطا کیں کیونکہ بقا اور زندگی رزق پر موقوف ہے کیا توحید کے ان دلائل واضح کے بعد بھی یہ لوگ بے حقیقت اور بے بنیاد چیز پر اعتقاد اور ایمان رکھتے ہیں باطل سے مراد شرک اور بت پرستی ہے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں کہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یعنی جنوں کا احسان مانتے ہیں کہ بیماری سے چنگا کیا۔ یا بیٹا دیا یا روزی دی اور یہ سب جھوٹ ہے وہ جو سچ دینے والا ہے اس کے شکر گزار نہیں اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو آسمان اور زمین سے ذرہ برابر رزق پہنچانے کی مالک نہیں نہ آسمان سے مینہ برس سکتے ہیں اور نہ زمین سے کوئی چیز اگا سکتے ہیں اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ ان کو کچھ اختیار ہے اور نہ قدرت ہے عاجز محض ہیں کسی قسم کی استطاعت نہیں رکھتے پھر کس لیے ان کی پرستش کرتے ہیں پس تم اللہ کے لیے مثالیں نہ گھرو اس کا نہ کوئی مثل ہے اور نہ کوئی شبیہ اور مثل ہے۔

شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ”مشرک کہتے ہیں کہ مالک تو اللہ ہی ہے یہ لوگ اس کی سرکار میں مختار ہیں اس واسطے ان کو پوجتے ہیں کہ (بڑی سرکار تک ان کے ذریعے رسائی ہو جائے)۔ سو یہ مثال غلط ہے (اللہ پاک پر چسپاں نہیں) اللہ تعالیٰ ہر چیز آپ کرتا ہے کسی کے سپرد نہیں کر رکھا اور اگر صحیح مثال چاہو تو آگے دو مثالیں بیان فرمائیں۔“ (موضح القرآن)

مشرکین یہ کہتے تھے کہ خدائے تعالیٰ بادشاہ ہے اور ہم بلا واسطہ بادشاہ تک نہیں پہنچ سکتے لہذا یہ ہمارے لیے وسائل اور ذرائع ہیں ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں گے جس طرح بادشاہ وزیروں کو مختار کار بنا دیتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ مثال غلط

ہے اللہ تعالیٰ پر چسپاں نہیں کارخانہ عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ اس کے علم اور ارادہ اور مشیت سے ہو رہا ہے۔ سلاطین دنیا کی طرح نہیں کہ وہ اپنے ماتحت حکام کو اختیارات تفویض اور سپرد کر دیتے ہیں کہ تفویض تو ارادہ اور اختیار سے کیا لیکن تفویض کے بعد وہ ماتحت حکام ان اختیارات کے استعمال میں آزاد ہیں بغیر بادشاہ کے علم اور بغیر اس کے ارادہ اور بغیر اس کی اجازت کے بہت سے کام کر گزرتے ہیں جیسے بسا اوقات وزراء کوئی فیصلہ کر گزرتے ہیں اور بادشاہ کو اس فیصلہ کا مطلق علم نہیں ہوتا اور بادشاہ کے ارادہ اور مشیت کو اس فیصلہ کے صادر کرنے میں کوئی دخل نہیں ہوتا سو بارگاہ خداوندی میں یہ بات ممکن نہیں اس لیے کہ عقلاً یہ محال ہے کہ خدا اپنی قدرت اور اختیار کو کسی کے تفویض کر دے بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے کوئی شے اس کے دائرہ علم اور ارادہ اور مشیت سے باہر نہیں۔ عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے خواہ بواسطہ اسباب ہو یا بلا واسطہ اسباب ہو وہ سب اس کے علم محیط اور اس کے ارادہ اور مشیت سے وقوع پذیر ہو رہا ہے لہذا ہر کئی اور جزئی میں اسی کو فاعل حقیقی سمجھ کر اس کو اپنا معبود اور مستعان سمجھو بلا واسطہ سب تمہاری سنتا ہے اور بغیر کسی کے خبر دیئے ہوئے تمہارا سب حال جانتا ہے بادشاہوں کو وزیر اور پیش کار کی اس لیے ضرورت ہے کہ انہیں پیٹھ پیچھے کی خبر نہیں اور سارے کام خود انجام نہیں دے سکتے۔ اس لیے معین اور مددگار کے محتاج بنے اور خدا تعالیٰ علیم ذخبیر اور مالک و قدیر ہے وہ غنی اور بے نیاز ہے اسے کسی وزیر اور مشیر کی ضرورت نہیں اور نہ اس کے کارخانہ ربوبیت میں کوئی دخل ہے اور نہ وہاں کسی کا روز ہے لہذا خداوند ذوالجلال کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے معلوم ہوا کہ جو مثال تم نے بیان کی وہ غلط ہے اگر صحیح مثال چاہتے ہو تو ہم تمہارے لیے دو مثالیں بیان کرتے ہیں غور سے ان کو سنو۔

**مثال اول:**..... اللہ تعالیٰ نے شرک کے بطلان ظاہر کرنے کے لئے ایک مثال بیان فرمائی فرض کرو کہ ایک غلام ہے جو دوسرے کا مملوک ہے اور ایسا غلام ہے کہ وہ کسی تصرف پر قادر نہیں۔ کیونکہ بعض غلام ایسے ہوتے ہیں کہ آقا ان کو تصرفات کی اجازت دیدیتا ہے جیسے عبد مازون اور جیسے مکاتب کہ آقا نے اس کو نوشتہ دے دیا کہ اس قدر روپیہ کما کر دے دے تو آزاد ہے پس ان کو کچھ تصرف کی اجازت نہ ہو۔ پس ایک تو ایسا ہے کہ عبد ملوک ہے کسی تصرف پر قدرت نہیں رکھتا۔ اور ایک شخص وہ ہے کہ جس کو ہم نے اپنے پاس سے اور اپنے فضل سے عمدہ روزی دی یعنی وسعت اور کثرت سے اس کو ایسا رزق دیا جو لوگوں کی نظروں میں اچھا معلوم ہوتا ہے اور اس کو اس کا مالک اور مختار بنایا پس وہ شخص ہمارے دیئے ہوئے رزق حسن میں سے خیرات کی راہوں میں اور طرح طرح کی نیکیوں میں پوشیدہ اور علانیہ طور پر خرچ کرتا ہے یعنی جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور کسی سے نہیں ڈرتا کیا یہ وہ شخص برابر ہو سکتے ہیں یعنی بے اختیار، صاحب اختیار آقا کے برابر نہیں ہو سکتا۔ تو بت تو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ عاجز نہیں ہو سکتے تو مالک حقیقی اور مملوک حقیقی کب برابر ہو سکتے ہیں حالانکہ آقا اور غلام تو نفس خلقت اور صورت بشری میں دونوں مساوی ہیں۔ مگر بایں ہمہ دونوں برابر نہیں تو اللہ جو کہ قادر مطلق اور مالک مطلق ہے اس میں اور بتوں کے درمیان مساوات کیونکہ ہو سکتی ہے جو نہ کسی شے کے مالک ہیں اور نہ کسی شے پر قادر ہیں اور دنیا کا کوئی عاقل، قادر اور عاجز کے درمیان مساوات کا قائل نہیں۔

اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ مثال مومن اور کافر کی ہے کافر عبد مملوک ہے جو کسی شے پر قادر نہیں کیونکہ جب وہ

اللہ کی عبادت سے اور اس کی توفیق سے محروم ہے اور اپنے مال کو راہ خدا میں خرچ کرنے سے محروم ہے تو گویا وہ ایک غلام حقیر و ذلیل ہے اور عاجز ہے جو کسی شے پر قادر نہیں خدا تعالیٰ نے اس کو تصرف سے روک رکھا ہے اور مومن وہ شخص ہے کہ جس کو اللہ نے اپنے پاس سے رزق حسن یعنی حلال روزی دی اور وہ دن رات کی عبادت میں لگا ہوا ہے اور اپنے مال کو راہ خدا میں پوشیدہ اور علانیہ طور پر جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے تو یہ دونوں شخص برابر نہیں نہ آزاد اور غلام برابر ہے نہ بخیل اور سخی برابر ہے۔ اور نہ نافرمان (کافر) اور فرمان بردار (مومن) برابر ہے۔ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو حسب کا خالق اور تمام کائنات کا مالک مطلق اور مختار مطلق ہے اور تمام کائنات اس کی مملوک اور غلام ہے لیکن باوجود اس کے یہ لوگ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر نادان اور بے عقل ہیں کہ صاف اور واضح بات کو بھی نہیں سمجھتے اور بایں ہمہ جنوں کو مستحق تعریف سمجھتے ہیں۔

دوسری مثال: ..... اور اگر اس مثال سے ان پر حق واضح نہ ہو تو اللہ نے ان کے لیے ایک دوسری مثال بیان فرمائی۔ فرض کرو کہ وہ شخص ہیں ان میں سے ایک تو گونگا غلام ہے اور بہرا بھی ہے کیونکہ جو پیدائشی گونگا ہوتا ہے وہ بہرا بھی ہوتا ہے کہ کسی بات پر قدرت نہیں رکھتا اور وہ اپنے آقا پر بوجھ ہے یعنی وہ کسی کام کا نہیں اور نہ اس سے کسی بھلائی کی توقع ہے۔ وہ آقا اس کو جہاں بھیجے وہاں سے کوئی خیر اور بھلائی لے کر واپس نہ آئے کیا ایسا منحوس غلام اس مبارک شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو لوگوں کو عدل و انصاف کا حکم کرتا اور خود سیدھی راہ پر ہے یعنی اس کے ہوش و حواس درست ہیں نہایت عقلمند اور دیانت دار اور نیک کردار ہے جو شخص خود صاحب فہم و فراست نہ ہو وہ دوسروں کو انصاف اور نیکی کی کیسے ہدایت کر سکتا ہے پس جب یہ دونوں شخص برابر نہیں ہو سکتے تو یہ گونگے اور بہرے بت خداوند پروردگار کے کیسے برابر ہو سکتے ہیں اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ کافر اور مومن کی مثال ہے کافر اندھے اور بہرے اور گونگے غلام کی طرح ہے نہ حق کو دیکھتا ہے اور نہ حق کو سنتا ہے اور ناکارہ اور نکما ہے آقا کا کوئی کام نہیں کرتا۔ اور مومن قانت، سیدھی راہ پر جا رہا ہے اور دوسروں کو بھی اس راہ پر لے جانا چاہتا ہے یہ دونوں شخص کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "یعنی خدا کے دو بندے ایک بہت نکما نہ مل سکے اور نہ چل سکے جیسے گونگا غلام۔ دوسرا رسول ہے جو اللہ کی راہ بتا دے ہزاروں کو اور بندگی پر قائم ہے اس کے تابع ہونا بہتر ہے یا اس کے (انتہی) حضرت شاہ والی اللہ قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں حاصل اس دو مثل آنت کہ آں چہ در عالم تصرف نداد با خدا برابر نیست چنانچہ مملوک ناتواں با مالک تو انا برابر نیست و چنان کہ گنگ بے تمیز با صاحب ہدایت برابر نیست" (انتہی)

حق تعالیٰ نے ابطال شرک کے لیے دو مثالیں بیان فرمائیں اب مزید دلائل توحید بیان کرتے ہیں۔

دلیل ہشتم۔ کمال علم و کمال قدرت: ..... اور من جملہ دلائل الوہیت کے اس کا کمال علم اور کمال قدرت ہے اس لیے کہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں اللہ ہی کو معلوم ہیں اس سے کوئی شے چھپی ہوئی نہیں خواہ وہ زمین میں ہو یا آسمان میں ہو یہ اس کا کمال علم ہوا۔ اور منجملہ غیب کے قیامت بھی ہے اس کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں اور نہیں ہے قیامت کا کام مگر ایسا جیسے جھپکنا یا اس سے بھی زیادہ نزدیک مطلب یہ کہ مردوں کا دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں جب اللہ چاہے گا آنا فانا ہو جائے

گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس کام کا وہ ارادہ کرتا ہے وہ پلک جھپکنے سے بھی پہلے ہو جاتا ہے یہ اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ کس کا علم اور قدرت عالم کے ذرہ ذرہ کو محیط ہو۔ کون اس کا ہمسرہ ہو سکتا ہے۔

دلیل نہم:..... اور مجملہ دلائل قدرت و وجود نعمت یہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم اس وقت کچھ نہیں جانتے تھے نو ماہ سے ماں کے پیٹ میں مجوس تھے اور خون و حیض تمہاری غذا تھی ولادت کے بعد تم جیل خانہ سے باہر نکلے اور آنکھ کھولی اور اس عالم کو دیکھا۔ دیکھ کر حیران رہ گئے سمجھ میں کچھ نہ آیا اور بعد ازاں اللہ نے بنا دیئے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل تاکہ آنکھ اور کان سے محسوسات کا ادراک کرو اور دل سے معقولات کا ادراک کرو اور عقل سے خیر و شر اور ہدایت و ضلالت اور حق و باطل کا فرق سمجھو اور غور کرو کہ آنکھ اور کان اور دل کیسی نعمتیں ہیں شاید تم ہمارا احسان مانو اور ہمارے عطا فرمودہ حواس ظاہرہ و باطنہ کو ہماری معرفت اور محبت میں لگا ڈالو۔ اور اپنے منعم و محسن کا شکر کرو کہ تم کو کیسی تاریک اور گندی جگہ سے نکال کر کہاں پہنچا دیا۔ تمام دنیا کی نعمتوں سے متمتع ہونے کا ذریعہ آنکھ اور کان اور عقل ہیں اور اگر وہ اپنی رحمت سے تم کو آنکھ اور کان اور عقل نہ دیتا تو ذرا غور کرو کہ پھر تم کیا کرتے۔ ”شکر“ کی حقیقت یہ ہے کہ منعم کی دی ہوئی نعمت کو اس کے حکم کے مطابق استعمال کرو اور اس کی نعمت کو امانت سمجھو۔ معصیت سے بچاؤ۔ نعمت کو خلاف حکم صرف کرنا یہ خیانت ہے بہر حال تمہارا اس طرح پیدا ہونا یہ اس کی دلیل ہے کہ تم خود بخود پیدا نہیں ہو گئے بلکہ کسی علیم و قدیر نے تم کو پیدا کیا ہے۔

دلیل وہم:..... اور من جملہ دلائل قدرت کے خلا میں اڑنے والے پرند بھی ہیں کیا لوگوں نے پرندوں کی طرف نظر نہیں کی جو حکم خداوندی آسمان کے خلاء یعنی ہوا میں معلق ہیں۔ کعب احبار رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ پرندہ بلندی میں بارہ میل تک اڑ سکتا ہے اس سے اوپر نہیں جا سکتا اللہ کے سوا ان کو اور کوئی اس خلا میں تھامے ہوئے نہیں بے شک اس تسخیر میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ جو اللہ کو مانتے ہیں وہ ان نشانیوں کو دیکھ کر اللہ کی قدرت اور وحدانیت کو سمجھ جاتے ہیں اور جو مومن نہیں وہ ان نشانیوں پر نظر نہیں کرتے۔ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پرندوں کو عجیب طور سے پیدا کیا کہ ان کے دو بازو ہیں ان کو پھیلا کر ہوا میں اڑتے ہیں اور ان میں اڑنے کی قوت پیدا کی وہ پر پھیلا کر ہوا میں اس طرح اڑتے ہیں جیسے کوئی پانی میں تیرتا ہے اور سوائے اللہ کے کوئی چیز ان کو ہوا میں روکنے اور تھامنے والی نہیں نہ اوپر سے کوئی چیز پکڑے ہوئے ہے اور نہ نیچے سے ان کو کوئی چیز تھامے ہوئے اور سہارا دیئے ہوئے ہے۔ ورنہ ان کی ثقل جسمانی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اوپر سے نیچے گر پڑتے اور ان کا جسم ثقیل ہوئے لطیف کو چیرتے ہوئے اوپر چڑھتا ہے اور اڑتا ہے اور پھر ہوا کو چیرتا ہوا نیچے اترتا ہے اس عجیب و غریب تسخیر میں اللہ کی قدرت اور وحدانیت کی کھلی نشانیاں ہیں غرض یہ کہ پرندوں کا ہوا میں معلق روکنا یہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے شفیقگان اسباب و علل و ولد ادگان فلسفہ ان چیزوں کے جو اسباب طبعی بیان کرتے ہیں وہ سب پادر ہوا ہیں اور ان کی کوتاہ نظری اور کج عقلی کی نشانیاں ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”یعنی ایمان لانے میں بعض اکتلتے ہیں۔ معاش کی فکر سے سو فرمایا کہ ماں کے پیٹ سے کوئی کچھ نہیں

لایا۔ اسباب کمائی کے، آنکھ، کان، دل اللہ ہی دیتا ہے اڑتے جانور ادھر میں کس کے سہارے رہتے ہیں۔  
(موضح القرآن)

**دلیل یازدہم:**..... اور من جملہ دلائل قدرت الوہیت یہ ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے حالتِ حضر میں تمہارے گھروں میں سے جائے سکونت بنائی جہاں تم آرام کر سکو انسان معاش کے لیے حرکت کرتا ہے اور حرکت کے بعد اس کو سکون کی حاجت ہوتی ہے تو اس نے تمہارے لیے بیوت اور مسکن بنا دیئے اور حالتِ سفر میں چوپایوں کی کھالوں سے اس نے تمہارے لیے گھر بنا دیئے یعنی خیمے تم ان کو اپنے سفر کے دن اور حالتِ سفر میں ہلکا پاتے ہو اور بے تکلف اپنے ساتھ اٹھائے پھرنے ہو۔ مٹی اور پتھر کے گھروں میں یہ بات حاصل نہیں۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان سے ہماری آسائش کے لیے ہمیں رہنے کو دو گھر دیئے ایک تو وہ جو مٹی اور پتھر وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں اور اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتے دوسرے وہ گھر جنہیں جہاں چاہیں لے جائیں جیسے خیمے جو سفر اور حضر دونوں حال میں آسان اور ہلکے ہیں یہ سب اللہ کا فضل ہے اور احسان ہے اور اللہ نے تمہاری آسائش کے لیے بھیڑوں کے بالوں اور اونٹوں کے بالوں اور بکریوں کے بالوں سے اٹھاؤ اور سامانِ منفعت بنایا جس سے تم ایک وقت اور مدت تک نفع اٹھاؤ یعنی ان کے کہنے ہونے تک یا وقت موت تک اس سامان سے نفع اٹھاؤ۔

**دلیل دوازدهم:**..... اور من جملہ دلائل قدرت والوہیت یہ امر ہے کہ اللہ نے تمہاری راحت اور محافظت کی چیزوں کو پیدا کیا چنانچہ تمہارے لیے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے بعض سے تمہارے لیے سایہ بنا دیا جس سے تم گرمی اور سردی اور برف و باراں وغیرہ کی تکلیف سے بچتے ہو۔ سایہ سے مراد وہ چیزوں ہیں جن کے سایہ میں آدمی رہتا ہے جیسے مکان اور دیوار اور درخت وغیرہ اگر وہ اپنی رحمت سے سایہ دار چیزیں نہ پیدا کرتا تو سردی اور گرمی سے حفاظت مشکل ہو جاتی۔

**دلیل سیزدہم:**..... اور من جملہ دلائل قدرت والوہیت یہ امر ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے پہاڑوں میں چھپ رہنے کو جگہیں بنائی ہیں۔ یعنی غار وغیرہ بنائے جہاں سردی اور گرمی اور بارش اور دشمن اور موذی جانور سے محفوظ رہ سکے اور جس میں گھر بنانے کی استطاعت نہ ہو وہ وہاں پناہ لے سکے یہ سامانِ حفاظت بھی اسی کی قدرت اور نعمت کا کرشمہ ہے۔

**دلیل چہاردهم:**..... اور من جملہ دلائل قدرت و وجود نعمت یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے ایسے کرتے بنائے ہو تم کو گرمی سے بچائیں۔ سراپیل سے مطلق لباس مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا جو تم کو گرمی سے بچاتا ہے اور سردی سے بھی بچاتا ہے۔ مگر آیت میں ایک شق کو بیان کر دیا تو دوسری شق کو اس پر قیاس کر لیا جائے چونکہ عرب میں گرمی کی شدت تھی اس لیے آیت میں صرف حر کا ذکر فرمایا اور برد کا ذکر نہیں فرمایا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے مختلف مواضع میں اپنی مختلف نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے کسی جگہ گرمی سے حفاظت کا ذکر فرمایا اور کسی جگہ سردی کے سامانِ حفاظت کا ذکر فرمایا۔ نیز گرمی سے حفاظت اور بچاؤ کا سامان برودت ہی کے حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے اس لیے ﴿تَقِيكُمْ الْحَرَّ وَالْبُرْدَ﴾ میں حر کے ذکر پر اکتفاء کیا اور اس طرح نہیں فرمایا کہ ﴿تَقِيكُمْ الْحَرَّ وَالْبُرْدَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایسے کرتے بھی بنائے جو تم کو آپس کی لڑائی کی زد سے بچائیں جیسے زرہیں اور جو ہتھیار جنگ میں بچاؤ کے لیے پہنے جاتے ہیں۔

### اعتنان بر اتمام احسان

اب ان دلائل قدرت و وجود نعمت کے بیان کے بعد فرماتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے تاکہ تم اس منعم حقیقی کے سامنے گردن جھکا دو اور ہر بن موسیٰ زبان لشکر بن جاؤ پس اگر یہ ناقدرے اور ناشکرے منعم حقیقی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے اعراض کریں تو آپ ﷺ کوئی غم نہ کریں کیونکہ آپ (ﷺ) کے ذمہ تو صرف صاف کھول کر اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے ان کے اعراض کا وبال ان کی گردن پر ہے۔ یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو خوب پہنچاتے ہیں پھر باوجود اس علم یقینی کے ان نعمتوں کے منکر ہو جاتے ہیں ان میں سے بعض اگرچہ شکر گزار بھی ہیں لیکن ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔ اللہ کے انعامات کو دیکھتے ہیں اور اس کے احسانات کو سمجھتے ہیں اور دل سے مانتے ہیں مگر عناد اور ضد کی بناء پر ان کا انکار کرتے ہیں۔

**وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ**

اور جس دن کھڑا کریں ہم ہر فرقہ میں ایک بتلانے والا پھر حکم نہ ملے منکروں کو اور نہ ان سے اور جس دن کھڑا کریں گے ہم ہر فرقے میں ایک بتانے والا، پھر حکم نہ ملے منکروں کو، اور نہ ان سے

**يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۳۰﴾ وَإِذَارَأَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۳۱﴾**

توبہ لی جائے فلا اور جب دیکھیں گے ظالم عذاب کو پھر ہلکا نہ ہوگا ان سے اور نہ ان کو ڈھیل ملے و ۳۱ توبہ مانگئے۔ اور جب دیکھیں بے انصاف مار، پھر ہلکی نہ ہو ان سے، اور نہ ان کو ڈھیل ملے۔

**وَإِذَارَأَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَشْرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَؤُلَاءِ شُرَكَائُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ**

اور جب دیکھیں مشرک اپنے شریکوں کو بولیں اے رب یہ ہمارے شریک ہیں جن کو ہم پکارتے تھے اور جب دیکھیں شریک پکڑنے والے اپنے شریکوں کو، بولیں، اے رب! یہ ہمارے شریک ہیں جن کو ہم پکارتے تھے

**دُونِكَ ۚ فَالْقُوا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۳۲﴾ وَالْقُوا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَامَ**

تیرے سوا فلا تب وہ ان پر ڈالیں گے بات کہ تم جھوٹے ہو فی اور آڑیں اللہ کے آگے اس دن عاجز ہو کر تیرے سوا۔ تب وہ ان پر ڈالیں بات کہ تم جھوٹے ہو۔ اور آڑیں اللہ کے آگے اس دن عاجز ہو کر

فلا یہاں سے کفر و ناشکری کا انجام بتلاتے ہیں۔ یہ یاد رکھو وہ دن بھی آنے والا ہے جب تمام اگلی کچھلی امتیں احکم الحاکمین کی آخری عدالت میں کھڑی ہوں گی اور ہر امت کا نبی بطور گواہ کھڑا کیا جائے گا تاکہ اپنی امت کے نیک و بد اور مطیع و عاصی کی نسبت شہادت دے کر کسی نے کیا معاملہ حق کے پیغام اور پیغامبر کے ساتھ کیا ہے۔ اس وقت منکروں کو اجازت نہ ہوگی کہ کچھ لب کشائی کر سکیں یا اب بعد از وقت توبہ کر کے سزا سے چھوٹ جائیں اور لب کشائی کا بے میں کریں گے، ورنہ محالیکہ انھیں اپنے مجرم ہونے اور کسی کی معذرت نہ مل سکے گا پورا انکشاف ہو جائے گا۔ وہ یہ بھی سمجھ لیں گے کہ یہ "دار جزاء" ہے "دار عمل" نہیں جواب توبہ کر کے غفائیں معاف کرالیں۔

فلا یعنی عذاب کی سختی میں کمی ہوگی اور درمیان میں وقفہ ہوگا کہ تھوڑی دیر مہلت مل جائے، پھر از سر نو عذاب شروع ہوگا۔ بعض نے "وَلَا يُنظَرُونَ" سے یہ مراد لیا ہے کہ جہنم کو دیکھنے کے بعد ایک منٹ کی ڈھیل نہ ملے گی۔ جہنم فوراً جہنم کو اس طرح اچک لے گی جیسے ہر ایک دم داند اٹھا کر نکل جاتا ہے۔ گویا سرعت دخول کی طرف اشارہ ہوا۔

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يُفْتَرُونَ ﴿۵۸﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زَنْجُومًا

اور بھول جائیں جو جھوٹ باندھتے تھے یا جو لوگ منکر ہوئے ہیں اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے ان کو ہم بڑھا دیں گے اور بھول جاوے ان کو جو جھوٹ باندھتے تھے۔ جو منکر ہوئے ہیں، اور روکتے رہے ہیں اللہ کی راہ سے، ان کو ہم نے بڑھا دیں

عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿۵۹﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ

عذاب پر عذاب بدلے میں کا جو شرارت کرتے تھے ﴿۵۹﴾ اور جس دن کھڑا کریں گے ہم ہر فرقہ میں ایک بتلانے والا ان پر مارے گا، بدلے میں اس کا جو شرارت کرتے تھے۔ اور جس دن کھڑا کریں گے ہم ہر فرقہ میں ایک بتلانے والا ان پر،

مِّنْ أَنفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَؤُلَاءِ ۗ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ

انہی میں کا اور تجھ کو لائیں بتلانے کو ان لوگوں پر ﴿۶۰﴾ اور اتاری ہم نے تجھ پر کتاب کھلا بیان ہر انہی میں کا، اور تجھ کو لاویں بتلانے کو ان لوگوں پر۔ اور اتاری ہم نے تجھ پر کتاب بیورا (کھول سنانے والی) ہر

شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۶۰﴾

چیز کا ﴿۶۰﴾ اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری حکم ماننے والوں کے لیے ﴿۶۰﴾

چیز کا، اور راہ کی سوجھ، اور مہر اور خوشخبری حکم داروں کو۔

﴿۵۸﴾ یعنی ہم تو ان کی بدولت مارے گئے۔ شاید یہ مطلب ہو کہ ہم بذات خود بے قصور ہیں، بیاہ کہ انہیں دہری سزا دیجئے۔

﴿۵۹﴾ یعنی جوئے ہو جو ہم کو خدا کا شریک ٹھہرایا۔ ہم نے کب کہا تھا کہ ہماری عبادت کرو۔ فی الحقیقت تم محض اپنے اوہام و خیالات کو پوجتے تھے جس کے بچے کوئی حقیقت نہ تھی، یا جن و خیالین کی پرستش کرتے تھے۔ مگر وہاں شیطان بھی یہ کہہ کر الگ ہو جائے گا ﴿۵۹﴾ مَا كَانَ لِيُحْيِيكُمُ اللَّهُ إِن كَانُوا لَمْ يَكْفُرُوا لَأَن كُنْتُمْ كَافِرِينَ ﴿۶۰﴾ اور بیزاری کا اظہار کریں گے کوئی جھوٹ۔ پتھر کے بتوں کو تو سر سے لٹھ خیزی نہ تھی۔ ملائکہ اور بعض انبیاء و صالحین ہمیشہ شرک سے سخت نفرت و بیزاری اور اپنی غاص بندگی کا اظہار کرتے رہے۔ رو گئے شیاطین سوان کا اظہار نفرت کو جھوٹ ہو گا، تاہم اس سے مشرکین کو کئی طور پر مایوسی ہو جائے گی کہ آج بڑے سے بڑا فریق بھی کام آنے والا نہیں۔

﴿۶۰﴾ یعنی ساری مسطراق اور افتراء پر دازیاں اس وقت غائب ہو جائیں گی سب عاجز و متہور ہو کر خدا کے سامنے اپنی اطاعت و انقیاد کا اظہار کریں گے ﴿۶۰﴾

﴿۶۱﴾ یعنی ایک عذاب تو انکار ہے، دوسرا اس ہے کہ اوروں کو خدا کی راہ سے روکا۔ یا ایک عذاب صدور جرم پر دوسرا اس کی عادت ڈالنے پر۔ بہر حال آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح جنت میں اہل جنت کے منازل و مدارج متفاوت ہوں گے، جہنمیوں کا عذاب بھی کئی کئی درجات و درجات متفاوت ہوگا۔

﴿۶۲﴾ یعنی وہ ہونا کہ دن یا ذکر کرنے کے قابل ہے جب ہر ایک جہنمی اپنی امت کے معاملات کے متعلق بارگاہ احدیت میں بیان دے گا۔ اور آپ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) اس امت کی حالت بتلائیں گے بلکہ بعض مفسرین کے قول کے موافق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام شہداء کے لیے شہادت دیں گے کہ چنگ انہوں نے اپنا فرض منصبی بخوبی ادا کیا۔ حدیث میں آیا ہے کہ امت کے اعمال ہر روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کیے جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعمال خیر کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور بد اعمالیوں پر مطلع ہو کر نالائقیوں کے لیے استغفار فرماتے ہیں۔

﴿۶۳﴾ یعنی قرآن کریم میں تمام علوم ہدایت اور اصول دین اور فلاح دارین سے متعلق ضروری امور کا نہایت مکمل اور واضح بیان ہے۔ اس میں قیامت کے یہ واقعات بھی آ گئے جن کا ذکر اوپر ہوا۔ اندریں صورت جس میں پتھر پر ایسی جامع کتاب اتاری گئی اس کی مسئولیت اور ذمہ داری بھی بہت بھاری ہوگی گویا "شہیدت علی ہؤلآء" کے بعد ﴿۶۳﴾ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۶۴﴾ ہر ما کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے



## ذکر قیامت

قَالَ تَعَالَى: ﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا... إِلَى... وَنُبَشِّرِي لِلْمُسْلِمِينَ﴾

ربطہ:..... یہاں تک حق تعالیٰ نے اپنے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمایا اور یہ فرمایا کہ بہت سے لوگ اللہ کی نعمت کو خوب پہچانتے ہیں۔ پھر اللہ کی نعمت کے منکر بنے ہوئے ہیں اب قیامت کا ذکر فرماتے ہیں کہ اس دن ان کافروں کو جنہوں نے دیدہ و دانستہ حق تعالیٰ کے انعامات و احسانات کا کفر کیا اور انکار کیا۔ کیا حال اور حال ہوگا اس دن سب کا حساب و کتاب ہوگا اور سب سے باز پرس ہوگی۔ اور سب ذلیل و خوار ہوں گے اور انبیاء علیہم السلام کی گواہی سے ان کا جرم ثابت ہوگا۔ گواہی کے بعد کفار اجازت چاہیں گے کہ ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو یہ درخواست منظور نہ ہوگی اور ان کے فرضی معبودان کی بھندریب کر دیں گے غرض یہ کہ ان آیات میں کفار کی دار آخرت میں ذلت و رسوائی کا بیان ہے کہ یہ لوگ اس دن ذلیل و خوار ہوں گے اور ان کو عذر کا موقع بھی نہیں ملے گا کیونکہ تمام حجت کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب مبین نازل فرمادی ہے جس میں دین و دنیا کے تمام امور کو بتلادیا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس دن کو جس دن ہم کھڑا کریں گے ہر امت میں سے ایک گواہ جو ان منکرین نعمت کے انکار کا پردہ چاک کرے گا اور ان کے کفر و شرک پر گواہی دے گا کہ ہم نے ان کو خدا کا حکم پہنچا دیا تھا پھر بھی یہ نہ مانے یہ گواہ انبیاء کرام علیہم السلام ہوں گے جو اپنی امت پر ان کے اچھے اور برے اعمال پر گواہی دیں گے اور ان کی گواہی پر نہ کوئی جرح کر سکے گا اور نہ قدح جو وہ کہہ دیں گے۔ اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ پھر انبیاء کرام علیہم السلام کی شہادت کے بعد ان کافروں کو کچھ بولنے کی اجازت نہ دی جائے اور نہ ان سے کوئی معذرت اور توبہ طلب کی جائے گی۔ یعنی ان کا کوئی عذر مسموع نہ ہوگا اس لیے کہ عذر اور توبہ کا وقت گزر چکا ہے۔ آخرت تو دار الجزاء ہے نہ کہ دار العمل۔ اب وقت سزا کا ہے نہ کہ کسی عمل کا۔ اور جب وہ لوگ جنہوں نے کفر اور شرک اور گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور گواہوں کی گواہی کے بعد ان کے حق میں عذاب کا فیصلہ ہو گیا۔ یہ لوگ جب عذاب دوزخ کو دیکھیں گے اور دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے تو بلبلائیں گے اور چلائیں گے اور مالک (دوزخ کے مہتمم) سے تخفیف عذاب کی درخواست کریں گے تو ان سے نہ عذاب میں تخفیف کی جائے گی کہ ان سے عذاب کچھ ہلکا اور کم کر دیا جائے اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے۔ کہ چند روز کے وقفہ کے بعد عذاب شروع ہو جائے گا اور جب وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں شرک کیا تھا قیامت کے دن اپنے مقرر کیے ہوئے شریکوں یعنی بتوں اور معبودوں کو دیکھیں گے جنہیں خدا کا شریک کہتے تھے تو بطور اقرار جرم و خطا اپنے اوپر سے الزام اٹھانے کے لیے یہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار یہ ہمارے مقرر کیے ہوئے شریک ہیں جنہیں ہم تیرے سوا معبود کہہ کر اپنی حاجت روانی کے لیے پکارا کرتے تھے انہیں کی وجہ سے ہم گمراہ ہوئے اور انہیں کی وجہ سے ہم مارے گئے۔ ورنہ ہم تو بے قصور ہیں۔ شاید یہ کہنا اس غرض سے ہوگا کہ اس بہانہ سے عذاب میں کچھ کمی واقع ہو جائے یا عذاب تقسیم ہو جائے۔ ڈوبتا

= عظیم مرتبہ اور اسی مرتبہ کے مناسب مسئولیت کی طرف لطیف اشارہ فرمادیا۔ ﴿فَلْيَسْئَلِ الَّذِينَ أُزِيلُوا النَّهْمَةَ وَلْيَسْئَلِ الْمُرْسَلِينَ﴾ ان کے کثرت سے اس کو ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے۔  
۱۵ یعنی یہ کتاب مارے جانے کے لیے سرتاپا ہدایت اور مجسم رحمت ہے فرمانبردار بندوں کو شامدار مستقبل کی خوشخبری مانتی ہے۔

ہوا شکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے اور اپنی خفت اور ندامت دور کرنے کے لیے اس قسم کی باتیں کرتا ہے تو وہ شرکاء ڈر جائیں گے کہ ہم سے باز پرس نہ ہونے لگے۔ اپنی نے تعلق ظاہر کرنے کی غرض سے بات انہیں کی طرف ڈال دیں گے اور فوراً ان کے جواب میں کہیں گے۔ بلاشبہ تم جھوٹے ہو اور تمہارا ہم پر گناہ کا حوالہ کرنا اور اپنے جرم کا ہم کو سبب قرار دینا سب جھوٹ ہے ہم نے تم سے کب کہا تھا کہ ہم خدا کے شریک اور تمہارے حاجت روا ہیں تم ہماری پرستش کرو تم ہماری پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی خواہشوں کی پرستش کرتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ”جو لوگ پوجتے ہیں بزرگوں کو وہ بزرگ بے گناہ ہیں ایک شیطان اپنا وہی نام رکھ کر آپ کو بجاتا ہے اسی سے ان کو کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔“

غرض یہ کہ معبود، عابدوں کی تکذیب کریں گے اور اپنی براءت اور بے تعلقی کا اظہار کریں گے تاکہ ہم پر کوئی آفت اور مصیبت نہ آئے۔ انبیاء اور ملائکہ اور شیاطین جن کو مشرکین نے معبود بنایا ہوا تھا۔ وہ تو ان کی تکذیب کر دیں گے اور کہہ دیں گے کہ تم جھوٹے ہو اور بت اگر چہ دنیا میں نہیں بول سکتے مگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو گویائی عطا کر دے گا تاکہ کفار اور مشرکین پشیمان ہوں کہ ہمارے معبود خود ہم کو جھوٹا بتلا رہے ہیں اور جب پیغمبروں اور فرشتوں کی تکذیب سے یہ بدنصیب ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔ اور ان پر اللہ کا الزام قائم ہو جائے گا تو دوسری فکر کریں گے اور وہ یہ کہ اللہ کی طرف اطاعت اور فرمانبرداری کو ڈالیں گے یعنی جب اپنے معبودوں کی شفاعت سے ناامید ہو جائیں گے تو اپنے گناہ کا اقرار کر کے حکم الہی کے سامنے گردن ڈال دیں گے مگر اس وقت کی اطاعت اور انقیاد کچھ نفع نہ دے گی۔

چوں کار ز دست رفت فریاد چہ سود

اور ان کی ساری افتراء پردازی جاتی رہے گی۔ یعنی دنیا میں جو افتراء کرتے تھے کہ بت ہماری شفاعت اور دستگیری کریں گے۔ وہ سب بیکار ثابت ہوگا۔ بلکہ اس کے برعکس وہ ان کی تکذیب کریں گے۔ اور کہیں گے کہ یہ سب جھوٹے ہیں ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں یہ تو کج بخت خود ہی کافر ہوئے اور دوسروں کو بھی خدا کی راہ سے باز رکھا ہم ان پر عنقریب عذاب زیادہ کریں گے ایک عذاب تو ان کے ذاتی کفر کے مقابلہ میں ہوگا اور دوسرا عذاب بمقابلہ ان کے فساد کے ہوگا کہ دوسروں کو اسلام لانے سے روکتے تھے خود بھی طریق حق کو اختیار نہ کیا اور دوسروں کو بھی اس راہ پر چلنے سے روکا اس لیے دوہرے عذاب کے مستحق ہوئے کفر کرنا اور لوگوں کو خدا کی راہ سے روکنا اور مسلمان کو ستانا اور اس کی تحقیر کرنا اور احکام شریعت کے اجراء و تنفیذ میں مزاحمت کرنا یہی سب سے بڑا فساد ہے کفر اور شرک سے بڑھ کر کوئی فساد نہیں غرض یہ کہ ہر نبی اپنی امت کے اعمال اور احوال پر گواہ ہوں گے۔

اب آئندہ آیت میں مضمون ہذا کی تاکید ہے البتہ اتنی بات زیادہ ہے کہ آئندہ آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی کا ذکر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس دن کو جس دن ہر امت میں سے ان پر ایک گواہ کھڑا کریں گے یعنی اس امت کا پیغمبر جو ان پر گواہی دے گا اور وہ گواہ ان ہی میں سے ہوگا یعنی انہی کی قوم میں سے ہوگا تاکہ ان پر حجت پوری ہو جائے اور عذر و معذرت کی گنجائش نہ رہے اس دن کافروں کی مٹی بہت خراب ہوگی۔ اور ہم لائیں گے تجھ کو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں پر

یعنی تیری امت پر گواہ کہ تو مومنوں کے ایمان کی اور کافروں کے کفر کی گواہی دے اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ہڈی لاء سے انبیاء سابقین علیہم السلام مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب امتیں اپنے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کریں گے اور یہ کہیں گی کہ ہم کو اللہ کا پیغام نہیں پہنچا تو اس وقت آنحضرت ﷺ گواہی دیں گے کہ تمام احکام کو صاف صاف اور اچھی طرح پہنچا دیا۔ اور یہ کفار اور منکرین جھوٹے ہیں اس وقت آنحضرت ﷺ کی فضیلت بلکہ افضلیت اور کافروں کی فضیحت ظاہر ہوگی بہر حال یہ قیامت کے دن تمام انبیاء علیہم السلام پر آپ ﷺ کی نبوت و رسالت اور آپ ﷺ کی سیادت و افضلیت کی دلیل ہے۔

اور علاوہ ازیں آپ ﷺ کی نبوت و رسالت اور آپ ﷺ کی سیادت و افضلیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہم نے آپ ﷺ پر یہ کتاب یعنی قرآن اتارا جس میں دنیا و دین کی سب چیزوں کا بیان ہے یعنی تمام علوم و ہدایت اور اصول دین اس جامع کتاب میں صراحتاً یا اشارتاً اور کنایہ یا بطور حوالہ اس میں موجود ہیں بعض چیزیں صراحتاً قرآن کریم میں مذکور ہیں اور بعض چیزیں قرآن کریم میں اجمالاً اور اشارتاً مذکور ہیں لیکن ان کی تفصیل و تشریح کو خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کے حوالہ کیا ﴿مَّا اَنكُمُ الرَّسُوْلُ فَعُدُوْا وَمَا تَهْلِكُمْ عَنْهُ فَاَنْتَهُمْ وَاَكْبَرُ﴾ اور حکم دیا کہ ہمارے نبی کا اتباع کرو ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُُّوْحٰی﴾

گفتہ اوگفتہ اللہ بود گر چہ از خلقوم عبد اللہ بود

اگر سنت نبوی ﷺ میں کوئی اشتباہ پیش آئے تو علماء ربانیین اور راہنمین فی العلم کا جس چیز پر اجماع اور اتفاق ہو جائے اس کا اتباع کرو جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ”یتبع غیر سبیل ال مومنین میں سبیل المومنین“ سے اہل علم کا اجماع اور اتفاق مراد ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی سنت کے اتباع کا حکم دیا ہے اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان امور میں جن کا حکم صراحتاً کتاب و سنت میں نہ پایا وہاں قیاس اور اجتہاد سے کام لیا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿فَاَعْتَبُوْا اٰیٰتِیْ الْاٰیٰتِیْنَ﴾ اسی طرح سے اجماع اور قیاس بھی علوم قرآنیہ سے ہوگا جس طرح حدیث نبوی ﷺ قرآن کریم کی تفسیر ہے اس کا غیر نہیں اسی طرح اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اور قیاس صحابہ رضی اللہ عنہم حدیث نبوی ﷺ کی شرح اور اس کی توضیح ہے اور کتب تفسیر اس کا غیر نہیں اس طرح سے تمام چیزوں کا بیان قرآن میں ہے اور یہ جامع کتاب یعنی قرآن خدا کے فرمانبردار بندوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے اور بشارت ہے۔ یعنی یہ کتاب مستطاب سارے عالم کے لیے مشعل ہدایت ہے راہ حق دکھاتی ہے اور فرماں برداروں کے لیے باران رحمت اور جنت کی بشارت ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاٰی ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ

اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا اور قربت والوں کے دینے کا اور منع کرتا ہے بے حیائی سے اور نامعقول کام سے۔

اللہ حکم کرتا ہے انصاف کو اور بھلائی کو، اور دینے کو ناتے والے کے، اور منع کرتا ہے بے حیائی کو اور نامعقول کام

فِ الْقُرْآنِ كُوْنِبِنَانَا لِكُلِّ شَيْءٍ لَّرْمَا يَأْتَا۔ یہ آیت اس کا ایک نمونہ ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک خیر و شر کے بیان کو =

وَالْبَغْيَ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۱۵﴾ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا

اور سرکشی سے نہ تم کو سمجھاتا ہے تاکہ تم یاد رکھو ﴿۱۵﴾ اور پورا کرو عہد اللہ کا جب آپس میں عہد کرو اور نہ توڑو اور سرکشی کو، تم کو سمجھاتا ہے شاید تم یاد رکھو۔ اور پورا کرو اقرار اللہ کا، جب آپس میں اقرار دو، اور نہ توڑو

الْإِيمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهُ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۗ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا

قسموں کو پکا کرنے کے بعد اور تم نے کیا ہے اللہ کو اپنا ضامن اللہ جانتا ہے جو قسمیں پکی کئے پیچھے، اور کر اللہ کو اپنا ضامن۔ اللہ جانتا ہے جو

= اس آیت میں اٹھا کر دیا ہے۔ گویا کوئی عقیدہ، طلق، نیت، عمل، معاملہ اچھا یا برا ایسا نہیں جو امر اور نہی اس کے تحت میں داخل نہ ہو گیا ہو۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر قرآن میں کوئی دوسری آیت نہ ہوتی تو تنہا یہی آیت "تبیانا للکل شیئی" کا ثبوت دینے کے لیے کافی تھی۔ شاید اسی لیے ظفر راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خطبہ جمعہ کے آخر میں اس کو درج کر کے امت کے لیے اسوہ حسنہ قائم کر دیا۔ اس آیت کی جامعیت سمجھانے کے لیے تو ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ تاہم تھوڑا سا اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ آیت میں تین چیزوں کا امر فرمایا ہے: (۱) عدل، (۲) احسان، (۳) ایثار یعنی القربی "عدل" کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے تمام عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات، بندبات، اعتدال و انصاف کے ترازو میں تلے ہوں، افراط و تفریط سے کوئی پلہ جھکنے یا ٹھننے نہ پائے۔ سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو جو بات اپنے لیے پسند نہ کرنا ہو اپنے بھائی کے لیے بھی پسند نہ کرے۔ "احسان" کے معنی یہ ہیں کہ انسان بذات خود نیکی اور بھلائی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا چاہے۔ مقام عدل و انصاف سے ذرا اور بلند ہو کر فضل و عفو اور تامل و درحمت کی خواہش اختیار کرے۔ فرض ادا کرنے کے بعد نظروں کی طرف قدم بڑھائے انصاف کے ساتھ مروت کو جمع کرے۔ اور یقین رکھے کہ جو کچھ بھلائی کرے گا خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ ادھر سے بھلائی کا جواب ضرور بھلائی کی صورت میں ملے گا۔ "الأحسان أن تعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك" (صحیح بخاری) "فہل جزاء الإحسان إلا الإحسان" یہ دونوں خصلتیں (یعنی عدل و احسان یا ایثار و دیگر انصاف و مروت) تو اپنے نفس اور ہر ایک خویش و یگانہ اور دوست و دشمن سے متعلق ہیں۔ لیکن اقارب کا حق اجانب سے کچھ زیادہ ہے۔ جو تعلقات قرابت قدرت نے باہم رکھ دیئے ہیں انہیں نظر انداز نہ کیا جائے۔ بلکہ اقارب کی ہمدردی اور ان کے ساتھ مروت و احسان اجانب سے کچھ بڑھ کر ہونا چاہیے۔ صلہ رحم ایک مستقل نکتہ ہے جو اقارب و ذوی الارحام کے لیے درجہ بدرجہ استعمال ہونی چاہیے۔ گویا "احسان" کے بعد ذوی القربی کا با تخصیص ذکر کر کے متنبہ فرما دیا کہ عدل و انصاف تو سب کے لیے یکساں ہے لیکن مروت و احسان کے وقت بعض مواقع بعض سے زیادہ رعایت و اہتمام کے قابل ہیں۔ فرق مراتب کو فراموش کرنا ایک طرح قدرت کے قائم کیے ہوئے قوانین کو بھلا دینا ہے۔ اب ان تینوں نظروں کو ہمہ گیری کو پیش نظر رکھتے ہوئے سمجھ دار آدمی فیصد کر سکتا ہے کہ وہ کون سی فطری خوبی، بھلائی اور نیکی دنیا میں ایسی رہ گئی ہے جو ان تین فطری اصولوں کے معاملہ سے باہر ہو۔ فليله الحسد والحمة۔

فلا منع بھی تین چیزوں سے کیا۔ فحسد یعنی کینہ انسان میں تین قوتیں ہیں۔ جن کے بے موقع اور غلط استعمال سے ساری خرابیاں اور برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ (۱) قوت بھیسہ شہوانیہ، (۲) قوت وسمیہ شیطانیہ، (۳) قوت غضبیبہ سبعیہ، غالباً "فحشاء" سے وہ بے حیائی کی باتیں مراد ہیں جن کا منشاء شہوت و بھیسہ کی افراط ہو "منکر" معروف کی ضد ہے۔ یعنی نامعقول کام جن پر فطرت سلیمہ اور عقل صحیح انکار کرے۔ گویا قوت وسمیہ شیطانیہ کے غلبہ سے قوت عقیبہ ملکیہ دب جائے۔ تیسری چیز "بغی" ہے۔ یعنی سرکشی کر کے مد سے عمل جانا۔ ظلم و تعدی پر کمر بستہ ہو کر ورنہوں کی طرح کھانے پھانے کو دوڑانا، اور دوسروں کے ہان و مال یا آبرو وغیرہ لینے کے واسطے ناحق دست درازی کرنا۔ اس قسم کی تمام حرکات قوت سبعیہ غضیبہ کے بے جا استعمال سے پیدا ہوتی ہیں۔ الحاصل آیت میں تنبیہ فرمادی کہ انسان جب تک ان تینوں قوتوں کو قابو میں نہ رکھے اور قوت عقیبہ ملکیہ کو ان سب پر ماتم نہ بنائے، مہذب اور پاک نہیں ہو سکتا۔

﴿۱۵﴾ اللہ نے اس آیت کو میر کوئن کر اپنی قوم سے کہا "میں دیکھتا ہوں کہ یہ پیغمبر تمام عمدہ اور اعلیٰ اخلاق کا حکم دیتے ہیں اور کہینہ اخلاق و اعمال سے روکتے ہیں تو تم اس کے سامنے میں بلدی کرو۔ فَكُونُوا فِي هَذَا الْأَمْرِ مَعْتَدِينَ وَلَا تَكُونُوا فِيهِ أذْنَابًا (یعنی تم اس سلسلہ میں سرخو، دم نہ خو) حضرت عثمان بن عفون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسی آیت کوئن کر میر سے دل میں ایمان راجح ہوا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جاگزیں ہوئی۔

تَفْعَلُونَ ﴿۱۱﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِي نَقَضَتْ غَزَلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ

تم کرتے ہو فی اور مت رہو جیسے وہ عورت کہ توڑا اس نے اپنا سوت کا تا ہوا محنت کے بعد ٹکڑے ٹکڑے فی کہ ٹھہراؤ کرتے ہو۔ اور نہ ہو جیسے وہ عورت کہ توڑا اپنا سوت کا تا محنت کے پیچھے ٹکڑے ٹکڑے۔ کہ ٹھہراؤ

إِيمَانِكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ۗ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ۗ

اپنی قسموں کو دخل دینے کا بہانہ ایک دوسرے میں اس واسطے کہ ایک فرقہ ہو چڑھا ہو اور دوسرے سے فی یہ تو اللہ پرکھتا ہے تم کو اس سے فی اپنی قسمیں پٹھنے کا بہانہ ایک دوسرے میں، اس واسطے کہ ایک فرقہ ہو کہ زیادہ چڑھا ہو اور دوسرے سے، تو یہ اللہ پرکھتا ہے تم کو اس سے۔

وَلَيَبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً

اور آئندہ کھول دے گا اللہ تم کو قیامت کے دن جس بات میں تم جھگڑ رہے تھے فی اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی اور آگے کھول دے گا اللہ تم کو قیامت کے دن جس بات میں تم پھوٹ رہے تھے۔ اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی

فی اور ہر کی آیت میں جن چیزوں کے کرنے یا چھوڑنے کا حکم تھا ان کے بعض افراد کو با تخصیص بیان فرماتے ہیں۔ یعنی ایفائے عہد کی تاکید اور غدو بد عہد سے ممانعت کی یہ چیز علاوہ فی نذر مہتم بالشان ہونے کے اس وقت مجاہدین کے بہت زیادہ مناسب حال تھی جس کا مسلم قوم کے عروج و رقی اور مستقبل کی کامیابی پر بے انتہاء اثر پڑنے والا تھا۔ اسی لیے حکم دیا کہ جب خدا کا نام لے کر اور قسمیں بکھا کر معاہدے کرتے ہو تو خدا کے نام پاک کی حرمت قائم رکھو۔ کسی قوم سے یا کسی شخص سے معاہدہ ہو (بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہو) مسلمان کا فرض ہے کہ اسے پورا کرے، خواہ اس میں کتنی ہی مشکلات اور صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑے۔ "قول مرداں جان دارد" خصوصاً جب خدا کا نام لے کر اور صلح کر کے ایک معاہدہ کیا ہے تو سمجھنا چاہیے کہ قسم کھانا گویا خدا کو اس معاملہ کا گواہ یا ضامن بنانا ہے۔ وہ جانتا ہے جب تم اسے گواہ بنا رہے ہو، اور یہ بھی جانتا ہے کہ کہاں تک اس گواہی کا لحاظ رکھتے ہو۔ اگر تم نے خیانت اور بد عہد کی، وہ اپنے علم محیط کے موافق پوری سزا دے گا۔ کیونکہ تمہاری کسی قسم کی کھلی چھپی دغا بازی اس سے مخفی نہیں رہ سکتی۔

فی یعنی عہد باندھ کر توڑ ڈالنا ایسی حماقت ہے جسے کوئی عورت دن بھر سوت کا تے، پھر کتا کتا یا سوت شام کے وقت توڑ کر پارہ پارہ کر دے۔ چنانچہ مکہ میں ایک دیوانی عورت ایسا ہی کیا کرتی تھی، مطلب یہ ہے کہ معاہدات کو محض کچے دھاکے کی طرح سمجھ لینا کہ جب چاہا کاتا اور جب چاہا انگلیوں کی ادنی حرکت سے بے تکلف توڑ ڈالتا۔ عاقبت اندیشی اور دیوانگی ہے۔ بات کا اعتبار نہ رہے تو دنیا کا نظام مختل ہو جائے۔ قول و قرار کی پابندی ہی سے عدل کی ترازو سیدھی رہ سکتی ہے۔ جو قومیں قانون عدل و انصاف سے ہٹ کر محض اغراض و خواہشات کی پوجا کرنے لگتی ہیں، ان کے یہاں معاہدات صرف توڑنے کے لیے رہ جاتے ہیں جہاں معاہدہ قائم ہونے سے کمزور دیکھا، سارے معاہدات ردی کی ٹوکری میں پھینک دیے گئے۔

فی یعنی معاہدوں اور قسموں کو فریب و دغا، مکاری اور حیلہ سازی کا آلہ مت بناؤ۔ جس طرح اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ ایک جماعت کو اپنے سے طاقتور دیکھ کر معاہدہ کر لیا پھر جس وقت کوئی جماعت اس سے بڑھ کر معزز اور طاقتور سامنے آئی، پہلا معاہدہ توڑ کر نئی جماعت سے عہد و پیمانہ گانٹھ لیے۔ پھر چند روز بعد ان غلام کو کمزور بنانے اور اپنے کو بڑھانے کا موقع پایا تو فوراً معاہدات توڑ ڈالے اور سب قسمیں اور صلح بالائے طاقت رکھ دیئے۔ بعینہ جس طرح آج کل یورپین اقوام کا معمول ہے۔

فی یعنی قوت و ضعف میں اقوام کا اختلاف ان میں سے کسی کو اوپر چڑھانا کس کو نیچے گرانا، خدا تعالیٰ نے تمہاری آزمائش کے لیے رکھا ہے اور ایفائے عہد کا حکم دینے میں بھی تمہارا امتحان ہے۔ دیکھتے ہیں کون ثابت قدم رہتا ہے کہ اپنا عہد پورا کرنے میں مٹھانے کی قوت و ضعف کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ باقی اقبال و ادبار کسی کے بدلے سے بدلائیں جاتا۔ ادبار کی جگہ اقبال اور ضعف کی جگہ قوت خدا ہی لائے تو آئے۔ ہاں بد عہد کی کا خیال آنا اس کی علامت ہے کہ ادبار آنے والا ہے۔

فی یعنی یہاں امتحان ہے نتیجہ امتحان قیامت کے دن کھل جائے گا۔ جس وقت ضعف و طاقت کے سب جھگڑے چکا دیئے جائیں گے۔

وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۗ وَلِتَسْتَلْنَ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾

فرق کر دیتا لیکن راہ بھلاتا ہے جس کو چاہے اور سمجھاتا ہے جس کو چاہے۔ اور تم سے پوچھ ہوگی جو کام تم کرتے تھے۔ فرق کرتا، لیکن بھکاتا ہے جس کو چاہے اور سمجھاتا ہے جس کو چاہے۔ اور تم سے پوچھ ہونی ہے، جو کام تم کرتے تھے۔

وَلَا تَتَّخِذُوا اِيْمَانَكُمْ دَخْلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمُ بَعْدَ ثُبُوتِهَا وَتَذُوقُوا السُّوْءَ بِمَا

اور نہ ٹھہراؤ اپنی قسموں کو دھوکا آپس میں کہ ڈگ نہ جائے کسی کا پاؤں جنسے کے پیچھے اور تم چکھو سزا اس بات پر کہ تم نے اور نہ ٹھہراؤ اپنی قسمیں رکنے کا بہانہ ایک دوسرے سے کہ ڈگ نہ جائے کسی کا پاؤں جسے پیچھے، اور تم چکھو سزا اس پر کہ تم نے

صَدَدْتُمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا

روکا اللہ کی راہ سے اور تم کو بڑا عذاب ہو۔ اور نہ لو اللہ کے عہد پر مول روکا اللہ کی راہ سے۔ اور تم کو بڑی مار ہو۔ اور نہ لو اللہ کے اقرار پر مول

قَلِيْلًا ۗ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ

تھوڑا سا بیشک جو اللہ کے یہاں ہے وہی بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم جانتے ہو۔ جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ تھوڑا بے شک جو اللہ کے ہاں ہے، وہی بہتر ہے تم کو، اگر تم جانتے ہو۔ جو تم پاس ہے نیز جائے گا اور جو اللہ

اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ مَنْ عَمِلَ

کے پاس ہے کبھی ختم نہ ہوگا۔ اور ہم بدلے میں دیں گے صبر کرنے والوں کو ان کا حق اچھے کاموں پر جو کرتے تھے۔ جس نے کیا پاس ہے سو رہتا ہے۔ اور ہم بدلے میں دیں گے ٹھہرنے والوں کا حق، بہتر کاموں پر جو کرتے تھے۔ جس نے کیا

صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۗ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ

نیک کام مرد ہو یا عورت ہو اور وہ ایمان پر ہے تو اس کو ہم زندگی دیں گے ایک اچھی زندگی کے اور بدلے میں دیں گے ان کو حق ان کا بہتر نیک کام، مرد ہو یا عورت، اور وہ یقین پر ہے، تو اس کو ہم جلا دیں گے اچھی زندگی۔ اور بدلے میں دیں گے ان کو حق ان کا، بہتر

۱۰ یعنی اسے قدرت تھی کہ اختلاف نہ رہنے دیتا، مگر حکمت اس کو مقننی نہ تھی۔ جیسا کہ کئی مواقع میں ہم اس کی تقریر کر چکے ہیں۔

۱۱ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافر سے بھی نذر اور بد عہدی نہ کرے۔ کفر ان باتوں سے بچنا نہیں۔ اور اپنے اوپر وبال آتا ہے۔

۱۲ یعنی عہد شکنی کر کے اور قسمیں توڑ کر بد عہدی کی راہ مت نکالو۔ اور مسلمان قوم کو بدنام نہ کر دو کہ تمہارے خراب اور پست کیر کمز کو دیکھ کر یقین لانے والے ملک میں پڑ جائیں اور غیر مسلم قومیں اسلام میں داخل ہونے سے روکنے لگیں۔ اور تم پر خدا کی راہ سے روکنے کا عہد چڑھے جس کی سزا بڑی سخت ہوگی۔

۱۳ پہلے مذکور تھا آپس میں قول توڑنے کا۔ اب اللہ سے قول توڑنے کا ذکر ہے یعنی مال کی طرح سے خلاف شرع حکم مت کرو، انجام کار ایسا مال و وبال لانے کا۔ جو موافق شرع ہاتھ لگے تمہارے حق میں وہ ہی بہتر ہے۔ (موضح القرآن) یا ایفانے عہد کا جو اجر خدا کے یہاں ملے گا وہ اس ثمن قلیل سے نہیں بہتر ہے۔ ثمن کو قلیل اس لیے کہا کہ اگر ساری دنیا بھی مل جائے تب بھی آخرت کے مقابلہ میں قلیل دھتیر ہے۔

۱۴ پھر باتی و دوائی کو چھوڑ کر فانی و زائل کا پسند کرنا کہاں کی عقل مندی ہے۔

۱۵ یعنی جو لوگ خدا کے عہد پر ثابت قدم رہیں گے اور تمام مشکلات اور مصوحتوں کو صبر کے ساتھ برداشت کریں گے، ان کا اجر ضائع ہونے والا نہیں۔ ایسے =

بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ

کاموں پر جو کرتے تھے سو جب تو پڑھنے لگے قرآن تو پناہ لے اللہ کی شیطان

الرَّجِيمِ ﴿۱۶﴾ إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۱۷﴾ إِنَّمَا

مردود سے فل اس کا زور نہیں چلتا پر جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں فل اس کا

مردود سے۔ اس کا زور نہیں چلتا ان پر جو یقین رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس کا

سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿۱۸﴾

زور تو انہی پر ہے جو اس کو رفیق سمجھتے ہیں اور جو اس کو شریک مانتے ہیں فل

زور انہی پر ہے جو اس کو رفیق سمجھتے ہیں، اور جو اس کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

= بہترین عمل کا بدلہ ضرور ہمارے یہاں سے مل کر رہے گا۔

فکے اور بڑی آیت میں صابریں اور ایفائے عہد کرنے والوں کے اجر کا ذکر تھا۔ یہاں تمام اعمال صالحہ کے متعلق عام ضابطہ بیان فرماتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ جو کوئی مرد یا عورت نیک کاموں کی عادت رکھے، بشرطیکہ وہ کام صرف سورۃ نہیں بلکہ حقیقت نیک ہوں۔ یعنی ایمان اور معرفت محمد کی روح اپنے اندر رکھتے ہوں تو ہم اس کو ضرور پاک، ستھری اور مزید از زندگی عنایت کریں گے۔ مثلاً دنیا میں حلال روزی، قناعت و غنائے علمی، سکون و طمانیت، ذکر اللہ کی لذت، حب الہی کا مزہ، ادائے فرض عبودیت کی خوشی، کامیاب مستقبل کا تصور تعلق مع اللہ کی حلاوت، جس کا ذائقہ کچھ کرایک مارن لے کہا تھا۔

چوں چتر سبھی رخ بختم سیاہ باد در دل اگر بود ہنس ملک نجوم

زانکہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب من ملک نیم روز بیک جو نمی خرم

سچ ہے۔ "أَهْلُ اللَّيْلِ فِي لَيْلِهِمُ الَّذِينَ مِنْ أَهْلِ اللَّيْلِ فِي لَيْلِهِمْ" اسی لیے ایک بزرگ نے فرمایا کہ اگر سلاطین کو خبر ہو جائے کہ شب

بیداروں کو رات کے اٹھنے میں کیا لذت و دولت حاصل ہوتی ہے تو اس کے چھیننے کے لیے اسی طرح نظر رکھی کریں جیسے ملک گیری کے لیے کرتے ہیں۔

بہر حال مومن تانت کی پاک اور مزید از زندگی ہمیں سے شروع ہو جاتی ہے۔ قبر میں پہنچ کر اس کا رنگ اور زیادہ گھبر جاتا ہے۔ آخر انتہاء اس حیات طیبہ پر جوتی ہے جس کے متعلق کہا ہے حَيَاتُهُ بِلَا مَوْتٍ، وَغَنِيٌّ بِلَا فَقْرٍ، وَصِحْحَةٌ بِلَا سَفْهَمٍ، وَمُلْكٌ بِلَا هَلَاكٍ، وَسَعَادَةٌ بِلَا شِقَاوَةٍ، رَزَقْنَا اللَّهُ تَعَالَى بِفَضْلِهِ وَمَتَّعَنَا بِهَا۔

(تنبیہ) اس آیت نے بتا دیا کہ قرآن کی نظر میں عورت اور مرد کی نیکی اور کامیابی کا ایک ہی ضابطہ ہے۔ یعنی عورت اور مرد بلا امتیاز اپنے اپنے حسب مال نیکی کر کے پاک زندگی حاصل کر سکتے ہیں۔

فل مدیث میں ہے "خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ" (تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے) معلوم ہوا کہ مومن کے لیے قراءت قرآن

بہترین کام ہے۔ اور کچھ آیات میں دو مرتبہ بہتر کاموں پر اجر ملنے کا ذکر تھا۔ اس لیے یہاں قراءت قرآن کے بعض آداب کی تعلیم فرماتے ہیں تاکہ آدمی

بے امتیالی سے اس بہتر کام کا اجر ضائع نہ کر بیٹھے۔ شیطان کی کوشش ہمیشہ یہ رہتی ہے کہ لوگوں کو نیک کاموں سے روکے خصوصاً قراءت قرآن جیسے کام کو جو تمام

نیکوں کا سرچشمہ ہے، کب ٹھنڈے دل سے گوارا کر سکتا ہے۔ ضرور اس کی کوشش ہوگی کہ مومن کو اس سے باز رکھے، اور اس میں کامیاب نہ ہو تو ایسی آفات میں مبتلا کر دے جو قراءت قرآن کا حقیقی فائدہ حاصل ہونے سے مانع ہوں۔ ان سب مغویانہ تدبیروں اور پیش آنے والی خرابیوں سے حفاظت کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ جب مومن قراءت قرآن کا ارادہ کرے، پہلے صدق دل سے حق تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور شیطان مردود کی زد سے بھاگ کر خداوند قدوس کی پناہ میں آجائے۔ اصلی استعاذہ (پناہ میں آنا) تو دل سے ہے۔ مگر زبان و دل کو موافق کرنے کے لیے مشروع ہے کہ ابتدائے قراءت میں زبان سے بھی اَعُوْذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھے۔

## تلقین مکارم اخلاق محاسن اعمال و آداب

قَالَ تَعَالَى: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ... إِلَى... وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْفِقُونَ﴾

رابطہ:..... گزشتہ آیت میں یہ بتلایا تھا کہ یہ قرآن ہر شے کا بیان ہے اور وہ ایک جامع کتاب ہے اور ہدایت اور رحمت ہے اور اہل ایمان کے لیے بشارت ہے اب ان آیات میں بتلاتے ہیں کہ یہ قرآن جو اللہ نے آپ ﷺ پر نازل کیا ہے وہ تمام مکارم اخلاق اور محاسن آداب اور اعمال خیر کا حکم دیتا ہے اور تمام برائیوں اور بد اخلاقیوں اور بد اعمالیوں سے منع کرتا ہے اور قوت غضبیہ اور قوت شہویہ کی اصلاح کرتا ہے کہ نہ کوئی فحش بات زبان سے نکالو اور نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ قسم کھا کر توڑو اور نہ خدا سے بد عہدی کرو اور ہر وقت یہ خیال رکھو کہ یہ دنیا دار فانی ہے اور قیامت آنے والی ہے۔ جس دن ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہوگا ایسی کتاب کے کتاب ہدایت اور کتاب رحمت اور کتاب بشارت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اور ایسی کتاب کہ جامعیت اور کاملیت میں کیا تردد ہو سکتا ہے گویا کہ گزشتہ آیت ﴿وَبَيِّنَا لِلنَّاسِ شَيْءًا﴾ الخ کی دلیل اور برہان ہے اور چونکہ یہ آیت اجمالاً تمام عقائد حقہ اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کے حکم پر اور تمام فواحش اور منکرات اور اعمال بد کی ممانعت پر مشتمل ہے تو عجب نہیں کہ شاید اسی جامعیت کے لحاظ سے خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے خطبہ جمعہ کے اخیر میں اس کو درج کرنے کا حکم دیا کہ اس میں تمام اچھی باتوں کا حکم اور تمام بری باتوں سے ممانعت کا حکم اجمالاً مذکور ہے لہذا ایسی کتاب مستطاب پر دروڑ کر ایمان لانا چاہئے۔ بعد ازاں یہ بتلایا کہ ہدایت اور ضلالت سب اس کے قبضہ قدرت میں ہیں جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کرے اور اخیر میں یہ بتلایا کہ شیطان کے پنجہ سے رہائی کا طریقہ یہ ہے کہ شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو اور اللہ پر بھروسہ رکھو چنانچہ فرماتے ہیں۔

تحقیق اللہ تعالیٰ اس کتاب مستطاب (قرآن) میں جو اس نے آپ ﷺ پر نازل کی ہے اور جس میں ہر شے کا بیان ہو اور جو مسلمانوں کے لئے خاص طور پر ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے خاص طور پر تم کو تین باتوں کا حکم دیتا ہے اول عدل اور انصاف کا یعنی بلا کم و بیش سب کے حقوق ادا کرو اور سب چیزوں میں خواہ وہ اعتماد سے متعلق ہوں اور اعتماد اور توسط اور میانہ روی کو ملحوظ رکھو ٹھیک افراط اور تفریط کے درمیان چلو۔ ترازو کا کوئی پلہ ادھر ادھر جھکنے نہ پائے اور نہ اٹھنے پائے ”عدل“ کے معنی لغت میں توسط کے ہیں یعنی دونوں جانہیں برابر رہیں نہ حد سے بڑھے اور نہ گھٹے اور آیت میں عدل سے اعتدال کے معنی مراد ہیں یعنی اعتقاد اور اقوال اور افعال سب میں درجہ اعتدال پر قائم رہو یعنی ہر ایک چیز کو اس کی حد پر رکھو اور اس سے تجاوز نہ کرو تو حیدر عدل ہے اور شرک ظلم ہے عبادت خالق کا حق ہے نہ کہ مخلوق کا کسی کا حق ادا کرنا یہ عدل ہے اور کسی کا حق دوسرے کو دے دینا یہ ظلم ہے۔

۲ یعنی جس نے خدا پر بھروسہ کیا اور اس کی پناہ ڈھونڈی اس پر شیطان زور سے مادی نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا شخص کسی وقت محض تھوڑی دیر کے لیے بے اعتدالی سے شیطان کے چمکے میں آیا بھی تب بھی شیطان اپنا قبضہ اور تسلط اس پر نہیں جما سکتا۔ بہت جلد اس کی آنکھ کھل جائے گی اور غفلت میں تبادی

نہوگی۔ ﴿وَإِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَا مَسَّهُمْ ضَلَالٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ لَمْ يَكُونُوا فِيهَا بِمُغْرَبِينَ وَأَنَّهُمْ يَمُنُّونَ بِآيَاتِنَا وَلَا يُفَعِّرُونَ﴾  
۳ یعنی جو لوگ از خود شیطان کو اپنا رفیق بنا لیں اور بھارتے ایک خدا پر بھروسہ کرنے کے اس پر بھروسہ رکھیں۔ گویا اس کو خدا کی کا شریک ٹھہرائیں یا اس کے اطوار سے دوسری چیزوں کو خدا کا شریک مانیں، انہی پر شیطان کا پورا قبضہ اور تسلط ہے کہ جس طرح چاہتا ہے انہیں بد بھارتا ہے۔



اور دوم یہ کہ اللہ حکم دیتا ہے تم کو احسان اور بھلائی کا یعنی بذات خود لوگوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرو مطلب یہ ہے کہ غیر کے مقدمہ میں عدل و انصاف یعنی برابری چاہے اور اپنی طرف سے احسان اور بھلائی چاہے۔ مقام احسان۔ مقام عدل سے ذرا بلند ہے۔ عدل فرض ہے اور احسان نفل ہے۔ کیونکہ ”احسان“ ایسے ثواب کو کہتے ہیں جو واجب نہ ہو جیسے صدقہ نافلہ۔ مقدار واجب پر کثرت اور کیفیت کے اعتبار سے زیادتی کا نام احسان ہے اور عبادت میں احسان یہ ہے کہ اللہ کی بندگی اس طرح کرے۔ گویا کہ خدا دیکھ رہا ہے اس طرح کی عبادت اپنے ساتھ بھلائی اور نی کوئی ہے۔ اور معاملات میں احسان یہ ہے کہ اپنے حقوق اور انتقام سے درگزر کرے اور دوسرے کو اس کے استحقاق سے زیادہ نفع پہنچا دے۔ اور سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے خویش و اقارب کو دینے کا یعنی صلہ رحمی کا کیونکہ اقارب کا حق اجانب سے زائد ہے۔ عدل و انصاف تو دوست دشمن سب کے لیے برابر اور یکساں ہے اور احسان اور مروت میں بسا اوقات خصوصیت اور رعایت بھی ملحوظ ہوتی ہے یہ صلہ رحمی اگرچہ عدل میں یا احسان میں داخل ہے۔ لیکن صلہ رحمی اور حق قرابت کا لحاظ اور پاسداری ایک مستقل نیکی اور بھلائی ہے اور عظیم احسان ہے اس خصوصیت کے ساتھ ﴿وَإِنَّمَا ذِي الْقُرْبَىٰ﴾ کو علیحدہ ذکر فرمایا۔ کیونکہ قرآن اور حدیث صلہ رحمی سے بھرے پڑے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ لفظ رحم بمعنی قرابت اللہ کے نام پاک رحمن سے مشتق ہے۔ جو رحم (قرابت) کو وصل کرے یعنی ملا دے اللہ اس کو ملا دے اور جو رحم یعنی قرابت کو قطع کرے اللہ اس کو اپنی رحمت سے منقطع کرے یہی وجہ ہے کہ بعض صورتوں میں قریبی حاجت مند رشتہ دار کا نان و نفقہ واجب ہو جاتا ہے اور بعض صلہ رحمی مستحب ہے۔ جیسے رشتہ دار کو ہدیہ اور تحفہ دینا تاکہ باہمی محبت اور الفت قائم رہے۔ بہر حال صلہ رحمی احسان کا فردا کمل ہے اس لیے خاص طور پر اس کو علیحدہ ذکر فرمایا۔ کیونکہ قرابت داروں کی روپیہ پیسہ سے مدد کرنا اور ان کے ساتھ احسان کرنا عظیم عبادت ہے جس میں یہ تین صفتیں عدل اور احسان اور صلہ رحمی جمع ہو گئیں اس کی قوت عقلیہ اور ملکیہ مکمل اور مہذب ہو گئی۔

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب ہدایت اور شریعت نازل کی اس میں خاص طور پر تین حکم دیئے ایک عدل و انصاف کا۔ دوم احسان اور مروت کا۔ سوم صلہ رحمی کا۔ اب آگے ان چیزوں کو بیان کرتے ہیں جن کو خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے وہ بھی تین چیزیں ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے تین چیزوں سے۔

(۱) بے حیائی سے یعنی ان برے کاموں سے جو شہوانی اور نفسانی قوت کے اشارہ پر کیے جائیں جیسے زنا اور

لواطت وغیرہ وغیرہ۔

(۲) اور دوم منع فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تم کو اس کام سے جو نامعقول اور ناپسندیدہ ہو جس کے کرنے والے کو

لوگ برا کہیں۔ ”منکر“ کے معنی نامعقول اور ناپسندیدہ کے ہیں منکر سے وہ امور مراد ہیں جو شریعت کے نزدیک نامعقول اور ناپسندیدہ ہوں اور قوت غضبیہ اور سبعیہ کے اشارہ سے سرزد ہو رہے ہوں جیسے کسی کو قتل کر دینا یا کسی کا مال غصب کر لینا۔ قوت غضبیہ اور سبعیہ ہی انسان کو ایذا رسانی پر آمادہ کرتی ہے اور یہ امر تمام عقلاء کے نزدیک ”منکر“ یعنی ناپسندیدہ ہے۔

(۳) اور سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے تم کو ظلم اور تعدی سے یعنی اپنی حد سے تجاوز کر کے دوسروں پر غلبہ اور فوقیت کا خواہاں ہونا جسے تکبر اور تجبر کہتے ہیں۔ انسان میں جو قوت شیطانیہ اور قوت وہمیہ کا مادہ موجود ہے اس سے ظلم و تعدی اور سرکشی نمودار ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تشبیہ فرمادی کہ ان تینوں قوتوں کو یعنی قوت شہویہ قوت غضبیہ اور قوت شیطانیہ کو قابو میں رکھو اور قوت عقلیہ کو ان پر حاکم بناؤ تو تمہاری دنیا اور دین سب درست ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان اوامروں کو ہی کے ذریعے تم کو نصیحت کرتا ہے اسی میں تمہاری دنیا اور آخرت کی صلاح و فلاح ہے۔

اول کی تین باتیں ہر خیر کی اصل ہیں کسی عارف کا قول ہے کہ ملک اور سلطنت کی بقاء اور استقامت کا دار و مدار انہی چھ چیزوں پر ہے عدل کا ثمرہ فتح و نصرت اور احسان کا نتیجہ حسن ثناء اور نیک نامی ہے اور صلہ رحمی کا فائدہ انس اور الفت ہے اور فحشاء کا نتیجہ دین اور دنیا کی تباہی اور بربادی ہے اور منکر (نامعقول اور ناپسندیدہ) امور کا ثمرہ دشمنوں کو مقابلہ کے لیے آمادہ کرنا ہے اور نبی (یعنی ظلم اور زیادتی) کا نتیجہ مقاصد سے محرومی ہے۔

نکتہ:..... اور اخیر کی تین چیزیں اول کی تین چیزوں کے مقابلہ میں ہیں۔ فحشاء عدل کے مقابلہ میں ہے اور منکر احسان کے مقابلہ میں ہے اور نبی ظلم اور زیادتی ﴿وَإِن تَائِي ذِي الْقُرْبَىٰ﴾ کے مقابلہ میں ہے۔

عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیر و شر کی سب سے زیادہ جامع آیت یہ ہے جو سورۃ نحل میں ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ الخ اخرجہ البخاری فی الادب والبیہقی فی شعب الایمان والحاکم وصححه (روح المعانی: ۲۰۰/۱۴)

اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قرآن کریم میں سب سے زیادہ اعظم اور بزرگ ترین آیت، آیت الکرسی ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ اور خیر و شر کے بارہ میں سب سے زیادہ جامع آیت ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ الخ اور در بارہ تفویض و تسلیم یعنی سب کاموں کو اللہ کو سونپ دینے اور اس پر بھروسہ کرنے کے بارہ میں سب سے بڑھ کر یہ آیت ہے ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۖ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ الخ اور گنہگاروں کے لیے سب سے زیادہ امید دلانے والی یہ آیت ﴿قُلْ يَاعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا عَلَي أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ﴾ الخ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور انس رضی اللہ عنہ بن صفی رضی اللہ عنہ وغیرہ اس آیت کو سن کر مشرف باسلام ہوئے کہ یہ آیت اعلیٰ ترین مکارم اخلاق کا حکم دیتی ہے اور تمام بے حیائیوں اور برائیوں سے منع کرتی ہے۔ امام سیوطی رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ بعض بنو امیہ اپنے خطبوں کے اخیر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا غیر مناسب الفاظ سے ذکر کرتے تھے۔ جب عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ جب سنہ ۹۹ ہجری میں خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس کو ممنوع قرار دیا اور حکم دیا کہ خطبے کے اخیر میں یہ آیت پڑھی جائے ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ الخ اور سب سے پہلے خود عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو خطبہ میں پڑھا۔ بحمدہ تعالیٰ آج بھی یہ سنت حسنہ جاری ہے۔

اور سب سے پہلے خطبہ میں ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ الخ خلیفہ مہدی عباسی رضی اللہ عنہ نے پڑھا۔

بجہ اللہ آج تک اس سنت پر بھی عمل جاری ہے۔ (روح البیان: ۵/۳۷، روح المعانی: ۱۳/۲۰۰)

### ایفائے عہد کی تاکید اور غدر اور بد عہدی سے ممانعت اور تہدید

گزشتہ آیت میں اجمالی طور پر مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا ذکر تھا اب ان میں سے بعض اہم امور کا خاص طور پر ذکر کرتے ہیں یعنی عہد کی پابندی کی تاکید فرماتے ہیں جس پر تمام دینی امور اور دنیوی کاموں کا دار و مدار ہے۔  
یایوں کہو کہ گزشتہ آیت میں عدل و انصاف کا حکم تھا جس میں ایفاء عہد بھی داخل تھا اور غدر اور بد عہدی منکر اور نفی میں داخل تھی۔

اب آگے خاص طور پر ایفاء عہد کی تاکید اور غدر اور بد عہدی کی ممانعت کا ذکر فرماتے ہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں عام طور پر ان چیزوں کا اہتمام نہ تھا اور عہد و پیمان کی کوئی پروا نہ تھی جدھر قوت و کثرت دیکھی ادھر جھک گئے اور کمزور جماعت کے عہد و پیمان کو پس پشت ڈال دیا جیسا کہ آج کل مغربی اقوام کا شیوہ ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور تم پورا کرو اللہ کے عہد کو جب عہد کر لو۔ سب سے پہلا عہد جو بندوں نے خدا کے ساتھ کیا وہ عہد الست ہے۔ اس کے علاوہ جس قدر عہد ہیں خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے وہ سب اس حکم میں داخل ہیں اور ان کا ایفاء واجب اور لازم ہے اور مت توڑ و قسموں کو پختہ کرنے کے بعد اللہ کا نام لینے سے قسم پختہ ہو جاتی ہے۔ اور حالانکہ تم عہد کرتے وقت اور قسم کھاتے وقت اللہ کو اپنے اوپر ضامن بنا چکے ہو اس کے بعد اگر تم نے عہد شکنی کی اور قسم کو توڑا تو معلوم ہوا کہ تمہیں اللہ کی پروا نہیں تو خوب سمجھ لو کہ بلاشبہ اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو قیامت کے دن تمہارے ایفاء اور عہد شکنی کی جزا و سزا دے گا۔ اور عہد شکنی کر کے تم اس عورت کی مانند بنو۔ جس نے اپنا سوت کا تنے کے بعد توڑ ڈالا اور بوٹی بوٹی کر کے اس نے نوج ڈالا۔ قریش میں ایک عورت تھی جس کا نام ریطہ تھا وہ بڑی بیوقوف اور احمق تھی۔ صبح سے لے کر دوپہر تک خود بھی سوت کا تنی اور اپنی لڑکیوں سے بھی کوتاہی۔ جب دوپہر ہو جاتی تو وہ عورت ان کو حکم دیتی کہ جس قدر سورت تم نے کا تا ہے سب توڑ ڈالو۔ ہمیشہ ہی اس کی عادت تھی۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ محض تمثیل ہے کسی عورت کی طرف اشارہ نہیں اس سے فقط مثال دینا مقصود ہے کہ عہد کا توڑنا ایسا ہی ہے جیسے سوت کا تنے کا اس کو توڑ ڈالنا۔ حق تعالیٰ نے عہد کے توڑنے کو تاگا توڑنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور یہ نصیحت فرمائی ہے کہ جس طرح وہ احمق عورت اپنے تاگے کو توڑ دیتی تھی تم اس کی طرح اپنے عہد کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو کیا ۱ تم اپنی قسموں کو آپس میں دھو کہ اور فریب اور دخل کا ذریعہ اور بہانہ بنانا چاہتے ہو کہ تمہاری قسم سے مطمئن ہو کر دوسرا دھو کہ کھا جائے اور تمہارا یہ قسم توڑنا محض اس بنا پر ہے کہ ایک گروہ مال و دولت اور عددی

۱ اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿تَجْعَلُونَ أَيْمَانَكُمْ﴾ جملہ مستلفہ ہے اور حرف استفہام مقدر ہے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں، فقوله تعالى ﴿تَجْعَلُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ﴾ استفہام علی سبیل الانکار۔ والمعنى انتخذون أيمانكم دخلاً بينكم، بسبب ان تكون امة ازید فی القوة والكثرة من امة الاخرى (تفسیر کبیر: ۳۵۹/۵) اور بعض مفسرین کرام یہ فرماتے ہیں کہ ﴿تَجْعَلُونَ أَيْمَانَكُمْ﴾ جملہ حالیہ ہے لا تکونوا کی ضمیر مستتر سے حال ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم عہد توڑ کر اس احمق عورت کے مشابہ نہ بنو۔ در آنحالیکہ تم قسموں کو آپس میں دھو کہ کا ذریعہ بناؤ۔

کثرت میں دوسرے گروہ سے بڑھا ہوا ہے عرب کے لوگ ایک قوم کے ساتھ عہد کر لیتے اور وہ قوم ان کی طرف سے اطمینان کر لیتی۔ پھر جب دوسری قوم کو ان سے مال و دولت اور قوت اور عددی کثرت میں زیادہ دیکھتے تو ان سے عہد کر لیتے اور کمزور قوم کا عہد توڑ دیتے اور حیلے اور بہانے بنا کر ان سے غدر کر دیتے جیسے آج کل مغربی اقوام کا یہی شیوہ بنا ہوا ہے خدا تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور وفاء عہد کا حکم دیا۔

جزایں نیست کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس حکم سے آزما تا ہے کہ دیکھیں عہد پورا کرتے ہیں یا جس کا پلہ قوت اور کثرت میں جھکا ہوا دیکھا ادھر جھک جاتے ہیں اور بے شک اللہ قیامت کے دن اس چیز کی حقیقت کو ظاہر کر دے گا۔ جس میں تم اختلاف کرتے تھے تم نے عہد توڑتے وقت یہ خیال کیا کہ جو جماعت زبردست اور کثیر التعداد ہے اس کے ساتھ ملنے میں عزت ہے سو خوب سمجھ لو کہ یہ عزت نہیں بلکہ ذلت ہے اور دنیا و آخرت میں نصیحت اور رسوائی کا ذریعہ ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے تمہاری اس عہد شکنی کی حقیقت کو ظاہر کر دے گا۔ اور سب کے سامنے تم کو فضیحت کرے گا اور یہ دنیا دار ابتلاء اور دار امتحان ہے اس لیے اس نے تم کو دنیا میں مختلف بنایا ہے کہ تمہارا امتحان کرے اگر وہ چاہتا کہ تم کو ابتلاء اور آزمائش میں نہ ڈالے تو البتہ وہ کر دیتا تم سب کو ایک گروہ کہ سب اسلام پر متفق ہوتے لیکن اس کی حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ باہم رہیں اور ایک دوسرے کے مخالف اور دشمن بنے رہیں وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور ظالم بنا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور دنیا میں اس کو مظلوم بنا دیتا ہے اسی وجہ سے دنیا میں بعض مومن اور اکثر کافر ہیں اور دونوں امتحان کے میدان میں ہیں۔

قال الله تعالى ﴿وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَن رَّزَقْنَا وَرَبُّكَ وَلِيْلِكَ خَلَقَهُمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس باہمی اختلاف اور باہمی عداوت کے لیے سب کو پیدا کیا مگر جن پر اللہ تعالیٰ کا رحم ہوا انہوں نے حق سے اختلاف نہیں کیا اور نہ اہل حق کے دشمن بنے۔ بہر حال اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو سب کو ایک دین پر کر دیتا لیکن اس کی مشیت اور حکمت یہ ہے کہ لوگ اس دار ابتلاء (دنیا) میں باہم مختلف رہیں کوئی ہادی اور مہتدی ہو اور کوئی ضال اور مضل ہو کوئی مظلوم ہو اور کسی کی مجال نہیں کہ کوئی اس کے ارادہ اور مشیت کی علت اور حکمت پوچھ سکے وہ مالک مطلق ہے اس سے کوئی سوال اور باز پرس نہیں ہو سکتی۔ البتہ تم اس کے بندے ہو۔ اس لیے قیامت کے دن تم سے ضرور ان باتوں کی باز پرس ہوگی جو تم دنیا میں کرتے تھے۔ پھر اس محاسبہ اور مواخذہ کے بعد تم میں سے نیکو کار کو جزاء ملے گی اور گنہگار کو سزا ملے گی اور قیامت کے دن جن چیزوں پر باز پرس ہوگی اس میں تمہارا نقص عہد بھی ہوگا اور عہد شکنی پر خاص طور پر محاسبہ اور مواخذہ ہوگا۔

اب آگے پھر اپنے عہد پر قائم رہنے کی تاکید اور بد عہدی پر تہدید فرماتے ہیں۔ اور مت بناؤ اپنی قسموں کو آپس میں دغا اور دخل اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارا قدم جم جانے کے بعد پھسل جائے گا۔ یہ ایک مثل ہے ایسے شخص کی جو سیدھی راہ پر تھا پھر اس کا قدم ڈگمگا گیا مطلب یہ ہے کہ جھوٹی قسموں کو کمزور فریب کا ذریعہ بنا کر راہ راست سے نہ ہٹو۔ استقامت کے بعد طریق ہدایت سے ہٹنا بہت برا ہے اور تم چکھو دنیا میں سزا اس بات کی کہ تم نے عہد شکنی کر کے لوگوں کو راہ خدا سے روکا کیونکہ تمہیں دیکھ کر دوسرے بھی عہد شکنی کریں گے اور غیر مسلم سمجھیں گے کہ جب مسلمان عہد شکن ہیں تو ان کا مذہب بھی عہد

شکنی کی تعلیم دیتا ہوگا۔ کم از کم ان کے مذہب میں عہد شکنی کی ممانعت نہ ہوگی یہ دیکھ کر غیر مسلم اسلام سے متنفر ہو جائیں گے اور جس کا اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ بھی ہوگا وہ اسلام میں داخل نہ ہوگا اس طرح تم لوگوں کو راہ خدا سے روکنے کا ذریعہ بنو گے۔ اور تم کو دنیا میں اس کی برائی چکھنی ہوگی اور آخرت میں تمہارے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا۔ جو دنیا کے عذاب سے کہیں زیادہ سخت ہوگا۔ اور چونکہ انسان بعض مرتبہ مال و منال اور جاہ و جلال کو دیکھ کر حرص و طمع میں عہد شکنی کرتا ہے اس لیے آئندہ آیت میں اس کی ممانعت فرماتے ہیں۔

اور اللہ کے عہد کے عوض دنیا کا تھوڑا سا ممول نہ لو یعنی مالی و منالی کے حصول کی غرض سے عہد شکنی نہ کرو اور اللہ کے نزدیک ساری دنیا ہی متاعِ قلیل ہے بے شک جو اجر و ثواب اللہ کے پاس ہے عہد پورا کرنے کے لیے وہ کہیں بہتر ہے اس مال و متاع سے جو تم کو عہد شکنی پر حاصل ہو اگر ہو تم جانتے۔ خوب سمجھ لو کہ دنیا کا جو غرضی مال و منال ہے وہ نبرہ جائے گا اور ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گا اور جو اجر و ثواب دارِ آخرت میں اللہ کے پاس تمہارے لیے ذخیرہ ہے وہ باقی رہے گا اس کے لیے فناء اور زوال نہیں باقی کے بدلہ میں فانی کو اختیار کرنا نادانی ہے مگر باقی کی امید پر اس دار فانی کے فانی مال و متاع کو ترک کرنے کے لیے صبرِ عظیم چاہئے اور یہ خیال نہ کرو کہ اس صبر کا اجر مشکوک اور موہوم ہوگا۔ بلکہ قطعی اور یقینی ہے ہم پختہ وعدہ کرتے ہیں کہ ان لوگوں کو جنہوں نے ایفاء عہد اور دیگر احکامِ دین کی بجا آوری میں جو نکالیف اور مصائب پیش آئیں ان پر صبر کیا۔ یعنی باوجود کفار کے جو رستم کے صبر سے کام لیا اور اپنے عہد و پیمانہ پر قائم رہے ہم ضرور ان کو اجر دیں گے اور ان کے اعمال کا بہتر سے بہتر بدلہ دیں گے کہ ایک نیکی کا بدلہ کم از کم دس دیں گے جو ہر حال میں ان کے عمل سے بہتر ہوگا اور صبر کو احسن اعمال اس لیے فرمایا کہ تمام اعمالِ صالحہ کی جز اور بنیاد صبر ہے یا یہ معنی ہیں کہ ہم ان کو بہترین اعمال کے اعتبار سے اجر و ثواب دیں گے یعنی ادنیٰ عمل کے مقابلہ میں وہی اجر و ثواب دیں گے جو اعلیٰ اور بہترین عمل کے مقابلہ میں دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے سارے اعمال قبول کریں گے اور کمتر کا ثواب بہتر دیں گے (روح المعانی: ۲۰۵/۱۳) یہاں تک ایفاء عہد کی تاکید اور نقض عہد پر تہدید تھی اب آئندہ آیت میں تمام اعمالِ صالحہ کے متعلق ایک عام ضابطہ بیان فرماتے ہیں جس نے نیک عمل کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ صاحبِ ایمان ہو اس لیے کہ بغیر ایمان کے اعمالِ صالحہ مقبول نہیں تو ہم ایسے شخص کو دنیا میں پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔ یعنی اس کو حلال روزی اور قناعت اور بھلائی کی توفیق دیں گے یہ پاکیزہ زندگی ہے جو شخص کفاف یعنی بقدر کفایت رزق پر قناعت کرے اور حرص و طمع میں نہ پڑے اس کی زندگی پاکیزہ ہے اور جو حرص و طمع میں پڑا اس کی زندگی بڑی گندی ہے اور ہم ان کو ان کے اعمال کا بہترین ثواب دیں گے جو ان کے اعمال سے کہیں بہتر اور برتر ہوگا حیاتِ طیبہ سے سکون اور اطمینان کی زندگی مراد ہے اور یہ زندگی مطیعین اور صالحین کو حاصل ہوتی ہے۔ حضراتِ انبیاء اور اولیاء کو مصائب اور نکالیف ضرور پیش آتی ہیں۔ رنج و غم بھی لاحق ہوتا ہے لیکن پریشانی نہیں ہوتی۔ جو حیاتِ طیبہ کے منافی ہو۔ ہرچہ از دوست می رسد نیکو است بلکہ ایلام دوست بہ از انعام دوست کا مضمون ہوتا ہے۔ مصائب پیش نہ آئیں تو صبر کی فضیلت کہاں سے حاصل ہو دوا اگر تلخ بھی ہو تو بہ ہزار رضا و رغبت اس کو استعمال کرتے ہیں کیونکہ نظر اس کے فوائد اور منافع پر ہوتی ہے بہر حال ایمان اور عملِ صالح سے قلب میں حق تعالیٰ کی محبت اور عظمت اور قناعت اور رضا و تسلیم کی کیفیت

پیدا ہو جاتی ہے جس سے ایسی راحت بخش اور پر لطف و پرسکون زندگی گزرتی ہے جہاں فقیری اور رویشی میں امیری بھی بچ معلوم ہونے لگتی ہے ذرا اگرچہ طبعاً تلخ ہوتی ہے مگر عقلاً شیریں اور خوشگوار ہوتی ہے۔ کیونکہ عقل کی نظر دوا کے فوائد پر ہوتی ہے اسی طرح مصائب و آلام میں صاحب بصیرت کی نظر مصائب کے اجر اور ثمر پر ہوتی ہے کہ ان مصائب کا ثمرہ خداوندی اور تکفیر سینات اور رفع درجات ہے ایسی حالت میں رنج و غم مسرت اور فرحت سے بدل جاتا ہے۔ دنیاوی زندگی میں اگرچہ راحت اور آرام کے کتنے ہی سامان کیوں نہ ہوں مگر تفکرات اور ترددات بھی ساتھ لگے ہوتے ہیں اور بقدر کفایت حلال روزی اور قناعت اور رضا بالقضاء، اللہ کی عجب نعمت ہے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے قناعت کی دولت عطا کی ہے وہ تنگ دستی اور قلت معیشت کے حالات میں بھی پریشان نہیں ہوتے ان کے دل حرص و حسد اور طمع اور غرض سے پاک و صاف ہوتے ہیں ان کے اخلاق و عادات ایسے شائستہ ہوتے ہیں کہ ہر شخص ان سے محبت کرنے لگتا ہے کوئی ان کا دشمن نہیں ہوتا ایسی زندگی پاکیزہ ہوتی ہے۔

خوش آنانی کہ از غم رستگارند بہ کنج بے خودی بنشستگانند  
چو شب نسیبند بے کین و ستیزند سحرز آنسان کہ می نسیبند و خیزند  
نہ زیشاں بردل مردم غبارے نہ از مردم بریشاں بچ بارے

### تعلیم طریقہ حفاظت از شر شیطانی

اوپر کی آیت میں نیک کام کرنے والوں کی بشارت کا ذکر تھا اور ظاہر ہے کہ عمل صالح کی صلاح اور زبردستی پر موقوف ہے کہ وہ شیطان کے دوسے سے محفوظ رہے اس لیے آئندہ آیت میں وہ تعلیم فرماتے ہیں جس سے اعمال و مساوی شیطانی سے محفوظ رہیں اور وہ تعوذ ہے یعنی اللہ سے پناہ مانگنا۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیت میں عمل صالح کا ذکر تھا اور قرآن کی تلاوت بہترین عمل صالح ہے اور قرب خداوندی کا بہترین ذریعہ ہے اس لیے آیت آئندہ میں قراءت قرآن کا ادب بیان فرماتے ہیں۔ پس اے بندہ اگر تو اعمال صالحہ میں سے قراءت قرآن جیسے عمل صالح کا ارادہ کرے تو اللہ کی پناہ ڈھونڈھ راندے ہوئے شیطان سے کیونکہ استعاذہ بھی عمل صالح ہے جو شیطان سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے تحقیق شیطان کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان لے آئے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس کا قابو تو صرف ان لوگوں پر چلتا ہے جو اسے دوست بنائے ہوئے ہیں۔ اور اس کے اشاروں پر چلتے ہیں جس طرح چاہتا ہے شیطان ان کو انگلیوں پر نچاتا ہے اور اس کا قابو ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس کے بہکانے سے شرک کرتے ہیں۔ بعض مرتبہ اگرچہ اہل ایمان بھی شیطان کے بہکانے سے گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ اور دھوکہ کھا جاتے ہیں مگر اہل ایمان شیطان کو اپنا بدترین دشمن سمجھتے ہیں جب شیطان ان کو بہکاتا ہے تو حتی الوسع اس کا مقابلہ کرتے ہیں اور اگر کسی وقت پٹنٹی کھا جاتے ہیں تو کھڑے ہو جاتے ہیں اور توبہ استغفار کرنے لگتے ہیں کما قال تعالیٰ هُوَ الَّذِي يُفْتِنُ إِذَا مَسَّهُمْ طَلِيفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَدَّ كُرُوزًا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ ﴿۱۰﴾ وَأَخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغِيِّ ثُمَّ لَا

يُفَصِّرُونَ ﴿۱۰﴾ سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شیطان کے زور کے معنی یہ ہیں کہ بے دھوک گناہ کرتے ہیں اور شرماتے نہیں اور توبہ نہیں کرتے۔

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنزِّلُ ۖ قَالُوا إِنَّمَا آنتَ مُفْتَرٍ ۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ

اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کی جگہ دوسری آیت اور اللہ خوب جانتا ہے جو اتارتا ہے تو کہتے ہیں تو تو بنا لاتا ہے یہ بات نہیں پر انہوں کو اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کی جگہ دوسری، اور اللہ بہتر جانتا ہے جو اتارتا ہے، تو کہتے ہیں تو تو بنا لاتا ہے۔ یوں نہیں، پر ان بہتوں کو

لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۱﴾ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى

ان میں خبر نہیں، تو کہہ، اس کو اتارا ہے پاک فرشتے نے تیرے رب کی طرف سے بلاشبہ ۱۱ تاکہ ثابت کرے ایمان والوں کو اور ہدایت خبر نہیں۔ تو کہہ، اس کو اتارا ہے پاک فرشتے نے تیرے رب کی طرف سے تحقیق، تاکہ ثابت کرے ایمان والوں کو اور راہ کی سوجھ

وَأُنشُرَى لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ نَعَلُمْ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ۖ لِسَانُ الَّذِي

اور خوشخبری مسلمانوں کے واسطے ۱۲ اور ہم کو خوب معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں اس کو تو سکھاتا ہے ایک آدمی ۱۳ جس کی طرف اور خوشخبری مسلمانوں کو۔ اور ہم کو معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں اس کو تو سکھاتا ہے آدمی۔ جس پر

۱۱ پہلے حکم دیا تھا کہ قرآن پڑھتے وقت شیطان رحیم کے کبیدے سے پناہ ڈھونڈ لیں وہ اس بہترین کام میں رکاوٹ اور خرابی نہ ڈالے۔ یہاں اس کی بعض رکاوٹوں کا ذکر کرتے ہیں جو قرآن کے متعلق پیدا کرتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ پورا قرآن ایک مرتبہ تو نازل ہوا نہیں، موقع بموقع آیات نازل ہوتی تھیں۔ ان میں بعض وقتی احکام بھی آتے تھے۔ پھر دوسرے وقت حالات کے تبدیل ہونے پر دوسرا حکم آجاتا تھا مثلاً ابتداء میں قتال سے ممانعت اور ہاتھ روکے رکھنے کا حکم تھا۔ ایک زمانہ کے بعد اجازت دی گئی۔ یا ابتداء میں حکم تھا۔ ﴿فَمَنْ أَلِيَّلَ إِلَّا قَلِيلًا نِصْفَةً أَوْ انْقُصَ مِنْهُ قَلِيلًا﴾ تھوڑی مدت کے بعد مکہ ہی میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ ﴿وَعَلِمَ أَنَّ لَنْ تُخْضَعُوا فَثَابَ عَلَيْهِمْ فَأَقْرَرُوا وَمَا أَفْشَرُ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ کفار ایسی چیزوں کو کن کر اعتراض کرتے کہ یہ خدا کا کلام کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا خدا تعالیٰ نے (معاذ اللہ) پہلے بے خبری سے ایک بات کا حکم دے دیا تھا؟ پھر خبر ہوئی تو دوسرا حکم اتارا؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام آپ خود بنالاتے ہیں۔ درنہ خدا کے احکام ایسے نہیں ہو سکتے ایک دن کچھ دوسرے دن کچھ۔ اس طرح کے شبہات و وساوس ممکن تھا شیطان بعض مسلمانوں کے دلوں میں اتار کرے۔ اس کا جواب دیتے ہیں کہ تمہارا یہ اعتراض محض جہالت سے ہے۔ تم کو اگر "سبح" کی حقیقت معلوم ہوتی تو بھی ایسا لفظ زبان سے نہ نکالتے "سبح" کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ ایک میعاد حکم کی میعاد پوری ہونے پر دوسرا حکم بھیجا جائے۔ کیا طیب منبج کا نسخہ دس دس دن پلا کر اگر سہل تجویز کرے تو اسے طیب کی تم علی یا بے خبری پر معمول کیا جاسکتا ہے؟ جو ایسا کہے وہ خود جاہل اور بے خبر کہلاتے گا۔ حق تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ جس وقت جو حکم اتارا گیا یعنی جو روحانی تدابیر تجویز کی گئی وہ کہاں تک مریضوں کے مزاج اور حالات کے مناسب ہے۔

۱۲ یعنی میرا کسی بشر کا بنایا ہوا کلام نہیں۔ یہ تو وہ کلام ہے جو بلاشبہ میرے رب نے روح القدس (پاک فرشتہ جبرائیل امین) کے ذریعہ سے عین حکمت و مصلحت کے موافق مجھ پر نازل فرمایا گویا "مِنْ رَبِّكَ" "کہہ کر متنبہ فرما دیا کہ اس کی نازل کرنے والی وہ ہستی ہے جس نے خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر حیرت انگیز طریقہ سے ایسے اعلیٰ و اکمل اخلاق پر تربیت فرمائی جو تمہارے سامنے ہے۔ اور "روح القدس" کا واسطہ بیان فرما کر شاید اس طرف اشارہ کرنا ہو کہ جس کلام کا حامل "روح القدس" بنایا گیا، وہ روحانیت، پاکیزگی اور ملکوتی خصال کا تکرار ہونا چاہیے۔ چنانچہ دیکھ لو ان اوصاف میں اس شان کا کیا کوئی دوسرا کلام آسمان کے نیچے نظر آتا ہے۔

۱۳ یعنی موقع بموقع اور بتدریج احکام و آیات کا نزول دیکھ کر ایمان والوں کے دل قوی اور اعتماد بخندہ ہوتے ہیں کہ ہمارا رب ہمارے ہر حال اور زندگی کے ہر ایک دور سے پورا خبردار ہے اور نہایت حکمت سے ہماری تربیت کرتا ہے۔ جیسے حالات پیش آئیں ان کے موافق ہدایت و راہنمائی کرتا اور ہر کام پر اس کے مناسب خوشخبری سناتا ہے۔





منکرین نبوت کے چند شبہات اور ان کے جوابات

قَالَ تَعَالَى: ﴿وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ... إِلَى... وَأُولَئِكَ هُمُ الْكٰذِبُونَ﴾

رابطہ:..... اب یہاں سے منکرین نبوت کے چند شبہات نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہیں۔ اصول دین میں پہلی اصل توحید ہے اور دوسری اصل نبوت ہے دلائل توحید کے بعد نبوت کے متعلق چند شبہات کا جواب دیتے ہیں۔ قرآن مجید کا جب کوئی حکم منسوخ ہو جاتا تو کفار کہتے کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب (رضی اللہ عنہم) سے مسخرہ پن کرتے ہیں کبھی ایک چیز کا حکم دیتے ہیں اور پھر اس سے منع کر دیتے ہیں۔ ﴿وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ﴾ میں اس شبہ کا ذکر فرمایا اور بتلا دیا کہ نسخ احکام کے مصداق کو ہم خوب جانتے ہیں تم نہیں جانتے۔ اللہ کا ہر حکم مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔

اور منکرین نبوت دوسرا شبہ یہ کرتے تھے کہ محمد ﷺ انبیاء سابقین اور امم سابقہ کے حالات کسی سے سن کر اور سیکھ کر آتے ہیں اور ان سنی سنائی اور سیکھی سکھائی باتوں کو اللہ کا کلام کہہ کر لوگوں کے سامنے آکر بیان کر دیتے ہیں اس پر آیت نازل ہوئی ﴿وَلَقَدْ تَعَلَّمُوا أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ﴾

اس آیت کریمہ میں ان کے اس شبہ کا یہ جواب دیا کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آپ ﷺ کسی سے سن کر یہ قصے بیان کرتے ہیں تو یہ بتلاؤ کہ ایسی فصیح و بلیغ عبارت آپ ﷺ نے کیسے بنالی جس کے معارضہ اور مقابلہ سے تمام بلغاء عرب عاجز و در ماندہ ہیں کیا یہ عربی عبارت بھی اسی غلام نے آپ ﷺ کو سکھائی ہے وہ غلام تو عجیبی ہے۔ عربی زبان میں بات بھی نہیں کر سکتا۔ یہ فصاحت و بلاغت تو درکنار۔ اور اگر بالفرض یہ بھی مان لیا جائے تو تم بھی اس عجیبی غلام سے قرآن جیسی ایک سورت بوالاؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلتے ہیں اور ایک آیت اور حکم منسوخ کر کے دوسری آیت اور دوسرا حکم نازل کرتے ہیں حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے جو وہ نازل کرتا ہے اور جو حکم اس نے پہلے نازل کیا اور جو بعد میں نازل کیا اس کی حکمت اور مصلحت وہی خوب جانتا ہے تو کافر کہتے ہیں کہ بس تو تو مفتری ہے اپنی طرف سے ایک حکم بناتا ہے اور اپنے ساختہ اور پرداختہ کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اللہ کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ ایک حکم کو نازل کرے اور پھر اسے منسوخ کر دے اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کا یہ جواب ارشاد فرمایا کہ اللہ جو حکم نازل کرتا ہے وہ اس کی حکمت اور مصلحت سمجھتا ہے جس وقت جو حکم مناسب معلوم ہوتا ہے وہی حکم دیتا ہے۔ اس کی مثال طبیب کا نسخہ بدلنے کی ہے طبیب کا نسخہ نہ پہلا غلط ہے نہ پچھلا۔ طبیب مرض کے حال کے مطابق نسخہ تجویز کرتا ہے پس اس پر اعتراض کرنا حماقت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ تو مفتری نہیں بلکہ ان میں کے اکثر جاہل اور نادان ہیں نسخ احکام کی حکمت اور مصلحت کو نہیں سمجھتے۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ یہ مرا کلام نہیں بلکہ اللہ کا کلام اور اس کا پیغام ہے جس کو پاک روح یعنی جبرئیل امین علیہ السلام تیرے پروردگار کی طرف سے حق کے ساتھ لے کر نازل ہوئے اس میں کذب اور افتراء کو ذرہ برابر دخل نہیں۔ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے مرتبہ اعجاز کو پہنچا ہوا ہے اور معنوی انوار و برکات کے لحاظ سے قلب کو منور اور مطمئن کرتا ہے جو پروردگار عالم نے یہ کلام بندوں کی تربیت کے لیے نازل فرمایا ہے تاکہ اہل ایمان کو دین پر ثابت قدم رکھے اور ان کی

نورانیت اور قوت اور سکینت سے اور طمانینت میں زیادتی کرے تاکہ ان کے پائے استقامت میں تزلزل نہ آنے پائے اور سمجھ جائیں کہ ہمارا پروردگار ہمارے احوال سے خبردار ہے۔ اور اطاعت شعاروں کے لیے ہدایت اور بشارت بنے۔ ہدایت کا مطلب یہ ہے کہ ظلمت و تاریکی میں ان کی راہ نمائی کرے اور راہ حق ان کو سمجھاوے اور بتلاوے۔ اور بشارت کا مطلب یہ ہے کہ فرمانبرداروں کو جنت کی خوشخبری دے تاکہ یہ مسلمین، مومنین، مخلصین کے درجے کو پہنچ جائیں۔

### کافروں کا دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

اور البتہ تحقیق ہم خوب جانتے ہیں کہ کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن نہ اللہ کا کلام ہے اور نہ کوئی فرشتہ اس کو لے کر نازل ہوا بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو ان کو ایک آدمی سکھلاتا ہے۔

مکہ میں بلعام نامی ایک نصرانی لوہار تھا اس کی زبان عجیب تھی۔ مشرک کہتے تھے کہ محمد ﷺ کو قرآن بلعام سکھاتا ہے خدا تعالیٰ نے ان کے اس بہتان کا یہ جواب دیا کہ زبان اس شخص کی جس کی طرف وہ قرآن کے سکھانے کو منسوب کرتے ہیں عجیب ہے اور غیر فصیح ہے اور یہ قرآن صاف اور فصیح عربی ہے اور ایسا فصیح و بلیغ ہے کہ فصحاء و بلغاء اس کے معارضہ سے عاجز اور در ماندہ ہیں پس جو شخص صاف عربی بولنے پر بھی قادر نہ ہو وہ دوسرے کو ایسا فصیح و بلیغ کلام کیونکر سکھا سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ قرآن نہ تعلیم بشری ہے اور نہ خود آپ ﷺ کا ساختہ اور پرداختہ ہے بلکہ وحی ربانی اور تنزیل سبحانی ہے ایسے علوم و معارف اور مکارم اخلاق اور محاسن آداب اور ایسی فصاحت و بلاغت ایک عجیب لوہار کے پاس کہاں سے آئی بفرض محال اگر یہ فضل و کمال کسی لوہار کے پاس ہوتا تو دنیا اس کے قدموں میں گرتی۔ محمد رسول اللہ ﷺ کا کوئی نام بھی نہ لیتا بہر حال ایسی مہمل بات سوائے کور باطن کے کوئی نہیں کہہ سکتا۔ عقلاً یہ بات ناممکن ہے کہ ایسا فاضل معلم جس نے آپ ﷺ کو ایسے عجیب و غریب علوم کی تعلیم دی کہ دنیا اس کے نام سے بھی واقف نہ ہوتی کہ مکہ کے لوگ بھی اس سے واقف نہ ہوں اگر آپ ﷺ نے کسی معلم سے تعلیم پائی ہوتی تو کم از کم حضور پر نور ﷺ کے برابر تو تاریخ میں اس کا نام و نشان ملتا۔ بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے۔ اور باوجود دلائل اعجاز کے اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ اللہ ان کو دنیا میں راہ راست نہیں دکھلاتا اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے اور معاذ اللہ یہ لوگ جو آپ ﷺ کو مفتری بتلاتے ہیں آپ ﷺ مفتری نہیں مفتری اور جھوٹ بنانے والے وہ لوگ ہیں جو دیدہ دانستہ اللہ کی آیات کو نہیں مانتے اور حقیقت میں ایسے ہی لوگ جھوٹے ہیں جو یہ کہتے ہیں۔ ﴿اِنَّنَا يٰعَلِيْنَۙ بَشَرٌ﴾ اور دیدہ و دانستہ جھوٹ بولتے ہوئے نہیں جھکتے

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۙ اِلَّا مَنۡ اُكْرِهَۙ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِۙ وَلٰكِنۡ مَّنۡ

جو کوئی منکر ہو اللہ سے یقین لانے کے پیچھے مگر وہ نہیں جس پر زبردستی کی گئی اور اس کا دل برقرار ہے ایمان پر **ف** لیکن جو کوئی جو کوئی منکر ہو اللہ سے یقین لائے پیچھے، مگر وہ نہیں جس پر زبردستی کی اور اس کا دل برقرار رہے ایمان پر، لیکن جو کوئی **ف** ایک تو وہ مجرم ہیں جو سبکدوش دلائل و آیات سن کر بھی یقین نہ لائیں۔ مگر ان سے بڑھ کر مجرم وہ ہیں جو یقین لانے اور تسلیم کرنے کے بعد شیطانی شہادت و دسائس سے متاثر ہو کر صداقت سے منکر ہو جائیں۔ جیسا کہ عبد اللہ بن ابی سرح نے بیان کیا کہ ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گیا۔ اعیاذ باللہ۔ ایسے لوگوں کی سزا آگے =

شَرَحَ بِالْكَفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللَّهِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۶﴾ ذَلِك بِأَنَّهُمْ

دل کھول کر منکر ہوا سو ان پر غضب ہے اللہ کا اور ان کو بڑا عذاب ہے یہ اس واسطے کہ  
دل کھول کر منکر ہوا، سو ان پر غضب ہے اللہ کا، اور ان کو بری مار ہے۔ یہ اس واسطے کہ

اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ ۗ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۷﴾ أُولَٰئِكَ

انہوں نے عزیز رکھا دنیا کی زندگی کو آخرت سے اور اللہ راستہ نہیں دیتا منکر لوگوں کو فی یہ وہی ہیں  
انہوں نے عزیز رکھی دنیا کی زندگی آخرت سے، اور اللہ راہ نہیں دیتا منکر لوگوں کو۔ وہی ہیں،

الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمِعَتْهُمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغٰفِلُونَ ﴿۱۸﴾ لَا

کہ مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اور یہی میں بیہوش و خود  
کہ مہر کر دی اللہ نے ان کے دل پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر۔ اور وہی ہیں بیہوش۔ آپ

جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنِّي بَعْدَ مَا

ظاہر ہے کہ آخرت میں یہی لوگ خراب ہیں ﴿۱۹﴾ پھر بات یہ ہے کہ تیرا رب ان لوگوں پر کہ انہوں نے وطن چھوڑا ہے بعد اس کے کہ  
ہی ثابت ہوا کہ آخرت میں وہی خراب ہیں۔ پھر یوں ہے کہ تیرا رب ان لوگوں پر کہ وطن چھوڑا ہے بعد اس کے کہ

فِتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا ۗ إِنَّ رَبَّكَ مِنِّي بَعْدَهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۰﴾

مصیبت اٹھائی پھر جہاد کرتے رہے اور قائم رہے بیشک تیرا رب ان باتوں کے بعد بخشنے والا مہربان ہے ﴿۲۰﴾  
بچلائے (آزمائے) گئے، پھر لڑتے رہے اور ٹھہرے رہے، تیرا رب ان باتوں کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔

= بیان فرمائی ہے۔ درمیان میں "إِلَّا مَن آكْرَه" الخ سے ایک ضروری استثناء کر دیا یعنی اگر کوئی مسلمان صدق دل سے برابر ایمان پر قائم ہے ایک لمحہ  
کے لیے بھی ایمانی روشنی اور قلبی طمانینت اس کے قلب سے جدا نہیں ہوئی صرف کسی خاص حالت میں بہت ہی سخت دباؤ اور زبردستی سے مجبور ہو کر شدید ترین  
خوف کے وقت کلمہ غلامی کے لیے محض زبان سے منکر ہو جائے یعنی کوئی کلمہ اسلام کے خلاف نکال دے بشرطیکہ اس وقت بھی قلب میں کوئی تردد نہ ہو، بلکہ زبانی  
لفظ سے سخت کراہیت و نفرت ہو، ایسا شخص مرتد نہیں بلکہ مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ ہاں اس سے بلند مقام وہ ہے کہ آدمی مرنا قبول کرے مگر منہ سے بھی ایسا لفظ نہ  
نکالے جیسا کہ حضرت بلال حضرت یاسر حضرت سمیہ حضرت غیب بن زید انصاری اور حضرت عبداللہ بن خداذہبی اللہ عنہم وغیرہ کے واقعات تاریخوں میں موجود  
ہیں۔ بشرط اختصار ہم یہاں درج نہیں کر سکتے ابن کثیر میں دیکھ لیے جائیں۔

﴿۲۰﴾ یعنی ایسے منکروں کو جو حیات دنیاوی کو کعبہ مقصود ٹھہرائیں، کامیابی کا راستہ کہاں ملتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "جو کوئی ایمان سے پھرا ہے تو  
دنیا کی غرض کو، جان کے ڈر سے یا برادری کی خاطر سے یا زر کے لالچ سے جس نے دنیا عزیز رکھی اس کو آخرت کہاں؟ اگر جان کے ڈر سے لفظ کہے تو پاسیے جب ڈر  
کا وقت جاچکے پھر توبہ و استغفار کر کے ثابت ہو جائے۔"

﴿۲۱﴾ یعنی دنیا طلبی اور ہوا پرستی کے نشہ میں ایسے مست و بیہوش ہیں جن کے ہوش میں آنے کی کوئی امید نہیں۔ خدا کی ذی ہوتی قوتیں انہوں نے سب بیکار  
کر دیں۔ آخر کانوں سے حق کی آواز سننے، آنکھوں سے حق کے نشان دیکھنے، اور دلوں سے حق بات سمجھنے اور سوچنے کی توفیق سلب ہو گئی۔ مہر کرنے کا مطلب  
پہلے سوراخ پر وغیرہ میں گزر چکا ہے۔

﴿۲۲﴾ یعنی جو لوگ اپنی بے اعتدالیوں اور غلو کاریوں سے خدا کی بخشی ہوئی قوتیں تباہ کر ڈالیں اور دنیاوی کو قبلہ مقصود بنا لیں، ان سے بڑھ کر خراب انجام کس کا ہوگا۔ =

## حکم مرتد

قَالَ تَعَالَى: ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ... إِلَى... لَعَفُورٌ رَجِيمٌ﴾

رہا:..... گزشتہ آیت میں ان مجرمین کا ذکر تھا جو شواہد نبوت اور دلائل رسالت دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ ان سے بڑھ کر مجرم وہ لوگ ہیں کہ جو ایمان لانے اور تسلیم کرنے کے بعد شیطانی شبہات اور نفسانی وساوس سے متاثر ہو کر حق سے منحرف اور برگشتہ ہو جائیں۔ یعنی ایمان لانے کے بعد مرتد ہو جائیں۔ ان آیات میں مرتد کے عذاب اور اس کی سزا کا بیان ہے مگر اس عذاب سے وہ شخص مستثنیٰ ہے کہ جو بحالت مجبور ہی اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ کفر محض زبان سے بول دے اور دل اس کا ایمان پر قائم اور مستحکم ہو تو ایسا شخص گنہگار نہ ہوگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس قسم کے کچھ واقعات منقول ہیں۔ بعض نے تو جان جانی گوارا کی مگر کلمہ کفر زبان سے نہ نکالا اور عزیمت پر عمل کیا اور بعض نے رخصت پر عمل کیا کہ زبان سے تو کہہ دیا مگر دل سے ایمان پر ثابت قدم رہے۔

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کی فضیلت بیان کی جنہوں نے کفار کی ایذا رسانی پر صبر کیا۔ اور ایمان پر قائم رہے اور اپنے گھروں کو اللہ کے لیے چھوڑ دیا۔ دنیا پر لات ماری اور آخرت کی راہ لی چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کا کفر کرے اور کافروں کے مغالطہ دینے سے کہ یہ قرآن اللہ کی وحی نہیں بلکہ کسی بشر کی تعلیم ہے یا خود اس کا ساختہ، پرداختہ کلام ہے۔ کوئی شخص مرتد ہو جائے تو وہ اللہ کے غضب کا مستحق ہے مگر وہ شخص جس پر زبردستی کی گئی اور اس نے بحالت مجبوری محض زبان سے لفظوں میں کافروں کی موافقت کر لی اور دل اس کا ایمان کے ساتھ مطمئن ہے دل کے اندر کوئی تزلزل اور تذبذب نہیں تو ایسے شخص پر مواخذہ نہیں لیکن جس نے دل کھول کر کفر کیا اور دل سے اس پر راضی ہو گیا۔ تو ایسوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے یہ بڑا عذاب اور غضب اس لیے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کو عزیز اور محبوب رکھا اور بسبب اس بات کے اللہ ایسے کفار کو ہدایت اور توفیق نہیں دیتا کہ جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا یہ ارتداد اور کفر پر اقدام اس وجہ سے ہے کہ اللہ نے ان کو ایمان کی توفیق نہیں دی اور کفر سے ان کو نہیں بچایا چونکہ یہ لوگ دیدہ و دانستہ الٹی راہ پر چلے اس لیے خدا نے ان کو اپنی ہدایت اور توفیق سے محروم کر دیا بلکہ ایسے ہی لوگوں کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر مہر کر دی کہ نہ حق کو سمجھ سکیں اور نہ سن سکیں اور نہ دیکھ سکیں ان کے عناد اور سرکشی کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ان کو حق سے اندھا اور بہرا اور احمق بنا دیا اور خدا تعالیٰ تو مالک مطلق ہے بے وجہ بھی جس کو چاہے اندھا اور بہرا بنائے اور یہ لوگ تو حق سے بالکل ہی غافل ہیں ان کی غفلت تو انتہاء کو پہنچ چکی ہے آخرت کی غفلت سے بڑے کر کوئی غفلت نہیں۔ لامحالہ یہ لوگ آخرت میں بڑے خسارہ والے ہیں اس لیے کہ عمر عزیز کا سارا سرمایہ دنیا کے بازار میں لٹا دیا اور آخرت کے بازار میں مفلس اور قلاش اور خالی ہاتھ پہنچے اب سوائے حسرت کے کیا ہاتھ آئے گا۔

۴۱۸ مکہ میں بعض لوگ کافروں کے ظلم سے بچنے کے لیے تھے۔ یا صرف زبانی لفظ کفر کہہ لیا تھا۔ اس کے بعد جب ہجرت کی، جہاد کیا، اور بڑے استقلال و ہامردی سے اسلام پر قائم رہے، اتنے کام ایمان کے کیے، وہ قصیر بخشی مٹی اور خدا کی مہربانی مہذول ہوئی ایک بزرگ تھے 'عمار' ان کے باپ تھے 'یاسر' اور ماں 'سمیہ' دونوں ظلم اٹھاتے مر گئے، یہ لفظ کفر نہ کہا۔ یہ مسلمانوں کا پہلا خون تھا جو خدا کی راہ میں گرا۔ بیٹے (عمار) نے خون ہان سے لفظ کہہ دیا، پھر روتے ہوئے حضرت علیؑ اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ تب یہ آیتیں اتریں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

قیامت کہ بازار بینو نہند  
بضاعت بچند آنکہ آری بری  
کہ بازار چند آنکہ آگندہ تر  
کے را کہ حسن عمل پیش تر

منازل باعمال نیکو دہند  
وگر مفلسی شرمساری بری  
تہی دست رادل پراگندہ تر  
بدرگاہ حق منزلت پیش تر

از شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ

حق تعالیٰ نے ان آیات میں کافروں کے چھ وصف بیان کیے۔

اول: وہ غضب الہی کے مستحق ہوئے۔

دوم: عذاب عظیم کے مستحق ہوئے۔

سوم: حیات دنیاوی کو اخروی حیات کے مقابلہ میں عزیز اور محبوب رکھا۔

چہارم: حرمان از ہدایت خداوندی۔

پنجم: دل اور آنکھ اور کان پر مہر لگانا۔

ششم: غفلت میں انتہا درجہ کو پہنچ جانا۔ نعوذ باللہ من ذلك کلمہ۔

یہ تو ان غافلین کا حال اور مال ہوا پھر ان کے مقابلہ میں ایک دوسرا گروہ ہے جو بجائے غضب اور عقوبت کے رضاء اور رحمت کے مورد بنے وہ مہاجرین اولین کا گروہ ہے ان کی بابت ارشاد ہے۔ بے شک تیرا پروردگار ایسے لوگوں کے لیے جنہوں نے کافروں کی ایذا رسانی اور ستم رانی کے بعد ہجرت کی اور پھر کافروں سے جہاد بھی کیا یعنی فقط ترک وطن پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خدا کی راہ میں اپنی قوم کے کافروں سے جہاد بھی کیا تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور کفر ذلیل و خوار ہو اور اس راہ میں جو بھی مصائب پیش آئے ان پر صبر کیا اور ان مصائب میں اسلام پر ثابت قدم رہے پائے استقامت میں کوئی تزلزل نہیں آیا تو بے شک آپ ﷺ کے پروردگار ایسے اعمال فاضلہ ہجرت اور جہاد اور صبر کے بعد ان کے گناہوں کی مغفرت کرنے والا بڑا مہربان ہے ایسے لوگوں کی مغفرت اور رحمت میں کوئی شبہ نہیں۔

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ مُّجَادِلًا عَنِ نَفْسِهَا وَتُوْفَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا

جس دن آئے گا ہر جی جو اب سوال کرتا اپنی طرف سے فل اور پورا ملے گا ہر کسی کو جو اس نے کمایا اور ان پر

جس دن آئے گا ہر جی جو اب سوال کرتا اپنی طرف سے، اور پورا ملے گا ہر کسی کو جو اس نے کمایا، اور ان پر

يُظَلَمُونَ ﴿۱۱﴾

ظلم نہ ہوگا

ظلم نہ ہوگا۔

فل یعنی ایک کی طرف سے دوسرا مل سکے گا۔ ماں، باپ، بہن، بھائی، بیوی، اولاد، احباب و آثار کوئی کام نہ دے گا۔ ہر شخص اپنی فکر میں بڑا ہوگا کس =



رَزَقَكُمْ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۖ وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِنَّ كُنتُمْ لَآيَاكُم تَعْبُدُونَ ﴿۱۱۱﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ

روزی دی تم کو اللہ نے حلال اور پاک اور شکر کرو اللہ کے احسان کا اگر تم اسی کو پوجتے ہو فی اللہ نے یہی حرام کیا ہے روزی دی تم کو اللہ نے، حلال اور پاک۔ اور شکر کرو اللہ کے احسان کا، اگر تم اسی کو پوجتے ہو۔ یہی حرام کیا ہے

عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةَ وَاللَّحْمَ الْخَائِزِيرَ وَمَا أُهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ

تم پر مردار اور لہو اور سور کا گوشت اور جس پر نام پکارا اللہ کے سوا کسی اور کا پھر جو کوئی ناچار ہو جائے تم پر مردہ اور لہو اور سور کا گوشت، اور جس پر نام پکارا اللہ کے سوائے کسی کا۔ پھر جو کوئی ناچار ہو جاوے

وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا

نہ زور کرتا ہو نہ زیادتی تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے فی اور مت کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے کہ یہ نہ زور کرتا ہو نہ زیادتی، تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور مت کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بتانے سے، کہ یہ

حَلٌّ وَهَذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۗ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ

حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر بہتان باندھو فی بیشک جو بہتان باندھتے ہیں اللہ پر ان کا بھلا حلال ہے اور یہ حرام ہے، کہ اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بے شک جو جھوٹ باندھتے ہیں اللہ پر، بھلا

کہ تم نے ایسا کیا تو تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہو سکتا ہے۔ کفران نعمت اور تکذیب و عداوت رسول کی سزا سے بے فکر نہ ہوں۔ بعض علماء کے نزدیک اس حلال میں بستی سے مراد مکہ معظمہ ہے جہاں ہر قسم کا امن چین تھا اور باوجود وادی غیر ذی زرع ہونے کے طرح طرح کے پھل اور میوے کھینچے جاتے تھے۔ ﴿أَوْلَدٌ مُّمْتَنِينَ لَهُمْ حَرَمًا مِمَّا آمَنَّا بِهِ حَرَمٌ كُنِيَ بِهِ رِزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ال مکہ نے ان نعمتوں کی کچھ قدر نہ جانی۔ شرک و عصیان، بے حیائی اور اوہام پرستی میں منہمک ہو گئے۔ پھر خدا تعالیٰ نے سب سے بڑی نعمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں بھیجی۔ اس کے انکار و تکذیب میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا دِينَهُمْ كُفْرًا وَآخِلُوا قَوْمَهُمْ ذَا الَّذِي آمَنُوا بِهِ﴾ آخرا خدا تعالیٰ نے اسن والیمانان کے ہمہائے مسلمان مجاہدین کا خوف اور فرارخ روزی کی جگہ سات سال کا غلط ان پر مسلما کر دیا۔ جس میں کتے اور مردار تک کھانے کی نوبت آ گئی۔ پھر "بد" کے معرکہ میں غازیان اسلام کے ہاتھوں خدا کا عذاب ان پر ٹوٹ پڑا۔ ادھر تو یہ ہوا دوسری طرف جو لوگ ان ظالموں کے جو دستہ سے تنگ آ کر گھربار چھوڑ بھاگے تھے ان کو خدا نے بہتر ٹھکانہ دیا، دشمنوں کے خوف سے مامون و مصنون بنایا، روزی کے دروازے کھول دیے، زبردست دشمنوں پر فتح عنایت کی، بلکہ قہمیں کا بادشاہ اور قہمیں کا امام بنا دیا۔ شاید اسی لیے ان آیات میں مکہ والوں کا حال سنا کر اگلی آیت ﴿فَلْيُؤْمِنُوا بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ﴾ ان كُنتُمْ لَآيَاكُم تَعْبُدُونَ میں مسلمانوں کو خطاب فرمایا ہے۔ کہ تم اس قسم کی حرکات سے بچتے رہنا جن کی بدولت مکہ والوں پر مصیبت ٹوٹی۔ فی یعنی جس کو خدا کی پرستش کا دعویٰ ہوا سے لائق ہے کہ خدا کی دی ہوئی حلال و طیب روزی سے قطع کرے اور اس کا احسان مان کر شکر گزار بندہ بنے۔ حلال کو حرام نہ سمجھے اور نعمتوں سے منتفع ہوتے وقت متعمد حقیقی کو نہ بھولے۔ بلکہ اس پر اور اس کے پیچھے ہوئے پیغمبروں پر ایمان لائے اور اسی کے احکام و ہدایت کی پابندی کرے۔

فی اس آیت کی تفسیر سورہ "بقرة" اور "انعام" وغیرہ میں گزر چکی وہاں دیکھ لی جائے، یہاں عرض یہ ہے کہ جس طرح پہلی آیت میں اشارہ تھا کہ حلال کو اپنے اوپر حرام نہ کرے، اس آیت میں تنبیہ کی گئی کہ حرام چیزوں کو حلال نہ ٹھہرائے۔ غلام یہ کہ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانا اسی کا حق ہے جس نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں۔ چنانچہ آیت، میں نہایت وضاحت سے یہ مضمون بیان ہوا ہے۔

فی یعنی بدون کسی سند شرعی کے کسی چیز کے متعلق منہ اٹھا کر کہہ دینا کہ حلال ہے یا حرام بڑی سخت جہارت اور کذب و افتراء ہے۔ حلال و حرام تو وہی ہو سکتا ہے۔

لَا يُفْلِحُونَ ﴿۱۱۱﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ۖ وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۱۲﴾ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَمًا مَّا

نہ ہوگا تھوڑا سا فائدہ اٹھائیں اور ان کے واسطے عذاب دردناک ہے ﴿۱۱۱﴾ اور جو لوگ یہودی ہیں ان پر ہم نے حرام کیا تھا جو نہیں پاتے۔ تھوڑا سا برت لیں اور ان کو دکھ کی مار ہے۔ اور جو لوگ یہودی ہیں ان پر ہم نے حرام کیا تھا جو

قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۱۳﴾ ثُمَّ اِنَّ

تجھ کو پہلے سنا چکے اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا پر وہ اپنے اوپر آپ ظلم کرتے تھے ﴿۱۱۳﴾ پھر بات یہ ہے کہ تجھ کو سنا چکے پہلے۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا، پر اپنے اوپر آپ ظلم کرتے تھے۔ پھر یوں ہے کہ

رَبِّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ

تیرا رب ان لوگوں پر جنہوں نے برائی کی نادانی سے ﴿۱۱۴﴾ پھر توبہ کی اس کے پیچھے اور سنوارا اپنے کام کو سو تیرا رب ان باتوں کے تیرا رب ان لوگوں پر جنہوں نے برائی کی نادانی سے، پھر توبہ کی اس کے پیچھے، اور سنوار پکڑی، تیرا رب ان باتوں کے

بَعْدِهَا الْغُفُوْرُ رَحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

پیچھے بخشنے والا مہربان ہے ﴿۱۱۵﴾

پیچھے بخشنے والا مہربان ہے۔

= جسے خدا تعالیٰ نے حلال یا حرام کہا ہو۔ اگر کوئی شخص محض اپنی رائے سے کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہراتا ہے اور خدا کی طرف اس کی نسبت کرتا ہے، جیسے مشرکین مکہ کرتے تھے، جس کا ذکر سورہ "انعام" میں گزر چکا وہ فی الحقیقت خدا پر بہتان باندھتا ہے۔ مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ کبھی ایسا رویہ اختیار نہ کریں۔ جس چیز کو خدا نے حلال اور جس کو حرام کیا حرام سمجھیں۔ بدون ماخذ شرعی کے طاعت و حرمت کا حکم نہ لگائیں۔

﴿۱۱۴﴾ یعنی مشرکین مکہ جو حضور کو معاذ اللہ منفری کہتے تھے یاد رکھیں کہ وہ خود منفری ہیں۔ اذراہ کذب و افتراء جس چیز کو چاہیں حلال یا حرام کہہ کر خدا کی طرف منسوب کر دیتے ہیں ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ یہ روش اختیار کر کے کسی بھلائی کو نہیں پہنچ سکتے تھوڑے دن اور دنیا کا مزہ اڑائیں، پھر دائمی جیل خانہ تیار ہے۔

﴿۱۱۵﴾ آیت ﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَمًا مَّا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ کے فرائض میں اس کا بیان گزر چکا ملاحظہ کر لیا جائے یہاں مقصد یہ ہے کہ جو چیز خدا تعالیٰ نے سب کے لیے یا کسی خاص قوم کے لیے معین وقت تک حرام کی ہے، عین حکمت ہے کسی بشر کو حق نہیں کہ اس میں تصرف کر کے حرام کو حلال یا حلال کو حرام بنائے۔

﴿۱۱۶﴾ مثلاً حرام کو حلال یا حلال کو حرام بنایا۔ نادانی سے "اس لیے فرمایا کہ خدا کی جو نافرمانی اور گناہ آدمی کرتا ہے خواہ جان بوجھ کر کرے، وہ فی الحقیقت نادان اور بے عقل بن کر کرتا ہے۔ اگر ذرا عقل سے کام لے اور گناہ کے بد نتائج کا تصور کرے تو ہرگز معصیت پر اقدام نہیں کر سکتا۔ ﴿هُنَالِكَ الْتَوَهُّتْ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَخُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَخُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ کے تحت میں جو اس کے متعلق لکھا گیا ہے اسے بھی ایک مرتبہ ملاحظہ کر لیا جائے۔

﴿۱۱۷﴾ یعنی کفریات سے توبہ کر کے مسلمان ہو جانے اور آئندہ کے لیے اپنی حالت درست کر لینے پر حق تعالیٰ تمام گزشتہ گناہ معاف فرما دیتا ہے خواہ کتنے ہی سخت کیوں نہ ہوں۔

باز آ باز آ ہر آنچہ کردی باز آ  
گر کافر و گمرویت پرستی باز آ  
این درگہ ما درگہ نو میدی نیست  
صد بار اگر توبہ صحتی باز آ



## تہدید بافات دنیویہ بر معصیت و کفران نعمت

قَالَ تَعَالَى: ﴿وَوَضَعْنَا اللَّهُ مَقَالًا قَرِيْبَةً كَانَتْ اِمْنَةً... اِلَى... لَعْفُوْرًا زَجِيْمًا﴾

ربط:..... گزشتہ آیات میں کفر اور معصیت پر عذاب اخروی کا ذکر تھا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ بعض مرتبہ دنیا میں بھی کفر اور معصیت اور کفران نعمت پر طرح طرح کی آفتیں اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔ جیسے قحط سالی اور عام بیماری اور بسا اوقات کفر اور کفران نعمت دنیا ہی میں زوال نعمت کا سبب بن جاتا ہے۔ جیسا کہ مکہ کے لوگ سات سال تک شدید قحط میں رہے یہاں تک کہ مرے ہوئے جانوروں کی ہڈیاں کھانے لگے اور ضعف اور ناطاقتی سے چلنا پھرنا دشوار ہو گیا بالآخر مجبور ہو کر سرداران قریش نے آنحضرت ﷺ سے التجا کی۔ اور آپ ﷺ کی دعا سے یہ مصیبت دور کوئی۔ بعد ازاں حق تعالیٰ نے ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اَلْمَيْمِْتَةَ﴾ سے یہ بتلایا کہ کونسی چیزوں کا کھانا حرام ہے کہ ان کے کھانے سے پرہیز ضروری ہے۔

۳- اور پھر ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا حَرْمًا﴾ سے یہ بتلایا کہ یہود پر ان کی سرکشی کی وجہ سے بعض پاکیزہ چیزیں دنیا ہی میں حرام کر دی گئی تھیں لہذا تم کو چاہئے کہ حلال و حرام کے احکام کو پوری طرح ملحوظ رکھو اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال و حرام نہ بناؤ اور غلطی سے اگر کوئی گناہ ہو جائے تو توبہ کر لو۔ اللہ پاک بخش دے گا۔ مطلب یہ ہے کہ حلال کھاؤ۔ اکل حلال سے روح کا مزاج درست رہتا ہے اور حرام سے بچو حرام سے انسان کا دل اور روح فاسد اور خراب ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کفران نعمت کے وبال پر متنبہ کرنے کے لیے ایک بستی کی مثال بیان کی کہ وہ بستی امن و امان اور سکون والی تھی۔ اس بستی کے لوگ آسودہ تھے اور ان کو کسی کی لوٹ مار اور غارت گزی کا اندیشہ نہ تھا۔ اس بستی میں بسنے والوں کا رزق فراغت اور کثرت کے ساتھ ہر جگہ سے یعنی اطراف و جوانب سے آتا تھا پس اس بستی والوں نے اللہ پاک کی نعمتوں کی ناشکری کی تب اللہ نے اس بستی والوں کو بھوک اور خوف کا لباس چکھایا یعنی امن اور سکون کی جگہ خوف و ہراس آ گیا۔ اور رزق کی وسعت اور کثرت کی بجائے بھوک اور قحط نے آ پکڑا۔ اللہ نے ان کو خوف اور بھوک کا مزہ بھی خون سکھا دیا اور اس بھوک اور خوف نے ان کو ہر طرف سے پکڑ لیا جیسے کپڑا اپنے پہننے والے کے بدن کو گھیر لیتا ہے۔ سزا میں اس کی جو وہ کرتے تھے یعنی اللہ نے جو ان کو بھوک اور خوف کا لباس چکھایا یہ ان کے اعمال کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ کی نعمت کی ناشکری کی۔ ﴿وَوَضَعْنَا اَللّٰهُ مَقَالًا قَرِيْبَةً﴾ کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں اول یہ کہ اس سے کوئی معین قر یہ مراد ہے یعنی مکہ معظمہ مراد ہے جہاں کے باشندے متواتر سات برس تک قحط میں مبتلا رہے اور اطراف و جوانب سے جو غلہ آتا تھا اس کا آنا بند ہو گیا یہاں تک کہ انہوں نے جلی ہوئی ہڈیوں اور مردار اور کتوں کو کھایا اور وہ پہلا امن و اطمینان جاتا رہا۔ ہر وقت خوف میں رہنے لگے یہ خدا تعالیٰ نے بطور تمثیل اہل مکہ کی حالت بیان فرمائی۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ قر یہ سے غیر معین بستی مراد ہے کیونکہ وہ نکرہ لایا گیا ہے۔

نکتہ:..... اس آیت یعنی ﴿فَاِذَا قَهَّ اَللّٰهُ لِبَاسِ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ﴾ میں یہ فرمایا کہ اللہ نے اس بستی والوں کو بھوک اور

خوف کا لباس چکھایا اور یہ نہیں فرمایا کہ اس کو بھوک اور خوف کا لباس پہنایا حالانکہ لباس تو پہنایا جاتا ہے چکھایا نہیں جاتا۔  
 اس کی یہ ہے کہ یہ آیت درحقیقت دو استعاروں کو متضمن ہے ایک اعتبار سے رجوع اور خوف کی حالت مذوقات کے مشابہ ہے کہ جب انسان کسی چیز کو دیکھ کر چکھ لیتا ہے تو اس کا ادراک اور احساس مکمل ہو جاتا ہے دیکھنے اور چھونے سے پورا احساس نہیں ہوتا۔ لہذا آیت میں لفظ اذاعت اس لیے استعمال فرمایا کہ ان کو بھوک اور خوف کا مزہ چکھا کر بتلا دیا کہ بھوک اور خوف ایسی چیز ہے یہ تو دنیا میں ہوا کہ مصیبت کا مزہ چکھایا۔ بھوک اور خوف کا اصل کھانا تو جہنم میں ملے گا۔ کھانے کو زقوم اور پینے کو غسلین اور حمیم کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ کھانا اور پینا چونکہ انسان کے اندر پہنچتا ہے اور اندر ہی اندر اس کا اثر ظاہر ہوتا رہتا ہے اور لباس ایک ظاہری چیز ہے اس لیے بھوک اور خوف کا باطنی اور اندرونی اثر بیان کرنے کے لیے اذاعت کا استعارہ کیا اور ظاہری اثر بیان کرنے کے لیے لباس کا استعارہ کیا اور بھوک اور خوف کے لیے لباس کا استعارہ اس لیے کیا کہ جس طرح لباس آدمی کو ہر طرف سے گھیر لیتا ہے اس طرح بھوک اور خوف نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا اور پوری طرح اپنے اندر چھپا لیا اور چونکہ لباس ایک ظاہری شے ہے جو ظاہر میں نظر آتا ہے اسی طرح بھوک اور خوف کا اثر ان کے ظاہر سے دکھائی دیتا ہے کہ چہرے زرد ہو گئے تھے اور بدن دبلے اور لاغر ہو گئے تھے اور اس ظاہری نعمت کے علاوہ بڑی بھاری نعمت آنحضرت ﷺ کی بعثت ہے ان لوگوں نے اس نعمت عظمیٰ کی بھی ناشکری کی اور وہ سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ البتہ تحقیق الہی کے پاس انہی میں سے منجانب اللہ ایک رسول آیا جس کی صداقت اور امانت سے وہ بخوبی واقف تھے پس ان کو جھٹلایا تب ان کو بھوک اور خوف کے عذاب نے آ پکڑا اور آں حالیکہ وہ ظلم پر کمر بستہ تھے پس کبھی قحط میں مبتلا ہوئے اور کبھی قتل اور اسیر ہوئے اور مہاجرین اور انصار جو خدا کے شکر گزار بندے تھے ان کو خوف کے بعد امن دیدیا اور تنگی کے بعد ان کو وسیع الرزق بنا دیا اور روئے زمین پر ان کو حکمران بنایا۔

گزشتہ آیات میں شکر کا حکم اور کفران نعمت کی ممانعت کا ذکر تھا۔ اس لیے آئندہ آیات میں اکل حلال کا حکم دیتے ہیں کیونکہ اکل حلال ذریعہ شکر ہے چنانچہ فرماتے ہیں پس اے مسلمانو! تم کفر اور شرک اور کفران نعمت سے دور رہو اور اللہ نے جو حلال اور پاک روزی ہی تم کو دی ہے اس میں سے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو۔ شکر سے تم کو اللہ اور زیادہ نعمتیں دے گا اگر تم خالص خدا کا بندہ بننا چاہتے ہو تو اس کے حکموں پر چلو جس چیز کو اس نے حلال کیا اس کو کھاؤ اور جس چیز کو اس نے حرام کیا اس سے پرہیز کرو اور اپنی رائے سے کسی چیز کو حلال اور حرام نہ کرو۔ جزایں نیست کہ حرام کیا ہے اللہ نے تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جو جانور غیر اللہ کے نام زد کر دیا گیا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو جانور بقصد تقرب غیر اللہ کے نام زد کر دیا گیا ہو اور پھر اسی نیت سے اس کو ذبح کر دیا گیا ہو گو بوقت ذبح اس پر بسم اللہ پڑھی گئی ہو تو یہ جانور حرام ہے۔

اور بعض مفسرین نے ﴿مِمَّا أَهَلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ﴾ کی تفسیر ذبح کے ساتھ کی ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت کے لوگ ذبح کے وقت بھی غیر اللہ کا نام لیتے تھے اور ان کی نیت اور قصد بھی غیر اللہ کے تقرب کا ہوتا تھا یہ صورت باجماع امت حرام ہے اس کی حرمت میں کسی کو کلام نہیں بلکہ کلام اس میں ہے کہ قرآن کریم میں لفظ "اهلال" آیا ہے اس کے معنی ذبح کے نہیں بلکہ اس کے معنی آواز بلند کرنے کے ہیں اور اس سے فقط آواز بلند کرنا مراد نہیں

کیونکہ محض آواز بلند کرنے سے کوئی چیز حرام نہیں ہو جاتی بلکہ بقصد تقرب کسی کے نام زد کر دینے کے معنی مراد ہیں اور چونکہ مشرکین عرب اپنے بتوں کے نام لے کر آواز کے ساتھ ذبح کرتے تھے اس لیے بعض مفسرین نے حسب موقع ذبح کے ساتھ اس کی تفسیر کر دی ورنہ درحقیقت وہ حکم کی قید نہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جو جانور بقصد تقرب غیر اللہ کے نام زد کر دیا جائے وہ حرام ہے خواہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لے یا غیر اللہ کا نام لے، حرمت کی علت دراصل غیر اللہ کے تقرب کی نیت ہے اور یہ نیت ذبح کے وقت بھی موجود ہے جب تک اس نیت سے توبہ نہ کرے گا حرمت زائل نہ ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ نے بندوں پر مردار اور خون اور لحم خنزیر اور ﴿مَا أَهْلًا بِهِ لَعْنَةُ اللَّهِ﴾ کو حرام کر دیا ہے پھر اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر آسانی کر دی۔ پس جو شخص بھوک اور فاقہ سے لاچار اور بیقرار ہو جائے۔ بشرطیکہ وہ طالب لذت نہ ہو اور نہ مقدر ضرورت اور حد حاجت سے آگے بڑھنے والا ہو اور وہ ان حرام چیزوں سے بقدر حاجت جس سے اس کی جان بچ جائے کچھ کھالے تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے بحالت اضطرار بقدر ضرورت کچھ کھانے سے اس کی حرمت اور خباثت تمہارے لیے مضر نہ ہوگی اور اگر کچھ ہوگی تو اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہیں درگزر فرمائیں گے۔

حاصل کلام یہ کہ کسی چیز کو حلال و حرام کرنے کا حق اور اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں تم ان کی نسبت یہ نہ کہو کہ یہ جانور حلال ہے اور یہ جانور حرام ہے۔ جیسا کہ پارہ ہشتم کے شروع میں یعنی ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ﴾ میں ان کے یہ جھوٹے دعوے گزر چکے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اس کہنے سے اللہ پر جھوٹ بہتان باندھو گے۔ یعنی تم نے جو مویشی میں حلال و حرام ٹھہرا رکھا ہے وہ سب تمہارا جھوٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہیں ایسا حکم نہیں دیا۔ لہذا تمہارا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حلال کیا اور یہ حرام کیا یہ سب اللہ پر جھوٹ اور بہتان ہے۔ مشرکین عرب بحیرہ، سائبہ وغیرہ کو حرام کہتے تھے ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے اور یہ دنیا کا فائدہ جو ان کو پہنچ رہا ہے۔ بہت تھوڑا اور چند روزہ فائدہ ہے جس کو بقاء نہیں اور چند روزہ دنیاوی نعمتوں سے متمتع ہو لینا۔ سو یہ فلاح اور کامیابی نہیں اور آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ غرض یہ کہ گزشتہ آیت ﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ﴾ (الح) میں افراط سے منع فرمایا کہ شتر بے مہار نہ ہو اللہ نے جو چیزیں حرام کی ہیں ان سے بچو اور اس آیت ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتِكُمْ﴾ (الح) میں تفریط سے منع کیا اپنی طرف سے حلال و حرام نہ کرو۔ یہاں تک ان چیزوں کا بیان فرمایا کہ جواز راہ شفق و رحمت شریعت محمدیہ ﷺ میں حرام کی گئیں۔

اب آئندہ آیت میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ بعض چیزیں (پاکیزہ) یہود پر ان کی سرکشی کی وجہ سے بطور سزا ان پر حرام کر دی گئی تھیں وہ تحریم ایک قسم کا تازیانہ تھی اور اسلام میں جن چیزوں کو حرام کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عنایت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کیں۔ جو ہم پہلے سورۃ انعام میں آپ ﷺ سے بیان کر چکے ہیں وہ چیزیں سورۃ انعام کی آیت ﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَزَّ مِمَّا كَفَرُوا﴾ (الح) کی تفسیر میں گزر چکی ہیں۔ اور ان چیزوں کی تحریم میں ہم نے یہودیوں پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے یعنی ہم نے جو پاک چیزیں ان پر حرام کیں وہ ان کے ظلم اور تعدی اور ان کی سرکشی کے سبب سے کیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿فَظَلَمْنَا مِنْ الَّذِينَ هَادُوا﴾

حَزْمًا عَلَيْهِمْ طَيِّبَتْ أُحْلَتْ لَهُمْ ﴿۱۱۱﴾ آیات یعنی ہم نے یہودیوں کے ظلم و تعدی کے باعث ان پر وہ پاک چیزیں حرام کر دیں جو ان کے لیے حلال کی گئی تھیں جس سے مقصود ان کے اصلاح تھی کہ اپنے جرائم اور قبائح سے تائب ہو جائیں پھر اس ظلم اور تعدی کے بعد بھی گنہگار کو مایوس نہ ہونا چاہئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے، بے شک تیرا پروردگار ان لوگوں کے حق میں جنہوں نے نادانی سے برے کام کیے پھر اس کے بعد توبہ کی اور سنور گئے۔ یعنی اپنے اعمال درست کر لیے اور اپنے حال کی اصلاح کر لی بے شک تیرا پروردگار اس توبہ اور اصلاح کے بعد ان کا قصود معاف کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے مقصود اس آیت سے خدا تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی مغفرت اور رحمت کا اظہار ہے۔

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۱۲﴾ شَاكِرًا

اصل میں تو ابراہیم تھا راہ ڈالنے والا فرمانبردار اللہ کا سب سے ایک طرف ہو کر اور نہ تھا شرک والوں میں فل حق ماننے والا اصل ابراہیم تھا راہ ڈالنے والا، حکم بردار اللہ کا، ایک طرف کا ہو کر۔ اور نہ تھا شریک والوں میں۔ حق ماننے والا

لَا نَعْبُدُ إِلَّا رَبَّنَا وَهَدَانَا إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۱۳﴾ وَأَتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ

اس کے احسانوں کا فل اس کو اللہ نے جن لیا اور چلایا سیدھی راہ پر فل اور دی ہم نے دنیا میں اس کو خوبی فل اور وہ اس کے احسانوں کا، اسکو اللہ نے جن لیا، اور چلایا سیدھی راہ پر۔ اور دی دنیا میں ہم نے اس کو خوبی۔ اور وہ

فِي الْآخِرَةِ لَيِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۱۴﴾ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا

آخرت میں اچھے لوگوں میں ہے فل پھر حکم بھیجا ہم نے تجھ کو کہ چل دین ابراہیم پر جو ایک طرف کا تھا اور نہ تھا آخرت میں اچھے لوگوں میں ہے۔ پھر حکم بھیجا ہم نے تجھ کو کہ چل دین ابراہیم پر، جو ایک طرف کا تھا۔ اور نہ تھا

فل مشرکین عرب کی شریکيات کا رد کر کے امام المودین ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ یاد دلاتے ہیں، کیونکہ عرب کے لوگ ان کی سب سے تھے اور دین ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے۔ حالانکہ ملت ابراہیمی سے انھیں دور کی نسبت بھی نہ رہی تھی۔ انھیں بتلایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام مودین کے امام، نیکی کے معلم، تمام دنیا کے مشرکین کے مقابلہ میں تنہا ایک امت عظیم کے برابر تھے جن کی ذات واحد میں حق تعالیٰ نے وہ سب خوبیاں اور کمالات جمع کر دیے تھے جو کسی بڑے مجمع میں متفرق ہارہ پائے جاتے ہیں۔

لَيْسَ عَلَى اللَّهِ بِشَيْءٍ أَنْ يَتَّخِذَ الْعَالَمَ نَجْحًا وَاجِدًا

ابراہیم علیہ السلام خدا کا کامل مطیع و فرمانبردار بندہ تھا جو ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کا ہو رہا تھا۔ ممکن نہ تھا کہ بدون حکم الہی کسی چیز کو محض اپنی طرف سے حلال یا حرام ٹھہر ادے۔ وہ خود تو معاذ اللہ شرک کا ارتکاب کہاں کر سکتا، مشرکین کی جماعت اور سستی میں رہنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ پھر جو لوگ آپ کو "حنیف" کہتے اور دین ابراہیمی پر بتاتے ہیں انھیں شرم کرنی چاہیے کہ خدا پر افتراء باندھ کر حلال کو حرام یا حرام کو حلال کہنا اور شرک کی حمایت میں پیغمبروں سے لڑنا کیا ایک "حنیف" اور ابراہیمی کی شان ہو سکتی ہے؟ یاد رکھو! حلال و حرام کے بیان اور اصول دین میں اصل ملت ابراہیمی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی ملت کی اقامت و اشاعت اور بسط و تفصیل کے لیے تشریف لائے ہیں اگر اسی دین ابراہیم پر چلنا چاہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اختیار کرو۔

فل یعنی ابراہیم خدا کا شکر گزار بندہ تھا۔ تم سخت ناسپاس اور کفران نعمت کرنے والے ہو جیسا کہ ﴿وَوَضَّعَتْ اللَّهُ مَقَالَتَهُ قُرَيْبَةً كَاتِمَةً مُظْلِمَةً تَأْتِيهَا رُؤُوسُهُمْ مِنْ تَحْتِهَا يَكْفُرُونَ﴾ اللہ نے انھیں اللہ کی لپاساں اللہ کی لپاساں اللہ کی لپاساں کے فوائد میں لکھا جا چکا ہے۔ پھر اس کی راہ پر کیوں ہوئے۔

فل یعنی توحید کامل اور تسلیم و رضا کی سیدھی راہ پر چلایا۔

كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۳۳﴾ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۗ وَإِنَّ رَبَّكَ

وہ شرک والوں میں فل ہفتہ کا دن جو مقرر کیا سو انہی پر جو اس میں اختلاف کرتے تھے اور تیرا رب  
شریک والوں میں۔ ہفتہ کا دن جو ٹھہرایا، سو انہیں پر جو اس میں پھوٹ گئے۔ اور تیرا رب

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۳۴﴾

حکم کرے گا ان میں قیامت کے دن جس بات میں اختلاف کرتے تھے فل

حکم کرے گا ان میں قیامت کے دن جس بات میں پھوٹ رہے تھے۔

بیان حقیقت ملت ابراہیمیہ برائے ترغیب اتباع ملت محمدیہ ﷺ

قَالَ تَبٰرَكَ: ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَابِلًا لِّلّٰهِ حَنِيفًا... اِلٰى... فَيَمَّا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾

رابطہ:..... ابتداء سورت سے یہاں تک مشرکین کی شرکیات اور کفریات کا ابطال فرمایا اور توحید کے دلائل بیان کیے۔ مشرکین  
عرب چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا مقتدا اور پیشوا مانتے تھے ان کی ملت اور شریعت کے اتباع کو واجب سمجھتے تھے اس لیے  
ارشاد ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام خدا کے کیسے موحد اور شکر گزار اور فرمانبردار بندہ تھے۔ سرتاپا توحید و تفرید میں غرق تھے۔ معاذ اللہ  
مشرک نہ تھے لہذا مشرکین عرب اور اہل کتاب کا یہ سمجھنا کہ ہم ملت ابراہیمیہ پر ہیں بالکل غلط ہے بلکہ اصل ملت ابراہیمیہ کے  
بیر اور مروج یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں تم اگر اصل دین ابراہیمیہ پر چلنا چاہو تو آپ ﷺ کا طریقہ اختیار کرو۔ توحید و تفرید میں  
سرور عالم محمد ﷺ کا وہی طریقہ ہے جو ابراہیم علیہ السلام حنیف کا تھا۔ اور مشرکین کے سنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں  
ابراہیم علیہ السلام کے چند اوصاف ذکر فرمائے تاکہ ان کے عقائد شرکیہ اور خیالات فاسدہ کا رد ہو۔

۳۴ = یعنی نبوت، فرارخ روزی، اولاد، اور و جاہت و مقبولیت عامہ کہ تمام اہل ادیان بالاتفاق ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور ہر فرقہ چاہتا ہے کہ اپنا سلسلہ ابراہیم  
علیہ السلام سے ملائے۔

۳۵ یعنی اس نے اپنی حق میں جو دعائی تھی۔ ﴿وَالْحَقُّنِي بِالطَّلِحِۦنِ﴾ قبول ہوئی، بیشک وہ آخرت میں صالحین کے اعلیٰ طبقہ میں شامل ہوں گے۔ جو انبیاء  
علیہم السلام کا طبقہ ہے۔

فل اس کا بیان ﴿وَدِيْنًا سِيْمًا وَّلِيْلَةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ کے تحت میں گزر چکا وہاں ملاحظہ کیا جائے مقصد یہ ہے کہ حلال و حرام اور  
دین کی باتوں میں اصل ملت ابراہیم ہے۔ درمیان میں یہود و نصاریٰ کو ان کے حالات کے مناسب بعض مخصوص احکام دیے گئے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
کو قائم الانبیاء بنا کر بھیجا، تاکہ اصل ملت ابراہیمیہ کو جو غفلت اور تحریف و تصرف سے ضائع ہو چکی تھی۔ از سر نو زندہ اور روشن کیا جائے، اور شرک  
کی تمام دہلیں کاٹ دی جائیں حدیث میں ہے۔ "بیعتت بالشمسۃ الختیفة البیضاء" اس کی پوری شرح و تفصیل حضرت شاہ ولی اللہ نے "حجۃ اللہ  
البالغہ" میں کی ہے جو قابل دید ہے۔

فل یعنی اصل ملت ابراہیمیہ میں ہفتہ کا حکم نہ تھا، اس امت پر بھی نہیں ہے۔ البتہ درمیان میں "یہود" نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کے ارشادات سے  
اختلاف کر کے جب اپنے لیے یہ دن انتخاب کیا تو حکم ہوا کہ اچھا اسی کی تعظیم کرو اور جملگی کا شمار اس روز مت کرو! یہ حکم کسی نے مانا کسی نے نہ مانا۔ نہ ماننے  
والے دنیا میں بند اور سورا بنائے گئے اور آخرت میں جو فیصلہ ہو گا وہ الگ رہا۔ ایک اسی پر کیا منحصر ہے وہاں تو سارے اختلافات اور جھگڑے چکا دیے جائیں  
گئے۔ مٹا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت کوئی "یہودی" بتلا جاتا تھا کوئی "نصرانی" حالانکہ حق تعالیٰ نے آگاہ کر دیا کہ وہ "حنیف مسلم" تھے۔ بہر حال آخرت  
میں سب اختلافات کا فیصلہ ہو جائے گا اور ہر شخص آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ کون غلطی پر تھا کون راستی پر۔

- (۱) ﴿اٰمَةٌ﴾: پیشوا تھے اور مقتدائے عالم تھے۔  
 (۲) ﴿قَارِئًا﴾: خدا تعالیٰ کے حکم بردار اور فرمانبردار بندے تھے۔  
 (۳) ﴿حٰنِفًا﴾: سب سے بڑا کرا ایک خدا کے ہو رہے تھے سوائے جمال حق کے کسی طرف مائل نہ تھے۔  
 (۴) ﴿وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾: شرک سے پاک اور منزہ تھے خالص موحد تھے بچپن سے لے کر اخیر عمر تک توخید پر قائم رہے۔

- (۵) ﴿شَاكِرًا لِّاٰنْعَامِهِ﴾: خدا کے شکر گزار بندے تھے سر تا پا شکر تھے۔  
 (۶) ﴿اٰجْتَنِبُوْهُ﴾: اللہ کے برگزیدہ بندے تھے خدا نے ان کو اپنے لیے چن لیا تھا۔ غیر اللہ کی ان میں کوئی گنجائش نہ رہی تھی۔

- (۷) ﴿وَهٰذِهِ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾: راہ راست پر تھے یعنی اسلام اور دین حق پر تھے۔  
 (۸) ﴿وَاتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾: اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کی عزت و کرامت عطا کی اور ان کی نسل میں برکت دی اور سارا عالم ان کو خیر کے ساتھ یاد کرتا ہے۔

- (۹) ﴿وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَيَسِّنُ لِطٰلِبِيْهِ﴾: اور آخرت میں بھی وہ بلاشبہ نیکیوں میں سے ہے۔  
 (۱۰) خاتم الانبیاء کو ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم دیا۔ یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک فضیلت ہے کہ آنحضرت ﷺ جیسے شخص کو ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم دیا گیا اور چونکہ یہ فضیلت گزشتہ فضائل سے بڑھ کر ہے اس لیے تفاوتِ رتبی ظاہر کرنے کے لیے لفظ تَمَّ لایا گیا اور اس طرح فرمایا ﴿فُوْهُ اَوْ حٰنِفًا﴾۔ اشارہ اس طرف ہے کہ یہ فضیلت تمام فضائل سے بڑھ کر ہے اور ﴿فُوْهُ اَوْ حٰنِفًا اِلَيْكَ اِنْ اَتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ﴾ سے یہ بتلایا کہ مشرکین عرب کا یہ سمجھنا کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں غلط ہے۔ اصل ملت ابراہیمی پر ہمارے نبی ﷺ ہیں جن کو یہ حکم دیا گیا ہے ملت ابراہیمی کی پیروی کریں لہذا جو شخص ملت ابراہیمی کی پیروی کا مدعی ہو اس کو چاہئے کہ ملت محمدیہ کا اتباع کرے کیونکہ ملت ابراہیمیہ اور ملت محمدیہ باہم متحد اور متفق ہیں۔

- اور ﴿اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ﴾ میں یہود کا رد ہے کہ جو اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا پیرو بتلاتے تھے۔  
 ملت ابراہیمیہ میں جمعہ کی تعظیم تھی ہفتہ کا دن یہود کے اختلاف کی وجہ سے مقرر ہوا۔ ورنہ ہر نبی نے جمعہ کے دن عبادت کرنے کا حکم دیا ہے جمعہ کی تعظیم ملت ابراہیمیہ ہے اور ہفتہ کی تعظیم ملت ابراہیمی نہیں۔  
 مطلب یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نبی آخر الزمان ہیں۔ اپنے جدا مجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ملت کے پیرو ہیں۔ نہ یہودی ہیں نہ نصرانی ہیں اور نہ مشرک ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ بھی موحد اور حنیف ہیں۔ مشرکین اور اہل کتاب دونوں کا یہ دعویٰ کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں بالکل غلط ہے ملت ابراہیمی کے پیرو یہ مسلمان ہیں جو توحید پر ہیں چنانچہ فرماتے ہیں □

- (۱) بے شک ابراہیم علیہ السلام ایک کامل امت تھے۔ یعنی وہ ایسے امام اور ہادی اور پیشوا تھے کہ ان کی تہا ذات میں وہ

تمام صفات و کمال جمع تھیں جو متفرق طور پر ایک امت میں جمع ہوں گویا کہ وہ تھا ایک کامل امت کے قائم مقام تھے۔

لیس علی اللہ بمستنکر ان ینجمع العالم فی واحد  
جانا تو یگانہ دلے ذات تو ہست مجموعہ آثار کمالات ہمہ ! ! !

اور بعض کہتے ہیں کہ اس وقت روئے زمین پر سوائے ابراہیم علیہ السلام کے کوئی مومن نہ تھا وہ تھا وہ تھا امت تھے اس لیے ان کو امت کہا گیا۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مطیع اور فرماں بردار تھے یعنی اللہ کے حکموں پر چلنے والے تھے اپنے طرف سے کسی چیز کو حلال حرام کرنے والے نہ تھے۔

(۳) اور سب کو چھوڑ کر ایک خدا کی طرف ہو گئے تھے سب سے منہ موڑ کر ایک خدا کی طرف منہ کر لیا تھا۔

(۴) اور کبھی بھی مشرکین میں سے نہ ہوئے، بڑے بچے کے موحد تھے بچپن سے لے کر آخر عمر تک توحید پر قائم رہے۔

(۵) اور وہ اللہ کی نعمتوں کے بڑے شکر گزار تھے۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے روز ازل میں ان کو اپنی نبوت و رسالت و خلقت کے لیے چن لیا تھا جس کا ظہور دنیا میں ہوا۔

(۷) اور اللہ نے ان کو سیدھی راہ کی طرف چلایا جس طرف اور جس طرح خدا تعالیٰ ان کو چلاتا تھا اس طرف اور اسی

طرح چلتے تھے۔

(۸) اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی بھلائی دی۔ یعنی دنیا میں ہم نے ان کو رسالت اور خلعت اور صدق گفتار اور ذکر

جلیل اور قبول عام دیا کہ کل اہل ادیان ان سے محبت رکھتے ہیں اور یہود اور نصاریٰ اور مشرکین سب ان کو خیر کے ساتھ ذکر

کرتے ہیں اور مسلمان اپنی نمازوں میں یہ پڑھتے ہیں اللھم صلی علی محمد و علی آل محمد کما صلیت

علی ابراہیم و علی آل ابراہیم انک حبیب مجید۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں یہ خوبی اور بھلائی دی

کہ ان کے بیٹے اور پوتے بھی نبی ہوئے۔

(۹) اور بے شک ابراہیم علیہ السلام آخرت میں بڑے اچھے لوگوں میں سے ہیں۔ جو درجات عالیہ کے سزاوار ہیں۔

(۱۰) پھر من جملہ فضائل ابراہیمی کے یہ ہے کہ اے نبی کریم ﷺ ہم نے آپ ﷺ کی طرف وحی بھیجی کہ ملت

ابراہیم کا اتباع کریں جو حنیف تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔

یہ امر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فضائل میں سے ہے کہ خاتم الانبیاء اور سید الاولین والآخرین ﷺ کو آپ ﷺ کی

ملت کے اتباع کا حکم دیا گیا۔ اگر ملت ابراہیمی صحیح اور درست نہ ہوتی تو افضل الانبیاء ﷺ کو اس کے اتباع کا حکم نہ ہوتا۔ آخر

کو اول کے ساتھ نسبت اور وابستگی ہوتی ہے۔ توحید خالص اور اسلام یعنی اللہ کے سامنے گردن اطاعت ڈال دینا اور اپنے

آپ کو خدا کے حوالہ اور سپرد کر دینا۔ اس کی ابتداء حضرت ابراہیم خلیل اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے ہوئی جس کی وجہ سے ان

کو دنیا اور آخرت میں نیکی اور بھلائی ملی۔ اب اس توحید کامل کی انتہاء خاتم الانبیاء ﷺ پر ہوئی اور جو اصول اور عقائد اور قواعد

کلیہ و بارہ حلال و حرام ملت ابراہیمی میں تھے وہ آخری ملت یعنی شریعت محمدیہ میں باقی رکھے گئے درمیان میں یہود اور

نصاری کو ان کے حالات کے مناسب بعض مخصوص احکام دیئے گئے آخر میں دعاء ابراہیمی کے مطابق ﴿رَبِّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾۔ خاتم الانبیاء ﷺ مبعوث ہوئے تو ملت ابراہیمی کو دوبارہ زندہ کر دیا تاکہ توحید خالص اور اسلام یعنی خداوند ذوالجلال کی فرماں برداری از سر نو زندہ ہو جائے اور شرک کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے چنانچہ شاہ عبدالقادر محمد فرماتے ہیں۔ ”یعنی حلال و حرام میں اور دین کی باتوں میں اصل ملت ابراہیم ﷺ ہے عرب کے لوگ آپ ﷺ کو حنیف کہتے ہیں اور شرک کرتے ہیں اس کی راہ پر نہیں اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا کی خوبی اور آسودگی اور قبولیت سارے جہان میں دی تھی۔ درمیان میں یہود اور نصاریٰ کو موافق ان کے حال کے اور حکم بھی ہوئے آخر پیغمبر ﷺ بھی اسی ملت پر آئے (انہی) لہذا اے مشرکین عرب تم کو چاہئے کہ اس برگزیدہ نبی کا اتباع کرو کیونکہ اس نبی کا راستہ وہی ہے جس کے اتباع کا تم دعویٰ کرتے ہو۔“

آنحضرت ﷺ بلاشبہ افضل الانبیاء اور خاتم النبیین ہیں اور نبوت و رسالت کے تمام فضائل و کمالات کے جامع ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو انبیاء سابقین کے اقتداء کا حکم دیا۔ ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ أَقْبَلُوا﴾ اور مطلب یہ تھا کہ دعوت اور تبلیغ میں ان کے طریقے پر چلے اسی طرح ﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ﴾ کا مطلب سمجھے کہ اللہ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ توحید اور ابطال شرک میں ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا اتباع کیجئے۔ اور ملت ابراہیمی بھی خدا ہی کی نازل کردہ ہے۔ آپ ﷺ نبوت و رسالت اور ملت و شریعت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تابع نہ تھے بلکہ مستقل نبی اور رسول تھے آپ ﷺ ایسے نہ تھے جیسا کہ انبیاء بنی اسرائیل تو ریت اور شریعت موسویہ کے تابع تھے حق جل شانہ نے قرآن کریم میں انبیاء سابقین کی شریعتوں کے بعض احکام کا ذکر فرمایا ہے اور تو ریت و انجیل کے بھی بعض احکام کا قرآن کریم میں ذکر ہے اور آپ ﷺ نے ان پر عمل بھی فرمایا ہے لیکن آپ ﷺ کا یہ عمل اس بنا پر نہ تھا کہ انبیاء بنی اسرائیل کی طرح آپ ﷺ شریعت موسویہ کے تابع تھے بلکہ بحکم خداوندی اور اتباع وحی الہی تھا براہ راست آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی اور جبریل امین علیہ السلام کا پیغام اور اس کے احکام لے کر آپ ﷺ پر نازل ہوتے تھے۔ اسی طرح ملت ابراہیمی کا اتباع وحی ربانی اور حکم یزدانی کی بناء پر تھا نہ کہ اس بناء پر کہ آپ ﷺ مستقل نبی اور مستقل رسول نہ تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تابع تھے۔ آپ ﷺ تمام انبیاء و مرسلین سے افضل اور اکمل تھے اور بحکم خداوندی انبیاء سابقین کے طریقے پر چلتے تھے۔ آپ ﷺ کسی کے تابع نہ تھے بلکہ حکم خداوندی کے تابع تھے۔ آنحضرت ﷺ کو تمام انبیاء کے اتباع اور اقتداء کا حکم اس لیے دیا گیا کہ آپ ﷺ سب کے بعد مبعوث ہوئے نہ کہ اس وجہ سے کہ آپ ﷺ دیگر انبیاء سے فضیلت اور رتبہ میں کم تھے۔ آپ ﷺ تو اللہ کے نزدیک اکرم الاولین والآخرین ہیں اور سب سے اکمل اور افضل ہیں اور فضیلت میں آپ ﷺ کا حصہ سب سے زیادہ اور اشمل ہے۔ ف

تواصل و باقی طفیل تواند  
توشاہی و مجموع خیل تواند

ایک اشکال ۱ اور اس کے تین جواب

اس مقام پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ ملت ابراہیمیہ اور ملت محمدیہ ﷺ کیا اصول فروع میں دونوں ملتیں متحد اور متفق

۱۔ اشکال اور جواب اول اور جواب دوم تفسیر عزیزی سے ماخوذ ہیں اور جواب سوم تفسیر کبیرہ وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ (منہ عفا اللہ عنہ)



ہیں اور وہ اعتبار سے یعنی اصول کے اعتبار سے بھی اور فروع کے اعتبار سے بھی باہم ایک دوسرے کا عین ہیں یا فقط اصول دین میں دونوں ملتیں متحد ہیں یعنی توحید اور نبوت اور معاد میں تو متفق ہیں مگر فروع میں مختلف ہیں۔

پس اگر شق اول کو اختیار کریں یعنی یہ کہیں کہ دونوں امتیں (ملت محمدیہ اور ملت ابراہیمیہ) اصول و فروع دونوں میں متفق اور متحد ہیں تو یہ لازم آئے گا کہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ مستقل نبی اور صاحب شریعت جدیدہ نہ ہوں بلکہ آپ ﷺ کی شان انبیاء بنی اسرائیل کی سی ہو کہ جو شریعت موسویہ کی تجدید اور ترویج کے لیے مبعوث ہوئے تھے اسی طرح آپ ﷺ بھی ملت ابراہیمیہ کی تجدید و ترویج کیلئے مبعوث ہوئے تھے اور یہ امر صریحاً اعلان ہے۔

اور اگر شق ثانی کو اختیار کریں یعنی یہ کہیں کہ دونوں ملتیں اصول دین میں تو متحد ہیں اور فروع میں مختلف ہیں تو ایسی صورت میں یہ اشکال لازم آتا ہے کہ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کیا خصوصیت کہ آپ ﷺ کو ان کی ملت کے اتباع کا حکم دیا گیا۔ اصول دین میں تو انبیاء کرام ﷺ کی شریعتیں اور ملتیں متحد اور متفق ہیں دین تمام انبیاء ﷺ کا ایک ہے اور شریعت ہر ایک کی جداگانہ ہے کما قال تعالیٰ ﴿يَسِّرْ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَطَىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ اس اعتبار سے تو یہودی اور نصرانی بھی ملت ابراہیمی کے متبع ہیں مسلمانوں کی کیا خصوصیت۔ اس اشکال کے کئی جواب ہیں۔

جواب اول:..... ہر شریعت میں تین باتیں ہیں۔

اول: اصول و عقائد۔ یعنی خدا کی ذات و صفات پر ایمان لانا اور انبیاء اور رسل کو حق سمجھنا اور قیامت کو حق جاننا۔

دوم: قواعد کلیہ، جو احکام جزئیہ اور مسائل فرعیہ کا ماخذ ہوتے ہیں اور تمام جزئیات میں انہی کلیات کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

سوم: فروع اور مسائل جزئیہ اور احکام شرعیہ۔

قسم اول کا نام دین ہے جو تمام انبیاء کرام ﷺ میں مشترک ہے اس میں زمانہ کے اختلاف سے کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا اور نہ اس میں نسخ واقع ہوتا ہے اس لیے کہ عقائد اور اصول دین از قبیل خبر ہیں کہ اللہ ایک ہے اور قیامت برحق ہے اور خبر میں عقلاً نسخ جاری نہیں ہو سکتا ورنہ خبر کا کاذب ہونا لازم آئے گا۔ نسخ۔ عقلاً انشاء یعنی حکم اور امر اور نہی میں جاری ہوتا ہے۔

اور قسم ثانی کا نام ”ملت“ ہے۔ یعنی ملت ان اصول اور قواعد کلیہ کا نام ہے جن پر احکام جزئیہ کا دار و مدار ہو۔

اور مجموعہ اعتقادات اور اصول کلیات اور فروع جزئیات کا نام شریعت ہے جو ہر رسول کی جدا اور الگ ہے۔

پس ملت محمدی اور ملت ابراہیمی کا توافق اور اتحاد انہی اصول اور کلیات میں مراد ہے جن پر احکام جزئیہ کی بناء ہے

باقی رہی شریعت۔ سو ہماری شریعت سب شریعتوں سے جدا اور الگ ہے اور مستقل ہے۔ اور دونوں ملتوں کے توافق کے معنی

یہ ہیں کہ ملت ابراہیمی کے اصول اور قواعد کلیہ شریعت محمدیہ میں تمام و کمال موجود ہیں۔ ان میں کوئی تفاوت نہیں اگر بعض فروع

متخرفہ اور احکام جزئیہ میں بحسب مصلحت زمانہ کچھ فرق آ گیا تو کوئی مضائقہ کی بات نہیں لہذا ہم یہ کہتے ہیں کہ ملت محمدیہ اور

ملت ابراہیمیہ اصول احکام اور قواعد کلیہ میں متفق ہیں اور یہ نہیں کہتے کہ ہماری شریعت اور ہمارا دین و آئین بعینہ وہی دین و

آئین ہے اور وہی شریعت ہے کہ جو ابراہیم علیہ السلام کا تھا اس لیے کہ شریعت اور دین و آئین میں لحاظ فروع اور جزئیات کا بھی

ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ شریعت ابراہیمی کے تمام فروع اور جزئیات بعینہ شریعت محمدیہ میں محفوظ نہیں۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ ملت اور شریعت میں فرق ہے اتحاد اور اتفاق باعتبار ملت کے ہے نہ کہ اعتبار شریعت کے۔ ملت (یعنی اصول و احکام اور قواعد کلیہ) کے اعتبار سے دونوں ملتیں (یعنی ملت محمدیہ اور ملت ابراہیمیہ) باہم متوافق اور متحد ہیں اور شریعت کے اعتبار سے دونوں ملتیں جدا جدا ہیں اور علیحدہ علیحدہ ہیں۔

جواب دوم:..... اور بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ شریعت محمدیہ ابراہیمیہ ہے۔ ان حضرات نے ملت اور شریعت میں فرق نہیں کیا۔ اور یہ کہا ہے کہ دونوں شریعتیں اصول و فروع میں متفق اور متحد ہیں جیسا کہ ظاہر آیات اور احادیث سے مفہوم ہوتا ہے۔ ﴿مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ﴾ ﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا﴾ اور حدیث اتبعتکم بالخیفۃ السمحة البیضاء وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کی آیات اور احادیث سے مفہوم یہی ہوتا ہے کہ دونوں ملتیں اور دونوں شریعتیں اصولاً اور فروعاً متفق اور متحد ہیں مثلاً توحید اور بتوں کا توڑنا اور ختنہ اور عقیدہ اور قربانی اور ہدی اور مناسک حج اور خصال فطرت اور غسل جنابت اور اشہر حرم کی تحریم اور ابطال کہانت و نجوم اور ابطال بت پرستی اور رزق و شفا اور موت و حیات کو بلا واسطہ مسبب الاسباب کی طرف سے سمجھنا اور نجوم و کواکب کا معتقد نہ ہونا اور سعادت و نحوست کو من جانب اللہ جاننا اور اصول مکارم اخلاق یعنی صبر و رضاء بقاء اور تسلیم و تقویض وغیرہ وغیرہ یہ ملت ابراہیمی کے احکام ہیں جو شریعت محمدیہ میں بعینہ باقی ہیں لیکن خوب سمجھ لو کہ دونوں ملتوں کے متفق ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ملت ابراہیمی کے تمام فروع و اصول ملت محمدیہ میں تمام و کمال محفوظ ہیں۔ اگرچہ صد ہا بلکہ ہزار اصول و فروع شریعت محمدیہ میں زیادہ ہیں مگر مخالف نہیں بلکہ اسی کی شرح اور بسط اور تمہیم و تکمیل ہے۔ پس ملت ابراہیمی بمنزلہ متن کے ہے اور شریعت محمدیہ بمنزلہ شرح کے ہے اور ہزار ہا زوائد و فوائد پر مشتمل ہے اور مجمع الزوائد اور منبع الفوائد ہے اور اسی معنی کر شرح کو متن کے تابع کہا جاتا ہے کہ متن شرح کے لیے بمنزلہ اساس کے ہوتا ہے جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ کو صاحب مصابیح کے تابع کہا جاتا ہے اس لیے کہ مشکوٰۃ اگرچہ صد ہا زوائد پر مشتمل ہے مگر اس کی تاسیس اور بناء مصابیح السنہ پر ہے اس بناء پر مشکوٰۃ کو مصابیح کے تابع کہا جاتا ہے۔

اسی طرح سمجھو کہ شریعت محمدیہ ملت ابراہیمیہ کے تمام احکام کو مع احکام زائدہ اپنے اندر لیے ہوئے ہے اور ملت ابراہیمی کے احکام شریعت محمدیہ کے احکام زائدہ کے ساتھ ایسے مخلوط ہو گئے ہیں کہ شدت اختلاط اور کثرت امتزاج کی وجہ سے دونوں ملتوں کے احکام میں تمیز اور فرق نہایت دشوار ہے اور شریعت موسویہ میں نہ تو ملت ابراہیمی کے اصول و قواعد کی رعایت ہے اور نہ وہ ملت ابراہیمی کے تمام احکام کو اپنے اندر لیے ہوئے ہیں۔

پس حضور پر نور ﷺ کے مستقل نبی اور صاحب شریعت جدیدہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ کی شریعت اگرچہ ملت ابراہیمی کے اصول اور فروع کو حاوی ہے لیکن ہزار ہا زوائد و فوائد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایک جدید شے ہے آپ ﷺ کی شریعت میں ہزار ہا احکام ملت ابراہیمی پر زیادہ کیے گئے ہیں اور انبیاء بنی اسرائیل نے شریعت موسویہ اور احکام تورات پر کسی حکم کا اضافہ نہیں کیا وہ فقط دین موسوی کے مروج تھے اس لیے وہ مستقل نبی اور رسول نہ تھے بخلاف

شریعت محمدیہ کے کہ اس میں ملت ابراہیمی کے احکام پر بیشمار احکام کا اضافہ ہوا۔

الغرض شریعت محمدیہ میں ملت ابراہیمیہ کے تقریباً تمام اصول اور احکام بعینہ باقی ہیں گویا کہ شریعت محمدیہ شریعت ابراہیمیہ کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اس کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے مگر امتداد زمانہ کی وجہ سے ملت ابراہیمی کے تمام احکام بالکل مندرس ہو چکے تھے۔ صفحہ ہستی پر کہیں ان کا نام و نشان نہ رہا تھا سوائے جدید وحی کے ان کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ پس حق جل شانہ نے آنحضرت ﷺ کو جدید وحی کے ذریعے سے ملت ابراہیمیہ کے احکام پر مطلع کیا اس لیے آپ ﷺ صاحب شریعت جدیدہ کہلائے۔ شریعت کے جدید ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس شریعت کے احکام جدید ہوں کہ جو اس سے پہلے نازل نہ ہوئے ہوں بلکہ شریعت کے جدید ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کا نزول جدید ہو اور ازسرنو عالم غیب سے اس کی تعلق ہوئی ہو۔ اس وجہ سے حضرت یوشع اور حضرت عزیز رضی اللہ عنہما کو صاحب کتاب جدید اور صاحب شریعت جدیدہ نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ شریعت موسویہ ان میں موجود اور محفوظ تھی۔ ازسرنو عالم غیب سے بذریعہ وحی جدید اس کا نزول نہ ہوا تھا اور توریت ان سے پہلے نازل ہو چکی تھی اور انبیاء بنی اسرائیل پر سوائے احکام تورات کے دوسرے احکام بذریعہ وحی جدید نازل نہیں ہوتے تھے سابق وحی کے تابع تھے اور آنحضرت ﷺ کسی سابق وحی کے تابع نہ تھے۔ عالم غیب سے ہر روز جدید وحی نازل ہوتی تھی اس لیے آپ ﷺ صاحب شریعت جدیدہ ہوئے اور خاتم الانبیاء اور ناسخ الادیان ہوئے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ حکومت میں جب کسی کو جدید وزیر اعظم اور مدارالمہام بنایا جاتا ہے تو اس وقت کے مناسب اس کو جدید آئین اور نئے قوانین دیئے جاتے ہیں پس اگر بادشاہ کسی کو وزیر اعظم بنائے اور اس کا یہ حکم دے کہ تم موجود آئین اور قانون کو منسوخ سمجھو اور تم سے تیس سال پہلے فلاں وزیر کے زمانہ میں جو دستور ہماری بارگاہ سے عطا ہوا تھا اس کا اتباع کرو اور طریق پر چلو تو اس حکم کے یہ معنی نہیں کہ یہ وزیر مستقل وزیر نہیں پہلے وزیر کا تابع اور ماتحت ہے بلکہ یہ جدید وزیر بلاشبہ مستقل وزیر ہے حکم شاہی کا تابع ہے بلا واسطہ بادشاہ کی طرف سے اس کو یہ حکم ملا۔ سابق وزیر کو جو دستور اور آئین عطا ہوا تھا وہ بھی حکومت کی طرف سے عطا ہوا تھا اب حکومت کی مصلحت یہ ہے کہ موجودہ آئین کو منسوخ کر دیا جائے اور گزشتہ آئین اور دستور کو جاری اور نافذ کیا جائے لہذا یہ جدید وزیر گزشتہ آئین کے اتباع کی وجہ سے سابق وزیر کا تابع نہیں سمجھا جائے گا۔ بلکہ حکم شاہی کے تابع سمجھا جائے گا۔

جواب سوم:..... ملت ابراہیمیہ کے اتباع سے مراد یہ ہے کہ توحید اور صراط مستقیم اور دین اسلام کی دعوت اور تبلیغ اور کفار سے محابہ اور مناظرہ میں اور کفر کافری سے تبری اور بیزاری میں اور مکارم اخلاق یعنی رضا و تسلیم اور صبر و شکر میں اپنے جدا مجد ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ اختیار کیجئے کہ نرمی کے ساتھ لوگوں کو صراط مستقیم کی دعوت دیجئے اور ابراہیم علیہ السلام کی طرح دلائل اور براہین قاطعہ سے کفر اور شرک اور نجوم اور کہانت کا ابطال فرمائیے اور شعائر اسلام، جیسے استقبال کعبہ اور جمعہ کی تعظیم اور ختنہ اور قربانی اور مناسک حج کو صحیح طریقہ سے جاری فرمائیے اور ملت ابراہیمی میں جن مشرکانہ رسوم کی آمیزش ہو گئی اس سے ملت ابراہیمی کو پاک و صاف کر دیجئے چونکہ آنحضرت ﷺ کی بعثت دعاء ابراہیمی کی اجابت کا ثمرہ ہے بناء کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی۔ **رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ**۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

ابوالعالیہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب آیا اے ابراہیم علیہ السلام تیری دعا قبول ہوئی۔ اس شان کا نبی آخر زمانہ میں ظاہر ہوگا اس وجہ سے حدیث میں آیا ہے، انا دعوة اہی ابراہیم، یعنی میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔ اس لیے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو ابراہیم خلیل علیہ السلام کی ملت کے اہرام کا حکم آیا جس کی دعا سے یہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر و مبعوث ہوا یہاں تک تو مشرکین عرب کا رد ہوا جو اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا قبیح بتلاتے تھے اب آگے یہود کا رد ہے کہ جو یہ کہتے تھے کہ شریعت محمدیہ میں تو عبادت کے لیے جمعہ کا دن اختیار کیا گیا اور ملت ابراہیم علیہ السلام میں تو ہفتہ کا دن تھا۔ پس ملت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کہاں رہی جس کے آپ مدعی ہیں ابراہیم علیہ السلام کے دین میں ہفتہ کی تعظیم خاص تھی وہ آپ نے ترک کر دی۔ اس کی جگہ جمعہ مقرر کر لیا اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ محض غلط ہے ابراہیم علیہ السلام ہفتہ کی تعظیم نہیں فرماتے تھے۔ جزایں نیست کہ ہفتہ کی تعظیم اور اس دن شکار کی تحریم صرف ان لوگوں پر لازم کر دی گئی تھی جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا یعنی اصل ملت ابراہیمی میں ہفتہ کا حکم نہ تھا اور نہ اس آیت میں ہے البتہ درمیان میں جن لوگوں نے یعنی یہودیوں نے اس بارے میں بحث کی اور حکم خداوندی اور ارشاد پیغمبری سے اختلاف کیا اور بجائے جمعہ کے ہفتہ کا دن منتخب کیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اچھا اس دن کی تعظیم کیا کرو اور بطور آزمائش ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دے دیا کہ اس روز مچھلی کا شکار نہ کیا کرو یہ حکم بھی کسی نے نہ مانا۔ بالآخر نہ ماننے والے دنیا میں بندر اور سور بنائے گئے باقی آخری فیصلہ آخرت میں ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ یوم سبت کی تعظیم کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت میں نہ تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک زمانہ دراز کے بعد یہود پر ہوا۔ احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو جمعہ کے دن مجتمع ہو کر عبادت کرنے کا حکم دیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے بھی یہود کو جمعہ کی تعظیم کا حکم دیا تھا مگر انہوں نے نہ مانا۔ اور کہا کہ ہم تو ہفتہ کے دن کی تعظیم کریں گے کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ مخلوق کے پیدا کرنے سے فارغ ہوا تھا اس لیے اس دن کو ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے فارغ کریں گے اللہ تعالیٰ نے ان پر اس دن کی تعظیم فرض کر دی اور جس روز کو کہ انہوں نے اپنے لیے پسند کیا اسی پر ان کو چھوڑ دیا۔ پھر جب عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو انہوں نے بھی اپنی امت کو جمعہ کی تعظیم کا حکم دیا انہوں نے ان کا حکم نہ مانا اور یہ کہا کہ تخلیق عالم کی ابتداء یکشنبہ سے ہوئی ہے اس لیے ہم اتوار کے دن کی تعظیم کا دن بنائیں گے۔ خدا تعالیٰ نے اس پر اسی دن کی تعظیم فرض کر دی۔ غرض یہ کہ یہود و نصاریٰ نے جو چیز اپنے لیے پسند کی اللہ نے وہی چیز ان پر لازم اور مقرر کر دی پھر جب نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن جمع ہو کر اللہ کی عبادت کی مگر ان کی امتوں نے اختلاف کر کے دوسرا دن بدل لیا اللہ کریم نے ہر فرقہ پر وہی لازم کر دیا جو سن اس نے اپنی رائے سے اختیار کیا۔ مطلب یہ ہے ملت ابراہیمی میں ہفتہ کا دن مقرر ہوا تھا۔ یہ دن تو ایک مدت دراز کے بعد ان یہود پر مقرر ہوا جنہوں نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد سے اختلاف کر کے یہ دن اپنے لیے منتخب کیا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اچھا یہی دن سہی اور ان پر سختی کر دی گئی کہ اس دن ان پر مچھلی کا شکار حرام کر دیا گیا۔ پھر جن لوگوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی وہ بندر اور سور بنادینے گئے۔ یہ تو دنیا میں ہوا اور آخری فیصلہ آخرت میں ہوگا اور بے شک تیرا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ کر دے گا جس میں یہ دنیا میں اختلاف کرتے تھے۔ اس

دن معلوم ہو جائے گا کہ کون غلطی پر تھا اور کون راستی پر جب ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء و سزا ملے گی تو معلوم ہو جائے گا کہ کون حق پر تھا لہذا لوگوں کو چاہئے کہ نبی کے حکم سے اختلاف نہ کریں۔

اب آئندہ آیات میں اپنے نبی کو حکم دیتے ہیں کہ لوگوں کو راہ حق کی دعوت دیں اور نیک طریقہ سے ان کو ہدایت کریں۔

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالنُّوعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ط إِنَّ

بلا اپنے رب کی راہ پر سچی باتیں سمجھا کر اور نصیحت سنا کر بھلی طرح اور الزام دے ان کو جس طرح بہتر ہو۔ بلا اپنے رب کی راہ پر، سچی باتیں سمجھا کر، اور نصیحت کر کر بھلی طرح، اور الزام دے ان کو جس طرح بہتر ہو۔

رَبِّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۴﴾ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ

تیرا رب ہی بہتر جانتا ہے ان کو جو بھول گیا اس کی راہ اور وہی بہتر جانتا ہے ان کو جو راہ پر ہیں فُلَّ اور اگر بدلہ لو تیرا رب بہتر جانتا ہے، جو بھولا اس کی راہ سے، اور وہی بہتر جانتا ہے جو راہ پر ہیں۔ اور اگر بدلہ دو،

فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوِّقِبْتُمْ بِهِ ط وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ﴿۱۵﴾ وَاصْبِرْ وَمَا

تو بدلہ لو اس قدر جس قدر کہ تم کو تکلیف پہنچائی جائے اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر والوں کو فُلَّ اور تو صبر کر اور تجھ سے تو بدلہ دو اس قدر جتنی تم کو تکلیف پہنچی، اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر والوں کو۔ اور تو صبر کر اور تجھ سے

فُلَّ اور ہر کی آیتوں میں مخالفین کو آگاہ کرنا تھا کہ یہ پیغمبر اصل ملت ابراہیمی لے کر آئے ہیں، اگر کامیابی چاہتے ہو اور "صنعت" ہونے کے دعوے میں سچے ہو تو اس راستہ پر چل پڑو۔ اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ الخ سے خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ لوگوں کو راستہ پر کس طرح لانا چاہیے اس کے تین طریقے بتائے۔ حکمت، مو عظت، حسنہ، جدال بالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ "حکمت" سے مراد یہ ہے کہ نہایت بھکت اور اعلیٰ مناسبتیں مضبوط دلائل و براہین کی روشنی میں حکیمانہ انداز سے پیش کیے جائیں۔ جن کو سن کر فہم و ادراک اور دل کی ذوق رکھنے والا طبقہ گردن جھکانے۔ دنیا کے خیالی فلسفے ان کے سامنے مانع پڑ جائیں اور مسمی قسم کی طغی و دماغی ترقیات و وحی الہی کی بیان کردہ حقائق کا ایک شوشہ تبدیل نہ کر سکیں۔ "مو عظت حسنہ" موثر اور رقت انگیز نصیحتوں سے مہارت ہے جن میں نرم خوئی اور دوسوزی کی روح بھری ہو۔ اخلاص، ہمدردی اور شفقت و حسن اخلاق سے خوبصورت اور معتدل پیرایہ میں جو نصیحت کی جاتی ہے۔ بسا اوقات پتھر کے دل بھی موم ہو جاتے ہیں، مرد دل میں جاتیں پڑ جاتی ہیں۔ ایک مایوس و پشیمرد قوم بھر تھری لے کر کھڑی ہو جاتی ہے، لوگ ترغیب و ترسب کے مناسبتیں سن کر منزل مقصود کی طرف بیتابانہ دوڑنے لگتے ہیں۔ اور بالخصوص جو زیادہ مالی دماغ اور ذکی و فہم نہیں ہوتے، مگر طلب حق کی چٹھاری سینے میں رکھتے ہیں، ان میں موثر و عطا و پند سے عمل کی ایسی اسٹیج بھری جا سکتی ہے جو بڑی اونچی مالمانہ تحقیقات کے ذریعہ سے ممکن نہیں۔ ہاں دنیا میں ہمیشہ سے ایک ایسی جماعت بھی موجود رہی ہے جن کا کام ہر چیز میں الجھنا اور بات بات میں جھگڑیں نکالنا اور کج بھگتی کرنا ہے یہ لوگ نہ حکمت کی باتیں قبول کرتے ہیں نہ وعظ و نصیحت سنتے ہیں۔ بلکہ چاہتے ہیں کہ ہر مسئلہ میں بحث و مناظرہ کا ہزار گرم ہو۔ بعض اوقات اہل فہم و انصاف اور طاہرین حق کو بھی شبہات گھیر لیتے ہیں اور بدون بحث کے تسلی نہیں ہوتی اس لیے وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فرمادیا کہ اگر ایسا موقع پیش آئے تو بہترین طریقہ سے تہذیب، شائستگی، حق شناسی اور انصاف کے ساتھ بحث کرو۔ اپنے حریف مقابل کو الزام دو تو بہترین اسلوب سے دو خواہ مخواہی دل آزار اور دھجک خراش باتیں مت کرو۔ جن سے تنقید بڑھے اور معاملہ طول کھینچے، مقصود فہم اور احقاق حق ہونا چاہیے، خشونت، اہانتی، ٹھن، پروری اور ہٹ دھرمی سے کچھ نتیجہ نہیں۔

فُلَّ یعنی طریق دعوت و تبلیغ میں تم کو خدا کے بتائے ہوئے راستہ پر چلانا چاہیے۔ اس فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ کس نے مانا مانس نے نہیں مانا، نتیجہ کو خدا کے سپرد کرو۔ وہ ہی راہ پر آنے والوں اور نہ آنے والوں کے حالات کو بہتر جانتا ہے بیجا مناسب ہو گا ان سے معاملہ کرے گا۔

فُلَّ یعنی دعوت و تبلیغ کی راہ میں اگر تم کو سختیاں اور تکلیفیں پہنچائی جائیں تو قدرت حاصل ہونے کے وقت برابر کا بدلہ لے سکتے ہو، اجازت ہے، لیکن صبر کا مقام اہم سے بلند ہے۔ اگر صبر کر دے تو اس کا نتیجہ تمہارے حق میں اور دیکھنے والوں کے بلکہ خود زیادتی کرنے والوں کے حق میں بہتر ہو گا۔

صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿۱۳﴾ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ

صبر ہو سکے اللہ ہی کی مدد سے اور ان پر غم نہ کھا اور تنگ مت ہو ان کے فریب سے فل اللہ ساتھ ہے ان کے جو صبر ہو سکے اللہ ہی کی مدد سے، اور ان پر غم نہ کھا، اور مت خفا رہ ان کے فریب سے۔ اللہ ساتھ ہے ان کے جو

اتَّقُوا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ﴿۱۴﴾

پرہیزگار ہیں اور جو نیکی کرتے ہیں ﴿۱۴﴾

پرہیزگار ہیں اور جو نیکی کرتے ہیں۔

### آداب دعوت و تبلیغ

قَالَ النَّبِيُّ: «ادْع إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ... إِلَى... وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ»

رابطہ:..... گزشتہ آیت میں ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم تھا اور اسلام اور صراط مستقیم کی دعوت ملت ابراہیمی کا مقصود اصل اور اولیٰ تھا۔ اب ان آیات میں دعوت اسلام اور تبلیغ کے آداب بتلاتے ہیں کہ وعظ و نصیحت اور تبلیغ و دعوت میں کن امور کو ملحوظ رکھنا چاہئے یعنی حکمت اور موعظت اور مجادلہ حسنہ کو ملحوظ رکھیں اور اگر کفار کی طرف سے کوئی اذیت اور تکلیف پہنچے تو اگرچہ انتقام جائز ہے لیکن اگر صبر اور تقویٰ سے کام لیں تو بہتر ہے اللہ تعالیٰ نے متقین اور محسنین سے اپنی معیت خاصہ کا وعدہ فرمایا ہے اور صبر اور تقویٰ اور احسان یعنی اخلاص اور خدا پرستی بھی فلاح اور کامیابی کی کنجی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

اے نبی دعوت دے اور بلا تو اپنے پروردگار کی راہ کی طرف علم و حکمت کی باتوں کے ساتھ یعنی محکم دلائل کے ساتھ۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے محکم دلائل سے شمس و قمر اور کواکب کی الوہیت کو باطل کیا اور خدا کی توحید کی دعوت دی اور عمدہ نصیحت کے ساتھ یعنی نرمی اور دلسوزی کے ساتھ ان کو حق کی دعوت دوجس سے مقصود ان کی خیر خواہی ہونہ کہ نصیحت۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو نصیحت کی ﴿يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا﴾ الی آخر ہا یہ سب عمدہ نصیحت بھی تھی اور علم و حکمت کی باتیں بھی تھیں اور اگر بحث و مباحثہ آ پڑے تو نہایت عمدہ طریقے کے ساتھ ان سے مناظرہ کرو۔ یعنی ان پر ایست طریقے سے حجت اور الزام قائم کرو جس میں خشونت اور سخونت نہ ہو جس سے وہ دشمنی پر آمادہ ہو جائیں جیسے ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے جواب میں کہا۔ ﴿فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالسَّمَنِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ﴾ نمرود اس حجت الزامیہ کو سن کر مبہوت ہو گیا۔ پس اگر اگر آپ ﷺ نے ایسا کر لیا تو دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا ہو گیا اب آپ ﷺ اس فکر میں نہ پڑیے کہ کس نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کیا اور کس نے رد کیا بے شک تیرا پروردگار خوب جانتا

فل یعنی ظالم و شائد پر صبر کرنا سہل کام نہیں۔ خدا ہی مدد فرمائے تو ہو سکتا ہے کہ آدمی ظلم بہتا رہے اور ان نہ کرے۔

فل یعنی انسان جس قدر خدا سے ڈر کر تقویٰ، پرہیزگاری اور نیکی اختیار کرے گا، اسی قدر خدا کی امداد و اعانت اس کے ساتھ ہوگی۔ سو ایسے لوگوں کو کفار کے مکرو فریب سے تنگ دل اور غمگین ہونے کی کوئی وجہ نہیں حق تعالیٰ اس عاجز و ضعیف کو بھی متقین و محسنین کے ساتھ اپنے فضل و رحمت سے محو فرمائے۔ تم سورۃ النحل بعونہ و توفیقہ واللہ الحمد۔

ہے اس کو جو اس کی راہ سے بہکا اور دعوت سراپا عظمت اور حسن موعظت اور حسن مجاہدت کے باوجود باطل سے حق کی طرف نہ آیا اور وہی خوب جانتا ہے ان کو جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزاء و سزا دے گا۔ تیرا کام صرف حکم پہنچا دینا ہے اور اگر دعوت و تبلیغ کی راہ میں تم کو سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں تو تم اپنا بدلہ لینے پر بھی قادر ہو تو اگر بدلہ لینا چاہو تو اتنا ہی بدلہ لے لو مگر ان کی طرف سے ستائے گئے ہو اور عدل و انصاف کی حدود سے تجاوز نہ کرو۔ بمقدار ظلم بدلہ لے لو مگر زیادتی نہ کرو یہ رخصت اور اجازت ہے اور اگر تم صبر کرو تو صبر کرنا صابروں کے حق میں بہتر ہے۔ یہ درجہ عزیمت کا ہے کہ جو تمہیں ستائے اس کا تصور معاف کر دو اور اگر اس پر تمہارا دل آمادہ نہ ہو تو اتنا ہی بدلہ لے لو اپنی طرف سے زیادتی نہ کرو اس سے بڑھ کر حسن اخلاق کی تعلیم نہیں ہو سکتی اگر برابر برابر بدلہ لے لیا تو یہ عدل و انصاف ہو اور اگر معاف کر دیا تو یہ احسان ہوگا اور صبر اگر چہ ادروں کے حق میں واجب اور لازم نہیں۔ مگر اے نبی ﷺ! آپ ﷺ پر صبر لازم ہے۔

آپ ﷺ ضرور صبر کیجئے اور آپ ﷺ کا صبر خاص خدا کی تائید اور توفیق سے ہے آپ ﷺ تسلی رکھیں۔ آپ ﷺ کو اس صبر میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ اور آپ (ﷺ) ان کی مخالفت پر رنجیدہ نہ ہوں اور تمکین نہ ہوں اور نہ ان کے مکرو فریب سے تنگ دل ہوں۔ یہ لوگ آپ (ﷺ) کا اور اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو صفت تقویٰ اور صفت احسان کے ساتھ موصوف کیا ہے۔

اور اللہ کا وعدہ ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ اپنی خاص الخاص رحمت اور عنایت سے ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو پرہیزگار ہیں اور مخلص نیکوکار ہیں جس درجہ کا تقویٰ اور احسان یعنی اخلاص ہوگا اسی درجہ کی معیت اور اعانت غیبی اس کے ساتھ ہوگی۔ تقویٰ کے معنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کے ہیں اور احسان کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی اطاعت اور بندگی اس طرح کرے گویا وہ خدا جل شانہ کو دیکھ رہا ہے اور معیت سے معیت خاصہ مراد ہے یعنی نصرت و حمایت و تائید و تقویت، کما قال اللہ تعالیٰ ﴿لَا تَخَافَا إِنِّي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَى﴾ ﴿لَا تَحْزَنَ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ ان آیات میں معیت سے معیت خاصہ مراد ہے اور حق جل شانہ کے اس ارشاد ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ میں معیت سے مراد معیت عامہ ہے۔ یعنی احاطہ علمی مراد ہے۔

### الحمد لله

اس وقت بوقت سحر شب دوشنبہ بتاریخ ۹ رجب المرجب سنہ ۱۳۸۹ ہجری سورۃ نحل کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

فلله الحمد والاولا والاخر۔

اللهم اجعلنا من عبادك المخلصين واوليائك المتقين المحسنين وحبك المفلحين۔ آمين يا رب العلمين... وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد وعلى اليه واصحابه اجمعين۔ وعلينا معهم يا رحم الراحمين۔



## تفسیر سورۃ الاسراء یعنی سورۃ بنی اسرائیل

سورۃ بنی اسرائیل جس کو سورۃ اسراء بھی کہتے ہیں مکہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں چونکہ اس سورت میں بنی اسرائیل کا ذکر ہے اس لیے یہ "سورت بنی اسرائیل" کے نام سے مشہور ہوئی اور چونکہ اس سورت میں آنحضرت ﷺ کے اسراء اور معراج کا بیان ہے اس لیے اس سورت کا ایک نام سورۃ الاسراء بھی ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکہ ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ سورت مکہ ہے مگر دو آیتیں ایک ﴿وَإِنْ كَانُوا لَيْسْتَغْفِرُوا مِنْكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذَا لَا يَلْبِغُونَ خَلْقَكَ إِلَّا قَلِيلًا...﴾ الی... ﴿وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطٰنًا نٰصِيْرًا﴾ اور دوسری آیت ﴿وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ﴾۔

رابطہ:..... گزشتہ سورت میں زیادہ تر دلائل توحید کا بیان تھا اور اس سورت میں زیادہ تر دلائل نبوت اور احکام شریعت کا بیان ہے نیز گزشتہ سورت کے آخر میں اہل سنت کی تعدی اور زیادتی کا ذکر تھا اور اس سورت کے آغاز میں بنی اسرائیل کے فساد اور فتنہ پردازی اور پھر ان کی تباہی اور بربادی کا ذکر ہے تاکہ اہل مکہ سن کر ہوشیار ہو جائیں اور اپنا انجام سوچ لیں اہل مکہ بھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو مکہ سے نکالنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں جس طرح فرعون نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو مصر سے نکالنے کا قصد کیا اور اس کا انجام یہ ہوا کہ فرعون اور اس کا لشکر غرق ہوا اور بنی اسرائیل ان کے مکانات اور محلات کے وارث ہوئے اسی طرح اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مکہ اور سرزمین عرب کا وارث اور مالک بنائے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔۔۔

**سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ**

پاک ذات ہے فل جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک فل جس کو پاک ذات ہے، جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات ادب والی مسجد سے پرلی مسجد تک، جس میں

فل یعنی اس کی ذات نقص و قصور اور ہر قسم کے ضعف و عجز سے پاک ہے جو بات ہمارے خیال میں بے انتہا عجیب معلوم ہو اور ہماری ناقص عقلیں اسے بے حد مستبعد سمجھیں، خدا کی قدرت و مشیت کے سامنے وہ کچھ بھی مشکل نہیں۔

فل یعنی صرف ایک رات کے محدود حصہ میں اپنے مخصوص ترین اور مقرب ترین بندہ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو حرم مکہ سے بیت المقدس تک لے گیا۔ اس سفر کی غرض کیا تھی؟ آگے لیں یہ من آیتنا میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ خود اس سفر میں یا "بیت المقدس" سے آگے نہیں اور لے جا کر اپنی قدرت کے عظیم الشان نشان اور حکیمانہ انتظامات کے عجیب و غریب نمونے دکھانے منظور تھے۔ سورۃ نجم میں ان آیات کا کچھ ذکر کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم "سدرۃ المنتہی" تک تشریف لے گئے اور نہایت عظیم الشان آیات کا مشاہدہ فرمایا۔ ﴿وَلَقَدْ زَاكَّرْتَهُ اَنْزٰی عِنْدَ الْمُنْتَهٰی عِنْدَ مَا جَاؤِیْ اِذْ یَنْفَخِی الْبَسْبَسَ مَا یَنْفَخِی مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا ظَلٰی لَقَدْ زَاى مِنْ اَنْبِیَآءِ الْکٰذِبِی﴾ علماء کی اصطلاح میں مکہ سے بیت المقدس تک کے سفر کو "اسراء" اور وہاں سے اوپر "سدرۃ المنتہی" تک کی سیاحت کو "معراج" کہتے ہیں۔ اور بسا اوقات دونوں سفروں کے مجموعہ کو ایک ہی لفظ "اسراء" یا "معراج" سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ معراج کی امداد میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں جن میں معراج و اسراء کے واقعات بسط و تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ جمہور ملت و ملت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت بیداری میں بجسدہ النشیف معراج ہوئی۔ صرف دو تین صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ واقعہ اسراء و معراج کو منام (نیند) کی حالت میں بلور ایک عجیب و غریب خواب کے سامنے تھے۔ چنانچہ اسی سورۃ میں آگے چل کر جملہ =



﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي آتَىٰكَ إِلَّا بَعْتَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الَّتِي تَلْعَنُونَ فِي الْقُرْآنِ﴾ آتا ہے اس سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں۔ سلف میں سے یہی کالوال نہیں کہ معراج حالت بیداری میں محض روحانی طور پر ہوئی ہو۔ میرا کہ بعض حکماء و موفیہ کے مذاق پر تجویز کیا جاسکتا ہے۔ روح المعانی میں ہے "وَلَيْسَ مَلْفَى الْأَسْرَاءِ بِالرُّؤْيِ الدَّهَابِ يُفْظَلُهُ كَالْأَسْلَاحِ الَّذِي ذَهَبَ إِلَيْهِ الصُّوفِيَّةُ وَالْحِكْمَاءُ قَالَهُ، وَإِنْ كَانَ خَارِقًا لِلْعَادَةِ وَمَخْلًا لِلتَّعْجِبِ أَيْضًا لِأَنَّهُ أَمْرٌ لَا تَعْرِفُهُ الْعَرَبُ وَلَمْ يَذْهَبَ إِلَيْهِ أَحَدٌ مِنَ السَّلَفِ" بیٹک ابن قیم نے زاد المعاد میں عائشہ صدیقہ معاویہ اور حسن بصری رضی اللہ عنہم کے مسلک کی اس طرح توجیہ کی ہے۔ لیکن اس پر کوئی نقل پیش نہیں کی۔ محض عن و تحمیں سے کام لیا ہے۔ ابن اسحاق وغیرہ نے جو الفاظ ان بزرگوں کے نقل کیے ہیں ان میں نہیں حالت بیداری کی تصریح نہیں۔ بہر حال قرآن کریم نے جس قدر اہتمام اور ممتاز اور مثال منوان سے واقعہ "اسراء" کو ذکر فرمایا اور جس قدر ہند و مستعدی سے مخالفتیں اس کے انکار و تکذیب پر تیار ہو کر میدان میں نکلے حتیٰ کہ بعض موفیہ کے قدم بھی لغزش بھانے لگے یہ اس کی دلیل ہے کہ واقعہ کی نوعیت محض ایک عجیب و غریب خواب یا سیر روحانی کی تھی۔ روحانی سیر و انکشاف کے رنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو دعویٰ ابتدائے بعثت سے رہے ہیں، دعویٰ اسراء کفار کے لیے کچھ ان سے بڑھ کر عجیب و غریب و حیرت انگیز رہتا تھا جو خصوصی طور پر اس کو تکذیب و تردید اور استہزاء و تمسخر کا نشانہ بناتے اور لوگوں کو دعوت دیتے کہ آؤ آج مدنی نوبت کی ایک بالکل انوکھی بات سنو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص اس واقعہ کے اظہار پر اس قدر متفکر و متشوش ہونے کی ضرورت تھی جو بعض روایات صحیحہ میں مذکور ہے۔ بعض احادیث میں صاف لفظ ہیں "ثُمَّ أَصْبَحْتُ بِمَكَّةَ يَا قَوْمِ أَتَيْتُ مَكَّةَ" (پھر صبح کے وقت میں مکہ پہنچ گیا) اگر معراج محض کوئی روحانی کیفیت تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے غائب ہی کہاں ہوتے۔ اور شاد بن اوس وغیرہ کی روایت کے موافق بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ دریافت کرنا کیا معنی رکھتا ہے کہ "رات میں قیام گاہ پر تلاش کیا، حضور کہاں تشریف لے گئے تھے؟" ہمارے نزدیک "اسری بعبدہ" کے یہ معنی لینا کہ "خدا اپنے بندہ کو خواب میں یا محض روحانی طور پر مکہ سے بیت المقدس لے گیا۔" اس کے مشابہہ ہے کہ کوئی شخص "فَأَسْرَىٰ بَعْبَادِي" کے یہ معنی لینے لگے کہ "اے موی میرے بندوں (نبی اسرائیل) کو خواب میں یا محض روحانی طور پر لے کر مصر سے نکل چاؤ۔" یا سورہ "کہت" میں جو حضرت موی علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لیے جانا اور ان کے ہمراہ سفر کرنا جس کے لیے یہی جگہ "فَانْطَلَقْنَا" کا لفظ آیا ہے، اس کا مطلب یہ لے لیا جائے کہ یہ سب کچھ محض خواب میں یا بطور روحانی سیر کے واقع ہوا تھا۔ باقی لفظ "رؤیا" جو قرآن میں آیا، اس کے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ "رؤیا قَوْمَانِ أُرْتَبِعَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" مفسرین نے کلام عرب سے اس کے شواہد پیش کیے ہیں کہ "رؤیا" کا لفظ گاہ بگاہ مطلق روایت (دیکھنے) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہذا اگر اس سے مراد یہی اسراء کا واقعہ ہے تو مطلق نظارہ کے معنی لیے جائیں جو ظاہری آنکھوں سے ہوا تاکہ ظاہر نصوص اور جمہور امت کے عقیدہ کی مخالفت نہ ہو۔ ہاں شریک کی روایت میں بعض الفاظ ضرور ایسے آتے ہیں جن سے "اسراء" کا بحالت نوم واقع ہونا معلوم ہوتا ہے مگر محدثین کا اتفاق ہے کہ شریک کا لفظ خراب تھا، اس لیے بڑے بڑے حفاظ حدیث کے مقابلہ میں ان کی روایت قابل استناد نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ ابن حجر نے فتح الباری کے اوائل میں حدیث شریک کے اخلاط شمار کراتے ہیں اور یہ بھی بتایا ہے کہ ان کی روایت کا مطلب ایسا لیا جاسکتا ہے جو عام احادیث کے مخالف نہ ہو۔ اس قسم کی تفصیل ہم یہاں درج نہیں کر سکتے۔ شرح صحیح مسلم میں یہ مباحث پوری شرح و بسط سے درج کیے ہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ مذہب راجح یہی ہے کہ معراج و اسراء کا واقعہ حالت بیداری میں بجسدہ الشریف واقع ہوا۔ ہاں اگر اس سے پہلے یا بعد خواب میں بھی اس طرح کے واقعات دکھلائے گئے ہوں تو انکار کرنے کی ضرورت نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک شب میں اتنی لمبی مسافت زمین و آسمان کی کیسے طے کی ہوگی یا کہ نار و زمہریر میں سے کیسے گزرے ہوں گے۔ یا اہل یورپ کے خیال کے موافق جب آسمانوں کا وجود ہی نہیں تو ایک آسمان سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے پر اس شان سے تشریف لے جانا جو روایات میں مذکور ہے کیسے قابل تسلیم ہوگا۔ لیکن آج تک کوئی دلیل اس کی پیش نہیں کی گئی کہ آسمان واقع میں کوئی شے موجود نہیں۔ اگر ان لوگوں کا یہ دعویٰ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ نیلگوچی چیز جو ہم کو نظر آتی ہے فی الحقیقت آسمان نہیں ہے۔ تب بھی اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس نیلگوچی رنگ کے اوپر آسمانوں کا وجود نہیں ہو سکتا۔ ہاں ایک رات میں اتنا طویل سفر طے کرنا تو تمام حکماء تسلیم کرتے ہیں کہ سرعت حرکت کے لیے کوئی مدد نہیں ہے۔ اب سے سو برس پیشتر تو کسی کو یہ بھی یقین نہیں آ سکتا تھا کہ تین سو میل فی گھنٹہ چلنے والی موٹر تیار ہو جائے گی۔ یا اس ہزار فٹ کی بلندی تک ہم ہوائی جہاز کے ذریعہ پرواز کر سکیں گے۔ "اسٹیم" اور "قوت کھربانیہ" کے یہ کرشمے کس نے دیکھے تھے۔ کہہ مارو آج کل ایک لفظ بے معنی ہے۔ ہاں اوپر جا کر ہوائی سخت برودت وغیرہ کا مقابلہ کرنے والے آلات طیاروں میں لگا دیئے گئے ہیں جو اڑنے والوں کی زمہریر سے حفاظت کرتے ہیں۔ یہ تو مخلوق کی بنائی ہوئی مشینوں کا حال تھا۔ خالق کی بلا واسطہ پیدا کی ہوئی مشینوں کو دیکھتے ہیں تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ زمین یا سورج جو ہمیں گھنٹہ میں کتنی مسافت طے کرتے ہیں۔ مدنی کی شعاع ایک منٹ میں کہاں سے کہاں پہنچتی ہے۔ بادل کی بجلی مشرق میں چمکتی اور مغرب میں گرتی ہے۔ اور اس سرعت سیر و سفر میں پہاڑ بھی =

بَرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيَاتِنَا اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿۱﴾

گہر رکھا ہے ہماری برکت نے تاکہ دکھائیں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے فی وہی ہے سننے والا دیکھنے والا اور ہم نے خوبیاں رکھی ہیں کہ دکھائیں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے، وہی ہے سنا دیکھتا۔

ذکر کرامت اسراء معراج بہ نبی اکرم ﷺ

قَالَ الْعَلَاءُ: «سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَنْزَلَ بِعَبْدِهِ... اِلَى... اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ»

گزشتہ سورت کے ختم پر صبر کی فضیلت بیان فرمائی کما قال تعالیٰ ﴿وَلَيَنْ صَبْرُكُمْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّلْصَابِرِيْنَ﴾ اور اہل صبر اور اہل تقویٰ کے لیے اپنی معیت اور قرب کا وعدہ فرمایا کما قال تعالیٰ ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِيْنَ هُمْ يُحْسِنُوْنَ﴾ اس لیے اس سورت کا آغاز واقعہ معراج کے بیان سے فرمایا کہ جو مکہ میں دس سالہ ہوشربا مصائب پر صبر جمیل کے بعد پیش آیا گویا مسلسل دس سال کے ذبح کے بعد حق تعالیٰ نے ایسی عزت و کرامت و رفعت و بلندی عطا فرمائی جس نے دس سالہ مصیبتوں اور ذلتوں کو عزتوں اور راحتوں سے بدل دیا۔

دانہ پست افتد زبردستش کنند خوشہ چوں سر بر کشد پستش کنند

حق جل شانہ نے آپ ﷺ کو اسراء اور معراج کی کرامت اور عزت سے سرفراز کیا اور ایک رات میں تمام آسمانوں کی سیر کرائی اور آیات کبریٰ کا مشاہدہ کرایا ﴿لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی﴾ اور صبر جمیل پر جس معیت سراپا خیر و برکت کا وعدہ فرمایا تھا وہ پورا کر دیا اور اپنے قرب خاص سے آپ ﷺ کو نوازا۔ کما قال تعالیٰ ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلٰی﴾ = سامنے آ جائے تو پر کاہ کے برابر حقیقت نہیں سمجھتی۔ جس خدا نے یہ چیزیں پیدا کیں کیا وہ قادر مطلق اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے براق میں ایسی برق رفتاری کی گئیں اور حفاظت و آسائش کے سامان نہ رکھ سکتا تھا جن سے حضور بڑی راحت و بکرمیم کے ساتھ چشم زدن میں ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل ہو سکیں۔ شاید اسی لیے واقعہ "اسراء" کا بیان لفظ "سنبحان الذی" سے شروع فرمایا، تاکہ جو لوگ کو تاہ نظری اور تنگ خیالی سے حق تعالیٰ کی لامحدود قدرت کو اپنے دہم و تخمین کی چہار دیواری میں محصور کرنا چاہتے ہیں، کچھ اپنی گستاخوں اور غلی ترک تازیوں پر شرمائیں۔

دہر جائے مرکب تو ال تاشقن کہ جاہا پیر باید اع افقن

فلا یعنی جس ملک میں مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) واقع ہے وہاں حق تعالیٰ نے بہت سی ظاہری و باطنی برکات رکھی ہیں۔ مادی حیثیت سے چٹھے، نہریں، غلے، پھل اور میوؤں کی افراط، اور روحانی اعتبار سے دیکھا جائے تو کتنے انبیاء و رسل کا مسکن و مدفن اور ان کے فیوض و انوار کا سرچشمہ رہا ہے۔ شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں لے جانے میں یہ بھی اشارہ ہوگا کہ جو کمالات انبیاء، بنی اسرائیل وغیرہ ہر تقسیم ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس میں وہ سب جمع کر دیے گئے، جو نعمتیں بنی اسرائیل پر مبذول ہوئی تھیں، ان پر اب بنی اسماعیل کو قبضہ دلایا جانے والا ہے۔ "کعبہ" اور "بیت المقدس" دونوں کے انوار و برکات کی حامل ایک ہی امت ہونے والی ہے۔

امادیت معراج میں تصریح ہے کہ بیت المقدس میں تمام انبیاء علیہم السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بیاد و امامت انبیاء کا منصب دیا گیا تھا اس کا حسی نمونہ آپ کو اور مقررین بارگاہ کو دکھلایا گیا۔

فلا یعنی اصل سننے والا اور دیکھنے والا خدا ہے۔ وہ جسے اپنی قدرت کے نشان دکھلانا چاہے دکھلا دیتا ہے۔ اس نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مناجات کو سنا اور احوال ربیبہ کو دیکھا۔ آخر معراج شریف میں "بین ینبصر" والی آکھ سے وہ آیات عظام دکھلائیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت و کامل اور شان رفیع کے مناسب تھیں۔

لَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَمْثِلٍ ۚ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۚ وَأَسْرَأَ نَبَأَ الْمَلِكِ ۚ وَكَلَّمَ النَّاسِ كَاجْنَابٍ ۚ وَفَتَنَ الرُّسُلَ ۚ وَخَلَقَ الْجَانَّ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ عَمَّا يُسْأَلُ ۚ

اور اس خارق عادت واقعہ کو آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی دلیل بنایا اور مسجد اقصیٰ تک سیر کرانے میں اہل مکہ کی متنبہ کر دیا کہ اب عنقریب مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی تولیت اور امامت نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب و احباب کی طرف منتقل ہونے والی ہے اور عنقریب حضور پر نور ﷺ کو نبی القہسین کا لقب ملنے والا ہے اور یہ سب اس وعدہ معیت کا اظہار ہے جس کا اَللّٰهُ مَعَ الدّٰیْنِ اَتَّقُوا وَاَلَّذِيْنَ هُمْ يُحْسِبُوْنَ میں خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ اپنے عباد متقین اور محسنین کو اپنی معیت خاصہ سے سرفراز فرمائے گا۔

اور چونکہ ایک رات میں عروج و نزول اور سیر سلوٹ خداوند کریم کی قدرت و مرحمت کرشمہ تھا اس لیے اس کو تسبیح اور تزیین سے شروع کیا گیا تاکہ کوئی طمد اور زندقہ اس سیر سلوٹ کو قدرت خداوندی سے خارج نہ سمجھے اور چونکہ کفار نے اس واقعہ کی تکذیب کی اور آپ ﷺ کا مذاق اڑایا اس لیے منکرین اور مخالفین کی تہدید کیلئے قوم نوح کے قصہ کی طرف اشارہ فرمایا اور بنی اسرائیل کی تباہی اور بربادی کا قصہ ذکر فرمایا کہ جس طرح خداوند قدیر نے پہلے معاندین کو سزا دی اسی طرح وہ اب بھی معاندین کو سزا دینے پر قادر ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

پاک اور بے عیب ہے وہ ذات جس نے اپنے خاص بندہ محمد رسول اللہ ﷺ کو رات کے ایک حصہ میں مسجد حرام سے یعنی خانہ کعبہ سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس تک لے گیا ایسی مسجد جس کے گردا گرد ہم نے دینی اور دنیوی برکتیں رکھی ہیں دینی برکت یہ ہے کہ وہ سرزمین انبیاء کرام ﷺ کا مولد و مسکن اور ان کا مدفن ہے جس پر لیل و نہار اللہ کی وحی نازل ہوتی تھی اور فرشتوں کا نزول ہوتا تھا اور دنیوی برکت یہ ہے کہ وہ زمین چشموں اور نہروں اور میوؤں اور درختوں سے مالا مال ہے تو ہم اپنے خاص بندے محمد رسول اللہ ﷺ کو اس جگہ لے گئے تاکہ ہم اس کو اپنی قدرت کی بعض نشانیاں دکھائیں کہ تھوڑی ہی دیر میں مکہ معظمہ سے براق پر سوار ہو کر ملک شام پہنچ گئے اور مسجد اقصیٰ میں انبیاء کرام ﷺ سے ملاقات فرمائی اور ان کی امامت فرمائی پھر وہاں سے ساتوں آسمانوں کی سیر کی اور بیت معمور اور سدرة المنتہیٰ پہنچے بلکہ اس سے بھی اوپر تاکہ اس آسمانی سیر سے آپ ﷺ کی کرامت اور علوم مرتبیت ظاہر ہو اور لوگوں کے سامنے آپ ﷺ کی نبوت و رسالت واضح طور پر ثابت ہو جائے بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے یعنی وہ اپنے نبی کے پاکیزہ اقوال کو سنتا ہے اور اس کے پسندیدہ افعال کو دیکھتا ہے اور اس کے مطابق اس کا اکرام ہوتا ہے اور فرش سے لے کر عرش تک اس کو اپنے عجائب ملکوت کا مشاہدہ کراتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ اللہ اپنے بندوں کے اقوال کو سنتا ہے اور ان کے افعال دیکھتا ہے ان کے مطابق ان کو جزاء و سزا دے گا اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ **وَإِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ** کی ضمیر آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کا خاص برگزیدہ اور مقرب بندہ اللہ کی نشانیوں کو اللہ کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور اللہ کے کان سے سنتا ہے جیسا کہ بخاری کی ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے مقرب بندہ کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے (آخر الحدیث) اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے جامع صحیح کی کتاب الرقاق باب التواضع میں ذکر کیا ہے۔ معاذ اللہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ خدا بندہ کا عین بن جاتا ہے بلکہ اس سے مقام قرب اور مقام فناء کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ مقام قرب میں

اس منزل پر پہنچ جاتا ہے کہ بظاہر اگرچہ وہ اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے اور اپنے کان سے سن رہا ہے مگر در پردہ تاسید غیبی کا فرما ہوتی ہے کما قال تعالیٰ ﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾ ﴿فَلَمْ تَقْتُلْهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ﴾ اس طرح آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کان سے وہ سنا جو اللہ نے سنایا اور آنکھ سے وہ دیکھا جو اللہ نے دکھایا

چوں در مکتب بے نشانی رسید      چہ گویم کہ آں جاچہ دید و شنید  
ورق در نوشتند و گم شد سبق      شنیدن بحق بود و دیدن بحق

ف ۱:..... حق جل شانہ نے اس آیت میں واقعہ معراج کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان فرمایا اس سے زیادہ وضاحت سورۃ نجم میں ہے اور احادیث میں اس کی پوری تفصیل ہے حق تعالیٰ نے جہاں جس قدر بیان کرنا مناسب جانا اسی قدر بیان کر دیا اختصار مزید بیان کی نفی نہیں کرتا۔

ف ۲:..... بیت المقدس کو مسجد اقصیٰ اس لیے کہتے ہیں کہ اقصیٰ کے معنی دور تر کے ہیں اور مسجد بیت المقدس خانہ کعبہ سے بہت دور ہے۔ اور زمانہ نزول وحی میں مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے سواروئے زمین پر اور کوئی مسجد نہ تھی اور روئے زمین پر اس وقت مسجد اقصیٰ سے زیادہ کوئی مسجد دور نہ تھی۔

ف ۳:..... علماء کی اصطلاح میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کو اسراء کہتے ہیں اور مسجد اقصیٰ سے لے کر ساتویں آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کو معراج کہتے ہیں اور بسا اوقات دونوں سفروں کے مجموعہ پر لفظ "اسراء" یا لفظ "معراج" کا بھی اطلاق کر دیا جاتا ہے اسراء رات کے چلنے کو کہتے ہیں لیلا کا لفظ اس کے بعد صرف اس لیے لایا گیا کہ پوری رات اس سفر میں صرف نہ ہوئی بلکہ اس کا ایک قلیل حصہ صرف ہوا۔

ف ۴:..... اسراء اور معراج سے مقصود حق تعالیٰ کا یہ تھا کہ اپنے برگزیدہ بندہ "اپنے عجائب قدرت دکھائے تاکہ چہ یہ عالم بھی عجیب ہے مگر عالم ملکوت کے کرشمے وہم و گمان سے بالا اور برتر ہیں۔ آپ ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کی اور بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں جیسا کہ سورۃ نجم کی آیات سے ظاہر ہے ﴿لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ﴾

ف ۵:..... خدا تعالیٰ نے اس واقعہ کو لفظ "سبحان" سے شروع کیا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہر قسم کے عیب اور نقص اور عجز سے پاک ہے اس کو ایک رات میں اپنے بندہ کا مکہ سے بیت المقدس لے جانا کچھ مشکل نہیں جو لوگ اس کو مستبعد سمجھتے ہیں وہ خدا کو عجز اور نقص کا عیب لگاتے ہیں اور خدا تعالیٰ ہر عیب سے منزہ اور پاک ہے۔

ف ۶:..... صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم اور علماء ربانین کے اتفاق سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور پر نور ﷺ کو یہ معراج بحالت بیداری روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوئی اور یہ واقعہ اس قدر احادیث کثیرہ و صحیحہ و صریحہ سے ثابت ہے کہ جن کا انکار ممکن ہے اور نہ ان میں کسی قسم کی تاویل ممکن ہے، اس درجہ کثیر ہیں کہ تو اتر کو پہنچی ہیں جن کا انکار ناممکن ہے اور اس درجہ صریح اور واضح ہیں کہ ان میں ذرہ برابر تاویل کی گنجائش نہیں متواترات کا انکار فکر ہے اور نصوص محکمات میں تاویل الحاد اور زندقہ ہے اسی وجہ سے ہر زمانہ میں اہل اسلام کا اس پر اجماع رہا ہے اور یہی ان کا عقیدہ رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو معراج جسمانی ہوئی اور آپ ﷺ بیداری کی حالت میں بجمہدہ العصری آسمانوں پر تشریف لے گئے سلف اور خلف اور جمہور فقہاء و محدثین و متکلمین

اور صوفیائے کرام اور اولیائے عظام سب کا یہی قول ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف جو یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ معراج کو بحالت منام (نیند) ایک عجیب و غریب خواب مانتے تھے صحیح نہیں جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ واضح ہو جائے گا۔

ف:..... ظاہر قرآن سے یہی معلوم مفہوم اور معلوم ہوتا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اس جسد عنصری کے ساتھ بحالت بیداری آسمانوں پر تشریف لے گئے کیونکہ خدا تعالیٰ یہ فرماتے ہیں۔

(۱) ”پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے عبد (بندہ) کو آیت میں لفظ عبد واقع ہے جس کا ترجمہ بندہ ہے جو مجموعہ روح و جسد کا نام ہے اس کا اطلاق صرف روح پر صحیح نہیں قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی یہ لفظ آیا ہے ہر جگہ اس سے مراد روح مع الجسد ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿أَرَأَيْتَ الْآلِدِيْنَ يَنْهَوْنَ ۙ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ﴾ یعنی کیا تو نے ابو جہل کو بھی دیکھا ہے جو اس خاص بندہ کو جب وہ نماز پڑھتا ہے نماز پڑھنے سے روکتا ہے ظاہر ہے کہ اس آیت میں عبد سے مراد روح مع الجسد ہے نہ کہ صرف روح کیونکہ ابو جہل صرف روح کو نماز پڑھنے سے نہیں روکتا تھا نیز خدا تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَأَنذَرْتَهُمْ أَنَّمَا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَانُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا﴾ یعنی جب اللہ کا بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو قرآن سننے کے لیے اس پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ صرف حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح نماز پڑھنے کے لیے کھڑی نہیں ہوتی تھی نیز خدا تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ذِكْرٌ رَّحْمَتِكَ عَبْدًا ذَكْرًا﴾ اس آیت میں بھی عبد سے مراد ذکر یا صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اور جسد دونوں ہی ہیں غرض یہ کہ اس قسم کی مثالیں قرآن کریم میں کثیر ہیں عبد سے مراد روح مع الجسد ہے نیز حق جل شانہ نے اس واقعہ کے بیان کو تسبیح و تہنئید سے شروع فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ تسبیح امر عظیم اور امر عجیب کے وقت ہوتی ہے خواب جیسے معمولی واقعہ کے لیے ایسا عظیم لفظ کبھی استعمال نہیں ہوتا کیونکہ خواب کوئی ایسی بڑی بات نہیں جس کے لیے تسبیح کا لفظ استعمال کیا جائے۔

(۲) نیز ﴿أَسْمَىٰ بِعَبْدِهِ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ بحالت بیداری اپنے بندہ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا اور اگر آیت کے یہ معنی لیے جائیں کہ خدا تعالیٰ اپنے بندہ کو بحالت خواب یا محض روحانی طور پر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا تو پھر ﴿فَأَسْمَىٰ بِعِبَادِي لَيْلًا﴾ میں یہ معنی لینے ممکن ہوں گے کہ اے موسیٰ! میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو خواب میں یا محض روحانی طور پر لے کر مصر سے نکل جاؤ اور حضرت لوط علیہ السلام کے قصہ میں ہے ﴿فَأَسْمَىٰ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ الْبَيْلِ﴾ اس آیت میں لوط علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ رات کے حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر یہاں سے چلے جاؤ اور ظاہر ہے کہ بیداری میں لے جانا مراد ہے خواب میں لے جانا کسی کے نزدیک بھی مراد نہیں۔

(۳) نیز ﴿لَلَّيْلَةِ مِنَ الْآيَاتِ﴾ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسراء سے مقصود آیات قدرت کا مشاہدہ کرنا تھا کہ بحالت بیداری اس چشم سر سے عجائب قدرت کو دیکھیں روحانی طور پر یا بحالت خواب دکھانا مراد نہیں بلکہ جسمانی طور پر دکھلانا۔ ادا ہے اور سورۃ نجم میں ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ﴾ کا لفظ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشاہدہ بصری تھا نیز سورۃ نجم میں حق تعالیٰ نے اس واقعہ کو آیات کبریٰ اور معجزات عظمیٰ میں سے قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ خواب نہ آیات کبریٰ ہے اور نہ معجزات عظمیٰ ہے۔

(۴) نیز جو اتر منقول ہے کہ جب آپ ﷺ نے واقعہ اسراء و معراج کو لوگوں کے سامنے بیان کیا تو کافروں نے اس کو محال جانا اور آپ ﷺ کی تکذیب کی اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ ﷺ خواب کے مدعی نہ تھے اگر آپ ﷺ خواب کے مدعی ہوتے تو کافروں کے جھٹلانے کے کوئی معنی نہ تھے خواب میں ہر ایک انسان عجائبات دیکھ سکتا ہے کیا عرب کے کافر ایسے بیوقوف اور نادان تھے جو یہ کہتے تھے کہ خواب میں بیت المقدس اور آسمانوں پر جانا محال ہے۔

(۵) نیز احادیث میں ہے کہ مشرکین نے اس واقعہ کو سن کر آپ ﷺ کی تکذیب کی اور آپ ﷺ کا مذاق اڑایا اور تالیاں بجانیں، بیت المقدس کی علامات دریافت کیں اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس آپ ﷺ کے سامنے کرویا آپ ﷺ نے اس کو دیکھ دیکھ کر ان کی باتوں کا جواب دیا اگر یہ واقعہ کوئی خواب یا کشف ہوتا تو مشرکین آپ ﷺ سے بیت المقدس کی علامتیں نہ پوچھتے خواب بیان کرنے والے سے نہ کوئی علامت پوچھتا ہے اور نہ مذاق اڑاتا ہے ایسے موقع پر کسی کا تالیاں بجانا اپنی کامیابی اور مخالفت کی ذلت کی علامت ہے اور کامیابی وہ اپنی اس میں سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ کا جھوٹ ثابت کر دیں اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب یہ واقعہ بیداری کا ہو اور امتحان کے وقت من جانب اللہ بیت المقدس کا سامنے کر دینا اس امر کی دلیل ہے کہ صرف اتنا واقعہ کشفی ہے باقی پورا واقعہ بیداری کا ہے۔

(۶) نیز اگر واقعہ اسراء و معراج کوئی خواب ہوتا تو حضور پر نور ﷺ کے معجزات میں شمار نہ ہوتا خواب میں تو ابو جہل اور ابولہب بھی ایک رات میں مکہ سے بیت المقدس جا کر واپس آ سکتا ہے۔

(۷) نیز مستدرک حاکم میں باسناد صحیح اور امام بیہقی رحمہ اللہ کی دلائل النبوة میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جس رات آنحضرت ﷺ بیت المقدس جا کر واپس آئے تو صبح کو لوگوں سے یہ واقعہ بیان فرمایا تو کچھ لوگ مرتد ہو گئے اور کفار دوڑے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے جا کر کہا کہ تمہیں کچھ اپنے رفیق اور دوست کی بھی خبر ہے آپ رضی اللہ عنہ کا دوست یہ کہتا ہے کہ آج رات اسے بیت المقدس کی سیر کرائی گئی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا واقعی آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی ہے لوگوں نے کہا ہاں کہی ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں میں تو بیت المقدس سے بھی دور کی تصدیق کرتا ہوں۔ آپ ﷺ صبح شام جو آسمانوں کی خبریں بیان کرتے ہیں (جو بیت المقدس سے بھی دور ہیں اور بعید از عقل بھی ہیں) ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی تصدیق کی وجہ سے ان کا نام صدیق رکھا گیا اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو کفار بھی اس کی تصدیق کر دیتے کہ خواب میں اکثر دور دور کے شہروں کی سیر کر ہی لیا کرتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۱۳ و تفسیر درمنثور: ۴/۱۵۵ و خصائص کبریٰ: ۱/۱۷۶)

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ سننے والے نے اس واقعہ کو بیداری کا واقعہ سمجھا اسی بناء پر بعض لوگ مرتد ہو گئے اور ابو جہل اور قریش نے اس واقعہ کو محال سمجھ کر آپ ﷺ کا مذاق اڑایا اور اسی کی تصدیق پر ابوبکر رضی اللہ عنہ ملقب بصدیق ہوئے اور یہ سب باتیں اسی صورت میں ممکن ہیں جب کہ آپ ﷺ کا دعویٰ معراج جسمانی بحالت بیداری ہو۔ خواب میں مکہ سے بہت المقدس اور صبح کو مکہ واپس آ جانا کسی عاقل کے نزدیک بھی محال اور ناممکن نہیں نبی تو نبی ایسا خواب تو کافر بھی دیکھ سکتا ہے اور خواب سن کر بے اعتقاد اور مرتد ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور محض خواب کی تصدیق پر صدیق کا لقب ملنے کی بھی کوئی وجہ نہیں

ہیں معلوم ہوا کہ جس معراج کی ابو جہل اور کفار نے تکذیب کی اور جس کی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تصدیق کی تھی وہ جسمانی ہی تھا لہذا اب جو معراج جسمانی کا انکار کرے وہ خود سمجھ لے کہ وہ کس گروہ سے ہے۔ اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی معراج جسمانی کی قائل ہیں لہذا کسی کا یہ کہنا کہ وہ معراج جسمانی کی قائل نہیں کس طرح درست اور صحیح ہو سکتا ہے۔

نیز عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما دونوں حضرات اس بات کے قائل تھے کہ واقعہ معراج بلاشبہ جسمانی تھا اور بحالت بیداری تھا مگر ان دونوں حضرات کا اس بارے میں اختلاف تھا کہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیدار الہی سے مشرف ہوئے کہ نہیں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سب معراج میں رویت باری تعالیٰ کے قائل تھے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شب میں اپنے رب اکرم کو پچشم سردیکھا اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے منکر تھے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی شب معراج میں رویت باری کی منکر تھیں معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی معراج جسمانی کی قائل تھیں صرف رویت کی منکر تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اختلاف معراج کی جسمانی اور بحالت بیداری ہونے میں نہ تھا بلکہ اختلاف صرف اس بات میں تھا کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اس سیر ملکوتی میں پچشم سردیدار خداوندی سے مشرف ہوئے یا نہیں اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو اختلاف کی کوئی وجہ نہیں اس لیے کہ بحالت خواب حق تعالیٰ کا دیدار بالا جماع جائز ہے معراج جسمانی ہونے کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی اختلاف نہیں بالفرض اگر کوئی اختلاف ہوتا تو وہ اختلاف کسی پر مخفی نہ رہتا سب کو معلوم ہوتا جن مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک دوسرے سے مناظرہ یا کوئی مباحثہ ہوا جیسے سماع موتی اور متعہ الحج وغیرہ میں تو وہ ضرور منقول ہوتا اسی طرح اگر مسئلہ معراج کے متعلق صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم میں کوئی اختلاف ہوتا تو ضرور منقول ہوتا اور یہ ناممکن تھا کہ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی معراج جسمانی کا منکر ہوتا تو دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو معراج جسمانی کے قائل تھے وہ ان سے مناظرہ نہ کرتے۔ غرض یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف یہ نسبت کرنا کہ وہ معراج جسمانی کی قائل نہ تھیں بالکل غلط ہے جو لوگ معراج کو روحانی یا خواب قرار دیتے ہیں اور معراج کے منکر ہیں وہ اپنے اس باطل دعوے کی تائید میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نام لیتے ہیں اور بطور استدلال یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ فرمایا کرتی تھیں ما فقدت جسد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولكن اسرى بروحه یعنی شب معراج میں میرے پاس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم غائب نہیں ہوا لیکن اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو سیر کرائی۔

جواب:..... یہ حدیث محدثین کے نزدیک ثابت نہیں اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے اور راوی مجہول ہے اور ابن وجہہ رضی اللہ عنہ نے تنویر میں لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے کسی نے صحیح حدیث کو رد کرنے کے لیے اس کو وضع کیا ہے۔ (زرقانی شرح مواہب: ۴۶)

علامہ زرقانی فرماتے ہیں، حدیثها هذا ليس بالثابت عنها لما فيه من العلة القادحة وفي سنده من الانقطاع وراو مجهول وقال ابن وجبة في التنوير انه حديث موضوع عليها وقال في معراج الصغیر قال امام الشافعية ابو العباس بن سريج هذا حديث لا يصح ونما وضع رد الحديث الصحيح۔ (زرقانی شرح مواہب: ۴۶)

علاوہ ازیں اس روایت کا صحیح ہونا نہایت دشوار ہے کیونکہ واقعہ معراج بالا جماع ہجرت سے تین سال یا پانچ سال پہلے کا ہے اس وقت اگر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پیدا بھی ہو چکی تھیں تو سن شعور کو نہ پہنچی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں نہ آئی تھیں جو واقعہ ان سے پہلے گزر چکا ہے اس کی نسبت وہ کیسے فرما سکتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم موجود تھا یا غائب تھا لہذا ان کا یہ کہنا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کو اپنے پاس سے مفقود اور غائب نہیں پایا کیسے صحیح ہو سکتا ہے خاص کر جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود یہ روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب واقعہ معراج بیان کیا تو کچھ لوگ مرتد ہو گئے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بوجہ تصدیق کے صدیق کا لقب ملا اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک یہ معراج جسمانی نہ ہوتی تو اس بات کی تصریح فرما دیتیں کہ ارتداد اور استبعاد کی کیا ضرورت ہے یہ واقعہ تو خواب کا ہے یا روحانی واقعہ ہے کفار نے غلط سمجھ کر خواہ مخواہ آپ کی تکذیب کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا حضرت عائشہ کی یہ حدیث جس میں کفار کی تکذیب اور لوگوں کا مرتد ہونا اور تصدیق کی وجہ سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صدیق کا لقب مذکور ہونا یہ حدیث مرفوع اور صحیح ہے اور ما فقدت جسدہ والی روایت موقوف اور غیر صحیح ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب معراج میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا روایت بصری سے انکار اس بات کی دلیل ہے کہ وہ معراج جسمانی کی قائل تھیں ورنہ خواب میں دیدار خداوندی کے انکار کی کوئی وجہ نہیں منامی اور روحانی روایت کا انکار غیر معقول ہے اس لیے کہ روایت باری تعالیٰ خواب میں یا روحانی طور پر عقلاً و نقلاً جائز ہے معاذ اللہ کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خواب میں بھی دیدار خداوندی اور روایت باری تعالیٰ کو جائز نہیں سمجھتی تھیں اور اگر بضر محال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کو صحیح بھی مان لیا جائے تو چونکہ یہ قول بیشمار احادیث صحیحہ اور صریحہ کے خلاف ہے اس لیے قائل قبول نہ ہوگا (شرح شفاء قاضی عیاض للعلاء القاری: ۱/۴۱۳)

نیز احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ جب فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسراء و معراج کیلئے لینے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر سے مسجد حرام میں لے گئے اور وہاں جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک چاک کیا اور براق پر سوار کر کے بیت المقدس لے گئے بحکم طہرانی میں ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

قالت بات رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة اسرى به في بيتي ففقدته من الليل فامتنع مني النوم مخافة ان يكون عرض له بعض قريش فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان جبريل اتاني فاخذ يدي فاخرجني الى آخر الحديث. (خصائص كبرى للسيوطي ص ۱۷۷)

ام ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے درمیان شب کے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں موجود نہ تھے میری نیند اڑ گئی اور ڈر یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے ہیں۔ مبادا قریش میں کوئی دشمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نہ لگ گیا ہو (جب صبح ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ سے میں نے اپنی پریشانی بیان کی) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اسراء اور



معراج کا واقعہ بیان کیا تب میرے دل کو تسلی ہوئی۔

(دیکھو خصائص کبریٰ: ۱/۷۷۷ اور تفسیر درمنثور: ۳/۱۳۸)

ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت کا یہ لفظ فقدتہ من اللیل یعنی اس رات میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر سے غائب پایا ام ہانی رضی اللہ عنہا کا یہ لفظ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے لفظ ما فقدت جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح معارض اور مخالف ہے لہذا بوقت تعارض ترجیح ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت کو ہوگی اس لئے کہ معراج کا آغاز ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر سے ہوا اور واپسی بھی ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر پر ہوئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت کم سن تھیں اور بعض اقوال کی بناء پر واقعہ اسراء و معراج حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ولادت سے پہلے کا ہے اس لئے اگر بالفرض عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت صحیح بھی ہو تو ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت کے مقابلہ میں اس کو ترجیح نہیں ہو سکتی ہے اس لئے کہ ام ہانی رضی اللہ عنہا خود اپنا مشاہدہ بیان کرتی ہیں اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا واقعہ معراج کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں نہ تھیں۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خود ایک روایت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت کے موافق آتی ہے جس میں اس بات کی تصریح ہے کہ اس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے غائب تھے۔ چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث معراج کو عبد اللہ بن عمر اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ام ہانی رضی اللہ عنہا اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور اس طویل اور مفصل حدیث میں یہ لفظ آیا ہے۔

فقدت النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلك الليلة فتفرقت بنو عبد المطلب يطلبونه ویلتمسونه، وخرج العباس رضی اللہ عنہ عنہ حتی بلغ ذا طوی فجعل یصرخ یا محمد یا محمد فاجابة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبیک لبیک فقال ابن اخی اعیبت قومک منذ الليلة فاین كنت قال اتیت من بیت المقدس قال فی لیلتك قال نعم قال اصابک خیر قال ما اصابنی الا خیر۔ (تفسیر درمنثور: ۳/۱۳۹)

یعنی اس شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے گم اور غائب ہوئے اور یہ نہ معلوم ہوسکا کہ رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں چلے گئے اس لئے بنی عبد المطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے یہاں تک کہ جب وادی طوی میں پہنچے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ زور زور سے یا محمد یا محمد کہہ کر آواز دینے لگے اسی حالت میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب میں آواز آئی لبیک لبیک میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا اے بھتیجے تم نے اس رات گھر والوں کو پریشان کیا اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھکا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بیت المقدس سے واپس آ رہا ہوں کہا اس رات میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہاں، پوچھا خیر تو ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں خیر ہے۔

اس حدیث پر نظر ڈالنے کے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی واقعہ معراج کی روایت فرما رہی ہیں اور اس روایت میں ام ہانی رضی اللہ عنہا وغیرہ بھی ان کے ساتھ شریک ہیں کہ دونوں متفقہ طور پر روایت کرتی ہیں کہ اس شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک گھر سے غائب اور مفقود تھا لہذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کردہ روایت ما فقدتہ

جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے صحیح ہو سکتی ہے علاوہ اس کے کہ وہ روایت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت کے مخالف اور معارض ہے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی ایک روایت کے صریح معارض اور مخالف ہے معلوم ہوا کہ اس قول کی نسبت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف کسی طرح صحیح نہیں اس بارے میں سب سے زیادہ موثق ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ جن کے گھر سے اس سفر کا آغاز ہوا اور ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر واپسی ہوئی۔

شعبہ رخ تانہ زیں دار فانی بخلوت در سرائے ام ہانی  
رسیدش جبریل از بیت معمور براق بر سیر آورد از دور  
قوی پشت و گراں سیر و سبک خیز براندن دور میں وقت شدن تیز

اور بیہقی اور طبرانی اور بزار کی روایت میں ہے کہ صبح کے وقت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا طلبتک یا رسول اللہ البارحة فی مکانک یا رسول اللہ میں نے گزشتہ شب آپ رضی اللہ عنہم کو تلاش کیا آپ رضی اللہ عنہم کو آپ کے مکان میں نہ پایا۔ (شرح شفاء للعلاۃ القاری: ۱/۴۰۸)

اور ایک روایت میں لفظ ہیں یا رسول اللہ، این کنت یا رسول اللہ فقد طلبتک ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ رضی اللہ عنہم آج رات آپ رضی اللہ عنہم کہاں تھے جہاں جہاں گمان اور خیال کیا جاسکتا تھا وہاں سب جگہ آپ رضی اللہ عنہم کو تلاش کیا مگر آپ رضی اللہ عنہم کو نہ پایا۔ آپ رضی اللہ عنہم نے فرمایا رات جبرئیل امین علیہ السلام آئے تھے اور براق پر سوار کر کے مجھے بیت المقدس لے گئے تھے الی آخرہ (دیکھو خصائص کبریٰ سیوطی: ۱/۱۵۹)

مغز الدلیلی

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت اس امر کی روشن دلیل تھی کہ آپ رضی اللہ عنہم کا یہ اسراء جسمانی تھا اور بحالت بیداری تھا اور امام طبری رضی اللہ عنہ نے اپنی تفسیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا اور پھر اس کو رد کیا کہ یہ قول صحیح نہیں اس لئے کہ دلائل واضحہ اور احادیث متواترہ کے خلاف ہے بی شمار روایتوں میں بتواتر یہ امر منقول ہے کہ آنحضرت رضی اللہ عنہم براق پر سوار ہو کر مکہ سے بیت المقدس گئے اور ظاہر ہے کہ سواری پر جسم ہی سوار ہوتا ہے نہ کہ روح اور یہ کہنا کہ براق پر سوار ہونا بھی خواب ہی میں تھا صریح آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ کے خلاف ہے اور صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کی تصریحات کے بالکل برعکس ہے لہذا یہ قول کسی طرح قابل قبول نہیں۔ (تفسیر ابن جریر طبری: ۱۵/۱۴)

اور کیا مشرکین مکہ کا اس واقعہ کو مذاق اڑانا اور تعجب سے سر پر ہاتھ رکھنا اور تالیاں بجانا اور بیت المقدس کی علاقہ میں پوچھنا کیا یہ سب خواب ہی میں تھا یا روحانی طور پر تھا مقصود اس واقعہ سے آنحضرت رضی اللہ عنہم کی نبوت و رسالت کو ثابت کرنا تھا اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ یہ واقعہ بحالت بیداری اسی جسم عنصری کے ساتھ مانا جائے ورنہ محض روحانی عروج یا خواب نبوت و رسالت کی دلیل نہیں بن سکتا

ایک شبہ اور اس کا ازالہ: ..... معراج جسمانی کے بعض منکرین نے اسی صورت کی اس آیت یعنی ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي آرَيْتَكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ سے استدلال کیا ہے کہ یہ واقعہ خواب کا تھا چونکہ یہ آیت اسی صورت کی ہے۔ اس لیے اس شبہ کا لفظی جواب ان شاء اللہ اسی آیت کی تفسیر میں آجائے گا مختصر یہ کہ اس آیت میں رؤیا سے معراج کا خواب مراد نہیں بلکہ

واقعہ حدیبیہ کے متعلق حضور پر نور ﷺ نے جو خواب دیکھا تھا وہ مراد ہے اور اگر بالفرض والتقدیر اس سے معراج ہی کا واقعہ مراد لیا جائے تو صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آیت میں رؤیا سے مراد رؤیت چشم ہے خواب میں دیکھنا مراد نہیں یعنی آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں جو دیکھا وہ چشم سر دیکھا وہ خواب نہ تھا۔

خلاصہ کلام: یہ کہ معراج جسمانی بحالت بیداری، دلائل قطعیہ اور احادیث متواترہ اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اسراء کا جتنا حصہ قرآن سے ثابت ہے اس کا انکار تو صریح کفر ہے اور احادیث متواترہ کا انکار بھی کفر ہے اور اجماعی امور کا انکار قریب بکفر ہے اور غیر ثابت شدہ اقوال کی آڑ لے کر نصوص صریح اور واضحہ میں تاویل کرنا یہ الحاد اور زندقہ ہے ایسا شخص ظاہر میں مسلمان ہے اور اور در پردہ کافر ہے امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لحد اور زندیق منافق کے حکم میں ہے۔

(۸) ام ہانی رضی اللہ عنہا کی اسی حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت پر نور ﷺ نے واپسی پر ام ہانی رضی اللہ عنہا سے سفربیت المقدس کا واقعہ بیان کر کے یہ فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے اس رات دیکھا ہے وہ قریش سے بیان کر دوں ام ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کا دامن پکڑ لیا اور کہا خدا کے لئے آپ ﷺ یہ کیا کرتے ہیں وہ لوگ تو پہلے ہی سے آپ ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں مجھے خوف ہے کہ یہ واقعہ سن کر آپ ﷺ پر حملہ نہ کر بیٹھیں۔ آنحضرت ﷺ نے جھٹکا دے کر دامن چھڑا لیا اور مجمع میں جا کر سارا واقعہ بیان کیا پس اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو ام ہانی رضی اللہ عنہا اس کے بیان نہ کرنے پر اس قدر اصرار نہ کرتیں۔

(۹) احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو یقین تھا کہ لوگ سن کر اس واقعہ کی تکذیب کریں گے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ خواب کا نہیں کیونکہ خواب میں اکثر عجیب و غریب واقعات دیکھے جاتے ہیں مگر کسی کو یہ فکر نہیں ہوتا کہ لوگ سن کر اس کی تکذیب کریں گے۔ آنحضرت ﷺ بجائے اس کے کہ واقعہ معراج سے شاداں اور فرحاں ہوتے بیان کرنے سے پہلے ہی رنجیدہ اور غمگین تھے اس وجہ سے کہ کفار اس واقعہ کو خلاف عقل سمجھ کر میری تکذیب کریں گے اور میرا مذاق اڑائیں گے بظاہر باوجود اس رنجیدگی اور پریشانی کے آپ ﷺ نے یہ واقعہ سب کے سامنے اس لیے بیان کیا کہ آپ ﷺ اس واقعہ کے بیان کرنے پر من جناب اللہ مامور تھے۔ ولی کو اپنی کرامت کا چھپانا جائز ہے مگر نبی پر اپنے معجزہ اور کرامت کا اظہار فرض ہے تاکہ اس کی نبوت و رسالت ثابت ہو۔

فائدہ:..... اس وقت ہم منکرین معراج کا ایک اعتراض نقل کر کے جواب دینا چاہتے ہیں تاکہ قارئین کرام ملاحظہ اور زنداقہ کے دام تزیور میں آکر اسلام کے ایک متفق علیہ مسئلہ کا انکار نہ کریں۔

اعتراض:..... ایک رات میں مکہ سے بیت المقدس تک اور پھر وہاں سے صبح سلطوت کا سفر طے کرنا اور صبح سے پہلے مکہ واپس آجانا عقلاً محال ہے۔

جواب:..... ایک رات میں اتنا طویل سفر طے کر لینا عقلاً کوئی محال نہیں سرعت حرکت کی کوئی حد معین نہیں ہوائی جہازوں کی پرواز سامنے ہے۔ اور نہ معلوم آئندہ کس حد تک ترقی کر جائے۔ قرآن کریم میں ہے کہ ہوا سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر تھی تخت سلیمانی کو وقت قلیل میں ایک مہینہ کی مسافت پر پہنچا دیتی تھی۔ ﴿عُدُّوْهَا شَهْرًا وَرَوَّاحُهَا شَهْرًا﴾ قرآن کریم سے ثابت ہے

کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے کتاب کا علم عطا فرمایا تھا ایک پلک جھپکنے میں بلقیس کا تخت یمن سے لاکر شام میں سلیمان علیہ السلام کے سامنے رکھ دیا۔

﴿قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ اَنَا اَتِيكَ بِهِ قَبْلَ اَنْ يَّزُوْتَكَ اِلَيْكَ طَرَفًا. فَلَمَّا رَاَهُ مُسْتَقْبِرًا  
عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي﴾۔

حضرت آدم علیہ السلام کا زندہ آسمان سے اتر جانا قرآن کریم سے ثابت ہے اور علیٰ ہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء اور نزول من السماء قرآن اور حدیث اور اجماع صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور چودہ سو سال سے تمام علماء ربانیین کا یہی عقیدہ چلا آرہا ہے معلوم ہوا کہ جسم عنصری کا آسمان پر جانا عقلاً و نقلاً بالاتفاق ممکن بلکہ واقع ہے اور اس زمانہ میں ہوائی جہازوں کی برق رفتاری سب کے سامنے ہے پس جب کہ اس زمانہ میں خدا کی مخلوق کو یہ قدرت ہے کہ صد ہا اور ہزار ہا میل فی گھنٹہ کی رفتاری سواری ایجاد کر سکے تو کیا خداوند عالم کو یہ قدرت نہیں کہ وہ اپنے کسی برگزیدہ کے لیے براق جیسی برق رفتاری پیدا کر دے کہ جو اس کو چند گھنٹہ میں بیت المقدس کا سفر طے کرادے معاذ اللہ کیا خدائی قدرت یورپ کے کارخانوں کی قدرت سے بھی کم ہے۔ پس آنحضرت ﷺ کا اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر عروج اور پھر اس جسم عنصری کے ساتھ نزول ممکن ہے اسی طرح سمجھو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء اور اخیر زمانہ میں نزول من السماء بھی ممکن ہے اور جس طرح آنحضرت ﷺ کا یہ عروج اور یہ نزول جسمانی تھا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عروج الی السماء بھی جسمانی تھا اور قیامت کے قریب ان کا نزول من السماء بھی جسمانی ہوگا اور یہی تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے لہذا قادیان کے کسی دہقان کا یہ کہنا کہ کسی جسم عنصری کا زندہ آسمان پر جانا اور زندہ آسمان سے اترنا محال ہے اہل عقل کے نزدیک مجنونانہ ہذیان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

### معراج آسمانی اور مرزائے آنجہانی

معراج کا مسئلہ اسلام میں ایک عظیم الشان مسئلہ ہے جو آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور آنحضرت ﷺ کے عظیم ترین معجزات اور آپ ﷺ کے دلائل نبوت اور براہین رسالت سے ہے جس پر ایمان لانا واجب ہے اور امت محمدیہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اسراء و معراج کی عزت و کرامت سوائے ہمارے نبی اکرم ﷺ کے کسی نبی کو یہ فضیلت حاصل نہیں مگر مرزائے قادیان اپنی خود غرضی کی وجہ سے اس معجزہ سے انکار کرتا ہے۔ اور طرح طرح سے معراج جسمانی کے ماننے سے پہلو تہی کرتا ہے مرزائے قادیان کو ذریعہ ہے کہ اگر معراج جسمانی ثابت ہو جائے تو عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر جانا ثابت ہو جائے گا اور پھر جب انکار رفع الی السماء ثابت ہو جائے گا تو ان کا نزول من السماء یعنی آسمان سے اترنا بھی ثابت ہو جائے گا کیونکہ رفع جسمانی اور نزول جسمانی دونوں ہم شکل ہیں اس لیے مرزائے قادیان کبھی تو معراج جسمانی کا انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک جسم عنصری کا آسمان پر جانا عقلاً و نقلاً محال ہے کوئی زندہ شخص آسمان پر جا ہی نہیں سکتا اور کبھی کہتا ہے کہ واقعہ معراج بیداری کا واقعہ نہ تھا بلکہ ایک خواب تھا اور کبھی کہتا ہے کہ واقعہ معراج ایک کشف تھا۔ آنحضرت ﷺ شب معراج میں مکہ سے باہر نہیں گئے بستر پر ہی لیٹے لیٹے بیت المقدس وغیرہ کا کشف ہو گیا۔ چنانچہ مرزا، ازالۃ الاوہام ص ۴۷ میں لکھتا

ہے کہ یہ معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہ تھا بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا اس کشف بیداری سے یہ حالت زیادہ اصلی اور اجلی ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے (انتہی)

ناظرین کرام اس عبارت کو غور سے پڑھ لیں اس میں اولاً تو معراج جسمانی کا انکار کیا اور ثانیاً اس کو ایک قسم کا کشف بنایا اور ثالثاً سرور عالم ﷺ کی ہمسری بلکہ برتری کا دعویٰ کیا کہ واقعہ معراج اگر حضور پر نور ﷺ کو عمر میں ایک مرتبہ پیش آیا تو قادیان کے اس دہقان کو اس کا تجربہ ہے کہ بارہا اس کو اس قسم کا کشف ہو چکا ہے مرزا کے نزدیک اگر یہ واقعہ خواب کی حالت میں ہوا تھا یا اعلیٰ درجہ کا کشف تھا تو جو واقعات احادیث صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہیں وہ سب کے سب کیا خواب تھے یا سب کشف و مکاشفے تھے واقعہ معراج سن کر مشرکین مکہ کا تعجب سے سروں پر ہاتھ رکھ لینا اور تالیاں بجانا اور بیت المقدس کی علامتیں دریافت کرنا وغیرہ وغیرہ کیا یہ سب باتیں کشف اور خواب کی آزمائش کے لیے تھیں یا واقعہ بیداری سمجھ کر یہ باتیں کی جا رہی تھیں۔ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا دعویٰ معراج جسمانی کا تھا نہ کہ روحانی اور منانی اور کشفی کا تھا اس لیے کہ روحانی یا منامی یا کشفی چیز کا کون انکار کر سکتا ہے اور نہ کوئی اس پر اعتراض کر سکتا ہے اور نہ اس کے جواب کی کوئی حاجت ہوتی ہے نیز کیا اس قسم کا کشف مرزا صاحب کے علاوہ کسی اور کو بھی ہو سکتا ہے یا صرف مرزا صاحب کے ساتھ مخصوص ہے۔

مرزا، ازالۃ الادہام میں لکھتا ہے کہ باوجودیکہ آنحضرت ﷺ کی رفع جسمی کے بارے میں کہ وہ جسم سمیت شب معراج آسمان کی طرف اٹھائے گئے تھے تقریباً تمام صحابہ کرامی اعتقاد تھا لیکن پھر بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کو تسلیم نہیں کرتیں اور کہتی ہیں کہ روئے صالحی (انتہی)۔

اس تحریر سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ تقریباً کل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معراج جسمانی کے قائل تھے دوسرے یہ کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کی منکر تھیں۔ اول امر کے متعلق یہ گزارش ہے کہ کتب رجال وغیرہ سے یہ ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک لاکھ سے زیادہ تھے اور یہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم معراج جسمانی کا عقیدہ رکھتے تھے اور یہ امر کسی ادنیٰ مسلمان پر مخفی نہیں کہ جس بات پر ایک لاکھ اعتقاد رکھتے ہوں اس کے موافق اعتقاد رکھنا مسلمان پر فرض ہے اور آیت شریفہ ویتبع غیر سبیل المؤمنین سے ان لوگوں کے لیے وعید ثابت ہے کہ جو مؤمنین اولین کے طریقہ سے انحراف کریں رہا امر دوم کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا معراج جسمانی کی منکر تھیں سو وہ بالکل غلط ہے جیسا کہ تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکا ہے اور یہ بتلا چکے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف ما فقد جسمہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت منسوب کی جاتی ہے وہ قطعاً موضوع ہے اور اگر بالفرض یہ روایت صحیح بھی ہو تو صرف ایک صحابی کا قول ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کے مقابلہ میں کیسے جھٹ ہو سکتا ہے۔ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد کسی ایک ایسے غیر صحیح اور غیر ثابت قول سے استدلال کرنا جو مجمل اور مؤول ہو الحاد اور زندقہ ہے۔ بہر حال مرزائے قادیان واقعہ معراج کو محض ایک مکاشفہ کہتے ہیں کہ گھر میں بیٹھے ہی بیٹھے بہت المقدس اور آسمانوں اور سدرۃ المنتہی کشف سے دیکھ رہے تھے۔ یہ انکار کا ایک نرالا طریقہ ہے کہ لفظ تو معراج کا باقی رہے مگر معنی اس کے بالکل بدل دیئے جائیں۔ مرزا، ازالۃ الادہام کے صفحہ نمبر ۴۸ میں لکھتا ہے۔

”میر معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا میں اس کا نام خواب ہرگز نہیں رکھتا

اور نہ کشف کے ادنیٰ درجوں میں اس کو سمجھتا ہوں بلکہ یہ کشف کا بزرگ ترین مقام ہے جو درحقیقت بیداری بلکہ اس کشف بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفیٰ اور اعلیٰ ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے۔

سبحان اللہ میلہ قادیان کی اس جسارت اور وقاحت کو تو دیکھئے کہ اپنے لیے اعلیٰ درجوں کے کشفوں کے تجربہ کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہر کس و نا کس اس قسم کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں نے بھی گھر بیٹھے بیٹھے کشفی طور پر بیت المقدس اور سبع سموات کی سیر کر لی ہے کشف تو ایک قسم کی معنوی چیز ہے جو دوسرے کو محسوس نہیں ہوتی اور نہ اس کو نظر آتی ہے۔ البتہ آثار اور علامت سے اس کا ثبوت ہو سکتا ہے مگر مرزا صاحب پر جب نظر ڈالتے ہیں تو آثار تکذیب ہی کے نظر آتے ہیں اس لیے کہ مرزا صاحب کی بہت سی پیشین گوئیاں جھوٹی نکلیں اور ظاہر ہے کہ پیشین گوئیوں کا دار و مدار کشف پر ہے اور علماء کرام نے مرزا کی پیشین گوئیوں کے جھوٹ اور غلط ہونے کے متعلق مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

### قصہ اسراء و معراج

بمناسبت مقام، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اجمالی طور پر قصہ اسراء و معراج نہایت اختصار کے ساتھ ہدیہ ناظرین کر دیا جائے تاکہ اجمالی طور پر از اول تا آخر قصہ کی ترتیب و قومی معلوم ہو جائے باقی تفصیل کے لیے کتب سیرت دیکھیں اور بقدر ضرورت اس ناچیز نے اپنی تالیف سیرۃ المصطفیٰ حصہ اول میں واقعہ معراج کو مع اسراء و حکم لکھ دیا وہاں دیکھ لیا جائے۔

فاقول وبالله التوفیق۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہجرت سے ایک سال پہلے یا دو سال یا پانچ سال پہلے یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ آنحضرت ﷺ مکہ مکرمہ میں بعد نماز عشاء ام ہانی رضی اللہ عنہا کے مکان میں سو رہے تھے کہ جبریل امین علیہ السلام فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ آپ ﷺ کے پاس آئے اور ام ہانی رضی اللہ عنہا کے مکان سے مسجد حرام میں لے گئے وہاں سینہ مبارک چاک کیا اور قلب مبارک کو زمزم کے پانی سے دھو کر اپنے مقام پر رکھ دیا اور پھر آپ ﷺ کو براق پر سوار کر کے بیت المقدس لے گئے راستہ میں کچھ واقعات پیش آئے جن کا ذکر کتب سیرت میں ہے۔ تھوڑی دیر میں آپ ﷺ بیت المقدس پہنچ گئے۔ آپ ﷺ براق سے اترے جبریل امین علیہ السلام نے براق کو ایک حلقہ میں باندھ دیا مسجد اقصیٰ میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام آپ ﷺ کے انتظار میں جمع تھے اور آسمان سے کچھ فرشتے بھی نازل ہوئے تھے اور سب صف بستہ تھے۔ جبریل امین علیہ السلام نے حضور پر نور ﷺ کو امامت کے لیے آگے بڑھایا۔ آپ ﷺ نے ان سب کی امامت فرمائی (زرقانی: ۶/۸۰) اور انبیاء کرام علیہم السلام اور ملائکہ حاضرین نے آپ ﷺ کی اقتداء کی پھر آپ ﷺ کے لیے ایک معراج (سیڑھی) لائی گئی ابن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ یہ معراج (سیڑھی) جنت الفردوس سے لائی گئی (زرقانی ص ۵۵)۔ پھر اس معراج (سیڑھی) کے ذریعے آنحضرت ﷺ اور جبریل امین علیہ السلام دونوں آسمان پر پہنچے اور آسمان کا دروازہ کھویا اور آسمان پر عروج اسی معراج (سیڑھی) کے ذریعہ ہوا اور براق کو بیت المقدس میں چھوڑ گئے پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر دوسرے آسمان

پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جہاں ان کے ساتھ ان کے خالہ زاد بھائی حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی تھے۔ پھر تیسرے آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر پانچویں آسمان میں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی بعد ازاں آپ ﷺ بیت معمور میں داخل ہوئے جو قبلہ ملائکہ ہے اور ستر ہزار فرشتے روزانہ اس کا طواف کرتے ہیں اور پھر قیامت تک عود نہیں کرتے اور یہ بیت معمور جس میں آپ ﷺ نے نماز پڑھی۔ ساتویں آسمان میں ایک مسجد ہے جو عرش کے نیچے ہے اور خانہ کعبہ کی محاذات میں ہے بالفرض اگر بیت معمور اپنی جگہ سے گرنے تو خانہ کعبہ پر آکر گرے اس کا حکم وہی ہے جو خانہ کعبہ کا ہے (زرقاتی: ۸۰/۲) پھر جبرئیل امین علیہ السلام آنحضرت ﷺ کو لے کر سدرة المنتہی پر پہنچے۔ سدرة المنتہی ایک درخت ہے جس کو انوار خداوندی ڈھانپے ہوئے ہیں۔ اور ہر طرف سے فرشتے اس کو گھیرے ہوئے ہیں یہ مقام اوپر سے اترنے والوں اور نیچے سے چڑھنے والوں کا منتہی ہے اور کرمانا کاتبین کا بھی منتہی ہے کرمانا کاتبین اس سے اوپر نہیں جاتے اور یہی مقام جبرئیل امین علیہ السلام کا مستقر اور ٹھکانا ہے۔ اسی جگہ آنحضرت ﷺ نے جبرئیل امین علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا چھ سو پر تھے (زرقاتی: ۷۶/۶) اور سدرة المنتہی ہی کے قریب آپ ﷺ نے جنت کا مشاہدہ فرمایا اور آپ ﷺ جنت میں داخل ہوئے اور وہ ان کی سیر کی۔ وہاں دیکھا کہ گنبد موتی کے ہیں اور مٹی مشک کی ہے حق جل شانہ کے اس ارشاد ﴿وَلَقَدْ زَاكُوْنَا نَزْلَةَ الْاُخْرٰى ۙ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۙ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۙ اِذْ يَغْشٰى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سدرة المنتہی کے قریب ہے اور اسی مقام میں آپ ﷺ نے نہر کوثر کو دیکھا جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا ہے (زرقاتی: ۷۵/۶) اور وہ چار نہریں جن کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے ﴿فِيهَا اَنْهٰرٌ مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ اَسِيْنٍ ۙ وَاَنْهٰرٌ مِنْ لَبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۙ وَاَنْهٰرٌ مِنْ حَمِيْمٍ لَّدٰى يَلْخُرِبُنَّ ۙ وَاَنْهٰرٌ مِنْ عَسَلٍ مُّصَفًّوٓى﴾ یہ چاروں نہریں سدرة المنتہی کی جڑ سے نکلتی ہیں۔ آپ ﷺ نے اس مقام پر ان کا معائنہ فرمایا (زرقاتی ص ۷۹ جلد ۶) بعد ازاں آپ ﷺ کو جہنم دکھائی گئی جس میں آپ ﷺ نے اللہ کے قہر اور غضب کا مشاہدہ کیا پھر بند کردی گئی بعد ازاں آپ ﷺ کے لیے ایک سبز رُف (جھولایا تخت) لایا گیا آپ ﷺ اس پر بیٹھے اور جبرئیل امین علیہ السلام نے آپ ﷺ کو اس فرشتہ کے سپرد کیا جو رُف کے ساتھ آیا تھا۔ آپ ﷺ نے جبرئیل امین علیہ السلام سے ساتھ چلنے کی درخواست کی جبرئیل امین علیہ السلام نے کہا مجھے آگے جانے کی قدرت نہیں اگر ایک قدم بھی آگے بڑھوں تو جل جاؤں ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک مقام معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی آیات دکھلانے کے لیے بلایا ہے (دیکھو زرقانی: ۹۵/۶) پس آپ ﷺ نے جبرئیل امین علیہ السلام کو الوداع کہا اور رُف میں بیٹھ کر اس کے فرشتے کے ہمراہ روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ ﷺ ایک مستوی (بلند جگہ) پر جہاں آپ ﷺ صرف الاقلام سنتے تھے یعنی ان قلموں کی کتابت کی آواز سنتے جو احکام الہیہ اور تقادیر ربانیہ کی کتابت کر رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ اسی رُف پر جا رہے تھے حضور پر نور ﷺ فرماتے ہیں کہ اسی اثناء میں یکا یک ایک نورانی ابر نمودار ہوا جس نے مجھے اپنے اندر لے لیا اور میں تبارہ گیا اور وہ فرشتہ جو رُف کے ساتھ تھا وہ پیچھے رہ گیا اور اس اثناء میں فرشتوں کی جو آوازیں سنائی دیتی تھیں وہ سب منقطع ہو گئیں اس

طرح میں بارگاہ قدس اور مقام قرب میں عرش کے قریب پہنچا۔ کما قال تعالیٰ ﴿لَقَدْ كُنَّا فَتَدَلُّ ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَخْلَىٰ ۝ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی﴾ اور مقام دنو اور تدلی میں یعنی مقام قرب میں حق تعالیٰ نے مجھ سے کلام فرمایا اور پچاس نمازیں مجھ پر فرض کیں بعد ازاں میں بارگاہ خداوندی سے واپس ہوا واپسی میں موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے پھر بارگاہ خداوندی میں واپس گیا اور تخفیف کی درخواست کی جو منظور ہوئی اس طرح یہ دس معراجیں ہوئیں سات معراجیں تو سات آسمانوں تک ہوئیں اور آٹھویں معراج سدرة المنتہیٰ تک ہوئی اور نویں معراج مقام صریف الاقلام تک ہوئی اور دسویں معراج مقام دنی فتدلی تک ہوئی یعنی مقام قرب تک ہوئی جہاں آپ ﷺ لقاہ خداوندی اور کلام خداوندی سے مشرف ہوئے۔ بعد ازاں آسمانوں سے بیت المقدس واپسی ہوئی اور حسب سابق آپ ﷺ براق پر سوار ہو کر صبح سے پہلے مکہ معظمہ پہنچ گئے اور صبح کی نماز مکہ معظمہ میں پڑھی اور صبح کی نماز کے بعد قریش کو اپنے سفر بیت المقدس اور عروج آسمانی کی خبر دی کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا۔

وَاتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ كُونِي

اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور کیا اس کو ہدایت بنی اسرائیل کے واسطے فل کہ نہ ٹھہراؤ میرے سوا اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب، اور وہ سوچہ دی بنی اسرائیل کو کہ نہ حوالہ کرو میرے سوا

وَكَيْلًا ۝ ذُرِّيَّةً مِّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۖ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ۝

کسی کو کار ساز فل تم جو اولاد ہو ان لوگوں کی جن کو چڑھایا ہم نے نوح کے ساتھ بیشک وہ تھا بندہ حق ماننے والا فل کسی پر کام۔ تم جو اولاد ہو ان کی جن کو لا دیا ہم نے نوح کے ساتھ، وہ تھا بندہ حق ماننے والا۔

ذکر کرامت حضرت موسیٰ علیہ السلام عطاے تورات و شرف تکلم و مناجات

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿وَاتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ... اِلَى... إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا﴾

رابطہ: ..... اوپر کی آیت میں آنحضرت ﷺ کی کرامت اسراء اور شرف معراج کا ذکر تھا اب اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے ایک شرف اور عزت اور کرامت کا ذکر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر بلا کر ان سے کلام کیا اور نبی اسرائیل کی ہدایت فل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نفل و شرف بیان فرما کر سلسلہ کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ چونکہ اسراء کے ذیل میں مسجد اقصیٰ ”(بیت المقدس) تک جانا مذکور ہوا تھا، آگے ”مسجد اقصیٰ“ اور اس کے قدیم متولیوں (بنی اسرائیل) پر جو مختلف دور گزرے، مسلمانوں کی عبرت اور خود بنی اسرائیل کی نصیحت کے لیے ان کا بیان کیا جاتا ہے، یہ آیت اسی کی تمہید ہے۔ واقعہ ”اسراء“ میں اشارہ تھا کہ حجازی پیغمبر کی امت ہی آئندہ اس امانت الہی کی مالک بننے والی ہے جو شام کی مبارک سرزمین میں ودیعت کی گئی تھی۔ ان آیات میں بنی اسرائیل کو متنبہ کرنا ہے کہ اگر خیریت چاہتے ہیں تو اب پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو، حق تعالیٰ ان کے مال پر مہربانی فرمائے گا۔ ورنہ پہلے کی طرح پھر شرارتوں پر سزا ملے گی اور مسجد اقصیٰ کی تولیت سے محروم کر دیئے جائیں گے۔

فل یعنی تورات میں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ خالص توحید پر قائم رہیں اور خدا کے سوا کسی کو کار ساز نہ سمجھیں ہمیشہ اسی پر بھروسہ اور توکل کریں۔

فل یعنی تم ان کی اولاد ہو جو نوح کے ساتھ کشتی پر سوار ہو کر مذاب الہی سے بچے تھے۔ جو احسان تمہارے بڑوں پر کیا گیا اسے فراموش مت کرو۔ دیکھو نوح علیہ السلام جن کی اولاد میں تم ہو کیسے احسان شناس اور مکر گزار بندے تھے۔ تم کو بھی ان ہی کی راہ پر چلنا چاہیے۔



کے لیے ان کی توریت دی جس میں یہ تاکید کی حکم تھا کہ اے فرزند ان قوم نوح جن کو ہم نے کشتی میں سوار کیا تھا کہ تم خدا کے سوا کسی کو اپنا کارساز اور حاجت روانہ بنا نا مگر بنی اسرائیل گوسالہ پرستی اور شرک میں پڑ کر ہلاک ہوئے۔ غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر جانا اور کلام خداوندی سے مشرف ہونا یہ موسیٰ علیہ السلام کی معراج تھی معراج محمدی کے ساتھ معراج موسوی کا ذکر نہایت لطیف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح آپ ﷺ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام اولو العزم صاحب کتاب اور صاحب معجزات خدا تعالیٰ کے عظیم رسول تھے اسی طرح آپ ﷺ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہادی اور رسول برحق ہیں اور توریت کی طرح حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہدایت عالم کے لیے قرآن جیسی عظیم کتاب عطا کی جو توحید اور مبداء اور معاد اور مکارم اخلاق کی تعلیم میں بے مثال ہے اور جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے من وراء الحجاب اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اسی طرح آپ ﷺ نے بھی لیلۃ المعراج میں بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور دیدار خداوندی سے بھی مشرف ہوئے اور جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکرین کا انجام خراب ہوا اسی طرح آپ ﷺ کی نبوت اور معجزہ معراج کے منکرین کا انجام خراب ہوا۔

اور چونکہ شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ کی امت دن رات میں پچاس نمازوں کا تحمل نہ کر سکے گی اس لیے آپ ﷺ پروردگار کی طرف لوٹ جائیے اور تخفیف کا سوال کیجئے اس لیے حق تعالیٰ نے اسراء اور معراج کے ذکر کے بعد خاص طور پر موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصرار سے آپ ﷺ بار بار بارگاہ خداوندی میں گئے اور تخفیف کی درخواست کی اور منظور ہوئی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات عطا کی اور ہم نے اس کتاب کو بنی اسرائیل کیلئے ہدایت بنایا اور ان کو حکم دیا کہ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بناؤ کہ اپنے امور کو اس کے حوالہ اور سپرد کر دو بلکہ اللہ کے سپرد کرو کیونکہ غیر اللہ کو اپنا وکیل بنانا ایک قسم کا کفر اور کفران نعمت ہے اور تم لوگ ان لوگوں کی ذریت ہو جو نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور سب خدا کے شکر گزار بندے تھے۔ لہذا تم کو چاہئے کہ شکرگزار اور کفر سے بیزاری میں اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلو چنانچہ فرماتے ہیں۔

اے نسل ان لوگوں کی جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا ان کی اتباع کی برکت سے ہم نے تم کو نجات دی اور ان کے ساتھ تم کو کشتی میں سوار کیا۔ پس تم اپنے باپ کے مشابہہ بنو اور ان کے طریقہ پر چلو بے شک نوح علیہ السلام خدا کے بڑے شکر گزار بندے تھے جب کھانا کھاتے یا پانی پیتے یا کپڑا پہنتے تو الحمد للہ کہتے اس لیے خدا تعالیٰ نے ان کا نام "عبد الشکور" رکھا عبودیت اور بندگی کا اصل دار و مدار شکرگزاری پر ہے۔ شکرگزاری سے ہدایت اور توفیق ملتی ہے اور ناشکر اور ناقدر محروم رہتا ہے۔

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا

اور صاف کہہ سنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تم خرابی کرو گے ملک میں دو بار اور سرکشی کر گے اور صاف کہہ سنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تم خرابی کرو گے ملک میں دو بار، اور چڑھ جاؤ گے برا

كَبِيرًا ۝۱۷۵ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا

بڑی سرکشی فل پھر جب آیا پہلا وعدہ بھیجے ہم نے تم پر اپنے بندے فل سخت لڑائی والے پھر پھیل پڑے طرح چڑھنا۔ پھر جب آیا پہلا وعدہ اٹھائے ہم نے تم پر ایک بندے اپنے سخت لڑائی والے، پھر پھیل پڑے

خِلَالِ الدِّيَارِ ۝ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ

شہروں کے بیچ اور وہ وعدہ ہونا ہی تھا فل پھر ہم نے پھیر دی تمہاری باری فل ان پر اور قوت دی تم کو شہر کے بیچ۔ اور وہ وعدہ ہونا ہی تھا۔ پھر ہم نے پھیری تمہاری باری ان پر اور زور دیا تم کو

بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۝۱۷۶ إِن أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ ۝ وَإِن

مال سے اور بیٹوں سے اور اس سے زیادہ کر دیا تمہارا لشکر اگر بھلائی کی تم نے تو بھلا کیا اپنا اور اگر مال سے اور بیٹوں سے، اور اس سے زیادہ کر دی تمہاری بھیڑ۔ اگر بھلائی کی تم نے تو بھلا کیا اپنا، اور اگر

أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۝ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءَ وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا

برائی کی تو اپنے لیے ۱۷۶ پھر جب پہنچا وعدہ دوسرا بھیجے اور بندے کہ اداس کر دیں تمہارے منہ اور گھس جائیں مسجد میں برائی کی تو آپ کو۔ پھر جب پہنچا وعدہ پچھلی بار کا کہ وہ لوگ اداس کریں تمہارے منہ اور پٹھیں (گھسیں) مسجد میں

دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتَّبِرًا ۝۱۷۷ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يَسِّرَ لَكُمْ ۝ وَإِن

جیسے گھس گئے تھے پہلی بار اور خراب کر دیں جس جگہ غالب ہوں پوری خرابی فل بعید نہیں تمہارے رب سے کہ رحم کرے تم پر اور اگر جیسے پیٹھے (گھسے) پہلی بار اور خراب کریں جس جگہ غالب ہوں پوری خرابی۔ آیا ہے رب تمہارا اس پر کہ تم کو رحم کرے۔ اگر

عُدْتُمْ عُدْنَا ۝ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ۝۱۷۸

پھر وہی کر دے تو ہم پھر وہی کریں گے اور کیا ہے ہم نے دوزخ کو کافروں کا قید خانہ ۱۷۸

پھر وہی کرو گے تو ہم پھر وہی کریں گے، اور کیا ہے ہم نے دوزخ منکروں کا بندی خانہ۔

فل تورات میں یا کسی دوسری آسمانی کتاب میں یہ پیشین گوئی کی گئی تھی کہ یہ قوم (بنی اسرائیل) دو مرتبہ ملک میں سخت خرابی پھیلائے گی اور ظلم و تکبر کا شیوہ اختیار کر کے سخت تر دوسرکشی کا مظاہرہ کرے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہر مرتبہ خدا تعالیٰ کی طرف سے دروناک سزا کا مزہ چکھنا پڑا۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

۱۷۲ یعنی جن کو ہم نے سزا دینے کے لیے تم پر مسلما کیا تھا۔

۱۷۳ یعنی بستی میں مکانوں کے اندر گھس کر خوب کشت و خون اور لوٹ کھسوٹ کی۔ اس طرح خدا نے سزا دی کا جو وعدہ بجا تھا پورا ہو کر رہا۔

۱۷۴ یعنی جب تم ہماری طرف رجوع ہوئے اور توبہ و انابت کا طریقہ اختیار کیا ہم نے پھر ایک مرتبہ تم کو دشمنوں پر غالب کیا۔

۱۷۵ یعنی بھلائی برائی کا جو کچھ نفع نقصان پہنچتا تھا تم ہی کو پہنچتا تھا سو پہنچا۔

۱۷۶ یعنی مار مار کر تمہارے منہ بگاڑ دیئے۔ اور ”مسجد اقصیٰ“ (بیت المقدس) میں گھس کر پہلے کی طرح اودھم مچائی بھیل وغیرہ کو تباہ کر دیا۔ اس طرح ”بنی اسرائیل“ کی قوت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

۱۷۷ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں تورات میں کہہ دیا تھا کہ بنی اسرائیل دو بار شرارت کریں گے، اس کی جزا میں دشمن ان کے ملک پر غالب ہوں گے۔ اسی =

## ذکر انجام مخالفت و معصیت برائے ترہیب و عبرت

قَالَ الْجَنَانِيُّ: ﴿وَقَضَيْتُمْ لَنَا آيَاتِنَا فِي الْكِتَابِ...﴾... وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ﴿۱۵﴾

رابطہ:..... گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے انعام کا ذکر فرمایا کہ ان کی ہدایت کیلئے توریت نازل کی مگر وہ بجائے رشد و ہدایت کے فتنہ و فساد میں جا گرے جس کا نتیجہ اور انجام یہ ہوا کہ دنیا ہی میں طرح طرح کی بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوئے۔ اب ان آیات میں احکام خداوندی کی مخالفت کرنے والوں کے برے انجام کو بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ عبرت پکڑیں کہ جو شخص اللہ سے باغی ہو جاتا ہے اللہ دنیا ہی میں اس کے دشمن کو اس پر مسلط کر دیتا ہے۔ ان آیات میں اجمالاً دو واقعوں کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل نے دو مرتبہ سرکشی کی اور دونوں مرتبہ سخت قتل اور غارت اور ذلت اور مصیبت میں مبتلا ہوئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے کتاب توریت یا کسی دوسری آسمانی کتاب میں فیصلہ کر دیا اور بنی اسرائیل کو اس سے آگاہ کر دیا کہ تم سرزمین شام میں دو مرتبہ ضرور فتنہ اور فساد برپا کرو گے کہ حد و شریعت سے باہر نکل جاؤ گے اور علانیہ احکام توریت کی خلاف ورزی کرو گے اور بڑا اودھم مچاؤ گے اور لوگوں پر ظلم و ستم ڈھاؤ گے خوب سمجھ لو کہ دونوں مرتبہ تم سخت سزا میں مبتلا ہو جاؤ گے ﴿لَتُفْسِدُنَّ﴾ میں حقوق اللہ کے ضائع کرنے کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے توریت میں یا کسی دوسری آسمانی کتاب میں یہ پیشین گوئی کر دی تھی کہ بنی اسرائیل ملک میں دو مرتبہ فتنہ اور فساد برپا کریں گے اور ظلم و ستم کا شیوہ اختیار کریں گے تو پھر ہر مرتبہ ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے دردناک سزا کا مزہ چکھنا پڑے گا جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ پھر جب ان دو وعدوں میں سے پہلے وعدہ کا وقت آئے گا تو ہم تمہاری سزا اور سرکوبی کے لیے اپنے بندے کھڑے کریں گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے سو وہ تمہارے گھروں میں کھس پڑیں گے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر تم کو قتل کریں گے اور گھر گھر تلاش کر کے تم کو گرفتار کریں گے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد نصر بابلی اور اس کا لشکر ہے جنہوں نے بنی اسرائیل کو تہس نہس کر دیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے جالوت مراد ہے جو بعد میں داؤد علیہ السلام کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔

نکتہ:..... ﴿عِبَادًا لَّنَا﴾ (ہمارے بندے) یہ اضافت تشریف و تکریم کے لیے نہیں اور یہ مطلب نہیں کہ یہ لوگ ہمارے خاص بندے ہوں گے بلکہ یہ اضافت تخلیف و تکوین ہے۔

اور مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کے خاص ظالم بندے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اسی لیے پیدا کیا ہے یعنی مغرورین اور متکبرین پر مسلط کرنے کے لیے پیدا کیا اور ان ظالم بندوں سے بخت نصر اور اس کا لشکر مراد ہے اور یہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا سو وہ پورا ہوا پھر جب تم نادم اور تائب ہو کر اپنی شرارتوں سے باز آ جاؤ گے تو پھر تم کو ہم ان پر غلبہ دے دیں گے تم غالب ہو گے وہ = طرح ہوا ہے۔ ایک بار جالوت غالب ہوا، پھر حق تعالیٰ نے اس کو حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ سے ہلاک کیا۔ پیچھے بنی اسرائیل کو اور قوت زیادہ دی حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت میں۔ دوسری بار فارسی لوگوں میں بخت نصر غالب ہوا تب سے ان کی سلطنت نے قوت نہ پکڑی۔ اب فرمایا کہ اللہ مہربانی پر آیا ہے اگر اس نبی کے تابع ہو تو وہی سلطنت اور غلبہ پھر کرنے اور اگر پھر وہی شرارت کرو گے تو ہم وہی کریں گے یعنی مسلمانوں کو ان پر غالب کیا اور آخرت میں دوزخ تیار ہے۔ بعض علماء نے پہلے وعدہ سے بخت نصر کا حملہ جو ولادت مسیح سے ۸۷۰ سال پہلے اور دوسرے وعدے سے "طیسوس رومی" کا حملہ جو مسیح سے ستر سال بعد ہوا مراد لیا ہے۔ کیونکہ ان دونوں حملوں میں یہود پر پوری تباہی آئی اور "مقدس ہیکل" کو برباد کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

یہ ترجمہ جٹاشو کا ہے جو جوش سے مشتق ہے جس کے اصل معنی وہی ہیں جس کے مطابق ہم نے ترجمہ کیا ہے اور یہ معنی ابن جریر نے بیان کیے ہیں۔

مغلوب ہوں گے اور قسم قسم کے مالوں سے اور بیٹوں سے تمہاری مدد کریں گے اور تمہیں بڑا جتھے والا کر دیں گے اور تمہاری ذلت مبدل بہ عزت ہو جائے گی اور تمہاری قلت مبدل بہ کثرت ہو جائے گی اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ فتح و نصرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ خلافت میں پورا ہوا یا کسی اور بادشاہ کے زمانے میں پورا ہوا واللہ اعلم۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دوبارہ سلطنت اور شوکت عطا کی جب تک اللہ کی اطاعت اور شریعت کے متابعت قائم رہے سلطنت اور اقتدار قائم رہا۔ اہل دولت کو چاہئے کہ مال و دولت اور شان و شوکت پر مغرور نہ ہوں یہ دنیا آئی اور فانی ہے اس کی طاہری ٹیپ ٹاپ کو دیکھ کر خدا کے قہر اور انتقام کو نہ بھولئے نہ معلوم خدا تعالیٰ کس وقت پکڑ لے اور بنی اسرائیل کی طرح ذلیل و خوار نہ کرے آج کل بیت المقدس اور بلاد عربیہ اور ہندوستان میں جو مسلمان کفار کے ہاتھ سے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر کھلم کھلا احکام شریعت کی خلاف ورزی پر اتر آتے ہیں اللہم احفظنا من ذلک آمین۔

اور کتاب میں بطور نصیحت یہ بھی لکھا ہے کہ اگر تم پہلے واقعہ سے سبق لے کر آئندہ نیکی کرو گے تو اپنے ہی نفع کیلئے نیکی کرو گے اس بھلائی کا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا اور اگر برائی کرو گے تو اس کا وبال بھی تمہاری جانوں کیلئے ہوگا مطلب یہ ہے کہ ہمارا نہ کوئی نفع ہے اور نہ کوئی ضرر جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آگے اس کا بیان ہے کہ جو خدا سے باغی اور طاعی ہوئے اللہ نے ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا اور پھر اس ظالم نے ان کو خوب ذلیل و خوار کیا جزاءً وفاقاً ﴿وَمَا زَكَّٰتُكَ بِظُلْمٍ لِّلْعَبِيدِ﴾۔ پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آئے گا یعنی جب تم دوبارہ فتنہ برپا کرو گے اور شریعت عیسویہ کا خلاف کرو گے اور پہلی مرتبہ کی سزا بھلا کر سرکشی کرو گے اور اس طرح دوسری بار سزا کی میعاد آجائے گی تو حسب سابق پھر دوبارہ ہم تم پر اپنے ظالم بندوں کو مسلط کریں گے۔ تاکہ وہ تم کو مار مار کر تمہارے منہ بگاڑیں اور تاکہ دوبارہ مسجد بیت المقدس میں گھس آئیں۔ جیسا پہلی دفعہ گھس آئے تھے اور تاکہ جس چیز پر ان کا قابو چلے اس کو نہیں نہیں اور نیست و نابود کر دیں پورا نیست و نابود کرنا یعنی تمہیں نہیں کرنے میں کسر نہ چھوڑیں۔ پہلی بار بنی اسرائیل نے شریعت موسویہ کی مخالفت کی اللہ کریم نے ان پر بخت نصر کو مسلط کر دیا جس نے مسجد اقصیٰ کو خراب کیا اور تورات کو جلایا اور ہزاروں بنی اسرائیل کو قتل کیا اور ہزاروں کو لونڈی اور غلام بنایا یہ پہلی سختی اور سزا تھی یہ اللہ کا پہلا وعدہ تھا جو پورا ہوا دوسری بار بنی اسرائیل نے شریعت کیسے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی سزا دی کہ طیطوس رومی کہہ کر انہیں خراب کیا جس نے بنی اسرائیل کو تباہ اور برباد کیا اور مسجد اقصیٰ کو خراب اور ویران کیا۔ یہ دوسری بار سزا اور دوسری سختی تھی جس حسب وعدہ ان کو پہنچی۔ یہ اللہ کا دوسرا وعدہ تھا جو پورا ہوا اور حق تعالیٰ نے اس کتاب میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ ان دو عقوبتوں اور ان دو سختیوں کے بعد بار دیگر تم پر رحم کرنا چاہتا ہے وہ یہ کہ اس دوسری عقوبت نہ کرنا بلکہ شریعت محمدیہ کا اتباع کرنا امید ہے کہ عنقریب تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے یعنی اس کتاب میں یہ بھی بتلادیا تھا کہ اگر اس دوسری سختی اور دوسری مصیبت کے بعد بزمانہ اسلام اپنی شرارتوں سے توبہ کر لو تو امید ہے کہ اللہ تم پر رحم فرمادے اور پھر تمہیں عزت اور نعمت دے اور ذلت اور مصیبت سے تم کو محفوظ رکھے عسی کے معنی امید کے ہیں اور امید سے وعدہ مراد ہے اور اگر تم پھر تیسری بار شرارت کی طرف لوٹے تو ہم پھر تیسری بار سختی اور سزا کی طرف لوٹیں گے مطلب یہ ہے کہ گزشتہ دو عقوبتوں کے بعد اگر تیسری بار پھر تم نے سراٹھایا تو ہم پھر تیسری بار وہی کام کریں گے جو

ہم اس سے پہلے دو مرتبہ کر چکے ہیں۔

چنانچہ بنی اسرائیل نے تیسری بار حضور پر نور ﷺ کے وقت میں پھر شرارتیں کیں آپ ﷺ کی تکذیب کی اور آپ ﷺ کے خلاف سازشیں کیں اور حسب سابق کفر اور غرور کی طرف عود کیا اور آنحضرت ﷺ کی جو اور صفت صفت توریت اور انجیل میں مذکور تھی اس کو چھپایا اور آپ ﷺ کے قتل کے درپے ہوئے اللہ تعالیٰ نے پھر تیسری بار ان کی عقوبت کی طرف عود فرمایا جس کی سزا میں وہ قتل اور جلا وطنی کے عقوبت میں مبتلا ہوئے بنو قریظہ کو حضور پر نور ﷺ نے قتل کیا اور بنو نضیر کو جلا وطن کیا اور باقیوں پر جزیہ لگایا اس طرح اللہ کا یہ تیسرا وعدہ بھی پورا ہوا یہ سزا تو ان کو دنیا میں ملی اور ہم نے دوزخ کو کافروں کے لیے دائمی جیل خانہ بنایا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نکلنے پر قادر نہ ہوں گے۔

حق جل شانہ نے ان آیات میں دو واقعوں کی طرف اشارہ فرمایا جن کا تعین بہت مشکل ہے کتب تواریخ میں بنی اسرائیل کی تباہی اور بربادی کے بہت سے واقعات مذکور ہیں اس لیے تعین مشکل ہے ہم نے اپنی اس تفسیر میں امام رازی قدس اللہ سرہ کی پیروی کی اور جو قول ان کے نزدیک مختار تھا اسی کو اختیار کیا کہ پہلے وعدہ میں ﴿عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ﴾ سے بخت نصر اور اس کا لشکر مراد ہے اور اسی کو شیخ الاسلام ابوسعود رضی اللہ عنہ نے اور علامہ آلوسی رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا ہے بہر حال مقصود یہ ہے کہ مال و دولت اور حکومت و سلطنت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے لیکن لوگ جب اللہ کی نعمت کو اس کی معصیت کا ذریعہ بنالیں اور کھلم کھلا اس کی نافرمانی اور سرکشی اور ستم رانی پر اتر آئیں تو اللہ تعالیٰ کبھی انتقام بھی لے لیتے ہیں اور ظلم و ستم کی پاداش میں ظالموں پر ظالموں ہی کو مسلط کر دیتے ہیں ظلم کی سزا ظلم ہے ظالم کو ظالم کے ہاتھ سے پٹواتے ہیں ﴿كَذَلِكَ نُؤَيِّنُ بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ

یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو جو عمل کرتے ہیں اچھے کہ ان کے لیے ہے یہ قرآن بتاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے، اور خوشی سناتا ہے ان کو جو یقین لائے اور کہیں نیکیاں کہ ان کو ہے

أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۙ وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۙ

ثواب بڑا فل اور یہ کہ جو نہیں مانتے آخرت کو ان کے لیے تیار کیا ہے ہم نے عذاب دردناک ثواب بڑا۔ اور یہ کہ جو نہیں مانتے پچھلا دن، ان کے لئے رکھی ہم نے دکھ کی مار۔

فل یعنی یوں تو "تورات" بھی بنی اسرائیل کو راہ بتانے والی تھی جیسا کہ پہلے فرمایا "ہڈی لہڈی لہڈی لہڈی اسرائیل" لیکن یہ قرآن ساری دنیا کو سب سے زیادہ اچھی سیدھی اور مضبوط راہ بتاتا ہے۔ تمام "قوم راین" اس "اقوم" کے تحت میں مندرج ہو گئی ہیں۔ لہذا اگر کاسیانی اور نجات چاہتے ہو تو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں اسی سیدھی سڑک پر چلو۔ جو لوگ قلب و جوارح یعنی ایمان و عمل صالح سے اس صاف و کشادہ راہ پر چلیں گے قرآن ان کو دنیا میں حیات طیبہ کی اور آخرت میں جنت کی عظیم اٹان بشارت سناتا ہے۔ باقی جنہیں انجام کچھ خیال نہیں۔ اندھا دھند دنیا کی لذات و شہوات میں غرق ہیں۔ آخرت کی اس فکر نہیں رکھتے، ان کا انجام اگلے جملہ میں بیان کیا گیا ہے۔

## ذکر فضیلت قرآن کریم

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ... أَلِي... لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

ربط:..... گزشتہ آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہدایت کا ذکر تھا اور اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان پر دینی اور دنیوی مصیبتیں آئیں اب اس آیت میں قرآن مجید کا ذکر فرماتے ہیں جو آنحضرت ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے لوگوں کو چاہئے کہ اس کی حفاظت سے ڈریں کہ بنی اسرائیل کی طرح ان پر مصیبتیں نازل نہ ہوں اور قرآن مجید تو ریت سے بڑھ کر کتاب ہدایت ہے اس لیے کہ تو ریت کی ہدایت، ہدایت خاصہ تھی بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھی اور قرآن کی ہدایت، ہدایت عامہ ہے تمام عالم کے لئے قیامت تک کے لئے ہدایت ہے۔ لہذا اس کی مخالفت سے ڈرنا چاہئے اور قرآن کریم میں جا بجا تو ریت اور قرآن کا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر تو ریت عطا ہوئی اور آنحضرت ﷺ کو کوہ فاران پر غار حرا میں قرآن عطا ہوا تو ریت بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے نازل ہوئی اور قرآن کریم اول بنی اسرائیل اور تمام عالم کی ہدایت کے لیے نازل ہوا اور اس آیت میں اشارہ اس طرف فرمایا کہ یہ قرآن تو ریت سے کہیں بلند اور برتر ہے اس لیے کہ اس آیت میں قرآن کے دو وصف ذکر فرمائے۔

(۱) اول یہ کہ لوگوں کو ایسے راہ راست کی ہدایت کرتا ہے کہ جو تمام راستوں میں سب سے زیادہ سیدھا ہے اور خدا تک پہنچنے کا سب سے زیادہ قریب راستہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اہل ہدایت کو بشارت دیتا ہے اور اہل ضلالت کو ڈراتا ہے۔ لہذا لوگوں کو چاہئے کہ اس پر عمل کریں اور بنی اسرائیل سے عبرت پکڑیں کہ جو لوگ اس کتاب ہدایت پر عمل نہ کریں گے وہ بنی اسرائیل کی طرح ذلیل و خوار ہوں گے تحقیق یہ قرآن اس طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ ٹھیک اور درست ہے مراد ہے اور تمام دینی اور دنیاوی امور میں تمہاری راہنمائی کرتا ہے انسان کی سعادت اور نحوست کی کوئی بات ایسی نہیں چھوڑی کہ جو قرآن نے نہ بتلا دی ہو اب اس سے بڑھ کر اور کون سا طریقہ درست ہوگا اور خوش خبری سناتا ہے مومنوں کو جو اس پر ایمان لائے اور دل سے اس کو مانتے ہیں اور اسی راہ پر چلتے ہیں یعنی اعمال صالحہ کرتے ہیں ان کے لیے آخرت میں بڑا اجر ہے۔

اور بشارت دیتا ہے بد بختوں کو یعنی ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں ہم نے ان کے لیے دوزخ کا دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے یہ اہل ایمان کے لیے دوسری خوشخبری ہے کہ ان کے دشمنوں کو عذاب ہوگا اس لیے کہ دشمنوں کی مصیبت سے مسرت ہوتی ہے

وَيَدْعُ الْإِنْسَانَ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ⑩

اور مانگتا ہے آدمی برائی سے مانگتا ہے بھلائی اور ہے انسان جلد باز فل  
اور مانگتا ہے آدمی برائی، جیسے مانگتا ہے بھلائی۔ اور ہے انسان عاجل۔  
فل یعنی قرآن تو لوگوں کو سب سے بڑی بھلائی کی طرف بلاتا اور کبیر کی بشارتیں سناتا اور بدی کے مہلک نتائج سے آگاہ کرتا ہے۔ لیکن حضرت انسان کا مال یہ =

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## انسان کی جلد بازی اور ناعاقبت اندیشی

قَالَ تَعَالَى: ﴿وَيَذَعُ الْإِنْسَانَ بِالْشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا﴾

ربط:..... اس آیت میں یہ بات بیان فرماتے ہیں کہ انسان جلد باز اور ناعاقبت اندیش ہے کہ غصہ میں آکر اپنی برائی کی دعا مانگنے لگتا ہے اپنے نفع و نقصان کو خوب نہیں سمجھتا۔ اس لیے ہماری نازل کردہ کتاب سے روگردانی کرتا ہے اور ہمارے احکام کی پیروی سے انحراف کرتا ہے انسان جلد باز ہے عاجلہ (دنیا) پر فریفتہ ہے اور آخرت کی پروا نہیں کرتا انسان کو چاہئے کہ راہ مستقیم کی ہدایت کی دعا مانگے اور توفیق خداوندی کی درخواست کرے چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور انسان بے صبری کی وجہ سے اپنی ذات پر یا اپنی اولاد پر دعاء بد کر بیٹھتا ہے جیسا کہ وہ دعائے خیر کرتا ہے اور بھلائی طلب کرتا ہے اور انسان طبعی طور پر جلد باز واقع ہوا ہے انجام کو نہیں سوچتا ممکن ہے کہ وہ وہ وقت ہو جب اللہ تعالیٰ ہر دعا کو قبول فرمالتا ہے اور یہ دعا اس کے حق میں بہتر نہ ہو انسان کی ہر دعا قبول نہ ہونا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے انسان جلد باز ہے انجام کی خبر نہیں۔ انسان کو چاہئے کہ ہدایت اور توفیق کی دعا کو سب سے مقدم جانے وہ انسان بڑا نادان ہے کہ جو اللہ سے یہ دعا مانگتا ہے کہ اے اللہ اگر یہ حق ہے تو پھر ہم پر آسمان سے پتھر نازل فرما نضر بن حارث یہ دعا مانگتا تھا او اتتنا بعد اب الیم اگر عقل ہوتی تو ہدایت کی دعا مانگتا "اے اللہ اگر یہ حق ہے تو مجھ کو ہدایت دے اور اس کے قبول کرنے کی توفیق دے۔"

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحْوًا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوا

اور ہم نے بنائے رات اور دن دو نمونے فل پھر مٹا دیا رات کا نمونہ فل اور بنا دیا دن کا نمونہ دیکھنے کو تاکہ تلاش کرو اور ہم نے بنائے رات اور دن دو نمونے، پھر مٹا دیا رات کا نمونہ اور بنا دیا دن کا نمونہ دیکھنے کو، کہ تلاش کرو

فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۗ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ

فضل اپنے رب کا فل اور تاکہ معلوم کرو گنتی برسوں کی اور حساب فل اور سب چیز سنائی ہم نے فضل اپنے رب کا، فل اور معلوم کرو گنتی برسوں کی اور حساب۔ اور سب چیز سنائی ہم نے

= ہے کہ وہ سب کچھ سننے کے بعد بھی اپنے لیے برائی کو اسی اشتیاق و الحاح سے طلب کرتا ہے جس طرح کوئی بھلائی مانگتا ہو، یا جیسے بھلائی طلب کرنا چاہیے وہ انجام کی طرف سے آنکھیں بند کر کے بڑی تیزی کے ساتھ سمٹا ہوں اور برائیوں کی طرف لپکتا ہے بلکہ بعض بد بخت تو صاف لفظوں میں زبان سے کہہ لیتے ہیں۔

﴿اللَّهُمَّ اِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِنَ السَّمَاءِ اَوْ اَلْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيمٍ﴾ (خدا دے! اگر غیر اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دیجئے یا اور کوئی سخت عذاب نازل کیجئے) بعض یہ توفیق غصہ سے بچھٹلا کر اپنے حق میں یا اپنی اولاد وغیرہ کے حق میں بے سوچے سمجھے بد دعا کر بیٹھتے ہیں۔ بعض دنیا کے نفع قابل کو معبود بنا کر ہر ایک حلال و حرام طریقہ سے اس کی طرف دوڑتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ اس لہلہاتے ہادے کے نیچے ساپ بچھو بھی چھپے ہوئے ہیں۔ جو انجام کار ہلاکت کے گڑھے میں پہنچا کر رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنی جلد بازی سے کسی چیز کی ظاہری نیپ ناپ کو دیکھ لیتا ہے، بدی کے دور رس نتائج پر غور نہیں کرتا۔ جس جو بات کسی وقت صالح ہوئی فوراً کہہ ڈالی یا ایک دم کر گزارا۔ بدھر قدم اٹھ گیا بے سوچے سمجھے ادھر ہی بڑھتا چلا گیا۔ اگر جلد بازی چھوڑ کر متانت، تدبر اور انجام بخیری سے کام لے تو کبھی ایسی غلطیاں نہ کرے۔

لی رات کا اندھیرا دن کا اہلا، دونوں میں سے کبھی اس کا کبھی اس کا چھوٹا بڑا ہونا، پھر رات میں چاند کی آہستہ آہستہ گھٹنے بڑھنے والی ٹھنڈی اور دھیمی چاندنی، دن میں آفتاب مالتاب کی تیز اور گرم روشنی یہ سب خداوند قدس کی قدرت کاملہ کے نمونے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کا مستقل نظام علیحدہ ہے جس کے ساتھ =

## تَفْصِيْلًا ۱۷

کھول کر

کھول کر۔

### ذکر نعمائے دنیویہ

قَالَ النَّبِيُّ: «وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ... إِلَى... فَصَلْنَهُ تَفْصِيْلًا»

رابطہ:..... گزشتہ آیات میں انسان پر اخروی نعمتوں کا ذکر تھا کہ ان کی ہدایت کے لئے کتب الہیہ کو نازل کیا اور انبیاء کو مبعوث کیا اب ان آیات میں دنیوی نعمتوں کا ذکر فرماتے ہیں رات اور دن کا پیدا کرنا انسان کے لیے آسائش کا باعث ہے ہر ایک سے جدا جدا فوائد حاصل ہوتے ہیں اور قسم قسم کے یہ فوائد خدا تعالیٰ کی نعمتیں بھی ہیں اور اس کی قدرت کے کرشمے بھی ہیں اور اس کی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل بھی ہیں اور اشارہ اس طرف بھی ہے کہ انسان کا کبھی ہدایت کی طرف اور کبھی ضلالت کی طرف منتقل ہونا ایسا ہے جیسا کہ یہ عالم کبھی نور کی طرف منتقل ہوتا ہے اور کبھی ظلمت کی طرف اور اشارہ اس طرف بھی ہے کہ انسان جلد بازی نہ کرے لیل و نہار سے عبرت پکڑے زمانہ ایک حال پر نہیں رہتا کبھی راحت ہے اور کبھی مصیبت چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور ہم نے رات کو اور دن کو اپنی قدرت کی دو نشانیاں بنایا یہ دونوں اللہ کی قدرت کی دلیل ہیں کہ دونوں ایک

= سینکڑوں فوائد اور مصالح وابستہ ہیں۔ اور سب کا مجموعی نظام الگ ہے جو شروع سے اب تک نہایت مضبوط و محکم قوانین کے ماتحت چل رہا ہے۔

۲ رات کا نمونہ تاریک اور مٹا ہوا ہے، چاند کی روشنی سورج کے اعتبار سے دھیمی اور دھندلی ہوتی ہے بلکہ خود جرم قمر بھی دکھنے والے کو داغ دار نظر آتا ہے۔

۳ یعنی دن کے وقت سورج کی روشنی میں ہر چیز صاف دکھائی دیتی ہے لوگ تازہ دم ہو کر روزی کی تلاش میں نکلتے اور مختلف قسم کے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ الفرض شب میں جن چیزوں پر تاریکی کی چادر پڑی ہوتی تھی سورج کی شعاعیں سب کو بے حجاب کر دیتی ہیں۔ اور جو لوگ خواب گراں سے مدہوش تھے آٹھیں کھول کر ادھر ادھر گشت لگانے لگتے ہیں۔

۴ یعنی لیل و نہار کی آمد و شد اور شمس و قمر کے طلوع و غروب سے مہینوں اور سالوں کی گنتی اور بہت طرح کے چھوٹے بڑے حساب متعلق ہیں۔

۵ تم سمجھ لو کہ گہرا نئے اور جلدی مچانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ خدا کے یہاں ہر چیز کا خیر ہو یا شر ایک وقت اور انداز مقرر ہے۔ جیسے رات اور دن۔ کسی کی جلد بازی اور شب کاری سے رات کم نہیں ہو جاتی یا دن بڑھ نہیں جاتا۔ اپنے وقت پر صبح و شام ہوتی ہے شر کے بعد خیر اور خیر کے بعد شر کا آنا بھی ایسا ہی کچھ جیسے رات کے پچھے دن اور دن کے پچھے رات برابر لگی چلی آتی ہے۔ دنیا کے تمام خیر و شر کا سلسلہ ایک معین ضابطہ اور نظام کے ماتحت ہے جس کا توڑ ڈالنا کسی کے امکان میں نہیں۔ اس دنیا کی مکدر و منفی زندگی کو شب تاریک کے مشابہ سمجھو جس کے اندھیرے میں آدمی کو خیر و شر کے نتائج بالکل صاف دکھائی نہیں دیتے۔ بیشک حق تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کو بھیجا کہ رات کی اندھیری میں مخلوق کو صحیح راستہ بتلائیں اور ان کی آنکھوں کے سامنے اپنے اپنے درجے کے موافق اجالا کریں جس سے لوگوں کو خیر و شر کی حقیقت اور اس کے نتائج کا انکشاف ہو جائے۔ لیکن ایسا صریح اور بدیہی انکشاف جس میں کسی فرد بشر کو انکار یا شکی مجال ہی باقی نہ رہے، اس وقت ہو گا جب ہماری دنیاوی زندگی کی رات ختم ہو کر فردائے محشر کا دن نکل آئے گا۔ انسان کے وہی اعمال جو دنیا کی دھندلی زندگی میں ہر وقت اس کے گلے کا ہار بنے ہوئے تھے، بد عظمت و جہالت وغیرہ کی تاریکی میں صاف نظر نہ آتے تھے قیامت کی صبح ہوتے ہی ایک کھلی کتاب کی شکل میں سامنے آ جائیں گے جسے روز روشن کے اجالے میں ہر شخص بے لطف بڑھ سکے گا۔ ﴿فَكَلَّمْنَا عَنْكَ بِعِلْمِكَ فَتَبَوَّكَ الْيَوْمَ حَيْدِنًا﴾ اس وقت اپنے تمام چھوٹے بڑے اعمال کو اصلی رنگ میں دیکھ کر بول اٹھے گا۔ ﴿فَكَلَّمْنَا عَنْكَ بِعِلْمِكَ فَتَبَوَّكَ الْيَوْمَ حَيْدِنًا﴾



دوسرے کی ضد ہیں اور ہر ایک دوسرے کے پیچھے لگا چلا آ رہا ہے آخر یہ چکر کس نے چلایا اور دین و دنیا کی مصلحتیں ان دونوں سے وابستہ ہیں۔ اول تو لیل و نہار کا بنان ہی خدا کی قدرت کی نشانی ہے پھر قدرت کی دوسری نشانی یہ ہے کہ ہم نے رات کی نشانی کو یعنی چاند کو مدھم اور دھندلا بنایا اور دن کی روشنی یعنی سورج کو ہم نے درخشاں اور روشن بنایا چاند رات کی نشانی ہے اور سورج دن کی ہے۔ اگر چاند اور سورج نہ ہوتے تو دن رات یکساں ہوتے اور ایک دوسرے کی شناخت نہ ہو سکتی۔

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ آية اللیل اور آية النهار سے چاند اور سورج مراد نہیں بلکہ خود رات اور دن مراد ہے اور آية اللیل اور آية النهار کی اضافت بیان یہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنی قدرت کے دو نمونے بنائے قدرت کی ایک نشانی یعنی رات مٹی ہوئی ہے یعنی اندھیری اور بے نور ہے جس میں کوئی چیز نظر نہیں آتی اور قدرت کی دوسری نشانی یعنی دن دوروشن ہے سب چیزیں اس میں بے تکلف دکھائی دیتی ہیں تاکہ تم دن کی روشنی میں اپنے پروردگار کا فضل یعنی روزی تلاش کرو تاکہ تم دن رات کی آمد و رفت اور اختلاف الوان اور اختلاف مقدار اور اختلاف مبداء و منتہی سے برسوں کا شمار اور دیگر امور کا حساب کتاب معلوم کرو اگر دن رات نہ ہوتے تو اوقات کا حساب ناممکن ہو جاتا نہ ساعات نہ دن نہ مہینے نہ سال اور لوگوں کے تمام کام درہم برہم ہو جائے یہ دونوں یعنی لیل و نہار اللہ کی قدرت کی دلیل ہیں خود بخود موجود نہیں ہو گئے ان دونوں کا ایک خاص صفت اور خاص کیفیت اور خاص مقدار اور خاص کمیت کے ساتھ موجود ہونا ایک خاص طریقے پر یکے بعد دیگرے ان کی آمد و رفت اس امر کی دلیل ہے کہ یہ کسی عزیز حکیم کی تقدیر اور صانع عظیم کی صنعت اور کارگیری ہے لیل و نہار کی یہ آمد و رفت اور ان کی یہ صفت اور یہ کیفیت نہ کوئی امر عقلی ہے اور نہ امر طبعی ہے اور نہ امر اتفاقی ہے معلوم ہوا کہ کسی ایسے قادر حکیم کی کارگیری ہے جو ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے اور خود چاند اور سورج بھی خدائے قدیر کی قدرت کی نشانیاں ہیں اور ہر چیز کو ہم نے کھول کر بیان کر دیا ہے اور بندوں پر حجت پوری کر دی ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”یعنی گھبرانے سے فائدہ نہیں ہر چیز کا وقت اور اندازہ مقرر ہے جیسے رات اور دن کسی کے گھبرانے سے اور دعا سے رات کم نہیں ہو جاتی اپنے وقت پر آپ صبح ہوتی ہے اور دونوں نمونے اس کی قدرت کے ہیں“ انتہی کلامہ

رات دن گردش میں ہیں ہفت آسمان ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

حکایت: ..... عطاء بن سائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شام کا ایک قاضی (یا والی) فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور کہا اے امیر المؤمنین میں نے ایک ہولناک خواب دیکھا ہے وہ یہ کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ شمس و قمر ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں اور نصف نجوم ایک طرف ہیں اور نصف نجوم دوسری طرف ہیں۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اس لڑائی میں تم کس کے ساتھ تھے۔

میں قمر کے ساتھ تھا۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی ﴿وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَاتٍ لِّمَنْ أَحْسَنُ عِلْمًا وَجَعَلْنَا آيَةَ

النَّهَارِ مُتَجَرِّدَةً﴾ اور اس قاضی یا ضی یا والی سے کہا کہ آپ جائے ہم نے آپ کو معزول کیا آپ عہدہ قضا وغیرہ کا کوئی کام

نہیں کر سکتے تم نے آیت مبصرہ (شمس) کو چھوڑ کر آیت محوہ (چاند) کا ساتھ دیا (ازالۃ الخفاء) ان کا نام عابس بن سعد تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کسی علاقہ کے والی یا قاضی تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اس لیے معزول کیا کہ انہوں نے آیت مبصرہ (شمس) کے ہوتے ہوئے آیت محوہ (چاند) کا کیوں ساتھ دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے عرصہ دراز کے بعد جنگ صفین کا واقعہ پیش آیا تو عابس بن سعد جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور اس لڑائی میں مارے گئے۔ (روض الانف: ۱۷۰/۱)

وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَبْعَهُ فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ

اور جو آدمی ہے لگا دی ہے ہم نے اس کی بری قسمت اس کی گردن سے اور نکال دکھائیں گے اس کو قیامت کے دن ایک کتاب کہ دیکھے گا اس کو اور جو آدمی ہے، لگا دی ہے ہم نے اس کی بری قسمت اس کی گردن سے۔ اور نکال دکھا دیں گے اس کو قیامت کے دن لکھا کہ پاوے گا اس کو

مَنْشُورًا ۚ ۱۴ اِقْرَأْ كِتَابَكَ ۖ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ۚ ۱۵ مَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا

فہلی ہوئی فل پڑھ لے کتاب اپنی تو ہی بس ہے آج کے دن اپنا حساب لینے والا فل جو کوئی راہ پر آیا تو آیا کھلا۔ پڑھ لے لکھا اپنا۔ تو ہی بس ہے آج کے دن اپنا حساب لینے والا۔ جو کوئی راہ پر آیا تو آیا

يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۗ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ وَمَا

اپنے ہی بھلے کو اور جو کوئی بہکا رہا تو بہکا رہا اپنے ہی برے کو اور کسی پر نہیں پڑتا بوجھ دوسرے کا فل اور ہم اپنے ہی واسطے۔ اور جو کوئی بہکا رہا، بہکا رہا اپنے ہی برے کو۔ اور کسی پر نہیں پڑتا بوجھ دوسرے کا۔ اور ہم

كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۚ ۱۶ وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا

نہیں ڈالتے بلا جب تک نہ بھیجیں کوئی رسول فل اور جب ہم نے چاہا کہ غارت کریں کسی بستی کو حکم بھیج دیا اس کے عیش کرنے والوں کو بلا نہیں ڈالتے جب تک نہ بھیجیں کوئی رسول۔ اور جب ہم نے چاہا کہ کھیا دیں کوئی بستی، حکم بھیجا اس کے عیش کرنے والوں کو۔

فل یعنی شومی قسمت اور رشتی اعمال اس کے گلے کا ہار ہے۔ بری قسمت کے ساتھ برے عمل ہیں کہ جھوٹ نہیں سکتے۔ وہ ہی نظر آئیں قیامت میں۔

فل یعنی نامہ اعمال اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا کہ خود پڑھ کر فیصلہ کر لے، جو کام عمر بھر میں کیے تھے کوئی رہا تو نہیں یا زیادہ تو نہیں لکھا گیا۔ ہر آدمی اس وقت یقین کرے گا کہ ذرہ ذرہ عمل بلا کم و کاست اس میں موجود ہے۔ دنیا میں جو کتاب بھیجی (قرآن کریم) اور چاند صبح وغیرہ سے جو حساب و کتاب کا ذکر فرمایا جو اسی پہلے حساب و کتاب پر بطور نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔

فل یعنی سیدمی راہ خدا نے سب کو بتا دی اب جو کوئی اس پر چلے یا نہ چلے، اپنا بھلا برا خود سوچ لے۔ کیونکہ اپنے طریق عمل کا نفع یا نقصان اسی کو پہنچے گا۔ ایک کے گناہوں کی گھڑی دوسرے کے سر پر نہیں رکھی جائے گی۔

فل یعنی بلا شبہ برے عمل آفت لاتے ہیں، ہر حق تعالیٰ بغیر کھائے نہیں پکڑتا اسی واسطے رسول بھیجتا ہے کہ لوگوں کو بے خبر اور فائل نہ رہنے دیں۔ نیک دہ سے پوری طرح آگاہ کر دیں۔ جن باتوں کو آدمی محض عقل و فطرت کی راہنمائی سے سمجھ سکتا ہے (مثلاً جو دوباری یا توحید) ان کی مزید تشریح و توثیق پیغمبروں کی زبانی کر دی جاتے اور جن چیزوں کے ادراک میں محض عقل کافی نہ ہو انھیں وحی و الہام کی روشنی میں پیش کیا جائے۔ اسی لیے ابتدائے آفرینش سے حق تعالیٰ نے وحی و رسالت کا سلسلہ جاری رکھا تا آنکہ انبیاء علیہم السلام کے انوار فیوض نے دنیا میں ایسی فضا پیدا کر دی کہ کوئی معذّب قوم دنیا یا آخرت میں جہل و بے خبری کا عذر پیش کر کے مذاب الہی سے دستکاری مائل نہیں کر سکتی۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ

پھر انہوں نے نافرمانی کی اس میں تب ثابت ہوگئی ان پر بات بھر اکھاڑ مارا ہم نے ان کو اٹھا کر فنا اور بہت غارت کر دیے ہم نے قرن پھر انہوں نے بے حکمی کی اس میں، تب ثابت ہوئی ان پر بات، تب اکھاڑ مارا ان کو اٹھا کر۔ اور کتنی کھپادیں ہم نے سنگتیں

بَعْدَ نُوحٍ ۖ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿۱۷﴾ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ

نوح کے پیچھے فنا اور کالی ہے تیرا رب اپنے بندوں کے گناہ جاننے والا دیکھنے والا فنا جو کوئی چاہتا ہو پہلا گھر نوح سے پیچھے، اور بس ہے تیرا رب اپنے بندوں کے گناہ جانتا دیکھتا۔ جو کوئی چاہتا ہو پہلا گھر،

عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ ۖ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا

جلد دے دیں ہم اس کو اسی میں جتنا چاہیں جس کو چاہیں پھر ٹھہرایا ہے ہم نے اس کے واسطے دوزخ داخل ہوگا اس میں اپنی برائی سن کر شتاب دے چکیں ہم اس کو اسی میں جتنا چاہیں، جس کو چاہیں، پھر ٹھہرایا ہے ہم نے اس کے واسطے دوزخ، پیٹھے گا (پینچے گا) اس میں برائیاں کر،

مَذْحُورًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ

دھکیلا جا کر فنا اور جس نے چاہا پچھلا گھر اور دوزخ کی اس کے واسطے جو اس کی دوزخ ہے اور وہ یقین پر ہے سو ایسوں کی دوزخ دھکیلا جا کر۔ اور جس نے چاہا پچھلا گھر، اور دوزخ کی اس کے واسطے، جو کوئی اس کی دوزخ ہے اور وہ یقین پر ہے، سو ایسوں کی دوزخ

مَشْكُورًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُؤْتُهُمْ مَّا هُوَ لَآءٌ وَهُوَ لَآءٌ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۖ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ﴿۲۰﴾

ٹھکانے لگی ہے فنا ہر ایک کو ہم پہنچائے جاتے ہیں ان کو تیرے رب کی بخشش میں سے اور تیرے رب کی بخشش کسی نے نہیں روک لی فنا نیک لگی ہے۔ ہر ایک کو ہم پہنچائے جاتے ہیں، ان کو اور ان کو، تیرے رب کی بخشش میں سے۔ اور تیرے رب کی بخشش کسی نے نہیں گھیری۔

(تنبیہ) مفسرین نے یہاں "اصحاب فترت" اور اطفال صغاری تعذیب پر بحث شروع کر دی ہے۔ ہم تلویل کے خوف سے درج نہیں کر سکتے۔  
 فنا یعنی جب بد اعمالیوں کی بدولت کسی بستی کو تباہ کرنا ہوتا ہے تو یوں ہی دفعہ پکڑ کر ہلاک نہیں کر دیتے، بلکہ تمام حجت کے بعد سزا دی جاتی ہے۔ اول پیغمبر یا اس کے نائبین کی زبانی خدائی احکام ان کو پہنچائے جاتے ہیں۔ خصوصاً ہاں کے امراء اور باروخ لوگوں کو جن کے مانتے زمانے کا اثر جمہور پر پڑتا ہے، آگاہ کیا جاتا ہے۔ جب یہ بڑی ناک والے مجھ بوجھ کر خدائی پیغام کو رد کر دیتے اور کھلے بندوں نافرمانیاں کر کے تمام بستی کی فضا کو مسوم و مکدر بنا دیتے ہیں، اس وقت وہ بستی اپنے کو اعلانہ مجرم ثابت کر کے عذاب الہی کی سزا ہو جاتی ہے ﴿تَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّهِ وَرَآءُ النَّفْسَانَا﴾

(تنبیہ) وَقَالَ بَعْضُ السَّلَفِ أَنَّ الْأَمْرَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى "أَمْزَنًا مَشْرُوفِيهَا" أَمْزَنًا مَشْرُوفِيهَا "أَمْزَنًا مَشْرُوفِيهَا" أَمْزَنًا مَشْرُوفِيهَا "أَمْزَنًا مَشْرُوفِيهَا" تَعَالَى "إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ" مَغْنَمًا تَفْعِي الْأَمْرَ الشَّرِيْعِي فَلَا مَنَاقَاةَ فَافْتَهُم۔

فنا آدم و نوح کے درمیانی زمانہ میں سب آدمی اسلام پر رہے۔ پھر شرک و بت پرستی شروع ہوئی نوح علیہ السلام ان کی اصلاح کے لیے بھیجے گئے۔ سیکڑوں برس بچھایا، زمانے، آخر سب ہلاک کئے گئے۔ اس کے بعد بہت سی قومیں (عاد و ثمود وغیرہ) تباہ ہوئیں۔ حاصل یہ کہ قوموں کے ہلاک کیے جانے کا سلسلہ بعثت نوح کے بعد سے شروع ہوا۔

فنا یعنی کسی کو بے قصور نہیں پکڑنا نہ غیر مناسب سزا دیتا ہے۔ بلکہ ہر ایک کے گناہوں کو دیکھ کر اور اس کے اوضاع و اطوار کو پوری طرح جان کر سوزوں و مناسرہ بتا کر کرتا ہے۔

فنا یعنی ضروری نہیں کہ ہر ماشق دنیا کو فوراً ہلاک کر دیا جائے، نہیں۔ ہم ان لوگوں میں سے جو صرف متاع دنیا کے لیے سرگرداں ہیں، جس کو چاہیں اور جس قدر

اَنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ ط وَالْآخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجَاتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيلاً ﴿۱۰﴾

دیکھ کیسا بڑھا دیا ہم نے ایک کو ایک سے اور پچھلے گھر میں تو اور بڑے درجے میں اور بڑی فضیلتِ ذالہ دیکھ! کیوں کر بڑھایا ہم نے ایک کو ایک سے، اور پچھلے گھر میں تو اور بڑے درجے میں اور بڑی بڑائی۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ الْاٰخَرَ فَتَقْعَدَ مَذْمُومًا مَّخْذُوْلًا ﴿۱۱﴾

مت ٹھہرا اللہ کے ساتھ دوسرا کام پھر بیٹھ رہے گا تو الزام کھا کر بیکس ہو کر فل

نہ ٹھہرا اللہ کے ساتھ دوسرا کام، پھر بیٹھ رہے گا تو اولاد لانا یا کر، بیکس ہو کر۔

بیان سعادت و شقاوت و ہدایت و ضلالت و طالین دنیا و طالین آخرت

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿وَكُلُّ اِنْسَانٍ اَلَزَمْنَهُ ظِلْمًا فِى عُنُقِهِ... اِلَى... فَتَقْعَدَ مَذْمُومًا مَّخْذُوْلًا﴾

رہا: ..... گزشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ گیل و نہار اس کی قدرت کا کرشمہ ہیں اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ اسی طرح مجھ لو کہ سعادت و شقاوت اور ہدایت و ضلالت سب اسی کی قدرت کے کرشمے ہیں جس طرح ظاہری نور اور ظلمت اس کے اختیار میں ہے اسی طرح باطنی نور اور ظلمت بھی اسی کے اختیار میں ہے اور سب مقدر ہو چکی ہے جن کا ظہور قیامت کے دن ہو گا پھر یہ بتلایا کہ جنہوں نے انبیاء و رسل کا مقابلہ کیا وہ ہلاک اور برباد ہوئے لہذا لوگوں کو چاہئے کہ ان بستیوں کو دیکھ کر جن پر اللہ کا = چاہیں اپنی حکمت و مصلحت کے موافق دنیا کا سامان دے دیتے ہیں تاکہ ان کی جدوجہد اور فانی نیکیوں کا فانی پھل مل جائے اور اگر آخری سعادت مقدر نہیں تو شقاوت کا پیمانہ پوری طرح لہریز ہو کر نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ دوزخ کے ابدی جیل خانہ میں دھکیل دیے جائیں۔

۱۱ یعنی جس کے دل میں ایمان و یقین موجود ہو اور نیک نیتی سے خدا کی خوشنودی اور ثواب اخروی کی خاطر پیغمبر کے بتلائے ہوئے راستے پر عملی دوزد صوب کرے۔ اس کی کوشش ہرگز ضائع ہونے والی نہیں۔ یقیناً بارگاہِ احدیت میں حسن قبول سے سرفراز ہو کر رہے گی۔

۱۲ یعنی حق تعالیٰ اپنی حکمت و مصلحت کے موافق بعض طالین دنیا کو دنیا اور تمام طالین آخرت کو آخرت عطا فرماتا ہے۔ اس کی عطا میں کوئی مانع و مزاحم نہیں ہو سکتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ طالب دنیا ہو یا طالب آخرت دنیاوی امداد سے دونوں کو حسب مصلحت حصہ پہنچتا ہے۔ محض کفر و عصیان کی وجہ سے دنیاوی بخشش کے دروازے بند نہیں کر دیے جاتے۔

۱۳ یعنی دنیاوی زندگی میں مال، دولت، عورت، حکومت، اولاد وغیرہ کے اعتبار سے ایک کو دوسرے پر کسی قدر فضیلت ہے۔ اسی پر قیاس کر لو کہ آخرت میں تفاوت اعمال و احوال کے لحاظ سے کس قدر فرق مراتب ہوگا۔ چنانچہ نصوص سے ثابت ہے کہ درجات جنت اور درجات جہنم بے حد متفاوت ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ جنت کے درجوں کے درمیان زمین و آسمان کا تفاوت ہوگا، نیچے والے اوپر والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے ہم زمین پر کھڑے ہو کر آسمان میں کوئی ستارہ دیکھتے ہیں۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جنت کے یہ درجات انہی کو مل سکتے ہیں جو آخرت کے لیے اس کے لائق دوزد صوب کریں۔

۱۴ یعنی شرک ایسی ظاہر اہلطان چیز ہے جس کے اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے، بلکہ دنیا کے ہر عقلمند کے نزدیک تم مذموم و ملامت ٹھہر دے۔ چنانچہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جن مذاہب میں شرک سرچ کی تعلیم تھی وہ بھی دانش مندوں کی سوسائٹی میں جگہ حاصل کرنے کے لیے اپنی ترمیم و اصلاح کر کے آہستہ آہستہ توحید کی طرف قدم اٹھا رہے ہیں۔ ہر ایک مائل یہ محسوس کرنے لگا ہے کہ اشرف المخلوقات انسان کے لیے یہ چیز سخت ذلت و رسوائی کی موجب ہے کہ اپنے سے کتر یا کسی مازج مخلوق کے سامنے سربسجود ہو جائے۔ خصوصاً ان چیزوں کے سامنے دست سوال دراز کرے جو خود اسی کی تراشی ہوئی ہیں۔ جو آدمی خدا کو چھوڑ کر غیر اللہ کے سامنے جھکتا ہے، خدا سے بے نیاز حقیقی نصرت و برکت کا دروازہ اس پر بند کر کے کمزوری اور بیخوشی کی حالت میں چھوڑ دیتا ہے چنانچہ سخت گھمن وقت میں جب کہ اسے امانت و امداد کی بڑی ضرورت ہوگی، کوئی یار و مددگار نہ ملے گا "ضَعُفَ الطَّالِبِ وَالطَّلُوبُ"

عذاب نازل ہوا عبرت پکڑیں۔

بعد ازاں یہ بتلایا کہ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک طالب دنیا اور ایک طالب آخرت پھر اس تمام مضمون کو ﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخَذُومًا﴾ پر ختم فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ ذلت و خواری کا سرچشمہ کفر ہے جس نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا وہ ذلیل و خوار ہوا چنانچہ فرماتے ہیں اور ہر آدمی خواہ وہ مومن ہو یا کافر اس کی قسمت اس کی گردن میں لٹکادی ہے اور چٹا دی ہے قسمت کا لکھا ہوا ٹکٹا نہیں آدمی جہاں آتا ہے وہیں قسمت اور تقدیر ساتھ ہوتی ہے۔

”طائر“ اصل میں پرندہ کو کہتے ہیں اور محاورہ عرب میں طائر کا لفظ بطور استعارہ بخت اور نصیبہ کیلئے استعمال ہوتا ہے اور اسی محاورہ کے مطابق آیت میں قسمت کے معنی مراد ہیں گویا کہ قسمت ایک پرندہ ہے جو آشیانہ ازل سے اڑ کر اس پر آ بیٹھا ہے اور اس کی گردن میں کسی مضبوط تار سے باندھ دیا گیا ہے انسان جب تک پردہ عدم میں رہا بخت اس کا منتظر رہا پس جب انسان نے اپنا سر عدم سے باہر نکالا تو یہ پرند بخت اڑ کر اس کی گردن سے چٹ گیا زندگی میں اور قبر میں اس کے گلے میں چٹا اور لٹکا رہے گا۔ حتیٰ کہ جب قبر سے اٹھے گا تو یہ طوق اس کی گردن میں ہوگا دنیا کا طریقہ ہے کہ جس کی گردن میں جو چیز باندھ دی جاتی ہے وہ اس شخص کے لئے لازم و ملزوم بن جاتی ہے جیسے کہتے ہیں کہ قرض کا طوق میری گردن میں ہے اسی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جو چیز مقدر کر دی ہے وہ اس کو اڑ کر پہنچے گی عرب کا طریقہ یہ تھا کہ کسی کام کا نیک و بد انجام معلوم کرنے کے لیے پرندہ اڑاتے اگر دائیں جانب سے اڑتا تو سمجھتے کہ خیر ہے اور اگر بائیں جانب سے اڑتا تو سمجھتے شر ہے اسی طرح سمجھو کہ بندہ کی قسمت یعنی سعادت اور شقاوت اور مبارک اور شوم بمنزلہ ایک پرندہ کے ہے جو اس کی گردن میں ڈال دیئے گئے ہیں۔ انسان اس سے تجاوز نہیں کر سکتا بظاہر یہی وجہ ہے کہ انسان پر دو فرشتے مقرر ہیں ایک دائیں جانب جو نیکیاں لکھتا ہے اور ایک بائیں جانب جو برائیاں لکھتا ہے۔ ﴿عَنِ الَّتِيْمِيْنَ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدًا﴾ اور قیامت کے دن مومن کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں اور کافر کا بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور پھر قیامت کے دن اسی قسمت کو جو دنیا میں گلے کا ہار تھی ہر انسان کے لئے ایک کتاب بنا کر نکالیں گے یعنی اس گلے کے ہار کو نامہ اعمال کی شکل میں ظاہر کریں گے تاکہ انسان اپنی قسمت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے وہ ہر انسان اس لکھی ہوئی کتاب کو اپنے ہاتھ میں کھلا ہوا اپنے سامنے دیکھے گا یہ کھلی ہوئی کتاب اس کا اعمال نامہ ہوگی جس میں اس کے تمام نیک و بد احوال مندرج ہوں گے اور یہ اس کی وہی قسمت ہوگی جو ابتداء ولادت سے اس کی گردن میں لٹکادی گئی تھی اور اس سے کہا جائے گا کہ لے اپنے اعمال نامہ کو خود پڑھ لے ہر شخص اپنے اعمال نامہ کو خود پڑھ لے گا خواہ وہ دنیا میں پڑھا لکھا تھا یا نہیں تھا اور کہا جائے گا کہ آج اپنا حساب لینے کے لیے تو خود آپ ہی کافی ہے تو خود دیکھ لے کہ اس میں کیا لکھا ہے اور خود ہی فیصلہ کر لے کہ تو کس جزاء کا مستحق ہے اللہ نے تجھ پر حجت پوری کر دی آج تجھ پر کوئی ظلم نہ ہوگا تمام عمر کے اعمال اس میں درج ہیں دیکھ لے اور پڑھ لے ﴿يُنذِرُوا الْاِنْسَانَ يَوْمَئِذٍ يَتَانًا قَدْحًا وَاٰخِرُ﴾ اس وقت ہر ایک کو اپنے اعمال کا حسن و قبح آنکھوں سے نظر آ جائے گا لہذا جو کوئی راہ ہدایت پر آتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدے کے لیے آتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے تو وہ اپنی ہی تباہی اور بربادی پر گمراہ ہوتا ہے یعنی جو نیک عمل کرے گا اس کا فائدہ اسی کو پہنچے گا جو گناہ کا کام کرے گا اس کا ضرر اسی کو پہنچے گا کسی کا عمل دوسرے کے لیے نفع اور نقصان کا باعث نہیں اور وجہ اس کی

یہ ہے کہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ کوئی گنہگار نفس جو گناہوں کے بوجھ سے بوجھل ہو وہ دوسرے گنہگار نفس کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ مغیرہ کا فروں سے کہتا تھا کہ تم میری متابعت کرو میں تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھا لوں گا۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس دن ہر شخص اپنا ہی بوجھ اٹھائے گا کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور جزاء سزا کے متعلق ہمارا قانون یہ ہے کہ ہم کسی امت کا عذاب دینے والے نہیں جب تک ہم ان کی ہدایت کیلئے کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے کہ وہ اس قوم کو سیدھی راہ دکھلا دے خواہ بلا واسطہ یا بواسطہ اپنے نائین کے یعنی علماء اور مبلغین کے واسطے سے ان کو اللہ کے احکام پہنچ جائیں اور ان پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے۔

جب تک مخلوق کو اللہ کے احکام نہ پہنچ جائیں اس وقت تک ہم ان کو سزا نہیں دیتے مطلب یہ ہے کہ تمام حجت سے پہلے کوئی عذاب نازل نہیں کرتے البتہ دعوت اور تبلیغ کے بعد جب مصیبت اور فسق و فجور اور غفلت حد سے گزر جائے تب اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل کرتا ہے اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ دنیا میں کسی قوم کو پاکیزہ زندگی عطا کریں اور آخرت میں اس کو عزت اور عروج کا مقام عطا کریں تو ان کے دلوں میں اطاعت اور فرمانبرداری اور رسولوں کی پیروی کا داعیہ ڈال دیتے ہیں اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس بستی کے دولت مندوں اور عیش پرستوں کو جو نفس امارہ کے اشاروں پر چلتے ہیں تکوینی اور تقدیری طور پر فسق و فجور کا حکم دیتے ہیں یعنی ان کے دلوں میں فسق و فجور کا الہام اور القاء کرتے ہیں کما قال تعالیٰ ﴿فَاللَّهُمَّهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾ پھر وہ دل کھول کر فسق و فجور کرتے ہیں یعنی شریعت کی حدود اور قیود کو توڑ ڈالتے ہیں اور نفس امارہ کے اشاروں پر دوڑنے لگتے ہیں اس طرح ان کی طبیعت میں جو فسق و فجور کا مادہ پوشیدہ تھا وہ کھل جاتا ہے اور ان کا باطنی جنبٹ اندر سے نکل کر باہر آجاتا ہے۔ پس جب ان کے جرم کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو ان پر اللہ کی حجت قائم اور ثابت ہو جاتی ہے اور فرد جرم ان پر عائد ہو جاتی ہے اور شقاوت ازلیہ جو اب تک مستور تھی وہ ظاہر اور نمایاں ہو جاتی ہے تو پھر ہم اس بستی کو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے ہیں خوب اچھی طرح تہہ و بالا کرنا کہ تباہی اور بربادی میں کوئی کسر باقی نہ رہے مطلب یہ ہے کہ آیت ہذا یعنی ﴿إِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً﴾ میں ارادہ سے ارادہ ازلیہ مراد ہے اور ﴿أَمْزَنَّا مُمْرًا فِيهَا﴾ میں امر سے حکم تکوینی اور تقدیری مراد ہے بے شک اللہ تعالیٰ تشریحی طور پر کسی کو فحشاء اور منکر کا حکم نہیں دیتے مگر تکوینی اور تقدیری طور پر سعادت اور شقاوت، ہدایت اور ضلالت سب اس کے حکم سے ہے کوئی خیر اور شر اس کی تقدیر و تکوین، اور اس کے ارادہ اور مشیت سے باہر نہیں اور بعض علماء تفسیر بلکہ بہت سے علماء اس طرف گئے ہیں کہ مطلب آیت کا اس طرح ہے کہ جب ہم کسی بستی کو کفر اور معصیت کی وجہ سے ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو ہلاکت سے پہلے وہاں کے دولت مندوں کو پیغمبروں کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں پھر جب وہ لوگ پیغمبروں کا حکم نہیں مانتے اور کھلم کھلا فسق و فجور پر اتر آتے ہیں تو پھر اس پوری بستی کو ویران کر ڈالتے ہیں اور اسی قانون کے مطابق ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کتنی ہی قومیں اور امتیں ہلاک کر دیں مطلب یہ ہے کہ پچھلے لوگ پیغمبروں کی نافرمانی کے بدولت عذاب کا مزہ چکھ چکے ہیں منکرین اور مکذبین کو چاہئے کہ ان سے عبرت پکڑیں اور اے نبی ﷺ تیرا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے اور ظاہر و باطن کو دیکھنے والا ہے اسے خوب معلوم ہے کہ کون طالب دنیا ہے اور کون طالب آخرت ہے؟ سب کے دل اس کی

نظروں کے سامنے ہیں کسی کی نیت اور دل کا حال اس سے پوشیدہ نہیں اس لیے اب آئندہ آیت میں طالبان دنیا اور طالبان آخرت کا حال اور مال ذکر فرماتے ہیں کہ کس کے دل میں دنیا کی طلب ہے اور کس کے دل میں آخرت کی طلب ہے۔

### ذکر طالبان دنیا و طالبان آخرت

جو شخص ایسا خسیس اور پست ہمت ہو جائے کہ اس دنیائے فانی کی عیش و عشرت ہی اس کی مراد اور تمنا بن جائے اور اپنی ہمت کو اس دارِ عاجلہ (دنیا) پر مقصود کر دے اور آخرت کو اعتقاداً یا عملاً پس پشت ڈال دے تو ہم اس کو دارِ عاجلہ (دنیا) ہی میں جلد ہی اس کی مراد میں سے کچھ دیدیں گے جتنا چاہیں گے اور یہ سب کے لئے نہیں بلکہ جس کے لئے چاہیں گے اس کو دیں گے یعنی یہ ضروری نہیں کہ ہر عاشق دنیا کو اس کی تمنا اور آرزو کے مطابق مل جائے بلکہ جس کو ہم اپنی مرضی کے مطابق دینا چاہیں گے اور جس قدر چاہیں گے اور جس کے لیے چاہیں گے اتنی ہی مقدار ہم اس کو دنیا میں دیدیں گے کوئی طالب دنیا اس خیال میں نہ رہے کہ جو مانگے گا وہ اس کو مل جائے گا خوب سمجھ لے کہ دنیا کا عاشق بن جانے سے کچھ زیادہ نہیں ملے گا بلکہ اسی قدر ملے گا جس قدر اللہ تعالیٰ نے اس کے نصیب میں لکھ دیا ہے اس کو اتنا ہی ملے گا نہ زیادہ غرض یہ کہ طالب دنیا کو دنیا میں ہم حسب مشیت کچھ دے دیتے ہیں پھر ہم نے آخرت میں اس کے لیے دوزخ کو قرار بنا دیا ہے داخل ہوگا وہ اس میں در آنحالیکہ وہ بد حال اور راندہ رحمت ہوگا مذموماً کا مطلب یہ ہے کہ ذلت اور خواری کے ساتھ بری باتیں سن کر اور بے آبرو ہو کر دوزخ میں داخل ہوگا اور مدح و حوراکے معنی یہ ہیں کہ راندہ درگاہ خداوندی ہوگا یعنی اس کی رحمت سے نکلا ہوا اور دور افتادہ ہوگا مطلب یہ ہے کہ طالب دنیا کو ہم دنیا ہی میں کچھ دیدیں گے مگر اتنا ہی دیں گے جتنا ہم چاہیں گے اور اسی کو دیں گے جس کو ہم دینا چاہیں گے جتنا ہم نے اس کے لیے مقدر کر دیا ہے اتنا ہی اس کو مل جائے گا اس سے زیادہ نہیں مل سکتا پھر اس کے بعد وہ آخرت میں اللہ کی رحمت سے دور رہے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اس نے آخرت کو طلب ہی نہ کیا تھا اس لیے وہ آخرت کے درجات سے تو بالکل محروم رہے گا اور دنیا میں بھی اس کو پوری مراد حاصل نہ ہوگی بلکہ کچھ دیدیا جائے گا اور جو شخص علو ہمت سے آخرت کا طلب گار بن جائے رہتا تو دنیا میں ہے مگر منزل مقصود آخرت کو بنائے ہوئے ہے اور دن رات آخرت ہی کے لیے دوڑ رہا ہے جیسا کہ چاہئے دوزخ نا یعنی جیسا آخرت کے لائق اور مناسب ہے اور جیسا کہ اس کا حق ہے اور جو اعمال بہشت میں لے جانے کا ذریعہ ہیں ان کی دھن میں لگا ہوا ہے بشرطیکہ وہ شخص مومن بھی ہو یعنی بشرطیکہ وہ شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان اور آخرت پر یقین رکھتا ہو یہ قید اس لئے لگائی کہ بغیر ایمان اور اسلام کے کوئی عبادت اور کوئی عمل مقبول نہیں تو ایسے بلند ہمت لوگوں کی سعی اور دوزخ اللہ کے یہاں مشکور ہوگی یعنی مقبول اور کارآمد ہوگی اور اس پر انعام ملے گا غرض یہ کہ قبول اعمال کی تین شرطیں ہیں۔ اول یہ کہ نیت صحیح ہو جیسا کہ ﴿وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ﴾ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔

دوم: یہ کہ وہ عمل صحیح ہو یعنی قواعد شریعت کے مطابق ہو جیسا کہ وسعی لها سبعیہا سے معلوم ہوتا ہے اس لیے جو مجاہدہ اور ریاضت شریعت کے خلاف ہو وہ آخرت کا راستہ نہیں جیسے جو گیوں کی ریاضتیں کہ کوئی دن رات گنگا میں رہتا ہے اور کوئی کھانا پینا چھوڑ کر اپنے جسم کو سکھالیتا ہے اس قسم کی ریاضتیں آخرت کا راستہ نہیں۔

سوئم: یہ کہ اس کا عقیدہ صحیح ہو جیسا کہ وہ مومن اس پر دلالت کرتا ہے۔

فائدہ:..... اس آیت سے معلوم ہوا کہ طالب دنیا کی کامیابی حق تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اور طالب آخرت کی کامیابی حتمی اور قطعی وعدہ ہے لہذا عقل کا تقاضا یہ ہے کہ آخرت کی فکر کرے اور دنیا کی فکر میں زیادہ نہ پڑے۔ یہاں تک طالب دنیا اور آخرت کا ذکر کیا اب آگے اپنی عطاء عام کا ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ہم ہر ایک کی خواہ وہ طالب دنیا ہو یا طالب آخرت اس کی سعی اور جدوجہد میں اور جس ہم غم میں وہ مبتلا ہے بمقتضائے حکمت و مشیت اس کی مدد کرتے ہیں ان لوگوں کی بھی مدد کرتے ہیں جو طالب دنیا ہیں اور ان لوگوں کی بھی مدد کرتے ہیں جو طالب آخرت ہیں تیرے پروردگار کی عطاء اور بخشش سے ہر ایک کو مدد دیتے ہیں اور اس تلاش اور سعی کے مناسب اور مطابق سامان مہیا کر دیتے ہیں ہر ایک کی سعی اور جدوجہد کے مناسب اس کو مدد دیتے ہیں کسی کو ناامید نہیں کرتے۔

طالب دنیا کو بقدر کفایت اور طالب آخرت کو بمقدار ہمت دیتے ہیں جو طالب جس چیز کا مستحق ہے سعادت یا شقاوت سے وہ اس کو دے دی جاتی ہے اور بمقتضائے حکمت جو اس کے لیے مقدر ہے وہ اس کو مل جاتا ہے بہر حال ہم کسی کو محروم نہیں رکھتے۔ بلکہ سب کی مدد کرتے ہیں اور تیرے پروردگار کی عطاء اور بخشش خواہ وہ عطاء دنیوی ہو یا اخروی کسی سے روکی ہوگی اور باز رکھی ہوگی نہیں نہ مومن سے نہ کافر سے بلکہ جس کے لیے بمقتضائے مشیت و حکمت جو عطاء مقدر ہے وہ اس کو ضرور ملتی ہے اور اس عطاء سے کرتے ہیں تاکہ مال و دولت کو آخرت اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ذریعہ بنا سکے اور حسب فشاء اس سے متمتع اور مستفید ہو سکے اور کبھی اس پر دنیا کو تنگ کرتے ہیں تاکہ وہ اس دنیا کے غدارہ اور مکارہ کے شر اور فتنہ سے محفوظ رہے اور دنیا کے کھیل اور تماشہ میں لگ کر آخرت سے غافل نہ ہو جائے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”عطاء رب“ سے قسمت اور تقدیر خداوندی مراد ہے یعنی جو خیر اور شر اللہ تعالیٰ نے بندہ کے لیے مقدر اور مقسوم فرمایا ہے وہ اس کو مل جاتا ہے جو مرید عاجلہ یعنی طالب دنیا ہے اس کی معاصی سے امداد کرتے ہیں کہ معصیت کا سامان اس کے لیے مہیا ہو جاتا ہے اور مرید آخرت یعنی طالب آخرت کی اطاعت کے ذریعے مدد کرتے ہیں کہ سامان طاعت اس کے لیے میسر ہو جاتا ہے۔ (المحیط: ۲۱/۶)

شیخ محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مفہوم وہی ہے جو حق تعالیٰ کے اس قول ﴿قَالَ هَتَاهَا بُجُورًا هَا وَتَقْوَاهَا﴾ کا مضمون ہے (دیکھو روح المعانی: ۱۵/۲۹)

اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ آیت ہذا میں امداد سے دنیوی رزق مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ طالب دنیا ہو یا طالب آخرت اس دار دنیا میں عطاء دنیوی سے حسب حکمت و مصلحت ہر دو فریق کی امداد کرتے ہیں اور سب کو روزی دیتے ہیں۔ خواہ مومن ہو یا کافر دنیوی رزق سے سب کو حصہ ملتا ہے مگر عطاء اخروی، وہ مومن کے ساتھ مخصوص ہے عطاء دنیوی کسی فریق کے ساتھ مخصوص نہیں اس میں سب شریک ہیں مرنے کے بعد ہر ایک کا حال مختلف ہوگا۔

خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ اور قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں رزق سب کو دیتا ہے نیک ہو یا بد کفر اور عصیان کی وجہ سے رزق دنیوی کا دروازہ بند نہیں کرتا سب اللہ کے بندے ہیں سب کو رزق دیا جاتا ہے تاکہ سب پر اللہ تعالیٰ کی



حجت پوری ہو جائے اور عند کی گنجائش باقی نہ رہے۔ چنانچہ آپ نظر اٹھا کر دیکھتے کہ ہم نے اس عطاء دنیوی میں بعض پر کیسے فضیلت اور فوقیت دی ہے مال و دولت میں اور عزت و وجاہت میں اور حسن صورت اور حسن سیرت میں مختلف بنایا بعض کو فقیر بنایا بعض کو امیر اور بادشاہ کیا کسی کو تندرست اور توانا بنایا اور بعض کو بیمار اور لاچار بنایا کسی کو عقل مند اور ہنرمند بنایا اور کسی کو نادان اور دیوانہ بنایا اور بعض کو خوبصورت اور بعض کو بدصورت بنایا وغیرہ وغیرہ۔ اور کسی کو مومن اور کسی کو کافر بنایا۔ لوگوں کو چاہئے کہ عطاء الہی کو نظر عبرت سے دیکھیں کہ اللہ نے دنیوی امور میں باہم کس قدر تفاوت رکھا ہے اور البتہ دار آخرت جو مقبولان خداوندی کے لیے مخصوص ہے طبقات اور درجات اور مراتب کے اعتبار سے دار دنیا سے بہت بڑا ہے اور فضیلت اور برتری کے لحاظ سے بھی بہت بڑا ہے یعنی دار آخرت کا تفاوت دار دنیا کے تفاوت سے کہیں بڑھ کر ہے یا یہ معنی ہیں کہ بزرگی اور بڑائی دینے میں آخرت۔ دنیا سے بہت بڑی ہے جو نسبت دنیا اور آخرت کے مابین ہے وہ ہی نسبت ان کے درجات اور تفاضل میں ہے لہذا آخرت کے درجات اور فضائل میں کوشش کرنی چاہئے دنیا آخرت کے مقابلہ میں بیچ ہے۔

اس آیت میں سعی کے مشکور ہونے کے لئے ایمان کو شرط قرار دیا اور ایمان کے اجزاء میں سب سے اعظم اور اشرف جز تو حید اور کفر اور شرک سے تبری اور بیزاری ہے اس لئے سلسلہ کلام کو توحید پر ختم فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں اے انسان مت بنا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو تکویدہ مذمت اور ملامت سننے کے لئے بے یار و مددگار بیٹھا رہ جائے گا یعنی شرک کرنے کا نتیجہ دنیا میں یہ ہوگا کہ ہر عاقل و دانا تجھ کو مذموم اور ملزم ٹھہرائے گا کہ تو نے ایسی ظاہر البطلان چیز (شرک) کو کیسے اختیار کیا اور جو چیز کسی نفع اور ضرر کی مالک نہیں اس کو کیسے معبود ٹھہرایا اور آخرت میں جب کہ سخت مصیبت کا سامنا ہوگا اس وقت تیرا کوئی مددگار نہ ہوگا غرض یہ کہ کفر اور شرک کا نتیجہ اور انجام سوائے برائی اور بدنامی اور ذلت و خواری اور بے کسی اور کسمپرسی کے کچھ نہیں۔ کرنے سے پہلے انجام کو سوچ لو۔

### لطائف و معارف

(۱) ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾: یعنی ہم عذاب دینے والے نہیں جب تک ہم رسول نہ بھیج لیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک وہ احکام خداوندی سے باخبر نہ ہو جائے اور اللہ کی حجت اس پر قائم نہ ہو جائے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف رسول بھیجے اور وہ بندوں کو احکام خداوندی سے مطلع کرے اور یہ ضرورت نہیں کہ وہ رسول خود ہر ایک کے پاس جا کر اللہ کا پیغام پہنچائے۔ بلکہ یہ کافی ہے کہ وہ خود بیان کرے یا اس کی طرف سے کوئی عالم یا مبلغ اللہ کا پیغام پہنچا دے بہر حال اس کی رسالت اور شریعت کا علم ہو جانا کافی ہے خواہ وہ کسی طریقے سے ہو جائے اور آنحضرت ﷺ کی رسالت، رسالت عامہ ہے تمام عالم کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین اور علماء امت کے ذریعے سے مشرق اور مغرب میں آپ ﷺ کی دعوت پہنچ چکی ہے اس لئے سب پر ایمان لانا فرض ہے۔

(۲) امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت (یعنی ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾) سے معلوم ہوتا ہے جو شخص بعثت سے پہلے مر گیا یا اس کو نبوت کی دعوت نہیں پہنچی وہ عند اللہ معذور ہے اس پر عذاب نہ ہوگا۔ اگرچہ وہ شرک

کی حالت میں مرا ہو کیونکہ احکام خداوندی کی معرفت بدون شریعت کے ناممکن ہے اور احکام الہی کی معرفت کے لئے عقل انسانی کافی نہیں بغیر بعثت کے حجت تام نہیں اس لئے جس کو دعوت نہیں پہنچتی وہ معذور ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وجود باری تعالیٰ اور توحید خداوندی اس قدر ظاہر و باہر ہے کہ جو معمولی عقل سے بھی معلوم ہو سکتی ہے اور اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کما قال تعالیٰ ﴿قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِئَةُ اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ اس لیے انکار خداوندی اور شرک میں کوئی معذور نہ ہوگا اگرچہ اس کو نبی کی دعوت نہ پہنچی ہو ادنیٰ عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ عمارت بغیر معمار کے ممکن نہیں اور کتابت بغیر کتاب کے ممکن نہیں تو زمین سے لے کر آسمان تک یہ تمام عمارت بغیر کسی بنانے والے کے کیسے کھڑی ہو گئی جیسے کسی اعرابی نے کہا تھا کہ ”میٹگنی اونٹ پر دلالت کرتی ہے اور انسان قدم رفتار پر دلالت کرتا ہے تو کیا یہ برج والا آسمان اور گردوغبار والی زمین کسی صانع خبیر پر دلالت نہیں کرے گی۔“ اور علیٰ ہذا توحید بھی امر بدیہی ہے اور شرک ایسی ظاہر البطلان چیز ہے جس میں کسی عاقل کو شک نہیں ہر شخص یہ محسوس کرنے لگا ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کے لئے یہ چیز سخت ذلت اور رسوائی کا باعث ہے کہ وہ کسی عاجز مخلوق کے سامنے سر جھکائے اس لیے قرآن کریم میں آیا ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ تحقیق اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتے اور جو گناہ شرک سے کم درجہ کا ہے وہ جس کے لیے چاہیں معاف کر دیں معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ ﴿وَمَا كُنَّا مُعْتَدِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ میں عدم عذاب کا حکم معاصی کے ساتھ مخصوص ہے کہ قبل بعثت ارتکاب معاصی پر عذاب نہ ہوگا اور کفر و شرک چونکہ امر بدیہی ہے عقل و فطرت سے بھی معلوم ہو سکتا ہے اس لیے انکار خداوندی اور شرک پر ہر حال میں مواخذہ ہوگا۔ غرض یہ کہ وجود باری تعالیٰ اور توحید کا مسئلہ ایسا واضح اور روشن ہے کہ عقل اور فطرت کی رہنمائی بھی اس کے لئے کافی ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام نے دلائل اور براہین سے اس کی مزید تشریح اور توضیح کر دی کہ انکار کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ اور علماء امت نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے دلائل عقلیہ اور فطریہ کے ذریعہ وجود باری تعالیٰ اور توحید باری تعالیٰ کا مسئلہ روز روشن کی طرح واضح کر دیا اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچا دیا لہذا اب کسی منکر خدا اور کسی مشرک کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہا۔

(۳) اصحاب فترۃ: ..... یعنی جو لوگ زمانہ فترت میں مر گئے اور ان کو رسول کی دعوت نہیں پہنچی اور اطفال مشرکین یعنی جو لڑکے چھوٹی عمر میں گزر گئے ان کے ماں باپ کفار تھے اور احمق اور بے عقل اور مجنون جو جنون اور بے عقلی کی حالت میں مر گئے۔

ان کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ جنت میں جائیں گے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ جہنم میں جائیں گے اور بعض علماء نے ان کے بارے میں توقف کیا ہے یعنی یہ لوگ اللہ کی زیر مشیت میں ان کے بارے میں کوئی حکم کل نہیں لگایا جاسکتا ہے قول فیصل اس بارے میں یہ ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں کو امتحان ہوگا اور من جانب اللہ ان کے پاس ایک فرشتہ آئے گا اور کہے گا کہ اللہ کا حکم یہ ہے کہ دوزخ کی آگ میں داخل ہو جاؤ۔ پس جو حکم خداوندی کی اطاعت کرے گا آگ اس کے حق میں برد اور سلام بن جائے گی اور جو انکار کرے گا اس کو گھسیٹ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ حاصل کلام یہ کہ قیامت کے دن ان لوگوں کا اس طرح امتحان لیا جائے گا جو اطاعت کرے گا وہ بہشت میں داخل کر دیا جائے گا جو نافرمانی

کرے گا وہ ذلت و خواری کے ساتھ داخل نار ہوگا امتحان سے مقصود یہ ہوگا کہ اندرون طبیعت و اطاعت اور معصیت کا مادہ پوشیدہ اور مستور ہے وہ ظاہر ہو جائے۔ اور اندرونی فرمانبرداری اور نافرمانی جب ظاہر ہو جائے تب اس کے مطابق جزا و سزا ان پر جاری کی جائے محض صلاحیت اور استعداد پر جزاء اور سزا مرتب نہیں ہوتی جب تک کہ عملی طور پر ان پر حجت نہ قائم ہو جائے اس امتحان کے بعد اندرونی اطاعت اور معصیت عملی طور پر سامنے آجائے گی اور علم ازلی میں جو سعادت اور شقاوت مقدر اور مہتمم تھی وہ ظاہر اور منکشف ہو جائے گی اور اس اطاعت اور معصیت سے ان پر حجت قائم ہو جائے گی اور اس کے مطابق جزاء اور سزا مرتب ہو جائے گی۔

امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ سے اسی کو اہل سنت و الجماعت کا قول قرار دیا ہے اور اسی کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاعتقاد میں اختیار کیا اور اسی کے دلائل و براہین سے نصرت اور تقویت فرمائی اور اسی کو قول منصور قرار دیا۔  
حضرات اہل علم اگر اس مسئلہ کی مزید تفصیل چاہیں تو اس ناچیز کا حاشیہ بخاری مسکٰی بہ تحفۃ القاری ملاحظہ فرمائیں جس میں صحیح بخاری کی کتاب الجنائز باب ما قبل فی اولاد المشرکین کے ذیل میں اس مسئلہ کی تفصیل کر دی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

(۴) ﴿وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْنَا الْقَوْلُ﴾

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے دل میں فسق و فجور کا داعیہ ڈال دیتے ہیں کہ وہ دل کھول کر فسق و فجور کریں تب عذاب الہی نازل ہوتا ہے۔ لہذا دولت مندوں کو چاہئے کہ وہ خود اپنا امتحان کر لیں ان کی دولت و ثروت اگر ان کو اللہ کی اطاعت کی طرف لے جا رہی ہے تو اللہ کا شکر کریں کہ اللہ نے اس دولت کو آخرت کا ذریعہ بنایا اور اگر وہ دولت و ثروت ان کے فسق و فجور اور بدکاریوں پر آمادہ کر رہی ہے تو سمجھ لیں کہ اللہ نے ہمارے تباہ اور برباد کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔

(۵) اہل عمل کی تین قسمیں: ..... (اول) یہ کہ اس عمل سے اس کا مقصود دنیوی منفعت ہو۔

(دوم) یہ کہ اس عمل سے اس کا مقصود فقط آخرت کی منفعت ہو اس آیت میں یعنی ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ﴾ اور ﴿مَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے ان دو قسموں کا حکم بیان کیا۔

(قسم سوم) یہ ہے کہ اس عمل سے دنیا اور آخرت دونوں ہی مقصود ہیں تو اس کی پھر تین قسمیں ہیں۔ (پہلی قسم) یہ ہے کہ طلب آخرت غالب اور رائج ہو اور طلب دنیا مغلوب اور مرجوح ہو (دوسری قسم) اس کا عکس ہے وہ یہ کہ طلب دنیا غالب اور رائج اور طلب آخرت مغلوب اور مرجوح ہو۔ (تیسری قسم) یہ ہے کہ دونوں طلبیں اور دونوں خواہشیں برابر ہوں پہلی قسم یعنی جہاں طلب آخرت رائج اور غالب ہو جمہور علماء کا قول اس بارے میں یہ ہے کہ ایسا عمل مقبول نہیں اس لیے کہ جس عمل میں غیر اللہ کی نیت شریک ہو گئی وہ عمل اللہ کے نزدیک مردود ہے اگرچہ نیت آخرت کی غالب ہو کیونکہ غیر اللہ کی نیت شامل ہو جانے سے وہ شرک ہو گیا۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے انا اغنی الشركاء عن الشرك من عمل عملاً اشرك فيه غیرى ترکہ و شرکہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں تمام ساجھیوں سے بڑھ کر بے پروا اور بے نیاز ہوں لہذا جس کسی نے کوئی ایسا کام

کیا جس میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کر لیا تو میں اس کو اس کے ساتھ چھوڑ دیتا ہوں۔  
مطلب یہ ہے کہ بندہ جو عمل خالص اللہ کے لیے کرے گا وہ تو مقبول ہوگا اور ایسا عمل کہ جو درخشاؤں کا مجموعہ ہو تو وہ قابل قبول نہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ جس عمل میں طلب آخرت کی راجح ہو تو وہ عمل بقدر نیت مقبول ہو جائے گا اور چونکہ طلب آخرت کی غالب ہے اس لیے وہ عمل بالکل باطل اور مردود نہ ہوگا اگرچہ طلب دنیا کی آمیزش کی وجہ سے ناقص اور مکدر ہو جائے گا۔

اور دوسری قسم (یعنی طلب دنیا غالب اور راجح ہو) ایسا عمل بالا جماع مردود ہے (اور تیسری قسم) یعنی جس میں طلب دنیا اور طلب آخرت دونوں برابر ہوں وہ بھی باتفاق علماء مقبول نہیں یہاں ایک اور قسم باقی رہ گئی اور وہ یہ کہ اس کی کوئی نیت ہی نہ ہو نہ دنیا کی اور نہ آخرت کی سو اس کا یہ عمل اگر شرعاً جائز ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں کیونکہ اس صورت میں نیت تو کچھ ہے نہی صرف عمل ہے لہذا دیکھ لیا جائے کہ شریعت میں اس عمل کا کیا حکم ہے۔

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ إِمَّا يَبُلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ

اور حکم کر چکا تیرا رب کہ نہ پوجو اس کے سوائے اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو نہ اگر پہنچ جائے تیرے سامنے بڑھاپے کو اور چکا دیا تیرے رب نے کہ نہ پوجو اس کے سوا، اور ماں باپ سے بھلائی۔ کبھی پہنچ جاوے تیرے سامنے بڑھاپے کو

أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝

ایک ان میں یا دونوں تو نہ کہہ ان کو ہوں اور نہ جھڑک ان کو اور کہہ ان سے بات ادب کی نہ ایک یا دونوں، تو نہ کہہ ان کو، ہوں اور نہ جھڑک ان کو، اور کہہ ان کو بات ادب کی۔

وَإِخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا ۝

اور جھکا دے ان کے آگے کندھے عاجزی کو نیاز مندی سے اور کہہ اے رب ان پر رحم کر جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا نہ اور جھکا ان کے آگے کندھے عاجزی کر کر پیار سے، اور کہہ، اے رب! ان پر رحم کر، جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا۔

فَاذْكُرْ حَقِيقَةَ بَحْمِ كَوْنِهِ عَطَا فَمَا تَابَهُ وَالِدَيْنِ اس کی عباد کا ظاہری ذریعہ ہیں۔ اس لیے بھی آیتوں میں خدا تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ والدین کے حقوق ذکر کیے گئے۔ حدیث میں آیا ہے کہ وہ شخص خاک میں مل گیا جس نے اپنے والدین کو پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ والدین کے ساتھ بھلائی کرنا یہ ہے کہ زندگی میں ان کی جان و مال سے خدمت اور دل سے تعظیم و محبت کرے۔ مرنے کے بعد ان کا جنازہ بڑھے، ان کے لیے دعا و استغفار کرے۔ ان کے عہد نامہ مقدر پورے کرے، ان کے دوستوں کے ساتھ تعظیم و محبت سلوک سے اور ان کے اقارب کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آئے وغیرہ ذالک۔

فَاذْكُرْ حَقِيقَةَ بَحْمِ كَوْنِهِ عَطَا فَمَا تَابَهُ وَالِدَيْنِ اس کی عباد کا ظاہری ذریعہ ہیں۔ اس لیے بھی آیتوں میں خدا تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ والدین کے حقوق ذکر کیے گئے۔ حدیث میں آیا ہے کہ وہ شخص خاک میں مل گیا جس نے اپنے والدین کو پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ والدین کے ساتھ بھلائی کرنا یہ ہے کہ زندگی میں ان کی جان و مال سے خدمت اور دل سے تعظیم و محبت کرے۔ مرنے کے بعد ان کا جنازہ بڑھے، ان کے لیے دعا و استغفار کرے۔ ان کے عہد نامہ مقدر پورے کرے، ان کے دوستوں کے ساتھ تعظیم و محبت سلوک سے اور ان کے اقارب کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آئے وغیرہ ذالک۔

یعنی جب میں بالکل کمزور و ناتواں تھا انہوں نے میری تربیت میں ٹون پینٹا ایک کر دیا۔ اپنے خیال کے موافق میرے لیے ہر ایک راحت و خوبی کی =

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۗ إِنَّ تَكُونُوا صٰلِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلآوَابِينَ غَفُورًا ﴿۱۵﴾

تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے اگر تم نیک ہو گے تو وہ رجوع کرنے والوں کو بخشتا ہے۔  
تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے۔ جو تم نیک ہو گے تو وہ رجوع لانے والوں کو بخشتا ہے۔

وَإِذِ الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْيَسِيرَ وَالْأَبْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ﴿۱۶﴾ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ

اور دے قرابت والے کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو اور مت اڑا بے جا ف ۱۶ بیشک اڑانے والے  
اور دے ناتے والے کو اس کا حق، اور محتاج کو اور مسافر کو، اور مت اڑا بکھیر کر بے شک اڑانے والے،

كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطٰنِ ۗ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ﴿۱۷﴾ وَإِنَّمَا تُعْرَضُونَ عَنْهُمْ

بھائی میں شیطانوں کے اور شیطان ہے اپنے رب کا ناشکر ۱۷ اور اگر کبھی تغافل کرے تو  
بھائی ہیں شیطانوں کے۔ اور شیطان ہے اپنے رب کا ناشکر۔ اور اگر کبھی تغافل کرے تو

ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ﴿۱۸﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً

ان کی طرف سے انتظار میں اپنے رب کی مہربانی کے جس کی تجھ کو توقع ہے تو کہہ دے ان کو بات نرمی کی ۱۸ اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا  
ان کی طرف سے، تلاش میں مہربانی کی، اپنے رب کی طرف سے، جس کی توقع رکھتا ہے، تو کہہ ان کو بات نرمی کی۔ اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا  
= فکری۔ ہزار ہا آفات و حوادث سے بچانے کی کوشش کرتے رہے۔ بارہا میری خاطر اپنی جان جو کھوں میں ڈالی، آج ان کی ضعفی کا وقت آیا ہے، جو کچھ  
میری قدرت میں ہے ان کی خدمت و تعظیم کرتا ہوں۔ لیکن پورا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اس لیے تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس بڑھاپے میں اور موت کے بعد  
ان پر نظر رحمت فرما۔

ف ۱۵ یعنی والدین کی تعظیم اور ان کے سامنے تواضع و فروتنی میم قلب سے ہونی چاہیے۔ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ کون کیسے دل سے ماں باپ کی خدمت کرتا ہے۔ اگر  
نی الواقع تم دل سے نیک اور سعادت مند ہو گے اور خدا کی طرف رجوع ہو کر اخلاص و حق شناسی کے ساتھ ان کی خدمت کر دے گے تو وہ تمہاری کوتاہیوں اور خطاؤں  
سے درگزر فرمائے گا۔ فرض کر دیا کہ کسی وقت باوجود نیک نیتی کے تنگ دلی یا تنگ مزاجی سے کوئی فرد گزاشت ہوگی، پھر توجہ و رجوع کیا تو اللہ بخشنے والا ہے۔

(تنبیہ) والدین کی فرمانبرداری کن چیزوں میں ہے اور کن میں نہیں؟ اس کی تفصیل حسب فقہ وغیرہ میں دیکھنا چاہیے۔ روح المعانی میں بھی اس  
پر مفید و مفصل کلام کیا ہے۔ فلیراجع۔

ف ۱۶ یعنی قرابت والوں کے مالی و اخلاقی ہر قسم کے حقوق ادا کرو۔ محتاج و مسافر کی خبر گیری رکھو اور خدا کا دیا ہوا مال فضول بے موقع مت اڑاؤ۔ فضول خرچی یہ  
ہے کہ معاشی اور لغویات میں خرچ کیا جائے یا مہامات میں بے سوچے سمجھے اتنا خرچ کر دے جو آگے چل کر تقویت حقوق اور ارتکاب حرام کا سبب بنے۔  
ف ۱۷ یعنی مال خدا کی بڑی نعمت ہے جس سے عبادت میں دلجمعی ہو، بہت سی اسلامی خدمات اور نیکیاں کمانے کا موقع ملے۔ اس کو بے جا اڑانا ناشکری ہے جو  
شیطان کی تحریک و اغواء سے وقوع میں آتی ہے اور آدمی ناشکری کر کے شیطان کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح شیطان نے خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو عصیان  
و اضلال میں خرچ کیا۔ اس نے بھی حق تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو نافرمانی میں اڑایا۔

ف ۱۸ یعنی جو کوئی ہمیشہ سعادت کرتا ہے اور ایک وقت اس کے پاس نہیں ہے تو اللہ کے ہاں امید والے کا عروم جانا خوش نہیں آتا۔ اس محتاج کی قسمت سے اللہ  
کچھ کو بچھ دیتا ہے۔ سو اس واسطے اگر ایک وقت تو نہ دے سکے تو نرم اور ٹٹھے طریقہ سے معذرت کر دے۔ مثلاً یہ کہہ دیا جائے کہ جب خدا ہم کو دے گا ان شاء اللہ  
ہم تمہاری خدمت کریں گے۔ سختی اور بداخلاقی سے جواب دینے میں اندیشہ ہے کہ کہیں اگلی خیراتیں بھی برہاد نہ ہو جائیں۔

إِلَىٰ عُنُقِكُمْ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسِطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ﴿۳۹﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ

اپنی گردن کے ساتھ اور نہ کھول دے اس کو بالکل کھول دینا پھر تو بیٹھ رہے الزام کھایا ہارا ہوا فل تیرا رب کھول دیتا ہے اپنی گردن کے ساتھ، اور نہ کھول دے اس کو نرا کھولنا، پھر تو بیٹھ رہے الزام کھایا ہارا۔ تیرا رب کشادہ کرتا ہے

الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۗ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿۴۰﴾ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ

روزی جس کے واسطے چاہے اور تمگ بھی وہی کرتا ہے ﴿۳۹﴾ وہی ہے اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا ﴿۴۰﴾ اور نہ مار ڈالو اپنی اولاد کو روزی جس کو چاہے اور کتا ہے۔ وہی ہے اپنے بندوں کو جانتا دیکھتا۔ اور نہ مار ڈالو اپنی اولاد کو

خَشِيَةً إِمْلَاقٍ ۗ مَن نُّرِزُّهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۗ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيرًا ﴿۴۱﴾ وَلَا تَقْرُبُوا

مفلسی کے خوف سے ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو ﴿۴۱﴾ بیشک ان کا مارنا بڑی خطا ہے ﴿۴۰﴾ اور پاس نہ جاؤ ڈر سے مفلسی کے۔ ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو، بے شک ان کا مارنا بڑی چوک ہے۔ اور پاس نہ جاؤ

الزَّيْنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً ۗ وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿۴۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا

زنا کے ﴿۴۱﴾ وہ ہے بے حیائی اور بری راہ ہے ﴿۴۲﴾ اور نہ مارو اس جان کو جس کو منع کر دیا ہے اللہ نے مگر بدکاری کے، وہ ہے بے حیائی۔ اور بری راہ ہے۔ اور نہ مارو جان جو منع کی اللہ نے، مگر

﴿۴۱﴾ سب الزام دین کہ کبھی چوس ہے یا یہ کہ اتنا کیوں دیا کہ آپ محتاج رہ گیا۔ غرض ہر معاملہ میں تو سدا اعتدال مری رکھنا چاہیے۔ نہ ہاتھ اس قدر کھینچے کہ گردن سے لگ جائے اور نہ طاقت سے بڑھ کر خرچ کرنے میں ایسی کشادہ دستی دکھائے کہ پھر بھیک مانگنی پڑے اور ہاتھ کھلے کا کھلا رہ جائے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں "فَتَغْلِبِي فَنُورًا طَائِفَتِكَ وَتُخْرِجِي أَكْثَرَهُمْ مِنْ دَخْلِكَ" یعنی طاقت سے بڑھ کر یا آمدنی سے زائد خرچ کرنا بھی "وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسِطِ" کے تحت میں داخل ہے۔ حدیث میں ہے "مَاعَالٍ مِّنْ اِقْتَصَادٍ" (جس نے میانہ روی اختیار کی محتاج نہیں ہوا)

﴿۴۲﴾ یعنی تمہارے ہاتھ روکنے سے تم غنی اور دوسرا فقیر نہیں ہو جاتا۔ تمہاری سخاوت سے وہ غنی اور تم فقیر بن سکتے ہو۔ فقیر وغنی بنانا اور روزی کا کم و بیش کرنا محض خدا کے قبضہ میں ہے اور ہریشان ہونے کی ضرورت نہیں کہ انہوں نے آج ہمارے پاس نہیں ہے یہ فقیر جو امید لے کر آیا تھا کیا کہے گا؟ فقرو غنی کے مختلف احوال بھیجنا اسی مالک علی الاطلاق کے قبضہ میں ہے۔ تمہارا کام میانہ روی سے امتثال حکم کرنا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی محتاج کو دیکھ کر بالکل بیتاب نہ ہو جا۔ اس کی حاجت روائی تیرے ذمہ نہیں۔ اللہ کے سپرد ہے۔ لیکن یہ باتیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمائی ہیں جو بے حد سخی واقع ہوئے تھے۔ بانی جس کے جی سے مال نہ بکل سکے اس کو پابند کیا ہے دینے کا حکم بھی گرمی والے کو سرد دوا دیتا ہے اور سردی والے کو گرم۔"

﴿۴۳﴾ یعنی ہر ایک بندے کے ظاہری و باطنی احوال و مصالح سے خبر دار ہے۔ اسی کے موافق معاملہ کرتا ہے۔ حدیث قدسی میں فرمایا کہ میرے بعض بندے وہ ہیں جن کی درستی حال فقیر رنج میں ہے۔ اگر میں اس کو غنی کر دیتا تو اس کا دین تباہ ہو جاتا۔ اس کے برعکس بعض بندے ہیں جن کو غنی بنایا، اگر فقیر بنا دیا جاتا تو دین پر قائم نہ رہ سکتے۔ اس کے علاوہ بعض اشیاء کے حق میں غنا سے ظاہری محض امہال و استدراج کے طور پر یا فقر و غلجہ ستی عقوبت اور سزا کے طریقہ سے ہے۔ (عباداً باللہ من هذا وهذا) ہم پہلے کئی جگہ اس کی تقریر کر چکے ہیں۔

﴿۴۴﴾ بعض کافر اولاد کو مار ڈالتے تھے کہ ان کا خرچ کہاں سے لائیں گے۔ "سورۃ انعام" میں اسی مضمون کی آیت گزر چکی تفصیل وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔ ﴿۴۵﴾ کیونکہ یہ بے رحمی کی حرکت نسل انسانی کے قطع کرنے کا موجب ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا کرنے والے کو حق تعالیٰ کی رزائی پر اعتقاد نہیں۔ ﴿۴۶﴾ یعنی زنا کرنا تو بڑی چیز ہے۔ اس کے پاس بھی مت جاؤ۔ گویا لا تقربوا میں مہادی زنا سے بچنے کی ہدایت کر دی گئی۔ مثلاً: ہمینی عورت کی طرف نہ دون عذر شرعی نظر کرنا یا پس و کنار وغیرہ۔

﴿۴۷﴾ کیونکہ زنا سے انساب میں گڑبڑ ہوتی ہے اور بہت طرح کی لڑائیاں اور جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں اور سب کے لیے بری راہ نکلتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ =

مَنْ نُّرِزُّهُمْ وَإِيَّاكُمْ

بِالْحَقِّ ط وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيهِ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ ط إِنَّهُ

حق پر فلا اور جو مارا گیا ظلم سے تو دیا ہم نے اس کے وارث کو زور سوجہ سے نہ نکل جائے قتل کرنے میں فلا اس کو حق پر۔ اور جو مارا گیا ظلم سے۔ تو ہم نے دیا اس کے وارث کو زور، سو اب ہاتھ نہ چھوڑ دے خون پر۔ اس کو

كَانَ مَنصُورًا ۳۱ وَلَا تَقْرُبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ

مدد ملتی ہے فلا اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے مگر جس طرح کہ بہتر ہو جب تک کہ وہ پہنچے اپنی جوانی کو فلا مدد ہوتی ہے۔ اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے، مگر جس طرح بہتر ہو، جب تک وہ پہنچے اپنی جوانی کو،

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۚ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۳۲ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزَنُوتُمْ

اور پورا کرو عہد کو بیشک عہد کی پوچھ ہوگی فلا اور پورا بھر دو ماپ جب ماپ کر دینے لگو اور تو لو اور پورا کرو اقرار کو۔ بے شک اقرار کی پوچھ ہے۔ اور پورا بھر دو ماپ جب ماپ دیجے لگو اور تولو

بِالْقِسْطِ ۚ السُّبْقِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۳۳ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ

سیدھی ترازو سے فلا یہ بہتر ہے اور اچھا ہے اس کا انجام فلا اور نہ پیچھے پڑ جس بات کی خبر نہیں

سیدھی ترازو سے۔ یہ بہتر ہے اور اچھا اس کا انجام۔ اور نہ پیچھے پڑ جس بات کی خبر نہیں

= لکھتے ہیں۔ "یعنی اگر یہ راہ نگی تو ایک شخص دوسرے کی عورت پر نظر کرے، کوئی دوسرا اس کی عورت پر کرے گا۔" مندا امام احمد میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے زنا کی اجازت دے دیجئے۔ حاضرین نے اسے ڈانٹ بتلائی کہ (پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسی گستاخی؟) خبردار چپ رہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ میرے قریب آؤ۔ وہ قریب آ کر بیٹھا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تو یہ حرکت اپنی ماں، بیٹی، بہن، بھوپھی، خالہ میں سے کسی کی نسبت پسند کرتا ہے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خدا مجھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرے ہرگز نہیں۔ فرمایا دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، بھوپھیوں اور خالوں کے لیے یہ فعل گوارا نہیں کرتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ الہی اس کے گناہ کو معاف فرما اور اس کے دل کو پاک اور شرمگاہ کو محفوظ کر دے۔ ابوامام فرماتے ہیں کہ اس دعا کے بعد اس شخص کی یہ حالت ہو گئی کہ کسی عورت وغیرہ کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھتا تھا۔ "اللهم صل علی سیدنا محمد وبارک وسلم"

فلا صحیحین میں ہے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین صورتوں میں، جان کے بدلے جان، یا زانی محض یا جو شخص دین کو چھوڑ کر جماعت سے علیحدہ ہو جائے۔

فلا یعنی اولیائے مقتول کو اختیار ہے کہ حکومت سے کہہ کر خون کا بدلہ لیں، لیکن بدلہ لیتے وقت مد سے نہ گزریں۔ مثلاً قاتل کی جگہ غیر قاتل کو سزا دلوانے لگیں یا قاتل کے ساتھ دوسرے بے گناہوں کو بھی شامل کر لیں۔ یا قاتل کے ناک، کان وغیرہ کو کاٹنے اور مٹا کرنے لگیں۔

فلا یعنی خدا نے اس کی مدد کی کہ بدلہ لینے کا حق دیا اور حکام کو امر فرمایا کہ حق دلوانے میں کمی نہ کریں۔ بلکہ ہر کسی کو لازم ہے کہ خون کا بدلہ دلانے میں مدد کرے۔ نہ یہ کہ الٹا قاتل کی حمایت کرنے لگے۔ اور وارث کو بھی چاہیے کہ ایک کے بدلے دو نہ مارے یا قاتل ہاتھ نہ لگا تو اس کے بیٹے بھائی کو نہ مار ڈالے جیسے جاہلیت میں رواج تھا۔

فلا یعنی یتیم کے مال کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ ہاں اگر اس کی حفاظت و نگہداشت اور خیر خواہی مقصود ہو تو مضائقہ نہیں۔ جس وقت جوان ہو جائے اور اپنے نفع نقصان کو سمجھنے لگے، مال اس کے حوالہ کر دو۔

فلا اس میں سب مہد اہل میں خواہ اللہ سے کیے جائیں یا بندوں سے بشرطیکہ غیر مشروع نہ ہوں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ کسی کو قول و قرار دے کر بد مہدی کرنا اس کا وبال ضرور پڑتا ہے۔

فلا یعنی جو تک نہ مارو۔ ناپ تول میں کمی کرنے سے معاملات کا نظام مختل ہو جاتا ہے۔ ارم شیب کی طاقت کا قصہ پہلے ہی بلکہ آج چاہے ان کا زعمی مٹا دیا

عِلْمًا ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴿۱۵﴾ وَلَا تَمَّشِ فِي

تجھ کو بیشک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہوگی فلا اور مت چل  
تجھ کو۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہے۔ اور نہ چل

الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ﴿۱۶﴾ كُلُّ ذَلِكَ كَانَ

زمین پر اترا تا ہوا تو پھاڑ نہ ڈالے گا زمین کو اور نہ پہنچے گا پہاڑوں تک لہا ہو کر فلا یہ جتنی باتیں ہیں ان سب میں  
زمین پر ترا تا، تو پھاڑ نہ ڈالے گا زمین کو، اور نہ پہنچے گا پہاڑوں تک لہا ہو کر۔ یہ جتنی باتیں ہیں، ان میں سے

سَيِّئُهُ عِندَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ﴿۱۷﴾

بری چیز ہے تیرے رب کی بیزاری فلا

بری چیز ہے تیرے رب کی بیزاری۔

### تفصیل اعمال آخرت و احکام ہدایت

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿وَقَطِي رُبُّكَ إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا آيَاتَهُ...﴾... كُلُّ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِندَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ﴿۱۷﴾

ربط:..... گزشتہ آیات میں آخرت کی سعی اور اس کی جدوجہد کا بیان تھا کہ جو آخرت کے لیے سعی کرے گا ہم اسے آخرت کی  
نعمتیں عطا کریں گے اب ان آیات میں ان اعمال کی تفصیل فرماتے ہیں کہ جن کے ذریعہ انسان آخرت کی نعمتیں حاصل  
کر سکے اور ان احکام کو بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ انسان ہدایت حاصل کر سکے اور آخرت کی سعی اور جدوجہد کا ذریعہ یہ  
اعمال ہیں اور ان احکامات کو تو حید ہی سے شروع کیا اور تو حید ہی پر ختم کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ تمام گناہوں میں شرک بڑے  
درجہ کا گناہ ہے اور درمیان میں زیادہ تر ان احکام کو بیان فرمایا کہ جو شعائر اسلام میں سے ہیں اور تمام ادیان اور شرائع میں  
= بیان کیا گیا ہے۔ روایات میں ہے کہ جو شخص کسی حرام پر قدرت پا کر محض خدا کے خوف سے رک جائے تو خدا تعالیٰ اسی دنیا میں آخرت سے پہلے اس کو نعم الہیہ  
عطا فرمائے گا۔

فکے یعنی دنیا بازی اول ہلتی ہے پھر لوگ خبردار ہو کر اس سے معاملہ نہیں کرتے۔ اور پورا حق دینے والا سب کو بھلا لکتا ہے۔ اللہ اس کی حجارت خوب چلاتا ہے۔  
فلا یعنی بے تحقیق بات زبان سے مت نکال، نہ اس کی امداد نہ ہند پیر دی کر۔ آدمی کو چاہیے کہ کان، آنکھ اور دل و دماغ سے کام لے کر اور بقدر کفایت تحقیق  
کر کے کوئی بات منہ سے نکالے یا عمل میں لائے۔ سنی سنائی باتوں پر بے سوچے سمجھے یوں ہی اٹکل چکوسے کوئی قطعی حکم نہ لگائے یا عمل درآمد شروع نہ  
کرے۔ اس میں جوئی شہادت دینا، لفظ تمہیں لگانا، بے تحقیق چیزیں سن کر کسی کے درپے آزار ہونا یا بغض و عداوت قائم کر لینا، باپ دادا کی تقلید یا رسم و  
رداج کی پابندی میں خلاف شرع اور ناحق باتوں کی حمایت کرنا، ان دیکھی یا ان سنی چیزوں کو دیکھی یا سنی ہونی بتلانا۔ غیر معلوم اشیاء کی نسبت دعویٰ کرنا کہ میں  
جاتا ہوں یہ سب صورتیں اس آیت کے تحت میں داخل ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ قیامت کے دن تمام قوی کی نسبت سوال ہو گا کہ ان کو کہاں کہاں استعمال کیا  
تھا بے موقع تو خرچ نہیں کیا؟

فلا یعنی مجھروں کی پال پلانا انسان کو زیبا نہیں دے تو زور سے ہاتھ مار کر وہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے نہ گردن ابھارنے اور سینہ تاننے سے اونچا ہو کر پہاڑوں کے  
برابر ہو سکتا ہے۔ پھر ایسے ضعف و مجزاد اس لحاظ پر ہے کہ اس قدر لہا گھنٹنے سے کیا فائدہ؟

فلا یعنی جن باتوں کو وہ بدیع کیا ان کے کرنے میں رب کی بیزاری ہے اور جن کا حکم کیا ان کے نہ کرنے میں بیزاری ہے۔



مسلم ہیں اور سب کے سب محکم ہیں قابل نسخ نہیں اشارہ اس طرف ہے کہ اگر واقع میں تم آخرت کے طالب ہو اور اس کے لیے ساعی ہو تو ان اعمال کو بجلاؤ ان اعمال کے بجالانے سے ﴿وَسَلِّ لَهَا سَعْيَهَا﴾ کے مصداق بن سکو گے۔

قدم باید اندر طریقت نہ دم کہ اصلے ندارد دے بے قدم

اور گزشتہ آیات مثلاً ﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلْبَیْحِ هُوَ أَقْوَمُ﴾ اور مثلاً ﴿مَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ﴾ میں جس ہدایت کا ذکر تھا اب ان آیات میں ان اہم احکام ہدایت کو بیان کرتے ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان کو ہدایت حاصل ہوتی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے تورات کی ساری اخلاقی تعلیم ان پندرہ آیتوں میں درج کر دی ہے اور وہ پندرہ آیات اس رکوع سے شروع ہوتی ہیں۔

### حکم اول توحید

اور حکم دیا تیرے پروردگار نے تمام بندوں کو کہ سوائے اس معبود برحق کے اور کسی کو نہ پوجو اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے اس لیے کہ عبادت نام ہے غایت تعظیم کا اور غایت تعظیم کا مستحق وہی ہے کہ جو غایت درجہ کا منعم اور محسن ہو اور وہ اس کے سوا کوئی نہیں۔

### حکم دوم، اکرام و احترام والدین

اور حکم دیا اللہ تعالیٰ نے کہ ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور عبادت کے بعد والدین کے ساتھ احسان کا حکم دیا۔ ان دونوں حکموں میں مناسبت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے وجود کا سبب حقیقی ہے اس لیے اول اس کا حکم دیا اور والدین انسان کے وجود کا سبب مجازی اور ظاہری ہیں اس لیے والدین کے ساتھ احسان کا حکم بعد میں دیا۔ نیز والدین کی شفقت رحمت خداوندی کا ایک نمونہ ہے والدین کی شفقت ہر وقت موجزن رہتی ہے کہ ہر طرح کی بھلائی اولاد کو پہنچادیں اور ہر طرح کی برائی کو اولاد سے دور رکھیں اور والدین سے جس خیر اور بھلائی کا اولاد کو پہنچانا ممکن ہوتا ہے وہ اس سے دریغ نہیں کرتے اور سوائے جذبہ شفقت و محبت اور کوئی ان کی غرض نہیں ہوتی اس وجہ سے انعام اور احسان میں خدا کے بعد والدین کا درجہ ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں ماں باپ کے شکر کو اپنے شکر کے ساتھ واجب اور لازم گردانا ﴿إِنِ اشْكُرْتُمْ لِي وَلِوَالِدَيْكُمْ إِلَىٰ التَّصَدُّقِ﴾۔

پھر چونکہ حق جل شانہ علیم وخبیر ہے وہ خوب جانتا ہے کہ والدین بڑھاپے کے وقت اولاد پر گراں ہو جاتے ہیں لہذا بطور اہتمام حکم دیتے ہیں اگر ان میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے اور تیرے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں اور ضعف اور عجز سے ان کی وہ حالت ہو جائے جو بچپن میں تیری تھی اور ایسی حالت میں کوئی ایسی بات ظاہر ہو جو طبعاً تم کو ناگوار ہو تو ایسی حالت میں بھی ان کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھنا اور ان کے سامنے ”اف“ بھی نہ کرنا یعنی ”ہوں“ اور ”چوں“ نہ کرنا یعنی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکالنا جو ان کے کانوں کو ناگوار گزرے اور کسی بات پر خواہ وہ تیرے لیے کیسی بھی خلاف طبع ہو ان کو نہ جھڑکنا۔ اظہار ناگواری میں زجر کا درجہ ”اف“ کہنے سے بڑھا ہوا ہے ”اف“ کہنا اظہار ناگواری کی ابتداء ہے اور زجر یعنی جھڑکنا اور ڈانٹنا

یہ اس کی انتہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ نہ ان کی بات سے ملول ہو اور نہ ان کی بات کو رد کرو اور ان کے سامنے نرمی اور ادب سے بات کرو جس سے ان کی تعظیم و تکریم اور ادب مترشح ہوتا ہو اور ازراہ شفقت و تواضع نہ ازراہ سیاست و مصلحت اور ان کے سامنے بازوئے ذلت کو پست کر دو یعنی ان سے بکمال تواضع و انکسار کے ساتھ برتاؤ کرو۔ جناح الذل کے معنی ذلت کے بازو ہیں حالانکہ ذلت کے بازو نہیں ہوتے تو یہ کلام بطور استعارہ ہے کہ جس طرح پرندہ اپنے بچے کی تربیت کے وقت اپنے بازو پست کر کے اس کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے اسی طرح تم کو چاہئے کہ ایسی ہی تربیت اور شفقت کا معاملہ اپنے والدین کے ساتھ کرو اور ان کے لئے اس طرح دعا کرو کہ اے پروردگار ان دونوں پر ایسا خاص رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا اور کمال شفقت و رحمت سے میری پرورش کی جب کہ میں بالکل عاجز اور لاچار تھا۔

والدین اگر مسلمان ہوں تو ان کے حق میں دعائے رحمت کے معنی ظاہر ہیں اور اگر کافر ہیں اور زندہ ہیں تو ان کے حق میں دعائے رحمت کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ ان کو ایمان اور اسلام کی ہدایت نصیب فرما۔ کافر کے حق میں ہدایت سے بڑھ کر کوئی رحمت نہیں اور اگر والدین بحالت کفر مر چکے ہوں تو ان کے لئے دعائے مغفرت و رحمت جائز نہیں کما قال تعالیٰ ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ مِنْهُ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ آخِضُوا لَهُمْ﴾ اس آیت کی تفسیر سورۃ توبہ کے اخیر میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے غرض یہ کہ حق جل شانہ نے اس آیت میں اول والدین کے ساتھ احسان کا حکم دیا اور پھر اس کے بعد پانچ باتوں کا حکم دیا۔

اول: ﴿لَا تَقُلْ لَهُمْ آفٍ﴾ ان کے سامنے آف مت کرو۔

دوم: ﴿وَلَا تَنْهَهُمْ﴾ ان کو جھڑکو مت اور ان کے سامنے آواز بلند نہ کرو۔

سوم: ﴿وَوَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا كَرِيمًا﴾ ان کے سامنے ادب سے بات کرو۔

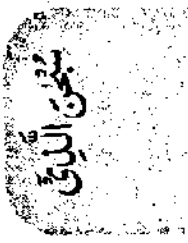
چہارم: ﴿وَاخْفِضْ لَهُمْ جَنَاحَ الذَّلِيلِ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ یعنی کمال تواضع اور کمال شفقت کے ساتھ ان سے

برتاؤ کرو۔

پنجم: ﴿وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا﴾ یعنی ان کے لئے دعائے مغفرت و رحمت کرو۔

مطلب یہ ہے کہ خالی ادب اور تواضع اور شفقت پر اکتفا نہ کرو کیونکہ یہ سب چیزیں فانی ہیں بلکہ دعا کرو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت باقیہ اور دائمہ سے ان کی دستگیری کرے اور رحمت آخرت کی دعا مسلمان والدین کے لیے مخصوص ہے۔ یہاں تک والدین کی ظاہری توقیر اور احترام کے متعلق احکام بیان فرمائے۔ اب اگلی آیت میں باطنی ادب یعنی دل سے ادب اور احترام کو بیان فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ والدین کے سامنے فقط ظاہر میں ذلت کا بازو پست کر دینا اور ان کے سامنے آف نہ کرنا یہ کافی نہیں بلکہ دل سے ان کا ادب کرنا اور باطنی طور پر ان کی اطاعت اور فرماں برداری اور ان کے ساتھ احسان کا قصد کرنا بھی ضروری ہے حتیٰ کہ دل میں ان کی نافرمانی کا خیال بھی نہ آنے پائے چنانچہ فرماتے ہیں۔

تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ والدین کے متعلق تمہارے دلوں میں کیا بات پوشیدہ ہے ممکن ہے کہ ظاہر میں تم



نے ادب و احترام کو ملحوظ رکھا ہو لیکن دل میں کوئی گرانی اور ناگواری مضر ہو سو اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر تم فی الواقع نیک بخت ہو گے یعنی دل سے ان کے مطیع اور فرماں بردار اور خدمت گزار ہو گے اور بتقاضائے بشریت ان کا پورا حق خدمت ادا نہ ہو سکے گا اور اس پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کرو گے تو وہ بے شک خدا کی طرف رجوع کرنے والوں کی تفسیر کو بخشنے والا ہے بھول چوک یا عدم استطاعت کی بناء پر جو کمی اور کوتاہی ان کی خدمت میں واقع ہوگی اس کو وہ معاف فرمادے گا "اواب" کی تفسیر میں کئی قول ہیں جامع قول یہ ہے کہ جو شخص کثرت کے ساتھ بار بار بات بات میں شرمندہ ہو کر خدا کی طرف رجوع کرتا ہو وہ اواب ہے۔

### ایک فلسفیانہ وسوسہ اور اس کا جواب

وسوسہ یہ ہے کہ اگرچہ والدین اولاد کے وجود کا سبب ظاہری ہیں لیکن اس میں ان کی نفسانی خواہش کو بھی دخل ہے جس سے ایک فرزند تولد ہوا اور پیدا ہو کر عالم آفات میں آپہنچا اور طرح طرح کی مشقتوں اور مصیبتوں میں آپہنچا تو والدین کا اولاد پر کیا احسان ہو جس کا شکر واجب ہو اور اس احسان کے صلہ میں ان کی اطاعت اور خدمت فرض ہوتی کہ ایک فلسفی اپنے باپ کو مارا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اسی نے مجھ کو عالم کون فساد میں داخل کیا اور اسی نے مجھ کو موت کا نشانہ بنایا اور فقر و فاقہ اور طرح طرح کے امراض و آلام کے دہانہ پر لا کر مجھے کھڑا کر دیا۔

اسی قسم کا ایک فلسفی ابو العلام گزرا ہے اس سے پوچھا گیا کہ ہم تیری قبر پر کیا لکھیں تو اس نے کہا کہ میری قبر پر یہ شعر لکھ دینا۔

هذا جناہ ابی علی وما جنیت علی احد  
یہ اس کے باپ کا اس پر ظلم ہے اور میں نے کسی پر ظلم نہیں کیا

یعنی میں نے کوئی نکاح نہیں کیا اور کوئی بچہ نہیں جنوایا بلکہ سب کو پردہ عدم میں رہنے دیا تاکہ میری وجہ سے پردہ عدم سے نکل کر اس دار فانی کے آفات اور مصائب میں مبتلا نہ ہو۔ پردہ عدم میں رہنے کی وجہ سے اگرچہ اس دنیا کے عیش و آرام سے متمتع نہ ہو تو اس دنیا کی آفات اور مصیبتوں سے محفوظ رہا۔

اسی طرح اسکندر سے پوچھا کہ تجھ پر تیرے والد کا حق زیادہ ہے یا تیرے استاد کا اسکندر نے جواب دیا کہ استاد کا حق زیادہ ہے اس نے میری تعلیم و تربیت میں طرح طرح کی سختیاں برداشت کر کے مجھے علم کی روشنی میں داخل کیا اور رہا والد تو اس کو اپنے لئے لذت جماع کی خواہش تھی اس طرح اس نے مجھ کو عالم کون و فساد میں لا نکالا۔

● یہ فلسفیانہ وسوسہ اور اس کا جواب تفسیر سراج منیر: ۲۳۱/۲ اور تفسیر روح المعانی میں مذکور ہے اور ہماری یہ تمام تقریر اس سے ماخوذ ہے۔ (واللہ اعلم)

● ابو العلام معری کے ان دو شعروں کا مضمون ہے جو اس نے نکاح نہ کرنے کے بارے میں کہے تھے، وہ دو شعر یہ ہیں:

وترکت فیہم نعمة العدم التی !! سبقت وصدت عن نعیم العاجل  
ولو انہم ولدوا لنا لولا شدة!! ترمی بہم فی مویقات الاجل

(روح المعانی: ۱۵/۵۷)

جواب:..... اس فلسفیانہ طویل تقریر سر اپا تزویر کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اول امر میں والدین کا مقصود لذت نفسانی کی تحصیل ہو مگر جب بچہ پیدا ہو گیا تو اس وقت سے لے کر اخیر تک دیکھو کہ ماں باپ نے اس فرزند دلبند کے ساتھ کیا معاملہ کیا اس کو اپنا لخت جگر جانا اور اس کی ولادت پر خوشیاں منائیں اور اس کی تربیت میں طرح طرح کی مشقتیں اٹھائیں اور اس کی تعلیم و تادیب میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا اور ضروریات زندگی میں اس کو اپنے سے مقدم رکھا اور اپنے اوپر تنگی برداشت کر کے دل و جان سے اس کے مصارف زندگی اور مصارف تعلیم پورے کیے اور اس بات کا پورا پورا اہتمام کیا طرح طرح کی خوبیاں اور بھلائیاں جو اس کو پہنچا سکتے تھے وہ اس کو پہنچا ڈالیں اور جس بلا اور آفت کو اس سے ہٹا سکتے ہوں وہ اس سے دور کر دیں۔ اور دن رات اس کوشش میں لگے رہے کہ اس مولود کو ہم سے ہزار درجہ بڑھ کر نعمتیں اور عزتیں اور راحتیں مل جائیں اور اس راہ میں جو مشقتیں پیش آئیں وہ والدین نے اپنے اوپر اٹھائیں یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچا اور جوان ہو گیا کیا اس والہانہ شفقت و محبت اور بے غرضانہ تربیت سر ہا رحمت کا کوئی معمولی سا شہہ یا ادنیٰ سا نمونہ سوائے والدین کے کسی اور جگہ بھی دکھلایا جاسکتا ہے۔ دیکھنا تو درکنار ایسی محبت اور شفقت کے تصور سے عقل بھی قاصر ہے۔ (دیکھو تفسیر سراج منیر: ۲/۲۳۱ و روح المعانی: ۱۵/۵۷)

ایسی بے مثال شفقت و تربیت کا کہ جو ابتدائے ولادت سے لے کر بیس سال تک مسلسل جاری رہی ہو احسان مند نہ ہونا اور والدین کے اس حق تربیت کا منکر ہونا انسان کا بلکہ حیوان کا بھی کام نہیں حیوان بھی اس مادہ کا احترام کرتا ہے جس سے وہ پیدا ہوا ہے بہر حال جس میں ذرا بھی عقل ہے وہ والدین کے حق کا انکار نہیں کر سکتا۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرے والدین بوڑھے ہو کر اس حد کو پہنچ گئے ہیں جس طرح والدین نے بچپن میں میری غور و پرداخت کی تھی ویسی ہی میں ان کی غور و پرداخت اور خبر گیری اور خدمت گزاری کر رہا ہوں تو کیا میں نے ان کا حق ادا کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں کیونکہ وہ دونوں تیری غور و پرداخت کرتے تھے تو ان کی تمنا اور آرزو یہ ہوتی تھی کہ تو زندہ رہے اور تو ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ مر جائیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ عالم، عالم اسباب ہے جس میں اللہ نے اپنی قدرت اور مشیت سے ایک شے کو ایک شے کا سبب بنایا۔ نسل انسانی اور حیوانی کے بقاء کا ذریعہ اور سبب اس نفسانی خواہش کو بنایا ہے اگر یہ نفسانی خواہش درمیان میں نہ ہوتی تو نسل انسانی اور حیوانی کا وجود نہ ہوتا۔

دنیا کی تمام لذائذ طیبات اور مرغوبات اور مطبوعات اور مشروبات بلاشبہ حق جل شانہ کی نعمتیں ہیں حالانکہ ان میں طبیعت کی رغبت اور نفس کی شہوت اور لذت ساتھ ساتھ ہے اور اس طبعی رغبت کی آمیزش کی وجہ سے ان کے نعمت ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس طبعی رغبت کی وجہ سے نعمت کی لذت دو بالا ہو جاتی ہے اور جس ہاتھ سے یہ نعمتیں کسی کو میسر آ جاتی ہیں تو وہ شخص اس ہاتھ کا ممنون اور احسان مند ہوتا ہے اور فرط محبت سے اس ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے اور جس ماں نے اس کو نو مہینہ اپنے پیٹ میں رکھا اور دوسرے تک دودھ پلایا اور تین چار سال تک ماں باپ اسکو ازراہ شفقت و محبت اور بطور لذت و مسرت گود میں اٹھائے پھرے اور راتوں اسکے لئے جاگے اور اس کی راحت کے لیے طرح طرح کی مشقتیں اٹھاتے رہے اور یہاں تک کہ

جوان ہو گیا اب یہ نادان کہتا ہے کہ ماں باپ کا مجھ پر کوئی احسان نہیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔  
 سالہا بر تو بگورد کہ گزر کنی سوئے تربت پدرت  
 تو بجائے پد رچہ کردی خیر تاہماں چشم داری از پسرت  
 حکم سوم، اداء حقوق دیگر اہل حقوق

گزشتہ آیت میں والدین کے ساتھ احسان کا حکم دیا اب اس آیت میں تمام اہل قرابت اور عام اہل حاجت کے ساتھ احسان کا حکم دیتے ہیں اور قرابت دار اور رشتہ دار کو حسب قرابت اس کا حق ادا کر اور محتاج مسافر کو بھی دے ماں باپ کا حق چونکہ تمام رشتہ داروں سے بڑھا ہوا ہے اس لیے اول خدا تعالیٰ نے اس کی تاکید کی اس کے بعد دوسرے رشتہ داروں اور محتاج اور مسافروں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا۔ رشتہ داروں کا حق یہ ہے کہ ان کے ساتھ رشتہ اور محبت قائم رکھے اور خوش حالی اور افلاس دونوں حالتوں میں اس کے ساتھ حسن معاشرت اور الفت برتے اگر انہیں مدد کی ضرورت ہو تو ان کی مدد کرے اور اگر وہ تنگ دست ہوں تو ان پر خرچ کرے اور محتاج اور مسافروں کی خیرات دے اور اگر محتاج اور مسافر رشتہ دار بھی ہو تو اس کے دینے میں دوہرا ثواب ہے۔

حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت ﴿ذَٰلِ الْقُرْبٰی حَقُّہٗ﴾ نازل ہوئی تو اس وقت پیغمبر خدا ﷺ نے جبرائیل امین علیہ السلام سے پوچھا کہ میرے قریب کون ہیں اور ان کا حق کیا ہے جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ قریب تمہارے فاطمہ علیہا السلام ہے اور حق اس کا فدک ہے فدک اس کو دے دو رسول خدا ﷺ نے اسی وقت فاطمہ علیہا السلام کو فدک دے دیا۔

یہ روایت سراسر موضوع اور ساختہ و پرداختہ شیعہ ہے اور خلاف عقل و نقل ہے اس لیے کہ اس روایت کا حاصل تو یہ ہے کہ آیت ذالقربی سے فقط حضرت فاطمہ علیہا السلام مراد ہیں اور حقیقہ سے فدک مراد ہے اور یہ بالکل غلط ہے الفاظ قرآنی کو ان معنی سے کوئی مس اور مساس نہیں لفظ ذوالقربی ایک لفظ عام اور امر کلی ہے جس کے معنی ”قرابت والے“ کے ہیں جو حضور پر نور ﷺ کے تمام قرابت داروں کو شامل ہے لہذا اس لفظ عام یعنی ذالقربی کو فقط حضرت فاطمہ علیہا السلام میں منحصر کر دینا کیسے صحیح ہوگا حضور پر نور ﷺ کے قرابت دار کچھ ایک دو نہ تھے بلکہ ہزاروں تھے اور صاحبزادی بھی فقط ایک نہ تھی بلکہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کے علاوہ حضرت زینب علیہا السلام اور حضرت رقیہ علیہا السلام اور حضرت ام کلثوم علیہا السلام یہ تین صاحبزادیاں اور تھیں جو قرابت میں حضرت فاطمہ علیہا السلام کے برابر تھیں اور کچھ کم نہ تھیں حق جل شانہ کے ارشاد ﴿لَا تَزَوٰجُکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُذٰدٰنَ عَلَیْہِم مِّنْ جَلٰلِہِمْ﴾ سے صاف ظاہر ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی متعدد صاحبزادیاں تھیں اور ایسا ہی کافی کلینی کی روایت کی روایت بھی ہے جو صاف اور واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ کی متعدد بیٹیاں تھیں تو کیا معاذ اللہ نبی اکرم ﷺ نے سب قرابت داروں کو محروم کر کے سب کا حق حضرت فاطمہ علیہا السلام کو دیدیا اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ صاحبزادیاں نزول آیت سے پہلے وفات پا چکی تھی تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ آیت مکی ہے اور وفات مدینہ میں ہوئی۔ اور علی سبیل الفرض والتسلیم حضرت علی علیہ السلام اور حضرت عباس علیہ السلام اور حضرت حسین علیہ السلام اور حضرت جعفر علیہ السلام تو موجود تھے گویا کہ ایک حضرت فاطمہ علیہا السلام

کا حق تو دیدیا جائے اور باقی سب قرابت داروں کا حق تلف کر دیا جائے آنحضرت ﷺ کو چاہئے تھا کہ مسکینوں اور مسافروں کے واسطے بھی کوئی چیز وقف کر دیتے تاکہ پوری آیت پر عمل ہو جاتا۔ نیز یہ کہنا کہ حق سے فدک مراد ہے یہ بھی غلط ہے اس لیے کہ یہ آیت سورۃ اسراء کی ہے جو بالاتفاق مکی ہے اور مکہ میں فدک کہاں تھا فدک تو ہجرت کے ساتویں برس رسول اللہ ﷺ کے قبضے میں آیا تھا اور علیٰ ہذا سورۃ روم کی ایک آیت جس میں ذوالقربیٰ کا لفظ آیا ہے وہ بھی مکی ہے نیز اگر یہی مراد ہوتے تو مختصر کلام یہ تھا کہ ات فاطمة فدک فرمادیتے اس تطویل کی کیا حاجت تھی نیز لفظ حق کا استعمال جب مناسب ہے کہ جب اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے بیع یا ہبہ کے ذریعے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ملکیت فدک ثابت ہو جائے اور رسول اللہ ﷺ سے اس کے دینے میں معاذ اللہ کچھ تقصیر ہوئی تو پھر یہ کہنا مناسب ہوتا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کا حق دیدو کیونکہ اگر کوئی چیز دبا لیتا ہے تو اس کو کہنا کرتے ہیں کہ فلانے کا حق دیدو۔

نیز اگر شیعوں کے نزدیک ذوالقربیٰ کے لفظ سے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا ہی مراد ہوتی تھیں تو اس بناء پر آیت ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِلَّذِي الْقُرْبَىٰ﴾ میں ذی القربیٰ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی مراد ہوں گی جس کا مطلب یہ نکلے گا کہ مال غنیمت کا خمس صرف فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہے باقی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر بنی ہاشم کو دینا اور لینا جائز نہیں اہل تشیع نے یہ سمجھا کہ اس آیت میں خطاب فقط نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے خاص حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حق فدک دینے کے بارے میں بطور قبالہ آسمان سے نازل ہوئی ہے۔

اور یہ غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس آیت میں اس کے ما قبل اور ما بعد میں تمام خطابات امت کو ہیں اور امت کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ تم ان احکام کو بجالانا کیونکہ شروع آیت ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ اور ﴿رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ﴾ اور ﴿لَا تَقُولُوا أَوْلَادُكُمْ﴾ وغیرہ وغیرہ میں تمام ضمیریں جمع کی ہیں اور باقی رہا ﴿إِنَّمَا يَبْتَلِعْنَ عِنْدَكَ الْكِبَرَةَ أَخَذْنَهَا أَوْ كَلَّهِنَّ فَلَا تَقُلْ لَهُنَّ أَوْفٍ﴾ یہ خطاب بھی اگرچہ لفظ مفرد ہے مگر اس سے بھی مراد امت ہی کا ہر فرد ہے نبی اکرم ﷺ کے ماں باپ تو بچپن ہی میں گزر گئے تھے۔ لہذا یہ حکم کہ ماں باپ کے سامنے اف نہ کرنا اور ان کے ادب کو ملحوظ رکھنا درحقیقت امتیوں کو سنانے کے لئے ہے آپ ﷺ کے لیے نہیں۔

اور علیٰ ہذا ﴿وَلَا تُبَدِّلْ تَبَدُّلًا﴾ کا حکم بھی تمام امت کے لیے ہے اسی طرح سمجھو کہ ﴿وَإِذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ﴾ میں بھی خطاب ہر شخص کو ہے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ قرابت داروں کو حق ادا کرے اور صلہ رحمی سے دریغ نہ کرنے اور علیٰ ہذا القیاس سورۃ روم میں ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ﴾ کے بعد ﴿وَإِذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ﴾ سے بھی صلہ رحمی کی ترغیب مقصود ہے کہ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے تم اگر اہل قرابت کے ساتھ سلوک اور احسان کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے رزق میں وسعت دے گا اس آیت میں بھی گو مخاطب خاص رسول اللہ ﷺ ہی ہیں لیکن فی الحقیقت خطاب عام ہے۔ غرض یہ کہ اس آیت کے شان نزول میں شیعوں نے جوہر فدک کی یہ روایت نقل کی ہے وہ سراسر دروغ بے فروغ ہے۔ دشمنان دین نے آنحضرت ﷺ پر دنیا طلبی کی تہمت لگانے کے لیے گھڑی ہے کہ اپنی بیٹی کو دینے کے لیے جبرئیل علیہ السلام کا حوالہ دے دیا تاکہ اس ہبہ پر کوئی اعتراض نہ کرے استغفر اللہ ولا حول ولا قوة الا باللہ۔

### حکم چہارم: ممانعت از اسراف

اور اپنی دولت کو ناحق اور بے جا نہ اڑا بے شک اپنے مال کو بے جا اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں اس لیے کہ اسراف فعل شیطانی ہے پس جس نے اسراف اور فضول خرچی کی وہ شیطان کے بھائیوں میں سے ہو گیا اور شیطان اپنے پروردگار کا ناشکر ہے مال و دولت اللہ کی نعمت ہے راہ حق میں اس کو خرچ کرنا یہ اس کا شکر ہے اور ناحق خرچ کرنا یہ اس کی ناشکری ہے۔

### حکم پنجم: تملطف در جواب سائل

اور اگر تجھ سے اقرباء اور احباب سوال کریں اور اس وقت تیرے پاس دینے کو کچھ نہ ہو اور تو اپنے پروردگار کے فضل و رحمت کے انتظار میں جس کے ملنے کی تجھے امید ہو اور مجبوری کی وجہ سے تو ان غریبوں سے تغافل برتتے تو ایسی حالت میں ان کے ساتھ نرمی اور حسن اخلاق سے بات کر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کے پاس کوئی سائل آ کر سوال کرتا ہے اور اس وقت اس کے پاس کچھ دینے کو نہیں ہوتا مگر اسے کہیں سے مال آنے کی امید ہوتی ہے ایسی صورت میں خدا تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ نرمی سے ان کو جواب دو کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں پھر آنا۔

### حکم ششم: اقتصاد و اعتدال در انفاق مال

اور مال خرچ کرنے میں اعتدال کو ملحوظ رکھو نہ تو اپنے ہاتھ کو گردن سے بندھا ہوا رکھ یعنی نہ تو غایت بخل کی وجہ سے بالکل روک لو گویا کہ ہاتھ گردن سے بندھا ہوا ہے کسی کو کچھ دینے کے لیے کھلتا ہی نہیں اور نہ ہاتھ کو پورا ہی کھول دو کہ جوش میں آ کر سب کچھ دے ڈالو اور آئندہ کا کچھ ہوش نہ رہے پھر تو خالی ہاتھ گھر میں بیٹھا رہ جائے ملامت کیا ہو اور ماندہ اور محتاج یعنی اگر بخل کی وجہ سے ہاتھ کو بالکل بند کر لیا تو "ملوم" ہوگا سب لوگ تجھے ملامت کریں گے اور تیری بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے اور اگر ہاتھ کو کشادہ کر دیا تو "محسور" یعنی در ماندہ اور عاجز ہو کر بیٹھ جائے گا۔ "حسراً" اصل میں اس چوپایہ کو کہتے ہیں کہ جو چلنے سے عاجز ہو کر بیٹھ رہا ہو اسی طرح جس نے اپنا کل مال خرچ کر ڈالا وہ بھی اسی سواری کے مشابہ ہے جو تھک کر بیٹھ رہا۔ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا حدیث میں ہے کہ جو خرچ میں درمیانی چال چلے گا وہ کبھی مفلس نہ ہوگا بے شک تیرا پروردگار کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگی کرتا ہے جس پر چاہے اس میں حکمتیں اور مصلحتیں ہیں مطلب یہ ہے کہ قبض اور بسط اللہ ہی کو زیبا ہے اس کے خزانے خالی نہیں ہوتے رہے بندے سوان پر حکم کے مطابق میانہ روی واجب ہے بے شک اللہ اپنے بندوں کے باطن سے باخبر ہے اور ان کے ظاہر کو دیکھنے والا ہے وہ اپنی حکمت اور مصلحت سے جس بندہ کو چاہتا ہے تو نگر بنا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے فقیر بنا دیتا ہے۔ اللہ کو معلوم ہے کہ کون امیری کے لائق ہے اور کون فقیری کے لائق ہے تم بندے ہو تمہیں مصلحتوں اور حکمتوں کا علم نہیں لہذا تم کو جو میانہ روی کا حکم دیا گیا ہے تم اس کی تعمیل کرو۔

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں یعنی "محتاج کو دیکھ کر بے تاب نہ ہو جاؤ اس کی حاجت تیرے ذمہ نہیں اللہ کے ذمے ہے" انتہی کلامہ۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے ہاتھ روکنے سے تم غنی اور دوسرا فقیر نہ ہو جائے گا اور تمہاری سخاوت

سے تم فقیر اور دوسرا غنی نہیں بن جائے گا میرا بنانا اور غریب بنانا سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے تمہارا کام میانہ روی ہے اللہ تعالیٰ نے تم کو جو حکم دیا وہی تمہارے حق میں بہتر ہے تم اللہ کے حکم پر چلو اور اپنی فکر کرو اور اپنے انجام کو سوچو۔

### حکم ہفتم: ممانعت از قتل اولاد

اور اے مشرک! افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو مت قتل کرو ہم ہی تو ان کو روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی رزق دینے والے ہیں نہ کہ تم۔ پھر تم اس فکر میں کیوں پڑے بے شک اولاد کا قتل کرنا بہر حال بہت بڑا گناہ ہے عرب کے مشرک اپنی لڑکیوں کو فقر کے خوف سے زندہ دفن کر دیتے تھے۔ بعض عار کی وجہ سے اور بعض اس خیال سے کہ انہیں کھانے کو کہاں سے آئے گا اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے تم یہ بے رحمی کا کام نہ کرو۔

### حکم ہشتم: ممانعت از زنا

اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ بے شک وہ بڑی بے حیائی ہے جس کی قباحت اور شاعت بالکل ظاہر ہے اور بہت بری راہ ہے زنا سے حسب و نسب گڑ بڑ ہو جاتے ہیں اور طرح طرح کی عداوتیں اور لڑائیاں اور جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اور یہ سب راستے زنا سے نکلے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یعنی ”اگر یہ راہ نکلی تو ایک شخص دوسرے کی عورت پر نظر کرے تو کوئی دوسرا اس کی عورت پر نگاہ کرے گا۔“ انتہی۔ غرض یہ ہے کہ زنا بہت برہ راہ ہے خواہش پرستوں کی راہ ہے اللہ نے یہ حکم دیا کہ زنا کے قریب بھی مت جاؤ مطلب یہ ہے کہ کسی اجنبی عورت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھو اجنبی عورت کو بدون عذر شرعی کے دیکھنا زنا کے قریب جانا ہے۔ زنا سے حسب و نسب غلط ملط ہو جاتے ہیں یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ یہ لڑکا کس کا ہے پھر یہ کہ زنا سے جو اولاد ہوتی ہے اس کی پرورش کا کوئی کفیل نہیں ہوتا۔ زنا سے انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہتا جس طرح حیوان جس مادہ سے چاہتا ہے اپنی خواہش پوری کر لیتا ہے اس طرح زنا کا بھی جس عورت سے چاہتا ہے اپنی مستی نکال لیتا ہے جس طرح جانور کو نکاح کی ضرورت نہیں اسی طرح زانی کو بھی نکاح کی ضرورت نہیں اور شیعوں کا متعہ بھی زنا کی ایک قسم ہے جیسا کہ سورۃ نساء کی تفسیر میں اس کی مفصل بحث گزر چکی ہے۔

### حکم نہم: ممانعت از قتل ناحق

اور مت قتل کرو اس جان کو جس کو اللہ نے محترم بنایا ہے مگر حق کے ساتھ اور قتل حق کی تین صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ قاتل کو قتل کی سزا میں بطور قصاص قتل کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ زانی محسن کو زنا کی سزا میں قتل کیا جائے۔ تیسرے مرتد کو ارتداد کی سزا میں قتل کیا جائے یعنی جو دین اسلام سے مرتد ہو جائے وہ بھی واجب القتل ہے ان تین صورتوں کے سوا مسلمان کا قتل کرنا حرام ہے اور جو شخص ظلم سے ناحق مارا جائے تو اس کے وارث کو ہم نے قاتل پر غلبہ دیا ہے یعنی ولی مقتول کو اختیار ہے کہ چاہے قاتل سے قصاص لے لے یا دیت لے لے یا معاف کر دے لیکن اس وارث کو چاہئے کہ قتل میں زیادتی نہ کرے یعنی صرف قاتل ہی کو قتل کرے ایک کے بدلے میں دو کو قتل نہ کرے اور نہ مثلاً کرے اور نہ غیر قاتل کو قتل کرے بے شک اس ولی



مقتول کی ہماری طرف سے مدد ہوتی ہے مظلوم کی حق تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوتی ہے اور حکام حکومت کو بھی حکم ہے کہ اس کی مدد کریں جہاں تک ممکن ہو مظلوم کا حق دلائیں رشوت اور سفارش سے کسی مظلوم کے دعوے کو خارج نہ کریں۔

### حکم دہم: ممانعت از تصرف ناحق در مال یتیم

اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو بہتر اور یتیم کے لیے مفید اور نافع ہو یعنی اصلاح اور حفاظت کو ملحوظ رکھو خرد برد کی نیت سے اس کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اس وقت اس کا مال اس کے حوالے کر دو۔

### حکم یازدہم: ایفاء عہد

اور عہد کو پورا کرو بے شک عہد کی بابت قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ عہد پورا کیا تھا یا توڑ ڈالا تھا سب سے پہلا عہد، عہد الست ہے اور اس کے بعد ایمان ہے کہ وہ بھی ایک قسم کا عہد ہے کہ اللہ کے اوامر کو بجا لاؤں گا اور منہیات کو ترک دوں گا اور نذر بھی ایک قسم کا عہد ہے اور مخلوق سے جو عہد کیا ہے اسے بھی پورا کرو بشرطیکہ وہ عہد شریعت کے مطابق ہو اور کسی معصیت پر وہ عہد نہ کیا ہو غرض یہ کہ لفظ عہد عام ہے خالق سے ہو یا مخلوق سے اس کا ایفاء واجب ہے۔

### حکم دوازدہم، ایفاء کیل

اور جب دوسرے کے لیے ماپو تو پورا ماپو۔ مطلب یہ ہے کہ ناپ میں کمی نہ کرو اپنے لیے کم ماپنے میں کوئی حرج نہیں۔

### حکم سیزدہم، ایفاء وزن

اور جب دوسرے کے لیے وزن کرو تو سیدھی ترازو سے تولو جس میں کچی اور جھکاؤ نہ ہو یعنی پورا تولو یہی حکم یعنی پوری ناپ تول تمہارے لیے بہتر ہے خیانت میں برکت نہیں اور دنیا و آخرت میں انجام کے اعتبار سے نہایت عمدہ ہے اور بہت خوب ہے پورا تولنا اور پورا پانا دنیا ہی میں نیک نامی کا ذریعہ ہے۔

### حکم چہارم دہم، عدم جواز عمل بر امرنا معلوم

یعنی جب تک کوئی بات پوری طرح معلوم نہ ہو جائے اس پر حکم لگانا جائز نہیں ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السُّنْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ اور جس بات کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ یعنی جس بات کی تجھے تحقیق اور خبر نہیں اس کے پیچھے نہ لگ بغیر سنے اور بغیر دیکھے اور بغیر سوچے سمجھے کوئی حکم نہ لگاؤ بے شک آنکھ، کان اور دل قیامت کے دن ان میں سے ہر ایک سے باز پرس ہوگی بندہ سے بھی ان اعضاء کے متعلق سوال ہوگا اور خود ان اعضاء سے بھی پوچھا جائے گا کہ تو نے کیا سنا اور کیوں سنا اور کیا دیکھا اور کیوں دیکھا اور دل سے پوچھیں گے کہ تو نے کیا جانا اور کیوں جانا مطلب یہ ہے کہ جس بات کی تحقیق نہ ہو اس کے متعلق دعویٰ کر کے یوں نہ کہے کہ یوں ہے اور بے تحقیق گواہی نہ دے۔

## حکم پانزدہم، ممانعت از رفتار تکبر و تجتر

اور مت چل تو زمین پر اتراتا ہوا اور اکرٹاتا ہوا یعنی ایسی چال مت چل جس سے بڑائی اور فخر معلوم ہو بلکہ نرم رفتار چلتے جس سے تواضع معلوم ہو تحقیق تو اپنی اس مفرد و روانہ رفتار سے زمین کو ہرگز نہیں پھاڑ سکتا کہ سوراخ کر کے اس کی انتہا کو پہنچ جائے اور بلندی اور لمبائی میں ہرگز پہاڑوں کو نہیں پہنچ سکے گا مطلب یہ ہے کہ اس مفرد و روانہ رفتار سے پہاڑوں کی بلندی کو نہیں پہنچ سکتا تمہارا یہ تکبر نہ زمین برداشت کر سکتی ہے اور نہ پہاڑ برداشت کرتے ہیں پھر کیوں اکرٹ کر چلتے ہو یہ سب ممنوعات ہیں جن سے ممانعت کی گئی ہے ان میں سے ہر ایک بری بات ہے تیرے پروردگار کے نزدیک اور نہایت ناپسندیدہ ہے۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کا ذکر فرمایا وہ بچھیں ہیں جن میں سے بعض مامورات ہیں اور بعض ممنوعات و منہیات ہیں یعنی بعض امور وہ ہیں جن کی بجا آوری کا اللہ نے حکم دیا اور بعض امور وہ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرمائی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختصار کے ساتھ ان سب کو شمار کر دیا جائے تاکہ سمجھنے اور یاد رکھنے میں آسانی ہو۔

اول اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ دوم خالص اللہ کی عبادت کرو۔ سوم غیر اللہ کی عبادت نہ کرو۔ چہارم والدین کے ساتھ احسان کرو۔ پنجم والدین کے سامنے اف نہ کرو۔ ششم ان کو نہ جھڑکنا اور نہ ان کے سامنے آواز بلند کرو۔ ہفتم ان سے ادب سے بات کرو جس سے ان کی تعظیم و تکریم نکلتی ہو۔ ہشتم ان کے سامنے تواضع اور عاجزی سے پیش آؤ۔ نہم ان کے لئے دعائے رحمت و مغفرت کرو۔ دہم قرابتداروں کے حقوق ادا کرو یا زور ہم مسکین کا حق ادا کرو۔ دوازدہم ابن السبیل کا حق ادا کرو۔ سیزدہم اسراف اور فضول خرچی سے بچو۔ چہارم دھم اہل حاجت اگر تم سے کچھ درخواست کریں تو جواب دیں ﴿قَوْلًا مَّيْسُورًا﴾ یعنی نرم بات کہو۔ یعنی زبان سے کوئی سخت بات نہ نکالو جو ان کی دل آزاری کا سبب بنے۔ پانزدہم اپنے ہاتھ کو گردن سے نہ باندھ لو یعنی بخیل نہ بن جاؤ۔ ستردہم ہاتھ کو ایسا کشادہ نہ کرو کہ جوش میں آ کر سب کچھ دے ڈالو اور پھر پچھتاؤ۔ ہشتم کسی بے گناہ کو نہ قتل کرو۔ نہم قتل اور قصاص میں حد سے تجاوز نہ کرو۔ بست و یکم مال یتیم ناحق مت کھاؤ۔ بست و دوم نہ کو پورا کرو۔ بست و سوم ناپ تول کو پورا کرو۔ بست و چہارم اس چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہیں۔ بست و پنجم زمین پر اتراتے ہوئے اور اکرٹتے ہوئے نہ چلو۔

ذٰلِكَ هِيَ اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۗ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ

یہ ہے ان باتوں میں سے جو وحی بھیجی تیرے رب نے تیری طرف عقل کے کاموں سے فی اور نہ ٹھہرا اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی پھر پڑے تو دوزخ میں یہ ہے کچھ ایک جو وحی کیا تیرے رب نے تیری طرف، عقل کے کاموں سے۔ اور نہ ٹھہرا اللہ کے سوا اور کی بندگی، پھر پڑے تو دوزخ میں،

مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝۱۵ اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبٰنِيْنَ وَاَتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِناثًا ۗ اِنَّكُمْ

الزام کھا کر دکھایا جا کر فل کیا تم کو جن کر دے دیے تمہارے رب نے بیٹے اور اپنے لیے کر لیا فرشتوں کو بیٹیاں تم اولاد کھایا دکھلایا۔ کیا تم کو جن کر دیے تمہارے رب نے بیٹے اور آپ لئے فرشتے بیٹیاں۔ تم فل یعنی لوہہ جو ہرگز نہیں بہا سکتی کی گیس یہ وہ علم و حکمت اور تہذیب انصاف کی باتیں ہیں جنہیں عقل سلیم قبول کرتی ہے اور جو وحی کے ضمن میں نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم

## لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا ﴿۱۵﴾

کہتے ہو بھاری بات ذرا

کہتے ہو بڑی بات؟

خاتمہ کلام برتا کید احکام و توحید خداوندانام

﴿ذٰلِكَ بِمَا اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ... اِلٰى... اِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيْمًا﴾

یہ احکام مذکورہ خواہ اوامر ہوں یا نواہی مجملہ اس حکمت کے ہیں جو تیرے پروردگار نے تیری طرف وحی کی ہے یعنی اوپر کی آیات میں جو پر مغز نصیحتیں اور ہدایتیں کی گئیں وہ من جملہ ان علم و حکمت کی باتوں کے ہیں جن کو عقل سلیم قبول کرتی ہے اور یہ تمام باتیں دیگر ادیان اور مل میں چلی آتی ہیں ان میں نسخ ممکن نہیں ان کی رعایت واجب ہے۔ اس لیے کہ یہ تمام امور بلاشبہ مکارم اخلاق اور محاسن اعمال میں سراپا حکمت ہیں ان میں نسخ کی گنجائش نہیں اور چونکہ ان احکام میں دین و دنیا کی ساری خوبیاں موجود ہیں اس لیے ان کا خاتمہ بھی توحید ہی کے حکم پر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہرا پس اس شرک کی وجہ سے تجھ کو دوزخ میں ڈالا جائے۔ درآنحالیکہ تو ملامت کیا ہوا ہو اور تو اور خود تیرا نفس ہی تجھ کو ملامت کرے گا اور تو راندہ رحمت خداوندی ہوگا پھر آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر عتاب فرمایا جو یہ کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں پس کیا تمہارے پروردگار نے تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور خود اس نے اپنے لیے فرشتوں سے بیٹیاں بنالی ہیں اے مشرکین ذرا غور تو کرو بے شک تم بڑی بھاری بات کہتے ہو خدا تعالیٰ تو اولاد سے پاک ہے بیٹا اور بیٹی ہونا تو جسم مرکب ذی اجزاء کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ جسمیت اور ترکیب سے پاک اور منزہ ہے پھر تمہاری ایک حماقت یہ ہے کہ تم خدا پر اپنے کو فضیلت دیتے ہو اور اپنے لیے بیٹے ٹھہراتے ہو اور بیٹیاں جن سے تم نفرت اور کراہت کرتے ہو ان کو خدا کی طرف نسبت کرتے ہو۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو بیان کر کے تاکید اور اہتمام کے لئے یہ فرمادیا کہ یہ احکام بالا حکمت کی باتیں ہیں ان کی بجا آوری میں کوتاہی نہ کرنا اور ان احکام حکمت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے حکم سے اور شرک کی ممانعت سے شروع فرمایا اور اسی پر ختم فرمایا جس سے مقصود یہ ہے کہ یہی حکم اول ہے اور یہی حکم آخر ہے۔ بغیر اس کے کوئی عمل قبول نہیں جہاں تک ممکن ہو کلمہ توحید کو اپنا درو بناؤ تا کہ تمہاری زندگی کا خاتمہ اسی پر ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ الواح تورات جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی تھیں ان میں یہ تمام احکام حکمت مذکور تھے جن کا فاتحہ (آغاز) ﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ الْاٰخَرَ﴾ سے ہوا اور ان کا خاتمہ بھی ﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ الْاٰخَرَ﴾ پر ہوا۔ (السرارج المبرور: ۲۵۱/۲)

= کی طرف بلا واسطہ اور راست امیہ کی طرف بواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی گئیں۔

۱۵ مذکورہ بالا نصح کا بیان توحید سے شروع کیا گیا تھا ﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ الْاٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّكْلُومًا﴾ خاتمہ بڑی توحید یاد دلا دی گئی تاکہ قاری کلمہ سیکر تمام حسنت کا آغاز و انجام حاصل توحید کو ہونا چاہیے۔

۱۶ یعنی ایک تو خدا کے لیے اولاد جو جو کرنا اور اولاد بھی بیٹیاں جنہیں تم نہایت حماقت کی نظر سے دیکھتے ہو یہ بڑی بھاری گستاخی ہے۔



عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةٌ أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ

ان کے دلوں پر پردہ کہ اس کو نہ سمجھیں **فَا** اور ان کے کانوں میں بوجھ **فَا** اور جب ذکر کرتا ہے تو قرآن میں ان کے دلوں پر اوٹ کہ اس کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ۔ اور جب مذکور کرتا ہے تو قرآن میں

وَحَدَّهُ وَلَوْ عَلَىٰ آدْبَارِهِمْ نُفُورًا ﴿۱۶﴾ مَخْنُوعًا ۖ مَا يَسْتَبِعُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَبِعُونَ إِلَيْكَ

اپنے رب کا اکیلا کر کے بھاگتے ہیں اپنی پیٹھ پر بدک کر **فَا** ہم خوب جانتے ہیں جس واسطے وہ سنتے ہیں **فَا** جس وقت کان رکھتے ہیں تیری طرف اپنے رب کا، اکیلا کر کے، بھاگتے ہیں اپنی پیٹھ پر بدک کر۔ ہم خوب جانتے ہیں جیسا وہ سنتے ہیں، جس وقت کان رکھتے ہیں تیری طرف،

وَإِذْ هُمْ مُجْتَمِعُونَ إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِنَّا تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا ﴿۱۷﴾ أَنْظِرْ كَيْفَ

اور جب وہ مشاورت کرتے ہیں جب کہ کہتے ہیں یہ بے انصاف جس کے کہے پر تم چلتے ہو وہ نہیں ہے مگر ایک مرد جادو کا مارا **فَا** دیکھ لے کیسے اور جب وہ مشورہ کرتے ہیں، جب کہتے ہیں بے انصاف، جس کے کہے پر چلتے ہو نہیں وہ مگر ایک مرد جادو مارا۔ دیکھ! کیسی

ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ﴿۱۸﴾

جہاتے ہیں تجھ پر مثالیں اور بہکتے پھرتے ہیں سو راہ نہیں پاتے **فَا** بھاتے ہیں تجھ پر کہاوتیں اور بہکتے ہیں، سو راہ نہیں پاتے۔

= دلانے والے پیغمبر کے احوال و اقوال میں غور کرنے اور بارگاہ رسالت تک پہنچنے کی کیا ضرورت ہوگی۔ بس یہی عدم ایمان بالآخرت اور انجام کی طرف سے بے لگاری و معنوی پردہ ہے جو اس شخص کے اور نبی (من حیث ہونسی) کے درمیان لگا دیا جاتا ہے۔

**فَا** پہلے پیغمبر کی صداقت تک نہ پہنچ سکنے کا ذکر کیا تھا۔ یہاں فہم قرآن تک رسائی حاصل نہ کر سکنے کا بیان ہے یعنی اس قرآن میں ایسی قوی تاثیر ہے، اور کافروں پر اثر نہیں ہوتا، یہ سب ہے کہ اوٹ میں ہیں۔ آفتاب سے سارا بہان روشن ہے لیکن اگر کوئی شخص تہہ خانہ میں تمام دروازے اور تابان بند کر کے بیٹھ جائے بلکہ آئینیں بھی بند کر لے تو اس کے اعتبار سے آفتاب کی روشنی نہیں بھی نہیں۔

**فَا** یعنی جب بد نیت انتفاع و استفادہ سنا نہیں چاہتے تو گویا سنتے ہی نہیں۔

(تنبیہ) خدا تعالیٰ نے جو جناب اور پردے وغیرہ ڈالے یہ وہ ہی ہیں جن کا وجود انہوں نے خود اپنے لیے بڑی خوشی اور فخر سے ثابت کیا تھا۔

﴿وَقَالُوا كَلُمَاتٍ نَّهَىٰ عَنْهَا تَدْعُونَنَا إِلَىٰ رَيْبٍ وَإِذْ نُنَادِيكُم بِالْإِيمَانِ أَذْأَبْتُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ إِنَّكُمْ كَانْتُمْ كَافِرِينَ﴾  
بے فکر رہنا، خدا سے واحد کے ذکر سے پرانا، پیغمبروں کے ساتھ تمسخر کرنا، وہ چیزیں ہیں جو حجاب کھلانے و قرآن کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اور چونکہ خالق ہر چیز کا خدا تعالیٰ ہے اس لیے ان کے تعلق کی نسبت بھی اس کی طرف کی جاتی ہے۔

**فَا** یعنی خدا سے واحد کے ذکر سے چڑتے، بدکتے اور پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں یہاں ان کے معبودوں کا تذکرہ آئے تو بہت خوش ہوتے ہیں۔ ﴿وَإِذَا دُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۚ وَإِذَا دُكِرَ الَّذِينَ مِنْ حَتَّىٰ إِذَا هُمْ يَسْتَسْمِعُونَ﴾  
**فَا** یعنی سنتے سے استفادہ و مقصود نہیں ہوتا محض استغناء و استہزاء مقصود ہوتا ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

**فَا** یعنی قرآن اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر گھٹے۔ پھر آپس میں مشورہ کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کیا کہنا چاہیے۔ آخر کہنے لگے کہ یہ شخص جادو کا مارا ہوا مظلوم ہوا ہے۔ یعنی جادو کے اثر سے مجنون ہو گیا، دماغ ٹھکانے نہیں رہا (العباد باللہ العظیم) بعض نے "مسحور" کو یہاں "ساحر" کے معنی میں لیا ہے گویا اس کی باتوں میں جادو کا اثر ہے۔

(تنبیہ) لفظ "مسحور" سے جو مطلب وہ لیتے تھے اس کی نفی سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی پر کسی قسم کے سحر کا کسی درجہ میں عارضی طور پر بھی اثر نہ ہو سکے یہ =

## تاکید توحید و بیان حال منکرین نبوت

قَالَ تَجَالَى: ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ آيَاتٍ لِّكُلِّ قَوْمٍ ۚ﴾

ربط: ..... گزشتہ آیات میں سب سے اہم اور اعظم حکم توحید کا تھا اب ان آیات میں اس کی تاکید اور تائید کے لیے ابطال شرک پر ایک دلیل عقلی قائم فرماتے ہیں بعد ازاں ان مشرکین نبوت کا حال بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اس درجہ سنگ دل ہو چکے ہیں کہ جب قرآن میں توحید کے مضامین سنتے ہیں تو ان کی وحشت اور نفرت میں زیادتی ہو جاتی ہے اس قرآن کو اللہ تعالیٰ نے تذکر کے لیے نازل کیا تھا مگر یہ نادان بوجہ عدم تدبر کے تنفر اور تمسخر کی حد میں داخل ہو گئے ہیں یہ ضد اور عناد کی انتہا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے اس قرآن میں علم و حکمت کی اور موعظت و نصیحت کی باتوں کو پھیر پھیر کر طرح طرح سے بیان کیا تا کہ نصیحت پکڑیں اور علم و حکمت کی باتوں کا مقتضا تو یہ ہے کہ وہ ایک ہی دفعہ سن کر اس قرآن کے عاشق اور دلدادہ ہو جاتے لیکن افسوس ان کی عقل پر کہ باوجود اس کے نہیں زیادہ کرتا یہ قرآن ان کے حق میں مگر نفرت کو بجائے اس کے کہ نصیحت قبول کرتے مگر اور زیادہ بدکنے لگے۔ اور وحشت کھا کر بھاگنے لگے۔ خوب سمجھ لو کہ جس کو علم و حکمت کی باتوں سے وحشت اور نفرت ہوتی ہو یہی اس کی کمال حماقت کی دلیل ہے۔ آپ ﷺ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے جو الوہیت میں اس کے شریک ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو اس صورت میں یہ دوسرے معبود اگر کچھ قدرت رکھتے تو ضرور مالک عرش کی طرف یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھائی کی راہ ڈھونڈتے اور اس کے ساتھ لڑائی کر کے اس کو مغلوب کر دیتے اور اس کا ملک چھین لیتے اور اس کی سلطنت کا تختہ الٹ دیتے۔ جیسا کہ عموماً دنیا کے بادشاہوں کا طریقہ ہے کہ کسی کا محکوم اور ماتحت رہنا یا کسی کا ہم پلہ ہونا پسند نہیں کرتے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو وہ ضرور مالک عرش سے یعنی اللہ تعالیٰ سے جدال و قتال کرتے جیسا کہ دنیا کے بادشاہوں میں ہوا کرتا ہے اور جدال و قتال کی صورت میں ظاہر ہے کہ کوئی غالب ہوتا اور کوئی مغلوب اور مغلوبیت شان الوہیت کے بالکل منافی ہے۔ اور مغلوب اور عاجز کو معبود بنانا پر لے درجے کی حماقت ہے پس جو مغلوب ہوتا وہ خدا نہ ہوتا بلکہ جو غالب ہوتا وہی خدا ہوتا پھر توحید ہو جاتی اور اگر بالفرض مقابلہ میں سب برابر رہتے تو کوئی بھی خدا نہ رہتا۔ اس لیے کہ خدائے برحق وہ ہے کہ جو بے مثل اور یکتا اور باہمتا ہو اور کوئی اس کا مثل اور ہمسر اور برابر نہ ہو کیونکہ مماثلت یعنی برابری اور ہمسری ایک قسم کا عیب ہے اور خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر عیب سے پاک ہو اس آیت میں برہان تمناع کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آیت ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ کی تفسیر میں آئے گی۔ یعنی اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور چند خدا ہوتے تو زمین و آسمان تباہ و برباد ہو جاتے یعنی یہ نظام عالم درہم برہم ہو جاتا۔ پس جب نہ کوئی مقابلہ ہے اور نہ کوئی منازعت ہے اور نہ کوئی برابری اور ہمسری

= آیت مکی ہے۔ مدینہ میں آپ پر یہود کے جادو کرانے کا واقعہ صحاح میں مذکور ہے۔ جس کا اثر چند روز تک صرف اتنا رہا کہ بعض دنیاوی کاموں میں کمی کمی ہوئی اور ہول ہو جاتا تھا۔

۶۔ یعنی کمی شاعر کہتے، کمی جادوگر، کمی کاہن، کمی مسخو یا مجنون، غرض ہر کمی ہمتیں کرتے رہتے ہیں کسی ایک ہمت پر جماد نہیں جس وقت جو منہ میں آیا تک دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہاوجود ہر دھند کے طعن و کھنچ لا کوئی ایسا راستہ نہیں مل سکتا جس پر ہل کر وہ اپنے مقصد انوار و اضلال میں کامیاب ہو سکیں۔

ہے تو معلوم ہوا کہ وہ خداوند بالا و پست ایک ہی ہے وہ ذات والا صفات پاک اور منزہ ہے اس سے کہ کوئی اس کا شریک اور اس کا ہمسر اور اس کا مقابل ہو اور وہ بلند اور برتر ہے ان باتوں سے جو یہ ظالم اس کے بارے میں کہتے ہیں۔ بہت زیادہ بلندی اور برتری جہاں وہم خیال کی بھی رسائی نہیں اس کی بارگاہ عا میں منازعت اور مقابلہ کا تصور بھی ممکن نہیں اب آگے فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق اللہ ہی کی تسبیح و تقدیس کرتی ہے سات آسمان اور زمین اور جو کوئی فرشتہ اور جن اور انس ان میں ہے سب اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور انہی پر کیا انحصار ہے کوئی شے بھی ایسی نہیں کہ جو خدا کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو یعنی ہر چیز سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم پڑھی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں وہ عالم ہی دوسرا ہے تم تو صرف اس جہان کی چیزوں کی تسبیح کو سنتے ہو اور سمجھتے ہو جو تمہاری بولی میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے نباتات اور جمادات میں بھی ایک قسم کا علم اور شعور رکھا ہے جس کے ادراک سے ہماری عقلیں قاصر ہیں ہمیں اللہ تعالیٰ کی خبر کے مطابق اس پر ایمان لانا چاہئے اور اس کے علم کو اللہ کے سپرد کرنا چاہئے۔ پہاڑوں کا اور پرندوں کا داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح پڑھنا قرآن کریم میں مذکور ہے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَسَبِّحْ تَامَع دَاوُدَ الْجَبَّالِ يُسَبِّحُن وَالظُّلُمِ﴾

اور صحیح بخاری میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ طعام کی تسبیح سنا کرتے تھے اور ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چند کنکریاں اپنی مٹھی مبارک میں لے لیں مجلس میں ان کی تسبیح سنی گئی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہوتی ہے اور پھر ایسے ہی حضرت ابو بکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں میں سنی گئی۔ حاضرین مجلس کا سنگریزوں کی تسبیح کو اپنے کانوں سے سننا بطور خرق عادت تھا۔ حضور پر نور ﷺ کے اعتبار سے معجزہ تھا اور ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے اعتبار سے کرامت تھی اور کرامت میں عموم نہیں ہوتا ایسے خوارق کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر ظاہر فرماتا ہے۔

مسئلہ:..... تسبیح نباتات و جمادات کے بارے میں علماء کے دو قول تو یہ ہے کہ زندہ چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے لکڑی اور شاخ جب تک درخت پر رہے اس وقت تک تسبیح کرتی ہے اور شاخیں اور پتے درخت سے علیحدہ ہونے کے بعد تسبیح نہیں کرتے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ہر چیز خواہ جاندار ہو یا بے جان اس کی تسبیح کرتی ہے جیسا کہ ستون جنانہ کی روایت مشہور اور متواتر ہے اور تمام صحاح میں مذکور ہے اور آیات اور احادیث کے عموم سے بھی قولی راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ جمادات اور نباتات بولتے ہیں اور بزبان قال، اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو عام طور سنانی نہیں دیتی مگر کبھی بطور خرق عادت اور بطریق کرامت سنی بھی گئی ہے جیسا کہ گزر اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اپنی اپنی زبان میں اس کی تسبیح بیان کرتی ہے جو اس کی زبان کو نہیں سمجھتا وہ اس کی تسبیح کو کیا سمجھتے۔

بذکرش ہر چہ بنی در خروش است      ولے داند دریں معنی کہ گوش است  
نہ بلبل بر گلش تسبیح خوان است      کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانت  
اور جو بے خبر ہے وہ ان آیات اور احادیث میں تاویل کرتا ہے۔

چوں ندارد جان تو قدیلہا      بہر بینش کردہ تاویلہا

بے شک خدا تعالیٰ بڑا بردبار اور آمرزگار ہے گستاخانہ کلمات پر فوراً نہیں پکڑتا اور توبہ کرنے والے کو معاف کر دیتا ہے۔

ہیں مشو مغرور بر حلم خدا دیر گیرد سخت گیرد مر ترا  
یہاں تک تو مشرکین کی توحید اور قرآن سے نفرت اور وحشت کو بیان فرمایا اب آئندہ آیت میں بھی ان کی نفرت اور  
ان کی استہزاء اور عیب جوئی کو بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ﷺ جب آپ ﷺ بغرض دعوت و تبلیغ ان  
کے سامنے قرآن پڑھتے ہیں تو ہم تیرے درمیان اور ان کے درمیان جو اس عالم دنیا کے علاوہ عالم آخرت کو نہیں مانتے ایک  
پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں کہ آپ ﷺ جو کچھ پڑھتے ہیں یا کہتے ہیں وہ ان کے دلوں تک نہیں پہنچتا اور وہ حجاب (پردہ)  
حق اور ہدایت کے لیے ستر بھی ہے اور مستور بھی ہے یعنی ایسا پوشیدہ ہے کہ وہ کسی کو بھی نظر نہیں آتا وہ عجیب پردہ ہے کہ  
کافروں، دران کی ہدایت کے درمیان حائل ہے اور وہ ایسا پوشیدہ ہے کہ عام نظریں اس کو دیکھ نہیں سکتیں۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن تو آفتاب کی طرح روشن ہے لیکن ان لوگوں کی آنکھوں پر عناد کا پردہ پڑا ہوا ہے اور پردہ  
کے علاوہ یہ لوگ اندر سے حق سے آنکھیں بھی بند کئے ہوتے ہیں اور گمراہی کی اندھیری کوٹھڑی میں دروازے بند کئے بیٹھے  
ہوتے ہیں تو آفتاب ہدایت کی روشنی ان کو کس طرح پہنچے۔ اگر ان لوگوں کو آخرت کا یقین ہوتا اور انجام کی فکر ہوتی تو دیکھنے کی  
کوشش کرتے ان لوگوں کی دنیا کے لیے تو آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اور آخرت سے بند کئے بیٹھے ہیں اور منجانب اللہ یہ پردہ ان کی  
نفرت اور وحشت کی سزا ہے۔ یعنی ان کی تنفر اور تمسخر کی سزا میں ان کے اور ہدایت کے درمیان ڈال دیا گیا تاکہ ہدایت ان  
کے دلوں تک نہ پہنچ سکے اور بعض مفسرین نے اس آیت کی دوسری تفسیر کی ہے وہ یہ کہ اے نبی ﷺ جب آپ قرآن پڑھتے  
ہیں تو بعض کافر آپ ﷺ کی قراءت سن کر آپ ﷺ کو ستانے اور مارنے کے لیے آپ ﷺ کے پاس جاتے ہیں تو حق  
تعالیٰ آپ ﷺ کے اور ان کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیتا ہے اور وہ آپ ﷺ کو ان ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔  
چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جب سورۃ ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ﴾ نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی ایک پتھر لے کر حضور پر  
نور ﷺ کو مارنے کے ارادہ سے آئی اس وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس موجود تھے اس نے ہر چند ادھر ادھر دیکھا مگر  
آنحضرت اس کو نظر نہ آئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ مردار آئی ہے اور پتھر اس کے ہاتھ میں ہے ایسا نہ ہو کہ  
آپ ﷺ کو دیکھے اور یہ پتھر آپ ﷺ کے مارے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ مجھے نہیں دیکھے گی۔ میرے اور اس کے درمیان  
ایک فرشتہ حائل ہو گیا ہے پس یہ آیت ان خاص کافروں کے لیے نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ کا قرآن سن کر آپ ﷺ کو  
ستانے آپ ﷺ کے پاس جاتے تھے۔ مگر وہ آپ ﷺ کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ان کی نظروں سے  
پوشیدہ رکھتا۔ اس قول کی بناء پر یہ آیت تو خاص آنحضرت ﷺ کے حق میں ہوگی اور آئندہ آنے والی آیت یعنی ﴿وَجَعَلْنَا  
عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ آكِنَّةً﴾ تمام کافروں کے حق میں ہوگی اور پہلے قول کی بنا پر آنے والی آیت گزشتہ آیت کی تفسیر ہوگی اور  
مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ان کافروں کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ قرآن کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں  
بڑی گراں بار ڈاٹ لگا رکھی ہے کہ وہ حق کو نہ سن سکیں۔ کیونکہ الفاظ قرآنی اگر کسی طرح کان میں پہنچ جائیں تو اس بات کا  
امکان ہے کہ ان کے الفاظ کے معنی ان کے دلوں میں پہنچ جائیں اور منشاء خداوندی یہ ہے کہ یہ مسخرے نور ہدایت سے فیض  
یاب نہ ہوں اس لیے آنکھوں اور دلوں پر پردے ڈال دیئے اور کانوں میں ڈاٹ لگا دی اور یہ اس کے مستحق ہیں کیونکہ ان کی



وحشت و نفرت کا یہ حال ہے کہ جب آپ ﷺ قرآن میں صرف اپنے یکتا پروردگار کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی وحدانیت کے دلائل اور براہین بیان کرتے ہیں مثلاً لا الہ الا اللہ کہتے ہیں یا آیات توحید پڑھتے ہیں تو نفرت سے پشت پھیر کر بھاگ جاتے ہیں یعنی قرآن کو سن کر وحشیانہ طریق سے بھاگتے ہیں کہ کہیں کوئی بات کان میں نہ پڑ جائے۔ خدا وحدہ لا شریک کے ذکر سے بدکتے ہیں اور پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں ہاں اگر کسی طرح سے ان کے بتوں کا تذکرہ آجائے تو بہت خوش ہوتے ہیں

کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَإِذَا دُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ. وَإِذَا دُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ﴾ ہم خوب جانتے ہیں کہ جس غرض اور جس نیت سے وہ قرآن سنتے ہیں جب وہ تیری طرف کان لگاتے ہیں یعنی ہمیں معلوم ہے کہ اگر کسی وقت یہ لوگ آپ ﷺ کا قرآن سنتے ہیں تو بغرض استہزاء و عیب جوئی سنتے ہیں تاکہ اس میں کوئی عیب نکال سکیں اور ہم خوب جانتے ہیں اس وقت کو جب کہ وہ لوگ آپ ﷺ کے بارہ میں اور قرآن کے بارے میں سرگوشی کرتے ہیں یعنی باہم مشورہ کرتے ہیں کہ کس طرح لوگوں کے دلوں میں سے قرآن کے اعتقاد اور میلان کو دور کریں۔ جب یہ ظالم مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ نہیں پیروی کرتے ہو تم مگر ایسے شخص کی جس پر جادو کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے اس کی عقل زائل ہو گئی ہے یعنی کافر مسلمانوں کو حضور پر نور ﷺ سے برگشتہ کرنے کے لیے یہ کہتے تھے کہ تم ایسے شخص کے تابع دار بن گئے ہو جس پر کسی نے جادو کر دیا ہے اور جادو سے اس کی عقل مطلوب ہو گئی ہے اس لیے یہ عجیب عجیب باتیں کرتا ہے۔ دیکھ لیجئے کہ ان گمراہوں نے تیرے لیے کیسی کہاوتیں بنائیں اور تجھ پر کیسی کیسی پھبتیاں اڑائیں کسی نے ساحر کہا کسی نے شاعر۔ کسی نے کاہن اور کسی نے مجنون جس وقت جو منہ میں آیا بک دیا پس ان بے سرو پا باتوں کے کہنے سے خود گمراہ ہوئے کہ علم و حکمت اور نصیحت اور موعظت کی باتوں کو سحر اور جنون بتلانے لگے۔ حالانکہ جو علوم و معارف آپ ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے نکل رہے ہیں اور جن کو یہ اپنے کانوں سے سن رہے ہیں یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں جو کچھ بول رہے ہیں وہ اللہ کی تعظیم اور القاء سے بول رہے ہیں مگر چونکہ ان لوگوں کا عناد حد سے گزر چکا ہے اس لیے یہ لوگ اب راہ راست کو نہیں پاسکتے جب تک ضد اور عناد کی پٹی آنکھوں پر بندھی رہے گی اس وقت تک راہ راست کا نظر آنا ممکن نہیں۔

وَقَالُوا إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرَفَاتًا إرَائِنَا لِمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ﴿۱۵﴾ قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ

اور کہتے ہیں کیا جب ہم ہو جائیں ہڈیاں اور چورا چورا پھر انھیں گے نئے بن کر فلا تو کہہ تم ہو جاؤ پتھر یا اور کہتے ہیں، کیا جب ہم ہونگے ہڈیاں اور چورا؟ کیا ہم پھر انھیں گے نئے بن کر۔ تو کہہ تم ہو جاؤ پتھر یا

حَدِيدًا ﴿۱۶﴾ أَوْ خَلْقًا مِمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ ۖ فَسَيَقُولُونَ مَن يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِينَ

لوا یا کوئی خلقت جس کو مشکل سمجھو اپنے جی میں فلا پھر اب کہیں گے کون لوہا۔ یا کوئی خلقت جو مشکل لگے تمہارے جی میں، پھر اب کہیں گے، کون

فلا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر و جنون یا شاعر و کاہن وغیرہ کی مثالیں چسپاں کرنا تو تعجب انگیز تھا ہی، اس سے زیادہ قابل تعجب وہ دلیل ہے جو (معاذ اللہ) سحر و جنون ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے تھے جس کا خلاصہ یہ تھا کہ موت کے بعد ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ آدمی کا بدن گل سرور سفید ہڈیاں راہ جاتی ہیں تھوڑے دنوں بعد وہ مٹی راجہ راجہ ہو کر مٹی میں مل جاتی ہیں۔ کیا کوئی ذی ہوش یہ تجویز کر سکتا ہے کہ یہ ہڈیوں کا چورہ اور خاک کے ریزے دوبارہ جی انھیں گے؟ اور انسانی حیات ان =

فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ قُلْ عَسَى أَنْ

لونا کر لائے گا ہم کو کہہ جس نے پیدا کیا تم کو پہلی بار فلا پھر اب مذاکریں کے تیری طرف اپنے سر اور کہیں گے کب ہو گا یہ فلا تو کہہ شاید  
النے گا ہم کو؟ کہہ جس نے بنایا تم کو پہلی بار۔ پھر اب مذاکریں کے تیری طرف اپنے سر اور کہیں گے کب ہے وہ؟ تو کہہ، شاید

يَكُونَ قَرِيبًا ۝ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِئْتُمْ إِلَّا

نزدیک ہی ہو گا فلا جس دن تم کو پکارے گا پھر چلے آؤ گے اس کی تعریف کرتے ہوئے فلا اور اٹھ کر دو گے کہ دیر نہیں لگی تم کو مگر  
نزدیک ہی ہو گا۔ جس دن تم کو پکارے گا، پھر چلے آؤ گے سراہتے اس کو، اور اٹھو (گمان کرو گے) گے کہ دیر نہیں لگی تم کو مگر

قَلِيلًا ۝

تھوڑی ذرا

تھوڑی۔

اثبات معاد

قَالَ الْإِنشَاءِيُّ: «وَقَالُوا إِعْرَافًا إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرَفَاتًا... إِلَى... إِنَّ لَبِئْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا»

رابطہ:..... گزشتہ آیات میں البہیات اور نبوات کے متعلق کلام فرمایا اب ان آیات میں منکرین قیامت کا ایک شبہ نقل کر کے  
= منتشر ذرات میں عود کر آئے گی؟ اگر پتھر ایسی ناممکن بات کی خبر دیتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ (العیاذ باللہ) ان کی دماغی صحت بحال نہیں ہے۔

فلا یعنی یہ ریزے اور چوڑا تو بہر حال انسانی لاش کا ہے جس میں پیشتر زندگی رہ چکی ہے۔ اور خود مٹی کے ذرات میں بھی آثار حیات کا پیدا ہو جانا چنداں مستبعد  
نہیں۔ میں اس سے بڑھ کر تم کو اجازت دیتا ہوں کہ ہڈیوں کا چورا نہیں، اگر ممکن ہو تو پتھر یا لوہا بن جاؤ۔ جو آثار حیات کے قبول کرنے سے بالکل محروم نظر آتے  
ہیں، بلکہ کوئی ایسی سخت چیز بن کر تجر یہ کر لو جس کا زندہ ہونا لو ہے اور پتھر سے بھی زیادہ مشکل معلوم ہوتی کہ مجسم موت بن کر دیکھ لو کہ پھر بھی اس قادر مطلق کو تمہارا زندہ  
کر دینا کس قدر آسان ہے۔

فلا جس نے پہلی بار تم کو مٹی یا لطف سے پیدا کیا اور جہاد لایعقل پر روح انسانی فائض کر دی۔ کیا اب اس میں قدرت نہیں رہی کہ خاک کے ذرات اور مردہ لاش  
کے اجزاء کو جمع کر کے دوبارہ زندگی عنایت کر دے۔

فلا یعنی استہزاء و تمسخر سے سراہا کر کہتے ہیں کہ ہاں صاحب! بوسیدہ ہڈیوں کے ریزوں میں کب جان پڑے گی۔ اور کب مردے قبروں سے حساب کے لیے  
اٹھائے جائیں گے۔

فلا یعنی قیامت کا ٹھیک وقت حق تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا ہاں اس کے مستقبل قریب میں آنے کی تم امید ظاہر کر سکتے ہو گویا دنیا کی بقیہ عمر اس سے کم ہے جتنی  
گزر چکی ہے۔

فلا یعنی جس وقت خدا کی طرف سے آواز دی جائے گی ایک ڈانٹ میں سب مردے زمین سے نکل کر میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے کسی کو سرتابی کی مجال نہ  
ہوگی۔ ہر ایک انسان اس وقت مطیع و منقاد ہو کر خدا کی حمد و ثنا کرتا ہو حاضر ہو گا گو کافر کو اس وقت کی اضطرابی حمد و ثنا سے کچھ فائدہ نہیں۔ بعض روایات میں ہے  
کہ زمین کی زبان پر یہ الفاظ ہوں گے۔ "الحمد لله الذي اذهب عنا الحزن"

فلا یعنی اب ثوابی کرتے ہو، اس وقت اندازہ کرو گے کہ دنیا میں کچھ زیادہ دیر نہیں رہے تھے۔ پچاس سو برس ان ہزاروں برسوں کے سامنے کیا معلوم ہوں  
(سورح القرآن) بعض نے کہا کہ شدت ہول و خوف سے دنیا کی زندگی تھوڑی معلوم ہوگی۔ یا لطف اول اور نوحہ ثانی کے درمیان چونکہ عذاب نہ رہے گا، اس  
درمیانی مدت کو قلیل خیال کر کے کہیں گے۔ «مَنْ يَتَّقْنَا مِنْ قَرِيبٍ»

اس کا جواب دیتے ہیں منکرین قیامت یہ کہا کرتے تھے کہ جب آدمی مر جائے گا اور گوشت پوست اس کا گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گا تو پھر وہ کیسے زندہ ہوگا اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ یہ نوبت آسان ہے جس خدا نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اس خدا کو تمہارا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

مرنے کے بعد تمہارے اجزاء خواہ ہوا میں اڑ جائیں یا آگ میں جل جائیں یا مٹی میں مل جائیں اللہ تعالیٰ کے خزانہ علم اور احاطہ قدرت سے باہر نہیں جاسکتے جس قادر مطلق نے پہلی مرتبہ تمہارے بدن کے اجزاء منفردہ کو جمع کر کے یعنی نطفہ سے تمہارا پتلا تیار کیا وہ دوبارہ ان اجزاء منفردہ کو جمع کر کے تمہارا پتلا تیار کرنے پر قادر ہے۔

قطرہ کو در ہوا شد یا کہ ریخت از خزینہ قدرت تو کے گریخت

اور جب وہ اس دلیل قطعی سے لاجواب ہوتے ہیں تو سر ہلا کر پوچھتے ہیں ﴿مَلْنٰی ھُوَ﴾ اچھا پھر وہ قیامت کب آئے گی اس کا جواب یوں دیا گیا کہ عنقریب آنے والی ہے مگر اس کے آنے کا وقت نہیں بتایا گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جس طرح یہ لوگ قرآن اور نبی سے نفور اور بیزار ہیں اور اس کا تمسخر کرتے ہیں اسی طرح یہ لوگ آخرت کے بھی منکر ہیں اور بطور استہزاء

و تمسخر یہ کہتے ہیں کہ بھلا جب ہم مرنے کے بعد ہڈیاں اور چورا چورا ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی پیدائش سے دوبارہ زندہ کیے جائیں گے مطلب یہ ہے کہ اس منکر کا یہ کہنا کہ مرنے پیچھے زندہ ہوگا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص مسحور ہے اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے جس سے اس کی عقل جاتی رہی اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ہڈیوں کی دوبارہ زندگی کو بعید از

عقل سمجھتے ہو اچھا تم سختی میں پتھر اور قوت اور وزن میں لوہا بن جاؤ جن میں حیات کے قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں یا کوئی اور مخلوق ہو جاؤ جو تم کو ہاتھ کے دبانے سے بڑی معلوم ہو تب بھی تم ضرور زندہ کیے جاؤ گے مطلب یہ ہے کہ تم ہڈیوں کو دوبارہ جوڑنے اور زندہ کرنے کو بعید از عقل سمجھتے ہو حالانکہ وہ ایک عرصہ دراز تک محل حیات رہ چکی ہیں۔ پس اگر بالفرض تم پتھر یا لوہا

وغیرہ جن کو دنیا میں روح اور حیات سے تعلق نہیں اگر ہو سکتے ہو تو ہو جاؤ تب بھی اللہ تعالیٰ تم کو دوبارہ زندہ کرے گا جس خدا نے پہلی بار ہڈیوں میں حیات پیدا کی اسے ان میں دوبارہ حیات پیدا کرنا کیا مشکل ہے تم جو چاہو ہو جاؤ ضرور دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے پس قریب ہے کہ یہ سن کر وہ یہ کہیں گے کہ مرنے کے بعد ہم کو دوبارہ کون پیدا کرے گا آپ ﷺ جواب میں کہہ دیجئے

وہی جس نے پہلی بار تم کو پیدا کیا تھا وہ تمہارے دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہو اس کی قدرت کاملہ جیسے پہلے تھی ویسی ہی اب بھی ہے۔ اور تمہاری فطرت اور قابلیت اور صلاحیت بھی ویسی جیسے پہلی تھی۔ اللہ کی قدرت کے اعتبار سے گوشت اور پوست اور لوہا اور پتھر اور ماضی اور حال اور استقبال سب برابر ہیں پس اس پر یہ لوگ استہزاء اور تمسخر سے تیری طرف اپنے سر

مٹکائیں گے اور سر ہلا ہلا کر کہیں گے کہ اچھا یہ بتائیے کہ یہ دوبارہ زندہ ہونا کب ہوگا آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ شاید وہ قریب ہی ہو اس کو دور نہ سمجھو دنیا بھی چند روزہ ہے اور تمہاری زندگی بھی چند روزہ ہے جب انسان مر گیا تو اس کی قیامت تو آگئی اور اس نے اپنی قیامت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی خوب سمجھ لو کہ جو چیز آنے والی ہے وہ قریب ہے پہلے ہی سے اس کی فکر کر لو اور یہ واقعہ اس روز ہوگا جس دن اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری قبروں میں سے زندہ کر کے نکالے گا اور میدان حشر کی طرف تم کو

پکارے گا اور بلائے گا تو تم اس آواز کو سنتے ہی اضطرابی طور پر خدا کی حمد و ثنا کرتے ہوئے میدان حشر میں جمع ہو جاؤ گے کسی

کو سرتابی کی مجال نہ ہوگی اور جس چیز کو اس وقت مجال بتا رہے ہو اس وقت اس کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لو گے۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگ قبروں سے سبحانک اللہم وبحمدک کہتے ہوئے نکلیں گے مگر کافر کو اس حمد و ثناء سے کوئی فائدہ نہ ہوگا اس لیے اس کا یہ کہنا اضطرابی طور پر جبراً و قہراً ہوگا اور گمان کر دو گے کہ ہم نہیں ٹھہرے دنیا میں یا قبر میں مگر بہت تھوڑا اور حیران اور پریشان ہو کر باہم گفتگو کریں گے کہ ہم دنیا میں کس قدر ٹھہرے ﴿فِي نَفْسِهِ﴾ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِئُوا غَيْرَ سَاعَةٍ ﴿۱۵﴾ مجرمین قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم ایک ساعت سے زیادہ نہیں ٹھہرے پس غفلت کو چاہئے کہ اس تھوڑی سی زندگی کو اس دائمی زندگی کے لیے صرف کرے تاکہ اس دن حسرت اور ندامت کی ذلت میں مبتلا نہ ہو۔

بدنیا توانی کہ عقبی خری      بخرجان من ورنہ حسرت بری  
کے گوئے دولت زد دنیا سپرد      کہ بانود نصیبی بہ عقبی سپرد

وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ ۗ إِنَّ الشَّيْطَانَ

اور کہہ دے میرے بندوں کو کہ بات وہی کہیں جو بہتر ہو شیطان جھڑپ کرواتا ہے ان میں شیطان ہے اور کہہ دے میرے بندوں کو، بات وہی کہیں جو بہتر ہو۔ شیطان جھڑپواتا ہے آپس میں۔ شیطان ہے

كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿۱۶﴾ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ ۗ إِنَّ يَشَأْ يَرْحَمَكُمُ أَوْ إِن يَشَأْ

انسان کا دشمن صریح و تمہارا رب خوب جانتا ہے تم کو اگر چاہے تم پر رحم کرے اور اگر چاہے انسان کا بے شک دشمن صریح۔ تمہارا رب بہتر جانتا ہے تم کو۔ اگر چاہے تم پر رحم کرے اور اگر چاہے

يُعَذِّبَكُمُ ۗ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكَيْلًا ﴿۱۷﴾ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمَوَاتِ

تم کو عذاب دے گا اور تمہارے لیے کھیلنے والا ہے اور تیرا رب خوب جانتا ہے ان کو جو آسمانوں میں ہیں تم کو مار (سزا) دے۔ اور تمہارے لیے کھیلنے والا۔ اور تیرا رب بہتر جانتا ہے جو کوئی ہے آسمانوں میں

وَالْأَرْضِ ۗ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ ۖ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ﴿۱۸﴾ قُلْ ادْعُوا

اور زمین میں اور ہم نے افضل کیا ہے بعضے پیغمبروں کو بعضوں سے اور دی ہم نے داؤد کو زبور ﴿۱۸﴾ کہہ پکارو اور زمین میں۔ اور ہم نے زیادہ کیا ہے بعضے نبیوں کو بعضوں سے، اور دی ہم نے داؤد کو زبور۔ کہہ پکارو ﴿۱۸﴾ مشرکین کی جہالت اور طعن و تمسخر کو سن کر ممکن تھا کوئی مسلمان نصیحت و فہمائش کرتے وقت تنگ دلی برتنے لگے اور سختی پر اتر آئے اس لیے مسلمانوں کو نصیحت فرمانی کہ مذاکرہ میں کوئی سخت دل آزار اور اشتعال انگیز پہلو اختیار نہ کریں۔ کیونکہ اس سے جہالتی فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔ شیطان دوسرے کو ابھار کر لڑائی کراتا ہے۔ پھر معاملہ کے دل میں ایسی ضد و عناد قائم ہو جاتی ہے کہ سمجھتا ہوتا بھی نہ سمجھے۔

﴿۱۸﴾ یعنی رحم کرے ایمان کی توفیق دے کہ یا عذاب دے حالت کفر پر مار کر۔

﴿۱۹﴾ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "مذاکرہ میں حق والا جھجھکا لے لگتا ہے کہ دوسرا صریح حق کو نہیں مانتا، سو طرف مادیاً کہ تم ان کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے جس کو چاہے راہ بھٹائے۔"

﴿۲۰﴾ یعنی ہم اپنے ظلم و جبر کے موافق ہر ایک کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں۔ جس کو مناسب مانا آدیں میں سے پیغمبر بنایا۔ پھر جس پیغمبر کو چاہا دوسرے پیغمبروں =

الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ﴿۱۵۱﴾ أُولَٰئِكَ

جن کو تم سمجھتے ہو سوائے اس کے سو وہ اختیار نہیں رکھتے کہ کھول دیں تکلیف کو تم سے اور نہ بدل دیں فلا وہ لوگ جن کو سمجھتے ہو سوا اس کے، سو نہیں اختیار رکھتے کہ تکلیف کھول دیں تم سے، نہ بدل دیں۔ وہ لوگ

الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ

جن کو یہ پکارتے ہیں وہ خود ڈھونڈتے ہیں اپنے رب تک وسیلہ کو نہ مانندہ بہت نزدیک ہے ﴿۱۵۲﴾ اور امید رکھتے ہیں اس کی مہربانی کی اور ڈرتے ہیں جن کو یہ پکارتے ہیں، ڈھونڈتے ہیں اپنے رب تک وسیلہ، کہ کون بندہ بہت نزدیک ہے اور امید رکھتے ہیں اس کی مہربانی، اور ڈرتے ہیں

عَذَابَهُ ۗ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ﴿۱۵۳﴾ وَإِنْ مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ

اس کے عذاب سے بچک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے ﴿۱۵۴﴾ اور کوئی بستی نہیں جس کو ہم خراب نہ کر دیں گے اس کی مار سے۔ بے شک تیرے رب کی مار ڈرنے کی چیز ہے۔ اور کوئی بستی نہیں جس کو ہم نہ کھیاویں گے

الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا ۗ كَانَ فِي ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ﴿۱۵۵﴾ وَمَا مَنَعَنَا

قیامت سے پہلے یا آفت ڈالیں گے اس پر سخت آفت ﴿۱۵۶﴾ یہ ہے کتاب میں لکھا گیا ہے اور ہم نے اس لیے قیامت سے پہلے یا آفت ڈالیں اس پر سخت آفت۔ یہ ہے کتاب میں لکھا گیا۔ اور ہم نے اس سے

= ہلکی یا جزئی فضیلت عنایت کی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں "یعنی بعضے نبی تھے کہ (امت کی حد سے زیادہ شرارتوں پر آخراں) جھجھلا گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حوصلہ ان سے زیادہ رکھا ہے۔ (اور سب پر فضیلت دی ہے، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش اخلاقی اپنے مرتبہ عالی کے موافق ہونی چاہیے) اور خصوصیت سے داؤد علیہ السلام کا ذکر کیا۔ کیونکہ دونوں چیزیں رکھتے تھے، جہاد بھی اور زبور بھی، لہذا ان کے وفی الحدیث کان لا یغفر إذا لاقی وہ دونوں باتیں یہاں بھی ہیں "قرآن اور جہاد۔ بعض نے کہا کہ یہاں "زبور" کا ذکر کر کے حضور کی فضیلت کیا اور امت محمدیہ کے فضل و شرف کی طرف اشارہ فرما دیا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم الانبیاء اور اس امت کے اشرف الامم ہونے پر زبور شریف کے مناسبتیں مشکل تھے۔ ﴿وَلَوْ لَقَدْ كُنْتُمْ فِي الزُّبُورِ مِنَ الْغَاثِ الْبَاطِلِ لَآتَيْنَاكُمْ آيَاتًا فَذَكَّرْتُمْ﴾

فَلَا يَعْزُبُ عَنْهُمْ مَغِيظٌ وَلَا نَعِيمٌ ﴿۱۵۶﴾ یعنی خدا تو وہ ہے کہ جس کو چاہے عذاب دے جس پر چاہے مہربانی فرمائے، جس کو جس قدر چاہے دوسروں پر فضیلت عطا کرے، اس کی قدرت کاملہ اور علم عظیم ہے۔ اب ذرا مشرکین ان ہستیوں کو پکارتے ہیں جن کو انہوں نے خدا سمجھ رکھا یا بنا رکھا ہے۔ کیا ان میں ایک بھی ایسا مستقل اختیار رکھتا ہے کہ ذرا ہی تکلیف کو تم سے دور کر سکے یا ہلکی کر دے یا تم سے اٹھا کر کسی دوسرے پر ڈال دے۔ پھر ایسی ضعیف و عاجز مخلوق کو معبود ٹھہرا لینا کیسے روا ہوگا۔

فَلَا يَعْزُبُ عَنْهُمْ مَغِيظٌ وَلَا نَعِيمٌ ﴿۱۵۶﴾ میں روایت ہے کہ کچھ لوگ جاہلیت میں جنات کی عبادت کرتے تھے۔ وہ جن مسلمان ہو گئے اور یہ پوجنے والے اپنی جماعت پر قائم رہے۔ ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ جن ملائکہ صبح و عرو وغیرہ کے پوجنے والے سب اس میں شامل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جن ہستیوں کو تم معبود و مستعان سمجھ کر پکارتے ہو، وہ خود اپنے رب کا ہمیشہ از ہمیشہ قرب تلاش کرتے ہیں۔ ان کی داد و دوش صرف اس لیے ہے کہ خدا کی نزدیکی حاصل کرنے میں کون آگے نکلتا ہے، ان میں جو زیادہ مقرب ہیں وہ ہی زیادہ قرب الہی کے غالب رہتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ کسی سب سے زیادہ مقرب بندہ کی دعاء وغیرہ کو حصول قرب کا وسیلہ بنائیں۔ پس جب تمہارے تجویز کیے ہوئے معبودوں کا خدا کے سامنے یہ حال ہے تو اپنے تئیں خود فیصلہ کر لو کہ خدا تعالیٰ کو خوش رکھنا کہاں تک ضروری ہے۔ غیر اللہ کی پرستش سے خدا خوش ہوتا ہے نہ وہ جنہیں تم خوش رکھنا چاہتے ہو

(تفسیر) "توسل" اور "تعبد" میں فرق ظاہر ہے۔ پھر توسل بھی اسی مد تک مشرک ہے جہاں تک شریعت نے اجازت دی۔

﴿۱۵۷﴾ یعنی باوجود غایت قرب کے ان کی امیدیں محض حق تعالیٰ کی مہربانی سے وابستہ ہیں اور اسی کے عذاب سے ہمیشہ لرزاں و درساں رہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ہر قسم کا نفع پہنچانا، یا ضرر کو روکنا ایک خدا کے قبضہ میں ہے۔

أَنْ تُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوْلُونَ ۖ وَآتَيْنَا مُوسَىٰ الْثَقَاةَ مُبْصِرَةً فظلموا

موقوف کیں نشانیاں بھیجی کہ ان کو جھٹلایا نہ اور ہم نے دی ثمود کو اونٹنی ان کے سمجھانے کو پھر علم کیا موقوف کیں نشانیاں بھیجی، کہ ان کو جھٹلایا۔ اور ہم نے دی ثمود کو اونٹنی سوچھانے کو، پھر اس کا حق

بِهَا ۖ وَمَا تُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا ﴿۵۹﴾ وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ ۖ وَمَا

اس پر قرآن اور نشانیاں جو ہم بھیجتے ہیں سو ڈرانے کو قرآن اور جب کہہ دیا ہم نے تجھ سے کہ تیرے رب نے گھیر لیا ہے لوگوں کو قرآن اور وہ نہ مانا۔ اور نشانیاں جو ہم بھیجتے ہیں سو ڈرانے کو۔ اور جب کہہ دیا ہم نے تجھ سے کہ تیرے رب نے گھیر لیا لوگوں کو۔ اور وہ

قرآن اس آیت کا مطلب بھی طرح لیا جاسکتا ہے (الف) دنیا کی ہر ایک بستی کو عظیم الشان مٹانوں کی پاداش میں قیامت سے پہلے پہلے عذاب متناہی کرنا یا تباہ و خراب کر دیا جائے گا، یا اگر گناہ انتہائی درجہ کے نہ ہوں گے تو درجہ دوم کے جرائم کی سزا میں عام ہلاکت سے کم کوئی سخت آفت اس بستی پر نازل کی جائے گی۔ باقی ایسی بستی کہاں ہے جو ازل سے ابد تک نہ گناہ کرے نہ کسی آفت میں بھنسنے (ب) قیامت سے پیشتر ضروری ہے کہ ہر ایک بستی طبعی موت پر جو تعذیب کے رنگ سے خالی ہو، لفظ "ہلاکت" کا اطلاق قرآن و حدیث سے ثابت ہے ﴿حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قَلْبُهُ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا﴾ و فی الحدیث كَلَّمْنَا هَلْكَ نَبِيٍّ جَاءَ نَبِيٌّ آخِرٌ (ج) کفار کی ہر ایک بستی یا قیامت سے پہلے اپنے سنگین جرائم کی پاداش میں نابود و تباہ کر دی جائے گی یا کسی نہ کسی وقت (یعنی قیامت سے پہلے یا بعد) سخت عذاب کا مزہ چکھے گی۔ بہر حال کوئی معنی لیے جائیں، مقصود اس آیت سے تمخیز ہے۔ گویا پہلے جو فرمایا تھا "إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُومًا" یہاں اس کے وقوع کی خبر دی گئی۔

قرآن یعنی یہ فیصلہ بالکل تمہاری اور اہل ہے جو علم الہی میں طے ہو چکا اور لوح محفوظ میں لکھا گیا۔ کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "ہر شہر کے لوگ ایک بزرگ کو پوجتے ہیں کہ ہم اس کی رعیت میں اور اس کی پناہ میں ہیں، سو وقت آنے پر کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔" "لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ"

قرآن حدیث میں ہے کہ اہل مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چند نشانیاں طلب کیں مثلاً یہ کہ "کوہ صفا کو سونا بنا دینا" یا پہاڑوں کو ہمارے گرد و پیش سے ہٹا کر زراعت کے قابل زمین ہموار کر دینا۔ وغیر ذالک۔ ایسا کر دو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مان لیں گے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی ایسے فرمائشی نشان دکھانا خدا تعالیٰ کو کچھ دشوار نہ تھا۔ لیکن پہلے لوگوں کو ان کی فرمائش کے مطابق نشان دکھائے گئے تب بھی نہ مانے۔ بلکہ سرکشی میں اور ترقی کر گئے۔ آخر سنت اللہ کے موافق اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بالکل نیست و نابود کر دیئے گئے۔ اب اگر تمہاری سب فرمائش پوری کر دی جائیں۔ اور خدا کے علم میں ہے بلکہ تمہارے احوال سے بھی ظاہر ہے کہ تم پھر بھی مانسنے والے نہیں، تو سنت اللہ کے موافق اس کا نتیجہ وہی استیصال و ہلاک کلی ہونا چاہیے جو اس امت کے حق میں خلاف مصلحت و رحمت ہے۔ خدا تعالیٰ کا ارادہ اس آخری امت کی نسبت یہ نہیں کہ گذشتہ اقوام و امم کی طرح عذاب متناہی کرنا یا تباہ کر دیا جائے۔ پہلی امتوں کو فرمائشی نشان دکھانا اس بناء پر جائز رکھا گیا کہ ان کی بالکل تباہی خدا کے نزدیک اس قدر لائق التفات نہ تھی اور آخر میں آنے والی امت کو کچھ نمونے دکھانے تھے کہ فرمائشی نشان مانگنے والوں کا حشر ایسا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس آیت میں ان ہی تاریخی نظائر کی طرف اجمالی اشارہ فرما دیا کہ اگر فرمائشی نشان دیکھنے کے بعد تکذیب کی (اور یقیناً کرو گے) تو جو حشر پہلوں کا ہوا وہی تمہارا ہو گا لیکن حکمت الہیہ مقتضی نہیں کہ تم کو اس طرح تباہ کیا جائے۔ لہذا فرمائشی نشانات کا بھیجا موقوف کیا گیا۔

قرآن قوم "ثمود" نے حضرت صالح سے درخواست کی تھی کہ پہاڑ کی فلاں چٹان میں سے اونٹنی نکال دیجئے۔ خدا نے نکال دی۔ مگر سمجھائے اس کے کہ ایسا فرمائشی معجزہ دیکھ کر آگھیں کھلتیں اور قبی بصیرت حاصل ہوتی اس لئے ظلم و عدوات پر کمر بستہ ہو گئے۔ چنانچہ اونٹنی کو مار ڈالا اور حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کے منصوبے باہر ہونے لگے۔ آخر جو انجام ہوا وہ سب کو مظلوم ہے کہنے کی ضرورت نہیں۔ یہ "أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوْلُونَ" کا ایک نمونہ پیش کر دیا۔

قرآن یعنی ہدایت نشانیاں دیکھنے پر موقوف نہیں۔ غیر معمولی نشانات بھیجنے سے تو مقصود یہ ہے کہ قدرت قاہرہ کو دیکھ کر لوگ خدا سے ڈریں اور ڈر کر اس کی طرف رجوع کریں۔ اگر یہ مقصود حاصل نہ ہو اور فی الحال اس قوم کو تباہ کرنا بھی مصلحت نہیں تو محض فرمائش پورا کرنے سے کیا حاصل ہے۔ ہائی مام تحویف و اذار کے لیے جن آیات و نشانات کا بھیجا مصلحت ہے وہ برابر بھیجے جاتے ہیں۔

قرآن شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا ہو گا کہ فرمائشی نشان نہ دکھلانے پر کفار کو نسنے اور ظلم کرنے کا موقع ملے گا کہ اگر ہمے پیغمبر ہوتے تو ہماری طلب کے موافق =

جَعَلْنَا الرُّعْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ

دکھلادا جو تجھ کو دکھلایا ہم نے سو جانچنے کو لوگوں کے فل اور ایسے ہی وہ درخت جس پر پھٹکار ہے قرآن میں فل دکھلادا جو تجھ کو دکھلایا ہم نے، سو جانچنے کے لوگوں کو، اور وہ درخت جس پر پھٹکار ہے قرآن میں۔

وَمَنْ حَوَّفُهُمْ دَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُعْيَانًا كَبِيرًا ﴿١٥﴾

اور ہم ان کو ڈراتے ہیں تو ان کو زیادہ ہوتی ہے بڑی شرارت فل

اور ہم ان کو ڈراتے ہیں تو ان کو زیادہ ہوتی ہے بڑی شرارت۔

تلقین حسن خطاب با اہل کتاب و جوابات از شبہات مشرکین

قَالَ تَعَالَى: ﴿وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ... اَلِ... اَلَا طُعْيَانًا كَبِيرًا﴾

رابطہ:..... توحید اور قیامت کی حقانیت پر دلائل قائم کر کے مسلمانوں کو تعلیم فرماتے ہیں کہ مخالفین سے جب بحث کی نوبت آئے تو الفاظ نرم ہونے چاہیں کیونکہ سختی سے بسا اوقات سب دشمن کی نوبت آجاتی ہے اور شیطان باہمی نفرت اور عداوت کا ذریعہ بن جاتا ہے اور مخالف ضد پر اتر آتا ہے ایسی حالت میں دعوت و تبلیغ بے سود ہو جاتی ہے۔ بعد ازاں مشرکین کے چند شبہات کے جوابات دیئے جو نہایت نرم ہیں اور باوجود نرم ہونے کے نہایت محکم ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ﷺ!

میرے بندوں یعنی مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ کافروں سے بات چیت کریں تو وہ بات کہیں جو بہت اچھی ہو کفار اگر سخت کلامی کریں تو ان کا جواب نرمی سے دو بے شک شیطان سخت بات زبان سے نکال کر لوگوں میں فساد ڈال دیتا ہے تو اندیشہ ہے کہ سختی کو جواب سختی سے دینے میں جھگڑا بڑھ جائے گا بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ہرگز اس کی بھلائی نہیں چاہتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں شروع شروع میں مسلمان کافروں کو لعن طعن کیا کرتے تھے لہذا فتنہ اور فساد بڑھتا تھا اور عداوت کی بیخ مضبوط ہوتی تھی اور یہ اسلام کی ترقی میں حرج پیدا کرتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ چونکہ یہ آیت سورۃ بنی اسرائیل کی ہے جو مکہ میں نازل ہوئی اس لیے بلحاظ وقت نزول اس آیت میں

نشان دکھلاتے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طعن کیا کہ سب لوگوں کو تیرے رب کے علم و قدرت نے کھیر رکھا ہے نہ کوئی اس کے علم سے باہر ہے نہ قدرت کے نیچے سے نکل کر جاسکتا ہے سب اس کے قبضہ میں ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے طعن و تشنیع کی طرف قطعاً التفات نہ کریں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اپنا کام کیے جائیے اور ان کے فیصلوں کو بالکلہ ہم پر چھوڑ دیجئے۔ ہم جانتے ہیں کہ فرمائشی نشان دیکھ کر بھی یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننے والے نہیں تھے اور اس کے بعد ہماری سزا سے چھوٹ کر نکل بھاگتا بھی ممکن نہ تھا اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ لوگوں میں سے کون فی الحال تباہ کر ڈالنے کے لائق ہیں اور کون لوگوں کا باقی رکھنا مصلحت ہے۔ لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جھنجھٹ میں نہ پڑیں، یہ سب ہمارے محاصرہ میں ہیں آخر مسلمان ہو کر رہیں گے۔

فل "دکھاوے" سے مراد وہ معراج کا نظارہ ہے جس کے بیان سے لوگ جانچے گئے۔ محول نے کن کرمانا اور محول نے جھوٹ جانا۔

فل یعنی "زقوم" کا درخت جسے قرآن میں فرمایا کہ دوزخ والے کھائیں گے۔ ایمان والے یقین لائے اور منکر دل نے کہا کہ دوزخ کی آگ میں بزد درخت کی طرح ہوگا؟ یہ بھی جانچنا تھا۔ ان دو مثالوں سے اندازہ کر لو کہ تصدیق خوارق کے باب میں ان کی طبائع کا کیا حال ہے۔

فل یعنی جن کے دل خدا کے خوف سے خالی ہوں، ڈرانے سے ڈریں نہیں، بلکہ اور زیادہ شرارت میں ترقی کریں ان سے فرمائشی نشان دیکھنے پر قبول حق کی امید رکھنا بے موقع ہے۔

عبادی سے خصوصیت کے ساتھ مہاجرین اولین مراد ہیں جو کفار قریش سے مجاہدہ اور محاصرہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے لفظ عباد کو یاء کی طرف مضاف کر کے عبادی فرمایا یعنی میرے خاص بندے اس میں لطف و کرم خاص ہے مہاجرین اولین کے ساتھ جس کے وہ مورد بنائے گئے وہو المقصود (حضرت شاہ ولی اللہ کے کلام کا ترجمہ ختم ہوا) (ازالۃ الخفاء)

پس اے میرے خاص بندو! تمہیں کافروں کی دعوت اور نصیحت میں شدت و خشونت یعنی سختی کی ضرورت نہیں اس لیے کہ تمہارا پروردگار تم کو خوب جانتا ہے ہر ایک کی صلاحیت اور استعداد کو اور ہر ایک کے انجام کو خوب جانتا ہے اور اپنی مخلوق کا مختار ہے جو چاہے کرے وہ اگر چاہے تو تم پر رحم کرے اور بغیر ناصح کی شدت اور خشونت ہی کے ہدایت دیدے یا اگر چاہے تو تم کو عذاب دے کہ باوجود ناصح کی شدت اور خشونت کے اس کو ہدایت نہ دے اور عذاب دنیاوی یا اخروی سے اسے ہلاک کرے مطلب یہ ہے کہ مشیت خداوندی تم سے پوشیدہ اور مستور ہے اور آپ ﷺ کو اور کسی کو اس کا انجام معلوم نہیں اور ان کی ہدایت آپ ﷺ کے ذمہ نہیں خدا جس کو چاہے ہدایت دے اور اے نبی ﷺ! ہم نے تجھ کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا ہم نے آپ ﷺ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے جو آپ ﷺ کی اطاعت کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو آپ کی نافرمانی کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا آپ ﷺ کا کام یہ ہے کہ ملاطفت اور نرمی سے ان کو تبلیغ اور دعوت اور نصیحت کرتے رہے اور آپ ﷺ ان پر نگہبان نہیں لہذا سختی اور درشتی بے کار ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”مذاکرہ میں حق والا جھنجھلانے لگتا ہے اور دوسرا صریح حق کو نہیں ماننا سو فرما دیا کہ تم ان کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں اللہ بہتر جانتا ہے جس کو چاہے وہ سمجھا دے۔“ (موضح القرآن)

یعنی پیغمبر کا کام یہ ہے کہ اللہ کا پیغام پہنچا دے پھر جو کوئی مانے تو اس کا بھلا ہے اور جو نہ مانے اس کا برا ہے سختی کرنی بے سود ہے۔ لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ دعوت اور نصیحت میں نرمی اور حسن اخلاق کو ملحوظ رکھیں اور کسی کو دوزخی اور جہنمی نہ کہیں کیونکہ خاتمہ کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے کہ ایمان پر ہوگا کہ کفر پر۔

اب آئندہ آیت میں آنحضرت ﷺ کو خطاب فرماتے ہیں کہ تیرا پروردگار خوب جانتا ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے ہر ایک کا حال اور مال جانتا ہے اور جو بات جس کے حق میں مصلحت ہے یا مفسدہ ہے سب جانتا ہے اس لیے لوگوں کو اخلاق اور اعمال اور مال و منال اور حسن و جمال کے اعتبار سے مختلف بنایا اور اس اختلاف اور تفاوت کو باہمی تمایز کا ذریعہ بنایا وہ اپنے علم اور حکمت کے مطابق جس کو چاہتا ہے اپنی نبوت و رسالت کے لیے منتخب کرتا ہے۔ اور بعض کو بعض پر فضیلت دیتا ہے اور البتہ تحقیق ہم نے اپنے اسی علم کے موافق بعض نبیوں کو بعض نبیوں پر فضیلت دی جس کے لیے جو فضیلت چاہی وہ اس کو عنایت کی ابراہیم علیہ السلام کو خلت اور موسیٰ علیہ السلام کو مکالت عطا کی اور عیسیٰ علیہ السلام کو احیاء موتی اور ابراہیم علیہ السلام کو دابرس جیسے معجزات عطا کیے اور داؤد علیہ السلام کو ہم نے زبور عطا کی جو حکمت اور فضل خطاب پر مشتمل تھی اور یہ عطاء زبور ان کی فضیلت کا ذریعہ بنی۔ حالانکہ داؤد علیہ السلام سب بھائیوں میں پست قدر اور لوگوں کی نظروں میں حقیر و فقیر تھے مگر اللہ نے ان کو یہ فضیلت بخشی کہ نبوت و رسالت بھی عطا کی اور اس کے ساتھ بادشاہت بھی عطا کی تاکہ سلطنت و رسالت کا



مؤمن و مددگار اور خدمت گزار ہو۔ غرض یہ کہ بعض پر فضیلت دینا یہ حق تعالیٰ کی سنت قدیم ہے کوئی بدعت نہیں۔ حق تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ پس اگر ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ کو نبوت و رسالت عطاء کی اور آپ ﷺ کو جملہ انبیاء پر فضیلت دی اور ان پر قرآن عظیم اتارا تو اس میں استبعاد اور انکار کی کون سی بات ہے اس آیت میں قریش کے تعجب کا جواب دیا گیا جو یہ کہتے تھے کہ سارے عرب میں خدا کو رسول بنانے کے لیے ابوطالب کا یتیم ہی پسند آیا اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ بزرگی کا دار و مدار مال و دولت پر نہیں بلکہ خدا داد فضائل و شمائل پر ہے جیسا کہ انجیل میں ہے کہ ”جس پتھر کو معماروں نے خراب جان کر پھینک دیا وہی محل کا کنگرہ اور سرا ہوا“۔

نکتہ:..... اور زبور کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ اس سے آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کی امت کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح داؤد علیہ السلام نبوت و رسالت کے ساتھ صاحب سلطنت عظیم بھی تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کے ساتھ سلطنت عظیم بھی عطا فرمائے گا اور داؤد علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ بھی صاحب جہاد ہوں گے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق حدیث میں آیا ہے کان لایفر اذا لاقی یعنی داؤد علیہ السلام جہاد میں کبھی پیچھے نہ ہتے تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے لیے نبوت اور بادشاہت کو ایک کبل میں جمع کرے گا اور پھر آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سرزمین شام و فارس کے وارث اور حکمران ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی خبر دی گئی ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾۔

چنانچہ یہ وعدہ خداوندی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زین ایران و شام کے وارث ہوئے اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت اور بادشاہت سیدنا داؤد علیہ السلام کی خلافت اور بادشاہت کا نمونہ بنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اگرچہ سیدنا داؤد علیہ السلام کی طرف بنی نہ تھے لیکن بلاشبہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما ولی بادشاہ تھے۔ داؤد علیہ السلام کی گدڑی میں نبوت اور خلافت جمع تھی اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے کبل میں ولایت اور خلافت جمع تھی اور جس کبل میں ولایت اور بادشاہت دونوں جمع ہو جائیں تو اسی کا نام خلافت راشدہ ہے اور جو فرماں روافضائل و شمائل میں نبی کا نمونہ اور ہمرنگ ہو تو وہ خلیفہ راشد ہے۔

اے وصف تو در کتاب موسیٰ و اے وصف وے در زبور داؤد  
مقصود توئی ز آفریش باقی بہ طفیل تست موجود

مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام رضی اللہ عنہم جن کو اللہ تعالیٰ نے قسم قسم کے فضائل و شمائل سے عزت بخشی وہ سب اللہ کے عبادت گزار بندے تھے تم کو چاہئے کہ ان کے نقش قدم پر چلو اور ان کو خدا کا برگزیدہ بندہ جانو نہ کہ معبود اس لیے آئندہ آیات میں پھر توحید کا مضمون ذکر فرماتے ہیں۔

### رجوع بسوئے ابطال شرک

مشرکین دلائل توحید سن کر اپنے معبودوں کے فضائل بیان کرتے اور کہتے کہ وہ یہ کر سکتے ہیں اور یہ کر سکتے ہیں حق تعالیٰ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اے نبی ﷺ! آپ ﷺ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ جن کو تم خدا کے سوا معبود

قراردیئے ہوئے ہو جیسے ملائکہ اور جنات ذرا ان کو اپنی کسی تکلیف کو دور کرنے کے لیے پکارو تو سہی دیکھیں تو وہ تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں پس خوب سمجھ لو کہ وہ تم سے کسی تکلیف کے دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس میں کسی تغیر و تبدل کا اختیار رکھتے ہیں کہ تم سے بلا کو نال کر کسی دوسرے پر ڈال سکیں پس جن کو اتنی بھی قدرت نہیں تو پھر کیوں تم ان کو معبود ٹھہراتے ہو اس آیت میں اشارہ اس طرف ہے کہ اہل مکہ جس قحط شدید میں تم اس وقت مبتلا ہو تمہارے یہ معبود اس کو دور نہیں کر سکتے اور معبود برحق وہ ہے کہ جو ایصال منفعت اور دفع مضرت پر اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھیرنے پر قادر ہو اور جن کو تم معبود سمجھتے ہو وہ اس بات پر قادر نہیں معلوم ہوا کہ وہ معبود برحق نہیں اب آئندہ آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ جن کو تم معبود سمجھتے ہو وہ خود خدا کے عبادت گزار بندے ہیں اور اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اس کے قہر سے ڈرنے والے ہیں پھر کہاں سے خدا ہوئے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ گروہ ملائکہ و جنات جن کو مشرکین معبود اور مستعان سمجھ کر اپنی حاجتوں کے لیے پکارتے ہیں انکا حال خود یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار تک پہنچنے کا وسیلہ اور ذریعہ ڈھونڈتے ہیں جیسے عیسیٰ و عزیز علیہ السلام اور ملائکہ کرام سب اللہ کی اطاعت اور عبادت میں مشغول ہیں اور اسی فکر میں ہیں کہ ان میں سے کون خدا کے زیادہ نزدیک <sup>۱</sup> تر اور مقرب بنا ہے یعنی جن ہستیوں کو تم معبود سمجھ کر پکارتے ہو وہ طاعت اور عبادت کے ذریعہ سے پیش از پیش خدا کا تقرب حاصل کرنے کی طمع اور حرص میں لگے ہوئے ہیں اور جیسے کوئی متابعت میں ایک دوسرے سے سبقت چاہتا ہے اسی طرح یہ حضرات عبادات اور طاعات کو وسیلہ بناتے ہیں کہ قرب مزید حاصل ہو اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ امید رکھتے ہیں اس کی رحمت کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے پس جب ان کا یہ حال ہے کہ تو وہ کیسے معبود ہو سکتے ہیں کیا معبود کی یہی شان ہے کہ کسی کے قرب حاصل کرنے کی تلاش میں لگا رہے اور اس کی رحمت کا امیدوار ہو اور اس کے قہر سے فرزاں و ترساں رہے معلوم ہوا کہ وہ کسی نفع اور ضرر کے مالک نہیں پھر معبود کیسے ہوئے اور اے نبی ﷺ! ملائکہ اور جنات کا عذاب خداوندی سے ڈرنا بے جا نہیں۔ بے شک تیرے پروردگار کا عذاب ڈرنے ہی کی چیز ہے اس آیت میں مشرکین کی اس بات کا جواب دیا گیا جو یہ کہتے تھے کہ ہم جنوں کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ سے ہماری سفارش کریں اور دنیاوی مصائب سے ہم کو محفوظ رکھیں اس کا جواب دیا کہ محض غلط ہے وہ ہرگز تمہاری مصیبت کو دفع نہیں کر سکتے۔

علامہ زنجشیری رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ان آیات کی یہی تفسیر فرمائی جو ہم نے ہدیہ ناظرین کی اور بعض مفسرین نے آیت مذکور یعنی ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ﴾ قال ابن الجوزی فی قوله تعالیٰ ﴿أَيُّهُمْ أَقْرَبُ﴾ قولان ذکرهما الزجاج احدھما ان یکون اہم مرفوعا بالا ابتداء وخبرہ اقرب ویکون المعنی یطلبون الوسيلة الی ربهم ینظرون اہم اقرب الیہ فیتوسلون الی اللہ بہ (والثانی) ان یکون اہم اقرب بدلًا من الواو فی ویبتغون فیکون المعنی یتغی اہم اقرب الوسيلة الی اللہ ای یتقرب الیہ بالعمل الصالح انتہی کلامہ (زاد المہسر: ۸۰/۵)

والثانی کون ای استفہامیۃ وہی مبتداء والجملة محل نصب یتغون وضمن معنی یحرصون فکانہ قبل یحرصون اہم یکون اقرب الی اللہ (ذلک بالطاعة وازدہا والخیر والصلاح۔ (روح المعانی: ۱۵/۴۲)

کی دوسری تفسیر فرمائی وہ یہ کہ یہ کفار جن بزرگان دین اور مقبولان خداوندی کو اپنا حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہیں اور خود اللہ کی جناب میں اللہ کے مقرب ترین بندہ کا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں اور اس تلاش میں ہیں کہ کون سا بندہ خدا کے زیادہ قریب ہے تاکہ اس کا وسیلہ پکڑیں یعنی اس کے اقتداء اور اتباع کو اور اس کی دعا کو حصول قرب خداوندی کا وسیلہ اور ذریعہ بنائیں۔ (دیکھو تفسیر روح المعانی: ۱۵/۹۲)

حضرت شاہ عبدالقادر قدس اللہ سرہ کا میلان اسی معنی کی طرف ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں "یعنی جن کو کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اللہ کی جناب میں وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ جو بندہ بہت نزدیک ہو اسی کا وسیلہ پکڑیں اور وہ وسیلہ سب کا پیغمبر ہے آخرت میں انہی کی شفاعت ہوگی۔" (موضح القرآن) اور بلاشبہ بارگاہ خداوندی میں حصول قرب کا سب سے بڑا ذریعہ اور وسیلہ آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات ہے کہ بغیر آپ کے اتباع کے بجات نہیں۔

خلاف پیغمبر کے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید اور قیامت کے دن تمام اولین اور آخرین آپ ﷺ کا وسیلہ پکڑیں گے اور آپ ﷺ کی شفاعت کے وسیلہ سے اہل مشرک و انظار کی تکلیف سے رہائی ہوگی۔

خلاصہ کلام: ..... یہ کہ اس آیت کی تفسیر میں یہ دو قول ہیں جن کو امام نحو، زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا اور دونوں قول ہم نے تشریح کے ساتھ ناظرین کے سامنے پیش کر دیئے ہیں تفصیل کیلئے روح المعانی کی مراجعت کریں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں پہلے قول کو اختیار کیا حضرات اہل علم تفسیر کشاف اور تفسیر کبیر کی مراجعت فرمائیں۔

### ترہیب کفار از قہر خداوند قہار

گزشتہ آیت میں ﴿إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا﴾ میں اس بات کا ذکر تھا کہ عذاب خداوندی اسی بات کے لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اب آگے اس عذاب کے وقوع کو بیان فرماتے ہیں کہ وہ ضرورت آ کر رہے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور کفار کی کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم قیامت سے پہلے ہلاک اور برباد نہ کریں۔ اقیامت سے پہلے اسے کسی سخت عذاب کا مزہ چکھا دیں یہ بات لوح محفوظ میں لکھی ہوتی ہے ضرور ظاہر ہو کر رہے گی خدا تعالیٰ کا یہ حتمی اور اٹل فیصلہ ہے جو ٹل نہیں سکتا ہے۔

### فرمانشی معجزات کے اظہار سے انکار

کفار مکہ آنحضرت ﷺ سے کہا کرتے تھے کہ اگر آپ ﷺ واقعی نبی ہیں تو آپ ﷺ ہمارے لیے کوہ صفا کو سونے اور چاندی کا بنا دیں اور کہتے کہ پہلے پیغمبروں جیسے معجزات دکھائیے جیسا کہ حق تعالیٰ نے دوسری جگہ ان کا قول نقل کیا ہے۔

﴿قُلْ يَا بَنِي آدَمَ كَمَا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا بِمَا نُنزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِزْقِنَا فَتَقْبَلُوهُ إِنَّكُمْ لَعَالَمُونَ﴾ یعنی عصائے موسیٰ علیہ السلام اور ناقہ صالح علیہ السلام وغیرہ۔ اس قسم کا معجزہ آپ ﷺ کیوں

● وجوز الحوفی والزجاج ان یکون اہم اقرب مبتداء وخیرا والجملة فی محل نصب ینظرون ای یفکرون والمعتم ینظرون ایما اقرب فہتوسلون بہ وکان المراد ہتوسلون بدعاتہ والافی التوسل بالذوات ما فید (روح المعانی: ۱۵/۲۲)

ہیں دکھاتے ان کے اس بے ہودہ سوال کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور ہم کو اس قسم کے خاص فرمائشی معجزات کے بھیجنے میں کوئی شے مانع نہیں مگر صرف یہ امر مانع ہے کہ پہلے لوگ بھی اس قسم کے فرمائشی معجزات دیئے جانے کے بعد ان کی تکذیب کر چکے ہیں اور ان کی اور انکی طبیعتیں ملتی جلتی ہیں۔ ﴿تَشَآءُ اٰیٰتٌ قُلُوْبُهُمْ﴾ ان کی طرح یہ بھی تکذیب کریں گے اور ان کی طرح مستحق ہلاکت ہوں گے اور یہ ہمیں ابھی منظور نہیں اور نمونہ کے طور پر ایک قصہ بھی سن لو کہ ہم نے قوم ثمود کو ان کی فرمائش کے مطابق اونٹنی دی جو کھلا اور روشن معجزہ تھی جسے دیکھ کر آنکھیں کھل جائیں صاف اور روشن نشانی تھی جس میں سحر کا شائبہ اور واہمہ بھی نہ تھا اس لائق تھی کہ اس کی بصارت سے بصیرت حاصل کرتے اور ناقہ اور ثمود کی مثال اس لئے دی کہ قوم ثمود کے کھنڈرات بلا د عرب سے قریب تھے اور ان کی ہلاکت اور عذاب کے نشانات کو اہل عرب دیکھتے تھے پس انہوں نے اس پر ظلم کیا یعنی اس کو نہ مانا اور ذبح کر ڈالا اور اس ظلم و ستم کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے۔ پس اگر ہم اہل مکہ کو ان کی فرمائش کے مطابق معجزہ عطا کر دیں تو یہ بھی ویسے ہی ضدی اور عنادی ہیں۔ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اس کی سزا میں ہلاک ہوں گے مگر ہم کو ان کا ہلاک کرنا منظور نہیں ہماری بارگاہ میں یہ طے ہو چکا ہے کہ یہ امت پہلی امتوں کی طرح ہلاک نہ ہوگی۔ آئندہ چل کر خود ان میں سے بعض کامل مسلمان ہوں گے اور خدا کی راہ میں جہاد کریں گے اور ان کی اولاد بھی مسلمان ہوگی جو اس دین کی مدد کرے گی اس آخری امت کے متعلق اللہ کا ارادہ نہیں کہ پہلی امتوں کی طرح اس امت کو بالکل تباہ کر دیا جائے بلکہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ یہ امت محمدیہ قیامت تک باقی رہے اور اس امت کو مہلت ملنا یہ آنحضرت ﷺ کی کرامت اور برکت ہے اور ہم جو نشانیاں بھیجتے ہیں وہ صرف ڈرانے کے لیے بھیجتے ہیں کہ ان نشانیوں کو دیکھ کر عبرت پکڑیں اور خدا کی نافرمانی اور خدا کے عذاب سے ڈر جائیں اور کچھ سوچیں سمجھیں پھر اگر معجزہ ظاہر ہونے کے بعد وہ کفر پر قائم رہیں تو نیست و نابود ہو جائیں۔ جیسے قوم عاد اور قوم ثمود کے ساتھ ہوا کہ اول ڈرانے کے لیے ان کو کچھ نشانیاں دکھلا دی گئیں پھر بھی جب ایمان نہ لائے تو نیست و نابود کر دیئے گئے لیکن اس آخری امت کے حق میں حکمت الہیہ یہ ہے کہ اس امت کو پہلی امتوں کی طرح تباہ اور برباد نہ کیا جائے گا اس لئے فرمائشی نشانات کا بھیجنا موقوف کیا گیا جمہور مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ پہلی آیت میں یعنی ﴿وَمَا مَعَنَا اَنْ نُّزِيلَ بِالْاٰیٰتِ﴾ میں الف لام عہد کا ہے اور اس سے وہی مخصوص اور معبود معجزات مراد ہیں جن کا مشرکین آپ ﷺ سے سوال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے فرمائشی معجزات کے ظاہر کرنے سے انکار کر دیا کہ ہم کو اہل مکہ کا ہلاک کرنا منظور نہیں اس لیے ان کی فرمائشیں اور خواہشیں پوری نہیں کی جائیں گی اس بارے میں مفسرین کا کوئی اختلاف نہیں اور دوسری آیت ﴿وَمَا نُوَسِّلُ بِالْاٰیٰتِ﴾ میں مفسرین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس آیت میں بھی وہی آیات مخصوصہ مراد ہیں جن کا مشرکین مکہ سوال کرتے تھے اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس دوسری آیت ﴿وَمَا نُوَسِّلُ بِالْاٰیٰتِ﴾ میں مطلق نشانیاں مراد ہیں خواہ فرمائشی جیسے زلزلہ اور طاعون اور طوفان اور چاند اور سورج کا گہن ہونا وغیرہ وغیرہ۔ اور مطلب یہ ہے کہ ہم لوگوں کے ڈرانے کے لئے نشانیاں بھیجتے ہیں اور طرح طرح سے اپنی قدرت کے نشان ظاہر کرتے ہیں تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور اللہ کے قہر سے ڈریں۔ پس اگر ڈریں تو نجات پا جائیں ورنہ پھر دوسور میں ہوں گی ایک یہ کہ وہ آیات اور نشانات ان کی فرمائش کے مطابق ظاہر کیے گئے تھے تو دنیا ہی میں عذاب استیصال میں مبتلا ہو کر سب ہلاک ہو جاتے ہیں اور

اگر وہ نشانات و آیات، آیات مقترحات نہ ہوں یعنی ان کے فرمائشی نشان نہ ہو تو پھر ایمان نہ لانے کی صورت میں ان کو اس زندگی میں مہلت مل جاتی ہے اور عذاب آخرت میں ماخوذ ہوتے ہیں۔

خلاصہ کلام: ..... یہ کہ اگر آیت ﴿وَمَا تُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا﴾ میں آیات مقترحات یعنی فرمائشی نشان مراد ہوں تو تحریف سے عذاب استیصال سے ڈرانا مراد ہوگا کہ جس سے بالکل تباہی اور بربادی ہو جائے اور اگر آیات سے آیات غیر مقترحات یعنی غیر فرمائشی مراد ہیں جیسے زلزلہ اور طوفان تو پھر تحویف سے عذاب آخرت سے ڈرانا مراد ہوگا۔ (سراج منیر: ۲۵۸/۲ روح المعانی: ۵/۶۷ روح البیان: ۵/۱۷۷)

یہاں تک مشرکین کی جرأت اور طعن کو بیان کیا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ اگر آپ ﷺ سچے رسول ہیں تو ہماری فرمائش کے مطابق معجزات لائیں جو ہم نے آپ ﷺ سے مانگے ہیں اور اس طعن کا جواب دے دیا گیا اب آئندہ آیت میں آنحضرت ﷺ کی تسلی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ان کے معاندانہ سوالات اور ظالمانہ ظلم و ستم سے رنجیدہ نہ ہوں اور اے نبی ﷺ آپ ﷺ اس وقت کو یاد کریں کہ جب ہم نے آپ ﷺ سے یہ کہہ دیا تھا کہ تیرا پروردگار سب لوگوں کو اپنے احاطہ اور گہرے میں لئے ہوئے ہے سب اس کے قبضہ قدرت میں ہے اللہ تیرا محافظ اور نگہبان ہے یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ لہذا تو ان سے نہ ڈرا اور ان کی پروا نہ کر اور تبلیغ و رسالت کا کام کئے جا اللہ تیرا حافظ و ناصر اور معین و مددگار ہے۔ چنانچہ اب تک باوجود سخت عداوت کے کوئی کافر تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ یہ یہی حفاظت تیری تصدیق نبوت کے لیے کافی ہے کسی فرمائشی معجزہ کی ضرورت نہیں اور یہ کافر تو صدمہ معجزات دیکھ چکے ہیں۔ یہی کیا کم ہے کہ باوجود ان کی شدید مخالفت کے اور باوجود آپ ﷺ کی بے سرو سامانی کے آپ ﷺ کو ایذا پہنچانے پر قادر نہیں اگر اللہ تیرا مددگار نہ ہوتا تو تو ان میں ایک دن بھی نہ وہ سکتا اور بلحاظ اپنی قوت و شوکت اور اسباب ظاہری کے وہ ضرور اپنے ارادہ میں کامیاب ہو جائے۔

خلاصہ کلام: ..... یہ کہ آپ ﷺ ان کی ایذا اور طعن و تشنیع کی پروا نہ کیجئے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو قوت و نصرت دے گا اور یہ سب ذلیل و خوار اور مقتول و مقہور ہوں گے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ ﴿سَمِعْتُمْ نَزْمَ الْجِنِّ وَرِئُوسِ الدُّبُرِ﴾: چنانچہ آپ ﷺ شباشب مکہ سے بہت المقدس پہنچے اور صبح کو صحیح سالم پھر مکہ واپس آگئے یہ واقعہ بھی حفاظت نبی کا ایک کرشمہ تھا اور لوگوں کے لئے فتنہ اور آزمائش تھا جیسا کہ آئندہ آیت میں ذکر فرماتے ہیں۔

اور نہیں بنایا ہم نے اس دکھاوے اور نظارہ کو جو ہم نے تجھ کو شب معراج میں دکھلایا مگر لوگوں کی آزمائش اور امتحان کے لئے یعنی شب معراج میں ہم نے آپ ﷺ کو آیات قدرت کا نظارہ اور مشاہدہ کرایا جن کا ﴿لَوْ رِيَّتَهُ مِنْ إِلَيْنَا﴾ میں ذکر ہے اور جن عجائب ملکوت کو ہم نے آپ ﷺ کو بحالت بیداری اسی چشم سر کے ساتھ دکھلایا وہ آپ ﷺ کے لیے کرامت عظیمہ ہے مگر اور لوگوں کے لئے فتنہ یعنی آزمائش اور امتحان تھی کہ دیکھیں کون مانتا ہے اور کون نہیں مانتا۔

جاننا چاہئے کہ اس آیت میں رؤیا (دکھاوے) سے شب معراج میں آیات کبریٰ کا بحالت بیداری اس چشم سر کے ساتھ دکھاوے اور نظارہ مراد ہے خواب کا دکھاوے مراد نہیں۔ جیسا کہ شروع سورت میں دلائل اور براہین سے اس بات کو واضح کیا جا چکا ہے کہ مشاہدہ معراج از اول تا آخر اسی جسم اطہر کے ساتھ بحالت بیداری تھا معاذ اللہ خواب نہ تھا جو لوگ معراج

جسمانی کے منکر اور اس کو خواب قرار دیتے ہیں ان کی گمراہی کا باعث یہ آیت بھی ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ رؤیا واقع ہوا ہے جس کے معنی خواب کے ہیں مگر یہ ان کی گمراہی ہے۔ صحیح بخاری میں صراحۃً عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ اس آیت کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں کہ آیت میں رؤیا سے رؤیا عین<sup>۱</sup> مراد ہے یعنی دکھاوے سے بحالت بیداری آنکھ کا دکھاوا مراد ہے جو شب معراج میں آپ ﷺ کو دکھایا گیا۔ خواب کا دکھاوا مراد نہیں اور لفظ رؤیا لغت عرب میں خواب کے لیے مخصوص نہیں بلکہ جس طرح یہ لفظ خواب کے دیکھنے کے لیے آتا ہے اسی طرح عالم بیداری میں دیکھنے کے لیے آتا ہے اور یہی تفسیر لفظ رؤیا کی سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، حسن بصری، مسروق، قتادہ، مجاہد عکرمہ۔ ابن جریج۔ عبدالرحمن بن زید وغیرہ اکابر تابعین رحمہم اللہ نے کی ہے (دیکھو تفسیر قرطبی و تفسیر ابن کثیر)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لغت کے اعتبار سے رؤیت اور رؤیا میں کوئی فرق نہیں دونوں کے معنی دیکھنے کے ہیں کہا جاتا ہے رایتہ، یعنی رؤیتہ و رؤیا یعنی میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا۔ رؤیا رؤیت دونوں آنکھ کے دیکھنے میں مستعمل ہوتے ہیں (دیکھو تفسیر کبیر: ۲۲۵/۵)

قال ابن الانباری المختار فی هذه الرؤیة ان تكون یقظة ولا فرق بین ان یقول القائل رأیت فلانا رؤیتہ و رایتہ رؤیا الا ان الرویة یقل استعمالها فی المنام والرؤیا بكثر استعمالها فی المنام ویجوز کل واحد منهما فی المعنین۔ (زاد المسیر لابن الجوزی: ۵۳/۵)

امام ابن انباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مختار اور صحیح قول یہی ہے کہ رؤیا سے بحالت بیداری دیکھنا مراد ہے اس لیے کہ کلام عرب میں رایتہ رؤیتہ اور رایت رؤیا دونوں کے معنی یہ ہیں کہ میں نے فلانے کو دیکھا رایت کے بعد رؤیت کا لفظ کہو یا رؤیا کا لفظ کہو دونوں میں کوئی فرق نہیں صرف فرق اتنا ہے کہ رؤیت کا استعمال خواب کے دیکھنے میں کم ہے اور رؤیا کا استعمال خواب کے دیکھنے میں زیادہ ہوتا ہے۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رؤیا کا استعمال بحالت بیداری دیکھنے میں بھی آتا ہے جیسا کہ متنی کا قول ہے:

ع رؤیاك اعلیٰ فی العیون من المحمض (فتح الباری: ۳۰۲/۸ کتاب التفسیر)

نکتہ:..... واقعہ معراج بلاشبہ مشاہدہ بیداری تھا مگر زیادہ تر اس کا تعلق دوسرے عالم سے تھا جیسے خواب کا تعلق دوسرے عالم سے ہوتا ہے تو عجب نہیں کہ اس مناسبت سے اس مشاہدہ عینی اور نظارہ بیداری کو لفظ رؤیا سے تعبیر کیا گیا ہو واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

علاوہ ازیں کہ واقعہ معراج اگر خواب ہو تو پھر وہ لوگوں کے لیے کسی طرح فتنہ اور آزمائش نہیں ہو سکتا دنیا میں کوئی

① اخرج البخاری عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما رحمۃ اللہ علیہما جعلنا الرؤیا الیہی از نیک إلا وقتة لئلا ینبہ قال ہی رؤیا عین اریہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بہ وزاد سعید بن منصور عن سفیان فی آخر الحدیث رؤیا منام۔ (فتح الباری: ۳۰۱/۸ کتاب التفسیر)

بے عقوف سے بیوقوف بھی ایسا نہیں جو خواب کو جھٹلائے البتہ ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کا دعویٰ ضرور فتنہ اور ذریعہ آزمائش ہے جب آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے بیان کیا کہ میں اس شب میں بیت المقدس دیکھ کر آیا ہوں تو لوگوں نے اس کو مستبعد اور محال جان کر اس کو نہ مانا اور آپ ﷺ کو جھٹلایا اور مومنین اور مخلصین نے اس کی تصدیق کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس معراج جسمانی اور اسی شب کے نظارہ ہائے بیداری کو لوگوں کی آزمائش اور امتحان کا ذریعہ بنایا اگر خواب کا واقعہ ہوتا تو کوئی تکذیب نہ کرتا۔ خواب میں تو ابوجہل اور ابولہب بھی بیت المقدس ہو کر آسکتے ہیں اس روایت کو اللہ تعالیٰ نے فتنہ (آزمائش) قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ خواب کا واقعہ تو فتنہ (آزمائش) نہیں ہو سکتا ہے۔ فتنہ اور آزمائش تو کوئی عجیب و غریب چیز ہی ہو سکتی ہے بحالت خواب آسمانوں کی سیر نہ کوئی معجزہ ہے اور نہ کوئی عجیب و غریب چیز ہے جسے فتنہ کہا جاسکے۔ کافر کو بھی خواب میں آسمانوں کی سیر حاصل ہو سکتی ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کو واقعہ معراج سے کوئی تعلق نہیں۔

اس آیت میں رؤیا سے وہ خواب مراد ہے جو آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ کے سال دیکھا تھا کہ آپ ﷺ مع اصحاب ﷺ کے مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے اصحاب ﷺ نے عمرہ کیا اس خواب کے بعد آپ ﷺ عمرہ کے ارادہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے تو مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو روکا اور آپ ﷺ ان سے صلح کر کے بغیر عمرہ کے مدینہ واپس آ گئے۔ منافقین نے طعن کیا کہ یہ خواب تو سچا نہ ہو اور بتقاضائے بشریت بعض مسلمانوں کے دلوں میں یہی خطرے گزرے اور یہ خواب لوگوں کے حق میں موجب فتنہ اور امتحان بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ جو خواب اللہ نے آپ ﷺ کو دکھلایا وہ حق ہے اس خواب کی تعبیر آئندہ سال ظاہر ہوگی۔ خواب مطلق تھا اس میں کسی وقت کی تعیین نہ تھی۔ اس خواب میں مسجد حرام میں داخل ہونے کا وقت نہیں بتلایا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے بیت اللہ کے شوق میں اسی سال ارادہ فرمایا مگر مشیت ایزدی میں اس سال اس خواب کا پورا ہونا مقدر نہ تھا بلکہ اگلے سال پر موقوف تھا۔ چنانچہ اگلے سال اس خواب کی تعبیر پوری ہوئی اور آپ ﷺ نے مع اصحاب ﷺ کے بغایت اطمینان عمرہ ادا فرمایا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ﴾

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت کی یہ تاویل اور تفسیر ضعیف ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور حدیبیہ کے خواب کا واقعہ مدینہ منورہ کا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۲/۲۸۲)

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس رؤیا سے وہ خواب مراد ہے جو آپ ﷺ نے بدر میں جانے سے پہلے دیکھا کہ مسلمان اور کافروں میں لڑائی ہوئی اور کفار مغلوب ہوئے جب کافروں نے یہ خواب سنا تو انہوں نے اس کی ہنسی اڑائی اور خوب تہقیر لگائے۔

لہذا ممکن ہے کہ آیت میں لفظ رؤیا سے ان میں سے کسی خواب کی طرف اشارہ ہو پس اس آیت سے اس امر پر استدلال کرنا کہ واقعہ معراج خواب تھا کسی طرح صحیح نہیں اس کا منشاء بجز الحاد اور زندقہ کے کچھ نہیں احادیث صحیحہ اور متواترہ سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ واقعہ معراج اول تا آخر بحالت بیداری اسی جسم اطہر کے ساتھ تھا۔

اور علیٰ ہذا ہم نے اس ملعون درخت کو بھی لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بنایا جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے وہ

درخت زقوم کا ہے جب یہ آیت ﴿إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقْوِمِ﴾ نازل ہوئی۔ اور یہ آیت نازل ہوئی ﴿إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ﴾: یعنی زقوم کا درخت جہنم کی جڑ میں نکلتا ہے تو ابو جہل بولا کہ محمد ﷺ تو تم کو ایسی آگ سے ڈراتا ہے جو پتھر تک جلا دیتی ہے۔ اور پھر یہ کہتا ہے کہ اس آگ میں ایک درخت اگتا ہے حالانکہ تم جانتے ہو کہ آگ درخت کو جلا دیتی ہے۔ یہ محمد ﷺ کی گھڑت نہیں تو اور کیا ہے مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم نے اس شجرہ ملعونہ یعنی زقوم کو آگ میں اس لیے پیدا کیا ہے کہ لوگوں کے لیے فتنہ اور آزمائش کا ذریعہ بنے اور اہل ایمان نے صدق دل سے اس کی تصدیق کی اور اس کا تقین کیا کہ اللہ کی قدرت کی کوئی حد و نہایت نہیں وہ جہاں چاہے درخت پیدا کر سکتا ہے اور ظالموں کے لیے یہ درخت فتنہ بن گیا ان ظالموں نے قادر مطلق کی قدرت کا اندازہ نہ کیا ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ اس لئے ظالموں نے اس کو خلاف نیچر سمجھ کر اس کا انکار کر دیا۔ ﴿إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ﴾: کا مطلب یہ ہے اور اس درخت کے ملعون ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کھانے والے ملعون ہوں گے یہ درخت جہنم میں ملعونین یعنی کفار اور مشرکین کی غذا ہوگا۔ اصل ملعون اس کے کھانے والے ہوں گے اور اس درخت کو مجازاً ملعون کہہ دیا گیا۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عرب میں ہر مضر اور مکروہ طعام کو ملعون کہتے ہیں۔ رہا کافروں کا یہ اعتراض کہ آگ میں ہر اور سرسبز درخت کیونکر اگ سکتا ہے یہ ان کی جہالت اور حماقت کی دلیل ہے۔ نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے آگ کا درخت کونہ جلانا اور اس درخت کا آگ سے پرورش پانا عقلاً محال نہیں بلا در ترک میں ایک جانور سمندل ہوتا ہے اس کی کھال کی ٹوپیاں اور رومال بنتے ہیں جب یہ رومال میلے ہو جاتے ہیں تو آگ میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ آگ ان کے میل کو جلا کر انہیں نکھار دیتی ہے اور ان میں اثر نہیں کرتی شتر مرغ آگ کے انگارے کے انگارے نکل جاتا ہے اور اس سے اس کو کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ نیز ہرے درخت سے آگ نکلتی ہے اور وہ آگ اس درخت کو نہیں جلاتی۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿جَعَلْنَا لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ كَأَزَّاجٍ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تمہارے فائدہ کے لیے سبز درخت سے آگ نکالی تاکہ تم آگ سے فائدہ اٹھاؤ مگر جو آگ اس سبز درخت سے نکلتی ہے اس سے وہ سبز درخت نہیں جلتا۔

پس ان نادانوں نے یہ نہ سوچا کہ جو خدا درخت میں آگ ودیعت رکھ سکتا ہے وہ آگ میں درخت کو اگا بھی سکتا ہے آگ کا کیڑا ہمیشہ آگ ہی میں رہتا ہے مگر آگ اس کو نہیں جلاتی۔

اس زمانے میں بہتیرے درخت ایسے معلوم اور منکشف ہوتے ہیں جو بجائے پانی کے آگ سے نشوونما پاتے ہیں۔ اور ان آیات مذکورہ اور نشانات مسطورہ کے علاوہ بھی ہم ان کو طرح طرح سے عذاب الہی سے ڈراتے ہیں سو وہ ڈرانا ان کے حق میں سوائے سخت ترمرد اور سرکشی کے کسی بات کو زیادہ نہیں کرتا ایسے ملعون ہیں کہ شجرہ ملعونہ سے نہیں ڈرتے جتنا انہیں عذاب سے ڈراؤ اتنا ہی اور زیادہ ترمرد اور سرکشی اختیار کرتے ہیں۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ط قَالَ ۖ اسْجُدْ لِمَنْ خَلَقْتَ

اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو سجدہ کر آدم کو تو سجدہ میں گر پڑے مگر ابلیس بولا کیا میں سجدہ کروں ایک شخص کو جس کو تو نے بنایا اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو سجدہ کر آدم کو، تو سجدہ میں گر پڑے، مگر ابلیس۔ بولا کیا میں سجدہ کروں ایک شخص کو جو تو نے بنایا



طِينًا ﴿۱۶﴾ قَالَ ارْءَيْتَكَ هَذَا الَّذِي كَرَّمْت عَلَىٰ ذَٰلِكِ أَخْرَجْتَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ

مٹی کا فل کہنے لگا بھلا دیکھ تو یہ شخص جس کو تو نے مجھ سے بڑھا دیا، اگر تو مجھ کو ذمیل دیوے قیامت کے دن تک مٹی کا ۲ کہنے لگا، بھلا دیکھ تو! یہ جس کو تو نے مجھ سے چڑھایا، اگر تو مجھ کو ذمیل دے قیامت کے دن تک،

لَا حَتِّكَ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۷﴾ قَالَ أَذْهَبَ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاءُكُمْ

تو میں اس کی اولاد کو ڈھانٹی دے لوں مگر تھوڑے سے فل فرمایا جا پھر جو کوئی تیرے ساتھ ہوا ان میں سے سو دوزخ ہے تم سب کی سزا تو اس کی اولاد کو ڈھانٹی دے لوں، مگر تھوڑے سے۔ فرمایا جا، پھر جو کوئی تیرے ساتھ ہوا ان میں سے، سو دوزخ ہے تم سب کی سزا،

جَزَاءُ مَوْفُورًا ﴿۱۸﴾ وَاسْتَفْزَرُ مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبَ عَلَيْهِمُ بِخَيْلِكَ

بدل پورا فل اور گھرا لے ان میں جس کو تو گھرا سکے اپنی آواز سے فل اور لے آ ان پر اپنے سوار پورا بدلا۔ اور گھرا لے ان میں جس کو گھرا سکے اپنی آواز سے، اور پکار لا ان پر اپنے سوار

وَرَجَلِكَ وَشَارِكُكُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِندَهُمْ ط وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا

اور پیادے فل اور سا جھا کر ان سے مال اور اولاد میں فل اور وعدے دے ان کو اور کچھ نہیں وعدہ دیتا ان کو شیطان مگر اور پیادے، اور سا جھا کر ان سے مال اور اولاد میں، اور وعدے دے ان کو۔ اور کچھ نہیں وعدہ دیتا ان کو شیطان، مگر

عُرُورًا ﴿۱۹﴾ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ط وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ﴿۲۰﴾

دغا بازی فل وہ جو میرے بندے ہیں ان پر نہیں تیری حکومت اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے والا فل دغا بازی۔ وہ جو میرے بندے ہیں، ان پر نہیں تیری حکومت۔ اور تیرا رب ہے بس کام بنانے والا۔

فل یہ قصہ کی جگہ گزر چکا ہے۔ یہاں اس پر متنبہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا بے چون و چرا امانت فرشتوں کا اور اس میں شبہات کا لاشیطان کا کام ہے۔ یہ کافر بھی اس کی پال ہل رہے ہیں۔ جو بات بات میں کج بھنٹیاں کرتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ ان کا انجام بھی دی ہونے والا ہے جو ان کے امام اطمینان کا ہوگا۔

فل یعنی تھوڑے سے چھوڑ کر باقی سب کو اپنا سخر کر لوں جیسے گھوڑے کو کام دے کر قابو کر لیا جاتا ہے، پھر جو میرے سامنے اتنا کمزور ہے اسے مجھ پر فطرت دینا کس طرح جائز ہوگا؟

فل یعنی جا اجتناز دور لگا سکتا ہے لگے، یہاں بھی تیرے اور تیرے ساتھیوں کے واسطے جمل خانہ تیار ہے۔

فل یعنی وہ آواز جو خدا کے عصیان کی طرف بلاتی ہو مراد اس سے دوسرے ڈالنا ہے اور مزامیر (بابا گاگا) بھی اس میں داخل ہو سکتا ہے۔

فل یعنی ساری طاقت صرف کر ڈال اور پوری قوت سے لشکر کشی کر اخذ کی معصیت میں لڑنے والے سب شیطان کے سوار اور پیادے ہیں۔ جن ہوں یا اُن۔

فل یعنی دل میں ارمان نہ رکھ، ان کو ہر طرح ابھار، کہ مال و اولاد میں تیرا حصہ لگائیں، یعنی یہ چیزیں ناجائز طریقہ سے حاصل کریں اور ناجائز کاموں میں صرف کریں۔

فل یعنی شیطان جو مہربان دیکھاتا ہے اس سے فریب کھانا حق کام ہے اس کے سب وعدے دغا بازی اور فریب سے ہیں، چنانچہ وہ خود اقرار کرے گا۔

﴿وَوَعَدْنٰكُمْ فَاَنفَلْنٰكُمْ﴾

فل یعنی جو خدا پر اعتماد توکل کریں وہ ان کا کام بناتا ہے اور شیطان کے جال سے نکالتا ہے۔

## ذکر عداوت شیطان با بنی نوع انسان

قَالَ تَعَالَى: ﴿وَأَدْقُلْنَا لِلْمَلِكَةِ اسْجُدُوا لِالْآدَمِ... الی... وَكَفَى بِرَبِّكَ وَكِيلًا﴾

رہطہ..... گزشتہ آیات میں کافروں کی سرکشی اور عناد اور آنحضرت ﷺ سے ان کی مخالفت اور عداوت کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کا قصہ ذکر فرماتے ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ شیطان تمہارا قدیمی دشمن ہے تم اس کے بہکاوے میں نہ آنا اور اس کے بہکانے سے ہمارے نبی ﷺ کی مخالفت نہ کرنا شیطان کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کی شبہات ڈالتا ہے تاکہ لوگ اللہ کے حکم سے برگشتہ ہو جائیں۔ آدم علیہ السلام کا مفصل قصہ اور اس کی تفسیر سورۃ بقرہ اور سورۃ اعراف میں گزر چکی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور وہ وقت قابل یاد ہے کہ جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تاکہ خلیفہ خداوندی کی فضیلت اور برتری سب پر عیاں ہو جائے تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا اور جب حق تعالیٰ نے پوچھا کہ تو نے سجدہ کیوں نہ کیا تو ڈھٹائی سے بولا کہ کیا میں اس شخص کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے بنایا ہے اس پر حق تعالیٰ نے اس پر لعنت کی اور اس کو اپنی بارگاہ قرب سے نکال دیا اس پر ابلیس دوبارہ بولا مجھے بتلا تو سہی یہی وہ خاکی پتلا ہے جس کو تو نے مجھ پر فضیلت اور بزرگی دی ہے حالانکہ وہ خاک ہے اور میں آگ سے ہوں خیر اگر میں اس کی وجہ سے مردود ہوں تو آپ اگر میری درخواست کے مطابق روز قیامت تک مجھے مہلت دیدیں اور میری موت میں تاخیر کر دیں تو میں بھی سوائے تیرے تھوڑے خاص بندوں کے اولاد آدم کی جڑ کاٹ کر پھینک دوں گا یعنی اولاد آدم کو انغواء کر کے بہشت سے ان کی جڑ اکھاڑ دوں گا مگر تھوڑے آدمیوں کو تیری عصمت اور حفاظت کی وجہ سے گمراہ نہ کر سکوں گا۔ یعنی انبیاء اور اولیاء جو شیطان کے دائرے میں نہیں آتے فرمایا اچھا جا اور راہ لے جو تیرے سے ہو سکے وہ کر پس جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا اور تیرے پیچھے چلے گا تو بے شک تم سب کی سزا و سزا ہے پوری جزاء یعنی جا ہم کو تیری کوئی پروا نہیں۔ ہم تجھ کو اور تیرے قبیحین کو سب کو جہنم میں ڈال دیں گے اور ان میں سے جس کو اپنی آواز سے بچلا سکے اس کو بچلا یعنی جس طرح تو اللہ کی معصیت کی طرف بلا سکتا ہے بلا دنیا میں جو آواز اور پکار اللہ کی نافرمانی کی طرف دی جاتی ہے وہ درحقیقت شیطان کی آواز ہوتی ہے جیسے راگ اور باج کی آواز۔ اور کھینچ لا اور چڑھالا ان پر اپنے سوار اور پیادے یعنی ان کے بہکانے میں اپنی پوری قوت صرف کر ڈال اور جتنا زور تجھ سے لگایا جاسکے لگا لے اور مالوں اولادوں میں انکا شریک ہو جا۔ جو مال و اولاد معصیت کا باعث بنے اس میں شیطان انکا شریک ہے اور علیٰ ہذا جو عمل خالص اللہ کے لیے نہ ہو اس میں بھی نفس اور شیطان شریک ہے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سوار اور پیادوں کے چڑھالانے کا مطلب یہ ہے کہ جتنی تیری قدرت ہوا تے مکاند اور کمر و فریب کے جال اور وسائل جمع کرنے اور ان کو غوایت اور ضلالت پر آمادہ کر لے اور حسب مقدور ان میں اپنا تصرف کر یہ امر تہدید کے لیے ہے جیسے کہا کرتے ہیں کہ اچھا جو تجھ سے بن سکے کر گزر عنقریب اس کا انجام تجھ کو معلوم ہو جائے گا (انتہی) یعنی جیسا کرے گا دیکھا بھرے گا اور تیرا جو چاہے اولاد آدم سے جھوٹے وعدے کر کہ جہنم اور جنت کچھ نہیں شیطان جب کسی کو معصیت کی طرف

بلاتا ہے تو اس کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ جنت و دوزخ حشر و نشر سب غلط ہے جو کچھ بھی ہے دنیا کی زندگی ہے۔ کیوں اپنی لذت و سرور کو چھوڑتا ہے اور عبادت میں پڑ کر کیوں مشقت کرتا ہے۔ یہ مراد ہے "شیطان کے وعدے دینے سے"۔ اور نہیں وعدہ دیتا شیطان لوگوں کو مگر دھوکہ اور فریب کا یعنی شیطان کے سب وعدے دھوکہ اور فریب ہیں باطل اور خطا کو حق اور ثواب کی صورت میں دکھاتا ہے جس سے بہت سے لوگ دھوکہ میں آجاتے ہیں اب اگلی آیت میں پھر شیطان کو خطاب فرماتے ہیں کہ اے شیطان تحقیق میرے خالص بندوں پر جن کو مجھ سے خالص تعلق ہے کہ تیرا کوئی زور نہیں وہ بندے انبیاء اور اولیاء ہیں۔ شیطان کو ان کے اغواء پر قدرت نہیں ان پر شیطان کا قابو نہیں چلتا اور اے نبی ﷺ تیرا پروردگار اپنے خاص بندوں کو کالی کار ساز ہے اور اپنے خاص بندوں کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھتا ہے شیطان کا فتنہ بہت سخت ہے اور انسان ضعیف اور ناتواں ہے بدون اللہ کی عصمت اور حفاظت کے معصیت سے نہیں بچ سکتا اور بدون اللہ کی اعانت اور قوت کے طاعت نہیں کر سکتا ولا حول ولا قوة الا باللہ العلیٰ العظیم اور خاتمہ پر یہ فرمایا ﴿وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا﴾: اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جو بندہ خدا پر توکل اور بھروسہ کرے شیطان اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

رَبُّكُمُ الَّذِي يُرِيكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۗ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿۱۶﴾

تمہارا رب وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے واسطے کشتی دریا میں فل تاکہ تلاش کرو اس کا فضل فل وہی ہے تم پر مہربان تمہارا رب وہ ہے، جو ہانکتا ہے تمہارے واسطے کشتی دریا میں، کہ تلاش کرو اس کا فضل۔ وہ ہے تم پر مہربان۔

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِلَٰهَهُ، فَلَمَّا نَجَّكُمُ إِلَى الْبَرِّ

اور جب آتی ہے تم پر آفت دریا میں بھول جاتے ہو جن کو پکارا کرتے تھے اللہ کے سوائے پھر جب بچا لایا تم کو خشکی میں اور جب تم پر تکلیف پڑے دریا میں، بھولتے ہو جن کو پکارتے تھے اس کے سوا۔ پھر جب بچا لایا تم کو جنگل کی طرف،

أَعْرَضْتُمْ ۗ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ﴿۱۷﴾ أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يُخْسِفَ بِكُمْ جَابِثَ الْبَرِّ

پھر جاتے ہو اور ہے انسان بڑا ناشکر فل سو کیا تم بے ڈر ہو گئے اس سے کہ دھنسا دے تم کو جنگل کے کنارے فل نلا گئے۔ اور ہے انسان بڑا ناشکر۔ سو کیا نڈر ہوئے ہو؟ کہ دھنساوے تم کو جنگل کے کنارے

فل یہ خدا کی کار سازی کا ایک نمونہ پیش کیا ہے، جس میں ایک مشرک کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس کے سوا کوئی کار ساز نہیں۔

ع کہ ہیں ماضی زور کمزور سارے

فل یعنی روزی۔ روزی کو اکثر قرآن میں "فضل" فرمایا ہے۔ "فضل" کے معنی زیادہ کے ہیں۔ سو مسلمان کی بندگی ہے آخرت کے واسطے اور دنیا لہذا میں ملتی ہے۔

فل یعنی مصیبت سے نکلنے ہی محسن حقیقی کو بھول جاتا ہے چند منٹ پہلے دریا کی موجوں میں خدا یاد آ رہا تھا کنارہ پر قدم رکھا اور بے فکر ہو کر سب فراموش کر بیٹھا۔ اس سے بڑھ کر ناشکر گزری کیا ہوگی۔

فل یعنی مندر کے کنارے خشکی پر دھنسا دئے۔ مثلاً زلزلہ آ جائے اور زمین شق ہو کر قارون کی طرح اس میں دھنس جائے۔ غلام یہ کہ ہلاک کرنا کچھ دریا کی موجوں پر سون نہیں۔

يُرْسِلْ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكَيْلًا ﴿۱۷﴾ أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُعِيدَ كُمْ فِيهِ

یا بھیج دے تم پر آندھی پھر برسانے والی پھر نہ پاؤ اپنا کوئی نگہبان یا بے ڈر ہو گئے ہو اس سے کہ پھر لے جائے تم کو دریا میں فل  
یا بھیج دے تم پر آندھی، پھر نہ پاؤ اپنا کوئی کام بنانے والا۔ یا نذر ہوئے ہو کہ پھر لے جاوے تم کو اس میں

تَارَةً أُخْرَى فَيُرْسِلْ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُم بِمَا كَفَرْتُمْ ۚ ثُمَّ لَا

دوسری بار پھر بھیجے تم پر ایک سخت جھونکا ہوا کا پھر ڈبا دے تم کو بدلے میں اس ناشکری کے پھر نہ  
دوسری بار، پھر بھیجے تم پر ایک جھونکا ہوا کا، پھر ڈبا دے تم کو بدلہ اس ناشکری کا، پھر نہ

تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ﴿۱۸﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَهُمْ فِي الْوَبْرِ وَالْبَحْرِ

پاؤ اپنی طرف سے ہم پر اس کا کوئی باز پرس کرنے والا فل اور ہم نے عزت دی ہے آدم کی اولاد کو اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں  
پاؤ تمہاری طرف سے ہم پر اس کا دعویٰ کرنے والا۔ اور ہم نے عزت دی ہے آدم کی اولاد کو، اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں،

وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴿۱۹﴾

اور روزی دی ہم نے ان کو ستھری چیزوں سے اور بڑھا دیا ان کو بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر فل  
اور روزی دی ہم نے ان کو ستھری چیزوں سے، اور زیادہ کیا ان کو اپنے بنائے ہوئے بہت شخصوں پر، بڑھتی دے کر

### رجوع بسوئے توحید

قَالَ تَعَالَى: ﴿رَبُّكُمْ الَّذِي يُرِيحُ لَكُمْ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ...﴾ الی ... وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا

تَفْضِيلًا ﴿۱۹﴾

رابطہ: ..... اب پھر توحید کی طرف رجوع کرتے ہیں اور توحید کے دلائل بیان فرماتے ہیں نیز گزشتہ رکوع میں شیطان کا یہ قول  
فل یعنی کوئی ضرورت کھڑی کر دے جس کے لیے ناچار دریا یا سفر کرنا پڑے۔

فل خدا سے کون باز پرس کر سکتا ہے یا کسی کی مجال ہے کہ چمکا کر کے اس سے جرمین کا خون بہا و رسول کرے؟  
فل یعنی آدمی کو حسن صورت، نطق، تدبیر اور عقل و حواس عنایت فرماتے جن سے دنیاوی و اخروی مضار و منافع کو سمجھتا اور اچھے برے میں تفریق کرتا ہے۔ ہر  
طرف ترقی کی راہیں اس کے لیے کھلی ہیں دوسری مخلوقات کو قابو میں لا کر اپنے کام میں لگاتا ہے۔ جنگلی میں جانوروں کی بیٹھ پر یا دوسری طرح طرح کی گاڑیوں  
میں سفر کرتا اور سمندروں کو کشتیوں اور جہازوں کے ذریعہ بے تکلف طے کرتا چلا جاتا ہے۔ قسم قسم کے عمدہ کھانے، پہننے، مکانات اور دنیاوی آسائش و رہائش  
کے سامانوں سے منتفع ہوتا ہے۔ ان ہی آدمیوں کے سب سے پہلے باپ آدم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے سجدو ملائکہ اور ان کے آخری پیغمبر علیہ السلام کو کل  
مخلوقات کا سردار بنایا۔ عرض نوع انسانی کو حق تعالیٰ نے کسی حیثیت سے عزت اور بڑائی دے کر اپنی بہت بڑی مخلوق پر فضیلت دی۔ اوپر کے رکوع میں آدم  
کی نسبت شیطان کا ﴿هَذَا الَّذِي كَفَرْتُمْ عَنْكُمْ﴾ کہنا اور ملائکہ کا آدم کو سجدہ کرنا، پھر بنی آدم کو کشتی کے ذریعہ دریائی سفر طے کرانا مذکور تھا۔ اس آیت کا مضمون  
مضامین مذکورہ بالا سے صاف طور پر مربوط ہے۔

(تفسیر) مفسرین نے اس آیت کے تحت میں یہ بحث چھیڑ دی ہے کہ ملائکہ اور بشر میں کون افضل ہے کون مفضول۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ آیت  
سے اس مسئلہ کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ حنیفہ کی رائے یہ نفل کی ہے کہ "رسل بشر"۔ رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ (بائستائے رسل بشر کے) باقی تمام فرشتوں اور  
آدمیوں سے افضل ہیں۔ اور تمام فرشتوں کو امام آدمیوں پر فضیلت ماحصل ہے واللہ اعلم۔

نقل کیا تھا ﴿قَالَ أَرَأَيْتَكَ هَذَا الَّذِي كَرَّمْت عَلٰی كَاسِ لَيْسَ بِشَيْءٍ لَّكَ بِهِ كِرَامٌ شَرًّا وَلَا يَفْعَلُ بِكُمْ أَلَمْ تَرَ أَنَّا جَعَلْنَا مَا كَفَرُوا مِنْ دَابَّاتٍ يَخْبِتُونَ مِنْهَا كَمَا يَخْبِتُونَ مِنَ الْقَارِعَةِ فَلْيَمْسِكُوا بِسُلْجُمَتِنَا وَقَدْ فَرَقْنَا بِهِمُ الْجُمُوحَ وَإِنَّا لَنَنظُرُهُمْ كَمَا نَنظُرُ الْمَدِينَةَ الَّتِي كَفَرُوا بِهَا لَعَنَّا وَإِنَّا لَشَدِيدُونَ﴾ اس لیے ان آیات میں بنی آدم کی کرامت اور فضیلت کو بیان فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ شیطان برا اور بھرا میں کس طرح انغواء کرتا ہے اور نبی آدم کی تکریم اور تفضیل کے بیان سے مقصود یہ ہے کہ انسان کو چاہئے کہ منعم حقیقی کا شکر گزار بندہ بنے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرے چنانچہ فرماتے ہیں:

تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے نفع کے لیے سمندر میں کشتیاں ہنکاتا ہے تاکہ تم ان پر سوار ہو کر دوسرے شہر میں پہنچ کر روزی تلاش کرو بے شک وہ تم پر بڑا مہربان ہے کہ جو حاجت تم کو اپنی شہر میں میسر نہ ہو سکے اس کے حاصل کرنے کے لیے دوسرے شہر میں جانے کا سامان مہیا کر دیا اور اس خدائے پروردگار کی معرفت تمہاری فطرت اور جبلت میں مرکوز ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ جب تم کو دریا میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے مثلاً طوفان اور باد و باران کی وجہ سے کشتی کے ڈوب جانے کا خوف ہوتا ہے تو اس وقت سوائے خدا کے جن جن کو تم پکارتے اور پوجتے ہو سب غائب ہو جاتے ہیں اس وقت سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں پکارا کرتے اور سمجھتے ہو کہ سوائے خدا کے کوئی نجات نہیں دے سکتا۔ پس انسان بحالت مجبوری جس ذات کو اپنا سہارا سمجھ کر پکارے اصل خدا وہی ہے پھر وہ خدا جب تمہاری دعا قبول کر کے تمہیں خشکی کی طرف صحیح سالم بچالاتا ہے اور سمندر کی موجوں اور اس کی تلاطم سے نجات دیتا ہے تو پھر تم خدائے برحق سے منہ موڑ لیتے ہو اور بتوں کو پوجنے لگتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے کہ جب مصیبت آتی ہے تو خدا کا پکارتا ہے اور جب وہ نجات دے دیتا ہے تو اس سے منہ موڑ لیتا ہے۔ اور بہت جلد اس کے احسان کو بھول جاتا ہے تو کیا تم نجات پانے کے بعد اس بات سے مطمئن اور بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم کو جنگل کی طرف لے جا کر زمین میں دھنسا دے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تم سمندر میں غرق ہونے سے بچ گئے تو مطمئن نہ ہونا چاہئے جس طرح ہم سمندر میں غرق کرنے پر قادر ہیں اسی طرح خشکی میں زمین میں دھنسانے پر قادر ہیں تمام جہات، کیا خشکی اور کیا تری سب ہمارے قبضہ قدرت میں ہے اور ہمارے نزدیک برا اور بحر سب یکساں ہیں سمندر میں غرق کا خوف ہے تو خشکی میں خسف کا خوف چاہئے خسف بھی غرق ہی ہے سمندر میں آدمی پانی میں ڈوبتا ہے اور خشکی میں مٹی میں یا تم اس بات سے مطمئن ہو گئے کہ تم پر پتھر برسائے والی ہوا بھیجے جس میں سے پتھر برسے لگیں اور قوم عاد کی طرح تم کو سنگسار کر دے پھر تم کوئی اپنا کام بنانے والا نہ پاؤ جو تم کو خسف سے اور پتھروں سے بچا سکے یا تم اس بات کی طرف سے مطمئن ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو پھر اسی سمندر میں لوٹا کر لے جائے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں پھر اسی دریا کا سفر ڈال دے اور حسب سابق اسی کشتی اور جہاز میں سوار ہو کر دوبارہ سفر کرو اور پھر وہ تم پر ایسی سخت اور تند ہوا بھیجے جو کشتی کو توڑ ڈالے۔ پھر تم کو اسی دریا میں ڈال دے اور ڈوبو دے۔ بسبب اس کے کہ تم نے خدا کی ناشکری کی پہلی مرتبہ تو نجات مل گئی تھی دوسری دفعہ کفر اور بد عہدی کی وجہ سے غرق کر دیئے گئے پھر اس غرق پر ہم سے کوئی مواخذہ کرنے والا نہ پاؤ گے کہ جو ہم سے باز پرس کر سکے یا کوئی ہمارا پیچھا کر سکے اب آئندہ آیت انسان پر بعض انعامات کا ذکر کہ جو ہم سے باز پرس کر سکے یا کوئی ہمارا پیچھا کر سکے اب آئندہ آیت میں انسان پر بعض انعامات ذکر فرماتے ہیں تاکہ انسان جانے کہ میرا پروردگار وہی ہے جس نے مجھ کو یہ عزتیں اور کرامتیں بخشی ہیں چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں اور بے شک ہم نے اولاد آدم کو عزت اور کرامت بخشی اور تمام مخلوقات پر اس کو بزرگی دی انسان کی دو

مخلوقات پر کرامت اور عزت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کو عقل اور فہم اور فراست اور نطق اور گویائی عطا کی اور لکھنا پڑھنا سکھایا زبان اور قلم سے اظہار مافی الضمیر کی قدرت عطا کی اور اس کا قدم معتدل اور سیدھا بنایا اور بہتر سے بہتر صورت اس کو عطا کی۔ جس میں کمال حسن پایا جاتا ہے ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ وفي الحديث خلق الله آدم علي صورته: آدمی ہاتھوں سے کھانا کھاتا ہے اور دوسرے حیوانات منہ سے زمین پر سے غذاء اٹھا کر کھاتے ہیں مردوں کو داڑھی دی اور عورتوں کو گی سوئیے۔

### ہر گلے رارنگ و بوئے دیگرست

اور انسان کو معاش اور معاد کے بارے میں حسن تدبیر عطا کی اور منافع اور مضار کے ادراک کے لیے حواس ظاہرہ اور باطنہ عطا کئے وغیرہ وغیرہ اور منجملہ کرامت اور عزت یہ ہے کہ ہم نے اولاد آدم کو خشکی میں چوپایوں پر سوار کیا اور سمندر میں کشتیوں پر سوار کیا مطلب یہ ہے کہ براہ بحر میں سفر کا سامان اس کے لئے مہیا کیا انسان سوار ہو کر چلتا ہے اور سواری کسی سواری پر سوار ہو کر نہیں چلتی اور پاکیزہ چیزوں میں سے ہم نے اس کو روزی دی دنیا کی مزید چیزیں اس کے کھانے میں آتی ہیں بخلاف دیگر مخلوقات کے کہ وہ ان لذیذ چیزوں سے محروم ہیں اور ہم نے اولاد آدم کے اکرام و انعام میں فقط مذکورہ بالا کرامتوں اور نعمتوں پر اقتصار نہیں کیا بلکہ ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت اور فوقیت دی اور اس کو وہ فضائل اور شمائل عطا کئے جس سے بیشتر مخلوق خالی ہے لہذا حق تعالیٰ کی اس تکریم اور تفصیل کا اور انعام و اکرام کا حق یہ ہے کہ اپنے منعم حقیقی کا دل و جان سے شکر کریں اور شکر اور ناشکری سے دور ہیں اور عبودیت اور عبادت سے اور اطاعت سے اس خداداد کرامت و فضیلت کی حفاظت کریں اور ابلیس لعین جو تمہارے باپ آدم علیہ السلام کے کرامت اور فضیلت کا منکر ہے اور جس نے ﴿أَزِيدُكَ هَذَا الَّذِي كَرَّمْتُ عَلَيْكَ﴾ کہہ کر تمہارے باپ کو سامنے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور تمہارے باپ کی فضیلت اور کرامت کے انکار کرنے کی وجہ سے بارگاہ خداوندی سے مطرود اور مردود ہوا وہ تمہارا قدیمی دشمن ہے ہر وقت تمہاری تاک میں ہے کہ باپ کی وجہ سے تم کو جو عزت و کرامت اور فضیلت و فوقیت ملی ہے اس کو خاک میں ملادے اس سے چوکنار ہنا اور اس کے بہکادے میں آ کر اپنے منعم حقیقی کو نہ بھول جانا۔

### لطائف و معارف

(۱) حق تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾ میں اولاد آدم کی عزت و کرامت کا ذکر فرمایا جو جانا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو عزت اور کرامت عطا فرمائی وہ دو قسموں کی ہے ایک کرامت جسمانی جو تمام انسانوں کو حاصل ہے جس میں مومن کافر سب شریک ہیں کرامت جسمانی یہ ہے۔

(۱) کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کا ضمیر تیار کیا اور خود دست قدرت سے اس کو بنایا۔

(۲) اور احسن تقویم میں اس کو پیدا کیا تمام کائنات میں سب سے زیادہ خوبصورت اس کو بنایا۔

(۳) اور معتدل القامت اس کو بنایا۔ (۴) پکڑنے اور کھانے کیلئے انگلیاں بنائیں۔ (۵) اور چلنے کو پیر بنائے۔

(۶) اور مردوں کو داڑھی اور عورتوں کو گیسوؤں سے زینت بخشی۔ (۷) اور عقل اور تیز دی۔ (۸) اور بولنے کیلئے زبان عطا کی۔ (۹) اور قلم سے اس کو لکھنا سکھایا۔ (۱۰) اور اسباب معیشت میں اس کی رہنمائی کی۔ (۱۱) اور طرح طرح کے صنایع اور بدائع کا اس کو الہام کیا۔

(۱) کرامت روحانی:..... دوسری قسم کی کرامت، کرامت روحانی ہے وہ دو قسموں پر منقسم ہے۔ (۱) ایک کرامت عامہ اور دوسری کرامت خاصہ، کرامت عامہ میں مومن اور کافر سب شریک ہوتے ہیں روحانی کرامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پتلہ خاکی میں ایک روح پھونکی جو ایک روحانی چیز ہے اور جس ملائکہ سے ہے۔

(۲) اور پھر اولاد آدم کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا اور ﴿الْأَنسُ بَرِّئُكُمْ﴾ کے خطاب سے ان کو عزت و کرامت بخشی جس کے جواب میں سب (مومن اور کافر) نے بلی کہا اور سب سے عہد ر بوبیت لیا۔

(۳) اور پھر تمام اولاد آدم کو اسی فطرت یعنی عہد الست پر پیدا کیا۔ (۴) اور پھر اس عہد الست کو یاد دلانے کے لیے دنیا میں رسول بھیجے اور صحائف نازل کیے اور سب کو آگاہ کر دیا کہ اگر اپنی اصلی فطرت اور عہد الست پر چلو گے تو قیامت کے بعد جنت میں اپنے باپ سے یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے جا کر ملو گے اور اگر عہد الست سے انحراف کیا اور اپنے باپ کے دشمن ابلیس کے کہنے پر چلے تو ابلیس کے ساتھ جہنم میں جاؤ گے۔

کرامت روحانیہ کا خاصہ:..... اور روحانی کرامت کی دوسری قسم کرامت خاصہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو یعنی انبیاء اور اولیاء اور عباد مومنین کو مکرم و سرفراز فرمایا۔ انبیاء کرام کو نبوت و رسالت کی کرامت سے عزت بخشی اور اولیاء کو نور ولایت اور نور معرفت سے شرف بخشا اور اہل ایمان کو ایمان اور اسلام اور صراط مستقیم کی ہدایت سے کرامت بخشی کہ صراط مستقیم پر چل کر اپنے رب اکرم تک پہنچ جائیں اور ﴿الْأَنسُ بَرِّئُكُمْ﴾ کے جواب میں بلی کہہ کر جو عہد ر بوبیت کر کے آئے تھے اس کو پورا کر کے اپنے رب کے سامنے سرخروئی کے ساتھ حاضر ہو جائیں۔

(۲) کرامت اور فضیلت میں فرق:..... کرامت اس صفت کو کہتے ہیں کہ جو کسی کی ذات میں بدون لحاظ غیر پائی جائے اور فضیلت اور فضل اس زیادتی کو کہتے ہیں کہ جو دوسرے کے لحاظ سے اس میں زیادہ ہو پس انسان باعتبار اپنی ماہیت اور حقیقت کے تمام مخلوقات سے اکرام اور افضل اور اشرف ہے جیسے عقل اور فہم و فراست اور حسن صورت یہ کرامت اور عزت سوائے انسان کے کسی مخلوق کو حاصل نہیں اور باعتبار اخلاق کاملہ اور اعمال فاضلہ کے بہت سی مخلوق سے افضل ہے مطلب یہ ہے کہ انسان امور خلقیہ اور طبعیہ اور ذاتیہ کے اعتبار سے سب مخلوق سے زیادہ مکرم اور محترم ہے اور اعتبار امور اکتسابیہ کے جن کو انسان خدا داد عقل اور حواس سے حاصل کرتا ہے جیسے علوم حقہ اور عقائد صحیحہ اور اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ اس اعتبار سے انسان اکثر مخلوقات سے افضل اور برتر ہے کرامت کا دار و مدار چونکہ امور خلقیہ اور طبعیہ پر ہے جن میں انسان کے عمل اور کسب و اکتساب کو دخل نہیں اس لیے تکریم و کرامت میں مومن اور کافر سب شریک ہیں اور تفصیل کا دار و مدار فضائل کسب پر ہے اس لیے تفصیل اہل ہدایت کے لیے مخصوص ہے اور اراکات علوم حقہ اور اعمال صالحہ اور اطاعت و قربات سے فرق مراتب قائم ہوتا ہے۔

یہ تمام کلام امام رازی قدس اللہ سرہ کے کلام کی تفصیل ہے حضرات اہل علم اصل تفسیر کبیر: ۵/۳۳۳ کی مراجعت کریں۔

(۳) شروع آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم نے بنی آدم کو تمام مخلوقات پر کرامت اور عزت بخشی اور اخیر آیت میں یہ فرمایا ﴿وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا﴾: یعنی ہم نے بہت سی مخلوقات پر انسان کو فضیلت دی اور یہ نہیں فرمایا کہ کل مخلوقات پر اس کو فضیلت دی اور لفظ کثیر کو مجمل رکھا اس کی کوئی تعین نہیں فرمائی اس لیے علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ انسان کو سوائے ملائکہ (فرشتوں) کے سب پر فضیلت ہے اور یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا اور معتزلہ نے اس آیت کو اس بات کی دلیل قرار دیا کہ ملائکہ انبیاء کرام سے افضل ہیں جمہور معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ فرشتے انبیاء کرام سے افضل ہیں اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ اس آیت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بنی آدم اکثر مخلوقات سے تو افضل ہیں مگر ایک قلیل مخلوق ایسی ہے کہ بنی آدم ان سے افضل نہیں وہ قلیل مخلوق فرشتوں کی ہے کہ وہ تمام بنی آدم سے افضل ہیں۔

علماء اہل سنت اشاعرہ اور ماترید یہ یہ کہتے ہیں کہ خاص بشر یعنی انبیاء و مرسلین، خواص ملائکہ و عوام ملائکہ سب سے افضل ہیں یعنی انبیاء مرسلین، جبرائیل و میکائیل اور ملائکہ مقررین وغیرہم سب سے افضل اور برتر ہیں اور عام ملائکہ عام بشر سے افضل ہیں یعنی باقی تمام فرشتے تمام آدمیوں سے افضل ہیں اور علماء اہل سنت سے ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اولیاء اور اقیاء جیسے صدیق رضی اللہ عنہ اور فاروق رضی اللہ عنہ اور محدث من اللہ عام ملائکہ سے افضل ہیں اختلاف اور دلائل کی تفصیل کے لیے کتاب اصول الدین للشیخ الامام صدر اسلام بزدوی ص ۲۰۳ دیکھیں اور مسامرہ شرح مسامرہ ص ۲۱۲ للشیخ کمال الدین ابن ابی اور شرح مسامرہ للشیخ قطلوبغا ص ۲۱۲ مطبوعہ مصر دیکھیں۔

علماء اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ معتزلہ کا اس آیت یعنی ﴿وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾ سے تفضیل ملائکہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں کہ ایک جنس کا دوسری جنس سے افضل ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ پہلی جنس کا ہر فرد دوسری جنس کے ہر فرد سے افضل اور بہتر ہے جنس مرد جنس عورت سے بہتر ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر مرد ہر عورت سے بہتر ہے سب کو معلوم ہے کہ حضرت حوا اور مریم رضی اللہ عنہما، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہما بہت سے مردوں سے بہتر ہیں مجموعی طور پر اگر جنس ملائکہ جنس بشر سے افضل ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جنس ملائکہ کا ہر فرد یعنی فرشتہ ہر فرد حتیٰ کہ انبیاء و مرسلین سے بھی افضل ہو۔ خصوصاً جب کہ دلائل قطعیہ سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے سر پر تاج خلافت رکھا اور ان کو مسجد ملائکہ بنایا اور فرشتوں سے بڑھ کر ان کو علم عطا کیا۔ ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ﴾ سے واضح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی افضلیت کی ایک وجہ ان کی علمی عظمت و فضیلت اور برتری تھی اور ابلیس کا یہ کہنا کہ ﴿أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ﴾ اور نیز اس کا کہنا ﴿أَرَأَيْتَ لَكَ هَذَا الْأَبْنَىٰ كَرَّمْتَنَا عَلَىٰ﴾ وغیرہ وغیرہ یہ سب اس امر کی دلیل ہے کہ ابلیس نے سجدہ کے حکم کو آدم علیہ السلام کی افضلیت کی دلیل سمجھا اور نہ اگر یہ حکم ان کی افضلیت کی دلیل نہ ہوتا تو ابلیس سجدہ کرنے سے انکار نہ کرتا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو یہ حکم دینا کہ آدم کو سجدہ کرو اس



سے مقصود حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کا اظہار کرنا تھا کہ آدم علیہ السلام تم سب سے افضل ہیں اہل سنت کی طرف سے معتزلہ کا جواب دراصل قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے اور شارحین نے اس کی تفصیل کر دی ہے اس ناچیز نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب تفسیر بیضاوی اور اس کے حواشی اور شرح سے ماخوذ ہے۔

حضرات اہل علم حاشیہ شہاب رحمۃ اللہ علیہ خفاجی علی تفسیر بیضاوی: ۶/۳۹ دیکھیں نیز حاشیہ تحوی علی البیضاوی ص ۲۷۲ جلد ۱؛ بھی ضروری دیکھیں اس میں بھی اس مضمون کی تشریح اور تفصیل کی ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تفسیر جلالین میں یہی جواب دیا اس کی تشریح کے لیے حاشیہ جمل اور حاشیہ صاوی دیکھیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ معتزلہ کے نزدیک ملائکہ، انبیاء و مرسلین سے افضل ہیں اور جمہور اہل سنت اشعریہ اور ماتریدیہ کے نزدیک انبیاء اور مرسلین تمام ملائکہ سموات و ارضین سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ (باستثناء رسل بشر) باقی تمام فرشتوں سے افضل ہیں اور تمام اولیاء اور اقیاء بشر سے بھی افضل ہیں بہر حال جمہور اہل سنت کا مسلک یہی ہے کہ عامہ ملائکہ عامہ اولیاء بشر سے افضل ہیں رہے بنی آدم کے فساق و فجار تو وہ حکم میں حیوانات اور بہائم کے ہیں۔

اور بعض اشاعرہ و ماتریدیہ اس طرف گئے ہیں کہ انبیاء کرام کے علاوہ اولیاء اور اقیاء اور ائمہ دین اور علماء ربانیین عام فرشتوں سے افضل ہیں اور عام فرشتوں سے وہ فرشتے مراد ہیں جو رسل ملائکہ کے علاوہ ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ابتداء میں تفضیل ملائکہ علی البشر کے قائل تھے بعد میں اس سے رجوع کیا اور تفضیل انبیاء علی الملائکہ کے قائل ہوئے اور اس بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ انبیاء اور ملائکہ کے باہمی تفاضل اور مفاضلہ میں توقف کیا جائے اس لیے کہ اس بارے میں دلائل متعارض ہیں لہذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ سکوت کیا جائے۔ (دیکھو شرح عقیدہ طحاویہ ص: ۲۳۸-۲۴۰ اور نیز اس شرح شرح عقائد نسفی ص ۶۰۲)

امام رحمۃ اللہ علیہ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ اس بارے میں سکوت کیا جائے ہمیں حقیقت حال کا علم نہیں اور نہ ہمیں اس کی ضرورت ہے اس لیے بہتر ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے حوالے اور سپرد کیا جائے۔ (دیکھو حاشیہ خیالی بر شرح عقائد: ۲۸۰/۲)

معذرت:..... بقدر ضرورت اس مسئلہ کو لکھ دیا گیا مزید تفصیل کی نہ امت ہے اور نہ عام ناظرین کو اس کی ضرورت ہے  
● اصل عبارت اس طرح ہے:

ظاہر الآیة يدل علی تفضیل الملك علی البشر وهو مخالف للمشهور من مذهب اهل السنة فدفعه المصنف بان تفضیل جنس علی جنس آخر لا یقتضی تفضیل کل فرد منہ علی کل فرد من الآخر فلا ینافی ذلك تفضیل بعض افراد البشر علی کل الملك او علی بعضه علی مذهبین فی المسئلة الخ۔ (کذا فی حاشیة الشہاب علی تفسیر البیضاوی: ۳۹/۶)

● قال الامام ابو منصور الماتریدی فی تفسیر قوله تعالیٰ ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾ امام الکلام ۲ فی تفضیل البشر علی الملائكة والملائكة علی البشر فاننا لا نتکلم فیہ لاننا لا نعلم ذلك وليس لنا الی معرفته حاجة فنکل الامر فیہ الی اللہ تعالیٰ وذلك مثل الکلام بین الانبیاء والرسل و اقیاء الحق و بین الملائكة و تفضیل هؤلاء علی هؤلاء فنفرض ذلك الی اللہ تعالیٰ (انعی کل امه) (حاشیة خیالی بر شرح عقائد: ۲۸۰/۲ مطبوعه مصر)

حضرات اہل علم اگر مزید تفصیل چاہیں تو شرح عقیدہ مجاہد ص ۲۳۵-۲۴۵ اور شرح عقیدہ سفارینیہ: ۲/۳۸۰-۳۹۹ دیکھیں۔

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ ؕ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَاولئك يَقْرءُونَ

جس دن ہم بلائیں گے ہر فرقہ کو ان کے سرداروں کے ساتھ سو جس کو ملا اس کا اعمالنامہ اس کے داہنے ہاتھ میں سو وہ لوگ پڑھیں گے جس دن ہم بلاویں گے ہر فرقے کو، ساتھ ان کے سردار کے۔ سو جس کو ملا اس کا لکھا اس کے داہنے میں، سو پڑھتے ہیں

كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيْلًا ﴿۱۵﴾ وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ اَعْمٰی فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ

اپنا لکھا اور ظلم نہ ہوگا ان پر ایک تار کے کاف اور جو کوئی رہا اس جہان میں اندھا سو وہ پچھلے جہان میں بھی اندھا ہے اور بہت دور پڑا ہوا اپنا لکھا، اور ظلم نہ ہوگا ان پر ایک تار کے کا۔ اور جو کوئی رہا اس جہان میں اندھا، سو پچھلے جہان میں اندھا ہے، اور زیادہ دور پڑا

### سَبِيْلًا ﴿۱۶﴾

راہ سے

راہ سے۔

### بیان فرق مراتب در روز قیامت

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ... اِلَى... وَاَضَلُّ سَبِيْلًا﴾

ربط: ..... گزشتہ آیات میں انسان کے دنیوی حالات بیان فرمائے اب اس کے بعد کچھ اخروی حالات بیان کرتے ہیں جہاں فرق مراتب کا ظہور ہوگا کہ نیک لوگوں کے نامہائے اعمال داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور بدوں کے بائیں ہاتھ میں اور انسان کی حقیقی تکریم و تفضیل اس دن ظاہر ہوگی۔

۱۔ یہاں یہ بتلانا ہے کہ دنیا میں فطری حیثیت سے انسان کو جو عزت و فضیلت بخشی تھی اس نے کہاں تک قائم رکھی اور کتنے ہیں جنہوں نے انسانی عروشرن کو خاک میں ملادیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر فرقہ اس چیز کی معیت میں حاضر ہوگا جس کی پیروی اور اتباع کرتا تھا۔ مثلاً مومنین کے نبی، کتاب، دینی پیشوا، یا انکار کے مذہبی سردار، بڑے شیطان اور جھوٹے معبود، جنہیں فرمایا ہے ﴿وَجَعَلْنَاهُمْ اٰیٰتًا يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ﴾ اور حدیث میں ہے "لتتبع كل امة ما كانت تعبد" اس وقت تمام آدمیوں کے اعمالنامے ان کے پاس پہنچا دیئے جائیں گے کسی کا اعمالنامہ سامنے سے داہنے ہاتھ میں اور کسی کا پیچھے سے بائیں ہاتھ میں پہنچ جائے گا۔ گویا یہ ایک حسی علامت ان کے مقبول یا مردود ہونے کی سمجھی جائے گی۔ "اصحاب یمنین" (داہنے ہاتھ میں اعمالنامہ پکڑنے والے) وہ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں حق کو قبول کر کے اپنی فطری شرافت اور انسانی کرامت کو باقی رکھا۔ جس طرح دنیا میں انہوں نے دیکھ بھال کر اور سوچ سمجھ کر کام کیے، آخرت میں ان کی وہ احتیاط کام آئی۔ اس دن وہ خوشی سے پھولے نہ سمائیں گے، بڑے سرور و انبساط سے اپنا اعمالنامہ پڑھیں گے اور دوسروں کو کہیں گے ﴿هٰذَا هُمْ اَقْرَبُوْا كِتٰبِيْنَ﴾ کہ آؤ میری کتاب پڑھ لو۔ باقی دوسرے لوگ یعنی "اصحاب شمال" ان کا کچھ حال اگلی آیت میں بیان فرمایا ہے (بعض نے لفظ "امام" سے خود اعمالنامہ مراد لیا ہے کیونکہ وہاں لوگ اس کے پیچھے چلیں گے)

۲۔ یعنی کجگروئی گنہگاری کے درمیان جو ایک باریک دھاگسا ہوتا ہے، اتنا ظلم بھی وہاں نہ ہوگا۔ ہر ایک کی محنت کا پورا بلکہ پورے سے زیادہ پھل ملے گا۔

۳۔ یعنی یہاں ہدایت کی راہ سے اندھا رہا، دیرامی آخرت میں بہشت کی راہ سے اندھا ہے اور بہت دور پڑا ہے۔ (موضح القرآن) یہ "اصحاب یمنین" کے بالمقابل "اصحاب شمال" کا ذکر ہوا۔ بعض نے "وَاَضَلُّ سَبِيْلًا" کا مطلب یہ لیا ہے کہ دنیا میں تو ستانی مافات کا امکان تھا، آخرت میں اس سے بھی دور جا پڑا۔ کیونکہ اب تدارک و ستانی کا امکان ہی نہیں رہا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس دن کو جب ہم پرفرقہ کو اس کے پیشوا سمیت بلائیں گے یعنی ہر امت اپنے نبی اور کتاب کے ساتھ بلائی جائے گی اور جو نبی کو نہیں مانتے وہ اپنے سرداروں کے ساتھ بلائے جائیں گے جن کو وہ اپنا مقتدا اور پیشوا مانتے تھے اس کے بعد تمام آدمیوں کے اعمال نامے ان کے پاس پہنچادیئے جائیں گے پس جس کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور یہ اہل ایمان ہوں گے سو یہ لوگ خوشی سے اپنے اعمال نامے کو بار بار پڑھیں گے اور دوسروں سے یہی کہیں گے کہ میرے اعمال نامے کو دیکھو ہاؤم اقرءوا کتابہ اور ان پر ایک تارگے کے برابر ظلم نہ کیا جائے گا یعنی ایمان اور اعمال صالحہ کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی بلکہ زیادہ ہی ملے گا اور جو شخص اس دنیا میں راہ خدا سے اندھا رہا وہ آخرت میں بھی جنت کی طرف سے اندھا رہے گا یعنی نجات کی راہ نہ دیکھے گا اور بلکہ بہ نسبت دنیا کے زیادہ گم گشتہ راہ ہوگا کیونکہ دنیا میں پینا ہونا ممکن تھا کہ راہ حق اس کو نظر آجاتی اور صراط مستقیم پر چل پڑتا اور آخرت میں تو بینائی کی استعداد ہی زائل ہوگئی اور وقت ہاتھ سے نکل گیا۔

وَأَنَّ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَةً وَإِذَا

اور وہ لوگ تو چاہتے تھے کہ تجھ کو بھلا دیں اس چیز سے کہ جو وحی بھیجی ہم نے تیری طرف تاکہ جھوٹ بنا لائے تو ہم پر وحی کے سوا اور تب اور وہ تو لگے تھے کہ تجھ کو بھلاویں (پھیر دیں) اس چیز سے، جو وحی بھیجی ہم نے تیری طرف، تاکہ باندھ لائے تو اس کے سوا۔ اور تب

لَا تَخْذُوكَ خَلِيلًا ۝ وَلَوْ لَا أَنْ تَبْتُلْنَا لَقَدْ كِدَّتْ تَرَكُنَ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝ إِذَا

تو بنا لیتے تھے تجھ کو دوست فل اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے تجھ کو سنبھالے رکھا تو تو لگ جاتا تھکنے ان کی طرف تھوڑا سا فل تب پکڑتے تھے تجھ کو دوست۔ اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے تجھ کو ٹھہرا رکھا، تو تو لگ ہی جاتا جھکنے ان کی طرف تھوڑا سا۔ تب

لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۝ وَإِنَّ كَادُوا

تو ضرور چکھاتے ہم تجھ کو دو نامزہ زندگی میں اور دو نامرنے میں پھر نہ پاتا تو اپنے واسطے ہم پر مدد کرنے والا فل اور وہ تو چاہتے تھے مقرر چکھاتے ہم تجھ کو دو نامزہ زندگی میں اور دو نامرنے میں، پھر نہ پاتا تو اپنے واسطے ہم پر مدد کرنے والا۔ اور وہ تو لگے تھے

فل یعنی بعض اندھے ایسے شریر ہیں کہ خود تو راہ پر کیا آتے بڑے بڑے سوائیکھوں کو بھلا نا چاہتے ہیں۔ چنانچہ نفاذ مکہ کی اس بے حیائی اور جسارت کو دیکھنے کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈور سے ڈالتے ہیں کہ خدا نے جو احکام دیے اور وحی بھیجی اس کا ایک حصہ ان کی خاطر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) چھوڑ دیں یا بدل ڈالیں۔ کبھی حکومت، دولت اور حسین عورتوں کا لالچ دیتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو جائیں گے قرآن میں سے صرف وہ حصہ نکال دیجئے جو شرک و بت پرستی کے رد میں ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم (العیاذ باللہ) بغرض محال ایسا کر گزرتے تو بیٹنگ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کاڑھا دست بنا لیتے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب یہ تھا کہ خدا کی قسم اگر تم چاند اتار کر میری ایک ٹنگھی میں اور سورج اتار کر دوسری ٹنگھی میں رکھو تب بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز کو چھوڑنے والا نہیں جس کے لیے خدا نے اسے کھڑا کیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنا کام پورا کرے یا اس راستے سے گزر جائے

دست از طلب عارم تا کام من برآید

یا تن رسد بجاناں یا جاں زن برآید

فل "تو کون" رکون سے ہے جو ادنیٰ جھکاؤ اور خفیف میلان قلب کو کہتے ہیں اس کے ساتھ "شَیْئًا قَلِيلًا" بڑھایا گیا تو ادنیٰ سے ادنیٰ ترین مراد ہوگا۔ پھر "لَقَدْ كِدَّتْ" فرما کر اس کے وقوع کو اور بھی گھنایا۔ یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم پیغمبر ہیں جن کی عصمت کی سنبھال حق تعالیٰ اپنے فضل =

لَيْسْتَفِزُّوكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذَا لَا يَلْبَثُونَ خِلْفَكَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۵﴾

گھبرادیں تمھ کو اس زمین سے تاکہ نکال دیں تمھ کو یہاں سے اور اس وقت نہ ٹھہریں گے وہ بھی تیرے پیچھے مگر تمھوڑا  
گھبرانے تمھ کو اس زمین سے، کہ نکال دیں تمھ کو یہاں سے، اور تب نہ ٹھہریں گے تیرے پیچھے مگر تمھوڑا

عَسَنَّةٌ مِّنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴿۱۶﴾

دستور چلا آتا ہے ان رسولوں کا جو تمھ سے پہلے بھیجے ہم نے اپنے پیغمبر اور نہ پاتے گا تو ہمارے دستور میں تفاوت  
دستور پڑا ہوا ہے ان رسولوں کا، جو تمھ سے پہلے بھیجے ہم نے، اور نہ پائے گا تو ہمارے دستور میں تفاوت۔

ذکر عداوت کفار باسیدالابرار، در امور دینیہ و دنیویہ و وعدہ عصمت و حفاظت

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿وَإِنْ كَانُوا لَيَفْتِنُونَكَ... أَلِ... لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا﴾

رابطہ:..... گزشتہ آیات میں کفار کی تکذیب کا بیان تھا کہ وہ آپ ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں اب ان آیتوں میں ان کی  
عداوت کا بیان ہے کہ وہ دین میں بھی آپ ﷺ کے دشمن تھے آپ ﷺ کو اپنی خواہشوں پر مجبور کرنا چاہتے تھے کہ  
آپ ﷺ ہمارے بتوں کی مذمت نہ کریں یا اس پر قدرے سکوت کریں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے محفوظ رکھا اور دنیا  
میں بھی آپ ﷺ کے دشمن تھے اور آپ ﷺ کو مکہ سے نکالنا چاہتے تھے مگر خیریت ہوئی کہ وہ نکالنے پر قادر نہ ہوئے اللہ  
نے آپ ﷺ کو وہاں سے ہجرت کرنے اور نکل جانے کا حکم دیا اور خدا نے دشمنوں کی آنکھیں ایسی خیرہ کر دیں کہ آپ ﷺ  
ان کے سامنے سے گزر کر صحیح سالم نکل کر اہی مدینہ ہوئے۔ غرض یہ کہ ان آیات میں کفار کی عداوت کا ذکر فرمایا اور آپ ﷺ  
کو تسلی دی کہ آپ گھبرائیں نہیں دین اور دنیا میں ہم آپ کے محافظ اور نگہبان ہیں یہ دشمن آپ ﷺ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

خصوصی سے کرتا ہے تو ان چالاک شریروں کی فریب بازوں سے بہت ہی تمھوڑا سا دھر جھکنے کے قریب ہو جاتے مگر انبیاء علیہم السلام کی عصمت کا تامل ان کا ہر دور گذر  
کر چکا ہے اس لیے اتنا خفیہ جھکاؤ بھی نہ پایا گیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں قوی کی فطری قوت کس قدر مضبوط اور ناقابل تزلزل تھی۔

وقل اس سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل و شرف کا نہایت لطیف پیرایہ میں اظہار مقصود ہے۔ مقررین کے لیے جیسے انعامات بہت بڑے ہیں "تزدیکان را  
بیش بود جیرانی" کے قاعدہ سے ان کی چھوٹی سے چھوٹی غلظت یا کوتاہی پر عتاب بھی نہیں زیادہ ہوتا ہے جیسے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو فرمایا ہوتا ہے  
الَّذِينَ مِنْ تَأْتِبِ وَنَكَرٍ بِمَا جَعَلْنَا مِنْ يَدَيْهِمْ يُظْلَعُونَ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ﴿۱۶﴾ تو بتلا دیا کہ آپ رضی اللہ عنہن کا مرتبہ معمولی نہیں۔ اگر بغرض محال ادنیٰ سے  
ادنیٰ ملتی ہو تو دنیا میں اور رزخ و آخرت میں دوگنا مزہ چکھنا پڑے۔ مومن کو چاہیے کہ ان آیات کو تلاوت کرتے وقت دوزخ کو بیٹھ کر انتہائی خوف و خشیت کے  
ساتھ حق تعالیٰ کی شان جلال و جبروت میں غور کرے اور وہی کہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللَّهُمَّ لَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ" خداوند!  
چشم زدن کے لیے بھی تمھ کو میرے نفس کے حوالہ نہ کیجئے یعنی ہمیشہ اپنی حفاظت و کفالت میں رکھیے۔

قل یعنی چاہتے ہیں کہ تمھے تنگ کر کے اور گھبرا کر مکہ سے نکال دیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ ایسا کیا تو وہ خود زیادہ دنوں تک یہاں نہ رہ سکیں گے چنانچہ اسی طرح واقع  
ہوا۔ ان کے ظلم و ستم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا سبب بنے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ سے تشریف لے جانا تھا کہ تقریباً ڈیڑھ سال بعد مکہ کے بڑے بڑے  
نامور سردار گھروں سے نکل کر میدان "بدر" میں نہایت ذلت کے ساتھ ملاک ہوئے۔ اور اس کے پانچ چھ سال بعد مکہ پر اسلام کا قبضہ ہو گیا۔ کفار کی حکومت و  
شوکت تباہ ہو گئی اور بالآخر بہت قلیل مدت گزرنے پر مکہ بلکہ پورے جزیرہ العرب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مخالف بھی باقی نہ رہا۔  
قل یعنی ہمارا یہی دستور ہے کہ جب کسی بستی میں پیغمبر خدا کو نہ رہنے دیا تو بستی دا لے خود در ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ کافر قریب ہیں اس بات کے کہ آپ ﷺ کو فریب اور دھوکہ دے کر آپ ﷺ کو اس چیز سے بچلا دیں جو ہم نے تیری طرف وحی کی ہے یعنی یہ لوگ اس کوشش میں ہیں کہ آپ ﷺ کو فریب دے کر فتنہ کی طرف مائل کریں تاکہ آپ ﷺ اس وحی کے سوا دوسری بات ہم پر افتراء کریں کیونکہ ان کی خواہش پر چلنا اور ان کی درخواست پر عمل کرنا درپردہ اللہ پر افتراء ہے اور ایسی حالت میں وہ تجھ کو ضرور اپنا دوست، ولی بنا لیتے مگر اللہ کے فضل عظیم نے تجھ کو ان کی طرف التفات کرنے سے محفوظ رکھا اور اگر ہم تجھ کو حق پر ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا تو ان کی ہدایت کی حرص و طمع میں کچھ تھوڑا سا ان کی طرف جھک جاتا مگر خدا تعالیٰ کی تثبیت و تائید سے آپ ﷺ ان کی طرف کچھ جھکنے کے قریب بھی نہیں ہوئے "رکون" کے معنی لغت میں میلان قلیل کے ہیں اور کلمہ لولا انتقاء کے بیان کے لیے آتا ہے یعنی اگر امر اول نہ ہوتا تو امر دوم ہوتا لیکن امر اول کے وجود سے امر دوم وجود میں نہیں آیا لہذا آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اے نبی ﷺ اگر اللہ تعالیٰ کی تثبیت آپ ﷺ کے ساتھ نہ ہوتی تو آپ ﷺ ان کی جانب جھکنے کے قریب ہو جاتے۔

لیکن اللہ کی تثبیت ازلی آپ ﷺ کے ساتھ تھی اس لیے آپ ﷺ کچھ بھی ان کی طرف جھکنے کے قریب بھی نہ ہوئے یہ آیت آنحضرت ﷺ کے کمال کی صریح دلیل ہے کہ تثبیت غیبی نے آپ ﷺ کی حفاظت کی کہ آپ ﷺ اس فتنہ کے قریب بھی نہیں گئے اگر بالفرض و التقدير ایسے ہوتا یعنی آپ ﷺ ان کی طرف تھوڑا سا بھی جھک جاتے تو ہم آپ ﷺ کو دہرا عذاب زندگی میں اور دہرا عذاب مرنے کے بعد چکھاتے "جن کا مرتبہ ہوا ان کی مشکل بھی سوا ہے" کیونکہ تیرا مرتبہ سب سے عالی ہے اس لیے تیری تھوڑی خطا بھی بہرے جیسا کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا مرتبہ بہت بلند ہے ان کے بارے میں یہ آیا ہے ﴿لَيْسَاءَ النَّبِيِّ مِنْ تَأْتٍ مِنْكُمْ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيَّنَةٍ يُضَعَّفَ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ﴾ پھر آپ ﷺ ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتے یعنی اگر آپ ﷺ ان کی طرف کچھ بھی جھک جاتے تو ہمارے عذاب سے آپ ﷺ کو کوئی بچانہ سکتا۔ امام شعبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ بکثرت یہ دعا پڑھا کرتے تھے اللھم لا تکلنی الی نفسی طرفہ عین اے اللہ پلک کے جھپکنے کی مقدار بھی مجھے میرے نفس کے سپرد نہ کیجئے، آمین۔

الہی برہ خود دار مارا دے بانفس ما مگوار مارا

اس آیت میں کفار کی طرف سے پیش آنے والے فتنہ کا ذکر تھا کہ اللہ نے آپ ﷺ کو اس سے محفوظ رکھا اب آئندہ آیت میں کفار کی عداوت اور ان کی طرف سے پیش آنے والی جسمانی مضرت سے حفاظت کا ذکر فرماتے ہیں۔

اور اے نبی ﷺ وہ کفار قریب ہی آگے تھے کہ تجھ کو ستا ستا کر زمین مکہ سے دل برداشتہ کر دیں تاکہ تجھ کو اس زمین سے نکال دیں اور اگر ایسا ہوتا تو وہ خود بھی تیرے بعد چند روز سے زیادہ وہاں نہ رہنے پاتے۔ مشرکین مکہ آپ ﷺ کو مکہ سے نکالنا چاہتے تھے مگر وہ نہ نکال سکے بلکہ خود آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے مکہ سے ہجرت کی اور جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ویسا ہی ہوا جن مشرکوں نے آپ ﷺ کو مکہ سے نکالا وہ ہجرت کے ایک سال بعد مکہ میں نہ رہنے پائے بلکہ غزوہ بدر میں فی النار والسقر ہوئے ہماری یہی روش ان رسولوں میں رہی جن کو ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بھیجا جب کسی امت نے اپنے رسول کو نکالا تو اس کے بعد وہ امت بھی وہاں نہ رہی بلکہ ہلاک ہوئی اور اے نبی ﷺ آپ ﷺ ہماری روش میں کوئی تبدیلی

نہ پائیں گے یعنی یہ اللہ کی قدیم سنت ہے کہ جب کسی قوم نے نبی کو ہستی میں نہیں رہنے دیا تو وہ ہستی والے بھی وہاں نہ رہے۔

**اقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ اِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ ۖ اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ**

قائم رکھ نماز کو سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک ۲ اور قرآن پڑھنا فجر کا ۳ بیٹک قرآن پڑھنا فجر کا ہوتا ہے کھڑی رکھ نماز سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک، اور قرآن پڑھنا فجر کا۔ بے شک قرآن پڑھنا فجر کا ہوتا ہے

**مَشْهُودًا ۝۴ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ ۗ عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا**

روبرو ۴ اور کچھ رات جاگتا رہ قرآن کے ساتھ یہ زیادتی ہے تیرے لیے ۵ قریب ہے کہ کھڑا کر دے تجھ کو تیرا رب روبرو۔ اور کچھ رات جاگتا رہ اس میں یہ بڑھتی (فائدہ) ہے تجھ کو، شاید کھڑا کرے تجھ کو تیرا رب، تعریف کے

**مَقَامًا ۝۵ وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ**

مقام محمود میں ۶ اور کہہ اے رب داخل کر مجھ کو سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو سچا نکالنا ۷ اور عطا کر دے مجھ کو اپنے پاس سے مقام میں۔ اور کہہ، اے رب! پیٹھا (داخل کر) مجھ کو سچا پیٹھانا (داخل کرنا) اور نکال مجھ کو سچا نکالنا، اور بنا دے مجھ کو اپنے پاس سے

**لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝۶ وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبٰطِلُ ۗ اِنَّ الْبٰطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝۷**

حکومت کی مدد ۸ اور کہہ آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ بیٹک جھوٹ ہے نکل بھاگنے والا ۹ ایک حکومت کی مدد۔ اور کہہ، آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ۔ بے شک جھوٹ ہے نکل بھاگنے والا۔

۱۰ یعنی ان کی منصوبہ بازیوں کی کچھ فکر نہ کیجئے۔ تعلق مع اللہ وہ چیز ہے جو انسان کو تمام مشکلات و نواب پر غالب کر دیتی ہے۔ ﴿وَاَسْتَجِيْبُوْا بِالطَّبٰرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ ۱۱ اس میں چار نمازیں آگئیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء جمع بین الصلواتین کے مسئلہ سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔ اور اگر جمع کا اشارہ نکالا جائے تو دو نہیں چار نمازوں کے جمع کرنے کی مشروعیت اس سے نکلے گی۔ ہاں بشرط ذوق صحیح یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ ظہر میں تعجیل اور عشاء میں تاخیر مستحب ہونی چاہیے الالعارض۔ ۱۲ یعنی نماز فجر میں شاید "قرآن الفجر" سے تعبیر کرنے میں یہ اشارہ ہو کہ تطویل قراءت فجر میں مطلوب ہے۔

۱۳ حدیث میں ہے کہ فجر و عصر کے وقت دن اور رات کے فرشتوں کی بدلی ہوتی ہے۔ لہذا ان دو وقتوں میں لیل و نہار کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے تو ہماری قرات اور نماز ان کے روبرو ہوتی جو مزید برکت و سکون کا موجب ہے، اور اس وقت اوپر جانے والے فرشتے خدا کے ہاں شہادت دینے کے کہ جب گئے تب بھی ہم نے تیرے بندوں کو نماز پڑھتے دیکھا اور جب آئے تب بھی۔ اس کے علاوہ صبح کے وقت یوں بھی آدمی کا دل حاضر اور مجتمع ہوتا ہے۔

۱۴ حضرت شام صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یعنی" نیند سے جاگ کر (تہجد میں) قرآن پڑھا کر۔ یہ حکم سب سے زیادہ تجھ پر کیا ہے کہ تجھ کو مرتبہ (سب سے) بڑا دینا ہے۔ ۱۵ "مقام محمود" شفاعت عظمیٰ کا مقام ہے۔ جب کوئی پیغمبر نہ بول سکے گا تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے عرض کر کے غفلت کو تکلیف سے چھڑائیں گے۔ اس وقت ہر شخص کی زبان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد (تعریف) ہوگی اور حق تعالیٰ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرے گا گو یا شان محمدیت کا پورا پورا ظہور اس وقت ہوگا۔

(تنبیہ) "مقام محمود" کی یہ تفسیر صحیح حدیثوں میں آئی ہے اور بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث میں شفاعت کبریٰ کا نہایت مفصل بیان موجود ہے۔ شارحین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دس قسم کی شفاعتیں ثابت کی ہیں۔ فتح الباری میں ملاحظہ کر لیا جائے۔ ۱۶ یعنی جہاں مجھے پہنچانا ہے (مثلاً مدینہ میں) نہایت آبرو اور خوبی و خوش اسلوبی سے پہنچا کہ حق کا بول بالا ہے۔ اور جہاں سے نکالنا یعنی علیحدہ کرنا ہو (مثلاً مکہ سے) تو وہ بھی آبرو اور خوبی و خوش اسلوبی سے ہو کہ دشمن ذلیل و خوار اور دوست شاداں و فرماں ہوں اور بہر صورت سچائی کی فتح اور جھوٹ کا سر نیچا ہو۔ ۱۷ یعنی غلبہ اور تسلط عنایت فرما جس کے ساتھ تیری مدد و نصرت ہو۔ تاکہ حق کا بول بالا ہے اور معاندین ذلیل و پست ہوں۔ دنیا میں کوئی قانون ہوسمادی =

تفسیر القرآن

وَنُزِّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۖ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا

اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں جس سے روگ دفع ہوں اور رحمت ایمان والوں کے واسطے اور گناہ گاروں کو تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں جس سے روگ چنگے ہوں اور مہر ایمان والوں کو۔ اور گناہ گاروں کو یہی بڑھتا ہے

خَسَارًا ﴿۱۷﴾ وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَمَّ بِجَانِبِهِ ۗ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ

اور جب ہم آرام بھیجیں انسان پر تو ٹال جائے اور بچائے اپنا پہلو اور جب پہنچے اس کو برائی تو رہ جائے نقصان۔ اور جب ہم آرام بھیجیں انسان پر، ٹلا جاوے اور ہٹا دے اپنا بازو۔ اور جب لگے اس کو برائی، رہ جاوے اس

يُؤْسًا ﴿۱۸﴾ قُلْ كُلُّ يَعْمَلْ عَلَى شَاكِلَتِهِ ۖ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَى سَبِيلًا ﴿۱۹﴾

ماریں ہو کر قُلْ تو کہہ ہر ایک کام کرتا ہے اپنے ڈھنگ پر سو تیرا رب خوب جانتا ہے کس نے خوب پالیا ہے راستہ قُلْ ٹوٹا۔ تو کہہ، ہر کوئی کام کرتا ہے اپنے ڈول پر۔ سو تیرا رب بہتر جانتا ہے، کون خوب سوچتا ہے راہ۔

= یا نبی! اس کے نفاذ کے لیے ایک درجہ میں ضروری ہے کہ حکومت کی مدد ہو۔ جو لوگ دلائل و براہین سننے اور آفتاب کی طرح حق واضح ہو چکے کے بعد بھی ضد و عناد پر قائم رہیں ان کے ضرور فساد کو حکومت کی مدد ہی روک سکتی ہے۔ اسی لیے سورۃ مدینہ میں فرمایا (لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ)

۱۹ یہ عظیم الشان پیشگوئی مکہ میں کی گئی جہاں نظر کوئی سامان غلبہ حق کا نہ تھا۔ یعنی کہہ دو قرآن کریم مومنین کو بتا رہی کہ جہاں کو چکھا ہوا آ پہنچا۔ بس مجھ لو کہ اب دین حق غالب ہو اور کفر بھاگا۔ نہ صرف مکہ سے بلکہ سارے عرب سے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اس وقت کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چھڑی سے سب پر ضرب لگاتے اور فرماتے تھے۔ ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَّقَ الْبَاطِلَ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾۔ ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبِيدِي الْبَاطِلَ وَمَا يُعِيدُ﴾ ہر ایک اونے منہ گر جاتا تھا۔ اس طرح قرآن کی ایک پیشگوئی پوری ہوئی اور دوسری کا اعلان کیا گیا کہ جو کفر کعبہ سے نکل بھاگا ہے آئندہ بھی واپس نہ آئے گا۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَىٰ ذَٰلِكَ

قُلْ یعنی جس طرح حق کے آنے سے باطل بھاگ جاتا ہے قرآن کی آیات سے جو بتدریج اترتی رہتی ہیں روحانی بیماریاں دور ہوتی ہیں، دلوں سے عقائد باطل، اخلاق ذمیرہ اور شکوک و شبہات کے روگ مٹ کر صحت باطنی حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات اس کی مبارک تاثیر سے بدنی صحت بھی حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ ”روح المعانی“ اور ”زاد المعاد“ وغیرہ میں اس کا فلسفہ اور تجربہ بیان کیا گیا ہے۔ بہر حال جو لوگ ایمان لائیں یعنی اس نسخہ شفا کو استعمال کریں گے، تمام فحشی و روحانی امراض سے نجات پا کر خدا تعالیٰ کی رحمت خصوصی اور ظاہری و باطنی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔ ہاں جو مریض اپنی جان کا دشمن طیب اور علاج سے دیکھی ہی کی ٹھان لے تو ظاہر ہے کہ جس قدر علاج و دوا سے نفرت کر کے دور بھاگے گا اسی قدر نقصان اٹھائے گا۔ کیونکہ مرض امتداد زمانہ سے مہلک ہوتا جائے گا جو آخر جان لے کر چھوڑے گا۔ تو یہ آفت قرآن کی طرف سے نہیں، خود مریض ظالم کی طرف سے آئی کما قال تعالیٰ ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

لَوَ أَنزَلْنَاهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ﴾

قُلْ یعنی انسان کا عجیب حال ہے خدا تعالیٰ اپنے فضل سے نعمتیں دیتا ہے تو احسان نہیں مانتا۔ بتنا عیش و آرام ملے اسی قدر منعم حقیقی کی طرف سے اس کی غفلت و اعراض بڑھتا ہے اور فرائض بندگی سے پہلو بچا کر کھسکا جاتا ہے۔ پھر جب سخت اور برا وقت آیا تو ایک دم آس توڑ کر اور امید ہو کر بیٹھ رہتا ہے۔ گو یاد دلوں مالتوں میں خدا سے بے تعلق رہا۔ کبھی غفلت کی بناء پر، کبھی مایوسی کی (نعوذ باللہ من کلا الحالین)۔ یہ مضمون غالباً اس لیے بیان فرمایا کہ قرآن جو سب سے بڑی نعمت الہی ہے، بہت لوگ اس کی قدر نہیں بیچانتے بلکہ اس کے ماننے سے اعراض و پہلو بچتی کرتے ہیں۔ پھر جب اس کفران نعمت اور اعراض و انکار کا راجح سامنے آئے گا اس وقت قطعاً مایوسی ہوگی کسی طرف امید کی جھلک نظر نہ پڑے گی۔

قُلْ یعنی ہر ایک کافر و مومن اور معرض و مقبل اپنے اپنے طریقے، نیت، طبیعت اور مذہب پر چلتا اور اسی میں مگن رہتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ خدا کے علم محیط ہے کسی شخص کا کوئی عمل باہر نہیں ہو سکتا، ہر ایک کے طریق عمل اور حرکات و سکنات کو برابر دیکھ رہا ہے اور بخوبی جانتا ہے کہ کون کتنا سیدھا چلتا ہے اور کس میں کس =

حکم بہ مشغولی عبادت رب معبود و بشارت مقام محمود و تلقین  
دعاء ہجرت و اشارہ بسوئے قیام آسمانی بادشاہت و سلطنت

قَالَ النَّبِيُّ: «أَقِمِ الصَّلَاةَ لِيُدْنُوكَ الشَّمْسُ... إلَى... أَهْدِي سَبِيلًا»

رابطہ:..... گزشتہ آیات میں کفار کی عداوت کا ذکر تھا اور اس بات کا ذکر تھا کہ کفار آپ ﷺ کو مکہ سے نکالنا چاہتے ہیں اب ان آیات میں آپ ﷺ کو یہ حکم دیتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کی عبادت میں مشغول رہئے ان دشمنوں کی طرف التفات نہ کیجئے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کا حامی و ناصر ہے۔

تمام عبادتوں میں سب سے اعلیٰ اور اشرف عبادت نماز ہے اس لیے اولاً فرض نمازوں کی تاکید فرمائی اور آخر میں نماز تہجد کا تاکد عوام کے لئے نہیں بلکہ خواص کے لیے ہے بعد ازاں آپ ﷺ کو مقام محمود کی بشارت دی ﴿عَلَىٰ أَنْ يُبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾: جو بظاہر اس تہجد کی برکات میں سے ہے کہ عنقریب آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ شافع حشر بنا کر مقام محمود میں کھڑا کر دے گا "مقام محمود" سے مراد مقام شفاعت ہے جو عزت و کرامت کا اعلیٰ ترین مقام ہے جو بنی آدم میں سوائے آنحضرت ﷺ کے کسی اور کو نصیب نہیں شروع سورت میں اسراء اور معراج کی عزت و کرامت کا ذکر فرمایا اور اس آیت میں مقام محمود کی عزت و کرامت کا ذکر فرمایا اور چونکہ مشرکین مکہ آپ ﷺ کو مکہ سے نکلنے کے درپے تھے اس لیے من جانب اللہ آپ ﷺ کو ہجرت کی دعا تلقین ہوئی ﴿وَقُلْ رَبِّ ادْخُلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مَخْرَجَ صِدْقٍ وَّاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا﴾: کیونکہ قضا و قدر نے ہجرت کو اسلام کی ترقی کا زینہ بنایا اور جس آسمانی بادشاہت و سلطنت کا خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا تھا ہجرت کو اس کا پیش خیمہ بنایا۔ اس لیے آپ ﷺ کو ہجرت کی دعا کا حکم ہوا اور ﴿وَّاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا﴾: میں اس بادشاہی و سلطنت کی طرف اشارہ ہے اور ﴿قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَرَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ میں اسلام کے ظہور اور غلبہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَ عَلٰى الدِّيْنِ كَلِمَهٗ﴾: اور یہ قرآن جو نسخہ کیمیا اور شفاء اور رحمت ہے اس کا پورا استعمال اس وقت شروع ہوگا کہ جب بدر میں کفر کے سر پر اسلام کی ضرب کاری لگے گی اور کفر کے غرور کا نشہ کافور ہوگا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بجز و عافیت آپ ﷺ کو مدینہ منورہ پہنچا دیا اور ہجرت کے بعد اسلام کی شان و شوکت یوںافیومآزاندہ ہونے لگی اور حق غالب ہوا اور باطل مضطرب ہوا مکہ فتح ہو گیا اور نجد اور یمن کا تمام علاقہ اور حجاز کا علاقہ اسلام کی زیر نگین آ گیا اور شاہانہ طریقہ سے اللہ کے احکام جاری ہونے لگے اور اہل اسلام اس نسخہ کیمیا (قرآن کریم) کے استعمال سے ایسے شفا یاب اور تندرست ہوئے کہ قیصر و کسریٰ کا آپریشن کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور جن ظالموں نے مال و دولت کے نشہ میں اس نسخہ کیمیا کے استعمال سے گریز کیا وہ کفر اور شرک کے زہریلے مادہ سے ہلاک ہو گئے اور ﴿وَإِذَا آتَعْنٰنَا عَلِ الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَكَا يَحْتَابِهٖ﴾ میں اشارہ اس طرف فرمایا کہ انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی انسان پر انعام

= قدر کج روی اور کج راہی ہے ہر ایک کے ساتھ اسی کے موافق برتاؤ کرے گا۔



فرمائیں تو انسان کو چاہئے کہ اپنے منعم سے مانوس ہو نعمتوں میں مست ہو کر منعم سے متوحش نہ ہو۔

چنانچہ فرماتے ہیں قائم کراے نبی ﷺ! نماز کو زوال آفتاب کے وقت سے لے کر رات کی تاریکی کے چھا جانے تک اس میں چار نمازیں آگئیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء۔ جیسا کہ حدیث سے اس اجمال کی تفصیل ہوگئی اکثر صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے نزدیک ”دلوت شمس“ سے زوال آفتاب مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ آفتاب ڈھلنے کے بعد رات کو کچھ حصہ گزر جانے تک کہ جب رات کی تاریکی افق پر چھا جائے نمازیں ادا کریں اور بعض صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم یہ کہتے ہیں کہ دلوت شمس سے غروب آفتاب کے معنی مراد ہیں اس سے مغرب کی نماز مراد ہے اور غسق اللیل یعنی جب رات کی سیاہی افق پر پھیل جائے اس وقت عشاء کی نماز پڑھو اور لازم کر لو قرآن کا پڑھنا فجر کی نماز میں اشارہ اس طرف ہے کہ فجر کی نماز میں قرآن زیادہ پڑھا جائے اور یہ نسبت اور نمازوں کے فجر کی نماز میں قراءت قرآن زیادہ طویل ہونی چاہئے بے شک فجر کی قراءت یعنی نماز فجر محل حضور ملائکہ ہے اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ فجر اور عصر کی نماز میں رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں پس جو فرشتے شب کو تم میں رہے وہ عروج کرتے ہیں پس اللہ عزوجل ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا وہ کہتے ہیں کہ جب ہم ان کے پاس گئے تھے۔ جب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم نے ان کو چھوڑا تب بھی نماز پڑھ رہے تھے اور چونکہ نماز صبح کا وقت نیند سے اٹھنے کا وقت ہے اس لیے نماز فجر کا حکم الگ بیان کیا پھر اسی کے متصل نماز تہجد کو بیان کیا جو شب کے اخیر میں پڑھی جاتی ہے اور خصوصی طور پر آنحضرت ﷺ کو اس کا خطاب فرمایا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ﷺ رات کے کچھ حصہ میں قرآن کے ساتھ شب خیزی کرو یعنی رات کا کچھ حصہ تہجد کے لیے مخصوص کر دو تہجد جو رات سے مشتق ہے معنی ترک خواب کے ہیں یعنی رات کے کچھ حصے میں خواب سے بیدار ہو کر نماز میں قرآن پڑھا کر وہ نماز تہجد کا حکم خاص تیرے لیے زیادہ ہے نماز پنجگانہ کے علاوہ خاص آپ ﷺ کے لیے یہ حکم زیادہ ہے کہ آپ ﷺ ضرورت تہجد پڑھا کریں اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کو سب سے زیادہ بلند مقام عطا کریں گے لہذا آپ ﷺ امید رکھئے کہ تیرا پروردگار تجھ کو ایک پسندیدہ مقام میں کھڑا کرے گا ”مقام محمود“ کے معنی مقام عزت کے ہیں۔

احادیث صحیحہ اور متواترہ سے ثابت ہے کہ آیت میں مقام محمود سے مقام شفاعت مراد ہے اور اس کو محمود اس لیے کہتے ہیں کہ اس مقام میں کھڑے ہو کر آنحضرت ﷺ اللہ کی عجیب و غریب حمد و ثناء کریں گے کہ جو کسی بشر کے دل پر نہیں گزری ہوگی اور پھر اس مقام میں تمام امم اور اقوام عالم کے لیے شفاعت کریں گے تو تمام اولین اور آخرین آپ کی تعریف کریں گے جس کی مفصل کیفیت احادیث میں مذکور ہے۔

نکتہ:..... آیت میں لفظ ”عسی“ امید دلانے کے لیے ہے اور درحقیقت وہ بشارت اور وعدہ ہے کیونکہ کریم کا امید دلانا کے بعد محروم کرنا یہ موجب عار ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہے کہ وہ امید دلانے کے بعد پھر نہ دے۔

فائدہ:..... تہجد ابتداء اسلام میں سب پر فرض تھا بعد میں امت سے اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی لیکن آنحضرت ﷺ بارے میں دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ تہجد آپ ﷺ کے حق میں خاص طور پر فرض رہا اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ ﷺ

فرض نہ رہا تھا اس لیے نافلہ لك کے دو معنی بیان کیے گئے ایک یہ کہ تہجد خاص آپ ﷺ کے لیے فرض زائد ہے دوم یہ کہ تہجد خاص آپ ﷺ کے لیے فضیلت زائدہ اور زیادتی مرتبہ کا موجب ہے۔

### تلقین دعاء ہجرت و بشارت قیام حکومت

﴿وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ... اِلَى... اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوًّا﴾

گزشتہ آیت میں مقام محمود یعنی مقام شفاعت کے وعدہ اور بشارت کا ذکر تھا جو آخرت سے متعلق ہے اب اس آیت میں دار کفر سے دار امان کی طرف ہجرت کی دعوتیں فرماتے ہیں اور ایک دنیوی بشارت دیتے ہیں کہ ہجرت کے بعد اسلام کی شان یونانیوں مان بلند ہوگی اور عنقریب مکہ مکرمہ فتح ہوگا اور جزیرۃ العرب پر اسلام کی حکومت اور سلطنت قائم ہو جائے گی حق ظاہر ہوگا اور باطل مٹ جائے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ﷺ آپ ﷺ کفار مکہ کی عداوت سے پریشان نہ ہوں آپ ﷺ تو یہ دعائیں لیں کہ اے میرے پروردگار داخل کر مجھ کو مقام صدق میں سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو دشمنوں کے زرخے سے سچا اور اچھا نکالنا یعنی مکہ سے اچھی طرح نکال اور اچھی طرح عزت کے ساتھ مدینہ میں داخل کر اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ عطا کر جو دین کے بارے میں میرا معین و مددگار ہو مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں میری اعانت اور امداد کر کہ یہاں سے نکلتے وقت اور دوسری جگہ داخل ہونے کے وقت بھی یعنی اس شہر سے مجھ کو آبرو کے ساتھ نکال اور کسی جگہ مجھ کو آبرو سے ٹھہرا دے۔ اور ایسی حکومت اور ایسی سلطنت عطا فرما جو تیرے دین میں مدد دینے والی ہو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا قبول فرمائی۔ مکہ سے اس خیر و خوبی اور خوش اسلوبی اور عزت و آبرو کے ساتھ آپ ﷺ کو نکالا کہ دشمن دیکھتے ہی رہ گئے اور پھر نہایت عزت و آبرو کے ساتھ آپ ﷺ کو مدینہ پہنچایا جہاں سے حق کا بول بالا ہوا اور مدینہ کے لوگ آپ ﷺ کے انصار اور یار و مددگار بنے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہوا اور اسلام کی حکومت اور سلطنت قائم ہوئی اور دعا ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا﴾ کا ظہور ہوا۔

اور اے نبی ﷺ! جب مکہ فتح ہو جائے اور اللہ کی فتح اور نصرت اور من جانب اللہ سلطنتا نصیرا کو آپ ﷺ دیکھ لیں تو اس وقت یہ کہنا آگیا حق اور صدق یعنی دین اسلام اور نابود ہو دین باطل یعنی کفر اور شرک سر زمین عرب سے دم دبا کر بھاگ نکلا اور بے شک وہ تو تھا ہی مٹنے والا باطل کو اگرچہ کسی وقت میں دولت و صولت حاصل ہو جائے تو وہ چند روزہ ہے جیسے کوڑا کرکٹ بظاہر اگرچہ پانی کے اوپر نظر آئے تو اس کا اعتبار نہیں وہ عارضی ہے جامع ترمذی میں ادخلنی اور اخر جنی کی تفسیر ہجرت کے ساتھ آئی ہے اور ﴿قُلْ جَاءَ الْحَقُّ﴾ سے فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ فتح مکہ کے دن جب آپ ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو تین سو ساٹھ بت اس کے اندر رکھے ہوئے تھے ہر قوم کا الگ بت تھا۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے بتوں کو کوچہ دیتے جاتے تھے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوًّا﴾ ﴿وَمَا يُبَدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ﴾ (حق آگیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے ہی والی چیز ہے)۔ (اور آئندہ نہ باطل ابتداء پیدا ہوگا اور نہ لوٹے گا)۔

آپ ﷺ یہ پڑھتے جاتے تھے اور بت منہ کے بل اوندھا ہوتا جاتا تھا حق جل شانہ نے باطل کی مغلوبی اور سرنگونی لوگوں کو چشم سر مشاہدہ کرادی اور غلبہ حق کی جو پیش گوئی کی تھی اس کا نظارہ کرادیا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آیت کریمہ ﴿ذٰبِ اَذْحٰلٰہِیْ مُدْخَلٌ صِدْقٍ وَّاٰخِرٌ حَیْہِیْ مُخْرَجٌ صِدْقٍ﴾ کی تفسیر میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مکہ معظمہ سے نکال کر باعزاز واکرام مدینہ طیبہ پہنچایا نیز قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ حدود اور احکام شریعت بدون قوت اور سلطنت اور امارت محفوظ نہیں رہ سکتے تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی۔

حکومت اور امارت اعزاز الہی ہے جو اس نے بندوں کو عطا کیا ہے اور اگر حکومت اور امارت نہ ہوتی تو بعض لوگ بعض کو تباہ و برباد کر دیتے اور قوی ضعیف کو ہلاک کر دیتا۔ حسن بصری رضی اللہ عنہ (مسلطاً تصدیقاً) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم ملک فارس اور روم کافروں سے چھین کر تم کو دیں گے ان دعاؤں کی تلقین سے مقصود آنحضرت ﷺ کو تسلی و بشارت دینا ہے کہ آپ ﷺ کفار و فجار کی ستم رانیوں سے گھبرائیں نہیں یہ باطل کا چند روزہ غلغلہ ہے۔ بالآخر دین حق غالب و سر بلند ہو کر رہے گا اور کفر ذلیل و خوار و سرنگوں ہوگا اور اے کافر و تمہاری تدبیریں کار آمد نہ ہوں گی لہذا اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو کفر و عناد کو چھوڑ دو اور طیب روحانی یعنی محمد رسول اللہ ﷺ جو نسخہ شفاء یعنی (قرآن کریم) تمہارے لیے لے کر آئے ہیں اس کا استعمال کرو اور دیکھو کہ ہم نازل کرتے ہیں قرآن <sup>۱</sup> سے وہ چیز کہ جو امراض باطنی کے لیے شفاء ہے جس سے دل کے شکوک و شبہات دور ہوتے ہیں اس کے ماننے والوں کے لیے اور پھر اس کا استعمال کرنے والوں کے لیے رحمت ہے کہ اس نسخہ شفاء کو پیتے ہی چنگے ہو گئے اور دلوں کی ساری بیماریاں دور ہو گئی اور سارے شک و شبہ مٹ گئے اور نہیں زیادتی کرتا یہ قرآن ان ظالموں کے حق میں سوائے خسارہ اور نقصان کے کسی اور چیز کو چونکہ تہمید اور عناد میں مبتلا ہیں اس لیے قرآن سن کر جوش عداوت میں آجاتے ہیں اور استہزاء اور تمسخر پر اتر آتے ہیں لہذا بجائے رحمت کے لعنت اور بجائے شفاء کے مرض پیدا ہوتا ہے ﴿فِیْ قُلُوْبِہِم مَّرَضٌ فَاَذٰہُمْ اللّٰہُ مَرَضًا﴾

اب آئندہ آیت میں اس خسارہ کا سبب بیان کرتے ہیں کہ انسان مال و منال اور جاہ و جلال کی محبت میں غرق ہے تکبر اور قساوت قلبی کی بیماری میں مبتلا ہے اور منعم حقیقی سے بے تعلق ہو گیا ہے اس لیے کوئی دوا اس کے حق میں کارگر نہیں ہوتی۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور یہ قرآن جو شفاء اور رحمت کا سبب تھا وہ مرض اور خسارہ کا سبب کیسے بنا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں یعنی صحت اور مال دیتے ہیں تاکہ وہ ہماری دی ہوئی نعمت کو ہمارے قرب اور رضا کا ذریعہ بنا لے تو وہ بجائے قریب ہونے کے ہم سے منہ پھیر لیتا ہے اور اپنا پہلو ہم سے دور کر لیتا ہے یعنی نعمت ملنے کے بعد منعم حقیقی سے پہلو تہی اور

① اشارہ اس طرف ہے کہ من القرآن کا ”من“ بیان ہے ماہو شفاء کا بیان مقدم ہے اہتمام کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ بین طویل تھا اس لیے بیان کو بین پر مقدم کر دیا گیا اور مطلب یہ ہے کہ سارا ہی قرآن شفاء ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ”من“ بعض کے لیے ہے اور بعض کا یہ مطلب نہیں کہ بعض قرآن شفاء ہے اور بعض شفاء نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ قرآن کا نزول تدریجاً ہوا ہے لہذا جس قدر حصہ نازل ہوا وہ بلاشبہ شفاء ہے اس اعتبار سے من بیان ہے اور من تجزیہ کا مال ایک ہو جائے گا باعتبار معنی کے دونوں میں کوئی فرق نہ رہے گا (دیکھو حاشیہ تروی علی التفسیر البیضاوی، ص: ۸۱)

کنارہ کسی اختیار کرتا ہے یہ کننا یہ تکبیر سے ہے اور جب اس کو کوئی تکلیف اور سختی پہنچتی ہے یعنی زمانہ کے حوادث اور مصائب میں سے کوئی چیز اس کو لاحق ہوتی ہے تو وہ بالکل مایوس (ناامید) ہو جاتا ہے کہ اب اس کو کوئی خیر اور بھلائی نہیں ملے گی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگر آدمی کو نعمت اور دولت ملتی ہے تو وہ اس پر مغرور ہو کر منعم حقیقی کو یعنی خدا تعالیٰ کو بالکل بھول جاتا ہے اور اگر دنیا سے محروم ہو تو اس پر غم اور افسوس چھا جاتا ہے اور خدا کی رحمت سے بالکل ناامید ہو جاتا ہے پس جو دنیا کا ایسا شیدائی اور فدائی ہو گیا وہ قرآن کی نعمت اور رحمت کو کیا جانے اور کیا سمجھے ان بندگان شکم کے حق میں قرآن جیسے نسخہ شفاء کے اسرار و حکم عبث ہیں آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن گو تمہارے نزدیک عبث ہو مگر ہمارے نزدیک عبث نہیں ازلی سعادت اور شقاوت کے ظہور کا ذریعہ ہے اس لیے کہ ہر ایک اپنی طبیعت اور فطرت اور روحانی مزاج کے مطابق عمل کرتا ہے شکر کرنے والا اور کفر کرنے والا جو بھی عمل کرتا ہے وہ عمل اس کی روح کے ہم شکل ہوتا ہے ہم نے اپنی حکمت سے مخلوق کو مختلف الانواع بنایا کسی کی فطرت میں نیکی و دیعت رکھی اور کسی کی فطرت میں برائی رکھی ہر ایک اپنی فطرت اور جبلت کے مطابق عمل کرتا ہے پس قرآن کے ماننے نہ ماننے سے انسان کی اس پوشیدہ استعداد اور صلاحیت کا ظہور ہو جاتا ہے اس سے اگر اعمال خیر کا صدور ہو تو دنیا نے سمجھ لیا کہ یہ نیک جبلت ہے اور اگر اس سے اعمال شر کا صدور ہو تو دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ شخص بد جبلت ہے باقی تمہارا پروردگار پہلے ہی سے خوب جانتا ہے کہ ان دونوں فریق میں سے کون زیادہ ٹھیک راہ پر جا رہا ہے اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ ہمیں تمہاری سعادت اور شقاوت کا پہلے ہی سے علم ہے یہ قرآن ہم نے تم پر الزام حجت کے لیے نازل کیا ہے جیسا عمل کرو گے اس کے مطابق تم کو جزاء دے گا۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿قُلْ لِلذِّئْبِ لَا يُؤْمِنُونَ اَعْمَلُوا عَلٰی مَا كَانَتْكُمْ اٰتَا غٰلِبُوْنَ﴾ ﴿۱۵﴾ اِنَّا مُنْتَظِرُونَ﴾

پس جب معلوم ہو گیا کہ خیر و شر کا مبدأ اور منشاء انسان میں اس کی روح اور اس کی فطرت اور جبلت ہے جس سے روح کے مطابق اعمال سرزد ہوتے ہیں اس لیے آئندہ آیت میں روح کے متعلق سوال کا ذکر کرتے ہیں۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۗ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّيٰ وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا

اور تجھ سے پوچھتے ہیں روح کو فی کہہ دے روح ہے میرے رب کے حکم سے اور تم کو علم دیا ہے اور تجھ سے پوچھتے ہیں روح کو، تو کہہ، روح ہے میرے رب کے حکم سے، اور تم کو خبر دی ہے فی یعنی روح انسانی کیا چیز ہے؟ اس کی ماہیت و حقیقت کیا ہے؟ یہ سوال صحیحین کی روایت کے موافق یہود مدینہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزمانے کو کیا تھا۔ اور سیر کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں قریش نے یہود کے مشورہ سے یہ سوال کیا۔ اسی لیے آیت کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے، ممکن ہے نزول مکرر ہو اور واللہ اعلم۔ یہاں اس سوال کے درج کرنے سے غالباً یہ مقصود ہوگا کہ جن چیزوں کے سمجھنے کی ان لوگوں کو ضرورت ہے اور اسے تو اعراض کرتے ہیں اور غیر ضروری مسائل میں ازراہ تعنت و عناد جھگڑتے رہتے ہیں۔ ضرورت اس کی تھی کہ ذی قرآنی کی روح سے ہاتھی زندقی حاصل کرتے اور اس نسخہ شفاء سے فائدہ اٹھاتے ﴿وَوَكَلَّلِكْ اَوْ حَيَاتَا اَلَيْكْ رُوْحًا قَوْنِ اَمْرًا﴾ ﴿۱۵﴾ اَلْبَلْبِيْكَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرٍ عَلٰی مَنْ يُّنْفَاوْنَ عِبَادَةٍ﴾ مگر انہیں دور از کار اور معاندانہ کھنوں سے فرصت کہاں۔ ”روح“ کیا ہے؟ جو ہر ہے یا عرض؟ مادی ہے یا مجرد؟ بیض ہے یا مرکب؟ اس قسم کے فاضل اور بے ضرورت مسائل کے سمجھنے پر نہ نجات موقوف ہے نہ یہ بخش انبیاء کے فرائض تبلیغ سے تعلق رکھتی ہیں۔ بڑے بڑے حکماء اور فلاسفہ آج تک خود ”مادہ“ کی حقیقت پر مطلع نہ ہو سکے ”روح“ جو بہر حال ”مادہ“ سے نہیں زیادہ لطیف و نئی ہے اس کی اصل ماہیت و کسبہ تک پہنچنے کی پھر کیا امید کی جاسکتی ہے۔ مشرکین ملکی =



= تعریف کہہ سکتے ہیں۔ یہ "امر" ہوا۔ ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ وَمِغْلَاقًا يَتَعَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لَعَلَّكُمْ أَتَى اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا﴾ گویا دنیا کی مثال ایک بڑے کارخانہ کی سمجھو جس میں مختلف قسم کی مشینیں لگی ہوں۔ کوئی کپڑا بن رہی ہے کوئی آٹا نہیں رہی ہے کوئی کتاب چھاپتی ہے کوئی شہر میں روشنی پہنچا رہی ہے کسی سے ٹکھے چل رہے ہیں وغیرہ الگ۔ ہر ایک مشین میں بہت سے گل پرزے ہیں جو مشین کی عرض و غایت کا لحاظ کر کے ایک معین انداز سے ڈھالے جاتے اور لگائے جاتے ہیں۔ پھر سب پرزے جوڑ کر مشین کو فن کیا جاتا ہے۔ جب تمام مشینیں فن ہو کر کھڑی ہو جاتی ہیں، تب الیکٹرک (بجلی) کے خزانہ سے ہر مشین کی طرف ہدایت دیا جاتا ہے۔ آن و آمد میں ساکن و غاموش مشینیں اپنی اپنی ساخت کے موافق گھومنے اور کام کرنے لگ جاتی ہیں۔ بجلی ہر مشین اور ہر پرزہ کو اس کی مخصوص ساخت اور عرض کے مطابق گھماتی ہے حتیٰ کہ جو لیل و کثیر بہرانیہ روشنی کے لمپوں اور قوتوں میں پہنچتی ہے، وہاں پہنچ کر ان ہی قوتوں کی ہیئت اور رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ اس مثال میں یہ بات واضح ہو چکی کہ مشین کا ڈھانچہ تیار کرنا، اس کے گل پرزوں کا ٹھیک اندازہ پرکھنا، پھر فن کرنا، ایک سلسلہ کے کام ہیں۔ جس کی تکمیل کے بعد مشین کو چالو کرنے کے لیے ایک دوسری چیز (بجلی یا انیم) اس کے خزانے سے لانے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح سمجھو حق تعالیٰ نے اول آسمان و زمین کی تمام مشینیں بنائیں جس کو "خلق" کہتے ہیں، ہر چھوٹا بڑا پرزہ ٹھیک اندازہ کے موافق تیار کیا جسے "تقدیر" کہا گیا۔ "قدرہ تقدیراً" سب گل پرزوں کو جوڑ کر مشین کو فن کیا جسے "تصویر" کہتے ہیں۔ "خلقناکم ثم صورناکم" (اعراف، رکوۃ ۲) یہ سب افعال خلق کی مد میں تھے۔ اب ضرورت تھی کہ جس مشین کو جس کام میں لگانا ہے لگا دیا جائے۔ آخر مشین کو چالو کرنے کے لیے "امر الہی" کی بجلی چھوڑ دی گئی۔ شاید اس کا تعلق اسم "باری" سے ہے۔ ﴿الْمَخْلُقِ الْبَارِئِ الْمُصَوِّرِ﴾ وفي الحديث "فَلَقَّ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ" وفي سورة الحديد "مِنْ قَبْلِ أَنْ تَبْرَأَهَا" ای النفوس کما هو مروی عن ابن عباس وقتادة والحسن۔ عرض ادھر سے حکم ہوا "چل" فوراً چلنے لگی۔ اسی "امر الہی" کو فرمایا ﴿أَمَّا أَمْرَةٌ إِذَا أَرَادَ لَشَيْءًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ دوسری جگہ نہایت وضاحت کے ساتھ امر "کن" ہو مطلق جہد پر مرتب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ﴿وَخَلَقَهُ مِنْ نُّوَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ بلکہ تنوع سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں "كُنْ فَيَكُونُ" کا مضمون جتنے مواضع میں آیا عموماً مطلق و ابداع کے ذکر کے بعد آیا ہے۔ جس سے خیال گزرتا ہے کہ لکھ "کن" کا خطاب "خلق" کے بعد تدبیر و تصرف وغیرہ کے لیے ہوتا ہوگا۔ واللہ اعلم۔ بہر حال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہاں "امر" کے معنی "حکم" کے ہیں اور وہ حکم یہی ہے جسے لفظ "کن" سے تعبیر کیا گیا۔ اور "کن" جس کلام سے ہے جو حق تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے۔ جس طرح ہم اس کی تمامی صفات (مثلاً حیات، سمع، بصر وغیرہ) کو بلا کیف تسلیم کرتے ہیں، کلام اللہ و کلمۃ اللہ کے متعلق بھی یہی مسلک رکھنا چاہیے۔ خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ "روح" کے ساتھ اکثر جگہ قرآن میں امر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً "قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي"۔ ﴿وَكَلَّمَكَ اللَّهُ خُبْرًا﴾ إِلَيْكَ رُوحًا مِنْ أَمْرٍ فَإِنَّهُ رُوحٌ مِنْ أَمْرٍ﴾۔ ﴿يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾۔ ﴿يُنزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾۔ اور پہلے گزر چکا کہ "امر" عبارت ہے لکھ "کن" سے یعنی وہ کلام انسانی جس سے مخلوقات کی تدبیر و تصرف اس طریقہ پر کی جائے جس پر عرض ایجاد و تکوین مرتب ہو۔ لہذا ثابت ہوا کہ "روح" کا مبداء حق تعالیٰ کی صفت کلام ہے جو صفت علم کے ماتحت ہے۔ شاید اسی لیے ﴿وَتَقَعَّتْ وَجْهَ مِنْ رُوحِ رَبِّي﴾ میں اسے اپنی طرف منسوب کیا "کلام" اور "امر" کی نسبت متکلم اور امر سے "صادر" و "مصدور" کی ہوتی ہے۔ "مخلوق" و "خالق" کی نہیں ہوتی۔ اسی لیے ﴿الَّذِي خَلَقَ الْإِنْسَانَ وَالْأَنْعَامَ﴾ میں "امر" کو "خلق" کے مقابل رکھا۔ ہاں یہ امر "کن" باری تعالیٰ شانہ سے صادر ہو کر ممکن ہے جو ہر مجرد کے لباس میں یا ایک "ملک اکبر" اور "روح اعظم" کی صورت میں نمودار ہو سکے۔ جس کا ذکر بعض آثار میں ہوا ہے اور جسے ہم "کہر بانیہ روحیہ" کا خزانہ کہہ سکتے ہیں۔ گویا ہمیں سے روح حیات کی لہریں دنیا کی ذوی الارواح پر تقسیم کی جاتی ہیں اور ان کے واسطے جتنی جتنی اللہ کے ہنرمند تیاروں کا نہیں چنگش ہوتا ہے۔ اب جو کرنٹ چھوٹی بڑی ہنرمند مشینوں کی طرف چھوڑا جاتا ہے وہ مشین سے اس کی بناوٹ اور استعداد کے موافق کام لیتا اور اس کی ساخت کے مناسب حرکت دیتا ہے بلکہ جن لمپوں اور قوتوں میں یہ بجلی پہنچتی ہے ان ہی کے مناسب رنگ و ہیئت اختیار کر لیتی ہے۔ یہی بات کہ "کن" کا حکم جو قسم کلام سے ہے، جو ہر مجرد یا جسم نورانی لطیف کی شکل کیونکر اختیار کر سکتا ہے۔ اسے یوں سمجھو کہ تمام عقلاء اس پر متفق ہیں کہ ہم خواب میں جو اشکال و صورت دیکھتے ہیں، بعض اوقات وہ شخص ہمارے خیالات ہوتے ہیں جو دریا، پہاڑ، شیر، بھیرے وغیرہ کی شکلوں میں نظر آتے ہیں۔ اب غور کرنے کا مقام ہے کہ خیالات جو اعراض ہیں اور دماغ کے ساتھ قائم ہیں وہ جو اجسام کیونکر بن گئے اور کس طرح ان میں اجسام کے لوازم و خواص پیدا ہو گئے۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ خواب دیکھنے والے سے بیدار ہونے کے بعد بھی ان کے آثار جدا نہیں ہوتے۔ فی الحقیقت خدا تعالیٰ نے ہر انسان کو خواب کے ذریعہ سے بڑی بھاری ہدایت کی ہے کہ جب ایک آدمی کی قوت مسورہ میں اس نے اس قدر طاقت رکھی ہے کہ وہ اپنی برائے کے موافق غیر جسم خیالات کو جسمی مانچے میں ڈھال لے اور ان میں وہی خواص و آثار بلاذن اللہ پیدا کرے جو عالم بیداری میں اجسام سے وابستہ تھے۔ پھر تماشہ یہ ہے کہ وہ خیالات خواب دیکھنے والے کے دماغ سے =

= ایک منٹ کو طبعہ بھی نہیں ہوتے۔ ان کا ذہنی وجود بدستور قائم ہے تو کیا اس حقیر سے نمود کو دیکھ کر ہم اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ ممکن ہے قادر مطلق اور مصور برحق بل و علا کا امریکیت (کن) باوجود صفت قائم بذات تعالیٰ ہونے کے کسی ایک یا متعدد صورتوں میں جلوہ گر ہو جائے۔ ان صورتوں کو ہم ارواح یا فرشتے یا کسی اور نام سے پکاریں۔ وہ ارواح و ملائکہ وغیرہ سب حادث ہوں اور "امر الہی" بحالہ قدیم رہے۔ امکان و مدت کے آثار و احکام ارواح وغیرہ تک محدود رہیں اور "امر الہی" ان سے پاک و برتر ہو۔ جیسے جو صورت خیالیہ بحالت خواب آگ کی صورت میں نظر آتی ہے اس صورت ناریہ میں احتراق، سوزش، گرمی وغیرہ سب آثار ہم محسوس کرتے ہیں حالانکہ اسی آگ کا تصور سالہا سال بھی دماغوں میں رہے تو ہمیں ایک سیکنڈ کے لیے یہ آثار محسوس نہیں ہوتے۔ پس کوئی شبہ نہیں کہ روح انسانی (خواہ جو ہر مجرد ہو یا جسم لطیف نورانی) "امردی" کا مظہر ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ مظہر کے سب احکام و آثار ظاہر ہر جاری ہوں گے، ظاہر ہوا ظاہر ہی رہے کہ جو کچھ ہم نے لکھا اور جو کچھ مثالیں پیش کیں ان سے مقصود محض تسہیل و تقریب الی الفہم ہے۔ ورنہ ایسی کوئی مثال دستیاب نہیں ہو سکتی جو ان حقائق غیبیہ پر پوری طرح منطبق ہو۔

اے بردوں از وہم و قال و قیل من  
فاک ی فرق من و تشیل من

رہا یہ مسئلہ کہ روح جو ہر مجرد ہے جیسا کہ اکثر حکمائے قدیم اور صوفیہ کا مذہب ہے یا جسم نورانی لطیف جیسا کہ جمہور اہل حدیث وغیرہ کی رائے ہے۔ اس میں میرے نزدیک قول فیصل وی ہے جو بقیۃ السلف، بحر العلوم علامہ سید انور شاہ صاحب اہلال اللہ بقاء نے فرمایا کہ بانفاذ عارف جامی یہاں تین چیزیں ہیں (۱) وہ جو اہر جن میں مادہ اور کیمت دونوں ہوں جیسے ہمارے ابدان مادہ (۲) جو اہر جن میں مادہ نہیں صرف کیمت ہے جنہیں صوفیہ اجسام مثالیہ کہتے ہیں (۳) وہ جو اہر جو مادہ اور کیمت دونوں سے خالی ہوں جن کو صوفیہ "ارواح" یا حکماء جو اہر مجردہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ جمہور اہل شرع جس کو "روح" کہتے ہیں وہ صوفیہ کے نزدیک "بدن مثالی" سے موسوم ہے جو بدن مادی میں حلول کرتا ہے۔ اور بدن مادی کی طرح آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضاء رکھتا ہے۔ یہ روح بدن مادی سے کبھی جدا ہو جاتی ہے اور اس بدانی کی حالت میں بھی ایک طرح کا مجہول الکسفیۃ علاقہ بدن کے ساتھ قائم رکھ سکتی ہے جس سے بدن پر حالت موت طاری ہونے نہیں پاتی۔ گو یا حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کے قول کے موافق جو بغوی نے *ہذا اللہ یتقویٰ الذنفس حیثن مویہا* کی تفسیر میں نقل کیا، اس وقت روح خود طبعہ رہتی ہے مگر اس کی شعاع جسد میں پہنچ کر بقائے حیات کا سبب بنتی ہے۔ جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔ یا جیسے آج ہی میں نے ایک اخبار میں ایک تار بڑھا کہ "حال ہی میں فرانس کے ٹکمرہ پرواز نے ہوا بازوں کے بغیر طیارے چلا کر خفیہ تجربے کیے ہیں اور طبع انگریز نتائج رونما ہوئے ہیں۔ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ حال میں ایک خاص بم پھینکنے والا طیارہ بھیجا گیا تھا۔ جس میں کوئی شخص سوار نہ تھا۔ لیکن لاسٹکی کے ذریعہ سے وہ منزل مقصود پر پہنچایا گیا۔ اس طیارہ میں بم بھر کر وہاں گرائے گئے اور پھر وہ مرکز میں واپس لایا گیا۔ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ لاسٹکی کے ذریعہ سے ہوائی جہاز نے خود بخود جو کام کیا وہ ایسا مکمل ہے جیسا کسی ہوا باز کی مدد سے عمل میں آتا۔" آج کل یورپ میں جو سوسائٹیاں روح کی تحقیقات کر رہی ہیں انہوں نے بعض ایسے مشاہدات بیان کیے ہیں کہ ایک روح جسم سے طبعہ تھی، اور روح کی ٹانگ پر حملہ کرنے کا اثر جسم مادی کی ٹانگ پر ظاہر ہوا۔ بہر حال اہل شرع جو روح ثابت کرتے ہیں صوفیہ کو اس کا انکار نہیں بلکہ وہ اس کے اوپر ایک اور روح مجرد مانتے ہیں جس میں کوئی استعمال نہیں بلکہ اگر اس روح مجرد کی بھی کوئی اور روح ہو اور آخر میں کثرت کا سارا سلسلہ سمٹ کر "امردی" کی وحدت پر تہی ہو جائے تو انکار کی ضرورت نہیں۔ شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ نے "منطق الطیر" میں کیا خوب فرمایا

ہم ز جملہ بیش وہم بیش از ہم  
جملہ از خود دیدہ و خویش از ہم  
جاں نہاں در جسم و او در جاں نہاں  
اے نہاں اندر نہاں اے جاں جاں

مذکورہ بالا تقریر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر چیز میں جو "کن" کی مخاطب ہوئی، روح حیات پائی جائے۔ بیچک میں یہی سمجھتا ہوں کہ ہر مخلوق کی ایک نوع کو اس کی استعداد کے موافق قوی یا ضعیف زندگی ملی ہے یعنی جس کام کے لیے وہ چیز پیدا کی گئی، ڈھانچہ تیار کر کے اس کو حکم دینا "کن" (اس کام میں لگ جا) پس یہی اس کی روح حیات ہے جب تک اور جس حد تک یہ اپنی عرض ایجاد کو پورا کرے گی اسی حد تک زندہ سمجھی جائے گی۔ اور جس قدر اس سے بعید ہو کر

وَ كَيْلًا ۝ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۗ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ۝

ذمہ دار مگر مہربانی سے تیرے رب کی اس کی بخشش تجھ پر بڑی ہے ت ۷  
ذمہ لینے والا۔ مگر مہربانی سے تیرے رب کی۔ اس کی بخشش تجھ پر بڑی ہے۔

### ظالموں کے ایک معاندانہ سوال کا جواب

قَالَ تَجِدُنِي إِلاَّ يَرْحَمُكَ رَبِّي... إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ۝

رابطہ: ..... گزشتہ آیت ﴿وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلاَّ خَسَارًا﴾ میں جن ظالموں کی عداوت کا ذکر فرمایا یہ ظالم قرآن عظیم اور نبی کریم ﷺ پر طرح طرح کی نکتہ چینیوں کرتے تھے ازاں جملہ یہ ہے کہ ایک بار قریش نے باہم فیصلہ اور مشورہ کیا کہ یہود اہل علم اور اہل کتاب ہیں ان سے دریافت کر کے کوئی بات محمد ﷺ سے ایسی پوچھنی ہے کہ جس کا جواب آپ ﷺ سے نہ بن سکے۔ چنانچہ قریش نے یہود سے دریافت کرنے کے لیے کچھ لوگوں کو مدینہ بھیجا انہوں نے مشرکین سے کہلا بھیجا کہ وہ آپ ﷺ سے تین باتیں پوچھیں۔

(۱) روح کی بابت سوال کرو۔

(۲) اصحاب کہف کا حال دریافت کرو کہ وہ کون تھے اور کیوں غائب ہو گئے۔

(۳) ذوالقرنین کا حال پوچھو کہ وہ کون تھا اور کہاں گیا اور اس نے کیا کیا؟

اور یہود نے یہ کہلا بھیجا کہ آپ ﷺ سے یہ تین باتیں پوچھیں پس اگر آپ ﷺ ان سب باتوں کا جواب دیں یا ان میں سے کسی کا بھی جواب نہ دیں تو آپ ﷺ نبی نہیں اور اگر آپ ﷺ ان سب باتوں کا جواب دیں اور تیسری بات (روح) کا جواب دیں تو سمجھ لو کہ وہ نبی ہیں کیونکہ روح کی کیفیت کسی آسمانی کتاب میں مذکور نہیں اور توریت میں ہے کہ روح کی حقیقت سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں۔ پس اگر آپ ﷺ کی حقیقت نہ بیان کریں تو سمجھ لو کہ آپ ﷺ نبی ہیں۔

چنانچہ ان لوگوں نے مکہ واپس آ کر آپ ﷺ سے یہ سوالات کئے ایک سوال روح کا کیا کہ وہ کیا ہے اس سوال کا جواب تو اس آیت میں مذکور ہے اور باقی سوالوں کے جواب دوسرے مقام پر مذکور ہیں۔ آیت کا یہ شان نزول مذکورہ سطور بالا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور یہی قرین قیاس ہے کیونکہ یہ تمام سورت مکی ہے اور مکہ ہی میں اتری اور بخاری کی بعض

معتدل ہوتی جائے گی اسی قدر موت سے نزدیک یا مردہ کہلائے گی۔ هذا ما عندی وعند الناس ما عندهم والله سبحانه وتعالى هو الملمم للصواب۔

۲ یعنی قرآن کا جو علم تم کو دیا ہے خدا چاہے تو ذرا سی دیر میں تمہیں لے پھر کوئی واپس نہ لائے۔ لیکن اس کی مہربانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت بڑی ہے اسی لیے یہ نعمت عظمیٰ عنایت فرمائی، اور تمہیں کی کوئی وجہ نہیں۔ صرف قدرت عظیمہ کا اظہار مقصود ہے اور یہ کہ کسی ہی کامل روح ہو اس کے سبب کمالات مہربان و مستعار میں ذاتی نہیں۔

۳ اعجاز قرآن کے متعلق پہلے متعدد مواضع میں کلام کیا جا چکا ہے۔

۴ یعنی ان کی خیر خواہی کے لیے عجیب و غریب مضامین ہر بار مختلف ہیرا یوں میں قسم قسم کے عنوانوں سے بیان کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان کو محققوں کو اس کی قدر نہیں سمجھتے احسان ماننے کے نام لکھی ہر تے ہوتے ہیں۔



روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال یہود نے مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے آزمانے کے لئے کیا اس قول کی بنا پر یہ آیت مدنی ہوگی اسی وجہ سے اس آیت کے نکلنے اور مدنی ہونے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے اور ممکن ہے کہ اس آیت کا نزول مکرر ہو پہلی بار قریش کے سوال پر آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور پھر جب یہود نے مدینہ میں آپ ﷺ سے روح کے متعلق سوال کیا تو یہ آیت دوبارہ مدینہ میں یہود کے سوال پر نازل ہوئی۔

ربط دیگر:..... گزشتہ آیت میں بطور تہدید مشرکین کے حق میں آنحضرت ﷺ کو یہ حکم دیا گیا تھا ﴿قُلْ كُلُّ يَعْبُدُ عَلٰیٰ شَاكِلَتِهٖ﴾ اے نبی کریم ﷺ! آپ ﷺ ان ظالموں سے بطور تہدید کہہ دیجئے کہ ہر ایک شخص خواہ وہ سعید ہو یا شقی اپنی فطرت اور جبلت کے مطابق عمل کرتا ہے جو اس کی جوہر روح کے ہم شکل ہوتا ہے ہر شخص کا عمل اور ہر جسم کا ہر فعل اس کی روح اور اس کے روحانی مزاج اور طبیعت کے مشاغل اور مماثل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو تمہاری سعادت اور شقاوت کا پہلے ہی سے علم ہے قرآن کریم کو تم پر اتمام حجت کے لیے اور تمہاری روح میں ہو صلاحیت اور استعداد پوشیدہ ہے اس کے اظہار کے لیے نازل کیا ہے کہ جس نے قرآن کی ہدایت کو قبول کیا اور اس نسخہ شفا کو استعمال کیا۔ معلوم ہوا کہ اس کی روح سعید ہے اور جس نے اس نسخہ شفاء سے منہ موڑا وہ شقی ہے۔ اللہ نے جس فطرت اور جبلت پر تم کو پیدا کیا ہے وہ پہلے ہی تم سے خوب آگاہ ہے تم اگر اپنی سعادت و شقاوت کو جاننا چاہتے ہو تو اس کا معیار یہ نسخہ شفاء اور نسخہ ہدایت ہے اور خوب سمجھ لو کہ یہ قرآن کی میمائے سعادت ہے اس لیے آئندہ آیت میں روح کے متعلق سوال کا ذکر فرماتے ہیں۔

اے نبی ﷺ یہ لوگ آپ ﷺ سے امتحاناً روح انسانی کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کی حقیقت اور کنہ کیا ہے جس سے انسان کی زیست متعلق ہے سو آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ تمہارے لیے اجمالی طور پر اتنا جان لینا کافی ہے کہ روح ایک خاص چیز ہے کہ جو میرے پروردگار کے حکم سے پیدا ہوئی ہے جب اس کے حکم سے بدن میں جان ڈالی جاتی ہے تو بدن جی اٹھتا ہے۔ اور جب اس کے حکم سے نکال لی جاتی ہے تو مر جاتا ہے اور باقی اس کی مفصل حقیقت اور اصل کنہ اور ناہیت کی معرفت کا تو خیال بھی نہ کرنا اس لئے کہ تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے صرف چند چیزوں کی چند صفات اور چند کیفیات کا تھوڑا سا علم بقدر ضرورت اور بطور عاریت چند روز کے لیے تم کو دیا گیا ہے اور اکثر چیزوں کا علم تم سے مخفی رکھا گیا ہے جہاں نہ تمہارے حواس ظاہرہ کی رسائی ہے اور نہ حواس باطنی کی۔ پس روح کو بھی اسی کثیر یعنی ان ہی بیشتر چیزوں میں داخل کر لو جن کا تم کو بالکل علم نہیں تمہارا مبلغ علم صرف اتنا ہے کہ تم حق تعالیٰ کے عطا کردہ حواس سے کچھ شدہ بدھ حاصل کر لیتے ہو باقی اصل حقیقت اور کہ تمہیں کسی چیز کی بھی معلوم نہیں صرف چند مادی چیزوں کے صفات اور چند کیفیات کا تم کو کچھ علم حاصل ہوا ہے۔ جس پر فلاسفہ اور سائنس دان اترار ہے ہیں ﴿وَقَدْ حُورُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ﴾

اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ تھوڑا بہت علم جو ان کو ملا ہے وہ بطور رعایت ہے جس طرح انسان کا نفس وجود اس کا ذاتی نہیں بلکہ من جانب اللہ لباس عاریت ہے اسی طرح انسان کا علم اور ادراک بھی اس کا ذاتی نہیں بلکہ وجود کی طرح چند روز کا عاریت ہے اور تنبیہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے بھول چوک ساتھ لگا دی ہے تاکہ یہ نادان انسان اپنے آپ کو اس علم و ادراک کا مالک نہ سمجھے۔

حضرت امام قرطبی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ روح کے علم کو انسان سے پوشیدہ رکھا کہ انسان کو اپنا عاجز اور قاصر ہونا معلوم ہو جائے کہ میں اس درجہ قاصر ہوں کہ اپنی حقیقت کو بھی نہیں سمجھ سکتا اور اپنی روح کو بھی نہیں جان سکا جس سے میری زندگی ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ تو خداوند دو جہاں کو کیسے سمجھ سکتا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۰/۳۲۳)

حق تعالیٰ نے انسان کو قلیل علم اور معرفت سے سرفراز فرمایا مگر اس کو خود اپنی حقیقت کی معرفت سے محروم کر دیا۔ خلاصہ کلام یہ کہ روح عالم امر کی ایک خاص چیز ہے جو تمہاری عقل اور ادراک سے بالا ہے تم کو جو علم دیا گیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے اس علم قلیل کے ذریعہ سے تم دنیا کی چند چیزوں کو کچھ سمجھ لیتے ہو عالم آخرت اور عالم غیب کی چیزوں کو کیا جانو اور کیا سمجھو؟ **يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ** تمہارے علم کا حال تو یہ ہے کہ تم پانی اور خاک کی حقیقت سے بھی واقف نہیں تم روح اور جان کو کیا جانو روح کے متعلق خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنا بتلادیا اتنا جان سکتے ہو اس سے زائد کچھ نہیں جان سکتے

نہ ہر جائے مرکب تو ان تاخضن کہ جاہا سپر باید انداختن  
انسان اپنی عقل اور فکر سے فقط اشیاء کے وجود کو معلوم کر سکتا ہے خواہ وہ اشیاء محسوس ہوں یا غیر محسوس مگر ان کی کنہہ اور اصل حقیقت کو نہیں جان سکتا کہ آگ اور پانی موجود ہے مگر ان کی اصل حقیقت نہیں بتلا سکتا کہ وہ کیا ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اس کے کچھ اوصاف بتلا دے گا مگر ان اجزاء کی پوری حقیقت اور اصل ماہیت اور ان کی پوری کیت اور پوری کیفیت نہیں بیان کر سکے گا انسان صرف اتنا کہہ سکتا ہے کہ پانی میں آکسیجن اور ہائیڈروجن ہے مگر جب اس سے یہ پوچھو کہ آکسیجن اور ہائیڈروجن کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے تو نہیں بتلا سکے گا فلاسفہ جدید و قدیم جو سماعت اور بصارت اور فہم و فراست اور جہالت و حماقت کے وجود کے بلا اختلاف قائل ہیں مگر سماعت اور بصارت کی حقیقت اور کیفیت کے بیان کرنے میں حیران و سرگردان ہیں اور فہم و فراست اور جہالت اور حماقت کی حقیقت بتلانے سے عاجز اور در ماندہ ہیں آج تک کوئی بڑے سے بڑا حکیم اور فلسفی اور کوئی بڑے سے بڑا سائنس دان یہ نہیں بتلا سکتا کہ فہم و فراست اور جہالت و حماقت کی اصل حقیقت اور اس کی کنہہ اور ماہیت کیا ہے پس جب کہ انسان ان چیزوں کی حقیقت نہیں بتلا سکتا جو روزمرہ اس کے مشاہدہ اور تجربہ میں آتی رہتی ہیں تو اسی طرح یہ بھی سمجھو کہ انسان اپنی عقل سے روح کے وجود کو تو معلوم کر سکتا ہے مگر اس کی حقیقت کو معلوم نہیں کر سکتا اور کسی شے کے وجود کا محض اس لیے انکار کر دینا کہ ہمیں اس کی حقیقت معلوم نہیں ہوئی یا ہم نے اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ نہیں کیا۔ کھلی ہوئی بے عقلی اور نادانی ہے ابتداء آفرینش عالم سے لے کر اب تک عالم کے کل عقلاء نے مجموعی طور پر جن چیزوں کو جانا ہے وہ محدود ہیں اور نہایت محدود ہیں اور جن چیزوں کو نہیں جانا اور نہیں پہنچانا وہ غیر محدود اور لامتناہی ہیں اور محدود کو غیر محدود سے وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر سے ہے اس لئے کہ سمندر خواہ کتنا ہی وسیع ہو مگر بہر حال محدود اور متناہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود اور غیر متناہی ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ موضع القرآن میں فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آزمانے کو یہود نے پوچھا سو اللہ تعالیٰ نے کھول کر نہ بتایا کیونکہ ان میں سمجھنے کا حوصلہ نہ تھا آگے بھی پیغمبروں نے خلق سے ایسی باریک باتیں نہیں کیں اتنا جانا

کافی ہے اور بس ہے کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز بدن میں آپڑی اور وہ جی اٹھا جب نکل گئی وہ مر گیا (انتہی)  
 صرف اتنی بات تو قطعی اور یقینی ہے کہ روح ایک چیز ہے کہ جو بدن میں آگئی تو بدن زندہ ہو گیا اور جب بدن سے نکل گئی تو مردہ ہو گیا اس کے سوا سب باتیں ظنی ہیں غرض یہ کہ روح ایک حقیقت نورانیہ اور واقعہ ہے مگر محسوس نہیں اور اس کے غیر محسوس ہونے سے اس کا عدم لازم نہیں آتا۔ پتھر وغیرہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو حواس سے محسوس نہیں ہوتیں مگر انکے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا اسی طرح روح بلاشبہ ایک حقیقت واقعہ ہے اگرچہ وہ ہم کو محسوس نہیں اس کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے کسی بندہ کو اللہ نے اس کا پورا علم نہیں دیا اور آیت کے ختم پر یہ فرمانا کہ تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے یہ خطاب تمام مخلوق کو ہے۔

فائدہ جلیلہ:..... اس آیت میں تمام عالم کے علم کو جو قلیل فرمایا وہ بہ نسبت علم الہی کے فرمایا کہ بمقابلہ علم الہی بہت ہی قلیل ہے اور دوسری آیت میں جو کتاب اور حکمت کے علم کو خیر کثیر فرمایا وہ بندوں کے اعتبار سے فرمایا کہ بہ نسبت متاع دنیا علم حکمت خیر کثیر ہے کتاب و حکمت کا علم اگرچہ قلیل ہو مگر وہ بھی خیر کثیر ہے اس آیت میں کثیر خیر کی صفت ہے نہ کہ علم کی لہذا دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

نکتہ:..... آیت کا آغاز سوال سے فرمایا اشارہ اس طرف ہے کہ یہ لوگ ازراہ تعنت و عناد غیر ضروری مسائل میں آپ ﷺ سے جھگڑتے ہیں اور نسخہ شفاء (قرآن کریم) جو روح ہدایت ہے اس سے حیات اور زندگی حاصل نہیں کرتے۔

### اقوال حکماء و علماء در بارہ روح

روح انسانی کی ماہیت میں عقلاء کے درمیان اختلاف ہے کیونکہ آدمی جب جاتا ہے تو اس میں سے سوائے خون کے کوئی چیز کم نہیں ہوتی اور بعض کا قول یہ ہے کہ وہ سانس کا نام ہے کیونکہ سانس کے رک جانے سے آدمی مر جاتا ہے اور اطباء یہ کہتے ہیں کہ خون کے بخارات لطیفہ کا نام روح ہے اور یورپ کے فلاسفہ کا یہ قول ہے کہ روح ایک لطیف بھاپ اور اسٹیم کا نام ہے جس سے جسم کی تمام کل میں چلتی رہتی ہیں جب یہ بھاپ بننا بند ہو جاتی ہے تو آدمی مر جاتا ہے۔

اور حضرات متکلمین اور اولیاء و عارفین یہ کہتے ہیں کہ روح ایک جسم نورانی اور لطیف کا نام ہے جو تمام بدن میں اس طرح سرایت کیے ہوئے ہے جیسے عرق گلاب گلاب کے پتوں میں اور جیسے پانی درخت کی رگوں میں جب تک اس جسم لطیف کا تعلق بدن سے باقی رہتا ہے اس وقت تک انسان زندہ رہتا ہے اور جب اس جسم لطیف کا تعلق بدن سے منقطع ہو جائے تو اس کا نام موت ہے امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی مختار ہے۔

پس یہ روح انسان ایک جسم لطیف اور دوامی ہے اور عالم امر کی ایک چیز ہے جو ساعت اور مقدار سے بڑی ہے اور روح حیوانی ایک بخار لطیف کا نام ہے جس اس روح انسان کے لیے بمنزلہ سواری کے ہے اور یہ جسم نورانی لطیف، صورت ظاہرہ اور اعضاء ظاہری میں جسم ظاہری کثیف کا شریک ہے جسم لطیف اپنے اعضاء کے ذریعہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے اور جب اس جسم لطیف نورانی کا اس جسم ظاہری اور حسی سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے تو یہ جسم نورانی عالم ملکوت کی طرف چلا جاتا ہے جہاں

سے آیا تھا وہیں واپس ہو جاتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان میں دو روہیں ہیں ایک روح حیوانی اور ایک روح انسانی۔ روح حیوانی اس بخار لطیف کا نام ہے کو اخلط اربعہ خون اور بلغم اور صفراء اور سودا سے پیدا ہوتا ہے اور ان چاروں کی چار اصلیں ہیں۔ آگ، پانی، خاک، ہوا اور علم طب میں اسی روح سے بحث ہوتی ہے کیونکہ مزاج اور طبیعت کا اعتدال اسی سے وابستہ ہے گرمی اور سردی اور خشکی اور ترری کی کمی زیادتی کی وجہ سے مزاج میں تغیر آتا ہے اور یہ روح حیوانی عالم سفلی سے ہے اور جنس حیوانی سے ہے جس کی حقیقت ایک ہوائے لطیف اور بخار لطیف ہے اور روح انسانی وہ ایک نورانی اور لطیف شے ہے جو اس عالم سفلی سے نہیں بلکہ عالم علوی سے ہے اور فرشتوں کی جنس سے ہے اور یہ عالم اس کے لئے ایک مسافر خانہ ہے اور روح حیوانی اس کے لئے بمنزلہ سواری کے ہے اور یہ روح انسانی عالم آخرت سے سفر کر کے اس عالم دنیا میں اس لیے آتی ہے تاکہ یہاں آکر تجارت کرے اور ہدایت حاصل کرے اور آخرت کے لئے توشہ لے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا. فَاِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾۔

خلاصہ کلام یہ کہ جس قدر علم تم کو دیا ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے روح کی حقیقت اور ماہیت کے سمجھنے کے لیے کافی نہیں اور پھر وہ قلیل علم جو ہم نے تم کو عطا کیا ہے اس کے متعلق ہم کو اختیار ہے کہ جب چاہیں تو وہ قلیل علم بھی تم سے واپس لے لیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے جس قدر علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا وہ ہمارا فضل اور احسان ہے اگر ہم چاہیں تو وہ علم بھی واپس لے لیں جو ہم نے بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا ہے یعنی جو قرآن ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کیا ہے سو ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے سے ایسا محو کر دیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا ایک حرف بھی یاد نہ رہے اور لوگوں کے سینوں سے بھی قرآن نکال دیں اور کاغذوں سے منادیں جو خدا سینہ میں علم پہنچا سکتا ہے وہی خدا سینہ سے اس علم کو نکال بھی سکتا ہے جس طرح دنیا اس کے اختیار میں ہے اسی طرح چھیننا بھی اس کے اختیار میں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لے جانے کے بعد اس کے واپس لانے کے لیے کوئی کار ساز نہ پائیں گے کہ کوئی دوبارہ اس قرآن کو سینوں میں اور مصاحف میں واپس لے آئے مگر تیرے پروردگار نے اپنی مہربانی سے اس علم کو تیرے پاس باقی رکھا اور اپنے عطا کیے ہوئے علم کو تجھ سے واپس نہیں لیا۔ یعنی اگر ہم چاہتے تو اس قرآن کو واپس لے جاتے مگر بمقتضائے فضل و کرم ایسا نہیں کرتے یا یہ معنی ہیں مگر یہ کہ اللہ تجھ پر رحم کرے اور سلب اور محو کرنے کے بعد وہ علم دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس کر دے اور بذریعہ وحی جدید کے وہ علم پھر آپ کو دوبارہ عطا کر دے معلوم ہوا کہ علم کی عطاء اور پھر اس کی بقاء یہ سب اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے بے شک اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے کہ اس کے فضل سے یہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور اسی نے اپنے فضل سے اس قرآن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ میں باقی رکھا۔ منجانب اللہ اس قرآن عظیم کا آنا یہ بھی اس کا فضل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ میں بلا کم و کاست محفوظ رہنا یہ بھی اس کا فضل ہے۔

ان آیات میں خطاب اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن مقصود لوگوں کو سنانا ہے کہ اے لوگو اس قرآن کو اللہ کی نعمت جانو اور اس پر عمل کرو اور اس نعمت کی ناقدری نہ کرو ورنہ خوب سمجھ لو کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ اس نعمت کو تم سے واپس لے لیں۔

چنانچہ جب دنیا میں گمراہی عام ہو جائے تو ہم اس قرآن کو اٹھالیں گے اور قیامت قائم کر دیں گے۔

## لطائف و معارف

### پہلی معرفت

قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں اس ظاہری جسم اور اس مادی بدن کے علاوہ کوئی اور چیز موجود ہے جس کا نام روح ہے جو اللہ کے حکم سے فائض ہوتی ہے جس سے ہم زندہ ہیں اور وہ ہم کو نظر نہیں آتی۔ دنیا میں عقلاء کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ روح فقط ایک لطیف بھاپ کا نام ہے کہ جس کے زور سے ذی روح بدن کی تمام کلیں چل رہی ہیں جب یہ بھاپ ختم ہو جاتی ہے تو تمام کلیں بند ہو جاتی ہیں اور سب کام بگڑ جاتا ہے۔ اسی کا نام موت ہے مرنے کے بعد پھر کوئی شے باقی نہیں رہتی اسی وجہ سے یورپ کے دہری لوگ اور مادی لوگ مرنے کے بعد کسی حساب و کتاب کے قائل نہیں اس لئے کہ مرنے کے بعد کوئی شے باقی ہی نہیں رہتی تو ثواب و عذاب کس پر ہوگا مگر یہ خیال غلط ہے اور اب یورپ میں بھی فلاسفہ کا ایک گروہ پیدا ہو گیا ہے جو اس غلطی کا اقرار کرتا ہے۔

(۱) تمام ادیان اور مذاہب اس پر متفق ہیں کہ انسان کے اندر جسم کے علاوہ کوئی اور چیز ہے جس کو روح اور جان اور ادان کے لفظوں سے تعبیر کرتے ہیں بچپن سے لے کر بڑھاپے تک جسم میں ہزاروں بلکہ لاکھوں تغیرات پیش آتے ہیں مگر وہ چیز جس کی وجہ سے یہ شخص بعینہ وہی شخص کہلاتا ہے جو پہلے تھا اس میں کوئی تغیر نہیں آتا طبی تحقیقات سے یہ امر ثابت ہے کہ سات برس کے بعد جسم کے اجزاء اور ذرات ختم ہو جاتے ہیں اور نئے اجزاء اور ذرات پیدا ہو جاتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ جسم اور یہ بھاپ اور یہ لطیف بخاران میں سے کوئی چیز روح نہیں بلکہ روح حقیقی وہ چیز ہے کہ جو ابتدائے پیدائش سے لے کر اخیر عمر تک یکساں رہتی ہے جس کو انسان ”انا“ اور ”میں“ سے تعبیر کرتا ہے اور یہ امر بدیہی ہے اور اس پر تمام عقلاء کا اتفاق ہے اور ظاہر ہے کہ عقلاء عالم کا اتفاق اور اجماع خود ایک مستقل دلیل ہے لہذا جو شخص روح کے وجود کا منکر ہے وہ عقلاء عالم و اجماع کا منکر ہے۔ عقلاء عالم اگر چہ اب تک روح کی حقیقت اور کیفیت کے بتلانے سے قاصر رہے لیکن کسی شے کی حقیقت اور کیفیت کا جاننا اور چیز ہے دنیا کی ہزاروں بلکہ لاکھوں چیزیں ایسی نکلیں گی کہ دنیا ان کی حقیقت اور کیفیت کے جاننے سے عاجز اور قاصر ہے مگر اصل شے کی قائل ہے۔

لہذا اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح وجود باری تعالیٰ کا اقرار ایک امر فطری ہے اسی طرح روح کے وجود کا اقرار بھی ایک امر فطری ہے۔

(۲) نیز چالیس سال کے بعد آدمی کے تمام اعضاء میں نقصان اور انحطاط شروع ہو جاتا ہے مگر عقلی قوت بڑھ جاتی ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس شے کے ساتھ قوت عقلی قائم ہے وہ کوئی جسمانی شے نہیں۔

(۳) نیز خواب کی حالت میں تمام جسمانی قوتیں معطل ہو جاتی ہیں قوت سامعہ اور قوت باصرہ اور قوت شامہ وغیرہ وغیرہ یہ تمام قوتیں نیند کی حالت میں بے کار ہو جاتی ہیں لیکن نیند کی حالت میں روحانی قوتوں میں اور اضافہ ہو جاتا ہے پس جو

چیز ان جسمانی قوتوں کے معطل ہو جانے کے بعد قوی اور تیز ہو جاتی ہے اور دوسرے عالم کی چیزوں کا مشاہدہ کرتی ہے وہی روح ہے۔

(۴) نیز انسان بسا اوقات اپنے اعضاء کو اپنی طرف مضاف کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میرا سر اور میرا دماغ اور میرا بدن اور میرا پیر وغیرہ وغیرہ معلوم ہوا کہ انسان کی حقیقت ان اعضاء کے سوا ہے اس لیے کہ مضاف الیہ مضاف کے سوا ہوتا ہے۔ بسا اوقات انسان یہ کہتا ہے کہ میں نے یہ کیا پس اگر اس لفظ ”میں“ کا مصداق بھی اعضاء اور جوارج ہوتے تو لازم آتا کہ ہاتھ اور پیر کٹ جانے کے بعد انسان انسان نہ رہے معلوم ہوا کہ اس لفظ ”میں“ کا مصداق اس جسم ظاہری کے علاوہ کوئی اور شے ہے اور وہی روح ہے۔

(۵) نیز انسان بسا اوقات کسی کام میں ایسا منہمک ہوتا ہے کہ اس وقت وہ اپنے تمام ظاہری اور باطنی اعضاء سے بالکل غافل ہو جاتا ہے لیکن اس حالت میں وہ اپنی حقیقت سے غافل نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ اس حالت میں یہ کہتا ہے کہ میں یہ کیا اور یہ دیکھا اور یہ سنا تو معلوم ہوا کہ آدمی کی حقیقت ان اعضاء اور جوارج کے سوا کوئی اور چیز ہے اور وہی روح ہے۔

(۶) انسان کے شعور و ادراک اور کمال کی کوئی حد نہیں اور جسم اور عالم جسمانی سب محدود ہے معلوم ہوا کہ اس غیر محدود شعور کا تعلق کسی جسمانی چیز سے نہیں اس لیے کہ اگر ادراک اور شعور کا تعلق اس جسم سے محسوس ہوتا تو بقدر اس کے طول اور عرض اور عمق کے ہوتا یہ غیر محدود علوم اور ادراکات اس محدود جسم میں کیسے سما گئے۔

(۷) جو شخص بھی جسم پر غور کرے گا اس پر یہ بات بالبداہت منکشف ہو جائے گی کہ جسم میں جو چیز بھی ہے وہ کسی دوسری چیز کے لیے آلہ اور وسیلہ ہے خود مقصود نہیں پس جو چیز ان آلات کو استعمال کرنے والی ہو وہ جسم کے علاوہ کوئی اور شے ہے انسان کے تمام اعضاء ظاہرہ بمنزلہ آئینہ کے ہیں اور دیکھنے والا کوئی اور ہے۔

(۸) نیز ہم دیکھتے ہیں کہ انسان بسا اوقات خالص امور معنویہ اور عقلیہ کا ادراک کرتا ہے جیسے اجتماع نقیضین اور ارتفاع نقیضین اور اس ادراک میں وہ جو اس ظاہرہ کا مطلق محتاج نہیں ہوتا معلوم ہوا کہ جسم انسانی میں کوئی شے ایسی ضرور ہے جو اس ظاہری جسم کے علاوہ ہے۔

(۹) حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرَاقِبُونَ﴾ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل کے بعد شہید زندہ ہے اس کو مردہ کہنا جائز نہیں حالانکہ جسم مردہ ہے معلوم ہوا کہ یہ جسم ظاہری انسان کی حقیقت نہیں۔

(۱۰) آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ انسان مرنے کے بعد پھر زندہ کیا جاتا ہے اور جنت اور جہنم پر پیش کیا جاتا ہے حالانکہ ان تمام حالات میں جسم انسانی مردہ ہوتا ہے معلوم ہوا کہ انسان اس جسم کے علاوہ کوئی دوسری حقیقت ہے۔

بعض جاہل مدعیان فلسفہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو مردہ کے منہ سے کوئی شے نکلتی ہوئی نہیں دیکھتے روح اگر کوئی چیز ہوتی تو نکلتے ہوئے ہم کو دکھائی دیتی اور محسوس ہوتی۔

جواب:..... اس کا یہ ہے کہ روح کا محسوس نہ ہونا اس کے عدم کی دلیل نہیں ہو سکتا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ لطافت کی وجہ سے محسوس نہ ہوتی ہو جیسے ہوا اور ایتھر جس کے علماء طبیعیات بھی قائل ہیں اور فرشتہ بھی اللہ کی ایک لطیف اور نورانی مخلوق ہے اللہ نے اس کو قوت اور طاقت دی ہے کہ وہ جسم انسانی میں سے اس لطیف چیز (یعنی روح) کو خدا داد قوت سے نکال لے۔

خلاصہ کلام یہ کہ روح اس جسم کا نام نہیں بلکہ اس کے علاوہ ایک اور حقیقت ہے جو اس جسم میں مستور اور مخفی ہے اور اس جسم ظاہری کے لئے مدبر اور حاکم ہے اور یہ جسم اس کے لیے بمنزلہ سواری کے ہے پس اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ میری حقیقت محض یہ ظاہری جسم ہی ہے تو اس کی مثل ایسی ہے کہ جیسے کوئی گدھے پر سوار ہو کر یہ سمجھے کہ میری حقیقت صرف یہی گدھا ہے جس پر میں سوار ہوں۔ سو، اس کا علاج کسی کے پاس نہیں۔

حضرات متکلمین فرماتے ہیں کہ روح ایک جسم لطیف اور صاف و شفاف کا نام ہے جو بدن میں اس طرح سرایت کئے ہوئے ہے جس طرح کوئلہ میں آگ اور بزشاخ میں پانی سرایت کئے ہوئے ہوتا ہے۔

اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے جو مسند احمد اور سنن ابوداؤد میں ہے کہ ملائکہ الموت اچھے لوگوں کی روح کو جنت کے کپڑوں میں لپیٹ کر آسمان پر لے جاتے ہیں اور برے لوگوں کی روح کو ٹاٹ کے کفن میں لپیٹ کر لے جاتے ہیں اس قسم کی بیشمار احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے اور نورانی ہے کیونکہ کپڑوں میں لپیٹنا یہ شان جسم سے ہے۔

امام رازی قدس اللہ سرہ نے تفسیر کبیر: ۵/۳۵۱ میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہی قول قوی ہے اور کتب الہیہ کے بہت زیادہ قریب اور مطابق ہے اور یہی حضرات متکلمین کا قول ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ روح ایک جسم لطیف نورانی اور علوی ہے اور زندہ ہے اور متحرک ہے اور تغیر و تبدل کی آماج گاہ ہے اور وہ جسم لطیف نورانی جو اس جسم کثیف کے اندر مستور ہے وہ کون فساد اور تغیر و تبدل سے پاک ہے اور یہ جسم نورانی اس جسم محسوس میں اس طرح سرایت کیے ہوئے ہے اس جسم نورانی کا اس جسم کثیف کے ساتھ تعلق موجب حیات ہے اور اس سے علیحدگی اور بے تعلقی موجب موت ہے اور اسی قول کو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا اور فرمایا کہ یہی قول صحیح ہے اور اسی پر کتاب اور سنت اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اور اولیٰ عقلیہ اور فطریہ دلالت کرتے ہیں۔ (دیکھو روح المعانی: ۱۵/۱۳۴)

اور حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الروح میں اس قول کو صحیح اور صواب بتلایا ہے کتاب الروح حقیقت میں عجیب کتاب ہے جس سے روح تازہ ہو جاتی ہے کہ روح ایک جسم لطیف نورانی کا نام ہے حضرات متکلمین اور محدثین کا یہی مذہب ہے اور اکثر حکماء قدیم کے نزدیک روح جو ہر مجرد ہے اور حکماء کے نزدیک روح ایک عرض ہے۔

### دوسری معرفت

روح اللہ کی مخلوق اور حادث ہے اس لیے کہ روح مرئوب ہے اور جو مرئوب ہے وہ مخلوق اور حادث ہے اور اسی پر تمام انبیاء و مرسلین کا اجماع ہے کہ روح مخلوق اور حادث ہے فلاسفہ میں سے افلاطون اس طرف گیا ہے کہ روح قدیم ہے۔

## تیسری معرفت

ارواح اپنی صفات اور کمالات کے اعتبار سے مختلف المراتب ہیں اس لئے کہ رب اعلیٰ کی تربیت کے درجات مختلف ہیں اور ﴿قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾ میں رب کی یائے متکلم کی طرف اضافت اس طرف مشیر ہے کہ روح نبوی رب اکرم کی تربیت کا مظہر اتم اور مورد اعظم ہے اور عجب نہیں کہ عرش اور سدرة المنتہی تک سیر کرانے میں اشارہ اس طرف ہو کہ روح نبوی ﷺ کمالات نبوت و رسالت کا سدرة المنتہی ہے اس عروج حسی سے عروج معنوی کی طرف اشارہ ہو۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

## چوتھی معرفت

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ روح کے کمالات ذاتی نہیں بلکہ رب کریم کا عطیہ ہیں اور وہ کمالات محدود اور محدود ہیں چنانچہ ﴿وَمَا أَوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلًا﴾ اس پر صراحت دلالت کرتا ہے کہ علم اللہ کا عطیہ ہے اور جو علم تم کو دیا گیا ہے وہ نہایت ہی قلیل اور محدود ہے اس لیے کہ لفظ قلیلا کا مادہ بھی قلت پر دلالت کرتا ہے اور قلیلا کی جنون بھی تقلیل کے لیے ہے۔ بندہ کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو جائے مگر اس کا علم اس کے جہل سے کبھی نہیں بڑھ سکتا اس لیے کہ انسان کا علم محدود اور متناہی ہے اور جہل غیر محدود اور غیر متناہی بالفعل ہے ہے جن چیزوں کو انسان نہیں جانتا ان کی کوئی حد اور شمار نہیں معلوم ہوا کہ انسان کا جہل اور اس کی لاعلمی غیر محدود اور غیر متناہی ہے اور پھر انسان کو جن چند چیزوں کا علم ہوتا ہے وہ بھی فقط ان چیزوں کے چند ظاہری احوال اور چند صفات اور چند کیفیات کا علم ہوتا ہے مفصل حقیقت اور ماہیت کا اور پوری صفات اور تمام کیفیات کا وہاں بھی علم نہیں ہوتا بلکہ انسان جس چیز کے علم کا مدعی ہوتا ہے اس ایک چیز کے علم میں بھی اس کا جہل اس کے علم پر غالب رہتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ علم اور ادراک کا معدن اور مخزن دل اور دماغ ہے جو حق تعالیٰ کے قبضہ قدرت اور دست تصرف میں ہے جس کو چاہے عقل دے اور جتنی چاہے اتنی ہی دے اور جس کو چاہے عقل سے بالکل محروم کر دے جس طرح عقل اور ادراک اور شعور کا دنیا اس کے اختیار میں ہے اسی طرح چھیننا بھی اس کے اختیار میں ہے وہ جس کو چاہے فرزند بنا دے اور جس کو چاہے دیوانہ بنا دے بہر حال انسان کا ادراک اور شعور محدود ہے وہ کسی ایک شے کا بھی احاطہ نہیں کر سکتا۔

## پانچویں معرفت

### لفظ "خلق" اور لفظ "امر" کی تشریح اور ان کا باہمی فرق

قرآن کریم میں لفظ خلق اور لفظ امر بکثرت مستعمل ہوا ہے اور سورۃ اعراف کی اس آیت ﴿إِلَٰهُ الْخَلْقِ وَالْأَمْرِ﴾ میں دونوں لفظوں کو یکجا لایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلق اور امر دونوں ایک دوسرے سے جدا اور علیحدہ ہیں کیونکہ امر کو خلق کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہے اور عطف بھی مغایرت کو چاہتا ہے رہا یہ امر کہ خلق اور امر میں کیا فرق ہے؟ سو آیت کے

① لفظ خلق اور لفظ امر کا باہمی اصل فرق "معرفت" ہے اسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سے ماخوذ ہے اور اس پر جو اضافہ ہے وہ اس ناچیز کی طرف سے ہے (واللہ اعلم)



سباق و سباق میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلق کے معنی پیدا کرنے کے ہیں اور امر کے معنی حکم اور فرمانروائی کے ہیں۔ یعنی جو چیز اس کی قدرت اور مشیت سے جس کام اور جس مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہے اس کے حکم سے اس کام اور اس غرض کے لیے اس کا جاری ہو جانا یہ ”امر“ ہے مثلاً کسی مشین کا ڈھانچہ تیار کرنا اور اس کی کل اور پرزوں کو ایک خاص انداز پر بنانا یہ ایک مرحلہ ہے اور اس کے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ مشین فٹ ہو جانے کے بعد اس میں بجلی کا کرنٹ چھوڑا جائے تاکہ مشین چالو ہو جائے اور اپنی اپنی ساخت کے مطابق تمام کل پرزے حرکت میں آجائیں۔

اسی طرح سمجھو کہ حق تعالیٰ نے آسمان اور زمین میں طرح طرح کی مشینیں بنائیں جس کو ”خلق“ کہتے ہیں اور پھر ہر مشین کا چھوٹا اور بڑا پرزہ ایک خاص انداز کے مطابق بنایا جس کو ”تقدیر“ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ﴿فَقَدَرْنَا تَقْدِيرًا﴾ اور پھر اس مشین کے تمام کل اور پرزوں کو جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جس کو حق تعالیٰ نے ”تصویر“ اور ”تسویہ“ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ﴾ ﴿فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي﴾ اور پھر اس میں بجلی کا کرنٹ چھوڑ کر یعنی روح پھونک کر اس کو جاری اور چالو کیا جس کو حق تعالیٰ نے ”نفخ روح“ سے تعبیر کیا فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی پس جب کرنٹ چھوڑا جاتا ہے تو ہر مشین اپنی اپنی ساخت اور بناوٹ کے موافق چلنے لگتی ہے اور کام کرنے لگتی ہے غرض یہ کہ کسی مشین کو بنانا یہ ”خلق“ ہے اور جس کام کے لیے وہ مشین بنائی گئی اس کے لیے اس کو چالو کرنے کا نام ”امر“ ہے۔

جب تک امر الہی کی بجلی نہ چھوڑی جائے اس وقت تک دنیا کی کوئی مشین چالو نہیں ہو سکتی خدا کی طرف سے امر اور حکم ہوا کہ ”چل“ فوراً چلنے لگی ﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ جب اللہ کا حکم ہو جاتا ہے تو ہر مشین اپنی اپنی ساخت اور بناوٹ کے موافق حرکت کرنے لگتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جسم انسانی بمنزلہ تمقہ کے ہے اور روح اس برقی رو کی مانند ہے کہ جو تمقوں کے اندرونی تاروں کو روشن اور منور کرتی ہے اور تمقہ میں بجلی کے کرنٹ چھوڑ دینے کا نام نفخ روح ہے جب تک برقی رو کا تعلق تمقوں کے تاروں سے باقی رہے گا اس وقت تک تمام تمقے روشن رہیں گے اور جب اس برقی رو کا تعلق ان تاروں سے منقطع ہو جائے گا تو معارف روشنی معدوم ہو جائے گی۔

اسی طرح جب تک روح کا تعلق بدن سے رہے گا تو تمام قوی اور اعضاء حس و حرکت میں رہیں گے اور جب روح کا تعلق بدن سے بالکل منقطع ہو جائے گا تو بدن کی حس و حرکت یکنخت ختم ہو جائے گی اول الذکر حالت کا نام ”حیات“ ہے اور دوسری حالت کا نام ”موت“ ہے۔

اور اگر روح کا تعلق بدن سے بالکل منقطع نہیں ہوا بلکہ من وجہ باقی ہے تو یہ خواب اور نیند کی حالت ہے نیند کی حالت میں انسان کے ظاہری حواس معطل ہو جاتے ہیں مگر بعض طبعی افعال بدستور باقی رہتے ہیں مثلاً تنفس اور دوران خون اور ہضم طعام اور کروٹیں بدلنا وغیرہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن سے روح کا تعلق بالکل منقطع نہیں ہوا بلکہ ایک طرح کا مجہول الکلیف علاقہ بدن کے ساتھ قائم ہے بخلاف موت کے کہ اس میں تمام حواس اور تمام قوتیں یکنخت بے کار اور ختم ہو جاتی ہیں۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے۔ ﴿اللَّهُ يَتَوَلَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَاللَّهُ لَكُم مَعْتَدٌ فِي مَنَامِهَا. فَيُمْسِكُ الْبُحْبُوحَ عَلَيْهَا



فعل میں ذرہ برابر بھی کذب کا امکان نہیں اور عالم آخرت کے نابیناؤں یعنی فلاسفہ پر ﴿أُولَى الْأَبْصَارِ﴾ کا مشاہدہ حجت ہوگا۔

## آٹھویں معرفت

### روح نظر کیوں نہیں آتی

روح ایک حقیقت واقعہ ہے مگر لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہم میں سے کوئی شے مخفی اور پوشیدہ ہوتی ہے اور ہم اس کو محسوس نہیں کر سکتے مگر اس کے آثار کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ایسی شے کے وجود کا انکار نہیں کیا جاسکتا دیکھو ایتھر کہ جس کا حواس سے ادراک نہیں ہو سکتا مگر اس کے وجود کا انکار بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ روشنی کا دار مدار ایتھر پر ہے ایتھر ایک قسم کی گیس ہے جو تمام خلاء میں پھیلی ہوئی ہے اور وہ بذاتہ ساکن ہے جب تک کوئی دوسرا جسم اس کو حرکت نہ سے وہ حرکت میں نہیں آتا۔ جس طرح ہوا کسی آواز کو بذریعہ موج کے کان تک پہنچاتی ہے اسی طرح ایتھر روشنی کو موج کے ذریعے قوت باصرہ تک پہنچاتا ہے۔ غرض یہ کہ دنیا میں بی شمار چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے احساس سے ہمارے حواس قاصر ہیں مگر لامحالہ ان کے وجود کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔

## نویں معرفت

### روح اور نفس میں فرق

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ روح اور نفس دونوں ایک ہی شے ہیں یعنی روح اور نفس ایک ہی شے کے دو نام ہیں یا دو علیحدہ علیحدہ حقیقتیں ہیں روح انسان کو آخرت کی طرف بلاتی ہے اور نفس دنیا کی طرف بلاتا اور کھینچتا ہے نفس کو سوائے کھانے اور پہننے کے اور کچھ معلوم نہیں۔ نفس، لذات اور شہوات کے اعتبار سے کتا ہے اور غیظ و غضب کے اعتبار سے درندہ ہے اور مکرو فریب کے اعتبار سے شیطان کا حقیقی بھائی معلوم ہوتا ہے (واللہ اعلم)

استاد ابوالقاسم قشیری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اخلاق حمیدہ کے معدن اور منبع کا نام ”روح“ ہے اور اخلاق ذمیرہ کے معدن اور سرچشمہ کا نام ”نفس“ ہے مگر جسم لطیف ہونے میں دونوں مشترک ہیں جیسے ملائکہ اور شیاطین جسم لطیف ہونے میں دونوں شریک ہیں فرق صرف یہ ہے کہ ملائکہ نورانی ہیں نور سے پیدا ہوئے ہیں اور شیطان ناری ہیں نار سے پیدا ہوئے ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے تمہید شرح موطا میں اس بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے وہ یہ ہے۔

ان الله خلق آدم جعل فيه نفسا وروحا فمن الروح عفافه وفهمه وحلمه وسخاءه

ووفاءه ومن النفس شهوته وطيشه وسفهه وغضبه ونحو هذا كذا في الروض الانف

شرح سيرة ابن هشام: ۱۹۷/۱۔

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان میں نفس اور روح کو ودیعت رکھا پس عفت اور فہم اور حکم اور سخاوت

اور وہ اس قسم کے پاکیزہ اخلاق اور صفات روح سے نکلتے ہیں اور شہوت اور طیش اور سفاہت اور غیظ و غضب وغیرہ اس قسم کے تمام اخلاق رذیلہ نفس سے ظاہر ہوتے ہیں (روض الانف)

یہ حدیث اس بات پر صاف طور پر دلالت کرتی ہے کہ آدم کی فطرت میں یہ دو متضاد چیزیں پیوست کر دی گئی ہیں ایک روح جو جنس ملائکہ سے ہے اور ایک نفس جو جنس شیاطین سے ہے بلکہ بقول بعض اولیاء "نفس" شیطان کا جڑواں بھائی ہے جس طرح قرآن حکیم نے شیطان کو انسان کا دشمن بتایا ہے اسی طرح حدیث میں نفس کو سب سے بڑا دشمن بتایا ہے جیسا کہ ایک ضعیف الاسناد حدیث میں ہے اعدی عدو ک نفسک التی بین جبیک: اے انسان تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں کے درمیان واقع ہے اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ نفس انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ شیطان تو اعدو باللہ پڑھنے سے بھاگ جاتا ہے مگر نفس اعدو باللہ پڑھنے سے بھی نہیں بھاگتا نیز شیطان جب انسان کو گمراہ کرتا ہے تو نفس کے واسطے سے گمراہ کرتا ہے شیطان اپنے کام میں نفس کا محتاج ہے اور نفس گمراہ کرنے میں شیطان کا محتاج نہیں اس لئے آپ ﷺ نے نفس کو بڑا دشمن قرار دیا۔

حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نفس و شیطان زد کریم راہ من رحمت باشد شفاعت خواہ من

شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے نفس کو شیطان سے پہلے ذکر کیا کہ اغواء میں نفس شیطان کا محتاج نہیں شیطان کو گمراہ کرنے والا اس کا نفس ہے کسی شیطان نے شیطان کو گمراہ نہیں کیا بہر حال نفس انسان کا دشمن ہے اور روح انسان کی دشمن نہیں اس لئے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ روح اور نفس کو جہاد اکبر فرمایا۔ کیونکہ نفس قریبی دشمن ہے اور دار الحرب کے کافر دور کے دشمن ہیں اور حق تعالیٰ کا حکم یہ ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً﴾: یعنی اے مسلمانو! قریبی کافروں سے جہاد و قتال کرو اس لئے اس قریبی دشمن (نفس) سے جہاد کرنا جہاد اکبر ہوا بہر حال قرآن اور حدیث میں نفس سے جہاد کا حکم آیا ہے روح سے جہاد کا حکم نہیں آیا اور قرآن اور حدیث نے تمام اخلاق ذمہ کی جڑ ہوائے نفس کو قرار دیا ہے کہ نفس انسان کو لذات اور شہوات کی طرف دعوت دیتا ہے حق تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی پروا نہیں کرتا۔ لہذا معلوم ہوا کہ نفس اور روح دو الگ الگ چیزیں ہیں روح جنس ملائکہ سے ہے اور نفس جنس شیطان سے ہے روح نورانی اور روحانی ہے اور نفس ناری ہے۔ جس میں کچھ آمیزش طین (گارے) اور مٹی کی بھی ہے اور یہ انسان جو ایک پتلا خاک کی ہے عجیب معجون مرکب ہے کہ مادہ روحانی اور مادہ شیطانی کو ملا کر بنایا گیا ہے۔ کبھی خیر کی طرف مائل ہوتا ہے اور کبھی شر کی طرف عقل جس کا محل قلب ہے کما قال تعالیٰ ﴿لَهُمْ قُلُوبٌ يَّعْقِلُونَ﴾ یا بقول بعض کہ عقل کا محل دماغ ہے وہ روح کی معین اور مددگار ہے اور نفس شیطان کا مددگار بلکہ اس کا نمائندہ اور اس کا قائم مقام ہے عقل ایک جوہر نورانی ہے اور نفس ایک جوہر ظلمانی ہے

دوسری بات جو حدیث اعدی عدو ک نفسک التی بین جنبیک سے معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ نفس کا مقام دو پہلوؤں کے درمیان ہوتا ہے اس سے بھی روح کا نفس سے مغایر ہونا ثابت ہوا اس لیے کہ روح سر سے پیر تک تمام اعضاء بدن میں جاری و ساری ہے پہلو کے ساتھ مخصوص نہیں بہر حال نفس اور روح الگ الگ حقیقتیں ہیں البتہ کتاب و سنت میں نفس کا اطلاق روح پر بھی آیا ہے اس لیے دونوں کے ایک ہونے کا اشتباہ ہو گیا۔

### دسویں معرفت

عارفین کا قول ہے کہ روح انسانی نر اور مرد ہے اور بمنزلہ شوہر کے ہے اور نفس حیوانی مادہ اور مؤنث ہے اور بمنزلہ زوجہ کے ہے اور دونوں میں اللہ تعالیٰ نے باہمی محبت ڈال دی دونوں کا باہم نکاح ہو گیا پھر دونوں کے باہمی تعلق سے اولاد پیدا ہونے لگی اور وہ اولاد اعمال ہیں جو روح اور نفس کے امتزاج سے متولد ہیں ﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۙ نَّبْتَلِيْهِ﴾: حدیث میں ہے کہ اگر مرد کا نطفہ غالب اور سابق ہو تو اولاد نر پیدا ہوتی ہے اور اگر عورت کا نطفہ غالب اور سابق ہو تو لڑکی پیدا ہوتی ہے۔

اسی طرح سمجھو کہ اگر نفس اور روح کے مخالفت اور معاشرت میں غلبہ روح کا ہو تو اعمال صالحہ کا تولد ہوگا اور اگر غلبہ نفس کا ہو تو اعمال سیئہ کا تولد ہوگا اور تمام ائمہ لغت اور ائمہ نحو کے نزدیک لفظ ”نفس“ مؤنث سماعی ہے نفس کے لیے جو فعل یا ضمیر لائی جائے گی وہ فعل مؤنث کا ہوگا اور ضمیر بھی مؤنث کی ہوگی اور حدیث میں ہے کہ عورتیں جو مشورہ دیں اس کی مخالفت میں خیر و برکت ہے۔ لہذا مرد مومن کو چاہئے کہ نفس کے مشورہ پر نہ چلے روح کے مشوروں پر چلے فتلك عشرة كاملة دریں مشہد زگو یائی مزن دم سخن را ختم کن واللہ اعلم

قُلْ لِّیْنَ اَجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ

کہہ اگر جمع ہوں آدمی اور جن اس پر کہ لائیں ایسا قرآن ہرگز نہ لائیں گے ایسا قرآن کہہ اگر جمع ہوویں آدمی اور جن اس پر کہ لائیں ایسا قرآن، نہ لائیں گے ایسا

وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۱۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ

اور پڑے مدد کیا کریں ایک دوسرے کی فل اور ہم نے پھیر پھیر کر سمجھائی لوگوں کو اس قرآن میں اور پڑے مدد کریں ایک کی ایک۔ اور ہم نے پھیر پھیر سمجھائی لوگوں کو اس قرآن میں

مَثَلٍ دَفَّابِیْ اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۱۹﴾

ہر مثل سونہیں رہتے بہت لوگ بن ناشکری کئے

ہر کہانات، سونہیں رہتے بہت لوگ بن ناشکری کئے۔

(اطلاع) روح اور نفس کے فرق پر میں نے سیرۃ المصطفیٰ حصہ اول میں بھی کچھ لکھ دیا ہے اس کو بھی دیکھ لیا جائے

فل یعنی مکی سرزمین سے قرآن کے اعجاز سے عاجز ہو کر ایسی دوزخ کا فرماشیں کرنے لگتے ہیں۔ عرض استفادہ و انتفاع مقصود تھا محض تعنت و عناد سے کام نہ تھا۔

(والله اعلم بالصواب)

اعجاز قرآن واثبات رسالت محمدیہ ﷺ

قَالَ النَّبِيُّ: «قُلْ لِّبِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ... أَلِي... إِلَّا كُفُورًا»

ربط: ..... گزشتہ آیات میں یہ بتلایا تھا کہ قرآن نسخہ شفاء ہے مگر یہ معاندین بجائے اس کے کہ نسخہ شفاء سے متمتع ہوں تعنت اور عناد پر اترے ہوئے ہیں اور خدا کی رحمت کی قدر نہیں کرتے اب آگے قرآن کا اعجاز بیان فرماتے ہیں جو آپ ﷺ کی نبوت اور رسالت کی دلیل ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن جیسی معجز کتاب کا آپ ﷺ پر نازل ہونا یہ اللہ کا آپ ﷺ پر فضل کبیر ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

اے نبی ﷺ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن میری نبوت کی حجت کبریٰ اور مجھ پر اس کے فضل و رحمت کی آیت عظمیٰ ہے اگر انسان اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس جیسا قرآن بنا لادیں تب بھی اس جیسا نہ بنا سکیں گے۔ اگرچہ ان میں سے ایک دوسرے کا مددگار اور پشت پناہ بھی ہو جائے انسان انسان کے کلام کا مقابلہ کر سکتا ہے مگر خدا کے کلام کا کوئی مقابلہ اور برابری نہیں کر سکتا۔ بعض مشرکوں نے یہ کہا تھا ﴿لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا﴾ یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس قرآن کے مثل کہہ سکتے ہیں اس پر آیت نازل ہوئی لیکن سوال یہ ہے کہ آپ نے یہ چاہا کیوں نہیں تم سب مل کر اس کے مثل بنانا چاہتے تو نہ بنا سکو گے تم بے چارے کیا چیز ہو۔ اور البتہ تحقیق ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں قسم قسم کی مثالیں بیان کیں مگر اکثر آدمیوں نے سوائے ناشکری اور ناسپاسی کے اور کسی بات کو قبول نہ کیا معلوم ہوا کہ ان کی فطرت اور جبلت اور روحانی مزاج فاسد تھا کفر اور عناد میں ایسے طریقہ کو اختیار کیا جو ان کی روح کے ہم شکل تھا کما قال تعالیٰ ﴿قُلْ كُلٌّ يَعْتَلِ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ﴾ ہر شخص اپنی جبلت کے موافق عمل کرتا ہے۔

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ۙ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ

اور بولے ہم نہ مانیں گے تیرا کہا جب تک تو نہ جاری کر دے ہمارے واسطے زمین سے ایک چشمہ یا ہو جائے تیرے واسطے ایک باغ اور بولے ہم نہ مانیں گے تیرا کہا، جب تک تو نہ بہا نکالے ہمارے واسطے زمین سے ایک چشمہ۔ یا ہو جاوے تیرے واسطے ایک باغ

مَخِيلٍ وَعَيْنَبٍ فَتَفْجِرَ الْأَنْهَارَ خِلْفَهَا تَفْجِيرًا ۙ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمَتْ عَلَيْنَا

مخجور اور انگور کا پھر بہائے تو اس کے بیج نہریں چلا کر یا گرا دے آسمان ہم پر جیسا کہ تو کہا کرتا ہے کھجور اور انگور کا، پھر بہا لے تو اس کے بیج نہریں چلا کر۔ یا گرا دے آسمان ہم پر، جیسا کہا کرتا ہے

كِسْفًا أَوْ تَأْتِي بَالِدِهِ وَالْمَلِكَةِ قَبِيلًا ۙ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرٍ أَوْ تَرْفَىٰ فِي

بھوکے بھوکے یا لے آئے اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے یا ہو جائے تیرے لئے ایک گھر منہرا نزل یا چڑھ جائے تو کھڑے کھڑے، یا لے آئے اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے۔ یا ہو جاوے تجھ کو ایک گھر سنہری، یا چڑھ جاوے تو

یا یہ اس کی طرف اشارہ ہے جو دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ ﴿إِن تَقَالِبْهُمْ بِالْأَرْضِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾

السَّمَاءِ ط وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزَّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُوهُ ط قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ

آسمان میں اور ہم نہ مانیں گے تیرے چڑھ جانے کو جب تک نہ اتار لائے ہم پر ایک کتاب جس کو ہم پڑھ لیں تو کہہ سبحان اللہ آسمان میں۔ اور ہم یقین نہ کریں گے تیرا چڑھنا، جب تک نہ اتار لاوے ہم پر ایک لکھا، جو ہم پڑھ لیں۔ تو کہہ سبحان اللہ!

كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا ﴿۱۳﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ يَغ

میں کون ہوں فلا مگر ایک آدمی ہوں بھیجا ہوا ﴿۱۳﴾ اور لوگوں کو روکا نہیں ایمان لانے سے جب پہنچی ان کو ہدایت مگر اسی بات نے کہ میں کون ہوں مگر ایک آدمی ہوں بھیجا ہوا۔ اور لوگوں کو انکا ذہن نہیں ہوا اس سے کہ یقین لاویں جب پہنچی ان کو راہ کی سوجھ، مگر یہی کہ

قَالُوا ابْعَثْ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ﴿۱۴﴾ قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَّمْشُونَ مُطَبِّئِينَ

کہنے لگے کیا اللہ نے بھیجا آدمی کو پیغام دے کر ﴿۱۴﴾ کہہ اگر ہوتے زمین میں فرشتے پھرتے ہتے کہنے لگے، کیا اللہ نے بھیجا آدمی پیغام لے کر؟ کہہ اگر ہوتے زمین میں فرشتے، پھرتے ہتے،

لَنُنَزِّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا ﴿۱۵﴾ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ط

تو ہم اتارتے ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ پیغام دے کر ﴿۱۵﴾ کہہ اللہ کافی ہے حق ثابت کرنے والا میرے اور تمہارے بیچ میں تو ہم اتارتے ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ پیغام لے کر۔ کہہ اللہ بس ہے حق ثابت کرنے والا میرے تمہارے بیچ۔

إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿۱۶﴾ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ، وَمَنْ يُضِلِّ فَلَنْ تَجِدَ

وہ ہے اپنے بندوں سے خبردار دیکھنے والا ﴿۱۶﴾ اور جس کو راہ دکھائے اللہ وہی ہے راہ پانے والا اور جس کو بھٹکائے پھر تو نہ پائے وہ ہے اپنے بندوں سے خبردار دیکھنے والا۔ اور جس کو سوچا دے اللہ، وہی ہے سوچا۔ اور جس کو بھٹکا دے، پھر تو نہ پاوے

﴿۱۶﴾ یعنی معاذ اللہ خدا خود ہمارے سامنے آ کر کہہ دے اور فرشتے کھلم کھلا شہادت دیں کہ تم سچے ہو۔

﴿۱۷﴾ یعنی سونے کا نہ ہو تو کم از کم سونے کا طبع ہو۔

﴿۱۸﴾ یعنی جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کلا کر کرتے ہیں ہمارے سامنے آسمان پر چڑھے پھر وہاں سے ایک کتاب لکھی ہوئی لے کر آئے جسے ہم خود پڑھ سکیں اور کچھ سیکھیں۔ ﴿۱۹﴾ جیسے پہلے پیغمبر آئے اور وہ آدمی تھی۔ کسی پیغمبر کو خدا کی کے اختیارات حاصل نہیں نہ اس کی یہ شان ہے کہ اپنے رب سے ایسی بے ضرورت فرمائش کرے۔ ان کا کام یہ ہے کہ جو ادھر سے ملے پہنچا دیں اور اپنے ہر ایک کام کو خدا سے واحد کے سپرد کر دیں۔ سو میں اپنا فرض رسالت ادا کر رہا ہوں۔ فرمائش نشان دکھلانے یا نہ دکھلانے اس کی حکمت بالغہ پر محمول ہیں اور پہلے اسی صورت میں فرمائش نشان دکھلانے کی بعض حکمتیں گزر چکی ہیں۔

﴿۲۰﴾ یعنی نور ہدایت پہنچنے کے بعد انھیں نہ ٹھہریں یہی کہتے رہے کہ آدمی ہو کر رسول کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر خدا کو پیغمبر بھیجا تھا تو آسمان سے کوئی فرشتہ اتارتا۔ ﴿۲۱﴾ یعنی اگر یہ زمین آدمیوں کے سجائے فرشتوں کی بستی ہوتی تو بیشک موزوں ہوتا کہ ہم فرشتے کو پیغمبر بنا کر بھیجتے۔ آدمیوں کی طرف اگر فرشتہ اس کی اصلی صورت میں بھیجا جائے تو انھیں اور دل حمل بھی نہ کر سکیں، فائدہ اٹھانا تو الگ رہا۔ اور آدمی کی صورت میں آئے تو اشتباہ میں پڑے رہیں اس کی تصریح سورۃ انعام کے پہلے رکوع میں گزر چکی۔

﴿۲۲﴾ وہ جو کہتے تھے ﴿وَأَوَّاهُونَ بِاللَّهِ وَالتَّلَٰكُفُوتُ بِهِ﴾ یعنی خدا سامنے آ کر تصدیق کر دے تب مانیں تو فرمایا کہ خدا اب بھی اپنے فعل سے میری تصدیق کر رہا ہے۔ آخر وہ مجھ کو دیکھتا ہے کہ میں نبوت کا دعویٰ کر رہا ہوں اور میرے ظاہری و باطنی احوال سے پورا خبردار ہے۔ اس پر بھی میرے ہاتھ اور زبان برابر وہ دلی دلی نشانات ظاہر فرماتا رہتا ہے۔ جو فارق عادت اور اس کے عام قانون قدرت سے نہیں بلند و برتر ہیں۔ میرے مقاصد کو یوں مانو یا ماکامیاب اور وسیع الاثر بنانا =

لَهُمْ أَوْلِيَاءٌ مِنْ دُونِهِ ط وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمِيَآ وَبِكُمَا وَصَّوْنَا

ان کے واسطے کوئی رفیق اللہ کے سوا اور اٹھائیں گے ہم ان کو دن قیامت کے پللیں گے منہ کے بل اندھے اور گونگے اور بہرے فل  
ان کے کوئی رفیق اس کے سوا۔ اور اٹھائیں گے ہم ان کو دن قیامت کے، اوندھے منہ پر اندھے اور گونگے اور بہرے۔

مَاؤْبَهُمْ جَهَنَّمَ ط كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَهُمْ سَعِيرًا ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوا

ٹھکانا ان کا دوزخ ہے جب لگے گی بجھنے اور بھڑکا دیں گے ان پر فل یہ ان کی سزا ہے اس واسطے کہ مکر ہوئے  
ٹھکانا ان کا دوزخ ہے، جب لگے گی بجھنے اور دیں گے ان پر بھڑکا۔ یہ ان کی سزا ہے! اس واسطے کہ مکر ہوئے

بِآيَاتِنَا وَقَالُوا اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا ؕ اِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ﴿۱۷﴾ اَوْلَمْ يَرَوْا

ہماری آیتوں سے اور بولے کیا جب ہم ہو گئے ہڈیاں اور چورا چورا کیا ہم کو اٹھائیں گے نئے بنا کر فل کیا نہیں دیکھ چکے  
ہماری آیتوں سے، اور بولے، کیا جب ہو گئے ہڈیاں اور چورا؟ کیا ہم کو اٹھانا ہے نئے بنا کر؟ کیا نہیں دیکھ چکے؟

اَنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قٰدِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ

کہ جس اللہ نے بنائے آسمان اور زمین وہ بنا سکتا ہے ایسوں کو فل اور مقرر کیا ہے ان کے واسطے  
جس اللہ نے بنائے آسمان و زمین، سکتا ہے ایسوں کو بنانا، اور ٹھہرایا ہے ان کا

اَجَلًا لَا رَيْبَ فِيْهِ ط فَاَبٰى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۱۸﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ

ایک وقت بے شبہ فل سو نہیں رہا جاتا بے انصافوں سے بن ناشکری کہنے فلے اگر تمہارے ہاتھ میں ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانے  
ایک وعدہ بے شبہ۔ سو نہیں رہتے بے انصاف بن ناشکری کہنے۔ کہہ اگر تمہارے ہاتھ میں ہوتے میرے رب کی مہر کے

عِج رَيْحٍ اِذَا لَامَسْكُتُمْ خَشِيَةَ الْاِنْفَاقِ ط وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۹﴾

تو ضرور بند کر رکھتے اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہو جائیں اور ہے انسان دل کا تنگ فل  
خزانے، تو مقرر موند رکھتے اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہو جائیں۔ اور ہے انسان دل کا تنگ۔

= ہے اور تکذیب کرنے والوں کو قدم قدم پر متنبہ کرتا ہے کہ اس رفتار سے تم فلاح نہیں پاسکتے کیا یہ خدا کی طرف سے کھلی ہوئی فعلی شہادت نہیں کہ میں اپنے  
دعوے میں سچا ہوں؟ کیا ایک مفتری کے ساتھ ایسا معاملہ خدا کا ہو سکتا تھا؟

فل یعنی خدا کی تو فیض دہن گیری ہی سے آدمی راہ حق پر پل کر منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ جس کی بد بختی اور لغت کی وجہ سے خدا دستگیری نہ فرمائے اسے کون  
ہے جو ٹھیک راستہ پر لگا سکے۔

فل یہ قیامت کے بعض مواظن میں ہوگا کہ کافر منہ کے بل اندھے گونگے کر کے چلائے جائیں گے۔ حدیث میں ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم! منہ کے بل کس طرح پللیں گے فرمایا جس نے آدمی کو پاؤں سے چلا یا وہ قادر ہے کہ سر سے چلا دے۔ باقی فرشتوں کا جہنمیوں کو منہ کے بل ٹھیننا،  
وہ دوزخ میں داخل ہونے کے بعد ہوگا۔ ﴿يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوْهِهِمْ﴾

فل یعنی عذاب معین اندازہ سے کم نہیں ہونے دیں گے۔ اگر بدن بل کر تکلیف میں کمی ہونے لگے گی تو پھر سے پھر سے چڑھا دیئے جائیں گے۔ ﴿وَكُلَّمَا  
نَهَجَتْ جُلُوْدُهُمْ تَدَلُّهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ﴾



### معاندین کے سوالات اور ان کے جوابات

قَالَ لَيْسَ بِكَ: ﴿وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَنْفِرَ...﴾ الی... وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُورًا ﴿

ربط: ..... گزشتہ آیت میں قرآن کے اعجاز کا ذکر تھا جب مشرکین جواب سے عاجز اور لاچار ہو گئے تو انہوں نے ازراہ عناد آپ ﷺ سے بیٹھارے سزوپا فرمائشیں شروع کیں اور کہا کہ اگر آپ ﷺ سچے نبی ہیں تو یہ نشانات دکھائیے جن کا آئندہ آیت میں ذکر ہے ان کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں ان آیات میں کفار کے ان شبہات کا جواب دیا گیا جو آنحضرت ﷺ کی رسالت سے متعلق تھے چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور یہ لوگ باوجودیکہ قرآن کا اعجاز ان پر ظاہر ہو گیا اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت اس سے ثابت ہو گئی پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔

(۱) یہاں تک کہ تو ہمارے لیے مکہ کی زمین سے چشمہ جاری کر دے جس سے تمام اہل مکہ سیراب ہوں۔

(۲) یا خاص تیرے لیے کھجوروں یا انگوروں کا کوئی باغ ہو پھر تو ان کے درمیان میں نہریں جاری کر دے اور اس

قسم کا باغ تیری سرداری اور برتری کا نشان ہو۔

(۳) یا ہم پر کوئی بلا نازل کر جیسا کہ تو کہا کرتا ہے اور ہم کو ڈرانا رہتا ہے کہ ہم پر آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا

دے جس سے تیرے نہ ماننے والے مرجائیں۔

۴ یعنی دنیا میں دلیل سے تو نہ مانا تھا، اب آنکھ سے بار بار دیکھ لو کہ کس طرح جل جل کر از سر نو تیار کیے جا رہے ہو۔  
۵ یعنی جس نے اتنے بڑے اجسام پیدا کیے، اسے تم جیسی چھوٹی سی چیز کا پیدا کر دینا کیا مشکل ہے۔ ﴿وَالْخَلْقِ السَّلْوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَكِنْ اَسْفَرْنَا النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ بیشک وہ تم کو اور تمہارے جیسے سب آدمیوں کو بے تکلف پیدا کر سکتا ہے۔  
۶ یعنی شاید یہ کہو کہ آخر اتنے آدی مرچکے میں وہ اب تک کیوں نہیں اٹھائے گئے۔ تو فرمادیا کہ سب کے واسطے قبروں سے اٹھنے اور دوبارہ زندہ ہونے کا ایک وقت مقرر ہے وہ ضرور آ کر رہے گا۔ تاخیر دیکھ کر انکار کرنا حماقت ہے۔ ﴿وَمَا تَوْجِوٰهُ اِلَّا لِاَجَلٍ مُّعَدُوٰدٍ﴾  
۷ یعنی ایسے واضح مضامین و دلائل سن کر بھی ناانصافوں کے کفر و ضلال اور ناشکری میں ترقی ہی ہوتی ہے، ذرا نہیں سمجھتے۔

۸ گزشتہ رکوع میں فرمایا تھا ﴿اَلَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَبِّكَ اِنْ فَضَّلْنَاكَ اِنْ فَضَّلْنَاكَ اِنْ فَضَّلْنَاكَ﴾ (خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت بڑا فضل کیا ہے کہ قرآن عظیمی بے مثال (دولت عطا فرمائی) درمیان میں مخالفین کے تعنت و عناد، دور از کار مطالبات، اعراض و تکذیب اور ان کے نتائج کا ذکر کر کے یہاں پھر اسی پہلے مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے۔ یعنی ایک بندہ کو ایسی عظیم الشان رحمت اور عظیم الشان نظیر دولت سے سرفراز فرمانا، اسی جو واقعی اور وہاب مطلق کی شان ہو سکتی ہے جس کے پاس رحمت کے غیر متناہی خزانے ہوں۔ اور کسی حق کو زیادہ سے زیادہ دینے میں نہ اس کو اپنے نبی دست رہ جانے کا خوف ہو، نہ اس کا اندیشہ کہ دوسرا ہم سے لے کر کہیں مدد مقابل نہ بن جائے یا آگے چل کر ہمیں دبانے۔ خداوند قدوس تھمرد لے انسان کی طرح (العیاذ باللہ) تنگ دل واقع نہیں ہوا، جسے اگر فرض کر دو خزان رحمت کا مالک مختار بنا دیا جائے تب بھی اپنی طبیعت سے بخل و تنگ دلی نہ چھوڑے اور کسی حق کو دینے سے اس لیے گھبرائے کہ کہیں سارا خرچ نہ ہو جائے اور میں خالی ہاتھ نہ رہ جاؤں یا جس پر آج خرچ کرتا ہوں کل میری ہمسری نہ کرنے لگے۔ بہر حال اگر رحمت الہیہ کے خزانے تمہارے قبضہ میں ہوتے تو تم کسے دینے والے تھے اور کہاں گوارا کر سکتے تھے کہ مکہ و مضاف کے بڑے معجز دولت مندوں کو چھوڑ کر وحی و نبوت کی یہ پیش بہاد دولت "نبی ہاشم" کے ایک درہم کو مل جائے۔ یہ حق تعالیٰ کا فیض ہے کہ جس میں جیسی استعداد و قابلیت دیکھی اس کے مناسب کمالات و انعامات کے خزانے انڈیل دیے۔ تمہارے تعنت و تعصب سے خدا کا فضل رکھنے والا نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں جو خزانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو ملنے والے میں مل کر رہیں گے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیروں کو یاد دہانی سے اس دولت کو نبی نوع انسان پر خرچ کریں گے تمہاری طرح تنگ دلی نہیں دکھائیں گے۔

(۴) یا لے آتو اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے کہ ہم اپنی آنکھوں سے سب کو دیکھ لیں اور ہمارے سامنے یہ شہادت دیں کہ یہ خدا کا رسول ہے۔

(۵) یا تیرے پاس سونے کا گھر ہو جس سے دنیا میں تیری کوئی شان ظاہر ہو۔

(۶) اور یا تو آسمان میں چڑھ جائے اور ہم تجھے چڑھتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

(۷) اور پھر ہم تیرے چڑھنے پر بھی تیری نبوت پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ تو ہم پر ایک کتاب اتار کر لائے جس کو ہم آپ پڑھ لیں اور اس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ یہ ہمارا رسول ہے تم اس کا اتباع کرو اگر تم ہماری ان باتوں کو پورا کر دو گے تو ہم تم کو سچا مان لیں گے اور جان لیں گے کہ اللہ کے یہاں تیرا بڑا مرتبہ ہے اور تم اس کے اپنی ہو اس نے تم کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے آپ ﷺ ان سب خرافات کے جواب میں کہہ دیجئے کہ یہ فرمائشیں اس شخص سے ہو سکتی ہیں جو اپنے لیے کمال قدرت کا مدعی ہو میرا پروردگار پاک ہے اس سے کہ اس کی قدرت کاملہ میں کوئی اس کا شریک ہو بشر میں یہ قدرت نہیں کہ وہ اس قسم کے نشانات دکھلا سکے میں نہیں ہوں مگر ایک بشر جس کو خدائے تمہاری ہدایت کے لیے بھیجا ہے مجھ کو اسی قدر قدرت حاصل ہے جو ایک بشر کو دی گئی ہے مگر میں اللہ کا رسول اور اس کا فرستادہ ہوں اس کا پیغام اور اس کے احکام پہنچانے کے لیے بھیجا گیا ہوں ایسی باتیں کرنے کی مجھ میں قدرت نہیں جیسے پہلے رسول گزرے ہیں ایسا ہی میں بھی رسول ہوں اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں پیغمبروں کو مناسب حال معجزات عطا کئے اور ان معجزات کا ظہور اللہ کی قدرت اور مشیت سے تھا۔ رسولوں کے اختیار اور مشیت سے نہ تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا اور میری تصدیق کے لیے بہت سے معجزات دیئے جو تمہارے ان فرمائش معجزات سے ہرگز کم نہیں مثلاً شق القمر اور انگلیوں سے پانی کا جاری ہو جانا وغیرہ وغیرہ اس قسم کے معجزات آپ ﷺ سے ظاہر ہوتے کہ جو آپ ﷺ کی صداقت ثابت کرنے کے لیے کافی اور شافی تھے اور مشرکین کے اس قول سے کہ ہم تیرے آسمان پر چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے۔ الی آخرہ ان کا عناد اور ہٹ دھرمی صاف ظاہر ہے اور ضدی اور پچی آدمی کا منہ کبھی بند نہیں ہو سکتا۔

### جواب استعجاب کفار بر رسالت بشر

اب آگے کافروں کے اس استعجاب کو ذکر کر کے اس کا رد فرماتے ہیں کافروں کا استعجاب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بشر کو ہی رسول بنا کر بھیجا ملا کہہ کور رسول کیوں نہیں بنایا چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور جب لوگوں کے پاس ہدایت یعنی قرآن آگئی تو ان کو ایمان لانے سے سوائے اس بات کے اور کسی امر نے نہیں روکا کہ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے یعنی لوگوں کے پاس قرآن اور محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لانے کے متعلق سوائے اس کے اور کوئی عذر نہیں ہے کہ وہ بشر کے رسول ہونے کو مستبعد جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد (ﷺ) بشر ہیں اور بشر رسول نہیں ہو سکتا۔ اگر اللہ رسول بھیجنا چاہتا تو اس کے یہاں فرشتوں کی کیا کمی تھی۔ یہ لوگ بشریت کو رسالت کے منافی سمجھتے تھے۔ حالانکہ پہلے جتنے بھی نبی گزرے وہ سب کے سب بشر ہی تھے ان میں سے کوئی فرشتہ نہ تھا۔

اے نبی ﷺ! آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجئے اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے کہ اس میں اطمینان سے چلتے پھرتے تو پھر ان کے مناسب ضرور آسمان سے کوئی فرشتہ رسول بنا کر بھیج دیتے جو انہی کی جنس سے ہوتا کیونکہ تعلیم و تلقین کے لیے مناسبت اور باہمی جنسیت شرط ہے مگر چونکہ زمین پر آدمی رہتے ہیں تو آدمی ہی رسول ہونا چاہئے۔

### جواب اخیر مشتمل بر وعید سعیر

اور اگر باوجود دلائل ظاہرہ اور آیات باہرہ کے یہ ظالم آپ ﷺ سے کہیں کہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کا گواہ کون ہے تو آپ جواب میں کہہ دیجئے کہ میرے نبی اور رسول ہونے پر میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی ہے گواہ اللہ کی گواہی یہ ہے کہ اس نے میری زبان سے علم و حکمت کے چشمے جاری کر دیئے اور قسم قسم کے معجزات اور نشانات میرے ہاتھ سے تم کو دکھلا دیئے۔ یہی اللہ کی گواہی ہے بے شک وہ اپنے بندوں سے خبردار ہے ان کو دیکھنے والا ہے وہ صادق کو بھی جانتا ہے اور کاذب کو بھی اور سعادت اور شقاوت اور ہدایت اور ضلالت سب اس کے ہاتھ میں ہے جس کو اللہ ہدایت یعنی توفیق دے وہی ہدایت پانے والا ہے۔ یعنی جس کے دل میں اللہ کی ہدایت ڈال دے وہی ہدایت پانے والا ہے پھر کسی کو قدرت نہیں کہ اسے گمراہ کر سکے اور جس کو وہ گمراہ کرے تو تو اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہ پائے گا جو اسے راہ ہدایت پر لے جا سکے اس سے مقصود آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا ہے مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کی قسمت میں اللہ نے ہدایت لکھ دی ہے وہ ضرور ہدایت پائیں گے اور جن کو وہ ازل میں گمراہ ٹھہرا چکا ہے ان کا حق اور ہدایت کی طرف آنا محال ہے پس ایسی صورت میں آپ ﷺ کافروں کے اعراض سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔ قیامت کے دن سب کے اعمال کا نتیجہ ظاہر ہو جائے گا اور قیامت کے دن ہم ان گمراہوں کو ان کے منہ کے بل اندھا اور گونگا اور بہرا بنا کر اٹھائیں گے یہ سزا ان کو اس لیے دی جائے گی کہ وہ دنیا میں الٹے چلے تھے اور حق کے دیکھنے سے اندھے اور کہنے سے گونگے اور سننے سے بہرے بنے ہوئے تھے۔ ابتداء حشر کے وقت ان کی یہی حالت ہوگی تاکہ ان کی ذلت اور رسوائی سب پر ظاہر ہو بعد میں یہ حالت نہ رہے گی اس لیے کہ دوسری آیات اور احادیث سے ان کا دیکھنا اور بولنا اور سننا ثابت ہے ان گمراہوں کا ٹھکانا جہنم ہے جب وہ آگے بچھنے لگے گی تو ہم اس کو اور بھڑکا دیں گے یہ ان کی سزا ہے اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو نہ مانا اور کہا کہ جب ہم مرے پیچھے بڑیاں اور بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی پیدائش سے اٹھائے جائیں گے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انکا یہ خیال بالکل غلط ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ یقیناً ان کے مثل پیدا کرنے پر بھی قادر ہے و لیکن اللہ نے اسے دوبارہ پیدا کرنے کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے جس میں کچھ شک نہیں جس طرح اس دنیاوی حیات کے لیے ایک وقت مقرر ہے اسی طرح دوبارہ زندگی کے لیے بھی وقت مقرر ہے اس پر بھی ظالموں نے سوائے ناشکری کے اور بات کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حاصل جواب یہ ہے کہ عذاب ضرور آ کر رہے گا لیکن اس کی ایک مدد مقرر ہے اور آدمی جب مر گیا تو اس کی قیامت آگئی۔

اوپر کی آیتوں میں اللہ کے فضل اور رحمت کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے جس کو چاہے سرفراز فرمائے

اور اس نے اپنے فضل سے آنحضرت ﷺ کو اپنی نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا ﴿وَإِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَمِيزًا﴾ اس کے بعد مخالفین کے تعنت آمیز سوالات کا ذکر فرمایا جن میں ایک سوال یہ تھا کہ کافر یہ کہتے ہیں کہ ایمان جب لائیں گے جب زمین میں چشمے اور نہریں جاری ہو جائیں تاکہ زراعت سے اموال کثیرہ جمع ہو جائیں اور کھجور اور انگور کے باغات پیدا ہو جائیں اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض تم اللہ کی رحمت پر قابض اور متصرف ہو جاؤ تو تم اپنی طبعی تنگ دلی اور جبلی بخل کی وجہ سے ختم ہو جانے کے خوف سے اپنا ہاتھ روک لو گے لہذا تمہاری یہ فرمائش پوری نہ ہوگی اور خزانہ رحمت اور وسائل رزق و معیشت تمہارے اختیار میں نہیں دیئے جائیں گے اللہ کو اختیار ہے کہ وہ اپنی حکمت اور مصلحت سے جس پر چاہے رزق کو وسیع کرے اور جس پر چاہے تنگ کرے اور جس کو چاہے اپنے فضل سے اور رحمت سے نبوت اور قرآن عظیم عطا کرے اللہ اپنے بندوں سے باخبر ہے چنانچہ فرماتے ہیں (اے نبی ﷺ)

آپ ﷺ ان ظالموں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم میرے پروردگار کے خزانہ ہائے رحمت کے مالک اور متصرف بن جاؤ تو البتہ اس وقت بھی تم اپنے ہاتھ خرچ کرنے سے روک لو گے اس ڈر سے کہ یہ خزانے خرچ ہو کر ختم ہو جائیں اور تم محتاج ہو جاؤ اور انسان بڑا تنگ دل ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم بیشمار خزانوں کے بھی مالک ہو جاؤ تو تب بھی تم اس بخل اور دناءت پر رہو گے لہذا تم ایسی باتوں کا کیوں سوال کرتے ہو تم اس قابل نہیں تم جیسوں کو دیتے سے کیا فائدہ (تفسیر کبیر: ۵/۱۳۳)

اس آیت کے بارہ میں علماء کے دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ آیت خاص مشرکوں کے حق میں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ عام ہے اور مقصود انسان کا من حیث انسان ہونے کا اعتبار سے حال بتلانا ہے کہ وہ طبعی طور پر بخیل ہے مگر جس کو اللہ تعالیٰ توفیق اور ہدایت دے کما قال تعالیٰ ﴿وَمَنْ يُؤْتِكُمْ شَيْءًا فَمِنْ لَدُنِّيهِ فَآوِلِّيْكُمْ هُمْ الْمُفْلِحُونَ﴾ اور جمہور کا قول یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۰/۳۳۵)

یہ تمام کلام منکرین کے تہدید میں تھا اب آگے پھر منکرین نبوت کے تہدید کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَمَسَّ عَلَىٰ يَدَيْهِ إِسْرَآءِيلُ إِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ

اور ہم نے دیں موسیٰ کو نو نشانیاں صاف پھر پوچھ بنی اسرائیل سے جب آیا وہ ان کے پاس فل تو کہا اس کو اور ہم نے دیں موسیٰ کو نو نشانیاں صاف، پھر پوچھ بنی اسرائیل سے، جب وہ آیا ان کے پاس، تو کہا اس کو

فل یعنی جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فضل و رحمت سے قرآن عظیم دیا اور بہت کچھ مہربانیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرمائیں، ہم پہلے موسیٰ علیہ السلام کو صداقت کے نو کھلے ہوئے نشانیاں (معجزات) ان کے مناسب حال عنایت فرما چکے ہیں جب کہ وہ "بنی اسرائیل" کے پاس فرعون کے مظالم سے نجات دلانے کے لیے تشریف لائے تھے۔ اگر چاہو تو "بنی اسرائیل" کے باخبر اور منصف مزاج علماء سے پوچھ دیکھو کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے۔

(تنبیہ) وہ نو معجزات یہ ہیں یدینا، عصا، نین، نقص ثمرات، طوفان، جراد، قمل، صفادع، دم، سورۃ "اعراف" آیت ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَاللَّمَآءَ الْغَاطِقَ فَاَسْتَسْقَمُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ﴾ کے فوائد میں ہم اس کی تفصیل کر چکے ہیں ملاحظہ کر لی جائے۔ مسند احمد اور ترمذی وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ یہود نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے "تسع آیات" کے متعلق سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ یہ احکام ہیں: شرک نہ کرو، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، ناحق خون مت کرو، جادو نہ کرو، سود مت کھاؤ، بے گناہ کو مت پکڑو اور کہ ما مکہ اسے قتل کر دے، عینت عورتوں پر ہمت نہ لگاؤ، جہاد میں سے مت بھاگو، نو حکم تو یہ ہوئے جن کے سب لوگ مخاطب ہو سکتے ہیں۔ سوال حکم (اے یہود) تمہارے لیے مخصوص تھا کہ بہت (شنبہ) =

فِرْعَوْنَ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يُمُوسَىٰ مَسْحُورًا ﴿۱۵﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتُمَا أَنزَلَ هَؤُلَاءِ إِلَّا رَبَّ

فرعون نے میری انکل میں تو موسیٰ تجھ پر جادو ہوا تو جان چکا ہے کہ یہ چیزیں کسی نے نہیں اتاریں مگر فرعون نے، میری انکل میں موسیٰ تجھ پر جادو ہوا۔ بولا تو جان چکا ہے کہ یہ چیزیں کسی نے نہیں اتاریں، مگر

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِصَآئِرٍ ۚ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَفِرْعَوْنَ مَثْبُورًا ﴿۱۶﴾ فَأَرَادَ أَنْ يَنْتَفِرَ مِنْهُمْ

آسمان اور زمین کے مالک نے سمجھانے کو اور میری انکل میں فرعون تو غارت ہوا چاہتا ہے تو پھر چاہا کہ بنی اسرائیل کو چین نہ دے آسمان و زمین کے صاحب نے سوچانے کو۔ اور میری انکل میں فرعون! تو کھپا چاہتا ہے۔ پھر چاہا ان کو چین نہ دے

مِّنَ الْأَرْضِ فَأَعَزَّنَا فِي الْبُيُوتِ الْأَمْنِ ﴿۱۷﴾ وَكُلْنَا مِنْ بَعْدِهِ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ مَا رَزَقْنَاهُمْ

اس زمین میں پھر ڈبا دیا ہم نے اس کو اور اس کے ساتھ والوں کو سب خوف اور کہا ہم نے اس کے پیچھے بنی اسرائیل کو آباد ہونے میں، پھر ڈبا دیا ہم نے اس کو اور اس کے ساتھ والوں کو سارے۔ اور کہا ہم نے اس کے پیچھے بنی اسرائیل کو، بسو تم

الْأَرْضِ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا ﴿۱۸﴾ وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَّلْنَا

زمین میں پھر جب آئے گا وعدہ آخرت کالے آئیں گے ہم تم کو سمیٹ کر ﴿۱۸﴾ اور سچ کے ساتھ اتارا ہم نے یہ قرآن زمین میں، پھر جب آوے گا وعدہ آخرت کالے آویں گے ہم تم کو سمیٹ کر۔ اور سچ کے ساتھ اتارا ہم نے یہ قرآن،

= کے دن حد سے نہ گزرو۔ یہود نے سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں نکارت ہے جو غالباً ابن کے راوی عبد اللہ بن سلمہ کی طرف سے آئی ہے۔ قرآن کا نظم و سباق ہرگز اس کو نہیں چاہتا کہ ﴿وَلَقَدْ أَقْنَمْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ فَتَسْتَأْتِنَا كَمَا كَانُوا فِي الْبُيُوتِ الْأَمْنِ﴾ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يُمُوسَىٰ مَسْحُورًا ﴿۱۶﴾ سے مراد یہ نوا حکام لیے جائیں۔ آگے فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ جو "فقال له" سے نقل فرمایا، مقتضی ہے کہ "آیات" سے وہ نشانات مراد ہوں جو بطور دلائل و دج کے فرعونوں کو دکھلائے گئے تھے، چنانچہ لفظ بصائر بھی انہی پر زیادہ چہاں ہوتا ہے اور پہلے سے اہل مکہ کے تعنت اور آیات طلب کرنے کا جو ذکر آ رہا ہے اس کے مناسب بھی یہی ہے کہ یہاں فرعونوں کا تعنت آیات کو نیک کے متعلق دکھلایا جائے۔ بہر حال ابن کثیر کا خیال یہ ہے کہ یہود نے سوال شاید "تسع آیات" کی نسبت نہیں بلکہ ان دس آیات کی نسبت کیا ہوگا جو تورات کے شروع میں بطور وصایا لکھے جاتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں دس ہی چیزیں مذکور ہیں۔ راوی حدیث کو التباس و اشتباہ ہو گیا، اس نے "کلمات عشر" کی جگہ "تسع آیات" نمودار کر دیا۔ اور ممکن ہے سوال "آیات تسعه" سے کیا گیا ہو۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب علی اسلوب الحکیم دیا جو یا تنبیہ کردی کہ نو معجزات کا معلوم کرنا تمہارے حق میں چنداں مفید اور اہم نہیں بلکہ ان دس احکام کا یاد رکھنا زیادہ اہم ہے۔ واللہ اعلم۔

فَلْيَعْنِي كَيْفَ نَزَّلْنَا هَؤُلَاءِ وَلَا تَعْنِي كَيْفَ نَزَّلْنَا هَؤُلَاءِ وَلَا تَعْنِي كَيْفَ نَزَّلْنَا هَؤُلَاءِ ﴿۱۹﴾ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يُمُوسَىٰ مَسْحُورًا ﴿۲۰﴾

﴿۱۹﴾ یعنی تو زبان سے انکار کرتا ہے مگر تیرا دل خوب جانتا ہے کہ یہ عظیم الشان نشان تیری آنکھیں کھولنے کے لیے اسی خدا کے قادر و توانا نے دکھلائے ہیں جو آسمان و زمین کا سچا مالک ہے۔ اب جو شخص جان بوجھ کر محض ظلم و تکبر کی راہ سے حق کا انکار کرے اس کی نسبت ہجر اس کے کیا خیال کیا جاسکتا ہے کہ تباہی کی گھڑی اس کے سر پر آ پہنچی۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ "ایمان" جاننے کا نام نہیں، ماننے کا نام ہے۔ ﴿وَيُحَدِّثُوا عَلَيْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا﴾

﴿۲۰﴾ جب فرعون نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا اثر بڑھتا جاتا ہے۔ سمجھا کہ بنی اسرائیل نہیں زرد نہ پکڑ جائیں اس لیے ان کو اور زیادہ تانا شروع کیا کہ یہ مصر میں ان لوگوں سے رہنے نہ پائیں۔ آخر ہم نے اسی کو نہ رہنے دیا اور بحر قلزم میں سب ظالموں کا بیڑہ غرق کر دیا۔

﴿۲۱﴾ یعنی خدا نے ظالم کی جو کلاٹ دی اور تم کو غلامی سے نجات دی۔ اب مصر و شام میں جہاں چاہو آزادی سے رہو۔ جب قیامت آئے گی پھر ایک مرتبہ تم سب کو =

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿۱۵﴾ وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ عَلَى النَّاسِ عَلَىٰ مُكْتَبٍ

اور سچ کے ساتھ اترا اور تجھ کو جو بھیجا ہم نے سو خوشی اور ڈر سنانے کو ﴿۱۵﴾ اور پڑھنے کا وظیفہ کیا ہم نے قرآن کو جدا جدا کر کے پڑھے تو اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر اور سچ کے ساتھ اترا۔ اور تجھ کو جو بھیجا ہم نے، سو خوشی اور ڈر سنانا۔ اور پڑھنے کا وظیفہ کیا ہم نے اس کو بانٹ کر، کہ پڑھے تو اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر،

وَنَزَّلْنَاهُ تَنزِيلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ آمِنُوا بِهِ أَوْ لَا تُؤْمِنُوا إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا

اور اس کو ہم نے اتارتے اتارتے اتارا ﴿۱۶﴾ کہہ تم اس کو مانو یا نہ مانو جن کو علم ملا ہے اس کے پہلے سے جب اور اس کو ہم نے اتارتے اتارتے اتارا۔ کہہ تم اس کو مانو یا نہ مانو۔ جس کو علم ملا ہے اس کے آگے سے، جب

يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۷﴾ وَيَقُولُونَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا إِن كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا

ان کے پاس اس کو پڑھے گرتے ہیں ٹھوڑیوں پر سجدہ میں اور کہتے ہیں پاک ہے ہمارا رب بیشک ہمارے رب کا وعدہ ان کے پاس اس کو پڑھے، گرتے ہیں ٹھوڑیوں پر سجدے میں۔ اور کہتے ہیں، پاک ہے ہمارا رب بے شک، ہمارے رب کا وعدہ

لَمَفْعُولًا ﴿۱۸﴾ وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ﴿۱۹﴾

ہو کر ہے گا ﴿۱۸﴾ اور گرتے ہیں ٹھوڑیوں پر روتے ہوئے اور زیادہ ہوتی ہے ان کو عاجزی ﴿۱۹﴾

البتہ ہوتا ہے۔ اور گرتے ہیں ٹھوڑیوں پر روتے ہوئے، اور زیادہ ہوتی ہے ان کو عاجزی۔

= اور تمہارے تباہ شدہ دشمنوں کو اکٹھا کر کے تفتی و سعید اور ہالک و ناجی کا دائمی فیصلہ کر دیا جائے گا۔

۱۵۔ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات وغیرہ کا ذکر فرما کر روئے سخن پھر قرآن کریم کی طرف پھیر دیا گیا۔ یعنی معجزات موسیٰ سبحانے خود تھے، لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معجزات باہرہ عطا ہوئے ان میں سب سے بڑا علمی معجزہ یہ قرآن کریم ہے جو ہم نے عین حکمت کے موافق، اپنے علم عظیم اور اعلیٰ درجہ کی سچائی پر مشتمل کر کے اتارا ہے اور ٹھیک اسی سچائی کے ساتھ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا، درمیان میں ادنیٰ ترین تغیر و تبدل بھی نہیں ہوا۔ ﴿فَاخْلَعْهُمُ الْغَمَّاتُ الْاُولٰٓئِیْنَ یَعْلَمُ اللّٰهُ وَاَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾

۱۶۔ یعنی ماننے والوں کو خوشخبری اور نہ ماننے والوں کو عذاب الہی کی دھمکی سنا دیجئے۔

۱۷۔ انزال قرآن سے مقصود اصلی مطلب سمجھ کر اس پر عمل کرنا ہے جسے تدریجاً بتدریج کہتے ہیں۔ لیکن اس کے نفس الفاظ و حروف بھی نور و برکت سے خالی نہیں۔ ﴿کَلِمَۃٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَیْكَ مُلَکًا لِّیَذِّکِرَہَا وَاَنْتَ عَلَیْہَا عَلِیْمٌ﴾ اسی لیے سورتیں اور آیتیں جدا جدا کہیں تاکہ وظیفہ کے طور پر تلاوت کرنا بھی سہل ہو اور سننے والوں کے لیے حفظ و فہم میں بھی آسانی رہے۔ اور آہستہ آہستہ اس لیے اتارا کہ جیسے حالات پیش آئیں ان کے مناسب ہدایات حاصل کرتے رہیں۔ تاکہ وہ جماعت جسے آگے چل کر تمام دنیا کا معلم بنا تھا ہر آیت و حکم کے موقع محل کو بخوبی ذہن نشین کر کے یاد رکھ سکے اور آنے والی نسلوں کے لیے کسی آیت کے بے موقع استعمال کرنے کی گنجائش نہ چھوڑے۔

۱۸۔ یعنی مانو یا نہ مانو قرآن کی حقانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق وہ نصیحت مزاج اہل علم کر رہے ہیں جنہیں کتب سابقہ کی بشارات سے آگاہی ہے، وہ اس کلام کو سن کر ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں کہ سبحان اللہ کیا عجیب و غریب کلام ہے۔ بیشک خدا کا وعدہ پورا ہونا تھا جو موسیٰ علیہ السلام کی زبانی تورات کتاب استہارہ میں کیا گیا تھا کہ (اے بنی اسرائیل) میں تمہارے بھائیوں (بنی اسماعیل) میں سے ایک نبی اٹھاؤں گا جس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا۔ بلاشبہ یہی کلام ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک میں ڈالا گیا۔ جب اہل علم قرآن کی تصدیق سے چارہ نہیں رہا تب انکار کرنا جاہل کا کام ہے۔

۱۹۔ یعنی قرآن کو سن کر رقت ماری ہو جاتی ہے سجدہ کرتے ہیں تو اور عاجزی بڑھتی ہے۔ اذقان (ٹھوڑیوں) کے لفظ میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ سجود میں بہت زیادہ مبالغہ کرتے ہیں گویا ٹھوڑیاں بھی زمین سے ملا دیتے ہیں، یا محض سجود علی الوجہ سے کتایہ ہو۔ واللہ اعلم۔

## ذکر معجزات موسویہ برائے تحقیق رسالت محمدیہ ﷺ

قَالَ لَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ... الی... وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ﴿۱﴾

رابطہ:..... گزشتہ آیات میں مخالفین کے معاندانہ سوالات کا ذکر تھا اب ان آیات میں معجزات موسویہ یعنی ان نشانیوں کو ذکر کرتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کی قوم کی تہدید کے لیے عطا کی تھیں مگر باوجود اس کے وہ ایمان نہیں لائے اور بالآخر ہلاک ہوئے اور غرق ہوئے اسی طرح تم محمد رسول اللہ ﷺ سے معجزات طلب کرتے ہو اور تمہارا حال یہ ہے کہ اگر تمہاری سفارش کے مطابق وہ معجزات ظاہر کر بھی دیئے جائیں تب بھی تم محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کر دو گے۔

جس طرح وہ متکبر اور جبار (فرعون) خدا تعالیٰ کے درویش نبی یعنی موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ نہ کر سکا اسی طرح سمجھ لو کہ تم ہمارے کملی والے نبی ﷺ کا مقابلہ نہ کر سکو گے یہ رسول بھی موسیٰ علیہ السلام کے مشابہہ ہے اور بنی اسرائیل کے بھائیوں (یعنی بنی اسماعیل) میں سے مبعوث ہوا ہے اس کا عصا قرآن ہے سب کفروں کو نکل جائے گا اور ذکر بھی نہ لے گا تم اپنے انجام کو سوچ لو موسیٰ علیہ السلام کوئی فرشتہ نہ تھے بلکہ ظاہر صورت کے لحاظ سے ایک بے سرو سامان بشر تھے مگر در پردہ فرشتہ سے بڑھ کر تھے اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کی صورت بشری اور ظاہری فقیری اور درویشی سے دھوکہ نہ کھاؤ اس لباس بشری میں خداوند ذوالجلال کی پیغمبری مستور ہے کوئی فرعون اور ہامان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور جس طرح فرعون اور فرعونوں کے غرق کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سرزمین مصر کا وارث بنایا اسی طرح عنقریب مکہ فتح ہوگا اور اس نبی آخر الزمان ﷺ کے اصحاب اول سرزمین عرب کے وارث ہوں گے اور پھر سرزمین شام کے وارث ہوں گے جو بنی اسرائیل کا آبائی مسکن ہے غرض یہ کہ اس تمام کلام سے اثبات رسالت مقصود ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو (۹) روشن نشانیاں دیں جو ان کی نبوت و رسالت کی روشن دلیل تھیں جن کا ذکر نویں پارہ کے چھٹے رکوع میں گزر چکا ہے اور اگر تم کو کچھ شک ہو تو بنی اسرائیل کے علماء سے پوچھ لو کہ جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس یہ معجزات لے کر آئے ہیں جن کا ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور پھر ان کے بعد وہ معجزات تم تک بطریق تواتر پہنچے جس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہیں اس لیے کہ تواتر بھی بمنزلہ مشاہدہ کے ہے آپ علماء بنی اسرائیل سے پوچھ لیجئے وہ آپ کے قول کی تصدیق کریں گے اور وہ نو معجزے تمہارے ان فرمائی معجزات کے برابر یا اس سے بڑھ کر تھے ہم اب بھی اس قسم کے معجزات عطا کرنے پر قادر ہیں مگر اس وقت ہماری مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ فی الوقت اس قسم کے معجزات کا ظاہر کرنا سود مند نہیں۔ (تفسیر کبیر: ۵/۳۶۳)

آیت مذکورہ ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ﴾ میں علماء تفسیر کے دو قول ہیں۔

قول اول:..... یہ ہے کہ ﴿تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ﴾ سے موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزے مراد ہیں وہ نو بیانات یہ ہیں:

(۱) عصا اور (۲) بد بیضا اور (۳) قبطیوں پر قحط شدید اور (۴) طوفان باراں اور (۵) جراد یعنی نڈیاں اور (۶) قمل

یعنی چھڑیاں اور (۷) ض فادع یعنی مینڈک اور (۸) دم یعنی خون اور (۹) نقص ثمرات یعنی پھلوں کی کمی۔

یہ نو آیات بیانات اور مفصلات ہیں اور آیات و اضحات ہیں جن کا فرعونوں نے مشاہدہ کیا مگر ان ظالموں پر

ان نو نشانیوں میں سے سات کی تعیین پر تو سب کا اتفاق ہے اور دو میں اختلاف ہے جن سات کی تعیین پر اتفاق ہے وہ یہ ہیں: (۱) عصا، (۲) بد بیضا

آیات واضحات نے کچھ اثر نہ کیا اسی طرح اگر ہم ان لوگوں کے سوالات پورے کر دیں کہ چشمے اور نہریں جاری کر دیں تو یہ ظالم بھی فرعونوں کی طرح ایمان لانے والے نہیں جیسے فرعون نے باوجود مشاہدہ آیات بینات موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ ﴿لَا ظَنُّكَ بِمُوسَىٰ مَشْحُورًا﴾ اے موسیٰ میں تم کو جادو گر گمان کرتا ہوں اسی طرح یہ ظالم ان معجزات کے ظاہر ہونے پر آنحضرت ﷺ کو جادو گر بتلائیں گے لیکن قوم فرعون کو تو ان آیات بینات پر ایمان نہ لانے کے بعد غرق کر دیا گیا مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ آپ ﷺ کی قوم کو ہلاک کرنے کا نہیں اس لیے ان کے یہ سوالات پورے نہیں کئے اور موسیٰ علیہ السلام کو ان نو نشانوں کے سوا اور بھی نشانیاں عطا ہوئیں مثلاً (۱) دریا کا شق ہونا۔ (۲) عصا کے پتھر پر مارنے سے پتھر سے پانی نکل آنا۔ (۳) پتھر سے بارہ چشموں کا جاری ہو جانا۔ (۴) بنی اسرائیل پر سن و سلوئی نازل ہونا۔ (۵) بنی اسرائیل پر ابر کا سایہ کرنا وغیر ذالک یہ نشانیاں موسیٰ علیہ السلام کو بلا و مصر سے نکلنے کے بعد عطا ہوئی تھیں لیکن اس جگہ انہیں نو نشانوں کا ذکر ہے جن کا مشاہدہ فرعون لعین نے کیا تھا اور قوم فرعون نے مصر میں ان کو دیکھا تھا اس لیے یہی آیات ان پر حجت تھیں کن کا ازراہ عناد انہوں نے مخالفت کی اور تباہ و برباد ہوئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ﴿تَسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ﴾ سے نو معجزات مراد ہیں جو سورۃ اعراف میں مذکور ہیں آیت کی تفسیر میں یہ پہلا قول ہو اب دوسرا قول سنئے۔

قول دوم: ..... دوسرا قول یہ ہے کہ ﴿تَسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ﴾ سے آیات احکام مراد ہیں یعنی نو آیات سے تورات کے نو احکام مراد ہیں جیسا کہ مسند احمد اور ترمذی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے دو عالموں نے آنحضرت ﷺ سے ﴿تَسْعَ آيَاتٍ﴾ کے متعلق سوال کیا آپ ﷺ نے فرمایا وہ احکام یہ ہیں:

- (۱) خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ (۲) چوری مت کرو۔ (۳) زنا مت کرو۔ (۴) ناحق خون مت کرو۔ (۵) سود مت کھاؤ۔ (۶) جادو مت کرو۔ (۷) کسی بے گناہ کو مت پکڑو۔ (۸) کسی عقیف عورت پر تہمت نہ لگاؤ۔ (۹) جہاد سے مت بھاگو۔

یہ نو احکام تو عام ہیں یعنی سب کے لیے ہیں اور ایک حکم اے یہود خاص تمہارے لیے ہے کہ سبت یعنی شنبہ کے دن حدود الہی سے تجاوز نہ کرنا یہود نے سن کر آپ ﷺ کی تصدیق کی اور ان دونوں یہودیوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ﷺ نبی ہیں آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ پھر تم میرا اتباع کیوں نہیں کرتے انہوں نے کہا کہ داؤد علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے دعا مانگی تھی کہ آئندہ نبوت ہمیشہ انہی کے خاندان میں رہے (یہ ان کا داؤد علیہ السلام پر افتراء تھا) اور یہ کہا کہ ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر ہم آپ ﷺ کا اتباع کریں گے تو یہودی ہم کو قتل کر ڈالیں گے۔

محققین کے نزدیک راجح پہلا قول ہے کہ ﴿تَسْعَ آيَاتٍ﴾ سے نو معجزات مراد ہیں اور وہ کلمات جو حدیث میں مذکور

= (۳) طوفان (۴) جراد (۵) قتل (۶) تضارِع (۷) دم اور جن کی تعیین میں اختلاف ہے وہ بعض کے نزدیک (۱) ملق بحر اور (۲) حجر ہیں اور بعض کے نزدیک (۱) قتل اور (۲) کسی پیداوار (واللہ اعلم)



ہوئے وہ مروا نہیں کیونکہ وہ احکام اور وصایاے تورات میں ان میں سے فرعون پر کوئی چیز حجت نہیں لفظ بصائر بھی اسی معنی پر ہی چسپاں ہوتا ہے یعنی یہ میرے معجزات ایسی چیز ہیں جن کو دیکھ کر آنکھیں کھل جائیں اور ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات کے علاوہ تورات کے ان نو احکام کو بھی بیان کیا ہو مگر راوی نے احکام کا تو ذکر کر دیا اور معجزات کو حذف کر دیا۔ واللہ اعلم۔

اور آیات قرآنیہ میں ﴿تَشْعُ اَيْتٍ بَيْتٍ﴾ سے وہ نشانات مراد ہیں کہ جو بطور دلائل و حجج فرعونوں کو دکھلائے گئے تاکہ ان پر حجت قائم ہو حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا خیال یہ ہے کہ اسی روایت میں راوی کو اشتباہ ہوا کہ اس نے کلمات عشر کی جگہ ﴿تَشْعُ اَيْتٍ﴾ کو ذکر کر دیا بہر حال سیاق و سباق کا مقتضی یہ ہے کہ ﴿تَشْعُ اَيْتٍ بَيْتٍ﴾ سے وہ معجزات مراد لیے جائیں جو فرعونوں پر حجت قائم کرنے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کو اور فرعونوں کو ان آیات بینات سے ڈرایا تو فرعون نے ازراہ تکبر و غرور موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام میں بلاشبہ تجھ کو جادو کا مارا ہوا خیال کرتا ہوں جس کی وجہ سے تو مجبوظ الحواس ہو گیا ہے اور ایسی ہنسی ہوئی باتیں کرتا ہے جب فرعون نے ان آیات بینات کو باوجود واضح ہونے کے نہ مانا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا البتہ تحقیق تو ضرور جان چکا ہے اور دل سے مان چکا ہے کہ ان نشانیوں کو سوائے آسمانوں اور زمینوں کے پروردگار کے اور کسی نے نہیں اتارا مگر تو ضد اور عناد سے انکار کرتا ہے اور یہ ایسے نشانات ہیں کہ جن کو سوائے پروردگار عالم کے کوئی اتار ہی نہیں سکتا پروردگار ہی نے ان نشانیوں کو اتارا ہے درآں حالیکہ وہ سامان بصیرت ہیں کہ جن کو دیکھنے سے چشم بصیرت روشن ہو جاتی ہے اور دل کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور حق نظر آنے لگتا ہے اور انسان پہچان لیتا ہے کہ یہ خدائی کرشمہ ہے کوئی جادو نہیں مگر ضد اور عناد کی پٹی بصارت اور بصیرت سب کو معطل کر ڈالتی ہے چنانچہ فرعون اور اس کی قوم ان بصائر اور عبر کے باوجود ایسی اندھی بنی کہ بنی اسرائیل کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ کیا پس فرعون نے یہ ارادہ کر لیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے سرزمین مصر سے قدم اکھاڑ دے کہ بنی اسرائیل اُس سرزمین میں رہنے نہ پائیں جب اس نے چاہا تو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو دریائے قلزم میں غرق کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی اور اس کے غرق کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ جاؤ اسی سرزمین میں بسو جہاں سے وہ تم کو نکالنا چاہتا تھا اسی طرح اللہ کی قدرت ہے کہ مشرکین مکہ کو تباہ کر کے مسلمانوں کو ان کی سرزمین کا وارث بنائے اور اسی میں ان کو بنائے اسی آیت میں فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے اور جو لفظ اس آیت میں فرعون کے متعلق لایا گیا ہے ﴿فَاَزَادَ اَنْ يَسْتَفِزُّهُمْ مِنْ الْاَرْضِ﴾ بعینہ اسی قسم کا لفظ اسی سورت میں تین رکوع قبل آنحضرت ﷺ کے متعلق گزر چکا ہے ﴿وَ اَنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّوْكَ مِنَ الْاَرْضِ لَيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا﴾ یعنی اہل مکہ آپ ﷺ کو اس سرزمین سے نکالنا چاہتے ہیں اور اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ عنقریب آپ ﷺ کو اس سرزمین کا وارث بنائے جس سے مشرکین مکہ آپ کو نکالنا چاہتے ہیں۔

بہر حال فرعون اور فرعونوں کا غرق اور موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی نجات کا ذکر و ماجرا تو اس دنیا میں ہوا پھر آخرت کا وعدہ آپنیچے گا تو ہم سب کو گڈنڈ یعنی خلط ملط میدان حشر میں لا موجود کریں گے مومن اور کافر اور نیک اور بد سب گڈنڈ اور مخلوط ہوں گے اور سب کو جمع کر کے فیصلہ کر دیا جائے اور جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو حق کے ساتھ اتارا اسی طرح ہم نے

اس قرآن کو آپ ﷺ پر حق کے ساتھ اتارا اور حق ہی کے ساتھ آپ ﷺ پر نازل ہوا از اول تا آخر شیطاں سے محفوظ ہے، از اول تا آخر حق ہی حق ہے اور صدق ہی صدق ہے جس طرح خدا کے پاس سے چلا تھا اسی طرح محفوظ و محروس بلا کم و کاست آپ ﷺ کے پاس پہنچ گیا غیر کا کلام اس سے مخلوط نہیں ہوا اور جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا کہ لوگوں کو اللہ کے احکام پہنچادیں مگر ہدایت ان کے اختیار میں نہ تھی اسی طرح ہم نے آپ ﷺ کو فقط بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ایمان پر ثواب اور نجات کی بشارت دیدینا اور کفر و معصیت پر عذاب سے ڈرانا یہ آپ ﷺ کا کام ہے باقی کسی کو ہدایت دینا وہ سب ہمارے اختیار میں ہے لہذا آپ ﷺ کسی کے کفر اور معصیت سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں اور علاوہ ازیں کہ ہم نے اس قرآن کو حق اور صدق کے ساتھ نازل کیا ہے بمقتضائے رحمت ہم نے اس میں ایک رعایت یہ بھی رکھی ہے کہ ہم نے اس قرآن کو ٹکڑے کر کے اتارا ہے تاکہ آپ ﷺ اس کو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سکیں اور لوگوں کو اس کے یاد کرنے اور سمجھنے میں آسانی ہو اور ہم نے اس کو حسن حالات و واقعات تدریجاً اتارا ہے تاکہ واقعہ سامنے ہونے سے حقیقت خوب واضح ہو جائے اور آیت اور حکم کا مصداق نظروں کے سامنے آجائے اور ہر آیت اور ہر حکم کا محل اور موقع خوب اچھی طرح دل نشین ہو جائے تاکہ آیت کو بے موقع استعمال کرنے کی گنجائش باقی نہ رہے نیز اگر تمام احکام دفعۃً نازل ہو جاتے تو گھبرا جاتے۔ یہ اللہ کا کلام ہے اور اس کے احکام ہیں جس کو خدا نے بندوں کی مصلحت سے تھورا تھوڑا اتارا ہے اس تدریجی نزول میں تمہاری مصلحت ملحوظ ہے لہذا تم کو چاہئے کہ اس کتاب پر ایمان لاؤ تاکہ تم کو فائدہ ہو ورنہ خدا تعالیٰ بے نیاز ہے اسے کسی کے ایمان کی ضرورت نہیں اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اس پر ایمان لاؤ۔ خدا کے یہاں سب برابر ہے تحقیق جن لوگوں کو قرآن کے نزول سے پہلے علم دیا گیا یعنی حق شناس اور نیک دل علماء اہل کتاب ان کا یہ حال ہے کہ جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کلام خداوندی کی عظمت اور ہیبت کی وجہ سے ٹھوریوں کے بل سجدہ میں گر جاتے ہیں کیونکہ جب انسان پر کسی کی عظمت و ہیبت کا غلبہ ہوتا ہے تو اکثر وہ زمین پر اوندھا گر جاتا ہے اور آذقان پر گرنا یہ کنا یہ ہے غلبہ خوف اور جذبہ شوق سے اور مطلب یہ ہے کہ غلبہ شوق کی بناء پر اس کی تعظیم کے بجالانے میں جلدی کرتے ہیں حتیٰ کہ سجدہ میں گر جاتے ہیں اور سجدہ کی حالت میں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار وعدہ خلافی سے پاک ہے یہ ناممکن ہے کہ اس نے جو اپنی پہلی کتابوں میں وعدہ کیا ہے وہ پورا نہ کرے بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہونا ہی ہے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی زبانی توریت کتاب استثناء میں یہ وعدہ کیا تھا کہ ”اے بنی اسرائیل! میں تیرے بھائیوں (یعنی حضرت اسماعیل) میں سے ایک نبی اٹھاؤں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا“ اس بشارت اور وعدہ کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب بشارت النبیین میں لکھ دی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

اس آیت میں ان حق شناس اور طالب حق علماء اہل کتاب کا ذکر ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے ان کو توریت اور انجیل کا علم دیا گیا تھا جیسے زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ وغیر ہم۔ یہ لوگ انبیائے سابقین اور کتب سماویہ کی خبروں کی وجہ سے نبی آخر الزمان ﷺ اور قرآن کے منتظر تھے وہ اس قرآن کو سن کر خوش ہوتے اور سجدہ شکر کرتے اور کہتے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کے عیب سے پاک ہے کتب سماویہ مقدسہ میں جو اس نے نبی آخر الزمان ﷺ کے مبعوث کرنے اور قرآن کے نازل کرنے کا وعدہ فرمایا وہ تو ضرور پورا ہونا ہی تھا

خدا تعالیٰ نے کتب سابقہ میں جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا فرمادیا قرآن کو سنتے ہی سمجھ گئے کہ یہ اس وعدہ کا ایفاء ہے اور ایمان لے آئے اور قرآن سننے کے وقت ان پر ایسی رقت اور کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں جو اس بات کی علامت ہے کہ قرآن کی موعظت ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی ہے اور یہ قرآن کا سننا بارگاہ خداوندی میں ان کی فردوسی اور عاجزی کو اور زیادہ کرتا ہے یعنی وہ بڑے نرم دل ہیں قرآن سن کر ان پر عجیب رقت طاری ہو جاتی ہے یہ حال تو اہل علم کا ہے اور جاہل اور نادان اس قرآن کا مذاق اڑاتے ہیں۔

قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ ۗ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۗ وَلَا تَجْهَرُوا

کہہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر جو کہہ کر پکارو گے سو اسی کے ہیں سب نام خاصے اور پکار کر مت بڑھ کہہ اللہ کو پکارو یا رحمن کو۔ جو کہہ کر پکارو گے، سو اسی کے ہیں سب نام خاصے۔ اور تو نہ پکار

بِصَلَاتِكَ وَلَا مُخَافَتٍ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ﴿۱۵﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ

اپنی نماز اور نہ چپکے پڑھ اور ڈھونڈ لے اس کے بیچ میں راہِ نل اور کہہ سب تعریفیں اللہ کو جو نہیں رکھتا اولاد اپنی نماز میں، نہ چپکے پڑھ، اور ڈھونڈ لے اس کے بیچ میں راہ۔ اور کہہ، سراہے اللہ کو جس نے نہیں رکھی اولاد،

وَلَدًا ۖ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ ۖ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذَّلٰلِ ۖ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ﴿۱۶﴾

اور نہ کوئی اس کا ساتھی سلطنت میں اور نہ کوئی اس کا مددگار ذلت کے وقت پر اور اس کی بڑائی کر بڑا جان کر نہ کوئی اس کا ساتھی سلطنت میں، نہ کوئی اس کا مددگار ذلت کے وقت پر، اور اس کی بڑائی کر بڑا جان کر۔

فل بحمد و خشوع وغیرہ کی مناسبت سے یہاں دعا، (خدا کو پکارنے) کا اور دعا کی مناسبت سے اگلی آیت میں صلوة کا ذکر کیا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ناموں میں سے مشرکین عرب کے یہاں اسم "اللہ" کا استعمال زیادہ تھا۔ اسم "رحمن" سے چنداں مانوس نہ تھے۔ البتہ یہود کے یہاں اسم "رحمن" بکثرت مستعمل ہوتا تھا۔ عبرانی میں بھی یہ نام اسی طرح تھا جیسے عربی میں۔ دوسری طرف میل کمذاب نے اپنا لقب "رحمان الیمامہ" رکھ چھوڑا تھا۔ غرض مشرکین حق تعالیٰ پر اسم "رحمن" اطلاق کرنے سے بدکتے اور وحشت کھاتے تھے۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے "رحمان" سنتے تو کہتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تو دنداؤں کا پکارنے سے منع کرتے ہیں اور خود اللہ کے سوا دوسرے خدا (رحمان) کو پکارتے ہیں۔ یہود کو یہ شکایت تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں "رحمان" کا ذکر ایسی کثرت سے کیوں نہیں ہوتا جس طرح ہمارے یہاں ہوتا ہے۔ دونوں کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے کہ "اللہ" اور "رحمن" ایک ہی ذات منبع الکلمات کے دو نام ہیں۔ صفات و اسماء کے تعدد سے ذات کا تعدد لازم نہیں ہوتا۔ جو یہ چیز توحید کے منافی سمجھی جائے۔ رہی یہ بات کہ کسی ایک نام کا ذکر کثرت سے کیوں نہیں ہوتا تو سمجھ لو کہ اللہ کے جس قدر اسمائے حسنیٰ ہیں ان میں سے کوئی نام لے کر پکارو مقصود ایک ہی ہے۔ عنوانات و تعبیرات کے تنوع سے معنون نہیں بدلتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر سخن دقتی و ہر نکتہ مکاتے دارد

عِبَادًا أَتَنَاسَشْتِ ۖ وَمُحْسِنَاتِكَ ۖ وَاجِدْ ۖ وَكُلُّ الٰی ذٰلِكَ الْجَمَالُ يُبَشِّرُ۔

قل یعنی جہری نماز میں (اور اسی طرح دعا وغیرہ میں) بہت زیادہ چلانا بھی نہیں اور بالکل دبی آواز بھی نہیں بیچ کی چال پسند ہے (موضح القرآن) امامیث میں ہے کہ مکہ میں جب قرأت زور سے کی جاتی تو مشرکین سن کر قرآن اور اس کے مجتنبے والے اور لانے والے کی شان میں ہرزانی کرتے تھے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت آہستہ پڑھنا شروع کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی نہ اس قدر زور سے پڑھو کہ مشرکین اپنی مجالس میں سنیں (تلیغ اذقت مستحسنی ہے کیونکہ وہاں تو سنانا ہی مقصود ہے) اور نہ اتنا آہستہ کہ خود تمہارے ساتھی بھی سن کر مستفید نہ ہو سکیں۔ افراط و تفریط چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرو۔ اس سے قلب متاثر ہوتا ہے اور تشریش نہیں ہوتی۔

## خاتمہ سورت برتو حید و تحمید

قَالَ تَجَالَى: ﴿قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ... إِلَى... وَكَبِيرَةٌ تَكْبِيرًا﴾

رابطہ:..... سورت کا آغاز اللہ کی تسبیح و تہلیل سے ہو اب صورت کا اختتام اللہ کی توحید اور اس کی تحمید اور اس کی تکبیر و تمجید پر ہو رہا ہے جو غایت درجہ لطیف ہے ابتداء کی طرح اخیر میں بھی اللہ تعالیٰ کا تمام نقائص عجز اور ذلت سے مبرا اور منزہ ہونا بیان فرمایا اور چونکہ گزشتہ آیت میں سجود اور خشوع کا ذکر تھا اس لیے اس کی مناسبت سے ان آیات میں یہ دعا یعنی خدا تعالیٰ کو پکارنے کا ذکر فرماتے ہیں واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک بار آنحضرت ﷺ سجدہ میں یہ کہتے تھے یا اللہ یا رحمن تو اس پر مشرکین نے طعن کیا کہ ہم کو تو دو خدا کی پرستش سے منع کرتے ہیں اور خود دو خداؤں کو پکارتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اے نبی ﷺ! کہہ دیجئے کہ خواہ تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر پکارو تو سب اچھے نام اسی کے ہیں جس نام سے چاہو اس کو پکارو ناموں کے متعدد ہونے سے مسعی متعدد نہیں ہو جاتا اسماء اور صفت کی تعداد سے ذات کا تعدد لازم نہیں آتا جو توحید کے منافی ہو عنوان کے بدلنے سے معنوں نہیں بدلتا اچھے نام وہ ہیں جو اللہ کی تہلیل و تقدیس اور اس کی تحمید و تمجید اور اس کی تعظیم و تکریم پر مشتمل ہوں اور اس کے جلال اور کمال پر دلالت کریں اللہ تعالیٰ کے بہت سے نام ہیں ترمذی کی روایت میں اللہ تعالیٰ کے جن اسمائے حسنیٰ کا ذکر آیا ہے وہ یہ ہیں:

الله الذي لا اله الا هو الرحمن الرحيم، الملك، القدوس، السلام، ال مومن، المهيمن، العزيز الجبار المتكبر الخالق، الباري، المصور الغفار القهار الوهاب، الرزاق، الفتاح، العليم، القابض، الباسط، الخافض، الرافع، المعز المذل، السميع، البصير، الحكيم، العدل، اللطيف، الخبير، الحليم، العظيم، الغفور الشكور العلي، الكبير الحفيظ، المقيت، الحسيب، الجليل، الكريم، الرقيب، المجيب، الواسع، الحكيم، الودود، المجيد، الباعث، الشهيد، الحق، الوكيل، القوي، المتين، الولي، الحميد، المحصي، المبدي، المعيد، المحيي، المميت، الحي، القيوم، الواجد، الماجد، الواحد، الصمد، القادر، المقترن، المقدم، المؤخر

= ۴ نماز کے بعد توحید فاص کا ذکر فرما کر سورت کو ختم کیا۔ یعنی ساری خوبیاں اور تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو اپنی ہر صفت و کمال میں یگانہ ہے اور ہر قسم کے عیب تصور اور نقص و فتور سے بگلی منزہ ہے۔ یا مسادی سے جیسے ایک شریک کو دوسرے شریک سے مدد پہنچتی ہے۔ یا بڑے سے جس طرح کمزور آدمی ذلت و مصیبت کے وقت بڑے آدمیوں سے مدد لیتے ہیں۔ اس آیت میں تینوں کی نفی کر دی گویا "لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا" میں پہلے احتمال کی "لَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ" میں دوسرے کی اور "لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِّنَ الدُّنْيَا" میں تیسرے کی نفی کرنے کے بعد "كَبِيرَةٌ تَكْبِيرًا" میں اس کی عظمت و کبریائی کی طرف توجہ فرمادیا۔ یعنی انسان کو چاہیے کہ حق تعالیٰ کی بڑائی کا زبان و دل سے اقرار کرے اور ہر طرح کی کمزوریوں سے رنج و برتر سمجھے۔ اور طبیعت یہ ہے کہ "لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا" میں نصاریٰ کا "لَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ" میں مشرکین کا اور "وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِّنَ الدُّنْيَا" میں ان یہود کا رد ہو گیا جن کے یہاں خدا تعالیٰ کشتی میں یعقوب علیہ السلام کے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکا (العیاذ باللہ) حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "کوئی مددگار نہیں ذلت کے وقت۔ یعنی اس پر بھی ذلت ہی نہیں کہ مددگار چاہے۔ ہاں شاہوں کے ہاں امیر زیر پڑ جاتے ہیں اس لیے کہ بڑے وقت ان کی رفاقت کیے ہوتے ہیں۔ وہاں یہ قصہ ہی نہیں۔

"تم سورة الاسراء بعون الله وحسن توفيقه فلله الحمد والمنة والصلوة والسلام على صاحب الاسراء وعلى آله وصحبه

الاول، الآخر، الظاهر، الباطن، الوالی، المتعالی، البس، التواب، المنعم، العفو، الرؤف، مالک، الملك، ذوالجلال والاکرام، المقسط، الجامع، الغنی، المغنی، الضار، النافع، النور، الھادی، البدیع، الباقي، الوارث، الرشید، الصبور، الستار۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ جو مشہور ہیں وہ یہ ہیں جن کی تعداد لفظ اللہ کے سوانما نوے ہے اس کے علاوہ اللہ کے اور نام بھی منقول ہیں جو درحقیقت انہی ننانوے ناموں میں مندرج ہیں۔

اب دعا کے بعد صلوة کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کیوں کہ دعا کہ طرح نماز کی روح بھی خشوع ہے اور رکوع و سجود نماز کا رکن ہے دعا کے لیے رکوع اور سجود لازم نہیں اور اے نبی ﷺ اپنی نماز کی قراءت میں آواز کو بہت بلند نہ کرو اور نہ بہت آہستہ کرو اور ان دونوں حالتوں کے درمیان متوسط راہ اختیار کرو یعنی نماز میں نہ تو قراءت کو اتنی بلند آواز سے کرو کہ مشرکین سن کر قرآن کو اور قرآن کے اتارنے والے کو اور اس کے لانے والے کو گالیاں دیں اور نہ اتنا آہستہ پڑھو کہ آپ ﷺ کے اصحاب ﷺ بھی نہ سن سکیں درمیانی راہ اختیار کرو۔ یہ مضمون حدیث میں آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ امام کا کام سنانے کا ہے اور مقتدی کا کام سننے کا ہے نہ کہ پڑھنے کا اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی یعنی دعا نہ بہت بلند آواز سے مانگ اور نہ بالکل چپکے ہی چپکے، بہر حال مقصود یہ ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ سے مناجات کرے تو درمیانی حالت میں رہے نہ آواز بہت بلند ہو اور نہ بہت پست۔

شریعت نے نماز کے جہر اور اخفاء کے متعلق بھی احکام بتلا دیئے اور دعا کے متعلق بھی بتلا دیئے اور یہ بھی بتلا دیا کہ نماز میں احوال مختلف ہیں کہیں جہر ہے اور کہیں اسرار ہے اور دعا میں یہ بتلا دیا کہ دعا میں اخفاء اور اسرار افضل ہے ﴿اَذْعُوَا رَبَّكُمْ تَطَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾۔

اب نماز اور دعا کے بعد اللہ کی تمجید و تمجید اور اس کی تزیینہ و تقدیس کو ذکر کر کے سورت کو ختم فرماتے ہیں تاکہ اللہ کی کمال قدرت و عظمت ظاہر اور اہل شرک کی جہالت کا رد ہو اور کہہ دیجئے کہ کمال تعریف ہے اللہ کو جو اولاد نہیں رکھتا کیونکہ صاحب اولاد کسی نہ کسی درجہ میں اولاد کا محتاج ہوتا ہے اور محتاج کمال حمد کا مستحق نہیں اس لفظ میں یہود اور نصاریٰ اور مشرکین کا رد ہو گیا یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بناتے تھے اور مشرکین فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بتاتے تھے۔

اور نہ کوئی سلطنت میں شریک ہے کیونکہ شرک نقص اور عیب ہے اور جس میں نقص اور عیب ہو وہ مستحق حمد نہیں۔ اور نہ کمزوری کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے اگر وہ کمزور ہوتا تو کمال حمد کا مستحق نہ ہوتا کیونکہ جو دوسرے کی امداد کا محتاج ہو وہ کمال حمد کا مستحق نہیں نیز جو کمزور ہو گا وہ کمال انعام پر قادر نہ ہو گا اور جو کمال انعام پر قادر نہ ہو وہ کمال حمد کا مستحق نہیں۔

اور اس کی کبریائی اور حمد اور بڑائی کو بیان کر خوب بیان کرنا۔ دل و جان سے یہ عقیدہ رکھ کر اس سے بڑا کوئی نہیں اور وہ تمام عیوب و نقائص سے پاک اور منزہ ہے اور تمام صفات کمال کے ساتھ وہم و خیال سے بڑھ کر موصوف ہے لہذا وہی

تمام محامد کا مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو اپنی تمجید و تعظیم پر ختم فرمایا اور تنزیہ کے لیے مدد کی تمام صورتوں کی نفی فرمادی اس لیے کہ کسی سے مدد لینے کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ اپنے چھوٹے سے مدد لے جیسے باپ اولاد سے مدد لے۔ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا﴾ میں اس صورت کی نفی فرمادی دوسری صورت میں یہ ہے کہ اپنے مساوی سے مدد لے جیسے ایک شریک دوسرے سے مدد لے ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ﴾ میں اس صورت کی نفی فرمادی۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کمزوری کی وجہ سے اپنے بڑے سے مدد لے۔ ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وِليٌّ مِنَ الذُّلِّ﴾ میں اس کی نفی کر دی ان تین جملوں میں یہود اور نصاریٰ اور مشرکین سب کا رد ہو گیا پھر اپنی کبریائی پر سورت کو ختم فرمایا کہ وہ سب سے بلند اور برتر ہے۔

الحمد لله آج بروز چہار شنبہ ۲۹ رمضان المبارک سنہ ۱۳۸۹ ہجری کو غروب شمس سے پہلے اس سورت کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر سبحان ربك رب العزت عما يصفون  
وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين۔

### تفسیر سورۃ کہف

یہ سورت مکی ہے اس میں ایک سو دس آیتیں اور بارہ رکوع ہیں اس سورت کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو ستر ہزار فرشتے اس کے ہمراہ آئے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جس نے سورۃ کہف کی اول دس آیتیں یاد کر لیں وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ ہو گیا۔ اخرجہ، احمد و مسلم و ابوداؤد و الترمذی و النسائی و غیرہم۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ جس نے جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھ لی وہ آٹھ دن تک ہر فتنہ سے محفوظ رہے گا چونکہ اس سورت میں اصحاب کہف کا قصہ بیان ہوا اس لیے یہ سورت ”سورت الکہف“ کے نام سے مشہور ہوئی۔

### رابط اور مناسبت

گزشتہ سورت (سورۃ الاسراء) کا آغاز تسبیح سے ہوا اور اختتام تمجید پر ہوا ﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا﴾: اور قرآن اور حدیث میں تسبیح اور تمجید ایک دوسرے کے ساتھ مقرون ہیں۔ ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ اور سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم اس لئے اس سورت کا آغاز تمجید سے ہوا جو گزشتہ سورت کی ابتداء اور آغاز کے ساتھ تو مناسب ہے اور گزشتہ سورت کے خاتمہ کا عین ہے۔

نیز ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ﴾ کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ کفار نے آپ ﷺ کے آزمانے کے لئے تین سوال کئے تھے ایک روح کے متعلق دوسرا اصحاب کہف کے متعلق اور تیسرا ذوالقرنین کے متعلق۔ پہلے سوال کا جواب گزشتہ سورت میں گزر چکا ہے اور دوسرے اور تیسرے سوال کا جواب یعنی اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ اس سورت میں ذکر کیا جاتا ہے

اور چونکہ اس سوال سے مقصود آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت میں قدح کرنا تھا اس لیے سورت کے شروع میں نزول قرآن کا ذکر فرمایا کیونکہ قرآن عظیم آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی برہان عظیم ہے اس لئے اس سورت کے شروع میں اول آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی دلیل اور برہان کو ذکر کیا اور اس کے بعد اصحاب کہف کا قصہ منکرین نبوت کے شبہ کے جواب میں ذکر فرمایا۔

اور علاوہ جواب کفار کے اصحاب کہف کے قصہ سے اثبات بعث و حشر و نشر بھی مقصود تھا اس لیے اصحاب کہف کے قصہ کے بعد دنیا کا فنا و زوال اور قیامت و آخرت کا حال بیان فرمایا جو دور تک چلا گیا اور اس کی مناسبت سے اور بھی مضامین کا بیان ہوا اور جس طرح پہلے سوال یعنی روح کے متعلق سوال کے جواب کے بعد فرمایا ﴿وَمَا أَوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلًا﴾ کہ تم کو بہت ہی تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ اسی طرح یہاں دوسرے سوال کے جواب کے بعد یعنی اصحاب کہف کے قصہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ بندہ کو جو علم دیا گیا ہے وہ قلیل ہے کسی کو اللہ نے کوئی علم دیا اور کسی کو کوئی دوسرا علم دیا۔ پیغمبر خواہ کتنا ہی اولوالعزم کیوں نہ ہو اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ تمام علوم سے واقف ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ قصہ ﴿وَمَا أَوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلًا﴾ کی ایک دلیل ہے پھر آخر سورت میں تیسرے سوال کے جواب میں ذوالقرنین کا قصہ ذکر فرمایا تھا اسی طرح ذوالقرنین کے واقعہ کے بعد قیامت اور عالم آخرت کا ذکر فرمایا اور مضمون توحید و رسالت پر سورت کو ختم فرمایا۔

یایوں کہو کہ پہلی سورت میں مقام نبوت کے علو اور عروج کا اور اس کی عزت و رفعت کا اور معجزات نبوت کا اور نبی کی آیات بینات کا بیان تھا اور اس سورت میں مقام ولایت کا اور اولیاء اللہ کی کرامتوں کا اور عزالت اور گوشہ نشینی اور فقیری اور درویشی کا بیان ہے۔

اس سلسلہ میں حق جل شانہ نے اصحاب کہف کا قصہ ذکر فرمایا کہ یہ چند باہمت جوان تھے کہ جو کفر اور شرک کے فتنہ سے بچنے کے لئے اپنے دین کو لے کر بھاگے اور ایک غار میں جا کر چھپے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی کتاب الایمان میں ایک باب یہ منعقد فرمایا ہے باب من الدین الفرار میں الفتن جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دین کو کفر اور شرک کے فتنہ سے بچانے کے لیے بھاگ کر کسی پہاڑ اور غار میں جا چھپنا۔ یہ بھی ایمان کا ایک عظیم شعبہ ہے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ﴾ اور دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت بھی اسی الفرار من الفتن کا ایک فرد ہے اور جس طرح گزشتہ سورت میں آنحضرت ﷺ کو مشرکین مکہ کی ایذا رسانی کے وقت یہ دعا بتلائی گئی ﴿وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مَخْرَجَ صِدْقٍ﴾ اور پھر آنحضرت ﷺ کا مکہ مکرمہ سے نکلنا جہاں کفر اور شرک کا فتنہ پاتا تھا یہ خروج صدق ہوا پھر شہر سے نکل کر کہف (غار) میں عزالت گزریں اور گوشہ نشین ہو جانا یہ دخول صدق ہوا اور اس خلوت و عزالت کی برکت سے خداوند ذوالجلال کی رحمت و کرامت کے مورد بنے کما قال تعالیٰ حکایۃ عنہم ﴿وَ اِذْ اَعْتَزَلْتُمْهُمْ وَاَمَّا يَتَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاَوْا اِلَى الْكَهْفِ يَنْسُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَهْدِيْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مَّرْجَلًا﴾۔

خدا تعالیٰ کی محبت میں اس جگہ کو چھوڑ دینا کہ جہاں خدا کی معصیت جاری ہو اور کسی غار اور پہاڑ میں جا کر چھپ جانا

کہ خدا کا دشمن (کافر) نظر ہی نہ آئے یہ خود ایک عظیم عبادت ہے۔

بامعابان باش دائم ہم نشین تا توانی روئے اعدا را میں

صحیح بخاری میں ہے وکان یخلوا بغار حراء آنحضرت ﷺ نبوت سے پہلے غار حرا میں خلوت و عزلت فرماتے تھے اشارہ اس طرف ہے کہ خلوت اور عزلت ایسی عظیم چیز ہے کہ مبادی نبوت میں سے ہے جیسا کہ اخلاص نیت اور رویائے صالحہ مبادی نبوت میں سے ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ سورۃ اسراء میں آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کا اور آپ ﷺ کے عروج کا بیان ہے جو شان ولایت ہے اور پھر اس کرامت کا بیان ہے جو اس عزلت گزینی اور گوشہ نشینی ولایت اور فقیری اور امیری دونوں کا جامع تھا اور اس شعر کا مصداق تھا۔

بود شاہے در زمان پیش زیں

ملک دنیا بودش وہم ملک دیں

فائدہ:..... جب نبوت اور بادشاہت ایک کبل میں جمع ہو جائیں تو اس کا نام خلافت الہیہ ہے اور ایسا بادشاہ جو نبی بھی ہو وہ خلیفہ الہی ہے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام یہ دونوں خلیفہ الہی تھے کہ نبوت اور بادشاہت دونوں کے جامع تھے اور جب ولایت اور بادشاہت اور امیری اور فقیری ایک کبل اور گدڑی میں جمع ہو جائیں تو اس کا نام خلافت راشدہ ہے جیسے ابو بکر اور عمر اور عثمان اور علی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم تھے۔ بادشاہت اور ولایت دونوں کے جامع تھے اور خاتم الانبیاء ﷺ کے جانشین تھے۔ امیر سلطنت بھی تھے اور شیخ طریقت بھی تھے۔

ایاتھا ۱۱۱ رکوعا تھا ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۸ سُورَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ ۶۹

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لِّهٖ عِوَجًا ۝۱ قَيِّمًا لِّيُنذِرَ بَاسًا

سب تعریف اللہ کو جس نے اتاری اپنے بندہ پر کتاب اور نہ رکھی اس میں کچھ کجی نہ تھی تاکہ ڈر سادے ایک سراہے اللہ کو جس نے اتاری اپنے بندے پر کتاب اور نہ رکھی اس میں کچھ کجی۔ ٹھیک اتاری تا ڈر سادے ایک

شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهٖ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا

سخت آفت کا اللہ کی طرف سے ۲ اور خوشخبری دے ایمان لانے والوں کو جو کرتے ہیں نیکیاں کہ ان کے لیے اچھا سخت آفت کا اس کی طرف سے، اور خوشخبری دے، یقین لانے والوں کو جو کرتے ہیں نیکیاں، کہ ان کو اچھا

۱ یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ تعریف اور شکر کا مستحق وہی خدا ہو سکتا ہے جس نے اپنے مخصوص و مقرب ترین بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے اعلیٰ داخل کتاب اتاری اور اس طرح زمین والوں کو سب سے بڑی نعمت سے مشرف و ممتاز فرمایا۔ بیچک اس کتاب میں کوئی ٹیڑھی ترہی بات نہیں۔ عبارت استہانی سلیس و فصیح، اسلوب بیان نہایت موثر و مگلف، تعلیم نہایت متوسط و معتدل جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے مناسب اور عقل سلیم کے بالکل مطابق ہے۔ کسی قسم کی افراط و تفریط کا اس میں شائبہ نہیں۔

۲ یعنی تکذیب کرنے والوں پر جو سخت آفت دنیا یا آخرت میں خداوند قادر کی طرف سے آنے والی ہے اس سے یہ کتاب آگاہ کرتی ہے۔

(تنبیہ) قیامت کو بعض نے معنی مستقیم لے کر محض مضمون سابق کی تاکید قرار دی ہے یعنی کتنا ہی نور کو ایک بال برابر کجی نہیں پڑے گا مگر فراموش نہ



حَسَنًا ۝ مَا كَثِيرٌ فِيهِ اَبْدًا ۝ وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ

بدلہ ہے جس میں رہا کریں ہمیشہ فی اور ڈر سناوے ان کو جو کہتے ہیں اللہ رکھتا ہے اولاد فی کچھ خبر نہیں ان کو اس  
نیگ ہے۔ جس میں رہا کریں ہمیشہ۔ اور ڈر سناویں ان کو جو کہتے ہیں اللہ اولاد رکھتا ہے۔ کچھ خبر نہیں ان کو اس

عِلْمٍ وَلَا لِاٰبَائِهِمْ ط كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ط اِنْ يَقُولُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝

بات کی اور نہ ان کے باپ دادوں کو کیا بڑی بات نکلتی ہے ان کے منہ سے سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں فی  
بات کی، نہ ان کے باپ دادوں کو۔ کیا بڑی بات ہو کر نکلتی ہے ان کے منہ سے۔ سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسِكَ عَلٰى اَثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيثِ اَسْفًا ۝ اِنَّا جَعَلْنَا مَا

سو کہیں تو گھونٹ ڈالے گا اپنی جان کو ان کے پیچھے اگر وہ نہ مانیں گے اس بات کو پچتا پچتا کر فی ہم نے بنایا ہے جو  
سو کہیں تو گھونٹ ڈالے گا اپنی جان ان کے پیچھے، اگر وہ نہ مانیں گے اس بات کو پچتا پچتا کر۔ ہم نے بنایا ہے جو

عَلَى الْاَرْضِ زَيْنَةً لِّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيٰهَا

کچھ زمین پر ہے اس کی رونق تاکہ جانچیں لوگوں کو کون ان میں اچھا کرتا ہے کام فی اور ہم کو کرنا ہے جو کچھ اس پر ہے  
کچھ زمین پر ہے اس کی رونق، تاکہ جانچیں لوگوں کو، کون ان میں اچھا کرتا ہے کام۔ اور ہم کو کرنا ہے جو کچھ اس پر ہے

= اس لفظ کے معنی کیے ہیں "قیماً علی سائر الکتب السماویہ" یعنی تمام کتب سماویہ کی صحت و تصدیق پر مہر کرنے والی اور ان کی اصولی تعلیمات کو  
دنیا میں قائم رکھنے والی۔ ابو مسلم نے کہا "قیماً بمصالح العباد" بندوں کی تمام مصالح کی متکفل اور ان کی معاش و معاد کو درست کرنے والی۔ بہر حال جو  
معنی بھی لیے جائیں اس کی صداقت میں شبہ نہیں۔

فی بظاہر اس سے مراد آخرت کا بدلہ یعنی جنت ہے جہاں مومنین قاتلین کو دائمی خوشی اور راہی راحت ملے گی۔

فی خدا کے لیے اولاد تجویز کرنے میں سب سے زیادہ مشہور اور پیش پیش تو نصاریٰ ہیں اور جیسا کہ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان ہی سے حاملین قرآن کو قیامت  
تک زیادہ سابقہ پڑنا ہے۔ تاہم عموم الفاظ میں بعض فرق یہود جو عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا، یا بعض مشرکین جو ملائکہ اللہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے وہ بھی داخل  
ہو گئے۔ گو یا اس جگہ اولاد تجویز کرنے والے کافروں کو بالخصوص اور نصاریٰ کو انھیں خصوص کے طور پر متنبہ کیا گیا ہے۔

فی یعنی کوئی تحقیق اور علمی اصول ان کے ہاتھ میں نہیں نہ ان کے باپ دادوں کے ہاتھ میں تھا۔ جن کی اندھی تقلید میں ایسی بھاری بات زبان سے نکال رہے  
ہیں۔ گویا نہ اللہ تعالیٰ کی شان قدوسیت و سبحوت کی ان لوگوں کو کچھ خبر نہیں جو اس کی جناب میں ایسی گستاخیاں کرتے ہوئے ذرا نہیں شرماتے۔ دلائل و براہین  
کی جگہ ان کے ذخیرہ میں یہی باقی رہ گیا ہے کہ زبان سے ایک جھوٹی اور بدیہی اہمیت ان بات کہتے چلے جائیں اور جب ثبوت مانگو تو کہہ دیں کہ یہ مذہب کا ایک  
راز ہے جس کے ادراک تک عقل انسانی کی رسائی نہیں۔

فی یعنی اگر یہ کافر قرآن کی باتوں کو نہ مانیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے غم میں اپنے کو بالکل گھلائیے نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ و دعوت کافرین ادا  
کر چکے اور کر رہے ہیں، کوئی نہ مانے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر دل میں گھٹنے اور گھمگھم ہونے کی ضرورت نہیں۔ نہ چکھتا نامناسب ہے کہ ہم نے ایسی  
کوشش کیوں کی جو کامیاب نہ ہو سکی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بہر حال کامیاب ہیں۔ دعوت و تبلیغ اور شفقت و مہمردی و خلایق کے جو کام کرتے ہیں وہ آپ صلی اللہ  
علیہ وسلم کے رفیع مراتب اور رقی مدارج کا ذریعہ ہیں۔ اشیاء اگر قبول نہ کریں تو ان ہی کا نقصان ہے۔

فی یعنی اس کی رونق پر دوڑتا ہے یا اسے چھوڑ کر آخرت کو چکراتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سوال کیا یا رسول اللہ "أحسن  
عقلاً" کون لوگ ہیں؟ فرمایا "أحسنکم عقلاً وأوزعکم عن متحارم اللہ وأستر عکم فی طاعتہ سبحانہ" (جس کی کچھ اچھی ہو حرام =

## صَعِيدًا جُرُزًا ۱۵

میدان چھانٹ کر فدا

میدان چھانٹ کر۔

آغاز سورت بتحمید برانزال کتاب ہدایت برائے اثبات توحید و رسالت  
و ذکر فنا و زوال دنیا برائے تذکیر آخرت

قَالَ تَعَالَى: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ... إِلَى... صَعِيدًا جُرُزًا﴾

رابطہ:..... گزشتہ سورت کی طرح اس سورت میں بھی اللہ تعالیٰ نے توحید و رسالت اور دنیا کے فنا و زوال اور اس کی حقارت اور آخرت کی جزاء و سزا کو بیان فرمایا اور تین قصے بیان فرمائے جن سے بھی مقصود اثبات توحید و رسالت اور اثبات قیامت ہے اور گزشتہ سورت کو حمد پر ختم فرمایا اور اس سورت کو توحید و حمد سے شروع فرمایا اور مسئلہ نبوت سے اس کی ابتداء فرمائی اور اپنی سب سے بڑی نعمت کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ کتاب ہدایت نازل فرمائی جو تمہارے لیے سامان ہدایت ہے اور نبی کے لیے دلیل نبوت اور برہان رسالت۔ پھر اس قرآن کو نازل کرنے کی حکمت بیان فرمائی اور چونکہ آنحضرت ﷺ رحمت مجسم تھے اس لیے آپ ﷺ کو کفار کے ایمان نہ لانے سے رنج ہوتا تھا اس لیے ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسًا﴾ سے آپ ﷺ کی تسلی فرمائی اور اہل دنیا اور اہل غفلت کو تنبیہ فرمائی کہ یہ دنیا اور اس کی نعمتیں چند روزہ ہیں ان میں پڑ کر خدا سے غفلت نہ برتو ﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ﴾ سے یہی بتلایا کہ دنیا ہذا اور اس کا عیش و آرام چند روزہ ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں سب حمد و ثنا اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے جس نے اپنے خاص بندے محمد ﷺ پر یہ کتاب قرآن کریم اتاری اور ذرہ برابر اس میں کسی قسم کی کجی نہ رکھی نہ لفظوں کے اعتبار سے اس میں کوئی خلل ہے۔ اور نہ معانی کے اعتبار سے اس میں کوئی کمی ہے یہ کتاب تو اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن کی کجی دور کرنے کے لئے نازل کی اس کتاب میں کوئی بھی عیب اور کجی نہیں اور جو اس میں عیب نکالے سو وہ اس کی عقل کا فتور اور قصور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو ٹھیک اتارا۔ راستی اور استقامت کے ساتھ موصوف ہے۔ خود راست اور درست ہے اور دوسروں کو راہ راست پر لے جانے والی ہے ایسی کتاب

= سے زیادہ ہرگز کرے اور خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف زیادہ جھپٹے

۱۵ یعنی ایک روز سب گھاس پھوس درخت وغیرہ چھانٹ کر زمین کو پھیل میدان بنا دیا جائے گا۔ جو لوگ اس کے بناؤ سنگھار پر سمجھ رہے ہیں وہ خوب سمجھ لیں کہ یہ ذرق برق کوئی بات رہنے والی چیز نہیں۔ دنیا کے زمینی سامان خواہ کتنے ہی جمع کر لو اور مادی ترقیات سے ساری زمین کو لالہ و گلزار بنا دو، جب تک آسمانی اور روحانی دولت سے تہی دست رہو گے، حقیقی سرور و طمانیت اور ابدی نجات و فلاح سے ہم آغوش نہیں ہو سکتے۔ آخری اور دائمی کامیابی انہی کے لیے ہے جو مولائے حقیقی کی خوشنودی پر دنیا کی ہر ایک زائل و فانی خوشی کو قربان کر سکتے ہیں اور راہ حق کی جاہ و پیمانی میں کسی صعوبت سے نہیں گھبراتے نہ دنیا کے بڑے بڑے طاقتور جباروں کی تحویف و ترسیب سے ان کا قدم ڈگمگاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں آگے اصحاب کہف کا قصہ بیان فرمایا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی بھی کر دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان بد بختوں کے غم میں اپنے کو نہ گھلائیے۔ جس دنیا کی زندگی اور عیش و بہار پر مغرور ہو کر یہ حق کو ٹھکراتے ہیں وہ سب کات چھانٹ کر برابر کر دی جائے گی اور آخر کار سب کو خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہو گا۔ اس وقت مارے ٹھکڑے چلا دیئے جائیں گے۔



اللهم اجعلنا من الزاهدين في الدنيا والراغبين في الآخرة المنقطعين اليك امين يارب

العالمين۔

## أَمْ حَسِبْتُمْ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا ۝ إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ

کیا تو خیال کرتا ہے کہ غار اور کھوہ کے رہنے والے ہماری قدرتوں میں عجب اچنبھا تھے یا جب جا بیٹھے وہ جوان

کیا تو خیال رکھتا ہے کہ غار اور کھوہ والے ہماری قدرتوں میں اچنبھا تھے۔ جب جا بیٹھے وہ جوان

یا یعنی حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کے لحاظ سے اصحاب کہف کا قصہ جو آگے مذکور ہے کوئی اچنبھا نہیں جسے مد سے زیادہ عجیب سمجھا جائے۔ زمین، آسمان، پانچ

سورج وغیرہ کا پیدا کرنا، ان کا محکم نظام قائم رکھنا، انسان ضعیف البنیان کو سب پر فضیلت دینا، انسانوں میں انبیاء کا بھیجنا، ان کی قلیل دے سے وسوسا مان جماعتوں کو

بڑے بڑے معجزین کے مقابلہ میں کامیاب بنانا، خاتم الانبیاء اور رفیق غار حضرت ابوبکر صدیق کو دشمنوں کے زہ سے نکال کر "غار ثور" میں تین روز ٹھہرانا، غار کا

غار کے منہ تک تعاقب کرنا پھر انکو بے نیل مرام واپس لوٹانا آخراً چھوڑنے والے مٹی بھرے وسوسا مانوں کو تمام جزیرۃ العرب بلکہ مشرق و مغرب میں اس

قدر قلیل مدت کے اندر غالب و منصور کرنا، کیا یہ اور اس قسم کی بیشمار چیزیں؟ اصحاب کہف کے قصہ سے کم عجیب ہیں؟ اصل یہ ہے کہ یہود نے قریش کو مشورہ دیا تھا

کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آزمائش کے لیے تین سوال کریں۔ روح کیا ہے؟ اصحاب کہف کا قصہ کیا تھا؟ اور ذوالقرنین کی سرگزشت کیا تھی؟ اصحاب کہف کے

قصہ کو عجیب ہونے کی حیثیت سے انہوں نے خاص اہمیت دی تھی۔ اسی لیے اس آیت میں بتلایا گیا کہ وہ اتنا عجیب نہیں جیسے تم سمجھتے ہو، اس سے کہیں بڑھ کر

عجیب و غریب نشانات قدرت موجود ہیں۔ آگے "اصحاب کہف" کا قصہ اول مجملاً پھر مفصلاً بیان فرمایا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ چند نوجوان روم کے کسی ظالم و جاہل بادشاہ

کے عہد میں تھے، جس کا نام بعض نے "دقائوس" بتلایا ہے۔ بادشاہ سخت غالی بت پرست تھا اور جبر و اکراہ سے بت پرستی کی اشاعت کرتا تھا۔ عام لوگ سختی اور

تعلیق کے خوف اور چند روزہ دنیاوی منافع کی طمع سے اپنے مذاہب کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کرنے لگے اور اس وقت چند نوجوانوں کے دلوں میں جن کا

تعلق عمائدین سلطنت سے تھا، خیال آیا کہ ایک مخلوق کی خاطر خالق کو ناراض کرنا ٹھیک نہیں۔ ان کے دل خشیت الہی اور نور تقویٰ سے بھر پور تھے۔ حق تعالیٰ

نے انہیں صبر و استقلال اور توکل و تبتل کی دولت سے انہیں مالا مال کیا تھا۔ بادشاہ کے روبرو جا کر بھی انہوں نے ﴿وَإِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ آلِهَافْتُمْ فَلْتَمَتْنَا﴾

دوسرے مشاغل و مصالح مانع ہوتے کہ انہیں فوراً قتل کر دے۔ چند روز کی مہلت دی کہ وہ اپنے معاملہ میں غور و نظر ثانی کر لیں۔ انہوں نے مشورہ کر کے طے

کیا کہ ایسے فتنہ کے وقت جب کہ جبر و تشدد سے عاجز ہو کر قدم ڈگمگانے کا بہر حال خطرہ ہے مناسب ہوگا کہ شہر کے قریب کسی پہاڑ میں روپوش ہو جائیں (اور

واپسی کے لیے مناسب موقع کا انتظار کریں) دعائی کہ خداوند اتو اپنی خصوصی رحمت سے ہمارا کام بنادے اور رشد و ہدایت کی جاہد پیمائی میں ہمارا سب انتظام

درست کر دے۔ آخر شہر سے نکل کر کسی قریبی پہاڑ میں پناہ لی اور اپنے میں سے ایک کو مامور کیا کہ کہیں بدل کر کسی وقت شہر میں جایا کرے تاکہ ضروریات خرید

کر لاسکے اور شہر کے احوال و اخبار سے سب کو مطلع کرتا رہے۔ جو شخص اس کام پر مامور تھا اس نے ایک روز اطلاع دی کہ آج شہر میں سرکاری طور پر ہماری

تلاش ہے اور ہمارے اقارب و اعراء کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ ہمارا پتہ بتلائیں۔ یہ مذاکرہ ہو رہا تھا کہ حق تعالیٰ نے ان سب پر دفعۃً نیند طاری کر دی۔ یہاں جاتا ہے کہ

سرکاری آدمیوں نے بہت تلاش کیا پتہ نہ لگا۔ تھک کر بیٹھ رہے اور بادشاہ کی رائے سے ایک سیر کی تھی پر ان نوجوانوں کے نام اور مناسب حالات لکھ کر خزانہ

میں ڈال دیئے گئے تاکہ آنے والی لیس یا در کھیں کہ ایک جماعت حیرت انگیز طریقہ سے لاپتہ ہو گئی ہے۔ ممکن ہے آگے پل کر اس کا کچھ سراغ نکلے۔ اور بعض

عجیب واقعات کا انکشاف ہو۔ یہ نوجوان کس مذہب پر تھے؟ اس میں اختلاف ہوا ہے بعض نے کہا کہ نصرانی یعنی اصل دین مکی کے پیرو تھے۔ لیکن ابن کثیر

نے قرآن سے اس کو ترجیح دی ہے کہ اصحاب کہف کا قصہ حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔ واللہ اعلم

(تنبیہ) "رقیم" پہاڑی کی کھوہ کو کہتے ہیں اور "معنی" "مرقوم" بھی آتا ہے یعنی مٹی ہوئی چیز۔ منذ عبد بن حمید کی ایک روایت میں جسے حافظ نے

علنی شرط البخاری کہا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے "رقیم" کے دوسرے معنی منقول ہیں۔ یعنی "اصحاب کہف" اور "اصحاب رقیم" ایک ہی جماعت کے دو لقب ہیں۔ غار میں رہنے کی وجہ سے "اصحاب کہف" کہلاتے ہیں اور چونکہ ان کے نام و صفت وغیرہ کی تہمت لکھ کر رکھ دی گئی تھی، اس لیے "اصحاب رقیم" کہلاتے۔ مگر مترجم حقیق رحمہ اللہ نے پہلے معنی لیے ہیں اور بہر صورت "اصحاب کہف" و "اصحاب رقیم" کو ایک ہی قرار دیا ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ "اصحاب رقیم" کا قصہ قرآن میں مذکور نہیں ہوا، محض عجیب ہونے کے لحاظ سے اصحاب کہف کے تذکرہ میں اس کا حوالہ =

إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾ فَضَرَبْنَا

پھاڑ کی کھوہ میں پھر بولے اے رب دے ہم کو اپنے پاس سے بخشش اور پوری کر دے ہمارے کام کی دوستی پھر تھپک دیے اس کھوہ میں، پھر بولے، اے رب! دے ہم کو اپنے پاس سے مہر اور بنا ہمارے کام کا بناؤ۔ پھر تھپک دیے

عَلَىٰ أَذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾ ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ لِنَا

ہم نے ان کے کان اس کھوہ میں چند برس گنتی کے فل پھر ہم نے ان کو اٹھایا کہ معلوم کریں دو فرقوں میں کس نے یاد رکھی ہے جتنی ہم نے ان کے کان اس کھوہ میں، کئی برس گنتی کے۔ پھر ہم نے ان کو اٹھایا کہ معلوم کریں دو فرقوں میں، کس نے یاد رکھی ہے جتنی

لَبِثُوا أَمْدًا ﴿۱۲﴾

مدت دور ہے فل

مدت دور ہے۔

### ذکر اجمالی قصہ اصحاب کہف

قَالَ الْعَجَّانِيُّ: «أَمْرٌ حَسِبْتُ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيعِ... إِلَى... لَبِثُوا أَمْدًا»

ربط: ..... اوپر آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کا ذکر تھا اب اصحاب کہف کا قصہ بیان کرتے ہیں جو آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی بھی دلیل ہے اور قیامت کی بھی دلیل ہے۔ چونکہ قریش نے یہود کے سکھانے سے آپ ﷺ کی آزمائش کے لیے آپ ﷺ سے تین سوال کئے تھے ایک روح کے متعلق جس کا جواب پہلی سورت میں گزر چکا ہے اب دوسرے سوال کے جواب میں اصحاب کہف کا قصہ کر کرتے ہیں کہ صد ہا سال کے ماقبل کے واقعات کا صحیح صحیح علم بدون اللہ کے وحی کے ناممکن ہے اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا واقعہ نہ کسی سے سنا اور نہ کسی کتاب میں دیکھا اور نہ پڑھا یہ آپ ﷺ کے نبی ہونے کی دلیل ہے۔

اور اصحاب کہف کا واقعہ قیامت کی دلیل اس اعتبار سے ہے کہ جو خدا صد ہا سال سلانے کے بعد بیدار کر سکتا ہے وہ

دے دیا گیا۔ اور فی الحقیقت اصحاب رقیع (کھوہ والے) دو تین شخص ہیں جو ہاشم سے بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے تھے اور پھر سے ایک بڑا پتھر آ پڑا، جس نے غار کا منہ بند کر دیا اس وقت ان میں سے ہر شخص نے اپنی عمر کے مقبول ترین عمل کا حوالہ دے کر حق تعالیٰ سے فریاد کی اور بتدریج غار کا منہ کھل گیا۔ امام بخاری نے اصحاب کہف کا ترجمہ منعقد کرنے کے بعد حدیث الغار کا مستقل عنوان قائم کیا ہے اور اس میں ان تین شخصوں کا قصہ مفصل درج کر کے شاید اسی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ "اصحاب رقیع" یہ لوگ ہیں۔ طبرانی اور بزار نے بائنا حسن نعمان بن بشیر سے مرفوعاً روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "رقیع" کا ذکر فرماتے تھے اور یہ قصہ تین شخصوں کا بیان کیا۔ واللہ اعلم۔

فل یعنی ایسی چمکی دی کہ برسوں غار میں پڑے سوتے رہے۔ ادھر ادھر کی کوئی خبر ان کے کانوں میں نہیں پڑتی تھی۔

۱۲ سالہا سال کے بعد حق تعالیٰ نے ان کو جگا دیا۔ تاکہ ظاہر ہو جائے کہ اختلاف کرنے والوں میں سے کسی نے ان کی مدت نوم کا زیادہ صحیح اندازہ رکھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی نوم طویل کے بعد جب بیدار ہوئے تو قدرتی طور پر خود سونے والوں میں اور دوسرے دیکھنے والوں میں بھی اختلافات اور چہ میگوئیاں ہوں گی کوئی کم مدت جگائے گا کوئی زیادہ کوئی اترار کرے گا کوئی مستبعد سمجھ کر انکار کر دے گا تو انھیں جگا کر یہ دیکھنا تھا کہ کون سی جماعت ٹھیک حقیقت پر پہنچتی ہے اور اس حقیقت پر پہنچ کر بعث بعد الموت کا عقیدہ مل کرتی ہے جس میں اس وقت لوگ جھگڑ رہے تھے۔

صدہا اور ہزار ہا سال کی موت کے بعد زندہ بھی کر سکتا ہے۔ کیونکہ النوم اخو الموت نیند اور خواب موت کا بھائی ہے دونوں بھائیوں کا حکم یکساں ہے حق جل شانہ نے اصحاب کہف کے قصہ کو اولاً اجمالاً اور پھر تفصیلاً ذکر فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے گمان کرنے والے کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ اصحاب کہف اور رقیم ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے کوئی عجیب چیز تھے کیونکہ یہود نے جب قریش مکہ کو اصحاب کہف کا قصہ پوچھنے کی تلقین کی تو ان کی زبان سے یہ لفظ نکلا تھا فانہ کان لہم امر عجیب (یعنی ان کا قصہ عجیب ہے) تو ان کے اس قول سے معلوم ہوا کہ وہ اس قصہ کو بہت ہی عجیب خیال کرتے تھے اور اسی خیال سے اس کو سوال کیلئے منتخب کیا اس لیے ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی کا گمان ہے کہ یہ قصہ عجیب ہے بے شک عجیب ہے مگر ہماری آیات قدرت کے سامنے کوئی چیز عجیب نہیں آسمان اور زمین اور چاند اور سورج کی پیدائش کے عجائبات کہف کے حال سے کہیں زیادہ عجیب ہیں اور غار ثور میں آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے یار غار ابو بکر رضی اللہ عنہما کی حفاظت کرنا اور دشمنوں کو اندھا بنا دینا کہ غار ثور کے منہ پر کھڑے ہو کر بھی آنحضرت ﷺ کو نہ دیکھ سکیں یہ اصحاب کہف کے قصہ سے کم عجیب نہیں اور اگر نزول سکینت و معیت خداوندی کی نعمت اور ملائکہ کی حراست اور حفاظت پر نظر کیجئے تو غار ثور کا واقعہ اصحاب کہف کے واقعہ سے بہت زیادہ عجیب ہے۔

اصحاب کہف و رقیم: ..... کہف اس وسیع غار کو کہتے ہیں جو پہاڑ کے اندر ہو اور رقیم کے معنی لکھی ہوئی چیز کے ہیں لوگوں کے اصحاب کہف کے نام اور ان کا قصہ ایک پتھر یا رنگ کی تختی پر کندہ کر کے اس غار کے منہ پر نصب کر دیا تھا اس وجہ سے ان کو اصحاب کہف و رقیم کہتے ہیں۔

اصحاب کہف اور اصحاب رقیم ایک ہی جماعت کے دو لقب ہیں غار میں ہونے کی وجہ سے اصحاب کہف کہلاتے ہیں اور چونکہ ان کے نام اور قصہ کی تختی لکھ کر وہاں لگا دی تھی اس لیے اصحاب رقیم کہلاتے ہیں بہر صورت اصحاب کہف اور اصحاب رقیم ایک ہی جماعت کے دو نام ہیں اور فی الحقیقت دونوں ایک ہیں اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اصحاب رقیم اور اصحاب کہف دو علیحدہ علیحدہ جماعتیں ہیں اور رقیم کے معنی پہاڑ کی کھوہ کے ہیں اور قرآن کریم میں اصحاب کہف کا قصہ تو ذکر کیا گیا مگر اصحاب رقیم کا قصہ قرآن مجید میں ذکر نہیں کیا گیا محض عجیب ہونے کے لحاظ سے اصحاب کہف کے تذکرہ میں اس کا بھی ذکر کر دیا گیا اور فی الحقیقت اصحاب رقیم (کھوہ والے) سے وہ تین اشخاص مراد ہیں جو بارش سے بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے تھے اور اوپر سے ایک پتھر آ پڑا تھا جس نے غار کا منہ بند کر دیا تھا اس وقت ہر شخص نے اپنی عمر کے نیک اور مقبول ترین عمل کا واسطہ دیکر اللہ تعالیٰ سے فریاد کی جس سے بتدریج غار کا منہ کھل گیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اصحاب کہف کا ترجمہ منعقد کرنے کے بعد حدیث الغار کے عنوان سے ایک مستقل باب منعقد فرمایا اور اس کے ذیل میں بنی اسرائیل کے ان تین شخصوں کا قصہ ذکر فرمایا جو غار میں بند ہو گئے تھے اس لیے بعض لوگوں کو یہ گمان ہو گیا کہ اصحاب رقیم دوسری جماعت ہے اور راجح اور صحیح قول یہی ہے کہ رقیم کے معنی کھوہ کے نہیں بلکہ رقیم کے معنی کتاب مرقوم کے ہیں۔ جیسا کہ فراء رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ رقیم سے وہ لوح مراد ہے جس پر اصحاب کہف کے نام اور ان کے نسب اور ان کا دین اور مذہب مرقوم تھا اور اسی کو ابن

جریر اور ابن کثیر رضی اللہ عنہما نے اختیار کیا کہ صحیح یہ ہے کہ اصحاب کہف اور اصحاب قہم دونوں ایک ہی ہیں اور دوسرے قول کی بناء پر دو علیحدہ علیحدہ قصے ہیں۔ (دیکھو زاد المسیر لابن الجوزی: ۵/۱۰۸)

اب ان آیات میں حق جل شانہ اصحاب کہف کا قصہ ذکر فرماتے ہیں پہلے تو اللہ تعالیٰ نے مجمل اور مختصر ذکر فرمایا پھر ضروری تفصیل فرمائی۔

چنانچہ فرماتے ہیں یاد کرو اس وقت کو جب ان نوجوانوں نے دنیا کی زینت اور آزمائش سے منہ موڑ لیا اور کفر اور شرک کے فتنہ سے بھاگ کر ایک غار میں جا کر پناہ لی اور اپنے عالی شان مکانوں کو چھوڑ کر غار کو اپنا ماویٰ اور بلجا بنایا کیونکہ یہ جوان سب شاہی خاندان کے تھے بڑے دولت مند تھے اور مخلوق کے رہنے والے تھے۔ چونکہ عزیز و اقارب کافر تھے اور بادشاہ وقت بت پرست ظالم تھا لوگوں کو کفر و شرک پر مجبور کرتا تھا اس لئے یہ چند جوانان ہمت اور مردان آخرت اپنے دین اور ایمان کو لے کر شہر سے بھاگے اور شہر کے قریب پہاڑ کے ایک غار میں جا چھپے کہا جاتا ہے کہ اس پہاڑ کا نام بخلوس تھا اور اس غار کا نام جیرون تھا۔ واللہ اعلم۔

پس جب غار پر پہنچے تو دعا کی اور یہ کہا اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنے پاس سے خاص رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لیے کامیابی اور راہ ہالی مہیا فرما تاکہ ہمارا انجام نیک ہو رحمت سے مراد حق اور ہدایت پر استقامت اور دشمنوں سے امن اور حفاظت ہے۔

سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور اس کا سامان یہ کیا کہ اس غار میں گنتی کے چند سالوں تک ان کے کانوں پر پردہ ڈال دیا یعنی غار میں ان کو ایسی گہری نیند سلا دیا کہ گویا کہ ان کے کانوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں کہ کوئی آواز ان کے کانوں تک نہ پہنچ سکے مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو تمام زحمتوں اور پریشانیوں سے بے خوف و خطر آرام سے سلا دیا اور ہم نے ان پر ایسی نیند غالب کر دی کہ برسوں تک بے فکر سوتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے گنتی کے سال ان تین سو برسوں کو اس لئے فرمایا کہ حق تعالیٰ کے یہاں تو ایک دن ہزار سال کا ہے ﴿وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ﴾: اس اعتبار سے تو وہ گویا چند گھنٹے سوئے اور چند گھنٹے سونا کوئی عجیب بات نہیں یہ نادان کیوں تعجب کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت کے ظاہر کرنے کے لئے سنین عدد کا لفظ استعمال فرمایا پھر ان گنتی کے سالوں کے بعد ہم نے ان کو نیند سے اٹھایا جیسے موت کے سالہا سال بعد لوگوں کو قیامت میں اٹھادیں گے تاکہ ہم دیکھ لیں اور دکھلا دیں کہ اس قصہ میں دو فریقوں میں سے کون سے فریق نے ان کے غار میں رہنے کی مدت کو خوب <sup>۱</sup> یاد رکھا ہے اور کس کا شمار بہت صحیح ہے جب وہ جاگے تو آپس میں گفتگو ہوئی کہ کس قدر سوئے کسی نے کہا کہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم۔ ﴿لَبِئْسَ مَا آوَيْنَا بِهِ نَحْنُ وَآبَاؤُنَا﴾ اور کسی نے کہا کہ تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے کہ تم کتنی مدت سوئے ﴿قَالُوا رَبُّنَا كُنْهٖ أَكْبَرُ مِمَّا نَبُغِيضُ﴾ انہیں کا قول ٹھیک تھا کیونکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم طویل مدت سوئے یہ کلام اجمالی طور پر صحیح ہے اگرچہ اس میں مدت کا تعین نہیں۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے

① اس ترجمہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ احصیٰ فعل ماضی کا سینہ ہے اور بعض نے احصیٰ کو افعال التفضیل قرار دیا ہے تو اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ کون سا فریق اس مدت کو زیادہ یاد رکھنے والا ہے۔

ان کے حال کو اجمالی طور پر بیان فرمایا اور آئندہ آیات میں اس کی ضروری تفصیل فرمائی اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ آیات کی تفسیر سے پہلے اصحاب کہف کے قصہ کی کچھ تفصیل کردی جائے تاکہ ناظرین کو آیات کے سمجھنے میں سہولت ہو۔

### اصحاب کہف کا قصہ

محمد بن اسحاق رضی اللہ عنہ اور دوسرے اہل سیر نے نقل کیا ہے کہ ملک روم میں دقیانوس نامی ایک بت پرست بادشاہ تھا جو بڑا ظالم اور جبار تھا۔ اپنی رعایا کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا اور زبردستی ان سے بتوں کو سجدہ کراتا تھا جس شخص کی نسبت سنا کہ وہ توحید پر قائم ہے اور بت پرستی سے متنفر ہے اس کو پکڑوا بلاتا اور بت کے آگے سجدہ کرنے یا قتل ہو جانے کے درمیان اس کو اختیار دیتا جو بت کو سجدہ کرتا وہ نجات پاتا اور جو انکار کرتا اس کو سنگسار کرتا اور عبرت ناک سزا دیتا جہاں جہاں اس کی حکومت تھی سب جگہ یہی آفت برپا تھی۔ روم کے شہروں میں ایک شہر ”فسوس“ تھا۔ جس کو عرب ”طرسوس“ کہتے ہیں وہاں چند نوجوان تھے جو شاہی خاندان سے تھے ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے اور توحید پر قائم تھے اور دین مسیحی کے پیرو تھے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد خواب سے بیدار ہوئے ہیں۔ (دیکھو روج البیان: ۵/۲۲۱)

امام طبری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد گزرے ہیں اور ان کا قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔

اس ظالم بادشاہ کو جب ان نوجوانوں کا حال معلوم ہوا تو اپنے پیادے بھیج کر ان کو پکڑوا بلوا لیا اور کہا کہ تم میرے معبودوں کو کیوں نہیں پوجتے اور ان کے لئے قربانی کیوں نہیں کرتے تم کو چاہئے کہ عقیدہ توحید سے باز آ جاؤ ورنہ میں تم کو قتل کر دوں گا اس کے جواب میں مکسملینا نے جوان میں سب سے بڑا تھا کہا کہ ہمارا معبود وہ ہے جس کی عظمت اور جلال سے آسمان و زمین پر ہیں ہم اس کے سوا کسی کو نہیں پوجیں گے تجھ سے جو ہو سکتا ہے کہ گزر اس کے بعد دوسرے ساتھیوں نے بھی یہی کہا اس ظالم نے جب انکا یہ قول سنا تو ان کے کپڑے اور سونے چاندی کا جو زیور وہ پہنے ہوئے تھے سب اتروائے اور کہا کہ جس سزا کا میں نے تم سے وعدہ کیا ہے وہ تم کو ضرور دوں گا مگر میں تمہاری نوعمری کا خیال کر کے تم کو مہلت دیتا ہوں تاکہ تم اپنے معاملے میں غور و فکر کر لو اچھا اب تم جاؤ اگر تم نے عقل سے کام لیا تو بہتر ورنہ تمہاری سزا قتل ہے یہ کہہ کر وہ ظالم کام سے دوسرے شہر میں چلا گیا جب یہ نوجوان اس سے جدا ہوئے تو آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ سب اپنے اپنے باپ کے گھر سے کافی مقدار میں خرچ لے لیں پھر اس میں سے کچھ خیرات کریں اور باقی کو بطور توشہ اپنے ساتھ رکھیں اور شہر کے قریب جو پہاڑ ہے اس کے غار میں جا کر چھپ جائیں اور وہیں رہ کر اپنے خدا وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کرتے رہیں۔ چنانچہ وہ سب اس رائے پر متفق ہو گئے تو ان میں سے ہر ایک نے اپنے باپ کے گھر سے خرچ لیا کچھ اس میں سے خیرات کیا اور باقی کو اپنے ساتھ لے کر غار کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں سے ایک چرواہا اور چرواہے کا کتا بھی ان کے پیچھے پیچھے ہولیا ہر چند اس کو دفع کیا لیکن وہ دفع نہ ہوا اور اس نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ خدائے تعالیٰ نے اس کتے کو بولنے کی قوت دی تو بولا کہ تم مجھ سے نہ ڈرو



میں خدا کے دوستوں کو دوست رکھتا ہوں میں تمہاری حفاظت اور پاسبانی کروں گا۔ جب پہاڑ کے پاس پہنچے تو وہ چرواہا بولا کہ میں اس پہاڑ کے ایک غار کو جانتا ہوں کہ ہم اس میں پناہ لے سکتے ہیں۔ متفق ہو کر سب اس غار کی طرف روانہ ہوئے اور غار میں پہنچ کر نماز اور تسبیح اور تحمید میں مشغول ہو گئے ان میں سے ایک کا نام تملیخا تھا اس کے پاس سب نے اپنا خرچ جمع کر دیا وہ رات کو چھپ کر اور بھیس بدل کر شہر میں جاتا اور ان کے لئے کھانا لاتا اور شہر کی خبریں ان تک پہنچاتا۔ جب دقیانوس اپنے کام سے فارغ ہو کر پھر شہر افسوس (طرطوس) واپس آیا تو اس نے ان سات جو انوں کی تفتیش کا حکم دیا تملیخا کو جب یہ معلوم ہوا کہ سرکاری طور پر ہماری تلاش ہو رہی ہے اور ہمارے اعزہ و اقارب کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ ہمارا پتہ بتلائیں تو تملیخا یہ معلوم کر کے تھوڑا کھانا اپنے ساتھ لے کر روتا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور سارا حال بیان کیا اور بتلایا کہ وہ ظالم پھر شہر میں آ گیا ہے۔ اور اس نے ہماری تلاش کا حکم دیا ہے یہ سنتے ہی سب گھبرا کر سجدہ میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے اللہ اس ظالم کے فتنے سے ہم کو پناہ دے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ دعا سے فارغ ہو کر وہ آپس میں باتیں کرنے لگے اور ایک دوسرے کو تسلی دینے لگے اللہ تعالیٰ نے دفعۃً ان سب پر نیند طاری کر دی اور سب پڑ کر سو گئے اور کتا غار کے منہ پر اپنی باہیں پسار کر پڑ گیا۔

اگلے روز دقیانوس نے ان کو تلاش کیا مگر کہیں ان کا پتہ نہ چلا شہر کے سرداروں سے پوچھا اور کہا کہ مجھ کو ان جو انوں کے لاپتہ ہونے کا بڑا رنج ہے اگر وہ توبہ کر لیتے اور میرے معبودوں کو پوجنے لگتے تو میں ان کو معاف کر دیتا سرداروں نے کہا کہ حضور نے حد درجہ مہربانی کی کہ ان سرکشوں پر رحم فرمایا اور ان کو مہلت دی وہ چاہتے تو اس مدت میں توبہ کر لیتے مگر انہوں نے توبہ نہ کی بڑے ہی سرکش اور نافرمان، ہیں بادشاہ یہ سن کر اور غضب ناک ہوا اور ان کے باپوں کو پکڑا بلایا اور پوچھا کہ بتلاؤ کہ تمہارے وہ سرکش بیٹے جنہوں نے میرے حکم کو نہیں مانا کہاں گئے انہوں نے کہا حضور واقعی سرکش ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں کہ وہ کہاں روپوش ہو گئے ہیں باقی ہم نے حضور کی کوئی نافرمانی نہیں کی ان کے جرم میں ہم کو قتل نہ کیجئے۔ بادشاہ نے یہ سن کر ان کو تو چھوڑ دیا اور جو انوں کی تلاش میں پڑ گیا۔ بادشاہ کو بڑی تحقیق و تفتیش کے بعد کسی ذریعے سے یہ معلوم ہوا کہ وہ نو جوان شہر کے قریبی پہاڑ کے کسی غار میں جا چھپے ہیں بادشاہ کو یہ علم ان جو انوں کے باپوں کے ذریعے سے ہوا کہ انہوں نے بادشاہ کے ڈر سے بتلا دیا کہ وہ غار میں جا چھپے ہیں یا کسی اور ذریعے سے علم ہوا۔ واللہ اعلم۔

غرض یہ کہ بادشاہ نے ان کے باپوں کو تو چھوڑ دیا اور اگلے روز خود دقیانوس ارکان دولت کو ساتھ لے کر ان کی تلاش میں نکلا اور اس غار کے منہ تک پہنچ گیا۔ مگر اس پر کچھ ایسا رعب اور وحشت طاری ہوئی کہ بادشاہ اور اس کے ہمراہیوں میں سے کوئی اندر داخل نہ ہو سکا اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو اس ظالم سے مخفی رکھا جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے یار غار کو جب وہ غار میں چھپے تھے کافروں سے پوشیدہ رکھا اور محفوظ رکھا اور ان کی نظروں کو ایسا خیرہ کر دیا کہ آنحضرت ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کو نہ دیکھ سکے حالانکہ وہ غار ثور کے کنارے پر تھے ذرا بھی اگر اپنے قدموں پر نظر کرتے تو آنحضرت ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کو دیکھ لیتے۔

دقیانوس کو جب ان کا کچھ پتہ نہ چلا تو خدا تعالیٰ نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس غار کے منہ کو بند کر دیا جائے تاکہ بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر اسی کے اندر مرجائیں اور یہی غار جس میں انہوں نے پناہ لی ہے وہی انکی قبر بن جائے۔ (تفسیر<sup>۱</sup> درمنشور: ۲۱۵/۴)

دقیانوس کا یہ خیال تھا کہ وہ اندر جاگ رہے ہیں اور جو کچھ ان کے ساتھ کیا جا رہا ہے اس کا ان کو علم ہے مگر اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اندر بیٹھی نیند سو رہے ہیں اور وہ کروٹیں بدل رہے ہیں اور ان کا کتا غار کے دروازے پر اپنی باہیں پسارے پڑا ہے۔ دقیانوس کے حاشیہ نشینوں میں دو شخص تھے جو در پردہ مسلمان تھے اور اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے ان میں سے ایک کا نام بیدروس اور دوسرے کا نام رون اس تھا۔ انہوں نے رائگ کی دو تختیوں پر ان نوجوانوں کے نام اور نسب اور مفصل واقعہ لکھ کر یا کندہ کر کر ایک تانبے کے تابوت میں رکھا اور پھر اس تابوت کو غار میں رکھ دیا یا شاید اللہ تعالیٰ قیامت سے پہلے کسی مومن قوم کو ان جوانوں کے حال پر مطلع کرے۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب باوجود تلاش کے اصحاب کہف کا پتہ نہ چلا تو بادشاہ ہی نے حکم دیا کہ ان سب کے نام رائگ کی ایک تختی پر لکھ کر خزانہ میں محفوظ کر دیئے جائیں۔ (دیکھو فتح الباری: ۶/۳۶۶ باب قوله تعالیٰ ام حسبنا ان اصحاب الكهف والرقیم۔)

غرض یہ کہ وہ ساتوں جوان غار میں جا کر چھپ گئے اور کسی کو ان کا پتہ نہ چلا اللہ تعالیٰ نے ان جوانوں کو ایسا سلا یا کہ مسلسل تین سو سال تک سوتے رہے اس زمانہ میں دقیانوس بھی مر گیا اور اس کا قرن بھی گزر گیا اور اس کے بعد یکے بعد دیگرے بہت سے بادشاہ ہوئے اور دنیا سے رخصت ہوئے مگر اصحاب کہف تین سو نو برس تک راحت و آرام سے اسی غار میں پڑے سوتے رہے جب ان کی بیداری کا وقت قریب آیا تو من جانب اللہ ایک ایسا بادشاہ آیا کہ جو عابد و موحد بھی تھا اور عادل بھی تھا اور بتوں کو توڑتا تھا اس کے دور حکومت میں اصحاب کہف تین سو سال کی طویل نیند سے بیدار ہوئے یہ فرماں ردا نہایت نیک و بخت اور خدا پرست تھا اور اس کا نام بیدروس تھا اڑھٹھ سال اس نے سلطنت کی اس کے زمانے میں قیامت کے بارے میں بڑا اختلاف ہو رہا تھا بعض تو بالکل ہی قیامت اور حشر و نشر کے منکر تھے اور کہتے تھے کہ مرنے کے بعد دوبارہ جینا نہیں اور بعض کہتے تھے کہ قیامت حق ہے مگر روحانی ہے جسمانی نہیں یعنی حشر صرف روحوں کا ہوگا جسموں کا نہیں ہوگا مرنے کے بعد زمین جسم کو کھا جاتی ہے فقط روح باقی رہ جاتی ہے اس لئے فقط روح کا بعث ہوگا اور بعض کہتے تھے کہ روحانی اور جسمانی دونوں ہوگا کہ حسب سابق روحوں اور جسموں دونوں ہی کا حشر ہوگا۔

بادشاہ حق پرست اور نیک دل تھا لوگوں کا یہ اختلاف اس پر بڑا گراں تھا جب اس نے اہل باطل کو یہ کہتے سنا کہ زندگی کے سوا اور کوئی زندگی نہیں اور اگر حشر ہوگا تو صرف روحوں کا ہوگا جسموں کا نہیں ہوگا اس کو رنج ہوا کہ اہل باطل اہل حق پر غالب آنے کی کوشش کر رہے ہیں بادشاہ نے لوگوں کو نصیحت بھی کہ مگر لوگوں نے اس کی نصیحت کو قبول نہ کیا۔

① فَخَرَجَ الْمَلِكُ بِاصْحَابِهِ يَتَّبِعُونَهُمْ حَتَّى وَجَدُوهُمْ قَدْ دَخَلُوا الْكَهْفَ فَلَمَّا ارَادَ الرَّجُلُ مِنْهُمْ اَنْ يَدْخُلَ اَرْعَبَ فِئْتَمِ يَطْلُقُ اَحَدٌ مِنْهُمْ اَنْ يَدْخُلَهُ فَقَالَ لَهُ قَائِلُ السَّتِ لَوْ قَدَرْتَ عَلَيْهِمْ قَتَلْتَهُمْ قَالَ بَلَى فَاِنْ فَابِنَ عَلَيْهِمْ بَابُ الْكَهْفِ وَدَعَمَهُمْ يَمُوتُوا جَوْعًا وَعَطَشًا فَعَلَّ الْخُ. تفسیر درمنشور: ۲۱۵/۴۔

جب بیدروس نے یہ دیکھا تو اپنے گھر میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر لیا اور دن رات اللہ کے سامنے رونے اور گڑگڑانے لگا اور یہ دعا کرنے لگا کہ اے پروردگار تو ان لوگوں کے اختلاف کو دیکھ رہا ہے تو غیب سے ایسی نشانی بھیج کہ جس سے حق کا حق اور باطل کا باطل ہونا ظاہر ہو جائے اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی اور اس شہر کے ایک شخص اولیاس نامی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ کوہ بخجلوس کے غار پر جو عمارت ہے اس کو گرا کر اپنی بکریوں کے لیے ایک باڑہ بنائے آخر مزدوروں کو لے کر اس عمارت کے پتھر اکھاڑنے شروع کئے جب غار کے منہ پر کے تمام پتھر اکھڑ چکے اور اس کا منہ کھل گیا تو حق تعالیٰ نے ان جوانوں کو بیدار کر کے اس میں بٹھا دیا۔ غار والے جب بیدار ہوئے تو ان کو یہ معلوم ہوا کہ ہم معمولی نیند سے بیدار ہوئے ہیں اور سمجھے کہ شاید ایک دن یا آدھے دن مصروف خواب رہے حالانکہ اس عرصہ دراز میں ملک کی کاپاپٹ چکی تھی نہ وہ حکومت رہی تھی نہ وہ بادشاہ رہا۔ خواب سے بیدار ہوتے ہی نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے جب نماز سے فارغ ہو تو بھوک محسوس ہوئی۔ تملیخا سے کہا کہ شہر میں جاؤ وہاں سے کھانا مول لے کر آؤ اور دقیانوس اور اہل شہر کا حال معلوم کر کے آؤ۔ تملیخا نے کہا کہ کل شہر میں تمہاری تلاش ہوئی ہے اور بادشاہ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ تم کو پکڑوا کر تم سے بتوں کو سجدہ کرائے یا تم کو قتل کر دے مسکلمینا نے ان سے کہا بھائیو! تم کو معلوم ہے کہ ایک روز تم ضرور اپنے پروردگار سے ملنے والے ہو یہ دشمن خدا جب تم کو بلائے تو ہرگز ہرگز کفر نہ کرنا۔ پھر تملیخا سے کہا کہ تو شہر جا اور معلوم کر کہ ہمارے بارے میں دقیانوس کی کیا رائے ہے اور چپکے چپکے جا کہ کسی کو خبر نہ ہو اور کھانا لے کر جلد ہمارے پاس واپس آ جا ہم بھوکے ہیں۔ تملیخا نے اپنے کپڑے اتارے اور مزدوروں جیسے میلے کپڑے پہنے اور بھیس بدل کر دقیانوس کے سکہ کے روپے اپنے ساتھ لے کر شہر کو چلا۔ جب غار کے منہ پر پہنچا تو وہاں کھڑے ہوئے پتھر دیکھے ان کو دیکھ کر سخت متعجب ہوا مگر اس کی پرواہ نہ کی اور سیدھا شہر کو چلا گیا۔ چونکہ دل پر دقیانوس کا خوف سوار تھا یہ معلوم نہ تھا کہ دقیانوس کو مرے ہوئے تین سو برس گزر چکے ہیں اور اس عرصہ میں کتنی سلطنتیں بدل چکی ہیں چھپتا چھپتا اور ڈرتا ڈرتا سہر میں داخل ہوا۔ دیکھا کہ شہر کا رنگ بدلا ہوا ہے جا بجا اہل ایمان پر نظر پڑی یہ منظر دیکھ کر خیال ہوا کہ شاید یہ وہ شہر نہیں ہے اسی طرح حیران و ششدر گھومتا رہا بالآخر ایک جوان سے پوچھا کہ اے جوان اس شہر کا کیا نام ہے اس نے کہا افسوس (طرطوس) یہ سن کر تملیخا کو اور بھی حیرانی ہوئی کہ یہ ماجرا کیا ہے بالآخر پھرتا پھرتا تانابانیوں کی دکان کی طرف گیا اور کھانا خریدنے کے لیے روپیہ نکالا اور دکاندار سے کہا کہ مجھ کو اس روپیہ کا کھانا دیدو۔ دکاندار نے جب اس روپیہ کو اور اس کی ضرب کو دیکھا تو سخت متعجب ہوا اور کہنے لگا کہ یہ سکہ تو اس وقت کا نہیں اور اپنے پاس والوں کو دکھایا اور بولا کہ یہ سکہ تو دقیانوسی سکہ ہے۔ (جیسے آج کل کا محاورہ ہے کہ جو چیز پرانی ہوتی ہے) اس کو دقیانوسی کہتے ہیں۔ وہ غالباً اسی واقعہ سے ماخوذ ہے۔ اس دقیانوسی سکہ کو دیکھ کر لوگ تعجب میں پڑ گئے اور آپس میں یہ کہنے لگے کہ شاید اس شخص کو پرانے وقتوں کا زمین میں گڑا ہوا خزانہ مل گیا ہے اور یہ شخص اپنا راز کسی پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا لوگوں نے اس سے پوچھا کہ سچ بتاؤ کہ یہ روپیہ تم کو کہاں سے ملا ہے۔ شاید تم کو اگلے زمانہ کا کوئی خزانہ یا دھنیز مل گیا ہے۔ تملیخا نے جب ان لوگوں کی یہ باتیں سنیں تو خوف کے مارے کانپنے لگا اور خیال کیا کہ شاید ان لوگوں نے پہچان لیا ہے اور اب یہ لوگ مجھ کو اپنے بادشاہ دقیانوس کے پاس لجا لیں گے۔ تمام شہر میں اس کا چرچا ہو گیا ہر شخص کی زبان پر یہی تھا کہ اس شخص کو پرانے زمانے کا خزانہ مل گیا ہے۔ اہل شہر اس کے ارد گرد جمع ہو گئے اس کو دیکھتے اور یہ کہتے کہ بخدا

یہ جوان اس شہر کا باشندہ نہیں۔ مگر اس کو دل میں یقین تھا کہ اس کا باپ اور اس کے بھائی اسی شہر کے ہیں وہ خبر سن کر ضرور چھڑانے آئیں گے۔ لیکن کوئی نہ آیا۔ اہل شہر تملیخا کو شہر کے دو بڑے افسروں کے پاس لے گئے جو بڑے نیک بخت تھے ایک کا نام آریوس اور دوسرے کا نام طنطیوس تھا۔ بڑے سوال و جواب کے بعد وہ دونوں افسر بولے کہ اس شخص کو بادشاہ کے پاس لے چلو۔ تملیخا کو یہ گمان ہوا کہ اب مجھ کو اس ظالم دقیانوس کے پاس لے جائیں گے۔ دائیں بائیں دیکھتا تھا اور روتا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ظالم بادشاہ مرچکا ہے جسے مرے ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں۔ تب تملیخا کو ہوش آیا اور اس کا رونا موقوف ہوا اس وقت اس نے بتایا کہ ہم چند جوان دقیانوس کے ڈر سے غار میں جا چھپے تھے وہاں کا کرہم سو گئے آج ہم کھانا لینے آئے ہیں اور میں نے کوئی خزانہ نہیں پایا یہ روپیہ میرے باپ کا دیا ہوا ہے اس پر اسی شہر کا نقش ہے اور یہ سکہ اسی شہر میں ڈھلا ہے اور اپنے ساتھیوں کے نام بتلائے اور کہا کہ اگر آپ کو میری بات میں شک ہے تو وہ غار قریب ہے آپ دونوں حاکم میرے ساتھ چلیں اور جا کر خود تصدیق کر لیں اس گفتگو کے بعد آریوس اور طنطیوس اور اہل شہر غار کی طرف روانہ ہوئے تاکہ اصحاب کہف کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

ادھر تو یہ معاملہ گزرا اور ادھر اصحاب کہف پریشان تھے کہ تملیخا کو کھانا لانے میں دیر ہو گئی ہے خدا نخواستہ کہیں پکڑا تو نہیں گیا یہ خیال کر کے نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے اور نماز سے فارغ ہو کر ایک دوسرے کو وصیت کرنے لگے۔ یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں آریوس اور اس کے ساتھی غار کے منہ پر جا کھڑے ہوئے۔ تملیخا ان سے آگے غار میں داخل ہوا اور سارے حال ان سے بیان کیا اس وقت ان کو یہ معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تین نو برس سوتے رہے اور صرف اس لئے جگائے گئے ہیں کہ لوگوں کے لیے قیامت کی نشانی اور حشر جسمانی کا نمونہ بنیں اور ان کے اس قدر طویل مدت تک پڑے سوتے رہنے اور پھر جاگ اٹھنے سے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ قیامت اور حشر جسمانی بلاشبہ حق ہے۔ غرض یہ کہ غار میں اول تملیخا داخل ہوا اس کے پیچھے آریوس داخل ہوا جب وہ پہنچا تو اس نے وہاں تانبے کا ایک تابوت دیکھا جس پر چاندی کی مہر لگی ہوئی تھی دروازے پر کھڑے ہو کر رؤساء شہر کی ایک جماعت کو بلایا اور سب کے سامنے اس تابوت کو کھولنے کا حکم دیا اس میں رانگ کی دو تختیاں نکلیں جب پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔

”مکسملینا، مخشمینا، تملیخا، مرطونس، کشطونس، بیرونس، دیمونس، لطیبوس، قابوس، والکلب اسمہ قطمیر۔ یہ چند نو جوان تھے جو اپنے بادشاہ دقیانوس سے اس خوف کو بناء پر کہ کہیں وہ ان کو دین سے نہ بچا دے۔ بھاگ کر اس غار میں جا چھپے جب بادشاہ کو ان کے غار میں چھپنے کی خبر ملی تو اس نے پتھروں سے اس غار کا منہ بند کر دیا ہم نے ان کا کل حال اور قصہ لکھ دیا ہے تاکہ بعد کے لوگوں میں جو کوئی اس غار پر اطلاع پائے ان کا حال معلوم کرے۔“

جب یہ لوح پڑھی گئی تو اس میں تملیخا کا نام نکلا اس وقت تملیخا نے کہا کہ میں تملیخا ہوں اور باقی میرے ساتھی ہیں جب آریوس اور اس کے ساتھیوں نے اس تحریر کو پڑھا تو حقیقت حال ان پر منکشف ہوئی اور بڑا تعجب ہوا کہ عجیب ماجرا ہے۔ تین سو سال کے بعد بیدار ہوئے اللہ کا شکر کیا اور اس کی حمد و ثناء کی کہ اس نے قیامت کے دن مردوں کے زندہ ہونے کا نمونہ دکھلایا پھر آریوس نے اپنے نیک بخت نیک سیرت اور خوش بخت بادشاہ کے پاس قاصد بھیجا۔ جس کا نام بیدروس تھا کہ جلد آئے تاکہ آپ بھی اللہ کی شانوں میں سے ایک نشانی دیکھ لیں آپ کے دور حکومت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے حشر کا ایک نمونہ

ظاہر کیا تاکہ لوگوں کو نور اور ضیاء حاصل ہو اور وہ حشر جسمانی کی تصدیق کریں وہ نشانی یہ ہے کہ اللہ نے چند نوجوانوں کو تین سو برس تک سلایا اور پھر ان کو صحیح سالم اٹھایا اسی طرح قیامت کے دن روح اور بدن اٹھائے جائیں گے اللہ نے اپنی قدرت کی ایک نشانی دکھلا دی تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ معاد جسمانی حق ہے۔

شاہ بیدروس یہ خبر سنتے ہی شاداں و فرحاں وہاں پہنچا اور غار میں داخل ہو کر جوانوں کو دیکھا تو بکمال مسرت سجدہ میں گر پڑا پھر اس نے معانقہ کیا اصحاب کہف زمین پر بیٹھے اللہ کی تسبیح و تحمید کر رہے تھے ملاقات کے بعد اصحاب کہف نے شاہ بیدروس سے کہا کہ ہم تم کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں اللہ تیری اور تیرے ملک کی حفاظت کرے اور جن و انس کے شر سے تجھ کو پناہ میں رکھے تم پر اللہ کا سلام ہو۔ یہ کہہ کر بادشاہ کو رخصت کیا اور جا کر اپنی خواب گاہوں پر لیٹ گئے اور وہیں اللہ نے ان کو وفات دی بادشاہ نے ان کو کپڑے اڑھائے اور حکم دیا کہ ان سے ہر ایک کو سونے کے تابوت میں رکھ دیا جائے رات کو جب سویا تو خواب میں آئے اور کہا ہم سونے کے نہیں ہم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور مٹی ہی میں مل جائیں گے جیسے پہلے تھے ویسے ہی ہم کو غار کے اندر مٹی پر رہنے دیا جائے۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ہم کو اٹھائے تب بادشاہ نے ان کو سانج (سال) کے تابوت میں رکھو دیا اور جب وہ لوگ وہاں سے نکلے تو دہشت کے مارے دوبارہ پھر اس مقام میں داخل نہ وہ سکے اور غار کے منہ پر بادشاہ نے ایک مسجد بنوادی یہ اصحاب کہف کا واقعہ قیامت کا نمونہ ہے اور اس سے یقین ہوتا ہے کہ بے شک قیامت حق ہے جس خدا نے اصحاب کہف کو تین سو سال تک خواب کی حالت میں صحیح سالم پڑے رہنے کے بعد جگایا اسے مردوں کا زندہ کرنا کیا مشکل ہے؟

اصحاب کہف کے قصہ کی یہ تفصیل جو ہم نے ہدیہ ناظرین کی ہے تفسیر سراج منیر: ۲/ ۳۹۳ میں مذکور ہے اور ابتدائی قصہ کے اجزاء تفسیر قرطبی میں: ۱۰/ ۳۵۷ سے لئے گئے ہیں اور اس کے علاوہ دیگر کتب سیرت سے بھی کچھ اجزاء اس میں شامل کر دیئے ہیں تاکہ پورا قصہ بیک نظر قارئین کے سامنے آجائے۔

آخر میں شاہ بیدروس کا واقعہ نقل کیا اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ نیک بخت بادشاہ غار میں داخل ہوا اور اصحاب کہف سے ملا اور وہ زندہ تھے اور اصحاب کہف نے اس کے لیے دعا کی لیکن بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف بادشاہ کے غار میں داخل ہونے سے پہلے ہی وفات پا گئے اور بادشاہ نے ان کو غار میں مردہ پایا زندگی کی حالت میں ان کو نہیں دیکھ سکا اور نہ ان سے مل سکا۔ (دیکھو تفسیر درمنثور: ۴/ ۲۱۵)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بادشاہ اور ارکان دولت جب غار کے دروازے پر پہنچے تو تملیخا نے کہا کہ آپ حضرات ذرا یہیں ٹھہریں پہلے میں اندر جاتا ہوں کہ اندر جا کر اپنے اصحاب کو خبر دوں تاکہ وہ اس ناگہانی آمد کو دیکھ کر گھبرانہ جائیں چنانچہ اول تملیخا غار میں داخل ہوا اس کے بعد علماء کے دو قول ہیں ایک قول<sup>۱</sup> تو یہ ہے کہ تملیخا کے اندر داخل ہو جانے کے بعد بادشاہ اور ارکان دولت سب ششدر اور حیران رہ گئے اور ان کو پتہ نہ چلا کہ تملیخا کہاں گیا (کیونکہ وہ غار بہت وسیع

<sup>۱</sup> تفسیر درمنثور کی ایک روایت سے بھی اس قول کی تائید ہوئی اس روایت میں یہ ہے کہ جب بادشاہ اور ارکان دولت غار پر پہنچے تو تملیخا نے کہا کہ اول میں غار میں داخل ہوتا ہوں تم میرے بعد داخل ہونا چنانچہ تملیخا اول غار کے اندر چلا گیا اس کے داخل ہونے کے بعد لوگوں کو پتہ نہ چلا کہ تملیخا کہاں گیا اور لوگوں پر ایسا خوف اور رعب طاری ہوا کہ کسی نے اندر داخل ہونے کی ہمت نہ کی اور پھر سب کا مشورہ یہ ہوا کہ اس غار کے قریب بطور یادگار ایک مسجد تعمیر کرا دی جائے۔ (دیکھو تفسیر درمنثور: ۴/ ۲۱۳)

تھا) اور سب پر ایسا رعب اور ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ کوئی بھی اندر داخل نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کو لوگوں سے پوشیدہ رکھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ بادشاہ اور ارکان دولت غار میں داخل ہوئے اصحاب کہف سے ملے ان کو سلام کیا اور ان سے معاف کیا پھر اصحاب کہف نے اس مسلمان بادشاہ کو عادی کر رخصت کیا اور اپنی خواب گاہوں کی طرف لوٹ گئے اور اللہ نے ان کو وفات دی۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۳/۷۷۷)

بادشاہ مع ارکان دولت ان سے مل کر غار سے باہر آیا اور غار کا منہ بند کر دیا حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری: ۶/۳۶۷ میں جو روایت نقل کی ہے وہ پہلے قول کی تائید کرتی ہے وہ روایت یہ ہے:

فاجتمع الناس فرفعوه الى الملك فساله فقال علي باللوح وكان قد سمع به فسمي اصحابه فعرفهم من اللوح فكبر الناس وانطلقوا الى الكهف وسبق الفتى لثلاثا يخافوا من الجبش فلما دخل عليهم عملي الله على الملك ومن معه المكان فلم يذراين ذهب الفتى فاتفقوا بهم على ان يبنوا عليهم مسجدا فجعلوا يستغفرون لهم منهم (كذا في فتح الباری: ۶/۳۶۷ باب قول الله تعالى ام حسبنا ان اصحاب الكهف والرقيم من كتاب الانبياء)

(ترجمہ) جب تملیخا بازار میں کھانا لینے گیا تو اس کو اور اس کے سکہ کو دیکھ کر لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے اور پکڑ کر اس کو بادشاہ کے پاس لے گئے بادشاہ نے اس سے حقیقت حال دریافت کی اس نے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا نام بتایا بادشاہ نے یہ خبر پہلے بھی سنی تھی۔ بادشاہ نے خزانہ سے وہ لوح رصاصی منگائی جس پر اصحاب کہف کے نام کندہ تھے وہ تختی خزانہ شاہی میں محفوظ تھی تملیخا نے جو نام بتائے وہ اس تختی کے مطابق تھے یہ سن کر اور یہ دیکھ کر بادشاہ نے پہچان لیا اور جان لیا کہ یہ جو اب جو کہہ رہا ہے وہ سب حق اور صدق ہے سب نے اللہ اکبر کہا بعد ازاں بادشاہ اور لوگ غار کی طرف چلے جب غار پر پہنچے تو اس جوان نے کہا کہ ذرا ٹھہرو! میں پہلے اندر جا کر اپنے ساتھیوں کو خبر کر دوں کہ وہ ایک بارگی اس لشکر کو دیکھ کر ڈرنے جائیں۔ چنانچہ تملیخا اول غار میں داخل ہوا اور اندر چلا گیا بعد میں بادشاہ کو اور اس کے رفقاء کو پتہ نہ چلا کہ وہ جوان کہاں چلا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مکان کو ان پر مخفی اور پوشیدہ کر دیا مجبور ہو کر واپس آئے اس کے بعد سب کی متفقہ رائے یہ ہوئی کہ یہاں بطور یادگار ایک مسجد بنوادی جائے اور پھر سب اصحاب کہف کے لیے دعا اور استغفار کر کے واپس ہوئے۔

اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ اصحاب کہف سے مل کر واپس ہوا اور اصحاب کہف اسی غار میں اپنی جگہوں پر لیٹ گئے اور بدستور ان پر نیند طاری ہو گئی اب وہ قیامت کے دن جاگیں گے جیسا کہ عنقریب امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے اس کی تفصیل معلوم ہوگی۔

مَنْ نَقَّصَ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ ۖ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ۝

ہم سنا دیں تجھ کو ان کا حال تحقیقی وہ کئی جوان ہیں کہ یقین لائے اپنے رب پر اور زیادہ دی ہم نے ان کو سوجھنا  
ہم سنا دیں تجھ کو ان کا احوال تحقیقی۔ وہ کئی جوان ہیں، کہ یقین لائے اپنے رب پر اور زیادہ دی ہم نے ان کو سوجھنا۔

۱۵ یعنی ایمان سے زیادہ درجہ دیا دیا گیا۔

وَرَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ الْأَرْضِ لَنْ نَدْعُوا مِنْ

اور گرہ دی ان کے دل پر فی جب کھڑے ہوئے پھر بولے ہمارا رب ہے رب آسمان اور زمین کا نہ پکاریں گے ہم اس کے اور گرہ دی ان کے دل پر جب کھڑے ہوئے، پھر بولے، ہمارا رب ہے رب آسمان و زمین کا، نہ پکاریں گے ہم اس کے

دُونَهُ إِلَّا لَقَدْ قُلْنَا إِذَا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هُوَ لَا يَخْذُ مِنْ دُونِهِ إِلَهًا لَوْلَا يُاتُونَ

سوائے کسی کو معبود نہیں تو کبھی ہم نے بات عقل سے دور فی یہ ہماری قوم ہے ٹھہرا لیے انہوں نے اللہ کے سوائے اور معبود کیوں نہیں لاتے سوا کسی کو ٹھاکر، تو کبھی ہم نے بات عقل سے دور۔ یہ ہماری قوم ہے! پکڑے ہیں انہوں نے اس کے سوا اور پوجنے۔ کیوں نہیں لاتے

عَلَيْهِمْ بِسُلْطَنٍ بَيِّنٍ ط فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾ وَإِذْ اغْتَرَفْتُمُوهُمْ

ان پر کوئی سند کھلی پھر اس سے بڑا گناہ گار کون جس نے باندھا اللہ پر جھوٹ فی اور جب تم نے کنارہ کر لیا ان سے ان کے واسطے کوئی سند کھلی۔ پھر اس سے گنہگار کون؟ جس نے باندھا اللہ پر جھوٹ۔ اور جب تم نے کنارہ پکڑا ان سے

وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأَوْا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ

اور جن کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سوائے تو اب جائیں گے اس کھوہ میں پھیلا دے تم پر رب تمہارا کچھ اپنی رحمت سے اور بنا دیوے تمہارے واسطے اور جن کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سوا، اب جائیں گے اس کھوہ میں، پھیلا دے تم پر رب تمہارا کچھ اپنی مہر اور بنا دے تم کو

أَمْرٍ كُمْ مَرْفَقًا ﴿۱۶﴾ وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزُورُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا

تمہارے کام میں آرام فی اور تو دیکھے دھوپ جب نکلتی ہے بچ کر جاتی ہے ان کی کھوہ سے داہنے کو اور جب تمہارے کام کا آرام۔ اور تو دیکھے دھوپ، جب نکلتی ہے بچ جاتی ان کی کھوہ سے داہنے کو، اور جب

غَرَبَتْ تَقْرُبُهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فُجُوءٍ مِّنْهُ ط ذَلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ ط مَنْ يَهْدِ

ذوئتی ہے کترا جاتی ہے ان سے بائیں کو اور وہ میدان میں ہیں اس کے یہ ہے اللہ کی قدرتوں سے فی جس کو راہ دیوے ذوئتی ہے کترا جاتی ہے ان سے بائیں کو، اور وہ میدان میں ہیں اس کے۔ ہے یہ قدرتوں سے اللہ کی۔ جس کو راہ دے

فی یعنی مضبوط وثابت قدم رکھا کہ اپنی بات صاف کہہ دی۔

فی یعنی جب "رب" وہ ہی ہے تو معبود کسی اور کو ٹھہرانا حماقت ہے۔ "ربوبیت" و "الوہیت" دونوں اسی کے لیے مخصوص ہیں۔

فی جیسے موصدین توحید پر صاف صاف دلیلیں پیش کرتے ہیں، اگر مشرکین اپنے دعوے میں سچے ہیں تو کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے۔ لائیں کہاں سے؟ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ اس سے بڑا جھوٹ کیا ہوگا کہ خدا کے شریک ٹھہراتے جائیں۔

فی یعنی جب مشرکین کے دین سے ہم علیحدہ ہیں تو ظاہری طور پر بھی ان سے علیحدہ رہنا چاہیے۔ اور جب ان کے باطل معبودوں سے کنارہ کیا تو ہر طرف سے ٹوٹ کر تنہا اپنے معبود کی طرف جھکا اور اسی سے رحمت و تعلق کا امید دار رہنا چاہیے۔ آپس میں یہ مشورہ کر کے پہاڑی کی کھوہ میں جائیں گے۔

فی یعنی خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں ایسے ٹھکانے کی طرف راہنمائی کی جہاں ماسوں و مطن ہو کر آرام کرتے رہیں۔ بگد کی ٹکی سے جی گھنے، نہ کو دقت دھوپ تائے۔ غار اندر سے کشادہ اور ہوادار تھا اور جیسا کہ ابن کثیر نے لکھا شمال رو یہ ہونے کی وجہ سے ایسی وضع دینت پر واقع تھا جس میں دھوپ بقدر ضرورت پہنچتی اور بدون ایذا دینے عمل جاتی تھی۔

۱۱۱ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ، وَمَنْ يُضِلُّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا ﴿۱۵﴾

اللہ وہی آئے راہ پر اور جس کو وہ بچلائے پھر تو نہ پائے اس کا کوئی رفیق راہ پر لانے والا۔  
اللہ وہی آدے راہ پر۔ اور جس کو وہ بچلا دے (بھنکاوے) پھر تو نہ پاوے اس کا کوئی رفیق راہ پر لانے والا۔

### تفصیل قصہ اصحاب کہف

قَالَ تَبَّالِكُمْ: ﴿مَنْ نَقَضَ عَلَيْهِ تَبَاهُكُمْ... اَلِ... فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا﴾

رابطہ:..... گزشتہ آیات میں اصحاب کہف کا قصہ مجملاً ذکر فرمایا اب اس قصہ کی کچھ تفصیل فرماتے ہیں تاکہ اہل صبر و استقامت اور ہر وان منزل آخرت کے لئے مشعل ہدایت بنے چنانچہ فرماتے ہیں۔

اے نبی ﷺ ہم آپ ﷺ کے سامنے ان کی صحیح صحیح خبر بیان کرتے ہیں جو عین واقعہ کے مطابق ہے یہ اس لئے فرمایا کہ یہ قصہ لوگوں میں مختلف طور پر مشہور تھا جن میں بعض جھوٹی اور غلط روایتیں بھی شامل تھیں اس لئے فرمایا کہ جتنا قصہ ہم نے قرآن میں بیان کر دیا وہ بالکل حق اور صدق ہے تحقیق وہ اصحاب پند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے حالانکہ ان کی قوم شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھی سب بزدل تھے اور یہ جوان مرد اور جوان ہمت تھے کہ اپنے محلوں کو چھوڑ کر کنج عزالت اور گوشہ خلوت میں اعتکاف کرنے کے لئے جا رہے تھے اور ایمان لانے کے بعد ہم نے ان کی ہدایت میں اور زیادتی کر دی کہ ان کو صبر اور استقامت کی صفت عنایت کی کہ دین اور ایمان کے مقابلے میں جان کی پروا نہ کی اور ہم نے ان کے دلوں پر صبر اور استقلال کی گرہ لگا دی یعنی ہم نے ان کے دلوں کو صبر اور استقامت کی رسی کے ساتھ ایسا باندھ دیا کہ ثابت قدم ہو گئے اور ان کو کوئی تزلزل پیش نہیں آیا اور خدا کی راہ میں انہوں نے کسی مصیبت کی پروا نہ کی جب وہ دقیانوس ظالم و جابر کے سامنے کھڑے ہوئے جو ان کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا۔ پس اس ظالم و جابر بادشاہ کے روبرو یہ کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پروردگار ہے ہم اس کے سوا ہرگز کسی معبود کو نہیں پکارتے گے۔ کیونکہ اگر خدا نخواستہ ہم ایسی بات کہیں تو وہ بلاشبہ بے جا اور خلاف عقل ہوگی یہ بے عقل لوگ ہماری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے خدائے برحق کے سوا چند معبود بنا لیے ہیں جو سراسر باطل ہیں ان کے معبود ہونے پر کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے جیسے موحدین توحید پر روشن دلائل پیش کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اپنے ہاتھ کے ترساشے ہوئے بتوں کو معبود اور خدا کا شریک ٹھہرا لیا ہے ڈرا دھمکا کر لوگوں کو بت پرستی پر مجبور کر رہے ہیں بت پرستی پر مجبور کر رہے ہیں بت پرستی کی طرف بلا رہے ہیں دلیل کوئی نہیں پس جب ان کے پاس شرک کی کوئی دلیل نہیں تو ایسے شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر بہتان باندھے کیوں کہ بے دلیل اللہ کا شریک ٹھہرانا اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے اس حالت کو دیکھ کر باہم مشورہ کیا اور طے پایا کہ یہ ظالم لوگ ہیں اللہ پر بہتان باندھنے والے ہیں

۱۱۱ یعنی ظاہری دہانسی راہنمائی سب اسی کے قبضہ میں ہے۔ دیکھ لو جب دنیا پھل رہی تھی کس طرح اصحاب کہف کو راہ ہدایت پر ثابت قدم رکھا اور ظاہری طور پر بھی کیسے عجیب غریب راہ بتائی۔



ایسے ظالموں سے عقلاً و نقلاً کنارہ کشی چاہئے۔ کیونکہ کافروں سے اپنے دین کو صحیح سالم لے کر بھاگ جانے ہی میں سلامتی ہے لہذا کسی غار میں جا کر چھپ جانا چاہئے تاکہ کافر کی صورت بھی نظر نہ پڑے اور ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہیں اور پھر بعض نے بعض کو مخاطب کر کے کہا جب تم بجز خدا ان سے اور ان کے معبودوں سے علیحدہ اور کنارہ کش ہو جاؤ تو غار کی طرف اپنا ٹھکانا ڈھونڈو اور دشمنان خدا سے بھاگ کر ایک غار میں جا بیٹھو جہاں کسی کافر کی رسائی نہ ہو سکے۔ اور غار کی خلوت و عزت کی مشقت اور زحمت سے نہ ڈرو تمہارا پروردگار تم پر اپنی رحمت کو پھیلا دے گا جو تمہیں اپنے اندر چھپالے گی اور تمہارے کام میں آسانی میسر کر دے گا اور تمہارے فائدہ کی صورت نکال دے گا اور خدا کے لئے خلوت و عزت کی راحت اور لذت ساری مشقتوں پر پانی پھیر دے گی۔ چنانچہ یہ جو ان اسی عزم اور ہمت کے ساتھ غار میں داخل ہوئے اور اللہ کی رحمت پر بھروسہ کر کے وہاں جا کر بیٹھ گئے جہاں جا کر ایسی نیند آئی کہ تین سو سال تک آنکھ نہ کھلی۔ بادشاہ اور ارکان دولت ان کی تلاش میں آئے جب تلاشی میں ناکام ہوئے تو ان کے غار کے منہ پر ایک مستحکم دیوار چن دی جس سے اس غار کا منہ بند ہو گیا تاکہ وہ لوگ باہر نہ نکل سکیں اور اندر ہی اندر مرجائیں اور جس امید پر وہ غار میں داخل ہوئے اللہ نے ان کے ساتھ ان کی امید اور گمان کے موافق معاملہ فرمایا اور خدا کی رحمتیں اور کرامتیں ان پر مبذول ہونے لگیں اور من جملہ ان مہربانیوں اور آسانیوں کے جو ان پر مبذول ہوئیں ایک رحمت ان پر مبذول ہوئی کہ اے دیکھنے والے جب تو اس غار کو دیکھے تو اس حال میں دیکھے گا کہ سورج جس وقت طلوع کرتا ہے تو ان کے غار کے داہنی جانب کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اور جب غروب ہوتا ہے تو ان سے بائیں جانب کو کتر اجاتا ہے اور وہ اس غار میں ایک وسیع جگہ میں ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی وسیع اور کشادہ جگہ میں تھے جہاں ان کو خوشگوار ہوا تو پہنچتی تھی مگر دھوپ ان کو کسی وقت نہیں پہنچتی تھی خدا کی رحمت سے تمام دن ان پر سایا رہتا حالانکہ وہ وسیع اور کشادہ جگہ میں تھے۔ جہاں تمام دن دھوپ رہ سکتی ہے مگر اللہ نے اپنی رحمت اور عنایت سے ان کو دھوپ سے محذور رکھا بقدر ضرورت ہوا اور روشنی تو پہنچتی رہی مگر دھوپ نہیں پہنچتی یہ ان پر اللہ کی رحمت اور عنایت اور کرامت تھی جیسا کہ فرماتے ہیں:

یہ بات اللہ کی قدرت اور رحمت کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ اپنے مقبول بندوں کے خلاف اسباب ظاہری اس طرح حفاظت فرماتا ہے اس لیے کہ وسیع اور کشادہ مکان میں طلوع آفتاب اور غروب آفتاب اور استواء کے وقت دھوپ کا نہ آنا ایک عجیب بات ہے کیونکہ مکان جب وسیع اور کشادہ ہے تو ازراہ عادت وہاں ضرور آفتاب پہنچنا چاہئے مگر باوجود اس کے نہیں پہنچتا تو یہ آیات الہیہ میں سے ہے اور اس کی قدرت اور اختیار کے دلائل میں سے ہے معجزات اور کرامات کے اظہار سے اللہ تعالیٰ کا مقصود صاحب معجزہ و کرامت کا اعزاز و اکرام اور بندوں کی سعادت و شقاوت کا اظہار ہے جو سعید ہیں وہ ان واقعات کی تصدیق کر کے ہدایت پاتے ہیں اور جو شقی ہیں وہ اس قسم کے خوارق عادت کو خارج از عقل اور بعید از قیاس سمجھ کر انکار کر کے گمراہ ہوتے ہیں جیسا کہ فرماتے ہیں جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو آپ ﷺ اس کے لئے ہرگز کوئی رفیق راہ دکھلانے والا نہ پائیں گے وہ برابر اپنی ہمد پر قائم رہے گا کہ خرق عادت کوئی چیز نہیں۔

علماء اہل سنت والجماعت نے قصداً صحاب کھف سے کرامات اولیاء کے حق ہونے پر استدلال کیا ہے اور یہ استدلال

ظاہر ہے جس میں کوئی تکلف نہیں کیونکہ اس قصہ کے صریح لفظوں میں اصحاب کہف کی کئی کراہمتوں کا ذکر ہے تین سو نو برس تک بغیر کھائے پئے سوتے رہنا اور وسیع غار میں ہر وقت ان کا سایہ میں رہنا اور کسی وقت دھوپ کا نہ آنا اور آفتاب کا طلوع اور غروب کے وقت ان سے کرا جانا اور بھوک اور پیاس کی تکلیف سے محفوظ رہنا اور بغیر کھائے پئے اتنی دراز مدت تک زندہ رہنا اور بغیر بیداری کے انکار بیماری سے محفوظ رہنا اور بالکل تندرست رہنا یہ سب اللہ کی رحمتیں اور عنایتیں اور خدا دار کرامتیں اور کرامات اولیاء کے صحیح اور درست ہونے پر آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ شاہد ہیں ازاں جملہ قصہ مریم (علیہا السلام) ہے جو محض خدا کی عنایت سے بے موسم میوہ پاتی تھیں جیسا کہ سورۃ آل عمران میں گزرا ﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا. قَالَ لِمَرْيَمُ أَلَيْ لِكَ هَذَا. قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ اور سورۃ مریم میں آئے گا ﴿قَدْ جَعَلْنَا لَكَ فِي هَذِهِ نَسِيًّا﴾ وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسْقِطُ عَلَيْكَ رَطْبًا جَدِيدًا﴾ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم (علیہا السلام) کے قدموں کے نیچے ایک نہر جاری کر دی اور کھجور کا خشک درخت تروتازہ کر دیا جس سے تازہ کھجوریں گرنے لگیں۔ حالانکہ حضرت مریم (علیہا السلام) نبیہ نہ تھیں بلکہ ولیہ اور صدیقہ تھیں۔

اور از انجملہ قصہ آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ ہے جس نے پلک جھپکنے میں ایک دور دراز مسافت سے بلقیس کا تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر حاضر کر دیا۔

ازاں جملہ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے جس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین بچوں نے بحالت شیر خواری اپنے گہوارہ میں کلام کیا عیسیٰ علیہ السلام اور ایک وہ طفل جو زمانہ جرتج میں تھا۔ جرتج بنی اسرائیل میں ایک عابد و زاہد تھا ایک بدکار عورت کا جب ناجائز بچہ پیدا ہوا تو اس نے جرتج پر تہمت لگائی کہ یہ اس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے جرتج نے نماز پڑھی اور دعا کی اور لڑکے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اے لڑکے بتا تیرا باپ کون ہے۔ لڑکے نے کہا فلاں چرواہا۔ بنی اسرائیل نے جب لڑکے سے یہ کلام سنا تو سخت نادام ہوئے اور تہمت سے تائب ہوئے۔

اور ایک وہ بچہ جس کو اس کی ماں گود میں لئے ہوئے دودھ پلا رہی تھی اتفاق سے ایک خوبصورت جوان سوار اس کے پیچھے سے گزر عورت نے اس کو دیکھ کر دعا کی کہ اے اللہ میرے بچے کو اس جیسا کر بچہ بولا اے اللہ اس جیسا نہ کرنا پھر اس کے پاس سے ایک عورت گزری جس کی نسبت لوگ کہتے تھے کہ اس نے چوری کی اور زنا کیا اور اس پر حد جاری کی گئی اس کو دیکھ کر بچے کی ماں نے کہا خدا یا میرے بچے کو ایسا نہ کرنا بچے نے کہا کہ خدا یا مجھے ایسا ہی کرنا یہ سن کر ماں کو غصہ آیا اور بچے کو کچھ سخت الفاظ کہے بچہ بولا وہ خوبصورت مرد بڑا ظالم تھا میں نے نہیں چاہا کہ میں اس کے مثل بنوں اور عورت جس کو لوگ کہتے ہیں کہ اس نے چوری کی اور زنا کیا وہ سب غلط ہے۔ اس عورت نے نہ زنا کیا اور نہ چوری کی یہ لوگوں کا اس پر اتہام ہے وہ تو یہ کہتی رہتی ہے ”حسبى الله“ مجھے اللہ کافی ہے۔ پس میں نے چاہا کہ اس کے مثل بنوں یعنی اس کی طرح صابر و شاکر رہوں کہ مصیبت اور بلا پر صبر کروں اور خدا تعالیٰ کی کفایت اور حمایت پر نظر رکھوں معاذ اللہ اس بچے کا یہ مقصود نہ تھا کہ میں اس عورت کی طرح تہمت اور مصیبت اور بلا میں مبتلا ہوں بلکہ اس کا مقصود یہ تھا کہ اگر من جانب اللہ کوئی ابتلاء پیش آئے تو صابر و شاکر ہوں۔

اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں جن سے کرامات اولیاء کا حق ہونا ثابت ہے اس لئے تمام اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ کرامات الاولیاء یعنی اولیاء اللہ کی کرامتیں حق ہیں۔

وَتَحْسَبُهُمْ آيِقَاطًا وَهُمْ رُقُودٌ ۗ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۗ وَكَلْبُهُمُ

اور تو سمجھے وہ جاگتے ہیں اور وہ سو رہے ہیں اور کروٹیں دلاتے ہیں ہم ان کو داہنے اور بائیں اور کتا ان کا اور تو جانے وہ جاگتے ہیں اور وہ سوتے ہیں۔ اور کروٹ دلاتے ہیں ہم ان کو داہنے اور بائیں۔ اور کتا ان کا

بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۗ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَكَلَّيْتَ مِنْهُمْ

پہاڑ رہا ہے اپنی بائیں چوکھٹ پر اگر تو جھانک کر دیکھے ان کو تو پیٹھ دے کر بھاگے ان سے اور بھر جائے تجھ میں ان کی پہاڑ رہا ہے اپنی بائیں چوکھٹ پر۔ اگر تو جھانک دیکھے ان کو تو پیٹھ دے کر بھاگے ان سے اور بھر جاوے تجھ میں ان کی

رُعْبًا ۗ ۱۸ ۝ وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ ۗ ط قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِئْتُمْ ۗ ط

دہشت فل اور اسی طرح ان کو جگا دیا ہم نے کہ آپس میں پوچھنے لگے ایک بولا ان میں کتنی دیر ٹھہرے تم دہشت۔ اور اسی طرح ان کو جگا دیا ہم نے کہ آپس میں لگے پوچھنے۔ ایک بولا ان میں کتنی دیر ٹھہرے تم۔

قَالُوا لَبِئْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۗ ط قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِئْتُمْ ۗ ط فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ

بولے ہم ٹھہرے ایک دن یا ایک دن سے کم بولے تمہارا رب ہی خوب جانے جتنی دیر تم رہے ہو اب بھیجو اپنے میں سے ایک کو بولے ہم ٹھہرے ایک دن یا دن سے کم۔ بولے، تمہارا رب بہتر جانے جتنی دیر رہے ہو۔ اب بھیجو اپنے میں سے ایک کو،

يُورِقِكُمْ هَذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ

یہ روپیہ دے کر اپنا اس شہر میں پھر دیکھے کونسا کھانا ستھرا ہے سو لائے تمہارے پاس اس میں سے کھانا یہ روپیہ لے کر اپنا اس شہر کو، پھر دیکھے کونسا ستھرا کھانا، سو لا دے تم کو اس میں سے کھانا،

وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ۗ ۱۹ ۝ إِنَّهُمْ إِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ

اور نرمی سے جائے اور جتا نہ دے تمہاری خبر کسی کو وہ لوگ اگر خبر پالیں تمہاری تمہروں سے مار ڈالیں تم کو یا اور نرمی سے جاوے اور جتا نہ دے تمہاری خبر کسی کو۔ وہ لوگ اگر خبر پاویں تمہاری، پتھراؤ سے ماریں تم کو یا

فَلْيَكْتُمُوا صَوْتَكُمْ لِئَلَّا يَسْمَعُوا دُخْرَكُمْ ۗ ط وَتَلَاؤُهُمْ عَلَيْكُمْ فَاسْمِعُوكُم مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَأَنْذِرُوهُمْ كَمَا أَنْذَرَ الْفُلُوكَ مِمَّا قَالُوا سَمِعْنَا فَلْيَفْزِعُوهُمْ لِيُنْفِرُوا مَجْرِبًا ۗ ط وَتَلَاؤُهُمْ عَلَيْكُمْ فَاسْمِعُوكُم مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَأَنْذِرُوهُمْ كَمَا أَنْذَرَ الْفُلُوكَ مِمَّا قَالُوا سَمِعْنَا فَلْيَفْزِعُوهُمْ لِيُنْفِرُوا مَجْرِبًا ۗ ط

اس پر بھی صحبت کا کچھ اثر پہنچا اور صدیوں تک زندہ رہ گیا۔ اگرچہ تار کھنا برا ہے لیکن لاکھ بروں میں ایک بھلا بھی ہے۔ واللہ ذو السعدی السیرازی

پہر نوح بابدال بلشست فاندان نبوش گم شد

لگ اصحاب کہت روزے چند پئے نکال گرفت مردم شد

يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوا إِذَا أَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَكَذَلِكَ أَخْرَجْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ

لونا لیں تم کو اپنے دین میں اور تب تو بھلا نہ ہوگا تمہارا کبھی فلا اور اسی طرح خبر ظاہر کر دی ہم نے ان کی تاکہ لوگ جان لیں کہ  
الٹا پھیریں تم کو اپنے دین میں، تب بھلا نہ ہو تمہارا کبھی۔ اور اسی طرح خبر کھول دی ہم نے ان کی تاکہ لوگ جانیں کہ

وَعَدَّ اللَّهُ حَقًّا وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا ۚ إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا

اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے اور قیامت کے آنے میں دھوکہ نہیں جب جھگڑ رہے تھے آپس میں اپنی بات پر ذل پھر کہنے لگے  
وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے، وہ گھڑی آئی، اس میں دھوکا نہیں۔ جب جھگڑ رہے تھے اپنی بات پر، پھر کہنے لگے،

ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۗ رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ ۗ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ

بناؤ ان پر ایک عمارت ان کا رب خوب جانتا ہے ان کا حال بولے وہ لوگ جن کا کام غالب تھا ہم بنائیں گے ان کی جگہ  
بناؤ ان پر ایک عمارت۔ ان کا رب بہتر جانے ان کو۔ بولے جن کا کام زبر تھا، ہم بناویں گے ان کے مکان

فلا جس طرح اپنی قدرت سے اتنی لمبی نیند سلا یا تھا، اسی طرح بروقت جگا دیا۔ اٹھے تو آپس میں مذاکرہ کرنے لگے کہ ہم کتنی دیر سوئے ہوں گے؟ بعض نے کہا  
"ایک آدھ دن۔" یعنی بہت کم۔ دوسرے بولے کہ (اس بے فائدہ بحث میں پڑنے سے کیا فائدہ؟) یہ تو خدا ہی کے علم میں ہے کہ ہم کتنی مدت سوئے۔ اب تم  
اپنا کام کرو۔ ایک آدمی کو یہ روپیہ دے کر شہر بھیجو کہ وہ کسی دکان سے حلال اور سترہ کھانا دیکھ کر خرید لائے۔ یہ ضروری ہے کہ اسے نہایت ہوشیاری سے جانا آنا اور  
زری دتدیر سے معاملہ کرنا چاہیے کہ کسی شہر والے کو ہمارا پتہ نہ لگے، ورنہ بڑی سخت خرابی ہوگی۔ اگر ظالم بادشاہ کو پتہ چل گیا تو ہم کو یا سنگسار کیا جائے گا یا بھجرا کر  
دین حق سے بنایا جائے گا۔ العیاذ باللہ ایسا ہوا تو جو اعلیٰ کامیابی و فلاح ہم چاہتے ہیں، وہ کبھی حاصل نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ دین حق سے پھر جانا جو بھجرا کر  
العزم موئین کا کام نہیں ہو سکتا

(تنبیہ) میرے نزدیک "یَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ" محض تھلیل مدت سے کنایہ ہے۔ نیند سے اٹھ کر اتنی طویل مدت بھی ان کو قلیل محسوس ہوئی۔ سچ  
ہے "مردہ اور سوتا برابر ہے" "یَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ" کا حرف "أَوْ" کے ساتھ استعمال ایسا سمجھو جیسے سورۃ مؤمنون میں ہے ﴿وَكَمْ لَيْسْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَّةً  
سَيَذَرُ قَالَ أَلَبْتُمْ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَتَنَّا الْعَادِينَ﴾

فل ایک ان میں سے روپیہ لے کر شہر میں داخل ہوا۔ وہاں سب چیز اوپری دیکھی۔ اس مدت میں کئی قرن بدل چکے تھے۔ شہر کے لوگ اس روپیہ کا مکہ دیکھ  
کر حیران ہوئے کہ کس بادشاہ کا نام ہے اور کس عہد کا ہے۔ سمجھ کر اس شخص نے کہیں سے پرانا گڑا ہوا مال پالیا ہے۔ شدہ شدہ معاملہ بادشاہ تک پہنچا۔ اس نے وہ  
پرانی تختی طلب کی جس پر چند نام اور پتے لکھے تھے کہ یہ لوگ دفعۃً نامعلوم طریقے سے فلاں سنہ میں غائب ہو گئے ہیں۔ تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ یہ وہی مفقود الخیر  
جماعت ہے۔ اس وقت شہر میں "بعث بعد الموت" کے متعلق بڑا جھگڑا ہو رہا تھا کوئی کہتا تھا کہ مرنے کے بعد جینا نہیں کوئی کہتا تھا کہ محض روحانی بعث ہے  
جسمانی نہیں۔ کوئی معاد روحانی و جسمانی دونوں کا قائل تھا۔ بادشاہ وقت حق بدست اور منصف تھا، چاہتا تھا کہ ایک طرف کی کوئی ایسی نظیر ہاتھ لگے جس سے  
سمجھانے میں آسانی رہے اور استبعاد عقلی کم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نظیر بھیج دی۔ آخر منکرین آخرت بھی یہ حیرت انگیز ماجرا دیکھنے سننے کے بعد آخرت پر یقین لائے۔  
یہ نظارہ خاص طور پر ان کی طبائع پر اثر انداز ہوا سمجھے کہ حق تعالیٰ نے ہم کو تنبیہ کی ہے کہ یہ قصہ بھی دوسری بار جینے سے کم نہیں۔

(تنبیہ) بعض نے ﴿إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا﴾ کا مطلب یہ لیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اصحاب کہن کے  
مال سے لوگوں کو اس وقت آگاہ کیا جب کہ اصحاب کہن کے متعلق چرچے اور جھگڑے ہو رہے تھے کہ وہ چند نوجوان جنہیں مدت دراز سے سنتے آئے ہیں کہ ایک  
بیک غائب ہو گئے تھے پھر کچھ پتہ نہ چلا کہاں گئے ہوں گے؟ کہاں ان کی نسل بھلی ہوگی؟ اب تک زندہ تو کیا ہوتے۔ سب مر گئے کہ برابر ہو گئے ہوں گے؟ اس  
مسئلہ میں کوئی کچھ کہتا تھا دوسرا کچھ خیال ظاہر کرتا تھا کہ دفعۃً حق تعالیٰ نے حقیقت سے پردہ اٹھا دیا۔ اور سب اختلافات ختم کر دیے۔

## عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا ﴿۱۵﴾

پر عبادت خانہ

پر عبادت خانہ۔

بقیہ قصہ مذکورہ

قَالَ تَجَالَى: ﴿وَتَحْسَبُهُمْ آيِقَاطًا وَهُمْ رُقُودٌ...﴾ الی... لَنَتَّخِلَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا ﴿۱۵﴾

اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حیات کی حفاظت کا ایک سامان یہ کیا کہ اے دیکھنے والے اگر تو ان کو دیکھے تو ان کو جاگتا ہوا خیال کرے حالانکہ وہ سو رہے ہیں خواب میں غرق ہیں اور اس نیند کی حالت میں ہم ان کی کروٹیں بدلتے رہتے ہیں کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف تاکہ زمین ان کے جسموں کو نہ کھا جائے اور ان کا کتا غار کی دلہیز پر اپنی دونوں بانہیں پسارے پڑا ہے ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ کتا ان میں سے کسی کے شکار کا تھا اور اس کتے کا نام قطمیر تھا کہتے ہیں کہ وہ کتا بہشت میں جائے گا۔

سگ اصحاب کہف روزے چند پئے نیکان گرفت مردم شد!

یہ تو غار کے اندر ان کی زندگی کی حفاظت کی کیفیت کا بیان ہوا۔ اور باہر کے دشمنوں سے ان کی حفاظت کا یہ سامان کیا کہ اس غار میں رعب اور جلال اور ہیبت کی یہ کیفیت پیدا کر دی کہ اے دیکھنے والے اگر تو ان کو جھانک کر دیکھے تو تو اٹلے پاؤں ان سے پشت پھیر کر بھاگے اور ان کی رعب اور ہیبت سے تو بھر دیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک ہیبت اور دہشت ڈال دی کہ کوئی ان کے قریب نہیں جاسکتا اور نہ کوئی ان کو چھوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ میں یہ دہشت اور ہیبت اس لیے رکھ دی کہ لوگ اس جگہ کو تماشا نہ بنا لیں اور ان کے آرام میں مغل نہ ہوں اپنی قدرت سے ان کی در بانی کے لئے دروازہ پر ایک کتا بٹھلا دیا جو ان کی طرح وہ بھی صدیوں تک سوتا رہا اور کروٹوں کا بدلنا زمین سے حفاظت کے لئے تھا اور یہ خدا داد رعب و جلال دشمنوں سے حفاظت کے لیے تھا کہ کوئی دشمن اندر نہ جاسکے بادشاہوں کی ڈیوڑھی پر پہرہ اور پہرے دار ہوتا ہے جو اجنبی آدمی کو اندر جانے سے روکتا ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے نہیں طور پر ہیبت اور جلال کا پہرہ قائم کر دیا کہ کسی شخص کو اندر جانے کی ہمت ہی نہ ہو اور ظاہری طور پر غار کے منہ پر ایک کتا بھی بٹھلا دیا تاکہ اجنبی آدمی کو آنے جانے سے روک دے اور جس

فل یہ پتہ نہیں کہ اس کے بعد اصحاب کہف زندہ رہے یا انتقال کر گئے؟ انتقال ہوا تو کب ہوا، زندہ رہے تو کب تک رہے یا کب تک رہیں گے۔ بہر حال اہل شہر نے ان کے عجیب و غریب احوال پر مطلع ہو کر فراطعقیدت سے چاہا کہ اس غار کے پاس کوئی مکان بطور یادگار تعمیر کر دیں جس سے زائرین کو سہولت ہو۔ اس میں اختلاف رائے ہوا ہوا گا کہ کس قسم کا مکان بنایا جائے۔ اس اختلاف کی تفصیل تو خدا ہی کو معلوم ہیں اور یہ بھی اس کے علم میں ہے کہ یہ تجویز ان کی موت کے بعد ہوئی یا اس سے قبل دوبارہ نیند طاری ہونے کی حالت میں اور لوگوں کو غار تک پہنچ کر ان کی ملاقات میسر ہو سکی یا نہیں۔ تاہم جو باروخ اور ذی اقتدار لوگ تھے ان کی رائے یہ قرار پائی کہ غار کے پاس عبادت گاہ تعمیر کر دی جائے۔ اصحاب کہف کی نسبت بجز اس کے کچے موہ اور متقی تھے، یعنی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ کس نبی کی شریعت کے پیرو تھے۔ لیکن جن لوگوں نے معتقد ہو کر وہاں مکان بنایا وہ نصاریٰ تھے۔ ابو حیان نے "بحر محیط" میں اصحاب کہف کا مقام متعین کرنے کے لیے متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔ من شاء فلیراجعہ۔

طرح ہم نے اپنی قدرت سے ان کو طویل مدت تک صحیح سالم اور ہر موذی سے ان کی حفاظت کی اسی طرح ہم نے سینکڑوں برس کے بعد ان کو صحیح سالم نیند سے اٹھایا اور خواب سے ان کو جگایا کہ باوجود اتنا طویل عرصہ گزرنے کے نہ ان کے جسم میں کوئی تغیر آیا اور نہ ان کے کپڑے پرانے ہوئے۔ جس طرح کمال قدرت کے ساتھ ان کو سلایا تھا اسی طرح کمال قدرت سے ان کو جگایا تاکہ اس طویل خواب سے بیدار ہو کر آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں جس سے اخیر میں ان پر خدا کی قدرت اور اس کی رحمت و عنایت اور اس کی عطا کردہ کرامت منکشف ہو کہ حق تعالیٰ کی قدرت اور عنایت ایسی ہوتی ہے کہ مشاہدہ سے ان کے ایقان اور عرفان میں زیادتی ہو اور خدا کی اس نعمت کا شکر کریں۔

چنانچہ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم کتنی مدت سوئے رہے قرآن سے ان کو یہ معلوم ہوا اور یہ محسوس ہوا کہ ہم عادت سے زیادہ سوئے ہیں اس لیے یہ سوال کیا انہوں نے کہا کہ ہم ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم سوئے رہے پھر کچھ قرآن اور آثار سے ظاہر ہوا کہ ہم طویل مدت تک سوئے رہے تو بولے کہ تمہارا پروردگار ہی خون جانتا ہے جتنی مدت تم سوئے رہے خیر اب اس بات کو چھوڑو اس بیکار گفتگو سے کیا فائدہ اپنے کام کی بات کرو پس تم تو اپنے میں سے ایک آدمی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو۔ پس وہ شخص وہاں جا کر دیکھے کہ کس دکاندار کے پاس پاکیزہ اور حلال کھانا ہے پھر اس سے وہ پاکیزہ اور حلال کھانا خرید کر تمہارے پاس لائے۔ پاکیزہ اور ستھرے کھانے سے مراد یہ ہے کہ وہ کھانا حلال اور طیب ہو جنوں کے نام پر ذبح کیا ہوا نہ ہو۔ کیونکہ بازار میں اکثر جنوں کے نام کا ذبیحہ بکتا تھا اس لیے خریدنے سے پہلے تحقیق کر لینا کہ یہ کھانا جنوں کے نام پر تو ذبح کیا ہوا نہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ کسی مسلمان سے غضب کیا ہوا نہ ہو اور آنے اور جانے اور کام کرنے میں لطافت اور ہوشیاری اور نرمی اور آہستگی کو ملحوظ رکھے اور شہر والوں میں سے کسی کو اپنی بابت شعور اور احساس بھی نہ ہونے دے کہ یہ کون شخص ہے یعنی کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے اہل شہر ہمارے حال سے آگاہ ہو جائیں کیونکہ اس میں ذرا شک نہیں کہ اگر وہ تم پر مطلع ہو جائیں تو وہ تم کو سنگسار کر دیں گے یا جبراً تم کو اپنے مذہب میں داخل کر لیں گے اور اگر خدا نخواستہ ایسا ہوا تو تم بھی فلاح نہ پاؤ گے اور کفر کی وجہ سے دائمی عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ جبراً اور اکراہ کی حالت میں اگر چہ زبان سے کلمہ کفر کہہ لینا جائز ہے لیکن بکثرت ایسا ہونا ہے کہ ابتداء میں جان بچانے کے لیے بادل نخواستہ زبان سے کفر کا کلمہ کہہ لیتا ہے مگر جب دن رات کافروں کے ڈر سے کفر کے اقوال و اعمال کرنے پڑتے ہیں تو رفتہ رفتہ دل سے کفر کی کراہت اور نفرت کم ہوتی جاتی ہے بالآخر دل کفر پر جم جاتا ہے۔

چنانچہ واقعات اس کے شاہد ہیں کہ ابتداء میں کوئی مسلمان کافروں کے دباؤ سے ان میں شامل ہو گیا اور دنیاوی مصالح اور منافع کے پیش نظر ان کے ساتھ ہو گیا۔ بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ انہی جیسا ہو گیا اللہم انی اسالک ایمانا لایرید: اور اگر بالفرض یہ شخص محض ظاہر کافروں کے ساتھ رہا اور دل سے ان سے متنفر رہا اور بیزار رہا تو اس طرح سے یہ شخص تو دنیا سے ایمان سلامت لے گیا لیکن آنے والی نسل تو ان کے ظاہر کا اتباع کرے گی اور ظاہر و باطناً ملت کفر میں داخل ہو جائے گی جیسا کہ آج کل بھارت میں فتنہ برپا ہے اللہ پناہ میں رکھے۔ اور جس طرح ہم نے اپنی کمال قدرت سے ان کو سلایا اور جگایا اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان کے حال پر مطلع فرمایا تاکہ لوگ اس واقعہ سے جان لیں اور یقین کر لیں کہ بے

شک اللہ کا وعدہ بعث اور حشر و نشر کے بارے میں بالکل صحیح اور درست ہے اس لیے کہ اتنے عرصہ دراز تک ان کا ہونا اور جاگنا مرنے اور قیامت کے دن اٹھنے سے بڑی مشابہت رکھتا ہے اور یقین کے ساتھ جان لیں کہ قیامت کے قائم ہونے میں ذرا شک نہیں وہ ضرور ہونے والی ہے۔ اور ہر شخص اپنے اس جسم کے ساتھ اٹھایا جائے گا اس زمانہ کے لوگوں کو قیامت کے بارے میں شک پیدا ہو گیا تھا کوئی اس کا انکار کرتا اور کوئی اس کا اقرار کرتا اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے واقعہ بیداری کو قیامت کی ایک نشانی بنایا کہ جو لوگ حشر کے منکر ہیں وہ جان لیں کہ جو خدا اصحاب کہف کی توفی اور قبض ارواح یعنی جان نکالنے کے بعد نیند کی حالت میں تین سو نو (۳۰۹) برس تک ان کے بدن کو زندہ بلا تغیر کے قائم اور محفوظ رکھے اور دوبارہ ان کے نفوس اور ارواح کو ان کے ابدان میں واپس کرنے پر قادر ہے وہی خدا ہزاراں ہزار سال کے بعد مردوں کی جان واپس کرنے پر اور دوبارہ ان میں روح ڈالنے اور زندہ کرنے پر قادر ہے۔

پیش قدرت کارہا دشوار نیست عجز را با قدرت حق کار نیست

خلاصہ کلام یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو اصحاب کہف کے اس حال سے اطلاع دی جب وہ آپس میں اپنے دین کے بارے میں جھگڑ رہے تھے کہ قیامت ہوگی یا نہیں بعض اس کو ثابت کرتے تھے اور بعض اس کے منکر تھے کہ اعادہ معدوم کا کیوں کر ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو ظاہر کر کے منکرین قیامت پر حجت قائم کر دی اور یہ ظاہر کر دیا کہ قیامت قائم ہوگی اور حشر روح اور جسم دونوں ہی کا ہوگا۔ خلاصہ کلام یہ کہ تنازع سے حشر و نشر اور قیامت کے بارے میں نزاع اور اختلاف مراد ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں ﴿اِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ﴾ میں نزاع سے غار کے بارے میں نزاع اور اختلاف مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب اصحاب کہف کا حال ظاہر ہو گیا تو لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ یہاں بطور یادگار کوئی عمارت بنا دینی چاہئے اور جو اہل ایمان تھے اور غالب تھے وہ یہ کہتے تھے اس جگہ کوئی عبادت خانہ بنا دینا چاہئے۔ جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد ہے پس جب اہل کہف کا حال ظاہر ہو گیا تو لوگ کہنے لگے کہ ان کے غار پر کوئی عمارت بنوادو اس عمارت سے مقصود یا تو یہ تھا کہ غار کا منہ بند ہو جائے اور ان کی لاشیں محفوظ ہو جائیں یا بطور نشانی ان کی یادگار قائم کرنا تھا۔ اس کے علاوہ وہ لوگ اصحاب کہف کے احوال کے بارے میں گفتگو کرتے رہے پھر جب کوئی تحقیقی بات معلوم نہ ہوئی تو تھک کر یہ کہا کہ ان کا پروردگار ہی ان کے صحیح حال کو خوب جاننے والا ہے غرض یہ کہ کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ بالآخر جو لوگ اپنی بات میں غالب رہے یعنی بیدروس اور اس کے اصحاب تو انہوں نے یہ کہا کہ ہم تو ان کے پاس ایک مسجد بنا لیں گے یعنی ایک عمارت خانہ بنا لیں گے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ خدائے وحدہ لا شریک لہ کے عبادت گزار بندے تھے معبود نہ تھے۔ موجد تھے مشرک نہ تھے اور ان کی عبادت کے مناسب بھی یہی ہے کہ ان کی بارگاہ میں مسجد یعنی عبادت خانہ بنا دیا جائے۔ قبروں کو سجدہ گاہ بنانا جائز اور حرام ہے اور قبروں کے قریب مسجد بنانا جائز ہے معاذ اللہ۔ مسجد بنانے سے یہ غرض نہ تھی کہ لوگ ان کی قبروں کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھا کریں بلکہ غرض یہ تھی کہ صالحین کے قرب و جوار میں ایک عبادت خانہ بنا دیا جائے تاکہ لوگ ان کی طرح عبادت کیا کریں اور وہاں نمازیں پڑھا کریں اور ان کے قرب سے برکت حاصل کریں اور جس طرح اہل کہف بعث و نشر اور قیامت کے قائل تھے اسی طرح لوگوں کو چاہئے کہ مسجد میں

کہ اللہ کی عبادت کریں اور آخرت کی تیاری کریں اہل کہف کے ظاہر ہونے پر مومنین غالب ہوئے جو حشر و نشر اور قیامت کے قائل تھے۔ اس لیے ان کی رائے یہ ہوئی کہ ان کی یاد میں مسجد نبوی جائے جو آخرت کا بازار ہے عبادت گزار بندوں کی یادگار میں ان کے قریب مسجد بنادینا مناسب ہے جس میں دن رات اللہ کی عبادت ہوتی رہے۔

### ذکر قول دیگر رد تفسیر آیت مذکورہ

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿اِذْ يَتَنَزَّلُ عَلَيْنَا نُورٌ مُّبِينٌ﴾ میں تنازع در بارہ حشر و نشر مراد نہیں بلکہ اصحاب کہف کی موت اور حیات کے بارے میں نزاع مراد ہے۔ امر ہم کی ضمیر اصحاب کہف کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب لوگ اصحاب کہف کے حال پر مطلع ہو گئے اور اصحاب کہف اپنے غار میں اپنی جگہ پر چلے گئے تو لوگوں میں اختلاف ہوا کہ اصحاب کہف وفات پا گئے یا حسب سابق دوبارہ سو گئے کسی نے کہا سو گئے اور کسی نے کہا وفات پا گئے اور اس بارے میں گفتگو کرتے رہے جب حقیقت حال منکشف نہ ہوئی تو تھک کر کہہ دیا ﴿وَرَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهٖم﴾ کہ خدا ہی کو ان کا صحیح حال معلوم ہے لہذا آیت میں تنازعہ سے یہ اختلاف مراد ہے کہ وہ غار میں جا کر دوبارہ سو گئے یا وفات پا گئے پھر اس نزاع سے فارغ ہوئے تو اس فکر میں پڑے کہ ان کی کوئی یادگار قائم کی جائے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بیداری کے بعد اصحاب کہف کے بارے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ وفات پا گئے اور مر کر فنا ہو گئے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ دوبارہ سو گئے اور ہنوز خواب استراحت میں ہیں اور ان کے اجسام محفوظ ہیں قیامت کے نزدیک جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اس وقت وہ بیدار ہوں گے اور غار سے نکلیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حج کریں گے اور امام مہدی علیہ السلام کے مددگار بنیں گے جیسا کہ ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے اور پھر قیامت سے پہلے ان کی موت آئے گی۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۳۸۸/۱۰)

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف حدیث تفسیر ابن مردویہ میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے واللہ اعلم۔ (دیکھو فتح الباری: ۳۶۵/۶)

بہر حال کسی حدیث سے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ اصحاب کہف اس واقعہ کے بعد زندہ رہے یا انتقال کر گئے اور انتقال کب ہوا اور اگر زندہ رہے تو کب تک رہے اور کب تک رہیں گے واللہ اعلم۔ نیز یہ امر بھی اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اصحاب کہف کسی نبی کی شریعت کے متبع تھے بعض کہتے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب بادشاہ کو اصحاب کہف کا حال معلوم ہوا تو ارکان دولت کو ساتھ لے کر غار پر پہنچا پہلے وہ شخص غار کے اندر گھسا جو کھانا لے کر آیا تھا مگر پھر اندر سے باہر واپس نہ آیا۔ بادشاہ نے بہت کوشش کی کہ اندر جا کر تلاش کرے مگر قضاء و قدر نے راستہ بھلا دیا اور کوئی اندر نہ جاسکا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ مع ساتھیوں کے اندر داخل ہوا اور غار والوں سے جا کر ملا اور ان کو گلے لگایا اور باہر آنے کے بعد اس غار کا منہ بند کر دیا اور بطور یادگار وہاں ایک مسجد تعمیر کرادی۔





سِنِينَ وَاَزْدَادُوا تِسْعًا ﴿۱۵﴾ قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا ۗ لَهُ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ

تین سو برس اور ان کے اوپر نو قاف تو کہہ اللہ خوب جانتا ہے جتنی مدت ان پر گزری اسی کے پاس ہیں چھپے بھید آسمانوں اور زمین کے۔ تین سو برس اور اوپر سے نو۔ تو کہہ، اللہ خوب جانتا ہے جتنی مدت وہ رہے۔ اسی پاس ہیں چھپے بھید آسمان اور زمین کے۔

اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۗ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۙ اَحَدًا ﴿۱۶﴾

کیا عجیب دیکھتا اور سنتا ہے قاف کوئی نہیں بندوں پر اس کے سوائے مختار اور نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو قاف جب دیکھ سنتا ہے۔ کوئی نہیں بندوں پر اس کے سوا مختار۔ اور نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو۔

### ذکر اختلاف اہل کتاب در بارہ شمار اصحاب کہف

قَالَ الْعَجَلَانِ: ﴿سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّاٰهُمْ... اِلَى... وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۙ اَحَدًا﴾

گزشتہ آیات میں لوگوں کے نزاع اور اختلاف کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں لوگوں کے دوسرے نزاع کو بیان کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ اہل کتاب جو علم کے مدعی ہیں اور بطور امتحان آپ ﷺ سے سوال کرتے ہیں وہ خود اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں مختلف ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

عنقریب اہل کتاب یہ قصہ سن کر ان کی تعداد کے بیان کرنے میں اختلاف کریں گے بعض تو یہ کہیں گے کہ وہ تین آدمی تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا اور بعض یہ کہیں گے کہ وہ پانچ آدمی تھے چھٹا ان کا کتا تھا اور یہ دونوں گروہ بے تحقیق باتیں کر رہے ہیں جیسے غائبانہ چیز پر بے دیکھے پتھر پھینکنا بے کار ہے۔ اسی طرح یہ دونوں قول انکل بچو اور ناقابل اعتبار ہیں۔ انکل کے تیر چلا رہے ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ سات آدمی تھے آٹھواں ان کا کتا تھا۔ اے نبی ﷺ آپ ان اختلاف کرنے والوں سے کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار ان کی شمار کو خوب جانتا ہے کہ ان اقوال میں سے کون سا قول صحیح ہے یا سب غلط ہیں = تک نہ آئے حضرت سلی اللہ علیہ وسلم نہایت غمگین ہوئے۔ مشرکین نے ہنسنا شروع کیا۔ آخر یہ قصہ لے کر آئے اور پچھے نصیحت کی کہ آئندہ کی بات کے متعلق بغیر "ان شاء اللہ" کے وعدہ نہ کرنا چاہیے۔ اگر ایک وقت بھول جائے تو پھر یاد کر کے کہہ لے۔ اور فرمایا کہ امید رکھ کہ تیرا درجہ اللہ اس سے زیادہ کرے یعنی کبھی نہ بھولے (موضح القرآن) یا اصحاب کہف کے واقعہ سے زیادہ عجیب طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرماتے اور کامیاب کرے جیسا کہ فارث کے قصہ میں ہوا۔ یا واقعہ کہف سے زیادہ عجیب واقعات و شواہد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بیان کرائے۔

قاف یعنی شمسی حساب سے پورے تین سو سال کھوہ میں سوتے رہے اور قمری حساب سے نو سال زیادہ ہوئے (مہینوں اور دنوں کی کم و زائد محسوب نہیں کی گئیں) یا تین سو سال کے بعد ممکن ہے قدرے نیند سے چونکے ہوں پھر سو گئے اور نو سال تک سوتے رہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ تین سو نو سال جاننے کے بعد سے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک کی مدت بیان نرمانی۔ یعنی لوگوں سے مل ملا کر پھر سو رہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک اتنا عمر گزارا واللہ اعلم۔ (لطیفہ) ہمارے زمانہ میں سو برس زیٹوان میں ایک شخص دو سو باون سال کی عمر رکھتا ہے۔ چوبیسویں شادی ابھی مال میں کی ہے۔

قاف جتنی مدت سو کر رہا گیا تھے، تاریخ والے کئی طرح بتاتے تھے۔ سب سے ٹھیک وہ ہی ہے جو اللہ بتائے۔ آسمان و زمین کے تمام پوشیدہ راز اس کے علم میں ہیں۔ کوئی چیز اس کی آنکھ سے اوجھل نہیں۔

قاف یعنی جس طرح اس کا علم محیط ہے، اس کی قدرت و اختیار بھی سب پر حاوی ہے۔ جیسے غیب و سموات و ارض کے علم میں اس کا کوئی شریک نہیں، اختیارات و قدرت میں بھی کوئی سہم و شریک نہیں ہو سکتا۔

ان کی شمار کو بہت تھوڑے آدمی جانتے ہیں کیونکہ ان کی تعین سے کوئی امر شرعی متعلق نہ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے آیت میں اس اختلاف کے متعلق کوئی صریح فیصلہ نہیں فرمایا مگر آیت سے بطور اشارہ یہ مفہوم ہوتا ہے کہ من وجہ تیسرا قول قدرے صحیح ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تیسرے قول کو نقل کر کے اس کا رد نہیں فرمایا بلکہ اس پر سکوت فرمایا۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں بھی ان بعض میں سے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ فرمایا۔

پس اگر یہ لوگ اپنے اختلاف سے باز نہ آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں اہل کتاب سے بحث نہ کیجئے مگر سرسری طور اس لیے کہ اول تو تعین عدد پر کوئی دلیل نہیں اور اگر بالفرض معلوم بھی ہو جائے تو کوئی متعدد یہ فائدہ بھی نہیں اور ان کے متعلق اہل کتاب میں سے کچھ پوچھئے بھی نہیں جس قدر ضروری تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے بتلادیا اور غیر ضروری امر کی تحقیق میں پڑنا بے کار ہے بے کار چیزوں میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔

شان نزول:..... مشرکین مکہ نے یہود کے سکھانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب کہف کا قصہ دریافت کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کل اس کا جواب دوں گا اور ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا کہ جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئیں گے نزول وحی کے بعد میں ان کو بتلا دوں گا۔ جبرئیل امین علیہ السلام پندرہ دن تک نہ آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت غمگین ہوئے تب یہ مفصل قصہ نازل ہوا اور اخیر میں یہ آیت اتری آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سے کوئی وعدہ کیا کریں تو ان شاء اللہ ضرور کہہ لیا کریں۔

جن کو رہتے ہیں سو ان کو سو مشکل ہے

اتنی سی بھول پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمبیہ آئی چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کے متعلق ہرگز نہ کہا کیجئے کہ میں اس کام کو کل کروں گا مگر اس شرط کے ساتھ کہ اگر خدا نے چاہا تو کروں گا بغیر اس کی مشیت کے کچھ نہیں کر سکتا اس لیے کہ بندہ اپنے ارادہ اور اختیار میں مستقل نہیں بندہ کا اختیار اور بندہ کی قدرت، اللہ کی قدرت اور مشیت اور اختیار کے تحت ہے نہ اس کے برابر ہے نہ اس کے اوپر ہے نیز بندہ کو خبر نہیں کہ کل آئندہ کیا ہوگا معلوم نہیں کہ کل تک زندہ بھی رہے گا اور اگر زندہ بھی ہو تو معلوم نہیں کہ اس کام کو بھی کر سکے یا نہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ”ان شاء اللہ“ کہے اور جب ان شاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جب یاد آئے خواہ ایک سال کے بعد تو ان شاء اللہ کہہ کر اپنے پروردگار کو یاد کر لیا کرو تا کہ گزشتہ غفلت اور بھول چوک کی تلافی ہو جائے اور یہ مطلب نہیں کہ اگر طلاق دینے کے ایک سال بعد بھی ان شاء اللہ کہو گے تو طلاق واقع نہ ہوگی اس لیے کہ اس حکم سے عقود اور معاملات کا مسئلہ بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اللہ کے نام کی برکت اور اس کی مشیت پر نظر رکھنے کا مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے۔

### مقام اصحاب کہف

اصحاب کہف کا مقام متعین کرنے کے بارے میں حضرات مفسرین کرام رضی اللہ عنہم نے متعدد اقوال نقل کیے ہیں بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ غار بلاد روم کے کسی پہاڑ کے اندر واقع ہے اور بعض کہتے ہیں کہ بلاد موصل میں نینوی کے قریب کہتے ہیں کہ وہ ایلہ کے قریب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بلقاء کے شہروں میں کسی جگہ ہے۔ حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم

کو اس غار کا پتہ نہیں بتلایا کہ وہ کس ملک اور کس زمین اور کس شہر میں ہے کیونکہ اس سے ہمارا کوئی دینی اور دنیوی فائدہ متعلق نہیں شاید اس کے انخفاء میں اللہ کی کوئی حکمت اور مصلحت ہو اگر اس کے بتلانے میں ہماری کوئی دینی یا دنیوی مصلحت اور منفعت ہوتی تو اللہ اور اس کا رسول ہم کو ضرور خبر دیتے کہ وہ غار کہاں واقع ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس غار کی صفت اور حالت کی تو خبر دے دی مگر اس کے مقام اور مکان کی خبر نہیں دی۔ لہذا ہمیں اس کے درپے نہ ہونا چاہئے اور بعض مفسرین نے تکلف کیا اور اس بارے میں کچھ اقوال ذکر کیے جیسا کہ ابھی گزرے وہ سب تکلف ہیں واللہ اعلم۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۷۵/۳)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح ہو کہ اصحاب کہف کا مقام اور ان کی جگہ معلوم نہیں کہ کہاں واقع ہے اس لئے کہ یہ بات عقل سے تو معلوم نہیں ہو سکتی کہ فلاں شخص کا مقام فلاں جگہ پر ہے اور اس کا مشاہدہ اور معائنہ بھی ممکن نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ اس غار پر مخائب اللہ ایک رعب اور جلال ایسا ہے کہ ہیبت کے مارے کوئی اس غار کے اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ حق تعالیٰ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے ﴿لَوْ اَظْلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتُمْ مِنْهُمْ فِرَارًا وَ لَلَّيْتُمْ مِنْهُمْ رُعْبًا﴾ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو جھانک کر دیکھیں تو ہیبت کے مارے پشت پھر کر بھاگیں اور ان کی طرف سے خوف اور دہشت سے بھر جائیں پس جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیبت اور جلال کی وجہ سے اس غار میں داخل نہیں ہو سکے تو اور کس کی مجال ہے کہ وہ اس غار میں داخل ہو سکے لہذا جو شخص یہ کہے کہ میں یا فلاں شخص اصحاب کہف کو غار میں دیکھ کر آیا ہوں تو یہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غار وہ غار نہیں جس کی حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں خبر دی کیونکہ جب اس غار میں جھانکنا ممکن نہیں تو داخل ہونا کیسے ممکن ہوگا۔ غرض یہ کہ عقل اور مشاہدہ سے اس غار کو معلوم کرنا ناممکن ہے اور حق تعالیٰ نے اس غار کے مقام اور مکان کا کوئی پتہ نہیں دیا لہذا ثابت ہوا کہ اصحاب کہف کے مقام اور مکان کے علم کی کوئی راہ نہیں نہ عقل سے اور نہ مشاہدہ سے اس بارے میں کوئی نص قرآنی اور ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں جس سے اس غار کا مقام معلوم ہو سکے تو اس کے علم کو اللہ کے حوالہ کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔ (دیکھو تفسیر <sup>۱</sup> کبیر: ۴۹۴/۵)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ اے قریش! تم اصحاب کہف کے قصہ سے تعجب نہ کرو مجھے خدا تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ میری اس امر کی طرف راہنمائی کرے جو رشد اور صواب کے اعتبار سے اصحاب کہف کے قصہ سے بھی زیادہ عجیب و غریب ہو اور میری نبوت کی قریب ترین دلیل ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ امید سے بڑھ کر اصحاب کہف کے قصہ سے زیادہ واضح دلائل نبوت اور براہین رسالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے۔ کیونکہ اصحاب کہف اور زوالقرنین کا قصہ جس کا انہوں نے سوال کیا تھا وہ اس اعتبار سے آپ کی نبوت کی دلیل تھا کہ وہ غیب کی خبروں میں سے ایک خبر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے قصہ سے

۱ امام رازی مقام غار کے بارہ میں مختلف اقوال نقل کر کے لکھتے ہیں:

ثم قال القفال والذي عندنا لا يعرف ذلك الموضوع موضع اصحاب الكهف او موضع آخر والذي اخبرنا الله عنه وجب القطع به ولا عبرة بقول اهل الروم ان ذلك الموضوع هو موضع اصحاب الكهف واقول العلم بذلك الزمان وبذلك المكان ليس للعقل فيه مجال وانما يستفاد ذلك من نص وذلك مفقود فثبت انه لا سبيل اليه اهـ (تفسیر کبیر: ۴۹۴/۵)

بڑھ کر اور بہت سی غیبی خبریں جن کا زمانہ اصحاب کہف سے بھی زیادہ قدیم ہے وہ اور آئندہ ہونے والی باتیں آپ ﷺ کو بذریعہ بتلائیں اور آپ ﷺ نے ان غیبی خبروں کو لوگوں کے سامنے بیان کیا جو اصحاب کہف کے قصہ سے کہیں بڑھ کر ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا﴾۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب قریش کو اصحاب کہف کا قصہ سن کر تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ ان مشرکوں سے یہ کہو کہ میری نبوت کا ثبوت کچھ اس قصہ پر منحصر نہیں مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ اس بڑھ کر مجھ کو نبوت کا ثبوت عطا کرے گا تم نے یہ قصہ میرے امتحان کے لئے پوچھا تھا کہ اگر یہ سچے پیغمبر ہیں تو اس قصہ کو بیان کر دیں گے ورنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اگر یہ لوگ اس کے علاوہ کسی اور شے کا آپ ﷺ سے سوال کریں گے جو آپ ﷺ کو معلوم نہ ہوگی تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اس سے بڑھ کر آپ ﷺ کو بتلا دے گا۔ آیت کی یہ تفسیر جان محمد سے منقول ہے۔

یہ معنی ہیں کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نصیحت فرمائی کہ اگلی بات کی بابت بغیر ان شاء اللہ کہے وعدہ نہ کیا کریں اور اگر کسی وقت بھول جائیں تو جب یاد آئے ان شاء اللہ کہہ لیا کریں اور فرمایا کہ آپ ﷺ امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کا درجہ اس سے بھی زیادہ کرے یعنی آپ ﷺ کبھی نہ بھولیں اور آئندہ کبھی بھولنے کا موقع نہ آئے۔ (ماخوذ از موضح القرآن)

یہ معنی ہیں کہ جب کسی چیز کو بھول جایا کرو تو اللہ کو یاد کرو اور یہ کہہ لیا کرو ﴿عَسَىٰ أَنْ يَهْدِيَنَا رَبِّي لِقُرْبٍ مِنْ هَذَا﴾ یعنی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بھولی ہوئی چیز کے بدلہ میں اس سے زیادہ بہتر اور نافع چیز عطا فرمائیں اور عجب نہیں کہ یہ نسیان ہی میرے حق میں بہتر ہو کما قال تعالیٰ ﴿أَوْ نُنسِئَهَا نِائِبٍ يَخْتَارُ﴾ علامہ زحشری فرماتے ہیں کہ یہ معنی ظاہری سیاق کے زیادہ مطابق معلوم ہوتے ہیں۔

پھر اس تشبیہ کے بعد اصحاب کہف کے متعلق ایک بات بیان کر کے قصہ کو ختم فرماتے ہیں اور یہ لوگ جو آپ ﷺ سے اصحاب کہف کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کتنی مدت غار میں رہے تو آپ ﷺ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ اصحاب کہف اپنی غار میں تین سو برس رہے اور ان تین سو برس کے علاوہ نو برس اور زیادہ ہیں اس کے بعد وہ خواب سے جگائے اور اٹھائے گئے اور آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ پوری طرح اللہ ہی کو خوب معلوم ہے۔ جتنی مدت وہ غار میں ٹھہرے اسی کو تمام آسمانوں اور زمین کا علم غیب ہے اس پر کہف کا حال کیسے مخفی رہ سکتا ہے عجیب دیکھنے والا اور عجیب سننے والا ہے ظاہر و باطن قریب اور بعید سب اس کے سامنے یکساں ہے آسمان اور زمین والوں کا اس کے سوا کوئی مددگار نہیں اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا اس لیے لازم ہے کہ کوئی اس کے غیب میں دخل نہ دے اور جتنی بات اس نے بتلا دی ہے اس پر اکتفاء کرے اور اپنی طرف سے کوئی بات رجماً بالغیب نہ کہے۔

وَأْتِلْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۖ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۗ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُونِهِ

اور پڑھ جو وحی ہوئی تجھ کو تیرے رب کی کتاب سے کوئی بدلنے والا نہیں اس کی باتیں اور کہیں نہ پائے گا تو اس کے سوائے اور پڑھ جو وحی ہوئی تجھ کو، تیرے رب سے اس کی کتاب کو۔ کوئی بدلنے والا نہیں اس کی باتیں اور کہیں نہ پادے گا تو اس کے سوا

مُلْتَحِدًا ﴿۱۵﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِینَ یَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدُوَّةِ وَالْعَشیِّ ۚ یُرِیدُونَ

چھپنے کو جگہ فل اور روکے رکھ اپنے آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام طالب ہیں اس کے چھپنے کو جگہ۔ اور تھام رکھ آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام، طالب ہیں اس کے

وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَیْنُکَ عَنْهُمْ ؕ تُرِیدُ زِینَةَ الْحَیْوَةِ الدُّنْیَا ؕ وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا

منہ کے فل اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں ان کو چھوڑ کر تلاش میں رونق زندگانی دنیا کی فل اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے منہ کے، اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں ان کو چھوڑ کر تلاش میں رونق دنیا کی زندگی کی۔ اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے

قَلْبَهُ عَنِ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ﴿۱۶﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّکُمْ ؕ فَمَنْ شَاءَ

اپنی یاد سے اور پیچھے پڑا ہوا ہے اپنی خوشی کے اور اس کا کام ہے حد پر نہ رہنا قیام اور کہہ سچی بات ہے تمہارے رب کی طرف سے پھر جو کوئی چاہے اپنی یاد سے، اور پیچھے لگا ہے اپنی چاؤ کے، اور اس کا کام ہے حد پر نہ رہنا۔ اور کہہ، سچی بات ہے تمہارے رب کی طرف سے، پھر جو کوئی چاہے

فل پہلے اصحاب کہف کے قصہ پر فرمایا تھا ﴿فَلَا تَحْتَسِبُ الْمُنَافِقِينَ أَلَّا یُرَآءُوا ظَاهِرًا ۖ وَلَا یَسْتَفْتِیْ فِیْهِمْ مَنِہُمْ أَحَدًا﴾ مطلب یہ ہے کہ بیکار چیزوں میں زیادہ الجھنے اور کاوش کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرض منصبی کی انجام دہی میں مشغول رہیے۔ یعنی جو جامع و مانع اور کافی و دشانی کتاب تیرے رب نے مرحمت فرمائی اسے پڑھ کر سنا تے رہیے۔ خدا نے جو باتیں اس میں سنائیں اور جو وعدے کیے کوئی طاقت نہیں جو انہیں بدل یا نال سکے یا غلط ثابت کر سکے۔ اگر کوئی ان باتوں کو بدلنے کے درپے ہو گیا اس کتاب کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرے گا وہ خوب سمجھ لے کہ خدا کے مجرم کے لیے نہیں پناہ نہیں۔ ہاں وفاداروں کو پناہ دینے کے لیے اس کی رحمت وسیع ہے۔ دیکھ لو "اصحاب کہف" کو جو خدا کی باتوں پر سچے رہے کسی اچھی جگہ اپنے فضل سے عنایت فرمائی۔

فل یعنی اس کے دیدار اور خوشنودی حاصل کرنے کے شوق میں نہایت اخلاص کے ساتھ دامن عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ مثلاً ذکر کرتے ہیں، قرآن پڑھتے ہیں، نمازوں پر مداومت رکھتے ہیں، حلال و حرام میں تمیز کرتے ہیں، خالق و مخلوق دونوں کے حقوق پہچانتے ہیں گو دنیاوی حیثیت سے معزز اور مالدار نہیں۔ جیسے صحابہ میں اس وقت عمار، مہیب، بلال، ابن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم تھے۔ ایسے مومنین مخلصین کو اپنی صحبت و مجالست سے مستفید کرتے رہیے۔ اور کسی کے کہنے سننے پر ان کو اپنی مجلس سے علیحدہ نہ کیجئے۔

فل یعنی ان غریب شکت حال مخلصین کو چھوڑ کر موٹے موٹے منکر دنیا داروں کی طرف اس غرض سے نظر نہ اٹھائیے کہ ان کے مسلمان ہو جانے سے دین اسلام کو بڑی رونق ہوگی۔ اسلام کی اصلی عورت و رونق مادی خوشحالی اور چاندی سونے کے سکوں سے نہیں مضبوط ایمان و تقویٰ اور اعلیٰ درجہ کی خوش اخلاقی سے ہے۔ دنیا کی ٹیپ ٹاپ محض فانی اور سایہ کی طرح دھلنے والی ہے، حقیقی دولت تقویٰ اور تعلق مع اللہ کی ہے جسے نہ شکست ہے، نہ زوال، چنانچہ اصحاب کہف کے واقعہ میں خدا کو یاد کرنے والوں اور دنیا کے طالبوں کا انجام معلوم ہو چکا۔

فل یعنی جن کے دل دنیا کے نشہ میں مست ہو کر خدا کی یاد سے غافل اور ہر وقت نفس کی خوشی اور خواہش کی پیروی میں مشغول رہتے ہیں، خدا کی اطاعت میں پیچھے اور ہوا پرستی میں آگے رہنا ان کا شیوہ ہے، ایسے بدست ناطلوں کی بات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کان نہ دھریں خواہ وہ ظاہر کیسے ہی دولت مند اور جاہ و ثروت والے ہوں۔ روایات میں ہے کہ بعض مسند اید قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ان رذیلوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیجئے تاکہ سردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ سکیں۔ رذیل کہا غریب مسلمانوں کو اور سردار دولت مند کافروں کو۔ ممکن ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں یہ خیال گزرا ہو کہ ان غریب کو تھوڑی دیر علیحدہ کر دینے میں کیا مضائقہ ہے۔ وہ تو بچے مسلمان ہیں مصلحت پر نظر کر کے رنجیدہ نہ ہوں گے اور یہ دولت مند اس صورت میں اسلام قبول کر لیں گے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز ان منکرین کا کہنا نہ مانے کیونکہ یہ نہ ہود و فرمائش ہی ظاہر کرتی ہے کہ ان میں حقیقی ایمان کارنگ قبول کرنے کی استعداد نہیں۔ پھر محض موبہوم فائدہ کی خاطر مخلصین کا احترام کیوں نظر انداز کیا جائے۔ نیز امیروں اور غریبوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرنے سے احتمال ہے کہ عام لوگوں کے قلوب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے معاذ ان نعمت اور بگمائی پیدا ہو جائے جس کا ضرر اس ضرر سے کہیں زائد ہو گا جو ان چند منکرین کے اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں تصور کیا جا سکتا ہے۔

فَلْيُؤْمِنُ مَنِ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ ۗ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا ۗ اِلَّا اَحَاطَ بِهُمْ سُرَادِقُهَا ۗ

مانے اور جو کوئی چاہے نہ مانے فلا ہم نے تیار کر رکھی ہے گناہ گاروں کے واسطے آگ کہ گھیر رہی ہیں ان کو اس کی قاتیں فلا مانے اور جو کوئی چاہے نہ مانے۔ ہم نے رکھی ہے گناہ گاروں کے واسطے آگ، جو گھیر رہی ہیں ان کو اس کی قاتیں۔

وَ اِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهُ ۗ ط ۗ بِئْسَ الشَّرَابُ ۗ ط ۗ وَسَاءَتْ

اور اگر فریاد کریں گے تو ملے گا پانی جیسے پیپ بھون ڈالے منہ کو کیا برا پینا ہے اور کیا اور اگر فریاد کریں گے تو ملے گا پانی جیسا پیپ، بھون ڈالے منہ کو، کیا برا پینا ہے اور کیا

مُرْتَفَقًا ۗ ۱۹ ۗ اِنَّ الدِّينَ اَمْنٌ وَّ عَمَلٌ وَّ الصَّلٰحَةُ اِنَّا لَا نُضِيعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۗ ۲۰

برا آرام فلا بیک جو لوگ یقین لائے اور کیں نیکیاں ہم نہیں کھوتے بدلہ اس کا جس نے بھلا کیا کام فلا برا آرام۔ جو لوگ یقین لائے اور کیں نیکیاں، ہم نہیں کھوتے ٹیگ اس کا، جس نے بھلا کیا کام۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنَّتٌ عَدْنٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهَارُ يُجَلَّلُونَ فِيهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ

ایسوں کے واسطے باغ ہیں بسنے کے بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں پہنائے جائیں گے ان کو وہاں کنگن سونے کے فلا ایسوں کو باغ ہیں بسنے کے، بہتی ان کے نیچے نہریں، پہنائے ہیں ان کو وہاں کچھ کنگن سونے کے

وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُندُسٍ وَّ اَسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِنِينَ فِيهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ط ۗ نِعْمَ

اور پہنیں گے کپڑے سبز باریک اور گاڑھے ریشم کے فلا تکیہ لگائے ہوئے ان میں تختوں پر کیا خوب اور پہنتے ہیں کپڑے سبز پتلے اور گاڑھے ریشم کے، لگے بیٹھے ہیں ان میں تختوں پر۔ کیا خوب

فلا یعنی خدا کی طرف سے بھی باتیں سادی گئیں کسی کے ماننے دمانے کی اسے کچھ پروا نہیں۔ جو کچھ نفع نقصان ہوگا تمہارا ہوگا۔ ماننے اور نہ ماننے والے دونوں اپنا اپنا انجام سوچ لیں جو آگے بیان کیا جاتا ہے۔ دنیا کی جہل پہل محض ہیج اور فانی ہے۔ اس کا لطف جب ہی ہے کہ فلاح آخرت کا ذریعہ بنے۔ وہاں محض دنیا کا تمول کام نہ دے گا۔ بلکہ جو یہاں شکستہ حال تھے بہت سے وہاں عیش و آرام میں ہوں گے۔

۲۰ وہ قاتیں بھی آگ کی ہوں گی۔

۲۱ یعنی گرمی کی شدت سے پیاس لگے گی تو العطش پکاریں گے۔ جب تیل کی چمچٹ یا پیپ کی طرح کا پانی دیا جائے گا جو سخت حرارت اور تیزی کی وجہ سے منہ کو بھون ڈالے گا۔

۲۲ یعنی ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی بھی کم نہ ہوگی۔ پورا بدلہ دیا جائے گا۔

۲۳ تاکہ دکھلا دیا جائے کہ اصلی اور دائمی دولت مند کون لوگ ہیں۔ کنگن یا ریشمی کپڑوں اور اسی طرح جنت کی تمام نعمتوں کی خاص کیفیت کو ہم دنیا میں نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ ہماری محسوسات میں اس موطن کی کوئی پوری مثال موجود نہیں۔

۲۴ شاید ابراہام ایک ریشم کا اور استردیز ریشم کا ہو۔ کما یفہم من قولہ تعالیٰ ﴿مُتَّكِنِينَ عَلَى فُرُشٍ بَطَّالِيهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ﴾ یا دونوں قسمیں الگ الگ استعمال کی جائیں۔ واللہ اعلم۔ موضح القرآن میں ہے۔ "حضرت نے فرمایا سونا اور ریشمی کپڑا مردوں کو ملنا ہے بہت میں۔ جو کوئی یہاں یہ چیز پہنے وہاں نہ پہنے گا۔"

## الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾

بدلہ ہے اور کیا خوب آرام فرما

بدلہ ہے اور کیا خوب آرام۔

### حکم تلاوت قرآن و مدارات درویشان و خرقہ پوشان

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿وَأَوَّلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ... إِلَى... وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا﴾

رہلہ:..... شروع سورت میں نزول کتاب کی نعمت کو بیان فرمایا اور اس کے بعد دنیا کے فناء و زوال کو بیان کیا پھر اس کے بعد اصحاب کہف کا قصہ بیان کیا جنہوں نے دنیا پر لات ماری اور مضبوطی کے ساتھ حق پر قائم رہے بالآخر کامیاب ہوئے اور ظالم اور متکبر دنیا سے رخصت ہوئے اب اصحاب کہف کے قصہ کے بعد پھر اس قرآن کی تلاوت کا حکم دیتے ہیں جس میں دشمنان اسلام کے سوالات کے جوابات نازل ہوئے۔ جس سے آنحضرت ﷺ کی نبوت ثابت ہوئی اور پھر اصحاب کہف جیسے درویشان اسلام اور اہل خرقہ یعنی گدڑی اور کبیل پوشوں کی مجالست اور مدارات اور خاطر داری کا حکم دیتے ہیں اور نبی ﷺ کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ عمار رضی اللہ عنہ اور سلمان رضی اللہ عنہ اور صہیب رضی اللہ عنہ اور بلال رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے درویشوں کو جو زہد و قناعت اور صبر اور استقامت میں اصحاب کہف کا نمونہ ہیں ان پر خاص نظر عنایت رکھئے اور اہل دنیا اور مالداروں کے کہنے سے ان درویشوں کو اپنی مجلس سے علیحدہ نہ کیجئے اور جو لوگ اپنے مال و دولت پر فخر کرتے ہیں ان کی پروا نہ کیجئے چاہے ایمان لائیں یا نہ لائیں ان اہل دنیا کی طرف التفات نہ کیجئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں کہ ان آیات میں پہلے تلاوت قرآن کا حکم دیا بعد ازاں ان لوگوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا جو رضائے الہی کے طالب ہوتے ہیں اور صبح و شام عبادت الہی میں مشغول رہتے ہیں اور ایسے لوگوں سے منہ موڑنے کی ممانعت فرمائی اور اہل غفلت سے احتراز اور کنارہ کشی کا حکم دیا اور اس آیت میں جس جماعت کی مجالست اور مصاحبت رکھنے کا حکم دیا گیا وہ مہاجرین اولین تھے جو کثرت عبادت و اطاعت کے ساتھ موصوف تھے اور خواہ ابتداء ہی سے وہ فقیر تھے یا اپنا مال و متاع راہ خدا میں خرچ کر کے تنگ دست ہو گئے تھے۔ یہ ان کا عظیم وصف تھا و ہذا ہوا المقصور۔

کفار یہ کہتے تھے کہ اگر آپ ﷺ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کی بات کو سنیں اور آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں تو جب ہم آپ ﷺ کے پاس آیا کریں تو آپ ﷺ ان فقراء مسلمین کو اپنے پاس سے ہٹا دیا کریں ہمارا اور ان کا مل کر بیٹھنا ہماری شان کے خلاف ہے ان کے جبوں اور کپڑوں سے بو آتی ہے یہ لوگ ہمارے برابر کے نہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی اور آپ ﷺ کو ان کی درخواست قبول کرنے سے منع کر دیا۔ اور آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ ان متکبرین اور معزورین کی بات کی طرف توجہ اور التفات نہ کریں اور ان درویشان اسلام کی صحبت اور مجالست کو برقرار رکھیں اور ان سے

فر یعنی مسہریوں پر تکیہ لگائے نہایت عورت و آرام سے بیٹھے ہوں گے۔



اپنی نظر التفات نہ ہٹائیں یہ درویشان اسلام صبح و شام اللہ کی ذکر اور دعا میں مشغول ہیں اور ہمارے مخلص بندے ہیں اور اصحاب کہف نمونہ ہیں ان اہل غفلت کے کہنے سے آپ ﷺ ان فقراء مومنین کو اپنے پاس سے نہ ہٹائیں اور نہ اٹھائیں ان متکبرین کو یہ گوارہ نہ تھا کہ کوئی ان کے برابر بیٹھ سکے اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ ان کی یہ درخواست قابل منظوری نہیں اصل عزت والے یہ فقراء صادقین ہیں اور یہ مغرورین اور متکبرین اللہ کے نزدیک چھڑکے پر کے برابر بھی نہیں اور اسی مضمون کی ایک آیت سورت انعام میں گزر چکی ہے ﴿وَلَا تَنْظُرُوا الَّذِينَ يُدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدُوَّةِ وَالْعَشْوِ﴾ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ تک یہی مضمون چلا گیا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ﷺ! آپ ﷺ اپنے پروردگار کی اس کتاب کو جو بذریعہ وحی آپ ﷺ کے پاس بھیجی گئی ہے اس کو پڑھتے رہئے خود بھی پڑھئے اور دوسروں کو بھی سنائیے اور لوگوں تک اس کو پہنچائیے یہی آپ ﷺ کی نبوت کی کافی اور شافی دلیل ہے اور یہ خیال نہ کیجئے کہ ان دولت مندوں کے اسلام میں داخل ہو جانے سے اسلام کو ترقی ہوگی ان پر دین کی ترقی کا دارومدار نہیں اس دین کی ترقی کے ہم ذمہ دار ہیں۔ ہم آپ ﷺ سے وعدہ کر چکے ہیں اللہ کی باتوں کو یعنی اس کے وعدوں کو کوئی بدلنے والا نہیں خدا کے تمام وعدے اور تمام پیشین گوئیاں پوری ہو کر رہیں گی کسی کی موافقت یا مخالفت وعدہ الہی پر اثر انداز نہیں ہو سکتی یا یہ معنی کہ کافروں کے اس قول کی پروا نہ کیجئے جو یہ کہتے ہیں ﴿اِنَّتِ بِهٰذَا لَنْ تَغَيِّرَ هٰذَا اَوْ يَدْبِرُوْهُ﴾ یعنی اس قرآن کے سوا دوسرا قرآن لاؤ جس میں بتوں کی مذمت اور شرک کا رد نہ ہو یا اس میں کچھ رد و بدل کر دو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کے کلمات میں کوئی تغیر و تبدل ممکن نہیں اور بجز ذات خداوندی کے آپ ﷺ کوئی پناہ نہ پائیں گے اس کے سوا کوئی پناہ دینے والا نہیں۔

شروع سورت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ زمین کی چیزیں اور تمام اسباب تجمل فقط دنیا کی زینت ہیں نہ کہ آخرت کی اور دنیا کی زینت فانی اور سرلیج الزوال ہے اس سے دل بستگی نہ چاہئے عاقل کا کام دار آخرت کی فکر ہے اس کے بعد اصحاب کہف کا قصہ ذکر فرمایا کہ جو شاہی خاندان کے افراد تھے اور محلوں کے رہنے والے تھے دنیا کی زینت کو چھوڑ کر اپنے دین کو لے کر بھاگ نکلے اور غار میں جا چھپے اب اس کے بعد اشرف مکہ کے متعلق ایک ہدایت فرماتے ہیں رؤساء مکہ دنیا کی زینت پر فریفتہ تھے اور اسباب دنیا کے غرور میں ان کو فقراء مسلمین کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھنا ناگوار تھا اس لیے ان رؤساء نے آنحضرت ﷺ سے یہ درخواست کی کہ جس وقت ہم آپ ﷺ کے پاس آیا کریں اس وقت یہ لوگ آپ ﷺ کے پاس نہ آیا کریں۔ آپ ﷺ ہمارے لئے علیحدہ مجلس رکھئے اور ان درویشوں کو اس مجلس میں ہمارے ساتھ شریک نہ کیجئے یہ لوگ صوف کے جبے پہنے رہتے ہیں اور میں ان کو پسینہ آتا ہے اور اس سے بدبو آتی ہے اور ہم شرفاء اور سادات حفر ہیں اگر ہم اسلام لے آئے تو ہماری تقلید میں سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔ غرض یہ کہ سرداران قریش نے ان جبہ پوشوں اور کھلبلی والوں کے پاس اور ان کے ساتھ بیٹھنا کسر شان سمجھا ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس وقت یہ خیال آیا ہو کہ اگر تھوڑی دیر کے لیے غرباء کو علیحدہ کر دیا جائے تو کیا مضائقہ ہے یہ تو سچے اور سچے مسلمان ہیں اگر سرداران قریش اس طرح اسلام میں داخل ہو جائیں تو یہ اسلام کے لیے باعث تقویت ہوگا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اے نبی آپ ﷺ ان اہل دنیا کی ذرا بہ

پروانہ کیجئے۔ بلکہ اپنی نشست و برخاست میں ہمہ تن اپنے آپ کو ان لوگوں میں مقید اور پابند رکھئے جو صبح و شام یعنی شروع دن سے لے کر اخیر دن تک اپنے رب کی یاد میں لگے رہتے ہیں اور اس ذکر اور عبادت سے فقط رضائے خداوندی کے طالب ہیں اس سے ان کی کوئی دنیاوی غرض نہیں اور چاہئے کہ آپ ﷺ کی آنکھیں ان فقراء مسلمین سے نہ پھر جائیں یعنی ایسا نہ ہو کہ کسی وقت آپ ﷺ کی نظر التفات ان اہل دنیا کی طرف پھر جائے گویا کہ آپ ﷺ دنیاوی زندگی کی زیب و زینت اور اس کی آرائش کی طرف مائل ہونے لگے کیونکہ امیروں کی دلجوئی کے لئے فقیروں کو پاس نہ آنے دینا بھی ایک قسم کی دنیا کی زینت کی رعایت ہے جس سے اللہ کا نبی پاک اور منزہ ہے حق جل شانہ نے ان آیات میں اپنے نبی کو کافروں کی اس قسم کی دلجوئی سے منع فرمادیا کیونکہ مجلس اور مجالست میں امیروں اور فقیروں میں فرق اور امتیاز قائم کرنا بظاہر حیات دنیا کی زینت کی رعایت ہے ورنہ عقبی اور آخرت کی راہ سے فقراء اسلام کو جو امتیاز حاصل ہے وہ شاہان دنیا کو بھی حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کر کے بتا دیا کہ یہ متکبرین ایمان لانے والے نہیں ان کا ایمان محض موہوم اور محتمل ہے اور محض موہوم اور محتمل فائدہ کی خاطر محبین مخلصین کے احترام اور دلجوئی کو کیوں نظر انداز کر دیا جائے نیز غریبوں کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کرنے میں یہ بھی احتمال ہے کہ لوگ اس طرز عمل کو دیکھ کر نبی سے بدگمان نہ ہو جائیں اور اسلام کے قبول کرنے میں تردد کرنے لگیں اور چند متکبرین کے اسلام لے آنے میں اسلام کا اتنا فائدہ نہیں جتنا کہ اس بدگمانی سے اسلام کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ ان فقراء اور درویشان اسلام کی پہلے سے زیادہ خاطر داری اور مدارت کرنے لگے اور خاص طور پر ان کے پاس آ کر بیٹھنے کا مجھ کو حکم دیا میری زندگانی اور موت انہی کے ساتھ ہے۔

مسئلہ:..... عالم شریعت اور شیخ طریقت پر لازم ہے کہ فقراء کی صحبت اور مجالست کو نعمت سمجھے اور اپنی مجلس کو عام رکھے امراء اور اغنیاء کی رعایت سے اپنی مجلس سے فقراء کو نہ اٹھائے ایسا کرنا اللہ تعالیٰ نے نزدیک مذموم ہے فقراء اور مساکین کے پاس بیٹھنے سے دنیا نظروں میں خوار ہوتی ہے یہ آیت بلال رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ اور صہیب رضی اللہ عنہ اور خباب رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جو صوف <sup>۱</sup> کے جبے پہنے ہوئے حضور پر نور ﷺ کی مجلس میں آتے تھے اور ان میں پسینہ آجاتا تھا جس سے ان اشراف قریش کو کراہت محسوس ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ صوف کا جبہ درویشان اسلام کا لباس ہے۔ اسی لئے صوفی کو صوفی کہتے ہیں کہ جواز راہ تو وضع و درویشی صوف (بالوں) کا لباس پہنے۔

اور مت کہنا مانو اس شخص کا جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور دنیائے دون کا اس کو دیوانہ بنا دیا ہے اور وہ شخص ہمہ تن اپنی نفسانی کا تابع اور پیرو ہو گیا ہے نفس کا بندہ (غلام) بنا ہوا ہے جدھر اس کا نفس اس کو لے جاتا ہے ادھر دوڑا چلا جاتا ہے ذلت اور عزت سے اس کو کوئی بحث نہیں اور اس کا کام حد اعتدال سے گزرا ہوا ہے آپ ﷺ ہرگز ہرگز ایسے لوگوں کا کہنا نہ مانے اور ان کے کہنے سے فقراء صادقین اور اہل مخلصین کو اپنے پاس سے ہرگز نہ ہٹائیے اور ذرہ برابر ان اہل غفلت کی پروانہ کیجئے اور ان اہل غفلت اور اہل ثروت سے صاف کہہ دیجئے کہ یہ دین حق تمہارے پروردگار کے پاس سے <sup>۱</sup> تفسیر قرطبی کی روایت میں یہ لفظ ہیں: قالوا رسول انك لو جلست في صدر المجلس ونحيت عنا هؤلاء لارواح كانت بهم وكانت عليهم قاقبية صوف لم يكن عليهم غيرها۔ (تفسیر قرطبی: ۳۹۰/۱۰)

آیا ہے جو مشعل ہدایت ہے پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے خدا تعالیٰ کو نہ تمہارے ایمان کی ضرورت ہے اور نہ تمہارے کفر سے ڈر ہے تمہارے کہنے سے میں ان فقراء صادقین ذاکرین مخلصین کو اپنے پاس سے نہیں ہٹا سکتا اور جو حق کا کافر اور منکر ہو وہ قابل التفات نہیں اور یہ کلام بطور تہدید اور تحریف ہے نہ کہ بطور تخییر و اباحت، اس کے بعد کافروں اور مسلمانوں کے اخروی درجات اور درجات کو بیان فرماتے ہیں اس میں شک نہیں کہ ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے وہ ان کی منتظر ہے۔ اس کی قناتیں اور پردے ہر طرف سے ان کو گھیر لیں گے اس کی چار دیواری سے باہر نہیں نکل سکیں گے اور اگر وہ پیاس سے چلائیں گے اور فریاد کریں گے تو ان کی فریاد سی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پچھلے ہوئے تانبے کی مانند ہوگا<sup>۱</sup> یا تیل کے تلچھٹ کی مانند ہوگا جو برتن کی تہہ میں رہ جاتا ہے اور اس قدر تیز گرم ہوگا کہ پاس لاتے ہی منہ کو بھون ڈالے گا اور وہ دوزخ بہت ہی بری آرام گاہ ہوگی۔ اور وہ پانی بہت ہی برا ہوگا۔

اب ان اشقیاء کے بعد سعداء کا حال اور مال ذکر کرتے ہیں تحقیق جو لوگ اس حق پر ایمان لائے جو آپ ﷺ دے کر بھیجے گئے ہیں اور اس کی ہدایت کے مطابق اچھے عمل کئے تو بلاشبہ ایسے نیک و کاروں کا اجر ہم ضائع نہیں کریں گے ایسے ہی لوگوں کے لیے ہمیشہ کے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہاں ان کو سونے کے نگلن پہنائے جائیں گے جو بادشاہوں کی زینت ہے۔

زاد المسیر میں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہر جنتی کے لیے تین نگلن ہوں گے ایک چاندی کا ایک موتی کا اور ایک یاقوت کا یا یہ مطلب ہے کہ کسی کے ہاتھ میں سونے کا نگلن ہوگا اور کسی کے ہاتھ میں چاندی کا اور کسی کے ہاتھ میں موتیوں کا اور ایک احتمال یہ بھی ہے جنس اور گاہے چٹاں ہو۔ مطلب یہ ہے کہ عالم آخرت میں معاملہ برعکس ہوگا اہل ایمان اگر چہ وہ درویش اور فقیر ہوں وہ تو ایسے مخلوں اور باغوں اور عیش و عشرت میں ہوں گے اور اہل کفر ذلت و خواری میں ہوں گے اور سبز کپڑے پہنیں گے۔ باریک ریشم کے اور دبیز ریشم کے، اور کافروں کو گندھک کے کرتے پہنائے جائیں گے تکیہ لگانے والے ہوں گے۔ تختوں پر جیسا کہ امیروں کی عادت ہے مطلب یہ ہے کہ غایت درجہ عین و آرام میں ہوں گے کیا خوب جزاء ہے ایمان کی اور اعمال صالحہ کی اور جنت خوب آرام گاہ ہے یا وہ تخت خوب تکیہ گاہ ہیں جن پر یہ درویشاں اسلام شاہانہ لباس میں بیٹھے ہوں گے۔ اب آئندہ آیات میں دنیا کے چاہنے والے کی مثال بیان فرماتے ہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا زَّجَلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا

اور بتلا ان کو مثل دو مردوں کی **فَا** کر دیے ہم نے ان میں سے ایک کے لیے دو باغ انگور کے اور گرد ان کے اور بتا انکو کہادت دو مردوں کی، بنا دیے ہم نے ایک کو دو باغ انگور کے اور گرد ان کے **فَا** یہ کافر غنی اور مومن فقیر کی مثال بیان فرمائی، جس کے ضمن میں دنیا کی بے ثباتی، کفر و تکبر کی بد انجامی اور ایمان و تقویٰ کی مقبولیت پر متنبہ کرنا ہے۔ یہ دو شخص جن کی مثال بیان ہوئی واقعی موجود تھے؟ یا محض تقسیم کے لیے مثال فرض کر لی گئی؟ علماء کے اس میں دونوں قول ہیں اور تمثیل کا فائدہ بہر حال حاصل ہے۔

① مہل کے معنی میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ مہل کے معنی گچھلے ہوئے تانبے کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ مہل کے معنی تیل کی تلچھٹ کے ہیں اس لئے ہم نے لفظ "یا" بڑھا کر دونوں معنی کی طرف اشارہ کر دیا۔

بَنَعْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زُرْعًا ﴿۲۱﴾ كَلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اِتَتْ اُكْلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا ۙ

گجوریں اور رکھی دونوں کے بیچ میں کھیتی فل دونوں باغ لاتے ہیں اپنا میوہ اور نہیں کھاتے اس میں سے کچھ نہ کھجوریں، اور رکھی دونوں کے بیچ میں کھیتی۔ دونوں باغ لاتے اپنا میوہ اور نہ کھاتے اس میں سے کچھ،

وَفَجَّرْنَا خِلَافَهُمَا نَهْرًا ﴿۲۲﴾ وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِيَصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ

اور بہادی ہم۔ نے ان دونوں کے بیچ نہر فل اور ملا اس کو پھل فل پھر بولا اپنے ساتھی سے جب باتیں کرنے لگا اس سے میرے پاس زیادہ ہے تجھ سے اور بہائی ہم نے ان دونوں کے بیچ نہر۔ اور اس کو پھل ملا پھر بولا اپنے دوسرے سے، جب باتیں کرنے لگا اس سے، مجھ پاس زیادہ ہے تجھ سے

مَالًا وَاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۲۳﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۗ قَالَ مَا اَظُنُّ اَنْ تَبِيدَ هَذِهِ

مال اور آبرو کے لوگ فل اور گیا اپنے باغ میں اور وہ برا کر رہا تھا اپنی جان پر فل بولا نہیں آتا مجھ کو خیال کہ خراب ہو دے یہ باغ مال اور آبرو کے لوگ۔ اور گیا اپنے باغ میں، اور وہ برا کر رہا تھا اپنی جان پر۔ بولا، مجھ کو نہیں آتا خیال میں کہ خراب ہو یہ باغ

اَبَدًا ﴿۲۴﴾ وَمَا اَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً ۙ وَلَئِنْ رُودَّتْ اِلَى رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا

کبھی اور نہیں خیال کرتا ہوں میں کہ قیامت ہونے والی ہے اور اگر کبھی پہنچا دیا گیا میں اپنے رب کے پاس پاؤں گا بہتر اس سے وہاں کبھی۔ اور مجھ کو خیال میں نہیں آتا کہ قیامت ہونی ہے۔ اور اگر کبھی پہنچایا مجھ کو میرے رب کے پاس، پاؤں گا بہتر اس سے اس طرف

مُنْقَلَبًا ﴿۲۵﴾ قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ اَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ

پہنچ کر فل کہا اس کو دوسرے نے جب بات کرنے لگا کیا تو منکر ہو گیا اس سے جس نے پیدا کیا تجھ کو مٹی سے پھر پہنچ کر۔ کہا اس کو دوسرے نے جب بات کرنے لگا، کیا تو منکر ہو گیا اس شخص سے جس نے بنایا تجھ کو مٹی سے، پھر

فل یعنی باغوں کے گرد باڑھ گجور کی لگائی اور دونوں باغوں کے درمیان میں زمین چھوڑی جس میں زراعت ہوتی تھی تاکہ غلے اور پھل (قوت اور فو اک) سب تیار ملیں۔

فل یعنی یہ نہیں کہ ایک باغ پھلا دوسرا نہ پھلا۔ یا ایک ۱۔ ۱۔ زیادہ آید دوسرا کم۔

فل یعنی باغوں کے درمیان نہر کا پانی قرینہ سے پھر رہا تھا کہ منظر فرحت بخش رہے اور بارش نہ ہوتی باغ وغیرہ خشکی سے خراب نہ ہونے پاتے۔

فل یعنی جو خرچ کیا یا کمائی کی اس کا پھل خوب ملا۔ اور ہر قسم کے سامان پیش در فاقہ جمع ہو گئے نکاح کیا تو اس کا پھل بھی اچھا پایا اولاد کثرت سے ہوئی۔

فل یعنی مال و دولت اور جتنا میرے پاس تجھ سے کہیں زائد ہے۔ اگر میں مشرکانہ اطوار اختیار کرنے میں باطل پر ہوتا تو اس قدر آسائش اور فرانی کیوں ملتی۔

اس کے مشرک ہونے کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ آفت آنے کے بعد پچھا کر کہتا تھا ﴿لَيْتَنِي كُنْتُ اَشْرِكًا بِرَبِّي﴾ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا غریب ساتھی

جو پاک مومن تھا شرک کے باطل ہونے کا اظہار اور شرک سے تائب ہونے کی نصیحت کر رہا ہو گا۔ جس کے جواب میں یہ کہا کہ میں تجھ سے مال میں، جتنے میں اہر چیز میں زیادہ ہوں کس طرح یقین کر لوں کہ میں باطل پر ہوں اور تجھ جیسا مظلوم قاتل حق پر ہو۔

فل یعنی شرک میں مبتلا تھا۔ کبر و غرور کا نشہ دماغ میں بھرا ہوا تھا، دوسروں کو حقیر جانتا تھا، اور خدا کی قدرت و جبروت پر نظر نہ تھی۔ نہ یہ سمجھتا تھا کہ آگے کیا انجام

ہونے والا ہے۔ بس یہی باغ اس کی جنت تھی جس کو آپ خیر سے ابدی سمجھتے ہیں۔

فل یعنی اب تو آرام سے گزرتی ہے۔ اور میں نے اب انتقامات ایسے مکمل کر لیے ہیں کہ میری زندگی تک ان باغوں کے تباہ ہونے کا بظاہر کوئی کھٹکا نہیں رہا

بعد الموت کا قصہ، سو ا دل تو مجھے یقین نہیں کہ مرنے کے بعد بد لوں کے ریزوں کو دوبارہ زندگی ملے گی؟ اور ہم خدا کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔ لیکن اگر ایسا =

تُظْفَهِ ثُمَّ سَوَّكَ رَجُلًا ﴿۲۵﴾ لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ﴿۲۸﴾ وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ

قطرہ سے پھر پورا کر دیا تجھ کو مرد پھر میں تو یہی کہتا ہوں وہی اللہ ہے میرا رب اور نہیں ماننا شریک اپنے رب کا کسی کو فی اور جب تو آیا تھا  
بوند سے پھر پورا کر دیا تجھ کو مرد۔ پر میں تو کہوں، وہی اللہ ہے میرا رب اور نہ مانوں سا بھی اپنے رب کا کسی کو۔ اور کیوں نہ جب تو آیا تھا

جَنَّتِكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ إِنَّ تَرَنَّا أَكْأَقْلَمِنِكَ مَالًا وَوَلَدًا ﴿۲۹﴾

اپنے باغ میں کیوں نہ کہا تو نے جو چاہے اللہ ہو طاقت نہیں مگر جو دے اللہ فی اگر تو دیکھتا ہے مجھ کو کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں  
اپنے باغ میں کہا ہوتا؟ جو چاہا اللہ کا، کچھ زور نہیں مگر دیا اللہ کا۔ اگر تو دیکھتا ہے مجھ کو کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں۔

فَعَسَىٰ رَبِّي أَنْ يُؤْتِيَنِي خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلْ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ

تو امید ہے کہ میرا رب دیوے مجھ کو تیرے باغ سے بہتر فی اور بھیج دے اس پر لو کا ایک جھونکا آسمان سے پھر صبح کو  
تو امید ہے کہ میرا رب دیوے مجھ کو تیرے باغ سے بہتر، اور بھیج دے اس پر ایک بھبھوکا آسمان سے، پھر صبح کو

صَعِيدًا زَلَقًا ﴿۳۰﴾ أَوْ يُصْبِحَ مَأْوَاهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا ﴿۳۱﴾ وَأَحْيِطْ بِشَرِّهِ

رہ جائے میدان صاف یا صبح کو ہو رہے اس کا پانی خشک پھر نہ لاسکے تو اس کو ڈھونڈ کر فی اور سمیٹ لیا مجھ اس کا سارا پھل  
رہ جاوے میدان پٹیڑ۔ یا صبح کو ہو رہے اس کا پانی خشک، پھر نہ سکے تو کہ اس کو ڈھونڈ لاوے۔ اور سمیٹ لیا اس کا سارا پھل،

فَأَصْبَحَ يَقْلِبُ كَفَّيْهِ عَلَىٰ مَا أَنفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي

پھر صبح کو رہ گیا ہاتھ نچاتا فی اس مال پر جو اس میں لگایا تھا اور وہ گرا پڑا تھا اپنی چھتریوں پر فی اور کہنے لگا کیا خوب ہوتا  
پھر صبح کو رہ گیا ہاتھ نچاتا اس مال پر جو اس میں لگایا تھا، اور وہ ڈھیا پڑا تھا اپنی چھتریوں پر، اور کہنے لگا کیا خوب تھا

= ہو تو یقیناً مجھے یہاں سے بہتر سامان وہاں ملنا چاہیے۔ اگر ہماری حرکات خدا کو ناپسند ہو تیں تو دنیا میں اتنی کشائش کیوں دیتا تو یا یہاں کی فراخی علامت ہے کہ  
وہاں بھی ہم پیش از این گے۔

فی یعنی جس خدا نے تیری اصل (آدم علیہ السلام) کو بے جان مٹی سے پھر تجھ کو زمینی پیداوار کے خلاصہ اور ایک قطرہ ناچیز سے پیدا کر کے زندگی بخشی اور  
جسمانی دردمانی قوتیں دے کر بنا سنام در بنایا، کیا تجھے انکار ہے کہ وہ تیرے مرے پیچھے دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ یا دی ہوئی نعمت چھین نہیں سکتا؟ میرا تو یہ عقیدہ  
نہیں۔ بلکہ یقین رکھتا ہوں کہ وہ تنہا ہمارا رب ہے۔ اس کی خدائی میں کوئی حصہ دار نہیں۔ پھر بھلا اس کے حکم و اختیار کے سامنے کون دم مار سکتا ہے۔

فی یعنی مال تو اللہ کی نعمت ہے۔ ہر اترانے اور کفر کئے سے آفت آتی ہے۔ چاہے تھا کہ باغ میں داخل ہوتے وقت ﴿مَا أَظُنُّ أَنْ كَيْدِنَا هَذِهِ أَبَدًا﴾ کی  
بلکہ ﴿مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ کہتا۔ یعنی خدا جو چاہے عطا فرمائے، ہم میں جو کچھ زور و قوت ہے اسی کی امداد و اعانت سے ہے۔ وہ چاہے تو ایک دم میں  
سلب کر لے۔ روایات میں ہے کہ جب آدمی کو اپنے گھر بار میں آسودگی نظر آئے تو یہی لفظ کہے۔ "مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ"

فی دنیا میں یا آخرت میں۔

فی یعنی ایک گرم گولا لٹھے یا اور کوئی آفت سماوی نازل ہو جو تیرے بکھر و تھیر کی سزا میں باغ کو تہس نہس کر کے صاف پٹیل میدان بنا دے۔ یا نہر کا پانی  
خشک ہو کر رہ جائے۔ پھر باوجود کوشش کے جاری نہ ہو۔

فی یعنی کت افسوس ملتا رہے۔

فی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں آخر اس کے باغ پر وہی ہوا جو اس مرد نیک کی زبان سے نکلا تھا۔ رات کو آفت سماوی آگ کی صورت میں آئی۔ سب بل =

لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا ﴿۳۱﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ فِئَةٌ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ

اگر میں شریک نہ بناتا اپنے رب کا کسی کو نہ اور نہ ہوئی اس کی جماعت کہ مدد کریں اس کی اللہ کے سوائے اور نہ ہو وہ کہ  
اگر میں سا بھی نہ بناتا اپنے رب کا کسی کو۔ اور نہ ہوئی اس کی جماعت کہ مدد کریں اس کو اللہ کے سوا، اور نہ ہو وہ کہ

﴿۳۲﴾ مُنْتَصِرًا ﴿۳۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۳۴﴾

خود بدل لے سکے ﴿۳۲﴾ یہاں سب اختیار ہے اللہ سچے کا اسی کا انعام بہتر ہے اور اچھا ہے اسی کا دیا ہوا بدلہ ﴿۳۳﴾  
بدلہ لے سکے۔ وہاں سب اختیار ہے اللہ سچے کا۔ اسی کا انعام بہتر ہے اور اسی کا دیا بدلہ۔

### بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کی مثال

قَالَ الْعَبْدَانِ: ﴿وَإِذَا رَأَوْا تَوَاصُوٰتَهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾... اَلِ... هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۳۴﴾

ربط:..... گزشتہ آیات میں کفار کی اس درخواست کو رد فرمایا جو اپنے مال و دولت کے نشہ میں چور تھے اور فقراء مسلمین کو حقیر سمجھتے تھے اور ان کے ساتھ بیٹھنے میں عار محسوس کرتے تھے اور اپنے مال و دولت پر فخر محسوس کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ سے یہ کہتے تھے کہ جب ہم آپ ﷺ کے پاس آیا کریں تو آپ ﷺ ان دو ویشان اسلام اور فقراء مسلمین کو اپنے پاس سے ہٹا دیا کریں اب ان آیات میں ان منکبرین کے سنانے کیلئے اور دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری بتلانے کے لئے بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کی ایک مثال ذکر فرماتے ہیں جن میں سے ایک مالدار کافر تھا اور آخرت کا منکر تھا اور اپنے مال و دولت پر مغرور تھا اور دوسرا ایک مومن اور درویش تھا مال دار کافر مال و دولت کے نشہ میں سلسلہ عالم کو قدیم سمجھتا تھا اور آخرت کا منکر تھا اور فقیر مسلمان بھائی، اس کو خدا کی عظمت اور جلال کی تلقین کرتا تھا اور یہ سمجھاتا تھا کہ یہ عالم قدیم نہیں اور اس کا کارخانہ عالم کی باگ ڈور اس پروردگار کے ہاتھ میں ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا اصل دولت اور اصل عزت پروردگار عالم کی اطاعت اور عبادت میں ہے جو فقراء مسلمین کو حاصل ہے اور تو اس عزت سے محروم ہے یہ درویش بھائی اپنے دولت مند بھائی کو ڈراتا تھا کہ خدا کی ناشکری نہ کر مبادا کہ کوئی بلا نازل ہو جائے۔ چنانچہ اس پر ایک بلا آسمانی ناگہانی طور پر نازل ہوئی جس سے دم کے دم میں وہ تمام باغ اجڑ گیا اور مالک باغ حسرت سے ہاتھ ملتارہ گیا تب اس کی آنکھ کھلی کہ اللہ ہی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ آئندہ آیات میں ایک طالب دنیا اور ایک طالب آخرت کا قصہ بیان فرماتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اموال کی کثرت اور اموال و انصار کی قوت قابل فخر چیز نہیں ہو سکتی ہو سکتا ہے کہ دم کے دم میں تو نگر، فقیر ہو جائے اور فقیر، تو نگر ہو جائے قابل فخر تو ایمان اور عمل صالح اور تقویٰ ہے اور یہ دنیا تو چند روزہ باغ و بہار ہے۔ چنانچہ فرماتے

= کر ڈھیر ہو گیا۔ مال خرچ کیا تھا پونجی بڑھانے کو وہ اصل بھی کھو بیٹھا۔

﴿۳۱﴾ مگر۔ اب پوچھتے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ اور یہ افسوس و عداوت بھی خدا سے ڈر کر نہیں، محض دنیاوی ضرر پہنچنے کی بنا پر تھی۔

﴿۳۲﴾ یعنی نہ جتنا کام آیا نہ اولاد، نہ فرضی معبود جنہیں خدائی کا شریک ٹھہرا رکھا تھا۔ اور نہ خود اپنی ذات میں اتنی طاقت تھی کہ خدا کے عذاب کو روک دیتا یا بدلہ لے سکتا۔

﴿۳۳﴾ یعنی جس عمل کا جو بدلہ کسی کو دے وہ ہی ٹھیک ہے۔ یہاں اور وہاں ہر جگہ اختیار اسی کا پلٹنا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے فیصلہ میں دخل دے سکے۔

ہیں اے نبی ﷺ! دنیا کی بے شہائی اور ناپائیداری ظاہر کرنے کے لئے دو شخصوں کا قصہ بیان کر۔ وہ دو آدمی تھے آپس میں بھائی بھائی تھے ان میں سے ایک کو جو کافر تھا ہم نے انگوروں کے دو باغ دیئے تھے اور ان دونوں باغوں کو ہم نے کھجوروں کے درختوں سے گھیر دیا تھا یعنی ہر چار طرف کھجور کے درخت تھے اور ان دونوں باغوں کے درمیان ہم نے کھیتی بھی کر دی تھی جس سے قوت روزینہ ان کو حاصل ہوتی تھی اس میں کوئی جگہ خالی نہ تھی تمام زمین سے قسم قسم کی پیداوار تھی دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور باغ کی پیداوار میں ذرہ برابر کمی نہ تھی اور ہم نے ان دونوں باغوں کے درمیان نہر بھی جاری کر دی تھی جس کا پانی کبھی منقطع نہیں ہوتا تھا اور وہ نہر دونوں کو ہمیشہ پانی پہنچاتی اور اس پیداوار کے علاوہ اس شخص کے لئے اور بھی قسم قسم کے پھل تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رضی اللہ عنہما اور قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ثمر سے مال مراد ہے۔ یعنی سوائے ان دو باغوں کے اس کے پاس اور بھی قسم قسم کا مال تھا یعنی سونا اور چاندی وغیرہ تھا۔ پس یہ مالدار کافر اپنے ساتھی یعنی مومن بھائی سے جو غریب تھا، بولا، درآں حالیکہ وہ اس سے گفتگو کر رہا تھا یعنی یہ کہتا جاتا تھا اور وہ جواب دیتا جاتا تھا۔ دونوں میں باہم گفتگو ہو رہی تھی اثناء گفتگو میں اس کافر بھائی نے فخر کہا کہ میں تجھ سے مال میں بڑھا ہوا ہوں اور حشم و خدم کے اعتبار سے زیادہ عزت والا ہوں پھر یہ مالدار کافر اپنے غریب مومن ساتھی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے باغات اور ان کی پیداوار اور مال و دولت کو دکھلاتا تھا اور فخر کرتا جاتا تھا اور اسی طرح اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اپنے باغ میں داخل ہوا درآں حالیکہ وہ اپنے کفر اور فخر کے سبب اپنی جان پر ظلم کر رہا تھا۔ فخر اور خود بینی کی وجہ سے اور پھر دنیا کی محبت کے سبب سے مومن بھائی نے اس کو فخر اور کفرانِ نعمت کی شامت سے ڈرایا مگر ایک نہ سنی اور بولا کہ میں گمان نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی اجڑے۔ کفار کا ہمیشہ یہی خیال ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ عیش و آرام میں ہی رہیں گے اور بولا کہ میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر بفرض محال تیرے اعتقاد کے مطابق میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹا یا بھی جاؤں تو اس سے بہتر مکان میں وہاں پاؤں گا کیونکہ میری یہ امیری اس بات کی دلیل ہے کہ میری شان اسی لائق ہے کہ مجھے یہ مال و دولت ملے اور میرا رب مجھ سے راضی ہے جب اس نے مجھے یہاں دیا تو وہ مجھ کو وہاں بھی دے گا۔ اور اس سے بہتر دے گا۔ اکثر کفار اور انبیاء کا یہی حال ہے کہ وہ اپنی دولت اور عیش و عشرت اور دنیاوی عزت و راحت کو اپنی مقبول خداوندی اور کرم عند اللہ ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں یہ حال تو کافروں کا ہے اور بہت سے مالدار مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے بزبانِ قال تو نہیں بزبانِ حال وہ بھی یہی کہہ رہے ہیں اور عملاً فقراء اور غرباء کی مجالست سے عار کرتے ہیں اس کی یہ باتیں سن کر اس سے اس کے دیندار و نادار ساتھی نے اثناء گفتگو میں کہا کیا تو اس خدا کی قدرت کا منکر ہو گیا ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا پھر تجھ کو نطفہ سے نکالا جبکہ تو مردہ بدست زندہ تھا اور کسی چیز کا مالک نہ تھا ماں اور دایہ کی گود میں پرورش پا رہا تھا پھر خدا نے تجھ کو اپنی قدرت سے پورا مرد بنا دیا اب تجھے اس خدا کی قدرت میں شک ہو گیا کہ جب میں مرجاؤں گا اور مر کر مٹی میں ہو جاؤں گا تو وہ مجھے کیسے دوبارہ پیدا کرے گا جس خدا نے تجھ کو پہلی بار مٹی سے پیدا کیا وہی خدا تجھ کو دوبارہ مٹی سے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ بھلا ایسے قادر مطلق کو قیامت کا قائم کرنا کیا مشکل ہے۔ خیر تو مانے یا نہ مانے لیکن میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے یہی میرے دل میں ہے اور یہی میری زبان پر ہے اور میرے اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا نہ اعتقاد میں نہ قول میں اور نہ فعل میں اس جواب سے الوہیت اور وحدانیت

بھی اثبات ہے۔ کیونکہ جو ذات پاک عالم کی خالق اور مربی ہے وہ اس عالم کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور یہ کیوں نہ ہو کہ جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تھا تو یہ کہا ہوتا کہ جو خدا نے چاہا وہی قابل شدنی ہے بغیر اللہ کی مشیت کے کسی میں قوت اور زور نہیں یعنی باغ کو دیکھ کر تجھے چاہئے تھا کہ اپنی عاجزی کا اقرار کرتا اور دل و جان سے یہ کہا ہوتا کہ یہ سب کچھ باغ و بہار اللہ کی مشیت اور اس کے فضل سے ہے وہ چاہے تو اس کو آباد رکھے اور چاہے تو اس کو اجاڑ دے وہ ہر طرح سے قادر ہے بندہ میں قدرت نہیں کہ باغ کو اور اس کی بہار کو قائم رکھ سکے اسی طرح زندگی کی باغ و بہار، امیری اور فقیری سب اس کی مشیت سے ہے دم کے دم میں امیر کو فقیر اور فقیر کو امیر بنا سکتا ہے۔ زجاج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کسی میں طاقت نہیں کہ جو نعمت اور مال و دولت اس کے ہاتھ میں ہے وہ اس کو تھام سکے مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت سے۔

فائدہ:..... جو شخص اپنے باغ میں یا مکان میں داخل ہوتے وقت ﴿مَا شَاءَ اللَّهُ. لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ کہے تو وہ باغ اور مکان بلا اور آفت اور نظر بد سے محفوظ رہے گا۔

حکایت:..... امام دارالبحر مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے اپنے مکان کے دروازہ پر یہ لکھا تھا ﴿مَا شَاءَ اللَّهُ. لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ کسی نے پوچھا کہ آپ نے یہ کیوں رکھا تو کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ. لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾۔

اس نصیحت کے بعد اس غریب مسلمان بھائی نے اس کے تکبر اور فخر کا جواب دیا اور کہا اگر آج تو مجھے مال اولاد میں اپنے سے کمتر دیکھتا ہے تو تجھ کو زیبا نہ تھا کہ تو مجھ پر بڑائی اور تکبر ظاہر کرنے لگے پس کیا عجب ہے کہ میرا پروردگار دنیا یا آخرت میں یا دونوں جگہ مجھ کو تیرے سے بہتر باغ دے دے۔ اور اس تیرے باغ پر آسمان سے کوئی بلا اور آفت بھیج دے جس کا تجھ کو وہم و گمان بھی نہ ہو پھر وہ تباہ ہو کر دفعۃً چٹیل میدان ہو جائے جس پر گھاس کا بھی نام و نشان نہ ہو یا اس کا پانی زمین کے اندر اتر جائے تو اس کو ڈھونڈ کر بھی واپس نہ لاسکے یہ بات تیری قدرت سے باہر ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جو بات اس مرد مومن کی زبان سے نکلی تھی وہ سچ کر دی۔ اور بلا سبب ظاہری کے دفعۃً اور ناگہانی طور پر آسمان سے ایک آفت آئی جس سے وہ باغ تباہ ہو گیا اللہ نے آسمان سے اس باغ پر ایک آگ بھیجی جس نے اس کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا اور اس کا پانی زمین کے نیچے اتر گیا اور اس باغ کا سارا پھل عذاب آسمانی کے گھیرے میں لے لیا گیا اور غیب سے ایسی تباہی آئی کہ وہ باغ اور درخت اور عمارت سب خراب اور مسلمان ہو گئے پس صبح کی اس کافر نے اس حالت میں کہ کف افسوس ملتا تھا اس مال پر جو اس نے اس باغ میں صرف کیا تھا۔ حسرت سے ہاتھ ملتا رہ گیا کہ اب ہاتھ میں سوائے افسوس اور حسرت کے کچھ نہیں رہا اور اس باغ کی عمارتیں اپنی چھتوں پر گر پڑی تھیں اور وہ اس حال کو دیکھ کر کف افسوس ملتا جاتا تھا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ کاش میں نے اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہوتا یعنی جب اس کا باغ جل گیا تب اسے معلوم ہوا کہ یہ اس کے کفر و شرک کی سزا تھی اپنے کئے کفر پر نادم ہوا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مومن ہو گیا اس لیے کہ یہ ندامت خوف خداوندی اور کفر کی قباحت کی وجہ سے نہ تھی بلکہ ایک دنیاوی مصیبت اور آفت کی وجہ سے تھی۔ لہذا ایسی تمنا بیکار ہے اور نہ ہوئے اس کے لئے اعوان و انصار اور حشم و خدم کی کوئی جماعت بجز خدا کے جو اس کو مدد دے اور نہ وہ خود اپنا بدلہ لینے پر قادر تھا یہیں سے ثابت



ہوا کہ کار سازی اور اختیار صرف خدائے برحق کے لئے ہے کیونکہ مصیبت کے وقت جزع و فزع صرف اللہ کی طرف کرنا، یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ خدائے برحق وہی ہے کہ جس کو سارا اختیار ہے اور اس کے سوا سب باطل ہے اور عارضی چیز پر فخر کرنا نادانی ہے وہ اہل طاعت کو انعام اور جزا دینے میں سب سے بہتر ہے اور اسی کی اطاعت کا انجام سب سے بہتر ہے یعنی انجام اور عاقبت کے اعتبار سے اہل ایمان اور اہل طاعت سے بڑھ کر کوئی نہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے دو مردوں کی مثال بیان کی ان کی تعیین میں مفسرین نے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں بھائی بنی اسرائیل میں سے تھے اور انہی دو بھائیوں کا قصہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ والصفات میں ذکر کیا ہے ﴿مَا قَالَ تَعَالَىٰ ﴿قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَدْرٌ﴾ الخ اور بعض کہتے ہیں کہ اہل مکہ میں سے قبیلہ مخزوم کے دو بھائیوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جن میں سے ایک بھائی مسلمان تھا اور دوسرا کافر اور مقصود یہ ہے کہ مال و دولت پر فخر کرنا اور فقراء مسلمین کو حقیر سمجھنا بہت ہی برا ہے اصل عزت حق تعالیٰ کے تعلق اور اس کی اطاعت میں ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۵۰۰/۵ و تفسیر قرطبی: ۱۰/۳۹۹)

فائدہ:..... حق تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ اکثر اپنے مقبول بندوں کو دنیا سے دور رکھتا ہے اور کافروں کو دنیا کی عیش و آرام سے خوب نوازتا ہے اور اہل ایمان پر بلائیں نازل کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

یعنی اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تمام لوگ کفر کے فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے تو ہم کافروں کو اتنا مال و دولت دیتے کہ ان کے گھروں کی چھتیں بھی چاندی کی کر دیتے قاعدہ اکثر یہ تو یہ ہے مگر بعض مرتبہ کافر کا غرور اور تکبر توڑ دینے کے لئے کوئی بلاء آسمانی اس کے مال و دولت پر نازل کرتے ہیں کہ متنبہ ہو جائے کہ یہ دنیا بچ ہے۔ اور امیری اور فقیری سب اس کے ہاتھ میں ہے وہ دم کے دم میں بڑے سے بڑے متکبر اور سرکش کو محتاج اور خوار بنا ڈالتا ہے اس لئے آئندہ آیت میں دنیا کی حقیقت سمجھانے کے لئے ایک مثال بیان فرماتے ہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاۤ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتٌ

اور بتلا دے ان کو مثل دنیا کی زندگی کے جیسے پانی اتارا ہم نے آسمان سے پھر رلا ملا نکلا اس کی وجہ سے اور بتا ان کو کہادت دنیا کی زندگی کی، جیسے پانی اتارا ہم نے آسمان سے، پھر بھڑ کر نکلا اس سے

الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيْحُ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۱۵﴾ الْمَالُ

زمین کا سبزہ پھر کل کو ہو گیا چورا چورا ہوا میں اڑتا ہوا فل اور اللہ کو ہے ہر چیز پر قدرت فل مال زمین کا سبزہ، پھر کل کو ہو رہا چورا باؤ میں اڑتا۔ اور اللہ کو ہے ہر چیز پر قدرت۔ مال

فل یعنی دنیا کی عارضی بہار اور فانی و سریلح الزوال تو تازگی کی مثال ایسی گھمبھو کہ خشک اور مردہ زمین پر بارش کا پانی پڑا وہ ایک بیک جی انٹی گنجان درخت اور مختلف اجزاء سے رلا ملا سبزہ نکل آیا پہلہائی گھستی آنکھوں کو مٹھی معلوم ہونے لگی۔ مگر چند روز ہی گزرے کہ زرد ہو کر سوکھنا شروع ہو گئی۔ آخر ایک وقت آیا کہ کاٹ چھانٹ کر برابر کر دی گئی۔ پھر ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اڑائی گئی۔ یہی حال دنیا کے دیدہ زیب و ابلہ فریب بناؤ سنگار کا گھمبھو۔ چند روز کے لیے خوب ہری بھری نظر آتی ہے، آخر میں جو رہو کر ہوا میں اڑ جائے گی۔ اور کٹ چھٹ کر سب میدان صاف ہو جائے گا جیسا کہ آگے ﴿وَيَوْمَ نُسَبِّطُ الْجِبَالَ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ نَارًا﴾ میں اشارہ کیا ہے۔

فل یعنی جب چاہے پھر بلا دے (موضح القرآن) یا یہ کہ اگانا اور چورا کر کے اڑا دینا سب اسی کے دست قدرت میں ہے۔

وَالْبُنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ

اور بیٹے رون میں دنیا کی زندگی میں اور باقی رہنے والی نیکیوں کا بہتر ہے تیرے رب کے یہاں بدلہ اور بہتر ہے اور بیٹے رون ہیں دنیا کے جیتے۔ اور رہنے والی نیکیوں پر بہتر ہے تیرے رب کے ہاں بدلہ اور بہتر ہے

أَمْلًا ۝ وَيَوْمَ نُسِئِرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً ۗ وَحَشَرْنَا لَهُمْ فَلَمَّ نُغَادِرُ مِنْهُمْ

تو قیامت آئے اور جس دن ہم چلا دیں پہاڑ اور تو دیکھے زمین کو کھلی ہوئی اور گھیر بلائیں ہم ان کو پھر نہ چھوڑیں ان میں سے تو قیامت آئے۔ اور جس دن ہم چلا دیں پہاڑ اور تو دیکھے زمین کھل گئی، اور گھیر بلا دیں ان کو، پھر نہ چھوڑیں ان میں

أَحَدًا ۝ وَعَرَضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفَاءً لَّقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۗ زَبَلٌ

ایک کو قیامت آئے اور سامنے آئیں تیرے رب کے صف باندھ کر آئے تم ہمارے پاس جیسا ہم نے بنایا تھا تم کو پہلی بار نہیں ایک کو۔ اور سامنے لائے تیرے رب کے قطار کر کر۔ اور آئے تم ہمارے پاس، جیسا ہم نے بنایا تھا تم کو پہلی بار۔ نہیں

زَعَمْتُمْ أَنَّ نَجْعَلْ لَكُمْ مَوْعِدًا ۝ وَوَضِعَ الْكِتَابِ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ ۗ هَٰذَا

تم تو کہتے تھے کہ نہ مقرر کریں گے ہم تمہارے لیے کوئی وعدہ قیامت اور رکھا جائے گا حساب کا کاغذ پھر تو دیکھے گناہ گاروں کو ڈرتے ہیں اس سے جو اس میں تم بتاتے تھے کہ نہ ٹھہراویں گے ہم تمہارا کوئی وعدہ۔ اور رکھا جاوے گا کاغذ، پھر تو دیکھے گناہ گار ڈرتے ہیں اس کے سچ لکھے

فِيهِ وَيَقُولُونَ يَوْمَئِذٍ نَّحْنُ نَجْعَلُ لَكُمْ مَوْعِدًا ۝ وَلَا كَبِيرَةٌ إِلَّا

لکھا ہے قیامت اور کہتے ہیں ہائے خرابی کیا ہے یہ کاغذ نہیں چھوٹی اس سے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات جو ہے، اور کہتے ہیں اے خرابی! کیا ہے یہ لکھا؟ نہ چھوڑے چھوٹی بات نہ بڑی بات، جو

أَخْصَسَهَا ۗ وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۝

اس میں نہیں آگئی اور پائیں گے جو کچھ کیا ہے سامنے قیامت اور تیرا رب ظلم نہ کرے گا کسی پر قیامت اس نے نہیں گھیری۔ اور پاویں گے جو کیا ہے سامنے۔ اور تیرا رب ظلم نہ کرے گا کسی پر۔

قیامت یعنی مرنے کے بعد مال و اولاد وغیرہ کام نہیں آتے صرف وہ نیکیاں کام آتی ہیں جن کا اثر یا ثواب آئندہ باقی رہنے والا ہو۔ حدیث میں "سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ" ان کلمات کو باقیات صالحات فرمایا۔ یہ محض مثال کے طور پر ہے۔ ورنہ تمامی اعمال جزا میں داخل ہیں۔ موعود قرآن میں ہے "رہنے والی نیکیوں پر علم لکھا جائے جو جاری رہے یا کوئی نیک رسم چلا جائے یا مسجد بنوائے، ہر اسے، کسیت وقت رہا۔ یہ یا اولاد و تربیت کر کے صالح چھوڑ جائے، اسی قسم سے کام ہیں جن پر خدا کے ہاں بہترین بدلہ مل سکتا ہے اور انسان عمدہ توقعات قائم کر سکتا ہے۔ دنیا کی فانی و زائل خوشحالی پر لمبی چوڑی امیدیں باندھنا عقلمندی نہیں۔"

قیامت یعنی جب قیامت آئے گی یہ از جیسی سخت مخلوق بھی اپنی جگہ سے چلائی جائے گی۔ بلکہ اس کی بیماری بھاری چٹائیں دھنی ہوئی اون کی طرح فضا میں اڑتی پھریں گی۔ غرض زمین کے سارے اجزاء کو سطح ہموار اور کھلی ہوئی رہ جائے گی۔

قیامت یعنی کوئی شخص خدا کی عدالت سے غیر حاضر نہ ہو سکے گا۔

قیامت منکرین جہنم و ناریہ و قیامت کے طور پر یہ کہا جائے گا کہ تم تو قیامت وغیرہ شخص و ملک و قوم سمجھتے تھے۔ آج سب جتھا اور انا شاہ چھوڑ کر رنگ و درونگ کہاں =

## دنیا کے فناء و زوال کی ایک مثال

قَالَ الْجَنَانُ: ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا كَمَثَلِ اَنْزَلْنَاهُ... اِلَى... وَلَا يَظْلِمُ رٰبِئًا اَحَدًا﴾

ربط:..... گزشتہ آیات میں دو شخصوں کی مثال بیان کی تھی جس سے دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کو بتلانا مقصود تھا اب پھر دنیا کی بے ثباتی کے لئے ایک دوسری مثال بیان فرماتے ہیں تاکہ دنیا کی اندرونی حقیقت ظاہر ہو جائے اور لوگ اس کی ظاہری زیب و زینت کو دیکھ کر فریفتہ نہ ہوں اور اس کی ظاہری آرائش سے دھوکہ نہ کھائیں اور سمجھ جائیں کہ یہ دنیا ہیچ ہے۔ قابل فخر نہیں قابل فخر اور قابل شکر باقیات صالحات یعنی اعمال صالحہ ہیں جن کے مقابلہ میں ساری دنیا کی آرائش اور زیبائش ہیچ ہے۔ دنیا تو خسیس ہے اگر نفیس کی خواہش ہے تو آخرت کی تیاری کریں اور آخرت کے لیے کوئی ذخیرہ اور خزینہ تیار کریں اور وہ خزانہ اعمال صالح کا ہے دیکھ لو کہ ابلیس تکبر اور اپنی اصل پر غرور کی وجہ سے کیسا ذلیل و خوار ہو کر نکلا۔ اور آخر میں فرمایا کہ قوم عاد اور ثمود کی بستیوں کو دیکھ لیں کہ تکبر اور غرور کی وجہ سے کیسے ہلاک ہوئے

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آیت سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ متکبرین ایک حقیر اور فانی چیز پر فخر کر رہے ہیں حالانکہ ایک خسیس اور سربلج الزوال چیز پر فخر کرنا نادانی ہے۔ پھر قیامت کے ہولناک منظر کو بیان کیا کہ اس دنیا کے فناء و زوال کے بعد جب قیامت قائم ہوگی تو اس وقت ایمان اور عمل صالح کام آئے گا۔ دنیا کی مال و دولت کچھ کام نہ آئے گی چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان کافروں کے لئے جو اموال و اولاد پر فخر کرتے ہیں دنیاوی زندگی کی مثال بیان کر دیجئے کہ وہ کیسی ہری بھری معلوم ہوتی ہے اور پھر کیسی جلدی زائل اور فنا ہو جاتی ہے وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس پانی کے ذریعہ سے گنجان روئیدگی حاصل ہوئی جس سے وہ زمین تر و تازہ اور سرسبز و شاداب ہو گئی اور خوش نما معلوم ہونے لگی پھر آخر کار وہ خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو گئی جس کو ہوائیں اڑانے لگیں اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے وہی اپنی قدرت سے سبزہ اگاتا ہے اور پھر اس کو خشک کر کے ہوا میں اڑاتا ہے۔ اسی طرح دنیا کا حال ہے کہ اول اول سبزہ اور کھیتی کی = آبیچھے۔ اور جیسا بنایا تھا پہلی بار میں یہ بھی داخل ہے کہ بدن میں کچھ زخم و نقصان وغیرہ نہ رہے گا۔ حدیث میں ہے کہ محشر میں کل ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں اسی امت محمدیہ کی ہیں۔

۱۵ یعنی اعمال نامہ ہر ایک کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس میں اپنے گناہوں کی فہرست بڑھ کر مجرم خوف کھائیں گے کہ دیکھئے آج کیسی سزا ملتی ہے۔  
۱۶ یعنی ذرہ ذرہ عمل آنکھوں کے سامنے ہو گا اور ہر ایک چھوٹی بڑی بدی یا نیکی اعمال نامہ میں مندرج پائیں گے۔

۱۷ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں ظلم کا بائیں معنی تو امکان ہی نہیں کہ وہ غیر کی ملک میں تصرف کرے، کیونکہ تمام مخلوق اسی کی ملک ہے۔ لیکن ظاہر میں جو ظلم نظر آئے اور بے موقع کام سمجھا جائے، وہ بھی نہیں کرتا، نہ کسی کو بے قصور پکڑتا ہے نہ کسی کی ادنیٰ نیکی کو ضائع ہونے دیتا ہے۔ بلکہ اپنی حکمت بالغہ سے نیکی و بدی کے ہر ایک درخت پر وہی پھل لگاتا ہے جو اس کی طبیعت نوعیہ کا اقتضاء ہو

گندم از گندم بروید جو از جو  
از مکافات عمل غافل مشو

کفر و ایمان اور طاعت و معصیت میں خالق اکل نے اسی طرح کے علیحدہ علیحدہ خواص و تاثیرات رکھ دی ہیں جیسے زہر اور تریاق میں۔ آخرت میں خیر و شر کے یہ تمام خواص و آثار طاریہ ظاہر ہو جائیں گے۔

مانند تروتازہ اور خوش نما معلوم ہوتی ہے اور خوب بہار دکھاتی ہے پھر جس طرح چند روز کے بعد سبزہ سوکھ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور دائیں اور بائیں ہوا میں اس کو اڑالے جاتی ہیں اسی طرح چند روز بعد یہ دنیا بھی فنا ہو جائے گی۔ لہذا چند روزہ رونق اور بہار پر پھولنا اور اترانا عاقل کا کام نہیں خوب سمجھ لو کہ جس خدا نے تم کو آل و اولاد کی زینت عطا کی ہے وہ اس کے فناء کرنے پر بھی قادر ہے مال اور بیٹے جن پر کافرا تراتے ہیں اور فخر کرتے ہیں محض دنیاوی زندگی کی زینت ہیں زاد آخرت نہیں اور ایسی چیز پر دل لگانا اور فخر کرنا جو چند روز کے بعد زائل ہو جائے اور آخرت میں کچھ کام نہ آئے عاقل کا کام نہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ مال اور بیٹے دنیا کی کھیتی ہے اور اعمال صالحہ آخرت کی کھیتی ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں یعنی وہ اعمال صالحہ جو خالص اللہ کے لئے کئے گئے ہوں اور طمع اور غرض کا مشابہہ اس میں نہ ہو وہ تیرے پروردگار کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے خوب تر ہیں اور باعتبار امید اور توقع کے بہتر ہیں یعنی اعمال صالحہ پر اللہ تعالیٰ سے اچھی امید رکھی جاسکتی ہے کیونکہ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ جو نیک عمل کرے گا وہ بہشت میں من مانی مراد پائے گا اس کے سوا تمام امیدیں موہوم ہیں اعمال صالحہ کا ثمرہ دائمی اور باقی ہے اور غیر اعمال صالحہ کا نتیجہ وقتی اور غرضی ہے۔

باقیات صالحات کی تفسیر میں سلف اور خلف سے مختلف اقوال منقول ہیں (قول اول) ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے منقول ہے کہ باقی رہنے والی نیکیاں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔ یہ کلمات ماثورہ ہیں اور اس کی تائید مرفوع حدیثوں سے بھی ہوتی ہے۔  
قول دوم:..... باقیات صالحات سے نماز ہائے پنجگانہ مراد ہیں۔

قوم سوئم:..... باقیات صالحات سے وہ تمام اعمال صالحہ مراد ہیں جن کے ثمرات باقی رہنے والے ہیں جیسے کسی کو علم سکھایا جائے جو جاری رہے یا کوئی نیک رسم جاری کرے یا مسجد یا کنواں یا سرائے یا باغ یا کھیت خدا کے لئے وقف کر جائے یا اولاد کو تربیت کر کے صالح یا عالم یا عمل چھوڑ جاتے تو یہ سب صدقات جاریہ ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی اس کو ملتا رہے گا اور یہی قول سب اقوال میں راجح اور صحیح ہے اور یہی قول سب سے اعم اور اشمل ہے جس میں نماز اور اعمال حج اور روزہ اور کلمات ماثورہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم وغیرہ وغیرہ اور تمام پاکیزہ اقوال اور افعال جن کا ثمرہ آخرت کے لیے باقی رہے وہ سب باقیات صالحات میں داخل ہیں اور اسی قول کو امام طبری رضی اللہ عنہ اور حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے اختیار فرمایا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ باقیات صالحات کی تلقین سے آخرت کی ترغیب مراد ہے کہ اس کے لیے تیاری کریں اب آئندہ آیات میں قیامت کے ہولناک واقعات سے آگاہ کرنے کے لئے چند انواع کا ذکر فرمایا۔

نوع اول ﴿وَيَوْمَ نُسِطُ الْجِبَالَ﴾ اور اس دن کو یاد کرنا چاہئے کہ جس دن ہم پہاڑوں کو انگی جگہوں سے ہٹا کر چلا دیں گے جن کا وجود اور بقاء لوگوں کی نظروں میں مستحکم ہے ان کو روٹی کے گالوں کی طرح اڑا دیں گے۔

نوع دوم ﴿وَوَسْطَى الْأَرْضِ بَابُ الرَّزْقِ﴾ اور تو اس دن زمین کو کھلا ہوا چٹیل میدان دیکھے گا نہ اس پر کوئی پہاڑ ہوگا نہ درخت نہ مکان پوری طرح زمین قاع صاف ہوگی یعنی برابر اور ہموار میدان ہوگی نہ اس میں اونچائی ہوگی نہ نچائی کسی



نامہ اعمال میں لکھا ہوا موجود پائیں گے تاکہ ان پر حجت قائم ہو اور تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا نہ وہ کسی کو بے تصور پکڑتا ہے اور نہ کسی کی نیکی کو ضائع کرتا ہے اور کسی کی نیکی کو ضائع کرتا ہے اس وقت جو کچھ تم دیکھ رہے ہو وہ سب تمہارے عمل کا پھل ہے۔  
گندم از گندم بروید جو ز جو از مکافات عمل غافل مشو

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ط كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ

اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ میں گر پڑے مگر ابلیس تھا جن کی قسم سے سو نکل بھاگا اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو، تو سجدہ کر پڑے مگر ابلیس۔ تھا جن کی قسم سے سو نکل بھاگا

أَمْرٍ رَبِّهِ ط أَفْتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ط بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ

اپنے رب کے حکم سے سو کیا اب تم ٹھہراتے ہو اس کو اور اس کی اولاد کو رفیق میرے سوا اور وہ تمہارے دشمن ہیں براہ تھ لگا بے انصافوں کے اپنے رب کے حکم سے۔ سو اب تم ٹھہراتے ہو اس کو اور اس کی اولاد کو رفیق میرے سوا، اور وہ تمہارے دشمن ہیں۔ براہ تھ لگا بے انصافوں کو

بَدَلًا ۝ مَا أَشْهَدُهُمْ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُمْ

بدلہ۔ دکھلا نہیں لیا تھا میں نے ان کو بنانا آسمانوں اور زمین کا اور نہ بنانا خود ان کا اور میں وہ نہیں کہ بدلہ۔ دکھا نہیں لیا میں نے ان کو بنانا آسمان و زمین کا اور نہ بنانا ان کا۔ اور میں وہ نہیں کہ

مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا ۝ وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَائِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ

بتاؤں بہکانے والوں کو اپنا مددگار ۲ اور جس دن فرمائے گا پکارو میرے شریکوں کو ۳ جن کو تم مانتے تھے پھر پکاریں گے پکڑوں بہکانے والوں کو بازو۔ اور جس دن فرمائے گا پکارو میرے شریکوں کو جو تم بتاتے تھے پھر پکاریں گے،

۱۔ راجح یہی ہے کہ ابلیس نوع جن سے تھا، عبادت میں ترقی کر کے گروہ ملائکہ میں شامل ہو گیا۔ اسی لیے فرشتوں کو جو حکم بھودا اس کو بھی ہوا۔ اس وقت اس کی اصل طبیعت رنگ لائی بیکر کر کے خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری سے بھاگ نکلا، آدم کے سامنے سر جھکانے میں کسر شان سمجھی۔ تعجب ہے کہ آج آدم کی اولاد اپنے رب کی جگہ اسی دشمن اذلی اور اس کی اولاد و اتباع کو اپنا رفیق و خیر خواہ اور مددگار بنانا چاہتی ہے اس سے بڑھ کر بے انصافی اور ظلم کیا ہوگا۔ یہ قصہ پہلے کئی جگہ مفصل گزر چکا ہے۔ یہاں اس پر متنبہ کرنے کے لیے لائے ہیں کہ دنیائے فانی کی ٹیپ ٹاپ پر مغرور ہو کر آخرت سے غافل ہو جانا شیطان کی تحریک و تسویل سے ہے۔ چاہتا ہے کہ ہم اپنے اصلی و آبائی وطن (جنت) میں واپس نہ جائیں۔ اس کا طمع نظریہ ہے کہ دوست بن کر ہم سے پرانی دشمنی نکالے۔ آدی کو لازم ہے کہ ایسے چالاک دشمن سے ہوشیار رہے۔ جو لوگ دنیاوی متاع پر مغرور ہو کر ضعیف کو حقیر سمجھتے اور اپنے کو بہت لمبا سمجھتے ہیں، وہ بیکر و نفاخ میں شیطان لعین کی راہ پر چل رہے ہیں۔

(تنبیہ) ابن کثیر نے بعض روایات نقل کر کے جن میں ابلیس کی اصل نوع ملائکہ میں سے بتلائی گئی ہے لکھا ہے کہ ان روایات کا غالب حصہ اسرائیلیات میں سے ہے جنہیں بہت نظر و فکر کے بعد احتیاط کے ساتھ قبول کرنا چاہیے اور ان میں بعض چیزیں یقیناً جھوٹ ہیں کیونکہ قرآن ان کی صحت و کذب کرتا ہے۔ آگے ابن کثیر نے بہت وزن دار الفاظ میں اسرائیلیات کے متعلق جو کچھ کلام کیا ہے، دیکھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ یہاں خوف و تسویل ہم درج نہیں کر سکتے۔

۲ یعنی زمین و آسمان پیدا کرتے وقت ہم نے ان شیاطین کو بلا یا نہ تھا کہ ذرا آ کر دیکھ جائیں، ٹھیک بنا ہے یا کچھ اونچ نیچ رہ گئی۔ غرض زنان سے مومن و امجاد عالم میں کچھ مشورہ لیا عیاد مدد طلب کی گئی بلکہ زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت تو سرے سے یہ موجود ہی نہ تھے۔ خود ان کو پیدا کرتے وقت بھی نہیں پوچھا گیا =

سُخَّرَ لِلدَّيْنِ

فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم مَّوْبِقًا ﴿۵۳﴾ وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ

سو وہ جواب نہ دیں گے ان کو اور کر دیں گے ہم ان کے اور ان کے پیچ مرنے کی جگہ فل اور دیکھیں گے گناہ گار آگ کو پھر سمجھ لیں گے کہ پھر وہ جواب نہ دیں گے، اور کر دیں گے ہم ان کے پیچ مرنے کے اسباب۔ اور دیکھیں گے گناہ گار آگ کو، پھر انکلیں گے کہ

مُؤَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۴﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ

ان کو پڑنا ہے اس میں اور نہ بدل سکیں گے اس سے راستہ ﴿۵۴﴾ اور بیشک پھیر پھیر کر سمجھائی ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو ہر ایک ان کو پڑنا ہے اس میں، اور نہ یاویں گے اس سے راہ بدلتی۔ اور پھیر پھیر سمجھائی ہم نے، اس قرآن سے لوگوں کو ہر ایک

مَثَلًا وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمْ

مثل اور ہے انسان سب چیز سے زیادہ جھگڑالو ﴿۵۵﴾ اور لوگوں کو جو رد کا اس بات سے کہ یقین لے آئیں جب پہنچی ان کو کہات۔ اور ہے انسان سب چیز سے زیادہ جھگڑنے کو۔ اور لوگوں کو انکاؤ جو رہا اس سے کہ یقین لاویں جب پہنچی ان کو

الْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةٌ الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۶﴾

ہدایت اور گناہ بخشوائیں اپنے رب سے سو اسی انتظار نے کہ پہنچے ان پر رسم پہلوں کی یا آکھڑا ہو ان پر عذاب سامنے کا ﴿۵۶﴾ راہ کی سوچھ اور گناہ بخشواویں اپنے رب سے، سو یہی کہ پہنچے ان پر رسم پہلوں کی، یا آکھڑا ہو ان پر عذاب سامنے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ

اور ہم جو رسول بھیجتے ہیں سو خوشخبری اور ڈر سنانے کو ﴿۵۷﴾ اور جھگڑا کرتے ہیں کافر جھوٹا جھگڑا کہ اور ہم جو رسول بھیجتے ہیں، سو خوشی اور ڈر سنانے کو۔ اور جھگڑے لاتے ہیں منکر جھوٹے جھگڑے،

کہ نہیں کیسا بنایا جائے۔ یا تمہارے دوسرے ہم ہمنوں کو کس طرح پیدا کر دل ذرا آ کر میری مدد کرو۔ اور بقرض محال مدد بھی لیتا اور قوت بازو بھی بناتا تو کیا ان بد بخت اشقیاء کو؟ جنہیں جانتا ہوں کہ لوگوں کو میری راہ سے بہکانے والے ہیں۔ پھر خدا جانے آدمیوں نے ان کو خدائی کا درجہ کیسے دے دیا اور اپنے رب کو چھوڑ کر انہیں کیوں رفیق و مددگار بنانے لگے۔ "سُبْحَانَكَ، وَتَعَالَى عَنَّا يَشْمُؤُا الظَّالِمُونَ عَمَلُوا كَبِيرًا۔"

﴿۵۷﴾ یعنی جن کو میرا شریک بنا رکھا تھا، بلاؤ! تاکہ اس مصیبت کے وقت تمہاری مدد کریں۔

فل اس وقت رفاقت اور دوستی کی ساری قلعی کھل جائے گی۔ ایک دوسرے کے نزدیک بھی نہ جاسکیں گے۔ کام آتا تو درکنار دونوں کے پیچ میں عظیم دوڑ خندق آگ کی مائل ہوگی (اعاذنا اللہ منها)

﴿۵۸﴾ یعنی شروع شروع میں شاید کچھ معافی کی امید ہوگی لیکن جہنم کو دیکھتے ہی یقین ہو جائے گا کہ اب اس میں گناہ ہے اور فرار کا کوئی راستہ نہیں۔

﴿۵۹﴾ یعنی قرآن کریم کس طرح مختلف عنوانات اور قسم قسم کے دلائل دامشہ سے سچی باتیں سمجھاتا ہے مگر انسان کچھ ایسا جھگڑالو واقع ہوا ہے کہ صاف اور سیدھی باتوں میں بھی کٹ جھتی کیے بغیر نہیں رہتا۔ جب دلائل کا جواب بن نہیں پڑتا تو ہنسل اور دوران کار فرمائشیں شروع کر دیتا ہے کہ فلاں چیز دکھاؤ تو مانوں گا۔

﴿۶۰﴾ یعنی ان کے ضد و عناد کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ قرآن ایسی عظیم الشان ہدایت پہنچ جانے کے بعد ایسا نہ لانے اور توبہ نہ کرنے کا کوئی معتول عذر ان کے پاس باقی نہیں۔ آخر قبول حق میں اب کیا دیر ہے اور کاہے کا انتظار ہے۔ بجز اس کے کہ پہلی قوموں کی طرح خدا تعالیٰ ان کو بلکل ہی تباہ کر ڈالے۔ یا اگر تباہ نہ کیے

جائیں تو کم از کم مختلف صورتوں میں عذاب الہی آنکھوں کے سامنے آکھڑا ہو۔ ہکذا یفہم من تفسیر ابن کثیر وغیرہ۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے =

لِيُنذِرُوا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوا ابْتِغَاءَ مَوَآءٍ يُنذِرُوا هُزُؤًا ﴿۱۵﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ

۱۵۔ میں اس سے کئی بات کو ف اور ٹھہرایا انہوں نے میرے کلام کو اور جو ڈر سنائے گئے ٹھٹھا اور اس سے زیادہ ظالم کون جس کو سمجھایا اس کے کہ ڈکا دیں اس سے کئی بات، اور ٹھہرایا ہے میرے کلام کو، اور جو ڈر سنائے، ٹھٹھا۔ اور کون ظالم اس سے؟ جس کو سمجھایا اس کے

رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ۖ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ

رب کے کلام سے پھر منہ پھیر لیا اس کی طرف سے اور بھول گیا جو کچھ آگے بھیج چکے ہیں اس کے ہاتھ میں ہم نے ڈال دیے ہیں ان کے دلوں پر پردے کہاں رب کے کلام سے، پھر منہ پھیرا اس کی طرف سے، اور بھول گیا جو آگے بھیج چکے ہیں اس کے ہاتھ۔ ہم نے رکھی ہے ان کے دلوں پر اوٹ کہ اس کو نہ

يَفْقَهُوهَا وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ﴿۱۶﴾ وَرَبُّكَ

کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں ہے بوجھ اور اگر تو ان کو بلائے راہ پر تو ہرگز نہ آئیں راہ پر اس وقت کبھی ذم اور تیرا رب سمجھیں، اور ان کے کانوں میں بوجھ۔ اور جو تو ان کو بلاوے راہ پر، تو ہرگز نہ آئیں راہ پر اس وقت کبھی۔ اور تیرا رب

الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوا أَلَعَجَلُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۖ بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ

بڑا بخشنے والا ہے رحمت والا اگر ان کو پکڑے ان کے کئے پر تو جلد ڈالے ان پر عذاب وہ ان کے لیے ایک وعدہ ہے بڑا بخشنے والا ہے مہر رکھتا۔ اگر ان کو پکڑے ان کے کئے پر، تو جلد ڈالے ان پر عذاب۔ پر ان کا ایک وعدہ ہے،

لَنْ يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْبِلًا ﴿۱۷﴾ وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا

کہیں نہ پائیں گے اس سے دوسرے سرک جانے کو جگہ ذم اور یہ سب بستیاں ہیں جن کو ہم نے غارت کیا جب وہ ظالم ہو گئے اور مقرر کیا تھا کہیں نہ پائیں گے اس سے دوسرے سرکے کو جگہ۔ اور یہ سب بستیاں جن کو ہم نے کھپا دیا، جب ظالم ہو گئے، اور رکھا تھا

لِيَهْلِكَنَّهُمْ مَوْعِدًا ﴿۱۸﴾

ہم نے ان کی ہلاکت کا ایک وعدہ ذم

ان کے کھینے کا ایک وعدہ۔

= میں "یعنی کچھ اور انتظار نہیں رہا مگر یہ ہی کہ پہلوں کی طرح ہلاک ہو دیں یا قیامت کا عذاب آنکھوں سے دیکھیں۔"

۱۵۔ ان کو یہ اختیار نہیں کہ جب تم مانگو یا جب وہ پائیں عذاب لاکھڑا کریں۔

۱۶۔ یعنی جھوٹے جھگڑے اٹھا کر اور کٹ جھتی کر کے چاہتے ہیں کہ حق کی آواز پست کر دیں اور جھوٹ کے زور سے سچائی کا قدم ڈمگادیں۔ ایسا کبھی نہ ہوگا۔

۱۷۔ یعنی کلام اللہ سے ٹھٹھا کرتے ہیں اور جس عذاب سے ڈرایا جاتا ہے اس کی ہنسی اڑاتے ہیں۔

۱۸۔ یعنی کبھی بھول کر بھی خیال نہ آیا کہ تکذیب حق اور استہزاء و تمسخر کا جو ذخیرہ آگے بھیج رہا ہے اس کی سزا کیا ہے۔

۱۹۔ یعنی ان کے بدل بالباطل اور استہزاء بالحق کی وجہ سے ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے اور کانوں میں ڈاٹ ٹھونک دی۔ اب حق کو سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں بالکل مسخ ہو گئے۔ پھر حق کی طرف متوجہ ہوں تو کیسے ہوں اور انجام کا خیال کریں تو کیسے کریں۔ ایسے بد بختوں کے راہ پر آنے کی بھی توقع نہیں۔

۲۰۔ یعنی کر تو ان کے ایسے کہ عذاب پہنچنے میں ایک گنہگار کی تاخیر نہ ہو، مگر حق تعالیٰ کا علم و حکم فوراً تباہ کر ڈالنے سے مانع ہے، اپنی رحمت مانع سے غاص نہ



## غرور اور تکبر کا حال اور مال

قَالَ النَّبِيُّ: «هُوَ أَذُّ قُلْنَا لِلْمَلِيكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ... إِلَى... وَجَعَلْنَا لِيَهْلِكِ مِنْهُمْ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ»

رابطہ:..... گزشتہ آیات میں اہل دولت کے غرور اور تکبر کا حال بیان کیا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ تمام خرابیوں کی جڑ یہی تکبر ہے جس کا آغاز ابلیس لعین سے ہوا اور تواضع اور نیاز مندی اور حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا بھی تمام بھلائیوں اور خوبیوں کی جڑ ہے۔ جس کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا یہ تمہارے باپ کا طریقہ ہے لہذا تم کو چاہئے کہ اپنے باپ آدم علیہ السلام کے طریقہ پر چلو پس خوب سمجھ لو کہ جو دولت مند کفر کرتے ہیں اور اپنے مال و دولت پر فخر کرتے ہیں اور فقراء مسلمین اور درویشان اسلام کو حقیر سمجھتے ہیں وہ سب ابلیس لعین کے مقتدی اور تبع ہیں جس طرح شیطان نے غرور کیا اور آدم علیہ السلام کو حقیر سمجھا اسی طرح یہ مال دار مشرک غریب مسلمانوں کو حقیر سمجھتے ہیں ابلیس کے انجام کو دیکھ لیں اور اپنے انجام کو سوچ لیں۔

رابطہ دیگر:..... کہ انسان کی غفلت اور سرکشی کے دو سبب ہیں ایک تو دنیا کی مال و دولت (اس کی کیفیت پہلے بیان ہو چکی ہے) اور دوسرا سبب انغواء شیطانی ہے اس آیت میں اس کا ذکر فرماتے ہیں اور بنی آدم علیہ السلام کو ابلیس کی عداوت پر آگاہ فرماتے ہیں کہ یہ تمہارا اور تمہارے باپ کا قدیمی دشمن ہے اس سے ڈرتے رہنا اور بچتے رہنا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو بطور تحیت و تکریم سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا اس نے آدم علیہ السلام کے شرف اور کرامت کو تسلیم نہ کیا اور اس نے اس لئے سجدہ نہ کیا کہ وہ قوم جن سے تھا عنصر ناری کے غلبہ سے وہ علو اور تکبر کی طرف مائل ہوا پس اپنے پروردگار کے حکم سے باہر نکل گیا اور آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کا دشمن ہو گیا تو بنی آدم جس کا یہ حال ہے کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو مجھے چھوڑ کر اپنا دوست بناتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارے جانی دشمن ہیں اور میں نے تو اس لعین کو تمہارے باپ کی وجہ سے اپنی بارگاہ سے نکال باہر کیا پھر مجھے چھوڑ کر ایسے دشمن کو اور اس کی ذات کو کیوں اپنا دوست بناتے ہو ظالموں کے لئے یہ بہت ہی برا بدل ہے یعنی کیا یہ ظلم نہیں کہ جس ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین نے تم کو مکرم اور مشرف کیا اسے چھوڑ کر اس جدی دشمن کو اپنا دوست بنانا چاہتے ہو اس آیت سے معلوم ہوا کہ ابلیس کے بیوی بچے بھی ہیں اس لیے کہ ذریت بغیر جو رو نہیں ہوتی اس قسم کے اقوال زیادہ تر مجاہد رضی اللہ عنہ اور شعبی رضی اللہ عنہ اور اعمش رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں اور بعض مرفوع حدیثوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین کو چھوڑ کر اپنے آبائی دشمن کو دوست بنانا بہت ہی برا بدل ہے۔

بقول دشمن بیان دوست بشکستی      نہیں کہ از کہ بریدی و با کہ پیوستی

= تک در گذر فرماتا ہے اور سخت سے سخت مجرم کو موقع دیتا ہے کہ چاہے تو اب بھی توبہ کر لے کچھلی خطائیں بخشوے۔ اور ایمان لا کر رحمت عظیمہ کا مستحق بن جائے۔  
 ذی یعنی یہ تاخیر عذاب ایک وقت معین تک ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی مجرم سزا کا وعدہ آنے سے پیشتر کہیں ادھر ادھر کھسک جائے۔ جب وقت آئے گا سزا بندھے پلے آئیں گے مجال نہیں کوئی روپوش ہو سکے۔  
 ذی یعنی عادی و نمود کی بستیاں جن کے واقعات مشہور و معروف ہیں دیکھ لو جب ظلم کیے کس طرح اپنے وقت معین پر تباہ و برباد کردی گئیں۔ اسی طرح تم کو ڈر رہنا چاہیے کہ وقت آنے پر عذاب الہی سے نہیں پناہ نہ ملے گی۔

اور ظاہر ہے کہ دوست کو چھوڑ کر آبائی دشمن کو اپنا دوست بنانا پڑا ہی ظلم ہے اب آئندہ آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ جن کو تم نے اپنا ولی اور متولی بنایا ہے وہ سب کے سب تمہاری طرح میرے بندے اور غلام ہیں کسی چیز کے مالک نہیں اس لیے کہ میں نے ان شیطانوں کو آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت اپنی مدد اور مشورہ کے لئے حاضر نہیں کیا تھا اور نہ خود ان کی پیدائش کے وقت ان کو بلا یا تھا کہ بلا کر ان سے پوچھا ہوتا کہ تم کو کیسا بنایا جائے مطلب یہ ہے کہ میں نے آسمان اور زمین اور تمام مخلوقات کو خود اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے ان کی پیدائش میں میں نے کسی سے مدد نہیں لی اور نہ کسی سے صلاح اور مشورہ لیا اور اگر بفرض محال مدد بھی لیتا تو میں ان بد بخت اشیاء گمراہ کرنے والوں کو قوت بازو بنانے والا نہیں جنہیں جانتا ہوں کہ میری راہ سے بہکانے والے ہیں مطلب یہ ہے کہ کجا یہ شیاطین و کفار اور کجا آفرینش پروردگار قادر مطلق کو کسی کی مدد کی کیا ضرورت اور جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو اس کی حقیقت قیامت کے دن کھل جائے گی اس دن خدا تعالیٰ بالواسطہ فرشتوں کے مشرکوں سے کہے گا کہ جن کو تم اپنے زعم میں میرا شریک قرار دیتے تھے بلند آواز سے ان کو اپنی امداد کے لئے پکارو تا کہ تمہارے زعم کے مطابق وہ تمہاری مدد اور سفارش کریں پس وہ ان کو اپنی مدد کے لئے بلائیں گے۔ سو وہ شرکاء ان کی بات کا کوئی جواب بھی نہ دیں گے اور نہ ان کی فریاد کو پہنچیں گے اور اس وقت ان گمراہوں پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ بالکل عاجز ہیں اور ان کو سفارش وغیرہ کا کوئی اختیار نہیں اور عیسیٰ علیہ السلام جیسے مقبولان خداوندی بجائے سفارش کرنے کے ان کافروں سے اپنی براءت اور بیزاری کا اظہار فرمائیں گے کہ ہم ان گمراہوں کے فعل سے بالکل بے خبر ہیں اور نہ ہم ان کے اس شرک پر راضی ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام اہل محشر کے سامنے ان گمراہوں کو بطور ملامت و توبیخ یہ حکم دے گا کہ جن کو تم شرکاء گمان کرتے تھے ان کو پکارو تا کہ تم کو اس عذاب سے چھڑوائیں اور تمہاری کچھ مدد کریں یہ لوگ پکاریں گے اور جواب نہ پائیں گے تو خوار اور ناامید ہو کر رہ جائیں گے اور پھر ہم ان عابدوں اور معبودوں کے درمیان ایک مہلک آڑ حائل کر دیں گے جس سے ان کے درمیان تفرقہ پڑ جائے گا اور ایک فریق دوسرے فریق سے مل نہ سکے گا اور نہ اس کے پاس جاسکے گا۔ کام آنا تو درکنار درمیان میں ایک عظیم خندق حائل ہوگی اور موبق کے معنیٰ جائے ہلاکت کے ہیں اس سے مراد آگ کی خندق ہے یا جہنم کی کسی وادی کا نام ہے جب درمیان میں یہ آڑ حائل ہو جائے گی تو ان کی امداد سے بالکل مایوسی ہو جائے گی اور بجائے مدد اور شفاعت کے اکفروں کو یہ موبق نظر آئے گی جو جہنم کی راہ ہے اور اس وقت مجرم لوگ دور سے آگ کو دیکھیں گے تو دیکھتے ہی یقین کر لیں گے کہ وہ ضرور اس آگ میں گرنے والے ہیں اور اس سے ہٹنے اور بچنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے کیونکہ وہ آگ ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوگی اور ہر طرف سے فرشتوں کا پہرہ ہوگا یہ اس واسطے فرمایا کہ جن کو وہ خدا کا شریک ٹھہراتے تھے۔ وہ ایسے عاجز ہیں کہ اس مصیبت کے وقت میں ان کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے اور مسند احمد اور مستدرک حاکم وغیرہ میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کافر جہنم کو چالیس سال کی مسافت میں دیکھے گا مطلب یہ ہے کہ شاید اس آگ کو دیکھنے سے پہلے معافی کی۔ کچھ امید ہو لیکن اس آگ کو دیکھنے کے بعد یقین کامل ہو جائے گا کہ ہمیں اس میں گرنا ہے اور اس سے کوئی مفر نہیں اب اس کے بعد قرآن کریم کی جامعیت

کو بیان فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت اور نصیحت کے لیے ہر قسم کی مثال تفصیل کے ساتھ بار بار بیان کر دی ہے تاکہ لوگ راہ حق سے نہ بھٹکیں مگر باوجود اس تفصیل اور واضح بیان کے لوگ حق سے جھگڑا گاتے ہیں اور ہے انسان جھگڑنے میں سب سے بڑھ کر انسان کی فطرت اور جبلت میں مجادلہ اور خاصہ ایسا مرکز ہے کہ حق کے مقابلہ میں مجادلہ کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور یہ جدال کبھی تو ایمانیات اور اعتقادات میں ہوتا ہے مثلاً توحید اور رسالت کے بارے میں یا قیامت کے بارے میں مجادلہ کرے تو یہ کفر ہے اور کبھی عبادات اور اعمال صالحہ میں ہوتا ہے تو یہ جدال معصیت یعنی گناہ ہے مثلاً کوئی شخص ایمانیات یعنی توحید و رسالت میں تو نہیں جھگڑا کرتا مگر کسی حق بات میں اور عمل کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے تو یہ جدال کفر نہ ہوگا بلکہ معصیت اور گناہ ہوگا اور کبھی یہ جدال قربات اور مستحبات میں ہوتا ہے تو یہ جدال بے ادبی ہے۔ مثلاً صحیحین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ رات کے وقت ان کے اور فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہما کے پاس آئے تو فرمایا کہ تم دونوں نماز کیوں نہیں پڑھتے (یعنی صلاۃ اللیل اور رات کے نوافل کیوں نہیں پڑھتے) علی رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے نفوس یعنی ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں جب وہ ہم کو رات کو نماز کے لئے اٹھانا چاہتا ہے تو اٹھا دیتا ہے۔ جب میں نے یہ جواب دیا تو آنحضرت ﷺ پشت پھیر کر واپس ہوئے اور مجھ سے کچھ نہیں کہا اور اپنے رانوں پر ہاتھ مارتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَقِيًّا جَدَلًا﴾ یعنی انسان بڑا جھگڑالو ہے۔

مبہم الذی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ جواب طاعات اور قربات یعنی مستحبات میں مجادلہ تھا کہ اپنی غفلت کی پردہ پوشی کے لیے خدا کی قدرت اور اس کی قضاء و قدر کو پیمانہ بنایا آنحضرت ﷺ نے اس آیت کی تلاوت سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ کا یہ جواب درحقیقت ایک نوع کا مجادلہ ہے جو خلاف ادب ہے اور عملاً بے رنجی اور بے التفاتی برتی تاکہ ناپسندیدگی کا اظہار ہو جائے اور جب لوگوں کے پاس ہدایت قرآنی آپہنچی تو ان کو اس ہدایت ایمانی پر ایمان لانے اور اس کے قبول کرنے سے اور اپنی سابقہ ضلالت سے توبہ اور استغفار کرنے سے کوئی امر مانع نہیں ہو مگر یہ بات مانع ہوئی کہ ان کو اس بات کا انتظار اور طلب ہے کہ ان پر بھی وہی سنت الہی جاری ہو کر جو گزشتہ جدال اور مقابلہ کرنے والوں پر جاری ہوئی تھی یا اس بات کے منتظر ہیں کہ عذاب الہی ان کے سامنے آکھڑا ہو حاصل یہ کہ ان مجادلین اور معاندین پر یہ امر بخوبی منکشف ہو گیا ہے کہ قرآن حق ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول برحق ہیں۔ جدال اور عناد کے عادی ہیں یہ لوگ ایمان لانے والے اور حق کے ماننے والے نہیں بلکہ اس کے منتظر ہیں کہ اگلے مجادلین کی طرح ہلاک کئے جائیں یا عذاب الہی ان کی آنکھوں کے سامنے آجائے تب مانیں۔ حالانکہ اس وقت کا ماننا قابل قبول نہیں اور نہ مفید ہے اور ہم نہیں بھیجے رسولوں کو مگر صرف اہل ایمان کو بشارت دینے کے لیے اور اہل ضلالت کو عذاب الہی سے ڈرانے کے لیے ان پر یہ لازم نہیں کہ خواہ مخواہ لوگوں کو حق منوالیں اور جو لوگ کافر ہیں وہ بے ہودہ اور مہمل باتوں کے ذریعے جھگڑتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے حق کو پھسلا دیں اور لڑکھڑادیں یعنی اس قسم کی مہمل اور بیہودہ باتوں سے مجادلین کی یہ غرض ہوتی ہے کہ حق کو باطل اور باطل کو حق اور سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا دیں اور ان لوگوں نے بنا لیا ہے میری آیات کو اور اس عذاب کو جن سے ان کو ڈرایا گیا مضحکہ یعنی اسکو مذاق اور ٹھٹھا بنا لیا ہے یعنی ان

لوگوں نے آیات الہیہ کو اور مواعد خداوندی کو مضحکہ بنالیا ہے اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس کو اس کے پروردگار کے کلام سے نصیحت کی گئی اور اس کو ہوشیار کر دیا گیا پھر اس نے ان کی طرف سے منہ موڑا اور فراموش کر دیا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے یعنی اپنے گناہوں اور بدکاریوں کے انجام کو بھول گیا اور یہ نہ سوچا کہ جو کفر اور گناہ اپنے ہاتھوں اپنے نفس پر ظلم کر کے آگے بھیج رہا ہوں اس کا نتیجہ کیا ہوگا اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے خود اپنے ہاتھوں سے کر کے آگے بھیج رہا ہوں اس کا نتیجہ اس کو تباہ اور برباد کر ڈالا اور ہر چند کہ اس کو آیات خداوندی سے نصیحت کی گئی مگر ایک نہ سنی اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ تحقیق ہم نے ایسے مجادلین اور معاندین کے دلوں پر غفلت کے پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ قرآنی ہدایت کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں گردانی ڈال دی ہے تاکہ حق کو نہ سن سکیں اور اے نبی ﷺ اگر آپ ﷺ ان کو راہ راست کی طرف بلائیں تو ایسی حالت میں وہ کبھی بھی ہدایت پر نہیں آئیں گے اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفر اور ایمان اور ہدایت اور گمراہی سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے مگر اس کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں بندہ کو چاہئے کہ اللہ کے حکم پر چلے رہا یہ امر کہ اللہ کے علم میں کیا ہے سوا اس کا علم کسی کو نہیں بندہ کو حکم یہ ہے کہ کسب معاش کے لیے تجارت کرے یا زراعت کرے باقی اس تحقیق میں پڑنا کہ مقدر میں کتنا رزق لکھا ہے یہ جہالت اور حماقت ہے اور اے نبی ﷺ تیرا پروردگار بڑا بخشنے والا ہے خداوندی رحمت ہے اس لئے وہ ان مجادلین اور معاندین اور مجرمین پر بالفعل اور فی الفور عذاب نازل نہیں کرتا اگر وہ ان کو ان کے اعمال پر پکڑنے لگے تو ان کی بد اعمالیوں کا مقتضی یہ ہے کہ دنیا ہی میں ان پر جلد عذاب نازل کرے مگر وہ ایسا نہیں کرتا وہ بڑا علیم اور کریم ہے عذاب میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ان کی سزا کے لیے ایک وقت مقرر ہے یعنی روز قیامت جس سے چارہ اور مفر نہیں ہرگز نہ پاویں گے اس وعدہ سے پناہ اور بھاگنے کی جگہ کہ اس کے آنے سے پہلے ہی کہیں جا چھپیں اور اس سے محفوظ ہو جائیں اور یہ اجڑی ہوئی بستیاں تمہارے سامنے ہیں یعنی قوم عاد اور قوم ثمود اور قوم لوط کی اجڑی ہوئی بستیاں تمہارے سامنے ہیں ہم نے ان کو ہلاک کر دیا جب انہوں نے کفر اور شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا تھا۔ ایک لمحہ اور ایک لحظہ کا بھی فرق نہ ہو اسی طرح آپ ﷺ کے زمانہ کے سرکشوں اور جدال کرنے والوں کے لیے بھی علم الہی میں ایک وقت مقرر ہے یہ لوگ بھی اپنے وقت پر ہلاک ہوں گے آپ ﷺ تسلی رکھئے اور ان کی تکذیب اور جدال کی پروا نہ کیجئے۔ خلاصہ کلام یہ کہ ان آیات میں نبی کا غرور اور تکبر کی وجہ سے خراب اور برباد ہونا بیان کیا اب آگے موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندے اپنے آپ کو کسی سے بہتر نہیں جانتے تو وضع کا انجام بہتر ہے اور تکبر کا انجام برا ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۱۵﴾ فَلَمَّا بَلَغَا

اور جب کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو میں نہ ہوں گا جب تک نہ پہنچ جاؤں جہاں ملتے ہیں دو دریا یا چلا جاؤں قرونوں کا پھر جب پہنچے اور جب کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو، میں نہ ہوں گا جب تک نہ پہنچوں دو دریا کے ملاپ تک، یا چلتا جاؤں قرونوں کا۔ پھر جب پہنچے فل اوہ ذکر ہوا تھا کہ مغرور کافر مفلس مسلمانوں کو حقیر سمجھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ ان کو پاس نہ بٹھائیں تو ہم بیٹھیں۔ اسی پر دو شخصوں کی کھادت سنائی، پھر دنیا کی مثال اور ایلیس کا کبر و غرور سے خراب ہونا بیان کیا۔ اب موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ اللہ والے اگر سب سے افضل اور بہتر بھی ہوں تو =

جَمَعَ بَيْنَهُمَا نِسِيًا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۱۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ

دونوں دریا کے ملاپ تک بھول گئے اپنی مچھلی پھر اس نے اپنی راہ کر لی دریا میں سرنگ بنا کر فی پھر جب آگے چلے کہا موسیٰ نے اپنے دونوں دو دریا کے ملاپ تک، بھول گئے اپنی مچھلی، پھر اس نے راہ لی دریا میں سرنگ بنا کر۔ پھر جب آگے چلے، کہا موسیٰ نے اپنے

اِنَّا عَدَاءُكَ لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا ﴿۱۲﴾ قَالَ اَرَايْتَ اِذْ اَوْتَيْنَا اِلَى الصَّخْرَةِ

جو ان کو لا ہمارے پاس ہمارا کھانا ہم نے پالی اپنے اس سفر میں تکلیف فی بولا وہ دیکھا تو نے جب ہم نے جگہ پکڑی اس پتھر کے پاس جو ان کو، لا ہمارے پاس ہمارا کھانا، ہم نے پالی ہے اپنے اس سفر میں تکلیف۔ بولا وہ دیکھا تو نے جب ہم نے جگہ پکڑی اس پتھر یا اس،

فَاِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا اَنْسِيَهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهَا ۗ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي

سو میں بھول گیا مچھلی اور یہ مجھ کو بھلا دیا شیطان ہی نے کہ اس کا ذکر کروں ﴿۱۳﴾ اور اس نے کر لیا اپنا راستہ سو میں بھول گیا مچھلی۔ اور مجھ کو بھلایا شیطان ہی نے، کہ اس کا مذکور کروں۔ اور وہ کر گئی اپنی راہ

= اپنے آپ کو بہتر نہیں کہتے۔ اور کبھی بھول چوک سے کہہ گزریں تو حق تعالیٰ کی طرف سے تادیب و تنبیہ کی جاتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو نہایت موثر اور بیش بہا نصیحتیں فرما رہے تھے ایک شخص نے پوچھا۔ اے موسیٰ! کیا روئے زمین پر آپ اپنے سے بڑا عالم کسی کو پاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ یہ جواب واقع میں صحیح تھا کیونکہ موسیٰ اولو العزم پیغمبروں میں سے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے زمانہ میں اسرارِ شریعہ کا علم ان سے زیادہ کس کو ہو سکتا تھا۔ لیکن حق تعالیٰ کو ان کے الفاظ پسند نہ آئے، جو مراد صحیح تھی۔ تاہم عنوان جواب کے عموم سے ظاہر ہوتا تھا کہ روئے زمین پر من کل الوجوه اپنے کو اعلم الناس خیال کرتے ہیں۔ خدا کی مرضی یہ تھی کہ جواب کو اس کے علم محیط پر محمول کرتے۔ مثلاً یہ کہتے کہ اللہ کے مقرب و مقبول بندے بہت سے ہیں، سب کی خبر ہی کو ہے۔ تب وحی آئی کہ جس جگہ دو دریا ملے ہیں اس کے پاس ہمارا ایک بندہ ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے دو دریا سے کون سے دریا مراد ہیں؟ بعض نے کہا کہ بحر فارس اور بحر روم لیکن یہ دونوں ملتے نہیں۔ شاید ملاپ سے مراد قریب ہو گا یعنی جہاں دونوں کا فاصلہ کم سے کم رہ جائے۔ بعض افریقہ کے دو دریا مراد لیتے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک ”مجمع البحرین“ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر جلد اور فرات تلخ فارس میں گرتے ہیں۔ (واللہ اعلم) بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ مجھے اس کا پورا پورا نشان بتایا جائے تاکہ میں وہاں جا کر کچھ علمی استفادہ کروں۔ حکم ہوا کہ اس کی تلاش میں نکلو تو ایک مچھلی تل کر ساتھ رکھ لو، جہاں مچھلی لگے ہو وہیں کھنکھنا کہ وہ بندہ موجود ہے گویا ”مجمع البحرین“ سے جو ایک وسیع قلعہ مراد ہو سکتا تھا اس کی پوری تعیین کے لیے یہ علامت مقرر فرمائی دی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسی ہدایت کے موافق اپنے خادم خاص حضرت یوشع علیہ السلام کو ہمراہ لے کر سفر شروع کر دیا۔ اور یوشع علیہ السلام کو کہہ دیا کہ مچھلی کا خیال رکھنا۔ میں برابر سفر کرتا رہوں گا یہاں تک کہ منزل مقصود پر پہنچ جاؤں۔ اگر فرض کرو برس اور قرن بھی گزر جائیں گے بدون مقصد حاصل کیے سفر سے نہ ہونگا۔

(ختیہ) جو ان سے مراد حضرت یوشع علیہ السلام ہیں جو ابتداءً موسیٰ علیہ السلام کے خادم خاص تھے، پھر ان کے رد برد پیغمبر اور ان کے بعد خلیفہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر ایک بڑے پتھر کے قریب جس کے نیچے آب حیات کا چشمہ جاری تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام سو رہے۔ یوشع علیہ السلام نے دیکھا کہ کبھی ہوتی مچھلی باذن اللہ زندہ ہو کر زمیں سے نکل پڑی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سرنگ بناتی چلی گئی۔ وہاں پانی میں خدا کی قدرت سے ایک طاق سے کھلا رہ گیا۔ یوشع علیہ السلام کو دیکھ کر تعجب آیا۔ چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوں تو ان سے کہوں۔ وہ بیدار ہوئے تو دونوں آگے ہل کھڑے ہوئے۔ یوشع علیہ السلام نے معلوم کن خیالات میں پڑ کر کہنا بھول گئے۔ روایات میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب ان کو مچھلی کی خبر گیری کے لیے کہا تھا تو ان کی زبان سے نکلا کہ یہ کوئی بڑا کام نہیں۔ لہذا متنبہ کیا گیا کہ چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی آدمی کو محض اپنے نفس پر بھروسہ نہیں چاہیے۔

﴿۱۴﴾ حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے نہیں تھکے۔ جب مطلب چھوٹ رہا تھا اس وقت پلٹنے سے تکان محسوس کیا۔ ﴿۱۵﴾ یعنی مطلب کی بات بھول جانا اور میں موقع یادداشت پر ذہول ہونا، شیطان کی وسوسہ اندازی سے ہوا۔

الْبَحْرِ عَجَبًا ۖ قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغُ ۖ فَارْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا ۗ فَوَجَدَا عَبْدًا

دریا میں عجیب طرح کہا یہی ہے جو ہم چاہتے تھے پھر اٹے پھرے اپنے پر پہچانتے فل پھر پایا ایک بندہ  
دریا میں عجب طرح۔ کہا یہی ہے جو ہم چاہتے تھے۔ پھر اٹے پھرے اپنے پر پہچانتے۔ پھر پایا ایک بندہ

مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا ۗ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ

ہمارے بندوں میں کہ جس کو دی تھی ہم نے رحمت اپنے پاس سے اور سکھایا تھا اپنے پاس سے ایک علم ۲۱ کہا اس کو موسیٰ نے  
ہمارے بندوں میں کا جس کو دی تھی ہم نے اپنی مہر اپنے پاس سے، اور سکھایا تھا اپنے پاس سے ایک علم۔ کہا اس کو موسیٰ نے،

اتَّبِعْكَ عَلَىٰ أَنْ تَعْلَمَ مِنَّا عِلْمًا ۗ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۗ

کہے تو تیرے ساتھ رہوں اس بات پر کہ مجھ کو سکھا دے کچھ جو تجھ کو سکھائی ہے بھلی راہ ۲۲ بولا تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ  
کہے تو تیرے ساتھ رہوں، اس پر کہ مجھ کو سکھا دے کچھ، جو تجھ کو سکھائی ہے بھلی راہ۔ بولا تو نہ سکے گا میرے ساتھ ٹھہرنا۔

وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ۗ قَالَ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا

اور کیونکر ٹھہرے گا دیکھ کر ایسی چیز کو کہ تیرے قابو میں نہیں اس کا کچھنا ۲۳ کہا تو پاتے گا اگر اللہ نے چاہا مجھ کو ٹھہرنے والا اور نہ  
اور کیوں کر ٹھہرے دیکھ کر ایک چیز کو، جو تیرے قابو میں نہیں اس کی سمجھ؟ کہا تو پاوے گا اگر اللہ نے چاہا مجھ کو ٹھہرنے والا، اور نہ

أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ۗ قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ

نالوں گا تیرا کوئی حکم ۲۴ بولا پھر اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو مت پوچھو مجھ سے کوئی چیز جب تک میں شروع نہ کروں تیرے آگے اس کا  
نالوں گا تیرا کوئی حکم۔ بولا، پھر اگر میرے ساتھ رہتا ہے، تو مت پوچھو مجھ سے کوئی چیز، جب تک میں شروع نہ کروں تیرے آگے اس کا

فل غالباً راست بنا ہوا نہ ہوگا۔ اس لیے اپنے نقش قدم دیکھتے ہوئے اٹے پاؤں پھرے۔

۲۱ وہ بندہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ جن کو حق تعالیٰ نے رحمت خصوصی سے نوازا اور اسرا کو نیند کے علم سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت خضر علیہ  
السلام کو رسول مانا جائے یا نبی یا شخص دلی کے درجہ میں رکھا۔ نے۔ ایسے مباحث کا فیصلہ یہاں نہیں ہو سکتا۔ تاہم احقر کا رجحان اسی طرف ہے کہ ان کو نبی تسلیم کیا جائے اور جیسا  
کہ بعض محققین کا خیال ہے کہ جو انبیاء جدیدہ شریعت لے کر نہیں آتے ان کو بھی اتنا تصرف و اختیار عطا ہوتا ہے کہ مصالح خصوصیت کی بناء پر شریعت مستقلہ کے کسی عام کی  
تخصیص یا مطلق کی تقیید یا عام ضابطہ سے بعض جزئیات کا استثناء کر سکیں۔ اسی طرح جزئی تصرفات حضرت خضر علیہ السلام کو بھی حاصل تھے، واللہ اعلم۔ بہر حال موسیٰ علیہ  
السلام خضر علیہ السلام سے ملے۔ علیک ملیک کے بعد خضر علیہ السلام نے پوچھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے آنے کا سبب بتلایا۔ خضر علیہ السلام نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام! بلاشبہ اللہ  
نے تمہاری تربیت فرمائی۔ پر بات یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ایک علم (جزئیات کو نیند کا) مجھ کو ملا ہے جو (آتی مقدار میں) تم کو نہیں ملا۔ اور ایک علم (اسرار تشریح کا) تم کو دیا گیا  
ہے جو (آتی بہتات سے) مجھ کو نہیں دیا گیا۔ اس کے بعد ایک چرچا دیکھا کہ جو دریا میں سے پانی پی رہی تھی، کہا کہ میرا تمہارا بلکہ کل مخلوقات کا سارا علم اللہ کے علم میں سے اتنا  
ہے جتنا دریا کے پانی میں سے وہ قطرہ جو چڑیا کے منہ کو لگ گیا ہے (یہ بھی محض تقییم کے لیے تھا اور نہ متناہی کو غیر متناہی سے قطعہ اور دریا کی نسبت بھی نہیں)

۲۲ یعنی اجازت ہو تو چند روز آپ کے ہمراہ رہ کر اس مخصوص علم کا کچھ حصہ حاصل کر دوں۔

۲۳ حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے مزاج وغیرہ کا اندازہ کر کے سمجھ لیا کہ میرے ساتھ ان کا نیا نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ وہ ماسور تھے کہ واقعات کو نیند کو جزئی علم  
پاکر اسی کے موافق عمل کریں اور موسیٰ علیہ السلام جن علوم کے حامل تھے ان کا تعلق تشریحی قوانین و کلیات سے تھا بنا بریں جن جزئیات میں عوارض و خصوصیات نامہ کی  
وجہ سے بظاہر عام ضابطہ پر عمل نہ ہو گا حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی معلومات کی بناء پر ضرور روک ٹوک کریں گے اور خاموشی کا مسلک دیر تک قائم نہ رکھ سکیں گے۔ =

ذِكْرًا ۞ فَاَنْطَلَقْنَاهُ حَتَّىٰ اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا ۗ قَالَ اٰخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ ۙ

ذکر فل پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب چڑھے کشتی میں اس کو پھاڑ ڈالا موسیٰ بولا کیا تو نے اس کو پھاڑ ڈالا کہ ڈبا دے مذکور۔ پھر دونوں چلے۔ یہاں تک جب چڑھے ناؤ میں، اس کو پھاڑ ڈالا۔ موسیٰ بولا، تو نے اس کو پھاڑ ڈالا کہ ڈبا دے

اَهْلَهَا ۗ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِمْرًا ۞ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۞ قَالَ

اس کے لوگوں کو البتہ تو نے کی ایک چیز بھاری فل بولا میں نے نہ کہا تھا تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ کہا اس کے لوگوں کو؟ تو نے کی ایک چیز انوکھی۔ بولا، میں نے نہ کہا تھا تو نہ سکے گا میرے ساتھ ٹھہرنا؟ کہا،

لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ اَمْرِي عُسْرًا ۞ فَاَنْطَلَقْنَاهُ حَتَّىٰ اِذَا لَقِيَا

مجھ کو نہ پکڑ میری بھول پر اور مت ڈال مجھ پر میرا کام مشکل فل پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ملے مجھ کو نہ پکڑ میری بھول پر، اور نہ ڈال مجھ پر میرا کام مشکل۔ پھر دونوں چلے۔ یہاں تک کہ ملے

غُلًّا فَقَتَلَهُ ۗ قَالَ اَقْتَلْتَنِي نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ ۗ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا نُّكْرًا ۞

ایک لڑکے سے تو اس کو مار ڈالا فل موسیٰ بولا کیا تو نے مار ڈالی ایک جان ستھری فل بغیر عوض کسی جان کے بیشک تو نے کی ایک چیز نامعقول فل ایک لڑکے سے، اس کو مار ڈالا، موسیٰ بولا، تو نے مار ڈالی ایک جان ستھری بن بدلے کسی جان کے۔ تو نے کی ایک چیز نامعقول۔

### قصہ حضرت موسیٰ باخضر علیہ السلام

قَالَ النَّبِيُّ: ﴿وَاِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَلْبِهٖ لَا اَبْرٰحُ... اِلٰى... لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا نُّكْرًا﴾

= آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ بد اہونا پڑے گا۔

۱۵ یہ وعدہ کرتے وقت غالباً موسیٰ علیہ السلام کو اس کا تصور بھی نہ ہو سکتا تھا کہ ایسے مقرب و مقبول بندہ سے کوئی ایسی حرکت دیکھنے میں آئے گی جو علانیہ ان کی شریعت بلکہ عام شرائع و اخلاق کے خلاف ہو۔ غیبت ہو کہ انہوں نے "ان شاء اللہ" کہہ لیا تھا۔ ورنہ ایک قطعی وعدہ کی خلاف ورزی کرنا اولوالعزم پیغمبر کی شان کے لائق نہ ہوتا۔

۱۶ یعنی کوئی بات اگر بظاہر ناحق نظر آئے تو مجھ سے فوراً باز پرس نہ کرنا، جب تک میں خود اپنی طرف سے کہنا شروع نہ کروں۔

۱۷ جب اس کشتی پر چڑھنے لگے ناؤ والوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان کر مہفت سوار کر لیا۔ اس احسان کے بدلے یہ نقصان دیکھ کر موسیٰ کو اور زیادہ تعجب ہوا۔ لیکن کشتی پوری طرح کنارہ کے قریب پہنچ کر توڑی لوگ ڈوبنے سے بچ گئے اور توڑنا یہ تھا کہ ایک تختہ نکال ڈالا جو یا عیب دار کر دی۔

۱۸ یعنی اگر بھول چوک پر بھی گرفت کر دے تو میرا تمہارے ساتھ رہنا مشکل ہو جائے گا۔ یہ پہلا پوچھنا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھول کر ہوا۔ اور دوسرا اقرار کرنے کو اور تیسرا رخصت ہونے کو۔

۱۹ ایک گاؤں کے قریب چند لڑکے کھیل رہے تھے، ان میں سے ایک کو جو زیادہ خوبصورت اور سیانا تھا پکڑ کر مار ڈالا۔ اور پہل کھڑے ہوئے بعض روایات میں اس کا نام بیسور آیا ہے۔ وہ لڑکا بالغ تھا یا نہیں؟ بعض کا قول ہے کہ بالغ تھا اور لفظ غلام عدم بلوغ پر دلالت نہیں کرتا۔ لیکن جمہور مفسرین اس کو نابالغ ہی بیان کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۲۰ یعنی بے گناہ۔ جب تک لڑکا بالغ نہ ہو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ لفظ بظاہر اس کے نابالغ ہونے کی تائید کرتا ہے۔ اگرچہ دوسروں کے لیے تاویل کی گنجائش ہے۔

۲۱ یعنی اول تو نابالغ قصاص میں بھی قتل نہیں کیا جاسکتا۔ اس پر مزید یہ کہ یہاں قصاص کا بھی کوئی قصہ نہ تھا۔ پھر اس سے بڑھ کر معقول بات کون سی ہوگی۔

سبحان اللہ

رابطہ:..... چونکہ قریش نے آنحضرت ﷺ کی آزمائش کے لیے روح اور اصحاب کبف اور ذوالقرنین کے متعلق جو سوالات کیے تھے وہ یہود کے بتلانے اور سمجھانے سے کئے تھے کہ اگر آنحضرت ﷺ ان باتوں کا جواب دے دیں تو جانو کہ وہ نبی ہیں ورنہ نہیں اس لئے یہود کے سنانے کے لیے موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں تاکہ معلوم کریں کہ نبی کے لیے یہ شرط نہیں کہ اس کو سب چیزیں معلوم ہوں اور وہ تمام اخبار اور قصص کا عالم ہو بلکہ نبوت کے لیے وحی اور علوم ہدایت کی معرفت ضروری ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام باوجود کلیم ہونے کے ان علوم سے واقف نہ تھے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو عطا کیے تھے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لیے سفر کیا تاکہ وہ ان سے علوم حاصل کریں جو اللہ تعالیٰ نے خاص ان کو عطا کئے ہیں معلوم ہوا کہ نبی اور رسول کے لیے تمام علوم کا عالم ہونا اور تمام واقعات اور قصص سے باخبر ہونا اور ہر قسم کے علم سے واقف ہونا ضروری نہیں البتہ نبی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان علوم ہدایت سے پوری طرح باخبر ہو جن کو رضائے خداوندی اور قرب خداوندی اور امت کی اصلاح اور تربیت میں دخل ہو اور اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو جو علم زیادہ اس قسم کا نہ تھا بلکہ دوسری قسم کا تھا اس قسم کے علوم میں خضر علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر تھے مگر عند اللہ فضیلت اور تقرب کا دار و مدار علوم ہدایت اور علوم شریعت پر ہے ان علوم میں موسیٰ علیہ السلام سب سے اعلیٰ اور افضل اور سب سے بالا اور برتر تھے ان علوم میں روئے زمین پر ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔

موسیٰ علیہ السلام ایک بار بنی اسرائیل میں وعظ فرما رہے تھے تو کسی نے پوچھا کہ اوقت آدمیوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا ”میں“ مطلب یہ تھا کہ جن علوم کو ہدایت اور قرب الہی کے حصول میں دخل ہے ان علوم میں کوئی میرے برابر نہیں اور یہ کلام باعتبار معنی اور مقصود کے صحیح تھا کیونکہ آپ علیہ السلام اللہ کے اولوالعزم رسول تھے اور کلیم اللہ تھے اور صاحب تورات تھے اور صاحب معجزات عظیمہ تھے اس وقت روئے زمین پر آپ علیہ السلام سے بڑھ کر کسی کو علوم ہدایت کی معرفت حاصل نہ تھی۔ مگر لفظ ظاہراً مطلق تھا مقام رسالت کے مناسب یہ تھا کہ علی الاطلاق اپنے کو سب سے بڑا عالم نہ کہتے سب سے زیادہ علم کی نسبت خداوند ذوالجلال کی طرف مناسب تھی مقربین کی ادنیٰ اور ادنیٰ اور معمولی سے معمولی بات پر بھی باز پرس ہو جاتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اپنے برگزیدہ بندے کو احتیاطاً فی الکلام کی تعلیم دی جائے موسیٰ علیہ السلام کا جواب اگرچہ باعتبار معنی اور مقصود کے صحیح تھا لیکن حق تعالیٰ کو یہ الفاظ پسند نہ آئے اس لئے کہ جواب کے ظاہری عموم اور اطلاق سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ روئے زمین پر من کل الوجوه موسیٰ علیہ السلام اعلم الناس ہیں اس لئے بغرض تادیب و تنبیہ یہ ارشاد ہوا کہ ہمارا ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ بعض علوم میں وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے مطلب یہ تھا کہ بعض علوم میں وہ تم سے زیادہ ہے گو ان علوم کو قرب الہی اور رضائے خداوندی کے حصول میں دخل نہ ہو۔ لہذا سائل کے جواب میں اپنے کو مطلقاً اعلم الناس کہنا مناسب نہ تھا بلکہ مناسب یہ تھا کہ جواب کو خدا تعالیٰ کے علم محیط پر محمول کرتے اور کہتے کہ اللہ اعلم کہ اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے اللہ کے بہت سے مقبول اور مقرب بندے ہیں سب کی خبر اس کو ہے اور اسی کو معلوم ہے کہ اس نے اپنے خزانہ غیب میں سے کس کو کون سا علم عطا کیا ہے ﴿فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾



حق جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سہو اور نسیان پر متنبہ فرمایا اور خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا حکم دیا۔ موسیٰ علیہ السلام اس ارشاد خداوندی کو سن کر ان سے ملنے کے مشتاق ہوئے اور پوچھا کہ ان سے ملنے کی کیا صورت ہے ارشاد ہوا کہ مجمع البحرین یعنی روم اور فارس کے دو سمندر آپس میں ملتے ہیں وہاں پتھر کے پاس میرا ایک نیک بندہ ہے جو تجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے ہم نے اس کو ایک خاص علم دیا ہے جا کر اس سے ملو اور ناشتہ کے لیے ایک مچھلی تل کر اپنے زنبیل میں رکھ لو اور روانہ ہو جاؤ جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہیں تم کو ہمارا وہ بندہ ملے گا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مچھلی بھنوا کر زنبیل میں رکھ لی اور یوشع بن نون کو اپنے ساتھ لے کر مجمع البحرین روانہ ہوئے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی وہ وقت یاد کرو جب کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان خادم سے جس کا نام یوشع بن نون تھا یہ کہا کہ میں اس سفر میں برابر چلتا رہوں گا یہاں تک کہ میں اس مقام پر پہنچ جاؤں جہاں دو دریا آپس میں ملتے ہیں یا طلب مطلوب میں مدتوں چلتا رہوں یعنی جب تک خدا کے اس نیک بندہ سے ملاقات نہ ہوگی میں سفر سے منہ نہ موڑوں گا۔

دست از طلب ندارم تا کام من بر آید یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن بر آید

چنانچہ بھنی ہوئی مچھلی ساتھ لے کر دونوں سفر کے لیے روانہ ہوئے پس جب یہ دونوں ان دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر پہنچے تو اپنی مچھلی وہیں بھول گئے پس وہاں پہنچ کر وہ مچھلی باذن الہی زندہ ہو گئی اور دریا میں جا داخل ہوئی اور اس نے دریا میں ایک سرنگ کی طرح راہ بنالی جہاں مچھلی جاتی وہاں دریا کا پانی دونوں طرف سے کھڑا ہو جاتا اور بیچ میں ایک طاق سا بن جاتا جب یہ دونوں حضرات مجمع البحرین پر پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام تو سو گئے اور یوشع بن نون علیہ السلام جاگتے رہے وہاں ایک چشمہ تھا یوشع بن نون اس چشمہ سے وضو کرنے لگے ان کے ہاتھ سے ایک دو قطرہ پانی کا اس بھنی ہوئی مچھلی پر ٹپک پڑا اس سے وہ مچھلی فوراً زندہ ہو گئی یا کسی طرح سے وہ مچھلی باذن اللہ زندہ ہو گئی۔ واللہ اعلم۔ (تفصیل کے لیے فتح الباری کتاب الانبیاء دیکھئے)

اور دریا میں چلی گئی اور پانی میں جا کر بیٹھ گئی اور وہاں اس کے لیے مثل روشن دان کے ایک طاق بن گیا۔

یوشع بن نون علیہ السلام کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا اور قصد کیا کہ جب موسیٰ علیہ السلام جاگیں گے تب ان سے اس کا ذکر کروں گا مگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جاگے تو یوشع علیہ السلام اس کا تذکرہ کرنا بھول گئے اور دونوں حضرات وہاں سے آگے چل کھڑے ہوئے۔

پھر جب دونوں وہاں سے آگے بڑھے اور چلتے چلتے دور نکل گئے تو اگلے روز دن چڑھے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم یوشع بن نون سے کہا کہ ہمارا صبح کا کھانا لادو تحقیق ہم سفر کی اس منزل میں تعب اور مشقت کو پہنچے ہیں یعنی تھک گئے ہیں۔ مجمع البحرین تک موسیٰ علیہ السلام کو تھکن نہیں ہوئی جب منزل مقصود سے آگے بڑھے تب تھکن محسوس ہوئی اور بھوک بھی لگی اور کھانا طلب کیا دیکھا تو مچھلی نثار ہے اس وقت یوشع بن نون علیہ السلام کو مچھلی کا حال دیا آیا اور بولے کہ بھلا آپ کو معلوم بھی ہے کہ جب ہم اس پتھر کے پاس ٹھہرے تھے اور آپ تو وہاں سو گئے تھے اور مچھلی کا ایک زندہ ہو کر دریا میں داخل ہو گئی اور اس کے لیے ایک طاق سا بن گیا اور میرا ارادہ یہ تھا کہ جب آپ بیدار ہوں گے تو آپ سے اس واقعہ کا ذکر کروں گا مگر جب آپ بیدار ہوئے تو تحقیق میں آپ سے اس مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا اور یہ پتھر جس کے پاس جا کر ٹھہرے تھے مجمع البحرین پر تھا اور یہی

مقام ان کی منزل مطلوب و مقصود تھی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بتلادیا تھا کہ خضر علیہ السلام کے ملنے کی جگہ کی نشانی یہ ہے کہ جہاں وہ مچھلی زندہ ہو جائے تو مجھے مطمع کرنا لیکن بائیں ہمہ یوشع بن نون علیہ السلام اس کا ذکر کرنا بھول گئے اور کہا کہ مجھے شیطان نے بھلا دیا کہ میں اس واقعہ کا آپ سے ذکر کرتا نہ معلوم کسبخت شیطان نے مجھ کو کس دھیان میں لگا دیا کہ میں آپ سے اس عجیب و غریب واقعہ کا ذکر کرنا بھول گیا۔ عین منزل مقصود پر پہنچ کر اصل مقصود سے ذہول اور غفلت شیطان ہی کا کچھ اثر معلوم ہوتا ہے جس نے قدرت الہی کے ایسے کرشمہ کو بھلا دیا ورنہ یہ عجیب و غریب کرشمہ قدرت بھولنے کے لائق نہ تھا۔ بظاہر سفر کی جلدی کے بارے میں اس کا ذکر کرنا بھول گئے۔ یوشع بن نون نے اپنی اس سہو نسیان کو تو اضعاً شیطان کی طرف منسوب کیا۔ شیطان کا اصل زور تو اس کے دوستوں ہی پر چلتا ہے کما قال تعالیٰ ﴿إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ﴾ لیکن بھول چوک اور وسوسہ شیطانی کبھی کبھی خدا کے نیک بندوں کو بھی پیش آجاتی ہے۔ کما قال تعالیٰ ﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَئِيفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ﴾ مگر یہ بھول چوک عباد صالحین کے حق میں مضرت نہیں ہوتی بلکہ ان کے حق میں مزید ترقی مدارج کا سبب بن جاتی ہے جیسا کہ یہاں سفر کی مزید مشقت سے ان کو زیادہ عروج ہوا اور مظہر کرامت بنے کہ بھنی ہوئی مچھلی زندہ ہو گئی۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے یوشع بن نون علیہ السلام سے کھانا طلب کیا تو دیکھا کہ مچھلی ندرد ہے تو یوشع بن نون نے معذرت کی اور عرض کیا کہ جب ہم اس پتھر کے پاس ٹھہرے تھے تو مچھلی وہیں مفقود ہو گئی تھی اور میں آپ سے اس قصہ کا ذکر کرنا بھول گیا تھا اور وہ قصہ یہ ہوا کہ اس مچھلی نے زندہ ہونے کے بعد دریا میں عجیب طرح سے راستہ بنا لیا ایک عجیب بات تو یہ ہوئی کہ بھنی ہوئی مچھلی زندہ ہو گئی اور دوسری عجیب بات یہ ہوئی کہ وہ زندہ ہو کر دریا میں سرنگ بناتی چلی گئی اور پانی میں جا کر بیٹھ گئی وہاں طاق سا کھلا رہ گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ قصہ سن کر فرمایا یہ تو وہ مقام ہے جس کی ہم تلاش اور جستجو میں تھے اللہ تعالیٰ نے اس نیک بندہ کا یہی پتہ بتایا تھا کہ جہاں مچھلی گم ہو جائے وہیں اس سے ملاقات ہوگی اس لیے ہم کو پھر اسی جگہ واپس لوٹنا چاہئے پس لوٹ پڑے دونوں اپنے نشان قدم پر کھوج لگاتے ہوئے اور پھر اسی پتھر کے پاس واپس آگئے جہاں مچھلی بھولے تھے سو وہاں پہنچ کر ان دونوں نے یعنی موسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفیق یوشع بن نون نے ہمارے بندوں میں سے ایک خاص بندہ کو پایا یہ بندہ خدا ہی خضر علیہ السلام ہیں جن کی ملاقات کے لئے یہ سفر کیا اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اس خاص بندہ کے دو وصف بیان کئے۔

اول ﴿أَتَيْنَهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ یعنی ہم نے اس کو اپنی خاص رحمت اور خاص عنایت سے سرفراز کیا تھا بعض کہتے ہیں کہ رحمت سے نبوت اور ہدایت مراد ہے اور جمہور مفسرین کے نزدیک رحمت سے ولایت اور مقبولیت مراد ہے اور فقط رحمت مجمل ہے جس میں دونوں معنی کا احتمال ہے اس لیے بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام اولیٰ تھے نبی نہ تھے۔

دوسرا وصف اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ بیان فرمایا ﴿وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عَلِيمًا﴾ اور ان کو ہم نے اپنے پاس سے ایک خاص علم عطا کیا تھا جو نظر و فکر سے حاصل نہیں ہو سکتا ہم نے اپنے پاس سے ان کو باطنی علم سکھایا وہ علم ہمارے ساتھ خاص ہے بغیر ہمارے سکھائے کوئی اس علم کو نہیں جان سکتا۔ صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ایسے ہی علم کو علم لدنی کہتے ہیں جس میں اسباب ظاہری کا دخل اور واسطہ نہ ہو اور عالم غیب سے براہ راست علم اس کے قلب میں داخل ہو ملائکہ پر جو منجانب اللہ علوم

بھنی ہوئی مچھلی

فائز ہوتے ہیں وہ اسی قسم کے ہوتے ہیں قلب میں عام طور پر جو علم داخل ہوتا ہی وہ حواس ظاہری کے دروازوں سے داخل ہوتا ہے ایسے علم کو علم حصولی اور علم اکتسابی کہتے ہیں اور جب کسی کے قلب میں کوئی دروازہ عالم ملکوت کی طرف کھل جائے اور بلا ان ظاہری دروازوں کے کوئی علم قلب میں پہنچ جائے تو ایسے علم کو علم لدنی کہتے ہیں جو علم قلب کے باہر کے دروازہ سے داخل اور حاصل ہو وہ علم حصولی ہے اور جو علم قلب کے اندر کسی باطنی دروازہ سے آئے وہ ”علم لدنی“ اور ”علم وہبی“ اور ”علم حضوری“ کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کو اسرار غیبی اور باطنی حکمتوں اور مصلحتوں کا علم عطا فرمایا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو احکام شریعت کا علم عطا فرمایا تھا

ہر گلے راز نگ و بوائے دیگر است

چنانچہ جب ملاقات ہوئی تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا انی علی علم من علم اللہ علمنبیہ لا تعلیم وانت علی علم من علم اللہ علمک اللہ لا اعلم یعنی مجھے اللہ کی طرف سے ایک خاص علم ملا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خاص مجھ کو عطا کیا ہے۔ (جس کا تعلق اسرار کونیہ اور جزئیات غیبیہ سے ہے) یہ علم مجھ کو ایک خاص مقدار میں ملا ہے تم اس کو نہیں جانتے اور تم کو منجانب اللہ ایک خاص علم ملا ہے جس کا تعلق اسرار شریعت اور احکام ہدایت اور اصلاح امت سے ہے۔ یہ علم اللہ نے خاص تم کو سکھایا ہے اس علم کو نہیں جانتا مطلب یہ ہے کہ میرا علم اور تمہارا علم دو مختلف قسمیں ہیں۔ دونوں یکجا جمع نہیں ہو سکتیں اس لیے تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتے اور وہاں ایک چیز یاد کھائی دئی کہ دریا میں سے پانی پیتی تھی تو خضر علیہ السلام نے کہا کہ میرا اور تمہارا اور ساری مخلوقات کا علم اللہ کے سامنے ایسا ہے جیسے دریا میں سے چڑیا کے منہ میں ایک قطرہ آگاہے اور یہ بھی محض تفہیم کے لئے تھا ورنہ درحقیقت یہ نسبت بھی نہیں اس لیے کہ ساری دنیا کا علم بھی تنہا ہی ہے اور اس کو خدا تعالیٰ کے غیر تنہا ہی علم سے کیا نسبت۔ خدا تعالیٰ کے دریائے علم کی کوئی حد اور انتہاء نہیں جس کو جو علم ملا وہ اس کے دریائے علم کا ایک قطرہ ہے اور ایک قطرہ آب پر ناز کرنا مناسب نہیں اس دریا پر نظر کرو جہاں سے یہ قطرہ ملا ہے۔ خضر علیہ السلام کی اس بے مثال تشبیل ﴿وَوَمَا أُوْتِيْتُهُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلًا﴾ کی خوب تفسیر ہو گئی اور مشرکین مکہ نے جو اہل کتاب کے مشورہ سے آپ ﷺ کے امتحان کے لیے تین سوال کئے تھے ان کے ساتھ اس قصہ کا ربط خوب ظاہر ہو گیا کہ نبی کے لیے تمام علوم کا عالم ہونا ضروری نہیں ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے وہاں پہنچ کر ان کو سلام کیا بعد ازاں موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ میں اس لیے آیا ہوں کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں اور آپ کا اتباع کروں اس شرط پر یا اس امید پر کہ جو خبر اور بھلائی کی باتیں آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے تعلیم دی گئی ہیں ان میں سے آپ کچھ مجھ کو بھی تعلیم کریں موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت نبی اور رسول تھے علوم شریعت سے پورے واقف اور باخبر تھے لیکن جو علم خضر علیہ السلام کو دیا گیا تھا اس علم کا تعلق شریعت سے نہ تھا بلکہ اس کا تعلق اسرار کونیہ اور امور باطنیہ سے تھا اور ایسے علم کا جس کا تعلق شریعت اور احکام خداوندی سے نہ ہونی کا غیر نبی سے ایسے علم کا سیکھنا نبوت کے منافی نہیں اور حدیث انتم اعلم بامور دنیا کم اس کی مؤید ہے معلوم ہوا کہ صاحب شریعت پیغمبر کا کسی غیر نبی سے ایسے امور کا سیکھنا کہ جن کا اصول دین اور فروغ دین سے کوئی تعلق نہ ہو شان نبوت کے منافی نہیں۔

خضر علیہ السلام نے کہا اسے موسیٰ علیہ السلام تم میرے ساتھ رہ کر میری باتوں پر صبر نہیں کر سکو گے کیونکہ تم شریعت کے پابند

اور احکام شریعت کا دار و مدار ظاہر پر ہے اور مجھ سے ایسے امور صادر اور سرزد ہوں گے کہ جو بظاہر شریعت کے خلاف ہوں گے اور ان کے اصل راز اور اندرونی حقیقت کی آپ کو خبر نہ ہوگی۔ آپ ان کو دیکھ کر حیران ہوں گے آپ کی نظر صرف ظاہر پر ہوگی اور اس شے کی باطنی حکمتوں اور مصلحتوں کا آپ کو علم نہ ہوگا اس لئے آپ ایسے امور کو دیکھ کر صبر نہ کر سکیں گے میں جانتا ہوں کہ آپ میری باتوں کا انکار کریں گے اور آپ اس انکار میں بلاشبہ معذور ہوں گے اس لیے کہ از روئے شریعت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے اور آپ نبی ہیں اور نبی سے امور منکرہ پر صبر نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں بھی ان امور کے کرنے میں معذور ہوں گا اس لیے کہ میں منجانب اللہ اس کا ما مور ہوں گا اور من جانب اللہ میں اس کی باطنی حکمت و مصلحت پر مطلع ہوں گا اور آپ ان مصالح سے آگاہ نہ ہوں گے اس لیے آپ میری باتوں پر صبر نہ کر سکیں گے بہر حال آپ کے لیے میری باتوں پر صبر کرنا اور سکوت اور خاموشی اختیار کرنا بہت دشوار ہوگا اور اگر سوالات اور مواخذہ اور روک ٹوک کا سلسلہ جاری رہا تو تعلیم و تعلم کا سلسلہ کیسے جارہ رہ سکے گا اور بے شک آپ اس چیز پر کیسے صبر کر سکتے ہیں جو آپ کے احاطہ علم سے باہر ہو آپ کی نظر اس امر کی ظاہری قباحت پر تو ہوگی مگر اس کے باطنی محاسن آپ کے علم سے پوشیدہ ہوں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ اگرچہ میں ظاہر شریعت کا مکلف ہوں باطن سے مجھے کوئی سروکار نہیں لیکن میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی مخالفت نہ کروں گا۔ ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور حتی الوسع میں کسی بات میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ جو امر آپ سے صادر ہوگا اگرچہ وہ بظاہر میری نظر میں قبیح ہوگا مگر درحقیقت قبیح نہ ہوگا اس لئے کہ جب اللہ رب العالمین نے آپ کی معیت اور مصاحبت کا حکم دیا ہے تو یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ آپ کا جو کام ہوگا وہ عین منشاء خداوندی ہوگا اس لیے میں ان شاء اللہ حتی الوسع اس پر صبر کروں گا وعدہ فرمایا اور تبرک کے لیے ان شاء اللہ کی قید لگا دی جیسا کہ انبیاء کی سنت ہے کما قال اللہ تعالیٰ ﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ غَدًا ۗ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے بطور تبرک اور بطریق توکل ان شاء اللہ کہا کہ بندہ کا فعل خواہ صبر ہو اور خواہ شکر ہو سب اللہ کی مشیت پر موقوف ہے بندہ اپنے کسی قول اور فعل اور عمل میں مستقل نہیں لا حول ولا قوت الا باللہ العلی العظیم۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سارا کلام درحقیقت حضرت خضر علیہ السلام کے اس قول ﴿إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ کا جواب تھا اہل فہم حضرات موسیٰ علیہ السلام کے اس جواب با صواب پر غور فرمائیں کہ جس کے ہر لفظ اور ہر حرف سے ادب اور تواضع ٹپک رہی ہے۔

اول ﴿هَلْ أَتَّبِعُكَ﴾ سے اتباع چاہی کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے آپ کو تابع کر دوں۔  
دوم ﴿عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِي﴾ سے اقرار کیا کہ آپ عالم اور معلم ہیں اور میں آپ کا معلم بننا چاہتا ہوں۔  
سوم ﴿مِنَّا عَلِمْتُمْ﴾ کہہ کر حضرت خضر علیہ السلام سے بعض علم کی درخواست کی کہ آپ اپنے علم میں سے کچھ حصہ اور اس کا کوئی جز مجھ کو مرحمت فرمائیں مطلب یہ تھا کہ میں تمہیں چاہتا کہ علم میں آپ کے برابر ہو جاؤں بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ جو علم آپ کو حاصل ہے اس میں سے کوئی جز مجھے عطا فرمائیں۔

چہارم یہ کہ ﴿عَلِمْتُمْ﴾ سے اس بات کا اقرار کیا کہ یہ علم آپ کو من جانب اللہ ملا ہے۔

پہم لفظ ﴿رُشِدًا﴾ سے اس بات کا اقرار کیا کہ وہ علم رشد و ہدایت ہے اس رشد میں سے کچھ عطا کئے جانے کی درخواست کی۔

ششم ﴿سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا﴾ یعنی انشاء اللہ آپ مجھ کو صابر پائیں گے۔

ہفتم ﴿وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا﴾ یعنی آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کروں گا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے تعلیم کی درخواست کی تو خضر علیہ السلام نے کہا اے موسیٰ! کیا تمہیں توریت کا علم کافی نہیں موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں اللہ کے حکم سے حاضر ہوا ہوں اس پر خضر علیہ السلام نے فرمایا اچھا اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو اس بات کا خیال رکھنا کہ مجھے سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرنا یہاں تک کہ میں خود تم کو اس کے حال سے آگاہ کر دوں مطلب یہ ہے کہ اگر ہم میرے ساتھ رہنا چاہئے ہو تو شرط یہ ہے کہ مجھ سے کچھ نہ پوچھنا اور نہ مجھ پر اعتراض کرنا کہ یہ کیوں کیا یا ایسا کیوں کیا یہاں تک کہ میں خود تم سے اس کا ذکر کروں۔ (تفسیر سراج منیر: ۲/۳۲۱)

اب آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ ان وقائع کو بیان کرتے ہیں جو اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے درمیان پیش آئے۔ پس ان شرائط کے تسلیم کر لینے کے بعد موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے ساتھ ہوئے اور آگے روانہ ہوئے ظاہر یہ ہے کہ یوشع بن نون علیہ السلام بھی ساتھ تھے کیونکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے اس لیے اصل متبوع یعنی موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کر دیا اور تابع (یوشع بن نون علیہ السلام) کا ذکر چھوڑ دیا اور قشیری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر کی ملاقات کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام کو واپس کر دیا (واللہ اعلم)

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام دونوں روانہ ہوئے اور چلتے چلتے ایسے مقام پر پہنچے جہاں کشتی پر سوار ہونے کی ضرورت پیش آئی نا خدا نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان کر بصد تعظیم و تکریم کشتی میں مفت سوار کر لیا یہاں تک کہ جب دونوں اس کشتی میں سوار ہو گئے تو کچھ دور چل کر حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ کر اس میں سوراخ کر دیا موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر گھبرائے کہ اب کشتی میں پانی بھر جائے گا اور کشتی غرق ہو جائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گھبرا کر کہا اے خضر کیا تو نے اس کشتی کو اس لیے پھاڑا ہے کہ کشتی والوں کو غرق کر دے اور بیوجہ سب کی جانیں ضائع ہوں اور احسان کا بدلہ نقصان سے دیں مال بھی برباد اور جانیں بھی برباد البتہ تحقیق تم نے عجیب ہی کام کیا ہے ایک تختہ نکال کر کشتی والوں پر آفت برپا کر دی۔ خضر علیہ السلام نے کہا میں نے کہا نہیں تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے آخر وہی ہوا جو میں نے کہا تھا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں بھول گیا تھا۔ لہذا مجھے میری بھول چوک پر نہ پکڑو اور میرے معاملہ پر سختی نہ کر تاکہ میرے لئے آپ کی معیت اور مرافقت میں دشواری نہ ہو بھول چوک میں نرمی اور چشم پوشی چاہئے نہ کہ مؤاخذہ اور سخت گیری فعل نسیان، اللہ تعالیٰ کے نزدیک عدم کے حکم میں ہے پھر کشتی سے اتر کر دونوں آگے روانہ ہوئے اور ایک بستی میں پہنچے اور چند لڑکوں کے پاس سے گزرے جو کھیل رہے تھے یہاں تک کہ جب وہ دونوں ایک کسن لڑکے سے ملے جو ان کھیلنے والوں میں سب سے زیادہ حسین و جمیل تھا حضرت خضر نے اس کو پکڑ کر مار ڈالا قتل کر دیا یا زمین پر لٹا کر چھری سے زنج کر دیا یا اس کا سر اس کے دھڑ سے جدا کر دیا یا اس کا سردیوار سے مار دیا اور مار کر چل کھڑے ہو گئے۔

بچے کے اس حیرت انگیز قتل کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو جوش آ گیا اور بولے اے خضر کیا تو نے ایک پاک اور بے گناہ جان کو بغیر کسی جان کے عوض اور بدلہ کے یونہی مار ڈالا یہ تو معصوم بچہ تھا اس نے تو کسی کا خون بھی نہیں کیا تھا ایسا معصوم بچہ اگر کسی کا خون بھی کر ڈالے تو اس پر قصاص نہیں آپ نے اس کو کیسے مار ڈالا ہے بے شک آپ نے بہت ہی ناپسندیدہ اور برا کام کیا جس کا عقل اور فطرت اور شریعت سب ہی انکار کرتی ہیں آپ کا یہ فعل پہلے فعل سے زیادہ سخت ہے آپ نے ایسا برا کام کیا جس کا تدارک بھی ممکن نہیں کشتی کے شگاف کا من وجہ تدارک ممکن ہے۔ مگر قتل کا تدارک ممکن نہیں مار ڈالنے کے بعد جان ڈالنا کسی کے اختیار میں نہیں نیز قتل سے جان کا نقصان یقینی ہے اور شگاف سے کشتی کا غرق ہونا یقینی نہیں ممکن ہے۔ کہ کشتی باوجود شگاف کے غرق نہ ہو یا لوگ کسی اور طرح سے بچ جائیں۔

الحمد للہ آج بتاریخ ۱۴ ذی الحجۃ الحرام یوم شنبہ سنہ ۱۳۸۹ھ عصر اور مغرب کے درمیان پندرھویں پارہ کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ (فللہ الحمد اولاً و آخراً)۔





لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

# خصائل نبوی

شرح اردو

# شمال ترمذی

تشریح و تحشیہ

بَرَكَتُهُ الْعَظِيمَةُ شَيْخُ الْحَدِيثِ حَضْرَتِ مَوْلَانَا مُحَمَّدِ بْنِ كَرِيمٍ صَا. كَانْ دَهْلَوِي شَمِهَا جَرْمَدِي نَوْرَانْدَه مَرَقَدَه  
(۱۳۱۵ھ ۱۴۰۲ھ)

حل لغات

ذکاوت حسین قاسمی

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ

29LG ہادیہ حلیمہ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

042-37242117, 0332-4377621



سیرت مبارکہ پر اپنی نوعیت کی منفرد کتاب

# ذکرِ مبارکِ آفاتِ نامدارِ محمد ﷺ

افادات

بزرگمقام قطب الاقطاب شیخ محمد رفیع اعظمی صاحب مدظلہ العالی  
شیخ الحدیث محمد رفیع اعظمی صاحب مدظلہ العالی  
سید محمد رفیع اعظمی صاحب مدظلہ العالی

مترتب

محمد رفیع اعظمی صاحب مدظلہ العالی  
خلیفہ حضرت شیخ الحدیث محمد رفیع اعظمی صاحب مدظلہ العالی  
بانی: مرکز احوال القسمان المسلمین الباقی

ناشر

مکتبہ جلیلہ شریف آباد

اردو بازار لاہور

۰۳۳۲-۲۲۷۷۶۲۱ • ۰۳۳۱-۳۱۰۳۱۷  
maktaba.hr@gmail.com

90 ہزار سے زیادہ عربی الفاظ کے معانی و تشریح  
محاورات و ضرب الامثال مع ضمیمہ جدید عربی الفاظ

عربی اردو

# المعجم

فی اللغۃ

لویس معلوف

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ



